اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاِسلامی وَأدِلَّتُہ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائ کی آراء

اور اہم فقہی نظریات پر مُشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مُطابق مُرتب کردہ

ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

جلد پنجم

حصّہ نہم ودہم

بابُ الزواج والطّلاق ، باب حقوق الاولاد

بابُ الوصایا ، بابُ الوقف ، بابُ المیراث

مؤلّف

الاستاذ الدکتور وهبة الزحيلي رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجمین

نہم

مولانا محمد یوسف تنولی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دہم

مولانا عامر شہزاد صاحب

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت

اردو بازار کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……… ملنے کے پتے ………

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین......جلد نہم

فہرست مضامین ......جلد دہم

اصطلاحات

زواج.....شادی، نکاح۔

خطبہ.....پیغامِ نکاح۔

ناکح.....نکاح کا خواہشمند مرد۔

منکوحہ.....وہ عورت جس کے ساتھ عقدِ نکاح ہو۔

مخطوبہ.....جس عورت کے متعلق پیغام نکاح دیا گیا ہو۔

عاقدین.....نکاح کرنے والا مرد اور عورت، میاں بیوی۔

فضولی.....ایسا شخص جو مرد، عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کروادے۔

کفاءۃ.....ہمسری، برابری۔

کفو.....ہمسر، برابر۔

ولی.....لڑکی کا سرپرست۔

مولیٰ عنہا.....وہ لڑکی جس کی سرپرستی کی جارہی ہو۔

مہر.....نکاح کی بنا پر عورت کی عصمت کے احترام کے طور پر دیا جانے والا مال۔

مہر مثل.....ایسا مہر جو عورت کے دادھیالی خاندان کی عورتوں کا مقرر کیا جاتا ہو۔

مہر مسمی.....مقرر کیا ہوا مہر۔

مہر مؤجل.....ایسا مہر جو خاوند کے ذمہ واجب الاداء ہو۔

مہر معجّل.....ایسا مہر جو بوقت عقد ادا کر دیا جائے یا ادا کرنا لازم ہو۔

معتدہ.....وہ عورت جو عدت میں ہو۔

محرماتِ مؤبدہ.....ایسی عورتیں جن کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ نکاح کرنا حرام ہو۔

اصول.....باپ دادا، پردادا.....، ماں، نانا، نانی۔

فروع.....اولاد، بیٹا، پوتا، پڑوتا۔ (پڑپوتا)

متعہ.....تحفہ کے طور پر مطلقہ کو دیا جانے والا سامان۔ متعہ کا اطلاق نکاح متعہ پر بھی ہوتا ہے۔

طلاق.....رشتہ ونکاح کو ختم کرنا

مطلق.....طلاق دہندہ۔

مطلقہ.....طلاق یافتہ عورت۔

مطلقہ ثلاث.....جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔

طلاق مغلظہ.....عورت کو تین طلاقیں دینا۔

طلاق بدعی.....حیض میں طلاق دینا، یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا ہو۔

طلاق سنی.....ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں عورت سے جماع نہ کیا ہو۔

طلاق رجعی.....جس طلاق کے بعد رجوع کا حق رہے ایک یا دو طلاقیں رجعی ہوتی ہیں۔

طلاق کنائی.....کنائی الفاظ جن کے دو معنی ہوں میں طلاق دینا۔

صریح طلاق.....صاف واضح الفاظ یعنی لفظ طلاق کے ساتھ طلاق دینا۔

مبتوتہ.....وہ عورت جو فسخ نکاح یا طلاق کی وجہ سے بائنہ ہو گئی ہو۔

رجعت.....ایک یا دو طلاقوں کے بعد عورت کو پھر سے بیوی بنالینا۔

خلع.....عورت سے کچھ مال لے کر رشتۂ نکاح ختم کرنا۔

مختلعہ.....خلع یافتہ عورت۔

ایلاء.....عورت کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھالینا۔

مولی.....ایلاء کرنے والا۔

لعان.....زوجین کا لعنت اور غضب الٰہی سے مربوط قسمیں کھانا۔

ظہار.....عورت کو یا اس کے کسی عضو کو نسبی یا رضاعی محرم عورت کے ساتھ تشبیہ دینا۔

سکنی.....رہائش، گھر جس میں عورت رہتی ہو۔

عدت.....طلاق یا بیوگی کے بعد مخصوص ایام عورت کا انتظار میں بیٹھے رہنا۔

متوفی عنہا.....وہ عورت جس کا خاوند مر گیا ہو۔ بیوہ۔

احداد (سوگ).....بیوہ کا زیب وزینت ترک کر دینا۔

استبراء.....باندی یا ایسی عورت جس سے وطی بالشبہ ہوئی ہو یا نکاح فاسد میں وطی ہوئی ہو کا اپنے رحم کو غیر کے نطفہ سے پاک کرنے کے لئے ایک یا دو حیض گزارنا۔

چھٹی قسم......شخصی حالات

بحث کالائحہ عمل......یہ قسم چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلاباب......نکاح اوراس کے اثرات۔

دوسراباب......نکاح کا خاتمہ اوراس کے اثرات جس کے بارے میں چار فصلیں،طلاق،خلع،عدالتی کارروائی اورعدت کے بارے میں ہیں۔

تیسراباب......اولاد کے حقوق یعنی نسب،رضاعت،پرورش،سرپرستی،بیوی اوربچوں کے اخراجات۔

چوتھاباب......وصیتیں۔

پانچواں باب......وقف

چھٹاباب......میراث یافرائض۔

شخصی حالات سے کیامراد ہے۔ شخصی احوال ایک اجنبی قانونی اصطلاح ہے جس کے مقابلہ میں شہری حالات اورشہری معاملات اور جنایات کی قسم ہے۔جامعات (یونیورسٹیوں) میں یہ اصطلاح مشہور ہے۔اورخاندانی احکام میں تالیف کاعنوان بن گیاہے۔جن سے مرادوہ احکام ہوتے ہیں جوانسان کاتعلق شادی کے ذریعہ اس کے خاندان سے جوڑتے اوراختتام میں ترکوں یامیراث کے تصیفہ کے ذریعہ ملاتے ہیں جومندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہیں۔

۱۔اہلیت،اختیاراورکم سن کے بارے میں وصیت کے احکام،ہم نے فقہی نظریات میں ان پر بحث کی ہے۔

۲۔منگنی،شادی،زوجین کے مہراورخرچ کے حقوق،اولاد کے نسب رضاعت،اخراجات،خاوند کے ارادے سے شادی کا اختتام جیسے طلاق اورخلع یاعدالتی جدائی سے جیسے ایلاء،لعان اورظہار،عیب،عدم موجودگی،نقصانات اورخرچ نہ ملنے کی صورت میں جدائی وغیرہ کے عائلی احکام۔

۳۔میراث،جسے فقہ میں فرائض کہاجاتاہے کے خاندان کے مالی احکام،وصتیں اوراوقاف (وقف شدہ اموال) جنہیں موت کے بعد والی زندگی میں تصرف شمارکیاجاتاہے۔

مصرمیں عدالتی قانون میں آٹیکل (۱۳) نے نمبر (۱۴۷) ۱۹۴۹ء کے سال کے لیے شخصی احوال میں شمارہونے والی چیزوں کی حدودبندی کی ہے اوریہ سابقہ تین گروپ ہیں۔شخصی حالات کے قوانین،شام،تیونس،اردن،عراق مغرب اقصی میں صادرہوئے جوشادی اہلیت اورکم سن کے بارے میں وصیت اورمیراث کے احکام کوشامل ہیں۔البتہ عراقی قانون سنی شیعہ دومذہبوں کے احکام پر مشتمل ہے شخصی حالات کے تمام احکام کاضامن نہیں۔جومذہب شیعہ کے احکام کے علاوہ،فقہ حنفی کے مطابق قدری پاشاکی کتاب الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ کااختصار ہے۔۱۹۴۳ءمصرمیں میراث کے متعلقہ اور۱۹۴۶ءوقف کے متعلق،۱۹۴۶ءوصیت کے متعلقہ خصوصی قوانین صادرہوئے اورآخرمیں ۷۰ کی دہائی میں شخصی حالات کاقانون صادرہوا۔

الباب الاول.....نکاح اور اس کے اثرات

اس کی سات فصلیں ہیں۔

فصل اول.....نکاح سے قبل معاملات، ایک نظر دیکھنا اور منگنی (پیام نکاح)

فصل ثانی.....نکاح کرنا، اس کا مطلب اور حکم، اس کے ارکان، شرطیں، قسمیں، ہر قسم کا حکم جو اس میں مستحب ہے۔

فصل ثالث.....حرام کردہ یا محرم عورتیں۔

فصل رابع.....اہلیت، اختیار اور شادی میں وکیل بنانا۔

فصل خامس.....نکاح میں کفو۔

فصل سادس.....نکاح کے اثرات، مہر اور اس کے احکام، خلوت اور اس کے احکام، طلاق کے بعد یا صحبت سے پہلے مادی سامان۔

فصل سابع.....نکاح کے حقوق اور اس کے واجبات۔

ہم ان فصلوں پر مذہب کے بارے میں تبعاً بحث کریں گے۔

الفصل الاول: شادی سے پہلے امور:

خطبہ (پیام نکاح) اس کا معنی، حکمت، اقسام، خطبہ پر مرتب ہونے والے امور، پیام پر پیام، جس عورت کو پیام دیا جارہا ہے اس کے لوازمات، کس عوت کو پیام نکاح بھیجنا مباح ہے، عدت گزارنے والی عورت کو پیام، جس عورت کو پیام بھیجا اسے دیکھنا، کتنی مقدار دیکھنا مباح ہے، دیکھنے کا وقت اور اس کی شرط، جسے پیام بھیجا اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے کی حرمت، پیام نکاح سے اعراض اور اس کے اثرات۔

اول: شادی سے پہلے کے امور.....ابن [1] رشد نے شادی سے پہلے کے چار امور ذکر کیے ہیں جو شرعاً شادی کا حکم، نکاح کے خطبہ کا حکم، پیام پر پیام بھیجنا، شادی سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنا ہیں۔ ہم پہلے دو امور سے متعلق بحث شادی کی تکوین کی بحث میں کریں گے۔ رہے آخری دو امور تو ان کی بحث کا مقام یہی ہے۔

شریعت نے ان مقدمات کا اہتمام اس لیے کیا ہے تاکہ شادی کو مضبوط ترین بنیاد اور طاقت ور مبادی (جہاں سے ابتداء کی جائے) پر استوار کیا جائے تاکہ اس سے انتہائی خوشی اور راحت ثابت ہو۔ جو دوام اور بقاء اور خاندان کی سعادت، ٹھہراؤ اور اندرونی بگاڑ کو روکنا اور اس تعلق کی جھگڑے اور اختلاف سے حفاظت کرنا ہے تاکہ اولاد ہر طرح کے اطمینان، محبت والفت کی فضا میں پل بڑھ سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس میں سے جوڑے بنائے تاکہ ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و مہربانی رکھ دی بیشک اس میں غور کرنے والی قوم کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔

دوم: خطبہ کا معنی.....کسی مخصوص عورت کے ساتھ نکاح کی رغبت کا اظہار کرنا اور اس عورت یا اس کے سرپرست کو اس کی اطلاع کرنا ہے۔ کبھی یہ اطلاع نکاح کا پیام دینے والے سے خود یا کبھی اس کے اہل خانہ کے واسطے سے ہوتی ہے۔ پھر اگر مخطوبہ یا اس کے گھر والے موافقت کرلیں یعنی رشتہ قبول کرلیں تو ان دونوں کے درمیان خطبہ (منگنی) مکمل ہوگیا، اس پر اس کے شرعی احکام واثرات مرتب ہوتے ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے۔

---

[1].....بدایۃ المجتہد ۲/۲

سوم: خطبہ (پیام) کی حکمت...... پیام نکاح، شادی سے پہلے کے دیگر امور کی طرح جانبین کے درمیان تعارف کا ذریعہ ہے اس لیے کہ یہی اخلاق وعادات، طبیعتوں اور میلانوں کو پرکھنے کا راستہ ہے لیکن اتنی مقدار کی رعایت سے جس کی شرعاً اجازت ہے وہ کافی ہے پس جب باہمی ملاقات اور جواب سوال پایا گیا تو شادی کا اقدام ممکن ہے جو زندگی میں ہمیشہ کا رابطہ ہے اور طرفین کو اس حد تک اطمینان ہو جائے کہ دونوں کے لیے سلامتی، امن، سعادت، اتحاد، تسلی اور محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا ممکن ہو، یہ وہ اہداف ہیں جن کی ترغیب بھرپور نوجوان لڑکوں، لڑکیوں اور ان کے بعد اہل خانہ کو دی گئی ہے۔

چہارم: پیام نکاح کی اقسام...... پیام یا تو صراحتاً اس میں رغبت کے اظہار سے ہوگا۔ مثلاً پیام بھیجنے والا کہے: میں فلانی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یا ضمناً اس کا مفہوم سمجھ آرہا ہو یا اشارے کنائے سے براہ راست اس عورت سے خطاب کرکے کہا جائے: آپ شادی کے لائق ہیں یا جس کی قسمت میں آپ جائیں گی وہ بڑا سعادت مند ہوگا مجھے آپ جیسی لڑکی کی تلاش ہے وغیرہ۔

پنجم: منگنی پر مرتب ہونے والے امور...... منگنی محض شادی کا وعدہ ہے لیکن بذات یہ کوئی شادی ❶ نہیں، کیونکہ شادی، مشہور عقد کے انعقاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، لہٰذا (منگنی کی وجہ سے) دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہیں گے، مرد صرف اتنی مقدار سے مطلع ہوسکتا ہے جو شرعاً مباح ہے اور وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں جیسا کہ بیان ہوگا۔

شخصی احوال کے قانون سوری (م ۲) نے مندرجہ ذیل صراحت کی ہے: منگنی، وعدہ شادی، سورۃ فاتحہ کا پڑھنا، مہر پہ قبضہ کرنا اور ہدیہ قبول کر لینے سے شادی نہیں ہوتی۔

ششم: (کسی کے) پیام نکاح پر پیام بھیجنا...... اسی طرح منگنی پہ یہ احکام مرتب ہوتے ہیں کہ کسی عورت کو پہلے کسی نے پیام نکاح بھیجا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس کا پیام مکمل ہو گیا ہے تو کسی اور کو پیام بھیجنا حرام ہے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلے پیام نکاح کے ہوتے ہوئے پیام بھیجنا حرام ہے جب رشتہ قبول ہونے کی صراحت معلوم ہو جائے اور پہلا شخص اجازت نہ دے اور پیام ترک نہ کرے۔ اگر اسی حالت میں دوسرے شخص نے پیام بھیجا اور شادی کرلی تو اس نے نافرمانی کی۔ اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تم میں سے کوئی بھی اپنے (مسلمان) بھائی کے سودے پہ سودا نہ کرے ❷ اور نہ اپنے بھائی کے پیام پہ پیام بھیجے الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔" ❸

اور بخاری کی روایت میں ہے:

اس کی ممانعت ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے سودے پہ سودا کرے یا اپنے بھائی کے پیام نکاح پہ نکاح کا پیام بھیجے، یہاں تک کہ پہلے پیام بھیجنے والا ارادہ ترک کردے یا اسے اجازت دے دے۔ ❹ اس لئے یہ نہی رشتہ مکمل ہو جانے کے بعد پہلے منگنی کرنے والے کے پیام پر دوسرے پیام کے حرام ہونے کے بارے میں صریح ہے اس واسطے کہ اس میں پہلے شخص کی تکلیف، اس کی عداوت کا سبب اور اس کے دل میں کینے کا بیج بونے کے مترادف ہے۔ پھر اگر فریقین میں سے کوئی ایک اعراض کرے یا کسی دوسرے کو پیام دہی میں پہل کرنے کی اجازت دے دے تو یہ جائز ہے۔

---

❶.....لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر چیز کو مباح اور جائز کر دیتا ہے محض غلط اور منکر قبیح ہے اور احکام دین سے ناواقفی اور جہالت ہے یہ سارا صرف وعدہ ہے عقد نہیں عقد اکیلا ہی ہر اس چیز کو مباح کرتا ہے جو پہلے حرام تھی۔ ❷ لیکن اس سے بولی کی خرید وفروخت مستثنیٰ ہے لہٰذا وہ ممنوع نہیں (سبل السلام ۲۳/۲) ❸ رواہ احمد ومسلم عن ابن عمر (نیل الاوطار ۱۲۷۔۱۲۸، سبل السلام ۲۲/۳۔ ۲۳، ۱۱۳) ❹ رواہ ایضاً ابن خزیمہ وابن الجارود والدارقطنی۔

بہر حال جب پہلا پیام نکاح مکمل نہ ہوا ہو بلکہ معاملہ ابھی تک مشورے اور تردد کی حالت میں ہو تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ حرام نہیں۔لیکن احناف کے ہاں پیام نکاح بھیجنا مکروہ ہے۔جس کی وجہ وہ مطلق احادیث ہیں جو دوسرے کے پیام پر پیام بھیجنے اور خریداری پر خریداری کرنے اور سودے پر سودا کرنے کی ممانعت کے بارے میں ہیں یعنی بیع پہ اتفاق کے بعد اور عقد سے پہلے۔

جمہور نے دوسرے پیام نکاح کو مباح قرار دیا ہے کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ کے خاوند ابوعمرو بن حفص بن المغیرہ نے جب انہیں طلاق دے دی تو مدت گزرنے کے بعد انہیں حضرت امیر معاویہ، ابوجہم بن حذافہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پیامات بھیجے تھے۔وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ساری صورتحال عرض کرنے لگیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی نیچے نہیں رکھتا، اور معاویہ نادار ہے۔جس کے پاس کوئی مال (فی الحال) نہیں البتہ تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو ❶ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک عورت نے پیام قبول نہ کیا ہو تو ایک سے زیادہ افراد پیام نکاح بھیج سکتے ہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے جب پیام بھیجنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس عورت کو اس سے پہلے کسی نے پیام بھیجا ہے، جس سے پہلی رائے کا وزنی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بہر کیف ادب اسلامی ہر حال میں تاخیر کا تقاضا کرتا ہے یہاں تک کہ تردد اور باہمی مشاورت اور تبادلہ خیال کا وقت ختم ہو جائے جو عموماً پیدا ہوتے ہیں تاکہ لوگوں میں محبت ودوستی کا تعلق باقی رہے اور دلوں میں کینوں اور عداوتوں کے بیج بونے سے دوری ہو۔

ہفتم: جس عورت کو پیام دیا جاتا ہے اس کے لوازمات...... اسلام نے حسن اختیار پر بھروسہ کرتے ہوئے شادی کے دوام کی ترغیب دی ہے وہ بنیادی قوت جو صاف دلی، اتحاد، سعادت اور اطمینان کو ثابت کرتی ہے تو دین اور اخلاق کے ذریعے ہے دین عمر کے گزرنے کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔

اور اخلاق زمانے کی رفتار اور زندگی کے تجربات سے پختہ ہوتے ہیں۔رہی دوسری اقدار جن کو عموماً لوگ ترجیح دیتے ہیں جیسے مال، خوبصورتی اور عالی نسبی تو ان کا اثر وقتی ہوتا ہے ہمیشہ کے تعلق کو ثابت نہیں کر سکتیں اکثر یہ امور باہمی مفاخرت اور ایک دوسرے سے اونچا ہونے یا دوسرں کو اپنی جانب کھینچنے اور ان کی نظریں اپنی طرف پھیرنے کے لیے ہوتے ہیں۔اسی بناء پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: چار امور کی وجہ سے عورت سے شادی کی جاتی ہے۔اس کے مال حسب، جمال اور دین کی وجہ سے اللہ تجھے کامیاب کرے دین دار کے ذریعے کامیاب ہو۔" ❷ یعنی جن امور کی بنا پر عموماً شادی کی رغبت دلائی جاتی اور مردوں کو اس کی طرف بلایا جاتا ہے وہ ان چار خصلتوں میں سے ایک ہے ان میں سے سب سے آخری خصلت ان کے نزدیک دین دار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ جب دین دار عورت مل جائے تو اس سے اعراض نہ کریں، ورنہ مرد کو افلاس اور فقر وفاقہ کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا۔پھر صراحتاً دین نہ ہونے کی وجہ سے عورت سے شادی کرنے سے منع کیا ہے اور مال وجمال کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو شاید وہ انہیں ہلاکت میں ڈال دے اور نہ ان کے مال کی وجہ سے نکاح کرو شاید وہ انہیں سرکش بنا دے ہاں دین کی وجہ سے کرو یقیناً سیاہ فام بے وقوف اور دیندار باندی افضل ہے۔ ❸

بہترین عورتوں کے بارے میں وارد ہے۔کسی نے عرض کی: اللہ کے رسول: کونسی عورت بہترین ہے؟ آپ نے فرمایا:

"جب دیکھے تو خوش ہو خاوند اسے حکم دے تو اس کی بات مانے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ایسی مخالفت نہ کرے جو خاوند کو ناپسند ہو۔ ❹

---

❶......رواہ مسلم عن فاطمة بنت قيس، یہ قریشی خاتون اور ضحاک بن قیس کی بہن تھیں، مہاجرات اولین سے تھیں اور حسن وجمال اور فضل وکمال والی خاتون تھیں (سبل السلام ۱۲۹/۳) ❷ متفق عليه بين اصحاب الكتب السبعه (احمد و الكتب الستة عن ابى هريرة۔ حسب سے مراد آدمی اور اس کے آباؤ اجداد کا اچھا کارنامہ ہے۔ ❸ اخرجه ابن ماجه والبزار والبيهقى من حديث عبدالله بن عمرو مرفوعاً (حواله سابقه) ❹ اخرجه النسائى و احمد عن ابى هريرة رضى الله عنه (حواله سابقه)

ماحول کی بڑی تاثیر ہے لہٰذا نوجوانوں کو گھٹیا تربیت والے ماحول میں خوبصوتی کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ دارقطنی اور دیلمی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار خضراء الدمن سے بچنا: لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول: خضراء الدمن سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: برے گھرانے میں خوبصورت عورت لیکن الدارقطنی کا کہنا ہے: کسی سند سے صحیح نہیں۔

عورت کو اختیار اور پسند کرنے کی خوبی کے دو ہدف ہیں: مرد کو خوشحال بنانا اور اولاد کی ایسی اچھی تعمیر و تربیت کرنا جو استقامت اور حسن اخلاق سے نمایاں ہو اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نطفوں کے لئے چناؤ کیا کرو۔ پس اپنے برابر کے لوگوں میں رشتہ لو اور دو۔ ❶ جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ ❷ نے وضاحت کی ہے پیام رسیدہ خاتون کے لوازمات کا خلاصہ یوں بیان کرنا ممکن ہے وہ فرماتے ہیں مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱.....عورت دیندار ہو جس کی وجہ سابقہ حدیث ہے جس میں ہے دیندار کو اختیار کرو۔

۲.....زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ حدیث میں ہے: زیادہ محبت کرنے اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو اس لیے کہ میں قیامت کے دن تمہاری وجہ سے کثرت کا اظہار دوسری امتوں کے مقابلہ میں کرسکوں گا ❸ باکرہ عورت کا زیادہ بچے جننے کا پتہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے خاندان کے ہاں کثرت سے اولاد ہوتی ہے۔

۳.....کنواری ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا:

کیا کوئی کنواری عورت نہ مل سکی جس سے تم دل بہلاتے اور وہ تم سے محظوظ ہوتی۔ ❹

۴.....اس کا تعلق دین وقناعت میں مشہور گھرانے سے ہو کیونکہ یہ اس کی قناعت اور اس کے دین کی موجودگی کا سبب ہے۔

۵.....وہ حسب والی ہو جو نسب والی ہوتی ہے یعنی اصل کے اعتبار سے اچھی ہوتا کہ اس کی اولاد شریف ہو کیونکہ بعض دفعہ بچہ اس کے خاندان کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کے مشابہ ہو جاتا ہے حدیث میں ہے عورت کے حسب کی وجہ سے نکاح کرو۔ حرام زادی اور راہ سے ملی ہوئی اور جس کے باپ کا پتہ نہ ہو سے شادی کرنا مناسب نہیں یعنی اس وقت شادی کرنا مکروہ ہے۔

۶.....خوبصورت ہو، ایک تو دل کو سکون رہے گا دوسرا نگاہ کی حفاظت ہوگی، اور صحبت کامل ہوگی اسی بنا پر شادی سے پہلے دیکھنا جائز ہے اور حضرت ابوہریرۃ کی سابق حدیث کی وجہ سے: کسی نے عرض کی: اللہ کے رسول: کونسی عورت بہترین ہے؟ لیکن شافعیہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر خوبصورت عورت سے شادی کرنا مکروہ ہے۔

۷.....اجنبی ہو قریبی رشتہ دار نہ ہو، اس لئے کہ اس کا بیٹا زیادہ شریف ہوگا۔ بقول بعض: اجنبی عورت زیادہ شریف اور چچازادیاں زیادہ صبر کرنے والے بچے جنتی ہیں۔ چونکہ طلاق سے مامون ومحفوظ نہیں۔ لہٰذا رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلقی کی نوبت آجاتی ہے جسے جوڑنے کا حکم ہے اس لئے رافعی نے وسیط کی پیروی میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے: انتہائی قریبی عورت سے شادی نہ کرو کیونکہ بچہ کمزور پیدا ہوگا اور یہ شہوت کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔

۸.....ایک سے پاکدامنی نصیب ہو جائے تو اس پہ اضافہ نہ کرے کیونکہ اس صورت میں حرام کے ارتکاب کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

---

❶.....ایک حدیث ہے جسے حاکم نے بحوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحیح کہا ہے حاکم، ابن ماجہ بیہقی اور دارقطنی نے اسے نقل کیا ہے۔ ابوحاتم الرازی اس کے متعلق کہتے ہیں: اس کی کوئی اصل نہیں اور ابن الصلاح کا قول ہے۔ اس کی کئی اسانید ہیں جن میں کلام ہے۔ ❷ کشاف القناع ۵/۷۔۸ مغنی المحتاج ۳/۱۲۶ الشرح الصغیر ۲/۳۴۱ ❸ رواہ سعید بن منصور فی سننه وابو داؤد النسائی و الحاکم وصحح اسناده عن معقل بن یسار۔ ❹ متفق علیه۔

ارشاد عالی ہے:

تمہیں کتنی ہی حرص ہو تم عورتوں میں ہرگز انصاف نہ کر سکو گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے: جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ جھکا ہوا ہوگا ❶ ایسی عورت سے شادی کرنا مکروہ ہے جو زنا میں مشہور ہو اگرچہ زنا ثابت نہ ہو۔

ہشتم: کس عورت کو پیام نکاح بھیجنا مباح اور جائز ہے

پیام نکاح...... جیسا کہ واضح ہے۔ شادی کا مقدمہ اور اس کا وسیلہ ہے اگر شادی اس عورت سے ہو جو شرعاً ممنوع ہے تو اس کو پیام دینا بھی ممنوع ہوگا اور جب اس کے ساتھ شرعاً شادی کرنا جائز ہو تو اسے پیام بھیجنا بھی جائز ہوگا۔ کبھی کبھار وقتی طور پر شرعی ممانعت پائی جاتی ہے جو پیام اور شادی کے لیے مانع ہوتی ہے۔ اسی بنا پر پیام کے مباح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط کہ اس عورت سے شرعاً شادی کرنا حرام ❷ نہ ہو...... بایں طور کہ وہ عورت ان محرمات سے تعلق رکھتی ہو جو ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔ جیسے بہن، پھوپھی، اور خالہ، یا وقتی حرام ہوں جیسے بیوی کی بہن (جبکہ بیوی حیات ہو) کسی اور کی بیوی۔ اس لیے کہ ہمیشہ کے حالات میں اولاد کو نقصان ہے اور اجتماعی ضرر ہے اور وقتی میں جھگڑا اور فساد ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کو پیام نکاح دینا...... وقتی حرمت کے حالات میں سے یہ ہے کہ عورت عدت گزار رہی ہو، ❸ یعنی سابقہ خاوند کی عدت میں ہو اس لئے کہ باتفاق علماء مطلقہ عدت گزارنے والی عورت کو صراحتاً پیام بھیجنا یا وعدہ کرنا حرام ہے خواہ عدت وفات کی وجہ سے ہو یا عدت طلاق کی بنا پر پھر طلاق رجعی ہو یا بائن۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے:

جو پیام نکاح تم عورتوں کو اشارتاً دو یا اپنے سینوں میں چھپائے رکھو اس میں تم پہ کوئی (حرج) نہیں، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم ان کا ذکر کرو گے ہی لیکن ان سے خفیہ کوئی عہد و پیمان نہ کرنا، ہاں یہ کہ اچھی بات کہو۔

تصریح...... جو شادی کی رغبت کو یقینی بنائے جیسے میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور جب آپ عدت پوری کر چکیں گی تو میں آپ سے شادی کرلوں گا۔ صراحت کے ساتھ پیام نکاح کی حرمت کا سبب یہ ہے: کہ وہ اختتام عدت میں بعض دفعہ میں جھوٹ بول لیتی ہے، نیز اسے پیام دینے میں طلاق دینے والے کے حق پہ زیادتی ہے اور دوسرے کا حق مارنا شرعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، رہا اشارتاً پیام بھیجنا تو وہ ایسی بات ہوتی ہے جس سے مقصود سمجھ آتا ہے صراحت اس میں نہیں ہوتی ہدیہ دینا اسی میں شمار ہوتا ہے۔ یا کوئی ایسا انداز جس سے شادی کی رغبت یا عدم رغبت کا احتمال ہو مثلاً وہ شخص اس عورت سے کہے: آپ خوبصورت ہیں۔ کئی لوگ آپ کی چاہت رکھتے ہیں، آپ جیسی کسے ملے گی، آپ سے اعراض نہیں کیا جاسکتا، امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے نیک خاتون میسر کرے یا اس طرح کی کوئی اور بات۔

الف: اگر عدت کا باعث خاوند کی وفات ہو...... تو باتفاق فقہاء پیام نکاح دینا جائز ہے کیونکہ وفات کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو گیا، لہٰذا ایسی عورت کو پیام بھیجنے میں خاوند کے حق پہ زیادتی نہیں اور نہ اس کا نقصان ہے۔

---

❶...... رواہ الخمسۃ (احمد و اصحاب السنن الاربع) ❷ البدائع ۲/ ۲۵۶۔ ۲۶۸ ❸ الدر المختار ۲/ ۳۸۰، ۳۸، ۷۴۳، احکام القرآن للجصاص ۱/ ۴۲۲، البدائع ۲/ ۲۶۸، مختصر الطحاوی ص ۱۷۸ الشرح الصغیر ۲/ ۳۴۳، القوانین الفقہیۃ ص ۲۰۵، المہذب ۲/ ۴۷ مغنی المحتاج ۳/ ۱۳۵ کشاف القناع ۵/ ۱۷

ب: اگر عدت کا سبب طلاق ہو...... تو دیکھا جائے گا اگر طلاق رجعی ہے تو باتفاق فقہاء پیام بھیجنا حرام ہے اس واسطے کہ جس نے اسے طلاق دی ہے دوران عدت اس سے رجوع کرنے کا حق ہے اس بناپر اسے پیام دینے میں دوسرے کے حق پہ زیادتی ہے کیونکہ وہ بیوی ہے یا بیوی کے معنی میں ہے اگر طلاق بائن بینونت صغریٰ کے ساتھ ہو یا بینونت کبریٰ کے ساتھ، ایسی عدت گزارنی والی عورت کو پیام نکاح دینے میں دو رائے ہیں۔

احناف کی رائے...... پیام نکاح کی حرمت: کیونکہ بینونت صغریٰ میں اسے طلاق دینے والے کو عدت گزرنے سے پہلے دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ وہ عدت کے بعد عقد کر سکتا ہے اگر اسے پیام دینا مباح قرار دیا جائے تو اس صورت میں اس کے حقوق پر زیادتی ہے اور اسے دوبارہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت ہے جیسے وہ عورت جسے طلاق رجعی ملی ہو۔

رہا بینونت کبریٰ کی صورت میں، تو عدت میں اشارتاً پیام نکاح بھیجنا بھی ممنوع ہے تا کہ عورت اپنی عدت کے اختتام میں جھوٹ نہ بولے، اور کہیں یہ گمان نہ پیدا ہو جائے کہ یہی پیام بھیجنے والا شخص سابقہ خاوند کے تعلقات کو ختم کرنے کا سبب تھا۔ رہی یہ آیت تم پہ کوئی حرج نہیں کہ تم اشارہ سے پیام نکاح بھیجو تو یہ ان عورتوں کے ساتھ خاص ہے جو عدت وفات گزار رہی ہوں جس کی دلیل سابقہ آیت ہے اور جو لوگ فوت ہو جائیں۔

جمہور کی رائے...... پیام نکاح بھیجنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت عام ہے۔ تم پہ اس میں کوئی حرج نہیں جو تم پیام نکاح اشارتاً بھیجو اور یہ ارشاد ''الا یہ کہ تم بھلی بات کہو'' یعنی اس سے وعدہ نہ کرو، ہاں صراحت کے بجائے اشارتاً پیام بھیج سکتے ہو۔ دوسرے طلاق بائن کی وجہ سے خاوند کا تسلط وغلبہ ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طلاق بائن اپنی دونوں قسموں سمیت رابطہ زوجیت کو ختم کر دیتی ہے۔ اس بناپر ایسی عورت کو اشارتاً پیام بھیجنے میں طلاق دینے والے کے حق پہ زیادتی نہیں تو یہ عورت وفات کی وجہ سے عدت گزارنے والی کے مشابہ ہو گئی۔

بینونت کبریٰ میں جمہور کے مذہب کو راجح قرار دیا گیا ہے کیونکہ خاوند کے دل میں کسی قسم کا کینہ نہیں ہوگا اس نے طلاق کی حد مکمل کر لی، اور بینونت صغریٰ میں احناف کا مذہب راجح قرار دیا گیا ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ اگر دوران عدت عقد ہو اور خاوند نے اس سے صحبت بھی کر لی تو بالاتفاق شادی فسخ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور امام مالک، احمد اور شعبی کے نزدیک یہ حرمت ہمیشہ رہے گی۔ لہٰذا اس عورت سے اس شخص کا ہمیشہ کے لئے نکاح حلال نہیں ہوگا، اسی کا حضرت عمر نے فیصلہ کیا تھا کیونکہ اس شخص نے حرام چیز کو حلال سمجھا ہے اس لئے اسے اس سے محرومی کی سزا دی گئی ہے جیسے (اپنے رشتہ دار کو) قتل کرنے والے کو مقتول کی میراث سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔

احناف اور شافعیہ کا کہنا ہے...... نکاح فسخ ہو جائے گا پھر جب عدت گزر جائے تو اس خاوند کے لیے دوسری بار پیام بھیج کر نکاح کرنا جائز ہے حرمت ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگی، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ وہ عورت حرام نہیں البتہ جب حرمت کی کوئی دلیل کتاب وسنت یا اجماع سے ثابت ہو اور یہاں اس قسم کی کوئی دلیل ہے نہیں۔

دوسری شرط: پیام رسیدہ عورت کو پہلے کسی اور کی طرف سے پیام نہ پہنچا ہو...... کیونکہ جس عورت کو پیام مل چکا ہو اسے پیام نکاح بھیجنا حلال نہیں ❶ جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے:

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے پیام پہ پیام نہ بھیجے یہاں تک کہ پہلے پیام بھیجنے والا ارادہ ترک کر دے یا اجازت دے دے، ہم نے قانون کی سابقہ چھٹی دفعہ میں پیام پہ پیام کی بحث میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

---

❶...... مختصر الطحاوی ص ۱۷۸، المهذب ۶/۴۷، القوانین الفقهیة ص ۲۰۵ الشرح الصغیر ۲/۳۴۲، المغنی ۶/۶۰۷

ظاہر نہی اس حدیث اور دوسری احادیث میں حرمت پہ دلالت کرتی ہے کیونکہ انسان کونقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے لہٰذا اس کا تقاضا حرمت کا ہے جیسے کسی کا مال کھانے اور اس کا خون بہانے کی ممانعت۔ اگر اس نے ایسا کرلیا تو جمہور کے نزدیک اس کی شادی صحیح ہے البتہ وہ گنہگار ہوگا جمہور کے نزدیک خاوند بیوی میں تفریق نہیں ہوگی۔ جیسے عدت میں پیام دینا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہی نفس عقد کی جانب متوجہ نہیں بلکہ اس کی حقیقت سے خارج ایک چیز کی طرف متوجہ ہے جس سے عقد کے باطل ہونے کا تقاضا نہیں ہوتا جیسے غصب شدہ (چھینے ہوئے پانی سے وضو کرنا)۔

امام مالک اور داؤد سے مروی ہے کہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ ایسا نکاح ہے جس سے منع کیا گیا ہے لہٰذا یہ باطل ہوگا جیسے نکاح شغار (ادلے بدلے کی شادی جس میں خود ایک عورت دوسری کی عوض مہر ہوتی ہے بذات خود الگ سے مہر نہیں ہوتا، جاہلیت میں ایسا نکاح ہوتا تھا المصباح المنیر للفیومی) مالکیہ کے ہاں معتبر یہ ہے کہ جب حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہو اور اس کے سامنے گواہ یا اقرار سے پیام دی جانے والی عورت سے عقد ثابت ہو جائے تو اسے دخول سے پہلے طلاق بائن کے ذریعے فسخ کرنا واجب ہے۔

نہم: جسے پیام نکاح دیا ہے اسے دیکھنا

اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے...... بڑی عمر والے بالغ شخص کا خواہ وہ بوڑھا اور صحبت کرنے سے عاجز ہو، عقلمند صاحب اختیار ہو۔ اگرچہ بغیر شہوت کے ہو یا فتنہ کے نہ ہونے کے وقت اجنبی عورت (غیر محرم) کے پردہ کے مقام کو دیکھنا حرام ہے، (عورۃ) پردہ کا مقام چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارا بدن ❶ ہے اس لئے کہ نظر فتنے کا سبب ہے اور شہوت کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور (اس کے ذریعے) اپنی شرمگاہوں کو (حرام میں مبتلا ہونے سے) محفوظ رکھیں، یہ (طریقہ) ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی: نظر کے پیچھے نظر نہ لگاؤ، اس لئے کہ پہلی نظر کی تمہارے لئے گنجائش ہے جبکہ دوسری کی نہیں۔ ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جو مسلمان بھی کسی عورت کے محاسن کی طرف دیکھ کر اپنی نگاہ نیچی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے ایسی عبادت نصیب کرے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ ❸ اور اسی طرح حدیث قدسی میں آپ کا فرمان ہے: نظر شیطانی تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے میرے خوف سے اسے ترک کردیا تو میں اس کے بدلے میں اسے ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت و مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ ❹

شافعیہ کے ہاں زیادہ صحیح یہ ہے کہ بلوغت کے قریب العمر لڑکے کا حکم اجنبی عورت کو دیکھنے کے بارے میں بالغ کی طرح ہے لہٰذا اس سے پردہ کرنا لازم ہے جیسے مجنون جسے پردے کے مقامات کا پتہ ہے۔ امرد (وہ نوجوان لڑکا جس کی داڑھی نہ آئی ہو) کو شہوت اور بغیر شہوت دیکھنا شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح منصوص روایت یہ ہے کہ حرام ہے۔ جبکہ حنابلہ نے شہوت کے بغیر لڑکے کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے اس لیے کہ وہ ایسا مرد ہے جس کی داڑھی والے سے مشابہت ہے جب تک شہوت کے جوش کا خطرہ نہ ہو۔ شریعت کی خوبیوں کے مناسب یہ ہے کہ غیر محرم رشتہ داروں کی آمد کا شبہات کے مقامات سے

---

❶......الکتاب مع اللباب ۱۶۲/۴ القوانین الفقهية ۱۹۳۔ ۱۹۴ مغنی المحتاج ۱۲۸/۳ کشاف القناع ۹/۵۔۱۰ المغنی ۵۵۲/۶۔۵۶۳ احکام القرآن لابن العربی ۱۳۶۲/۳، احکام القرآن للجصاص ۳۱۸/۳ الشرح الصغیر ۲۸۸/۱ ❷ رواه احمد وابوداؤد والترمذی من بزیرة (نيل الاوطار ۱۱۱/۶) ❸ رواه احمد ❹ رواه الطبرانی والحاکم عن ابی مسعود (نفحات شرح الا حادیث القد سیته ۱۰۳)

اعراض کیا جائے اوران ذرائع کو بند کیا جائے۔ جیسے (خاوند کا) بھائی اور (مرد یا عورت کا) چچازاد کا آنا جانا، اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پہ ایمان ہے وہ ہرگز کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، جس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو کیونکہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہے ❶ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: خبردار عورتوں کے پاس آنے سے بچو: ایک انصاری صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول: دیور کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: دیور تو موت ہے ❷ حمو (دیور) کا مفہوم وسیع ہے بقول بعض خاوند کا بھائی یا اس طرح کے خاوند کے دوسرے رشتہ دار جیسے چچازاد وغیرہ۔

شافعیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ چہرے اور پورے ہاتھ کو انگلیوں کے سروں سے کلائی تک دیکھنا بھی بالا جماع حرام ہے ایسے فتنے کا خدشہ جس سے عورت کے ساتھ جماع یا اس کے مقدمات پیش آنے کا سبب ہو اور اسی طرح صحیح قول کے مطابق اس وقت دیکھنا بھی حرام ہے جب آدمی کو اپنے بارے شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ کیونکہ اس پہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ عورتوں کو بے نقاب نکلنے سے منع کرتے ہیں۔ پھر اگر شہوت کے ساتھ چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھے: جس میں محض تلذذ کا ارادہ ہوتا ہے اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو قطعاً حرام ہے۔

کس کے لئے دیکھنا حلال ہے؟...... نابالغ بچے، پاگل اور مجنون کا دیکھنا جائز ہے شہوت کے نہ ہونے کی وجہ سے، سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اور وہ بچے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے ناواقف ہیں اور زیردست مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے جسے عورتوں کی چاہت نہ ہو۔ سورۃ النور میں ارشاد عالی ہے: ”وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں صرف اپنے خاوندوں پر اور وہ زیردست مرد جنہیں عورتوں کی کچھ حاجت نہیں الاربۃ سے مراد ہے عورتوں کی ضرورت اور تابعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زائد کھانا حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے تابع رہتے ہیں انہیں عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ان کی طرف میلان۔

سلف اور ائمہ مذاہب کا عورتوں کی حاجت نہ رکھنے والے مردوں کی مراد میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ ہیجڑا ہے جس پر آلہ قائم نہیں ہوتا۔

مجاہد اور قتادہ کا قول ہے: جسے عورتوں کی خواہش نہ ہو۔ شافعیہ کی رائے ہے کہ ہیجڑا وہ ہے: جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرے اور مقطوع الذکر (یعنی اسکا آلہ کٹا ہوا ہو) اور خصی (آختہ) وہ ہے: جس کا آلہ تو باقی ہو لیکن خصیتین (فوطے کپورے) نہ ہوں خنثی مشکل کا حکم عموماً مرد کا سا ہے۔

حنفیہ کی رائے مخنث (ہیجڑے) کے بارے میں شافعیہ کی طرح ہے: اسے دیکھنا جائز نہیں جس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث فرماتی ہیں: ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک ہیجڑا آیا کرتا تھا جسے لوگ ان لوگوں میں شمار کرتے تھے جنہیں عورتوں سے سروکار نہیں، فرماتی ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ کسی عورت کی علامات بتارہا تھا، کہنے لگا: جب وہ متوجہ ہوتی ہے تو چار کے ساتھ اور جب پیٹھ پھیرتی ہے تو آٹھ کے ساتھ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے یہاں کی باتوں کا پتہ ہے یہ تمہارے ہاں نہ آنے پائے۔ چنانچہ لوگوں نے اسے روک دیا۔ ❸

---

❶ رواہ احمد عن جابر وفی معناہ حدیث متفق علیہ عن ابن عباس (نیل الاوطار ۶/۱۱۱) ❷ رواہ احمد والبخاری والترمذی وصححہ عن عقبۃ بن عامر (حوالہ سابقہ) ❸ اخرجہ احمد ومسلم و ابوداؤد والنسائی وغیرھم (نیل الاوطار ۶/۱۰۱) چار سے مراد اس کے موٹاپے کی وجہ سے پیٹ کے بل ہیں ہر بل کی دو طرفیں (سائیڈز) ہوتی ہیں دیکھنے والا جب انہیں پیٹ کی جانب سے دیکھتا ہے تو اسے چار معلوم ہوتے اور جب پیٹھ کی جانب سے دیکھتا تو آٹھ نظر آتے مقصد یہ تھا کہ وہ گٹھے بدن والی ہے اس سے اس کے پیٹ پہ بل پڑتے ہیں جو موٹی عورت کی علامت ہے اور عموماً ایسی عورت کی مردوں کو رغبت ہوتی تھی۔ ہیجڑا وہ ہوتا ہے جو نرمی سے بات کرے ڈھمک ڈھمک کر چلے اور عورتوں جیسی حرکات کرے، بعض دفعہ یہ عادات پیدائشی ہوتی ہے اور کبھی بناوٹی ہوتی ہیں جو فاسقوں کا شیوا ہے لہٰذا جس میں پیدائشی ہوں تو اکثر ایسے شخص کو عورتوں کی حاجت نہیں ہوتی ▯

اس سے معلوم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے پاس ہیجڑے کے آنے کو ممنوع کر دیا کیونکہ اس نے اجنبی مردوں کے سامنے ایک اجنبی عورت کا حلیہ بیان کیا تھا، حالانکہ آپ نے مرد کو اپنی بیوی کا حلیہ دوسروں ❶ کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا ہے تو بھلا اس کی کہاں اجازت ہے کہ کوئی دوسرا مرد اس کے سامنے عورت کا حلیہ بیان کرے؟

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مقطوع الذکر عمر رسیدہ اور نامرد، اولی الاربۃ میں سے ہیں۔ اور اس زمرے میں وہ شخص شامل ہے جس کی شہوت کسی بیماری کی وجہ سے ختم ہو چکی جس کی شفایابی کی امید نہ ہو، ان کی دلیل مخنث کا سابقہ واقعہ ہے۔ جس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ شریعت نے انتہائی ضرورت کی بناء پر اس کی اجازت ورخصت دی ہے جس سے مقصود حرج کی نفی ہے۔

راجح قول یہ ہے کہ غیر اولی الاربہ (جن لوگوں کو عورتوں کی حاجت نہیں) سے مراد ہر وہ شخص ہے جسے عورتوں کی ضرورت نہیں۔ اور اس کی جانب سے فتنے کا اطمینان ہو کہ وہ عورتوں کے اوصاف اجنبی مردوں سے نہیں بیان کرے گا۔ جس میں وہ بوڑھا کھوسٹ بھی شامل ہے جس کی شہوت گل چکی ہو اور ایسا بے وقوف جسے عورتوں کے معاملے کی خبر نہ ہو، مقطوع الذکر اور خصی، جس کی شرمگاہ سپاٹ ہو نامرد، زندگی گزارنے کے لیے قوم کا خادم ایسا ہیجڑا جو عورتوں کے اوصاف مردوں سے نہ بیان کرے، اس میں کسی خاص قسم کی تعیین وتخصیص نہیں ہو سکتی، جب ان میں سے کسی ایک کو عورتوں کی زیادہ پہچان ہونے لگے اور ان کے اوصاف بیان کرنے پر دسترس ہو تو اسے روکا جائے گا۔ مرد کے لئے بغیر شہوت کے اپنی نسبی، رضاعی یا سسرالی محرم عورت کو ناف سے گھٹنے تک کے مقام کے علاوہ دیکھنا جائز ہے لہٰذا ناف اور گھٹنے تک دیکھنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں مقام محرم کی نظر پڑنے کے لحاظ سے پردے تک مقام نہیں، البتہ اس پہ اجماع ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک کے درمیانی مقام کو دیکھنا حرام ہے۔ مرد، مرد کو اور عورت عورت کو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی مقام کے علاوہ دیکھ سکتے ہیں۔

ضرورت کے لئے عورت کو دیکھنا..... حاجت وضرورت کی وجہ سے دیکھنا مباح ہے بقدر ضرورت اجنبی مرد پیام نکاح، خرید وفروخت اجارۃ اور قرض وغیرہ کے حالات میں اجنبی عورت کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح گواہی دینے، تعلیم، علاج معالجہ تیمارداری وضوء اور استنجاء وغیرہ کرانے میں مریض یا مریضہ کی خدمت کرنا غرقابی اور آگ وغیرہ سے بچانا ہو تو بھی دیکھنا جائز ہے حنابلہ کے ہاں بھی اس شخص کے زیر ناف بال صاف کرنے کے لیے دیکھنا جو خود اچھے طریقے سے زیر ناف بال نہ صاف کر سکتا ہو لیکن یہ بھی بقدر ضرورت، اس لیے کہ جو کام ضرورت کے لیے جائز ہو وہ اس کی مقدار تک محدود رہتا ہے۔ پھر شافعیہ کے ہاں معاملات کرنے کے لیے صرف چہرہ دیکھا جا سکتا ہے اور حنابلہ کے ہاں: چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک نظر سے زیادہ نہ دیکھے ہاں البتہ اگر ثبوت کے لیے دوسری نظر کی ضرورت ہو تو جائز ہے۔ ضرورت کے ان مقامات میں دیکھنا محرم یا خاوند کی موجودگی میں ہونا چاہیے اس لیے کہ تنہائی میں ممنوع کام کے واقع ہونے سے اطمینان نہیں اور ضرورت کے علاوہ بدن ڈھانپ کر رکھے کیونکہ اصل میں وہ حرام ہے۔

لہٰذا شریعت نے پیام رسیدہ کا تعارف حاصل کرنے کے صرف دو طریقے مباح کیے ہیں: پہلا پیام بھیجنے والا کسی ایسی عورت کے ہاتھ پیام بھیجے جس پر اسے بھروسہ ہو وہ عورت اسے دیکھ بھال کر اس کے اوصاف کا تذکرہ اس مخصوص سے کرے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ایک عورت کی طرف یہ کہہ کر بھیجا کہ اس کی ایڑی اور گلے کو خوب دیکھ لینا۔ ❷

ایک اور روایت میں ہے: اس کے دانتوں کو سونگھ لینا، عوارض وہ دانت ہوتے ہیں جو ڈاڑھوں اور سامنے والے دانتوں کے درمیان میں

---

❶ ......روی البخاری و مسلم (الشیخان) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المراۃ المراۃ فتصفها لزوجها کانه ینظر الیها (ریاض الصالحین ۵٦۷) ❷ اخرجه احمد والطبرانی والحاکم والبیهقی وفیه کلام (سبل السلام ۳/۱۱۳) (نیل الاوطار ٦/۱۱۰) امام احمد نے اس روایت کو منکر کہا ہے مشہور یہ ہے کہ مرسل ہے۔

واقع ہوتے ہیں مراد منہ کی مہک کا امتحان ہے۔ اور لفظ معاطف، کا مطلب گردن کی دونوں جانبیں اور عرقوب کا معنی ہے موٹا پٹھا (رگ) جو ایڑی کے اوپر ہوتا ہے۔ ایڑی کو دیکھ کر دونوں پاؤں میں جمال اور بدصورتی کا پتہ چل جاتا ہے ہے، عورت کو بھی کسی مرد کو بھیج کر اسی طرح کرنا چاہیے اسے چاہیے کہ وہ پیام بھیجنے والے کو دیکھ لے اس لیے کہ جو باتیں عورت کو مرد کی پسند آئیں گی وہ مرد کو عورت کی پسند آئیں گی۔

دوسرا خوبصورتی اور جسم کی تروتازگی کی حالت جانچنے کے لیے پیام بھیجنے والے کا منگنی والی عورت کو خود دیکھنا، لہٰذا چہرے ہتھیلیوں اور قد و قامت کو دیکھے گا اس لئے کہ چہرے سے خوبصورتی کا اور ہتھیلیوں سے بدن کی فربہی اور کمزوری کا اور قد سے لمبائی اور چھوٹائی کا پتہ چل جاتا ہے۔ شریعت نے اس عورت کو دیکھنے کے جواز کی رہنمائی کی ہے جس سے مرد شادی کرنے کے لئے اسے پیام دینا چاہتا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی عورت کو پیام نکاح بھیجے تو اگر اس سے ہو سکے کہ وہ اس کی کسی ایسی ادا کو دیکھے جو اس سے نکاح کا سبب بن جائے تو وہ ایسا کرلے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک لڑکی کے لیے پیام بھیجا تو میں اس کے لیے چھپ کر بیٹھ گیا یہاں تک کہ مجھے اس کی ایسی ادا نظر آ گئی جو میرے اس کے ساتھ نکاح کا سبب بن گئی تو پھر میں نے اس سے شادی کرلی ❶ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو پیام بھیجا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دیکھ لو کیوں کہ اس سے امید ہے تم دونوں کے درمیان الفت پیدا ہو جائے ❷ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو پیام سے پہلے اس عورت کو دیکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس لیے کہ دیکھنے میں زوجین کی حالت کی درستگی اور الفت و محبت کو ثابت کرنے کا فائدہ ہے۔

حضرت ابوحمید یا حمیدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو پیام دینا چاہے تو اس پہ گناہ نہیں کہ وہ اسے دیکھے جب یہ دیکھنا محض منگنی کے لیے ہو اگرچہ عورت کو پتہ نہ ہو ❸ محمد بن حنفیہ سے مروی روایت عبدالرزاق اور سعید بن منصور کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کلثوم کے لئے پیام بھیجا، آپ نے ان کی صغرسنی کا ذکر کیا پھر فرمایا: میں اسے آپ کی طرف بھیج رہا ہوں اگر وہ راضی ہو گئی ہو تو وہ آپ کی اہلیہ ہے، پھر انہیں روانہ کیا، آپ نے ان کی پنڈلی کا کپڑا اوپر اٹھایا تو وہ (اصل بات سے ناواقفی کی وجہ سے) غضبناک ہو کر کہنے لگیں: اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی آنکھیں پھوڑ دیتی ظاہر یہی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے کی وجہ سے ان کی بیوی بن گئیں تھیں۔

دہم: کتنی مقدار دیکھنا مباح ہے ❹..... اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ پیام نکاح بھیجنے والا شخص جس عورت کی طرف پیام بھیجنا چاہتا ہے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کی ہی دیکھ سکتا ہے کیونکہ انہی دونوں کے دیکھنے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے یعنی خوبصورتی اور بدن کی فربہی اور کمزوری کا پتہ چل جاتا ہے۔ چہرہ خوبصورتی اور بدصورتی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ خوبیوں کی اجتماع گاہ ہے۔

اور ہتھیلیوں سے بدن کی فربہی اور نحافت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قدموں کو دیکھنے کی اجازت دی ہے۔ اور حنابلہ نے کھڑے ہو کر کام کرنے میں جو اعضاء ظاہر ہوتے ہیں ان کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے جو چھ اعضاء ہیں: چہرہ، گردن، ہاتھ، پاؤں، سر اور پنڈلی، کیونکہ اسکی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور اس بارے میں سابقہ احادیث اسے دیکھ لو اور حضرت عمر کا سابقہ عمل، اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فعل مطلق ہیں۔ میرے نزدیک یہی رائے راجح ہے لیکن میں اس پہ فتویٰ نہیں دیتا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: گوشت کے مقامات کو دیکھ سکتا ہے اور داود ظاہری فرماتے ہیں اسے

---

❶ ..... رواہ احمد و ابو داؤد ورجالہ ثقات و صححہ الحاکم (سبل السلام ۳/ ۱۱۲-۱۱۳) ❷ رواہ الخمسۃ (احمد واصحاب السنن الاربع) (نیل الاوطار ۶/ ۱۰۹، سبل السلام ۳/ ۱۱۳) ❸ رواہ احمد عن موسیٰ بن عبد اللہ عن ابی حمید (نیل الاوطار ۶/ ۱۱۰) ❹ المراجع السابقہ فی البند التاسع

: یکھو ظاہر حدیث کی وجہ سے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ خاوند اپنی بیوی کے سارے بدن کو جب وہ زندہ ہو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت اپنے خاوند کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے یہاں تک کہ شرمگاہ بھی لیکن ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا مکروہ (ناپسندیدہ عمل) ہے۔

یازدہم: دیکھنے کا وقت اور دیکھنے کی شرطیں:

شافعیہ ❶ کا کہنا ہے کہ..... مناسب یہ ہے کہ پیام بھیجنے والا پیام سے پہلے عورت کو دیکھ لے۔ اور یہ کام خفیہ طریقے سے ہو جس کا علم اس عورت اور اس کے رشتہ داروں کو نہ ہونے پائے تاکہ اس عورت اور اس کے خاندان کی عزت کا لحاظ رکھا جائے۔ پھر جب اسے پسند آجائے تو اسے اذیت دیے بغیر اور اس کے خاندان کو مشکل میں ڈالے بغیر اس کی طرف پیام بھیجنے میں پیش قدمی کرے۔ یہی معقول بات ہے اور ان احادیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے راجح ہے جن میں عورت کو دیکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ خواہ عورت کی اجازت سے ہو یا نہ ہو۔

اور مالکیہ ❷ کا قول ہے..... عقد سے پہلے خاص کر بیوی کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے تاکہ اسے عورت کے معاملے کی حقیقت کا پتہ چل جائے جس کا علم عورت یا اس کے ولی (سرپرست) کو ہو۔ البتہ اس کی غفلت میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اور یہ دیکھنا اگر بطور تلذذ نہ ہو تو خود دیکھے یا اس کا وکیل، ورنہ ممنوع ہے۔ جیسے چہرے اور ہتھیلیوں سے زائد حصے کا دیکھنا ممنوع ہے کیونکہ وہ پردے کا مقام ہے۔

دوازدہم: مخطوبہ کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا حرام ہے..... ہم نے بیان کیا ہے کہ پیام (منگنی) نکاح نہیں ہے محض شادی کا وعدہ ہے لہٰذا اس پہ شادی کے احکام نہیں مرتب ہوتے اور نہ خلوت اور انفرادی طور پر عورت کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ وہ پیام بھیجنے والے کے لیے اجنبی ہے اور سابقہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اور اس کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہو جیسے باپ، بھائی یا چچا۔ انہی احادیث میں سے یہ حدیث ہے جو عورت مرد کے لئے حلال نہ ہو اس کے ساتھ کوئی مرد ہرگز تنہائی میں نہ بیٹھے اس لئے کہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا ہاں کوئی محرم ہو ❸ اتنی مقدار میں امن اور ضمانت ہے اور مستقبل میں پیام نکاح وغیرہ فسخ ہونے کے احتمالات کے خطرات پیش آنے سے دوری ہے اور اس سے عورت سے بات چیت کرنے اور اس کے محرم کی موجودگی میں بیٹھنے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور یہی حکیمانہ معتدلانہ موقف ہے جس میں افراط تفریط نہیں۔

رہا شادی سے پہلے اکٹھے رہنا اور عمومی جگہوں میں جانا وغیرہ تو یہ سب حرام و ممنوع ہے بلکہ اس سے امید کی منزل تک رسائی نہیں ہوتی، اس سے ہر ایک اپنی حقیقت سے ہٹ کر سامنے آتا ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ہر پیام دینے والا جھوٹا ہوتا ہے نیز پیام دینے والا معاملات میں جلدی کرتا ہے اور بعض دفعہ انسان طبیعت کی بات پر لبیک کہنے میں پہل کر لیتا ہے۔ اور تنہائی میں عورت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوتا ہے جس سے عورت کا نقصان ہوتا ہے اور منگنی سے اعراض کی وجہ سے اس کی شہرت متاثر ہوتی ہے۔

سیزدہم: پیام نکاح (منگنی) سے اعراض (انکار) اور اس کا اثر..... چونکہ منگنی شادی نہیں ہوتی بلکہ محض شادی کا وعدہ ہوتی ہے تو اس بناء پر اکثر فقہاء کی رائے میں پیام دینے یا پیام رسیدہ عورت کا خطبہ (منگنی) سے اعراض کرنا جائز ہے ❹ اس لئے کہ جب تک عقد کا وجود نہیں تو نہ کچھ لازم ہے اور نہ کسی چیز کا التزام۔ لیکن اخلاقی طور پر ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے کیے ہوئے وعدہ کو سخت ضرورت اور حاجت کے بغیر نہیں توڑنا چاہئے تاکہ گھروں کی حرمت اور نوجوان لڑکیوں کی عزت محفوظ رہے۔ پیام نکاح پہ حکم محض موضوعیت کے لحاظ سے

---

❶ ......مغنی المحتاج ۱۲۸/۳ ❷ الشرح الصغیر ۳۴۰/۲ القوانین الفقھیہ ص ۱۹۳۔۱۹۴ ❸ رواہ احمد والشیخان عن عامر بن ربیعہ (نیل الاوطار ۱۱۱/۶) ❹ نصت المادۃ من قانو ن الاحوال شخصیتہ السوری لکل من الخاطب والمخطوبہ العدول عن الخطبتہ

ہونا چاہیے نہ کہ ہوس سے یا کسی عقلی گنجائش کے بغیر لہٰذا پیام دینے والے کو اپنے ارادہ سے نہیں پھرنا چاہئے اس واسطے کہ اس میں عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی ہے۔ شرعاً اور عرفاً انکار میں جلدی کرنا بہتر ہے جب کوئی واضح سبب ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھ ہوگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "تم لوگ مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، بات کرتے وقت سچ بولو، وعدہ کرو تو پورا کرو، جب امانت رکھی جائے تو اس کی ادائیگی کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (جس کا چور دروازہ بدنظری ہے) اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور (دوسروں کو اذیت دینے سے) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ ❶

منگنی کے ٹوٹنے کا حکم یا اس کا اثر...... جب تک عقد نہ ہو، منگنی کے ٹوٹ جانے پہ کوئی چیز مرتب نہیں ہوتی، یعنی کوئی اثر نہیں ہوگا، رہا وہ سامان جو پیام دینے والا بطور مہر پیشگی دیتا ہے تو اسے اس کے واپس لینے کی اجازت ہے خواہ وہ موجود ہو یا ضائع ہو چکا ہو یا ختم ہونے والا ہو، پھر اگر وہ چیز ایسی ہے جس کی قیمت لگ سکتی ہے تو ضائع ہو جانے یا ضائع کیے جانے کی صورت میں اس کی قیمت وصول کرے گا اور اگر وہ چیز مثلی ہے (یعنی اس جیسی دوسری مل سکتی ہے) تو اس کا مثل واپس لے گا انکار واعراض کا سبب خواہ کچھ بھی ہو مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی طرف سے اس پہ فقہاء کا اتفاق ہے ❷ لیکن قانون سوری (م ۴) نے مرد کی جانب سے اعراض اور عورت کی جانب سے انکار کی جہت میں فرق کیا ہے جو آج کل کے معاشرے اور عرف پر عمل ہے۔ پہلی حالت میں جب عورت نے سامان خریدا تو اسے مثل مہر لوٹانے یا سامان حوالے کرنے میں اختیار دیا جائے گا۔ اور دوسری حالت میں اس پہ مہر کو یا اس کی قیمت کو لوٹانا واجب ہے۔

منگنی کے تحفے تحائف...... رہا ہدیوں اور تحفوں کا لوٹانا تو اس بارے کئی فقہی آراء ہیں۔

ا۔ احناف ❸ کا قول ہے...... منگنی کے ہدیے ہبہ ہیں اور ہبہ کرنے والا اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے ہاں جب کوئی مانع نہ پایا جائے جس سے ہبہ کا واپس لینا مشکل ہو جیسے وہ ضائع ہو جائے یا ضائع کر دیا جائے۔۔ جب وہ چیز موجود ہو جو پیام دینے والے نے ہدیہ میں دی ہے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے اور اگر ضائع ہو گئی یا ضائع کر دی گئی یا اس میں کوئی تبدیلی رونما ہو گئی مثلاً انگوٹھی تھی کہیں کھو گئی اور کھانا کھا لیا گیا۔ اور ان سلا کپڑا تھا جس کا جوڑا بنا لیا تو منگنی کرنے والا اس کا بدل واپس لینے کا مستحق نہیں بنتا۔

۲۔ مالکیہ ❹ نے مرد یا عورت کی جانب سے انکار میں فرق کیا ہے...... اگر مرد اعراض کرے تو وہ کوئی چیز واپس نہیں لے سکتا خواہ وہ موجود ہو اور جب عورت اعراض کرے تو منگنی کرنے والا تحائف واپس لے سکتا ہے خواہ موجود ہوں یا ضائع ہو چکے ہوں۔ پھر اگر وہ ضائع ہو گئے یا کر دیئے گئے تو ان کی قیمت ادا کرنا واجب ہے یہی حق وانصاف ہے۔

۳۔ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ......: پیام نکاح بھیجنے والے کے لیے جو تحائف اس نے دیے ان میں سے کوئی چیز واپس لینے کا حق نہیں خواہ وہ موجود ہو یا ضائع ہو چکی ہوں۔ اس لئے کہ ہدیہ ہبہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور ان کے نزدیک ہبہ کرنے والا ہبہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد واپس نہیں لے سکتا صرف والد اپنے بیٹے سے دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ مغربی قانون نے مذہب مالکی پہ اور اردنی قانون نے مذہب حنفی پہ عمل کیا ہے۔ چنانچہ صراحت کی ہے کہ منگنی کے تحفے تحائف ہبہ کا حکم رکھتے ہیں۔ سوری قانون کی خاموشی حنفی رائے پر عمل کو متضمن ہے کیونکہ دفعہ (۳۰۵) میں صراحت ہے "ہر چیز جو اسے واپس نہیں ملی" اس قانون میں وضاحت ہے کہ اس بارے میں مذہب احناف میں سب سے راجح قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

---

❶......رواه احمد بن حبان والحاكم والبيقهي عن عبادة بن الصامت وهو صحيح۔ ❷ عثمانی عائلی حقوق کے قانون کی دفعہ ۸ میں شادی کا رادہ کرنے والے میں سے کوئی ایک شادی کی رضامندی کے بعد باز رہے یا فوت ہو جائے تو جو مال پیام بھیجنے والے نے اصل مہر سے دیا ہے اگر موجود ہو تو اسی صورت میں اس کا واپس لینا جائز ہے اور اگر وہ ضائع ہو گیا تو اس کا بدل لینا جائز ہے ❸ ردالمحتار ۲/۵۹۹ ❹ الشرح الصغير ۲/۴۰۶

میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ عقد سے پہلے جو تحفے تحائف عورت کو ملتے ہیں ان میں سب کی وہ مستحق ہے جس کی دلیل وہ روایت ہے جو سوائے امام ترمذی پانچوں نے نقل کی ہے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بھی عصمت نکاح سے پہلے مہر، عطیے یا وعدے پہ نکاح کرے تو وہ (مال) اس کا ہے اور جو عصمت نکاح کے بعد ہو تو وہ دینے والے کا ہے ❶ اسی کو عمر بن عبدالعزیز، ثوری ابوعبید امام مالک نے زیدیہ میں سے ھادویہ نے اختیار کیا ہے۔

نقصان کا تاوان دینا...... ان مادی یا معنوی نقصانات کا عوض وبدلہ دینا جو منگنی ٹوٹنے پہ مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے کچھ سامان پہننے کے کپڑے خریدنا، یا کوئی نوکری چھوڑ دینا یا دوسرے منگنی کرنے والے کو محروم رکھنا۔ یا عورت کی شہرت کو محض منگنی سے انکار کی وجہ سے بدنام کرنا جس کی مدت طویل ہوگئی ہو جیسے چار سال۔ تو اس پہ ہمارے پہلے فقہاء کرام نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ شریعت کے عمومی قواعد پہ عمل کرتے ہوئے موجودہ فقہ میں اسے برقرار رکھنا ممکن ہے جس کی مثال دھوکا دہی کا حرام ہونا اور ضمان کا واجب ہونا ہے اور قاعدہ ہے نہ نقصان اٹھایا جائے اور نہ نقصان دیا جائے اور اس پر حق کے استعمال میں ظلم کے نظریے کی تطبیق مرتب ہوتی ہے جس پہ مالکیہ اور حنابلہ کا عمل ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے بلندی (ڈبل سٹوری) اور پڑوسی کے حقوق میں اس کی رعایت رکھی ہے۔ اور جیسا کہ فقہ مالکی میں مشہور اقوال میں التزام کے آغاز کو انکار کے نقصان کا بدلہ دینے کی اصل قرار دینا ممکن ہے کہ کسی چیز کے وعدہ کرنے میں، اس وعدہ کو نافذ کرنے کا فیصلہ دیا جائے گا اگر وہ کسی سبب پر مبنی ہو اور وعدہ کی ہوئی چیز سبب کے ساتھ داخل ہو یعنی جس سبب پہ وعدہ اٹکا ہوا ہے اس وعدہ کو پورا کرنا ضروری ہے اور موعود سبب سے مل کر نافذ ہو جائے گا۔ مثلاً سامان خرید یا عورت سے شادی کر میں تمہیں قرض دیتا ہوں، جب وہ عملی طور پر عورت سے شادی کرلے گا تو کہنے والے پر قرض دینا واجب ٹھہرے گا، رہا نرا وعدہ تو اس کا پورا کرنا لازم نہیں بلکہ وفاداری اعلیٰ اخلاق کا حصہ ہے۔

آج کل مصری عدالت جس پہ قائم ہے جسے محکمۃ النقض (عدالت عالیہ) نے ۱۹۳۹ء پاس کیا ہے جو یہ ہے:

۱..... منگنی، عقد لازم نہیں۔

۲..... صرف منگنی توڑنا عوض دینے کا سبب نہیں۔

۳..... منگنی توڑنے کے ساتھ جب اور کام بھی مل جائے تو دو میں سے ایک پیام بھیجنے والوں کو ضرر لاحق ہوگا، تو کوتاہی والی ذمہ داری کی بنیاد پر عوض دینے کا حکم جائز ہے یعنی ایسی غلطی جو دوسرے کے نقصان کا سبب بنی۔ اس کا قواعد شریعت اسلامیہ سے اتفاق ہے اسی سے دونوں حالتوں میں فرق ہو جاتا ہے۔

پہلی...... جب اعراض وانکار کرنے والے کا اس نقصان میں دخل ہو جو اس کے اعراض کرنے کی وجہ سے دوسرے کو پہنچا مثلاً پیام بھیجنے والا خاص سامان کی تیاری کا مطالبہ کرے۔ یا جس سے منگنی کر رہا ہے اسے نوکری چھوڑنے کا کہے جسے وہ اس کی رغبت کی وجہ سے چھوڑ دیتی ہے یا پیام رسیدہ عورت پیام دینے والے سے خاص گھر کی تیاری کا مطالبہ کرے تو منگنی توڑنے کی وجہ سے نقصان کا تاوان دینے کا فیصلہ کرنا جائز ہے کیونکہ انکار کرنے والا دوسرے فریق کے نقصان اور اسے دھوکا دہی کا ذریعہ بنا ہے۔

دوسری...... اعراض کرنے کی وجہ سے دوسرے فریق کو جو نقصان لاحق ہوا ہے اس میں اس کا دخل نہ ہو تو اعراض کرنے والے پہ عوض دینے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اس لیے کہ دوسری جانب سے نقصان یا دھوکہ دہی کے ضمان کا سبب نہیں پایا گیا۔

❶ ......نیل الاوطار ۱۷۴/۶۔

الفصل الثانی......شادی کا بندھن باندھنا

اس میں پانچ مباحث ہیں۔

المبحث الاول......نکاح کی تعریف اوشریعت میں اس کا حکم:

نکاح کی تعریف......لغۃً نکاح کا مطلب ہے ملانا اور جمع کرنا یا اسے صحبت اور عقد دونوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ شرعاً نکاح کا معنی ہے: شادی کرنے کا بندھن باندھنے کے لیے عقد کرنا۔ اور شادی کی شرعی تعریف یہ ہے: کہ یہ ایسا عقد ہے جو عورت سے صحبت، جسم کو ملانا، بوس وکنار وغیرہ کا فائدہ اٹھانے کو مباح کرنے کو شامل ہے جب وہ عورت نسب رضاع یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے محرم نہ ہو۔ یا ایسا عقد ہے جسے شارع (صاحب شریعت) نے مرد کو عورت سے فائدہ اٹھانے کی ملکیت کے لئے مقرر کیا ہے اور عورت مرد سے فائدہ اٹھا سکے۔ مرد کی نسبت اس عقد کا یہ اثر ہے کہ اسے خاص ملکیت حاصل ہو جاتی ہے جو کسی اور کو نہیں۔ اور عورت کی نسبت سے اس کا اثر یہ ہے کہ فائدہ حاصل کرنا حلال ہے نہ کہ خاص ملکیت، یہ تو جائز ہے کہ بیویاں تعداد میں زیادہ ہوں لہٰذا ملکیت ان کے درمیان مشترک حق ہوگی یعنی کئی خاوندوں کا ہونا تو شرعاً ممنوع ہے اور کئی بیویوں کا ہونا شرعاً جائز ہے۔

احناف نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے......ایسا عقد ہے جو قصداً ملک تمتع کا فائدہ دیتا ہے یعنی مرد کا عورت سے فائدہ اٹھانا حلال ہو جاتا ہے جس کے نکاح سے کوئی مانع شرعی نہ ہوا یسے قصد سے جو عملی ہو (فوائد قیود) عورت کہنے سے مرد، خنثی مشکل خارج ہو گیا کیونکہ اس کا مرد ہونا ممکن ہے جس کے نکاح سے کوئی شرعی مانع نہ ہو کہنے سے بت پرست عورت، محرم عورتیں، جنی پانی کا انسان خارج ہو گیا کیونکہ جنس مختلف ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے جس کی مراد دوسرے ارشاد سے بیان کی ہے جو عورتیں تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرلو تو وہ آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے کوئی مادہ ہوگی، اس کے علاوہ کسی مادہ کا بلا دلیل حلال ہونا ثابت نہیں نیز جن تو مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں بعض دفعہ نر مادہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور قصداً کہنے سے ضمناً تمتع حلال ٹھہرا جو شب باشی کے لیے کسی باندی کو خریدنے کے ذریعے ہو۔ بعض نے قصداً کی جگہ لفظ بطریق الاصالتہ مقرر کیا ہے۔ احناف میں سے کسی نے اس کی یوں تعریف بھی کی ہے: ایسا عقد ہے جو بضع (شرمگاہ) کے منافع کی تملیک (مالک بنانے) کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

آیا نکاح سے شرعاً وطی (صحبت) مراد ہوگی یا عقد؟......اہل اصول اور اہل لغت کے نزدیک نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز، کتاب وسنت میں جہاں کہیں قرائن کے بغیر یہ لفظ آئے تو اس سے مراد وطی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے: اوان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے لہٰذا جس عورت سے باپ نے زنا کیا وہ بیٹے پہ یعنی اس کے فروع پہ حرام ہے۔ اور اس کی حرمت فروع پہ نص قرآنی سے ثابت ہے رہی اس کی حرمت جس پر صحیح عقد ہوا ہو تو فروع پہ اجماع سے ثابت ہے۔ خاوند اگر اپنی بیوی سے کہے: میں نے اگر تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے تو شرط وطی کے ساتھ معلق رہے گی۔ اسی طرح اگر وطی سے پہلے اسے طلاق بائن دی پھر اس سے شادی کرلی تو وطی سے طلاق ہو جائے گی نہ کہ عقد سے۔ رہا اجنبی عورت کا نکاح تو اس سے مراد عقد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے وطی جب شرعاً حرام ہے تو حقیقت مہجور (متروک) ہوگی اس لیے مجاز متعین ہوا۔

فقہاء کے نزدیک نکاح کی تعریف، جس میں مشائخ مذاہب اربعہ بھی ہیں یہ ہے: عقد میں حقیقت اور وطی میں مجاز کیونکہ قرآن مجید اور

روایات میں یہی مشہور ہے زمخشری جو (اصول میں) حنفی علماء میں سے (اور فروع میں معتزلی) ہیں۔ فرماتے ہیں: قرآن مجید میں لفظ نکاح بمعنی وطی صرف اس آیت میں ہے یہاں تک کہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح (وطی) کرلے جس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے یہاں تک کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لوتو اس سے مراد عقد ہے اور وطی کا مفہوم اس حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔

شادی کا شرعی حکم..... شادی، کتاب، سنت اور اجماع سے شرعاً ثابت ہے۔

کتاب کا جہاں تک تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: عورتوں میں سے جو تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرلو دو تین، چار اور ارشاد ہے اپنے کنواروں کے نکاح کرادو، اور اپنے غلام لونڈیوں میں سے جو صلحاء ہیں ان کے بھی نکاح کرادو۔

سنت سے ثبوت یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''اے گروہ نوجواناں تم میں سے جسے شادی کی دسترس ہو تو وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نگاہ نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا زیادہ باعث ہے اور جسے اس کی مقدرت نہ ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لیے شہوت میں کمی کا ذریعہ ہے ❶ باءۃ کا مطلب ہے شادی کی مشقتیں اور ذمہ داریاں اس کے علاوہ کئی آیات اور احادیث ہیں اور اس پہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ شادی مشروع ہے۔

شادی کی مشروعیت کی حکمت..... مرد کا اپنے آپ اور اپنی بیوی کو حرام میں پڑنے سے روکنا اور نوع انسانی کو شرافت اور افزائش نسل کے ذریعے فنا ہونے اور ختم ہونے سے محفوظ رکھنا تا کہ نسل باقی رہے اور نسل کی حفاظت ہو اور خاندان کو اس اساس پر قائم رکھا جائے جس سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور اس کے افراد میں باہمی تعاون کو اجاگر کیا جائے۔ شادی دراصل خاوند بیوی میں تعاون کا نام ہے تا کہ وہ زندگی کا بار اٹھا سکیں اور گروہوں کے درمیان باہمی اتحاد اور محبت کا رشتہ ہے۔

اور خاندانوں کے تعلقات کو مضبوط کرتا ہے اور اسی کے ذریعے مصالح میں مدد ملتی ہے۔

شرعاً شادی کی قسم یا تعریف: شارع کی طلب کے مطابق اس کا کرنا یا ترک کرنا، چنانچہ فقہاء کے نزدیک لوگوں کے احوال کے مناسب اس کی یوں تعریف ہوتی ہے۔ ❷

۱۔ **فرضیت**..... انسان کو جب شادی نہ کرنے کی وجہ سے پورا یقین ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو اکثر فقہاء کے نزدیک شادی کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شادی کے اخراجات یعنی مہر، بیوی کا خرچ، اور شادی کے شرعی حقوق ادا کرنے کی مقدرت ہو اور روزے وغیرہ رکھنے کے ذریعے برائی میں پڑنے سے باز نہ رہ سکتا ہو۔ کیونکہ اسے اپنے آپ کو پاکدامن اور حرام سے بچانا لازم ہے اور جس چیز سے واجب مکمل ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے اور اس کا طریقہ شادی ہے۔ جمہور کے نزدیک فرضیت اور وجوب میں کوئی فرق نہیں۔

احناف کی رائے ہے..... شادی نہ کرنے کی وجہ سے آمی کو جب یقین کے علاوہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو شادی کرنا واجب ہے اور ساتھ ساتھ اسے شادی کی مشقتیں مثلاً مہر اور خرچ وغیرہ برداشت کرنے کی دسترس بھی ہو عورت پہ ظلم اور اس کے حق میں کوتاہی کا خوف نہ ہو۔

۲۔ **حرام**..... آدمی کو جب عورت پہ ظلم یا اسے نقصان پہنچانے کا یقین ہو تو ایسی صورت میں شادی کرنا حرام ہے۔ مثلاً وہ شادی کی مشکلات کا سامنا کرنے سے عاجز ہو یا اگر دوسری عورت سے شادی کی تو عدل وانصاف نہ کر سکے گا اس لیے کہ جو چیز حرام تک پہنچائے وہ حرام

---

❶ ...... متفق علیه بین البخاری و مسلم عن عبدالله بن مسعود (سبل السلام ۱۰۹/۳) ❷ تبیین الحقائق ۳۴۳/۲ بدایة المجتهد ۲/۲ المهذب ۳۳/۲ مغنی المحتاج ۱۲۵/۳ ۳۳۰/۲ القوانین الفقهیه ص ۱۹۳، الدر المختار ۳۰۸/۲، البدائع ۲۲۸/۲ الشرح الصغیر ۳۳۰/۲ المغنی ۴۴۶/۶ کشاف القناع ۴/۵

ہوتی ہے۔ جب شادی کے فرض ہونے اور حرام ہونے میں تعارض یا ٹکراؤ ہو جائے مثلاً اسے پورا یقین ہو کہ وہ شادی نہ کرنے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ بھی یقین ہو کہ اپنی بیوی کی حق تلفی کر بیٹھے گا تو اس صورت میں شادی حرام ہے۔

اس لئے کہ جب حلال وحرام یکجا ہو جائیں تو حرام حلال پہ غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: جن لوگوں کو شادی کرنے کی مقدرت نہیں وہ پاکدامنی اختیار رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مالدار کردے اور حدیث ہے اے گروہ نوجواناں جو پہلے گزر چکی ہے جس میں نفس کو شہوات سے بچانے کے لئے روزے رکھنے کی ہدایت ہے، بعض دفعہ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت شادی کرنا افضل ہے کیونکہ شادی کے بعد مرد کی طبیعت نرم پڑ جاتی ہے۔

اور اس کے معاملات میں ترقی ہوتی ہے اس کی سنگدلی کم ہو جاتی ہے اور اس کی پیچیدگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور شادی نہ کرنے کی صورت میں، زنا میں مبتلا ہونے کا غالب گمان ہے۔

۳۔ مکروہ...... جب آدمی کو شادی کر کے ظلم یا نقصان میں پڑنے کا ایسا خوف ہو جو یقین کے مرتبہ تک نہ پہنچتا ہو تو اس صورت میں شادی کرنا مکروہ ہے۔ وہ خرچ کرنے سے عاجز ہو، یا برے طریقے سے گزر بسر کرے گا، یا عورتوں کی رغبت میں کمی اور فتور واقع ہو جائے گا، احناف کے نزدیک خوف کی قوت اور ضعف کے مطابق کراہت تحریمی ہوگی یا تنزیہی۔

اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لیے شادی کرنا مکروہ ہے جسے کوئی بیماری ہو مثلاً بڑھاپا، دائمی مرض ہمیشہ کی نامردگی یا سپاٹ ہو، اسی طرح ان کے نزدیک اس پیام نکاح کے بعد پیام بھیج کر نکاح کرنا مکروہ ہے جس میں رشتہ قبول کرنے کا اشارہ ہوا اور حلالہ کرنے والے کا نکاح جب وہ عقد میں ایسی شرط نہ لگائے جو اس کے مقصد میں خلل انداز ہو یا دھوکا کا نکاح مثلاً خاوند عورت کے مسلمان ہونے یا اس کے آزاد ہونے یا متعین نسب کا دھوکا دے۔

۴۔ اعتدال کی حالت میں استحباب وندب...... امام شافعی کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس وقت نکاح کرنا مستحب ہے جب آدمی معتدل المزاج ہو یعنی اگر وہ شادی نہ بھی کرے تو زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں۔ اور نہ یہ خدشہ ہو کہ شادی کر کے وہ اپنی بیوی پہ ظلم کرے گا اعتدال کی یہ حالت اکثر لوگوں کے ہاں غالب ہے۔

شادی کے سنت ہونے کی دلیل سابقہ حدیث ہے اے نوجوانوں کے گروہ اور ان تین افراد کی حدیث جنہوں نے ان امور کا ارادہ کر لیا تھا اول ہمیشہ نماز پڑھتا رہے گا دوم ہمیشہ روزے سے رہے گا سوم عورتوں سے دور رہے گا کبھی شادی نہیں کرے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں [1] جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی اور اس پہ مداومت کی، اسی طرح صحابہ کرام نے شادیاں کیں اور اس پہ مداومت کی۔ اور مسلمانوں نے شادی کرنے میں ان کی پیروی کی، لہٰذا مداومت اور متابعت سنت ہونے کی دلیل ہے اور یہی رائے پسندیدہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حالت میں شادی کرنا مباح ہے اس کا کرنا اور ترک کرنا جائز ہے۔ اور عبادت کے لیے فارغ رہنا اور علم میں مشغول ہونا شادی سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یحیی علیہ السلام کی مدح ان الفاظ میں کی ہے: سردار اور کمال درجہ کا ضابط حصور اسے کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے عورتوں کے پاس نہ آئے، اگر شادی افضل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے چھوڑنے پہ مدح نہ بیان کرتے

[1]......اخرجه البخاري و مسلم والنسائي عن انس بن مالك رضي الله عنه (جامع الاصول (١/ ٢٠١)

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ہم سے سابقہ لوگوں کی شریعت تھی ہماری شریعت اس کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے لوگوں کے لئے عورتوں اور بیٹوں وغیرہ خواہشات کی محبت مزین کردی گئی اور یہ مذمت کے مقام میں ہے۔ شادی کرنا صرف اس ارشاد باری تعالیٰ سے واجب نہیں عورتوں میں سے جو تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرلو اس لئے کہ واجب کا تعلق پسند سے نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے دو دو، تین تین، چار چار اس پر اجماع ہے کہ تعداد واجب نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے اور تمہاری باندیاں سبکی رحمہ اللہ نے پہلی وجہ کا ردیوں کیا ہے کہ آیت سے پسند مراد نہیں، بلکہ مراد حلال ہے کیونکہ عورتوں میں محرمات بھی ہوتی ہیں۔ جو اس آیت سے ثابت ہیں تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں۔

والد کا پاکدامن بنانا...... لیکن شادی کی شرعی ترغیب کو ثابت کرنے کے لئے شافعیہ نے کہا ہے جو ان کا مشہور قول ہے ❶ اولاد خواہ بچہ ہو یا بچی باپ دادا کا پاکدامن کرنا لازم ہے کیونکہ یہ ان کی اہم ضروریات میں سے ہے جیسے خرچ اور کپڑے تاکہ انہیں اس زنا کا ہدف نہ بنائے جو ہلاکت کا سبب ہے اور یہ بات باپ ہونے کی عزت کے لائق نہیں اور نہ وہ مشہور و مصاحبت ہے جس کا شرعاً حکم ہے اعفاف (پاکدامن بنانا) یہ ہے کہ اسے ایسی آزاد عورت کا مہر دے جو اسے پاکدامن بنائے یا یوں کہے: تم شادی کرلو میں تمہیں مہر دوں گا یا اس کی جازت سے اسے شادی کرائے اور مہر ادا کرے۔ جب بیوی مرجائے یا اس کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جائے یا خاوند بیوی میں کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ کردے تو اعفاف کی تجدید کرنا واجب ہے اسی طرح زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ جب کسی عذر کی بنا پر طلاق دے تب بھی تجدید اعفاف واجب ہے اعفاف دو شرطوں سے واجب ہوتا ہے:

اول...... جو واقعۃً مہر نہ پاسکتا ہو اس صورت میں اعفاف لازم نہیں جب باپ کو کمائی کے ذریعے مہر ادا کرنے کی قدرت ہو۔

دوم...... جسے شادی کی ضرورت ہو مثلاً اسے صحبت کی خواہش رہی ہو اگرچہ زنا کا خوف نہ ہو یا اس کے پاس ایسی عورت ہو جو اسے پاکدامن نہیں کرسکتی جیسے کم سن یا بدشکل بوڑھی ہو۔ جس شخص کو تجرد سے نقصان نہیں اور صبر کرنا اس پر شاق نہیں تو اس کے لئے شادی کی تلاش حرام ہے۔ اگر کسی کو عورت سے تمتع کے لئے بلکہ خدمت یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے عقد کی ضرورت ہو تو اس کا اعفاف واجب ہے جب ضرورت متعین ہو لیکن اسے اعفاف نہیں کہیں گے۔

کیا شادی کرنا عبادت ہے؟ شافعیہ کے نزدیک شادی کرنا دنیاوی معاملات جیسے خرید و فروخت کی طرح کا ایک معاملہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ کافر کی شادی بھی صحیح ہے اس لیے کہ اگر عبادت ہوتی تو اس کی طرف سے صحیح نہ ہوتی اور نفس کے لیے کیے جانے والے عمل سے وہ عمل افضل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے شادی اگرچہ عبادت ہے کافر سے اس کا صحیح ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس میں دنیا کی آبادکاری ہے جیسے مساجد اور جامع مساجد کو آباد کرنا، کیونکہ یہ اعمال مسلمان کی جانب سے صحیح ہیں جو اس کی طرف سے عبادت شمار ہوں گے اور کافر کی طرف سے بھی ہوتے ہیں لیکن وہ عبادت نہیں شمار ہوتے، اس کے عبادت ہونے کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور عبادت شرع سے حاصل کی جاتی ہے لہٰذا شادی عبادت میں سے ہے اس لئے کہ اس پر بہت سی مصلحتیں مشتمل ہیں۔ جن میں سے ایک نفس کو پاکدامن کرنا نئی نسل کو وجود دینا، اور اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: تم میں سے کسی ایک کی شرمگاہ (کی حاجت برآری) میں صدقہ (کا سا ثواب) ہے۔ ❷

ان دلائل کے ضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ذکر ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں: نکاح کی حاجت نہ

❶...... مغنی المحتاج ۳/ ۲۱۱۔ ۲۱۳۔ ❷من حدیث ابی ذر عند مسلم و مطلعه ذهب اهل الدثور با لا جور۔

پانے والا اگر عبادت کا مشغلہ نہ اختیار کرے اور سامان (شادی کے اخراجات، مہر، کپڑے اور روزانہ کا خرچہ) پانے والا ہو تو اصح قول کے مطابق اس کے لئے شادی کرنا نہ کرنے سے افضل ہے تا کہ ایسا نہ ہو وہ جوانی اور فراغت کی وجہ سے فواحش میں پڑ جائے۔ اور فرماتے ہیں جو شخص شادی کے اخراجات اٹھا سکتا ہو اور اسے شادی کی ضرورت بھی ہو تو اس کے لئے نکاح مستحب ہے اگر اس کا بار نہ برداشت کر سکتا ہو تو اسے ترک کرنا مستحب ہے اور اپنی شہوت کو روزے رکھ کر کم کرے۔ پھر اس کے پاس سامان نکاح نہ ہو اور اسے ضرورت بھی نہ ہو تو مکروہ ہے ورنہ اس کی قدرت کے ہوتے ہوئے مکروہ نہیں۔

ظاہر یہ کا کہنا ہے: اس حالت اعتدال میں شادی کرنا فرض ہے جب انسان کو اس کی قدرت ہو اور اس مطلوبہ اخراجات پر دسترس ہو۔ جس کی دلیل سابقہ آیات کا ظاہر ہے عورتوں میں سے جو تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کر لیا کرو اور اپنے بے نکاح لوگوں کے نکاح کرا دیا کرو اور سابق احادیث تم میں سے جسے شادی کرنے کی مقدرت ہو وہ شادی کرلے اور امر سے وجوب کا فائدہ ہوتا ہے لہٰذا شادی کرنا واجب ٹھہرا، اس کا کسی نے یہ جواب دیا ہے یہ وجوب ندب واستحباب کی جانب پھیرا ہوا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی ہے دو دو تین تین، اور چار چار اور ارشاد عالی ہے: اور جن کے تم مالک ہو نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک پہ شادی واجب نہیں کی ہے۔

اس رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد ابن ابی شیبہ اور ابن عبدالبر نے عکاف بن وداعہ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: عکاف کیا تمہاری اہلیہ ہے؟ عرض کی نہیں فرمایا: باندی؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا: کیا تم تندرست اور مالدار ہو؟ عرض کی: الحمدللہ، آپ نے فرمایا: تم تو پھر شیاطین کی برادری سے ہوئے (دیکھو) اگر تم نصاریٰ کے راہبوں سے تعلق رکھتے ہو تو ان کے ساتھ جا رہو: اور اگر ہمارے ساتھ ہو تو ویسے ہی کرو جیسے ہم کرتے ہیں اور ہمارا طریقہ نکاح کرنے کا ہے، تمہارے برے لوگ غیر شادی شدہ ہیں۔ اور تمہارے مردوں میں سب سے گھٹیا غیر شادی شدہ لوگ ہیں۔ ❶

کسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے: ایک آدمی پہ شادی کو واجب کرنے سے سب پہ لازم نہیں ہو جاتی اس لئے کہ وجوب کا سبب صرف اسی کے حق میں پایا گیا نہ کہ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں میں۔

المبحث الثانی۔ شادی کے ارکان:

تمہید:..... احناف کے ہاں رکن کی تعریف یہ ہے کہ جس میں کوئی چیز موقوف ہو، اور وہ جزء ہو کر اس چیز کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔ اور ان کے نزدیک شرط اسے کہتے ہیں: جس پہ چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس کی حقیقت کا جزء نہ ہو۔ جمہور کے نزدیک رکن کی تعریف یہ ہے: جس سے چیز کی مضبوطی اور وجود ہو اس کے بغیر تحقق وثابت نہ ہو یا جس کا ہونا ضروری ہو۔

ان کی مشہور عبارت میں یہ تعریف ہے، ماہیت شرعیہ صرف اسی کے ساتھ پائی جا سکے یا جس پہ چیز کی حقیقت موقوف ہو خواہ اس چیز کا جز ہو یا اس سے خارج ہو۔ اور ان کے نزدیک شرط یہ ہے: جس پہ چیز کا وجود موقوف ہو اور اس کا جز نہ ہو۔ اس پہ اتفاق ہے کہ ایجاب وقبول رکن ہیں اس لئے کہ ان کے ذریعے دو عقد کرنے والوں میں سے ایک دوسرے سے مل جاتا ہے اور رضامندی شرط ہے۔

احناف کے نزدیک شادی کا رکن یہ ہے: فقط ایجاب وقبول جبکہ جمہور کے نزدیک شادی کے ارکان چار ہیں صیغہ (ایجاب و قبول) بیوی خاوند ولی (سرپرست) وہی دونوں عقد کرنے والے ہوتے ہیں، رہا جس پہ عقد ہوا ہے تو وہ استمتاع ہے جس کا شادی کرنے والے جوڑے کا شادی کے ذریعے ارادہ ہے۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اس پہ عقد موقوف نہیں ہوتا۔ وہ تو گواہوں کی طرح شرط ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ نکاح تفویض جائز ہے رہے گواہ تو وہ بھی شرط ہیں۔ گواہوں اور مہر کو رکن قرار دینا صرف بعض فقہاء کی اصطلاح ہے۔ احناف

❶.....قال الهيثمي: وفيه راو لم يسم وبقية رجاله ثقات

کے نزدیک ایجاب وہ ہے جو دو عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک سے پہلے صادر ہو خواہ خاوند ہو یا بیوی اور قبول ان کے نزدیک یہ ہے کہ جو دوسرے مرتبے میں دوسری طرف سے صادر ہو۔

جبکہ جمہور کے نزدیک ایجاب یہ ہے...... وہ ایسا لفظ جو ولی یا اس کے قائم مقام جیسے وکیل سے صادر ہو اس لیے کہ قبول تو ایجاب کے لیے ہی ہوتا ہے۔لہٰذا جب وہ پہلے پایا گیا تو وہ قبول نہیں ہوگا کیونکہ اس کا معنی نہیں اور قبول وہ لفظ ہے جو خاوند کی طرف سے شادی کی رضا مندی پر دلالت کرے۔جب مرد عورت سے کہے: مجھ سے اپنی شادی کر دو اور وہ کہے: میں نے قبول کیا تو ان میں سے پہلا لفظ احناف کے نزدیک ایجاب جبکہ دوسرا قبول ہے۔اور جمہور کے نزدیک اس کے برعکس ہے اس لیے کہ عورت کا ولی ہی خاوند کو عورت سے استمتاع کرنے کے حق کا مالک بناتا ہے، اس کی بات ہی ایجاب ہوگی۔اور وہ مالک بنتا ہے لہٰذا اس کی بات قبول ہوگی۔قانون سوری (م ۵) نے صراحت کی ہے عاقدین میں سے ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے شادی منعقد ہو جاتی ہے۔

شادی کا صیغہ: اولا: شادی کے الفاظ:

شادی ایک شہری عقد ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں عقد...... تصرف کے اجزاء یعنی ایجاب وقبول جو شرعی ہو کو جوڑنے کا نام ہے اور یہاں عقد سے مراد مصدری معنی ہے جو جڑنا ہے اور شریعت یہ حکم لاگو کرتی ہے کہ ایجاب وقبول دونوں حسی طور پر ہوں اور دونوں آپس میں حکمی طور پہ مرتبط ہوں۔بعض دفعہ تو ایجاب وقبول دونوں ہی لفظاً ہوتے ہیں کبھی تحریراً یا اشارتاً ہوا کرتے ہیں۔ایجاب وقبول کے الفاظ کی تین صورتیں بعض ان میں سے متفق علیہ ہیں کہ ان کے ذریعہ شادی منعقد ہو جاتی ہے اور بعض کے ذریعہ شادی کے نہ منعقد ہونے پہ اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ ❶

رہے وہ الفاظ جن کے ذریعہ شادی کے منعقد ہونے پہ فقہاء کا اتفاق ہے تو وہ یہ الفاظ ہیں: میں نے نکاح کیا، میں نے شادی کرائی کیونکہ نص قرآنی میں یہ دونوں الفاظ وارد ہیں زَوَّجْنَاكَهَا، اور ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ اور وہ الفاظ جن کے ذریعے شادی کے نہ منعقد ہونے پہ فقہاء کا اتفاق ہے تو وہ ایسے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ فی الحال چیز کی تملیک (مالک بنانے) کا پتہ چلتا ہے اور نہ زندگی بھر ملکیت باقی رہنے کا پتہ چلتا ہے جو یہ الفاظ ہیں: مباح قرار دینا، مانگے پر دینا، اجرت پر دینا، متعہ، وصیت رہن، ودیعت وغیرہ۔رہے وہ الفاظ جن کے ذریعے شادی منعقد ہونے میں اختلاف ہے تو وہ خرید وفروخت ہبہ، صدقہ اور عطیہ وغیرہ کے الفاظ ہیں جن سے فی الحال چیز کے مالک بنانے اور زندگی بھر ملکیت باقی رہنے کا پتہ چلتا ہے۔

ا۔احناف اور شافعیہ کا راجح قول ہے...... ان لفظوں کے ساتھ بشرطیکہ نیت یا کسی ایسے قرینہ کے ہوتے ہوئے جو شادی پہ دلالت کرتا ہو، شادی منعقد ہو جاتی ہے۔جیسے مہر کا بیان اور لوگوں کو حاضر کرنا اور گواہوں کا مقصد کو سمجھنا اس لئے کہ مطلوب، عاقدین کے ارادہ کو پہنچانا ہے۔اور لفظ کا اعتبار نہیں۔شریعت میں بھی ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو ہبہ اور تملیک کے الفاظ ہیں اور شادی پہ دلالت کرتے ہیں۔ان میں سے اول۔اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''اور مومن عورت اگر اپنے آپ کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہبہ کرے، اگر نبی کا اس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو (اے نبی) یہ حکم دوسرے ایمان والوں کے علاوہ خاص کر آپ کے لئے ہے'' مہر کے بغیر شادی کا صحیح ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے نہ لفظ ہبہ کے استعمال سے۔

❶......الدر المختار ۲/ ۳۶۱، البدائع ۲/ ۲۲۹ اللباب ۳/۳ الشرح الكبير ۲/ ۲۲۱ الشرح الصغير ۲/ ۳۳۴ القوانين الفقهيه ص ۱۹۵ مغنی المحتاج ۳/ ۱۳۹ المهذب ۲/ ۴۱ بداية المجتهد ۲/ ۴ كشاف القناع ۰/ ۳۶

ثانی.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے شخص کو ارشاد فرمانا جس کے پاس اتنا مال بھی نہ تھا جسے وہ مہر میں پیش کر سکے "تمہیں جتنا قرآن یاد ہے اس کے عوض میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا" میرے نزدیک یہی راجح ہے اس لئے کہ معاملات میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ اور مبانی کی کچھ حیثیت نہیں ہوتی۔

۲۔ شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے.....ان الفاظ سے شادی نہیں ہوتی، شادی صرف لفظ نکاح یا تزویج سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن مجید میں آئے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا انہی پہ اکتفاء کرنا لازم ہے۔ ان کے علاوہ الفاظ سے شادی کا ہونا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ شادی ایک ایسا عقد ہے جس میں اس کے ساتھ مخصوص الفاظ کے ذریعے نیت معتبر ہے، رہی آیت اگر کوئی عورت اپنے آپ کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہبہ کرے، تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور حدیث میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا یا تو راوی کو وہم ہوا ہے یا راوی نے اسے معنیً (اپنے الفاظ میں) ذکر کیا ہے اس کا گمان ہے یہ لفظ، لفظ نکاح کا مترادف ہے، اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے تو یہ جمہور کی روایت سے ٹکرا رہی ہے جس میں زوجتکھا (میں نے اس سے تمہاری شادی کر دی) کے الفاظ ہیں۔

مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے.....احناف ➊ کے نزدیک ہر اس لفظ سے شادی ہو جاتی ہے جس میں فی الحال چیزں کا مالک بنانے کا مفہوم پایا جائے جیسے ہبہ تملیک، صدقہ، عطیہ، قرض، سلم، اجرت ➋ پہ طلب کرنا صلح، صرف، انعام اور خرید و فروخت، اس شرط سے کہ نیت ہو یا کوئی قرینہ پایا جائے۔ اور گواہوں کو مقصود کا علم ہو، یوں کہنے سے شادی منعقد نہیں ہوگی: میں نے تیرے آدھے سے شادی کی یہی زیادہ صحیح ہے احتیاط کی بنا پر، بلکہ ضروری ہے کہ نکاح کو اس عورت کے پورے بدن یا کسی ایسے عضو کی طرف منسوب کرے جو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے پیٹھ پیٹ۔

اور مالکیہ ➌ کے نزدیک لفظ تزویج و تملیک اور جو الفاظ ان کے قائم مقام ہوں سے شادی منعقد ہو جاتی ہے جیسے خرید و فروخت ہبہ صدقہ اور عطیہ بشرطیکہ مہر کا ذکر ہو تاکہ وہ شادی کے ارادے کی علامت سمجھی جائے۔

اگر مہر کا ذکر نہ کیا تو شادی منعقد نہیں ہوگی، اس لحاظ سے الفاظ چار طرح کے ہوئے۔ اول۔ جن الفاظ سے مطلقاً شادی منعقد ہو جاتی ہے خواہ مہر کا نام لے یا نہ لے اور وہ انکحت وزوجت کے الفاظ ہیں دوم۔ جن سے شادی منعقد ہو جاتی ہے اگر مہر کا نام لیا ہو ورنہ نہیں اور وہ صرف وھبت کا لفظ ہے۔ سوم۔ جن الفاظ میں تردد ہو تو وہ ہر ایسا لفظ ہے جو زندگی بھر بقا کا تقاضا کرے، مثلاً میں نے اپنی بیٹی تیرے لئے اتنے مہر کے عوض بیچ دی، یا میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا، یا اسے تمہارے لیے حلال کر دیا یا تمہیں دے دی یا بخش دی چہارم۔ جن الفاظ سے مطلقاً بالاتفاق نکاح منعقد نہیں ہوتا تو وہ ہر ایسا لفظ جو زندگی بھر بقا کا تقاضا نہ کرے مثلاً حبس (قید) وقف، اجارۃ (اجرت پہ دینا) اعارۃ (مانگے پر دینا) عمریٰ (عمر بھر کے لیے دینا) یہی راجح ہے۔

شافعیہ اور ➍ حنابلہ کے نزدیک صرف لفظ تزویج اور نکاح سے شادی منعقد ہوگی۔ ان کے علاوہ دوسرے الفاظ سے نہیں ہوگی جیسے ہبہ، تملیک، اجارۃ، جن الفاظ کا قرآن مجید میں ذکر ہے انہی پہ اکتفا کرتے ہوئے۔

المعاطاتہ ➎.....ایک دوسرے کو دینے سے شادی منعقد نہیں ہوتی اس پر فقہاء کا اتفاق ہے تاکہ فروج کے معاملہ کا احترام ان کی قدور

➊.....متفق علیہ عن سہل بن سعد (نیل الاوطار ۱۱/۰/۶) الدرالمختار وحاشیتہ ابن عابدین ۳۶۴/۲۔۳۶۵۔۳۶۹ ➋ عورت بدل بنائی جائے مثلاً میں اپنے عوض یا اپنی بیٹی کے عوض تمہارا گھر اجرت پر لیتی ہوں۔ جب نکاح کا ارادہ ہوا جارۃ (اجرت پر دینا) اس کے خلاف ہے کہ میں اپنے آپ کو اتنے پیسوں کے عوض اجرت پر دیتی ہوں۔ ➌ الرسالہ ۲۶/۲ الشرح الکبیر ۲۲۱/۳، الشرح الصغیر ۳۵۰/۲ ➍ المہذب ۴۱/۲ مغنی المحتاج ۱۳۹/۳ کشاف القناع ۳۷/۵ المغنی ۵۲۲/۶ ➎ الدرالمختار وابن عابدین ۳۷۲/۲،

قیمت اور زیادہ حرمت برقرار رہے۔ ان پہ عقد کرنا صحیح نہیں البتہ اگر صریح الفاظ میں یا کنایۃ ہوں تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صریح الفاظ سے۔ احناف کے نزدیک مختار قول کے مطابق اقرار سے شادی منعقد نہیں ہوتی، یعنی اقرار عقد کے صیغوں (الفاظ) میں سے نہیں لہٰذا اگر کوئی عورت کہتی ہے: میں اقرار کرتی ہوں تم میرے خاوند ہو اور اس میں اور اس مرد کے درمیان رشتہ ازدواج نہ قائم ہوا ہو، تو یہ اقرار صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اقرار تو ثابت شدہ چیز کے اظہار کے لیے کیا جاتا ہے انشاء (کسی چیز کو وجود دینا) نہیں۔

غلط الفاظ ❶..... احناف کے نزدیک غلط (بگڑے ہوئے) الفاظ سے شادی منعقد نہیں ہوتی مثلاً تزوجت کی جگہ تجوزت، جوزت یا زوزت کہہ دیا، کیونکہ صحیح قصد معدوم ہے، لیکن اگر کچھ لوگ یہی غلط الفاظ بولنے پہ اتفاق کرتے ہوں (یعنی ان کی اکثریت اسی طرح کہتی ہو) اور اس سے ان کا مقصد استمتاع کے حلال ہونے کی دلالت ہو اور یہ الفاظ ان کے قصد وارادے سے صادر ہوں تو اس صورت میں ان الفاظ سے شادی منعقد ہو جائے گی کیونکہ شادی اور یہ حالت ان کی طرف سے جدید ❷ وضع ہوگی یعنی اب یہ لفظ شادی کی علامت بن گیا اس لیے اس سے شادی منعقد ہوگی جو عقد کرنے والے اور گواہ ان الفاظ سے شادی کرانے کو ہی تعبیر کرنا سمجھتے ہیں۔ اور عرف کے مطابق اس سے یہی معنی مراد لیا جاتا ہے۔

شافعیہ کا کہنا ہے: کہ بگڑے ہوئے الفاظ سے شادی ہو جاتی ہے جیسے جوزتک موکلتی (جس عورت نے مجھے وکیل بنایا میں نے اس سے تمہارا نکاح کرا دیا)

وہ الفاظ جو عربی زبان کے نہ ہوں...... اکثر فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ عربی سے ناواقف شخص جو عربی زبان بولنے سے عاجز ہو اس کا نکاح اس کی اپنی زبان میں جسے وہ سمجھتا اور بولتا ہے منعقد ہو جائے گا اس لیے کہ معاملات میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے نیز وہ عربی بولنے سے لاچار ہے تو عربی میں بولنا اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا جیسے گونگا ہوتا ہے اسے چاہیے کہ وہ تزویج یا نکاح کا معنی استعمال کرے بایں طور کہ وہ عربی لفظ کے معنی پہ مشتمل ہو۔ البتہ جب عقد کرنے والا اچھے طریقے سے عربی بول سکتا ہو تو جمہور کے نزدیک اصح قول کے مطابق جائز ہے شافعیہ کے نزدیک ہر اسی زبان میں گفتگو کرنا جس سے باہمی گفتگو کی جا سکتی ہو۔ کیونکہ مقصود ارادے کا اظہار کرنا ہے اور ایسا ہر زبان میں پایا جاتا ہے، نیز وہ اپنا خاص لفظ بولا اس لیے اس کے ذریعہ شادی منعقد ہو جائے گی جیسے عربی زبان کے الفاظ سے ہو جاتی ہے۔

حنابلہ کا کہنا ہے: جو شخص عربی بول سکتا ہو اس کے لئے عربی کے علاوہ الفاظ میں شادی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا جسے اس کی قدرت ہو اس کے لئے ان الفاظ کے علاوہ کا استعمال صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ وہ دو لفظوں انکاح اور تزویج سے باوجود قدرت کے اعراض کر رہا ہے لہٰذا صحیح نہیں۔ جیسے ہبہ بیع (خرید وفروخت) اور حلال کرنے کے الفاظ سے صحیح نہیں ❸ قانون سوری (م ٦) نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے چنانچہ وہاں صراحت ہے ایجاب وقبول سے ایسے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیے جن کا معنی لغت اور عرف میں مفید ہو۔

ثانی.....فعل کا صیغہ:

ایجاب وقبول کا صیغہ کبھی لفظ ماضی میں یا لفظ مضارع (حال ومستقبل) یا لفظ امر ہوتا ہے۔ ماضی کے صیغہ کے ذریعہ شادی منعقد ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ مضارع اور امر کے صیغوں میں اختلاف ہے۔ ❹

---

❶..... التصحیف کا مطلب ہے لفظ کو اس طرح بگاڑنا کہ اصل لغوی وضع سے جو مقصودی معنی تھا وہ بدل جائے۔ ❷ الدر المختار مع ابن عابدین ٢/ ٣١
❸ ابن عابدین ١/ ٣٧١، مغنی المحتاج ٣/ ١٤٠، کشاف القناع ٥/ ٣٨۔٣٩۔ المغنی ٦/ ٥٣٣۔ ❹ البدائع ٢/ ٢٣١ الدر المختار وردالمحتار ٢/ ٣٧٨ الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ٢/ ٢٣٠ مغنی المحتاج

الف.....فعل ماضی کے صیغہ سے شادی منعقد ہوجاتی ہے مثلاً عورت کا ولی (سرپرست) مرد سے یوں کہے: میں نے اپنی فلاں بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ اتنے مہر سے کردیا، اور (ہونے والا) خاوند کہے: میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوا۔ اس لئے کہ اس صیغہ سے مقصد فی الحال عقد کو وجود دینا ہے لہٰذا نیت یا قرینے پر موقوف ہوئے بغیر عقد ہوجائے گا۔

ب.....رہا وہ عقد جو صغیہ مضارع میں ہو۔ مثلاً مرد عورت سے عقد کی مجلس میں کہے: میں تم سے اتنے مہر کی مقدار پہ شادی کرتا ہوں اور عورت کہے میں قبول کرتی ہوں یا میں راضی ہوں تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک عقد صحیح ہے بشرطیکہ وہاں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو فی الحال عقد وجود دینے کے ارادہ پر دلالت کرے۔ مستقبل میں وعدے کے لیے نہ ہو۔ جیسے شادی کے عقد کو جاری کرنے کے لیے مجلس کی حالت و کیفیت بنائی گئی ہو۔ اس لئے یہ حالت وعدہ کے ارادے یا سودے کے ارادے کی نفی کرتی ہے اور اس سے فی الفور کے ارادے کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ شادی خرید وفروخت کے معاملہ کے برعکس خطبہ کے بعد ہوتی ہے۔ اگر وہ مجلس فوری طور پر عقد پورا کرنے کی حالت نہ بتا رہی ہو اور فی الحال شادی کو وجود دینے کے قصد پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ اور علامت بھی نہ ہو تو عقد نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مضارع کے صیغہ سے شادی نہیں ہوگی۔ ان کے نزدیک ماضی کا صیغہ جو نکاح یا زواج سے مشتق ہونا ضروری ہے، مثلاً خاوند کہے: میں نے شادی یا میں نے نکاح کیا یا میں نے اس عورت کا نکاح قبول کیا یا اسکی تزویج کو قبول کیا۔ کنایہ کی صورت میں صحیح نہیں۔ مثلاً میں نے اپنی بیٹی تمہارے لئے حلال کردی، کیونکہ گواہوں کو نیت کا علم نہیں۔ اور اگر عورت کا ولی کہے: میں نے تم سے شادی کرادی اور خاوند کہے: میں نے قبول کیا تو شافعیہ کے نزدیک مذہب کی بنا پر نکاح منعقد نہیں ہوگا جبکہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ہو جائے گا۔

ج.....احناف اور مالکیہ کے نزدیک ''صیغہ امر'' سے عقد کرنا صحیح ہے۔ مثلاً مرد عورت سے کہے: مجھ سے اپنی شادی کردو اور اس سے اس کا ارادہ شادی کرنے کا ہو نہ کہ منگنی (پیام نکاح) کا، اور عورت کہہ دے: میں نے تم سے اپنی شادی کردی، تو ان دونوں کے درمیان (بقیہ شرائط کے ساتھ) رشتہ ازدواج مکمل ہوجائے گا۔ ① احناف کے ہاں اس کی توجیہ یہ ہے مرد کا قول عورت کے اپنی شادی کرانے کے وکیل بنانے کو شامل ہے۔ چنانچہ اس کا یہ کہنا: میں نے تم سے اپنی شادی کردی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہے اور مالکیہ کے ہاں اس کی توجیہ یہ ہے: کہ امر کا صیغہ عرف میں عقد کے ایجاب کے لئے سمجھا جاتا ہے اور ضمنی طور پر وکیل بنانے کے لئے نہیں سمجھا جاتا۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے۔ رہا استفہام کے الفاظ میں شادی کا منعقد ہونا مثلاً ایک مرد دوسرے سے کہے: کیا تم نے اپنی بیٹی سے میری شادی کردی ہے تو دوسرا کہے: میں نے شادی کرادی ہے یا ہاں کہہ دے تو احناف کے نزدیک شادی نہیں ہوگی جب تک ایجاب کرنے والا اس کے بعد یوں نہ کہے: میں نے قبول کیا۔ اس لیے کہ اس کا یہ کہنا: کیا تم نے شادی کردی استفہام یا خبر کی طلب ہے عقد نہیں، بخلاف صیغہ امر سے 'مجھ سے شادی کرو کیونکہ اس میں ضمنی طور پر وکیل بنانا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا.....شافعیہ کے نزدیک صیغہ ماضی سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے اور وہ لفظ زواج اور نکاح کے مادے (اصل) سے ہو جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ماضی، مضارع اور امر سے منعقد ہوجاتا ہے بشرطیکہ قرینہ یا دلالت حال سے ایجاب کا پتہ چل رہا ہو، نہ کہ وعدے کا۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک قبول پہ ایجاب کو مقدم کرنا شرط نہیں۔ بلکہ مستحب ہے بایں طور ولی کہے: میں نے اس (عورت) سے تمہاری شادی کردی یا تمہارا نکاح کردیا۔ اور حنابلہ کا کہنا ہے: جب قبول ایجاب سے مقدم ہوگا تو صحیح نہیں۔ خواہ ماضی کے الفاظ میں ہو: میں

---

① .....یہ ان کے نزدیک استحسان کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے قیاس ترک کردیا ہے اس لیے کہ مروی ہے کہ حضرت بلال نے انصار کے ایک گھرانے میں پیام نکاح بھیجا تو ان لوگوں نے رشتہ دینے سے انکار کردیا حضرت بلال نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے ہاں دینے کا حکم نہ فرمایا ہوتا تو میں کبھی پیام نہ بھیجتا جس پر ان لوگوں نے کہا: آپ مالک ہوگئے یہ منقول نہیں کہ حضرت بلال نے دوبارہ کچھ کہا۔ اگر کچھ کہا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔

نے شادی کی یا طلب کے الفاظ میں ہو: مجھ سے اپنی شادی کر دو۔

سوم......ایک عاقد سے شادی کا منعقد ہونا:

احناف کا قول ہے ❶......ایک عاقد کے ذریعے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جب اسے جانبین سے اختیار حاصل ہو خواہ یہ ولایت واختیار اصلی ہو جیسے قرابت کی ولایت یا طاری اور عارضی ہو جیسے وکیل بننے کی ولایت۔

۱......عقد کرنے والا دونوں طرف سے ولی ہو جیسے دادا، جب اپنے چھوٹے پوتے کی شادی اپنی چھوٹی پوتی سے کرائے اور بھائی جب اپنی بھتیجی کی شادی اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے سے کرائے۔

۲......یا وہ اصل اور ولی ہو جیسے چچازاد جب اپنی عم زاد کی شادی اپنے ساتھ کرے۔

۳...... یا جانبین کا وکیل ہو۔

۴...... یا جانبین کا قاصد ہو۔

۵......یا ایک جانب کا ولی اور دوسری جانب کا وکیل ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت کسی مرد کو اپنے ساتھ شادی کرنے کا وکیل بناتی ہے یا کوئی مرد کسی عورت کو اپنے ساتھ شادی کرنے کا وکیل بناتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلی حالت میں شادی منعقد ہونے کو برقرار دیتے ہیں جو جانبین سے ولی کی حالت جیسے دادا اپنی پوتی کی شادی اپنے پوتے سے کراتا ہے۔ ❷

مالکیہ ❸ نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ چچازاد، ولی کا وکیل اور حاکم اپنے ساتھ عورت کی شادی کر سکتے ہیں۔

ایک فضولی عاقد سے شادی منعقد نہیں ہوگی۔ اگر چہ دو عبارتوں میں ہو۔ اس لیے کہ تمام عقود میں عاقدوں کا متعدد ہونا شرط ہے خواہ تعداد حقیقتاً ہو جیسے وہاں دو آدمی ہوں جن دونوں سے ایجاب وقبول صادر ہو یا حکماً ہو جیسے ایک شخص ہو اور اسے شرعی صفت اور جانبین کی ولایت حاصل ہو۔ اس صورت میں عقد ہو جائے گا اگر فضولی کہے: میں نے فلاں عورت کا نکاح فلاں مرد سے کر دیا اور اس وقت وہ دونوں وہاں موجود نہ ہوں کوئی دوسرا فضولی خاوند کی جانب سے قبول کر لے۔

ایک عاقد سے شادی منعقد ہونے کے دلائل متعدد عاقد کے آغاز سے مستثنیٰ ہیں۔

اول......جو روایت امام بخاری نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کی ہے انہوں نے ام حکیم سے فرمایا: کیا تم اپنا اختیار مجھے دیتی ہو؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، تو وہ بولے: میں نے تم سے اپنی شادی کر لی تو یہ آخری حالت کی دلیل ہوئی جس میں عاقد ایک جانب سے اصل اور دوسری جانب سے وکیل ہو۔

ثانی......جو روایت ابوداؤد نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: کیا تم اس پہ راضی ہو کہ میں فلانی سے تمہاری شادی کر دوں؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ اور عورت سے فرمایا: کیا تم اس پہ راضی ہو میں فلاں سے تمہاری شادی کر دوں؟ انہوں نے عرض کی: ہاں جی، تو ان میں سے ایک کی دوسرے سے شادی کر دی تو یہ تیسری حالت کی دلیل ہوئی جس میں ایک شخص جانبین سے وکیل ہوتا ہے۔

ثالث......بقیہ حالتوں کو سابقہ دونوں حدیثوں میں مذکورہ پر قیاس کر سکتے ہیں اس لئے کہ معنی میں (یہ حالتیں) مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ

---

❶......البدائع ۲/۲۳۱۔۲۳۳۔ ❷ چچازاد اپنی شادی نہ کرائے بلکہ اس کا ہم پلہ چچازاد اس کی شادی کرائے ورنہ قاضی (مغنی المحتاج ۳/۱۶۳)
❸ القوانین الفقهیه ص ۲۰۰ الشرح الکبیر ۲/۲۳۳

تمام صورتوں میں عاقد کو شرعی صفت عقد جاری کرنے کے وقت حاصل ہے خواہ اس میں دوسرے کی ولایت وسرپرستی ہو یا وکالت ہو یا اپنی جانب سے اصالت ہو۔

چہارم: تحریر یا اشارے سے نکاح کا منعقد ہونا..... کبھی کبھار تحریر یا اشارہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔❶

ا۔ موجودگی کی حالت میں بولنے والا...... اگر عقد کرنے والے دونوں شخص مجلس عقد میں موجود ہوں اور دونوں کو گفتگو کرنے کی قدرت ہو، تو بالاتفاق ان دونوں کے درمیان تحریر یا اشارتاً شادی صحیح نہیں ہوگی۔ اگرچہ تحریر بالکل واضح ہو اور اشارے سے شادی ہونے کی سمجھ آ رہی ہو۔ اس لئے کہ بولنے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں نیز چونکہ الفاظ ارادے کی تعبیر کرنے میں اصل نہیں جس کی صرف ضرورت کے وقت احتیاج ہوتی ہے جبکہ یہاں کسی قسم کی ضرورت نہیں، اور اس وجہ سے بھی کہ گواہوں کو سننے کی سہولت نہیں۔ جیسے تحریر کی حالت میں عاقد کی گفتگو۔

۲۔ عدم موجودگی میں بولنے والا...... عقد کرنے والوں میں سے جب ایک مجلس عقد سے غیر حاضر ہو تو اس صورت میں احناف کے نزدیک تحریر یا قاصد کے ذریعے شادی ہو جائے گی بشرطیکہ خط پہنچنے یا قاصد کے آنے کے وقت گواہ موجود ہوں اس لیے کہ غائب شخص کا خط اس کا خطاب ہے ❷ احناف فرماتے ہیں: جو حیثیت حاضر شخص کے خطاب کو حاصل ہے وہی غائب کی تحریر کو حاصل ہے۔

خط کی مثال...... مرد اپنی منگیتر کو لکھے: میں نے تم سے شادی کر لی یا مجھ سے اپنی شادی کر دو اور وہ عورت مجلس میں خط ملتے ہی کہتی ہے: میں نے رشتہ قبول کیا اور گواہ موجود ہوں شادی صحیح ہے۔ اس لیے کہ گواہوں کا عقد (ایجاب وقبول) کے دو حصے سننا شادی صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

قاصد بھیجنے کی مثال...... کہ نکاح کا پیام بھیجنے والا جس عورت کو پیام نکاح بھیجنا چاہتا ہے اور وہ مجلس سے غائب ہے کی طرف ایک شخص بھیجے جو مشافہۃً (روبرو) اسے ایجاب پہنچائے، چنانچہ جب وہ اس مجلس میں جس میں قاصد پہنچا گواہوں کی موجودگی میں قبول کر لیتی ہے تو شادی ہو جائے گی مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے: موجودگی یا عدم موجودگی میں تحریر سے شادی نہیں ہوتی اس لیے کہ تحریر تو کنایہ ہے۔ اگر ولی غائب سے کہے: میں نے تم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی یا یوں کہے: میں نے فلاں سے اس کی شادی کر دی پھر تحریر کر دیا اور اس شخص تک پہنچ گئی۔ (یعنی خبر) اور اس نے کہہ دیا: میں نے قبول کر لیا تو عقد صحیح نہیں۔

۳۔ گونگا...... عقد کرنے والوں میں سے جب ایک گونگا ہو یا اس کی زبان میں بندش ہو۔

الف...... اگر وہ لکھ سکتا ہو تو تحریر سے شادی ہو جائے گی جیسے اشارہ سے ہو جاتی ہے اس پر اتفاق ہے یہاں تک کہ شافعیہ کے ہاں بھی، کیونکہ یہ ضرورت ہے لیکن احناف کی ظاہری روایت میں ہے: اشارے سے منعقد نہیں ہوگی، بلکہ تحریر پر قدرت کی حالت میں تحریر سے ہی ہوگی، اس لئے کہ تحریر سے مراد کا جلدی پتہ چلتا ہے اور اشارے سے احتمال پیدا ہونے سے دور ہے بہر کیف: کتابت وتحریر بالاتفاق اشارے سے بہتر ہے کیونکہ یہ طلاق اور اقرار میں صریح کے قائم مقام ہے۔

ب...... اگر گونگا یا اس جیسا شخص لکھنے سے عاجز ہو، تو بالاتفاق ایسے اشارے سے شادی ہو جائے گی جو سمجھ میں آتا ہو اور اس کا پتہ چلتا ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں ارادے کی تعبیر کا یہ متعین وسیلہ ہے۔

---

❶...... البدائع ۲/ ۲۳۱ مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۱ المحرر فی فقه الحنبلی ۲/ ۱۵ کشاف القناع ۵/ ۲۹ مواهب الجلیل لحطاب ۴/ ۲۲۸ الدردیر الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۰ میں فرماتے ہیں: تحریر واشارہ صرف گونگے پن کی وجہ سے کافی ہے ❷ الفتاویٰ الخانیة ۱/ ۴۸۲

خلاصہ.....فقہاء کے نزدیک گونگے کا نکاح تحریر یا اس کے اشارے سے ہوجاتا ہے اور احناف کے نزدیک جب تحریر پر قدرت ہوتو تحریر متعین ہوگی (اشارہ نہیں ہوگا) قانون سوری (م ۷) نے صراحت کی ہے: طرفین میں سے جب ایک مجلس میں نہ ہوتو ایجاب قبول تحریراً ہونے جائز ہیں اور دفعہ (۱۰) کی وضاحت ہے: جوشخص بول نہ سکتا ہو اگر لکھ سکتا ہوتو اس کا ایجاب وقبول تحریراً ہوگا ورنہ ایسے اشارے سے جو سمجھ میں آسکتا ہو اور دفعہ (۱۲۸) میں آیا ہے جو مصر میں شرعی محکموں کی ترتیب کا لائحہ عمل ہے، گونگے کا اقرار اس کے ایسے اشارے ہوگا جس کا پتہ چلتا ہو لیکن جب وہ تحریراً اقرار کرسکتا ہوتو اقرار بالاشارہ معتبر نہیں۔

المبحث الثانی.....شادی کی شرائط:

شروط کی اقسام.....ہم نے بیان کیا ہے کہ شرط وہ ہوتی ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔ ہر عقد جس میں شادی بھی شامل ہے کی چار قسمیں ہیں۔

۱.....انعقاد کی شرطیں
۲.....صحیح ہونے کی شرطیں
۳.....نافذ ہونے کی شرطیں
۴.....لازم ہونے کی شرطیں

انعقاد کی شرطیں.....یہ ایسی شرطیں ہیں کہ عقد کے ارکان یا اس کی بنیادوں میں ان سب کا ہونا لازمی ہے اگر ان میں سے ایک شرط بھی رہ گئی تو بالاتفاق وہ عقد باطل ہوگا۔

صحیح ہونے کی شرطیں.....یہ ایسی شرطیں ہیں کہ ان کا ہونا اس لیے لازمی ہے تاکہ عقد پر شرعی اثر مرتب کریں ان میں سے اگر ایک شرط بھی رہ گئی تو احناف کے نزدیک وہ عقد فاسد ہوگا جمہور کے نزدیک باطل ہوگا۔

نافذ ہونے کی شرطیں.....ایسی شرطیں ہیں جن پہ عقد کے اثر کا ترتب بالفعل موقوف ہو، جبکہ عقد منعقد اور صحیح ہو چکا ہو، اگر ان میں سے ایک شرط بھی رہ گئی تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک وہ عقد موقوف رہے گا۔

لازم ہونے کی شرطیں.....جن پہ عقد کا استمرار (جاری رہنا) اور باقی رہنا موقوف ہو۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی چھوٹ گئی تو عقد جائز ہوگا یا غیر لازم اور یہی وہ عقد ہے جس کا عاقدین میں سے کسی ایک یا ان دونوں کے علاوہ کسی کے لیے فسخ کرنے (توڑنے) کی اجازت ہے۔

عقد باطل.....ایسا عقد ہوتا ہے جس پہ عقد صحیح کے اثرات میں سے کوئی اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ لہٰذا باطل شادی پہ شادی کے اثرات میں سے کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی خواہ دخول کے بعد ہو۔ اسے معدوم ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے اس کے ذریعے باپ سے نسب نہیں ثابت ہوگا اور نہ اس کے بعد عورت پر عدت لازم آتی ہے جیسے (نعوذ باللہ) محارم میں سے کسی سے شادی جیسے بہن اور بیٹی اور ایسی عورت سے شادی جو کسی دوسرے مرد سے بیاہی ہو۔

عقد فاسد.....احناف کے نزدیک اس کے لئے عقد صحیح کے کچھ اثرات ثابت ہوتے ہیں، عقد فاسد سے بیوی سے ہمبستری کے اثرات ثابت ہوجاتے ہیں، لہٰذا اس کے ذریعے نسب بھی ثابت ہوجاتا ہے تفریق یا باہمی متارکت سے عورت پہ عدت بھی واجب ہوگی، جیسے بغیر گواہوں کے شادی یا وقتی شادی، ایک ہی خاوند کی شادی میں بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے شادی، یا دوران عدت شادی کرنا۔

شادی منعقد ہونے کی شرائط.....شادی منعقد ہونے کے لئے کہ عاقدین مرد عورت میں کئی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور کئی

شرائط صیغہ ایجاب ❶ وقبول میں پائی جانی شرط ہیں۔

اول: عاقدین میں پائی جانے والی شرائط......شادی کا عقد کرنے والے دو افراد (مرد عورت) میں دو شرطوں کا پایا جانا شرط ہے۔

ا۔ تصرف کی اہلیت......کہ عقد کنندہ اپنے لیے یا کسی اور کے لئے عقد کر رہا ہو عقد کرنے کی اہلیت رکھتا ہو جس کا اندازہ صرف تمیز سے ہو جاتا ہے لہٰذا جب اسے تمیز کرنے کا پتہ نہ ہو جیسے وہ بچہ ہو سات سال سے کم عمر کا ہو اور پاگل تو شادی منعقد نہیں ہوگی اور شادی باطل ہوگی اس لئے کہ ارادہ اور قصد صحیح کامل طور پر نہیں پایا گیا جس کا شرعاً اعتبار ہے۔ شادی کے منعقد اور صحیح ہونے کے لئے بلوغت شرط نہیں۔ وہ تو احناف کے ہاں عقد کے نافذ ہونے کی شرط ہے۔ شافعیہ نے ولی کے لئے خواہ وہ باپ ہو یا دادا اس کی اجازت دی ہے کہ وہ تمیز کرنے والے کم سن کی شادی کرا سکتا ہے خواہ ایک سے زیادہ سے کرائے اگر اس میں ولی کو کوئی مصلحت نظر آئے۔ کیونکہ اس کا شادی کرانا کسی مصلحت کے تحت ہی ہوگا اور کبھی اس کا تقاضا ہوتا ہی ہے ❷ جبکہ ❸ حنابلہ نے بھی خصوصاً باپ کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے یا مجنون کی شادی کرانے کی اجازت دی ہے اگر چہ وہ مجنون بڑا ہو۔ اثرم کی روایت ہے: حضرت ابن عمر نے اپنے کمسن بیٹے کی شادی کی تو لوگوں نے ان کا مقدمہ حضرت زید کے سامنے پیش کیا تو ان دونوں نے اسے جائز قرار دیا باپ اگر مصلحت سمجھے تو کم سن کی ایک سے زیادہ شادیاں کرا سکتا ہے اور مالکیہ ❹ نے باپ وصی اور حاکم کے لیے پاگل اور کم سن کی شادی کرانے کو جائز کہا ہے جب یہ شادی کسی مصلحت کی بنا پر ہو جیسے زنا یا ضرر کا خوف یا وہ ان لوگوں میں سے جس کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مہر کی ادائیگی باپ کے ذمہ ہوگی۔

۲۔ دوسرے کی بات سننا......عقد کرنے والے دونوں ایک دوسرے کے الفاظ سنیں خواہ حکماً جیسے مجلس سے غائب عورت کی طرف تحریر بھیجنا اور اس سے یہی سمجھا جائے کہ اس سے مقصد شادی کو وجود دینا ہے تا کہ اس کے ذریعے ان دونوں کی رضامندی ثابت ہو جائے۔ زیادہ دقیق بات یہ ہے کہ اسے عقد کے صیغہ میں شرط مانا جائے۔ احناف کے نزدیک رضامندی کی پوری حقیقت شرط نہیں چنانچہ زبردستی اور مزاح میں شادی صحیح ہے۔

دوم: عورت کی شرائط......شادی کے عقد کے لئے عورت میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

ا......کہ وہ صحیح طور ثابت شدہ عورت ہو: لہٰذا مرد یا خنثیٰ مشکل (ایسا ہیجڑا جس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہ ہو) سے عقد نہیں ہوگا: اور ہیجڑے سے شادی باطل ہے۔

۲......کہ وہ عورت مرد کے لئے یقینی حرام نہ ہو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو: لہٰذا محرم خواتین جیسے بیٹی، بہن، پھوپھی، اور خالہ سے نکاح نہیں ہوگا اسی طرح جو عورت کسی اور سے بیاہی ہو اور وہ عورت جو عدت گزار رہی ہو، اور مسلمان عورت کا غیر مسلم سے ان تمام حالات میں شادی باطل ہے۔

سوم: صیغہ عقد: ایجاب وقبول کی شرطیں:

صیغہ......جو ایجاب وقبول ہے اس میں بالاتفاق چار شرطیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ جب عقد کرنے والے دونوں حاضر ہوں تو مجلس کا ایک ہونا......جس کی صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس (جگہ) میں ہو یعنی ایجاب وقبول کی مجلس ایک ہو نہ کہ عقد کرنے والوں کی مجلس، اس سے ارتباط کی شرط زمانے کا ایک ہونا ہے تو عاقدین کی

❶......البدائع ۲/ ۲۳۲ الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۳۶۶، ۳۶۱۔ ۳۱۳۔ ❷ مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۹ المهذب ۲/ ۴۰ ❸ کشاف القناع ۵/ ۴۳۔ ۴۴ ❹ الشرح الصغير ۲/ ۳۹۶

سانی کے لئے مجلس کو اپنے اطراف کو جمع کرنے والا بنا دیا گیا۔ پس اگر مجلس مختلف ہوئی تو عقد نہیں ہوگا، جب عورت نے کہہ دیا: میں نے تم سے اپنی شادی کر دی یا ولی کہے: میں نے تم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی اور دوسرا شخص قبول کرنے سے پہلے مجلس سے اٹھ گیا یا کسی ایسے کام میں لگ گیا جس سے اس کا مجلس سے باہر ہونا معلوم ہوتا ہو پھر اس کے بعد اس نے کہا: میں نے قبول کیا اس صورت میں احناف کے نزدیک عقد نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنے کے بعد صرف ٹھہرے رہنے سے مجلس تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح جب پہلا عاقد ایجاب کے بعد مجلس سے پھر جائے اور دوسرا شخص جو پہلے کی عدم موجودگی میں مجلس میں ہی تھا یا اس کے آنے کے بعد قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ احناف کے نزدیک پیدل چلنے یا سواری پر دو قدم چلنے سے مجلس تبدیل ہو جاتی ہے جیسے دو عقد کرنے والے ایسے شخص جو لیٹے ہوں بیٹھے ہوئے نہ ہوان کا سونا قبول سے اعراض سمجھا جاتا ہے لیکن قبول کرنا فی الفور شرط نہیں۔ عقد پھر بھی ہو جاتا ہے خواہ مجلس کتنی ہی طویل ہو اسی طرح اگر عاقدین چلتی کشتی میں ہیں تو بھی عقد ہو جائے گا اس لئے کہ کشتی ایک جگہ کا حکم رکھتی ہے۔

حقیقت میں جو چیز مجلس کے اتحاد و اختلاف میں حد فاصل کا درجہ رکھتی ہے وہ عرف ہے۔ لہٰذا جو چیز عرف میں عقد سے اعراض یا ایجاب وقبول میں فرق کرنے والی سمجھی جاتی ہو وہ مجلس عقد کو تبدیلی کرنے والی ہوگی اور جو عقد سے اعراض یا ایجاب وقبول میں فرق کرنے والی نہیں سمجھی جاتی وہ مجلس کو تبدیل کرنے والی بھی نہیں ہوگی۔

اور جمہور ❶ کے نزدیک فی الفور قبول کرنا شرط ہے یعنی ایجاب وقبول میں زیادہ فاصلہ نہ ہو۔ ❷ شافعیہ کی عبارت ہے: یہ شرط ہے کہ عاقدین کے دونوں لفظوں میں ایجاب وقبول کے درمیان فاصلہ طویل نہ ہو۔ اگر طویل ہو گیا تو نقصان ہے اس لیے کہ فاصلے کی طوالت، قبول کو ایجاب کا جواب ہونے سے خارج کر دیتی ہے۔ زیادہ فاصلہ وہ ہے جسے قبول کرنے سے اعراض سمجھا جائے۔ تھوڑے فاصلے سے نقصان نہیں کیونکہ اسے قبول سے اعراض کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی گفتگو کا خلل جو عقد کے علاوہ ہو نقصان دہ ہے اگر ایجاب وقبول کے درمیان تھوڑا سا ہو اور اگر چہ وہ مجلس سے علیحدہ نہ ہوئے ہوں کیونکہ اس میں قبول کرنے سے اعراض ہے۔

رہی وہ صورت جس میں ایک عقد کرنے والا دوسرے کے سامنے موجود نہ ہو اور باہمی عقد تحریر یا قاصد کی صورت میں ہو تو احناف کا کہنا ہے کہ شادی کے عقد کی مجلس: وہ مجلس ہے جس میں گواہوں کے روبرو تحریر پڑھی جائے یا گواہوں کی موجودگی میں قاصد کا پیام سنا جائے اس وقت مجلس ایک ہوگی اس لئے کہ تحریر لکھنے والے کی جانب سے خطاب کے قائم مقام ہے اور قاصد کی بات بھیجنے والے کی بات ہوتی ہے اس لئے کہ وہ بھیجنے والے کی عبارت نقل کرتا ہے۔ کاتب کا کلام حکماً معنی ہے اور بھیجنے والے کی بات کا سننا ایک معنی ہے۔ پھر اگر تحریر نہ پڑھی گئی یا قاصد کی بات نہ سنی گئی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد منعقد نہیں ہوگا کیونکہ گواہی عقد کے دو حصوں کے لیے شرط ہے۔ اور اگر عورت نے گواہوں کے روبرو پیام سنا یا تحریر پڑھ لی اور پھر کسی اور کام کی غرض سے مجلس سے اٹھ گئی یا عقد کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو گئی، اس کے بعد کہنے لگی: میں نے فلاں سے اپنی شادی کر دی، تو مجلس مختلف ہونے کی وجہ سے شادی نہیں ہوگی لیکن اگر عورت نے دوسری مجلس میں تحریر کو دوبارہ پڑھا اور گواہوں کے سامنے قبول کر لیا تو عقد صحیح ہے کیونکہ کتابت باقی ہے، البتہ جب قاصد دوسری مجلس میں ایجاب کو دہرائے اور عورت قبول کرلے تو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کی پیام رسانی پہلی بار ہی ختم ہوگئی۔ جب تحریر کی صورت اس کے برخلاف ہے وہ تو باقی ہے۔

قبول کا ایجاب کے موافق اور مطابق ہونا.....عقد کے محل اور مہر کی مقدار میں ایجاب وقبول کے ایک ہونے سے موافقت

---

❶..... مغنی المحتاج ۲/۱۰۵ کشاف القناع ۳/۱۳۶، حاشیتہ الصاوی علی الشرح الصغیر ۲/۳۰۶۔ ❷ مالکیہ ایجاب وقبول کو فی الفور واجب کرنے سے ایک مسئلہ مستثنیٰ کرتے ہیں کہ مرد اپنے مرض الوفات میں کہے: میں اگر فوت ہو گیا میں نے اپنی فلاں بیٹی کا نکاح فلاں سے کر دیا تو یہ صحیح ہے خواہ فاصلہ ہو یا نہ ہو۔

ثابت ہوتی ہے اگر دونوں میں اختلاف ہوخواہ محل عقد میں مخالفت ہو جیسے لڑکی کا باپ تو کہے: میں نے تم سے خدیجہ کی شادی کردی اور مرد کہے: میں نے فاطمہ کا رشتہ قبول کیا تو عقد نہیں ہوگا اس لیے کہ قبول اس شخص سے پھر گیا جس میں ایجاب پایا گیا تھا اس لیے صحیح نہیں۔ جیسے کسی کے ساتھ ایک کپڑے کا بھاؤ کیا اور خریدنے والے کی لاعلمی میں دوسرے کپڑے کا عقد پکا کردیا، اور اگر مہر کی مقدار میں مخالفت ہو مثلاً میں نے ہزار درھم مہر کی مقدار پر اپنی بیٹی کی شادی تم سے کردی اور مرد کہتا ہے: میں نے آٹھ سو کے عوض شادی قبول کی، تو عقد نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ مخالفت کسی بھلائی کی وجہ سے ہو جیسے مرد کہے: میں نے گیارہ سو کے عوض قبول کیا، تو احناف کے نزدیک عقد صحیح ہے۔

مہر کی مقدار میں مخالفت کی بناپر عقد نہ ہونے کا سبب اگرچہ مہر عقد کے ارکان میں سے نہیں: یہ ہے کہ عقد میں جب مہر کا ذکر کیا جاتا ہے تو ایجاب کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس کا ایک جزء بن جاتا ہے جس سے ایجاب کے مطابق قبول کرنا لازم ہوجاتا ہے تاکہ عقد ہوجائے۔ اگر عقد میں مہر ذکر نہ کرے یا صراحت کردے کہ عورت کا مہر نہیں ہے تو پھر وہ ایجاب کا جزء نہیں ہوگا۔ لیکن اس حالت میں مہر مثل واجب ہے اس لیے کہ شادی میں مہر شرع کی طرف سے واجب ہے شادی کو اس سے خالی کرنا صحیح نہیں۔

موجب کا اپنے ایجاب پر باقی رہنا...... دوسرے عاقد کے قبول کرنے سے پہلے موجب کا ایجاب سے رجوع نہ کرنا شرط ہے۔ پھر اگر اس نے رجوع کرلیا تو ایجاب باطل ہوگیا اور قبول کی موافقت کی کوئی چیز نہ رہی موجب کے لیے اپنے ایجاب پہ باقی رہنا اسی صورت میں لازم ہے جب اس کے ساتھ قبول مل جائے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔ لہٰذا متعاقدین میں سے کسی ایک کی جانب ایجاب پایا جائے تو اسے دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے رجوع کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ ایجاب وقبول دونوں ایک رکن ہیں۔ گویا ان میں سے ایک رکن کا حصہ ہوا اور جو چیز دو سے مرکب ہو اس کا ان میں سے ایک سے وجود نہیں ہوتا۔

☆ **فی الحال پورا کرنا**......شادی بیع کی طرح ہے اس کا فی الحال ہونا شرط ہے لہٰذا مذاہب اربعہ میں اسے مستقبل کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ مثلاً میں کل تم سے شادی کروں گا یا پرسوں کروں گا، اور نہ ہونے والی شرط پہ اس کا معلق کرنا بھی جائز نہیں۔ جیسے اگر زید آیا تو میں نے تم سے شادی کی، یا اگر میرا باپ راضی ہوا یا جب سورج طلوع ہوا تو میں نے تم سے اپنی بیٹی کی شادی کردی، اس لیے کہ شادی کا مقصد تملیکات یا معاوضات کے عقود میں سے ہے جو نہ اضافت کو قبول کرتا ہے اور نہ تعلیق۔ اور چونکہ صاحب شریعت نے عقد زواج اس لئے مقرر کیا تاکہ فی الحال اس کے حکم کو مفید بنائے جبکہ تعلیق اور اضافت حقیقت شرعیہ سے ❶ متناقض ہیں۔ لیکن گزری ہوئی شرط جس کا ہونا لازمی ہو کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے۔ جس کی بناپر فی الحال عقد ہوجائے گا۔ مثلاً کسی شخص نے کسی لڑکی کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگا تو اس لڑکی کا والد کہنے گا: میں نے آپ سے پہلے فلاں سے اس کا عقد کرنے کا فیصلہ کردیا ہے اس نے اس کی تکذیب کی، جس پر لڑکی کے باپ نے کہا: میں نے فلاں سے اس کی شادی نہیں کی تو تمہارے بیٹے سے اس کی شادی کردی ہے تو اس نے قبول کرلیا۔ بعد میں اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہوگیا تو عقد ہوگیا۔ کیونکہ اس کی تعلیق موجود کے ساتھ ہے اسی طرح جب وہ چیز مجلس میں جس پہ تعلیق کی گئی ہے مثلاً میں نے تم سے شادی کی اگر تمہاری عمر بیس سال ہے اور واقع میں اتنی ہی تھی اور میں نے تم سے شادی کی اگر میرا والد راضی ہوگیا اور اس کا والد مجلس میں تھا اور راضی ہوگیا تو عقد صحیح ہے۔

اور شافعیہ نے ذکر کیا ہے: اگر ولی نے کہا: میں نے ان شاء اللہ تعالیٰ تم سے شادی کرادی اور اس کا ارادہ تعلیق کا تھا یا اطلاق کا، تو عقد صحیح نہیں۔ اور اگر تبرک کا ارادہ ہو یا یہ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے تو صحیح ہے۔ اور اگر یہ کہا: مرے ہاں جو لڑکی بھی پیدا ہوئی اس سے میں نے تمہاری شادی کرادی یا کہا: اگر میری بیٹی کو طلاق ہوگئی اور عدت گزرانے لگی تو میں نے اس سے تمہاری شادی کردی۔ تو مذہب یہ ہے ان

---

❶......الدالمختار وردالمحتار ۲/ ۳۶۷۔ ۳۷۹۔ ۴۰۵ مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۱ ج

صورتوں میں شادی باطل ہے کیونکہ تعلیق کی صورت موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مذاہب کا اتفاق ہے شادی کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز نہیں۔لیکن ابن قیم کا کہنا ہے، امام احمد نے نکاح کو شرط سے معلق رکھنے کے جواز کی صراحت کی ہے۔ ❶

اور بیع جواز کے لئے اولیٰ ہے لیکن ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ نکاح کو کسی شرط سے معلق کرنا اسے باطل کردیتا ہے۔ ❷ رہا قانون تو تخصی احوال کے قانون سوری (م ۱۳) نے صراحت کی ہے: جو شادی مستقبل کی طرف منسوب ہو وہ نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ شادی ہوتی ہے جو کسی غیر ثابت شدہ شرط پہ معلق ہو۔

کیا شادی کے عقد میں اختیار ثابت ہے؟...... اکثر فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ شادی میں اختیار ثابت نہیں ہوتا ❸ اس میں خیار مجلس اور خیار شرط برابر ہے۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اکثر تر ددو تفکر کے بعد ہی شادی ہوتی ہے نیز شادی محض معاوضہ نہیں۔ اور خیار ثابت ہونے سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے اور عقد ہو چکنے کے بعد فسخ کرنے میں عورت کا نقصان ہے۔

شادی میں لگائی گئی شروط کے بارے میں فقہاء کے مذاہب:

شادی میں شرطیں...... یہ وہ شرطیں ہوتی ہیں جو زوجین میں سے ایک دوسرے پر لگاتا ہے جس میں اس کی غرض ہوتی ہے ان سے مراد وہ شرطیں ہوتی ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ یعنی ایجاب حاصل ہوتو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی شرط ہوتی ہے اس بارے میں فقہاء کی تفصیلات ہیں:

جس کے متعلق ہم ہر مذہب کی رائے علیحدہ ذکر کریں گے یاد رہے یہ ایجاب کی اس حالت کے برخلاف ہے جو کسی شرط پہ معلق ہو۔ اس واسطے کہ ایجاب کا شرط کے وجود سے پہلے کوئی وجود نہیں۔

ا۔ احناف ❹ کا مذہب:

الف...... اگر شرط ایسی ہو جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ عقد کے مقتضا کے مناسب ہو اور احکام شرعیہ کے منافی نہ ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اکیلے گھر میں رہے گی خاوند کے اہل خانہ یا اپنی سوکن کے ساتھ نہیں رہے گی یا خاوند اسے اگر لمبے سفر پہ لے جانا ہوگا تو عورت کے گھر والوں سے اجازت لے کرلے جائے گا۔ یا عورت سے مقرر مہر سے شادی کرے گا اور عوت کے لئے ایک اور شرط لگائی کہ ہزار کے عوض اس سے شادی کرے گا اور یہ شرط ہے کہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس پہ سوکن نہیں لائے گا۔ پھر اگر اس نے شرط پوری کردی تو عورت کے لیے مہر مقرر ہے کیونکہ وہ مہر بن سکتا ہے اور اس پہ عورت کی رضامندی بھی مکمل ہوگئی۔ اور اگر اس نے شرط پوری نہ کی اس پہ سوکن لے آیا یا اسے اس کے شہر سے باہر لے گیا تو اس صورت میں اس کے لئے مہر مثل ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے لئے ایسی چیز مقرر کی ہے جس میں عورت کا نفع ہے۔ تو اس کے نہ ہوتے ہوئے عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اس لیے کہ اسی پہ اس کی رضامندی نہیں اور اسی جیسی وہ شرط ہے جس کا شریعت حکم دیتی ہے۔ جیسے عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ اس سے اچھا سلوک رکھے گا۔ اور اسے کلبوں اور ڈانسنگ ہالوں میں نہیں لے جائے گا۔ فرماتے ہیں: ان کے نزدیک صحیح شرطوں میں سے یہ بھی ہے اگر عورت سے اس شرط پہ شادی کی کہ اس کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے تو صحیح ہے لیکن اگر یوں کہا: اس شرط پہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرادو کہ اس کا اختیار آپ کے ہاتھ میں ہوگا تو اسے کچھ اختیار نہیں

❶......اعلام الموقعین ۲۵/۴ محی الدین عبدالحمید۔ ❷ المغنی ۶/ ۵۳۶/۶ ❸ بدایة المجتهد ۷/۲۔ ❹ الدر المختار ۴۰۵/۲ تبیین الحقائق ۱۴۸/۲ فتح القدیر ۱۰۷/۳ و ما بعدها

ہوگا اس واسطے کہ یہاں نکاح سے پہلے تفویض ہے۔

ب.....اگر وہ شرط فاسد ہو یعنی عقد کے مقتضا کے مناسب نہ ہو یا احکام شرع کی رو سے ناجائز ہو تو عقد اپنی جگہ صحیح ہے صرف وہ شرط باطل ہوگی۔ جیسے زوجین میں سے کسی ایک کے لیے خیار کی شرط لگانا یا دونوں کے لیے ان میں سے ہر ایک معین مدت کے اندر رشتہ ازدواج سے الگ ہو جائے گا اور یہ عام قاعدہ کے خلاف ہے جو یہ ہے معاوضات مالیہ میں فاسد شرط انہیں فاسد کر دیتی ہے جیسے بیع کا معاملہ ہوتا ہے۔ پھر اگر اس شرط کے بارے میں نہی وارد ہو جیسے سوکن کو طلاق دینے کی شرط، تو اس کا پورا کرنا مکروہ ہے حدیث ہے: کسی عورت کے لیے اپنی سوکن کی طلاق کا سوال کرنا حلال نہیں۔

۲۔ مالکیہ ❶ کا مذہب.....شادی کے عقد کے ساتھ لگنے والی شرطوں کی دو قسمیں ہیں: صحیح شرطیں اور فاسد شرطیں، پھر صحیح شرطوں کی مزید دو قسمیں ہیں: مکروہ غیر مکروہ۔ رہی وہ شرطیں جو صحیح اور غیر مکروہ ہیں وہ یہ ہیں: جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں جیسے عورت پہ خرچ کرنا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا یا یہ کہ وہ عورت خاوند کی فرمانبرداری کرے گی اور اس کی اجازت لیے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ اور انہی میں سے یہ شرط لگانا کہ عورت ان عیوب ونقائص سے سلامت ہو جو شادی کے فسخ کو جائز نہیں کرتے جیسے یہ کہ عورت نابینی بھینگی، بہری یا گونگی نہ ہو یا یہ کہ کنواری یا سفید رنگ کی ہو وغیرہ۔ اور صحیح شرطیں جو مکروہ ہیں وہ یہ ہیں: جن کا عقد سے تعلق نہیں ہوتا یا وہ عقد کے مقصود کے منافی نہیں ہوتیں، اس میں ضرف (خاوند) مرد پہ تنگی ہوتی ہے جیسے عورت کو اس کے شہر سے نہ نکالنے کی شرط یا اسے سفر میں ساتھ نہ لے جانے کی شرط یا اسے کسی جگہ سے منتقل نہ کرنے کی شرط، اور دوسری شادی وغیرہ نہ کرنے کی شرط، یہ شرطیں ماسوائے اس کے خاوند پہ لازم نہیں ہوتیں کہ اس نے غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی ہو تو پھر شرط اس میں لازم ہے۔ رہی وہ شرطیں جو فاسد ہیں۔ وہ ایسی ہیں جو منافی مقتضاء عقد یا شادی کے مقصد سے ٹکراتی ہوں۔ جیسے یہ شرط کہ شب باشی میں اس کے اور سوکن کے درمیان تقسیم نہیں ہوگی یا اس پہ اس کی سوکن کو ہفتہ بھر یا اس سے کم یا زیادہ ترجیح دے گا اس کے ذریعے یہ اس سے کم سمجھی جائے گی۔ اور عورت کا اپنی شادی کے وقت کسی ممنوع شرط کا عائد کرنا کہ اس کا خرچ مرد کے ولی پہ ہوگا: اس کے والد یا اس کے آقا پہ یا خود عورت پر یا عورت کے باپ پر ہوگا تو یہ ایسی شرط ہے جو شادی کے مقصود سے ٹکراتی ہے اس لیے کہ اصل تو یہ ہے کہ بیوی کا خرچ اس کے خاوند کے ذمہ ہوتا ہے لہٰذا اس کے خلاف شرط لگانا مضر ہے۔ اور جیسے شادی میں خیار کی شرط ❷ لگانا، یا ایسی شرط لگانا جو مہر کے نامعلوم ہونے میں موثر اور کارگر ہو جیسے وہ اس عورت سے اس شرط پہ شادی کرے گا کہ خرچ میں سے اسے ماہانہ اتنا سامان ملے گا اس لیے کہ اسے معلوم نہیں یہ خرچ کب تک چلے گا اور جیسے عورت مرد پہ یہ شرط لگائے کہ اس کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا (یعنی حق طلاق دہی) وہ جب چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے دی گی۔ یا یہ خاوند اس کے اس بچہ پہ خرچ کرے گا جو کسی اور سے ہو۔ یا عورت کے رشتہ داروں جیسے باپ بھائی وغیرہ پہ خرچ کرے گا۔

ان شرائط کا حکم یہ ہے کہ جب تک خاوند عورت سے ہمبستر نہ ہوا ہو یہ عقد کو باطل کر دیتی ہیں اسے فسخ کرنا واجب ہے پھر اگر وہ اس سے، ہمبستر ہو چکا تو عقد جاری رہے گا اور شرط کو لغو قرار دے دیا جائے اور مقرر کردہ مہر باطل ہوگا عورت کو مہر مثل ملے گیا۔ البتہ اس صورت میں فقہاء کے چند اقوال ہیں جب عورت اپنا (طلاق دہی) کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔

الف.....اگر مرد طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے کر کسی سبب پر معلق کرے: پھر وہ سبب کوئی فعل ہو جسے خاوند کرتا ہے تو وہ جائز اور خاوند پہ لازم ہے جیسے یہ شرط لگائے کہ جب اس نے اسے مارا یا اسے چھوڑ کر سفر پہ نکل گیا تو اس کا معاملہ اس کے ہاتھ یا اس کے باپ وغیرہ کے ہاتھ ہے اسی طرح اگر التزام طلاق دینے یا آزاد کرنے کی قسم پر ہو جیسے اس نے قسم کھائی کہ کسی اور شادی نہیں کرے گا اس بنا پر کہ اس کے

❶.....القوانین الفقهیه ص ۲۱۸۔ ۲۲۰ الشرح الصغیر ۳۸۴/۲۔ ۳۸۶۔ ۵۹۵ بدایة المجتهد ۵۸/۲۔ ❷ خیار کی شرط لگانا یہ ہے کہ زوجین یا دونوں میں سے کسی ایک کو مقرر مدت کے بعد شادی سے دستبردار ہونے کا حق ہے۔

ہاتھ دی گئی طلاق کی تحدید کرے گا آیا وہ رجعی ہے یا بائن یا تین طلاقیں یا جو طلاق عورت چاہے تو اس صورت میں خاوند پہ شرط لازم ہے۔

.....اور اگر اس کا سبب خاوند کے علاوہ کسی کا فعل ہو تو نافذ نہیں ہوگا، اور نہ خاوند پہ لازم ہوگا، اور نکاح جائز ہے۔

شافعیہ کا مذہب.....شافعیہ کے نزدیک دو قسم کی شرائط ہیں:

(۱).....شرائط صحیحہ (۲).....شرائط فاسدہ

ا۔ **شرائط صحیحہ**.....جو عقد نکاح میں واقع ہوتی ہیں۔ یہ وہ شرائط ہیں جو مقتضائے عقد نکاح کے موافق ہوں جیسے نفقہ (خرچہ) کی شرط، ایک سے زائد بیویوں میں باری مقرر کرنے کی شرط یا وہ شرائط ایسی ہوں کہ مقتضائے عقد نکاح کے موافق تو نہ ہوں لیکن ان سے کوئی خاص غرض متعلق نہ ہو جیسے شرط لگا دینا کہ عورت صرف فلاں چیز تناول کرے گی، اس بے غرضی شرط کا حکم یہ ہے کہ شرط لغو ہے اور عقد پر اسکا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ ایسی شرط کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، البتہ نکاح اور مہر صحیح ہوگا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

۲۔ **شرائط فاسدہ**.....یہ ایسی شرائط ہیں جو مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہیں لیکن مقصود اصلی میں مخل نہ ہوں، مقصود اصلی سے مراد وطی (ہمبستری) ہے۔ جیسے مثلاً شرط لگا دی گئی کہ اس عورت پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا، یا منکوحہ کے لیے خرچہ نہیں ہوگا، یا اسے ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، اس شرط کا حکم یہ ہے کہ عقد نکاح صحیح ہوا کیونکہ یہ شرط مقصود اصلی میں مخل نہیں ہوتی، ہاں البتہ شرط فاسد ہوتی ہے کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے مخالف ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ شرط باطل ہے ❶ مہر بھی فاسد ہو جائے گا کیونکہ شرط اگر عورت کے حق میں ہو تو وہ تنہا مقررہ مہر پر راضی نہیں ہوگی، اور اگر شرط عورت کے خلاف جا رہی ہو تو خاوند صرف اسی صورت میں راضی ہوگا جب اس کی عائد کردہ شرط سلامت رہے۔

اگر شرط مقصود اصلی میں مخل ہو (یعنی رکاوٹ بن رہی ہو) مثلاً یہ شرط لگا دی کہ خاوند بیوی کے ساتھ سرے سے صحبت ہی نہیں کرے گا یا سال میں صرف ایک بار صحبت کرے گا یا عورت شرط لگا دے کہ خاوند اس سے صرف رات کے وقت کرے گا یا صرف دن کے وقت، یا شرط لگا دی کہ صحبت کے بعد خاوند اسے طلاق دے گا، ان ساری صورتوں میں نکاح باطل ہو جائے گا چونکہ عائد کردہ شرط مقصود اصلی کے منافی ہے۔ اگر خاوند نے شرط لگا دی کہ وہ صرف رات کو صحبت کرے گا تو عقد باطل نہیں ہوگا کیونکہ خاوند کو دن کو بھی اور رات کو بھی صحبت کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور صحبت کو ترک بھی کر سکتا ہے، اگر خاوند نے صحبت نہ کرنے کی شرط عائد کی تو گویا اس نے اپنے حق کو چھوڑ دیا یہ اختیار اسے حاصل ہے، رہی بات عورت کی سو اس پر خاوند کو اختیار حاصل ہوتا ہے چاہے دن کو صحبت کرے یا رات کو، جب عورت ترک صحبت کی شرط لگا دے تو اسکا مطلب ہوگا کہ وہ شرط لگا کر خاوند کو اس کے حق سے منع کر رہی ہے اور یہ شرط عقد کے مقصود کے منافی ہے لہٰذا عقد باطل ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر خاوند نے شرط لگا دی کہ عورت اسکی وارث نہیں بنے گی یا وہ عورت کا وارث نہیں ہوگا یا وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے یا خاوند کے علاوہ کسی اور کے ذمہ نفقہ واجب ہے تو بھی عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ کا مذہب.....حنابلہ کے نزدیک شرائط شافعیہ کی شرائط جیسی ہیں۔ تاہم حنابلہ کے نزدیک شرائط کی تین انواع ہیں۔

نوع اول: شرائط صحیحہ.....یہ وہ شرائط ہیں جنکا تقاضا عقد کرتا ہو یا عقد تقاضا نہ کرتا ہو لیکن انمیں کسی ایک عاقد کی منفعت ہو اور شریعت میں کوئی ایسی ممانعت نہ آئی ہو جو اس شرط کے منافی ہو بشرطیکہ وہ شرط مقصود اصلی کے منافی نہ ہو۔ اس شرط کا حکم یہ ہے کہ اس شرط کو پورا

❶.....متفق علیہ من حدیث عائشہ رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار ۶/ ۱۹۱)

کرنا لازمی ہے کیونکہ اس میں فائدہ اور منفعت ہے۔

مثلاً عورت نے مرد پر یہ شرط لگادی کہ خاوند اسے نفقہ دے گا یا اس کے ساتھ حسن سلوک رکھے گا، یا یہ کہ اس پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا یا یہ کہ اسے گھر سے یا شہر سے باہر نہیں نکالے گیا، یا اسے سفر پر نہیں لے کر جائے گا۔

یا مثلاً مرد عورت پر شرط لگادے کہ وہ کنواری ہو یا خوبصورت ہو یا لکھی پڑھی ہو یا مختلف عیوب مثلاً نابینا ہونا، گونگا ہونا اور لنگڑا ہونا سے پاک ہو۔

ان شرائط کو پورا کرنے کی دلیل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ ”وہ شرائط جن کی وجہ سے تم شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کرتے ہو ان کو پورا کرنا تمہارا فریضہ ہے۔ ❶“

ایک اور حدیث...... مسلمان اپنی شرائط پر کاربند رہتے ہیں۔ ❷ اثرم نے اپنی اسناد سے حدیث نقل کی ہے کہ۔ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور عورت کے لئے ایک گھر میں رہنے کی شرط لگادی پھر عورت کو اس گھر سے منتقل کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ لوگوں نے یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت اپنی شرط پر رہے، اس پر مرد نے کہا: تب تو وہ ہمیں طلاق دے دے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرائط میں حقوق کی قطع ہوجاتی ہے نیز یہ ایسی شرط ہے جس میں عورت کی منفعت ہے اور مقصود کے مانع بھی نہیں، لہٰذا پورا کرنا لازمی ہے، یہ شرط ایسی ہے جیسے مہر میں زیادتی کی شرط لگادی جائے۔

رہی یہ حدیث کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے۔ حدیث کا معنی ہے کہ ہر وہ شرط جو مشروع نہ ہو باطل ہے۔

شرائط غیر صحیحہ...... یہ وہ شرائط ہیں جن کے متعلق شریعت میں نہی وارد ہوئی ہو اور وہ شرائط مقتضائے عقد کے منافی ہوں۔ یہ شرائط دو انواع پر مشتمل ہیں۔ اور وہ نوع ثانی اور نوع ثالث ہیں۔

نوع ثانی...... اس نوع کی شرائط باطل ہوجاتی ہیں اور عقد صحیح ہوتا ہے، مثلاً خاوند نے شرط لگادی کہ عورت کو مہر نہیں دے گا، یا اسے خرچہ نہیں دے گا یا مہر دے کر واپسی کا مطالبہ کرتا ہو۔

یا مثلاً عورت خاوند پر شرط لگادے کہ وہ اس سے صحبت نہیں کرے گا یا بوقت صحبت عزل کرے گا (عزل کا معنی نطفہ شرمگاہ سے باہر گرانا) یا خاوند اسکی باری میں بقیہ بیویوں کی بنسبت کم حصہ رکھے، یا شرط لگادے کہ ہفتہ میں صرف ایک رات اس بیوی کو دے گا، یا باری کے لئے دن کی شرط لگادے، یا خاوند بیوی پر شرط لگادے کہ وہ اسے خرچہ دے گی یا اسے کوئی اور چیز دے گی۔

یہ سب شرائط فی نفسہ باطل ہیں کیونکہ مقضائے عقد کے خلاف ہیں، نیز ان شرائط میں ایسے حقوق کی ممانعت مندرج ہے جو فی الواقع عقد سے واجب ہوتے ہیں لہٰذا یہ شرائط صحیح نہیں۔

اسی نوع میں یہ شرط بھی ہے کہ عورت خاوند پر شرط لگادے کہ وہ اس کی سوکن کو طلاق دے، یہ شرط بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ شریعت میں اسکی ممانعت آئی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن (سوتن) کی طلاق کی شرط لگادے ❸ ایک اور روایت میں ہے۔ کوئی عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے کہ وہ طلاق دہندہ سے نکاح کرے گی ایک اور حدیث میں ہے۔ تاکہ دوسری عورت کے برتن کا حصہ اپنے برتن میں انڈیل لے۔ اس کا رزق تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چنانچہ نہی منہی عنہ کے فساد کی مقتضی ہے، نیز عورت اس شرط سے عقد فاسد کرنے کی شرط لگاتی ہے اور موجود بیوی کے حق کو ختم کرانا چاہتی ہے۔

---

❶......رواه الجماعه احمد واصحاب الكتب الستہ و سعيد بن منصور عن عقبه بن عامر (نيل الاوطار ۱۴۲/۶) ❷رواه الترمذي و صححه عن عمرو بن عوف المزني (سبل السلام ۵۹/۳) ❸......متفق عليه عن ابى هريرة (نيل الاوطار ۱۴۲/۶)

نوع ثالث.....اس نوع میں ایسی شرائط آتی ہیں جن سے عقد نکاح شروع ہی سے باطل قرار پاتا ہے، مثلاً نکاح موقت، نکاح متعہ، یا عوت شرط لگا دے کہ خاوند اسے مقرر اور معین وقت میں طلاق دے، یا عقد نکاح کو کسی دوسری شرط پر معلق کر دیا گیا ہو مثلاً عورت کا ولی کہے کہ اس لڑکی کے ساتھ تمہارا نکاح ہو گیا بشرطیکہ اسکی ماں راضی ہو یا عقد نکاح میں زوجین میں سے کسی ایک کو اختیار دے دیا جائے۔

یہ سب شرائط باطل ہیں اور ان شرائط سے عقد نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے، نکاح شغار بھی اسی صورت میں داخل ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت کا عقد نکاح دوسری عورت کا مہر قرار دیا جائے وکذا عکسہ۔

خلاصہ.....فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شرائط مقتضائے عقد کے ملائم ہوں وہ صحیح ہیں اور جو شرائط نکاح کے مقصد کے منافی ہوں وہ باطل ہیں، حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شرائط جن سے وصف مرغوب متحقق ہوتا ہو وہ صحیح ہیں۔

البتہ جو شرائط مقتضائے عقد سے لاتعلق ہوں وہ مختلف فیہ ہیں، البتہ ان شرائط کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ وہ احکام نکاح کے منافی نہ ہوں اور ان میں کسی ایک عاقد کا یکطرفہ فائدہ نہ ہو جیسے مثلاً شرط لگا دی جائے کہ خاوند عورت پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا وغیرہ ھا کما مر۔

حنابلہ کہتے ہیں: ایسی شرائط صحیح ہیں انہیں پورا کرنا لازمی ہے۔
حنفیہ کہتے ہیں: یہ شرائط لغو ہیں البتہ عقد نکاح صحیح ہے۔
مالکیہ کہتے ہیں: یہ شرائط مکروہ ہیں ان کی پاسداری لازمی نہیں البتہ فقط مستحب ہے۔
شافعیہ کہتے ہیں: یہ شرائط باطل ہیں ان کے بغیر بھی عقد نکاح صحیح ہوتا ہے۔
حنابلہ کی رائے میرے نزدیک راجح ہے، ان کے دلائل پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔
حنابلہ ہی کی رائے کو شام میں قانونی حیثیت دی گئی ہے۔

شرط فاسد کا عقد نکاح پر اثر.....حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد سے عقد نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ البتہ خود شرط ہی لغو ہو جاتی ہے اور عقد صحیح قرار پاتا ہے۔ حنابلہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے البتہ بعض شرائط میں ان کے نزدیک عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط عقد کے موقت ہونے کی شرط لگانا اور وقت معین میں عورت کو طلاق دینے کی شرط لگانا بھی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک شرط فاسد سے عقد نکاح فاسد ہو جاتا ہے، جبکہ شرط مقصود اصلی میں رکاوٹ بن رہی ہو، ورنہ شرط ہی فاسد ہو جائے گی، جبکہ مالکیہ کا موقف ہے کہ جب تک خاوند نے عورت کے ساتھ صحبت نہ کی ہو عقد کا فسخ کرنا واجب ہے اور خاوند نے صحبت کر لی ہو تو عقد برقرار رہتا ہے ہاں البتہ شرط لغو ہو جاتی ہے اور مقررہ مہر باطل ہو جاتا ہے اور اس صورت میں عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

شرائط انعقاد کے متعلق قانون کا موقف.....سوریہ کے قانون دفعہ (م ۱/۱۱) میں انعقاد نکاح کی چار شرائط کی تصریح کی گئی ہے۔
(۱).....ہر طرح سے ایجاب وقبول میں اتفاق واتحاد ہو۔
(۲).....یہ کہ ایجاب وقبول کی مجلس میں اتحاد ہو۔
(۳).....یہ کہ عاقدین (مرد عورت) میں سے ہر ایک دوسرے کی بات سمجھتا ہو اور بات سن بھی رہا ہو۔
(۴).....یہ کہ قبول سے پہلے کسی ایک فریق کی طرف سے ایسا کوئی امر نہ پایا جائے جو ایجاب کو باطل کر دے، مثلاً قبول سے پہلے ایجاب کنندہ اپنے ایجاب سے رجوع نہ کرے۔

شق نمبر ۲ کے متعلق تصریح کی گئی ہے کہ ایجاب کنندہ کی اہلیت قبول سے پہلے اگر زائل ہو جائے تو ایجاب باطل ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر دوشرائط مزید بھی بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک اہلیت کے متعلق ہے اوردوسری انواع نکاح کے ضمن میں مندرج ہے۔

(۱)...... یہ کہ عاقدین (لڑکی اور لڑکے) میں نکاح کی کامل اہلیت موجود ہو کامل اہلیت سے مراد عقل وبلوغ کا ہونا ہے، تاہم مجنون کے ساتھ عقد نکاح صحیح نہیں اور نہ ہی بالغ بچے کا عقد نکاح صحیح ہے، مجنون (پاگل) کے عقد نکاح کا غیر صحیح ہونا فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہے جبکہ نابالغ بچے کے نکاح کے غیر صحیح ہونے کے قانون کا دارومدار ابن شبرمہ اور عثمان البتی کے قول پر ہے۔

(۲)...... یہ کہ مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرنے والا مرد بھی مسلمان ہو، مسلمان عورت کے ساتھ غیر مسلم مرد کا نکاح منعقد نہیں ہوگا، بلکہ یہ عقد ہی سرے سے باطل ہوگا اور اس کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔

شرائط نکاح کے متعلق قانون کا موقف...... سوریہ میں احوال شخصیہ کے قانون دفعہ ۱۴ میں ان شرائط کی تصریح کی گئی ہے جو عقد نکاح کے متعلق ہیں اور فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہیں، بالخصوص حنابلہ کے مذہب کو ترجیح دی گئی ہے، چنانچہ ان شرائط کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱)...... شرائط صحیحہ جن کی پاسداری لازمی ہے، یہ وہ شرائط ہیں جن میں عورت کے لئے کوئی مشروع مصلحت ہو اور ان سے دوسرے لوگوں کے حقوق متاثر نہ ہوتے ہوں۔ اور یہ شرائط خاوند کی آزادی کو سلب نہ کرتی ہوں۔ مثلاً شرط لگادی گئی کہ خاوند عورت کو لے کر سفر پر نہیں جائے گا یا اس شہر سے باہر دوسرے شہر میں منتقل نہیں ہوگا، اگر خاوند ان شرائط کی پاسداری نہ کرے تو عورت کو فسخ عقد کا حق حاصل ہوگا یہ تفصیل (قانون) حنابلہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

(۲)...... شرائط صحیحہ جن کا پورا کرنا خاوند کے لئے لازمی نہ ہو یہ شرائط مندرجہ ذیل صورتوں میں عائد ہوتی ہیں۔

الف...... عورت کوئی ایسی شرط لگادے جس سے کسی مشروع عمل میں خاوند کی آزادی سلب ہو کر رہ جائے جیسے عورت شرط لگادے کہ خاوند اسے لے کر سفر پر نہیں جائے گا یا اس پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا۔

ب...... عورت کوئی ایسی شرط لگادے جس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہوں مثلاً عورت شرط لگادے کہ خاوند دوسری بیوی کو طلاق دے۔

چنانچہ ان دونوں صورتوں میں شرط صحیح ہے لیکن اس کی پاسداری خاوند کے لئے لازمی نہیں۔ اگر خاوند شرط پوری نہ کرے عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، یہ قانون بھی حنبلی مذہب کے موافق ہے البتہ دوسری بیوی کی طلاق کی شرط کی صورت میں عقد نکاح تو صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

(۳)...... باطل شرائط جن کی پاسداری جائز نہیں۔ البتہ ان شرائط کے ہوتے ہوئے عقد نکاح صحیح ہوگا، یہ شرائط ایسی ہیں جو عقد نکاح کے شرعی نظام کے منافی ہوں، جیسے مثلاً مہر نہ دینے کی شرط لگادینا، یا یہ شرط لگادینا کہ عورت اپنے خاوند پر خرچ کرے گی، یا ایسی شرط لگادی جو نکاح کے مقاصد شرعیہ کے منافی ہو جیسے مثلاً شرط لگادی کہ خاوند عورت کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا یا کوئی ایسی شرط لگادی جو شرعاً ممنوع ہو جیسے مثلاً شرط لگادی گئی کہ عورت تنہا سفر کرے گی یہ قانون تقریباً سبھی مذاہب کے موافق ہے۔

نکاح صحیح ہونے کی شرائط...... نکاح صحیح ہونے کی دس شرائط ہیں، ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں۔ تاہم ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ [1]

---

[1] ...... الدر المختار رد المحتار ۲/۳۷۳، البدائع ۲/۳۰۱، تبیین الحقائق ۲/۹۰، الشرح الکبیر ۲/۲۳۶، شرح الرسالہ ۲/۲۶ مغنی المحتاج ۳/۱۴۴، المہذب ۲/۴۰ المغنی ۶/۴۵۰، القوانین الفقھیۃ ۱۹۷۔

پہلی شرط: محل نکاح کا حلال ہونا......اس شرط کا حاصل یہ ہے کہ عورت مرد پر حرام نہ ہو خواہ یہ حرمت موقت ہو یا اس حرمت میں شبہ ہو یا حرمت فقہاء کے درمیان مختلف فیہ نہ ہو۔ جیسے مثلاً ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر لینا جو طلاق بائن میں عدت گزار رہی ہو، طلاق یافتہ عورت جو عدت میں ہو کی بہن کے ساتھ نکاح کر لینا، یا مثلاً نکاح میں ایسی دو عورتیں جمع کر لیں جو ایک دوسرے پر حرام ہوں، جیسے مثلاً بھتیجی نکاح میں ہو اور اس پر اس کی پھوپھی بیاہ کر لائی گئی ہو، چنانچہ اگر محل میں کلی حلت ثابت نہ ہو تو عقد نکاح باطل ہو جائے گا مذکورہ بالا صورت کو فقہی اصطلاح میں محلیہ فرعیتہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

محلیہ اصلیہ کا حاصل یہ ہے کہ عورت مرد پر مؤبدًا (دائمی طور پر) حرام نہ ہو جیسے مثلاً بیوی کی سگی بہن، بیٹی، پھوپھی، اور خالہ۔ مذکورہ شرط انعقاد نکاح کے لئے ہے، اگر یہ شرط متحقق نہ ہو تو عقد نکاح بالاتفاق باطل ہوگا اور اس پر نکاح کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر حرمت قطعی ہو تو یہ حرمت بطلان عقد کا سبب بنے گی اور اگر حرمت ظنی ہو تو حنفیہ کے نزدیک حرمت فساد نکاح کا سبب بنے گی۔

اگر نکاح میں محلیہ فرعیتہ معدوم ہو تو نکاح فاسد ہوگا ہاں البتہ دخول کی وجہ سے اس پر بعض اثرات مرتب ہوں گے لیکن فساد نکاح کی صورت میں عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے اور اگر مرد اور عورت اپنے اختیار سے جدا نہ ہوں۔

تو جبراً ان میں تفریق کرنا واجب ہے۔ بایں ہمہ اگر فساد نکاح کی صورت میں مرد عورت کے ساتھ صحبت کر بیٹھے تو اس نکاح پر بعض اثرات مرتب ہوں گے اور مرد پر مقررہ مہر یا مہر مثل میں سے جو قلیل ہو واجب ہوگا اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی، اگر حمل ٹھہر گیا تو مولود کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا البتہ اس نکاح سے زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔

دوسری شرط......ایجاب وقبول کا صیغہ ایسا ہو جس میں تابید (ہمیشگی) کا معنی پایا جاتا ہو، صیغہ موقت نہ ہو۔ اگر نکاح مدت کے ساتھ موقت کیا گیا تو باطل ہو جائے گا مثلاً مرد نے ایجاب یا قبول کے لئے یہ الفاظ کہے۔ ''میں تجھ سے مثلاً محرم الحرام تک صحبت کا فائدہ اٹھاؤں گا جواب میں عورت کہے۔ ''میں نے قبول کر لیا یا نکاح موقت کر لیا مثلاً مرد کہے میں نے تیرے ساتھ رجب تک نکاح کر لیا۔ یا کہے جتنی مدت تک میں اس شہر میں مقیم ہوں اس مدت تک تیرے ساتھ نکاح کر لیا۔ مندرجہ بالا پہلی صورت کو نکاح متعہ اور دوسری صورت کو نکاح موقت کہا جاتا ہے۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت کے متعلق مالکیہ کہتے ہیں کہ زوجین کو ایسے نکاح پر سزا دی جائے گی، ہاں البتہ یہ سزا بطور حد نہیں ہوگی اور نکاح بغیر طلاق کے فسخ کر دیا جائے گا۔ ہاں البتہ اگر ایجاب قبول کے وقت مرد دل میں یہ خیال چھپائے رکھے کہ جب تک وہ اس شہر میں مقیم ہے یا ایک سال تک کے لئے یہ نکاح کرتا ہے پھر عورت کو جدا کر دے گا تو اس میں ضرر نہیں، اگر چہ عورت مرد کی اس حالت سے آگاہ ہو۔ ❶

حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ اسے ایک سال کے بعد طلاق دے دے گا تو یہ نکاح متعہ نہیں ہوگا۔ ❷ حنابلہ کے نزدیک بنیت طلاق نکاح کرنا باطل ہے یہ نکاح ایسا ہی ہے جیسے اس میں مدت کی تصریح کر دی گئی ہو۔ اس میں ابن قدامہ کا اختلاف ہے۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء:

نکاح متعہ......کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے: میں تم سے اتنے روپیہ یا اتنے سامان پر اتنے دونوں کیلئے متعہ کرتا ہوں۔

نکاح موقت......کی صرت یہ ہے کہ مرد دو گواہوں کی موجودگی میں متعین مدت مثلاً دس روز کے لئے نکاح کرے۔ چنانچہ مذاہب

---

❶......الشرح الصغیر ۲/۳۸۷ ❷شرح المجلة للأتاسی ۲/۴۱۵

اربعہ اصحابؓ اور جمہور صحابہ کا اتفاق یہ ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے، حنفیہ کے نزدیک باطل ہے کیونکہ نکاح متعہ کی حرمت منصوص ہے اور اس کی حرمت سنت سے ثابت ہے نکاح موقت بھی متعہ کی طرح حرام اور باطل ہے، البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح موقت صحیح ہوگا جبکہ متعین مدت کی شرط باطل ہوگی، کیونکہ نکاح شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ امام زفر کے مذہب کی تردید کی گئی ہے کہ نکاح موقت نکاح متعہ کے معنی میں ہے اور باطل ہے، کیونکہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔

شیعہ امامیہ...... کہتے ہیں کہ ❶ کتابیہ اور مسلمان عورت کے ساتھ نکاح متعہ اور نکاح موقت جائز ہے جبکہ زانیہ کے ساتھ مکروہ ہے، بشرطیکہ مہر نکاح میں مذکور ہو اور مدت کی تحدید کی گئی ہو۔ نکاح متعہ ان الفاظ سے منعقد ہوگا مثلاً مرد عورت سے یوں کہے: میں نے تم سے شادی کر لی، میں نے تم سے نکاح کر لیا میں نے تم سے متعہ کر لیا۔ نکاح متعہ میں گواہوں کا ہونا اور ولی کا ہونا شرط نہیں۔ نکاح متعہ کے بقیہ احکام حسب ذیل ہیں:

۱)......مدت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مہر کا تذکرہ ہو تو نکاح باطل ہے اور اگر صرف مہر کا ذکر کیا جائے مدت کا ذکر نہ ہو تو یہ دائمی نکاح ہوگا۔

۲)......عقد سے پہلے شرائط کا کوئی حکم نہیں اگر نکاح میں شرائط کا تذکرہ کیا گیا تو یہ شرائط لازم ہو جائیں گی۔

۳)......اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے کہ مرد منکوحہ کے پاس صرف رات کو آئے گا یا صرف دن کو آئے گا یا شرمگاہ میں صحبت نہیں کرے گا یا عزل کرے گا۔ تاہم پیدا ہونے والا بچہ باپ کے ساتھ ملحق ہوگا اور اگر باپ نے بچے کی نفی کر دی تو اس صورت میں لعان کی حاجت نہیں ہوگی۔

۴)......شیعہ کا اجماع ہے کہ متعہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ظاہر مذہب میں لعان بھی نہیں ہوگا ہاں البتہ ظہار کا وقوع ہوگا۔

۵)......نکاح متعہ سے زوجین کے درمیان وراثت کا ثبوت نہیں ہوگا۔ البتہ نکاح متعہ سے پیدا ہونے والا بچہ والدین کا وارث بنے گا اور والدین اس کے وارث ہوں گے اس میں شیعہ کا اختلاف نہیں۔

۶)......جب مقررہ مدت گزر جائے تو عورت کی عدت دو حیض ہوں گے اور جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت ۴۵ دن ہوگی اگر نکاح متعہ کے دوران خاوند مر جائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

۷)......مدت پوری ہونے سے پہلے عقد متعہ کی تجدید درست نہیں ہوگی اور اگر تجدید کا ارادہ ہو تو بقیہ مدت مرد عورت کو چھوڑ دے اور از سر نو مدت شروع کر دیں۔

دلائل:

امامیہ کے دلائل...... امامیہ نے نکاح موقت اور نکاح متعہ کی مشروعیت پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

الف...... فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ...... النساء ۴/ ۲۴

چنانچہ جن عورتوں سے تم نے (بضعہ کا) نفع اٹھایا ہو ان کا وہ مہر دے دو جو تم نے مقرر کیا ہو۔

استدلال کی وضاحت یہ ہے کہ آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زواج یا نکاح کی بجائے استمتاع یعنی متعہ کا ذکر کیا ہے اور مہر کی بجائے اجرت کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ متعہ جائز ہے، چنانچہ استمتاع اور تمتع کا ایک ہی معنی ہے۔ استمتاع کے بعد اجرت کا دینا عقد اجارہ میں

❶......المختصر النافع فی فقه الامامية ٢٠٥، الروضة البهية ٢/ ١٠٣

ہوتا ہے، چنانچہ متعہ بھی تو عقد اجارہ ہے جس کا وقوع بضعہ کی منفعت پر ہوتا ہے، رہی بات مہر کی سو وہ محض عقد نکاح سے واجب ہو جاتا ہے خواہ بضعہ سے نفع اٹھایا ہو یا نہ اٹھایا ہو۔

ب......سنت سے ثابت ہے کہ بعض غزوات میں متعہ کو جائز قرار دیا گیا، چنانچہ غزوۂ اوطاس عمرہ قضاء فتح خیبر، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے مواقع پر متعہ کو جائز قرار دیا گیا۔ ❶

ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے جبکہ ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہیں ہوتی تھیں، ہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے آپ کو خصی نہ کرلیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خصی ہونے سے منع کیا پھر آپ نے ہمیں رخصت دی کہ ہم ایک آدھ کپڑے پر مقررہ مدت تک کے لیے نکاح کرلیں، پھر ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت کی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ......المائدہ ۸۷/۵

اے ایمان والو:۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاک چیزوں کو حرام قرار مت ❷ دو۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مٹھی بھر کھجوروں اور آٹے پر متعہ کرلیتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے منع کردیا۔ ❸

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسلاف کی ایک جماعت متعہ کے جواز کی قائل تھی۔ چنانچہ بعض صحابہ جیسے اسماء بنت ابی بکر، جابر، ابن مسعود، معاویہ، عمرو بن حریث، ابوسعید اور سلمہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین جیسے طاؤس، عطا، سعید بن جبیر اور سارے فقہائے مکہ جیسے ابن جریج وغیرہ بھی جواز متعہ کے قائل تھے۔

امام مہدی نے متعہ جائز قرار دیا ہے اور یہ روایت امام باقر، امام صادق اور امامیہ نے نقل کی ہے ❹ جبکہ شیعہ زیدیہ جمہور کی طرح تحریم متعہ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حلت متعہ سے تحریم متعہ کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ ❺

شیعہ امامیہ کے مستدلات کا جواب:

(ا)......آیت کریمہ میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ......(النساء ۲۴/۴) استمتاع (متعہ) سے مراد نکاح ہے کیونکہ مضمون آیت کی ابتداء نکاح کے تذکرہ سے ہوئی ہے اور آیت اختتام پذیر بھی تذکرہ نکاح سے ہوئی۔ چنانچہ آیت کی ابتدا میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ ......النساء ۲۲/۴

اپنے آباؤ اجداد کی منکوحات سے نکاح نہ کرو۔

آیت کے آخر میں ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ......النساء ۲۵/۴

تم میں سے جو شخص پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

اس سے معلوم ہوا آیت مذکورا ستمتاع سے مراد نکاح ہے اور اس سے مراد شریعت کا حرام کردہ متعہ نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جو مہر کو اجرت سے تعبیر کیا گیا ہے سو لغت میں مہر کا معنی اجرت ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

❶......نیل الاوطار ۱۳۶/۶ ❷رواہ البخاری و مسلم واحمد (نیل الاوطار ۱۳۳/۶) ❸نصب الرایہ ۱۸۱/۳۔ ❹نیل الاوطار ۱۳۵/۶۔ ❺البحر الزخار ۲۲/۳

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......النساء ۴/ ۲۵

چنانچہ آیت میں اجرت سے مراد بالاتفاق مہر ہے ایک اور آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

اس میں بھی اجور سے مراد مہور ہے۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جو استمتاع کے بعد اجرت کا حکم آیا ہے جبکہ مہر استمتاع سے قبل بھی لیا جا سکتا ہے سو یہ اسلوب بیان لغوی اعتبار سے تقدیم وتاخیر کے قبیل سے ہے۔ جیسے مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ ......الطلاق ۶۵/ ۱

یعنی جب تم طلاق کا ارادہ کرلو۔

ایک اور آیت میں ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا

یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرلو۔

(۲)......سنت میں جو بعض غزوات کے موقع پر متعہ کی اجازت دی گئی سو یہ اجازت ضرورت شدید کے درپیش آنے کی وجہ سے تھی کیونکہ لوگ گھروں سے دور ہوتے اور بیوی کی ضرورت محسوس کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تا روز قیامت متعہ حرام قرار دے دیا۔ اس کی دلیل بہت ساری احادیث ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

الف......اے لوگو: میں نے عورتوں کے متعہ کرنے کی تمہیں اجازت دی تھی، اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو تا روز قیامت حرام قرار دے دیا ہے، سو جس شخص کے پاس نکاح متعہ میں لائی ہوئی کوئی عورت ہو تو وہ اس کا راستہ چھوڑ دے اور انہیں جو کچھ بھی دیا ہو واپس نہ لے۔ ❶

ب......حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس کے موقع پر ہمیں تین دن تک کے لیے متعہ کی اجازت دی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمادیا۔ ❷

ج......سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نکاح متعہ سے منع فرمایا۔ ❸

د......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دوران نکاح متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ ❹

جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مضطر کو متعہ کی اجازت دیتے تھے، چنانچہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ: میں نے متعہ کا فتویٰ نہیں دیا۔ متعہ تو مردار کی مانند ہے جو صرف حالت اضطراری میں حلال ہوتا ہے۔ حالانکہ شیعہ تو متعہ میں وسعت کے قائل ہیں چنانچہ شیعہ مضطر وغیر مضطر، مقیم ومسافر سب کے لئے متعہ حلال سمجھتے ہیں۔

اس کے باوجود صحابہ نے متعہ کا انکار کیا ہے، تاہم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کو اگر انفرادی رائے قرار دیا جائے تو بھی جمہور صحابہ متعہ کو حرام سمجھتے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کا صریح انکار کیا ہے اور انہیں فرمایا: تم سیدھی راہ سے ہٹاتے ہو؟ چونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی

---

❶......رواہ مسلم و احمد عن سبرۃ بن معبد الجھنی ❷ رواہ مسلم واحمد ❸ رواہ احمد وابوداؤد ❹ رواہ احمد والیشخان (نصب الرایہ ۳/ ۱۷۷)۔

اللہ عنہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کا صراحتہً انکار کیا ہے چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے جیسے ان کی آنکھوں کو اندھا کر رکھا ہے اور یہ لوگ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں (ابن زبیر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر تعریض کر رہے تھے) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا: تم بہت متشدد ہو، میری عمر کی قسم: متعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کیا جاتا رہا ہے، ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: سو تم اپنے نفس کو زنگ آلود کرو، اللہ کی قسم اگر تم نے متعہ کیا میں تمہیں ضرور رجم کروں گا۔ ❶

محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ انہوں نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت نقل کی ہے جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ متعہ صدر اسلام میں جائز تھا، ہوتا یوں تھا کہ کوئی شخص کسی شہر میں چلا جاتا جبکہ اسکی وہاں جان پہچان نہ ہوتی تھی وہ مدت قیام تک کسی عورت سے نکاح کر لیتا جو اس کے ساز و سامان کی حفاظت کرتی اس کی کچھ دیکھ بھال کرتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ ......المؤمنون ۶/۲۳

سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آ چکی ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دو شرمگاہوں کے سوا ہر طرح کی شرمگاہ حرام ہے۔ بیہقی اور ابو عوانہ نے بھی ابن عباس کا رجوع نقل کیا ہے۔ ❷

اکثر علماء کے نزدیک ابن عباس رضی اللہ عنہ کا رجوع صحیح اور ثابت ہے اسکی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کا تحریم متعہ پر اجماع ہے، صحابہ کے اجماع کی مخالفت کرنا عقل سے بعید تر ہے۔ چنانچہ حازمی نے ناسخ اور منسوخ کی بحث میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب ہم شام کے قریب گھاٹی میں پہنچے تو بہت ساری عورتیں آ گئیں، ہم آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ ہمیں ان عورتوں کے ساتھ متعہ کر لینا چاہیے، یہ عورتیں بھی ہمارے کجاووں پر چکر لگانے لگیں، اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ان عورتوں کی طرف دیکھنے لگے اور فرمایا: یہ کون عورتیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہم نے ان عورتوں سے متعہ کر لیا ہے، بس سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصہ ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے رخسار غصہ سے سرخ ہو گئے اور آپکا چہرہ اقدس متغیر ہو گیا، پھر آپ نے لوگوں سے خطاب کیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ہمیں متعہ سے منع کیا، چنانچہ ہم نے عورتوں کو رخصت (الوداع) کر دیا اور اس کے بعد ہم نے متعہ نہیں کیا اور نہ ہی اس فعل کی طرف آئندہ رجوع کیا۔ اسی وجہ سے اس گھاٹی کو ثنیہ الوداع کہا جانے لگا۔ ❸

ابو عوانہ نے ابن جریج سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں کہا: اے لوگو: گواہ رہو میں نے متعہ سے رجوع کر لیا ہے، جبکہ قبل ازیں انہوں نے لوگوں کو اٹھارہ (۱۸) حدیثیں سنائیں کہ متعہ میں کوئی حرج نہیں۔

یہ سارے دلائل متعہ کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن عباس اور دیگر قائلین متعہ (صحابہ و تابعین) تک دلیل ناسخ نہ پہنچی ہو جب نسخ ثابت ہو چکا تو اس پر عمل کرنا واجب ٹھہرا، یا یوں کہہ لیجئے کہ متعہ کی اباحت درجۂ عفو میں تھی جیسے حرمت سے پہلے شراب درجۂ عفو میں تھا پھر حرمت کے متعلق نص قطعی وارد ہوئی۔

جمہور کے دلائل...... جمہور نے حرمت متعہ پر قرآن، سنت، اجماع اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے قرآن مجید سے۔ چنانچہ

---

❶...... یہ صحابہ کا آپس میں مباحثہ ہے جو تحقیق حق کے لیے ہے اس لیے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ❷نیل الاوطار ۱۳۵/۶ ❸نصب الرایہ ۱۷۹/۳

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۝
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ المؤمنون ۲۳/۵۔۷

جو اپنی شرمگاہوں کی (سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

ان آیات میں عورتوں کے ساتھ استمتاع کو حرام قرر دیا گیا ہے ہاں البتہ استمتاع کے صرف دو طریقے روا رکھے یا تو معروف طریقہ پر نکاح کیا جائے یا ملکیت میں باندی رکھی جائے جبکہ متعہ نکاح صحیح دائمی نہیں ہوتا اور نہ ہی متعہ کو ملک یمین قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا متعہ حرام ہے، رہی یہ بات کہ متعہ نکاح صحیح نہیں کیونکہ متعہ طلاق کے بغیر بھی ختم کیا جاسکتا ہے، متعہ میں مرد کے ذمہ نان نفقہ بھی واجب نہیں ہوتا، اس سے حق وارثت بھی ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ سنت سے...... بہت ساری احادیث اوپر ذکر کی جاچکی ہیں جو متفق علیہ ہیں، ان میں حضرت علی، حضرت سبرہ جہنی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث بھی ہیں۔ ان میں صراحۃ نکاح متعہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ اجماع سے...... امامیہ کے علاوہ پوری امت کا حرمت متعہ پر اجماع ہے، اگر متعہ جائز ہوتا تو امامیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء بھی جواز کا فتویٰ دیتے، ابن منذر کہتے ہیں: ابتدائے اسلام میں متعہ کے بارے میں رخصت دی گئی تھی، آج مجھے کسی ذی علم کا پتہ نہیں جو متعہ کو جائز قرار دیتا ہو البتہ بعض روافض اسے جائز قرار دیتے ہیں، سو کتاب اللہ سنت رسول اللہ کی مخالفت میں ان کے جواز کا قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: پھر متعہ کی حرمت پر سبھی علماء کا اجماع ہوگیا، البتہ روافض اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ عقل سے...... نکاح مختلف اغراض ومقاصد کے پیش نظر مشروع ہوا ہے مثلاً تسکین نفس، اولاد، خاندانی وجود وغیرہ۔ جبکہ متعہ میں شہوت پرستی کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی، یہ بعینہ زنا ہوا، اگر متعہ مباح قرار دیا جائے تو حرمت زنا کا پھر کیا معنی۔

اس وضاحت سے جمہور کے دلائل راجح ہیں لہٰذا متعہ اور نکاح موقت دونوں باطل ہیں، نیز متعہ اور نکاح موقت منطق اور روح شریعت کے عین منافی ہے نیز ایک سلیم الطبع انسان کو متعہ اور نکاح موقت سے نفرت ہوتی ہے۔

تیسری شرط: شہادت:

اس شرط کے متعلق چار زوایے سے گفتگو کی جاتی ہے۔

۱...... نکاح میں گواہی کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء۔

۲...... گواہی کا وقت۔

۳...... گواہی کی حکمت۔

۴...... اور گواہوں کی شرائط۔

اول: گواہی کی شرط کے متعلق فقہاء کی آراء:

نکاح کے صحیح ہونے کے لئے گواہی کے شرط ہونے پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے [1] چنانچہ مذاہب اربعہ کے نزدیک ولی کے علاوہ دو گواہوں

---

[1]...... البتہ بعض کتب میں ہے کہ امام مالک کے نزدیک گواہی شرط نہیں بلکہ اعلان کافی ہے اگرچہ دف سے کیا جائے۔

کا ہونا ضروری ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت اور دو گواہوں کی موجودگی سے ❶ دارقطنی نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ عقد نکاح میں چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے ولی، مرد (زوج) اور دو گواہ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورتیں زانیہ ہوتی ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنے تئیں نکاح کرلیتی ہیں۔ ❷

نیز گواہی بیوی اور اولاد کے حقوق کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے تاکہ باپ اولاد کا انکار نہ کرسکے یوں اولاد کا نسب ضائع ہوجائے گا، گواہی موجود ہونے کی صورت میں زوجہ پر کوئی تہمت بھی نہیں، گواہی سے نکاح کی اہمیت اور عظمت بھی واضح ہوتی ہے۔

نکاح سرّ (پوشیدہ نکاح)...... نکاح میں شرط شہادت کی تاکید کے لئے مالکیہ کہتے ہیں ❸ کہ پوشیدہ نکاح قابل فسخ ہوتا ہے، نکاح سر: یہ ہے کہ مرد گواہوں کو وصیت کردے کہ یہ نکاح عورت سے یا کسی جماعت سے یا گھر والوں سے پوشیدہ رکھا جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں، یہ نکاح ایک طلاق بائن کے ذریعہ ختم کردیا جائے جیسے بدون گواہوں کے ہوجانے والے نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے، تاہم اگر زوجین نے (نکاح سر میں) صحبت کرلی تو دونوں پر حد زنا جاری کی جائے گی خواہ صحبت اقرار سے ثابت ہو یا چار گواہوں سے، اس میں جہالت کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

لیکن اگر نکاح کی خبر پھیل گئی یا دف بجادیا گیا یا ولیمہ کردیا گیا یا یہ نکاح ایک گواہ سے ہو جو ولی کے علاوہ ہو یا دو فاسق گواہوں کی موجودگی میں ہو تو شبہ آجانے کی وجہ سے حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ شبہات کی وجہ حدود ٹال دو۔ ❹

حنابلہ کہتے ہیں کہ عقد کو پوشیدہ رکھنے کی وصیت سے عقد باطل نہیں ہوتا، اگر ولی نے یا گواہوں نے یا زوجین نے عقد پوشیدہ رکھا تو عقد صحیح ہے لیکن مکروہ ہے۔ ❺

نکاح کے متعلق ابن ابی لیلیٰ، ابوثور اور ابوبکر اصم کا ایک شاذ قول بھی ہے وہ یہ کہ نکاح میں گواہی شرط نہیں اور نہ ہی گواہی لازمی ہے کیونکہ نکاح کے متعلق جتنی آیات بھی ہیں ان میں گواہی کو شرط قرار نہیں دیا گیا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ...... النساء ۴/۳

عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند ہوں۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ...... النور ۲۴/۳۲

تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں ان کا نکاح کرادو۔

ان آیات کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا اور جن احادیث میں گواہی شرط قرار دی گئی ہے ان سے مطلق کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔

یہی مذہب شیعہ امامیہ کا ہے، چنانچہ امامیہ کہتے ہیں: دائمی نکاح میں اعلان اظہار اور گواہ بنانا مستحب ہے اور ہمارے جمیع علماء کے نزدیک صحت نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں۔

یہ باطل قول ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ گواہی کی احادیث درجہ شہرت رکھتی ہیں لہٰذا کتاب اللہ کے مطلق حکم کو مشہور احادیث کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے۔

دوم: گواہی کا وقت...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کی رائے ہے کہ جس وقت عقد نکاح طے ہورہا ہو اس وقت گواہی لازم ہوتی ہے تاکہ

---

❶...... رواه الدارقطني وابن حبان وصححه ❷ لم يرفعه غير عبدالاعلى وهو ثقة (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۵) ❸ الشرح الكبير ۲/۲۳۶، الشرح الصغير ۲/۳۳۶ ❹ مرّ تخريجه غير مرةٍ. ❺ غاية المنتهى.

عاقدین سے ایجاب وقبول کے صدور کو گواہ سن لیں، اگر گواہی کے بغیر ہی عقد تمام ہوا تو فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اوپر حدیث ذکر ہوئی ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی اور دو ۲) گواہوں کی موجودگی میں۔ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بوقت عقد گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور اسی سے گواہی کی حکمت بھی متحقق ہو جاتی ہے، نیز گواہی رکن عقد کی شرط ہے لہٰذا رکن کے وقت گواہی کا پایا جانا شرط ہے۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ گواہی صحت نکاح کی شرط ہے خواہ عقد طے کرتے وقت گواہی قائم کی جائے یا عقد کے بعد صحبت سے قبل۔ عقد طے ہونے کے وقت (یعنی ایجاب وقبول کے وقت) گواہی کا ہونا فقط مستحب ہے، اگر بوقت عقد یا دخول سے قبل شہادت صحیح نہ ہوئی تو عقد فاسد ہوگا اور عورت کے ساتھ صحبت معصیت ہوگی، اس عقد کو فسخ کرنا ضروری ہوگا، گویا مالکیہ کے نزدیک گواہی عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے جواز کی شرط ہے صحت عقد کی شرط نہیں یہی امر مالکیہ اور دوسرے فقہاء کے درمیان محل اختلاف ہے۔

گواہ بنانے کی حکمت......نکاح چونکہ اہم مہتم بالشان معاشرتی عمل ہے اس لیے لوگوں میں اس کا اظہار اور اعلان ہونا چاہئے تا کہ زوجین پر کسی قسم کی تہمت نہ آئے۔

نیز حلال اور حرام کے درمیان گواہی سے فرق کیا جاتا ہے اور جو حلال کام ہو اسے سر عام کیا جائے۔ جبکہ حرام فعل کو چھپایا جاتا ہے۔ اسی لئے تو شریعت نے نکاح کا اعلان مستحب قرار دیا ہے اور نکاح کے موقع پر ولیمہ کو بھی مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ مختلف احادیث ہیں جن میں اعلان کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نکاح کا اعلان کرو۔ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح کے موقع پر دف بجاؤ۔ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح کی محفل مساجد میں منعقد کرو، اس موقع پر دف بجاؤ، تمہیں چاہیے کہ نکاح کے موقع پر ولیمہ کرو اگرچہ ولیمہ میں ایک بکری ہی پکاؤ، جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجے درحالیکہ عورت نے مہندی لگائی ہو تو مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کو آگاہ کر دے اور اسے دھوکا نہ دے۔ ❶

چہارم: گواہوں کی شرائط......گواہوں کا متعینہ اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے اولاً گواہ شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں یعنی ان میں بلوغ، عقل، حریت وغیرہ جیسی شرائط پائی جاتی ہوں ثانیاً ان گواہوں کی موجودگی سے اعلان کا معنی متحقق ہوتا ہو ثالثاً ان کی موجودگی سے عقد نکاح کی عظمت اور تکریم ظاہر ہوتی ہو۔

اہلیت......بالاتفاق نکاح کے گواہوں میں کامل اہلیت کا پایا جانا شرط ہے، نیز گواہ عاقدین کا کلام سنیں اور سمجھیں، تاہم گواہوں کی شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ عقل......عقد نکاح میں مجنون کی گواہی صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ گواہی کا مقصد اور غایت مجنون کے گواہ بننے سے حاصل نہیں ہوتی۔

۲۔ بلوغ......بچہ گواہ نہیں بن سکتا اگرچہ وہ متمیز ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بچوں کی حاضری سے عقد نکاح کا اعلان اور اس کے مہتم بالشان ہونے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

یہ دو شرطیں فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان دونوں شرطوں کو کلمہ واحد سے یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ۔ دونوں گواہ مکلف ہوں، بقیہ شرائط میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۳۔ تعدد......یعنی دو گواہ ہوں، یہ شرط بھی متفق علیہ ہے چنانچہ ایک گواہ سے عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اوپر حدیث مذکورہ میں ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی اور دو گواہوں کے ساتھ۔

---

❶......الحدیث الاول رواہ احمد و صححہ الحاکم عن عامر بن عبداللہ بن الزبیر والثانی اخرجہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی عن عائشہ وفی رواتہ ضعیف والثالث اخرجہ الترمذی من حدیث عائشۃ وقال حسن غریب. (سبل السلام ۳/۱۱۶)

حنفیہ ❶ کہتے ہیں.......اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کوحکم دیا کہ وہ اس کی کمسن بیٹی کا نکاح کروادے چنانچہ اس شخص نے آمر کی بیٹی کا نکاح کرادیا حالانکہ باپ موجود ہواوران دو کے علاوہ ایک اور گواہ بھی موجود ہوتو یہ نکاح جائز ہوگا کیونکہ باپ بذات خود نکاح دے رہا ہوگا گویا وہ ولی نکاح ہے چونکہ مجلس میں اتحاد ہے، وکیل محض سفیر ہوگا اور وہ گواہ تصور کیا جائے گا۔

اور اگر لڑکی کا باپ حاضر نہ ہو بلکہ غائب ہوتو یہ نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ مجلس مختلف ہو جائے گی اور باپ کو نکاح دینے والا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور اگر باپ اپنی بالغ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کروادے پھر لڑکی موجود ہوتو نکاح جائز ہوگا اور اگر غائب ہوتو جائز نہیں ہوگا۔

۴۔ گواہوں کا مرد ہونا.......یہ شرط حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہے حاصل اسکا یہ ہے کہ نکاح کے گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں مرد ہوں، چنانچہ اکیلی عورتوں یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی سے عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح کی اہمیت اور اس کے مہتم بالشان ہونے کا تقاضا ہے کہ گواہ مرد ہوں، بخلاف مالی معاملات کے۔ زہری کہتے ہیں یہ طریقہ رہا ہے کہ حدود نکاح اور طلاق میں عورتوں کی گواہی ناجائز ہے۔ ❷ نیز نکاح کوئی مالی معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہی عقد نکاح کا مقصد مال ہوتا ہے، چنانچہ نکاح کے وقت اکثر اوقات مرد حضرات ہی موجود ہوتے ہیں لہٰذا حدود کی طرح عورتوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں.......عقد نکاح میں ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی جائز ہے جیسے مالی معاملات میں عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے، کیونکہ عورت تحمل شہادت اور ادائے شہادت کی اہلیت رکھتی ہے، حدود وقصاص میں عورت کی گواہی اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ نسیان، غفلت اور عدم تثبت کی وجہ سے عورت کی گواہی میں شبہ آجاتا ہے، جبکہ حدود شبہادت سے ٹال دی جاتی ہے۔

۵۔ حریت.......حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک شرط ہے کہ دونوں گواہ آزاد ہوں غلام نہ ہوں، چنانچہ غلاموں کی گواہی پر عقد نکاح نہیں ہوگا کیونکہ غلام کو اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہوتی بھلا غیر پر اسے کیونکر ولایت حاصل ہوگی جبکہ گواہی ولایات کے قبیل سے ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں.......دوغلاموں کی گواہی سے عقد نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ حنابلہ کے نزدیک سبھی حقوق میں غلاموں کی گواہی قبول کی جاتی ہے جبکہ کتاب اللہ، سنت یا اجماع سے غلام گواہوں کی نفی ثابت نہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے کسی فرد واحد کا بھی علم نہیں کہ اس نے غلام کی گواہی کو رد کیا ہو، چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ غلام کی گواہی کو تمام امتوں کے خلاف قبول کرے گا، بھلا یہاں دنیا میں غلام کی گواہی کیوں نہ قبول کی جائے؟ نیز غلام کی مرویات (احادیث) قبول کی جاتی ہیں بشرطیکہ وہ عادل اور ثقہ ہو، بھلا اس سے کمتر معاملات میں گواہی قبول کیوں نہیں کی جائے گی، گواہی کا دارومدار ثقاہت پر ہے چنانچہ غلام اگر ثقہ اور عادل ہوتو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

۶۔ عدالت.......اس شرط کا حاصل یہ ہے کہ گواہ راست باز ہو دیندار ہو اگر چہ گواہ بظاہر عادل ہو اور فسق وانحراف کا کھلم کھلا مرتکب نہ ہو، یہ شرط جمہور فقہاء کے نزدیک ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی راجح روایت اور شافعیہ کے نزدیک بھی صحیح یہ ہے کہ گواہ عادل ہوں، چنانچہ فاسق شخص کی گواہی پر نکاح صحیح نہیں ہوتا چنانچہ حدیث اوپر مذکور ہو چکی ہے:

لانکاح الا بولی وشاھدی عدل

نیز شہادت کا تعلق باب کرامت سے ہے جبکہ فاسق تو ذلت ورسوائی کا حقدار ہوتا ہے۔

---

❶.....فتح القدير ۲/۳۰۶ ❷رواہ ابو عبيد فی الاموال.

حنفیہ کہتے ہیں: گواہوں میں عدالت شرط نہیں، عادل وغیر عادل کی گواہی سے بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، چونکہ نکاح کی گواہی تحمل شہادت ہے لہٰذا فاسق کی گواہی بھی صحیح ہے، فاسق اہل ولایت ہوتا ہے لہٰذا وہ اہل شہادت بھی ہے، شیعہ امامیہ کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ امامیہ کے نزدیک شہادت صحت عقد کی شرط نہیں بلکہ محض مستحب ہے۔

۷۔ **اسلام**...... بالاتفاق گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے، مستور الاسلام کی گواہی جائز نہیں۔ یہ شرط معتبر ہے جب زوجین مسلمان ہوں۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط تب معتبر ہے جب عورت مسلمان ہو۔ چنانچہ اگر مسلمان مرد نے ذمیہ (کتابیہ) عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس نکاح کے دو ذمی گواہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ کتابی کی گواہی کتابی پر جائز ہے۔

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک ذمی کی گواہی جائز نہیں چونکہ مرد مسلمان ہے اور گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ انہیں مسلمانوں کے معیار نکاح کا علم ہوں۔

مسلمانوں کے نکاح میں گواہوں کے مسلمان ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ نکاح مہتم بالشان معاملہ ہے اور دینی معاملہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ گواہ بھی مسلمان ہو۔

اگر زوجین غیر مسلم ہوں تو حنفیہ کے نزدیک کتابیوں کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

۸۔ **گواہوں کا صاحب بصارت ہونا**...... یہ شرط شافعیہ کے نزدیک ہے چنانچہ نابینا شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اقوال معاینہ سے پایہ ثبوت کو پہنچتے ہیں، جبکہ نابینا شخص مدعی اور مدعی علیہ میں تمیز نہیں کرسکتا۔

جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں چنانچہ جمہور کے نزدیک نابینا شخص کی گواہی بھی معتبر ہے بشرطیکہ نابینا عاقدین اور ان کی آوازوں میں فرق کرسکتا ہو کیونکہ نابینا اہل شہادت ہے اور یہ شہادت قول پر ہے لہٰذا صحیح ہے۔

۹۔ **گواہان عاقدین کے کلام کو سنیں اور سمجھیں**...... یہ شرط اکثر فقہاء کے ہاں معتبر ہے، چنانچہ سوتے ہوئے یا بہرے اشخاص کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح کی غرض اور مقصد ایسے لوگوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح نشہ میں دھت شخص کی گواہی بھی صحیح نہیں۔

اسی طرح زوجین عربی ہوں تو ان کے نکاح پر غیر عربی کی گواہی صحیح نہیں چونکہ غیر عربی، عربی زبان سمجھ نہیں پائے گا جبکہ ضروری ہے کہ گواہ عاقدین کے کلام کو سمجھتا ہو یہ حنفیہ کے نزدیک راجح مذہب ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی گواہی پر منعقد ہونے والا عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا، بلکہ ایک قول کے مطابق اس نے تو کفر کردیا چونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔

عقد نکاح کے گواہوں میں یہ شرط نہیں کہ وہ ایسے لوگ نہ ہوں جن کی گواہی رد کردی جاتی ہے چنانچہ زوجین یا ان میں سے کسی ایک کے دو بیٹے عقد نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اولاد بھی تو اہل شہادت ہوتی ہے، چنانچہ حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک عقد نکاح میں اولاد کی گواہی صحیح نہیں۔ غیر حنفیہ کے نزدیک قریبی رشتہ داروں اور چچاؤں کی گواہی سے نکاح صحیح ہے جبکہ وہ ولی بھی ہوں، چونکہ جمہور کے نزدیک نکاح میں ولی کا ہونا شرط ہے جبکہ ولی گواہوں کے علاوہ ہوتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں عقد نکاح میں گواہی قبول کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے ایک ضابطہ مقرر کر رکھا ہے وہ یہ کہ ہر وہ شخص جو نکاح میں ولی بننے کی اہلیت رکھتا ہو وہ گواہ بھی بن سکتا ہے۔

صحت نکاح کے لئے جیسے گواہوں کا ہونا شرط ہے اسی طرح حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کا نکاح پر رضامند ہونا بھی شرط

ہے مثلاً عورت کہے میں راضی ہوں یا کہے میں نے اجازت دے دی ہے یا کوئی ایسی بات کہے جس سے اس کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو درحالیکہ اس پر جبر واکراہ نہ ہو۔

شہادت کے متعلق قانون کا مؤقف......سوریہ میں احوال شخصیہ کے حوالے سے شہادت کے متعلق حنفیہ کے مذہب کو دفعہ ۱۲ کے تحت قانونی حیثیت دی گئی ہے، چنانچہ قانون کا متن یہ ہے۔ عقد نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ دو گواہ جو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، عاقل و بالغ ہوں ایجاب وقبول کو سن رہے ہوں اور مقصد کو وہ سمجھ رہے ہوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ قانون تب ہے جب دو مسلمانوں کی آپس میں شادی ہو رہی ہو اور اگر زوجین اہل کتاب میں سے ہوں تو ان کے نکاح پر دو کتابی گواہ بن سکتے ہیں۔

چوتھی شرط: عاقدین کا نکاح ان کی باہمی رضامندی اور اختیار سے ہو اور جبر واکراہ سے پاک ہو:

یہ شرط جمہور کے نزدیک معتبر ہے البتہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ عاقدین کی رضامندی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا، اگر عاقدین میں سے کسی ایک کو قتل، ضرب شدید یا قید و بند کی دھمکی دے کر نکاح پر مجبور کیا گیا تو یہ نکاح فاسد ہوگا، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے خطا، نسیان اور اکراہ کو معاف کر دیا ہے۔ ❶

نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک لڑکی (جس کا نام خنساء بنت حذام انصاریہ ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی: میرے والد نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میری شادی کر دی ہے اور میری وجہ سے اس کا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے حالانکہ میں اسے ناپسند کرتی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹھو یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور معاملہ آپ کے گوش گزار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے باپ کو پیغام بھیج کر بلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے نکاح کا اختیار لڑکی ہی کو سونپ دیا، لڑکی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میں نے اپنے والد کے فیصلہ کو بحال رکھا، لیکن میں عورتوں کو یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ باپ کے پاس ہمارے نکاح کا اختیار نہیں ہے۔ یعنی باپ کے پاس بیٹیوں کی شادی کرنے کا کلی اختیار نہیں۔ ان دونوں احادیث سے پتہ چلا کہ رضامندی شرط ہے۔ جبکہ جبر واکراہ رضامندی کو ختم کر دیتا ہے، یہی مذہب راجح ہے چونکہ عقد میں باہمی، رضامندی اصل چیز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: رضامندی صحت نکاح کے لئے شرط نہیں، چنانچہ اکراہ اور ہزل (مذاق) کے ساتھ بھی عقد نکاح صحیح ہے، چونکہ جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہوتا ہے وہ نکاح کا قصد کرتا ہے ہاں البتہ اس حکم کے ساتھ راضی نہیں ہوتا جو عقد پر مرتب ہوتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہنسی مذاق میں نکاح کرلے جبکہ ہزل صحت نکاح کے مانع نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے وہ یہ ہیں: نکاح، طلاق اور رجعت۔ ❷

لیکن یہ قیاس سنت سے ثابت شدہ مذہب کے خلاف ہے۔

پانچویں شرط زوجین کی تعیین......شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس شرط کا اعتبار کیا جاتا ہے، چنانچہ عقد نکاح تب ہی درست ہوگا جب زوجین (مرد اور عورت) متعین ہوں، کیونکہ نکاح کا مقصد تبھی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جب زوجین متعین ہوں۔ اگر ولی نے صرف اتنا کہا۔ میں نے اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے دی۔ اس سے نکاح نہیں ہوگا یہاں تک کہ نام لے کر یا لڑکی کی طرف اشارہ کر کے تعیین نہ کر دے۔ اگر ولی نے لڑکی کا مخصوص نام ذکر کیا یا اسکا کوئی ایسا وصف ذکر کیا جس سے وہ دوسری بہنوں اور عورتوں سے ممتاز ہوگئی مثلاً کہا میری بڑی بیٹی، یا چھوٹی

❶......حدیث حسن رواہ ابن ماجہ والبیھقی وغیرہ عن ابن عباسؓ. ❷رواہ ابو دائود والترمذی وابن ماجہ عن ابی ھریرۃ (کشف الخفاء ۱/۳۸۹)

بٹی یادرمیانی بیٹی یا گورے رنگ والی بیٹی وغیرہ، یااس لڑکی کی طرف اشارہ کردیااور کہایہ بیٹی تو نکاح صحیح ہوگا، اگر ولی نے اشارہ کرتے ہوئے لڑکی کا کوئی دوسرا نام لے لیاتو بھی نکاح صحیح ہوگابشرطیکہ ولی کی صرف ایک ہی بیٹی ہو۔ کیونکہ اشارہ تعیین کے لیے کافی ہوتا ہے اشارہ کے ہوتے ہوئے نام لینے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ اگر ولی نے کہا میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کی تمہارے ساتھ شادی کردی اور ساتھ اشارہ خدیجہ کی طرف کردیاتو عقد خدیجہ کے ساتھ صحیح ہوگا کیونکہ نام کے مقابلہ میں اشارہ قوی تر ہوتا ہے۔

چھٹی شرط: زوجین میں سے کوئی ایک محرم نہ ہو:

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ شرط ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی حالت احرام میں نہ ہو، خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا۔ محرم کا نکاح جائز نہیں چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نہ محرم نکاح کرے اور نہ ہی اسکا نکاح کیا جائے (1) مسلم کی روایت میں ہے محرم پیغام نکاح بھی نہ بھیجے یعنی نہ اپنے لیے پیغام نکاح بھیجے نہ ہی کسی اور کے لئے، ان احادیث میں محرم حج اور محرم عمرہ کو صراحتہ اپنا نکاح کرنے یا کسی دوسرے کا نکاح کرانے سے منع کیا گیا ہے۔ نہی فساد منہی عنہ پر دلالت کرتی ہے، نیز احرام اس لئے باندھا جاتا ہے تا کہ بندہ ہر طرف سے کٹ کر عبادت میں مشغول ہوجائے جبکہ نکاح جنسی خواہش پوری کرنے کا طریقہ ہے لہٰذا احرام کے ہوتے ہوئے نکاح ناجائز ہوگا۔

مالکیہ نے تو یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ یہ نکاح فسخ کیا جائے گا اگرچہ دخول ہوچکا ہو اور بچہ بھی پیدا ہوچکا ہو، یہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں: نکاح کے صحیح ہونے کی یہ شرط غیر معتبر ہے، احرام کی حالت میں بھی نکاح صحیح ہے، برابر ہے کہ مرد نے احرام باندھ رکھا ہو یا عورت نے۔ یعنی محرم خود اپنا نکاح کرسکتا ہے اور اس کا نکاح کرانا بھی جائز ہے۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں تھے۔ (2)

حق یہ ہے کہ پہلی رائے راجح ہے کیونکہ یہی روایت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مختلف طرق سے مروی ہے چنانچہ وہ خود کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلال (احرام میں نہیں) تھے۔ (3) جب دو حدیثوں میں تعارض ہوجائے تو اکثر راویوں کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی، چنانچہ یہ احتمال ہے کہ ایک روای وہم میں پڑ گیا ہو بخلاف کثیر راویوں کے، تاہم عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں محرم کے نکاح کی ممانعت ہے راجح ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل کی گئی ہے وہ یہ کہ محرم کا معنی حرم میں داخل ہونے والے تھے یا حرمت والے مہینوں میں داخل ہونے والے تھے۔ (4)

ساتویں شرط: یہ کہ نکاح مہر کے عوض میں ہو:

یہ شرط اور بعد میں آنے والی دو شرطیں مالکیہ کے نزدیک معتبر ہیں، اس شرط کا حاصل یہ ہے کہ عقد نکاح میں مہر کا تذکرہ ہو گویا نکاح مہر کے عوض میں ہو، اگر عقد طے کرتے وقت مہر کا تذکرہ نہ ہوا تو بوقت صحبت مہر مقرر کرلینا ضروری ہے یا پھر صحبت سے مہر مثل خود بخود مقرر ہو جائے گا۔

مالکیہ کے نزدیک مہر کا ہونا شرط ہے، مہر کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا لیکن بوقت عقد مہر کا ذکر شرط نہیں بلکہ محض مستحب ہے، کیونکہ اس سے نفس کو اطمینان حاصل ہوجاتا اور مستقبل میں اختلاف کا وہم جاتا رہتا ہے، اگر بوقت عقد مہر کا ذکر نہ ہوا تو نکاح صحیح ہوگا البتہ اس نکاح کو نکاح

---

(1)..... رواه مسلم عن عثمان رضی الله عنه (2) متفق عليه عن ابن عباس (3) رواه مسلم عن ميمونه رضی الله عنها (سبل السلام ۱۲۴/۳) (4) یہ تاویل بعید از قیاس ہے ابن عباس کی روایت مختلف وجوہ سے راجح ہے یہ روایت صحیح ہے، تواتر کے ساتھ مروی ہے اس روایت کے متعدد شواہد بھی ہیں تفصیل کے لئے مطولات دیکھ لیجئے۔

تفویض کہا جائے گا۔

نکاح تفویض...... یہ ایسا عقد ہے جس میں مہر مقرر کرنے کا ذکر ہی نہ ہوا اور نہ ہی مہر کا اسقاط ہو۔ یہ نکاح مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، البتہ اگر مرد اور عورت نے بغیر مہر کے نکاح پر اتفاق کر لیا یا نکاح میں مہر نہ دینے کی شرط لگادی یا کوئی ایسی چیز مہر دینے کی شرط لگادی جو مہر بن ہی نہ سکتی ہو جیسے شراب خنزیر تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا اور دخول سے

پہلے فسخ کرنا واجب ہے، اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کرلی تو عقد پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گا اور عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا۔ ❶

جمہور کہتے ہیں بغیر مہر کے کیا ہوا نکاح فاسد نہیں ہوتا اسی طرح اگر اسقاط مہر کی شرط لگادی یا ایسی چیز مہر میں رکھی جو مہر بن ہی نہ سکتی ہو جیسے خنزیر تو بھی نکاح فاسد نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا گویا اس خلل کا عقد پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ مذہب راجح ہے، اگر عقد نکاح میں مہر شرط ہوتا تو بوقت عقد اس کا ذکر واجب ہوتا، جبکہ بوقت عقد مہر کا مقرر کرنا واجب نہیں بلکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ ❷

لہٰذا نکاح تفویض بالاتفاق صحیح ہے

آٹھویں شرط: کتمان نکاح پر زوج اور گواہوں کا اتفاق نہ ہو:

یہ شرط بھی مالکیہ کے ہاں معتبر ہے چنانچہ اگر زوج اور گواہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ یہ نکاح لوگوں سے یا کسی خاص جماعت سے چھپایا جائے (اور پوشیدہ رکھا جائے) تو نکاح باطل ہو جائے گا اوپر مذکور ہو چکا کہ اس قسم کے نکاح کو نکاح سر یا پوشیدہ نکاح کہا جاتا ہے۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ زوج گواہوں کو وصیت کر دے کہ یہ نکاح اسکی دوسری بیوی سے یا مخصوص کسی جماعت سے یا گھر والوں سے مخفی رکھا جائے، بشرطیکہ کتمان کسی ظالم کے خوف سے نہ ہو۔ یہ نکاح قابل فسخ ہوتا ہے ہاں البتہ اگر عورت کے ساتھ خاوند صحبت کر لے تو پھر فسخ نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر گواہوں کو کتمان کی وصیت صرف ولی نے کی ہو یا صرف زوجہ نے کی ہو، مرد نے وصیت نہ کی ہو یا گواہوں کو تاکید کیے بغیر زوجین اور ولی کتمان نکاح پر اتفاق کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نکاح بھی باطل نہیں ہوگا۔ ❸

جمہور کہتے ہیں: یہ شرط معتبر نہیں اس کے بغیر بھی نکاح صحیح ہے چنانچہ اگر خاوند گواہوں کے ساتھ کتمان نکاح پر اتفاق کر لے اور آپس میں طے کر لیں کہ سبھی لوگوں سے یہ نکاح چھپایا جائے تو عقد فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اعلان دو گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے۔

نویں شرط: یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک جان لیوا مرض میں مبتلا نہ ہو:

اس شرط کا اعتبار بھی مالکیہ کے ہاں کیا جاتا ہے چنانچہ مرد یا عورت اگر کسی جان لیوا مرض میں مبتلا ہو تو اسکا نکاح صحیح نہیں، جان لیوا مرض سے مراد ایسی بیماری ہے جس سے عادةً موت واقع ہو جاتی ہو۔ یہ نکاح قابل فسخ ہوتا ہے اگر چہ مرد نے صحبت کر بھی لی ہو تو، اگر صحبت نہیں کی اور نکاح فسخ کر دیا گیا تو عورت کو مہر نہیں ملے گا اگر صحبت کر لی تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا۔ اگر فسخ نکاح سے پہلے کوئی مر گیا اگر چہ صحبت ہو چکی ہو تو دوسرا فریق وارث نہیں بنے گا (یعنی وارثت سے اسے کچھ نہیں ملے گا) اس فساد کا اصل سبب یہ ہے کہ مورث نے ایسے فریق کو وارثت میں داخل کر دیا ہے جو بیماری سے پہلے وارثت میں داخل نہیں تھا، گویا مورث کی یہ جانی بوجھی سازش ہے۔ البتہ اگر خاوند فسخ نکاح سے پہلے مر گیا اور صحبت ہو چکی تھی تو عوت کو مقررہ مہر اور تہائی ترکہ میں سے جو کم ہو وہ ملے گا۔ کیونکہ جان لیوا مرض میں نکاح کرنا محض تبرع ہے اور تبرع

---

❶......الشرح الكبير ٢/ ٣١٣، القوانين الفقهيه ٢٠٣ الشرح الصغير ٢/ ٤٤٩ ❷ مغني المحتاج ٣/ ٢٢٩، المغنى ٦/ ٤١٦ كشف القناع ٥/ ١٧٤، فتح القدير ٣/ ٣٣٤۔ ❸الشرح الكبير مع الدسوقى ٢/ ٢٣٦

تہائی ترکہ میں نافذ ہوتا ہے۔❶

دسویں شرط: ولی کا موجود ہونا:

یہ شرط حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں معتبر ہے، جمہور کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ البقرۃ۲/ ۲۳۲

(اے کنبے والو) عورتوں کواس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے دوبارہ نکاح کریں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ولی کے اعتبار میں یہ آیت صریح تر ہے ❷ ورنہ عضل یعنی منع کرنے کا کیا معنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لانکاح الا بولی

یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔❸

حدیث میں نکاح کی حقیقت شرعیہ کی نفی کی گئی ہے یعنی جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے۔ اگر (ایسے نکاح کے بعد) مرد نے صحبت کرلی تو شرمگاہ کو حلال سمجھنے کے بدلہ میں عورت کے لیے مہر ہوگا، اگر ولی کے متعلق لوگوں کا جھگڑا ہو جائے تو جسکا کوئی ولی نہ ہو سلطان اسکا ولی ہوتا ہے۔❹

پہلی حدیث کو نفی کمال پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ شارع کا کلام حقائق شرعیہ پر محمول ہوتا ہے یعنی ولی کے بغیر شرعی نکاح نہیں ہوتا۔

دوسری حدیث سے یہ مفہوم نہ لیا جائے کہ ولی کی اجازت سے نکاح صحیح ہوتا ہے، چونکہ یہ حدیث غالب احوال کے پیش نظر ہے، چونکہ غالب احوال میں عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیتی ہے۔

ایک اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شادی نہ کرائے اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے ❺ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو نہ اپنے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کسی دوسری عورت کے نکاح کی۔ چنانچہ ایجاب وقبول کے حوالے سے نکاح میں عورتوں کی عبارات کا کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ...... جمہور کہتے ہیں عورتوں کی عبارات سے نکاح سرے سے ہی منعقد نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی عورت نے خود اپنا نکاح کرلیا یا کسی دوسری عورت کا نکاح کیا یا عورت نے ولی کے علاوہ کسی اور کو وکیل بنالیا گو ولی کی اجازت ہی کیوں نہ ہو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ نکاح کی مجلس میں ولی کی موجودگی اور حاضری شرط ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں (ظاہر الروایہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے) کہ عاقلہ، بالغہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کرا سکتی ہے، نیز عورت نکاح میں دوسرے کی وکالت کرسکتی ہے، البتہ عورت اگر غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلے

---

❶......الشرح الکبیر ۲/ ۲۴۰، الشرح الکبیر ۳/ ۳۸۲ ❷ آیت میں تو ولی کو اپنا اختیار چلانے سے منع کیا گیا ہے اور نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے پتہ چلا ولی کے بغیر عورتیں نکاح کرسکتی ہیں۔ ❸ رواہ الخمسة احمد واصحاب السنن عن ابی موسیٰ. رواہ الاربعة الاالنسائی وصححه والترمذی. (سبل السلام ۳/ ۱۱۷) ❹ رواہ الاربعة لانسائی و صححه الترمذی وابوعوانه وابن معین (سبل السلام ۳/ ۱۲۷) ❺ رواہ ابن ماجه والدارقطنی عن ابی هریرہ ورجاله ثقات.

تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے، حنفیہ کی عبارت یوں ہے۔ عاقلہ، بالغہ آزاد عورت کا نکاح جو اس کی رضامندی سے ہو منعقد ہو جاتا ہے، اگر چہ اس میں ولی کی رضا شامل نہ ہو، خواہ عورت کنواری ہو یا ثیبہ ہو یہ ظاہر الروایہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے ولایت محض مستحب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی کے بغیر کیا گیا نکاح موقوف ہوتا ہے۔ ❶

حنفیہ نے قرآن وسنت سے استدلال کیا ہے۔

قرآن سے..... متعدآیات میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ...... البقرة ۲/ ۲۳۰

اگر خاوند نے عورت کو تیسری طلاق دے دی تو اس کے بعد اس کے لیے یہ عورت حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ (وہ عورت) کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔

وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ ...... البقرة ۲/ ۲۳۲

جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اے نیکے والو) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے دوبارہ نکاح کریں۔

ان آیات میں عورتوں کی طرف نکاح کی نسبت کی گئی ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ...... البقرة ۲/ ۲۳۴

پھر جب وہ اپنی عدت کی میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کاروائی (دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

ان آیات میں صراحۃ بیان ہے کہ عورت سے نکاح کا صدور جائز ہے اور اسے نکاح کا اختیار حاصل ہے۔

سنت سے..... حدیث ہے۔ شوہر دیدہ عورت مقابلہ ولی کے اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری عورت سے اجازت لی جائے اور اسکی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ ❷ ایک اور روایت میں ہے۔ شوہر دیدہ عورت (یعنی جسے طلاق ہوئی ہو یا اسکا خاوند مر گیا ہو) کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے، کنواری لڑکی کا نکاح بھی اسکی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس کا سکوت اس کی اجازت ہے۔ ❸ حدیث میں نکاح کا اختیار شوہر دیدہ ثیبہ) عورت کو سونپا گیا ہے جبکہ کنواری لڑکی بھی اسی کی مانند ہے، لیکن چونکہ کنواری لڑکی میں حیاء غالب ہوتی ہے اسلئے شریعت نے اس کے سکوت کو اسکی رضامندی پر دال قرار دیا ہے۔ ایسا نہیں کہ شریعت نے اس کا حق ہی سلب کر لیا ہے۔

ابوثور..... اس مسئلہ میں ایک اور درمیانی رائے بھی ہے جو شافعیہ میں سے ابوثور کی ہے وہ یہ کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضامندی کا ہونا ضروری ہے، ایسا نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو مستقل اختیار حاصل ہو اور دوسرے کی اجازت اور رضامندی ہی نہ ہو۔ جب دونوں راضی ہوں تو عقد طے کر لیا جائے گا کیونکہ عورت کو تصرفات میں کامل اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ ❹

شرائط نفاذ..... حنفیہ نے عقد نکاح کے نفاذ اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی پانچ شرائط عائد کی ہیں۔ ❺

۱..... یہ کہ زوجین میں سے ہر کوئی کامل اہلیت رکھتا ہو جب وہ خود اپنا نکاح منعقد کر رہا ہو یا اسکی طرف سے وکیل منعقد کر رہا ہو۔ کامل

---

❶ ..... فتح القدير ۲/ ۳۹۱، البدائع ۲/ ۲۴۷ ❷ رواه مسلم عن بن عباس (سبل السلام ۳/ ۱۱۹) ❸ متفق عليه عن ابی هريرة (سبل السلام ۳/ ۱۱۸) ❹ المهذب ۲/ ۳۰ ❺ البدائع ۲/ ۲۲۳، الدرالمختار ۲/ ۳۷۹، الشرح الصغير ۲/ ۳۹۱ الشرح الكبير ۲/ ۲۴۱

اہلیت سے مراد ہے زوجین عاقل، بالغ اور آزاد ہوں۔ چنانچہ اگر زوجین عاقل بالغ اور آزاد ہوں تو عقد نکاح نافذ ہو جائے گا اور اس کے اثرات مرتب ہوں گے، یعنی صحبت حلال ہوگی اور مہر واجب ہو جائے گا وغیرہ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کے بغیر اپنا نکاح کر دے تو اسکا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

اگر ممیز بچہ یا غلام اپنا نکاح کر لے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ نکاح ولی یا مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مجنون یا غیر ممیز بچے نے نکاح کر لیا تو یہ نکاح سرے سے ہی نافذ نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غلام ممیز بچے اور غیر ممیز کے تصرفات سرے سے ہی نافذ نہیں ہوتے بلکہ باطل ہیں۔

۲...... یہ کہ زوج (مرد یا عورت) جو اپنی ولایت کے اختیار سے اپنا نکاح کر رہا ہو اس میں رشد اور سمجھداری ہو۔ یہ شرط مالکیہ کے نزدیک ہے۔ اگر سفیہ غیر سمجھدار ہو اپنے مال میں بہتر تصرف نہ کر سکتا ہو، ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تو مالکیہ کے نزدیک اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سمجھداری (رشد) صحت نکاح کی شرط ہے اگر سفیہ نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو نکاح باطل ہوگا۔ کیونکہ نکاح ایسا تصرف ہے جس میں مہر نان نفقہ وغیرہ جیسے اخراجات لازم ہوتے ہیں گویا یہ تصرف اتلاف مال پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا باطل ہے۔

حنفیہ: کہتے ہیں رشد (سمجھداری) نہ صحت نکاح کی شرط ہے اور نہ ہی نفاذ نکاح کی شرط ہے، سو اگر سفیہ نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اسکا نکاح جائز ہوگا۔ کیونکہ نکاح انسان کی اصلی حاجت اور شخصی تصرف ہے۔ حجر (پابندی) تو صرف مالی معاملات پر ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایک ضابطہ مقرر ہے کہ ہر وہ معاملہ جس میں ہزل (ہنسی مذاق) کا اثر نہیں ہوتا جیسے عتق، نکاح، طلاق، تو اس میں پابندی (حجر) کا اثر نہیں ہوتا، اگر سفیہ مرد ہو تو عورت کے لیے مہر مثل سے زائد مہر نہیں ہوگا اگر عورت سفیہ ہو تو اسے مہر مثل اور مقرر شدہ مہر میں سے جو کم ہوگا وہ ملے گا۔

۳...... یہ کہ عاقد ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد (دور کا ولی) نہ ہو، یہ حنفیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے اگر ولی ابعد نے مثلاً لڑکی کی شادی کرادی جبکہ اقرب موجود ہو تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط، شرط صحت ہے۔ چنانچہ ان فقہاء کے نزدیک ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح غیر صحیح ہے۔ ہاں البتہ اقرب معذور ہو مثلاً پاگل ہو گیا ہو، یا بہت بوڑھا ہو یا کمسن ہو وغیرہ تو ولی ابعد کا کرایا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ ❷

مالکیہ کہتے ہیں ❸ اگر ولی اقرب مثلاً باپ، بھائی، دادا، چچا، جبر نہ کر رہا ہو تو عقد صحیح مگر مکروہ ہوگا مگر اگر ولی اقرب مثلاً باپ جبر کر رہا ہو تو عقد فسخ کیا جائے گا۔

۴...... یہ کہ وکیل موکل کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کی متعین لڑکی سے شادی کرائے متعین مہر کے ساتھ شادی کرائے، جبکہ وکیل نے اس متعین لڑکی کے علاوہ کسی اور لڑکی کے ساتھ موکل کی شادی کرادی یا متعین مہر سے زیادہ مہر کے ساتھ شادی کرائی تو عقد نافذ نہیں ہوگا بلکہ موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اور اگر موکل کو علم نہ ہو یہاں تک کہ اس نے منکوحہ کے ساتھ صحبت کر لی تب بھی خیار اس کے لئے باقی رہے گا، چاہے عقد نکاح نافذ کرے یا فسخ کرے۔ حنفیہ کے نزدیک عورت کو مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے جو کم ہوگا وہ ملے گا، کیونکہ موقوف نکاح، نکاح فاسد کے حکم میں ہے۔

❶......الشرح الصغير ۳/ ۳۸۷، الشرح الكبير ۳/ ۲۳۱، القوانين الفقهيه ۱۹۷ ۔❷مغنى المحتاج ۳/ ۱۰۴ ۔❸الشرح الصغير ۲/ ۳۰۸

۵..... یہ کہ عاقد فضولی نہ ہو، فضولی سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے جسے عقد کے وقت ولایت نکاح حاصل نہیں ہوتی، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ شرط نفاذ ہے، اگر ایک شخص نے کسی عورت کی ایک مرد کے ساتھ شادی کرادی جبکہ اس شخص کو نہ نکاح کی ولایت حاصل تھی اور نہ ہی وکالت تاہم یہ نکاح خاوند کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فضولی کا تصرف خواہ بیع کا ہو یا نکاح کا باطل ہے۔

شرائط لزوم:

لزوم عقد کا معنی..... یہ ہے کہ عقد نکاح منعقد ہونے کے بعد زوجین یا ان کے علاوہ کسی کو فسخ عقد کا حق نہیں رہتا، یعنی عقد خیار فسخ سے پاک ہوتا ہے، لزوم نکاح کی چار شرائط ہیں۔ ❶

۱۔ یہ کہ فاقد اہلیت یعنی مجنون معتوہ اور ناقص اہلیت یعنی کمسن بچہ یا بچی کا نکاح کرانے والا ولی باپ ہو یا دادا ہو، یہ شرط امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک معتبر ہے، اور اگر شادی کرنے والا باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ہو مثلاً بھائی ہو یا چچا ہو تو افاقہ کے بعد یعنی جنون اور ناسمجھی ختم ہونے کے بعد زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، اسی طرح نابالغ کو بعد از بلوغ فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔ اگر چہ نکاح کفو کے ساتھ اور مہر مثل کے ساتھ ہوا ہو کیونکہ اصل وفرع کے علاوہ دیگر لوگوں کی قرابت محض رشتہ داری کی قرابت داری ہوتی ہے، اس لئے حاشیہ بردار رشتہ دار شفقت میں اصول وفروع کے مساوی نہیں ہوتے، لہٰذا حاشیہ بردار رشتہ داروں کی کی ہوئی شادی ظاہری مصلحت کے ساتھ متقید ہوگی اس لئے زوج کو خیار فسخ دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی شادی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کرادی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از بلوغ لڑکی کو خیار (بلوغ) دیا، لڑکی نے اختیار استعمال کیا۔ حتیٰ کہ روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں اس لڑکی کا مالک بن گیا تھا اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو مجھ سے الگ کرلیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ شرط غیر معتبر ہے باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ولی اگر نکاح کرادے تو یہ نکاح لازم ہو جائے گا اور مولیٰ علیہ کو خیار نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ نکاح ولی کی طرف سے صادر ہوا ہے لہٰذا لازم ہوگا، کیونکہ نکاح کی ولایت کا دارومدار شفقت پر ہوتا ہے اور ولی نے حتی الامکان تحقیق مصلحت میں کوشش کی ہے لہٰذا بعد از تحقیق ولی کا کرایا ہوا نکاح معتبر ہوگا۔

اگر حاکم فاقد اہلیت (مجنون یا معتوہ) یا ناقص اہلیت (کمسن) کی شادی کرادے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مولیٰ علیہ (لڑکی) کو خیار نہیں ملے گا کیونکہ حکمران کی ولایت عمومی ہوتی ہے جبکہ بھائی اور چچا کی ولایت میں عموم نہیں ہوتا، نیز حکمران جان و مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے لہٰذا حکمران کی ولایت باپ اور دادا کی ولایت کے مشابہ ہے لہٰذا حکمران کی ولایت لازم ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک مولیٰ علیہ کو خیار ملے گا۔

۲..... یہ کہ مرد عورت کا کفو (ہمسر، جوڑ کا) ہو، یعنی جب عاقلہ بالغہ آزاد عورت خود اپنا نکاح کردے اور اولیاء اس نکاح سے راضی نہ ہوں تو شرط ہے کہ عورت اپنے کفو کے ساتھ اور مہر مثل کے ساتھ نکاح کرے۔ عورت کا ولی عصبات میں سے کوئی ہو جو اس نکاح سے راضی نہ ہو تو اس ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاضی سے نکاح فسخ کرادے، ظاہر الروایہ کے مطابق یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے۔

بقیہ ائمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کفو کا ہونا لزوم نکاح کی شرط ہے، صحت نکاح کی شرط نہیں۔ تاہم اگر کفو نہ ہو تو بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، کفو کا

---

❶.....البدائع ۲/ ۳۱۰، المهذب ۲/ ۳۹، كشف القناع ۵/ ۴۷، القوانين الفقهيه ۱۹۷

انتخاب عورت کا حق اور اس کے اولیاء کا حق ہے، اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کرلیا تو جو ولی اس نکاح پر رضامند نہ ہوا سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔خواہ فوراً نکاح فسخ کرائے یا تاخیر سے، اس اختیار میں اولیاء برابر ہیں۔

کفاءت (ہمسری) کے شرط لزوم نہ کہ شرط صحت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کرلیں، چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ۔حضرت ابوحذیفہ بن عقبہ بن ربیعہ نے سالم کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا اور سالم کے ساتھ اپنی بھتیجی ولید بن عقبہ کی بیٹی کا نکاح کردیا جبکہ وہ منہ بولا بیٹا ایک انصاری عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ❷

اسی طرح ابوحنظلہ بن ابی سفیان جمحی اپنی والدہ سے رایت نقل کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن کو بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیکھا ہے۔ ❸

۳......جب آزاد عاقلہ بالغہ عورت اولیاء کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح کرلے تو شرط یہ ہے کہ اس کا مہر، مہر مثل کے لگ بھگ ہو بلکہ مہر مثل سے کم نہ ہو، یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے، چنانچہ اگر مہر، مہر مثل سے کم رکھ لیا تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط غیر معتبر ہے، اس کے بغیر بھی نکاح لازم ہوجاتا ہے۔

۴......شوہر مقطوع الذکر اور نامردی کے عیب سے پاک ہو۔

مذکورہ بالا شرعی نکاح کی شرائط ہیں، ان کے علاوہ کچھ اور خودساختہ شرائط بھی ہیں جنہیں حیثیت حاصل ہے تاکہ سرکاری سطح پر نکاح کا نفاذ ہو اور لوگ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی سے باز رہیں، یہ شرائط محض قانونی قیودات ہیں۔

ہر مذہب میں علیحدہ علیحدہ شرائط نکاح کا خلاصہ:

حنفیہ......نکاح کی کچھ شرائط ایجاب وقبول (یعنی صیغہ) کے متعلق ہیں کچھ شرائط عاقدین (لڑکی، لڑکا) کے متعلق ہیں اور کچھ شرائط گواہوں کے بارے میں ہیں۔

صیغہ کی شرائط......صیغہ سے مراد ایجاب وقبول ہے۔یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱......یہ کہ ایجاب وقبول مخصوص الفاظ کے ساتھ ہو، یہ الفاظ یا تو صریح ہوں گے یا کنایہ۔صریح الفاظ جیسے تزویج، نکاح، (اردو میں شادی کی، نکاح کیا، بیاہ کیا) اور ان دو الفاظ کے مشتقات، برابر ہے کہ ماضی کے لفظ سے ہو یا مضارع سے، یا امر کے لفظ سے ہو۔جیسے ''زوجی، میری شادی کرادو'' کنایہ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو محتاج نیت ہوں اور اس نیت پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو، کنائی الفاظ یہ ہیں، ہبہ صدقہ، تملیک، بیع، شراء بشرطیکہ یہ الفاظ بول کر مراد نکاح (شادی) ہو، تاہم اجارہ اور وصیت کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اسی طرح اباحت، حلال، عاریت، رہن، تمتع، اقالہ اور خلع کے الفاظ سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

۲......یہ کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہوں۔

۳......یہ کہ قبول ایجاب کے خلاف نہ ہو۔

۴......یہ کہ ایجاب وقبول کو عاقدین سن رہے ہوں۔

۵......نکاح کے لئے جو لفظ بولا جائے وہ موقت نہ ہو جیسے مہینہ کا وقت، کیونکہ یہ نکاح متعہ اور نکاح موقت ہے جو باطل ہیں۔

---

❶......متفق علیہ۔ ❷رواہ البخاری و ابوداؤد والنسائی۔ ❸رواہ الدارقطنی

۔ین کی شرائط:

عاقدین سے مراد زوج اور زوجہ (لڑکا اور لڑکی یعنی مرد اور عورت) ہیں۔ان کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱.....دونوں عاقل ہوں۔یہ شرط انعقاد نکاح کی شرط ہے، چنانچہ مجنون اور غیر ممیز بچے کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

۲.....دونوں بالغ ہوں اور آزاد ہوں، یہ دونوں شرطیں نفاذ نکاح کی شرطیں ہیں۔

۳.....نکاح کی نسبت عورت یا اس کے کسی ایسے عضو کی طرف کی گئی ہو جس سے کل کو تعبیر کیا جاتا ہو جیسے سر، گردن۔چنانچہ اگر کسی نے یوں کہا: میں نے عورت کے نصف یا اس کے ہاتھ یا اسکے پاؤں کے ساتھ نکاح کر لیا، تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

رہی بات شہادت (گواہی) کی سو وہ صحت نکاح کی شرط ہے۔

گواہوں کی شرائط:

گواہوں کی پانچ شرائط ہیں۔

۱، ۲، ۳.....عقل، بلوغ اور آزادی۔چنانچہ مجنون، بچے اور غلام کی گواہی سے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

۴.....اگر مرد اور عورت (زوج وزوجہ) مسلمان ہوں تو گواہوں کا بھی مسلمان ہونا شرط ہے۔

اگر عورت ذمیہ ہو اور مرد مسلمان ہو تو نکاح دو ذمیوں کی گواہی سے ہو جائے گا، اگر عاقدین غیر مسلم ہوں تو غیر مسلموں کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۵.....یہ کہ گواہ عاقدین کا کلام سن رہے ہوں، اور دونوں اکٹھے سنیں۔چنانچہ سوئے ہوئے گواہوں کی گواہی سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

گواہوں کے لئے عدالت شرط نہیں چنانچہ عادل وغیر عادل بھی نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔

اسی طرح نکاح میں عاقدین کا اختیار بھی شرط نہیں چنانچہ اگر لڑکے یا لڑکی کو نکاح پر مجبور کیا گیا تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، طلاق اور عتق بھی نکاح کی طرح ہیں چونکہ ان تینوں میں جد (سنجیدگی) اور ہزل (ہنسی مذاق) کا اثر نہیں ہوتا۔

مالکیہ:.....ایجاب وقبول کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔یہ کہ ایجاب وقبول مخصوص الفاظ میں ہو، وہ یہ کہ ولی کہے: زوجت اور نکحت .....یعنی میں نے شادی کرادی یا کہے میں نے نکاح کرادیا، اور زوج (مرد) کہے: زوجنی فلانته.....یعنی فلاں لڑکی کے ساتھ میری شادی کرادو، اور قبول میں اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ قبلت، رضیت نفذت.....یعنی میں نے قبول کیا، میں راضی ہوا، وغیرہ۔

۲۔ایجاب وقبول میں فصل طویل نہ ہو بلکہ ایجاب کے فوراً بعد قبول ہو۔البتہ فصل یسیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۳۔ایجاب وقبول کے الفاظ موقت نہ ہوں کیونکہ اگر موقت ہوئے تو وہ نکاح متعہ ہوگا،

۴۔ایجاب وقبول خیار یا ایسی شرط جو عقد کے منافی ہو پر مشتمل نہ ہو مالکیہ کے نزدیک نکاح میں مہر کا ذکر شرط ہے اگر بوقت عقد مہر کا ذکر نہ ہوا تو دخول کے وقت ذکر ضروری ہوگا۔

شہادت بھی شرط ہے لیکن عقد کے وقت گواہوں کا حاضر ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔زوجین میں یہ شرط ہے کہ ان میں مانع نہ ہو جیسے احرام، عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں نہ ہو، یا کسی دوسرے شخص کی عدت میں نہ ہو نسبی یا رضاعی یا سسرالی حرمت سے بھی دونوں پاک ہوں۔

زوج (مرد) میں صحت نکاح کی چار شرائط ہیں۔

۱.....اگر عورت مسلمان ہو تو مرد بھی مسلمان ہو ۲.....عاقل ہو۔

۳.....تمیز کرسکتا ہو ۴.....اس کی مردانگی متحقق ہو

یہ شرط اس لئے ہے تا کہ خنثیٰ مشکل سے احتراز ہو سکے کیونکہ خنثیٰ مشکل نہ خود اپنا نکاح کرسکتا ہے اور نہ ہی اسکا نکاح کیا جاسکتا ہے۔

نکاح کو برقرار رکھنے کے لئے زوج (خاوند) میں پانچ شرطیں ہیں آزادی، بلوغ، رشد، صحت، کفو (ہمسر) ہونا۔

شافعیہ کے نزدیک کچھ شرائط ایجاب وقبول کی ہیں کچھ شرائط کا زوجین میں پایا جانا ضروری ہے اور کچھ شرائط کا شہود میں پایا جانا ضروری ہے۔

صیغہ کی شرائط......صیغہ کی تیرہ (۱۳) شرائط ہیں۔

۱۔خطاب، یعنی عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کو مخاطب کرے۔

۲۔خطاب مخاطب کے کل پر واقع ہو، اس کے جزو پر واقع نہ ہو۔

۳۔ایجاب وقبول میں جو فریق ابتدا کر رہا ہو وہ عقد کی دو شرائط یعنی عوض اور معوض کا تذکرہ کرے۔

۴۔یہ کہ عاقد کی زبان سے جو لفظ نکلے وہ اس کے معنی کا قصد بھی کرے۔

۵۔ایجاب وقبول میں غیر متعلقہ کلام حائل نہ ہو۔

۶۔ایجاب وقبول میں طویل سکوت حائل نہ ہو۔

۷۔ابتداء کرنے والے کا کلام دوسرے کے قبول سے پہلے متغیر نہ ہو۔

۸۔عاقدین ایک دوسرے کا کلام سمجھتے ہوں اور ان کے پاس جو شخص بیٹھا ہو وہ بھی سمجھتا ہو اگر پاس بیٹھا ہوا شخص عاقد کے کلام کو نہ سمجھے تو ایجاب وقبول ناکافی ہوگا اگر چہ عاقد سمجھ رہا ہو۔

۹۔یہ کہ معنی کے اعتبار سے قبول ایجاب کے موافق ہو۔

۱۰۔یہ کہ ایجاب وقبول کو کسی ایسی چیز کے ساتھ معلق نہ کیا گیا ہو جس کا عقد تقاضا نہ کرتا ہو، مثلاً کہہ دیا اگر فلاں نے چاہا، یا کہا: انشاء اللہ!

۱۱۔عاقد کا کلام کسی وقت کے ساتھ موقت نہ ہو۔

۱۲۔قبول اس شخص کی طرف سے صادر ہو جسے ایجاب کا مخاطب بنایا گیا ہو۔

۱۳۔قبول مکمل ہونے تک عاقدین کی اہلیت برقرار رہے۔ اگر قبول سے پہلے عاقدین میں سے کوئی ایک پاگل ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا۔

زوج کی شرائط یہ ہیں:

مرد عورت کا محرم نہ ہو بلکہ غیر محرم ہو، زوج (مرد) مختار ہو اس پر جبر واکراہ نہ کیا جا رہا ہو، مرد متعین ہو چنانچہ مجہول کا نکاح صحیح نہیں ہوتا، یہ کہ زوج عورت کے حلال ہونے سے جاہل نہ ہو، چنانچہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح کا اقدام جائز نہیں جس کے حلال ہونے سے مرد جاہل ہو۔

زوجہ کی شرائط......یہ کہ عورت مرد کی محرم نہ ہو، عورت متعین ہو، اور عورت شرعی موانع سے پاک ہو مثلاً شادی شدہ نہ ہو، یا کسی دوسرے خاوند کی عدت میں نہ ہو۔

گواہوں کی شرائط......حسب ذیل ہیں:

آزاد ہونا، مرد ہونا، عادل ہونا، قوت سماعت، قوت بصارت کا برقرار ہونا، گواہ ولی کے علاوہ ہو، گویا گواہ اور ولی عقد نکاح کے دو ارکان ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک نکاح کی پانچ شرائط ہیں۔

۱۔ زوجین متعین ہوں، کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے جو بیع کے مشابہ ہے، جس طرح بیع کا متعین ہونا شرط ہے اسی طرح زوجین کا بھی متعین ہونا شرط ہے نیز نکاح کا مقصد تعیین ہوتی ہے لہٰذا بدون تعیین کے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ایجاب وقبول میں شرط ہے کہ ایجاب وقبول لفظ نکاح یا لفظ تزویج (شادی) سے ہو لیکن قبول کے لئے (قبلت یا رضیت) کہہ دینا کافی ہے۔ ایجاب سے پہلے قبول کا صادر کرنا صحیح نہیں۔ ایجاب کے فوراً بعد قبول ہوا اگر ایجاب وقبول کے درمیان فعل ہو گیا یا عاقدین جدا ہو گئے یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئے تو عقد صحیح نہیں ہوا، ایجاب وقبول کے لئے عربی لفظ شرط نہیں تاہم غیر عربی اپنی زبان میں بھی ایجاب وقبول کر سکتا ہے بشرطیکہ نکاح اور تزویج کا معنی ذکر کردہ الفاظ میں پایا جاتا ہو۔ کتابت سے (یعنی تحریری نکاح کا) عقد صحیح نہیں ہوتا، اشارہ سے بھی صحیح نہیں البتہ بہرہ شخص مفہومہ اشارہ سے ایجاب وقبول کر سکتا ہے۔

۲۔ زوجین اپنی رضامندی اور اختیار سے نکاح کر رہے ہوں چنانچہ اکراہ کی صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ ولی کا موجود ہونا شرط ہے، چنانچہ بغیر ولی کے نکاہ صحیح نہیں ہوتا۔

۴۔ نکاح پر گواہی موجود ہو، چنانچہ دو عاقل، بالغ اور عادل مردوں کی گواہی سے نکاح صحیح ہوگا، یہ دو گواہ بات کر سکتے ہوں، مسلمان ہوں، بات سنتے بھی ہوں، چنانچہ بہرے اور کافر کی گواہی صحیح نہیں، نابینا کی گواہی سے نکاح صحیح ہے، اسی طرح زوجین کے دشمن بھی نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔ دو گواہ زوجین کے اصول اور فروع یعنی باپ دادا اور اولاد نہ ہوں کیونکہ اصول وفروع کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔

۵۔ زوجین موانع حرمت سے پاک ہوں یعنی نسبی، رضاعی اور سسرالی حرمت نہ ہو، اختلاف دین کا مانع بھی نہ ہو مثلاً مرد مسلمان ہو اور عورت مجوسہ ہو یا عورت کسی دوسرے خاوند کی عدت میں نہ ہو۔ زوجین میں سے کوئی حالت احرام میں بھی نہ ہو۔

چوتھی بحث: نکاح کی مختلف انواع اور ہر نوع کا حکم:

چونکہ مختلف مذاہب میں نکاح کی شرائط بھی مختلف ہیں اس اعتبار سے نکاح کی انواع بھی مختلف ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک نکاح کی پانچ انواع ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح کی پانچ انواع ہیں:

(۱) نکاح صحیح لازم (۲) صحیح غیر لازم (۳) موقوف، (۴) فاسد، (۵) اور باطل۔

مالکیہ کے نزدیک نکاح کی چار انواع ہیں:

(۱) نکاح لازم، (۲) غیر لازم، (۳) موقوف، (۴) فاسد یا باطل۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کی تین انواع ہیں:

(۱) نکاح لازم، (۲) غیر لازم (۳) فاسد یا باطل۔

رہی بات نکاح مکروہ کی سو وہ بالاتفاق نکاح صحیح لازم کی انواع میں سے ہے۔

نکاح لازم...... سے مقصود ایسا نکاح ہے جس کی جملہ ارکان، شرائط صحت، شرائط نفاذ اور شرائط لزوم پائی جاتی ہوں۔

غیر لازم......جس کے ارکان، شرائط صحت اور شرائط نفاذ پائی جاتی ہوں البتہ شرائط لزوم میں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو۔

موقوف......وہ نکاح جس کے ارکان پائے جاتے ہوں، شرائط صحت بھی پائی جاتی ہوں لیکن شرائط نفاذ میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

باطل......جمہور کے نزدیک نکاح باطل وہ ہے جس کے ارکان میں سے کوئی رکن مفقود ہو یا شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو۔

حنفیہ کے نزدیک باطل نکاح: وہ ہے جس کا کوئی رکن مفقود ہو یا شرائط انعقاد میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد: وہ ہوتا ہے جس کے ارکان پائے جاتے ہوں، شرائط انعقاد بھی پائی جاتی ہوں البتہ شرائط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

جمہور کے نزدیک نکاح فاسد اور نکاح باطل میں کوئی فرق نہیں۔

حکم نکاح......سے مراد عقد پر مرتب ہونے والے اثرات ہیں۔یعنی جب ارکان اور جملہ شرعی شرائط عقد نکاح میں پائی جاتی ہوں تو ان کے بعد نکاح کے اثرات مرتب ہوجاتے ہیں۔میں یہاں متذکرہ بالا ہر نوع کا حکم بیان کروں گا۔

قانون میں نکاح کی انواع اور ان کا حکم......سوریہ میں احوال شخصیہ کے قانون میں نکاح کی مختلف انواع اور ہر نوع کے حکم کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ دفعہ ۴۷ میں نکاح صحیح کی یوں صراحت کی گئی ہے۔جب عقد نکاح میں جملہ ارکان اور شرائط انعقاد پائی جائیں تو وہ نکاح صحیح ہوگا۔

دفعہ نمبر ۴۹ میں نکاح صحیح کے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔

نکاح صحیح جو نافذ ہو پر جملہ اثرات مرتب ہوتے ہیں یعنی حقوق زوجیت جیسے مہر، بیوی کا نفقہ زوجین کا حق وراثت عائلی حقوق جیسے اولاد کا نسب اور حرمت مصاہرہ ثابت ہوں گے۔یعنی نکاح صحیح کے عقد سے چھ احکام ثابت ہوجاتے ہیں وہ یہ ہیں: مہر واجب ہوجاتا ہے، بیوی کے اخراجات واجب ہوجاتے ہیں، بیوی خاوند کے متابعت میں چلی جاتی ہے، وراثت کا استحقاق ثابت ہوجاتا ہے، باپ سے اولاد کا نسب ثابت ہوجاتا ہے اور سسرالی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

دفعہ ۵۰ میں نکاح باطل کے اثر کی صراحت کی گئی ہے۔

نکاح باطل پر نکاح صحیح کے اثرات میں سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اگرچہ صحبت ہوچکی ہو۔

دفعہ ۴۸/۲ میں صراحت ہے کہ۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم کے ساتھ باطل ہے۔اسی دفعہ کی شق نمبر میں وضاحت ہے کہ۔ ہر وہ نکاح جس میں ارکان سبھی پائے جائیں لیکن بعض شرائط میں خلل ہو تو وہ نکاح فاسد ہے۔

دفعہ ۵۱ میں نکاح فاسد کے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے، جو یہ ہے

۱۔صحبت سے پہلے نکاح فاسد، نکاح باطل کے حکم میں ہے۔

۲۔نکاح فاسد میں اگر وطی ہوجائے تو درج ذیل نتائج مرتب ہوں گے۔

(ا)......مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے جو اقل ہو واجب ہوگا۔

(ب)......اولاد کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

(ج)......حرمت مصاہرہ ثابت ہوجائے گی (یعنی سسرالی حرمت)

(د)......مفارقت یا خاوند کے مرجانے کی صورت میں عورت پر عدت واجب ہوگی، اور عدت کا خرچہ خاوند کے ترکہ میں سے ہوگا البتہ

عورت کو وراثت نہیں ملے گی۔

۳۔ جب تک عورت فسادِ نکاح سے جاہل ہو نفقہ (خرچہ) کی حقدار ہوگی۔

دفعہ ۵۲ میں نکاح موقوف کے حکم کی صراحت کی گئی ہے۔ کہ نکاح موقوف اجازت سے پہلے نکاح فاسد کے حکم میں ہے۔

قانون میں نکاح غیر لازم کی وضاحت نہیں کی گئی، ہاں البتہ کفو کی بحث میں دفعہ ۲۷ کے تحت اتنی صراحت کی گئی ہے کہ اگر بالغ (بڑی) لڑکی غیر کفو سے اپنا نکاح کرے تو اس کے ولی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

دفعہ ۳۰ میں ہے کہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کی صورت میں اگر صحبت ہو جائے اور عورت حاملہ ہو جائے تو فسخ کا حق ختم ہو جائے گا۔

فقہاء کے نزدیک نکاح کے مختلف احکام:

نکاح صحیح لازم کا حکم...... نکاح صحیح لازم وہ ہوتا ہے جس کے جملہ ارکان اور جملہ شرائط پائے جائیں، اس نکاح کے مختلف اثرات ہیں جو درج ذیل ہیں۔ ❶

۱۔ زوجین کے لئے استمتاع حلال ہو جاتا ہے...... یعنی زوجین ایک دوسرے سے جنسی تسکین کا نفع اٹھا سکتے ہیں، بشرطیکہ استمتاع میں شرعی اجازت کا خیال رکھا جائے اور کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔ شرعی اجازت کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا...... قبل میں صحبت حلال ہے دبر میں حلال نہیں۔ یعنی عورت کے آگے والے حصہ میں صحبت کرنا حلال اور پیچھے کے حصہ میں صحبت کرنا حرام ہے، حالت حیض ونفاس میں صحبت کرنا حلال نہیں۔ احرام کی حالت میں بھی صحبت حلال نہیں۔ ظہار کی صورت میں کفارہ ادا کرنے سے پہلے بھی صحبت کرنا حلال نہیں۔ ان سب صورتوں کے دلائل یہ ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ المؤمنون ۲۳/ ۵۔۶

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔

وَ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ ۚ البقرۃ ۲/ ۲۲۲

حیض کے بارے میں لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو (حیض) نری اذیت ہے، حیض کے دوران ان عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔

نفاس حیض کے حکم میں ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ...... البقرۃ ۲/ ۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں، لہٰذا اپنی کھیتیوں میں جہاں سے چاہو جاؤ۔

آیت میں بیان کردہ عموم سے مراد وقت اور کیفیت کا عموم ہے، یعنی جس وقت چاہو جس کیفیت سے مرضی ہو عورتوں سے صحبت کرو۔ ❷ بشرطیکہ صحبت کا مقام آگے والا حصہ ہو۔

وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے رجوع کرتے ہیں تو ان کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔

---

❶...... البدائع ۲/ ۳۳۱۔ ❷ یعنی کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس کیفیت سے مرضی ہو عورتوں سے صحبت کرو بشرطیکہ مقام صحبت آگے والا ہو۔ کیونکہ آیت میں آگے والے مقام کو کھیتی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ مقام جس سے اناج یعنی اولاد حاصل ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ وہ شخص ملعون ہے جو کسی عورت کے ساتھ بدفعلی کرے۔ ❶

ایک اور حدیث میں فرمایا: جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ صحبت کی یا عورت کے ساتھ بدفعلی کی یا کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کی کہانت کی تصدیق کردی اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی تعلیمات کا کفر کردیا۔ ❷

ایک اور حدیث ہے۔ عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو چونکہ عورتیں تمہارے ماتحت ہیں، عورتیں اپنی ذات کے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں۔ تم نے عورتوں کو اپنے اختیار میں اللہ کی امانت سمجھ کر رکھا ہے، اور اللہ کے حکم سے ان کی شرمگاہ کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ ❸

البتہ عورت کے ساتھ بدفعلی (یعنی پچھلے حصہ میں صحبت کرنے سے عورت کو طلاق نہیں پڑتی، ہاں البتہ عورت اذیت اور ضرر کی وجہ سے قاضی کی عدالت میں جا کر طلاق کا مقدمہ دائر کرسکتی ہے۔

آگے والے مقام میں حائضہ کے ساتھ صحبت کرنے کے تقاضے:

ملحوظ رہے کہ پچھلے حصہ میں صحبت کرنا مطلقاً حرام ہے، مطلقاً کا معنی ہے کہ خواہ عورت حائضہ ہو یا طاہرہ ہو۔ جو شخص جان بوجھ کر آگے والے حصہ میں حائضہ کے ساتھ صحبت کرے درحالیکہ اسے تحریم کا علم بھی ہو تو اس کے لئے مسنون ہے کہ اگر ابتدائے حیض میں صحبت کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر انتہائے حیض میں صحبت کی ہو تو نصف دینار صدقہ کرے، کیونکہ حدیث ہے۔ جب کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ صحبت کر بیٹھے تو اگر خون سرخ رنگت کا ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون زرد رنگت کا ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ ❹

ب.....حالت حیات میں سر سے لے کر پاؤں تک عورت کو دیکھنا اسے چومنا اور مس کرنا حلال ہو جاتا ہے، کیونکہ جب نکاح لازم صحیح سے صحبت کرنا حلال ہے تو عورت کو دیکھنا اور چومنا بطریق اولیٰ حلال ہو جائے گا۔ البتہ اگر منکوحہ مرجائے تو اس کے مرنے کے بعد اسے دیکھنا اور اسے چومنا حلال نہیں یہ حنفیہ کے نزدیک ہے جبکہ جمہور کے نزدیک حلال ہے۔

ج.....مرد کو ملک متعہ حاصل ہو جاتی ہے، یعنی شوہر کو بضعہ کے منافع اور تمام اعضاء کے منافع حاصل ہو جاتے ہیں منافع جات صرف شوہر کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ کیونکہ بضعہ (شرمگاہ) کے منافع مہر کے عوض میں خاوند کو حاصل ہوتے ہیں اور مہر خاوند پر لازم ہوتا ہے لہٰذا بضعہ کے منافع خاوند کے لئے مخصوص ہوں گے۔

۲۔ حبس وقید کا اختیار.....یعنی عورت کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

أَسْكِنُوهُنَّ..... عورتوں کو سکونت دو.....الطلاق

سکونت دینے کا جو حکم آیا ہے حقیقت میں عورت کو باہر نکلنے سے ممانعت کی گئی ہے۔

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ .....الاحزاب ۳۳/۳۳

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ .....الطلاق ۱/۶۰

عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور وہ عورتیں خود بھی باہر نہ نکلیں۔

---

❶.....رواه احمد و ابن ماجه عن ابی هريرةؓ (نيل الاوطار ۶/ ۲۰۰) ❷رواه احمد وابوداؤد، الترمذی (المرجع السابق) ❸رواه احمد عن ابی صرة الرقاشی، وثقه ابوداؤد وفيه علی بن زيد وفيه كلام (مجمع الزوائد ۳/ ۲۶۰) ❹رواه ابوداؤد والحاكم وصححه۔

۳۔مرد کے ذمہ عورت کے لئے مقررہ مہر واجب ہو جاتا ہے..... نکاح صحیح لازم کا یہ اثر حقیقت میں نکاح کا حکم اصلی ہے، مہر کے بغیر شرعاً نکاح کا وجود ہی نہیں ہوتا، کیونکہ مہر ملک متعہ کا عوض ہوتا ہے۔

۴۔خرچے کی تینوں انواع واجب ہو جاتی ہیں..... تین انواع سے مراد، کھانا، کپڑے اور رہائش ہے۔ چنانچہ جب تک عورت خاوند کی فرمانبردار رہے تو اس کے لئے تینوں خرچے واجب ہوتے ہیں اگر عورت مرد کی اطاعت سے انکار کر دے یا صحبت سے انکار کر دے تو اسکا خرچہ ساقط ہو جاتا ہے۔ خرچہ واجب ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ...... البقرة ۲/۲۳۳

اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں (یعنی اپنی بیویوں) کے کھانے اور لباس کا خرچہ اٹھائے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ...... الطلاق ۶۵/۷

ہر صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس شخص کے لئے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اسی سے نفقہ دے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ...... الطلاق ۶۵/۶

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو۔

عورتوں کو مذکور بالا آیت میں جو سکونت دینے کا حکم دیا گیا ہے درحقیقت یہ نفقہ کا حکم ہے، کیونکہ عورت باہر جا کر کمانے کی طاقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ عورت اپنی خلقت کی وجہ سے محنت ومزدوری کرنے سے عاجز ہے۔

۵۔سسرالی حرمت ثابت ہو جاتی ہے..... نکاح صحیح لازم کا یہ پانچواں اثر ہے، چنانچہ منکوحہ اپنے خاوند کے اصول (باپ دادا) اور فروع (اولاد) پر حرام ہو جاتی ہے، اسی طرح منکوحہ کے اصول وفروع خاوند پر حرام ہو جاتے ہیں، البتہ بعض احوال میں محض عقد نکاح سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور بعض احوال میں صحبت کرنے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ❶

۶۔خاوند سے اولاد کا نسب ثابت ہو جاتا ہے..... بظاہر محض نکاح پائے جانے سے اولاد کا نسب زوج سے ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ولد (بچہ، مولود) صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ ❷

۷۔زوجین کے درمیان حق وراثت ثابت ہو جاتا ہے..... اگر زوجیت کے دوران زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا میت کا وارث بنے گا اسی طرح طلاق رجعی کی عدت میں اگر کوئی ایک مر گیا تو بھی دوسرا وارث بنے گا، جمہور کے نزدیک مرض الموت میں طلاق ہوئی اور دوران عدت فوتگی ہوگئی تو دوسرا وارث بنے گا، شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تو عدت کے بعد بھی دوسرا فریق وارث بنے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ...... النساء ۴/۱۲

اور تمہاری ازواج کا نصف ترکہ ہے۔

وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ...... النساء ۴/۱۲

❶ ..... منکوحہ کی ماں محض عقد نکاح سے زوج پر حرام ہو جاتی ہے خواہ صحبت ہوئی یا نہ ہوئی جبکہ منکوحہ کی بیٹی زوج پر صحبت کرنے سے حرام ہوتی ہے، اگر صحبت سے پہلے منکوحہ کو طلاق دے دی تو زوج منکوحہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جبکہ اسکی ماں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ ❷ رواہ الجماعة الا ابا داؤد عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ

عورتوں کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ وصیت اور دین چکانے کے بعد۔

۸۔ایک سے زائد عورتوں کے درمیان عدل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔❶

جب آدمی کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں تو جمہور فقہاء (شافعیہ کے علاوہ) کے نزدیک ان بیویوں کے درمیان ان کے حقوق شب باشی، نفقہ لباس اور سکنیٰ میں عدل (برابری) کرنا واجب ہے، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے، ترک عدل و مساوات کے خوف پر ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ دن اور رات کی باری میں عورتوں کے درمیان مساوات واجب ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ......النساء ۳/۴

اور اگر تمہیں ناانصافی کا خوف ہو تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

یعنی اگر باری اور نفقہ میں تمہیں خوف ہو کہ ایک سے زائد عورتوں میں برابری نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ النساء ۴/۴

اگر تمہیں ناانصافی کا خوف ہو تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو یا کنیزیں رکھ لو جو تمہاری ملکیت میں آچکی ہوں، یہ (حکم) اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم سے گریزاں رہو۔

معلوم ہوا ایک سے زائد عورتوں میں عدل وانصاف کرنا ضرورۃً واجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے درمیان باریاں مقرر کر رکھی تھیں اور آپ عدل وانصاف پر پورا اترتے تھے، پھر بھی فرماتے: یا اللہ میری مقرر کردہ باری میرے دائرہ اختیار تک محدود ہے اور جو چیز تیرے دائرہ اختیار میں ہے اور وہ میرے اختیار میں نہیں اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔❷

امام ترمذی کہتے ہیں: جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اختیار میں نہیں وہ طبعی قلبی رجحان ہے۔

بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آیت کریمہ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ۔ تم عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اگر چہ تمہیں عدل کا کتنا ہی حرص ہو۔ یعنی قلبی رجحان اور صحبت کرنے میں عدل نہیں کرسکتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اسکی ایک جانب مفلوج ہوگی۔❸

باری کی ابتدا اور دور کی مقدار کا اختیار خاوند کو حاصل ہے، تاہم بیویوں کے پاس ان کے گھروں میں جائے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرسکے۔ ایک ہی بستر پر ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کا اکٹھا ہونا ممنوع ہے اگر چہ مرد صحبت نہ کرے، اگر خاوند رات کو محنت مزدوری یا ملازمت کرتا ہو جیسے چوکیدار تو دونوں کے حساب سے باری مقرر کرے، حنفیہ کہتے ہیں اس طرح کی تقسیم نہایت بہتر ہے۔

حالت مرض...... باری کے واجب ہونے میں مریض صحت مند عاقل بالغ کی مانند ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں پوچھتے تھے کہ میں کل کہاں ہوں گا؟ میں کل کہاں ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کو چاہ رہے

---

❶...... البدائع ۲/ ۳۳۲، تبیین الحقائق ۲/ ۱۷۹، فتح القدیر ۲/ ۱۰۶، الدر المختار و حاشیته ابن عابدین ۲/ ۲۵۶، القوانین الفقهیه ۲۱۲ الشرح الصغیر ۲/ ۵۰۵ المهذب ۲/ ۶۷ مغنی المحتاج ۳/ ۲۰۱ ❷رواه الخمسة الا احمد (نیل الاوطار ۶/ ۲۱۷) ❸رواه الخمسة عن ابی هریرةؓ (نیل الاوطار ۶/ ۲۱۶) ۔

ہوتے، تاہم ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے اور انہی کے پاس آپ کا وصال ہوا۔ ❶

مالکیہ کہتے ہیں...... اگر مریض شدت مرض کی وجہ سے باری پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بلا تعین جس عورت کے پاس چاہے چلا جائے۔

باری کی نوعیت...... صحبت میں باری مقرر کرنا واجب نہیں بلکہ صرف شب باشی میں باری مقرر کرنا ضروری ہے، البتہ اگر خاوند کسی بیوی کو ضرر پہنچا رہا ہو اس واسطے اس کے ساتھ صحبت نہ کرتا ہو تو ترک ضرر واجب ہوگا، باری کا دارومدار رات پر ہے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً...... اور ہم نے رات کو پردے کا سبب بنایا۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ رہائشگاہوں میں ٹھکانا پکڑنا اور پناہ لینا مراد ہے، کیونکہ دن تو تلاش معاش کا ذریعہ ہے اور رات سکون کے لئے ہوتی ہے۔

تاہم صحبت میں بھی باری مقرر کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے کامل عدل متحقق ہوتا ہے۔

سفر میں باری...... حنفیہ کہتے ہیں: حالت سفر میں باری کا لحاظ رکھنا خاوند پر واجب نہیں، اور خاوند پر یہ بھی واجب نہیں کہ ایام سفر کے مقابلہ میں اتنے ہی دن دوسری عورت کے پاس رہے، کیونکہ مدت سفر شمار سے باہر ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ خاوند بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالے اور جس عورت کے نام کا قرعہ نکلے اسی کو ساتھ لے کر جائے، قرعہ کا فائدہ یہ ہے کہ عورتوں کا دل مطمئن رہے اور خاوند سے میلان کی تہمت ختم ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسی کو آپ سفر میں ساتھ رکھتے۔ ❷

مالکیہ کی رائے بھی حنفیہ جیسی ہے کہ جب خاوند سفر پر رخصت ہونے کا ارادہ کرے تو جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے، البتہ اگر حج کا سفر ہو تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے۔ حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ قرعہ کو واجب نہیں سمجھتے کیونکہ قرعہ میں ایک گونا قمار کا معنی پایا جاتا ہے۔

لیکن حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو سفر پر ساتھ لے جانا جائز نہیں، جب خاوند سفر کا ارادہ کرے تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کے نام کا قرعہ نکلے اسی کو سفر پر لے کر جائے۔ چنانچہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس عورت کے نام قرعہ نکلتا اسی کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ ❸

عورت کے سفر کا باری پر اثر...... اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر سفر پر چلی گئی تو ایام سفر کے دوران اسکی باری کا حق اور نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ باری تو انس کے لئے ہوتی ہے اور نفقہ ملک بضعہ سے نفع اٹھانے کی قدرت پر ہوتا ہے جبکہ عورت سفر پر چلی گئی اور استمتاع مفقود رہا، اگر عورت خاوند کی اجازت سے سفر پر گئی (شافعیہ کے جدید قول کے مطابق) اگر عورت کا سفر خاوند کی کسی غرض کے لئے تھا تو باری کی قضا کی جائے گی اور اگر سفر عورت کی ذاتی غرض کے لئے تھا تو باری کی قضا نہیں ہوگی۔

حنابلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر سفر پر چلی گئی یا خاوند کے پاس رات گزارنے سے انکار کر دیا یا عورت نے ذاتی غرض کے لئے سفر کیا تو باری کا حق اور نفقہ ساقط ہو جائے گا، یعنی مرد کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اگر خاوند نے عورت کو اپنی کسی غرض کے

---

❶ ...... متفق عليه عن عائشه (المرجع السابق ۷ / ۲۱۷) ❷ متفق عليه عن عائشة (المرجع السابق) ❸ متفق عليه.

لئے بھیجا ہو تو باری کا حق اور نفقہ ساقط نہیں ہوگا، حنابلہ کہتے ہیں: اگر خاوند نے عورت کی کسی غرض کے لئے سفر کیا تو اس عورت کی باری کا حق اور اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر چہ کسی عذر کی وجہ سے سفر طویل ہو جائے۔

عورت کا اپنے حق کو ہبہ کر دینا......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اپنی باری کے حق کو ہمہ وقت کے لئے یا بعض اوقات کے لئے اپنی کسی سوکن کو ہبہ کر سکتی ہے، گویا عورت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی باری کا حق پورا پورا وصول بھی کر سکتی ہے اور چھوڑ بھی سکتی ہے چنانچہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دن کی باری کا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو دن گزارتے تھے ایک ان کی اپنی باری کا اور ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کا۔ ❶

لیکن خاوند کی رضامندی کے بغیر باری کا حق ہبہ کرنا جائز نہیں، اگر ہبہ کرنے والی عورت اور خاوند دونوں راضی ہوں تو بلا اختلاف باری کا ہبہ جائز ہے۔

اگر باری کا حق ہبہ کرنے والی عورت مال لے کر ہبہ کرے تو اس کے لئے مال جائز نہیں ہوگا مال واپس کرنا واجب ہوگا، خاوند کے ذمہ واجب ہے کہ گزرے دنوں کی قضا کرے کیونکہ واہبہ نے عوض کی شرط پر باری کا حق ترک کیا ہے جبکہ عوض اس کے پاس سلامت رہا نہیں بلکہ اس نے واپس کر دیا ہے لہٰذا معوض پر وہ رجوع کر سکتی ہے، چونکہ یہ باری کا معاوضہ ہے اور بیع کے معنی میں ہے فی الواقع یہ بیع جائز نہیں ہے۔

کنواری، شوہر دیدہ، نئی اور پرانی عورت کا حق......حنفیہ کہتے ہیں کنواری، ثیبہ (شوہر دیدہ) نئی، پرانی، مسلمان اور کتابیہ باری میں سب برابر ہیں، کیونکہ آیات میں حکم مطلق ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ......النساء ۴/۱۲۹

تم عورتوں کے درمیان ہرگز عدل نہیں کر سکتے اگر چہ تم اس کے حریص ہی کیوں نہ ہو، تاہم کلی میلان سے گریزاں رہو۔

آیت کا معنی ہے کہ تم بشری تقاضہ کے پیش نظر محبت میں عدل نہیں کر سکتے۔ تاہم باری میں کسی ایک طرف تمہارا میلان نہ ہو۔

آیت کریمہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ......اور عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ۔ (النساء ۴/۱۹)

میں حسن معاشرت سے مراد باری ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا......اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر پاؤ گے۔ (النساء ۴/۳)

وہ احادیث جن میں کسی عورت کی طرف میلان اور باری مقرر نہ کرنے کی ممانعت آئی ہے وہ بھی مطلق ہیں، نیز باری حقوق زوجیت میں سے ہے اور عورتوں کے حقوق میں تفاوت نہیں ہوتا۔

رہی بات اس روایت کی کہ کنواری عورت کے لئے سات دن اور ثیبہ کے لئے تین دن باری مقرر کی جائے۔ سو اس حدیث میں شروعاتی فضلیت کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا دلیل قطعی یعنی آیات کو مقدم رکھنا واجب ہے۔

جمہور کہتے ہیں: نئی نویلی کنواری عورت کے لئے زفاف کے سات دن وجوباً مختص ہیں جو لگاتار ہوں، اور ثیبہ (شوہر دیدہ عورت کے لئے زفاف کے تین دن وجوباً مختص ہیں اور ان دنوں کی دوسری بیویوں کے حق میں قضاء بھی نہیں گویا ان دنوں کو گزارنے کے بعد بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کی جائیں۔ ان فقہاء کی دلیل ابن حبان کی اپنی صحیح میں روایت کردہ حدیث ہے کہ۔ کنواری عورت کے لئے سات دن اور شوہر دیدہ عورت کے لئے تین دن ہیں۔ ❷

ابو قلابہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ مسنون ہے کہ جب کنواری عورت شوہر دیدہ عورت پر بیاہ کر لائی جائے تو

❶......متفق علیه عن عائشة المرجع السابق ۲۱۸۔ ❷ رواه الدارقطني ايضاً (نيل الاوطار ۶/۲۱۴)

خاونداس کے پاس سات دن قیام کرے، اور اگر شوہر دیدہ عورت (ثیبہ) کو بیاہ کر لائے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر باری مقرر کرلے۔ابوقلابہ کہتے ہیں: میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتے تھے۔ ❶

۹......جب خاوند بیوی کو صحبت کے لئے کہے تو اسکا حکم ماننا واجب ہو جاتا ہے بیوی کے لئے:

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرۃ ۲/۲۲۸

اوران عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ عورت کے لئے مرد پر نفقہ اور مہر واجب ہے اور عورت پر واجب ہے کہ مرد کی خواہش کے متعلق فرمانبرداری کرے، اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور اپنے نفس کی حفاظت کرے، چنانچہ شریعت نے اسکا حکم دے رکھا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ......النساء ۴/۳۴

عورتوں کو نصیحت کرو اور اثر نہ ہونے پر ان کے بستر چھوڑ دو اور پھر (بھی اثر نہ ہو تو) مناسب پٹائی کرو۔

یعنی اگر عورتیں اطاعت نہ کریں تو ان کے بستر چھوڑ کر ان کی تادیب کرو اور غیر مبرح ضرب سے پٹائی کرو۔اس کے بعد فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ......النساء ۴/۳۴

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف کاروائی کرنے کی راہ تلاش مت کرو۔

چنانچہ مذکورہ بالا آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خاوند کی فرمانبرادی عورت پر لازم ہے۔

۱۰......بیوی کی طرف سے عدم اطاعت کی صورت میں خاوند کو تادیبی کاروائی کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے:

مثلاً عورت نشوز (نافرمانی) پر اتر آئے یا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جائے یا حقوق اللہ مثلاً طہارت، نماز ترک کردے یا خاوند کو باہر چھوڑ کر دروازہ بند کردے یا اپنے نفس میں خیانت کرے یا خاوند کے مال میں خیانت کرے، چنانچہ درج ذیل ترتیب کے مطابق کارروائی عمل میں لائے۔

اولاً پیار محبت اور نرمی سے بیوی کو نصیحت کرے اور اسے سمجھائے، چونکہ نصیحت سے قوی امید ہوتی ہے کہ عورت نشوز چھوڑ دے اور فرمانبرداری کرنے لگے۔اگر اس سے بیوی پر کوئی اثر نہ ہو تو اس کا بستر چھوڑ دے اور اس سے الگ ہو جائے اور صحبت ترک کردے، اگر اس سے بھی اثر نہ ہو تو اسے مارے تاہم خیال رہے کہ ضرب غیر مبرح (جسکا جسم پر نشان نہ پڑے) ہو مثلاً مسواک چھوٹی سی چھڑی سے مارے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ

اور وہ عورتیں جن کے نشوز (مخالفت، نافرمانی) کا خوف ہو تو انہیں (نرمی سے) نصیحت کرو اور ان کے بستر چھوڑ دو اور انہیں مارو۔

اگر چہ لغوی اعتبار سے صرف واؤ مطلق جمع کے لئے موضوع ہے لیکن اس سے مراد جمع علی سبیل ترتیب ہے اور واؤ ترتیب کا احتمال رکھتا ہے۔

اگر عورت کو مارنے سے نفع ہو اور نشوز ترک کردے تو فبہا ورنہ معاملہ حکمین پر منتج ہوگا ایک حکم (ثالث، منصف) مرد کے خاندان سے ہو،

---

❶......متفق علیہ (المرجع السابق)

دوسرا عورت کے خاندان سے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان اختلاف پڑ جانے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان سے بھیجو اور ایک منصف عورت کے خاندان سے، بشرطیکہ میاں بیوی اصلاح چاہتے ہوں تو اللہ انہیں اسکی توفیق عطا فرمائے گا۔

۱۱۔عورت کے ساتھ حسن سلوک، ایذاء پہنچانے سے گریز کرنا، اور اس کے حقوق ادا کرنا......مرد کے لیے عورت کے ساتھ حسن سلوک رکھنا مندوب مستحب ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......النساء ۴/ ۱۹

دستور کے مطابق (اچھی طرح سے) عورتوں کے ساتھ سلوک رکھو۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔ (۱)

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

استوصوا بالنساء خیرا

یعنی عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ (۲)

اسی طرح عورت کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ حسن معاشرت رکھے، جب بات کرے تو نرمی سے بات کرے اور خاوند کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس سے خاوند کا دل خوش ہوتا ہے۔

حسن معاشرت کا ایک انداز اور طریقہ یہ بھی ہے کہ ذمہ میں جو حق واجب ہو اسے بلا تاخیر ادا کر دیا جائے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مالدار شخص کی ٹال مٹول ظلم ہے۔ (۳)

حسن معاشرت برقرار رکھنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک ہی گھر میں دو بیویوں کو جمع نہ کیا جائے، ہاں البتہ دونوں ایک ہی گھر پر دلی طور پر رضامند ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایک ہی گھر میں دو بیویوں کو جمع رکھنا حسن معاشرت کے منافی ہے، نیز اس سے جھگڑا فساد کھڑا ہوتا ہے، حسن معاشرت برقرار رکھنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی سے صحبت نہ کرے کیونکہ یہ مروت کے معیار سے نہایت گرا ہوا طریقہ ہے اور سوء معاشرت ہے، ایک اصول یہ بھی ہے کہ بیوی کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی سے صحبت کرے اسکی صحت کا خیال رکھے اگر عورت جسمانی طور پر کمزور ہو اور صحبت کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس سے صحبت کرنا جائز نہیں کیونکہ عورت کی جسمانی کمزوری کی حالت میں اس سے صحبت کرنے میں اسے اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔

کیا عورت کے ساتھ صحبت کرنا واجب ہے......حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے صحبت کرنے کا مطالبہ کرے، کیونکہ جو چیز حلال ہے وہ عورت کا حق ہوتا ہے جیسے حلال چیز مرد کا حق ہے اور جب عورت خاوند سے صحبت کا مطالبہ کرے تو خاوند پر

---

(۱)......رواہ الترمذی عن عائشہ وابن ماجہ عن ابن عباس والطبرانی عن معاویۃ وھو حدیث صحیح (نیل الاوطار ۶/ ۲۰۶)

(۲) متفق علیہ عن ابی ھریرۃ (نیل الاوطار ۶/ ۲۰۵) (۳) رواہ الجماعۃ احمد واصحاب الکتب الستہ وابن ابی شیبہ والطبرانی عن ابی ھریرۃ (نصب الرایتہ ۴/ ۵۹)

صحبت کرنا واجب ہے۔ ❶

مالکیہ:۔ کہتے کہ اگر کوئی عذر مانع نہ ہو تو بیوی کے ساتھ جماع کرنا مرد پر واجب ہے۔ ❷

شافعیہ:۔ کہتے ہیں: مرد پر عورت کے ساتھ ایک مرتبہ جماع کرنا واجب ہے، کیونکہ عورت کے ساتھ جماع کرنا مرد کا حق ہے لہٰذا ترک جماع مرد کے لئے جائز ہے۔ ❸ جیسے اجرت پر لئے ہوئے مکان کی رہائش کا چھوڑ دینا جائز ہے، نیز صحبت کا داعیہ (یعنی سبب) شہوت نفس محبت اور ہیجان نفس ہے، لہٰذا جماع کو مرد پر واجب قرار دینا کیونکر ممکن ہوا، ہاں البتہ مرد کے لئے مستحب ہے کہ وہ کلیتہً جماع کو ترک نہ کرے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: کیا تم دن کے وقت روزہ رکھتے ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: کیا تم رات کو عبادت میں مصروف رہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میں بھی تو روزہ رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں نمازیں بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور بیویوں کے ساتھ صحبت بھی کرتا ہوں، سو جس شخص نے بھی میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری سنت پر نہیں)۔ ❹

حنابلہ کہتے ہیں: مرد پر بس اتنا واجب ہے کہ ہر چار ماہ میں صرف ایک بار عورت کے ساتھ جماع کرے بشرطیکہ کوئی عذر مانع نہ ہو کیونکہ چار ماہ میں اگر ایک بار جماع واجب نہ ہوتا تو ترک جماع پر قسم اٹھانے سے ایلاء نہ ہوتا، نیز نکاح زوجین کی مصلحت اور بھلائی کے پیش نظر مشروع ہوا ہے، جماع سے عورت کی شہوت مٹ جاتی ہے، جیسے مرد کی شہوت جماع سے ٹوٹ جاتی ہے، اس تفصیل کی روشنی میں جماع میاں بیوی دونوں کا حق ہے، نیز اگر جماع عورت کا حق نہ ہوتا تو عزل کی صورت میں عورت سے اجازت لینا واجب نہ ہوتا۔ ❺

اگر چار ماہ گزرنے کے بعد بھی مرد بیوی کے ساتھ صحبت نہ کی یا آزاد عورت کے پاس چار ماہ کے دوران ایک رات بھی نہ گزاری اور کوئی عذر مانع نہیں تھا تو بیوی کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاوند اپنی بیوی کے ساتھ ایلاء کی قسم اٹھالے، اگرچہ چار ماہ کا عرصہ رخصتی کے بعد اور دخول سے پہلے کا ہو۔

خلاصہ...... جمہور فقہاء کے نزدیک بیوی کے ساتھ جماع کرنا مرد پر واجب ہے تاکہ عورت کی عفت اور پاکدامنی برقرار رہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک صرف ایک بار بیوی کے ساتھ صحبت کرنا مرد پر واجب ہے، جبکہ پہلی رائے راجح ہے۔

عزل...... صحبت کے موقع پر جب مرد کو انزال ہونے لگے تو اپنا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال لے تاکہ نطفہ شرمگاہ میں نہ گرنے پائے اور حمل نہ ٹھہرے اسی کو فقہی اصطلاح میں عزل کہا جاتا ہے۔ تاہم حسن معاشرت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ بیوی کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے، بالاتفاق بیوی کی اجازت کے بغیر عزل مکروہ ہے، کیونکہ انزال اولاد کا سبب ہے اور عورت اولاد کا حق رکھتی ہے جبکہ عزل سے اولاد کے حق سے عورت محروم ہو جاتی ہے۔ ❻

دلیل جواز: عزل کے جائز ہونے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کرتے رہتے تھے جبکہ قرآن مجید نازل ہوتا رہتا تھا۔ ❼ مسلم کی رایت ان الفاظ میں ہے۔ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کرتے تھے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تاہم آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

---

❶......البدائع ۲/ ۳۳۱ ❷القوانین الفقهية ۲۱۱ ❸المهذب ۲/ ٦٦ تكملة الجموع ۱۰/ ۵٦۸ ❹رواه ابوداؤد الطيالسى عن ابن عمرو والبزار عن ابن عباس وفيه ضعيف ❺ كشف القناع ۵/ ۲۱۴۔ ❻ البدائع ۲/ ۲۳۴ الدر المختار ۲/ ۵۲۱، القوانين الفقهية ۲۱۲ المهذب ۲/ ٦٦، تكملة المجموع ۱۵/ ۵۷۸۔ ❼متفق عليه عن جابر رضى الله عنه (نيل الاوطار ٦/ ۱۹۵)

دلیل کراہت......عزل کے مکروہ ہونے پر جذامہ بنت وہب اسدیہ کی حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ایک مرتبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ آپ لوگوں کی ایک مختصر سی جماعت میں تھے اور آپ فرما رہے تھے: میں نے چاہا کہ غیلہ ❶ سے منع کردوں تاہم میں نے رومیوں اور فارسیوں پر نظر دوڑائی، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ اپنی اولاد کو حالت حمل میں دودھ پلاتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد میں کوئی نقص نہیں آتا، پھر صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ ایک درجہ میں زندہ لڑکی کو درگور کردینے کے مترادف ہے اور یہ تو اس آیت وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ اور جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا کا مصداق ہے۔ ❷

متاخرین حنفیہ کا قول ہے کہ کسی عذر کی بناپر عورت کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے، مثلاً خاوند کہیں دور سفر پر ہو اور بیوی اس کے ساتھ ہو یا دارالحراب میں ہو، اور اسے بچے کی پرورش و پرداخت کا خوف لاحق ہو یا مثلاً عورت بدخلق ہو اور خاوند اسے طلاق دینا چاہتا ہو اور اسے خوف ہو کہ اگر عزل نہ کیا تو یہ حاملہ ہو جائے گی۔ ❸

اسقاط حمل......بعض فقہاء کا موقف ہے کہ چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل مباح ہے اگرچہ خاوند کی اجازت کے بغیر ہی کیوں نہ ہو۔
مالکیہ: کہتے ہیں: جب نطفہ عورت کے رحم میں استقرار پکڑ لے تو اس کے بعد اس سے چھیڑ چھاڑ جائز نہیں، اور جب نطفہ بچے کے تخلیقی مراحل میں داخل ہو جائے پھر اس کے ساتھ تعرض کرنا اور زیادہ ممنوع ہے اور جب بچے میں روح پھونک دی جائے پھر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا کہیں زیادہ ممنوع ہے بلکہ روح پیدا ہو جانے کے بعد بالاتفاق اسقاط حمل قتل کے زمرے میں داخل ہے۔
سوریہ کے قانون میں نکاح صحیح کے احکام دفعہ ۴۹ میں صراحت ہے کہ۔ نکاح صحیح جو نافذ ہو چکا ہو اس پر زوجیت کے جملہ حقوق کے اثرات مرتب ہوں گے جیسے مہر، بیوی کا نفقہ، عورت کا مرد کے تابع ہو جانا، میاں بیوی میں وراثت کا چلنا اور عائلی حقوق یعنی اولاد کا نسب اور حرمت مصاہرہ۔

نکاح غیر لازم کا حکم......نکاح غیر لازم کا حکم نکاح لازم کی مانند ہے ہاں البتہ نکاح غیر لازم میں خاوند یا بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے، گویا نکاح غیر لازم قابل فسخ ہوتا ہے۔

نکاح موقوف کا حکم......نکاح موقوف گو صحیح ہوتا ہے تاہم صاحب اجازت کی اجازت سے قبل اس نکاح کے اثرات مرتب نہیں ہوتے، چنانچہ نکاح موقوف کی صورت میں منکوحہ کے ساتھ صحبت حلال نہیں ہوتی، اس نکاح میں عورت کے لئے خاوند پر نفقہ واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی عورت پر خاوند کی اطاعت واجب ہوتی ہے، اس نکاح سے زوجین کے درمیان حق وراثت ثابت نہیں ہوتا۔
جبکہ اگر صاحب اجازت نکاح کی اجازت دے دے تو مذکورہ بالا جملہ اثرات مرتب ہونا شروع ہو جائیں گے، جیسے نکاح لازم میں اثرات مرتب ہوتے ہیں چونکہ فقہ میں اصول مسلم ہے کہ بعد میں لاحق ہونے والی اجازت سابقہ وکالت کے مترادف ہے۔
نکاح غیر لازم کی مثال فضولی کا نکاح ہے، فضولی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کا نکاح کرادے جبکہ اسے نکاح پر ولایت تامہ حاصل نہ ہو اور نہ ہی وہ اس کا وکیل ہو۔ جیسے مثلاً کوئی شخص کمسن لڑکے اور کمسن لڑکی کا نکاح کرادے جبکہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ، بالغہ عورت کا اپنے تئیں کیا ہوا نکاح موقوف ہوتا ہے۔
اگر اجازت سے پہلے صحبت ہو جائے تو یہ نری معصیت ہوگی، ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک صحبت کے بعد نکاح فاسد کے اثرات اس نکاح

❶......حالت حمل میں عورت کا اپنے بچے کو دودھ پلانا غیلہ ہے۔ ❷رواہ احمد و مسلم (نیل الاوطار ۶/ ۱۹۶) ❸الدر مختار ۲/ ۵۲۲

پر مراتب ہوں گے۔ نکاح فاسدہ کے اثرات کا تذکرہ ذیل میں آیا چاہتا ہے۔ چنانچہ حد ساقط ہو جائے گی، پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی، مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ عورت کو ملے گا، البتہ اجازت سے پہلے نکاح موقوف میں عورت پر عدت نہیں ہوگی۔ سو ریہ کے قانون میں دفعہ ۵۲ کے تحت اس نوع کے احکام کے بارے میں یوں صراحت کی گئی ہے۔ ''نکاح موقوف قبل اجازت نکاح فاسد کے حکم میں ہے۔

نکاح فاسد کا حکم اور حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد کی مختلف انواع:

حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد...... نکاح فاسد وہ ہوتا ہے جس میں شرائط صحیح میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

انواع...... بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا، نکاح موقت، چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کر لینا، عورت کے ساتھ اس کی کسی ایسی رشتہ دار کو جمع کر لینا جن کا آپس میں نکاح حرام ہو مثلاً دو بہنیں، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی اور خالہ۔ کسی ایسی عورت سے نکاح کر لینا جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور ناکح کو اس کا علم ہی نہ ہو جبکہ محارم کے ساتھ نکاح جس کے حرام ہونے کا علم نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک باطل ہے، اور صاحبین کا قول راجح ہے۔

نکاح فاسد کا حکم...... قبل از دخول نکاح فاسد کا کوئی حکم نہیں چنانچہ نکاح فاسد پر زوجیت کے آثار مرتب نہیں ہوتے، چنانچہ نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے، اس نکاح میں عورت کے لئے مرد پر مہر واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی نفقہ واجب ہوتا ہے عدت بھی واجب نہیں ہوتی، اس سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی، پیدا ہونے والے بچے کا نسب بھی ثابت نہیں ہوتا، اور زوجین کے درمیان وراثت بھی نہیں چلتی۔

خود میاں بیوی پر واجب ہے کہ وہ بذات خود ہی الگ الگ ہو جائیں، ورنہ معاملہ عدالت میں دائر کیا جائے تاکہ قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے، ایسے نکاح کے خاتمہ کے لئے حسبہ کا دعویٰ بھی جائز ہے تاکہ منکرات کا خاتمہ ہو بشرطیکہ مدعی کو دعویٰ سے کوئی اپنی غرض متعلق نہ ہو، مرد، عورت دونوں کو اس نکاح کے خاتمے کا حق حاصل ہے اگرچہ دوسرا فریق حاضر نہ بھی ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اصح قول یہی ہے، کیونکہ معصیت سے جتنا جلدی ہو سکے باہر نکلا جائے۔

بعد از صحبت اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کر لی تو یہ صحبت معصیت ہوگی اس کے بعد تفریق واجب ہے البتہ ان پر حد زنا جاری نہیں کی جائے گی، البتہ زجر و توبیخ کے لئے قاضی انہیں مناسب تعزیر دے سکتا ہے۔ کیونکہ عقد کا شبہ پایا جا رہا ہے اور حد شبہ سے ٹل جاتی ہے۔

البتہ صاحبین کے نزدیک محارم کے ساتھ نکاح فاسد کی صورت میں اگر دخول ہو جائے تو حد واجب ہوگی، صاحبین کی رائے راجح ہے، کیونکہ ایسا نکاح جو ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو حرام علی التابید ہو اس میں شبہ عقد نہیں پایا جاتا، اور ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح جو حرام علی التابید نہ ہوں جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی، اور بغیر گواہوں کے نکاح تو اس عقد میں شبہ پایا جاتا ہے اس لئے حد نہیں ہوگی۔ البتہ اگر تفریق کے بعد مرد نے صحبت کر دی تو حد لازم ہو جائے گی۔

اسی طرح جو عورت دوسرے کے نکاح میں ہو یا کسی دوسرے شخص کی عدت میں ہو اس کے ساتھ نکاح کر لینے کی صورت میں حد واجب ہوگی بشرطیکہ حرمت کا علم ہو، چونکہ یہ صریح زنا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

تاہم نکاح فاسد میں دخول نری معصیت ہے بایں ہمہ حنفیہ کے نزدیک قبل میں صحبت کرنے سے اس نکاح پر اثرات مرتب ہوں گے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وجوب مہر...... نکاح فاسد میں اگر صحبت ہوگئی تو مہر واجب ہوگا اگر چہ صحبت میں تکرار ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام زفر کے علاوہ جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ اثر مرتب ہوگا، تاہم مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے جو قلیل ہوگا وہ عورت کو ملے گا، اگر عقد میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل واجب ہوگا خواہ جہاں تک پہنچ جائے، کیونکہ مہر کی تعیین فاسد ہو چکی، اگر چہ نکاح فاسد حقیقت میں نکاح نہیں ہوتا لیکن پھر بھی مہر واجب ہوگا کیونکہ مہر بوجہ عقد واجب نہیں ہو رہا بلکہ دخول کی وجہ سے واجب ہو رہا ہے چنانچہ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ۔ دار الاسلام میں ہر ایسی وطی جو حد اور مہر سے خالی ہو (یعنی نہ ہی اس وطی پر حد واجب ہوتی ہو اور نہ ہی عقد کے زمرہ میں مہر مقرر کیا گیا ہو) تو مہر واجب ہوگا۔

تاہم جو مہر مقرر کیا گیا ہو اس سے زیادہ عورت کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ عورت اسی مقررہ مقدار پر راضی تھی اور دو عاقدین مقررہ مقدار سے زائد قیمت کے ساتھ منافع جات کی قیمت نہیں چکاتے، لہٰذا مقررہ مہر سے زائد قیمت نہیں ہوگی، اور دونوں مہروں میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا، اصل تو مہر مثلی ہے۔ اسی لئے امام زفر کے نزدیک مہر مثلی ہوگا خواہ جہاں تک پہنچتا ہو۔

۲۔ ثبوت نسب...... اگر صحبت کے بعد حمل ٹھہر گیا تو پیدا ہونے والا بچہ نکاح کی طرف منسوب ہوگا، کیونکہ اس میں بچے کو زندہ رکھنے کی احتیاط ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔

۳۔ وجوب عدت...... جمہور حنفیہ کے نزدیک جونہی دونوں (میاں بیوی) کے درمیان تفریق عمل میں لائی جائے گی اسی وقت سے عورت پر عدت واجب ہوگی، حنفی مذہب میں یہی قول درست اور صواب ہے، چونکہ وطی کے بعد نکاح فاسد حق فراش کے اعتبار سے منعقد سمجھا جاتا ہے، اور فراش تفریق سے قبل ختم نہیں ہوتا، بنا بر ہذا عدت صحبت کے بعد واجب ہوگی خلوت کے بعد واجب نہیں ہوگی، نیز یہ عدت طلاق بوقت تفریق سے شمار کی جائے گی یا یہ کہ خاوند عورت کو چھوڑنے کی ٹھان لے اگر چہ عورت کو اس کا علم نہ ہو۔ اصح قول یہی ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عدت کا وقت آخری بار جماع کرنے کے بعد سے شروع ہو جائے گا کیونکہ عدت وطی سے واجب ہوئی ہے اور عدت استبراء رحم کے لئے واجب ہوتی ہے اور حمل وطی سے ٹھہرتا ہے۔ جبکہ اگر کسی محرم کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو تو اس کی پاداش میں عدت نہیں ہوگی، اسی طرح غیر کی منکوحہ یا غیر کی معتدہ پر بھی عدت نہیں، بشرطیکہ ناکح کو علم ہو کہ منکوحہ کسی دوسرے کے نکاح میں ہے، کیونکہ اس نکاح کے جواز کا قول کسی نے نہیں کیا، لہٰذا سرے سے یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا جیسے محرم کے ساتھ نکاح باطل ہوتا ہے۔

۴۔ حرمت مصاہرت کا ثبوت...... چنانچہ نکاح فاسد کے تحت لائی ہوئی عورت کے اصول (ماں، دادی، نانی) اور فروع (بیٹی، پوتی) مرد پر حرام ہو جاتے ہیں اسی طرح عورت بھی مرد کے اصول وفروع پر حرام ہو جاتی ہے۔

نکاح فاسد پر دوسرے احکام مرتب نہیں ہوتے چنانچہ اس نکاح میں عورت کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، عورت پر خاوند کی اطاعت واجب نہیں ہوتی، مرد اور عورت کے درمیان وراثت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۵۱ کے تحت نکاح فاسد کے احکام پر یوں تصریح کی گئی ہے۔

۱)...... دخول سے قبل نکاح فاسد، نکاح باطل کے حکم میں ہے،

۲)...... دخول ہو جانے کے بعد درج ذیل نتائج مرتب ہوں گے۔

(ا)...... مہر مسمّی اور مہر مثل میں سے جو قلیل ہو واجب ہوگا۔

(ب)...... اولاد ناکح کی طرف منسوب ہوگی دفعہ ۱۳۳ میں اس حکم کی صراحت کی گئی ہے۔

(ج)...... حرمت مصاہرہ ثابت ہوگی۔

(د)...... تفریق یا ناکح کے مرجانے کی وجہ سے عورت پر عدت واجب ہوگی، عدت کا نفقہ ناکح کے ذمے واجب ہوگا، البتہ وراثت

نہیں ہوگی۔

۳)..... جب تک عورت فساد نکاح سے جاہل ہواس وقت تک وہ زوجہ ہونے کے ناطے نفقہ کی مستحق ہوگی۔

نکاح باطل کا حکم اور اس کی مختلف انواع:

ا۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح باطل اور اس کی انواع..... حنفیہ کے نزدیک نکاح باطل وہ ہوتا ہے جس کے کسی رکن میں خلل واقع ہو یا شرائط انعقاد میں سے کسی شرط میں کوئی خلل ہو، مثلاً غیر ممیز بچے کی شادی کرادی، یا ایجاب وقبول میں ایسے الفاظ بولے جو معنی مستقبل پر دلالت کرتے ہوں، اسی طرح راجح رائے کے مطابق محارم مثلاً بہن، پھوپھی، خالہ کے ساتھ نکاح کرلیا، شادی شدہ عورت کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرلینا جبکہ شوہر ثانی کو اس کے شادی شدہ ہونے کا علم ہو، مسلمان عورت کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح بھی نکاح باطل ہے، اسی طرح مسلمان مرد کا غیر کتابیہ کافرہ کے ساتھ نکاح کرلینا مثلاً مجوسیہ یا بت پرست کے ساتھ نکاح کرلیا۔

نکاح باطل کا حکم..... نکاح باطل پر نکاح صحیح کے اثرات اصلاً ہی مرتب نہیں ہوتے۔ چنانچہ نکاح باطل میں عورت کے ساتھ صحبت حلال نہیں، اس سے مہر واجب نہیں ہوتا، عورت کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، عورت پر خاوند کی اطاعت واجب نہیں ہوتی، مرد عورت کے درمیان وراثت ثابت نہیں ہوتی، حرمت مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوتی، واجب ہے کہ ناکح اور منکوحہ کو صحبت کرنے کا موقع نہ دیا جائے اگر دخول ہوگیا تو قاضی جبراً دونوں کے درمیان تفریق کردے، تفریق کے بعد عدت واجب نہیں ہوگی جیسے اجازت سے قبل نکاح موقوف میں عدت واجب نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۴۸ / ۲ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ: مسلمان عورت کا غیر مسلمان مرد کے ساتھ نکاح باطل ہے، دفعہ ۵۰ میں نکاح باطل کے احکام پر یوں صراحت ہے۔ نکاح باطل پر نکاح صحیح کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اگر چہ دخول ہو بھی گیا ہو۔

۲۔ مالکیہ کے نزدیک نکاح باطل کا حکم اور اس کی انواع:

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح فاسد اور نکاح باطل ایک ہی معنی میں ہیں، مالکیہ کے نزدیک نکاح باطل یا نکاح فاسد وہ ہوتا ہے جس کے کسی رکن یا شرائط صحیحہ میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہو، اسکی دو قسمیں ہیں۔

ا)..... وہ نکاح جس کے فساد پر سبھی فقہاء کا اتفاق ہے جیسے نسبی یا رضائی محرم کے ساتھ نکاح۔

ب)..... وہ نکاح جس کے فساد پر فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ یہ وہ نکاح ہے جو مالکیہ کے نزدیک فاسد ہے اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ خلاف قوی ہو جیسے مثلاً مریض نے نکاح کرلیا، چنانچہ مریض کا نکاح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

اگر خلاف ضعیف ہو۔ مثلاً نکاح متعہ اور پانچویں عورت کے ساتھ نکاح تو اس نکاح کے فساد پر فقہاء کا اجماع ہے۔

نکاح فاسد یا باطل کے مختلف احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ اس نکاح پر تحریم کا حکم لگانا اور فی الفور فسخ کا اقدام کرنا ضروری اور واجب ہے، تاکہ جتنا جلدی ہو معصیت کا خاتمہ ہو، اگر فسخ کا علم پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، برابر ہے کہ نکاح کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو، چنانچہ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ۔ ہر وہ نکاح جو قبل از دخول فسخ کردیا جائے تو اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہوتی خواہ اس نکاح کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو خواہ فساد، عقد کی وجہ سے ہو یا مہر کی وجہ سے۔ چنانچہ فسخ قبل از دخول ایسی طلاق کے حکم میں نہیں جو نکاح صحیح میں قبل از دخول ہو۔ چنانچہ قبل از دخول نکاح فسخ کردینے سے

کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔

اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کر دی تو کیا عقد فسخ کیا جائے گا یا نہیں؟ دخول کے بعد عقد فاسد جو قابل فسخ ہو کی تین قسمیں ہیں۔

ا.....پہلی قسم جس کا فسخ ہمہ وقت واجب ہوتا ہے اگر چہ دخول کے بعد عرصہ گزر چکا ہو، یہ وہ نکاح ہے جس کا فساد ایجاب وقبول میں ہو، یا عاقدین میں ہو یا محل عقد میں ہو جیسے نسبی یا رضاعی محرم سے نکاح کر لینا، نکاح، متعہ، چار سے زائد عورتوں سے نکاح، ولی کے بغیر نکاح، گواہوں کے بغیر نکاح، مریض الموت کا نکاح، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول کے مطابق مریض الموت کا نکاح جائز نہیں اگر چہ یہ نکاح صحیح ہوتا ہے لیکن اسے فسخ کرنا ضروری ہے۔

ب.....دوسری قسم وہ نکاح جسے فسخ کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ باقی رکھا جاتا ہے، یہ وہ نکاح ہے جس کا فساد مہر کی وجہ سے ہو یا مجہول مہر کی وجہ سے ہو یا فساد ایسی کسی شرط کی وجہ سے ہو جو نکاح کے مقصد کے منافی ہو، مثلاً نکاح میں یہ شرط لگادی کہ خاوند بیوی کے ساتھ رات کو مباشرت نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگادی کہ مرد بیوی کو نفقہ نہیں دے گا یا یہ شرط لگادی کہ اس بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کی باری مقرر نہیں کرے گا۔

ج.....تیسری قسم، وہ نکاح جس کا فسخ کرنا واجب ہو بشرطیکہ دخول کے بعد عرصہ طویل نہ گزرا ہو، چنانچہ اگر عرصہ طویل گزر چکا ہو تو نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، یہ قسم تین صورتوں پر مخصر ہے۔

ا.....کمسن یتیم بچی کی شادی کرادی جائے جبکہ شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

۲.....ولایت عامہ کے تحت شریف عورت کا نکاح کر دینا جبکہ ولی خاص موجود ہو۔

۳.....نکاح سر یعنی جس میں خاوند گواہوں کو وصیت کر دے کہ یہ نکاح میری دوسری بیوی یا کسی مخصوص جماعت سے پوشیدہ رکھا جائے، لیکن یتیم لڑکی اور شریف عورت کی صورت میں عرصہ کی طوالت کا اعتبار تین سال کے گزرنے سے کیا جائے گا یا دو بچے جنم دینے سے کیا جائے گا جبکہ نکاح سر میں طول زمانہ کا اعتبار بحسب عرف ہوگا، اس عرف کا حاصل یہ ہے کہ جتنے عرصہ میں خاص وعام کو عادۃً خبر ہو جاتی ہو۔

قبل از دخول یا بعد از خول فسخ طلاق سمجھی جائے گی، اگر بعد میں عقد صحیح ہو جائے تو طلاق دہندہ کے پاس فقط دو طلاقیں باقی رہ جائیں گی۔

۲۔دخول سے مہر کا واجب ہو جانا..... نکاح فاسد یا باطل میں دخول سے مہر واجب ہو جاتا ہے جب کہ محض خلوت سے مہر واجب نہیں ہوتا، برابر ہے کہ نکاح کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو۔ استحقاق مہر کے حوالہ سے دیکھا جائے گا کہ اگر مہر متعین ومقرر ہو تو وہی عورت کو ملے گا، اور اگر مہر مقرر نہیں تو مہر مثل دینا ہوگا۔

۳۔اولاد کا نسب ثابت ہو جائے گا..... اگر عقد کے فساد میں اختلاف ہو تو پیدا ہونے والی اولاد ناکح کی طرف منسوب گی، اور وہ عقد جس کا فساد متفق علیہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، تاہم وطی زنا نہیں سمجھی جائے گی، بشرطیکہ مرد حرمت وطی سے واقف نہ ہو۔ اگر اسے پتہ ہو کہ یہ وطی حرام ہے تو وطی کو زنا سمجھا جائے گا اور حد واجب ہوگی، نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

بنابریں معتدہ کے نکاح کی صورت میں بھی عدم علم کی وجہ سے حد ٹل جاتی ہے، اسی طرح محرم یا رضاعی محرم کے ساتھ وطی کرنے پر بھی حد ٹل جاتی ہے۔ اور اگر ناکح کو علم ہو کہ منکوحہ اس کی ذی رحم محرم ہے یا رضاعی محرم یا وہ معتدہ ہے یا وہ پانچویں عورت ہے تو ناکح پر حد جاری کی جائے گی، البتہ معتدہ کے ساتھ وطی کر لینے کی پاداش میں ناکح پر حد ہوگی یا نہیں اس میں دونوں اقوال ہیں۔

۴۔ثبوت وراثت..... یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ صرف اس صورت میں ہے کہ نکاح کا فساد مختلف فیہ ہو، چنانچہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا اور ابھی فسخ نہیں کیا گیا تھا تو دوسرا فرد میت کا وارث بنے گا، خواہ مرد نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، مالکیہ کے نزدیک مرض الموت میں کیے ہوئے نکاح میں زندہ فرد کو وراثت سے حصہ نہیں ملے گا جبکہ اس میں جمہور کا اختلاف ہے۔

اگر نکاح کا فساد متفق علیہ ہو تو زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے، کیونکہ ایسا نکاح تو سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اسی طرح جو عقد علماء کے درمیان مختلف فیہ ہو اس میں، منکوحہ کے ساتھ وطی کر لینے سے حد واجب نہیں ہوتی جیسے حالت احرام میں کیا ہوا نکاح یا نکاح شغار یا عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنے تئیں نکاح کر لے تو ان صورتوں میں وطی کر لینے پر حد نہیں ہوگی۔

۵۔ **حرمت مصاہرت کا ثبوت**...... چنانچہ دخول یا مقدمات جماع سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی جبکہ عقد مختلف فیہ ہو، اسی طرح اگر عقد کا فساد متفق علیہ ہو تو بھی وطی اور مقدمات سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وطی کو موجب حد نہ سمجھا گیا ہو، اور اگر وطی کو زنا کے معنی میں لیا گیا ہو جو موجب حد ہو تو اس سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی۔ یہی قول قابل اعتماد ہے۔

محض عقد فاسد جو مختلف فیہ ہو سے عورت، مرد کے اصول وفروع پر حرام ہو جاتی ہے اور مرد عورت کے صرف اصول پر حرام ہو جاتا ہے کیونکہ محض عقد نکاح سے عورت کی ماں ناکح پر حرام ہو جاتی ہے جبکہ محض عقد ہو جانے سے منکوحہ کے فروع یعنی بیٹیاں حرام نہیں ہوتیں، اور جب منکوحہ کے ساتھ خاوند وطی کر لیتا ہے تو منکوحہ کی بیٹیاں ناکح پر حرام ہو جاتی ہیں۔

۶۔ **عدت کا وجوب**...... اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کر لی یا اس قدر اسے خلوت نصیب ہوئی کہ جنسی اتصال ممکن تھا اور پھر عقد فسخ کر دیا گیا تو عدت عورت پر واجب ہوگی، خواہ عقد کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو۔ فسخ عقد کے بعد فرقت کے وقت ہی سے عدت کی ابتداء ہو جائے گی۔

نکاح ہائے فاسدہ جو کہ مختلف فیہا ہوں کی مختلف انواع:

نکاح ہائے فاسدہ چار ہیں، ان کے متعلق صراحۃً نہی وارد ہوئی ہے، وہ یہ ہیں: نکاح شغار، نکاح متعہ، مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجنا اور نکاح بشرط حلالہ۔ (۱)

نکاح شغار...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی زیر ولایت خاتون (مثلاً بہن یا بیٹی) کا نکاح دوسرے شخص سے کرتا ہے اور اس کے زیر ولایت خاتون کو اپنے نکاح میں لاتا ہے الگ سے مہر مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر عورت کی بضع دوسری کا مہر قرار دیا جاتا ہے۔ نکاح شغار کے اس معنی اور تعریف پر علماء کا اتفاق ہے، اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اس کے متعلق صریح نہی وارد ہوئی ہے اور اس میں مہر کی بھی نفی کی جاتی ہے، پھر آگے علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ اگر نکاح شغار کا وقوع ہو جائے تو کیا مہر مثل سے نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نکاح شغار کبھی بھی صحیح نہیں ہوتا اور اسے فسخ کرنا واجب ہوتا ہے خواہ دخول ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔ (۲) اور شغار کی تعریف اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ نکاح شغار میں اگر مہر مثل تسلیم کر لیا جائے تو وہ صحیح ہو جاتا ہے رہی بات ورود نہی کی سو وہ کراہت پر محمول ہے، اور کراہت سے فساد عقد واجب نہیں ہوتا، گویا شریعت نے نکاح شغار کے متعلق دو چیزوں کو واجب کیا ہے، کراہت اور مہر مثل کو۔

منشاء اختلاف...... نکاح شغار کے متعلق آنے والی نہی عدم عوض کے ساتھ معلل ہے یا غیر معلل ہے؟ سو اگر ہم کہیں کہ نکاح شغار

(۱)......بداية المجتهد ۲/ ۵۷، الدر المختار ۲/ ۴۰۷، الشرح الكبير ۲/ ۲۳۹، الشرح الصغير ۲/ ۳۸۸، القوانين الفقهية ۲۰۴، المهذب ۲/ ۴۶، مغنى المحتاج ۳/ ۱۴۲، المغنى ۶/ ۶۴۱ اللباب ۳/ ۲۰ مختصر الطحاوى (۲) ۱۸۱ رواه الجماعة عن نافع عن ابن عمر (نيل الاوطار ۲/ ۱۴۰)

غیر معلل ہے تو مطلقاً فسخ نکاح لازمی ہوگا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ نکاح شغار کے متعلق آنے والی نہی عدم عوض کے ساتھ معلل ہے تو عقد مہر مثل کے طے کر لینے سے صحیح ہو جائے گا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کر کے نکاح کر لیا جائے۔

خلاصہ...... جمہور کے نزدیک نکاح شغار باطل ہے، حنفیہ کے نزدیک صحیح مگر مکروہ تحریمی ہے، تاہم جمہور کے نزدیک دخول سے حرمت مصاہرہ اور وراثت ثابت ہو جاتی ہے۔

نکاح متعہ...... نکاح متعہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ اتنی مدت کے لیے متعہ کرتا ہوں۔ اور نکاح موقت یہ ہے کہ ایک شخص

کسی عورت کے ساتھ مثلاً دس دن کی مدت کے لئے شادی کر لے، یہ دونوں نکاح باطل ہیں، نکاح متعہ تو سوائے شیعہ کے بالا جماع باطل ہے، اور نکاح موقت چونکہ نکاح متعہ کے معنی میں ہے اس لئے باطل ہے (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اور عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے، امام زفر اور شیعہ نکاح موقت کو صحیح اور لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ نکاح شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا یہ علت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ہے۔ بقیہ تفاصیل گزر چکی ہیں۔

مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجنا...... اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام بھیجا ہو اور اس کے پیغام کا مثبت یا منفی جواب نہ ملا ہو کہ دوسرا شخص اسی عورت کے متعلق پیغام نکاح بھیج دے اور اس دوسرے شخص کا نکاح ہو جائے۔ چنانچہ حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، تاہم جمہور فقہاء کے نزدیک یہ نکاح صحیح تصور ہوگا، اور زوجین کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، کیونکہ نہی نفس عقد کے متعلق وارد نہیں ہوئی بلکہ نہی امر خارجی کی طرف وارد ہوئی ہے جو عقد نکاح کی حقیقت سے باہر ہے، لہٰذا عقد باطل نہیں ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے غصب کیے ہوئے پانی سے وضو کر لیا جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دخول سے قبل ہی ایک طلاق بائنہ سے نکاح فسخ کرنا ضروری ہے، مالکیہ کے ہاں یہی قول باعتماد ہے۔

نکاح شرط حلالہ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں اور طلاق دہندہ اسے از سر نو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہو وہ حلالہ کی شرط پر مطلقہ کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرادے جو وطی کرنے کے بعد اسے طلاق دے اور عورت پھر پہلے خاوند کے پاس آجائے یہ نکاح حرام باطل اور واجب الفسخ ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ

اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے ان دونوں پر لعنت کرے۔ ❶

شافعیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ یہ نکاح معصیت اور گناہ کا باعث ہے تاہم صحیح ہے کیونکہ عقد کی بظاہر شرائط اور ارکان مکمل ہیں۔

سبب اختلاف...... چونکہ فقہاء کا مفہوم حدیث میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ:

لعن اللّٰہ المحلل

میں جن فقہاء نے لعنت سے فقط گناہ گار قرار دینا مراد لیا ہے ان کے نزدیک نکاح صحیح اور جن فقہاء نے لعنت سے گناہ گاری مع فساد عقد مراد لیا ہے ان کے نزدیک نکاح بشرط حلالہ فاسد ہے چونکہ نہی فساد منہی عنہ کی مقتضی ہے۔

---

❶...... راہ ابو داؤد وابن ماجہ والترمذی وقال حدیث حسن صحیح

۳۔شافعیہ کے نزدیک نکاح ہائے باطلہ کی مختلف انواع..... نکاح باطل وہ ہے جس کے رکن میں کوئی خلل واقع ہو اور فاسد وہ ہے جس کی کسی شرط میں کوئی خلل واقع ہو، فساد انعقاد نکاح کے بعد پیش آتا ہے، شافعیہ کے نزدیک نکاح باطل اور نکاح فاسد کا ایک ہی حکم ہے، وہ یہ کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی نکاح صحیح کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، مہر نہیں ہوگا، عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، حرمت مصاہرہ ان دونوں نکاحوں سے ثابت نہیں ہوگی، نسب بھی ثابت نہیں ہوگا، عورت پر عدت بھی نہیں ہوگی، شافعیہ کے نزدیک نکاح ہائے باطلہ جن کے متعلق نہی وارد ہوئی ویسے تو بہت سارے ہیں تاہم ان میں سے اہم نو ہیں۔ ❶

۱۔نکاح شغار..... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنی بیٹی کی شادی کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کرادے کہ وہ بھی اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروائے بایں طور کہ ان میں سے ہر عورت کا بضع۔ ❷ دوسری عورت کا مہر قرار پائے۔ اگر بضع کو مہر قرار نہ دیں بلکہ دونوں خاموش رہیں اور ہر عورت کے لئے مہر مثل ہو تو اصح قول کے مطابق نکاح صحیح ہوگا۔ نکاح شغار کے باطل ہونے کی وجہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہونے والی نہی ہے۔ لاشغار فی الاسلام۔ اسلام میں شغار کی گنجائش نہیں۔ ❸ چنانچہ نہی منہی عنہ کے فساد کی مقتضی ہوتی ہے، یعنی جس چیز کے متعلق نہی وارد ہو وہ فاسد ہوتی ہے۔

۲۔نکاح متعہ..... نکاح متعہ کا معنی بارہا گزر چکا ہے۔ اگر شرط خیار کے ساتھ نکاح کیا جائے تو عقد باطل ہوتا ہے کیونکہ عقد نکاح ایسا عقد ہوتا ہے جسے توقیت (مدت کی تعیین) باطل کردیتی ہے لہٰذا نکاح بھی شرط خیار سے باطل ہوجاتا ہے جیسے بیع باطل ہوجاتی ہے۔

۳۔حالت احرام میں نکاح..... خواہ مرد نے احرام باندھ رکھا ہو یا عورت نے کسی کا بھی نکاح صحیح نہیں ہوتا، خواہ حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا، اسکی دلیل حدیث سابق ہے کہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کیا جائے۔

البتہ حالت احرام میں رجعت اور نکاح کی گواہی دینا صحیح ہے۔

۴۔تعدد ازواج..... اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عورت کے دو ولی ہوں جو ہم پلہ ہوں وہ دونوں الگ الگ طور پر عورت کا نکاح کروادیں گویا ایک ہی عورت کا نکاح دو مردوں سے ہوجائے جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس ولی نے نکاح منعقد کیا، اگر دونوں خاوندوں میں سے کسی ایک نے عورت کے ساتھ صحبت کردی تو عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوجائے گا۔ اور اگر دونوں نے صحبت کردی تو ان میں سے ہر ایک پر عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا، اگر یہ معلوم ہوجائے کہ پہلے فلاں خاوند کا نکاح ہوا ہے تو اسی کا نکاح صحیح متعین ہوجائے گا۔

۵۔نکاح معتدہ..... اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ عورت جو استبراء رحم کی عدت گزار رہی ہو خواہ مطلقہ ہو یا وطی بالشبہ کے سبب سے استبراء رحم کررہی ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے۔

اگر ناکح نے وطی کرلی تو اسے حد لگائی جائے گی، ہاں البتہ اگر وہ دعویٰ کرے کہ اسے عدت اور استبراء رحم کی عدت کے دوران نکاح کرنے کی حرمت کا علم نہیں تو پھر اس پر حد زنا نہیں ہوگی، تاہم دیکھا جائے گا کہ اگر وہ نو مسلم ہو یا علماء سے دور کہیں اس نے پرورش پائی ہو تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔

۶۔ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جسے حمل کا شک ہو..... یعنی وہ عورت عدت میں ہو اور ابھی اس کی عدت گزری نہ ہو اور اسے تردد ہو کہ آیا وہ حاملہ ہے یا نہیں تو ایسی عورت کے ساتھ بھی نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ شک کا زائل کرنا ضروری ہے، سو اگر کسی شخص نے

---

❶ ..... حاشیة الشرقاوی علی تحفة الطلاب بالزکریا الأنصاری ۲/ ۲۳۳، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۲، المهذب ۲/ ۴۶۔ ❷ بضع کا اطلاق نکاح پر بھی ہوتا ہے جماع پر بھی ہوتا ہے اور عورت کی شرمگاہ پر بھی (النهایه لابن الأثیر ۱/ ۱۳۳) یہاں مراد شرمگاہ ہے۔ ❸ رواه مسلم عن ابن عمرؓ، وروی مسلم و احمد حدیثاً آخر عن ابی هریرةؓ۔

عورت کے ساتھ نکاح کیا وہ سمجھا کہ یہ عورت معتدہ یا مستبرأۃ ہے یا محرمہ ہے پھر حقیقت حال اس کے خلاف نکلی تو بھی نکاح باطل ہے کیونکہ حلال ہونے میں تردد ہے۔

۷۔ **کافرہ غیر کتابیہ کے ساتھ مسلمان کا نکاح**......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی کافر عورت جو کتابیہ (نصرانیہ یا یہودیہ) نہ ہو بلکہ بت پرست ہو یا مجوسی ہو یا سورج کی پجارن ہو یا مرتدہ (قادیانیہ) ہو یا خالص کتابیہ نہ ہو مثلاً وہ ایسی عورت ہو جو کتابی مجوسیہ کے جوڑ سے پیدا ہوئی ہو یا اس کے برعکس ہو تو ایسی عورت کے ساتھ نکاح باطل ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ...... البقرۃ ۲/۲۲۱

مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اور وہ عورت جو کتابی اور مجوسیہ کے جوڑ سے پیدا ہوئی ہو اس کے ساتھ نکاح جہت حرمت کے غالب ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

رہی بات کتابیہ کی سو وہ اگر اسرائیلیہ ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے اگر چہ اس کے اصول (باپ، دادا) یہودیت میں داخل نہ ہوئے ہوں۔

اور اگر کتابیہ اسرائیلیہ نہ ہو تو وہ نصرانیہ ہوگی اس کے ساتھ بھی نکاح کرنا حلال ہے بشرطیکہ اس کے اصول کا نصرانیت میں داخل ہونا یقینی ہو۔

یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ نکاح کے مباح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ......المائدۃ ۵/۵

اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

کتاب سے مراد تورات وانجیل ہے، ساری آسمانی کتابیں اور سابق صحیفے جیسے ادریس علیہ السلام کا صحیفہ شیث اور ابراہیم علیہ السلام کے مراد نہیں ہیں۔

۸۔ **ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہونے والی عورت کے ساتھ نکاح**......اصطلاح میں ایسی عورت کو مرتدہ کہا جاتا ہے (جیسے ہمارے زمانے میں قادیانیہ عورت) چنانچہ ایسی عورت اگر اسلام کا جھانسہ دے تو اس کا اسلام قابل قبول نہیں ہوگا اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں۔

۹۔ **مسلمان عورت کا نکاح کافر کے ساتھ**......مسلمان عورت اگر کافر یا مرتد کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کا یہ نکاح باطل ہوگا، کیونکہ بالاجماع مسلمان غیر مسلم کے لئے حلال نہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ ...... البقرۃ ۲/۲۲۱

مشرکین کا نکاح مت کراؤ۔

اسی طرح مرتد عورت بھی نہ تو مسلمان کے لئے حلال ہے نہ کافر کے لئے چونکہ وہ کافر ہے ارتداد پر برقرار نہیں رہ سکتی۔ اور کافر کے لئے اس لئے حلال نہیں کہ اسلام کے ساتھ ایک گونہ اس کا تعلق باقی ہے۔

اگر دخول سے قبل زوجین دونوں مرتد ہو جائیں یا کوئی ایک مرتد ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائے گا، اور اگر دخول کے بعد مرتد ہوا تو انہیں مہلت دی جائے گی اگر دوران عدت اسلام پر جمع ہو گئے تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اسلام پر جمع نہ ہوئے تو نکاح برقرار نہیں رہے گا۔

اس بحث کے ضمن میں نکاح کی کچھ مکروہ صورتیں ہیں جیسے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا، حلالہ کی نیت سے نکاح جس

حلالہ کی شرط نہ لگائی گئی ہو، اور اگر حلالہ کرنے والے نے اس شرط کے ساتھ نکاح کرلیا کہ جب مطلقہ کے ساتھ وطی کرلے گا تو اسے طلاق دے دے گا تو پھر یہ نکاح باطل ہوگا۔

۴۔ حنابلہ کے نزدیک نکاح فاسد کی مختلف انواع..... نکاح فاسد کی دو قسمیں ہیں۔ ❶

پہلی قسم..... کہ نکاح سرے ہی سے باطل ہو۔ اس طرح کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ نکاح شغار..... کہ ایک شخص اپنے زیر ولایت خاتون کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کرائے کہ وہ شخص بھی اپنی زیر ولایت خاتون کا نکاح اس سے کرائے گا اور مہر مقرر نہ ہو، یا متعین دراہم کے ساتھ ساتھ بضع کو بھی مہر قرار دے دیا جائے، یہ نکاح فاسد ہے۔

۲۔ نکاح بشرط حلالہ..... مرد کسی (مطلقہ) عورت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کرلے کہ وہ اسے حلال کرکے طلاق دے دے گا یا وطی کے بعد ان کے درمیان نکاح باقی نہیں رہے گا، یا خاوند اس کی نیت کرلے یا خاوند اور حلالہ کرنے والا دونوں عقد سے پہلے حلالہ پر اتفاق کرلیں تو نکاح حرام ہوگا اور عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

۳۔ نکاح متعہ..... ایک مدت کے لئے شادی کرنا یا نکاح میں متعین وقت پر طلاق دینے کی شرط لگا دینا، یا دل میں اس کی نیت کرلینا یا پردیسی شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ جب وطن واپس لوٹے گا تو عورت کو طلاق دے دے گا، یا مثلاً مرد عورت سے کہے میرے ساتھ متعہ کرلو عورت کہے میں نے تمہارے ساتھ متعہ کرلیا جبکہ نہ ولی موجود ہو اور نہ ہی گواہ موجود ہوں۔ چنانچہ یہ نکاح باطل ہے، مبتلا بہ پر تعزیر ہوگی۔ اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

۴۔ نکاح معلق..... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا نکاح جو کسی چیز پر معلق کرلیا گیا ہو مثلاً کوئی کہے: مہینے کے آخر میں تمہارے ساتھ نکاح کرلوں گا، یا کہے: میں نے نکاح کرلیا اگر عورت کی ماں رضامند ہوئی یا کہے: اگر میری بیوی نے بچی جنم دی تو میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کروادیا۔ یہ نکاح بھی فاسد ہے کیونکہ اسے کسی شرط پر معلق کردیا جاتا ہے۔

نکاح باطل کی حنابلہ کے ہاں مزید صورتیں ہیں، مثلاً شادی شدہ عورت کے ساتھ نکاح، معتدہ کے ساتھ نکاح اور اگر ان نکاحوں میں زوجین کو حرمت کا علم ہو تو صحبت کرنے پر وہ زانی کہلائیں گے اور دونوں پر حد جاری کی جائے گی، اور نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

رہی بات نکاح فاسد جس کی اباحت میں اختلاف ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا بغیر ولی کے نکاح تو اس نکاح میں صحبت ہو جانے پر زوجین پر حد زنا نہیں ہوگی، کیونکہ اس قسم کے نکاح کی اباحت میں علماء کا اختلاف ہے اور حد شبہ سے ٹل جاتی ہے اور اختلاف تو قوی تر شبہ ہے۔

دوسری قسم..... نکاح تو صحیح ہوتا ہے البتہ شرط صحیح نہیں ہوتی:۔

مثلاً مرد نے یہ شرط لگادی کہ عورت کو مہر نہیں دے گا یا یہ شرط لگادے کہ اس عورت کو اس کی سوکن کے مقابلہ میں زیادہ باری دے گا یا کم باری دے گا، یا زوجین وطی نہ کرنے کی شرط لگالیں یا کوئی ایک وطی نہ کرنے کی شرط لگادے یا دوائی وطی بجانہ لانے کی شرط لگادے، یا یہ شرط لگا دے کہ عورت اسے کوئی چیز دے یا عورت خاوند پر خرچہ کرے یا شرط لگادی کہ اگر عورت چھوڑ دی تو دیا ہوا خرچہ واپس لے گا، یا زوجین عقد میں خیار شرط رکھ لیں یا زوجین میں سے کوئی ایک خیار شرط رکھ لے یا یہ شرط لگادی جائے کہ فلاں وقت خاوند مہر لائے ورنہ نکاح باقی نہیں رہے گا یا یہ شرط لگادی کہ خاوند عورت کو سفر پر ساتھ لے کر جائے گا، یا یہ شرط لگادی کہ جب عورت کو صحبت کی خواہش ہوگی تب خاوند وطی کرے گا، یا یہ شرط لگا دی کہ مقررہ مدت تک عورت اپنا نفس خاوند کے سپرد نہیں کرے گی یا مرد ہفتہ میں صرف ایک رات عورت کے پاس گزارے گا یا یہ شرط لگا دی

❶ ..... غاية المنتهى ۳/۴۲، المغنی ۶/۴۰۰

کہ خاوند عزل کرے گا یا عورت کو وہاں ٹھہرائے گا جہاں عورت چاہ رہی ہو یا عورت کا باپ چاہ رہا ہو وغیرذالک ان تمام صورتوں میں عقد نکاح صحیح ہوگا لیکن شرط فاسد اور لغوتصور ہوگی۔

اگر زوج نے یہ شرط لگائی کہ عورت مسلمان ہو نکاح کے بعد واضح ہوا کہ عورت کتابیہ ہے یا شرط لگائی کہ عورت کنواری ہو یا خوبصورت ہو یا حسب ونسب والی ہو یا کسی ایسے عیب کے نہ ہونے کی شرط لگادی کہ اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہ کیا جاتا ہو اور بعد میں حقیقت حال شرط کے خلاف نکلی تو خاوند کو خیار حاصل ہوگا اور دخول کے بعد اس شخص پر رجوع کرے گا جس نے اس کو دھوکا دیا ہو۔

اور اگر خاوند نے کسی صفت کی شرط لگادی مثلاً کہا عورت کتابیہ ہو اور بعد میں عورت مذکورہ صفت سے اعلیٰ وافضل نکلی مثلاً وہ مسلمان نکلی تو مرد کو خیار نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ کمتر پر راضی تھا افضل پر بطریق اولی راضی ہوگا۔

پانچویں بحث......عقد نکاح کے مستحبات:

عقد نکاح کے مستحبات مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱۔عقد سے پہلے خاوند خطبہ دے......جس وقت خاوند شادی کی التماس اور گذارش کررہا ہو تو اس وقت خطبہ دے، جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے ہو، اس کے بعد خطبہ ایسی آیات پر مشتمل ہو جن میں تقوی اور نکاح کا مقصد ذکر ہو، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا التشہد اور خطبہ حاجت سکھایا، خطبہ حاجت یہ ہے:

”الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ، ونعوذ باللہ من شروانفسنا ومن سیئات اعما لنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لاالہ الااللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ“

اس کے بعد درج ذیل تین آیات پڑھے ان آیات کا خطبہ میں پڑھا جانا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

۱......یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ آل عمران ۳/ ۱۰۲

۲......یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۝ النساء ۴/ ۱

۳......یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۝ۙ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ......الاحزاب ۳۳/ ۷۰

اس کے بعد کہے: اما بعد! اللہ تعالیٰ نے ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور زنا سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ ؕ ...... النور ۲۴/ ۳۲

تم میں سے جو لوگ غیر شادی شدہ ہوں اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نیکوکار ہوں ان کی شادی کراؤ۔

خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا تشہد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام کافی ہوتا ہے، چنانچہ روایت منقول ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی تقریب نکاح میں بلائے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ یوں فرماتے:

---

❶......الشرح الصغیر ۲/ ۳۳۸، مغنی المحتاج ۳/ ۱۳۷، المھذب ۲/ ۴۱، المغنی ۶/ ۵۳۶ کشف القناع ۵/ ۳۰ تکملۃ المجموع ۵۴۸/۰ غایۃ المنتھی ۳/ ۲۶

الحمدللہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد

اس کے بعد فرماتے: فلاں شخص نے تمہارے پاس فلاں عورت کے متعلق پیغام نکاح بھیجا ہے، اگر تم اس کا نکاح کرادو تو الحمداللہ اور اگر رد کرو تو سبحان اللہ۔

عقد نکاح سے قبل صرف ایک ہی خطبہ مسنون ہے، دو خطبوں کا دینا بے حقیقت ہے، تاہم دو خطبوں کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ ایک خطبہ عاقد کی طرف سے ہوتا ہے اور دوسرا خاوند کی طرف سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف سے صرف ایک ہی خطبہ منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اولیٰ ہے۔

زوج اپنا مقصد یوں بیان کرے، ہم نے تمہاری صف میں شامل ہونے کا ارادہ کیا ہے اور ہم تمہاری سسرالی رشتہ داری کا ارادہ لے کر آئے ہیں، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے، آپ لوگ ہمیں اپنے پروں تلے سالو، وغیر ذالک۔ ولی یوں کہے کہ: ہم نے تمہیں قبول کرلیا ہے اور ہم تم سے راضی ہیں کہ تم ہمارا فرد بن گئے اور ہمارے بیچ جز وہوگے، وغیرہ۔

اگر عقد نکاح خطبہ کے بغیر منعقد ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ خطبہ نکاح مستحب ہے واجب نہیں، چنانچہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اپنے تئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرنا چاہا، آپ نے جب کوئی جواب نہ دیا تو ایک شخص بولا: یارسول اللہ: اس عورت کے ساتھ میری شادی کروادیں، بعد ازاں آپ نے اس شخص سے فرمایا: میں نے اس قرآن کے سبب اس عورت کے ساتھ تمہاری شادی کروادی جو کہ تمہیں زبانی یاد ہے ❶ حدیث میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے خطبہ کا تذکرہ نہیں کیا، ابوداؤد نے بنی سلیم کے ایک شخص کی اسناد سے حدیث روایت کی ہے اس شخص کا کہنا ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ بنت عبدالمطلب کے متعلق پیغام نکاح دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر تشہد (خطبہ) کے امامہ کے ساتھ میرا نکاح کروادیا، نیز نکاح عقد معاوضہ ہے، بیع کی طرح اس میں بھی خطبہ واجب نہیں۔

۲۔عقد ہوجانے کے بعد زوجین کے لئے دعائے خیر کرنا...... چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب کسی شخص کی شادی ہوجاتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبارکبادیوں دیتے:

بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير ❷

اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تمہارے اوپر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں میاں بیوی کو خیر و بھلائی میں جمع رکھے۔

زوجین کو یوں بھی مبارکباد دی جاسکتی ہے:

مبارك ان شاء الله ويوم مبارك وغير ذالك

۳۔عقد نکاح بروز جمعہ پچھلے پہر طے کرنا...... اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ شام کے وقت شادی کرو کیونکہ اس وقت برکت زیادہ ہوتی ہے۔ ❸ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جمعہ کا دن عظمت والا دن ہوتا ہے اور اسے یوم عید بھی کہا جاتا ہے، جبکہ نکاح میں برکت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے طلب برکت کے لئے عظمت والے دن کا انتظار مستحب ہے، پچھلے پہر (یعنی شام لے لگ بھگ) کا اس لئے انتخاب کیا گیا ہے چونکہ جمعہ کے دن پچھلے پہر میں قبولیت والی گھڑی پائی جاتی ہے۔

۴۔نکاح کا اعلان کرنا اور اس موقع پر دف بجانا...... تقریب نکاح کا یہ چوتھا مستحب ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔نکاح کا اعلان کرو۔ ❹

---

❶......متفق عليه بين احمد والشيخين. ❷رواه ابوداؤد والترمذی و صححه وحسنه واخرجه ابن ماجه ❸رواه ابوحفص ❹رواه الحاكم و صححه ورواه احمد عن عامر بن عبدالله بن الزبير واما حديث عائشه عند الترمذی ففيه ضعيف (سنبل السلام ۳/ ۱۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ترمذی کی حدیث میں ہے۔ نکاح کا اعلان کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔ نسائی کی روایت میں ہے۔ حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی چیز آواز ہے اور نکاح میں دف ہے۔

نکاح کے موقع پر مباح کلام کے گنگنانے میں کوئی حرج نہیں، ایسی کوئی غزل بھی گائی جاسکتی ہے جو کسی مخصوص شخص کے بارے میں نہ ہو بلکہ عمومی کلام ہو، بشرطیکہ گانے کے آلات لہو ولعب سے پاک ہو۔ چنانچہ ابن ماجہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک یتیم لڑکی کی شادی ایک شخص کے ساتھ کروائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں شامل تھیں جو لڑکی کو خاوند انصاری کے پاس لے جارہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہم واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا: اے عائشہ! تم لوگوں نے کیا کہا؟ میں نے عرض کیا: ہم نے سلام کیا اور برکت کی دعا کی، پھر واپس لوٹ آئے، اس پر آپ نے فرمایا: انصاری لوگوں میں غزل پڑھنے کا رواج ہے، اے عائشہ! تم لوگوں نے یوں کیوں نہیں کہہ دیا:

اتیناکم اتیناکم، فحیانا وحیاکم

ہم تمہارے پاس آئے ہیں، ہم تمہارے پاس آئے ہیں، لہٰذا تم ہمیں خراج تحسین پیش کرو ہم تمہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک بوقت عقد گواہوں کا ہونا شرط نہیں تاہم وہ کہتے ہیں کہ عقد کے وقت کے وقت گواہ بنانا مندوب ہے، تاکہ اختلاف سے نکل جائیں، مالکیہ فی نفسہ گواہی کے حق میں ہیں اور اگرچہ بوقت عقد گواہی نہ ہو جیسے خرید فروخت میں، لیکن عقد کی صحت راسخ نہیں ہوتی، اور اس نکاح کے ثمرات (یعنی ملک بضع سے جنسی تسکین کا نفع اٹھانا) مرتب نہیں ہوتے، ہاں البتہ زفاف سے پہلے پہلے گواہ بنالینا ضروری ہے۔ تاہم ایسا بھی جائز ہے کہ زوجین پوشیدہ طور پر عقد نکاح طے کرلیں پھر دو عادل آدمیوں کو نکاح پر گواہ بنالیں، مثلاً دو عادل گواہوں سے یوں کہیں: عقد ہم نے طے کرلیا اور یہ عقد فلاں مرد اور فلانی عورت کے درمیان طے ہوا۔ یا ولی دو عادلوں کو خبر کردے اور خاوند ان دو کے علاوہ مزید دو اور عادلوں کو خبر کردے، اتنا کافی نہیں ہوگا کہ ولی اور خاوند میں سے ایک، ایک عادل کو خبر کردے اور دوسرا، دوسرے عادل کو خبر کردے کیونکہ اس صورت میں دونوں عادل بمنزلہ واحد کے ہوں گے، گویا دو عادلوں کو خبر کرنا ضروری ہے۔ چاہے ولی اور خاوند الگ الگ دو دو عادلوں کو خبر کریں یا معاً دو عادلوں کو خبر کردیں۔

۵۔ مہر کا ذکر...... بوقت عقد مہر مقرر کرنا مستحب ہے، کیونکہ بوقت عقد مہر طے کرلینے سے دل کو اطمینان اور تسلی مل جاتی ہے اور مستقبل میں اختلاف پڑنے کا وہم ختم ہوجاتا ہے یہ بھی مستحب ہے کہ مہر نقدی ادا کیا جائے اور مؤجل نہ رکھا جائے۔

۶۔ ولیمہ کرنا...... ولیمہ اصطلاح میں اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے۔ ولیمہ کرنا سنت مستحبہ موکدہ ہے یہ جمہور علماء کا قول ہے، مالکیہ اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، بعض شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ ولیمہ وہ کھانا ہوتا ہے جو عارضی سرور اور خوشی کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے لہٰذا بقیہ کھانوں کی طرح واجب نہیں ہے۔

امام مالک کا دوسرا قول، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی کتاب الام میں منصوص قول اور ظاہریہ کی رائے ہے کہ ولیمہ واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی پکا کر کرو [1] حدیث میں اَولم بصیغہ امر لایا گیا ہے اور امر بظاہر وجوب کا مقتضی ہوتا ہے۔

ولیمے کا وقت...... ولیمہ کے وقت کے بارے میں اسلاف میں اختلاف ہے، آیا کہ بوقت عقد کیا جائے، یا عقد کے فوراً بعد، یا صحبت کے وقت، یا صحبت ہوجانے کے بعد یا ابتدائے عقد سے لے کر صحبت (سہاگ) ہوجانے تک۔

---

[1]......متفق علیہ عن انس (نیل الاوطار ۶ / ۱۷۰)

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک سہاگ کے بعد ولیمہ کرنا مستحب ہے، جبکہ مالکیہ کی ایک جماعت کے نزدیک بوقت عقد ولیمہ کرنا مستحب ہے، ابن جندب کے نزدیک بوقت عقد اور صحبت ہو جانے کے بعد، سبکی لکھتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارے میں یہ منقول ہے کہ ولیمہ دخول (صحبت) کے بعد مسنون ہے، چنانچہ بخاری وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اس میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی صبح کو لوگوں کو دعوت ولیمہ دی۔ ❶

مالکیہ کے نزدیک یہی معتمد قول ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں: عقد ہو جانے پر ولیمہ کرنا مسنون ہے، ہاں البتہ دخول (صحبت) سے کچھ پہلے ولیمہ کرنے کی عادت اور رواج عام ہے۔

نکاح کے موقع پر نچھاور کی گئی مٹھائی اخروٹ وغیرہ کا حکم...... چنانچہ شادی کے موقع پر عام رواج ہے کہ دولہا پر شکر، مٹھائی، اخروٹ، بادام اور چھوہارے، وغیرہ نچھاور کیے جاتے ہیں، چنانچہ ان چیزوں کو نچھاور کرنا امام شافعی اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ نچھاور کی گئی اشیاء کا چھینا جھپٹا گھٹیا اور کمتر فعل تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا اس طرح گرائی جانے والی مٹھائی کو کچھ لوگ اٹھا لیتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں اٹھاتے، اس لئے مٹھائی کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ ❷

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا...... حنفیہ کے نزدیک ولیمہ کی دعوت قبول کرنا مسنون ہے۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں: دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، پھر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب عینی ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی عذر مثلاً سردی، شدید گرمی یا کوئی اور مشغولیت مانع نہ ہو تو واجب ہے، کیونکہ حدیث ہے۔ جس شخص کو ولیمہ کی دعوت دی گئی ہو اور وہ اسے قبول نہ کرے اس نے ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ کی نافرمانی کی۔

ایک اور حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو شادی کے ولیمہ کی دعوت دی جائے تو وہ دعوت میں شریک ہو۔ ❸

دعوت میں حاضر ہونا واجب ہے یہاں تک کہ روزہ دار پر بھی واجب ہے لیکن کھانا کھانا لازمی نہیں، کیونکہ احمد رحمۃ اللہ علیہ مسلم اور ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو دعوت ولیمہ دی جائے تو وہ اسے قبول کرے اور اگر مدعو روزہ میں ہو تو دعا کر دے اور اگر روزے میں نہ ہو تو کھانا کھالے۔

اعذار دعوت...... ولیمہ کی دعوت قبول کرنا علی الاطلاق واجب نہیں بلکہ بعض اعذار کی وجہ سے قبول دعوت ساقط ہو جاتا ہے، تاہم علماء کی آراء حسب ذیل ہیں۔

شافعیہ: کہتے ہیں: اگر کسی شخص کو ایسی جگہ دعوت پر بلایا گیا جہاں منکرات ہو رہے ہوں مثلاً محفل ناؤ نوش شراب و کباب ہو یا طبلے، سارنگیاں بج رہی ہوں اور بین باجے بجائے جا رہے ہوں تو پھر اگر مدعو ان منکرات کے ازالہ پر قدرت رکھتا ہو تو وجوب دعوت میں حاضر ہونا اس پر لازمی ہے۔ اگر ازالہ منکرات کی قدرت نہ رکھتا ہو تو دعوت میں حاضر نہ ہو۔

کیونکہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جس پر شراب کے جام لنڈھائے جا رہے ہوں۔ ❶

حنابلہ...... ایسے شخص کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے جس نے دعوت کا انتظام مال حرام سے کر رکھا ہو، بلکہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کرنا،

---

❶ ...... نیل الاوطار ۲/ ۱۷۶ ❷ آج کل مٹھائی کی جگہ پھول تلے اور چمکین وغیرہ دولہا پر ڈالی جاتی ہے یہ مباح ہے بشرطیکہ اس میں دوسرے مفاسد نہ ہوں۔ تاہم نوجوان لڑکیاں اگر نچھاور کریں تو ممنوع ہے۔ نیز تبذیر ہے اس لئے اجتناب افضل ہے۔ ❸ الحدیث الاول رواہ مسلم والثانی رواہ مسلم و احمد۔ ❶ رواہ ابو داؤد عن ابن عمرؓ۔

اُس کی دعوت قبول کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اسکا ہبہ قبول کرنا اور اسکا صدقہ قبول کرنا مکروہ ہے۔حرام کی کثرت وقلت سے کراہت میں بھی کثرت وقلت ہو جاتی ہے۔عام حالات میں دعوت ولیمہ کھانا بالاتفاق مستحب ہے اگر چہ مدعو روزہ کی حالت میں کیوں نہ ہو، ہاں البتہ اگر واجب روزہ ہو تو نہ توڑے، کیونکہ نفلی روزہ کی صورت میں کھالینے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی خوشی میں بالفعل شامل ہو جائے گا۔

اگر ایک ہی دن میں ایک سے زائد دعوتیں ہو جائیں اگر ممکن ہو تو سب میں شرکت کرے۔اگر ممکن نہ ہو تو جس شخص نے سب سے پہلے دعوت دی ہو اس کی دعوت قبول کرے، بہتر یہ ہے کہ جو شخص قریبی رشتہ دار ہو اس کی دعوت پہلے قبول کرے، پھر پڑوسی کو دور کے داعی پر ترجیح دے اگر وجہ ترجیح نہ بن پڑے تو قرعہ ڈالے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں کہ جس شخص کو متعین کر کے ولیمہ کی دعوت دی گئی ہو دعوت کا قبول کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے، بشرطیکہ مجلس دعوت میں کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے امر دینی کا کوئی حرج ہوتا ہو یا دوسرے لوگوں کی دینداری متاثر ہوتی ہو۔مثلاً مجلس میں کوئی ایسا شخص ہو جس کا شیوا لوگوں کی عزتیں اور پگڑیاں اچھالنا ہو، یا مجلس ولیمہ میں کوئی منکر ہو۔مثلاً ریشم بچھا ہو یا سونے چاندی کے برتن ہوں یا مجلس میں نا و نوش کا انتظام ہو، یا مجلس میں گانے بجانے، عورتوں کے رقص اور آلات لہو ولعب کا انتظام یا مجلس میں پوری پوری تصویریں آویزاں کی گئی ہوں، ہاں البتہ سر کٹی تصویریں اور آفاق ومناظر کی سینریوں میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ کامل تصویر بالاجماع حرام ہے اور حرام چیز کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

ہجوم اور لوگوں کی بھیڑ کو بھی اعذار میں سے شمار کیا گیا ہے، چنانچہ لوگوں کی بھیڑ سے بھی قبول دعوت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح مدعو آیا اور آگے دروازہ بند کر دیا گیا تو بھی وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں جمعہ کے اعذار یعنی جن سے جمعہ کے لئے جامع مسجد نہ جانا مباح ہو جاتا ہے وہ اعذار قبول دعوت میں بھی موثر ہیں جیسے بارش، کیچڑ، قریبی رشتہ دار کی تیمارداری کی جانے پر مال کے ضیاع کا خوف ہو تو قبول دعوت واجب نہیں۔ ❶

آلات لہو ولہب کا حکم مالکیہ کے نزدیک...... مالکیہ کہتے ہیں بگل اور بانسری وغیرہ بجانا مکروہ ہے بشرطیکہ کثرت سے نہ بجائے جاتے ہوں، اور اگر کثرت سے بجائے جاتے ہوں کہ مجلس کا منظر محفل لہو ولعب دکھائی دے تو بجانا حرام ہے۔ایسا گانا جو فحش کلام پر مشتمل ہو یا ہذیان و بکواسات کا مجموعہ ہو اسے گانا بھی حرام ہے۔

دف بجانا مکروہ نہیں بشرطیکہ دف کے ساتھ دوسرے منکرات نہ ہوں، چنانچہ اگر دف کے ساتھ بین باجے بھی ہوں رقص وسرور بھی ہو تو دف بجانا حرام ہوگا، بڑا طبلہ جو مدور ہو بجانا بھی مکروہ نہیں۔بشرطیکہ اس کے ساتھ آلات ملاہی نہ ہوں۔

عز بن عبدالسلام کہتے ہیں: رہی بات عود باجے اور وتر وتانت والے معروف آلات جیسے چنگ ورباب سو مذاہب اربعہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ان آلات کا بجانا اور سننا حرام ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ یہ آلات صغائر میں شمار کیے گئے ہیں۔چنانچہ صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ ان آلات کا بجانا جائز ہے۔ ❷

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نص اور قیاس اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ گانا سننا، ❸ چھوٹا طبلہ بجانا اور دف وغیرہ بجانا مباح ہے۔اس اباحت سے آلات ملاہی، وتر والے آلات، سارنگی اور باجے مستثنیٰ ہیں چونکہ شریعت میں ان کے بارے صریح ممانعت

---

❶...... پاکستان میں بعض شہروں میں شادی کے موقع پر سلامی یا نیندرہ کا عام رواج ہے جسے باقاعدہ اندراج میں لایا جاتا ہے تاکہ سلامی دینے والا اپنے عزیز کی شادی پر واپس لے اور دی ہوئی مقدار سے زیادہ لے علماء نے اسے سود کہا ہے اس لئے حرام ہے۔تفصیل کے لئے مطلولات دیکھئے۔ ❷ واضح رہے حالات وظروف اور زمانہ کے بدلنے سے فتوی بدل جاتا ہے، آج کے واہی تباہی دور میں ان آلات یعنی چنگ ورباب کا بجانا اور سننا حرام قطعی ہے۔یہی حال بڑے طبلے کا ہے۔ ❸ گانے سے مراد اچھی سر کے ساتھ مباح کلام گنگنانا ہے جس کے ساتھ بین باجے نہ ہوں۔

وارد ہوئی ہے۔

رقص.....شادی کے موقع چونکہ رقص وسرود کی محفل بھی جمائی جاتی ہے اس مناسبت سے یہاں رقص کا حکم بیان کرنا ضروری ہے، چنانچہ رقص کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک رقص مکروہ ہے، ایک اور جماعت کے نزدیک مباح ہے، جبکہ علماء کی ایک جماعت نے ارباب احوال اور ارباب غیر احوال میں فرق کیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اصحاب حال ہوں (یعنی رقص سے ان پر صوفیائی کیفیت طاری ہو جائے) ان کے لئے جائز ہے ان کے علاوہ اوروں کے لئے مکروہ ہے۔ عز بن عبدالسلام کہتے ہیں: یہ پسندیدہ قول ہے، یہی رائے اکثر فقہاء کی ہے جو گانا سننے کی گنجائش سمجھتے ہیں، میں نے قبل ازیں وضاحت کردی ہے کہ اگر گانے اور رقص کے ساتھ عورتیں یا ہیجڑے اور بے ریش ہوں تو رقص وگانا حرام ہے۔

۷۔ زفاف کے وقت پڑھنے کے وظائف..... جب دلہن زفاف کے لئے دولہا کے پاس لے جائی جائے تو خاوند حسب ذیل وظائف پڑھے۔

ا.....صالح بن احمد، ابوسید کے آزاد کردہ غلام ابوسعید سے نقل کرتے ہیں کہ جب انہوں نے شادی کی تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے عبداللہ بن مسعود، ابوذر اور حذیفہ رضی اللہ عنہم (وغیرہ) ان کے پاس تشریف لائے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، صحابہ کرام نے ابوسعید کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا حالانکہ وہ مملوک تھے، انہوں نے صحابہ کو نماز پڑھائی، جب فارغ ہو چکے تو صحابہ نے ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

جب تم زفاف کے لئے اپنی دلہن کے پاس جانے کا ارادہ کرو تو پہلے دو رکعتیں نماز پڑھ لو پھر اسکی چوٹی پکڑ کر یہ دعا پڑھو:

اللّٰھم بارك لی فی اھلی وبارك لاھلی فی وارزقھم منی وارزقنی منھم

یا اللہ! میری بیوی میں میرے لئے برکت کر اور میری بیوی کے لئے میرے اندر برکت کر، اسے مجھ سے اولاد عطا فرما اور مجھے اس سے اولاد عطا فرما۔ اس کے بعد بیوی کے ساتھ عمل زفاف کرو۔

ب.....ابوداؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حدیث روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے یا کوئی خادم خریدے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اللّٰھم انی اَسْئَلُكَ خیر ھا وخیر ما جبلت علیه واعوذبك من شر ھا و شر ما جبلتھا علیه

یا اللہ میں تجھ سے اس دلہن یا اس خادم کی بھلائی مانگتا ہوں اور جس مقصد کے لئے تو نے اسے پیدا کیا اسکی بھلائی مانگتا ہوں، اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جس شر پر اسے پیدا کیا اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ اور جو شخص اونٹ خریدے وہ اس کی کوہان کی چوٹی پکڑ کر یہی دعا پڑھے۔

گاڑی اور گھر وغیرہ خریدنے پر بھی یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

تیسری فصل.....محرمات یا حرام نکاح

شرائط نکاح میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ مرد جس عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس پر حرام نہ ہو، یعنی وہ عورت محل نکاح ہو، حنفیہ کے نزدیک عورت کے نکاح کے لئے محل ہونے کی دو صورتیں ہیں:

(۱).....محلیۃ اصلیہ (۲) محلیہ فرعیہ

پہلی صورت انعقاد نکاح میں شرط ہے اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو عقد باطل ہو جاتا ہے چونکہ محلیہ اصلیہ حقیقت میں تحریم قطعی ہوتی ہے، دوسری صورت نکاح کے صحیح ہونے کی شرط ہے اگر شرط مفقود ہوئی تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت کی تحریم ظنی ہے۔

عقد نکاح کا محل......شریعت میں ہر وہ عورت جو حلال ہو وہ دو طریقوں سے حلال ہو جاتی ہے یا تو اس کے ساتھ نکاح کیا جائے یا اسے باندی بنا کر ملکیت میں لایا جائے۔

محرمات......(وہ عورتیں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہو) کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......وہ عورتیں جو علی التابید (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوں)۔

(۲)......اور وہ عورتیں جن کی حرمت وقتی اور عارضی ہو پھر ابدی تحریم یا تو نسبی اعتبار سے ہوگی یا سسرالی حرمت کے اعتبار سے ہوگی یا رضاعت کے اعتبار سے ہوگی۔❶

محرمات کی تعداد......مالکیہ کے نزدیک محرمات کی تعداد ۴۸ ہے، ان میں سے پچیس عورتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔ ان میں سات عورتیں تو نسبی اعتبار سے حرام ہیں وہ یہ ہیں: ماں، بیٹی، خالہ، بہن، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی، یہ رشتے رضاعی بھی حرام ہیں۔ چار عورتیں سسرالی حرمت کی وجہ سے حرام ہیں: بیوی کی ماں اور اس کی بیٹی، باپ کی بیوی اور بیٹے کی بیوی، یہ رشتے رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، ملاعنہ (جس کے ساتھ لعان کیا ہو) اور جو عورت عدت میں ہو یہ سب حرام ہیں۔

غیر موبدات......یعنی وہ عورتیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہوں بلکہ عارضی اور جز وقتی حرام ہوں۔ ایسی عورتوں کی تعداد تیرہ (۱۳) ہے۔ جو کہ یہ ہیں: مرتدہ، غیر کتابیہ، چار سے زائد پانچویں بیوی، جو عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو، معتدہ وہ عورت جو عدت گزار رہی ہو، مستبر أہ (وہ عورت جو برأت رحم کر رہی ہو) حاملہ عورت، وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی ہو، مشترکہ باندی، کافرہ باندی، مسلمان باندی اس شخص کے لئے حرام ہے جو مہر کی قدرت رکھتا ہو، بیٹے کی باندی، اپنی باندی، غلام پر مالکن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، آقا کی ماں غلام پر حرام ہے، وہ عورت جو حالت احرام میں ہو، مریضہ، بیوی کی بہن بیوی کی خالہ، بیوی کی پھوپھی، چنانچہ ان دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں، جمعہ کے دن زوال کے وقت کی منکوحہ، وہ عورت جسے پہلے پیغام نکاح دیا جا چکا ہو اور پیغام دہندہ کی طرف میلان بھی ہو اور نابالغ یتیم لڑکی۔

پہلی نوع: محرمات موبدہ......ان سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں، کیونکہ ان عورتوں میں سبب دائمی پایا جاتا ہے، جیسے بنوت (بیٹا ہونے کا تعلق) امومت (ماں ہونے کا تعلق) اخوۃ، یہ محرمات تین اسباب میں منحصر ہیں:

(۱)......قرابت (۲)......مصاہرت (۳)......رضاعت۔

ا۔ حرمت قرابت یا نسبی محرمات......نسبی محرمات جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوں وہ عورتیں ہیں جو نسبی قرابت کی وجہ سے مرد پر حرام ہوں، ایسی عورتوں کی چار انواع ہیں۔

ا۔ انسان کے اصول یعنی ماں، دادی، پڑدادی:

وہ یہ عورتیں ہیں: ماں، دادی، نانی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ......النساء ۴/ ۲۳

---

❶......البدائع ۲/ ۲۵۶، تبین الحقائق ۲/ ۱۰۱، فتح القدير ۲/ ۳۵۷، غاية المنتهى ۳/ ۳۰ الدر المختار بداية المجتهد ۲/ ۳۱، القوانين الفقهية ۲۰۴، مغنى المحتاج ۳/ ۱۷۴، المهذب ۲/ ۴۲ المغنى ۶/ ۵۴۳، كشف القناع ۵/ ۷۰

تمہارے اوپر تمہاری ماؤں کو حرام کر دیا گیا ہے۔

آیت میں اُم کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ماں دادی اور نانی۔ اگر چہ اوپر چلے جائیں۔

ب۔ انسان کے فروع، اولاد:

وہ یہ عورتیں ہیں: بیٹی، نواسی، پوتی، اگر چہ اور نیچے آ جائیں یعنی پڑپوتی، لکڑپوتی ......الخ۔ کیونکہ آیت میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ النساء۴/۲۳

تمہارے اوپر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں۔

ج۔ والدین کے فروع:

ماں باپ دونوں یا کسی ایک کی اولاد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہے۔ اگر چہ ان کا درجہ دور کا ہو، وہ عورتیں یہ ہیں: سگی بہنیں، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، مذکورہ بہنوں کی بیٹیاں، بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں پھر ان کی بیٹیوں کی بیٹیاں اگر چہ اور نیچے تک چلی جائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ النساء۴/۲۳

تمہارے اوپر بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں۔

د۔ طبقہ اولیٰ:

یعنی پہلے طبقہ کی عورتیں بھی علی التابید حرام ہیں۔ ان سے مراد دادا دادی اور نانا نانی کی اولاد ہیں۔ جو یہ ہیں: پھوپھیاں، خالائیں، برابر ہے کہ براہ راست مرد کی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یا ماں باپ، دادی، دادا کی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یہ سب حرام ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ النساء۴/۲۳

تمہارے اوپر تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں حرام کر دی گئی ہیں۔

جبکہ دوسرے طبقہ کی عورتیں مرد پر حرام نہیں ہیں ان سے مراد یہ عورتیں ہیں: پھوپھیوں کی بیٹیاں، چچاؤں کی بیٹیاں، خالاؤں کی بیٹیاں اور ماموؤں کی بیٹیاں۔ چونکہ یہ عورتیں آیت کے اس مضمون میں داخل ہیں:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ النساء۴/۲۴

مذکورہ عورتوں کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

دوسری دلیل:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا اَزْوَاجَكَ اللّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ، وَبَنٰتِ عَمِّكَ، وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ اللّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ

اے نبی ہم نے تمہارے لئے تمہاری ان بیویوں کو حلال کر دیا ہے جنہیں تم نے ان کے مہر دے دیے ہوں اور وہ باندیاں جو تمہاری ملکیت میں آ چکی ہوں اور وہ مال غنیمت میں اللہ نے تمہیں عطا کی ہوں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں

اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں بشرطیکہ وہ تمہارے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہوں۔

سوریہ کے قانون دفعہ ۳۳ کے ذیل میں ان محرمات پر یوں صراحت کی گئی ہے انسان پر اس کے اصول وفروع، والدین کے فروع اور اجداد کے فروع میں سے طبقہ اولیٰ کی عورتیں حرام ہیں۔ قرابتی محرمات کے سات گروہ ہیں:

مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں۔

ان عورتوں کی حرمت کی حکمت...... یہ ہے کہ انسان کی عائلی اور خاندانی زندگی محبت وخلوص کی ان اعلیٰ بنیادوں پر استوار رہے جن میں کسی قسم کی مصلحت کوشی کا شائبہ تک آڑے نہ آنے پائے۔ چنانچہ تحریم سے طمع کی جڑ کٹ جاتی ہے اور یوں اختلاط اور اجتماع پاکیزہ رہتا ہے، میاں بیوی کے درمیان نزاع اور جھگڑا ہو جانا معمول کی بات ہے اگر ان محرمات میں سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جائے تو نزاع اور جھگڑے کی صورت میں قطع رحمی ہو جاتی ہے، جبکہ قطع رحمی حرام ہے اور جو امر حرام تک پہنچانے کا سبب بنے وہ بھی حرام ہوتا ہے، علامہ کاسانی نے یہی لکھا ہے۔ ❶

علاوہ ازیں قریب کی رشتہ دار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے پیدا ہونے والی اولاد جسمانی طور پر کمزور اور مریض ہوتی ہے، اس کے برخلاف اگر دور کے رشتہ داروں میں شادی کی جائے تو اولاد چست وتوانا پیدا ہوتی ہے، طبی اور شرعی اعتبار سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اس مضمون میں ایک اثر منقول ہے۔ **اعتزلوا الا تضووا**۔ یعنی دور کی عورت سے نکاح کرو تا کہ تمہاری اولاد کمزور نہ پیدا ہو۔

۲۔ حرمت مصاہرت...... اردو میں حرمت مصاہرت کو سسرالی حرمت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ سسرالی حرمت کے سبب محرمات کی بھی چار انواع ہیں:

ا۔ اصول کی بیوی...... یعنی باپ، دادا، پردادا اگرچہ اوپر چلے جاؤ کی بیویاں حرام ہیں۔ یہ اصول خواہ ذوی الارحام میں سے ہوں، یا عصبات میں سے ہوں، خواہ اصول نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو جیسے باپ کی بیوی، دادا کی بیوی، نانا کی بیوی اسی طرح پردادا اور پرنانا کی بیوی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ النساء ۴/۲۲

ان عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جن کے ساتھ تمہارے آباؤ اجداد نے عقد نکاح کر لیا ہو، اس سے قبل جو ہونا تھا وہ گزر چکا، چونکہ یہ نکاح بے حیائی اور سخت گناہ کی بات ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

آیت مذکورہ میں ما نکح سے مراد عقد نکاح ہے، یعنی اصول نے جس عورت کے ساتھ عقد نکاح کیا ہو وہ فروع پر حرام ہو جاتی ہے خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اب کا اطلاق باپ اور دادا دونوں پر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی رو سے صرف باپ کی زوجہ بیٹے پر حرام ہے، رہی بات باپ کی منکوحہ کی بیٹی اور ماں کی سو وہ بیٹے پر حرام نہیں، چنانچہ ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس عورت کی بیٹی یا ماں کے ساتھ اس شخص کا بیٹا بھی نکاح کر سکتا ہے۔

سبب تحریم...... شریعت نے آباؤ اجداد کے احترام وعزت کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ اصول کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنے سے یہ احترام مجروح ہو جاتا ہے، اس حرمت کا لحاظ رکھ کر خاندان امن وآشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے اور فتنہ وفساد برپا نہیں ہوتا، کیونکہ اگر یہ حرمت نہ ہوتی تو باپ کی منکوحہ پر بیٹا تاک جھانک کرنے لگ جاتا، عادۃً باپ بیٹا اکٹھے رہتے ہیں اور یوں اختلاط کی صورت میں اس فتنے کا اور زیادہ اندیشہ ہو جاتا ہے۔

---

❶...... البدائع ۲/۲۰۷

ب۔ فروع کی منکوحہ..... یعنی بیٹے، پوتے پڑپوتے اگر چہ نیچے چلے جائیں کی منکوحہ اصول پر حرام ہوتی ہے خواہ وہ عصبات میں سے ہوں یا ذوی الارحام میں سے ہوں، برابر ہے فرع (اولاد) نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر چہ منکوحہ کو طلاق ہو چکی ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو، جیسے بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی یا بیٹی، نواسی پھر نواسی کی بیٹی اگر چہ اور نیچے چلے جائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ..... النساء ۴/ ۲۳

اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے صلبی بیٹے ہوں۔

بہو کے ساتھ نکاح باطل ہوتا ہے اس پر نکاح کا اثر مرتب نہیں ہوتا، فقہاء کہتے ہیں کہ محض عقد ہو جانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ بیٹے نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

حنفیہ نے مذکورہ بالا حرمت کے ساتھ ایسی عورت کو بھی شامل کیا ہے جس کے ساتھ اصل (باپ یا فرع (بیٹے) نے وطی کر دی ہو اور وہ وطی زنا ہو یا نکاح فاسد میں وطی کر دی ہو، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک حرمت کے لئے محض وطی کافی ہوتی ہے۔

مذکورہ حرمت کے حوالے سے نسبی بیٹے اور رضاعی بیٹے میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ نسبی بیٹے کی بیوی اور رضاعی بیٹے کی بیوی نسبی باپ اور رضاعی باپ پر حرام ہے، کیونکہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہوں۔

ج۔ بیوی کے اصول..... یعنی بیوی کی ماں، دادی، پردادی اگر چہ اور اوپر چلے جائیں۔ خاوند پر حرام ہے، خاوند نے خواہ بیوی کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، چنانچہ محض عقد ہو جانے سے بیوی کے اصول خواہ باپ کی طرف سے ہوں جیسے دادی، پردادی خواہ ماں کی طرف سے ہوں جیسے نانی، پرنانی خاوند پر حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر خاوند نے بیوی کو طلاق دے دی یا بیوی مر گئی پھر بھی بیوی کی ماں دادی سے نکاح حرام ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وامھات نسائکم۔ اور تمہاری بیویوں کی مائیں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں۔ (النساء ۴/ ۲۳)

د۔ بیوی کے فروع..... یعنی بیوی کی بیٹی، پھر بیٹی کی بیٹی اگر چہ اور نیچے چلے جائیں خاوند پر حرام ہے، عموماً مطلقہ عورت اپنے ساتھ پہلے خاوند کی بیٹی لے آتی ہے جو دوسرے خاوند کی پرورش میں ہوتی ہے جسے فقہی اصطلاح میں ربیبہ کہا جاتا ہے اور اردو میں پروردہ لڑکی کہا جاتا ہے، چنانچہ ربیبہ خاوند پر حرام ہے البتہ اس میں دخول کی شرط ملحوظ ہے کہ اگر خاوند نے منکوحہ کے ساتھ صحبت کر دی ہو تو اسکی سابق خاوند کے نطفہ کی بیٹی (ربیبہ) خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، اور اگر خاوند نے دخول نہ کیا ہو اور منکوحہ کو طلاق دے دے یا منکوحہ مر جائے تو ربیبہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں منکوحہ کی بیٹی یا بیٹی کی بیٹی خاوند کے لئے حلال ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اور تمہاری وہ پروردہ لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں اور تمہاری ان عورتوں کے بطن سے ہوں جن سے تم نے صحبت کر لی ہوں تو وہ بھی تمہارے اوپر حرام ہیں اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو تو ان لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ النساء ۴/ ۲۳

منکوحہ کی بیٹی خواہ خاوند کے گھر میں رہائش پذیر ہو یا نہ ہو اور آیت میں مذکورہ قید فی حجورکم (یعنی جو تمہاری پرورش میں ہوں) غالب احوال کے پیش نظر لائی گئی ہے۔

اس حرمت کا سبب یہ ہے کہ نکاح قطع رحمی پر منتج ہوتا ہے، برابر ہے کہ منکوحہ کی بیٹی خاوند کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔

حنفیہ کے نزدیک زوجہ کے اصول اور فروع کے ساتھ ایسی عورت کے اصول و فروع بھی داخل ہیں جس سے حرام وطی کر دی گئی ہو یا شبہ کی بناء پر وطی کر دی گئی ہو۔

حرمت مصاہرت کے حوالے سے اوپر مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ملحوظ رہے کہ کسی عورت کے ساتھ محض عقد کر لینے سے حرمت مصاہرہ

ثابت ہوجاتی ہے ہاں البتہ اس عورت کے فروع (اولاد) کے لئے حرمت بعداز وطی ثابت ہوتی ہے، اس مسئلہ میں فقہاء نے ایک قاعدہ مقرر کرر کھا ہے۔ بیٹیوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے ان کی مائیں حرام ہوجاتی ہیں اور ماؤں کے ساتھ صحبت کر لینے سے بیٹیاں حرام ہوجاتی ہیں۔

گویا بیٹی کے ساتھ محض عقد نکاح کر لینے سے ساس حرام ہوجاتی ہے خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو جبکہ ماں کے ساتھ عقد نکاح کرنے سے بیٹی حرام نہیں ہوتی بلکہ تب حرام ہوتی ہے جب صحبت کرلی جائے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے بیٹے یا بیٹی سے ایسی ہی محبت کرتا ہے جیسی اپنی جان سے محبت ہوتی ہے اس کے برخلاف اصول سے ایسی محبت نہیں ہوتی، چنانچہ عقد کے بعد ماں کی بیٹی سے نکاح کر لینے سے ماں کو اذیت اور تکلیف نہیں پہنچے گی۔

حرمت مصاہرت کی حکمت......امام دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس نوع کے رشتہ داروں میں تنازعات اور جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس لئے شریعت نے حرمت مصاہرت کے ذریعے ان تنازعات کا ازالہ چاہا ہے، تاکہ لوگ سسرالی حرمت کا لحاظ رکھیں اور تنازعات سے دور رہیں۔ (1)

سسرالی حرمت کے ملحقات......حنفیہ نے درج ذیل صورتوں کو سسرالی حرمت کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

۱......عقد فاسد میں جس عورت سے صحبت کر دی اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح ہوا اور منکوحہ کے ساتھ ناکح نے صحبت کر دی تو سسرالی حرمت ثابت ہوگی۔

۲......شبہ کی بنا پر جس عورت کے ساتھ صحبت کر دی گئی تو بھی سسرالی حرمت ثابت ہوگئی، اس کی صورت مسئلہ یوں ہے مثلاً ایک شخص کا کسی عورت سے عقد نکاح ہوا لیکن زفاف کے لئے منکوحہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت لائی گئی اور ناکح سے کہہ دیا گیا کہ یہ تمہاری بیوی ہے، ناکح اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کر بیٹھے پھر بعد میں حقیقت حال سے آگاہی ہو کہ یہ تو وہ عورت نہیں جس کے ساتھ اس کا عقد نکاح ہوا تھا اور نہ ہی اس نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ ایسی عورت کو اصطلاح میں۔ مذفوفہ کہا جاتا ہے۔

۳......اسی طرح حنفیہ نے حنابلہ کے ساتھ درج ذیل صورتوں کو بھی سسرالی حرمت کے ساتھ ملحق کیا ہے، چنانچہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے، اسی طرح مقدمات زنا اور دواعی زنا سے بھی حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے دواعی زنا سے مراد عورت کو چومنا، مس کرنا نظر شہوت سے دیکھنا، ایسی عورت جو نکاح، ملک یمین اور شبہ نکاح میں نہ ہو (بلکہ عام اجنبی عورت ہو) کو نظر شہوت سے دیکھا یا اسے چوم لیا یا اس کے ساتھ زنا کر لیا تو ان سب امور سے سسرالی حرمت ثابت ہوجائے گی، گویا دواعی زنا چومنا اور نظر شہوت ایسا سبب ہے جو وطی کا باعث بنتا ہے اس لئے احتیاطاً سبب زنا اور دواعی زنا کو زنا کے قائم مقام تصور کیا گیا ہے۔ (2)

حنابلہ نے لواطت (غیر فطری فعل) کو بھی زنا کے ساتھ ملحق کیا ہے، چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں کہ حرام محض تو زنا ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ آگے سے ہو وہ بھی زنا خواہ پیچھے سے ہو وہ بھی زنا ہے۔ چنانچہ اگر زنا آزاد عورت سے ہو یا باندی سے ہو تو اس سے تحریم متعلق ہوجاتی ہے۔

اوپر یہ مذکور ہوا کہ غیر فطری فعل عورت کے ساتھ کیا جائے تو اس سے بھی سسرالی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

اور اگر اغلام بازی (بدفعلی کسی لڑکے کے ساتھ) کی گئی تو اس سے بھی تحریم ثابت ہوجاتی ہے، چنانچہ لواطت کرنے والے پر لڑکے کی ماں اور بیٹی حرام ہوجائے گی، اسی طرح لڑکے پر لواطت کرنے والے کی ماں اور بیٹی حرام ہوگی، کیونکہ بدفعلی بھی تو شرمگاہ میں ایک قسم کی وطی ہے جو کہ حرام ہے اور اس سے حرام کا ارتکاب ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی غیر منکوحہ عورت کے ساتھ وطی کرنا، نیز جس عورت کے لئے حرمت ثابت ہوگی وہ

---

(1)......حجۃ اللہ البالغہ (2) البدائع ۲/ ۲۶۰، المغنی ۶/ ۵۷۷، فتح القدیر ۲/ ۳۶۵۔

وطی کرنے والے کی بیٹی ہوگی یا ماں ہوگی لہٰذا دونوں مفعول پر حرام ہوں گی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی عورت کے ساتھ وطی کرلی۔

اس رائے کے مطابق درج ذیل صورتیں مرتب ہوتی ہیں، زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی زانی پر حرام ہوگی، ولدالزنا کی بہن زانی پر حرام ہوگی، ولدالزنا کی بیٹی بھی زانی پر حرام ہوگی، ولدالزنا کی پوتی، بھتیجی بھی حرام ہوگی، اسی طرح مزنیہ کی ماں اور دادا، نانی بھی زانی پر حرام ہوگی، زانی پر، مزنیہ کی بیٹی اور ماں حرام ہوں گی، اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا بیٹی جو کسی دوسرے خاوند کے نطفہ سے ہو کے ساتھ زنا کردیا تو بیوی زانی پر علی التابید حرام ہوجائے گی۔

حنفیہ اور حنابلہ نے مذکور بالا اپنے مسلک پر دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

اول۔۔۔۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت کے ساتھ زنا کردیا تھا، کیا اب میں اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس نکاح کو روا نہیں سمجھتا، یہ اچھا نہیں کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جائے جس کی ماں کو آگاہی ہو کہ ناکح اب اس کی بیٹی سے شہوت پوری کرے گا۔ لیکن یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے، جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے۔

دوم۔۔۔۔ زنا اولاد کا سبب ہے، لہٰذا غیر زنا پر قیاس کرتے ہوئے اس سے بھی تحریم ثابت ہوگی، اور یہ کہ زنا کا حرام ہونا موثر نہیں اس دلیل سے ہے کہ عقد فاسد میں عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے بالاتفاق حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے اگرچہ یہ صحبت حرام تھی۔

تبصرہ۔۔۔۔۔ مذکور قیاس کو رد کیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے چونکہ زنا سے حد واجب ہوتی ہے اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، بخلاف اس کے کہ عقد نکاح (خواہ فاسد ہی ہو) میں وطی کی جائے تاہم ولد کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

اسی لئے ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ نکاح قابل ستائش امر ہے میں اس کی مدح کرتا ہوں جبکہ زنا فعل شنیع ہے اس پر میں مجرم کو رجم کرتا ہو، بھلا یہ دونوں کیسے مشابہ ہوگئے۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: زنا اور مقدمات زنا یعنی نظر شہوت سے عورت کو دیکھنا، چومنا وغیرہ سے سسرالی حرمت ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرلے اس کے ساتھ نکاح کرنا اس شخص پر حرام نہیں ہوگا، اسی طرح مزنیہ کی ماں اور اس کی بیٹی کے ساتھ زانی نکاح کرسکتا ہے، مزنیہ عورت زانی کے اصول وفروع پر بھی حرام نہیں ہوگی، اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا کسی دوسرے خاوند سے بیوی کی لڑکی سے زنا کیا تو زانی پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی، اور اگر کسی شخص نے کسی لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی تو لڑکے کی ماں اور بیٹی بدفعل پر حرام نہیں ہوگی لیکن اس قسم کا نکاح مکروہ ہے۔ ❷

مالکیہ اور شافعیہ نے چار دلائل سے استدلال کیا ہے۔

اول۔۔۔۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کردیا تھا اور اب وہ اس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے یا اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام فعل سے حلال فعل حرام نہیں ہوتا حرمت تو وہ ہے جو نکاح سے ہو۔ ❸

چنانچہ اس استدلال کے متعلق علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ زنا سے سسرالی حرمت ثابت نہیں ہوتی حتیٰ کہ زانی مزنی بہا کی ماں سے شادی کرسکتا ہے

---

❶۔۔۔۔ اس تبصرہ پر بھی نقد وارد کیا گیا ہے کہ وجہ جامع عقد کا ہونا یا فعل کا قابل ستائش ہونا اور قبیح وشنیع ہونا نہیں بلکہ نفس وطی کا ہونا ہے جو ولد کا سبب ہے چنانچہ نکاح اور زنا دونوں میں وطی ہوتی ہے۔ ❷الشرح الصغیر ۲/ ۳۴۷، مغنی المحتاج ۳/ ۱۷۵۔ ❸اخرجہ البیہقی عن عائشہ وضعفہ واخرجہ ابن ماجہ عن ابن عمر۔

اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ زانی کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور زانی کے نصیب میں اپنے ہی جیسی عورت ہوتی ہے جس سے وہ نکاح کرتا ہے۔ ❶ ایک شخص نے کسی زانیہ عورت کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ......النور ۲۴/۳

زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی ہی یا کوئی مشرک۔ ❷

دوم.....مصاہرت (سسرالی تعلق) نعمت ہے کیونکہ سسرالی رشتہ ہی سے غیر لوگ اپنے بن جاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ:

المصاهرة لحمة كلحمة النسب

رہی بات زنا کی سووہ تو شرعاً ممنوع ہے وہ نعمت کا سبب نہیں بن سکتا۔ ❸

سوم.....حرمت مصاہرہ کے اثبات سے یہ مقصد ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان طمع منقطع ہو جائے اور الفت ومحبت اور یگانگت استوار ہو جائے اور کسی قسم کے بھی تردد وریب سے پاک معاشرہ وجود میں آئے، رہی بات مزنی بہا (وہ عورت جس سے زنا کیا جائے) کی وہ تو مرد کے لئے اجنبی ہوتی ہے اور وہ شرعی طور پر اس مرد کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور نہ ہی زانی اور مزنی بہا کے درمیان حق وراثت ثابت ہوتا ہے، نہ ہی زانی پر مزنی بہا کا نفقہ لازمی ہوتا ہے، گویا مزنی بہا کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے کی کوئی راہ نہیں، مزنی بہا بھی اجانب (اجنبیوں) کے مترادف ہے چنانچہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

چہارم.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

ان عورتوں کے علاوہ باقی سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

آیت میں صراحت ہے کہ ماقبل مذکورہ عورتوں کے علاوہ باقی سب عورتیں حلال ہیں، جبکہ ماقبل کی مذکور محرمات میں مزنی بہا نہیں ہے لہٰذا حلال کے عموم میں مزنی بہا بھی داخل ہے۔

مصنف کا تبصرہ.....فریقین کے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریق اول کے دلائل ضعیف ہیں اور فریق ثانی کی رائے راجح ہے تاکہ حلال ومشروع اور حرام ومحظور میں امتیاز کیا جائے۔

مترجم کا تبصرہ.....مزاج شریعت اس امر کا متقضی ہے کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرہ ثابت ہو اور فریق ثانی کے بیان کردہ دلائل میں بھی صراحتہً اجازت نہیں نیز زنا سے حرمت کا ثبوت ہے نہ کہ نعمت کا۔ علاوہ ازیں مثال کے طور پر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہو اور پھر وہ اس کی بیٹی سے نکاح کا خواہشمند ہو تو بتایئے

جب داماد ساس سے ملے گا ان کی ندامت اور جہالت کا کیا عالم ہوگا جبکہ داماد اور ساس کا میل ملاپ مسلم معاشرہ میں، مروج اور عام ہے۔ یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۵ فروری ۲۰۱۱ء کو ایک صاحب نے مسئلہ دریافت کیا۔ مستفتی کا بیان تھا کہ میں نے قبل ازیں ایک عورت سے زنا کر لیا اور اب گھر والوں نے مزنی بہا کی بیٹی کے ساتھ میرا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ میں نے پوچھا: بھئی ایمان سے بتاؤ: مزنی بہا کی

❶.....رواه احمد وابوداؤد، وقال في الفتح، رجاله ثقات ❷رواه احمد والطبراني في الكبير والاوسط وقال الهيثمي ورجال احمد ثقات، اس زانیہ عورت کا نام ام مہزول کہا جاتا ہے۔ ❸المعروف حديث البخاري عن ابن عباس (حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع (جامع الاصول ۲/ ۴۴۱)

کی سے نکاح کرنے کو تمہارا دل چاہتا ہے؟ وہ بولا، مولانا صاحب: آپ خود اندازہ کرلیں اگر یہ رشتہ تکمیل ہو جاتا ہے تو میں اپنے بیوی کو ساتھ لے کر ساس سے کیسے ملوں گا اور کس منہ سے ملوں گا میری غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ آخر مسلمان کو ندامت ہو جاتی ہے اور وہ اس فعل کو قبیح اور شنیع سمجھنے لگتا ہے اور آئندہ کے لئے اپنی سوچ اور زاویہ نگاہ درست کر لیتا ہے، تاہم فطرت سلیمہ ایسے نکاح کی اجازت نہیں دیتی نیز اگر زانی کے لئے حرمت مصاہرہ ثابت نہ کی جائے تو اس کے لئے زنا کی راہ اور زیادہ ہموار ہو جائے گی بہتر ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ پابندی کا سامنا رہے۔ بالخصوص آج کے بے راہ روی کے دور میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ حرمت مصاہرہ بسبب زنا کی پوری طرح تائید کی جائے۔ واللہ اعلم (از مترجم)

سوریہ کے قانون دفعہ ۳۴ کے تحت سسرالی محرمات پر یوں تصریح کی گئی ہے۔

۱۔ مرد پر باپ اور اولاد کی بیوی حرام ہے اور ان میں سے کسی ایک کی موطوءہ بھی حرام ہے۔

۲۔ موطوءہ کے اصول اور فروع (یعنی ماں اور بیٹی) اور بیوی کی ماں دادی بھی حرام ہے۔

(۳) حرمت رضاعت (دودھ سے متعلقہ حرمت):

رضاعت کے بسبب محرم عورتیں وہی ہیں جو نسب سے حرام ہوتی ہیں، نسبی اعتبار سے اس کی چار انواع ہیں اور مصاہرت کے اعتبار سے بھی چار انواع ہیں کل ملا کر آٹھ انواع بن جاتی ہیں، حرمت رضاعت کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ...... النساء ۴/۲۳

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں بھی تمہارے اوپر حرام ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ ❶

جس طرح رضاعت سے قریبی رشتہ دار عورتیں حرام ہو جاتی ہیں اسی طرح رضاعت سے سسرالی رشتے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ گویا رضاعت کو نسب پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کا مفہوم بھی یہی ہے اور حدیث کا بھی یہی مضمون ہے، گویا آیت اور حدیث کے مضامین سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔ رضاعت کے بسبب وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب اور مصاہرت کے بسبب حرام ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ دو صورتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں میں عنقریب ان دونوں صورتوں کا تذکرہ کروں گا۔

رضاعی محرمات کی آٹھ انواع ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

اول..... انسان کے رضاعی اصول (یعنی رضاعی ماں، رضاعی دادی، رضاعی پردادی) بسا اوقات اوپر تک جا پہنچتے ہیں۔

دوم..... بسا اوقات رضاعی فروع نیچے تک آجاتے ہیں اور وہ رضاعی بیٹی، رضاعی نواسی، رضاعی پوتی اور رضاعی پوتی کی بیٹی اس سے بھی نیچے آجائیں، کیونکہ یہ عورتیں رضیع کے بھائی اور بہنوں کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

سوم..... رضاعی والدین کے فروع، ان سے مراد رضاعی بہنیں اور رضاعی بھائی بہنوں کی بیٹیاں، چونکہ یہ عورتیں بھتیجیاں ہیں یا بھانجیاں ہیں۔

چہارم..... رضاعی دادا اور دادی کے براہ راست فروع (اولاد)۔ ان سے مراد رضاعی پھوپھیاں اور رضاعی خالائیں ہیں، رضاعی پھوپھی سے مراد وہ عورت ہوتی ہے جو دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی بہن ہو (یعنی دودھ ماں کی نند) اور رضاعی خالہ دودھ ماں کی بہن ہوتی ہے، چنانچہ رضاعی پھوپھیوں اور رضاعی چچاؤں، رضاعی خالاؤں رضاعی ماموؤں کی بیٹیاں رضیع (دودھ پینے والے مرد) کے لئے حرام

❶..... رواه الجماعة عن عائشة رضي الله عنها (جامع الاصول ۱۲/۱۴۶، نيل الاوطار ۶/۳۱۷)

نہیں ہوتی، جیسے کہ یہ رشتے نسبی صورت میں بھی حرام نہیں ہوتے۔ ❶

پنجم.....بیوی کی رضاعی ماں اور بیوی کی رضاعی دادی بسا اوقات اوپر تک جا پہنچتی ہیں برابر ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

ششم.....رضاعی باپ کی بیوی اور رضاعی دادا کی بیوی (اگر چہ اوپر چلے جائیں) برابر ہے کہ رضاعی باپ اور رضاعی دادا نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، وہ عورتیں رضیع پر حرام ہیں۔ گویا رضیع (دودھ پینے والا) رضاعی باپ رضاعی دادا کی بیوی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ جیسے کہ نسبی باپ اور نسبی دادا کی منکوحہ بیٹے اور پوتے پر حرام ہوتی۔

ہفتم.....رضاعی بیٹے کی بیوی اور رضاعی پوتے کی بیوی بھی دودھ پینے والے پر حرام ہے برابر ہے کہ رضاعی بیٹے نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ایسا ہی ہے جیسے نسبی اولاد کی بیوی (یعنی بہو) حرام ہوتی ہے۔

ہشتم.....بیوی کی رضاعی بیٹی اور بیوی کی رضاعی اولاد کی بیٹیاں خاوند پر حرام ہو جاتی ہیں، البتہ اس میں ایک شرط ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت کی گئی ہو (یعنی اسی کے خاوند نے صحبت کی ہو) اگر خاوند نے صحبت نہیں کی تو پھر اسکی رضاعی اولاد زوج پر حرام نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے جیسے نسب میں ہے۔ ❷

وہ مسائل جن میں حکم رضاعت حکم نسب سے مختلف ہے:

حنفیہ نے نسبی حرمت سے دو صورتیں مستثنیٰ کی ہیں چنانچہ ان دو صورتوں میں رضاعی اعتبار سے حرمت نہیں ہے۔ وہ صورتیں درج ذیل ہیں۔ ❸

ا۔ رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی ماں...... کے ساتھ نکاح جائز ہے جبکہ باپ کی طرف سے نسبی بھائی یا نسبی بہن کی ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں، صورت مسئلہ یہ بنتی ہے مثلاً زینب نے زید کو دودھ پلایا جبکہ زینب کا ایک نسبی (یعنی خاوند کے نطفہ سے) بیٹا خالد بھی ہو تو خالد، زید کی ماں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ کیونکہ دودھ زید نے خالد کی ماں کا پیا خالد نے تو زید کی ماں کا نہیں پیا۔ اب زید اور خالد آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔

جبکہ یہ صورت نسبی اعتبار سے حرام ہے چونکہ بھائی یا بہن کی نسبی ماں یا تو سگی ماں ہوگی یا سوتیلی ماں یعنی باپ کی منکوحہ ہوگی، جبکہ یہ صورت رضاعت میں نہیں پائی جاتی۔

ب۔ رضاعی بیٹے یا رضاعی بیٹی کی بہن...... کے ساتھ نکاح جائز ہے جبکہ نسبی اعتبار سے بیٹے کی بہن یا بیٹی کی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ صورت مسئلہ یوں بنتی ہے۔ مثلاً زینب نے زید کو دودھ پلایا تو زینب کا خاوند زید کی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، اور زید کا باپ زینب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔

نسبی اعتبار سے بیٹے کی بہن یا بیٹی کی بہن اپنی نسبی بیٹی ہوگی یا مدخول بہا بیوی کی بیٹی ہوگی اور یہ دونوں خاوند پر حرام ہیں جبکہ یہ حرمت رضاعت میں نہیں پائی جاتی۔

بھائی کی بہن رضیع (جس نے دودھ پیا ہو) کی ماں اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت)

---

❶ .....اس نوع کو سادہ الفاظ میں یوں بیان کرسکتے ہیں کہ نسبی زاد اور رضاعی زاد محرم نہیں زاد سے مراد چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد لڑکیاں ہیں۔ ❷ صورت مسئلہ یوں ہے مثلاً زید کی بیوی زینب نے خالدہ کو دودھ پلایا ہو تو زید پر خالدہ حرام ہو جائے گی بشرطیکہ زید نے اپنی بیوی زینب کے ساتھ صحبت کی ہو۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو خالدہ زید پر حرام نہیں ہوگی۔ جیسے منکوحہ کی بیٹی صحبت سے حرام ہو جاتی ہے۔ اگر صحبت نہیں کی تو ناکح منکوحہ کو طلاق دے کر اسکی بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ ولا عکسہ ❸ البدائع ۳/ ۵ اللباب ۳/ ۳۳.

حنفیہ نے ذکر کیا ہے آدمی بھائی کی رضاعی بہن، نسبی بھائی کی بہن، رضیع کی نسبی ماں، اور مرضعہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ یہ کل ملا کر چار صورتیں بنتی ہیں۔

اول..... بھائی کی رضاعی بہن سے آدمی نکاح کر سکتا ہے، اسکی صورت یوں بنتی ہے مثلاً زید نے زینب کا دودھ پیا تو زید کے بھائی خالد جس نے زینب کا دودھ نہیں پیا ہوا کے لئے جائز ہے کہ وہ زینب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرے جبکہ زینب کی بیٹی خالد کے بھائی زید کی رضاعی بہن ہے۔ اسی مسئلہ کو عوام الناس پہلی کی صورت میں یوں بیان کرتے ہیں: أفلت رضيعاً وخذا خاه۔ یعنی رضیع تو بچ گیا، اس کے بھائی کو پکڑلو۔ اسکی ایک اور مثال بھی ہے کہ رضاعی بہن کی بہن کے ساتھ بھی آدمی نکاح کر سکتا ہے۔

دوم..... نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے صورت مسئلہ یوں ہے، مثلاً زید اور خالد دو باپ شریک بھائی ہوں، زید کی ایک ماں شریک بہن زاہدہ ہو تو خالد زاہدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جبکہ زاہدہ زید کی نسبی بہن ہے خالد اور زاہدہ کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، نہ رضاعی نہ نسبی۔ بلکہ زاہدہ تو خالد کے باپ کی بیوی کی بیٹی ہے جو کسی دوسرے شخص کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے۔

اسی طرح اگر دو ماں شریک بھائی ہوں مثلاً زید اور خالد ماں شریک بھائی ہوں، اور زید کی باپ شریک نسبی بہن خالدہ ہو تو خالد، خالدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

سوم..... رضیع کی نسبی ماں کے ساتھ آدمی نکاح کر سکتا ہے یعنی مرضعہ کا خاوند، رضیع کی نسبی ماں کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ رضیع مرضعہ کے خاوند کا (رضاعی) بیٹا ہے، جیسے نسبی بیٹے کی ماں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

چہارم..... رضیع کا نسبی باپ مرضعہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ مرضعہ رضاعی بیٹے کی ماں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے نسبی بیٹے کی ماں۔

رضاعت کے متعلق قانون کا موقف..... سوریہ کے قانون دفعہ ۳۵ شق ۱ کے تحت رضاعی محرمات پر یوں صراحت کی گئی ہے۔ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، ہاں البتہ وہ رشتے حرام نہیں ہوتے جن کو فقہاء حنفیہ نے مستثنیٰ کیا ہے۔

اسی دفعہ کی شق نمبر ۲ میں رضاع محرم کی شرائط پر یوں صراحت کی گئی ہے۔ رضاعت سے تحریم کے ثبوت کی یہ شرط ہے کہ بچے نے پہلے دو سالوں میں کسی کا دودھ پیا ہو، اور بچے نے پانچ متفرق چسکاریوں میں دودھ پیا ہو۔

گویا جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ یہ کہ رضیع نے عرصہ حیات میں پہلے دو سالوں میں دودھ پیا ہو، اگر دو سالوں کے بعد دودھ پیا تو حرمت ثابت نہیں ہوتی، یہ جمہور فقہاء کا قول ہے۔ چونکہ حدیث میں ہے۔ رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سالوں میں ہو۔ [1] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دو سالہ مدت کے ساتھ آخری دو ماہ کی مدت کو بھی ملایا ہے چونکہ اس مدت میں بچے کی غذا دودھ سے طعام کی طرف تحویل ہوتی ہے، بشرطیکہ اس مدت سے پہلے بچے کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو اور اگر اس مدت سے قبل بچے کا دودھ چھوڑا دیا گیا تو پھر رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، تاکہ بچہ آخری آدھے سال میں اپنی غذا تبدیل کرلے۔

۲۔ یہ کہ بچہ پانچ متفرق چسکاریوں سے دودھ پئے، چسکاریوں کا اعتبار بحسب عادت ہے، بایں طور کہ بچہ اپنے اختیار سے چسکاری چھوڑ دے، مثلاً سانس لے یا معمولی استراحت کے لئے چھوڑ دے یا کوئی ایسی چیز ہو جو یکسر رضاعت سے غافل نہ کرتی ہو، چسکاریوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پیٹ بھر کر ہوں، یہی شافعیہ اور حنابلہ کا راجح مذہب ہے۔

---

[1]..... رواه الدارقطني عن ابن عباس (نيل الاوطار ٦/ ٣١٥)

صغیر وکبیر کے متعلق علماء کی آراء......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ ایک مرتبہ سہلہ بنت سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ رہتا ہے اور دوسرے مردوں کی طرح اسکا بھی ہمارے ساتھ اختلاط ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دودھ پلا دو وہ تمہارے اوپر حرام ہو جائے گا۔ (رواہ مسلم)

سنن ابی داؤد میں یہ روایت ہے۔ اسے پانچ چسکاریوں میں دودھ پلادو۔ گویا دودھ پینے والا مرضعہ کا رضاعی بیٹا بن جائے گا۔

یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر بڑی عمر کا آدمی بھی دودھ پی لے تو اس سے بھی رضاعی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ رضاعت بھوک کی وجہ سے نہیں ہوتی، پہلی حدیث کا پس منظر یوں ہے کہ ابوحذیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سالم اور اس کی بیوی کو متبنیٰ بنالیا تھا، جبکہ سالم ایک انصاریہ عورت کا غلام تھا۔ اسی دوران سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔

چنانچہ جس لے پالک کا باپ معلوم ومتعین تھا وہ اس کی طرف منسوب کر دیا گیا اور جس لے پالک کا باپ معروف ومتعین نہیں تھا وہ دینی بھائی قرار دیا گیا، اسی موقع پر سہلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی تھیں۔ الحدیث

اس حکم میں اسلاف کا اختلاف ہے......اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے

ا......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوداؤد ظاہری کا مذہب ہے کہ اگر بالغ شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ بلکہ اثر وارد ہوا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس مرد کو اپنے گھر میں داخل کرنا چاہتی تھیں تو آپ، اپنی بہن ام کلثوم اور بھتیجوں کو دودھ پلانے کا حکم دیتی تھیں۔ (رواہ مالک)

ان کے دلائل:

ا......سہلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس حدیث کی صحت میں شک نہیں۔

ب......آیت کریمہ ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ......النساء ۴/۲۳

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں تمہارے اوپر حرام ہیں۔

یہ آیت رضاعت مطلق ہے کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں۔

۲......جمہور صحابہ، تابعین اور فقہاء کے نزدیک صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو صغر سنی میں ہو، پھر سن کی تعیین مدت میں تھوڑا اختلاف ہے۔

(۱)......جمہور کہتے ہیں: بچے کے ابتدائی دو سالوں میں رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے، دو سالوں کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان کا استدلال اس آیت سے ہے۔ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ کامل دو سال ہیں اس شخص کے لئے جو رضاعت پوری کرنا چاہتا ہو۔ البقرۃ ۲/۲۳۳

(۲)......حدیث ہے کہ انما الرضاعة من المجاعة رضاعت (باعتبار حرمت) وہی معتبر ہے جو بھوک کی وجہ سے ہو۔ یعنی جس رضاعت سے بھوک مٹے وہی محرم ہے۔ اس حدیث کا مصداق وہی بن سکتا ہے جو صرف دودھ سے پیٹ بھرتا ہو اور دودھ کے علاوہ اس کی کوئی

غذا نہ ہو، اس حدیث کی رو سے بالغ آدمی حرمت میں داخل نہیں ہوتا، بالخصوص مذکور حدیث میں کلمہ حصر لایا گیا ہے۔

ت.....علماء کی ایک دوسری جماعت کا موقف ہے کہ اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دودھ چھڑانے سے پہلے پہلے ہو، ان علماء نے رضاعت کی زمانے کے اعتبار سے تحدید نہیں کی۔

ج.....امام اوزاعی کہتے ہیں: اگر بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا اور ابھی اس کی عمر صرف ایک ہی سال ہوئی ہو اور اس کا دودھ بدستور چھوٹا رہے پھر دو سال پورے ہونے سے قبل بچے کو دوبارہ دودھ پلا دیا گیا تو اس بعد کی رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر بچے کا دودھ نہ چھڑایا گیا بلکہ بدستور پیتا رہا تو دو سالوں کے اندر ہونے والی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی۔ اور دو سالوں کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اگرچہ اسے دودھ پلانے کا عمل بلا انقطاع جاری رہے۔

د.....اس موضوع پر اور اقوال بھی ہیں جو استدلال سے عاری ہیں۔

جوابات.....جمہور نے سالم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث سہلہ رضی اللہ عنہ کے قصہ کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم ہمیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم کو رخصت عنایت کی ہو یا یہ حکم منسوخ ہو۔

جو علماء بالغ شخص کی رضاعت سے حرمت کے قائل ہیں وہ یوں جواب دیتے ہیں کہ آیت اور حدیث۔ انما الرضاعۃ من المجاعۃ۔ میں مرضعہ کے وجوب نفقہ کو بیان کیا جا رہا ہے اور ان میں ایسی عورت کا بیان ہے جس پر والدین جبر کریں جیسا کہ آیت کہ آخر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

نومولود کے سرپرست کے ذمہ دودھ پلانے والی عورتوں کا طعام اور کپڑے واجب ہیں جو معروف قاعدہ کے مطابق ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ حدیث انما الرضاعة من المجاعة مروی ہے حالانکہ وہ بالغ شخص کی رضاعت کی حرمت کی بھی قائل ہیں۔ پتہ چلا اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت اور حدیث سے وہی مفہوم سمجھا ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

ان حضرات کا بھی کہنا ہے کہ اگر سالم رضی اللہ عنہ کی حدیث انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس تخصیص کا ضرور ذکر فرماتے جیسے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بکری کا چھ ماں کا بچہ قربانی کرنے کے لئے اجازت دی تھی ساتھ کھلے عام تخصیص کا اعلان کیا تھا۔

رہی یہ بات کہ سالم رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے، نسخ کا قول بھی ضعیف ہے کیونکہ سہلہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حولین کاملین والی آیت سے متاخر ہے۔ کیونکہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں اسے کیونکر دودھ پلا سکتی ہوں حالانکہ وہ کبیر السن شخص ہے؟ گویا سہلہ کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے آدمی کی رضاعت باعث حرمت نہیں، تاہم اعتقاد حرمت کے بعد تحلیل کا حکم ہے۔

ابن تیمیہ کا محاکمہ......ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کا محاکمہ کیا ہے وہ یہ ہے:

مسئلہ رضاعت میں صغرسنی کا اعتبار ہے، ہاں البتہ جب کبھی رضاعت کی ضرورت شدیدہ درپیش ہو۔ مثلاً کسی بالغ شخص کو دودھ پلانے کی ضرورت پڑ گئی چونکہ وہ کسی عورت کے پاس بار بار آتا جاتا ہو تو عورت کو بار بار اس سے حجاب کرنے میں شدید دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو وہ اسے دودھ پلا دے اس وقت جاری رہے گی، جیسے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ سالم کا واقعہ پیش آیا، چنانچہ اسی طرح بالغ شخص کو ضرورت شدیدہ کی بنا پر کوئی عورت دودھ پلا دے تو رضاعت موثر ہوگی، اس کے علاوہ کے لئے صغرسنی کے سوا کوئی

جائزہ کار نہیں۔ ❶

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ محاکمہ میں احادیث جمع ہو جاتی ہیں پھر نہ ہی تخصیص کے قول کی ضرورت رہتی ہے اور نہ ہی نسخ کا قول کرنا پڑتا ہے، اس سے لغوی اعتبار بھی لغو نہیں ہوتا۔ احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ❷

لبن فحل.....فحل کا معنی نر ہے اور یہاں فحل سے مراد وہ شخص ہے جو دودھ پلانے والی عورت کا خاوند ہو اور اسی وجہ سے عورت کے سینے میں دودھ اترا ہو۔ ❸

جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک یہ حکم مقرر ہے لبن فحل ہی سے حرمت متعلق ہوتی ہے یعنی عورت کے پستانوں میں اترنے والا دودھ خاوند کا حق ہوتا ہے کیونکہ یہ دودھ اسی کے سبب سے اس کے پستانوں میں اترا ہوتا ہے، چنانچہ جس عورت کا خاوند مرجائے یا اسے طلاق دے دے۔ بعد ازاں بھی خاوند سے دودھ کی نسبت منقطع نہیں ہوتی، اسی دودھ ہی کی وجہ سے مرضعہ کا خاوند رضیع کا باپ بن جاتا ہے اور مرضعہ رضیع کی ماں بن جاتی ہے، دودھ پینے والا بچہ مرضعہ کے خاوند اور اس کے اقارب کے لئے محرم بن جاتا ہے جیسے نسبی بیٹا محرم بن جاتا ہے، مرضعہ کے خاوند کی ساری اولاد رضیع کے بہن بھائی بن جاتے ہیں، برابر ہے کہ اسکی یہ اولاد مرضعہ کے بطن سے ہو یا کسی دوسری بیوی کے بطن سے۔ ❹

حدیث کے ائمہ ستہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس افلح بن ابی قعیس آئے، میں نے ان سے پردہ کر لیا، وہ بولے: تم مجھ سے پردہ کرتی ہو حالانکہ میں تمہارا چچا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا بھلا آپ میرے کہاں سے چچا ہوئے؟ افلح بولے: میرے بھائی کی بیوی نے تمہیں دودھ پلایا ہوا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا: افلح تمہارے چچا ہیں، وہ تمہارے پاس آ جاسکتے ہیں۔

رضاعی حرمت کی حکمت.....رضاعت سے حرمت اس لئے وجود میں آ جاتی ہے کہ رضاعت سے انسانیت میں جزئیت اور بعضیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ مرضعہ کے دودھ سے رضیع کا گوشت پوست بنتا ہے اس کی ہڈیوں میں رسوخ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ وہی رضاعت معتبر ہے جس سے ہڈیوں میں بڑھوتری ہو اور گوشت پوست جس سے بنے۔ ❺ گویا جب رضیع مرضعہ کا دودھ پیتا ہے تو وہ مرضعہ کا حقیقتہ جزو بن جاتا ہے۔

رضاعت کی شرائط ان شاءاللہ عنقریب میں ذکر کروں گا۔

دوسری نوع: محرمات مؤقتہ.....یہ وہ عورتیں ہیں جو کسی معین سبب کی وجہ سے وقتی طور پر حرام ہوتی ہیں، جب سبب زائل ہو جاتا ہے حرمت بھی زائل ہو جاتی ہے اس نوع کی پانچ اقسام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱).....مطلقہ ثلاث (وہ عورت جسے تین طلاقیں ملی ہوں)۔

---

❶.....ابن تیمیہ کے محاکمہ سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

(۱).....رضاعت کی ضرورت شدیدہ ہو۔ (۲).....دقت شدیدہ ہو۔ (۳).....اور ابتلاء لابدی ہو تب بالغ شخص کی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم ❷ سبل السلام ۳/ ۲۱۳۔ ❸ چونکہ خاوند بیوی سے صحبت کرتا ہے، بیوی حاملہ ہوتی ہے بعد وضع حمل سینے میں دودھ اترتا ہے جیسے بیوی اپنے بچے کو بھی پلاتی ہے اور دوسروں کو بھی۔ ❹ المغنی ۶/ ۵۷۲ اللباب ۳/ ۳۲، القوانین الفقھیہ ۲۰۶ مغنی المحتاج ۳/ ۴۱۸، المقدمات الممہدات لابن رشد ۱/ ۴۹۲۔ ❺ نیل الاوطار ۶/ ۳۱۶

(۲) وہ عورت جو کسی دوسرے خاوند کے نکاح میں ہو یا عدت میں ہو۔

(۳) وہ عورت جو کسی ساوی دین کی ماننے والی نہ ہو۔

(۴) بیوی کی بہن اور وہ عورتیں جو بہن کے حکم میں ہوں۔

(۵) اور چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت۔

سوریہ کے قانون میں صرف چار صورتیں بیان کی گئی ہیں تیسری صورت بیان نہیں کی گئی، چنانچہ دفعہ ۳۶۔۳۹ میں اس پر یوں تصریح کی گئی ہے۔

دفعہ ۳۶ شق نمبر ا میں ہے۔طلاق دہندہ مطلقہ ثلاث کے ساتھ صرف اس صورت میں نکاح کر سکتا ہے کہ جب کسی دوسرے خاوند سے اسکی شادی ہو اور پھر اس کی عدت بھی گزر جائے، نیز شوہر ثانی نے بالفعل دخول کیا ہو۔

۲۔ مطلقہ کے دوسرے خاوند سے نکاح کر لینے سے سابق خاوند کی طلاقیں معدوم ہو جاتی ہیں، اگر تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو مطلقہ سابق خاوند کے پاس نئی تین طلاقیں لے کر آئے گی۔ دفعہ ۳۷ میں ہے: آدمی پانچویں عورت کے ساتھ صرف اس صورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کہ وہ پہلے سے موجود چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے۔

دفعہ ۳۸ میں ہے: دوسرے کی منکوحہ یا معتدہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

دفعہ ۳۹ میں ہے: ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں کہ ان میں سے ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے اور دوسری کو عورت تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔ اگر اس اعتبار سے حلت ثابت ہو تو دونوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔

حنفیہ نے ملاعنہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ملاعنہ سے مراد وہ عورت ہے جس پر اس کے خاوند نے زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کی نفی کی ہو۔ اور یوں معاملہ عدالت تک جا پہنچے، پھر دونوں قاضی کے روبرو لعان کریں تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، یہ عورت مرد پر حرام ہو جائے گی۔

اگر ملاعنہ کے خاوند نے اپنی ہی تکذیب کر دی اور بیوی کو تہمت سے بری الذمہ قرار دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ تحریم موبد ہوگی چونکہ حدیث میں ہے زوجین جو آپس میں لعان کر لیں وہ کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ❶

میں ملاعنہ کے علاوہ بقیہ انواع کو تفصیلاً ذیل میں بیان کروں گا۔

ا۔ مطلقہ ثلاث...... جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی کہ اس کے ساتھ دوسری بار نکاح کرے، الا یہ کہ مطلقہ عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر اس سے صحبت بھی کرے اور طلاق دے یا مر جائے اور عورت کی عدت بھی گزر جائے اس کے بعد شوہر اول مطلقہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، یوں مطلقہ شوہر اول کے پاس از سر نو زوجیت لے کر آئے گی اور طلاق دہندہ (شوہر اول) تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ ❷

پہلے خاوند کے پاس مطلقہ اب نئے تجربہ کے ساتھ آتی ہے، اس عرصہ میں خاوند بیوی کی جدائی کا بری طرح سے احساس کرتا رہا یوں وہ دونوں مشترکہ خاندانی زندگی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ عورت نئی زوجیت لے کر آتی ہے اور اپنے خاوند کو خوش رکھنے میں سعی کرتی ہے، ان اسباب سے دور رہنے کی کوشش کرتی ہے جن سے پہلی زوجیت کی عمارت منہدم ہوئی۔

---

❶ ...... رواہ ابوداؤد عن سهل بن سعد وروى الدارقطني ذالك عن سهل بن سعد بن ابن عباس وعلي وابن مسعود (نيل الاوطار ٦ / ٢٧١) ❷ المحرر في الفقه الحنبلي لابن تيمية ٢ / ٨٠، المغني ٧ / ٢٦١

تاہم اللہ تعالیٰ نے مطلقہ ثلاث کوحلال کرنے کا طریقہ قرآن میں یوں بیان کیا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ...... البقرۃ ۲/ ۲۲۹

طلاق رجعی دوبار ہے، پھر یا تو اچھے طریقہ سے بیوی کوروک لینا ہے یا حسن سلوک سے اسے چھوڑ دینا ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ

پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب مطلقہ طلاق دہندہ کے لئے حلال نہیں رہے گی تاوقتیکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے، اگر اس دوسرے شخص نے اسے طلاق دے دی تو ان پر کوئی حرج نہیں کہ وہ رجوع کریں بشرطیکہ حدود اللہ کو قائم رکھنے کا انہیں یقین ہو۔ البقرۃ ۲/ ۲۳۰

اوپر ضمناً یہ شرط ذکر کی گئی ہے مطلقہ ثلاث پہلے خاوند کے لئے تب حلال ہوگی جب شوہر ثانی اس کے ساتھ صحبت کر لے، اس شرط کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں: رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھے طلاق دے دی، اور مجھے تین طلاقیں دیں، ان کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر سے شادی کر لی تا ہم اس کا آلہ تناسل تو اس چادر کے پلو جیسا ہے (جو مردانہ طاقت سے خالی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم رفاعہ کے نکاح میں واپس آنا چاہتی ہو؟ سو تم اس وقت تک اس کے نکاح میں واپس نہیں آسکتی ہو یہاں تک کہ تم اس کا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا شہد چکھ لے۔ ❶

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محض وطی سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی بلکہ آلے کا منتشر ہونا ضروری ہے، تاہم اگر نامرد ہو یا بچے نے وطی کی تو اس سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ اہل علم کا اصح قول یہی ہے۔

مطلقہ ثلاث کے حلال ہونے کی شرائط:

مطلقہ ثلاث کے حلال ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔ ❷

اول: یہ کہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۰

دوم: یہ کہ نکاح صحیح ہو، اگر نکاح فاسد ہو تو اس مطلقہ سے وطی کرنا حلال نہیں اس شرط پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ وغیرہ۔ آیت میں نکاح سے مراد نکاح صحیح ہے۔

سوم: یہ کہ دوسرا شوہر مطلقہ ثلاث کے ساتھ اس کی آگے والی شرمگاہ میں صحبت کرے۔

اگر دوسرے شوہر نے مقام مخصوص سے ہٹ کر کہیں اور وطی کر دی یا غیر فطری فعل کر دیا تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں صراحتہً فرمایا: یہاں تک کہ تم اس کا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا شہد چکھ لے۔ شہد چکھنا جنسی لذات سے کنایہ ہے اور طرفین اسی وقت شہد چکھ سکتے ہیں جب فرج (عورت کے آگے والے حصہ) میں وطی ہو۔ اس میں کم از کم مقدار یہ ہے کہ آلہ تناسل کا حشفہ عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے، کیونکہ وطی کے احکام اسی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر انتشار کے بغیر ہی آلہ شرمگاہ میں داخل کر دیا تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث میں حلال ہونے کا حکم شہد کے چکھنے پر معلول کیا گیا ہے اور شہد چکھنے کی کیفیت انتشار آلہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، حشفہ کی مقدار سے دخول ثابت ہو جاتا ہے، عورت خصی کی وطی سے بھی حلال ہو جاتی ہے، کیونکہ خصی بھی فحل (نر) کی طرح وطی کرتا ہے، صرف انزال باقی رہتا ہے اور انزال عورت کو حلال کرنے میں غیر معتبر ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: مطلقہ ثلاث نے اگر مقطوع الذکر کے ساتھ شادی کر لی تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ عورت حاملہ نہ ہو جائے تو حکما دخول کا حکم لگا دیا جائے گا،

❶ ..... رواہ الجماعۃ عن عائشۃ (نیل الاوطار ۶/ ۲۰۳) ❷ المغنی ۷/ ۲۷۵

اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب شوہر ثانی سے ثابت ہوگا۔

ایک اور شرط......حنابلہ اور مالکیہ نے چوتھی شرط بھی عائد کی ہے کہ: وہ یہ کہ وطی بھی حلال ہو، سو اگر شوہر ثانی نے مطلقہ ثلاث کے ساتھ حالت حیض یا حالت نفاس یا حالت احرام میں وطی کر دی یا روزہ کی حالت میں وطی کر دی تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ حقوق اللہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ وطی حرام ہے، اس سے حلال نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مرتدہ کے ساتھ وطی کر دی، سو مرتدہ وطی سے حلال نہیں ہوتی۔

حنفیہ اور شافعیہ نے یہ شرط نہیں لگائی، ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: انشاء اللہ یہ شرط مذکورہ بالا آیت اور حدیث کی روشنی میں صحیح ہے۔

کیا مطلقہ ثلاث مشروط حلالہ سے حلال ہو جاتی ہے؟

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں ❶: مطلقہ ثلاث مشروط حلالہ سے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک نکاح بشرط حلالہ مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کی ہے۔ ❷ تاہم نکاح صحیح ہوگا البتہ حلالہ کی شرط باطل ہو جائے گی اور شوہر ثانی کو طلاق پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر پہلے خاوند اور دوسرے خاوند نے حلالہ کو دل ہی دل میں چھپائے رکھا سر عام حلالہ کی شرط نہ لگائی اور نکاح بھی محض شہوت پرستی کے لئے نہ کیا گیا تو پھر مکروہ نہیں۔

شافعیہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے کہ نکاح بشرط حلالہ باطل ہے کیونکہ ہزیل نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی، تل بنانے والی اور بنوانے والی، حلالہ کرنے والے اور کروانے والے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔ ❸

دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح بشرط حلالہ، بشرط انقطاع ہوتا ہے اس کی کوئی غایت مطمع نظر نہیں ہوتی، لہٰذا نکاح متعہ کے مشابہ ہے، البتہ اگر کسی شخص نے عورت کے ساتھ شادی کی اور یہ نیت رکھ لی کہ بعد از وطی اسے طلاق دے دے گا تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حاکم طبرانی نے عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تاہم مطلقہ کے ساتھ طلاق دہندہ کے بھائی نے بلا رغبت نکاح کر لیا کیا ناکح مذکورہ عورت کو اپنے بھائی کے لئے حلال کر دے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، الا یہ کہ نکاح رغبت ہو۔

خلاصہ......نکاح حلالہ جو بلا شرط ہو یعنی صراحۃً طلاق کی شرط نہ لگائی گئی ہو بلکہ محض قصد و نیت میں طلاق ہو تو یہ نکاح صحیح مکروہ ہوگا، یہ شافعیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ عقد نکاح کے ارکان اور شرائط پوری ہیں اور داخلی باعث سے عقد متاثر نہیں ہوتا۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں نکاح حلالہ یا مستعار سانڈ کا نکاح اگرچہ بلا شرط ہو حرام باطل اور قابل فسخ ہوتا ہے، یہ نکاح غیر صحیح ہے، عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، اعتبار حلالہ کرنے والے کی نیت کا ہے نہ کہ عورت کی نیت کا، اور نہ ہی محلل لہ کی نیت کا اعتبار ہے۔ ❹

ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کی ہے۔ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ کیا میں تمہیں مستعار سانڈ کے متعلق نہ بتلاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے

---

❶...... الدر المختار ۲/ ۷۳۸، المهذب ۲/ ۴۶ تكملة المجموع ۱۵/ ۴۰۵۔ ❷رواه احمد والنسائی والترمذی وصححه عن ابن مسعود ورواه الخمسة الا النسائی من حديث علی مثله۔ ❸اخرجه النسائی والترمذی وصححه ❹القوانين الفقهية ۲۰۹ غاية المنتهى ۳/ ۴۰

رسول صلی اللہ علیہ وسلم: بے شک ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا: مستعار سانڈ، حلالہ کرنے والے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والا اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کرے۔ ❶

یہ دلائل حلالہ کے حرام ہونے پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ لعنت کبیرہ گناہ پر ہوتی ہے، یہ تعلیل سد ذرائع کے اصول پر بھی متفق ہے، یہی مذہب میرے نزدیک راجح ہے۔

وہ عورت جو دوسرے خاوند کے حق میں مشغول ہو.......اس سے مراد وہ عورت ہے جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں بالفعل موجود ہو یا دوسرے شخص کی عدت میں ہو، اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ شادی شدہ عورت.......یعنی وہ عورت جو شادی شدہ ہو اس کا خاوند حیات ہو طلاق بھی نہ دی ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق متعلق ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ خاوند مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

اور (شادی شدہ) پاکدامن عورتیں تمہارے اوپر حرام ہیں، ہاں البتہ جو باندیاں تمہاری ملکیت میں ہوں وہ حلال ہیں۔

آیت میں المحصنات سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ آیت میں حکم حرمت سے باندیوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، باندی وہ ہوتی ہے جسے مشروع جنگ میں قید کر لیا گیا ہو، چنانچہ جب کوئی (غیر مسلم) عورت قید کر لی جائے تو اس کے درمیان اور اس کے خاوند کے درمیان اختلاف دارین کی وجہ سے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس عورت کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زوجیت کا یہ چودھواں مانع ہے، اس کا ذکر آیا چاہتا ہے۔

حکمت.......واضح ہے وہ یہ کہ دوسرے کے حق پر جارحیت کا اقدام ممنوع ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ تاکہ نسب محفوظ رہے اور اختلاط نہ ہونے پائے۔

۲۔ معتدۂ غیر.......یعنی وہ عورت جسے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا خاوند وفات پا گیا ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو، چنانچہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ اسکی عدت گزر جائے، اسی طرح اگر عورت نکاح فاسد یا نکاح شبہ کی فرقت کے بعد عدت میں ہو تو اس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں، کیونکہ اس طرح کے نکاحوں کے بعد بھی پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۵

اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرو جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔

یعنی متوفی عنہا زوجہا جو عدت میں ہو اس کے ساتھ عقد نکاح مت کرو تاوقتیکہ اس کی عدت نہ گزر جائے، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ......البقرۃ ۲/ ۲۲۸

اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

قروء سے مراد حیض یا طہر ہے جیسا کہ دو مختلف آراء ہیں گویا مطلقہ پر واجب ہے کہ وہ تین حیض یا تین طہر انتظار کرے۔

حضرت علی، ابن عباس اور عبیدہ سلیمانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا زبردست اجماع کسی چیز پر نہیں ہوا جتنا کہ ظہر سے پہلے چار رکعات پر اور اس بات پر کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے جس کی بہن عدت میں ہو۔

---

❶ ......رواہ ابن ماجۃ والحاکم وأعلہ ابوزرعۃ وابوحاتم بالارسال (نیل الاوطار ۶/ ۱۳۸)

حکمت......معتدہ غیر کے ساتھ اس لئے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ سابق شوہر کے آثار نکاح عدت کے دوران باقی رہتے ہیں اور سابقہ زوجیت کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے نیز معتدہ کے ساتھ نکاح کرنے میں نسب کے اختلاط کا اندیشہ قوی ہوتا ہے۔

مسئلہ......کیا معتدہ غیر کے ساتھ صحبت کرنے سے وہ ناکح پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ان کی دو آراء ہیں۔

۱۔ جمہور......اگر ناکح نے معتدہ غیر کے ساتھ صحبت کر لی تو وہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوگی، بلکہ جب اس کی عدت پوری ہو جائے گی وہ ناکح کے لئے حلال ہو جائے گی، کیونکہ ناکح نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے جس کے ساتھ حقیقت میں نکاح کرنا حرام نہیں تھا، اسی طرح دخول سے بھی وہ ناکح پر حرام نہیں ہوئی، نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی اور جب عدت گزر جائے پھر خاوند کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو از سرنو پیغام نکاح بھیجے چاہے ترک کر دے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں معتدہ غیر کے ساتھ (بعد از نکاح) صحبت کرنے سے وہ ناکح پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، دونوں کے درمیان فرقت کرنا واجب ہے، اور وہ پھر ناکح کے لئے کبھی بھی حلال نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ راشد ثقفی نے طلیحہ اسدیہ کے ساتھ شادی کر لی تھی جبکہ وہ معتدہ غیر تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور فرمایا: جو عورت بھی اپنی عدت کے دوران نکاح کر لے تو اگر اس کے ناکح نے اس کے ساتھ صحبت نہ کی ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ پہلے خاوند کی بقیہ عدت پوری کرے پھر دوسرا اسے پیغام نکاح دے، اور اگر ناکح نے اس کے ساتھ صحبت کر لی ہو تو دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی، وہ اولاً پہلے خاوند کی عدت پوری کرے پھر دوسرے خاوند کی عدت پوری کرے پھر یہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جمع نہیں ہو سکتے۔

ابن مسیب کہتے ہیں: اس عورت کے لئے مہر مقرر ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک موانع نکاح میں سے یہ چودھواں مانع ہے۔

۳۔ وہ عورت جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو جائے (حنفیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے نزدیک مانع زنا)۔

بالاتفاق زانی اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جس کے ساتھ اس نے زنا کیا ہو۔ پھر اگر چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا اور اگر چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو تو اگر زوج دعوائے نسب کرتا ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا، گویا زوج کا دعویٰ سابق عقد کی خبر دیتا ہے، یہ اس لئے کہ ایک مسلمان کی عزت بحال رہے اور اس کا پردہ چاک نہ ہونے پائے۔

آیا کہ غیر زانی مزنی بہا کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟...... چنانچہ فقہاء کی ایک جماعت جیسے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتی ہے: زنا سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جمہور فقہاء کہتے ہیں: مزنی بہا کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

اختلاف کا دارومدار اس آیت پر ہے:

وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ النور ۲۴/۳

زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی ہی یا مشرک ہی، اور یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

فریق اول نے ظاہر آیت سے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بظاہر تحریم معلوم ہوتی ہے۔

جبکہ جمہور نے آیت کو ذم پر محمول کیا ہے، چنانچہ ابو داؤد اور نسائی نے ابن عباس سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: میری بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی (یعنی وہ پاکدامن نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے الگ کر دو وہ شخص بولا: مجھے خوف ہے کہ میرا نفس اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ساتھ استمتاع

کرتے رہو ❶ نیز ابن ماجہ نے ابن عمر سے بیہقی نے حضرت عائشہ سے حدیث نقل کی ہے کہ۔ حرام چیز حلال کوحرام نہیں کرتی ہے

پھراس کی تفصیل میں جمہور کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: اگر مزنی بہا (زانیہ) حاملہ نہ ہوتو اس کے ساتھ غیر زانی بھی نکاح کرسکتا ہے، اسی طرح اگر حاملہ بھی ہوتو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غیر زانی اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے لیکن وضع حمل سے پہلے صحبت نہیں کرسکتا۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ محرمات کی فہرست میں مزنی بہا کا ذکر نہیں۔ لہٰذا من جملہ مباح عورتوں میں سے ہوئی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

ان کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں۔

۲۔ زانی کا نطفہ غیر محترم ہے، چونکہ نطفہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ ❷ جب نطفہ زنا کا کوئی احترام نہیں تو وہ مانع نکاح بھی نہیں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ حاملہ زنا کے ساتھ اس لئے صحبت کرنا حرام ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کا پانی کسی دوسری کی کھیتی کو ہرگز سیراب نہ کرے۔ ❸ یعنی حاملہ عورتوں کے ساتھ ہرگز صحبت نہ کی جائے۔

امام ابو یوسف اور امام زفر کہتے ہیں...... حاملہ زنا کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ حمل وطی سے مانع ہوتا ہے، اسی طرح یہ حمل عقد نکاح سے بھی مانع ہے، جیسے ثابت النسب حمل عقد نکاح سے مانع ہوتا ہے، یعنی جس طرح حاملہ غیر زنا سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح حاملہ زنا سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں...... جب تک زانیہ کا استبراء رحم نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے نکاح کرنا حرام ہے، زانیہ کا استبرائے رحم تین حیض یا تین ماہ گزرنے سے ہوگا۔ اگر استبراء رحم سے قبل زانیہ کے ساتھ نکاح کردیا گیا تو نکاح فاسد ہوجائے گا، اس کا فسخ لازمی ہوگا، خواہ حمل ظاہر ہو یا نہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں......اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کرلیا تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حرام امر سے حلال حرام نہیں ہوتا۔

حنابلہ کہتے ہیں...... جب کوئی عورت زنا کا ارتکاب کر بیٹھے تو دوشرطوں کے ساتھ اس سے نکاح جائز ہوگا۔

۱...... یہ کہ اس کی عدت گزر جائے، اگر زانیہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، چنانچہ وضع حمل سے قبل نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس کی دلیل حدیث سابق ہے کہ کسی شخص کے پانی سے دوسرے کی کھیتی سیراب نہ ہو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۲...... یہ کہ زانیہ زنا سے سچی توبہ کرلے۔ کیونکہ آیت کریمہ ہے:

وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ النور ۲۴/ ۳

اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔

---

❶......نیل الاوطار ۶/ ۱۴۰ واسنادہ صحیح ❷رواہ الجماعۃ الا اباداؤد عن ابی ھریرۃ (نیل الاوطار ۶/ ۲۷۹) ❸رواہ الترمذی عن رویفع وھو حسن۔ ورواہ ابوداؤد للفظ آخر

توبہ سے قبل زنا کے حکم میں ہوگا، اگر زانیہ نے توبہ کر لی تو تحریم جاتی رہے گی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص گناہ سے توبہ کرلے وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو ❶ باقی ائمہ نے یہ شرط نہیں لگائی۔

زوجین میں سے اگر کوئی زنا کر بیٹھے...... اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی نے زنا کر دیا یا کسی عورت کے شوہر نے زنا کر دیا تو زوجین کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ برابر ہے کے زنا صحبت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ چونکہ زنا معصیت ہے اور ارتکاب معصیت سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا زناچوری کے مشابہ ہوا۔

رہی بات لعان کی سولعان فسخ نکاح کا مقتضی ہے اگر چہ حقیقت میں زنا ہوا ہو، کیونکہ جب عورت کی طرف سے لعان ہوتا ہے تو گویا وہ قبول کر رہی ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والے کے لئے حد واجب کی ہے اور فسخ لعان سے واقع ہوتا ہے۔

لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مستحب قرار دیا ہے کہ جس شخص کی عورت زنا کا ارتکاب کر بیٹھے وہ اسے الگ کر دے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص زانیہ کو اپنے نکاح میں روکے رکھے چونکہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اس کا فراش فسادزدہ ہو جائے گا اور ایسا بچہ صاحب فراش کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا جو اس کے نطفہ سے نہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ زانیہ کے ساتھ اسکا خاوند صحبت نہ کرے یہاں تک کہ اس کا استبرائے رحم نہ ہو جائے۔ اور اس کا استبرائے رحم تین حیض سے ہوگا۔ استبرائے رحم کی دلیل حدیث سابق ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں زانیہ کے استبرائے رحم کے لئے ایک حیض بھی کافی ہے۔ ❷

۳۔ **وہ عورت جو کسی آسمانی دین کو ماننے والی نہ ہو**...... مشرکہ عورت اور بت پرست عورت کے ساتھ مسلمان کا نکاح کرنا حلال نہیں، بت پرست سے مراد ایسی عورت جو اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرتی ہو۔ مثلاً بتوں کو پوجتی ہو یا ستاروں کو پوجتی ہو یا آگ کو پوجتی ہو یا درختوں کی پوجا کرتی ہو جیسے ملحدہ عورت، دہریہ عورت۔ دہریہ یا مادیت پرست سے مراد وہ عورت ہے جو مادہ کو سب کچھ خیال کرتی ہو اور وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتی ہو۔ اسے آسمانی ادیان کا یقین ہی نہ ہو، جیسے آج کل مادیت پرست، دہریے، بہائی، قادیانی اور بوذیہ۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ ......البقرۃ ۲/ ۲۲۱

مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، جبکہ مومن باندی مشرکہ عورت سے بدر جہا افضل ہے اگرچہ مشرکہ عورت تمہیں پسند ہو۔

حنفیہ اور شافعیہ نے مرتدہ عورت کو مشرکہ کے ساتھ ملحق کیا ہے چنانچہ، مرتدہ کے ساتھ نکاح کرنا نہ ہی مسلمان کے لئے جائز ہے نہ کافر کے لئے۔ کیونکہ مرتدہ نے ملت اسلام کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ارتداد پر برقرار بھی نہیں رہے گی کیونکہ یا تو اسے قتل کر دیا جائے گا یا دوبارہ اسلام پر آجائے گی۔ گویا ارتداد موت کے معنی میں ہے کیونکہ ارتداد موت تک پہنچانے کا سبب ہے اور میت محل نکاح نہیں ہوتا۔

خلاصہ...... بالاتفاق غیر کتابیہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے غیر کتابیہ سے مراد وہ عورت جو کسی آسمانی کتاب کو نہ ماننے والی ہو جیسے بت پرست، مجوسی وغیرہ۔

مشرکہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان تعاون اور اطمینان نہیں ہوگا چونکہ عقیدے کے تباین سے قلق و اضطراب اور زوجین کے درمیان نفرت پیدا ہوتی ہے، اور زوجیت محبت ومودت کے ستونوں پر قائم نہیں رہ سکے گی، پھر عورت کسی دین پر ایمان نہیں رکھتی اس سے اس کے لیے خیانت کرنا اور بھی آسان ہو جائے گا وہ عفت و پاکدامنی اور ناموس کے بارے میں غیر معتمد ہے، اس کا

---

❶ ......المغنی ۶/ ۶۰۳، ❷ ایضاً

خرافات اور اوہام میں پڑنا یقینی ہے کیونکہ خرافات اوہام کے مانع کوئی چیز نہیں ہوگی۔

مسلمان عورت کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح...... بالاتفاق مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلمان کے ساتھ حرام ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ......البقرۃ ۲/۲۲۱

مشرکین سے نکاح مت کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ......الممتحنہ ۶۰/۱۰

اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ مہاجر عورتیں مومن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ لوٹاؤ چونکہ وہ ان کے لئے حلال نہیں اور وہ ان کے لئے حلال نہیں۔

نیز اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ عورت کفر میں پڑ جائے گی کیونکہ عادۃً خاوند بیوی کو اپنے دین کی دعوت دیتا ہے اور عورتیں عادۃً خاوندوں کی اتباع کرتی ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ......البقرۃ ۲/۲۲۱

یہ لوگ دوزخ کی آگ کی دعوت دیتے ہیں۔

یعنی مومن عورتوں کو کفر کو دعوت دیتے ہیں۔ کفر کی دعوت حقیقت میں دوزخ کی دعوت ہے، چونکہ کفر آگ کا سبب ہے، گویا کافر مرد سے نکاح دوزخ کا سبب ہے اس لئے حرام اور باطل ہے۔ اگر چہ نص وارد ہوئی ہے صرف مشرکین کے متعلق لیکن علت کفر جہاں جہاں پائی جائے گی وہیں وہیں حکم بھی لگے گا، گویا مطلق کافروں پر مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

جنا برھذا: کتابی (مرد) مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا ہے، جیسے بت پرست اور مجوسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ شریعت نے کافروں کی ولایت کو مسلمانوں سے الگ کردیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۴/۱۴۱

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر کوئی اختیار نہیں دیا۔

اگر کافر کی شادی مسلمان عورت کے ساتھ جائز ہوتی تو کافر کے لئے مسلمان عورت پر کوئی نہ کوئی اختیار ثابت ہوتا۔

کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح...... کتابیات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی آسمانی دین پر ایمان رکھتی ہوں، جیسے یہودی عورتیں اور نصرانی عورتیں، اہل کتاب سے مراد اہل تورات اور اہل انجیل یعنی تورات وانجیل کے ماننے والے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ......المائدۃ ۵/۵

آج کے روز تمہارے لئے پاک چیزوں کو حلال کردیا گیا ہے، اور اہل کتاب کے کھانے کو تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے اور تمہارے کھانے کو ان کے لئے حلال کردیا گیا ہے، مومن عورتوں میں سے جو پاکدامن ہوں وہ حلال ہیں اور وہ لوگ جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ان میں سے پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال کردی ہیں۔

آیت کریمہ میں پاکدامن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ پاکدامن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے زوجین کے درمیان محبت والفت جنم لیتی ہے اور خاندانی اطمینان وسکون میسر ہوتا ہے۔

صحابہ کرام ذمیوں کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ کے ساتھ نکاح کیا حالانکہ نصرانیہ تھیں، اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدائن کی ایک یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم نے کوفہ میں زمانہ فتوحات میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا ہے۔

کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کا سبب مشرکہ کے ساتھ عدم جواز کے برعکس ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کتابیہ عورت مسلمان مرد کے ساتھ مل کر اسلام کی طرف راغب ہوگی کیونکہ وہ بعض اساسی اور بنیادی عقائد کا اعتقاد رکھتی ہے چنانچہ وہ معبود باری تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے، رسولوں پر ایمان رکھتی ہے، روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے، حساب وعذاب پر ایمان رکھتی ہے، ان بنیادی عقائد کی روشنی میں اسکا حق کی طرف مائل ہونا اور بھی یقینی ہو جاتا ہے اس طرح خاندانی زندگی بہتر نہج پر ڈھل سکتی ہے اور اس کے اسلام قبول کرنے کی قوی امید ہوتی ہے۔

مسلمان مرد کتابی عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے جبکہ کتابی مرد مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مرد تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اور تمام ادیان کے اصول پر ایمان رکھتا ہے نیز عورت مرد کے تابع ہوتی ہے لہٰذا مسلمان مرد کے عقیدہ کے فساد کا خوف نہیں ہوتا جبکہ غیر مسلم مرد اسلام کا عقیدہ نہیں رکھتا ہوتا اس لئے یہاں قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کو اپنے دین کی طرف مائل کردے گا اور عورت عادۃً بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔

کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے:۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کچھ مسلمانوں نے کتابیات کے ساتھ نکاح کرلیا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا: ان کتابیات کو طلاق دو۔ چنانچہ سبھی لوگوں نے کتابیات کو طلاق دے دی البتہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے طلاق نہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اسے طلاق دے دو، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ نشئی ہوتی ہیں جو جھاڑ کی مانند لپٹ جاتی ہیں اسے طلاق دے دو۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں پہلی بات دہرائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جانتا ہوں کہ کتابی عورتیں ایسی ہی ہیں لیکن یہ میرے لئے حلال ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کتابیہ کو طلاق دے دی، ان سے دریافت کیا گیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے تمہیں حکم دے رہے تھے اس وقت اس عورت کو طلاق کیوں نہ دی؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اچھا نہ سمجھا کہ لوگ مجھے ایسے کام کا مرتکب دیکھیں جو میرے حال کے مناسب نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات خاوند کا دل کتابیہ کی طرف مائل ہو جائے گا اور وہ فتنے میں پڑ سکتا ہے۔

رہی بات حربیہ کی سو حنفیہ کے نزدیک دار الحراب میں حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ دار الحراب میں اس کے ساتھ نکاح کرنے سے فتنوں کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک خلاف اولیٰ ہے۔

فی الواقع کتابیات کے ساتھ نکاح کرنے میں بہت سارے مفاسد ہیں اولاً وہ پاکیزہ عائلی زندگی جسے اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہو جاتی ہے قومی اور دینی اعتبار سے مفاسد کا دروازہ کھل جاتا ہے، بسا اوقات کتابیات غیر مسلم ممالک کے لئے جاسوسی کرتی ہیں اور مسلم ممالک کے بہت سارے خفیہ راز افشا کردیتی ہیں۔ بسا اوقات کتابیات سے پیدا ہونے والی اولاد

عقائد کے اعتبار سے غیر مسلم ہو جاتی ہے، بسا اوقات کتابیات کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو ضرر میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کتابیہ عورت راست باز نہیں ہوتی۔

جصاص نے اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ کو خط لکھا کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ جواباً لکھا: کیا یہ عورت مجھ پر حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ عورت حرام تو نہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس کی وجہ سے زانی عورتوں تک جا پہنچو گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآ ثار میں مذکور بالا حدیث کے مضمون کی ایک اور حدیث بھی نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح کر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ اسے چھوڑ دو، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: اے امیر المؤمنین کیا یہ عورت مجھ پر حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں کہ میرا یہ خط ہاتھ سے نیچے رکھنے سے پہلے اس عورت کو طلاق دے دو۔ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ لوگ تمہاری اقتداء کرنے لگ جائیں گے اور یوں ذمی عورتوں کو پسند کرنے لگ جائیں گے اور جس سے مسلمان عورتیں فتنہ میں پڑ جائیں گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کتابیہ عورت کے ساتھ شادی کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے میں ضرر اور فساد ہے۔ وہ یہ کہ یا تو کتابی عورتوں میں سے طوائف کے ساتھ نکاح کا رواج پڑ جائے گا یا مسلمان کتابی عورتوں کو ترجیح دینا شروع کر دیں گے، اور یوں مسلمان عورتیں بغیر شادی کے رہ جائیں گی۔

کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں شافعیہ کا موقف...... جمہور کے نزدیک کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، البتہ شافعیہ نے کتابیہ کے ساتھ نکاح کے جواز کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے۔ چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں: کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال ہے لیکن حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے، اسی طرح شافعیہ کے اصح قول کے مطابق ذمیہ کے ساتھ نکاح کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ حربیہ کی طرف میلان ہو جانے کی صورت میں فتنے کا اندیشہ ہے۔

اگر کتابیہ اسرائیلیہ ہو تو پھر اگر اس کے قدیم آباؤ اجداد کے یہودی ہونے کا علم ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، کیونکہ اس سے یہ بات یقینی ہوگی کہ اس کے آباؤ اجداد کا غیر منسوخ یہودیت پر ایمان رہا ہوگا یا کم از کم شک کے درجے میں ہوگا، اگر اس کے آباؤ اجداد کا قدیم یہودی ہونا معلوم نہ ہو تو اس اسرائیلیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ اب یہودیت کی فضیلت ختم ہو چکی ہے۔

اگر کتابیہ نصرانیہ ہو تو وہ مسلمان کے لیے حلال ہے بشرطیکہ اس کی قوم کا عیسائی ہونا یقینی ہو کیونکہ جب عیسائی دین برحق تھا اور منسوخ نہیں ہوا تھا اس کے آباؤ اجداد اس حق دین کے ماننے والے تھے۔ اور اگر اس کے آباؤ اجداد کا علم نہ ہو کہ آیا انہوں نے غیر منسوخ عیسائی دین قبول کیا یا نہیں تو اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوگا۔

میرے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے کیونکہ ان کے دلائل قوی ہیں۔

مجوسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا...... اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہوتے۔ ❶ اس کی دلیل سابقہ آیت کریمہ ہے:

ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا

یہ کہ تم کہتے ہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو جماعتوں پر نازل کی گئی ہے۔ الانعام ۶/ ۱۰۶

---

❶...... احکام القرآن للجصاص ۲/ ۳۲۷، المغنی ۶/ ۵۹۱، البدائع ۲/ ۲۷۱

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب کی دو جماعتیں ہیں، اگر مجوسی اہل کتاب میں سے ہوتے تو اہل کتاب کی تین جماعتیں ہوتیں۔

نیز مجوسی اپنے کسی حکم کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ وہ تو زرتشت کی کتاب پڑھتے ہیں اور وہ جھوٹا نبی تھا، گویا مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں۔

مجوسیوں کے اہل کتاب نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں جب مجوسیوں سے جزیہ لینے کا وقت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ میں ان مجوسیوں کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ چنانچہ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ: مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ رواہ الشافعی

اس سے معلوم ہوا کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں۔ ❶

سامرہ اور صابئہ کا حکم...... سامرہ یہودیوں کا ایک طائفہ ہے اور صابئہ نصرانیوں کا ایک فرقہ ہے۔

امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کہتے ہیں: سامرہ اور صابئہ دونوں فرقے اہل کتاب میں سے ہیں، لہٰذا مسلمان مرد صابئات کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ صابئہ فرقہ کتاب پر ایمان رکھتا ہے، چنانچہ وہ زبور پڑھتے ہیں۔ اور ستاروں کو نہیں پوجتے۔ ہاں البتہ وہ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان کعبۃ اللہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہاں البتہ صابئہ فرقہ بعض دینی معاملات میں اہل کتاب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ چیز نکاح کے مانع نہیں۔

صاحبین کہتے ہیں صابئہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ صابئہ فرقہ ستاروں کی پرستش کرتا ہے۔ جبکہ پجاری بت پرست کے حکم میں ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ ان کے ساتھ نکاح کریں۔

بقول بعض یہ اختلاف حقیقۃً اختلاف نہیں بلکہ اس اختلاف کا دارومدار فریقین کے مذہبی اشتباہ پر ہے، چنانچہ جن حضرات نے صابئہ کو بت پرست تصور کیا ان کے نزدیک نکاح جائز نہیں اور جن حضرات نے انہیں اہل کتاب تصور کیا ان کے نزدیک نکاح جائز ہے۔

حق بات یہی ہے اور یہی شافعیہ کی رائے کے موافق بھی ہے، چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں: اگر اصل دین میں سامرہ فرقہ یہود کے مخالف ہو اور صابئہ فرقہ نصرانیت کے خلاف ہو تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوگا اور اگر اصل دین میں ان کے موافق ہوں تو نکاح جائز ہوگا۔ امام قدوری نے اپنی کتاب میں اسی رائے کو حتمی قرار دیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔ چنانچہ امام قدوری رقمطراز ہیں۔ اگر صابئین کسی نبی پر ایمان رکھتے ہوں اور کسی کتاب کو بھی پڑھتے ہوں تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے، اور اگر صابئین ستاروں کی عبادت کرتے ہوں اور کسی کتاب کا اقرار نہ کرتے ہوں تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ ❷

ایسی عورت کا حکم جو بت پرست باپ اور کتابیہ ماں سے پیدا ہوئی ہو؟

اگر کافرہ عورت کے والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا بت پرست ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ عورت خالص کتابیہ نہیں ہوتی، نیز جب حلت وحرمت جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔ ❸

کتابی کا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہونا...... اگر مجوسی یا کتابی اپنا دین تبدیل کردے بت پرست بن جائے تو اسے بت پرستی پر برقرار نہیں رکھا جائے گا، چنانچہ فقہاء کی ایک رائے کے مطابق اگر کتابی اپنے دین پر نہ لوٹا تو اسے قتل کر دیا جائے گا، ان کی دلیل عموم حدیث ہے۔ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو۔ ❹

❶......نیل الاوطار ۸/۵۶ ❷ اللباب ۳/۷. ❸مغنی المحتاج ۳/۱۸۹، المغنی ۶/۵۹۲ المھذب ۲/۴۴. ❹رواہ الجماعة الامسلماً عن ابن عباس (نیل الاوطار ۷/۱۹۰)

دوسری رائے کے مطابق کتابی قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اپنے دین پر لوٹنے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے لئے اسے قید و بند اور مارا بھی جاسکتا ہے۔

ایک کتابی ایک دین سے دوسرے کتابی دین کی طرف منتقل ہو جائے۔ مثلاً یہودی نصرانیت قبول کرے یا نصرانی یہودی بن جائے تو شافعیہ کے ظاہری قول کے مطابق سوائے اسلام کے دوسرا دین قابل قبول نہیں ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت منقول ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ...... آل عمران ۳/۸۵

جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش کیا تو اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس شخص نے ایک دین کے بطلان کا اعتراف کرنے کے بعد دوسرا باطل دین اختیار کر لیا، لہٰذا اسے اس دین پر برقرار نہیں رہنے دیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مسلمان مرتد ہو جائے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتابی کو دوسرے کتابی دین پر برقرار رکھا جائے گا، حنابلہ کی بھی ایک یہی روایت ہے۔ کیونکہ یہ کتابی اہل کتاب کے دین سے نہیں نکلا، لہٰذا ہم اس کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

رہی یہ حدیث کہ جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو۔ اس میں دین سے مراد دین اسلام ہے۔

اگر بت پرست یہودی بن جائے یا نصرانی بن جائے تو شافعیہ کے نزدیک اسے مبدل دین پر برقرار نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس کے حق میں اسلام ہی متعین ہوگا۔ جیسے کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اسے ارتداد پر نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ اس کے حق میں اسلام ہی متعین ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور حنابلہ کے نزدیک اسے دین مبدل پر برقرار رہنے دیا جائے گا۔ ❶ کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے کیونکہ کفر میں رب تعالیٰ کی تکذیب کی جاتی ہے۔

زوجین دونوں یا کوئی ایک اگر مرتد ہو جائے......شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے اور ارتداد صحبت سے پہلے ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور اگر صحبت کے بعد ردت ہو تو فرقت عدت کے گزرنے تک موقوف رہے گی، اگر دوران عدت اسلام پر لوٹ آئے تو نکاح برقرار رہے گا۔ اگر دوران عدت اسلام کی طرف نہ لوٹے تو نکاح کو بوقت ارتداد فسخ سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر خاوند نے وطی کر دی تو شبہ کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہوگی، عورت پر عدت واجب ہوگی۔

اگر زوجین غیر مسلم ہوں بیوی اسلام قبول کرلے پھر دوران عدت خاوند نے بھی اسلام قبول کرلیا تو دونوں کو زوجیت اور سابق نکاح برقرار رکھا جائے گا۔ اور اگر زوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کرلیا اور دوران عدت دوسرے نے اسلام قبول نہ کیا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔

چنانچہ صحیح روایت ہے بنی تغلب جو کہ نصرانی تھے کے ایک شخص کی بیوی نے اسلام قبول کیا جبکہ اس شخص نے قبول اسلام سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے درمیان تفریق کروادی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر نصرانی عورت اپنے خاوند سے قبل اسلام قبول کرلے تو اسے اپنے نفس کا مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

غیر مرتد کفار کے نکاحوں کا حکم:۔ غیر مسلموں کے آپس کے نکاح آیا کہ صحیح ہوں گے یا فاسد؟ اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کی دو طرح کی آراء ہیں۔

مالکیہ: کہتے ہیں غیر مسلمین کے آپس کے نکاح فاسد ہیں ❷ کیونکہ اسلام میں نکاح کے صحیح ہونے کی مختلف شرائط ہیں اور غیر مسلمین

---

❶......البدائع ۲/ ۲۷۱، اللباب ۳/ ۲۶، العنایتہ علی فتح القدیر ۴/ ۳۹۶ الشرح الصغیر ۲/ ۴۲۲۔ مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۹، المغنی ۳/ ۱۸۹، المہذب ۲/ ۵۲ ❷الشرح الصغیر ۲/ ۴۲۲

ان شرائط کی رعایت نہیں رکھتے۔لہٰذا ان کے نکاحوں کے صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

جمہور: کہتے ہیں ❶ غیر مرتد کفار کے نکاح صحیح ہیں، انہیں ان کے نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔یعنی اگر غیر مسلمین اسلام قبول کرلیں یا ہمارے پاس مقدمہ لائیں تو انہیں نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔بشرطیکہ خاوند عورت کے محارم میں سے نہ ہو۔اور اگر محارم میں سے ہو تو اس نکاح کو برقرار نہیں رکھا جائے گا۔حنفیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو محل کی حرمت کی وجہ سے حرام ہو جیسے محارم کا نکاح تو وہ جائز واقع ہوگا۔

حنفیہ نے جمہور کے ساتھ اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ غیر مسلمین کے نکاح کی کیفیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اور ان کے لئے مسلمانوں کے نکاح کی شرائط عائد نہیں کی جائیں گے،ان کے حق میں وہی نکاح معتبر ہے جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہوں۔بعد از قبول اسلام انہیں نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

بنابر ہذا جمہور کے نزدیک غیر مسلمین کے نکاح پر مسلمانوں کے نکاح کے احکام لاگو ہوں گے یعنی بیوی کا نفقہ، سکنیٰ وغیرہ خاوند پر واجب ہوگا،طلاق واقع ہو جائے گا،عدت واجب ہوگی، پیدا ہونے والے بچے کا باپ سے نسب ثابت ہو جائے گا، زوجین کے درمیان حق وراثت ثابت ہوگا،اہل ذمہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں،اگرچہ ان کے ادیان مختلف ہوں، کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے۔

جمہور کی دلیل درج ذیل آیات ہیں۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ ......القصص ۲۸/۹

فرعون کی بیوی نے کہا۔

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ سورۃ اللہب ۱۱۱/۴

اور اس کی بیوی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔

چنانچہ کفار کے آپسی کے نکاح اگر باطل ہوتے تو مذکورہ بالا عورتیں اپنے کفار خاوندوں کی حقیقت میں بیویاں نہ ہوتیں۔نیز نکاح حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے،چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔میری ولادت نکاح کے نتیجہ میں ہوئی ہے بغیر نکاح کے میری ولادت نہیں ہوئی۔❷ حدیث میں جاہلی طریقہ نکاح کی نفی کی گئی ہے وہ یہ کہ عورت نکاح سے پہلے کسی مرد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرلیتی تھی پھر نکاح کرلیتی۔چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی طریقہ پر ہونے والے نکاحوں کو نکاح سے تعبیر کیا ہے اگر ہم جاہلی نکاحوں کو باطل قرار دیں تو بہت سارے انبیاء کے انساب پر طعنہ لازم آئے گا۔

اسی طرح غیلان ثقفی کی حدیث ہے کہ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں،جنہوں نے غیلان کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار عورتوں کو اپنے لئے اختیار کرلو اور بقیہ عورتوں کو الگ کردو۔❸ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط نکاح کا مطالبہ نہیں کیا،لہٰذا غیر مسلموں کے نکاحوں کے متعلق شرائط نکاح سے بحث نہیں کی جائے گی۔

۴۔ بیوی کی بہن اور اس کے محارم...... بالفاظ دیگر اس کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایک نکاح میں بیوی اور اس کی بہن یا اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ وغیرہ کو جمع کرنا حرام ہے۔اس کا ضابطہ یہ ہے کہ عورت اور اس کی محرم میں سے کسی ایک کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔چنانچہ محرمات کے ~~متعلق~~ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

اور یہ بھی تمہارے اوپر حرام کردیا گیا ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو۔ہاں البتہ قبل ازیں جو گزر چکا سو گزر چکا۔

---

❶......البدائع ۲/ ۲۷۲ الدرالمختار ۲/ ۵۰۶ مغنی المحتاج ۳/ ۱۹۳، المغنی ۶/ ۲۱۳۔ ❷رواہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم وابن عساکر عن علی۔ (مجمع الزوائد ۸/ ۲۱۴) ❸رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی عن ابن عمر (نیل الاوطار ۶/ ۱۰۹)

اس تحریم کی عقلی دلیل یہ ہے کہ دو ذی رحم محرم عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے قطع رحمی کا اندیشہ قوی تر ہو جاتا ہے چونکہ دو سوکنیں آپس میں اتفاق اور حسن سلوک سے کب رہتی ہیں فطری طور پر دو سوکنوں کے درمیان آپس میں بغض وعداوت پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ماں بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے بلکہ ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا بطریق اولیٰ حرام ہے کیونکہ ولایت کی قرابت داری بھائی چارے کی قرابتداری سے زیادی قوی ہوتی ہے۔ لہٰذا دو بہنوں کے متعلق وارد نص ماں بیٹی کے متعلق بطریق اولیٰ معمول بہا ہوگی۔

اسی طرح بیوی اور اس کی پھوپھی، بیوی اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ پھوپھی بمنزلہ ماں کے ہے، اور خالہ بھی تو ماں ہے، سنت میں صراحۃً بیوی اور پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی یا خالہ پر عورت (یعنی بھتیجی یا بیوی کی بھانجی) کو نکاح کر کے لانے سے منع فرمایا ہے۔ ⓫

ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے۔ پھوپھی پر بھتیجی نکاح کر کے نہ لائی جائے، اور نہ ہی بھتیجی پر پھوپھی لائی جائے، خالہ پر بھانجی نہ لائے جائے اور نہ ہی خالہ بھانجی پر لائی جائے، بڑی چھوٹی پر نہ لائی جائے اور چھوٹی پر بڑی نہ لائی جائے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ اس حدیث نے آیت کریمہ واحل لکم ما وراء ذالکم میں تخصیص کردی۔ نیز دو ذی رحم محرم عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا قطع رحمی پر منتج ہوتا ہے، کیونکہ دو سوکنیں آپس میں جھگڑتی رہتی ہیں، ان میں اختلاف کا ہونا فطری ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم قطع رحمی کی طرف پیش رفت کرو گے۔

محارم کو جمع کرنے کا فقہی قاعدہ...... فقہاء نے نصوص سے ایک ضابطہ مستنبط کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے ایک کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ ⓬

چنانچہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر دو بہنوں میں سے ایک کو ہم مرد فرض کریں تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو گا چونکہ بھائی بہن آپس میں نکاح نہیں کر سکتے، اسی طرح بھتیجی اور پھوپھی کو جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو مرد اور پھوپھی کا نکاح حرام ہے۔

اسی طرح بھانجی اور خالہ کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر بھانجی کو مرد تصور کر لیا جائے تو بھانجے اور خالہ کے درمیان نکاح حرام ہے، وکذا اعکسہ۔

اگر دونوں عورتوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے اور ان کا آپس میں نکاح حلال ہو تو ایسی دو عورتوں کو آپس میں جمع کرنا حلال ہے جیسے دو چچازاد یا خالہ زاد بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ چنانچہ آدمی اپنی چچازاد بہن یا خالہ زاد بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔

اگر اس فرض واعتبار سے تحریم صرف جانب واحد سے ہو اور دوسری طرف سے تحریم نہ ہو تو حرمت نہیں ہوگی گویا دونوں عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہوگا۔ مثلاً ایک عورت پہلے خاوند کی مطلقہ ہو اور اس پہلے خاوند کی دوسری بیوی سے ایک بیٹی ہو تو اس مطلقہ عورت اور بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں، اور جیسے ایک عورت ہو اور اس کے باپ کی منکوحہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں دونوں عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی ذی رحم محرم کا رشتہ نہیں۔ چنانچہ پہلی صورت میں اگر بیٹی کو مرد فرض کر لیا جائے تو وہ عورت یعنی باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی البتہ اگر عورت کو مرد تصور کیا جائے تو اس سے باپ کی منکوحہ ہونے کی صفت زائل ہو جائے گی اور وہ بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ بیٹی اجنبی ہوگی ان میں کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر بن علی

⓫...... رواہ الجماعه (سبل السلام ۳/ ۱۲۴ نیل الاوطار ۶/ ۱۴۶) ⓬البدائع ۲/ ۲۶۲، الدر المختار ۲/ ۳۹۱ مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۰، اللباب ۳/ ۶، المهذب ۲/ ۸۳ بداية المجتهد ۲/ ۴۰

بن ابی طالب نے اپنے نکاح میں اپنے چچا علی رضی اللہ عنہ کی بیوی لیلیٰ بنت مسعود نہشلیہ اور حضرت علی کی دوسری بیوی کے بطن سے بیٹی حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جمع کیا تھا حالانکہ لیلیٰ، ام کلثوم کی سوتیلی ماں تھی، اس پر صحابہ نے انکار نہیں کیا۔

ایک نکاح میں دو چچا زاد بہنوں کو دو ماموں زاد بہنوں کو دو خالہ زاد بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے (یعنی ایک بیٹی ایک چچا کی ہو اور دوسری دوسرے چچا کی) کیونکہ ان کی حرمت کے متعلق نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ نیز یہ عورتیں عموم آیت میں داخل ہیں:

وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ ......النساء ۴؍۲۴

نیز اگر ان میں سے ایک عورت کو مرد فرض کرلیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز ہوگا لہٰذا ایک نکاح میں انہیں جمع کرنا جائز ہے۔ البتہ دو چچا زاد یا خالہ زاد یا ماموں زاد بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی کراہت کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطع رحمی کا اندیشہ قوی ہونے کی وجہ سے ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ امام شافعی اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔

دو بہنوں کو عقد واحد میں جمع کرنے کا حکم...... اگر کسی شخص نے عقد نکاح میں ایسی دو عورتوں کو جمع کرلیا جن میں محرمیت کا تعلق ہو جیسے دو بہنیں بھتیجی اور پھوپھی یا بھانجی اور خالہ تو اس نکاح کے حکم میں تفصیل ہے۔ ❶

ا۔ اگر ایک ہی عقد میں دونوں کے ساتھ نکاح کیا تو دونوں کے ساتھ نکاح فاسد ہو جائے گا ہاں باطل نہیں ہوگا، پھر اگر صحبت سے پہلے تفریق ہو جائے تو دونوں عورتوں کو مہر میں سے کچھ نہیں ملے گا، اور ان پر عدت بھی نہیں ہوگی، کیونکہ نکاح فاسد کا دخول سے قبل کوئی حکم نہیں ہوتا۔ اسی طرح خلوت کے بعد بھی اس کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔

اگر ناکح نے دونوں کے ساتھ صحبت کرلی ہو تو ہر عورت کے لئے حنفیہ کے نزدیک مہر مثل ہوگا۔ لیکن مقررہ مہر سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ عورت مقررہ مہر پر رضامند تھی، جیسا کہ نکاح فاسد کا یہی حکم ہے۔ دونوں عورتوں پر عدت واجب ہوگی، اور نکاح فاسد میں بھی صحبت کا یہی حکم ہے۔

ب۔ اگر دونوں عورتوں کے ساتھ مستقلاً یعنی الگ الگ نکاح کیا ہو بایں طور کہ پہلے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا تو پہلا نکاح صحیح ہوگا دوسرا نکاح فاسد ہوگا۔ کیونکہ اصل فساد دوسری عورت کو نکاح میں لانے سے ہوا ہے لہٰذا فساد نکاح کو اسی دوسری عورت کے عقد نکاح پر منحصر رکھا جائے گا۔ چنانچہ خاوند اور دوسری عورت کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اگر تفریق صحبت سے پہلے عمل میں آئی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا اور اس پر عدت بھی نہیں ہوگی اور اگر صحبت کے بعد تفریق ہوئی ہو تو عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مقررہ مہر سے زائد نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ دارالاسلام میں ہونے والی وطی عقر (مہر) سے خالی نہیں ہوتی عقر میں یا تو حد واجب ہوتی ہے یا مہر، شبہ نکاح کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی اور مہر واجب ہوگا اور عوت پر عدت ہوگی۔

جب تک دوسری عورت کی عدت گزر نہ جائے تب تک پہلی عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہوگا، تاکہ من وجہ بھی دونوں عورتوں کو جمع نہ کرپائے جبکہ محارم کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

ج۔ اگر دونوں محارم کے ساتھ الگ الگ نکاح کیا لیکن یہ معلوم نہ رہا کہ پہلے کس عورت سے نکاح کیا اور بعد میں کس عورت سے تو دونوں عورتوں اور خاوند کے درمیان تفریق کردی جائے گی، کیونکہ یقیناً ایک عورت کا نکاح فاسد ہے اور وہ عورت مجہول ہے اور نکاح کے مقاصد مجہول عورت سے حاصل نہیں ہوتے، لہٰذا دونوں کے درمیان تفریق واجب ہے۔ اگر دونوں عورتوں میں سے ہر ایک دعویٰ کررہی ہو کہ پہلے اس سے نکاح ہوا ہے تو ہر ایک کو نصف نصف مہر ملے گا کیونکہ ان میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہے جبکہ تفریق صحبت سے پہلے

❶......البدائع ۲؍۲۶۳، اللباب مع الکتاب ۳؍۲۲۔

ہوتی ہے لہٰذا نصف مہر واجب ہوگا۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں اگر کسی شخص نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کر دیا یا دو رضاعی بہنوں یا نسبی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کر دیا تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا اور اگر آگے پیچھے نکاح کیا تو دوسرا نکاح باطل ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحبت کرنے پر مہر مثل واجب ہوگا۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک مقررہ مہر واجب ہوگا۔ ❶

عدت میں دو بہنوں کو جمع کرنا ❷..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وفات کی وجہ سے واقع ہونے والی فرقت کے بعد محارم کو جمع کرنا جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی مرگئی تو خاوند متوفیہ کی بہن، پھوپھی، خالہ کو بغیر انتظار مدت کے نکاح میں لاسکتا ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورت کی عدت کے دوران اس کے محارم کو نکاح میں لانا جائز نہیں، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو خاوند بیوی کی عدت کے دوران بیوی کے محارم (بہن، پھوپھی، خالہ) کو نکاح میں نہیں لاسکتا، البتہ عدت گزر جانے کے بعد نکاح میں لاسکتا ہے، کیونکہ عدت میں سابق نکاح کے احکام باقی رہتے ہیں۔

اگر عورت کو طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ دی گئی ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو آیا کہ اس کی عدت میں اس کی محارمات کو نکاح میں لانا جائز ہے؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کی طلاق بائنہ یا طلاقہ مغلظہ کی عدت میں مطلقہ کی بہن، پھوپھی، خالہ کو نکاح میں لانا جائز نہیں، چنانچہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کا نطفہ دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ ہونے پائے۔ ❸ دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت کے دوران بائنہ عورت سے بھی نکاح کرنا حرام ہوتا ہے۔ لہٰذا بائنہ اس امر میں رجعیہ کے مشابہ ہوئی نیز دوران عدت عورت کی ذوی الارحام عورتوں سے نکاح کرنے سے قطع رحمی جنم لیتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ یہی راجح رائے ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ..... کہتے ہیں مطلقہ بائنہ ومغلظہ جو عدت گزار رہی ہو اس کی عدت میں اس کی بہن اور ان عورتوں جو بہن کے حکم میں ہوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ طلاق بائنہ اور طلاق مغلظہ کی وجہ سے نکاح سابق کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں، چنانچہ طلاق دہندہ کے لئے مطلقہ صرف عقد جدید سے حلال ہوتی ہے، اس وقت دو عورتیں فراش واحد کے حکم میں جمع نہیں ہوتیں۔

حنابلہ..... کہتے ہیں اگر مجوسیہ یا بت پرست عورت کا خاوند اسلام قبول کرلے یا خلع، رضاع، عیب یا تنگدستی کی وجہ سے زوجہ کا نکاح فسخ کر دیا جائے تو خاوند عورت کی ایسی محرمات کو نکاح میں نہیں لاسکتا جن کو نکاح واحد میں جمع کرنا حرام ہو یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

اگر مجوسی کی بیوی اسلام قبول کرلے پھر مجوسی مسلمہ کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کرلے اور پھر وہ دونوں اسلام قبول کرلیں درحالیکہ پہلی عورت (مسلمہ) کی عدت ابھی نہ گزری ہو تو خاوند ان دونوں عورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے، یہ ایسا ہی ہے جیسے دونوں عورتوں کو اکٹھے نکاح میں لایا ہو، اور اگر خاوند پہلی عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام قبول کرے تو عورت بائنہ ہو جائے گی اور دوسری عورت کا نکاح پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو وہ اس عورت کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا تاوقتیکہ اس کی عدت نہ گزر جائے، زنا اور وطی شبہ کی عدت کا حکم نکاح کی عدت جیسا ہے۔

---

❶..... مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۰، القوانین الفقیہ ۲۰۹ کشاف القناع ۵/ ۸۱ المقدمات المهدات ۱/ ۴۰۸۔

❷ الدرالمختار ۲/ ۳۹۰ اللباب ۳/ ۶، القوانین الفقهیه ۲۰۹، ❸ المهذب ۲/ ۴۳ کشاف القناع ۵/ ۸۱

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن کے ساتھ زنا کرلے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ زانی اپنی بیوی کے ساتھ وطی نہ کرے تاوقتیکہ مزنی بہا کے تین حیض گزر جائیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مزنی بہا کا استبرائے رحم ایک حیض سے بھی ہو جائے گا کیونکہ زنا بغیر نکاح کے وطی ہوتی ہے، وطی زنا کے احکام نکاح کے احکام کی طرح نہیں۔

اگر خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس کی بیوی نے اسے خبر دی ہے کہ اس کی عدت گزر چکی ہے اور دعویٰ اتنی مدت کے بعد ہو کہ اتنے عرصہ میں عدت گزر سکتی ہو جبکہ عورت اس کے دعویٰ کی تکذیب کرتی ہو تو خاوند اس عورت کی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، اور ظاہر میں اس عورت کے علاوہ چار عورتیں نکاح میں لاسکتا ہے جبکہ باطن میں بھی خاوند کی سچائی پر نکاح کا دارومدار ہوگا، کیونکہ یہ اس کے اور اللہ کے درمیان معاملہ ہے تاہم خاوند کا قول قبول کرلیا جائے گا۔

چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح......اہل سنت والجماعت کے تمام مذاہب میں مرد ایک ہی وقت میں نکاح میں چار سے زائد عورتیں جمع نہیں کرسکتا، اگرچہ ان چار میں سے کوئی عورت مطلقہ ہو اور عدت گزار رہی ہو۔ اگر پانچویں عورت نکاح میں لانا چاہتا ہو تو ان چار میں سے ایک کو طلاق دے اور جب اس کی عدت گزر جائے تو پھر پانچویں عورت نکاح میں لائے۔ کیونکہ نص قرآنی ایک شخص کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں آن واحد میں جمع کرنی جائز قرار نہیں دیتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ النساء ۴/۳

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کی بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اس طریقہ میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔

آیت کا معنی ہے کہ اگر تمہیں یتیموں کے معاملہ میں ظلم کا خوف ہو اور تم ان کے مہر میں عدل نہ کرسکو یا ان کے نکاح میں انصاف نہ کرسکو یا تمہیں ان کی ولایت اور سرپرستی میں دقت محسوس ہو اور تمہیں اسی طرح عام عورتوں کے متعلق ظلم کا اندیشہ ہو تو بیویوں کی تعداد کم کردو اور ان میں سے صرف چار پر اکتفاء کرلو، اور اگر تمہیں ایک سے زائد عورتوں پر ظلم کا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت پر اکتفاء کرلو ملحوظ رہے کہ ''مثنیٰ اثنین اثنین سے معدول ہے، چنانچہ عربی مقولہ جاء نی القوم مثنیٰ مثنیٰ ای اثنین اثنین یعنی میرے پاس قوم کے دو دو آدمی آئے۔ ثلاث اور رباع میں بھی یہی تفصیل ہے۔ اس سے زوجات کی انواع اور لوگوں کے جتھوں کو بیان کرنا مقصود ہے۔ مثنیٰ وثلاث ورباع میں واؤ برائے تخییر ہے نہ کہ جمع کے لئے۔

مذکورہ آیت کے مدلول کی وضاحت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہو جاتی ہے کہ غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا اس کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، وہ سب کی سب غیلان کے ساتھ اسلام لے آئیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان کو حکم دیا کہ ان دس میں سے چار کا انتخاب کرلو۔ [1]

نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ نے قیس بن حارث کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے اسلام قبول کیا جبکہ میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ ذکر کیا آپ نے فرمایا: ان میں سے چار

[1]......رواہ احمد و ابن ماجہ والترمذی عن ابن عمر (نیل الاوطار ۶/ ۱۰۹)

عورتوں کا انتخاب کرلو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نوفل بن معاویہ کی روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا جبکہ ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں چار اپنے نکاح میں رکھ لو اور پانچویں کو الگ کردو۔ ❶

عہد صحابہ وعہد تابعین میں کسی ایک کے متعلق بھی منقول نہیں کہ اس نے اپنے نکاح میں چار سے زائد عورتیں جمع کی ہوں گویا چار سے زائد عورتوں کے جمع کرنے کی حرمت پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے، نیز اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں وہ حسن لغیرہ کے مرتبہ سے کم نہیں ہیں۔ اور یہ احادیث مجموعی حیثیت سے قابل احتجاج ہیں، اگرچہ انفرادی طور پر ان احادیث پر کلام کیا گیا ہے، جیسا کہ علامہ شوکانی نے لکھا ہے۔

بعض شرذمہ قلیلہ مذکورہ آیت میں تاویل کرتے ہیں اور ان کے نزدیک مرد نو عورتوں کو وقت واحد میں نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ ان کا استدلال ظاہر آیت سے ہے۔ مثنیٰ وثلاث ورباع۔ ان کے نزدیک واؤ برائے جمع ہے گویا ۲+ ۳+ ۴=۹ عورتیں نکاح میں رکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے استدلال کا جواب دیا گیا ہے کہ آیت خطاب کے اعتبار سے لوگوں کے زواج پر محمول ہے۔ اور واؤ مثنیٰ وثلاث ورباع میں تخییر کے لئے ہے، چنانچہ اسی طرح کی ترکیب دوسری آیت میں بھی ہے:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ...... فاطر، ۱/۳۵

اللہ فرشتوں کو قاصد بنا کر بھیجنے والا ہے جو کہ دو دو، تین تین، چار چار، پروں والے ہیں۔

یعنی فرشتوں کے مختلف گروہ ہیں، ان میں سے بعض کے دو دو پر ہیں بعض کے تین اور بعض کے چار چار، چنانچہ مثنیٰ، اثنین سے عبارت نہیں بلکہ مثنیٰ سے عدد کا دو مرتبہ ہونا کم از کم مراد لیا جاتا ہے اور ثلاث سے عدد کا تین مرتبہ ہونا کم از کم مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح رباع بھی۔

صرف چار عورتوں پر اکتفاء کا سبب...... انسان کی فطرت میں رغبت ودیعت کردی گئی ہے چنانچہ فطرت انسانی کسی ایک چیز پر قانع نہیں ہوتی اس لئے شریعت نے انسانی فطرت کی رعایت رکھی اور انسان کو صرف ایک بیوی پر مجبور نہیں کیا بلکہ عورتوں کی تعداد میں وسعت رکھی ہے عندالصدر نکتہ کی وجہ یہ ہے کہ چار عورتوں کا نکاح میں رکھنے کی سہولت سے بہت سارے مقاصد حل ہوتے ہیں اور مردوں کی حوائج پوری ہوتی ہیں، چار عورتوں سے مردوں کی خواہشات حتی الامکان پوری ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ ہر مہینہ میں چار ہفتے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ میں ہفتہ وار باری ہر عورت کے حق میں پوری ہوسکتی ہے، اور شرعاً اس سے کفایت بھی ہوجاتی ہے، چار عورتوں سے نکاح مشروع ہونے سے انحراف اور مفاسد کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ عشقیہ مزاج ہوتے ہیں اور وہ طوائف اور بازاری عورتوں کو خواہش نفس کے لئے رکھ لیتے ہیں، چار عورتوں کے مشروع ہونے سے طبیعت میں قناعت آجاتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ بعض لوگوں کی طبیعت تو چار عورتوں سے بھی سیر نہیں ہوتی بھلا چار سے زائد عورتیں کیوں مشروع نہیں کی گئیں؟ کیونکہ انسانی طبیعت جو درجہ اعتدال میں ہو اور افراط وتفریط سے پاک ہو اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور چار سے زائد عورتوں کی صورت میں عورتوں پر ظلم کا امکان قوی تر ہوجاتا ہے، آخر عورتوں کے حقوق بھی تو پورے کرنے ہیں، چار کی حد میں حتی الامکان عورتوں کے حقوق پورے کئے جاسکتے ہیں جبکہ چار سے زائد میں ہفتہ وار مہینہ وار حقوق پورے کرنے میں کوتاہی ہوسکتی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ...... النساء ۳/۴

اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کرسکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو۔

---

❶ ......راجع الحديثين فی نيل الاوطار ۶/ ۱۴۰ لكن فی حديث قيس ضعيف فی اسناد حديث نوفل رجل مجهول.

یعنی اگر تم دو یا تین یا چار عورتوں کی باری، صحبت، نان نفقہ اور دوسرے حقوق میں عدل وانصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کر لو۔ کیونکہ ایک عورت کی صورت میں ظلم اور بے انصافی کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح چار عورتوں پر اکتفاء کر لینے میں عدل اور میانہ روی ہے اور ظلم وزیادتی کا احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے، یہ حکم قدیم جاہلی اور قبیلائی رواج کے خلاف ہے چنانچہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی تحدید نہیں ہوتی تھی، عقل بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ عورتوں کی کوئی نہ کوئی حد مقرر ہونی چاہیے۔

یہ محض اجازت اور اباحت کا حکم ہے شریعت زور نہیں دیتی کہ چار عورتیں ضرور نکاح میں ہوں، بلکہ خارج میں دیکھا جائے تو کہیں شاذ و نادر ہی ایسی مثال ملے گی کہ کسی مسلمان کے نکاح میں چار عورتیں ہو بلکہ عصر حاضر میں تو صرف ایک ہی عورت کا رواج عام ہے۔

ایک اور نکتہ...... اسلام افزائش نسل پر زور دیتا ہے چنانچہ حدیث میں ایسی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو زیادہ سے زیادہ بچے جنم دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت امت کو مفاخر اخرویہ میں سے شمار کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ایک مرد کے نکاح میں دو یا تین یا چار عورتیں ہوں گی اسکی اولاد بھی زیادہ ہوگی جبکہ ایک عورت سے محدود اولاد ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ (از مترجم)

ایک سے زائد عورتیں رکھنے کی قیود...... شریعت مطہرہ نے ایک سے زائد عورتیں رکھنے کی دو بنیادی قیود عائد کی ہیں وہ یہ ہیں:

۱...... بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل وانصاف کیا جائے۔ یعنی انسانی طاقت اور اختیار میں جتنا عدل ہے اتنا کرنا واجب ہے، اور وہ عورتوں کے درمیان مساوات کرنا، حسن سلوک رکھنا، مادی اور اخلاقی حوالے سے برابری کرنا، نان ونفقہ میں مساوات کرنا، شب باشی اور باری میں برابری کرنا وغیرہ۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ النساء ۴/۳

آیت کریمہ میں ایک عورت پر اکتفاء کرنے کی علت بے انصافی کا خوف قرار دیا ہے، پتہ چلا ایک سے زائد عورتوں میں عدل وانصاف واجب ہے۔

یہ جو عدل قید لگائی جاتی ہے عدل سے یہ مراد نہیں کہ قلبی میلان، محبت وعاطفت میں بھی برابری ہو کیونکہ یہ چیزیں انسانی اختیار میں نہیں ہوتی ہیں اور ان پر کسی کا کنٹرول نہیں، شریعت نے تو انسان کو ان امور کا مکلف بنایا ہے جو انسان کے مقدور اور بس میں ہوں۔ چنانچہ جبلی اور فطری امور کا انسان کو مکلف نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ محبت وبغض انسانی ارادے کے ماتحت نہیں۔

لیکن محبت کا بھوت تو انسانی اختیار میں ہے اور وہ امر متوقع ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں اسی محبت کے بھوت سے ڈرایا گیا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ...... النساء ۴/۱۲۹

عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تمہارے بس میں نہیں۔ چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو، البتہ کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز۔

اس آیت میں عدل کی شرط کی تاکید کی گئی ہے۔ اور عورتوں پر ظلم نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے بایں طور کہ ایک عورت ویسے ہی چھوڑ دی جائے کہ وہ لٹکی ہوئی دکھائی دے نہ اسے اپنے بیوی سمجھے اور نہ ہی اسے طلاق دے۔ جبکہ عقلمند شخص تو وہ ہوتا ہے جو امور کے وقوع سے قبل ہی ان کی بہتر تدبیر کر لے۔ آیت کریمہ نے ایسے ہی حالات اور داخلی کیفیات پر تنبیہ کی ہے، ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ عدل انسانی طاقت میں نہیں اسکی تاکید کی گئی ہے لہٰذا ایک سے زائد عورتیں جائز ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ شرط متحقق ہونا محال ہے۔

۲۔ ایک سے زائد عورتوں پر خرچہ کرنے کی قدرت ہو، چنانچہ شرعاً ایک سے زائد عورتیں رکھنا تبھی جائز ہے جب خاوند کو ان کے اخراجات

کی قدرت حاصل ہوا گر قدرت نہ ہوتو پھر زائد عورتیں رکھنا جائز نہیں اور یہ امر واضح ہے کہ بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اے نوجوانوں کی جماعت: تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت (خرچہ وغیرہ) رکھتا ہو وہ شادی کر لے۔

تعدد ازواج کی حکمت...... نکاح میں ایک ہی بیوی کا ہونا نظام زندگی کے اعتبار سے افضل ہے اور یہی شرعاً اصل ہے۔

جبکہ تعدد ازواج امر نادر ہے اور استثنائی صورت ہے جو کہ خلاف اصل ہے۔ تاہم خلاف اصل کا ارتکاب تبھی کیا جاتا ہے جب شدید حاجت پیش آئے، چنانچہ شریعت نے کسی پر بھی تعدد ازواج واجب نہیں کیا، بلکہ تعدد ازواج کی ترغیب بھی نہیں دی گئی، تاہم شریعت نے بعض عام اور بعض خاص اسباب کی وجہ سے تعدد ازواج کو مباح کیا ہے۔

اسباب عامہ...... تعدد ازواج میں ایک زبردست آفت کا علاج ہے وہ یہ کہ مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہونا ہے، چنانچہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا تناسب زیادہ ہے جیسے کہ شمالی یورپ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ جب مردوں کو ایک سے زائد عورتیں رکھنے کی اجازت ہوگی تو لامحالہ عورتوں کے زائد تناسب سے پیدا ہونے والے مفاسد کالعدم ہو جائیں گے۔

اسی طرح جنگوں میں بے شمار مرد ہلاک ہو جاتے ہیں اور عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی میں کچھ ایسا ہی اتفاق ہوا، مردوں کی اکثریت جنگوں کی بھینٹ چڑھ گئی جس سے عورتوں کی تعداد میں حیرت ناک اضافہ ہوا، پھر انہی عورتوں نے سر عام مظاہرے کیے اور مطالبہ کیا کہ تعدد ازواج کو قانونی شکل دی جائے، جبکہ اس عالمی جنگ میں جرمنی کے اکثر مرد ہلاک ہو گئے اور اس کے نتیجے میں عورتوں میں جنسی مفاسد عام ہو گئے۔ سڑکوں، چوراہوں اور قومی پارکوں میں لاوارث گرے پڑے بچوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا۔

ان حالات میں اس وقت اجتماعی اور اخلاقی طور پر تعدد ازواج کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا، بلاشبہ مصلحت ورحمت کا یہی تقاضا ہے، تعدد ازواج عورتوں کو بے راہ روی سے بچانے کا اہم ذریعہ بھی ہے، یوں نسل انسانی موذی امراض ایڈز وغیرہ سے محفوظ بھی رہ سکتی ہے، عورت کو سکون واطمینان والی زندگی میسر آسکتی ہے، جنسی ہیجان سے پیدا ہونے والے مفاسد کا دروازہ بند ہو سکتا ہے، سر عام بے حیائی کے اڈے بند ہو سکتے ہیں جیسے کہ جرمنی وغیرہ میں ایسے کلب عام دیکھے جاتے ہیں۔

انہی اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بسا اوقات امت کو زیادت نسل (آبادی کے اضافہ) کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ مردوں کی تعداد میں اضافہ ہو جو دشمن کے خلاف جنگ لڑ سکیں، کاروبار زندگی زراعت صنعت وحرفت میں ترقی کر سکیں۔

یہودیوں نے تعدد ازواج کو قانونی شکل دے رکھی ہے اسی طرح عیسائیت میں بھی کوئی ایسی نص نہیں جس میں تعدد ازواج کو ممنوع قرار دیا گیا ہو۔ عصر حاضر میں افریقہ کے عیسائیوں کو کنیسہ نے تعدد ازواج کی اجازت دے رکھی ہے۔

ان اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ تعدد ازواج سے قرابتوں رشتہ داریوں بالخصوص سسرالی رشتہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے جتنی زیادہ قربتداری ہوگی اتنی ہی زیادہ اسلامی دعوت پھیلے گی، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ظاہر ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے چونویں (۵۴ ویں) سال میں آپ کی ازواج کی تعداد ۹ (نو) ہوگئی تاکہ ازواج کے ذریعہ بھی دعوت پھیلے۔ [1]

---

[1] ......عصر حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ مقبوضہ مسلم ممالک مثلاً کشمیر، فلسطین اور چیچنیا وغیرہ میں مسلمان مردوں کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے اور ان ممالک میں مسلمان مرد ایک سے زائد شادیاں کرتے ہیں جس کی برکات عام دیکھنے میں آتی ہیں۔ لامحالہ ان ممالک کو مجاہدین کی ضرورت ہے جو دشمن کے خلاف لڑ سکیں، مسلمان مردوں کی تعداد میں تبھی اضافہ ہو سکتا ہے جب تعدد ازواج کو عام رواج دیا جائے، آج تو معاشرہ میں تعدد ازواج کو کبیرہ گناہ سمجھا جاتا ہے، اس گمان غلط کا خاتمہ ضروری ہے۔

اسباب خاصہ...... اسباب خاصہ بہت سارے ہیں تاہم ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ عورت کا بانجھ پن، مرض اور زوجین کے درمیان ہم آہنگی کا نہ ہونا...... بسا اوقات عورت بانجھ ہوتی ہے جس کی وجہ سے گھر کے آنگن میں پھولوں جیسے بچے عنقا ہوتے ہیں یا عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے خاوند کو بیوی کی طرف چنداں رغبت نہیں ہوتی، یا بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی کی طبیعت کے ساتھ خاوند کی طبیعت موافقت نہیں رکھتی جس کی وجہ سے زوجین کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان ہو جاتا ہے، جبکہ شریعت خاندانی زندگی کو امن وامان اور محبت وسکون کا گہوارہ دیکھنا چاہتی ہے، ان حالات میں بیوی چولہے کی تیسری ناد بن جاتی ہے بجائے اس کے اگر خاوند دوسری شادی کرلے جدید عورت سے گھر میں پھولوں جیسے بچے بھی آجائیں یا گھریلو نظام میں ہم آہنگی آجائے تو لامحالہ گھرانہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکتا ہے، اس ضمن میں مریضہ عورت کا بسا اوقات مرض بھی ختم ہو جاتا ہے اور طبائع میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے ماقبل کا حرمان اور ناامیدی اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

میں نے قبل ازیں بیان کیا ہے کہ چار عورتوں پر اکتفاء کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کے پاس تین راتوں تک نہیں جاتا تو تین راتوں کے بعد خاوند کے دل میں خود بخود داعیہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ پہلی عورت کے پاس جائے۔ اس سے خود بخود عدل متحقق ہو جاتا ہے۔

طبعاً سوکنوں کے درمیان حسد ونفرت پائی جاتی ہے بسا اوقات یہی حسد جھگڑے اور فساد پر منتج ہوتا ہے، لیکن ایسے حالات عموماً مرد کی نااہلی اور شخصی معیار کی کمی کی وجہ سے جنم لیتے ہیں، اور خاوند شرعی قواعد کا کماحقہ التزام نہیں کر پاتا، جس سے گھرانہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، نیز یہ کہ خاوند شب باشی کے معاملہ میں باری اور تقسیم کی طرف توجہ نہیں دیتا، اولاد کی تربیت وتعلیم اور ان کے درمیان عدل وانصاف کی طرف توجہ نہیں دیتا جس سے گھریلو سطح پر مفاسد پیدا ہوتے ہیں، جب خاوند اپنی بیویوں کے درمیان عدل کرے، اولاد کی تعلیم وتربیت اور خرچہ میں مساوات سے کام لے، ہر بیوی کے لئے ایک حد مقرر کردے جس سے تجاوز نہ کرنے پائے تو لامحالہ خاوند ہر ایسے مفسدہ کا استیصال کرسکتا ہے جس سے گھریلو انتشار جنم لیتا ہو، گویا گھریلو امن وامان کو بحال رکھنا خاوند کے حسن تدبیر، عقلمندی ودانشوری اور اہتمام حدود شرعیہ سے ممکن ہے، جب گھریلو امن مہیا ہو تو خاوند معاشی ذمہ داریوں کے لئے اپنی سوچ وفکر کو محفوظ کر لیتا ہے۔

ان قواعد وحدود کی رعایت، خاوند کی شخصی اہلیت اور حسن تدبیر کے بعد کسی عورت کے دل میں طبعی غیرت ظاہر ہو یا اولاد میں سے کسی فرد میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو تو یہ معمول کی چیز سمجھی جائے گی جس سے گھرانہ خالی نہیں ہوتا، تاہم اس حالت کو بھی حکمت وبصیرت سے ختم کرنا ممکن ہوتا ہے۔

عورت ایک سے زائد مردوں سے نکاح نہیں کر سکتی...... مرد ایک سے زائد عورتیں نکاح میں رکھ سکتا ہے جبکہ اس کے برخلاف عورت وقت واحد میں صرف ایک ہی مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے، عورت کے لئے ایک سے زائد مردوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے کیونکہ اگر ایک عورت دو یا تین یا چار مردوں کے نکاح میں ہو تو ان مردوں میں تنازع اور فساد کھڑا ہو جائے گا ایک دوسرے سے جھگڑنے لگیں گے اس قسم کے تعدد میں اجتماعی اور معاشرتی فساد اور ضرر ہے، کیونکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب ضائع ہو جاتا ہے اور اولاد کے اصول میں نہ ختم ہونے والا اختلاط پیدا ہو جاتا ہے یوں یہ شرکاء مرد اولاد کی تربیت اور اخراجات سے بیگانہ رہیں گے ہر مرد دوسرے پر تھونپ دے گا یہ فلاں کی اولاد ہے۔ گویا عورت کے اعتبار سے تعدد ازواج نرا فساد نری بے حیائی اور حیوانیت بلکہ خنزیریت ہے۔

۲۔ بسا اوقات مرد کی ناپسندیدگی بڑھ جاتی ہے...... بعض اوقات مرد اور عورت کے قرابتداروں میں عائلی نزاع پیدا ہو جاتا ہے، یا میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے جو ختم ہونے کو آتا ہی نہیں، اس سے عائلی زندگی کا سکون بگڑ جاتا ہے، گھریلو اطمینان عنقا ہو جاتا

ہے، نکاح کے اصل مقاصد موقوف ہو جاتے ہیں، جبکہ طرفین، نزاع پر ڈٹ جاتے ہیں، کسی جانب سے بھی نرمی کا پہلو نہیں نکلتا، بالآخر یہ نزاع یا تو طلاق پر منتج ہوتا ہے یا پھر مرد کو کڑا صبر کرنا پڑتا ہے، بلاشبہ ان دونوں صورتوں میں پاکیزہ عائلی زندگی جو شریعت کا مقصد بھی ہے مفقود ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف یہ صورت بھی ہے کہ خاوند دوسری شادی کر لے یہ متنازعہ عورت بھی اس کے نکاح میں رہے اور خاوند بھی کڑے امتحانی صبر سے نکل جائے، چنانچہ دوسری شادی کر لینا متنازعہ عورت کو طلاق دینے سے اہون ہے۔ حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ امر طلاق ہے۔

۳۔ **بعض مردوں میں مردانہ قوت معمول سے زیادہ ہوتی ہے**..... بعض لوگوں میں جنسی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک بیوی کو ناکافی سمجھتے ہیں، ناکافی سمجھنا یا تو عورت کے بڑھاپے کی وجہ سے ہوتا ہے یا خاوند اس سے جنسی اتصال کو ناپسند کرتا ہوتا ہے، یا عورت کے حیض ونفاس کی مدت طویل ہوتی ہے اور خاوند کو کڑے صبر آزما امتحان سے گزرنا پڑتا ہے، ان حالات میں لامحالہ پاکدامنی کا یہی تقاضا ہے کہ خاوند کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں جو کہ غیر شرعی جنسی اتصال کا نعم البدل ہیں، نیز ایسے حالات میں تعدد ازواج کی طرف اقدام نہ کرنا شخصی واجتماعی ضرر کا باعث ہے بلکہ فحاشی وزنا کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

خلاصہ..... تعدد زوجات مختلف احوال ضرورت، عذر اور مصلحت کے ساتھ مقید ہے۔

تعدد زوجات کے لئے اجازت قاضی کا مسئلہ..... عصر حاضر میں ایک اور رواج چل پڑا ہے کہ تعدد زوجات کے لئے عدالت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی جائے تاکہ شریعت کی مقرر کردہ شرائط اور قیود متحقق ہو جائیں آیا کہ درخواست گزار واقعی تعدد زوجات کا ضرورتمند ہے یا نہیں، ان قیود اور شرائط کا ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے وہ دو چیزیں ہیں بیویوں کے درمیان عدل کا ہونا اور انفاق کی قدرت کا ہونا، کیونکہ بہت سارے لوگ تعدد زوجات کی رخصت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بعض مخلصین نے ان تجاویز کی تردید کی ہے اور اس کے معقول اسباب بیان کیے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

۱..... اللہ تعالیٰ نے تعدد ازواج کی دو شرطوں کو براہ راست راغب یعنی خاوند کے ساتھ وابستہ کیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ..... النساء ۴/۳

اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

چنانچہ اس آیت میں خطاب صرف راغب یعنی خاوند سے ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور سے خطاب نہیں۔ یعنی یہ خطاب قاضی وغیرہ سے نہیں ہے۔ گویا خاوند کے علاوہ کسی اور کی طرف سے بے انصافی کا خوف ہونا نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اسی طرح انفاق کی قدرت کی شرط بھی براہ راست راغب یعنی خاوند کے ساتھ وابستہ ہے چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اے نوجوانوں کی جماعت: تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کر لے۔ الحدیث

اس میں بھی خطاب خاوند سے ہے۔ کسی اور سے نہیں ہے۔

۲..... شخصی معاملات میں قاضی کا دخل دینا امر عبث اور فضول بات ہے کیونکہ شخصی معاملات کے حوالے سے قاضی کو حقیقی سبب پر آگاہی نہیں ہو سکتی کیونکہ لوگ عادۃً شخصی معاملات کے حقیقی سبب کو چھپا کر رکھتے ہیں، بالفرض اگر قاضی کو شخصی امور کی آگاہی حاصل بھی ہو جائے تو یہ بات خاندانی زندگی کے خفیہ امور کے حوالے سے محض فضیحت ہوگی، یہ تو لوگوں کی آزادی میں دخل دینے کے مترادف ہے اور اس سے انسانی اختیار کو سلب کرنا لازم آتا ہے، درحقیقت ان امور کی کھوج ایسے معاملات میں وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے جو قاضی کی ذمہ داری سے خارج ہیں۔ چنانچہ نکاح محض شخصی معاملہ ہے اس میں غیر متعلقہ دخل اندازی فضول ہے، عقد نکاح میں زوجین عورت کے

اولیاء کے ساتھ متفق ہوتے ہیں کوئی شخص بھی ان شخصی اقدار کی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا نیز زوجین کے خفیہ امور اور رازوں پر کسی اور کو اطلاع نہیں ہوتی۔

۳..... تعدد زوجات دنیا میں خوفناک حد کو نہیں پہنچا بلکہ تعدد زوجات کا تناسب نہایت قلیل ہے بلکہ نادر ہے۔ چنانچہ مصر اور لیبیا میں تعدد زوجات کا تناسب گذشتہ پانچ دہائیوں سے اوسطاً ۴ فیصد سے زائد نہیں ہونے پایا۔ شام میں تو یہ تناسب نہایت قلیل ہے جو ایک فیصد سے بھی کم ہے، جب یہ تناسب دنیا میں اتنا قلیل ہے تو یہ نئے قوانین صادر کرنے کا قطعاً موجب نہیں، بلکہ اگر قوانین بنا بھی دیے گئے تو اس تناسب میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ اس صورت میں یہ قوانین وقت کے مرہون ہوں گے۔

۴..... تعداد زوجات اولاد کی گمراہی، آوارگی اور ذہنی تشطط کا سبب اور باعث نہیں جیسا کہ شرذمہ قلیلہ کا دعویٰ ہے، بلکہ ان مفاسد کا حقیقی سبب تو والدین کا تربیت اولاد کی طرف توجہ نہ دینا، اولاد کا شراب نوشی میں مبتلا ہونا، منشیات میں ان کا پڑ جانا، لذات کے سیل رواں میں ان بہہ جانا، جوئے کے دھندوں میں پڑ جانا کلبوں اور عشرت کدوں میں ان کی عیش کوشی، خاندانی اور گھریلو زندگی کی طرف عدم توجہ وغیرہ ہے، چنانچہ مصر میں تعدد زوجات کی وجہ سے اولاد کی آوارگی گذشتہ پانچ دھائیوں سے ۳ فیصد سے زائد نہیں، حقیقت میں اولاد کی آوارگی اور ذہنی پراگندگی کا سبب غربت ہے، تاہم ان مفاسد کا علاج دو طریقوں سے ممکن ہے۔

اول..... یہ کہ اولاد کی تربیت دینی اور اخلاقی طریقوں پر کی جائے، بایں طور کہ زوجین کے درمیان پاکیزہ ذہنی ہم آہنگی ہو اور عائلی زندگی محبت و ہمدردی کے اساس پر قائم ہو، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ...... الروم ۳۰/۲۱

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان سے سکون وآرام حاصل کرسکو اور اللہ نے تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کردی ہے۔

دوم..... جو شخص اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہو یا اس کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہو یا کما حقہ اولاد کی تربیت نہ کرتا ہو اسے مناسب سزا دینا، چنانچہ جو شخص اپنی ذمہ داریوں کے متعلق کوتاہی کرتا ہو اس کا دنیا وآخرت میں مواخذہ ہوگا۔

شرعی نکاح کے موانع کا خلاصہ..... فقہ مالکیہ میں شرعی نکاح کے موانع کی تلخیص کچھ یوں ہے مالکیہ نے دوسرے فقہاء کی طرح ان موانع کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱)..... موانع مؤبدہ (۲)..... موانع غیر مؤبدہ۔

موانع مؤبدہ..... موانع مؤبدہ (یعنی ایسا مانع جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح کے لئے مانع ہو) کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱)..... متفق علیہا (۲)..... اور مختلف فیہا

پھر متفق علیہا کی تین اقسام ہیں:

(۱)..... نسبی مانع (۲)..... سسرالی مانع (۳) اور..... رضائی مانع

اور مختلف فیہا کی دو قسمیں ہیں:

(۱) زنا (۲) لعان

موانع غیر مؤبدہ..... یعنی ایسے موانع جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مانع نہ ہوں بلکہ عارضی ہوں) موانع غیر مؤبدہ کی نو اقسام ہیں:

(۱) مانع عدد (۲) مانع جمع (۳) مانع رق (غلامی) (۴) مانع کفر (۵) مانع احرام (۶) مانع مرض (۷) مانع عدت (۸) مانع طلاق ثلاثہ

(۹) مانع زوجیت، اس طرح مانع شرعیہ ۱۴ ہیں۔ ❶

۱۔ **مانع نسب**...... مانع نسب یا نسبی مانع، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نسبی اعتبار سے محرمات (جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہو) سات ہیں جن کا قرآن مجید میں تذکرہ ہوا ہے، وہ یہ ہیں، مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

ان محرمات میں عموم ہے ماں سے مراد وہی نہیں کہ جس سے مرد پیدا ہو بلکہ ماں سے مراد باپ کی منکوحہ دادی، نانی بھی ہیں۔ بہن بھی عام ہے اس سے مراد حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بھی ہے۔ پھوپھی میں بھی عموم ہے اس سے مراد باپ کی بہن، دادا کی بہن، نانا کی بہن، وغیرہ خالہ میں بھی عموم ہے یعنی ماں کی بہن ماں کی باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، دادی کی بہن، اسی طرح باقی رشتوں میں بھی عموم ہے۔

۲۔ **سسرالی مانع**...... سسرالی تعلق سے چار رشتے حرام ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ آباؤ اجداد کی بیویاں، بیٹیوں کی بیویاں، بیویوں کی مائیں اور بیویوں کی بیٹیاں یعنی ربیبہ لڑکیاں (جو بیوی کی کسی دوسرے خاوند سے بیٹیاں ہوں اور مرد کی پرورش میں ہوں) فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان رشتوں میں سے دو قسم کی عورتیں نفس عقد سے حرام ہو جاتی ہیں وہ آباؤ اجداد کی بیویاں اور بیٹوں کی بیویاں ہیں، اور ایک عورت دخول سے حرام ہو جاتی ہے وہ بیوی کی بیٹی ہے چنانچہ بیوی کے ساتھ اگر صحبت کر لی تو بیوی کی وہ بیٹی جو پہلے خاوند سے ہو اس پر حرام ہو جاتی ہے، رہی بات بیوی کی ماں کی سو بیوی کے ساتھ عقد کر لینے سے جمہور کے نزدیک اس کی ماں خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، خواہ بیوی کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

۳۔ **رضاعی مانع**...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یعنی دودھ پلانے والی عورت رضیع کی ماں ہو جاتی ہے چنانچہ مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) رضیع پر حرام ہو جاتی ہے اور رضیع پر وہ رشتے بھی حرام ہو جاتے ہیں جو نسبی طور پر حرام ہوں۔

مذاہب اربعہ کے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ لبن فحل تحریم کا باعث ہوتا ہے، یعنی مرضعہ کا خاوند رضیع کے باپ کے بمنزلہ ہے۔ لہٰذا جو رشتے باپ بیٹے کے درمیان حرام ہوتے ہیں۔ وہ رضیع اور مرضعہ کے خاوند کے درمیان بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

۴۔ **مانع زنا**...... یعنی مالکیہ کے نزدیک زانیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں، تاہم جمہور نے زانیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے جبکہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس نکاح سے منع کیا ہے، ان فقہاء کا منشاء اختلاف آیت کریمہ کے مفہوم میں اختلاف کا ہونا ہے:

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۞ النور ۲۴/۳

زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی یا کوئی مشرک، جبکہ یہ مومنین پر حرام ہے۔

۵۔ **مانع عدد**...... سبھی مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وقت واحد میں چار عورتیں نکاح میں رکھنی حلال ہیں اور جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق چار عورتوں کے ہوتے ہوئے پانچویں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ ...... النساء ۴/۳

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان کو فرمایا تھا کہ دس عورتوں میں سے چار عورتوں کا انتخاب کر لو اور بقیہ عورتوں کو اپنے سے الگ کر دو۔ شیعہ اور ظاہریہ کے نزدیک ۹ عورتیں نکاح میں رکھنی جائز ہیں ان کے نزدیک واؤ برائے جمع ہے۔

---

❶...... بدایة المجتهد ۲/ ۳۱، القوانین الفقهیه ۲۰۴، الشرح الصغیر ۲/ ۴۰۲

۶۔ مانع جمع...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد نکاح میں دو بہنوں کو جمع نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ ...... النساء ۴/۲۳

اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو تمہارے اوپر حرام کردیا گیا ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ پھوپھی، بھتیجی اور بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسکی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متواتر حدیث ہے جیسا کہ ابن رشد کہتے ہیں یا مشہور حدیث ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ حدیث یہ ہے: عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی عورت اور اس کی خالہ کو جمع کیا جائے پھوپھی میں عموم ہے اس سے مراد باپ کی بہن، دادا کی بہن خواہ حقیقی ہو یا باپ شریک یا ماں شریک ہو۔

۷۔ مانع رق (غلامی)...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غلام، باندی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور آزاد عورت غلام کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ خود اور اس کے اولیاء رضامند ہوں جبکہ آزاد مرد باندی کے ساتھ دو شرطوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے:

(۱)...... یہ کہ مرد کو زنا میں پڑنے کا خوف ہو۔

(۲)...... آزاد عورت یا کتابیہ عورت کا نان نفقہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

یہ جمہور فقہاء کے نزدیک ہے، اس میں ابن قاسم مالکی کا اختلاف ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ ...... النساء ۴/۲۵

اور تم میں سے جو شخص پاکدامن مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو (یعنی مہر ونفقہ نہ دے سکتا ہو) تو وہ تمہاری ملکیت میں جو مومن باندیاں ہوں ان کے ساتھ نکاح کرلے۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے زنا کا خوف ہو۔

یہی مذہب راجح ہے، ابن رشد کہتے ہیں ابن قاسم کی رائے ہے کہ آزاد مرد لونڈی کے ساتھ مطلقاً نکاح کرسکتا ہے۔

۸۔ مانع کفر...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کا بت پرست عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ...... الممتحنہ ۶۰/۱۰

کافر عورتوں کے ناموس کو اپنے پاس نہ رہنے دو۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ جبکہ شیعہ امامیہ کہتے ہیں۔ ❶ کتابیہ کے ساتھ نکاح اصلی کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ کتابیہ کے ساتھ متعہ کرنا جائز ہے۔

۹۔ مانع احرام...... جمہور فقہاء کے نزدیک محرم (جو حالت احرام میں ہو) کا نکاح جائز نہیں، چنانچہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کرو یا جائے۔ اگر نکاح کرلیا تو اس کا نکاح باطل ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں: محرم نکاح کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

جمہور کا استدلال یوں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

❶......المختصر النافع ۲۰۳

کیا۔ درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اور میمونہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے۔ یوں ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے لہٰذا استدلال ساقط ہو جائے گا اور رجوع اس حدیث کی طرف کیا جائے گا کہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کروایا جائے۔

۱۰۔ مانع مرض...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ جو شخص مرض الموت میں مبتلا ہو اس کا نکاح جائز نہیں۔ جمہور فقہاء کہتے ہیں: یہ نکاح جائز ہے۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نکاح بیع اور ہبہ کے درمیان متردد ہے، چنانچہ مریض کا ہبہ صرف تہائی مال میں جائز ہے اور مریض کی بیع جائز ہے۔ اسی طرح ایک اور سبب میں بھی اختلاف ہے کہ آیا ایک اور نئے وارث کو بیچ میں داخل کرنے سے وارثوں کا ضرر ہوگا یا نہیں؟

۱۱۔ مانع عدت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عدت میں نکاح جائز نہیں برابر ہے کہ عدت حیض ہو یا عدت حمل یا مہینہ وار کے حساب سے عدت ہو، اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ عدت خواہ شبہ نکاح کی ہو یا صحیح نکاح کی۔ اگر کوئی شخص معتدہ کے ساتھ نکاح کر لے اور پھر صحبت بھی کرے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام مالک اور امام اوزاعی کہتے ہیں: ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام ثوری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: فی الحال دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور جب عورت کی عدت گزر جائے تو ناکح دوسری بار اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اس اختلاف کا سبب صحابہ کے اقوال کا مختلف ہونا ہے، فریق اول نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے طلیحہ اسدیہ اور راشد ثقفی کے درمیان تفریق کر دی تھی کیونکہ راشد ثقفی نے دوران عدت طلیحہ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔

فریق ثانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ ان حضرات کے نزدیک ایسا نکاح حرام نہیں۔

۱۲۔ مانع زوجیت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ مسلمان عورتیں جن کے خاوند زندہ ہوں اور وہ ان کے نکاح میں بھی موجود ہوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح جو عورتیں ذمیوں کے نکاح میں ہوں ان کے ساتھ بھی نکاح کرنا حرام ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ...... النساء ۴/ ۲۴

اور جو عورتیں پاکدامن یعنی شادی شدہ ہوں وہ بھی تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں، البتہ وہ باندیاں جو تمہاری ملکیت میں ہوں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔

۱۳۔ مانع لعان...... جمہور کے نزدیک لعان سے زوجین کے درمیان فرقت مو بدہ واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عورت لعان کرنے والے مرد کے لئے کبھی بھی حلال نہیں ہوتی، گو مرد اپنی تکذیب ہی کیوں نہ کر دے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر خاوند اپنی تکذیب کر دے تو فرقت ختم ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ طلاق ثلاث کا مانع...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس خاوند نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں وہ [illegible] کے لئے حلال نہیں ہوتی تاوقتیکہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے پھر دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے اس [illegible] رجائے تب پہلے کے لئے حلال ہوگی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۰

اگر خاوند نے عورت کو تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ تاوقتیکہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح نہ کرلے۔

سوریہ کے قانون میں محرمات عورتیں:

ا۔محرمات موبدہ.....دفعہ ۳۳ کے ذیل میں ہے کہ آدمی پر اس کے اصول فروع اور والدین کے فروع حرام ہیں اور اپنے اجداد کے فروع جو طبقہ اولیٰ سے ہوں وہ بھی حرام ہیں۔

دفعہ ۳۴ میں ہے کہ مرد پر یہ عورتیں حرام ہیں۔

ا۔باپ دادا کی بیوی، اولاد کی بیوی اور اصول وفروع کی موطوءہ۔

۲۔موطوءہ (بیوی) کے اصول یعنی ماں، دادی وغیرہ۔ اور فروع بھی اور بیوی کے اصول دفعہ ۳۵ میں ہے۔

۱).....رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ البتہ وہ رشتے رضاعت سے حرام نہیں ہوتے جنہیں فقہائے حنفیہ نے استثناء کیا ہے۔

۲).....رضاعت کے لئے یہ شرط ہے کہ رضیع نے ابتدائی دو سالوں میں دودھ پیا ہو اور اس کی رضاعت پانچ چسکاریوں تک پہنچتی ہو جو متفرق ہوں۔

ب۔محرمات مؤقتہ: ۱).....جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کرلے۔

۲).....مطلقہ کے ساتھ اگر طلاق دہندہ دوبارہ نکاح کرے تو اس نکاح سے پہلے کی دی ہوئی طلاقیں معدوم ہو جاتی ہیں اور وہ عورت خاوند کے پاس از سرنو تین طلاقیں لے کر آتی ہے۔

دفعہ ۳۷ میں ہے کہ مرد چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ ان چار میں سے ایک کو طلاق دے اور اس کی عدت بھی گزر جائے۔

دفعہ ۳۸ میں ہے کہ آدمی دوسرے کی بیوی سے شادی نہیں کرسکتا اور نہ ہی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے جو کسی دوسرے شخص کی عدت گزار رہی ہو۔

دفعہ ۳۹ میں ہے ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔

چوتھی فصل.....عقد نکاح میں اہلیت، ولایت اور وکالت

اس فصل میں تین مباحث ہیں۔

پہلی بحث: اہلیت زوجین.....ابن شبرمہ، ابو بکر اصم اور عثمان البتی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا نکاح نہ کروایا جائے یہاں تک کہ دونوں بالغ ہو جائیں، ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ.....النساء ۶/۴

یہاں تک کہ جب حد نکاح کو پہنچ جائیں۔

چنانچہ اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو اس نکاح کا کوئی فائدہ نہ ہوتا، نیز نابالغوں کو نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ابن حزم کی رائے

ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح جائز ہے، ان کا استدلال ان آثار سے ہے جو اس بارے میں مروی ہیں۔رہی بات نابالغ لڑکے کی سو اس کا نکاح باطل ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، اور اگر نکاح ہو جائے تو قابل فسخ ہوگا۔ ❶

جمہور فقہاء نے انعقاد نکاح کے لئے بلوغ وعقل کی شرط نہیں لگائی، جمہور فقہاء کہتے ہیں نابالغ اور مجنون کا نکاح صحیح ہوتا ہے۔

صغر...... جمہور فقہاء جن میں مذاہب اربعہ کے ائمہ ہیں کہتے ہیں بلکہ ابن منذر نے تو دعویٰ کیا ہے کہ نابالغ لڑکی کا کفو کے ساتھ نکاح جائز ہے، جمہور نے اپنے مذہب پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔ ❷

ا..... نصوص میں نابالغ لڑکی کی عدت کا بیان آیا ہے اور اس کی عدت تین ماہ بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ ......الطلاق ۶۵/ ۴

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں ماہواری سے مایوس ہو چکی ہوں تو (یاد رکھو) ان کی عدت تین مہینے ہے

اور یہ عدت ان عورتوں کی بھی ہے جنہیں ابھی ماہواری ابھی آئی ہی نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ نے نابالغ لڑکی جسے حیض نہ آتا ہو کی عدت تین مہینے قرار دی ہے جیسے کہ مایوس عورت کی عدت تین ماہ ہے۔ جبکہ عدت تو نکاح اور فراق کے بعد ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا نص کی اس امر پر دلالت ہوگئی کہ نابالغ لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور اسے طلاق ہوتی ہے۔ ورنہ بیان عدت چہ معنی دارد۔

۲۔ قرآن میں عورتوں کے نکاح کا حکم آیا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ ......النور ۲۴/ ۳۲

تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں ان کا نکاح کروادو۔

الایامیٰ، الایم کی جمع ہے اس کا معنی وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو یہ عام ہے خواہ نابالغ لڑکی ہو یا بڑی لڑکی ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) ہو۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا در حالیکہ عائشہ رضی اللہ عنہا چھوٹی نابالغ لڑکی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا میں چھ سال کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے زفاف کی اس حال میں کہ میں نو (۹) سال کی تھی۔ ❸ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کروایا تھا، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نکاح ابن ابی سلمہ سے کروایا جبکہ وہ دونوں نابالغ تھے۔

۴۔ آثار صحابہ سے بھی یہ ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے کروایا جبکہ وہ دونوں نابالغ تھے۔ ایک شخص نے اپنی نابالغ بیٹی عبداللہ بن حسن بن علی کو ہبہ کردی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امر کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح ایک عورت نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح ابن مسیب بن نخبہ سے کروادیا، اس عورت کے خاوند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔

۵۔ اس باب میں یہ امر واضح رہے کہ نابالغوں کی شادی میں ایک اہم مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ باپ کو اگر کفول جائے تو وہ شادی کروانے میں دیر نہیں کرتا پھر یہ رشتہ تابلوغ فوت نہیں ہونے پاتا۔

نابالغوں کی شادی کروانے کا کس کو اختیار ہے؟

نابالغ لڑکے لڑکیوں کی شادی کے جواز کے قائلین جمہور فقہاء کا مسئلہ عنوان الصدر میں اختلاف ہے۔

---

❶......المحلّی ۹ / ۵٦٠ ❷المغنی ٦ / ۴۸۷، المبسوط ۴ / ۲۱۲، البدائع ۲ / ۲۴۰، القوانین الفقهیه ۱۹۸، مغنی المحتاج ۳ / ٦۸۔ ❸متفق علیه بین البخاری ومسلم واحمد (نیل الاوطار ٦ / ۱۲۰)

مالکیہ وحنابلہ...... کہتے ہیں (۱) باپ، باپ کے وصی یا حاکم کے علاوہ کسی اور کو نابالغ کی شادی کروانے کا اختیار حاصل نہیں، کیونکہ باپ میں اولاد کی بھرپور شفقت ہوتی ہے، حاکم وقت اور باپ کا وصی بھی باپ کے حکم میں ہے، کیونکہ ان کے علاوہ اور لوگوں کو نابالغوں کے مال میں اس قدر مشفقانہ نظر حاصل نہیں ہوتی، جس قدر انہیں حاصل ہوتی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یتیم لڑکی سے اس کے نکاح کے متعلق اجازت لی جائے، اگر خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت ہوگی اور اگر انکار کردے تو اس پر اختیار چلانے کا کوئی راستہ نہیں۔ (۲)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت مقداد بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نکاح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کروادیا، یہ معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لڑکی یتیم ہے اور یتیم لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔ (۳)

یتیم لڑکی وہ ہوتی ہے جس کی نابالغی میں اس کا والد وفات پاجائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ بالغ ہوجانے کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ (۴) حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نابالغ کی شادی کروانے کا اختیار صرف باپ کو حاصل ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں عصبات میں سے باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے افراد کو بھی نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى ...... النساء ۴/۳

اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے متعلق تم انصاف نہیں کرسکو گے۔

یعنی یتیموں کے ساتھ نکاح کرنے کے متعلق تمہیں بے انصافی کا خوف ہو۔ چنانچہ آیت کریمہ میں اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کی شادی کروائیں۔ ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عصبات کے علاوہ ذوی الارحام کو بھی اجازت دی ہے کہ وہ بھی یتیموں کی شادی کرواسکتے ہیں جیسے ماں، بہن، خالہ، بشرطیکہ عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل آیت کریمہ کا عموم وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین۔ اس آیت میں عصبات وغیر عصبات میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

شافعیہ...... کہتے ہیں (۵) باپ دادا کے علاوہ کسی اور کو نابالغوں کی شادی کروانے کا اختیار حاصل نہیں ہے، ان کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے کہ۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس (نکاح) کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی کی شادی اس کا باپ کروائے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت لے۔ اور دادا باپ کے حکم میں ہے، کیونکہ اسے بھی باپ کی طرح ولایت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اگر باپ نہ ہو تو دادا کنواری لڑکی کی شادی کروائے۔

خلاصہ...... مالکیہ کہتے ہیں قیاس کی رو سے نابالغوں کی شادی کروانا جائز نہیں ہاں البتہ باپ کے متعلق آثار مروی ہیں کہ وہ نابالغ اولاد کی شادی کرواسکتا ہے تاہم باپ کے علاوہ باقی اولیاء علی حسب قیاس رہیں گے۔ حنابلہ کی رائے ہے کہ احادیث میں صرف باپ کا حکم وارد ہوا ہے، شافعیہ نے مختلف احادیث سے استدلال کیا ہے لیکن انہوں نے دادا کو باپ پر قیاس کیا ہے۔ حنفیہ نے آیات کے عموم سے استدلال کیا ہے جن میں اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کی شادی کروائیں۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے نابالغوں کی شادی کے متعلق یہ شرط عائد کی ہے کہ ان کی شادی کفو سے کروائی جائے اور مہر مثل رکھا جائے۔ اسی طرح شافعیہ نے نابالغ کی شادی میں مصلحت کی شرط لگائی ہے، جبکہ اگر باپ نابالغ بچی یا بڑی لڑکی کی شادی اس کی اجازت

---

(۱)...... القوانین الفقهیه ۱۹۹، الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۳، المغنی ۶/ ۴۸۹ (۲) رواه الخمسه الا ابن ما جه عن ابی هریرة (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۱) (۳) رواه احمد والدارقطنی عن ابن عمر (نیل الا وطار ۶/ ۱۲۱) (۴) رواه ابو دائود وحسنه النووی (۵) مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹۔

کے بغیر کروائے تو یہ شادی صحیح ہونے کے لئے سات شرطیں عائد کی ہیں۔

(۱)...... یہ کہ باپ اور لڑکی کے درمیان کوئی عدوات نہ ہو۔

(۲)...... یہ کہ کفو کے ساتھ اس کی شادی کروائے۔

(۳)...... یہ کہ مہر مثل رکھے۔

(۴)...... یہ کہ مہر مثل شہر کی مروجہ کرنسی میں ہو۔

(۵)...... یہ کہ خاوند مہر ادا کرنے سے قاصر اور تنگدست نہ ہو۔

(۶)...... ایسے مرد کے ساتھ شادی نہ کروائے جس کی معاشرت سے منکوحہ کو اذیت پہنچتی ہو جیسے نابینا اور بوڑھا شخص۔

(۷)...... یہ کہ عورت پر حج واجب نہ ہو کیونکہ خاوند کی وجہ سے حج موخر ہو سکتا ہے۔

مالکیہ نے باپ کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ نابالغ لڑکی کی شادی کروا سکتا ہے اگر چہ بغیر مہر کے کیوں نہ ہو، اگر چہ خاوند لڑکی کے معیار سے کمتر ہو یا بدصورت ہو، جو یتیم لڑکی دس سال کی عمر کو پہنچ چکی ہو تو اس کا ولی قاضی سے مشورہ لینے کے بعد اس سے شادی کر سکتا ہے، قاضی سے مشورہ لینا اس لئے شرط ہے تا کہ یتیم لڑکی کی شادی کفو سے ہو اور مہر مثل رکھا جائے۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ باپ اپنے نابالغ بیٹے اور مجنون کی شادی مہر مثل کے ساتھ کروا سکتا ہے اگر چہ باپ کو جبر ہی کیوں نہ کرنا پڑے، کیونکہ باپ اپنی کنواری لڑکی کی شادی بغیر مہر کے بھی کروا سکتا ہے۔ باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کی شادی کروائے تو ایک عورت سے کروائے کیونکہ ایک عورت سے مصلحت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر مصلحت ایک سے زائد عورتوں کی مقتضی ہو تو ایک سے زائد عورتوں سے بھی نکاح کروا سکتا ہے۔ جبکہ بعض حنابلہ نے اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ مصلحت ایک عورت سے پوری ہو جاتی ہے، چونکہ ایک سے زائد عورتوں میں مصلحت کی بجائے مفسدہ ہے۔ جبکہ باپ کا وصی نابالغ لڑکے کی شادی ایک سے زائد عورتوں سے نہیں کروا سکتا۔ کیونکہ ایک عورت سے کفایت ہو جاتی ہے۔

عقل...... بالاتفاق نکاح کے لئے عقل شرط نہیں چنانچہ ولی کے لئے جائز ہے کہ وہ مجنون لڑکے، لڑکی، معتوہ لڑکے اور لڑکی خواہ نابالغ ہوں یا بالغ کی شادی کروا سکتا ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔ ①

مالکیہ کے نزدیک باپ مجنون لڑکے اور مجنون لڑکی وغیرہ کی شادی کروا سکتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا پہلے شادی کی ہو یا کنوارا۔ ②

شافعیہ کہتے ہیں: باپ مجنون کی شادی کروانے کا اختیار نہیں رکھتا وہ مجنون خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، الّا یہ کہ شادی کی اشد ضرورت ہو تو باپ صرف ایک عورت سے مجنون کی شادی کروائے۔ اگر باپ نہ ہو تو دادا کروائے وہ نہ ہو تو سلطان کروائے، باپ کے علاوہ بقیہ عصبات کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ چونکہ باپ اور دادا میں شفقت کامل پائی جاتی ہے۔ ③

حنابلہ کہتے ہیں ④ اگر مجنون عورت مردوں کی طرف مائل ہوتی ہو تو اس سے سبھی اولیاء کو اس کی شادی کروانے کا اختیار حاصل ہوگا کیونکہ تسکین شہوت کے لئے اسے شادی کی حاجت درپیش ہوتی ہے اور اسے زنا سے بچانا بھی ضروری ہے، مختلف قرائن سے اس کا مردوں کی طرف میلان جانچا سکتا ہے مثلاً وہ مردوں کے پاس آتی جاتی ہو، مردوں کا پیچھا کرتی ہو یا ایسی باتیں کرتی ہو جو اس کے میلان پر دال ہوں۔ اسی طرح اگر قابل اعتماد اطباء مشورہ دیں کہ مجنونہ کی بیماری شادی کروانے سے زائل ہو سکتی ہے تو اس کی شادی کروادی جائے اگر مجنونہ کا کوئی ولی نہ ہو تو حاکم وقت اس کی شادی کروادے۔

---

①...... البدائع ۲/ ۲۴۱۔ ② الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۰۔ ③ مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۸۔ ④ کشاف القناع ۵/ ۴۶

اگر بالغ مجنون یا نابالغ عاقل کوشادی کی حاجت درپیش ہو یا اسے خدمت کے لئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت ہو تو باپ اور اس کے وصی کے نہ ہونے کی صورت میں حاکم وقت اس کی شادی کروادے جبکہ باپ، وصی اور حاکم وقت کے علاوہ کسی اور کو ان کی شادی کروانے کا اختیار حاصل نہیں۔ اگر مجنون کو شادی کی حاجت نہ ہو تو اس کی شادی کروانا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کی شادی میں بلا منفعت ضرر پہنچانا ہے۔

نابالغ اور مجنون کے نکاح کے بارے میں سوریہ کے قانون کا موقف......مسئلہ مذکورہ بالا میں سوریہ کے قانون میں جمہور کی رائے کے خلاف ابن شبرمہ اور ان کے موافقین کی رائے کو اپنایا گیا ہے، چنانچہ معاشرہ کے حالات اور خاوند کی ذمہ داریوں کے پیش نظر نابالغ اولاد کا نکاح صحیح نہیں، سوریہ کے قانون میں تو مجنون اور معتوہ کا نکاح مطلقاً صحیح نہیں۔ الا یہ کہ طبی طور پہ طے ہو جائے کہ مجنون کو صرف اور صرف شادی سے افاقہ ہوگا، ایسی صورت میں قاضی نکاح کی اجازت دے دے۔

دفعہ ۱۵ میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱)......اہلیت نکاح کے حوالے سے عقل اور بلوغ شرط ہے۔

(۲)......جب ماہرین اطباء کے معائنہ سے ثابت ہو جائے کہ مجنون اور معتوہ کو شادی سے افاقہ ہوگا تو قاضی کو چاہئے کہ وہ شادی کی اجازت دے دے۔

سن بلوغ......سوریہ کے قانون میں سن بلوغ کی تحدید کے حوالے سے بھی جمہور کے خلاف رائے کو اپنایا گیا ہے۔ چنانچہ دیوانی قانون کی دفعہ ۴۶/ ۲ میں صراحت کی گئی ہے کہ سن بلوغ کی حد اٹھارہ (۱۸) سال ہے اور یہ حد لڑکے کی عمر کی حد ہے، جب کہ لڑکی کی عمر بھی اٹھارہ سال ہی رکھی گئی ہے، دفعہ کا متن کچھ یوں ہے۔

۱)......ہر وہ شخص جو قوائے عقلیہ سے نفع اٹھاتے ہوئے بالغ ہو جائے جبکہ اس پر حجر (پابندی) نہ ہو تو وہ اپنے مدنی (دیوانی) حقوق کی ادائیگی کی کامل اہلیت رکھتا ہے۔

۲)......سن رشد (سمجھداری کی عمر) پورے اٹھارہ میلادی سال ہیں، جبکہ شخصی احوال کے اعتبار سے صراحت ہے کہ لڑکے کی اہلیت کے اٹھارہ سال ہیں اور لڑکی کی اہلیت کے سترہ سال ہیں یہ صراحت دفعہ ۱۶ میں ہے۔

لیکن اس قانون نے قاضی کے لئے روا رکھا ہے کہ لڑکا اگر پندرہ سال پورے ہونے اور لڑکی تیرہ سال پورے ہونے کے بعد شادی کا مطالبہ کریں اور بالغ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہوں اور بظاہر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوں تو قاضی انہیں نکاح کی اجازت دے دے۔ چنانچہ اس میں شباب کی رعایت رکھی گئی ہے تا کہ نوجوان طبقہ انحراف کا شکار نہ ہو۔

قانون کی دفعہ ۱۸ میں حسب ذیل صراحت ہے۔

۱)......اگر پندرہ سال پورے ہونے کے بعد مراہق (قریب البلوغ لڑکا) بالغ ہونے کا دعویٰ کرے یا مراہق لڑکی تیرہ سال پورے ہونے کے بعد بلوغ کا دعویٰ کرے اور شادی کا مطالبہ کر رہے ہوں تو قاضی انہیں شادی کی اجازت دے دے، بشرطیکہ ان کا دعویٰ سچ ثابت ہو جائے۔

۲)......اگر ولی باپ ہو یا دادا ہو تو ان کی موافقت شرط ہوگی۔

جبکہ ہمارے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر ممیز بچے کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، جبکہ ممیز بچے کا نکاح حنفیہ کے نزدیک اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جبکہ جمہور کے نزدیک اس کا نکاح باطل ہوگا۔ اس حالت میں اس کی شادی تو بس اس کا ولی ہی کروائے، اور

جب پندرہ سال کو پہنچ جائے تو اپنے تئیں نکاح کر سکتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اٹھارہ سال کی عمر ہو جائے تو اپنے تئیں نکاح کر سکتا ہے۔

دوسری بحث: ولایت نکاح......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ جس شخص کو ولایت نکاح حاصل ہو وہ براہ راست نکاح کروا سکتا ہو جب یہ ولایت پائی جائے تو عقد صحیح ہوگا اگر یہ ولایت مفقود ہو تو جمہور کے نزدیک عقد باطل ہو جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک عقد موقوف ہوگا۔

اگر ولی نے براہ راست ولایت کے فرائض انجام دیتے ہوئے اصالۃً عقد طے کیا تو بالاتفاق عقد صحیح ہوگا اور اگر ولی نے اپنا اختیار وکیل کو سونپ دیا تو بھی عقد صحیح ہوگا۔ ہم ولایت کے متعلق درج ذیل امور سے بحث کریں گے۔

ولایت کا معنی، ولایت کی انواع، عورت کے نکاح میں ولایت کا شرط ہونا، ولی کی شرائط، ولایت کا اختیار کس کو حاصل ہوگا، مولیٰ علیہ (جس پر ولایت حاصل ہو) اولیا کی ترتیب، عورت سے نکاح کی اجازت لینے کی کیفیت، ولی کا معاملہ نکاح میں رکاوٹ کھڑی کرنا اور ولی کا غائب ہونا۔

ولایت کا معنی......ولایت کا لغوی معنی محبت ونصرت ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ومن يتولى الله ورسو له والذين آ منوا فا ن حزب الله هم الغالبون

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے محبت کرتا ہے تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی نصرت کرنے والے ہیں۔

ولی کا معنی صاحب اختیار اور صاحب قدرت بھی ہے۔

اصطلاح میں براہ راست تصرف کا اختیار رکھنا جو کسی دوسرے کی اجازت پر موقوف نہ ہو۔ اور کسی عقد کے ذمہ دار کو ولی کہا جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ البقرة ۲/ ۲۸۲

سبب ولایت......ولایت کے مشروع ہونے کا سبب نابالغ اور مجنون کی شادی کروانے کا اختیار حاصل ہونا ہے، اور ان کی شادی میں مصلحت کی رعایت رکھنا ہوتا ہے۔ اور ولایت کو استعمال میں لا کر ان کے حقوق کی حفاظت کرنا ہوتا ہے تا کہ نابالغ اور مجنون کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

دوم: ولایت کی اقسام......حنفیہ نے ولایت کی تین اقسام ذکر کی ہیں:۔ ولایت نفس، ولایت مال، ولایت نفس و مال معاً۔

ولایت علی النفس......اس کا حاصل یہ ہے کہ نابالغ کے شخصی افعال میں دخل دینا جیسے شادی، تعلیم و تربیت، علاج معالجہ اور روزگار پر لگانا وغیرہ۔ یہ ولایت باپ، دادا اور دوسرے اولیاء کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی المال......ایسی ولایت جس کے حاصل ہوتے ہوئے انسان نابالغ کے مالی معاملات کی تدبیر وانتظام کرتا ہو، یہ ولایت باپ، دادا، ان دونوں کے وصی اور قاضی کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس والمال...... یہ ولایت شخصی اور مالی معاملات دونوں کو شامل ہوتی ہے اور ولایت کی یہ قسم صرف باپ اور دادا کو حاصل ہوتی ہے۔

اس موقع پر ”ولایت علی النفس“ محل بحث ہے۔

ولایت علی النفس کی اقسام...... ولایت علی النفس کی دو اقسام ہیں:

(۱)......ولایت اجبار (۲)......ولایت اختیار

ولایت اجبار کو ولایت ایجاب اور ولایت اختیار کو ولایت استحباب بھی کہا جاتا ہے۔ ❶

۱) ولایت اجبار...... کا معنی ہے کسی دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا۔ اس عمومی معنیٰ کے ناطے ولایت اجبار چار اسباب سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہیں: قرابت، ملک، حق ولاء، اور امامت۔

ولایت قرابت...... یہ ولایت ولی کو ماتحت (زیر ولایت) شخص کی قرابتداری کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جیسے باپ، دادا، بیٹا، چچازاد بھائی وغیرہ۔

ولایت ملک...... یہ ولایت آقا کو اپنے مملوک پر حاصل ہوتی ہے چنانچہ آقا اپنے غلام یا باندی کی شادی کروا سکتا ہے، یعنی جبراً ان کی شادی کروا سکتا ہے۔ اگر غلام یا باندی اپنے تئیں شادی کرے تو ان کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا۔
آقا کو یہ ولایت حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ آقا عاقل و بالغ ہو، تاہم مجنون اور معتوہ کو یہ ولایت حاصل نہیں ہوگی اسی طرح بچے کو بھی بلوغ سے پہلے یہ ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

ولایت ولاء کی اقسام......(۱) ولاء عتاق (۲) ولاء موالات۔

ولاء عتاق......شرعی حق ہے جو آزاد کنندہ کو آزاد کردہ غلام پر حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ آزاد کرنے والا اسی ولایت کے ذریعے آزاد کردہ غلام کا وارث بنتا ہے، چنانچہ آزاد کرنے والے کو ولایت حاصل ہوتی ہے کہ وہ آزاد کردہ غلام کی شادی کروائے خواہ آزاد کردہ غلام چھوٹا ہو یا بڑا، مجنون ہو یا معتوہ۔ اس ولایت کی بھی یہ شرط ہے کہ آزاد کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔

ولاء موالات......اس کا حاصل یہ ہے کہ دو آدمی آپس میں باہمی مدد و تعاون کا معاہدہ کر لیتے ہیں کہ اگر کسی ایک سے جرم سرزد ہوا تو دوسرا اس کی طرف سے تاوان دے گا اور مرنے پر وارث بھی بنے گا۔ اس معاہدہ سے شادی کروانے کی ولایت بھی ثابت ہو جاتی ہے، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ولی عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ اور یہ کہ مولیٰ علیہ کا کوئی نسبی وارث یا عصبہ سببی موجود نہ ہو۔

ولایت امامت...... یہ ولایت امام عادل یا اس کے نائب کو حاصل ہوتی ہے جیسے سلطان قاضی۔ چنانچہ سلطان اور قاضی کو نابالغ کی شادی کروانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ نابالغ کا کوئی قریبی ولی موجود نہ ہو، چنانچہ حدیث ہے کہ۔ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہوتا ہے۔ ❷

ولایت اجبار بالمعنی خاص یہ ہے کہ ولی کو ماتحت کا جس سے چاہے نکاح کروانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔
حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار بالمعنی خاص کی رو سے ولی نابالغ لڑکی اگرچہ شوہر دیدہ ہی ہو کا نکاح کروا سکتا ہے اس کے علاوہ معتوہ مجنونہ اور باندی کا نکاح کروا سکتا ہے جس شخص کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے اسے ولی اجبار یا ولی مجبر کہا جاتا ہے،

❶......البدائع ۲/ ۲۴۱ ۔ الدر المختار ۲/ ۴۶ ۔ ❷اخرجه الاربعة الاالنسائی عن عائشه وصححه ابو عوانة وابن حبان والحاکم۔

۲۔ولایت اختیار...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ولی زیرولایت کی شادی اسکی رضامندی اور اختیار سے کرواتا ہے، اسطرح کے ولی کو ولی مخیر یا ولی اختیار کہا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ولایت مستحب ہے، یعنی آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح کروانے کے حوالے سے یہ ولایت مستحب ہے واجب نہیں۔ برابر ہے کہ عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو، کیونکہ اس ولایت کے استعمال میں اسلامی آداب ومحاسن کی رعایت ہے، حنفیہ کے نزدیک عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا اختیار اپنے ولی کو سونپ دے اس ولایت کے ثابت ہونے کی شرط مولیٰ علیہ (ماتحت، زیرولایت) کی رضامندی ہے۔

خلاصہ......حنفیہ کے نزدیک ولی صرف ولی مجبر ہے، حنفیہ کے نزدیک ولی مجبر کے علاوہ کوئی اور ولی ایسا نہیں جس پر عقد نکاح موقوف ہوتا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک ولایت کی مختلف انواع...... مالکیہ کے نزدیک ولایت کی دو اقسام ہیں:

(۱)......ولایت خاصہ۔ (۲)......ولایت عامہ۔ ❶

۱۔ولایت خاصہ...... یہ ایسی ولایت ہے جو مخصوص لوگوں کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ اس ولایت کے حامل چھ لوگ ہیں، وہ یہ ہیں: باپ۔ اس کا وصی، عصبہ قریب، مولیٰ، کفیل (ضامن) اور سلطان۔ اس ولایت کے اسباب بھی چھ ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ابوت (باپ ہونا) وصیت، عصبہ ہونا، ملک، کفالت، سلطنت۔ ولایت کفالت کا معنی ہے کہ کوئی عورت ہو جس کا والد موجود نہ ہو اور کوئی شخص اس عورت کا کفیل اور سرپرست بن جائے۔ نیز اس عورت کا خاندان بھی کہیں غائب ہو اور وہ شخص ایک عرصہ تک اس عورت کی تربیت کرتا رہے، تاہم اس شخص کو اپنی ماتحت عورت کے نکاح کروانے کا حق حاصل ہوگا۔ اس ولایت کے حاصل ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

اول)......اتنے عرصہ تک عورت اس شخص کی سرپرستی میں رہے کہ جتنے عرصہ میں عادۃً کہا جاسکے کہ عورت پر اس شخص کی مہربانی اور شفقت ہوتی رہی ہے تاہم اس عرصہ کی تحدید کی چنداں حاجت نہیں کہ کہا جائے کہ چار سال یا دس سال، بلکہ اس عرصے کی تحدید لوگوں کے رواج اور عادت پر موقوف ہے۔

دوم)......یہ کہ عورت شریف نہ ہو، شریف سے مراد یہ ہے کہ عورت حسب نسب، خوبصورت اور مالدار نہ ہو، اگر عورت فقط خوبصورت ہو یا فقط مالدار ہو تو حاکم وقت کو اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہوگی۔ تاہم بعض مالکیہ نے اس شرط سے رجوع کیا ہے کہ ولایت کفیل شریف وغیر شریف دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے۔

۲۔ولایت عامہ......ولایت عامہ کے ثبوت کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ اسلام ہے، یہ ولایت ہر مسلمان کو حاصل ہوتی ہے، تاہم عورت کی دیکھ بھال کرنے کے لئے کوئی ایک مسلمان کھڑا ہوسکتا ہے، مثلاً کوئی عورت کسی مسلمان کو اپنے عقد نکاح کا وکیل بنا دے بشرطیکہ عورت کا باپ یا باپ کا وصی موجود نہ ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ عورت شریف نہ ہو بلکہ غیر شریفہ ہو، غیر شریفہ سے مراد یہ ہے کہ عورت حسین وجمیل نہ ہو، حسب نسب والی نہ ہو اور مالدار بھی نہ ہو، نسب سے خالی ہونے کا مطلب ہے کہ عورت بنت زنا ہو یا شبہ نکاح سے پیدا ہوئی ہو یا آزاد کردہ باندی ہو، حسب سے مراد اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں جیسے علم، حسن انتظام سخاوت وبخشش اور دیگر اسلام کے محاسن۔

تاہم غیر شریفہ عورت پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے جبکہ ولی خاص غیر مجبر موجود ہو جیسے باپ، چچا کا بیٹا، جیسے کہ ولایت عامہ سے شریفہ عورت کا نکاح صحیح ہے۔

---

❶......القوانین الفقھیہ ۱۹۸، الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۱، الشرح الکبیر ۲/ ۲۲۱۔

تاہم ولایت خاصہ جب متعذر ہو جائے تو ولایت عامہ فعال ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک ولایت اجبار دو اسباب میں سے ایک سبب سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱)......بکارت (کنوارے پن) سے

(۲)......اور صغر (بچپن) سے۔

چنانچہ باکرہ لڑکی اگر بالغ ہو تو ولایت اجبار واقع ہوگی اور چھوٹی لڑکی کے لئے تب ثابت ہوگی اگر وہ شوہر دیدہ ہو البتہ اس سے اجازت لینا مستحب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ولی اجبار تین میں سے ایک ہو سکتا ہے،: لونڈی اور غلام کا مالک۔ باپ اور باپ کی عدم موجودگی میں باپ کا وصی۔ ولی غیر مجبر عصبات ہیں پھر عورت کو آزاد کرنے والا پھر کفیل پھر حاکم وقت۔

شافعیہ کے نزدیک ولایت کی مختلف انواع......شافعیہ کے نزدیک عورت کی طرف سے ولی کا ہونا مطلقاً شرط ہے۔ ❶ ان کے نزدیک تبھی کسی عورت کا نکاح صحیح ہوگا جب عقد نکاح اس کا ولی طے کرے، چنانچہ عورت اپنے ولی کی اجازت سے اپنے تئیں نکاح نہیں کر سکتی، اور نہ ہی کوئی اور شخص وکالت کے ذریعہ نکاح کروا سکتا ہے، بغیر ولی کے نکاح قابل قبول نہیں۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......ولایت اجبار۔ (۲) ولایت اختیار۔

ولایت اجبار......ولایت اجبار باپ کو حاصل ہوتی ہے، اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ باپ کو کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ لڑکی چھوٹی ہو یا بڑی ہو، اسکی جازت کے بغیر نکاح کروا سکتا ہے۔ البتہ اس سے اجازت لینا مستحب ہے۔ کنواری بالغہ عاقلہ لڑکی سے اجازت لینے میں اس کا خاموش رہنا کافی ہے۔ شافعیہ کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نکاح کی اپنے ولی کی بنسبت زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی کی شادی اس کا باپ کروائے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے۔ شوہر دیدہ عورت سے اجازت اسکا باپ لے اور اس کا خاموش رہنا ہی اس کی جازت ہے۔

چنانچہ مسلم کی روایت استحباب پر محمول ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کنواری لڑکی میں حیاء زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس نے مردوں کا سامنا نہیں کیا ہوتا۔

ولایت اختیار......شوہر دیدہ عورت کے نکاح کے سلسلہ میں یہ ولایت اولیاء عصبات میں سے ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے۔ تاہم ولی شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی جازت کے بغیر نہیں کروا سکتا۔ اگر شوہر دیدہ عورت چھوٹی لڑکی ہو تو اس کی شادی نہ کروائی جائے تاوقتیکہ بالغ ہو جائے، کیونکہ نابالغ لڑکی کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔

بالغہ شوہر دیدہ عورت کی شادی صریح اجازت لے کر کروائی جائے۔

اس کا خاموش رہنا کافی نہیں ہوگا، اس کی دلیل دارقطنی کی سابق حدیث ہے، نیز حدیث ہے۔ غیر شادی شدہ عورتوں کا نکاح نہ کرواؤ مگر ان سے اجازت لے کر۔ ❷ نیز شوہر دیدہ عورت نکاح کا مقصد سمجھتی ہے لہٰذا کنواری عورت کے برخلاف اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ صریح اجازت لینے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”ولی کو شوہر دیدہ عورت کے متعلق اختیار حاصل نہیں ہے۔ ❸ اور اگر شوہر دیدہ عورت سے اجازت

---

❶......مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۷، المھذب ۲/ ۳۵۔ ❷ رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔ ❸ رواہ ابوداؤد والنسائی (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۰)

بذریعہ وکیل لی جائے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ ان دونوں طریقوں سے اجازت لینے کا معنی ایک ہی ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ کنواری لڑکی اور شوہر دیدہ عورت میں فرق اجازت لینے میں ہے، جبکہ کنواری لڑکی سے اجازت لینا مستحب ہے، کنواری لڑکی کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے جبکہ شوہر دیدہ عورت سے اجازت لینا واجب ہے۔

رہی بات مجنونہ عورت کی سو اس کا باپ اس کی شادی کروائے اور اگر باپ نہ ہو تو مصلحت کی خاطر دادا شادی کروائے۔

حنابلہ کے ہاں ولایت کی انواع...... شافعیہ اور مالکیہ کی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی عورت کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوتا، اگر عورت نے اپنا نکاح خود کردیا یا کسی اور مثلاً اس کی بیٹی یا بہن نے کروایا یا عورت نے کسی کو وکیل بنادیا اور اس نے عورت کا نکاح کروایا تو ان تینوں صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ عورت اپنی ناقص عقل کی وجہ سے اپنی بضع کے بارے میں تسلی بخش فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی، اور عورت بہت جلد دھوکا کھا جاتی ہے، لہٰذا بضع کی تقدیر کا فیصلہ عورت کو نہیں سونپا جائے گا جیسے فضول خرچ کو مال نہیں سونپا جاتا، عورت کے معاملہ میں وکیل بنانا بھی صحیح نہیں اور عورت بضع کے معاملہ میں وکیل بن بھی نہیں سکتی اگر حاکم وقت نے اس نکاح کے صحیح ہونے کا فیصلہ کردیا تو یہ نکاح باقی فاسد نکاحوں کی طرح نہیں ہوگا۔ ❶

ولایت اجبار...... باپ، باپ کے وصی کے لئے ثابت ہوتی ہے، پھر حاکم کے لئے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں جبکہ دادا اور بقیہ اولیاء کے لئے ولایت اجبار ثابت نہیں ہوتی اور ولایت اجبار فقط چھوٹی لڑکی کی شادی میں حاصل ہوتی ہے۔

ولایت اختیار...... یہ ولایت سبھی اولیاء کے لئے ثابت ہوتی ہے، یہ ولایت آزاد اور مکلّف عورت پر حاصل ہوتی ہے، عورت خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری، تاہم عورت سے اجازت لی جائے گی، جبکہ کنواری عورت کی اجازت اس کی خاموشی ہے، اور شوہر دیدہ عورت کی اجازت اس کے کلام سے ہوگی، ان کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کروایا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے کروایا جائے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول: کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔ ❷ ایک اور حدیث میں ہے کہ۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی تعبیر کرسکتی ہے جبکہ کنواری لڑکی کی رضامندی اسکی خاموشی ہے۔ ❸

سبھی اولیاء ۹ (نو) سال کی لڑکی کا نکاح کروانے کا اختیار رکھتے ہیں تاہم اس سے اجازت لی جائے، نو سال کی لڑکی کی اجازت صحیح اور معتبر ہے، اسکی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جب لڑکی نو سال کی ہوجائے تو وہ عورت بن جاتی ہے۔ ❹ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جو اسی مضمون میں مروی ہے۔ نیز نو سال کی لڑکی نکاح کے قابل ہوجاتی ہے اور اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے لہٰذا بالغہ کے مشابہ ہوئی۔

خلاصہ...... عاقل بالغ مرد اصالتہً اپنا نکاح بالاتفاق کرسکتا ہے، ولی چھوٹے مجنون اور معتوہ کا بالاتفاق نکاح کرسکتا ہے۔

عاقلہ، بالغہ لڑکی کے نکاح کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: عاقلہ، بالغہ عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، جمہور کہتے ہیں: اسکا ولی اس کا نکاح کروائے، لیکن حنابلہ کے نزدیک عورت سے اجازت لینا ضروری ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر عورت شوہر دیدہ ہو تو اس سے اجازت لی جائے، اور اگر کنواری ہو تو اس کی اجازت کے بغیر بھی ولی نکاح کرواسکتا ہے خواہ چھوٹی لڑکی ہو یا بڑی۔ حنفیہ کے نزدیک ہر ولی مجبر ہوتا ہے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باپ، اس کا وصی اور حاکم ولی اجبار ہوتا ہے، شافعیہ کے نزدیک ولی اجبار باپ اور دادا ہوتا ہے۔

---

❶ ......المغنی ۶/ ۴۰۶، کشاف القناع ۵/ ۴۶۔ ❷ متفق علیہ۔ ❸ رواہ الاثرم وابن ماجہ۔ ❹ رواہ احمد بسندہ۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک کنواری لڑکی سے اجازت لینا مستحب ہے، حنابلہ کے نزدیک چھوٹی لڑکی سے کسی حال میں بھی اجازت نہیں لی جائے گی، حنابلہ کے نزدیک حاکم اور سبھی اولیاء نو سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح کروانے کا اختیار نہیں رکھتے۔

سوم: عورت کے نکاح کے معاملہ میں ولایت کی شرط...... کیا عورت کی عبارت سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر کیا عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کی عبارت سے بدون ولی کے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور نکاح صحیح ہوتا ہے، جمہور کی رائے ہے کہ بغیر ولی کے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ ❶

پہلی رائے...... ظاہر الروایہ کے مطابق امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی رضا مندی کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے، عورت اپنے نکاح اور دوسری عورت کے نکاح کی ولی بن سکتی ہے۔ البتہ اگر عورت ولایت نکاح اپنے ہاتھ میں لے جبکہ عورت کے عصبات میں کوئی ولی موجود ہو تو شرط یہ ہے کہ عورت کا نکاح کفو سے ہو، اور مہر، مہر مثل سے کم نہ ہو،

اگر عورت غیر کفو سے نکاح کر لے تو اس کے ولی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا اور قاضی نکاح فسخ کرے گا، البتہ اگر ولی نکاح کے بعد خاموش ہو جائے یہاں تک کہ عورت حاملہ ہو جائے یا بچہ جنم دے دے تو ولی کے اعتراض کرنے کا حق ساقط ہو جائے گا، کیونکہ بچے کی تربیت بھی ایسی صورت میں ایک مستقل مسئلہ بن جائے گا، اگر والدین کے درمیان تفریق کر دی جائے تو بچہ ہلاکت کا شکار بن جائے گا اور والدین بچے کی تربیت پر جمع رہ سکتے ہیں۔

مفتی بہ قول ہے کہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو عقد فاسد واقع ہوگا،

اگر عقد کے بعد ولی رضا مند ہو جائے تو بھی عقد صحیح نہیں ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل حدیث سابق ہے کہ اَیِّم (غیر شادی شدہ عورت) اپنے نکاح کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ اَیِّم سے مراد ایسی عورت ہے جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ)، حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عورت کو بیع شراء، اجارہ، رہن وغیرہ جملہ تصرفات مالیہ میں کامل اہلیت حاصل ہوتی ہے لہٰذا عورت کو اپنا نکاح کرنے کی بھرپور اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ تصرف عورت کا خالص حق ہے۔

دوسری رائے...... جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا، عورت کو اپنا نکاح اور کسی دوسری عورت کے نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی عورت اپنے نکاح کی کسی دوسری عورت کو وکیل بنا سکتی ہے۔ اگر عورت نے اپنا نکاح کر لیا اگرچہ عاقلہ بالغہ اور سمجھدار ہی کیوں نہ ہو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اکثر صحابہ کی بھی یہی رائے ہے۔ جن میں ابن عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ سعید بن مسیب، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، امام سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ ابن مبارک، عبیداللہ عنبری اسحٰق اور ابوعبید رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دلائل...... حضرت عائشہ، ابوموسیٰ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے کہ نکاح نہیں ہوگا مگر ولی کی اجازت سے ❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ۔ جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے باطل ہے، اگر خاوند نے دخول کر لیا تو اس نے عورت کی شرمگاہ کو جو حلال سمجھا ہے کے بدلے میں عورت کے لئے مہر ہوگا، اگر عورت کے ولی کے متعلق لوگوں کا

---

❶...... فتح القدیر ۲/ ۳۹۱ تبیین الحقائق ۲/ ۹۸، الدرالمختار ۲/ ۴۰۷، الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۳، القوانین الفقھیہ ۱۹۸، المھذب ۲/ ۳۵، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۷، کشاف القناع ۵/ ۵۹۔ ❷رواہ احمد و اصحاب السنن الاربعہ (نصب الرایہ ۳/ ۱۸۳)

اختلاف ہو جائے تو سلطان اس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔❶ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ عورت اپنا نکاح نہ کرے بلاشبہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کر لے۔❷

دوم یہ کہ عقد نکاح ایک مہتم بالشان معاملہ ہوتا ہے، عائلی زندگی کے حوالے سے نکاح کے بہت سارے مقاصد ہیں ان مقاصد، دائمی اطمینان اور خاندانی اقدار سے معمور زندگی کا حصول تبھی ممکن ہے جب اس اہم نازک معاملے کی حساسیت کو نہایت اہتمام سے محسوس کیا جائے، جبکہ مرد کے پاس روزمرہ کے معاملات کا وسیع تجربہ ہوتا ہے، اس تجربہ کی روشنی میں بطریق احسن عائلی زندگی کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، جبکہ عورت کا تجربہ نہایت محدود ہوتا ہے اور پیش آمدہ حالات سے عورت بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے تاہم مصلحت اسی میں ہے کہ عورت اپنے عقد کا اختیار اپنے ولی کو سونپ دے۔

چہارم: ولی کی شرائط...... ولی کے متعلق کچھ شرائط ہیں جو فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔❸

ا۔ کمال اہلیت...... یعنی ولی کے لئے شرط ہے کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو اور آزاد ہو، چنانچہ بچے، مجنون اور معتوہ (فاتر العقل) اور نشے میں مست شخص کو ولایت حاصل نہیں ہوگی، اسی طرح ایسے شخص کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوگی جس کی بڑھاپے کی وجہ سے نظر نہایت کمزور ہوگئی ہو، یا اس کی عقل میں فتور آ گیا ہو، غلام کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ لوگوں کو اپنی ذات پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی قوت ادراک ناقص ہوتی ہے جبکہ ولایت کمال حال کی مقتضی ہے۔ رہی بات غلام کی سو وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اسے تو دوسرے لوگوں کے معاملات پر غور وفکر کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

۲۔ ولی اور مولیٰ علیہ (ماتحت، زیر ولایت)...... کا دین ایک ہی ہو، چنانچہ غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، اور نہ ہی مسلمان کو غیر مسلم پر ولایت حاصل ہوتی ہے یعنی حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک کافر مسلمان عورت کی شادی نہیں کروا سکتا اور مسلمان کافرہ کی شادی بھی نہیں کروا سکتا۔ شافعیہ کہتے ہیں: کافر کافرہ کی شادی کروا سکتا ہے برابر ہے کہ کافرہ کا خاوند کافر ہو یا مسلمان ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں: مسلمان مرد کتابیہ کی شادی کروا سکتا ہے جبکہ مرتد کو نہ کسی مسلمان پر ولایت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کافر پر۔

کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ......التوبۃ ۹/ ۷۱

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہوتے ہیں۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ......الانفال ۸/ ۷۲

اور کفار ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۴/ ۱۴۱

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر کوئی اختیار نہیں دیا۔

نیز حدیث ہے کہ:

---

❶......اخرجه احمد و الاربعة الا النسائی وصححه ابوعوانه وابن حبان والحاكم وابن معين وغيره (نصب الرايه ۳/ ۱۸۴)

❷اخرجه الدارقطنی وفی اسناده كلام (نصب الراية ۳/ ۱۸۸) ❸البدائع ۲/ ۲۳۹، الشرح الصغير ۲/ ۳۶۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۴، كشاف القناع ۵/ ۵۵، المهذب ۲/ ۳۶۔

الاسلام یعلو ولایعلیٰ

اسلام کو بذات خود بلندی حاصل ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی اور دین کو سربلندی حاصل نہیں۔ ❶

اتحاد دین کا سبب یہ ہے کہ جب دین متحد ہوگا تو خیرو مصلحت میں سوچ وفکر بھی متحد ہوگی نیز اگر کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل ہو تو اس میں مسلمان کی ذلت ہے۔

اس شرط سے امام اور امام کا نائب مستثنیٰ ہے کیونکہ امام کو جمیع مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے، سوریہ کے قانون دفعہ ۲۲ کے تحت صرف کمال اہلیت کی شرط پر اکتفاء کیا گیا ہے جبکہ قانون میں اتحاد دین کی شرط کی صراحت نہیں کی گئی۔

کچھ مختلف فیہ شرائط بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۳۔ مرد ہونا...... جمہور کے نزدیک شرط ہے جبکہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک عورت کو ولایت نکاح حاصل نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ اور آزاد عورت کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے، یہ مسئلہ ایک دوسرے مسئلے پر متفرع ہوتا ہے کہ آیا عورتوں کی عبارات سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟

۴۔ عدالت...... یعنی دین کی استقامت کا ہونا، ولی دینی واجبات ادا کرتا ہو، کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔ مثلاً زنا، شراب، والدین کی نافرمانی وغیرہ صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو، یہ شرط شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک فاسق آدمی کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہوگی، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر دو عادل گواہوں اور راست باز ولی کی موجودگی سے۔ ❷

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ معاملہ نکاح دقت نظر کا محتاج ہے بھلا فاسق آدمی کو مصلحتوں کی کیا پرواہ لہٰذا فاسق کو نکاح کی ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

تاہم عدالت کے معاملہ میں ظاہری عدالت کافی ہوگی اور مستور الحال کو کافی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ظاہراً و باطناً عدالت کی شرط لگا دینے میں بہت مشقت اور حرج لازم آتی ہے جس سے بہت سارے نکاح حد بطلان تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس شرط سے سلطان مستثنیٰ ہے تاہم ضرورت کی بنا پر سلطان میں عدالت کی شرط نہیں لگائی گئی، آقا اپنی باندی کی شادی کرواسکتا ہے، آقا کے لئے بھی عدالت شرط نہیں، کیونکہ آقا اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہوتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں۔ چنانچہ ولی خواہ عادل ہو یا فاسق اسے اپنی بیٹی، بہن اور بھتیجی کے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ فسق سے شفقت میں کمی نہیں پڑتی، نیز حق ولایت عام ہوتا ہے تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور آپ کے عہد کے بعد منقول نہیں کہ کسی ولی کو نکاح دینے سے روکا گیا ہو۔ یہی رائے راجح ہے چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے نیز حدیث میں مرشد کا معنی عادل نہیں بلکہ مصلحت تک رسائی حاصل کرنے والا ہے اور فاسق میں اس امر کی اہلیت ہوتی ہے۔

۵۔ رشد یعنی سمجھداری...... حنابلہ کے نزدیک رشد سے مراد کفو کی معرفت اور نکاح کے مصالح کی سوجھ بوجھ کا ہونا ہے، کیونکہ رشد ہر جگہ مقام کے مناسب حال اعتبار کی جاتی ہے، شافعیہ کے نزدیک رشد کا معنی مال کو فضول خرچی میں نہ لگانا ہے۔

---

❶ ..... رواه الدارقطني في سننه والرویانی فی مسنده عن عائذ بن عمرو المزني مرفوعاً ورواه الطبراني في الاوسط والبيهقي في الدلائل عن عمرو اسلم (المقاصد الحسنته ۵۸) ❷ قال الامام احمد: اصح شي هذا قول ابن عباس مر فوعاً، وروى البرقاني باسناده عن جابر.

رشد شافعیہ کے نزدیک شرط ہے حنابلہ کے نزدیک ثبوت ولایت میں شرط ہے، کیونکہ محجور علیہ (جس پر پابندی لگائی گئی ہو) اپنا نکاح کرنے کی ولایت نہیں رکھتا، لہٰذا وہ دوسرے شخص کا نکاح کروانے کی ولایت بھی نہیں رکھتا۔ اگر سفیہ پر پابندی نہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک اسے دوسرے شخص کے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: رشد یہاں حسن تصرف مالی کے معنی میں نہیں تاہم سفیہ اگرچہ فضول خرچ ہو اسے بھی ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے کہ سفیہ اپنی ماتحت عورت کا نکاح اس کی اجازت سے کروائے۔

مالکیہ نے دو مزید شرطوں کا اضافہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱)...... یہ کہ ولی نے حج یا عمرہ کا احرام نہ باندھا ہوتا ہم محرم کا عقد نکاح میں ولی بننا صحیح نہیں۔

۲)...... عدم اکراہ۔ چنانچہ مکرہ کا عقد نکاح میں ولی بننا صحیح نہیں، لیکن یہ شرط عقد نکاح کے ولی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ شرط تمام عقود شرعیہ میں معتبر ہے، یوں مالکیہ کے نزدیک کل ملا کر ولی کی سات شرائط ہیں۔ وہ یہ ہیں: مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، عورت اگر مسلمان ہو تو ولی بھی مسلمان ہو، حالت احرام کا نہ ہونا اور اکراہ کی صورت کا نہ ہونا جبکہ عدالت اور رشد (سمجھداری) شرط نہیں۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی سات شرائط ہیں: آزاد ہونا، مرد ہونا، ولی اور مولیٰ علیہا کا دین ایک ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، عدالت کا ہونا، رشد ہونا، جبکہ رشد حنابلہ کے نزدیک مصالح نکاح میں سے ہے اور رشد سے مراد کفو کی معرفت ہے، حفاظت مال مراد نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک مال کو فضول خرچی میں نہ لگانا رشد ہے۔

حنفیہ کے نزدیک چار شرائط ہیں:

عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، اور اتحاد دین، عدالت اور رشد ان کے نزدیک شرط نہیں۔

پنجم: ولایت کا اختیار کسے حاصل ہے؟ اور اولیاء کی ترتیب...... حنفیہ کہتے ہیں۔ ❶ ولایت صرف ولایت اجبار ہے اور ولایت اجبار عصبات اقارب کے لئے ثابت ہے کیونکہ نکاح کا اختیار عصبات کے سپرد ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ ولایت کی حسب ذیل ترتیب ہے سب سے پہلے بیٹے کو ولایت حاصل ہوگی پھر باپ کو پھر بھائی کو پھر چچا کو پھر آزاد کرنے والے کو پھر حاکم وقت کو ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱)...... بیٹا، پوتا، پڑپوتا اگرچہ اور نیچے چلے جاؤ۔

۲)...... باپ، دادا، پڑدادا، اگرچہ اوپر چلے جائیں۔

۳)...... حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، ان دونوں کے بیٹے اور پوتے اگرچہ نیچے آجائیں۔

۴)...... حقیقی چچا، باپ شریک چچا اور ان دونوں کے بیٹے اور پوتے اگرچہ نیچے چلے جائیں

پھر ان کے بعد آزاد کرنے والے کا نمبر آتا ہے پھر اس کے بعد نسبی عصبہ۔ اس کے بعد سلطان یا اس کا نائب، سلطان کا نائب قاضی ہوتا ہے، کیونکہ قاضی ہی جمہور مسلمانوں کی طرف سے نائب ہوتا ہے، اس کی دلیل سابق حدیث ہے کہ۔ سلطان اس شخص کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

سوریہ کے قانون میں بھی دفعہ ۲۴ کے تحت اسی کو لیا گیا ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو قاضی اس کا ولی ہوتا ہے۔

وصی کو چھوٹے لڑکے اور چھوٹی لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ باپ نے وصیت ہی کیوں نہ کی ہو۔

---

❶...... البدائع ۲/ ۲۴۰، فتح القدیر ۲/ ۴۰۵، الدر المختار ۲/ ۴۲۹.

قاضی چھوٹی (نابالغ) لڑکی کی شادی اپنے ساتھ نہیں کرا سکتا اور نہ ہی اس شخص کے ساتھ کروا سکتا ہے جس کے حق میں قاضی کی گواہی قبول نہ کی جاتی ہو۔ سوریہ کے قانون میں دفعہ ۲۵ کے تحت اسی کو لیا گیا۔

اگر ایک درجہ اوپر کا ولی اقرب (قریب کے) ولی کے ہوتے ہوئے لڑکی کی شادی کروائے تو نکاح اقرب ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، ہاں البتہ اگر ولی اقرب نابالغ ہو یا مجنون ہو تو ولی ابعد کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ سوریہ کے قانون میں دفعہ ۲۲ شق ایک کے تحت ہے کہ اگر ایک ہی مرتبہ کے دو اولیاء میں سے کوئی ایک شرائط کا لحاظ رکھ کر لڑکی کا نکاح کروادے تو نکاح جائز ہوگا۔

اولیاء مذکورہ ترتیب صاحبین کی رائے کے مطابق ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عصبات کے علاوہ بھی قریبی رشتہ داروں کو عصبات کے نہ ہوتے ہوئے ولایت نکاح حاصل ہوگی، یعنی ذوی الارحام کو بھی حق ولایت حاصل ہوتا ہے، ذوی الارحام میں بھی اقرب فالاقرب کا اصول کارفرما رہے گا۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عصبات میں سے کوئی ولی موجود نہ ہو، تاہم عصبہ کے نہ ہوتے ہوئے ولایت ماں کو حاصل ہوگی پھر دادای کو پھر نانی کو اگر اصول میں کوئی نہ ہو تو ولایت فروع کو منتقل ہو جائے گی، بایں طور کہ بیٹی، پوتی پر مقدم ہوگی۔ اسی طرح پوتی ولایت میں نواسی پر مقدم ہوگی کیونکہ پوتی کی قرابت میں قوت زیادہ ہے پھر نانا کو پھر دادی کے باپ کو ولایت ہوگی۔ پھر ماموں کو ولایت ہوگی پھر خالاؤں اور ان کی اولاد کو۔

اگر ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو ولایت حاکم وقت کو منتقل ہو جائے گی۔

اگر مجنونہ کی ولایت کے بارے میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا جمع ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا ولی بیٹا ہوگا۔ کیونکہ عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے اور ولایت میں شفقت کے زائد ہونے کا اعتبار نہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس عورت کا ولی اس کا باپ ہوگا کیونکہ باپ بیٹے کی نسبت زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اقارب کی ولایت کے اثبات میں حنفیہ کا اختلاف ہے، چنانچہ قرآن مجید میں چچازاد بھائی کے لئے ولایت کا ثبوت ہے:

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ...... النساء ۴/ ۱۲۷

اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہو۔

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور وہ اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہو، جبکہ وہ اسے مہر سے محروم رکھنا چاہتا ہو، یہ ولی ہونہ ہو یتیم لڑکی کا چچازاد بھائی ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا جو لوگ چچازاد سے زیادہ قریبی ہوں ان کے لئے ولایت بطریق اولیٰ ثابت ہوگی، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نکاح کا اختیار عنصبات کے سپرد ہوتا ہے جبکہ وصی عصبہ اقارب میں سے نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے لئے ولایت ثابت نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۲۱ کے تحت جمہور کی رائے کے مطابق ولایت کو صرف عصبات کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔

اولیاء کی ترتیب میں مالکیہ کا مذہب...... مالکیہ کہتے ہیں: ❶ اولیاء کی ترتیب میں اولیاء کی دو قسمیں ہیں:

❶...... الشرح الصغير ۲/ ۳۵۳، القوانين الفقهيه ۱۹۹، الشرح الكبير ۲/ ۲۲۱، شرح الرسالة ۲/ ۳۱۔

(۱)ولی مجبر (۲)ولی غیر مجبر

چنانچہ ولایت اجبار درج ذیل تین آدمیوں کے لئے ثابت ہوتی ہے۔

۱.....آقا جو کہ مالک ہوا گرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو چنانچہ آقا اپنے غلام یا باندی کو شادی پر مجبور کرسکتا ہے بشرطیکہ شادی میں کوئی عذر مانع نہ ہو اور غلام یا باندی کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو مثلاً کسی کوڑی یا برص زدہ سے ان کی شادی کروا رہا ہو تو اس صورت میں مالک کو ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔

۲.....باپ کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے خواہ باپ رشید (سمجھدار) ہو یا سفیہ ہو، چنانچہ باپ کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ عورت ساٹھ سالہ عمر کو پہنچ چکی ہو باپ جبراً بیٹی کا نکاح کرواسکتا ہے، اگرچہ نکاح مہر مثل کے بغیر ہی کیوں نہ ہو یا غیر کفو سے کیوں نہ ہو مثلاً عورت کا خاوند عورت سے کمتر ہو یا اس سے بدصورت ہو۔

اگر باپ بیٹی کو رشیدہ (سمجھدار) قرار دیتا ہو تو باپ اسے شادی پر مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ باپ نے گویا اسے قابل تصرف قرار دے دیا ہے۔ یا یہ کہ عورت دخول کے بعد سال بھر سے زائد عرصہ خاوند کے ہاں مقیم رہے پھر وہ شوہر دیدہ کے حکم میں ہو جائے تو باپ کو اس عورت پر جبر کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر نکاح فاسد کی صورت میں لڑکی کی بکارت (کنوارہ پن) زائل ہو جائے تو باپ کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی بشرطیکہ شبہ کی وجہ سے حد ٹل گئی ہو اور اگر حد نہ ٹلی ہو تو باپ کو ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

باپ کو شوہر دیدہ چھوٹی لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، بایں طور کہ اس لڑکی کی بکارت زائل ہو چکی ہو تاہم چھوٹی ہونے کی وجہ سے ثیبوبت (شوہر دیدگی) کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر زنا یا چھلانگ وغیرہ کی وجہ سے لڑکی کی بکارت زائل ہو جائے تو بھی باپ کو لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

باپ کو مجنونہ پر بھی ولایت اجبار حاصل ہوگی اگرچہ مجنونہ شوہر دیدہ ہو یا اس کے بطن سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔

۳.....باپ کے وصی کو ولایت اجبار حاصل ہے جبکہ باپ موجود نہ ہو، اس کی تین شرائط ہیں۔

ا.....یہ کہ باپ وصی کے سامنے خاوند کی تعیین کردے مثلاً یوں کہے کہ اس لڑکی کی فلاں شخص سے شادی کروا دو، یا صراحۃً وصی کو جبر کا حکم دے دے۔

یا یہ کہ باپ تعیین کے بغیر وصی کو شادی کروانے کی وصیت کردے مثلاً یوں کہے کہ اس لڑکی کی شادی کروا دو یا اس کا نکاح کروا دو یا کہے اس کی شادی ایسے شخص سے کرا دو۔

یا باپ یوں کہہ دے کہ تم میری بیٹی کے نکاح کے متعلق میرے وصی ہو چنانچہ وصی کو راجح قول کے مطابق ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

ب.....یہ کہ مہر، مہر مثل سے کم نہ ہو۔

ج.....یہ کہ خاوند فاسق نہ ہو۔

خلاصہ:.....ہمارے زمانے میں باپ اور اس کا وصی جبر کرے گا اور باپ، اس کے وصی اور آقا کے علاوہ کسی اور کو کنواری لڑکی، چھوٹی لڑکی اور مجنونہ کی شادی کروانے پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے۔ البتہ یتیم چھوٹی لڑکی کی شادی اس کا ولی قاضی کے مشورہ سے کروائے تاکہ شریر فاسق لوگ شرارت نہ کرسکیں۔ بشرطیکہ وہ دس سال کی ہو چکی ہو، وگرنہ اس کا نکاح فسخ کیا جائے، ہاں البتہ اگر دخول ہو جائے یا عرصہ لمبا ہو جائے یعنی دخول و بلوغ کو تین سال گزر جائیں یا اولاد ہو جائے تو نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

مالکیہ ولایت اجبار باپ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کروائی درحالیکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سات یا سال تھی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کا باپ اجازت لے حدیث میں اجازت لینے کو صرف باپ پر مقصور رکھا ہے۔

مالکیہ کی اس بات پر دلیل کہ باپ کا وصی باپ کی طرح ہے یہ ہے کہ وصی باپ کا نائب ہوتا ہے جس طرح عرصہ حیات میں باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے شخص کو اپنا وکیل بنائے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا وصی مقرر کرے جو وفات کے بعد فعال ہو۔

ولایت اختیار یا ولی غیر مجبر......ولایت اختیار بیٹوں کے لئے ثابت ہے پھر باپ کے لئے پھر بھائیوں کے لئے پھر دادا کے لئے پھر چچا کے لئے ترتیب حسب ذیل ہے۔

بیٹا پوتا اگر چہ نیچے آ جائیں (یعنی پڑپوتا وغیرہ) پھر باپ، پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی پھر حقیقی بھتیجا پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا، پھر دادا ملاحظہ رہے کہ دادا کو چوتھے درجہ میں رکھا گیا ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک دادا دوسرے درجے پر ہے۔ پھر چچا پھر چچا کا بیٹا بایں طور کہ حقیقی غیر حقیقی پر مقدم ہوگا پھر دادا کا باپ، پھر باپ شریک چچا پھر اس کا بیٹا پھر دادا کا چچا اور اس کا بیٹا۔

اگر اولیاء درجے میں برابر ہوں تو جو افضل ہوگا اسے مقدم کیا جائے گا، اور اگر درجے اور فضیلت میں سب برابر ہوں مثلاً سبھی علماء ہوں تو حاکم وقت جسے مقدم کر دے، اگر حاکم تک رسائی نہ ہونے پائے تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے۔

پھر آزاد کرنے والے کو ولایت اختیار حاصل ہوگی پھر عصبہ کو پھر کفیل کو کفیل سے مراد وہ شخص ہے جو چھوٹی لڑکی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری نبھا رہا ہو، یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو جائے یا دو شرطوں کے ساتھ دس سال کی ہو جائے۔

۱)...... یہ کہ کفیل اس عرصہ میں لڑکی کی دیکھ بھال کرے جب وہ شفقت اور مہربانی کی محتاج ہو ظاہر مذہب میں اس مدت کی تعیین نہیں۔

۲)...... یہ کہ لڑکی غیر شریفہ ہو، غیر شریفہ سے مراد ایسی لڑکی جو مالدار نہ ہو، حسن وجمال والی نہ ہو، حسب ونسب والی نہ ہو حسب سے مراد اخلاق کریمہ والی ہونا ہے، جیسے علم، بردباری، تدبیر وغیرہ اگر لڑکی شریفہ ہو تو قاضی اس کی شادی کروائے۔

کفیل کے بعد ولایت اختیار حاکم قاضی کو حاصل ہوگی قاضی سے مراد قاضی شرعی ہے۔ اگر مذکورہ اولیاء میں سے کوئی نہ ہو تو ولایت عام مسلمانوں کو منتقل ہو جائے گی، ان میں ماموں، نانا، ماں شریک بھائی شامل ہیں ان کے علاوہ ہر مسلمان کو شریف وغیر شریف عورت کی شادی کی ولایت حاصل ہوتی ہے لیکن عورت کی اجازت اور رضامندی شرط ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ......التوبہ ۹/۷۱

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہوتے ہیں۔

اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد لڑکی کی شادی کروا دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا۔ چچا کے بیٹے، آزاد کرنے والے، ولی کے وکیل اور حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ زیر ولایت عورت کا نکاح اپنے ساتھ کروا دیں اور یوں عقد کے طرفین سے متولی ہوں گے، عورت کی رضامندی پر البتہ انہیں گواہ بنا لینے چاہئیں تا کہ منازعت اور خوف کا امکان جاتا رہے۔

حاصل یہ ہوا کہ مالکیہ بھائیوں کے بعد دادا کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں جبکہ اس میں دوسرے فقہاء کا اختلاف ہے، مالکیہ باپ کے بعد دادا کا درجہ نہیں رکھتے، اور یہ کہ ولی مجبر صرف باپ ہے دادا نہیں، اسی طرح مالکیہ نے وصیت اور کفالت کے ذریعے ثبوت ولایت میں دوسرے فقہاء سے اختلاف کیا ہے، اور ولایت عامہ سے بھی ولایت کے ثبوت کے قائل نہیں۔ جبکہ ملک، ابوت عصوبت اور سلطنت کے سبب دوسرے فقہاء کے ساتھ ثبوت ولایت میں اتفاق ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اولیاء کی ترتیب..... شافعیہ کے نزدیک ولی کی دوقسمیں ہیں:

(۱)..... ولی مجبر (۲)..... ولی غیر مجبر۔ ❶

ولی مجبر میں تین آدمی ہیں۔ باپ، دادا اور آقا۔

چنانچہ باپ کنواری لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر بھی کرواسکتا ہے خواہ لڑکی چھوٹی ہو یا بڑی، البتہ اس سے اجازت لینا مستحب ہے، باپ شوہر دیدہ عورت کی شادی اس سے اجازت لینے کے بغیر نہیں کرواسکتا، اور اگر شوہر دیدہ لڑکی نابالغ چھوٹی ہو تو جب تک بالغ نہ ہو جائے اس کی شادی نہ کروائی جائے۔

اگر باپ نہ ہو تو دادا باپ کے مترادف ہے۔

آقا اپنی باندی کی شادی کرواسکتا ہے خواہ باندی کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، عاقلہ ہو یا مجنونہ، کیونکہ نکاح ایسا عقد ہے جس کا اختیار آقا کو ملکیت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ولی غیر مجبر باپ ہے، دادا ہے اور باقی عصبات ہیں۔

اولیاء کی ترتیب حسب ذیل ہے۔ باپ، بھائی، چچا، پھر آزاد کرنے والا پھر سلطان تفصیل اسکی یہ ہے کہ اولاً ولایت باپ کو حاصل ہوگی پھر دادا، پھر پردادا اگرچہ اوپر چلے جائیں، پھر حقیقی بھائی، پھر باپ، شریک بھائی، پھر حقیقی بھتیجا، پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا اگرچہ نیچے آجائیں، پھر چچا، پھر باقی عصبات جیسے وراثت میں ترتیب ہوتی ہے۔

پھر معتق (آزاد کرنے والا) پھر عصبہ علی ترتیب الوارثت۔ پھر سلطان ولی ہوگا۔

بیٹوں کو ولایت حاصل نہیں چنانچہ بیٹا اپنی ماں کا نکاح نہیں کرواسکتا، اس میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے اور خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ان سے اختلاف ہے، کیونکہ بیٹے اور ماں میں از روئے نسب مشارکت نہیں ہوتی جبکہ ماں کی نسبت تو اپنے باپ کی طرف ہوتی ہے۔

جمہور نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کروادو۔ ❷ شافعیہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ولی کی ضرورت نہیں تھی آپ نے محض طیب خاطر کے لئے یہ فرمایا تھا۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ عمر بن ابی سلمہ ۲ھ میں حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۴ھ میں کیا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اولیاء کی ترتیب..... حنابلہ کے نزدیک ولی یا تو مجبر ہوگا یا غیر مجبر (۱) ولی مجبر باپ ہے پھر باپ کا وصی پھر بوقت حاجت حاکم۔

ولی غیر مجبر، بقیہ اقارب جو عصبات ہوں ان میں اقرب فالاقرب کا اصول ہوگا۔

اولیاء کی ترتیب یوں ہے: پہلے باپ پھر بیٹا پھر بھائی پھر چچا، پھر آزاد کنندہ، پھر عصبہ پھر سلطان، تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

۱)..... باپ۔ آزاد عورت کا نکاح کروانے کا اختیار رکھتا ہے کیونکہ باپ کی نظر اور شفقت کامل ہوتی ہے۔

۲)..... پھر دادا پھر پردادا اگرچہ اوپر چلے جائیں، چنانچہ بیٹے اور دوسرے اولیاء کی بنسبت دادا کو پوتی کا نکاح دینے کا زیادہ حق حاصل

---

❶..... مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹، المهذب ۲/ ۳۷۔ ❷ رواہ احمد والنسائی عن ام سلمه، لیکن اس حدیث میں یہ علت بیان کی گئی ہے کہ ام سلمہ کے مذکور نکاح کے وقت عمر دوسال کے تھے کیونکہ وہ ۲ھ میں حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۴)

ہوتا ہے۔

۳)..... پھر بیٹا اور پوتا اگر چہ نیچے چلے جائیں، چنانچہ بیٹا ماں کا نکاح کروانے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

۴)..... پھر حقیقی بھائی کیونکہ حقیقی بھائی باپ اور بیٹے کے بعد عصبات میں زیادہ قریبی ہوتا ہے۔

۵)..... پھر باپ شریک بھائی کیونکہ وہ بھی حقیقی بھائی کی طرح ہوتا ہے۔

۶)..... پھر بھائیوں کی اولاد خواہ جتنے نیچے چلے جائیں۔

۷)..... پھر چچے اور ان کی اولاد اگر چہ نیچے چلے جائیں پھر باپ کے چچے۔

۸)..... پھر آزاد کرنے والا پھر عصبہ جو قریبی ہوں۔

۹)..... پھر سلطان۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف نہیں کہ اگر اولیاء نہ ہوں تو سلطان کو ولایت نکاح حاصل ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے۔

ششم: مولیٰ علیہ یعنی جس پر ولایت کا ثبوت ہو..... حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ولایت کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار و ولایت اختیار جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ان دونوں ولایتوں کی مختلف اقسام ہیں۔

ولایت اجبار کس پر ثابت ہوگی؟ ولایت اجبار درج ذیل لوگوں پر ثابت ہوتی ہے۔ ❶

۱)..... عدیم الاہلیت اور ناقص الاہلیت یعنی صغر، جنون اور عتہ (ناسمجھی) کے بسبب حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہوگی، چنانچہ نابالغوں، مجنونوں اور معتوھین (ناسمجھوں) پر بلا کسی فرق کے ولایت اجبار حاصل ہوگی، ہاں البتہ وہ مجنونہ عورت جس کا جنون منقطع ہو جاتا ہو یعنی جنون میں مبتلا ہو جاتی ہو اور کبھی اسے افاقہ ہو جاتا ہو تو مالکیہ کے نزدیک اس سے اجازت لی جائے گی، اگر ایسی عورت کو افاقہ ہو جائے تو ولی اس کی اجازت سے اس کا نکاح کروائے، گویا مالکیہ کے نزدیک ولایت اجبار کی علت بکارت ہے یا صغر ہے۔

شافعیہ نے شوہر دیدہ چھوٹی لڑکی کو مستثنیٰ کیا ہے چنانچہ اس پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ شافعیہ کے نزدیک ولایت اجبار کی علت صرف بکارت ہے اور یہ علت شوہر دیدہ چھوٹی لڑکی میں متحقق نہیں ہوتی، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی شادی نہ کروائی جائے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور اپنے ولی کو نکاح کی اجازت دے دے ان کی دلیل حدیث سابق ہے کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کا بنسبت اپنے ولی کے زیادہ حق رکھتی ہے جبکہ کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ تاہم شافعیہ کی تردید کی گئی ہے کہ حدیث میں: ثیب (شوہر دیدہ سے مراد بالغہ ہے۔

حنابلہ کا قول بھی بمثل مالکیہ کے ہے۔ ان کے نزدیک بھی علت ولایت اجبار یا تو بکارت ہے یا صغر ہے۔ چنانچہ باپ اپنی بالغ بیٹیوں کی بدون اجازت لینے کے شادی کروا سکتا ہے، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ اَیِّم (غیر شادی شدہ) اپنے نفس کے متعلق اپنے ولی کی بنسبت زیادہ حق رکھتی ہے، کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے، اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ طریقہ استدلال یوں ہے کہ حدیث میں عورتوں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک کے لئے حدیث میں حق ثابت کیا گیا ہے اور دوسری سے حق اختیار کی نفی کی ہے اور وہ کنواری لڑکی ہے گویا اس کا ولی اس کی ولایت کا زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح باپ کو نو سال سے کم عمر شوہر دیدہ لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہے اس کی اجازت کے بغیر ہی۔

---

❶..... البدائع ۲/ ۲۴۱، الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۱، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹ کشاف القناع ۵/ ۴۳، الشرح الکبیر ۲/ ۲۲۱، الدرالمختار ۲/ ۴۰۷۔

جبکہ دادا اور دیگر اولیاء کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا، جیسے کہ باپ کے علاوہ سبھی اولیاء کو بڑی بالغہ شوہر دیدہ یا کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار اس اجازت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ ایم (غیر شادی شدہ عورت) کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کروایا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح بھی نہ کروایا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ البتہ مجنونہ مستثنیٰ ہے، تاہم اگر مجنونہ مردوں کی طرف مائل ہوتی ہو تو سبھی اولیاء کو اس کے نکاح کا اختیار حاصل ہے کیونکہ اسے بھی تو نکاح کی حاجت در پیش ہے اور ضرر شہوت کا دفیعہ بھی تو ضروری ہے نیز اسے زنا کاری سے بھی دور رکھنا ہے۔

حنفیہ کا مالکیہ اور حنابلہ کے ساتھ اس بات میں اتفاق ہے کہ چھوٹے لڑکے، چھوٹی لڑکی بڑے مجنون اور بڑی مجنونہ پر ولایت ثابت ہے، خواہ چھوٹی لڑکی کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو۔ تاہم عاقل بالغ پر ولایت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی عاقلہ بالغہ پر ثابت ہوتی ہے کیونکہ ولایت اجبار کی علت حنفیہ کے نزدیک صغر ہے جبکہ یہ علت نابالغوں اور مجنونوں میں متحقق ہے ان کے علاوہ میں متحقق نہیں۔

۲۔ کنواری عاقلہ بالغہ...... حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے کیونکہ علت اجبار بکارت (کنوارہ پن) ہے، جمہور کا استدلال اس حدیث کے مفہوم سے ہے کہ۔ شوہر دیدہ عورت اپنے ولی کے بنسبت اپنے نفس کا زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت لی جائے چنانچہ حدیث میں شوہر دیدہ عورت کو اپنے نفس کا اختیار سونپا گیا ہے جبکہ کنواری کو اختیار نہیں سونپا گیا یہ تو بعینہ اجبار ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے۔ کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت لی جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کنواری لڑکی سے اسکا باپ اجازت طلب کرے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی سے اجازت لینا ضرری ہے تاہم اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی صحیح نہیں۔ چنانچہ نسائی وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ ایک لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرے باپ نے اپنے بھائی کے بیٹے سے میری شادی کروادی ہے اور وہ میری وجہ سے اس کی کمتری کو دور کرنا چاہتا ہے حالانکہ میں اسے ناپسند کرتی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہیں بیٹھو یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خبر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھجوا کر اس لڑکی کے باپ کو بلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار لڑکی کو سونپ دیا، اس پر وہ بولی: اے اللہ کے رسول: میرے باپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا میں نے اسے بحال رکھا، لیکن میں عورتوں کو یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ ہمارے آباء کے پاس ہمارا اختیار نہیں ہے۔ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی کنواری تھی، اس سے معلوم ہوا کہ کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر نہ کروائی جائے۔

۳)...... ثیبہ (شوہر دیدہ) عاقلہ بالغہ عورت جس کی بکارت کسی عارضہ کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو یا تو مار کی وجہ سے یا چھلانگ لگانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے یا زنا کی وجہ سے بکارت زائل ہوگئی ہو یا مالکیہ کے نزدیک غصب کی وجہ سے بکارت زائل ہوگئی ہو تو ولی مجبر (باپ یا باپ کے وصی) کو اس کے نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، اگر چہ اس عورت کی عمر ساٹھ سال تک پہنچ چکی ہو۔ کیونکہ ولایت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عورت نکاح کے امور اور مصالح سے نابلد ہوتی ہے، جبکہ مذکورہ بالا عورت بھی نکاح کے مصالح سے نابلد ہوتی ہے لہٰذا کنواری بالغہ عورت کی طرح اس پر بھی ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

جمہور کے نزدیک شوہر دیدہ بالغہ عورت پر ولایت اجبار ثابت نہیں جبکہ ثبوت کے مختلف اسباب ہیں، حنفیہ کہتے ہیں جس عورت کی بکارت چھلانگ لگانے سے یا پے درپے حیض آنے سے زخم سے یا کبرسنی کی وجہ سے زائل ہو جائے تو وہ عورت حقیقت میں کنواری ہے، اگر یہ عورت

مقطوع الذکر کے پاس چلی جائے یا نامرد کے پاس یا خلوت کے بعد اسے طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند مر جائے تو اسے کنواری تصور کیا جائے گا۔ (یعنی وطی نہ ہوا اور اس سے پہلے یہ ہو جائے) شبہ سے یا نکاح فاسد میں وطی ہو جانے والی عورت ثیبہ (شوہر دیدہ) ہے اور جس عورت کے ساتھ صرف ایک بار زنا ہوا ہو جبکہ پیشہ ور زانیہ نہ ہو وہ بھی کنواری کے حکم میں ہوگی اور اجازت نکاح میں اس کے سکوت پر اکتفا کر لیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں: ثیبہ وہ عورت ہے جس کے آگے والے حصے میں وطی کی گئی ہو پیچھے والے حصے میں وطی کرنے سے ثیبہ نہیں ہوگی، اور پھر وطی بھی انسان آلہ کے تناسل سے ہو، کسی اور چیز سے نہ ہو، اگر چہ زنا کی وطی ہو تب بھی ثیبہ ہو جائے گی، شافعیہ کہتے ہیں: ثیبہ وہ ہے جس کی بکارت زائل ہو چکی ہو برابر ہے کہ اس کی بکارت (کنوار پن) حلال وطی جیسے نکاح سے زائل ہوئی ہو یا حرام وطی (زنا) سے یا شبہ سے زائل ہوئی ہو۔ بغیر وطی کے بکارت زائل ہونے کا کوئی اثر نہیں۔ مثلاً کبر سنی یا انگلی داخل کرنے سے اگر بکارت زائل ہو گئی تو وہ عورت کنواری کے حکم میں ہوگی۔

ولایت اختیار کن عورتوں پر ثابت ہوگی؟...... مالکیہ کے نزدیک چار قسم کی عورتوں پر ولایت اختیار ثابت ہوتی ہے تاہم ان کی تفصیل دوسرے مذاہب کے موازنہ کے ساتھ حسب ذیل ہے۔ ❶

۱..... شوہر دیدہ بالغہ عورت جس کی بکارت نکاح صحیح سے زائل ہو گئی ہو یا نکاح فاسد سے زائل ہوئی ہو، تو بالاتفاق ایسی عورت کا نکاح اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نہیں کروایا جائے گا، اس کی دلیل سابق حدیث ہے کہ ثیبہ (شوہر دیدہ) عورت اپنے ولی کی بنسبت اپنے نفس کا زیادہ اختیار رکھتی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ثیبہ سے مشاورت کی جائے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کروایا جائے۔

۲..... بالغہ کنواری عورت جسے اس کے باپ نے رشیدہ (سمجھدار) قرار دیا ہو، مثلاً اس پر سے پابندی اٹھادی ہو چونکہ عورت میں حسن تصرف کی سوجھ بوجھ پیدا ہو چکی ہو، اس عورت پر ولایت کے ثابت ہونے میں حنفیہ مالکیہ کے ساتھ ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں کروایا جائے گا، خواہ اس قسم کی عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ، لیکن اس عورت پر ولایت حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اس عورت پر ولایت اجبار ہوگی۔

۳..... کنواری بالغ عورت جو سال بھر اپنے خاوند کے ہاں مقیم رہے پھر ایم (شوہر کے بغیر) ہو گئی درحالیکہ کے وہ کنواری ہی ہو، کیونکہ عورت اگر خاوند کے پاس ایک سال مقیم رہے تو وہ تکمیل مہر کے سلسلہ میں ثیبہ کے حکم میں ہے، لہٰذا رضامندی سے اس عورت کا نکاح کروایا جائے گا، حنفیہ مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس عورت پر ولایت جبر ہوگی۔

۴..... یتیم چھوٹی لڑکی جس کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا اس لئے کہ اس کے پاس فساق و فجار لوگ آتے جاتے ہوں یا وہی فساق کے پاس آتی جاتی ہو یا اس کے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، چنانچہ باپ اور اس کے وصی کے علاوہ ولی کے لئے جائز ہے کہ جب وہ لڑکی دس سال کی ہو جائے اس کی شادی کروادے، اور اس میں قاضی کی مشاورت بھی شامل کر لے تاکہ یہ امر مؤکد ہو جائے کہ لڑکی شادی پر رضامند ہے، نیز اس کا مہر مہر مثل ہے تاہم ولی کی موجودگی میں اپنے نکاح کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہ لے۔

ہفتم: نکاح کے سلسلہ میں عورت کی اجازت کی کیفیت......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کے حال کے مناسب نکاح کے حوالے سے اس کی اجازت اور رضامندی شامل ہو، خواہ عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔ ❷ چنانچہ مختلف احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

---

❶ ... الشرح الصغير ۲/ ۳۵۳، الشرح الكبير ۲/ ۲۲۳، البدائع ۲/ ۲۴۷، مغنى المحتاج ۳/ ۱۴۹، كشاف القناع ۵/ ۴۶.

❷ البدائع ۲/ ۲۴۲، الدرالمختار ۲/ ۴۱۱، الشرح الصغير ۲/ ۳۲۲، مغنى المحتاج ۳/ ۱۵۰، كشاف القناع ۵/ ۴۷

ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے متعلق تعبیر کرسکتی ہے اور کنواری لڑکی کی رضا مندی اس کا خاموش رہنا ہے۔ ❶ ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ ثیبہ (شوہر دیدہ) عورت اپنے ولی کی بنسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت طلب کی جائے، اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ ❷

ابوداؤد اور نسائی نے اسی حدیث کا ایک طریق نقل کیا ہے اس میں ہے۔ شوہر دیدہ عورت کے متعلق ولی کو اختیار حاصل نہیں اور یتیم لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ بنابریں اگر عورت کنواری ہو تو اس کی رضامندی اس کی خاموشی سے ہوگی، کیونکہ عادۃً کنواری لڑکی صراحۃً نکاح کی اجازت نہیں دیتی اور شرماجاتی ہے، لہٰذا اس کے سکوت پر اکتفاء کرلیا جائے گا، مالکیہ کے نزدیک دوران نکاح اس بات کی وضاحت کردینا مستحب ہے کہ کنواری لڑکی کا سکوت اس کی رضامندی ہے، تاہم اگر انکار کردے تو اس کا نکاح نہ کروایا جائے گا مثلاً یوں کہے۔ میں راضی نہیں ہوں یا کہے میں شادی نہیں کرتی یا اس جیسی کوئی اور بات کہے جو انکار کے معنی میں ہو۔

اسی طرح اگر عورت سے کوئی ایسا امر صادر ہو جو اس کے سکوت کے معنی میں ہو اس کا شمار رضامندی میں ہوگا جیسے مثلاً ٹھٹھہ اور استہزاء کے بغیر لڑکی نے تبسم کردیا یا ہنس دی یا بغیر آواز بلند کرنے کے رو دی تو اس کی طرف سے رضامندی ہوگی، اگر ہنسی یا تبسم استہزاء اور ٹھٹھہ کے طور پر ہو یا آواز بلند لڑکی رو دی یا رونے کے ساتھ رخسار پیٹ ڈالے تو اس کی طرف سے رضامندی اور اجازت نہیں ہوگی، لیکن اس کی طرف سے تردید بھی نہیں ہوگی، اگر اس کے بعد صراحۃً نکاح سے رضامندی ظاہر کردی تو عقد منعقد ہوجائے گا۔

البتہ اگر عورت ثیبہ (شوہر دیدہ) ہو تو اس کی رضامندی صراحۃً قول سے ہوگی یعنی ضروری ہے کہ عورت باواز بلند کہے کہ میں راضی ہوں۔ چنانچہ حدیث ہے کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے متعلق مافی ضمیر کا اظہار کرے۔ چنانچہ شوہر دیدہ عورت کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ سکوت پر اعتماد ہی نہ کیا جائے کیونکہ سکوت میں احتمال ہے اور کنواری لڑکی کے متعلق اس کے سکوت پر ضرورۃً اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ کنواری لڑکی عموماً صراحۃً نکاح کے متعلق مافی ضمیر کا اظہار نہیں کرتی اور شرماجاتی ہے جو چیز بطور ضرورت ثابت ہوا سے بقدر ضرورت ہی اپنایا جاتا ہے جبکہ ثیبہ کے حق میں اس امر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ثیبہ پہلے بھی مرد کا سامنا کرچکی ہوتی ہے لہٰذا وہ عادۃً حیاء محسوس نہیں کرتی اور صراحۃً رضامندی کا اظہار کردیتی ہے، لہٰذا نکاح کے متعلق اجازت لینے میں سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ مالکیہ کہتے ہیں: شوہر دیدہ کے ساتھ چھ قسم کی کنواری لڑکیاں شریک کی گئی ہیں، چنانچہ نکاح کے متعلق ان کی خاموشی پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ صریح قول کے ساتھ اجازت کا ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہیں

۱۔ وہ کنواری لڑکی جس کو اس کے باپ یا وصی نے رشیدہ (سمجھدار) قرار دیا ہو، بایں طور کہ باپ نے اس لڑکی سے حجر (پابندی) اٹھادیا ہو اور اسے تصرف کی اجازت دے دی ہو جبکہ وہ بالغہ بھی ہو تو اس کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ صریح قول کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ وہ کنواری لڑکی جسے اس کے ولی نے بلاوجہ نکاح سے روکے رکھا ہو اور اس کا معاملہ قاضی تک پہنچایا گیا ہو اور قاضی اس کے نکاح کا ولی بن گیا ہو صراحۃً اس سے اجازت لینا ضروری ہے۔

۳۔ مہمل کنواری لڑکی یعنی جس کا باپ ہو اور نہ ہی وصی۔ چنانچہ اگر اس لڑکی کے مہر میں ساز وسامان رکھ دیا گیا ہو حالانکہ یہ لڑکی ایسی قوم سے ہو جو ساز وسامان پر لڑکیوں کے نکاح نہ کرواتے ہوں۔

یا اس لڑکی کی قوم متعین سامان پر اس کا نکاح کروادے تو اس لڑکی کا صراحۃً یوں کہنا کہ میں اس مہر پر راضی ہوں، ضروری ہے۔

۴۔ کنواری لڑکی جس کی شادی کسی غلام سے کروادی گئی ہو، اگرچہ وہ مجبرہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی بھی صراحۃً اجازت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ غلام آزاد عورت کا کفو نہیں ہوتا۔

---

❶......رواه الاثرم وابن ماجه ❷رواه الجماعة الا البخاري.

۵۔ وہ کنواری لڑکی جس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروائی جائے جس میں کوئی عیب ہو اور اس عیب سے عورت کو اختیار ملتا ہو جیسے جذام برص، جنون خصی ہونا لڑکی کا صراحۃً قول کرنا ضروری ہے کہ میں اس نکاح پر راضی ہوں۔

۶۔ کنواری لڑکی جو غیر مجبر ہو اس کی رضا مندی کے بغیر اس کا ولی عقد نکاح کر دے اور پھر اسے نکاح کی خبر پہنچے اور وہ رضا مندی ظاہر کرے تو نکاح صحیح ہے، تاہم اس لڑکی کا صراحۃً قول سے رضا مندی ظاہر کرنا ضروری ہے۔

اس میں حنابلہ نے بھی مالکیہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور کہتے ہیں کہ جب ایسی لڑکی کی اجازت کے بغیر شادی کی جائے جس کی اجازت اور رضا مندی معتبر ہو تو اس کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، سو اس کی اجازت قولاً ہو یا ایسے امر سے ہو جو رضا مندی پر دلالت کرتا ہو مثلاً خاوند کو صحبت کا اختیار دے دے یا عورت مہر اور نفقہ کا مطالبہ کر دے۔ ❶

ولی کا عضل اور اس کا حکم:

عضل...... عضل کا معنی ہے کہ عورت کے کفو کے ساتھ مطالبہ نکاح کے باوجود ولی اسے نکاح سے روکے رکھے اور اسے نکاح نہ کرنے دے جبکہ عورت عاقلہ بالغہ ہو اور مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے میں رغبت بھی رکھتے ہوں۔ ایسا کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ ❷

عضل کا شرعاً ممنوع ہونا...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اولیاء کو عضل سے منع فرمایا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۲

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت مدت کو پہنچ جائیں تو انہیں نکاح کرنے سے مت روکو۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنی بہن کی ایک شخص کے ساتھ شادی کروادی، اس شخص نے میری بہن کو طلاق دے دی یہاں تک کہ جب اس کی عدت گزر چکی وہ شخص آ گیا اور پیغام نکاح دینے لگا، میں نے اس سے کہا: میں نے تمہاری شادی کروائی، بیوی تمہارے گھر پہنچائی اور تمہیں عزت دی پھر تم نے اسے طلاق دے دی اور اب اسے پیغام نکاح دینے آ گئے ہو، اللہ کی قسم یہ عورت اب تمہارے پاس کبھی بھی نہیں آئے گی، اس شخص میں کوئی عیب نہیں تھا اور عورت بھی دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ......اور انہیں نکاح سے مت روکو۔ البقرۃ ۲/ ۲۳۲

میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول میں یہ نکاح ابھی کرواتا ہوں، چنانچہ معقل رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کروادیا ❸ لیکن فقہاء کی رائے میں نہی مطلق نہیں ہے۔

شافعیہ، حنابلہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی اپنے زیر ولایت عورت کو نکاح سے نہیں روک سکتا اگرچہ مہر میں کمی ہو، یا مہر ایسے مال میں رکھا ہو جو شہر کا نقدی اور مروج نہ ہو اور عورت اس پر راضی ہو، برابر ہے کہ عورت مہر مثل کے ساتھ نکاح کا مطالبہ کرتی ہو یا غیر مہر مثل کے ساتھ، تاہم نکاح سے روکنا جائز نہیں، کیونکہ مہر عورت کا خالص حق ہوتا ہے اور اس کا مخصوص عوض ہوتا ہے، لہٰذا اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر عورت کا نکاح مہر مثل سے کم کے ساتھ ہو رہا ہو تو اولیاء کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے نکاح سے روک دیں کیونکہ کم مہر کی صورت میں اولیاء کے لیے عار ہے۔

---

❶......المغنی ۶/ ۴۷۶۔ ❷البدائع ۲/ ۲۴۸، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/ ۲۳۲، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۳، کشاف القناع ۵/ ۵۰۔ ❸رواہ البخاری حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مرد نے عورت کو ایک طلاق رجعی دی تھی۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ عضل دو مسئلوں میں متحقق ہوتا ہے:

(۱)......جب کہ ولی کفو کا عورت سے مطالبہ کررہا ہو اور عورت اس سے راضی ہو عورت اس سے نکاح کا مطالبہ کررہی ہو خواہ نہ کررہی ہو۔

(۲)......جب عورت ایک کفو سے نکاح کا مطالبہ کررہی ہو اور اس کا ولی کسی دوسرے کفو سے نکاح کا مطالبہ کررہا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ نے عضل کو صرف پہلے مسئلہ میں مقصور رکھا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر عورت نے کسی کفو کو متعین کردیا ہو جبکہ باپ نے اس کے علاوہ کسی اور کفو کو متعین کررکھا ہو تو اسے عضل کا حق حاصل ہے۔

حنابلہ نے عضل کی ایک صورت کا اضافہ بھی کیا ہے وہ یہ کہ جب نکاح کا پیغام دینے کے لئے لوگ ولی کو شدت پسندی کی وجہ سے رکے ہوئے ہوں، لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس موقع پر انکار ولی کے لئے حرام نہیں کیونکہ ولی کا یہ فعل عضل کی وجہ سے نہیں۔

کس شخص سے عضل کا ثبوت ہوگا؟

ا......اگر ولی باپ ہو جسے ولایت اجبار حاصل ہو اور ولایت اجبار کے اختیار سے اپنی بیٹی کو نکاح سے روکتا ہو محض اس سے باپ عاضل (نکاح سے روکنے والا) نہیں کہلائے گا الا یہ کہ لڑکی کو ضرر پہنچانا مقصود ہو اور بالفعل ضرر دکھائی بھی دیتا ہو، مثلاً لڑکی کو نکاح سے اس لئے روک رہا ہوتا کہ وہ اس کی خدمت کرتی رہے یا اسے لڑکی کا وظیفہ مل رہا ہو اور نکاح کروانے سے وظیفہ کے منقطع ہونے کا اسے اندیشہ ہو۔

البتہ اگر باپ نے محض کسی کفو کے پیغام نکاح دینے پر رد کردیا ہو لڑکی بھی اس سے راضی ہو تو باپ عاضل نہیں کہلائے گا کیونکہ باپ فطرتی طور پر اولاد سے شفقت اور مہربانی کرتا ہے جبکہ اولاد نکاح کے مصالح سے ناواقف ہوتی ہے اس لئے باپ اسی وقت رشتہ رد کرتا ہے جو اولاد کے حق میں بہتر اور موافق نہ ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی بیٹیوں کے اچھے اچھے رشتے آئے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رد کردئے اسی طرح سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی کا خلیفہ کے گھر سے آیا ہوا رشتہ رد کردیا حالانکہ انہیں عاضل نہیں شمار کیا گیا اور ان کا مقصد اپنی بیٹیوں کو ضرر پہنچانا بھی نہیں تھا۔

مالکیہ کے نزدیک اگر باپ کے وصی نے آنے والے رشتہ کو رد کردیا گو لڑکی اس رشتے کے کفو ہونے سے راضی بھی ہو وصی عاضل نہیں ہوگا الا یہ کہ رشتہ رد کرنے سے وصی کا مقصد لڑکی کو ضرر پہنچانا ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلا رشتہ جو کفو ہوا سے رد کرنے سے وصی عاضل ہوجائے گا۔

ب......اگر ولی غیر مجبر ہو اور وہ باپ ہو یا کوئی اور ہو تو وہ اوپر مذکورہ صورتوں میں عاضل متصور ہوگا جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دوسری صورت میں عاضل ہوگا۔

عضل کا حکم......اگر ولی بار بار عورت کا نکاح کروانے سے انکار کرے تو وہ فسق کا مرتکب ہوگا کیونکہ مناسب رشتہ مل جانے کے بعد لڑکی کی شادی کروانے سے انکار کرنا معصیت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ولی اقرب عضل کا مرتکب ہو تو ولایت ولی ابعد کو منتقل ہوجائے گی کیونکہ بوجہ عضل وہ فسق کا مرتکب ہوا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے شراب پی لے، اور اگر سبھی اولیاء عضل کے مرتکب ہوں تو حاکم وقت لڑکی کی شادی کروائے۔

حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: اگر ولی عضل کا مرتکب ہو اور ولی مجبر ہو تو ولایت سلطان کو منتقل ہوجائے گی یعنی قاضی کو ولایت حاصل ہوجائے گی، اور ولی ابعد کو ولایت منتقل نہیں ہوگی، اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ جب اولیاء کا آپس میں جھگڑا ہوجائے تو جس کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اسکا ولی ہے، نیز عضل سے ولی، ولی نہیں رہا، بلکہ ظالم بن گیا اور ظلم کا دفعیہ قاضی کرتا ہے۔

نہم: ولی کا غائب ہونا قید یا مفقود ہونا......ولی کے موجود نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

(۱) حنفیہ اور حنابلہ کی رائے۔

(۲) مالکیہ کی رائے۔

(۳) اور شافعیہ کی رائے۔

پہلی رائے...... یہ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے اگر ولی کا غائب ہونا منقطع ہو ❶ اور ولی نے کوئی وکیل بھی نامزد نہ کیا ہو تو اس سے ولایت منتقل ہو جائے گی اور ایسے شخص کو ولی نامزد کر دیا جائے گا جو اس کے بعد آتا ہو مثلاً اگر لڑکا کا باپ غائب ہو تو دادا اس کا ولی ہوگا، حاکم وقت ولی نہیں ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے۔ جبکہ اس عورت کا ایک ولی غائب ہے دادا تو موجود ہے، نیز یہ ولایت دیکھ بھال اور شفقت کی وجہ سے حاصل ولایت ہے، لہٰذا دادا حاکم وقت سے مقدم ہے۔ ❷

سوریہ کے قانون دفعہ ۲۳ میں اسی رائے کو اپنایا گیا ہے اور اس پر یوں صراحت کی گئی ہے کہ۔ اگر ولی اقرب غائب ہو اور قاضی کو اس کے انتظار میں مصلحت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ولایت اس شخص کو منتقل ہو جائے گی جس کا نمبر غائب ولی کے بعد آتا ہو۔

غیبت منقطعہ...... حنفیہ کی رائے میں غیبت منقطعہ سے مراد ولی کا اپنے وطن سے اتنا دور ہونا ہے کہ اس شہر تک سال میں صرف ایک بار قافلے پہنچتے ہوں، امام قدوری نے اسی کو اختیار کیا ہے، ایک قول میں کم از کم مدت سفر یعنی تین دن کی مسافت ہے جو ۸۹ کلو میٹر ہے، یہ مسافت بعض متاخرین حنفیہ کی مختار ہے۔ دوسری رائے کے ساتھ حنابلہ کا اتفاق ہے گویا غیبت منقطعہ وہ ہوگی جو مسافت قصر سے زائد ہو کیونکہ اس سے کم مسافت قصر نہیں بلکہ حاضر کے حکم میں ہے۔

شافعیہ کی رائے...... اگر نسبی اقرب ولی غائب ہو اور دو مرحلوں کی مسافت پر ہو یعنی اتنے فاصلے پر ہو جتنے فاصلے میں نماز کی قصر کی جاتی ہو (۸۹ کلو میٹر) اور شہر میں اس کا کوئی وکیل بھی نہ ہو تو سلطان یا اس کا نائب لڑکی کی شادی کروا دے، اصح قول کے مطابق ولی البعد ولی نہیں ہوگا، اگر ولی اقرب مسافت قصر سے کم فاصلے پر ہو تو اصح قول کے مطابق اس کی اجازت کے بغیر لڑکی کی شادی نہیں کروائی جائے گی، تاہم اس سے رابطہ کیا جائے گا تا کہ شہر میں حاضر ہو جائے یا کسی کو اپنا وکیل نامزد کر دے۔

سوم: مالکیہ کی رائے...... اس میں قدرے تفصیل ہے، مالکیہ نے ولی مجبر اور ولی غیر مجبر کی غیبت کا اعتبار کیا ہے۔

ا...... اگر غائب ہونے والا ولی مجبر ہو یعنی باپ یا اس کا وصی پھر یا تو غیبت قریب ہوگی یا بعید اگر غیبت (غائب ہونا) قریب ہو مثلاً دس دن کے فاصلے پر ہو تو لڑکی کی شادی نہیں کروائی جائے گی یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے، بشرطیکہ لڑکی کے لئے کافی وافی نفقہ موجود ہو اور فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو اور ولی کے آنے جانے کا راستہ بھی پر امن ہو ورنہ قاضی اپنے اختیار سے لڑکی کی شادی کروا دے۔

اگر غیبت بعیدہ ہو مثلاً تین مہینے کی مسافت پر ہو یا اس سے زائد، جیسے ماضی میں افریقہ وغیرہ کا سفر کیا جاتا تھا، اگر ولی کی آمد متوقع ہو مثلاً وہ تجارت کے لئے سفر پر گیا ہو تو اس کی واپسی تک لڑکی کی شادی نہیں کروائی جائے گی اور اگر اسکی آمد ن کی توقع نہ ہو تو پھر اولیاء کے علاوہ صرف قاضی کو اس لڑکی کی شادی کا اختیار ہوگا بشرطیکہ لڑکی بالغ ہو اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہوگی، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو جب تک اس پر فتنہ اور فساد کا خوف نہ ہو تو اس کی شادی نہ کروائی جائے۔ اگر فساد کا اندیشہ ہو تو جبراً اس کی شادی کروائی جائے برابر ہے کہ لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ۔

ب...... اگر غائب ولی غیر مجبر ہو جیسے بھائی اور دادا، پھر اگر غیبت قریبہ ہو مثلاً تین دن اور عورت کفو کے ساتھ نکاح کا مطالبہ کر رہی ہو اور حالات بھی نکاح کے مقتضی ہوں تو ولی البعد کی بجائے حاکم وقت لڑکی کی شادی کروائے کیونکہ غائب کا وکیل حاکم وقت ہوتا ہے۔

---

❶ یعنی اس کی آمد نہ متوقع ہو اور اس کا غائب ہونا بھی ختم بھی ہو جائے اور وہ رشتہ داروں کے علم میں ہو۔ ❷ فتح القدير ۲/ ۴۱۵، الشرح الكبير ۲/ ۲۲۹، مغني المحتاج ۳/ ۱۵۷، المغني ۶/ ۸۷، كشاف القناع ۵/ ۵۷.

اگر ولی تین دن سے کم مسافت پر ہو تو حاکم وقت ولی کی طرف قاصد دوڑا کر اسے بلوائے اگر ولی حاضر ہو جائے یا کسی کو وکیل بنا دے تو مطلوب پورا ہو گیا ورنہ ابعد لڑکی کی شادی کروائے اور یہ اختیار قاضی کو حاصل نہیں ہوگا۔

اگر ولی غیبت بعیدہ ہو مثلاً تین دن سے زائد مسافت پر ہو تو قاضی لڑکی کی شادی کروا دے کیونکہ قاضی غائب شخص کا وکیل ہوتا ہے، اگر ولی ابعد نے نکاح کروا دیا تو بھی نکاح صحیح ہوگا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ ولی کا کوئی وکیل نہ ہوتا ہم اگر وکیل ہو تو اسے مقدم رکھا جائے گا۔

قید یا مفقود ہونے کی وجہ سے غائب ہونا...... مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اگر ولی اقرب قید ہونے کی وجہ سے غائب ہو یا کہیں مفقود ہو اور اس کی جگہ کا علم نہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی خبر ہو تو ولی ابعد لڑکی کی شادی کروا دے ولایت قاضی کو منتقل نہیں ہوگی، اس میں ولی مجبر اور غیر مجبر میں کوئی فرق نہیں کیونکہ قید ہونا یا مفقود ہونا موت کے مترادف ہے۔

اسی طرح حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ولی قریب قید ہو یا دشمن نے جیل میں ڈال رکھا ہو کہ اس سے رابطہ کرنا مشکل ہو تو ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تیسری بحث نکاح میں وکیل بنانا...... وکیل اپنے موکل سے اختیارات لیتا ہے اور وکیل کا تصرف نافذ ہو جاتا ہے گویا وکالت بھی ولایت کی ایک قسم ہوئی اور موکل کے حق میں وکیل کا تصرف ایسا ہی نافذ ہوتا ہے جیسے مولیٰ علیہ پر ولی کا تصرف نافذ ہوتا ہے، تاہم اس بحث کے ضمن میں، میں درج ذیل امور سے بحث کروں گا، وکالت نکاح کا حکم، وکیل کے اختیارات کی حد، وکالت سے ہونے والے نکاح میں عقد کے حقوق اور عاقد واحد سے انعقاد نکاح۔ ❶

اول: وکالت نکاح کا حکم...... حنفیہ کی رائے ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو نکاح کا وکیل بنانا صحیح ہے بشرطیکہ وہ کامل اہلیت رکھتے ہوں یعنی عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، حنفیہ کے نزدیک عورت خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہے اس لئے ان کے نزدیک عورت عقد نکاح کی وکیل بھی بن سکتی ہے، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے کہ ہر وہ تصرف جسے انسان براہ راست انجام دے سکتا ہو اس کی انجام دہی کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ تصرف نیابت کو قبول کرتا ہو۔

تقریری (زبانی) طور پر بھی وکیل مقرر کرنا صحیح ہے اور تحریری طور پر بھی، بالاتفاق وکالت پر گواہوں کا ہونا شرط نہیں اگرچہ وکیل کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ گواہ بنا لے تاکہ تنازع کی صورت میں وکالت کا انکار نہ ہو۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ عورت کو عقد نکاح کی وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ عورت بذات خود عقد نکاح کا انعقاد نہیں کر سکتی لہٰذا دوسری عورت کے نکاح کی وکیل بھی نہیں بن سکتی، البتہ عورت کے ولی مجبر کے لئے جائز ہے کہ وہ عورت کی اجازت کے بغیر کسی کو نکاح کا وکیل بنا دے۔ جیسے ولی اجبار لڑکی کی اجازت کے بغیر بھی اس کا نکاح کروا سکتا ہے۔ اور زوج کی تعیین شرط نہیں، چنانچہ مطلق اور مقید وکالت جائز ہے۔ مقید وکالت یہ ہے کہ نکاح کے معاملہ میں مرد کو متعین کر دیا جائے اور مطلق سے مراد یہ ہے کہ وکیل جس شخص سے راضی ہو یا جسے وہ چاہے اس سے لڑکی کا نکاح کروا دے۔

مالکیہ نے مرد کے لئے جائز رکھا ہے کہ وہ ایسے شخص کو وکیل بنا سکتا ہے جس میں ولایت کا کوئی مانع پایا جاتا ہو بشرطیکہ وہ مانع احرام کا مانع نہ ہو۔ چنانچہ مرد نصرانی، غلام، عورت اور ممیز بچے کو وکیل بنا سکتا ہے۔

---

❶ ......فتح القدیر ۲/ ۴۲۷، تبیین الحقائق ۲/ ۱۳۲، الشرح الصغیر ۲/ ۳۷۲، الشرح الکبیر ۲/ ۲۳۱، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۷، المغنی ۲/ ۴۶۲، المهذب ۲/ ۳۸۔

رہی بات ولی غیر مجبر کی سووہ شافعیہ کے نزدیک عورت کی اجازت کے بغیر وکیل نہیں بنا سکتا، ہاں البتہ عورت اگر ولی غیر مجبر سے کہے کہ وکیل بنالے تو وہ وکیل بنا سکتا ہے اگر عورت ولی غیر مجبر کو وکیل بنانے سے منع کرے تو وہ وکیل نہ بنائے، اور اگر عورت کہے کہ میری شادی کروادو تو اصح قول کے مطابق ولی وکیل بنا سکتا ہے۔ کیونکہ ولی غیر مجبر اجازت سے تصرف کررہا ہے، لہٰذا ولی غیر مجبر ولی اور قیم کے مشابہ ہوا، اور یہ دو نوں بغیر اجازت کے وکیل بنا سکتے ہیں، اگر ولی غیر مجبر نکاح کے متعلق عورت سے اجازت لینے سے پہلے وکیل بنادے تو یہ وکالت درست نہیں ہوگی کیونکہ ولی غیر مجبر اس صورت میں اپنا نکاح نہیں کرسکتا بھلا غیر کو کیسے نکاح کا ولی بنا سکتا ہے؟

حنابلہ کہتے ہیں: وکالت کے صحیح ہونے کے لئے عورت کی اجازت کا اعتبار نہیں، اور نہ ہی وکیل پر دو گواہوں کا ہونا کسی اعتبار میں ہے، برابر ہے کہ موکل باپ ہو یا کوئی اور ہو، کیونکہ ولی کی اجازت عورت کی اجازت کی محتاج نہیں اور نہ ہی وکالت گواہوں کی محتاج ہے، لیکن وکیل کے لئے وہ اختیارات ثابت ہوں گے جو موکل کے لئے ثابت ہوتے ہیں، اگر ولی مجبر ہو تو اسے وکیل بنانے کے لئے عورت کی اجازت کی ضرورت نہیں، اور اگر ولی غیر مجبر ہو تو اسے وکالت کے لئے عورت کی اجازت کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں عقد نکاح میں ولی کا وکیل یوں کہے: میں نے فلاں شخص کی بیٹی کے ساتھ تمہاری شادی (نکاح) کروادی اور دولہے کے وکیل سے ولی کہے: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں شخص سے کروادیا۔ وکیل کہے: میں نے اس کے لئے نکاح قبول کرلیا۔

دوم: وکیل کے اختیارات کی حد:۔ عقد نکاح میں وکیل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بھی عقود (معاملات) میں وکیل ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک وکیل کسی دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ موکل تو اسی وکیل کی رائے سے راضی ہوا ہے کسی دوسرے کی رائے سے راضی نہیں، الا یہ کہ موکل وکیل کو آگے وکیل بنانے اجازت دے دے، یا یہ کہ موکل معاملہ وکیل کو سپرد کردے، اس وقت وکیل آگے کسی اور کو وکیل بنا سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وکالت کی نوع کے اعتبار سے وکیل کو اختیارات ملیں گے دیکھا جائے گا کہ وکالت مطلق ہے یا مقید، اگر وکالت مقید ہو تو جو قیود اور شرائط موکل نے عائد کررکھیں ہوں وکالت انہی قیود و شرائط میں دائر رہے گی، وکیل کے لئے جائز نہیں ہوتا کہ وہ موکل کی متعین کردہ حدود و قیود سے تجاوز کرے کیونکہ وکیل کے اختیارات موکل سے مستعار لئے ہوتے ہیں تاہم وہ انہی اختیارات کا مالک ہوگا جو موکل نے اسے سونپے ہوں، تاہم جن تصرفات کا اختیار سونپا ہوا نہی میں وکیل کا تصرف نافذ ہوگا ان کے علاوہ اگر تجاوز کیا تو وکیل فضولی کہلائے گا، اور تصرف موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا، بعد میں ملنے والی اجازت وکالت سابقہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

ا۔ وکالت مقیدہ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ موکل متعین اوصاف کے ساتھ ناکح کو مقید کردے اور وکیل ان اوصاف کی پاسداری کرنے کا پابند ہوگا، وکیل متعین حدود سے تجاوز نہیں کرسکتا، الا یہ کہ مخالفت موکل کے حق میں بہتر ہو تو اس صورت میں عقد موکل کے حق میں نافذ ہوجائے گا اگر وکیل نے قید کی مخالفت کی تو عقد موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوجائے گا ورنہ باطل ہوجائے گا۔

بنا برہذا اگر موکل نے نام اور خاندان کے ساتھ عورت متعین کردی تو اگر وکیل نے اسی متعین عورت کے ساتھ نکاح کروادیا تو نکاح نافذ ہوجائے گا اگر کسی اور عورت سے نکاح کروادیا تو عقد موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوجائے گا اور اگر اجازت نہ دی تو باطل ہوجائے گا کیونکہ وکیل مخالفت کرنے سے فضولی ہوجائے گا جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فضولی کا عقد مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

اگر موکل نے متعین مہر کے ساتھ عقد مقید کردیا اور وکیل نے اسی مہر کے ساتھ نکاح کروادیا تو عقد نافذ ہوجائے گا اور اگر وکیل نے مخالفت کی تو عقد موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، الا یہ کہ جب مخالفت موکل کے حق میں بہتر ہو تو عقد صحیح اور نافذ ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ ایک عورت کے ساتھ اس کی شادی کروادے وکیل نے عقد واحد میں دوعورتوں کے ساتھ اس کی شادی کروادی تو ان دونوں میں سے ایک بھی اسے لازم نہیں ہوگی، کیونکہ مخالفت کی وجہ سے نفاذ کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی، اور جہالت کی وجہ سے ان میں سے ایک عورت کا نکاح بھی نافذ نہیں کر سکتے، اولیت کے معدوم ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں تعیین بھی نہیں لہٰذا تفریق لازمی ہوگی۔

۲۔ وکالت مطلقہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ موکل کسی عورت کو متعین نہ کرے اور نہ ہی کوئی وصف متعین کرے اور نہ ہی مہر متعین کرے، اس طرح کی وکالت کے متعلق ائمہ، حنفیہ کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: کی رائے ہے کہ وکیل کسی بھی عورت کے ساتھ موکل کی شادی کرواسکتا ہے اگر چہ وہ موکل کی کفونہ ہو اور کچھ بھی مہر رکھ سکتا ہے، الّا یہ کہ جب تصرف ایسی جگہ میں ہو جس میں تہمت ہو، کیونکہ قاعدہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے، چنانچہ وکیل مہر مثل اور اس سے زائد مہر کے ساتھ شادی کرواسکتا ہے یا نابینا، بدصورت اور لنجی کے ساتھ بھی موکل کی شادی کرواسکتا ہے، اور اگر عورت موکل ہو تو عقد تب منعقد ہوگا جب وکیل کفو کے ساتھ شادی کروائے، خواہ نکاح مہر مثل کے ساتھ ہو یا مہر مثل سے کم کے ساتھ، خواہ مرد صحیح ہو یا بدصورت، کیونکہ اطلاق میں یہی آتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے موکل کی عبارت اور لفظ کا اعتبار کیا ہے۔

صاحبین......اور بقیہ مذاہب کی رائے ہے کہ وکیل استحساناً متعارف کے ساتھ مقید ہوگا کیونکہ اطلاق عرف ورواج کے ساتھ مقید ہوتا ہے لہٰذا وکیل کفو کے ساتھ شادی کروانے کا پابند ہوگا اور عقد میں مہر مثل رکھنے کا پابند ہوگا۔ عرفاً جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے، اگر وکیل نے مناسب عورت جو عیوب سے پاک ہو اور موزوں مہر سے نکاح کروادیا جس میں کوئی دھوکا نہ ہو تو نکاح موکل پر لازم اور نافذ ہوگا۔ اور اگر عورت نابینا ہو یا اس کے ہاتھ کٹے ہوں یا مفلوج ہو یا مجنون ہو یا اسکی شرمگاہ میں بیماری ہو یا مہر ایسا رکھا جس میں غبن فاحش ہو تو صاحبین اور مالکیہ کے نزدیک نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ وکیل نے معروف کی مخالفت کی ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد صحیح نہیں ہوگا۔

یہ رائے راجح ہے، حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ یہی ہے مصر میں یہی رائے معمول بہ ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ صاحبین عرف و رواج کے مطابق حکم لگاتے تھے۔

البتہ اس رائے کے ضمن میں بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ کا صاحبین کے ساتھ اتفاق ہے۔ وہ مسائل یہ ہیں۔

ا......اگر عورت موکل ہو تو وکیل کے لئے ضروری ہے کہ کفو کے ساتھ اس کی شادی کروائے کیونکہ عورت عام طور پر صرف کفو ہی میں رغبت رکھتی ہے، اسی میں مصلحت ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اولیاء اعتراض نہ کرسکیں۔

ب......اگر مرد نے وکیل کو یہ تاکید کی کہ وہ نابینا عورت کے ساتھ اس کی شادی کروائے تاہم وکیل نے بینا عورت کے ساتھ اس کی شادی کروادی تو عقد نافذ العمل ہوگا کیونکہ وکیل کی مخالفت میں موکل کی بہتری ہے۔

ج......اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ کسی عورت کے ساتھ اس کی شادی کروائے تاہم وکیل نے ایسی چھوٹی لڑکی کے ساتھ اس کی شادی کروادی جو جماع کے قابل نہ ہو تو عقد بالاتفاق جائز ہوگا، اگر یہ چھوٹی لڑکی وکیل کی بیٹی یا بھتیجی ہو تو عقد نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس نکاح میں تہمت ہے۔

اگر لڑکی وکیل کی ہو جو بڑی ہو اور لڑکی کی رضامندی سے شادی کروائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس عقد میں تہمت ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک عقد نافذ ہوگا کیونکہ اس لڑکی پر وکیل کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی۔

البتہ وکیل نے اگر اپنی بالغ بہن کے ساتھ موکل کی شادی کروادی تو عقد بالاتفاق نافذ ہوگا۔

د... اگر ایک شخص نے دوسرے آدمی کو وکیل بنایا کہ فلاں عورت سے شادی کروادے یا فلاں عورت سے، وکیل نے ان دونوں میں سے ایک عورت کے ساتھ شادی کروادی تو عقد نافذ ہو جائے گا کیونکہ اصل وکالت میں اختیار موجود ہے۔

ھ... اگر عورت نے اپنی شادی کا کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے اپنے ساتھ شادی کر دی تو عقد عورت کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا، اسی طرح اگر مرد نے کسی عورت کو وکیل بنایا اور عورت نے اپنے ساتھ شادی کر دی تو بھی موکل کی اجازت کے بغیر عقد نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں حالتوں میں تہمت پائی جاتی ہے، اسی طرح وکیل نے اگر اپنے باپ یا بیٹے کے ساتھ موکل عورت کی شادی کروادی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بھی تہمت ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک عقد نافذ ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں ان کے نزدیک تہمت نہیں۔

مالکیہ نے ان اختلافی مسائل میں کچھ استثناء کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں: اگر عورت اپنے ولی غیر مجبر کو وکیل بنائے کہ وکیل جس سے چاہے اس کی شادی کروادے، وکیل کے لئے واجب ہے کہ عقد سے پہلے عورت کے سامنے خاوند کی تعیین کردے، کیونکہ مردوں میں عورتوں کی اغراض مختلف ہوتی ہے، اگر مرد کی تعیین نہ کی تو عقد عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا، برابر ہے کہ وکیل اپنے ساتھ عورت کی کروائے مثلاً وکیل عورت کا چچازاد بھائی ہو، یا سرپرست وکیل ہو یا حاکم ہو یا کسی اور سے شادی کروائے، کیونکہ عورتوں کی اغراض مختلف ہوتی ہیں۔

سوم: وکالت نکاح میں عقد کے حقوق...... عقد کے حقوق سے مراد وہ اعمال ہیں جن کا مقتضائے عقد کے نفاذ کے لئے ہونا لابدی ہو، جیسے بضع کا سپرد کرنا، مہر سپرد کرنا، وصول کرنا وغیرہ۔ ایہ امر متفق علیہ ہے کہ عقد نکاح کے حقوق اصل کی طرف راجح ہوتے ہیں، رہی بات وکیل کی سو وہ محض سفیر اور معبر ہوتا ہے، عقد کے حقوق وکیل کی طرف راجع نہیں ہوتے، چنانچہ وکیل سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ عورت کو زفاف کے لئے خاوند کے پاس لائے، مہر کی ادائیگی اور نفقہ وغیرہ دینے کا مطالبہ بھی وکیل سے نہیں کیا جائے گا، وکیل نکاح، وکیل خرید فروخت کے برخلاف ہے چنانچہ بیع وشراء میں جمہور کے نزدیک حقوق موکل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ نکاح میں قاصد وکیل کے حکم میں ہے۔

بنابریں عورت سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ زفاف کے لئے مرد کے پاس جائے، خاوند سے ادائیگی مہر اور خرچے کا مطالبہ کیا جائے گا، عورت خود مہر پر قبضہ کرنے کی مجاز ہوگی عورت کا وکیل مہر پر قبضہ کرنے کا حق نہیں رکھتا الا یہ کہ صراحۃً اسے اجازت دی گئی ہو، اگر عورت کے باپ یا دادا نے مہر پر قبضہ کر لیا تو اب عورت خاوند سے مطالبہ نہیں کر سکتی، حنفیہ کے نزدیک عورت کا سکوت گویا باپ دادا کو قبضہ مہر کی اجازت ہے، چنانچہ باپ کا قبضہ صحیح ہوگا اور خاوند مہر کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جائے گا، چنانچہ لوگوں میں اسی کا رواج ہے کہ باپ ہی اپنی بیٹی کا مہر قبضہ کرتا ہے، اس لئے دلالتہً بھی عورت کی اجازت کافی تصور ہوگی، البتہ اگر باپ اور دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو صراحۃً قبضہ مہر کی اجازت ہونا ضروری ہے۔

مالکیہ نے عورت کے مجبرہ اور غیر مجبرہ ہونے میں تفصیل کی ہے چنانچہ اگر عورت مجبرہ ہو تو اس کا ولی مجبر عورت کے وکیل بنانے کے بغیر بھی مہر پر قبضہ کر سکتا ہے، اگر عورت سمجھدار ہو اور اس پر کوئی جبر نہ ہو تو اس کے وکیل کو مہر پر قبضہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا، الا یہ کہ صراحۃً عورت وکیل کو مہر قبضہ کرنے کا کہہ دے۔

چہارم: عاقد واحد کے ذریعہ انعقاد نکاح...... جملہ عقود معاملات میں اصل یہ ہے کہ عاقدین ایک سے زائد ہوں، لیکن جمہور حنفیہ (امام زفر کے علاوہ) نے بعض احوال میں عاقد واحد کے ذریعہ عقد نکاح کے انعقاد کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کی پانچ صورتیں ہیں جو کہ

حسب ذیل ہیں۔❶

اول..... یہ کہ عقد کا متولی اپنی طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے ولی ہو چنانچہ اسکی صورت یہ ہے کہ چچازاد بھائی اپنی چچازاد بہن کا اپنے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ نکاح میں وکیل محض سفیر اور معبر ہوتا ہے عقد کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے۔

دوم..... یہ کہ عاقد (عقد نکاح طے کرنے والا) اپنی طرف سے اصل ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو۔ مثلاً کسی عورت نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ اپنے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دے وکیل نے گواہوں کے روبرو کہا: فلاں عورت نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ میں اپنے ساتھ اس کا نکاح کرلوں، لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

اگر عورت نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس کا نکاح کروادے تاہم وکیل نے اپنے ساتھ نکاح کروادیا یا اپنے بیٹے یا بھائی کے ساتھ کروادیا تو حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ عورت نے وکیل کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ کروانے کی ذمہ داری سونپی ہے نہ کہ اپنے ساتھ شادی کرنے کو کہا ہے۔

سوم..... یہ کہ شخص واحد طرفین (لڑکی اور لڑکے) کا ولی ہو، اسکی صورت یہ ہے مثلاً ایک دادا اپنے کا پوتے کی شادی (دوسرے بیٹے کی لڑکی یعنی) پوتی سے کروادے۔ اسی طرح جیسے کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کروادے جو اس کی ولایت میں ہو۔

چہارم..... یہ کہ ایک شخص طرفین سے وکیل ہو جیسے مرد اور عورت ایک ہی شخص کو اپنا اپنا وکیل بنادیں کہ وہ ان کی شادی کروادے اور وکیل کہے میں نے فلاں عورت کا فلاں مرد کے ساتھ نکاح کروادیا۔

پنجم..... یہ کہ ایک شخص ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو، جیسے مثلاً ایک آدمی نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ (وکیل) اپنی بیٹی کے ساتھ اس (موکل) کی شادی کروادے اور وہ لڑکی کے ساتھ اس کی شادی کروادے۔

رہی بات فضولی کی سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا طرفین کی جانب سے عقد کا متولی بننا صحیح ہے اگر چہ ایجاب وقبول کا تکلم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱)..... یہ کہ ایک شخص طرفین سے فضولی ہو۔

(۲)..... ایک طرف سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے اصل ہو۔

(۳)..... یا ایک جانب سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے ولی ہو۔

(۴)..... یا ایک جانب سے فضولی ہو اور دسری جانب سے وکیل ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کہا: تم گواہ رہو میں نے فلاں عورت کے ساتھ نکاح کرلیا اور پھر عورت کو خبر ملی اس نے نکاح کی اجازت دے دی تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ اور اگر ایک شخص نے کہا تم گواہ رہو میں نے فلاں عورت کا فلاں مرد کے ساتھ نکاح کروادیا پھر عورت کو خبر پہنچی اور اس نے نکاح کی اجازت دے دی تو یہ نکاح جائز ہوگا۔

چنانچہ مذکورہ چار مسائل میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ فضولی اصیل کے قائم مقام ہے، چنانچہ ایک عبارت دو عبارتوں کی قائم مقام نہیں ہوسکتی، اور فضولی کی عبارت سے صرف ایجاب ہی صادر ہوسکتا ہے اور ایجاب عقد کا نصف حصہ ہے، اور عقد کا نصف حصہ مجلس کے بعد باقی نہیں رہتا۔ اور قبول ایسی صورت میں صادر ہوگا کہ ایجاب کا وجود ہی نہیں ہوگا کیونکہ ایجاب مجلس کے برخاست ہوتے ہی ختم اور ہدر ہوگیا۔

جبکہ پہلے پانچ مسائل میں جو کہ وکالت یا ولایت کی حالت میں ہیں ان میں ایسا قرینہ موجود ہے جو عاقد کے اصل کے قائم مقام ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور یوں اسکی عبارت اصیل کی عبارت کے قائم مقام ہوگی اور اسکی عبارت ایجاب وقبول کا فائدہ دے گی۔

---

❶.....الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۴۴۶۔

امام ابو یوسف نے ان تمام مسائل میں عاقد واحد کے ذریعہ انعقاد نکاح کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ جب کوئی عورت کسی غائب شخص کے ساتھ اپنا نکاح کر دے اور پھر اس غائب شخص کو خبر پہنچے اور وہ اجازت دے دے تو امام ابو یوسف کے نزدیک عقد جائز ہوگا، کیونکہ عاقد واحد کی عبارت دو عبارتوں کے قائم مقام ہونے میں کوئی مانع نہیں اور عقد مجلس کے بعد دوسرے فرد کی اجازت پر موقوف ہوگا اس میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ عقد کے حقوق اصیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

اگر عقد دو فضولیوں یا ایک فضولی اور ایک اصیل کے درمیان جاری ہو تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق عقد جائز ہوگا البتہ غائب کی اجازت پر موقوف رہے گا کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی عبارت اصیل کی عبارت کے قائم مقام ہوگی کیونکہ حقیقۃً عاقدوں میں تعدد ہے۔ گویا دو فضولیوں کے درمیان جاری ہونے والا عقد تام ہوگا کیونکہ ایجاب وقبول پایا جاتا ہے عقد کامل بھی تو مجلس کے بعد موقوف رہتا ہے۔

امام زفر، امام شافعی اور جمہور کے نزدیک عاقد واحد کے ذریعہ نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ شخص واحد مملک (مالک بنانے والا) اور متملک (مالک بننے والا) متصور نہیں ہوتا البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ مستثنیٰ کیا ہے وہ یہ کہ دادا جب پوتے اور پوتی کا نکاح کروا رہا ہو تو بوجہ ضرورت کے یہ نکاح جائز ہے، جبکہ بقیہ صورتوں میں کوئی ضرورت نہیں۔

مالکیہ نے چچا کے بیٹے، مولیٰ، ولی کے وکیل اور حاکم کے لئے روا رکھا ہے کہ وہ اپنے ساتھ عورت کا نکاح کروا سکتے ہیں، اور طرفین سے عقد کے متولی بن سکتے ہیں، البتہ عورت کی رضامندی پر گواہ بنالیں تاکہ عورت کسی قسم کے دباؤ کا شکار نہ ہو۔

پانچویں فصل......نکاح میں کفو (ہمسر) کا اعتبار

اس فصل میں درج ذیل امور پر بحث کی جائے گی، کفو کا معنی، اس کے شرط ہونے میں فقہاء کی مختلف آراء، شرط کفو کی نوع، کفو میں صاحب حق، کس فریق کی طرف سے کفاءۃ کا اعتبار ہے یا اوصاف کفو، ان جملہ امور کو پانچ مباحث میں بیان کیا جائے گا۔

پہلی بحث......کفو کا معنی اور کفو کے شرط ہونے میں فقہاء کی مختلف آراء:

معنی کفو...... کفو کفاءۃ سے مشتق ہے اور کفاءۃ کا معنی مماثلت اور مساوات ہے چنانچہ مقولہ ہے۔ فلان کفو لفلان یعنی فلاں، فلاں شخص کے مساوی (ہمسر اور برابر) ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلمون تتکافأ دماؤهم ❶

یعنی مسلمانوں کے خون مساوی ہیں۔ گویا ادنیٰ مسلمان کی جان اور خون اعلیٰ مسلمان کے خون اور جان کی طرح ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولم یکن له کفواً احد سورۃ الاخلاص ۱۱۲/ ۴

یعنی اللہ کا کوئی ہمسر نہیں۔

اصطلاحی تعریف...... المماثلة بین الزوجین دفعاً للعار فی امور مخصوصة یعنی دفع عار کے لئے بعض مخصوص امور میں زوجین کے درمیان مماثلت (برابری) کا ہونا کفاءۃ ہے۔ یہ مخصوص امور مالکیہ کے نزدیک دینداری اور حالت (یعنی ایسے عیوب سے سلامت ہونا ہے جن سے خیار ملتا ہو۔) ہے۔ جمہور کے نزدیک دینداری، نسب، آزادی، ہنرمندی ہے، حنفیہ اور حنابلہ نے مالداری کو بھی امور کفاءۃ میں شمار کیا ہے۔ ❷

---

❶ رواه احمد والنسائی وابو داؤد عن علی کرم الله وجهه۔ ❷ الدسوقی ۲/ ۲۴۸، کشاف القناع ۵/ ۷۲، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴۔ اللباب ۳/ ۱۲۔ حاشیة ابن عابدین ۲/ ۴۳۶۔

آن اجتماعی ومعاشرتی امور میں مساوات کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے تا کہ عائلی زندگی مستحکم رہے، زوجین کے درمیان خوشگوار ماحول قائم رہے اور تا کہ عورت کو یا اس کے اولیاء کو خاوند کمتر ہونے کی عار نہ دلائی جا سکے۔

کفاءۃ کے شرط ہونے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ❶

پہلی رائے......بعض فقہاء جیسے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ سے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے کہ کفاءت (ہمسری) سرے سے شرط ہی نہیں، نہ ہی نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط اور نہ ہی لزوم نکاح کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ نکاح صحیح ہوگا خواہ مرد، عورت کے ہمسر ہو یا نہ ہو۔ ان فقہاء نے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

۱......حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ کنگھی کے دندانوں کی مانند مساوی ہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر برتری حاصل نہیں۔ برتری (فضیلت) تو تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ ❷ کفاءت کے شرط نہ ہونے پر یہ آیت بھی دلیل ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ......الحجرات ۴۹/ ۱۳

اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب زیادہ فضیلت والا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَالَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا ......الفرقان ۲۵/ ۵۴

وہی تو ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا۔

حدیث میں ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر برتری حاصل نہیں مگر برتری تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ❸

ان دلائل کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ لوگ حقوق وفرائض میں مساوی ہیں اور فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے، حقوق و فرائض کے علاوہ شخصی امور جن کا دورامدار لوگوں کے عرف اور رواج پر ہے بلاشبہ لوگوں میں یہ امور مختلف ہوتے ہیں، اس لحاظ سے مال ودولت کے اعتبار سے فضیلت ہوگی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ......النحل ۱۶/ ۷۱

اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔

یقیناً آیت میں علمی فضیلت مراد ہے جو عزت وتکریم کی مقتضی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ......المجادلۃ ۵۸/ ۱۱

اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

چنانچہ لوگ ادبی اور اجتماعی ومعاشرتی امور میں ایک دوسرے پر برتری لے جاتے رہے ہیں، یہی انسانی فطرت کا مقتضاء ہے، شریعت، فطرت اور عرف کی مخالفت نہیں کرتی۔

۲......حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کے کچھ لوگوں کو پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے انکار کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان لوگوں سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ میری شادی کروادو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم کفاءت کی صورت میں انصار کو شادی کروانے کا حکم دیا، اگر کفاءت کا اعتبار ہوتا تو آپ شادی

---

❶......فتح القدير ۲/ ۴۱۷، البدائع ۲/ ۳۱۷، تبيين الحقائق ۲/ ۱۲۸، الدسوقي مع الشرح الكبير ۲/ ۲۴۸، مغني المحتاج ۳/ ۱۶۴، المهذب ۲/ ۳۸، المغني ۶/ ۴۸۰ ❷ اخرجه بن لال بلفظ قريب عن سهل بن سعد (سبل السلام ۳/ ۱۲۹) ❸ رواه احمد ورجاله رجال الصحيح عن ابى نضرة (مجمع الزوائد ۳/ ۲۶۶).

کا حکم نہ دیتے، کیونکہ غیر کفو کے ساتھ شادی کروانے کا حکم نہ ہوتا۔

اس رائے کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے کہ ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام سالم کی شادی ابوحذیفہ نے اپنے بھائی کی بیٹی ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کروائی ❶ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قرشیہ ضحاک بن قیس کی بہن فاطمہ جو کہ ہجرت کر کے مدینہ آئی تھی کے متعلق حکم دیا کہ اس کا نکاح اسامہ رضی اللہ عنہ سے کروایا جائے، آپ نے اس عورت سے فرمایا: اسامہ کے ساتھ نکاح کرلو۔ ❷ دار قطنی کی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابوہند حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بنی بیاضہ ابوہند کا نکاح کروادو۔ ❸ ان دلائل کے معارض دوسری احادیث ہیں جن میں کفاءت کا مطالبہ کیا گیا ہے، نیز عرب اور عجم کے درمیان برابری آخرت کے احکام میں ہے، رہی بات دنیا کی سو دنیوی اعتبار سے عجمی پر عربی کی فضیلت بہت سارے احکام میں ظاہر ہے۔

۳...... جنایات میں خون سبھی کے برابر ہوتے ہیں۔ چنانچہ شریف آدمی کو ادنیٰ کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے اور عالم کو جاہل کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے، اسی کو عدم کفاءت پر قیاس کیا جائے گا، جب کفاءت کا جنایات میں کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا تو نکاح میں بطریق اولیٰ کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس استدلال کو رد کیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قصاص میں برابری اس لئے کی جاتی ہے تا کہ لوگوں کی زندگی محفوظ رہے کہیں صاحب شوکت کو ادنیٰ شخص کے قتل کی جرأت نہ ہو، نکاح میں کفاءت کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ دائمی محبت والفت کے ساتھ زوجین کے درمیان معاشرت قائم رہے، حسن معاشرت تبھی قائم کی جاسکتی ہے جب کفاءت کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسری رائے...... یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے۔ وہ یہ کہ کفاءت لزوم نکاح کی شرط ہے، صحت نکاح کی شرط نہیں، جمہور نے سنت اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

۱)...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز کا جب وقت ہو جائے، جنازہ جب تیار ہو جائے گا اور غیر شادی شدہ جب اس کا ہمسر مل جائے۔ ❹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ۔ عورتوں کا نکاح ان کے ہمسروں سے کراؤ اور عورتوں کی شادی صرف ان کے اولیاء کروائیں اور دس درہم سے کم مہر نہ ہو۔ ❺

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ اپنے نطفوں کے لئے بہتر عورتوں کا انتخاب کرو اور ہمسروں سے نکاح کرواؤ۔ ❻

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ عرب ایک دوسرے کے ہمسر ہیں، ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا ہمسر ہے، مرد مرد کا ہمسر ہے، عجمی ایک دوسرے کے ہمسر ہیں ان کا بھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا ہمسر ہے، ہر مرد دوسرے کا ہمسر ہے البتہ جولا ہا اور حجام (ہمسر نہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں ضرور منع کروں گا حسب ونسب والی عورتوں کی شادی سے الا یہ کہ ان کی شادی ہمسروں سے ہو۔

ابوحاتم مزنی کی حدیث ہے کہ۔ جب تمہارے پاس ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو تو اس کا نکاح کرادو،

---

❶...... رواه البخاری والنسائی و ابو داؤد عن عائشه (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❷رواه مسلم عن فا طمه بنت قیس (سبل السلام ۳/ ۱۲۹) ❸رواه ابوداؤد عن ابی هریره (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❹رواه الترمذی والحاکم عن علی (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❺رواه الدارقطنی عن جابر بن عبدالله وفیه مبشر بن عبدالله متروک الحدیث (نصب الرایة ۳/ ۱۹۶) ❻روی من حدیث عائشه و من حدیث انس ومن حدیث عمر بن الخطاب من طرق عدیدة کلها ضعیفة (نصب الرایة ۳/ ۱۹۷)

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں عظیم فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کروادیا تھا تاکہ بیٹی کے ذریعہ اسکی کمتری کو دور کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کو اختیار دے دیا تھا۔

حدیث میں ہے العلماء ورثة الانبياء ❶ یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔اس سے علماء کی فضلیت اور برتری پر استدلال ہوتا ہے۔
ایک اور حدیث ہے کہ۔لوگ کانوں کی مانند ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، چنانچہ جولوگ جاہلیت میں افضل سمجھے جاتے تھے وہ اسلام میں بھی افضل ہیں بشرطیکہ جب انہیں دین کی سمجھ ہو۔ ❷

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نکاح میں ہمسری ہونے کی اصل دلیل بریدہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔چنانچہ جب باپ نے غیر کفو کے ساتھ لڑکی کی شادی کروادی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کو اختیار دے دیا۔

کمال بن ہمام کہتے ہیں ❸ یہ ضعیف احادیث مختلف طرق سے مروی ہیں جن سے ان احادیث میں قوت آجاتی ہے، اس مضمون کی احادیث کے مجموعہ سے استدلال صحیح ہے نیز ان احادیث کے شواہد بھی ہیں یوں یہ احادیث درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں۔اور یوں مضمون احادیث کے متعلق ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت بھی ہے اور یہ کافی ہے۔

۲۔ عقل سے...... عادۃً زوجین کے درمیان مصالح کا حسن انتظام صرف اسی صورت میں استوار رہ سکتا ہے جب ان دونوں کے درمیان برابری اور ہمسری ہو چنانچہ شریف عورت گھٹیا مرد کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتی، لہٰذا مرد کی طرف سے کفاءت کا اعتبار لابدی ہے، جبکہ عورت کی طرف سے کفاءت ضروری نہیں، یعنی مرد عورت کے ہمسر ہو عورت بھلے مرد کے ہمسر نہ ہو۔ کیونکہ کفاءت نہ ہونے کی صورت میں مرد متاثر ہوتا ہے جبکہ رواج اور عرف قوی تر سلطان ہے اگر مرد عورت کے ہمسر نہ ہو تو ازواجی زندگی میں ربط اور ہم آہنگی نہیں رہتی، دونوں کے درمیان پیار اور محبت دم توڑ جاتی ہے، پھر مرد کو وہ احترام حاصل نہیں رہتا جو اس کا مقام ہے، اسی طرح اگر عورت کا خاوند اس کے ہم پلہ نہ ہو تو دامادی رشتہ کے کمتری سے اولیاء عار محسوس کرتے ہیں یوں سسرالی رشتہ یا تو بے ربطی کا شکار ہوجاتا ہے یا کم از کم کمزور ضرور ہوجاتا ہے، ازدواجی زندگی کے اعلیٰ معاشرتی اہداف نہیں حاصل ہو پاتے اور نہ ہی عائلی زندگی کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

اکثر اسلامی ممالک مثلاً مصر، سوریہ اور لیبیا، وغیرہ میں اسی رائے پر عمل کیا جارہا ہے، میرے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے راجح ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دو چیزوں میں ہے:

(۱)......دینداری میں۔ (۲)......اور عیوب سے پاک ہونے میں۔

اور حسب نسب کا اعتبار محض مستحب ہے، امام مالک کے مذہب کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمہور کی مستدل احادیث ضعیف ہیں، ہاں البتہ جمہور کی عقلی دلیل مضبوط ہے جس کا دارومدار عرف پر ہے، ہاں البتہ اگر عام کفاءت کا لوگوں میں رواج ہوجائے (جیسے بعض ممالک میں ہے) تو پھر کفاءت کا اعتبار کالعدم ہوجائے گا۔

دوسری بحث......شرط کفاءت کی نوع:

کیا کفاءت شرط صحت ہے یا شرط لزوم؟...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح میں کفاءت کا اعتبار شرط لزوم

❶......اخرجه احمد وابوداؤد والترمذی، وابن حبان من حديث ابی الدرداء وضعفه الدارقطنی فی العلل (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❷متفق عليه (رياض الصالحين ۱۶۴) ❸ فتح القدير ۲/ ۴۱۷۔

ہے۔❶ صحت نکاح کی شرط نہیں۔ چنانچہ اگرعورت نے نکاح غیر کفو کے ساتھ کرایا تو بلاشبہ نکاح صحیح ہوگا لیکن عورت کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر اولیاء حق اعتراض چھوڑ دیں تو نکاح لازم ہو جائے گا اگر کفاءت صحت نکاح کی شرط ہوتا تو نکاح صحیح نہ ہوتا حتیٰ کہ اگر اولیاء حق اعتراض سے بھی دست کش ہو جاتے پھر بھی صحیح نہ ہوتا کیونکہ شرط صحت ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون دفعہ ۲۶ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ کفاءت شرط لزوم ہے اور مصر میں بھی شخصی قوانین میں اسی شق کو اختیار کیا گیا ہے۔

شرط کفاءت کے بارے میں حنفیہ کی رائے کی تفصیل..... فی الجملہ حنفیہ کے نزدیک کفاءت شرط لزوم ہے لیکن متاخرین حنفیہ کے نزدیک بعض احوال میں کفاءت نکاح کی شرط صحت ہے اور بعض احوال میں شرط نفاذ ہے۔ جبکہ بعض صورتوں میں کفاءت شرط لزوم ہے۔

صحت نکاح..... کے لئے کفاءت کے شرط ہونے کی مختلف صورتیں حسب ذیل ہیں۔❷

۱..... جب عاقلہ بالغہ عورت غیر کفو کے ساتھ اپنا نکاح کر لے اور اس کے عصبات میں ولی موجود ہو جو اس نکاح سے عقد سے پہلے رضامند نہ ہو تو یہ نکاح سرے سے ہی درست نہیں نہ ہی لازم ہوگا اور نہ ہی بالغ ہونے کے بعد رضامندی پر موقوف ہوگا۔

۲..... جب اصل یا فرع یعنی باپ، دادا یا اولاد کے علاوہ کوئی اور ولی عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت کا نکاح کروادے مثلاً مجنون، مجنونہ، نابالغ لڑکا، لڑکی کا نکاح غیر کفو کے ساتھ کروادے، یہ نکاح فاسد ہوگا، کیونکہ ان مذکور لوگوں کی ولایت مصلحت کے ساتھ منوط ہے جب کہ کفو کے ساتھ نکاح کروانے میں کوئی مصلحت نہیں۔

۳..... جب باپ یا بیٹا جو بداختیاری (لاابالی پن، شرابی کبابی اور فاسق ہو) میں معروف ہو عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت لڑکی کی شادی غیر کفو کے ساتھ کروادے یا مہر میں غبن فاحش ہو تو بالاتفاق نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر نشے میں دھت شخص نے کسی فاسق یا شریر یا فقیر یا گھٹیا پیشہ ور کے ساتھ لڑکی کا نکاح کروادیا تو بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بداختیاری واضح ہے اور اس نکاح کی مصلحت بھی فوت ہے۔

اگر غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہوا یعنی مہر میں بہت کمی کردی یا مہر کہیں زیادہ رکھ دیا یا باپ دادا یا مجنونہ کے بیٹے نے غیر کفو کے ساتھ نکاح کروادیا تو نکاح لازم ہوگا بشرطیکہ باپ دادا اور مجنونہ کے بیٹے کی طرف سے بداختیاری معروف نہ ہو۔

نفاذ نکاح..... کے لئے کفاءت کے شرط ہونے کی صورت حسب ذیل ہے:

جب عاقلہ بالغہ عورت کسی شخص کو اپنے نکاح کی وکیل بنادے خواہ وہ اس کا ولی ہو یا کوئی اجنبی ہو چنانچہ وہ غیر کفو کے ساتھ اس کا نکاح کروادے تو عقد نکاح اس عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔❸ کیونکہ کفاءت عورت اور اس کے اولیاء کا حق ہے، چنانچہ اگر مرد عورت کے ہمسر نہ ہو تو عقد عورت کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہوگا۔

لزوم نکاح..... کے لئے کفاءت شرط ہونے کی تفصیل حسب ذیل ہے:

جب عاقلہ بالغہ عورت کفو کے ساتھ اپنا نکاح کر لے تو نکاح لازم ہوگا اور اس کے اولیاء کو اعتراض اور فسخ کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا، اگر عورت نے غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلیا تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔❹

اس سے ظاہر ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک کفاءت، ولایت نکاح کے مشابہ ہے تبھی بعض صورتوں میں کفاءت صحت نکاح کی شرط ہے اور بعض

---

❶..... البدائع ۲/ ۳۱۷، الدسوقی ۲/ ۲۴۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴، المهذب ۲/ ۳۸، کشاف القناع ۲/ ۷۱، المغنی ۶/ ۴۸۰، فتح القدير ۲/ ۴۱۹، اللباب ۳/ ۱۲۔ ❷الدرالمختار وردالمحتار ۲/ ۴۱۸۔ ❸الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۴۳۶۔ ❹المراجع السابقة، البدائع ۲/ ۳۱۷۔

صورتوں میں نفاذ نکاح کی شرط ہے اور بعض صورتوں میں لزوم نکاح کی شرط ہے۔

گویا حنفیہ کے نزدیک کفاءت چار صورتوں میں لزوم کی شرط ہے۔

۱۔ یہ کہ چھوٹی لڑکی اور چھوٹے لڑکے کی شادی کا ولی باپ یا دادا ہو، اگر ان کے علاوہ کوئی اور مثلاً بھائی یا چچا نابالغوں کا نکاح کروائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ بالغ ہونے کے بعد لڑکی لڑکے کو اختیار حاصل ہوگا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی ولی نابالغوں کا نکاح کروادے تو نکاح لازم ہو جائے گا، ان کے نزدیک نابالغوں کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ [1]

۲۔ یہ کہ خاوند جنسی عیوب سے پاک ہو، اس کی تفصیل طلاق کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

۳۔ یہ کہ عورت مہر مثل کے ساتھ اپنا نکاح کرے، اگر عورت غبن فاحش کے ساتھ نکاح کرے تو عقد لازم نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا حتیٰ کہ مہر مثل پورا کرلیں یا دونوں کے درمیان تفریق کروادیں، کیونکہ اولیاء زیادہ مہر رکھنے پر فخر کرتے ہیں اور کم مہر رکھنے سے عار محسوس کرتے ہیں لہٰذا مہر کفاءت کے مشابہ ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ دس درہم سے زائد مہر رکھنا عورت کا حق ہے اور جو شخص اپنے حق کو ساقط کردے اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا۔ [2]

۴۔ یہ کہ لڑکا، لڑکی کے ہمسر ہو، چنانچہ اگر عورت نے غیر کفو کے ساتھ اپنے تئیں نکاح کرلیا تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، اگر عدم کفاءت ثابت ہو جائے تو قاضی نکاح فسخ کردے تاکہ پیش آنے والی عار کا دفعیہ ہو، اس صورت پر مذاہب کا اتفاق ہے۔

تیسری بحث.....کفاءت کا حق کون رکھتا ہے؟

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کفاءت کا حق ہر عورت اور اس کے اولیاء کو حاصل ہوتا ہے [3] چنانچہ اگر عورت غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اگر ولی عورت کا نکاح غیر کفو کے ساتھ کروادے تو عورت کو بھی فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے کیونکہ فسخ ایسا خیار ہوتا ہے جو معقود علیہ میں نقص آجانے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا خرید و فروخت (بیع) کے خیار سے مشابہ ہوا، چنانچہ روایت ہے کہ ایک لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کیا: میرے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میری شادی کروادی ہے تاکہ میری وجہ سے اس کے گھٹیا پن کو ختم کرسکے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار لڑکی کو سونپ دیا اس پر لڑکی بولی: میرے والد نے میرے متعلق جو فیصلہ کیا ہے میں اسے نافذ کرتی ہوں، لیکن میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہمارے آباء کے پاس ہمارا اختیار نہیں ہے۔ [4] حاصل یہ ہوا کہ اگر عورت کفاءت کو ترک کردے تو ولی کا حق باقی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر ولی کفاءت ترک کردے تو عورت کے پاس حق باقی رہتا ہے۔

اولیاء کے درمیان حق کی ترتیب اور حق اعتراض کے سقوط کا وقت.....حنفیہ کے نزدیک یہ حق اولیاء عصبہ کے لئے الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت ثابت ہوگا، چنانچہ اگر اولیاء راضی نہ ہوں تو عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کروادیں، بشرطیکہ عورت نے بچہ جنم نہ دیا ہو، یا ظاہرا حاملہ نہ ہو، اور جب ولی عورت کی رضامندی سے غیر کفو کے ساتھ اس کا نکاح کروادے تو نکاح لازم ہو جائے گا۔

---

[1].....البدائع ۲/ ۳۱۵۔ [2] فتح القدیر ۲/ ۴۲۴، البدائع ۲/ ۳۲۲، الدر المختار ۲/ ۴۴۵۔ [3] البدائع ۲/ ۳۱۸، الدر المختار وردالمختار ۲/ ۴۳۶، االلباب ۳/ ۱۲، الشرح الکبیر ۲/ ۲۴۹، المھذب ۲/ ۳۸، کشاف القناع ۵/ ۶۷، المغنی ۶/ ۴۸۱
[4] رواہ ابن ماجہ واحمد والنسائی من حدیث عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۷)

اور جب اولیاء رضا مند ہو جائیں تو ان کا حق اعتراض اور حق فسخ ساقط ہو جاتا ہے،

مالکیہ کہتے ہیں: اولیاء کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا بشرطیکہ دخول نہ ہوا ہو، اگر دخول ہو چکا ہو تو پھر فسخ کا حق نہیں رہے گا، اور اعتراض کا حق اولیاء کے درمیان مشترک ہوگا، چنانچہ اگر اولیاء میں سے کسی ایک نے بقیہ اولیاء کی رضامندی کے بغیر عورت کا غیر کفو کے ساتھ نکاح کروایا تو نکاح لازم نہیں ہوگا، یہ صورت حنفیہ اور شافعیہ کے مذاہب کے خلاف ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر ولی اقرب نے لڑکی کی اجازت سے اس کی شادی کروائی تو ولی ابعد کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ اسے نکاح کروانے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور اگر اولیاء درجے میں برابر ہوں (مثلاً سب حقیقی بھائی ہوں) اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے اولیاء کی رضامندی کے بغیر لڑکی کا نکاح کروا دے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اولیاء کو کفاءت میں اعتراض کا حق حاصل ہوتا ہے، لہٰذا عورت کی رضامندی کی طرح اولیا کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ولی نے عورت کی رضامندی سے غیر کفو کے ساتھ نکاح کروا دیا یا مساوی الدرجہ اولیاء میں سے بعض نے عورت کی رضامندی سے اور بقیہ اولیاء کی رضامندی سے شادی کروادی تو نکاح صحیح ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر ولی اقرب نکاح سے رضامند ہو اس کے باوجود بھی ولی ابعد کو اعتراض اور مطالبہ فسخ کا حق حاصل ہوگا کیونکہ اسے اس نکاح سے عار لاحق ہوتی ہے، چنانچہ کشاف القناع میں ہے کہ شافعیہ کے نزدیک کفاءت کا حق عورت اور اس کے سبھی اولیاء کو حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اگر باپ غیر کفو کے ساتھ بیٹی کا نکاح کروا دے تو لڑکی کے بھائیوں کو حق فسخ حاصل ہوگا کیونکہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کرنے میں ان سب کے لئے عار ہوتی ہے۔

اگر عقد نکاح کے بعد کفاءت زائل ہو جائے تو اولیاء کی بجائے صرف عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ اولیاء کو ابتدائے عقد میں حق حاصل ہوتا ہے نہ کہ نکاح کے دوام میں، لہٰذا عقد ہو جانے کے بعد زوال عقد سے ان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، شافعیہ کا یہ مذہب جمہور کے مذہب کے خلاف ہے چنانچہ اگر ابتدائے کفو کے ساتھ عورت کا نکاح ہوا ہو اور پھر کفاءت زائل ہو جائے تو عورت کو فسخ عقد کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

درجے میں برابر کچھ اولیاء کا رضامند ہونا اور کچھ کا رضامند نہ ہونا...... اگر قریبی اولیاء ایک سے زائد ہوں مثلاً پانچ، چھ حقیقی بھائی ہوں، ان میں سے بعض تو نکاح سے راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعض کی رضامندی سے دوسرے بعض کی رضامندی ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کفاءت کا حق شی واحد ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا سبب قرابت ہے اور وہ تجزی قبول نہیں کرتی، اور فقہی قاعدہ ہے کہ وہ امر کہ جس میں تجزی نہ ہوتی ہو اس کے بعض حصے کے اسقاط (ساقط کرنے) سے وہ کل ساقط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب بعض اولیا اپنا حق ساقط کر دیں تو باقی اولیاء کا حق بھی ساقط ہو جائے گا، اس مسئلہ کو قصاص پر بھی قیاس کیا گیا ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر ورثہ کی ایک جماعت کو حق قصاص حاصل ہو تو اگر بعض ورثہ حق قصاص کو معاف کر دیں تو باقی ورثہ سے بھی حق قصاص ساقط ہو جائے گا جبکہ حق قصاص تجزی قبول نہیں کرتا۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حق قصاص ہر ایک وارث کے لئے کامل طور پر ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اگر قصاص کا کچھ حصہ ساقط ہو جائے تو اس کا لینا دشوار ہو جاتا ہے۔

جمہور کہتے ہیں (یعنی مالکیہ، شافعیہ حنابلہ، ابو یوسف اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم) اگر درجے میں مساوی اولیاء میں سے بعض اولیاء راضی ہوں تو دوسرے بعض اولیاء کا حق اعتراض ساقط نہیں ہوگا کیونکہ کفاءت مشترک حق ہے جو سبھی اولیاء کے لئے ثابت ہوتا ہے اور جب دو شریک میں سے ایک شریک اپنا حق ساقط کر دے تو دوسرے کا حق ساقط نہیں ہوتا جیسے مشترک دین ساقط نہیں ہوتا۔

جمہور کے قیاس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کفاءت کو مشترک دین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ دین ایسا حق ہے جو تجزی کو قبول

کرتا ہے جبکہ حق کفاءت تجزی کو قبول نہیں کرتا۔

حنابلہ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ اولیاء درجہ میں مساوی ہوں یا ان کے درجات میں تفاوت ہو کیونکہ حنابلہ کے نزدیک کفاءت کا حق سبھی اولیاء کا حق ہے۔

چوتھی بحث: کفاءت کا مطالبہ کس کی طرف سے ہوگا؟......جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ کفاءت عورتوں کے لئے مطلوب ہے نہ کہ مردوں کے لئے اس کا معنی یہ ہوا کہ کفاءت مردوں کی جانب ہو عورتوں کے لئے (گویا مرد عورت کا ہمسر ہو اور یہ ضروری نہیں کہ عورت مرد کے برابر ہو) کفاءت میں عورت کی مصلحت ہے مردوں کی نہیں، چنانچہ شرط ہے کہ مرد عورت کے مماثل ہو یا درجے میں اس کے قریب قریب ہو، جبکہ عورت کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ مرد کے مماثل (برابر) ہو یا اس کے قریب قریب ہو۔ بلکہ اگر عورت امور کفاءت میں مرد سے کمتر ہو تب بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، کیونکہ ادنیٰ عورت کے ساتھ شادی کرنے سے مرد کو عار نہیں دلائی جاتی، جبکہ عوت اگر غیر کفو کے ساتھ یعنی اپنے سے کمتر سے شادی کرلے تو عورت اور اس کے اقارب کو عار دلائی جاتی ہے۔ [11] لیکن اس اصول سے دو مسئلے مستثنیٰ ہیں جن میں عورت کی طرف سے کفاءت کی شرط لگائی گئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

اول......یہ کہ باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور شخص عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت (نابالغ یا مجنون) کی شادی کروادے یا ایسا باپ یا دادا جو عقد سے پہلے بداختیاری میں مشہور ہو وہ لڑکے کی شادی کروادے تو اس نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ لڑکی لڑکے کے ہمسر ہو کیونکہ اسی میں نکاح کی مصلحت ہے، ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

دوم......یہ کہ ایک شخص کسی دوسرے کو وکیل بنائے کہ وہ اس کی شادی کروائے اور وکالت مطلق ہو چنانچہ نفاذ عقد کے لئے شرط ہے کہ عورت موکل کے ہمسر (کفو) ہو یہ شرط مالکیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

پانچویں بحث......کفاءت کے اوصاف:

کفاءت (ہمسری) کی خصلتوں کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ مالکیہ کے نزدیک وہ دو خصلتیں ہیں:

(۱)......دین (دینداری)۔

(۲)......اور ایسے عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار حاصل ہوتا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک حسب ونسب امور کفاءت میں سے نہیں ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک اوصاف کفاءت چھ ہیں۔ دین (دینداری)، اسلام، آزادی، نسب، مالداری اور پیشہ۔ [12]

حنفیہ کے نزدیک عیوب مثلاً جذام، جنون، برص، گندہ دہنی، اور بغلوں کی بدبو وغیرہ سے پاک ہونا اوصاف کفاءت میں سے نہیں۔ البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے تین عیوب سے پاک ہونا شرط ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اوصاف کفاءت پانچ ہیں۔ دین یا عفت۔ (پاکدامنی)، آزادی نسب، ایسے عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار حاصل ہوتا ہو اور حرفت یعنی پیشہ۔

حنابلہ کے نزدیک اوصاف کفاءت پانچ ہیں۔ دین، آزادی، نسب، مالداری، اور پیشہ۔ [13]

---

[11]...... البدائع ۲/ ۳۲۰، الدسوقی ۲/ ۲۴۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴۔ [12] ان چھ اوصاف کو علامہ حموی نے یوں نظم کیا ہے:

ان للكفاءة فی النكاح تكون فی۔ ستّ لها بيت بديع قد ضبط نسب واسلام كذا لک حرفته۔ حريته و ديانته مال فقط

[13]......البدائع ۲/ ۳۱۸ الدرالمختار وردالمحتار ۲/ ۴۳۷، فتح القدير ۲/ ۴۱۹، اللباب ۳/ ۱۳۔ الشرح الكبير ۲/ ۲۴۹، المهذب ۲/۳۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۵، كشاف القناع ۵/ ۷۲، المغنی ۶/ ۴۸۲۔

متفقات...... دین کے اوصاف کفاءت میں سے ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے، مالکیہ کے علاوہ بقیہ ائمہ کا پیشہ، نسب اور آزادی پر اتفاق ہے، مالکیہ اور شافعیہ عیوب سے پاک ہونے کی خصلت پر متفق ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کا مالداری کی خصلت پر اتفاق ہے۔

جبکہ انفرادی طور پر حنفیہ کے نزدیک اسلام بھی اوصاف کفاءت میں سے ہے۔

ا۔ دیانت، عفت وتقویٰ...... دیانت سے مراد راست بازی اور احکام دین پر استقامت اختیار کرنا ہے، چنانچہ فاسق، فاجر شخص پاکدامن نیکوکار اور راست باز عورت کے جوڑ کا نہیں ہوتا برابر ہے کہ مرد کا فسق وفجور اعلانیہ ہو یا غیر اعلانیہ، لیکن اس کے فسق پر گواہ قائم کیا جائے گا، کیونکہ فاسق کی گواہی اور روایت حدیث مردود ہے، بلاشبہ فسق وفجور انسانیت کا ایک بڑا نقص ہے، نیز عورت کا خاوند اگر فاسق ہو تو اسے نسب کے ضیاع پر اتنی عار نہیں دلائی جاتی جتنی کہ خاوند کے فاسق ہونے پر دلائی جاتی ہے، چنانچہ فاسق شخص عادل عورت کا ہمسر نہیں ہوسکتا، اس پر سوائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سب کا اتفاق ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُوْنَ ...... السجدة ۱۸/۳۲

بھلا وہ شخص جو مومن ہو کیا وہ فاسق جیسا ہوسکتا ہے، ان میں مساوات نہیں ہوسکتی۔

نیز فرمایا:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ...... النور ۳/۲۴

زانی مرد نکاح نہ کرے مگر زانیہ عورت سے۔

ان دونوں قرآنی استدلالات کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ پہلی آیت مومن اور کافر کے حق کے بارے میں ہے اور دوسری آیت منسوخ ہے۔ البتہ ابوحاتم مزنی کی سابق حدیث سے استدلال صحیح ہے۔

حدیث یہ ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آجائے جس کی دینداری اور اخلاق سے تم رضامند ہو تو اس کا نکاح کروادو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ پھیلے گا اور عظیم فساد برپا ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں فسق کفاءت کے مانع نہیں ہے، الا یہ کہ فسق ہتک کی حد تک پہنچا ہو یا اس کا مذاق اڑایا جاتا ہو یا فاسق نشے کی حالت میں بازاروں میں نکلتا ہو، کیونکہ فسق آخرت کے احکام میں سے ہے اس پر دنیوی احکام کا دارومدار نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ...... کیا فاسق مرد، نیکوکار شخص کی فاسقہ بیٹی کے کفو (ہمسر) ہوسکتا ہے؟؟ بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ فاسق اس عورت کے ہمسر نہیں، ابن عابدین کہتے ہیں: فقہاء کے کلام سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ باپ بیٹی یعنی پورے خاندان کی راست بازی کا اعتبار ہے، اور جن فقہاء نے عورت کی راستبازی، یا آباء واجداد کی راستبازی، پر اکتفاء کیا ہے انہوں نے غالب احوال پہ نظر کی ہے، چونکہ باپ اور بیٹی کی راست بازی لازم ملزوم ہے۔ بنابریں فاسق شخص راست باز باپ کی راست باز بیٹی کا ہمسر نہیں بلکہ وہ تو فاسق مرد کی فاسقہ بیٹی کا کفو ہے۔ اسی طرح نیکوکار شخص کی فاسقہ بیٹی کا بھی ہمسر ہے، چونکہ بیٹی سے ملنے والی عار دامادی رشتے کی عار سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ نیکوکار عورت جو کہ فاسق باپ کی بیٹی ہونے اگر فاسق شخص کے ساتھ نکاح کرلیا تو اس کے فاسق باپ کو حق اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ باپ بھی تو خاوند ہی جیسا ہے اور عورت اس پر راضی ہے۔

۲۔ اسلام...... حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے اور یہ شرط غیر عرب کے لئے ہے، جمہور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، اسلام سے مراد آباء واجداد کا اسلام ہے چنانچہ جس شخص کا صرف باپ اور دادا یا صرف ماں باپ مسلمان ہوں وہ اس شخص کا ہمسر نہیں ہوسکتا جس کے آباء واجداد

مسلمان چلے آرہے ہوں، اسی طرح جس شخص کا صرف باپ مسلمان ہو وہ اس کے ہمسر نہیں جس کا باپ اور دادا مسلمان ہوں۔ کیونکہ باپ اور دادا سے نسب تمام ہوتا ہے، امام ابو یوسف نے ایک مسلمان کو دو کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

نو مسلم ایسے شخص کا ہمسر نہیں ہوتا جس کا صرف باپ مسلمان ہوا ہو کیونکہ عجمیوں میں اسلام لانے پر فخر کیا جاتا ہے۔

کفاءت کی اس خصلت پر حنفیہ کی یہ دلیل ہے کہ باپ اور دادا سے شخص کی تعریف مکمل ہوتی ہے چنانچہ جب کسی شخص کا باپ اور دادا مسلمان ہوں تو اسلام کی طرف اس کی نسبت کامل ہوتی ہے۔

اس خصلت کا اعتبار عجمیوں میں کیا جائے گا کیونکہ عجمیوں کے اسلام قبول کرنے سے ان کے فخر کا دارومدار اسلام پر رہ جاتا ہے لہٰذا اسلام عجمیوں کے لئے نسب کے قائم مقام ہوگا، رہی بات عرب کی سوان کے آباؤ اجداد کے اسلام لانے سے کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عرب نسب پر فخر کرتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے اسلام لانے پر فخر نہیں کرتے، چنانچہ نو مسلم عربی ایسی عربیہ مسلمان عورت کا ہمسر ہے جس کے آباؤ اجداد مسلمان ہوں۔

۳۔ آزادی...... جمہور (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک آزادی (حریت) بھی اوصاف کفاءت میں سے ہے، چنانچہ غلام آزاد عورت کا ہمسر نہیں ہوتا اگرچہ عورت آزاد کردہ باندی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ غلام میں غلامی کا نقص پایا جاتا ہے اور وہ اپنی کمائی میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا، وہ اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا نیز آزاد لوگوں کو غلام داماد کی عار دلائی جاتی ہے جیسے حسب ونسب میں کمتر ہونے کی عار دلائی جاتی ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے آباؤ اجداد کے آزاد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے چنانچہ جس کے آباؤ اجداد میں کوئی ایک غلام ہو تو وہ ایسے شخص کا ہمسر نہیں ہوتا جس کے سبھی آباؤ اجداد آزاد ہوں۔ اسی طرح جس شخص کا باپ آزاد کردہ غلام ہو وہ ایسے شخص کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے باپ اور دادا آزاد ہوں۔

حنفیہ اور شافعیہ نے اضافہ کیا ہے کہ آزاد کردہ شخص ایسی عورت کا کفو نہیں جو اصلاً آزاد ہو، کیونکہ لوگ آزد کردہ غلاموں کو داماد بنانے پر عار محسوس کرتے ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں جو شخص عملی طور پر آزاد کر دیا گیا ہو وہ آزاد عورت کا ہمسر ہے۔ رہی بات مالکیہ کی سو انہوں نے کفاءت میں حریت (آزادی) کی شرط نہیں لگائی، اب آیا کہ ان کے نزدیک غلام آزاد عورت کے ہمسر ہے یا نہیں چنانچہ مالکیہ کے دو اقوال ہیں ایک یہ کہ غلام آزاد شخص کا کفو نہیں ہے دوم یہ کہ کفو ہے، دوسرا قول راجح ہے چونکہ یہ ابن قاسم کا قول ہے۔

علامہ دسوقی کہتے ہیں: بظاہر اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر سفید فام ہو تو وہ کفو ہوگا، کیونکہ اس میں آزادی کی بنسبت رغبت زیادہ ہوتی ہے، ہمارے زمانے میں مصر میں گوری رنگت کو شرف کی علامت سمجھا جاتا ہے، اور جو سیاہ فام ہو وہ کفو نہیں ہوگا، کیونکہ سیاہ رنگت سے نفسوں کو نفرت ہوتی ہے اور اسی رنگت پر عورت کی مذمت کی جاتی ہے، البتہ یہ ہمارے زمانے کا عرف ہے کوئی مقرر شرعی حکم نہیں ہے۔

میں اس رائے کو دسوقی کی مخصوص رائے سمجھتا ہوں، چنانچہ شریعت کے قواعد وضوابط اس قول کے منافی ہیں کیونکہ لوگوں میں ان کی رنگت کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں ہے۔ مصر میں جو رنگت کی بنیاد پر عرف چل پڑا ہے یہ محض فاسد ہے، چونکہ یہ عرف صراحۃً اصول شریعت سے متصادم ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ عرف خواہشات نفس کا نتیجہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں سبھی لوگ یکساں ہیں۔

۴۔ نسب...... حنابلہ نسب کو منصب سے تعبیر کرتے ہیں۔

نسب سے مراد انسان کا اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ تعلق کا ہونا ہے، جبکہ حسب سے مراد ایسی عمدہ واعلیٰ صفات جن سے آباؤ اجداد متصف

ہوں یا آباؤ اجداد کے مفاخر مثلاً علم، شجاعت، جود وسخا، اور تقویٰ، نسب حسب کو لازم نہیں جبکہ حسب نسب کو لازم ہے، نسب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کا باپ متعین ہو وہ گرا پڑا انسان یعنی لقیط یا آزاد کردہ غلام نہ ہو، مالکیہ نے نسب میں کفاءت کے ہونے کا اعتبار نہیں کیا، جبکہ جمہور فقہاء، حنفیہ، شافعیہ حنابلہ اور بعض زیدیہ نے نسب کا اعتبار کیا ہے۔ حنفیہ نے نکاح کے لئے نسب کے وصف کو عرب کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ عرب کے انساب محفوظ ہیں اور عرب انساب پر فخر بھی کرتے ہیں اور اسی میں ایک دوسرے کو عار بھی دلاتے ہیں۔

رہی بات عجمیوں کی سو ان کے انساب محفوظ نہیں اور وہ انساب پر فخر بھی نہیں کرتے، اسی لئے عجموں میں آزادی اور اسلام کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

بنابریں عجمی مرد، عرب عورت کا ہمسر نہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں ضرور حسب والی عورتوں کو منع کروں گا کہ وہ صرف اپنے ہمسروں سے شادی کریں۔ ❶

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کو غیر عرب پر فوقیت دی ہے اور عرب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دوسری قوموں پر فضیلت حاصل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قریش ایک دوسرے کے ہمسر ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک یہ روایت منقول ہے۔ جبکہ قریش کے علاوہ بقیہ عرب ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔ بعض حنفیہ نے بنی باہلہ کو مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ عرب میں انہیں قبائلی کمتری کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، حنفیہ کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ قریش ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ بقیہ قریش ہاشمی اور مطلبی کے ہمسر نہیں جیسے بنی عبد شمس اور نوفل۔ اگرچہ یہ دونوں ہاشم کے بھائی تھے کیونکہ حدیث ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے عرب میں سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ سے قریش کو منتخب کیا قریش سے ھاشم کو منتخب کیا اور بنی ھاشم سے مجھے منتخب کیا''❷ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نضر بن کنانہ کی اولاد قریش ہے اور وہ نسب کے اعتبار سے بقیہ عرب سے افضل ہیں، چنانچہ قرشیہ کا ہمسر صرف قریشی ہے، جبکہ قریشی ہر عربی عورت کا ہمسر ہے، اور غیر قرشیہ عورت کسی بھی قبیلے کے عربی کے ہمسر ہے، لیکن غیر عربی عربیہ کا ہمسر نہیں۔

جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے ہمسر ہے، مرد مرد کے ہمسر ہے، عجمی ایک دوسرے کے ہمسر ہیں اور ہر عجمی قبیلہ دوسرے قبیلے کے ہمسر ہے، عجمی مرد عجمی مرد کے ہمسر ہے البتہ جولاہا اور حجام ہمسر نہیں۔ ❸

حق بات یہ ہے کہ کفاءت میں نسب کا اعتبار صحیح نہیں ہے، دراصل مالکیہ کا قول صحیح ہے، کیونکہ اسلام کی فضیلت بنیادی چیز ہے جو مساوات کی دعوت دیتی ہے، اسلام نسلی امتیازات کو ختم کرتا ہے اور قبیلائی، نسبی اور جاہلی مفاخر کی تردید کرتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان اس کی واضح دلیل ہے، اس اعلان میں سبھی لوگوں کو آدم کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

رہی وہ حدیث جس پر جمہور نے اعتبار کیا ہے سو وہ ضعیف ہے چنانچہ بقیہ عرب پر قریش کی فضیلت پھر عجم پر عرب کی فضیلت پر سنت سے کوئی واضح دلیل نہیں۔ بلکہ سنت میں تو اس کے برخلاف وارد ہوا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کروایا، ابو العاص کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کروایا، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابو العاص بنی عبد الشمس میں سے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کروایا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کی

❶ ......رواہ الخلال والدارقطنی۔ ❷رواہ الترمذی عن واثلہ وھو صحیح۔ ❸رواہ الحاکم والبیھقی عن عبداللہ بن عمر ولکنہ، حدیث منقطع (نصب الرایۃ ۳/ ۱۹۷)

بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے کروایا حالانکہ زید رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ کا نکاح فاطمہ بنت قیس سے کروادیا جبکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا قریشیہ تھیں۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہم انہیں پیغام نکاح بھیج رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوجہم تو اپنے کاندھے سے عصا نیچے رکھتا ہی نہیں، جبکہ معاویہ تنگدست ہے اس کے پاس مال نہیں، لہٰذا تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ [1]

عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے شادی کی مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ سے شادی کی، عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سکینہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹی صباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے نکاح کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام فروہ کا نکاح اشعث بن قیس سے کروایا جبکہ مقداد رضی اللہ عنہ اور اشعث دونوں کندی تھے۔ [2]

نیز عجمی ایک دوسرے کے ہمسر ہیں اگرچہ بعض دوسرے اعتبار سے انہیں بھی ایک دوسرے پر شرف اور فضیلت حاصل ہوتی ہے، جب عرب انساب پر فخر کرتے ہیں تو غیر عرب بھی انساب پر فخر کرتے ہیں چنانچہ عجمیوں کی کوئی عورت اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرلے جو حسب و نسب میں عورت سے کمتر ہو تو عورت کے اولیاء اس سے عار محسوس کرتے ہیں۔

۵۔ مالداری...... مالداری سے مراد مہر اور عورت کے خرچہ کی قدرت کا حاصل ہونا ہے، مالداری سے دولت مند اور صاحب ثروت ہونا مراد نہیں، چنانچہ تنگدست مالدار عورت کا کفو نہیں۔ حنفیہ نے اس قدرت کی تحدید ایک مہینے کے خرچے سے کی ہے، بعض حنفیہ کے نزدیک اتنا بھی کافی ہے کہ مرد کسب وکمائی کی طاقت رکھتا ہو تو وہ مالدار تصور کیا جائے گا۔

حنفیہ اور حنابلہ نے کفاءت کے لئے مالداری کی شرط لگائی ہے، اوپر حدیث گزرچکی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: رہی بات معاویہ رضی اللہ عنہ کی سو وہ تنگدست ہے اس کے پاس مال نہیں۔ عقلی وجہ یہ ہے کہ لوگ نسب پر اتنا زیادہ فخر نہیں کرتے جتنا زیادہ مال پر کرتے ہیں، نیز مالدار عورت کو تنگدست خاوند سے ضرر ہوتا ہے کیونکہ تنگدست مرد اپنی بیوی اور اولاد کا نفقہ نہیں دے سکتا، اسی لئے اگر مرد بیوی کا خرچہ نہ دے سکتا ہو تو اسے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے۔

نیز تنگدستی کو عرف عام میں نقص سمجھا جاتا ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: مالداری اوصاف کفاءت میں سے نہیں ہے کیونکہ مال ڈھلتا سایہ ہے صبح ہوتا ہے شام کو نہیں ہوتا، چنانچہ اہل مروت اور اہل بصیرت مال پر فخر نہیں کرتے۔

میرے نزدیک یہی رائے راجح ہے کیونکہ مالداری ہمیشہ نہیں رہتی مال آنے جانے والی چیز ہے اور رزق کسب وکمائی کے مرہون منت ہے، جبکہ فقر کو دین کا سرمایہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یا اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دے۔ [3]

۶۔ پیشہ...... پیشے سے مراد ایسا کام ہے جسے انسان روزگار کے طور پر اپنائے رکھتا ہے، حکومت سے تنخواہ لینا بھی پیشہ ہے۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے پیشوں کو اوصاف کفاءت (ہمسری) میں شمار کیا ہے، گویا مرد اور اس کے خاندان کا پیشہ عورت اور اس کے خاندان کے پیشے کے مساوی ہو، چنانچہ گھٹیا پیشہ جیسے حجام، جولاہا، جھاڑو دینے والا، چوکیدار، چرواہا، گوبر صاف کرنے والا کسی عظیم پیشہ ور

---

[1]...... رواہ مسلم عن فاطمہ بنت قیس (سبل اسلام ۳/ ۱۲۹) [2] المغنی ۶/ ۴۸۳۔ [3] رواہ الترمذی من حدیث انس و ابن ماجہ والحاکم وصححہ من حدیث ابی سعید الخدری۔

جیسے تاجر، عالم، قاضی اور مدرس کی بیٹی کے ہمسر نہیں ہو سکتا، البتہ گھٹیا پیشوں والے ایک دوسرے کے کفو ہیں اور کفار بھی ایک دوسرے کے کفو ہیں، کیونکہ کفاءت کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ نقص کا دفعیہ ہو سکے جبکہ کفر سے بڑا نقص کوئی نہیں۔

پیشوں کے کمتر یا اعلیٰ ہونے کا دارومدار عرف پر ہے کیونکہ لوگوں کے مذاق کے مختلف ہونے سے پیشوں کے اعلیٰ اور کمتر ہونے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جگہ کا بھی اعتبار ہے، چنانچہ ایک زمانے میں کوئی پیشہ گھٹیا سمجھا جاتا تھا پھر دوسرے زمانے میں وہی پیشہ اعلیٰ سمجھا جانے لگا، اسی طرح ایک شہر میں کوئی پیشہ اگر کمتر سمجھا جاتا ہے تو دوسرے شہر میں وہی پیشہ اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔

مالکیہ نے پیشے کو اوصاف کفاءت میں شمار نہیں کیا کیونکہ پیشے کے حوالے سے دینداری میں کوئی نقص نہیں آتا، اور نہ ہی پیشہ کوئی لازمی وصف ہے، جیسے مالداری کوئی لازمی وصف نہیں، لہذا پیشہ ضعف، مرض، عافیت اور صحت کی مانند ہے۔ یہی رائے راجح ہے۔

۷۔ ایسے عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار ثابت ہوتا ہو:

یعنی ایسے عیوب جن کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو جاتا ہو جیسے جنون، جذام، برص وغیرہ۔ مالکیہ اور شافعیہ نے کفاءت کے لئے اس خصلت کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ مرد عورت میں سے جو بھی ان عیوب میں سے کسی عیب میں مبتلا ہو وہ ایسے شخص کا ہمسر نہیں ہو سکتا جو ان عیوب سے پاک ہو، کیونکہ انسانی نفس ایسے شخص سے دور رہتا ہے جس میں ان عیوب میں سے کوئی عیب ہو، نیز ان عیوب کے ہوتے ہوئے نکاح کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔

حنفیہ اور حنابلہ نے کفاءت میں اس خصلت کا اعتبار نہیں کیا، لیکن عورت کو خیار ملے گا اس کے اولیاء کو نہیں ملے گا، کیونکہ ضرر تو عورت کو مل رہا ہوتا ہے، البتہ ولی عورت کو مجذوم، برص اور مجنون کے ساتھ نکاح کرنے سے روک سکتا ہے، یہ رائے راجح ہے کیونکہ کفاءت کی خصلتیں عورت اور اولیاء میں سے ہر ایک کا حق ہیں۔

متذکرہ بالا خصلتیں کفاءت کی خصلتیں ہیں، ان خصائل کے علاوہ بقیہ اوصاف جیسے حسن جمال، عمر، ثقافت، شہر اور دوسرے عیوب جن سے نکاح میں خیار حاصل نہیں ہوتا، جیسے اندھا پن، عضو کا کٹا ہوا ہونا، بدصورتی سو کفاءت میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا، چنانچہ بدصورت خوبصورت عورت کا کفو ہوتا ہے، بڑی عمر والا کم عمر والی عورت کے ہمسر ہوتا ہے، جاہل تعلیم یافتہ کے ہمسر ہے، دیہاتی شہری کے ہمسر ہے اور مریض صحت مند کے ہمسر ہے۔

لیکن بایں ہمہ ان اوصاف میں حتی الامکان یکسانیت کا لحاظ رکھا جائے بالخصوص عمر اور ثقافت کا لحاظ رکھا جائے، کیونکہ ان اوصاف کی رعایت رکھنے سے زوجین کے درمیان اتفاق اور ہم آہنگی کو وجود ملتا ہے، جبکہ اگر ان اوصاف کی اگر رعایت نہ کی جائے تو زوجین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ لوگوں کے مذاق میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

قانون میں کفاءت کا اعتبار...... متذکرہ بالا اوصاف کا فقہاء نے اعتبار کیا ہے اور ماضی کے معاشرہ میں ان اوصاف کی رعایت بھی کی جاتی رہی ہے، عصر حاضر میں عرف کو دیکھا جائے تو جو امور عرفی اور واجبی لحاظ سے معتبر سمجھے جاتے ہوں، ان کا بطور شرط لحاظ رکھا جائے، چنانچہ نسب اور مالداری کا اعتبار باقی نہیں رہا۔ ❶ اسی لئے سوریہ کے قانون میں حسب ذیل صراحت کی گئی ہے:

دفعہ ۲۶ میں ہے: لزوم نکاح کے لئے شرط ہے کہ مرد عورت کے جوڑ کا ہو۔

دفعہ ۲۷ میں ہے: اگر بالغ عورت اپنے ولی کی موافقت کے بغیر شادی کر لے تو دیکھا جائے گا کہ خاوند اگر ہمسر ہو تو عقد لازم ہو جائے

---

❶ یہ سوریہ کا عرف ہے جبکہ ہند و پاک کے عرف میں نسب اور مالداری کو دیکھا جاتا ہے سادات برادری کے لوگ اپنے رشتے غیر سادات کو نہیں دیتے مالدار شخص اپنی بیٹی کا رشتہ تنگدست کو قطعاً نہیں دیتا، کتنے ایسے رشتے ہوئے جو نسبی یا مالداری لحاظ سے ہمسری نہ ہونے کی وجہ سے توڑ دیئے گئے۔

گا ورنہ ولی فسخ کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

دفعہ ۲۸ میں ہے: کفاءت کے حوالے سے شہر کے عرف ورواج کا اعتبار ہوگا۔

دفعہ ۲۹ میں ہے: کفاءت عورت اور ولی کا مخصوص حق ہے۔

دفعہ ۳۰ میں ہے: اگر عورت حاملہ ہوجائے اور اس کا خاوند اس کا کفو نہ ہو تو حق کفاءت ساقط ہوجائے گا۔

دفعہ ۳۱ میں ہے: بوقت عقد کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، عقد کے بعد کفاءت کے زائل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

دفعہ ۳۲ میں ہے: اگر بوقت عقد کفاءت کی شرط لگائی گئی ہو یا عورت کو خبر دی گئی ہو کہ اس کا خاوند اس کے جوڑ کا ہے پھر بعد میں ظاہر ہو کہ مرد اس عورت کا ہمسر نہیں تو ولی اور عورت دونوں کو فسخ نکاح کے مطالبے کا حق حاصل ہوگا۔

ملاحظہ رہے مذکورہ بالا اکثر احکام حنفی مذہب کے موافق ہیں۔

چھٹی فصل......نکاح کے اثرات

اس فصل میں تین مباحث ہیں:

مہر، خلوت اور متعہ (معمولی ساز وسامان)

پہلی بحث......مہر اور اس کے احکام

تمہید......نکاح بھی دیگر معاملات کی طرح ایسا عقد ہے جس سے مختلف حقوق اور فرائض (ذمہ داریاں) جنم لیتی ہیں جو مرد اور عورت سے متعلق ہیں۔ قرآن مجید نے اس اصول پر وضاحت کی ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ...... البقرہ ۲/۲۲۸

عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔

یہ حقوق وفرائض جو مرد وعورت سے متعلق ہیں ان میں سے اکثر کا دارومدار فطری بھلائی اور خوبی پر ہے۔

سوریہ کے قانون میں شخصی احوال کے حوالے سے صراحت کی گئی ہے کہ جملہ مالی حقوق جو عورت مرد پر رکھتی ہے وہ مہر، نفقہ اور رہائش ہے۔ رہی بات غیر مالی حقوق کی جیسے عدل، احسان وحسن معاشرت، بیوی کا فرماں بردار ہونا، عورت کو اذیت وتکلیف نہ پہنچانا، سو قانون میں ان حقوق سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ اخلاقی حقوق ہیں۔ البتہ قرآن نے ان میں سے بعض پر صراحت کی ہے اور سنت نبوی میں بعض پر صراحت کی گئی ہے۔

میں یہاں مہر پر گفتگو کروں گا۔ اس ضمن میں درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔ مہر کی تعریف، حکم، حکمت، مرد پر مہر لازم کرنے کا سبب، مہر کی مقدار، شرائط، کونسی چیز مہر بن سکتی ہے کونسی نہیں بن سکتی۔ مہر کی مختلف انواع اور ہر نوع کے وجوب کے مختلف حالات، مہر میں صاحب حق، مہر معجّل اور مہر مؤجل، مہر میں کمی بیشی کرنا، مہر کب واجب ہوتا ہے اور اس کا وجوب کب موکد ہوجاتا ہے اور مہر کب نصف ہوتا ہے، مہر کب ساقط ہوتا ہے، ضمان مہر، مہر ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے یا اس میں عیب آجانے کا حکم، مہر میں اختلاف ہوجانے کا حکم گھریلو ساز وسامان اور مہر کی وراثت اور اس کا ہبہ۔

اول: مہر کی تعریف، حکم، حکمت اور مرد پر مہر لازم کرنے کا سبب:

مہر......مہر وہ مال ہے جو عقد نکاح یا جنسی ربط کی وجہ سے کسی عورت کا مرد پر واجب ہوتا ہے۔

صاحب عنایہ نے فتح القدیر کے حاشیہ پر یوں تعریف کی ہے:

هوالمال الذی يجب فی عقد النكاح على الزوج فی مقابلة البضع إما بالتسمية او بالعقد

مہر وہ مال ہوتا ہے جو عقد نکاح کی صورت میں بضع کے مقابل کے طور پر خاوند پر واجب ہوتا ہے جو کہ یا تو مقرر کر لینے سے یا عقد سے۔

بعض حنفیہ نے مہر کی یوں تعریف کی ہے:

ماتستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوط

وہ مال ہے جس کی عقد نکاح یا صحبت کی وجہ سے عورت مستحق ہو۔

مالکیہ نے یوں تعریف کی ہے:

مايجعل للزوجة فی نظير الاستمتاع بها

وہ مال ہے جو استمتاع کے مقابل میں عورت کے لیے مقرر کر لیا گیا ہو۔

شافعیہ نے یوں تعریف کی ہے:

ماوجب بنكاح أو وطءٍ أو تفويت بضع قهرًا كرضاع ورجوع شهود

وہ مال ہے جو نکاح یا جنسی ربط یا بضع کے فوت ہو جانے پر جبراً واجب ہے۔

حنابلہ نے یوں تعریف کی ہے:

انه العوض فی النكاح سواء سمى فی العقد أو فرض بعده بتراضى الطرفين أوالحاكم

مہر نکاح میں عوض ہوتا ہے۔خواہ دوران عقد مقرر کر لیا جائے یا عقد کے بعد طرفین کی باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے مقرر کر لیا جائے۔

مہر کے مختلف نام......مہر کے دس نام ہیں۔مہر،صداق،صدقہ،نحلہ،اجر،فریضہ،حباء،عقر،طول،نکاح۔کسی نے ان ناموں کو اس شعر میں نظم کیا ہے:

صداق ومهر، نحلة وفريضة حباء وأجر، ثم عقر، علائق

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً......النساء ۴/ ۲۵

تم میں سے جو شخص طول (مہر) کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ نِكَاحاً...... النور ۲۴/ ۳۳

اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع (یعنی مہر) میسر نہ ہوں وہ پاکدامنی اختیار کریں۔

مہر کا حکم......جیسا کہ مہر کی تعریفوں سے واضح ہو چکا ہے کہ مہر مرد پر واجب ہے، کیونکہ دارالاسلام میں جو وطی بھی ہو وہ دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے خالی نہیں ہوتی۔چنانچہ وطی پر یا تو عقر واجب ہوتا ہے یا مہر واجب ہوتا ہے کیونکہ اسی میں عورت کا احترام ملحوظ رہتا ہے۔

اول......محض عقد صحیح۔بسا اوقات اگر نکاح دخول یا موت سے موکد نہ ہو مہر یا تو کل ساقط ہو جاتا ہے یا نصف ساقط ہو جاتا ہے۔حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔

دوم......حقیقی دخول کی صورت میں جیسا کہ وطی بشبہ یا نکاح فاسد کی حالت میں ہوتا ہے تاہم مہر ساقط نہیں ہوتا۔الا یہ کہ خاوند ادا کرے یا عورت خاوند کو بری الذمہ کر دے۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۵۳ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ محض عقد صحیح سے عورت کے لیے مہر واجب ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ بوقت عقد مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

وجوب مہر کے دلائل

ا۔ قرآن...... فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ......النساء ۴/۴

عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت میں خاوندوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ ایک اور قول کے مطابق خطاب اولیاء سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اولیاء مہر لیتے تھے اور مہر کو نحلہ کا نام دیتے تھے۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ مہر میں عورت کا احترام ہے۔

فرمان باری تعالیٰ:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ...... النساء ۴/ ۲۴

چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو انہیں مقررہ مہر دو۔

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ...... عورتوں کو ان کا مہر دو۔ النساء ۴/ ۲۵

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ......النساء ۴/ ۲۴

ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔

۲۔ سنت...... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا:

مہر تلاش کر لاؤ۔ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ [1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ آپ کا کوئی نکاح مہر کے بغیر ہوا ہو۔

عقد کے دوران مہر مقرر کرنا مسنون ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ کوئی نکاح مہر سے خالی ہو، نیز دوران عقد مہر مقرر کرنے میں جھگڑا نہیں رہتا، عقد کے دوران مہر مقرر کرنے میں یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ عورت نے اپنے تئیں مرد کو ہبہ کر دیا ہے چونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

۳۔ اجماع امت...... نکاح میں مہر کے ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

حکمت...... چنانچہ نکاح مہتم بالشان عقد ہے۔ اس عقد کے مرتبہ اور مقام کا اظہار مہر مقرر کر کے کیا جاتا ہے۔ عورت کے اعزاز و اکرام کا اظہار بھی اس کی حکمت ہے تاکہ عائلی زندگی بہتر طریقے سے قائم رہ سکے اور میاں بیوی کے درمیان حسن معاشرت قائم رہ سکے۔ مہر کی ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرنا عورت پر واجب ہے۔ چنانچہ عورت لباس اور سامان تزئین کا انتظام مہر کے مال سے بسہولت کر سکتی ہے۔

مہر مرد پر واجب ہے نہ کہ عورت پر...... شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ اخراجات کا بار عورت کے کاندھوں پر نہیں ڈالا گیا۔ خواہ

---

[1] ......متفق علیه بین احمد والشیخین عن سهل بن سعد (نیل الاوطار ۶/ ۱۷۰)

عورت ماں ہو یا بیٹی ہو یا بیوی ہو بلکہ مرد پر خرچے کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔ کیونکہ مرد کسب وکمائی کی طاقت رکھتا ہے۔ رہی بات عورت کی سو اس کی ذمہ داری گھریلو انتظام استوار رکھنا، اولاد کی بہتر تربیت کرنا اور گھریلو امور حسن وبھلائی سے انجام دینا۔ بلاشبہ ان امور کی انجام دہی آسان نہیں مشکل ہے۔ چنانچہ جب عورت کو پیشگی مہر دے دیا جائے تو وہ بطریق احسن ان امور کی انجام دہی کے لیے سعی کر سکتی ہے۔

مہر عقد نکاح میں رکن ہے نہ ہی شرط...... میں نے شرائط میں وضاحت کر دی ہے کہ مہر نکاح میں اگرچہ واجب ہے لیکن مہر رکن ہے اور نہ ہی شرط ہے ❶ مہر تو عقد نکاح پر مرتب ہونے والے اثرات میں سے ہے، اسی لیے مہر میں معمولی قسم کی جہالت اور غرر قابل برداشت ہوتا ہے بشرطیکہ اس جہالت اور غرر کے زوال کی امید ہو کیونکہ نکاح کا مقصد ملک بضعہ سے نفع اٹھانا ہے اس لئے تذکرہ مہر کے بغیر بھی عقد نکاح صحیح ہوتا ہے اور عورت کے لئے بہر حال بالاتفاق مہر واجب ہوگا۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ......البقرۃ ۲/ ۲۳۶

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے (صحبت کیے بغیر) اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں دخول سے قبل طلاق مباح کر دی گئی ہے اسی طرح مہر مقرر کرنے سے پہلے بھی طلاق دینے کا جواز ہے اس سے معلوم ہوا کہ مہر نہ رکن ہے اور نہ ہی شرط۔

علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک استفتاء لایا گیا کہ ایک عورت کے ساتھ ایک مرد نے شادی کر لی تھی پھر وہ مر گیا جبکہ اس نے عورت کا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس عورت کے ساتھ صحبت کی تھی چنانچہ لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور فتوی کی لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے کی مطابق اس عوت کے لئے مہر مثل ہوگا میراث سے بھی اسے حصہ ملے گا اور عورت پر عدت بھی ہوگی اس فتویٰ کے متعلق معقل بن سنان اشجعی نے گواہی دی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ ❷

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: میں فلاں عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں؟ عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا: کیا تم راضی ہو کہ فلاں مرد کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں؟ عورت نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ آپ نے ان دونوں کی شادی کرا دی اور مرد نے عورت کے ساتھ صحبت بھی کر لی جبکہ اس عورت کا مہر مقرر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت مرد نے کہا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کرائی تھی اور میں نے اسکا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے اسے کچھ دیا اور اب میں نے اسے مہر کے عوض میں خیبر کی سرزمین سے ملنے والا حصہ دے دیا ہے چنانچہ عورت نے زمین کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا اور بعد میں ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ ❸

بنا بر ہذا اگر زوجین نے بغیر مہر کے اتفاق کر لیا یا کسی ایسی چیز کو بطور مہر مقرر کیا جس کا شرعاً مالک نہیں بنا جا سکتا مثلاً شراب خنزیر نجس چیز گوبر وغیرہ تو مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک عقد نکاح صحیح ہو جائے گا، اور عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مالکیہ کہتے ہیں اگر زوجین سقوط مہر پر اتفاق کر لیں تو نکاح ہی فاسد ہو جائے گا۔ ❹

نکاح تفویض......ابن رشد وغیرہ کہتے ہیں ❺ نکاح تفویض کے جائز ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے نکاح تفویض یہ ہے کہ مہر کے بغیر

---

❶......البدائع ۲/ ۲۷۴ کشاف القناع ۵/ ۱۴۴ المهذب ۲/ ۵۵ بداية المجتهد ۲/ ۲۵ ❷ رواہ الخمسہ (احمد اصحاب السنن) وصححه الترمذی ❸ نیل الاوطار ۶/ ۱۷۲ ❹ اخرجه ابوداؤد والحاکم۔ ❺ بداية المجتهد ۲/ ۲۵ القوانين الفقهيه ۲۰۳ البدائع ۲/ ۲۷۴۔ الدر المختار ۲/ ۳۶۰

ہی نکاح کرلیا جائے۔اس کی دلیل یہ آیت ''لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً'' ہے۔اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگائے بغیر یا مہر مقرر کئے بغیر طلاق دے دو تو تمہارے اوپر کوئی گناہ ہیں۔(البقرۃ ۲/۲۳۶) لیکن جمہور کے نزدیک نکاح تفویض میں مہر کے بغیر ہی نکاح پر اتفاق کرلیا جاتا ہے یا نکاح میں مہر مقرر نہیں کیا جاتا۔مالکیہ کے نزدیک مہر مقرر نہیں کیا تو وہ نکاح تفویض ہے اور جائز ہے اور اگر سقوط مہر پر اتفاق کرلیا گیا تو نکاح ہی فاسد ہوگا۔❶

دوم: مہر کی مقدار اور گرانی مہر...... بالاتفاق مہر کی انتہائی حد مقرر نہیں کیونکہ شریعت میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس میں مہر کی انتہائی حد کی تعین کی گئی ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

اور تم نے کسی عورت کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو اس سے کوئی چیز بھی واپس نہ لو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عورتوں کے مہر میں گرانی ہو چلی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے مہر کی ایک مناسب حد تک تحدید وتعین کا ارادہ کیا بلکہ اعلان کردیا کہ چار سو دراہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے اور لوگوں سے خطاب کیا❷ اے لوگو! عورتوں کے مہر میں گرانی مت کرو کیونکہ بڑھا چڑھا کر مہر دینا اگر دنیا میں شرافت کی چیز ہوتی یا آخرت میں کوئی تقوی کی چیز ہوتی یقیناً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور عمل فرماتے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی سے زیادہ مقرر نہیں کیا❸ سو جس شخص نے بھی ۱۲ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کیا زائد مقدار بیت المال میں جمع کرانی ہوگی جب عمر رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اترے تو قریش کی ایک عورت آڑے آ گئی اور کہنے لگی: اے عمر! تمہیں یہ اختیار حاصل نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت سے وجہ پوچھی عورت بولی: کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ:

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (النساء/۲۰)

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ایک عورت نے سچ کہا جبکہ عمر سے خطا ہوئی ابو یعلی نے الکبیر میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی یا اللہ! ہر وہ شخص جو عمر سے زیادہ فقاہت رکھتا ہو اسکی مغفرت فرما۔آپ رضی اللہ عنہ دوبارہ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں مسئلہ مہر کے متعلق چار سو درہم سے زائد مہر مقرر کرنے سے منع کیا تھا سو کوئی شخص مہر میں جتنا مال چاہے عورت کو دے سکتا ہے۔❹

لیکن کم مہر رکھنا اور گرانی سے اجتناب کرنا مسنون ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں اخراجات کم سے کم ہوں❺ ایک اور روایت میں ہے سب سے زیادہ برکت والی عورت وہ ہے جسکا مہر سب سے کم ہو۔

ابوداؤد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ سب سے بہترین مہر وہ ہے جو سب سے کم ہو۔

کم مہر کی حکمت......گرانی مہر سے اس لیے منع کیا گیا ہے تاکہ نوجوانوں کے لئے شادی کرنا آسان تر ہو جائے اور نوجوان طبقہ نکاح سے اعراض نہ کرے خدانخواستہ اگر نوجوان طبقہ شادی سے اعراض کرنے لگ گیا تو معاشرے میں اخلاقی بے راہ روی اور مفاسد عام ہو جائیں

---

❶......البدائع ۲/۲۸۶ الدر المختار ۲/۴۵۲ المهذب ۲/۵۵ ❷رواه ابو داؤد والترمذی وصححه احمد وابن ماجه الخمسه
❸ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے ❹مجمع الزوائد ۴/۲۸۳ سيرة عمر بن الخطاب لطنطا وين نقلا عن سيرة عمر لا بن الجوزی ۱/۳۲۱ تكملة المجموع ۱۵/۳۸۲ ❺رواه احمد عن عائشه وفيه ضعيف(نيل الاوطار ۶/۱۶۸)

گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متذکرہ بالا خطاب میں فرمایا تھا۔ آدمی اپنی بیوی کے مہر میں گرانی کر دیتا ہے بالآخر یہ گرانی اس کے دل میں عداوت بن جاتی ہے۔

مہر کی کم از کم مقدار..... مہر کی کم از کم حد کیا ہونی چاہیے سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور کل ملا کر تین آراء ہیں:

حنفیہ: کہتے ہیں ❶ کم از کم مہر کی مقدار دس (۱۰) دراہم ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے دس دراہم سے کم مہر نہیں ہوتا ❷ نیز حنفیہ نے اقل مہر کو سرقہ کے نصاب پر بھی قیاس کیا ہے چنانچہ دس درہم چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا گویا دس درہم کی اہمیت ہے لہٰذا ایک عورت کے مرتبے اور مقام کا تقاضا ہے کہ اسکا مہر دس درہم سے کم نہ ہو رہی یہ حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تھا: تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو سو یہ حدیث مہر معجّل پر محمول ہے کیونکہ اہل عرب کا رواج تھا کہ صحبت سے پہلے کچھ نہ کچھ مہر دے دیا جائے نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا تاوقتیکہ انہیں کوئی چیز دے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنی زرہ ہی دے دو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دی۔ ❸

مالکیہ کہتے ہیں: کم از کم مہر کی مقدار چوتھائی دینار ہے یا خالص چاندی کے تین دراہم۔ یا ہر ایسی چیز سامان، جانور، زمین جو شرعاً مال سمجھی جاتی ہو اور شرعاً اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو پاک ہو اور اس کی قیمت تین درہم بنتی ہو تاہم لہو ولعب کے آلات کو مہر میں نہیں دیا جا سکتا کیونکہ شرعاً ان سے نفع اٹھانا ممنوع ہے۔ نیز مہر میں رکھی گئی وہ چیز مقدور التسلیم ہو ❹ اس کی مقدار متعین ہو صفت اور نوع بھی متعین ہو مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ مہر عورت کی شرافت اور عظمت کا امین ہوتا ہے لہٰذا سرقہ کے نصاب سے کم نہیں رکھا جائے گا تاہم اگر کسی مرد نے اس سے کم مقدار پر عورت کے ساتھ نکاح کر لیا اور مرد نے عورت کے ساتھ صحبت بھی کر دی تو ربع دینار واجب ہو جائے گا اور اگر صحبت نہ کی تو مرد سے کہا جائے گا کہ یا تو مہر کی مقررہ مقدار پوری کر دو یا نکاح ہی فسخ کر دو۔ ❺

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: کم از کم مہر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ چنانچہ مال قلیل و کثیر کا مہر ہونا صحیح ہے، تاہم ان حضرات کے نزدیک ضابطہ یہ ہے ہر وہ چیز جو مبیع بن سکتی ہو وہ مہر بھی بن سکتی ہے اور جو چیز مبیع نہیں بن سکتی وہ مہر بھی نہیں بن سکتی۔ بشرطیکہ وہ چیز ایسی نہ ہو جسے مال شمار نہ کیا جاتا ہو اگر ایسی چیز مہر میں رکھ دی مثلاً گٹھلی کنکری وغیرہ تو یہ مہر فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ ❻

(ا)..... آیت کریمہ ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ...... النساء: ۴/ ۲۴

ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ تم اپنے مال کے مہر سے ان سے نکاح کرنا چاہو۔

چنانچہ شریعت میں کوئی چیز اقل مہر کے طور پر مقرر نہیں کہ جس پر علی الاطلاق عمل کیا جائے۔

(ب)..... سابقہ حدیث ہے۔ تلاش کرلاؤ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو مال ہے وہ مہر بن سکتی ہے۔

(ج)..... عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قبیلہ فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیوں پر نکاح کر لیا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ

---

❶..... الدر المختار ۲/ ۴۵۲ البدائع ۲/ ۲۷۵ ❷ رواه البيهقى بسند ضعيف ورواه ابن ابى حاتم وقال ابن حجر الاسناد حسن ❸ رواه ابوداؤد والنسائى ❹ یعنی ایسی ہو جسے بیوی کو دینا ممکن ہو۔ ❺ الشرح الصغير ۲/ ۴۲۸۔ ❻ المهذب ۲/ ۵۵ معنى المحتاج ۳/ ۲۲۰ كشاف القناع ۵/ ۱۴۲ المغنى ۶/ ۶۸۰

علیہ وسلم نے عورت سے پوچھا: کیا تو ان دو جوتیوں کے بدلہ میں اپنے نفس کو سپرد کرنے پر راضی ہے؟ عورت نے کہا: جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو جائز قرار دیا❶ ابوداؤد نے جابر رضی اللہ عنہ سے موقوف حدیث نقل کی ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کو مٹھی بھر کھانا بطور مہر دے دیا تو وہ عورت اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔

(د)..... مہر عورت کا حق ہے اللہ تعالیٰ نے مہر عورت کے مرتبہ اور مقام کی خاطر مشروع کیا ہے لہٰذا مہر کی تعیین طرفین کی رضامندی سے ہوگی، نیز مہر عورت سے نفع اٹھانے کا بدل ہے لہٰذا مہر کی تعیین کا اختیار عورت کو حاصل ہوگا جیسے منافع کی اجرت مستأجر متعین کرتا ہے۔

یہ رائے راجح ہے کیونکہ اس کے دلائل قرآن وسنت سے ہیں۔ چنانچہ اس رائے کے فقہاء کہتے ہیں کہ چار سو دراہم سے پانچ سو دراہم تک مہر مقرر کرنا مسنون ہے، کیونکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا دراں حالیکہ وہ اس وقت سرزمین حبشہ میں مقیم تھیں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کوئی چیز نہیں بھیجی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر چار سو درہم ہوتا تھا❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر پانچ پانچ سو دراہم تھا❸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی اقتداء مستحب ہے اور باعث برکت ہے۔

اگر پانچ سو دراہم سے زیادہ مہر مقرر کر دیا گیا اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ اوپر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا درحالیکہ وہ سرزمین حبشہ میں مقیم تھیں نجاشی نے یہ شادی کرائی تھی اور اسی نے چار ہزار دراہم مہر مقرر کیا تھا نیز جہیز اور دیگر ساز وسامان بھی نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی طرف سے دیا تھا۔ اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں مدینہ روانہ کیا، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی تھی۔

عقد نکاح کے وقت مہر مقرر کر لینا چاہیے کیونکہ اگر مہر مقرر نہ کیا گیا تو بسا اوقات جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مستحب ہے کہ مہر دس دراہم سے کم نہ ہو تاکہ فقہاء کے اختلاف سے بچا جا سکے۔

پوشیدہ اور اعلانیہ مہر..... اگر دو قسم کے مہور پر نکاح ہوا یعنی ایک مہر پوشیدہ رکھا دوسرا اعلانیہ۔ چنانچہ شافعیہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک وہی مہر واجب ہوگا جس پر عقد طے ہوا ہو کیونکہ مہر عقد سے واجب ہوتا ہے لہٰذا جس مہر پر عقد طے ہوا وہی واجب ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک علانیہ مہر دیا جائے گا اگرچہ پوشیدہ مہر پر عقد طے ہوا ہو کیونکہ جب پوشیدہ مہر پر عقد ہوا اور اس کے بعد علانیہ مہر کا اظہار کیا گیا تو اس سے مہر کی زائد مقدار کی خبر ملتی ہے لہٰذا زائد مقدار واجب ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے مقررہ مہر سے زائد دے دیا جائے۔

اگر ایجاب وقبول کے دوران مہر میں اختلاف ہو جائے..... اگر ولی کہے: میں نے ایک ہزار روپے مہر کے عوض اپنی بیٹی کا تمہارے سے نکاح کر دیا اور مرد کہے میں نے یہ نکاح پانچ سو روپے مہر کے عوض قبول کیا۔ تو شافعیہ کی نزدیک مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مرد نے ہزار روپے بطور مہر قبول نہیں کیے اور ولی نے پانچ سو روپے کا ایجاب نہیں کیا لہٰذا دونوں ہند سے ساقط الاعتبار ہوں گے اور مہر مثل واجب ہوگا۔

سوریہ میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے کو قانونی حیثیت دی گئی ہے۔

چنانچہ دفعہ کا متن یوں ہے (م ۵۴) (۱) اقل اور اکثر مہر کی کوئی حد نہیں۔ (۲) ہر وہ چیز جس کا شرعاً التزام کیا جا سکتا ہو وہ مہر بھی بن سکتی ہے۔

---

❶.....رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی وصححہ ❷رواہ احمد والنسائی (نیل الا وطار ۶/۱۶۹) ❸رواہ مسلم۔

سوم: مہر کی شرائط (کونسی چیز مہر بن سکتی ہے اور کونسی چیز نہیں بن سکتی)

مہر کی تین شرائط ہیں: ❶

اول..... مہر ایسی چیز ہونی چاہئے شریعت میں جس کا مالک بنانا جائز ہو اور شرعاً اس کی خرید وفروخت ہوتی ہو۔ جیسے سونا چاندی، سامان وغیرہ۔ چنانچہ شراب اور خنزیر کو بطور مہر مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ شرعاً ان دونوں چیزوں کا مالک بننا جائز نہیں۔

دوم..... یہ کہ مہر غرر سے سلامت اور محفوظ ہو چنانچہ بھگوڑے غلام اور بدکے ہوئے اونٹ کو مہر میں دینا جائز نہیں۔

سوم..... یہ کہ مہر معلوم و متعین ہو کیونکہ مہر مقرر کردہ عوض ہوتا ہے جو ثمن کے مشابہ ہے۔ لہٰذا مجہول چیز نکاح میں بطور مہر رکھنا جائز نہیں، ہاں البتہ نکاح تفویض میں مجہول مہر جائز ہے نکاح تفویض کا حاصل یہ ہے کہ عاقدین عقد طے کرتے وقت مہر کی تعیین نہ کریں اور خاموش رہیں اور تعیین کا اختیار کسی ایک عاقد کو سونپ دیا گیا ہو یا کسی تیسرے آدمی کو سونپ دیا گیا ہو۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک سامان کا وصف بیان کرنا واجب ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وصف بیان کرنا واجب ہے۔ اگر سامان مطلوبہ وصف کے خلاف نکلا تو درمیانہ قسم کا سامان واجب ہوگا۔

حنفیہ نے چوتھی شرط کا بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ نکاح صحیح ہو، چنانچہ نکاح فاسد میں مہر مقرر کرنا صحیح نہیں۔ اور نکاح فاسد میں مقررہ مہر لازم بھی نہیں ہوتا کیونکہ نکاح فاسد حقیقت میں نکاح نہیں ہوتا۔ اور اگر مرد نے صحبت کر دی تو مہر مثل واجب ہوگا۔

بنابریں فقہاء نے کچھ ایسے ضوابط مقرر کئے ہیں جن سے ایسی چیز کی وضاحت ہو جاتی ہے جو مہر میں دی جارہی ہو آیا کہ وہ مہر بن سکتی ہے یا نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں: ❷ مہر میں ہر ایسا مال دینا جائز ہے جو متقوم ہو متعین ہو اور سپرد کیا جاسکتا ہو، چنانچہ سونا چاندی خواہ ڈھلے ہوں یا ڈھلے نہ ہو نقدی صورت میں ہوں یا زیورات کی صورت میں دین ہو یا عین فلوس ہوں یا کاغذی کرنسی ملکی ہو یا موزونی جانور ہو یا زمین خواہ تجارتی ساز و سامان ہو یا کپڑے۔ یہ سب چیزیں مہر میں دی جاسکتی ہیں شخصی منفعت کو بھی مہر میں دیا جاسکتا ہے جیسے گھر کی رہائش زمین کی کاشتکاری اور گاڑی پر سوار ہونے کی منفعت وغیرہ۔ گویا منفعت ایسی ہو کہ اس کے مقابلہ میں مال کا ملنا یقینی ہو۔

رہی بات یہ کہ نکاح میں اگر تعلیم قرآن یا دینی مسائل واحکام جو حلال و حرام کے متعلق ہوں کی تعلیم کو مہر قرار دے دیا جائے تو یہ مہر متقدمین حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں ہے: اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ آیت کی رو سے مہر کا مال ہونا ضروری ہے جبکہ تعلیم قرآن یا دینی مسائل کی تعلیم مال نہیں۔ بلکہ طاعات کے قبیل سے ہیں اور قربت ہیں حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں نیز تعلیم مال کے مقابل نہیں ہو سکتی اس صورت میں مہر صحیح نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا۔

متاخرین حنفیہ نے قرآن مجید اور احکام دین کی تعلیم پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب حالات اور زمانہ بدل چکا ہے اور معلم بغیر اجرت کے تعلیم کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا تاہم اس فتوی کی روشنی میں تعلیم قرآن یا تعلیم احکام دین کو مہر مقرر کرنا جائز ہوگا اسکی دلیل حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا نکاح کرادیا اس کے پاس قرآن مجید (جو اسے حفظ تھا) کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آپ نے اس پر فرمایا: تمہارے پاس

جو قرآن ہے اس کے عوض میں نے اس عورت کے ساتھ تمہارا نکاح کرادیا۔ ❸

---

❶..... البدائع ۲/۲۷۷ الشرح الکبیر ۲/۲۹۴ القوانین الفقہیۃ ۲۰۱ کشاف القناع ۵/۱۴۷ مغنی المحتاج: ۳/۲۲۰۔ ❷ البدائع المکان السابق الدر المختار ۲/۲۵۳ احکام القرآن للجصاص ۲/۱۴۳۔ ❸ متفق علیہ بین احمد والشیخین (نیل الاوطار ۶/۱۷۰)

ایسی چیز مہر میں رکھنا صحیح نہیں جو مال متقوم نہ ہو۔ مثلاً مسلمان مرد مسلمان عورت کے ساتھ مٹی پر نکاح کرلے یا خون یا خنزیر یا شراب پر کیونکہ مذکورہ اشیاء مال متقوم نہیں اسی طرح ایک عورت کی طلاق پر دوسری عورت کے ساتھ نکاح (یعنی طلاق کو مہر رکھ لیا جائے) صحیح نہیں قصاص معاف کرنے پر بھی نکاح صحیح نہیں۔ کیونکہ طلاق مال نہیں اور نہ ہی قصاص مال ہے۔

نکاح شغار..... بھی صحیح نہیں نکاح شغار کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح مجھ سے کروادو میں اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح تم سے کروادیتا ہوں گویا اس قسم کے نکاح میں بضع کو مقابل کی عورت کا مہر قرار دیا جائے جبکہ بضع مال نہیں یوں یہ مہر باطل ہے اور ہر عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا۔ نکاح شغار جمہور کے نزدیک باطل ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے کیونکہ بضع کو مہر قرار دیا گیا ہے جبکہ نکاح مؤبد ہے جو شرط فاسد پر مشتمل ہے لہٰذا شرط باطل ہوگی نکاح صحیح ہوگا۔ اور مہر مثل واجب ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح شغار وہ ہوتا ہے جو عوض سے خالی ہو۔

خدمت کو مہر قرار دینا..... اگر آزاد شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور ایک سال کی خدمت مہر رکھ لی کہ وہ ایک سال تک عورت کی بکریاں چرائے گا مثلاً تو یہ مہر فاسد ہوگا اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گا کیونکہ ان کے نزدیک منافع اموال متقومہ نہیں ہوتے لہٰذا غصب اور اتلاف سے ان کا ضمان بھی شیخین کے نزدیک نہیں ہوگا،

جبکہ امام شافعی اور باقی ائمہ کے نزدیک نکاح میں خدمت کو بطور مہر مقرر کرنا صحیح ہے، اور عورت کے لئے مرد کو ایک سال خدمت کرنی ہوگی، ان ائمہ کے نزدیک آزاد آدمی کے منافع عوض بن سکتے ہیں کیونکہ آزاد آدمی کا اجارہ بالاتفاق جائز ہے لہٰذا خدمت کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔

مختلف اعیان (اشیاء) کے منافع پر عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے مثلاً گھر کی رہائش، گاڑی یا جانور کی سواری زمین کی کاشتکاری وغیرہ۔ کیونکہ یہ منافع اموال ہیں۔

مجہول متقوم چیز جس میں معمولی جہالت ہو پر نکاح کرنا صحیح ہے کیونکہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوتا اس لئے معمولی جہالت پر چشم پوشی کرلی جاتی ہے جبکہ مالی معاوضات میں معمولی چشم پوشی بھی نہیں کی جاتی البتہ ایسی چیز پر نکاح جائز نہیں جس میں فاحش قسم کی جہالت ہو کیونکہ جہالت فاحش نزاع اور جھگڑے پر منتج ہوتی ہے اور ایسی جہالت سے عقد باطل ہوجاتا ہے۔

فرق..... جہالت فاحشہ اور معمولی جہالت میں فرق کچھ یوں ہے کہ جہالت فاحشہ عموماً جنس نوع اور مقداروں میں ہوتی ہے۔ مثلاً کسی عورت کے ساتھ جانور یا کپڑے پر نکاح کرلیا جبکہ جانور اور کپڑا مستقل الگ الگ جنس ہیں اور ہر جنس کے تحت مختلف انواع داخل ہیں، یا مثلاً مطلق روئی پر نکاح کرلیا حالانکہ روئی کی نہ نوع بیان کی نہ اسکا وزن اور حجم بیان کیا، جبکہ روئی کی انواع مختلف ہیں پھر گانٹھیں بھی ہر علاقے کے رواج کے مطابق بنائی جاتی ہیں۔

رہی بات معمولی جہالت کی جو اس صورت میں ہوتی ہے کہ مقررہ چیز کی جنس اور نوع متعین ہو لیکن اسکی صفت مجہول ہو جیسے کہا گندم کا ڈھیر یا روئی کا ڈھیر اس میں ساتھ وصف نہ بیان کیا ہو، معمولی جہالت حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قابل برداشت ہوتی ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔ اس صورت میں متوسط قسم کی چیز واجب ہوگی،

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جہالت وصف بھی باعث ضرر ہے کیونکہ یہ جہالت بھی تنازع پر منتج ہوتی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے جنس کی جہالت۔

مالکیہ کے نزدیک وہ چیز جو مہر بن سکتی ہے:

مالکیہ کہتے ہیں ❶ ہر وہ چیز مہر بن سکتی ہے جسے شرعاً مال سمجھا جاتا ہو جیسے ساز وسامان جانور زمین، پاک چیز، جو نجس نہ ہو، چنانچہ نجس چیز شرعاً مال نہیں تصور کی جاتی، نجس چیز سے شرعاً نفع بھی نہیں اٹھایا جاتا، البذا نجس چیز شرعاً متقوم نہیں۔

ایسی چیز کو مہر مقرر کرنا صحیح نہیں جو شرعاً مال نہ ہو جیسے مثلاً خاوند کا بیوی پر حق قصاص واجب تھا خاوند نے حق قصاص کو مہر مقرر کر دیا اور دعوائے قصاص چھوڑ دیا یہ مہر صحیح نہیں صحبت سے پہلے پہلے نکاح فسخ کیا جائے گا اگر صحبت ہو چکی تو مہر مثل واجب ہوگا اور خاوند دیت کا مطالبہ کرے گا۔

ایسی چیز پر بھی نکاح صحیح نہیں جس کا شرعاً مالک نہ بن سکتا ہو جیسے شراب خنزیر گوبر وغیرہ۔

ایسی چیز کو بھی مہر نہیں رکھ سکتے جو مقدور التسلیم (جسے حوالے کرنے کی قدرت) نہ ہو جیسے بدکا ہوا جانور بھاگا ہوا غلام، فضا میں اڑتے پرندے حوض میں تیرتی مچھلیاں وغیرہ۔

مجہول چیز کو بھی مہر نہیں رکھ سکتے۔ مثلاً کوئی چیز کپڑا مطلق گھوڑا وغیرہ۔ ایسی چیز کو مہر میں رکھنا جائز ہے جس میں معمولی جہالت ہو یا معمولی غرر ہو کیونکہ معاملات نکاح میں معمولی چیز کے متعلق چشم پوشی کر لی جاتی ہے۔ مثلاً مہر مثل پر نکاح کر لیا یا گھریلو سامان پر نکاح کر لیا اس صورت میں گھر کا متوسط قسم کا سامان مراد ہوگا متعین گنتی کی چیزوں کو بھی مہر میں رکھنا جائز ہے۔ مثلاً کہا دس بکریاں دس اونٹ وغیرہ۔ اس صورت میں متوسط قسم کی چیز مراد ہوگی یعنی عمر، عمدگی اور کوالٹی میں درمیانی قسم کی چیز کا اعتبار ہوگا۔ ایسی منفعت کو مہر مقرر کرنا صحیح نہیں جس کے مقابلہ میں کوئی مال نہ ہو۔ مثلاً مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کر لیا اور مہر میں منکوحہ کی سوکن کی طلاق رکھ لی یا یہ چیز مہر رکھی کہ اس پر کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا اسے شہر سے باہر نہیں نکالے گا چنانچہ یہ سارے منافع مہر نہیں بن سکتے چونکہ ان کے مقابلہ میں مال نہیں۔

مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق حنفیہ کی طرح اجارہ پر بھی نکاح جائز نہیں مثلاً نکاح میں خدمت یا قرآن کی تعلیم مہر مقرر کی مالکیہ کے دوسرے قول کے مطابق خدمت اور تعلیم قرآن پر نکاح جائز ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو چیز مہر بن سکتی ہے کا ضابطہ ❷...... شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کی خرید وفروخت کی جا سکتی ہو وہ مہر بن سکتی ہے یا ہر وہ چیز جو ثمن یا اجرت بن سکتی ہو مہر بن سکتی ہے، اگرچہ وہ چیز قلیل ہی کیوں نہ ہو یعنی ایسی چیز جو مال ہو سکتی ہو خواہ عین ہو یا دین معجّل ہو یا مؤجل، عمل ہو یا منفعت جیسے بکریاں چرانا، کپڑے سینا مقررہ مدت کی خدمتگاری قرآن کی تعلیم، علم وادب کی تعلیم کتابت کی تعلیم وغیرہ۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے:

﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾ ...... القصص ۲۸/۲۷

میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کے ساتھ تمہارا نکاح کرنا چاہتا ہوں اس بات پر کہ تم آٹھ سال میرے ہاں اجرت پر کام کرو۔

نیز نکاح ایسا عقد ہے جو منفعت پر ہوتا ہے البذا مذکور بالا منافع جات پر نکاح کرنا جائز ہے نیز آزاد شخص کی منفعت پر عوض لینا جائز ہے البذا آزاد شخص کی منفعت مہر بھی بن سکتی ہے۔

اگر منفعت مہر مقرر کیا ہو اور خاوند صحبت سے پہلے طلاق دے دے اور بیوی نے پوری طرح منافع بھی وصول نہ کیے ہوں تو مہر میں مقررہ منافع جات کی نصف اجرت خاوند پر واجب ہوگی۔

---

❶...... الشرح الصغیر ۳۲۹/۲ القوانین الفقھیة ۲۰۱ بدایة المجتھد ۲/۲۰۔ ❷ مغنی المحتاج ۳/۲۲۰ المھذب ۵۶/۲ کشاف القناع ۵/۱۴۳ المغنی ۶/۶۸۷

حاصل یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک خدمت کو مہر مقرر نہیں کیا جاسکتا، شافعیہ کے ہاں خدمت بطور مہر جائز ہے حنابلہ کے نزدیک مدت معینہ کی خدمت بطور مہر رکھی جاسکتی ہے۔

اگر زوجین مسلمان ہوں یا ایک مسلمان ہو دوسرا کتابی ہو تو حرام چیز کو مہر نہیں رکھ سکتے جیسے شراب یا خنزیر سو اگر نکاح میں حرام چیز یعنی شراب یا خنزیر مہر رکھ لیا تو نکاح صحیح ہوگا مقررہ مہر باطل ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر مال نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر تورات وانجیل کی تعلیم کو بطور مہر مقرر کر لیا تو بھی یہ مہر باطل ہوگا کیونکہ تورات وانجیل منسوخ ہو چکی ہیں۔

ایسی چیز کو بھی مہر میں رکھنا صحیح نہیں جس میں غرر ہو جیسے معدوم اور مجہول چیز اور ایسی چیز جسکی ملکیت ابھی نامکمل ہو جیسے غیر مقبوض مبیع، ایسی چیز بھی مہر میں نہیں رکھ سکتے جسے فریق ثانی کے سپرد نہ کیا جاسکتا ہو جیسے بھاگا ہوا غلام، بدکا ہوا اونٹ، ہوا میں اڑتے پرندے چونکہ مہر بھی ایک عقد میں عوض ہے اور خرید وفروخت کی طرح ایسا عوض نہیں رکھا جاسکتا جو مقدور التسلیم نہ ہو۔ البتہ اگر مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز پر نکاح کر لیا تو نکاح باطل نہیں ہوگا کیونکہ نکاح میں اگر سرے سے مہر نہ رکھا جائے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے اور اگر فاسد چیز کو مہر رکھا جائے تو بطریق اولی ہوگا۔ ہاں البتہ مہر مثل واجب ہوگا۔

جہالت فاحشہ قابل برداشت نہیں ہوتی۔ مثلاً مہر کی جنس یا نوع یا صفت یا مقدار میں جہالت ہو، اگر مہر میں غیر متعین گھر رکھا، یا مبہم جانور رکھا یا کوئی غیر متعین چیز رکھی یا کوئی مجہول چیز رکھی جیسے گھریلو سامان یا درخت کا پھل مہر میں رکھا تو یہ مہر صحیح نہیں ہوگا اور اگر مہر میں ایسی چیز رکھی جس کی کوئی منفعت نہ ہو جیسے حشرات الارض یا ایسی چیز مہر رکھ دی جو مقدور التسلیم نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیاں یا ایسی چیز مہر میں رکھی جو عادۃً مال نہ ہو جیسے اخروٹ کے چھلکے یا ایک عدد اخروٹ یا گندم کے ایک دو دانے تو یہ مہر صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس میں یا تو جہالت ہے یا غرر ہے یا مال نہیں۔

فساد مہر کے وقت مہر مثل کا واجب ہونا...... سابقہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جب مقررہ مہر میں فساد ہو تو بالاتفاق فقہاء کے نزدیک مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک عقد نکاح بھی فاسد ہو جاتا ہے اور نکاح فسخ کرنا واجب ہوتا ہے، ہاں البتہ اگر خاوند صحبت کر لے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے جمہور فقہاء کہتے ہیں اگر مہر فاسد ہو جائے تو عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ عقد صحیح ہوتا ہے اگر صحبت سے پہلے فرقت ہو جائے تو عورت کو متعہ (تھوڑا سا سامان) دینا واجب ہے اگر فرقت صحبت کے بعد ہو تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ فساد مہر سے مقررہ مہر میں اضافہ نہیں ہوتا اور جب بغیر مہر کے بھی عقد صحیح ہوتا ہے تو فساد مہر کے وقت بھی صحیح ہوگا کیونکہ فاسد مہر کا ذکر معدوم کی مانند ہے۔

چہارم: مہر کی مختلف انواع اور ہر نوع کے وجوب کی صورتیں:

فقہاء کے نزدیک مہر کی دو انواع ہیں:

(۱)......مہر مسمی (مقرر مہر) (۲) مہر مثل۔[1]

مہر مسمی یا متعین مہر یا مقررہ مہر...... سے مراد وہ مہر ہے جو دوران عقد نکاح مقرر کر لیا جائے اور فریقین اس پر راضی ہوں۔ یا عقد کے بعد باہمی رضامندی سے مقرر کر لیا جائے یا حاکم وقت مقرر کر دے۔ چنانچہ فرمان باری تعالی ہے:

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرة ۲/۲۳۷

اور تم مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف ہوگا۔

---

[1]...... البدائع ۲/۲۷۴ الدر المختار ۲/۴۶۰ الکتاب مع اللباب ۳/۲۲، الشرح الکبیر ۲/۳۰۰ الشرح الصغیر ۲/۴۴۹ مغنی المحتاج ۳/۲۲۷ کشاف القناع ۵/۱۷۴ المغنی ۶/۷۱۲ المھذب ۲/۶۰۔

دورانِ عقد مقررہ مہر میں وہ مال اور چیزیں بھی شمار ہوتی ہیں جو خاوند بیوی کو زفاف سے پہلے یا بعد میں دیتا ہے جیسے زفاف کے کپڑے (دلہن سوٹ) یا سہاگ رات کا تحفہ کیونکہ لوگوں کے ہاں جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے اور وہ معروف چیز خاوند پر لازم ہوگی ہاں البتہ اگر اسکی نفی کی شرط لگادی جائے تو پھر لازمی نہیں ہوگی۔

مالکیہ نے تو صراحت کی ہے کہ عقد نکاح سے پہلے یا عقد نکاح کے بعد عورت کو جو چیز ہدیہ کی جائے وہ مہر میں سے شمار ہوگی اگرچہ اسکی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اسی طرح عورت کے ولی کو جو چیز عقد سے پہلے ہدیہ کی جائے وہ بھی مہر میں سے شمار ہوگی، اگر صحبت سے پہلے عورت کو طلاق دے دی گئی تو خاوند نے جو ہدیہ دیا ہوا سکا نصف واپس کرنا ضروری ہوگا البتہ عورت کے ولی کو عقد کے بعد جو چیز بطور ہدیہ دی گئی تو وہ ولی کے لئے خاص ہو جائے گی اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ مہر مثل...... حنفیہ کے ہاں مہر مثل سے مراد عورت کے خاندان کی کسی دوسری عورت کا مہر ہے جو اوصاف میں اس عورت کے مماثل ہو اور وہ عورت باپ کی طرف سے رشتہ دار ہو جیسے بہن پھوپھی چچازاد بہن اور وہ ایک شہر اور ایک زمانہ کی ہوں۔ وہ دونوں عورتیں مرغوب صفات میں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں صفات جیسے مال جمال، عمر، عقل و دانش اور دین وغیرہ۔ کیونکہ شہروں کے بدلنے سے مہر بھی بدل جاتا ہے: اسی طرح مالی حالت، عقل مندی، حسن و جمال اور عمر کے مختلف ہونے سے مہر بھی بدل جاتا ہے، چنانچہ مالدار تعلیم یافتہ خوبصورت کنواری لڑکی کا مہر عام عورت کی بنسبت زیادہ مقرر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اعتبار کردہ عورت اور منکوحہ عورت دونوں کا صفت میں ہم پلہ ہونا ضروری ہے تاکہ خاندان کی عورتوں کا رواجی مہر واجب ہو اور اگر باپ کی طرف سے کوئی رشتہ دار عورت نہ ہو جس کے مہر کو مہر مثل قرار دیا جائے تو ایسی عورت کے مہر کا اعتبار کرلیا جائے گا جو منکوحہ کے باپ کے خاندان کے ہم پلہ ہو۔ اگر ایسی عورت بھی نہ ہو تو قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ خاوند اضافی حد کا منکر ہوتا ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔

مہر مثل کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی گواہی کافی ہے اور لفظ شہادت بھی ضروری ہوگا اگر مہر مثل کے لئے عادل گواہ دستیاب نہ ہو تو خاوند کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

۔ حنابلہ کے نزدیک مہر مثل...... ماں باپ کی طرف سے عورت کی رشتہ دار عورتوں میں سے کسی بھی عورت کا مہر مہر مثل قرار دیا جاسکتا ہے جیسے مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن، خالہ، وغیرھا۔ ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے کہ عورت کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر ہوگا، نیز مطلق قرابت کا بھی فی الجملہ اثر ہوتا ہے، اگر قرابت داروں میں کوئی عورت نہ ہو جس کے مہر کو مہر مثل قرار دیا جائے تو اس شہر کی کسی بھی ہم پلہ عورت کے مہر کا اعتبار کرلیا جائے گا۔

شافعیہ اور مالکیہ کی تحدید مہر مثل...... مہر مثل وہ ہے جتنے میں اس جیسا شخص اس جیسی عورت میں رغبت رکھتا ہو۔ یعنی ناکح کی صفات جیسا مرد منکوحہ کی صفات جیسی عورت میں جتنے مہر میں رغبت رکھتا ہو وہ مہر مثل ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مہر مثل کا اعتبار عصبات کی عورتوں سے ہوگا، ان کی دلیل علقمہ کی حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ مسعود بن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسئلہ لایا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کرلیا پھر وہ مر گیا جبکہ خاوند نے اسکا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ صحبت کی تھی، لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوگیا اور مقدمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے میں اس عورت کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر مثل ہوگا اسے میراث بھی ملے گی اس پر عدت بھی ہوگی معقل بن سنان اشجعی نے اس پر گواہی دی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ ❶

❶ ......رواه الخمسة احمد واصحاب السنن وصححه واخرجه الحاكم والبيهقي وابن حبان وصححه ايضا ابن مهدي.

مہر مثل کے اعتبار میں اقرب فالاقرب کا اعتبار ہوگا یعنی اولاً عورت کی بہن کا مہر دیکھا جائے گا اگر بہن نہ ہو تو چچازاد بہن کا ھکذا۔ چنانچہ بہنیں، بھتیجیاں، پھوپھیاں، چچا کی بیٹیاں اقرب ہیں، اگر عصبات میں عورتیں نہ ہوں جن کے مہر کو مہر مثل قرار دیا جائے تو ماں اور خالہ کے خاندان کی عورتوں کا مہر دیکھا جائے گا کیونکہ وہی زیادہ قریب کی رشتہ دار عورتیں ہیں، اگر ان دونوں قسم کی عورتوں میں سے کوئی عورت نہ ہو تو شہر کی عورتوں کا اعتبار کیا جائے گا اور ترجیحاً اس عورت کو دیکھا جائے گا جو اس عورت کے زیادہ مشابہ ہو۔

مالکیہ کے نزدیک عورت کے اقارب کے مہر مثل کا اعتبار ہوگا، اس عورت کے حال حسب ونسب اور مال وجمال کا اعتبار کیا جائے گا، مثلاً عورت کی سگی بہن کا جتنا مہر ہوگا یا باپ شریک بہن کا جتنا مہر ہوگا وہ مہر مثل ہے۔ ماں اور ماں شریک پھوپھی کے مہر کا اعتبار نہیں، کیونکہ یہ عورتیں بسا اوقات دوسری قوم کی عورتیں ہوتی ہیں۔

بالاتفاق تمام مذاہب میں دونوں عورتوں میں دینداری، مال وجمال، عقل، ودانش علم وادب، عمر، کنوارے پن، شوہر دیدگی (ثیبوبت) شہر اور حسب ونسب کی برابری کو دیکھا جائے گا، چونکہ خاندانوں میں ان چیزوں کو مفاخر میں سے سمجھا جاتا ہے۔

نکاح صحیح میں ان اوصاف کا اعتبار عقد کے دن کیا جائے گا اور نکاح فاسد میں وطی کے دن کیا جائے گا کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں مہر مثل طے پایا ہے۔

حنابلہ: کہتے ہیں اگر عورت کے قریبی رشتہ داروں کا رواج مہر میں تخفیف (کمی) کرنے کا ہو تو مہر میں تخفیف کا لحاظ رکھا جائے گا، اور اگر مہر میں ان کا رواج کثرت کا ہو (یعنی زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کا رواج ہو) تو پھر اسکا لحاظ نہیں رکھا جائے گا کیونکہ مہر کثیر کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اگر رشتہ داروں کا رواج مہر مؤجل رکھنے کا ہو تو مہر مؤجل رکھا جائے گا کیونکہ خاندان کی عورتوں کا یہی مہر ہے اگر خاندان کا رواج مہر مؤجل کا نہ ہو تو مہر نقدی مقرر کیا جائے گا۔ اگر خاندان کا رواج مختلف ہو کبھی نقدی رکھتے ہوں کبھی مؤجل کبھی کم کبھی زیادہ تو متوسط قسم کا مہر رکھا جائے گا چونکہ اس میں عدل وانصاف ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی مختلف صورتیں

مہر مثل واجب ہونے کی مختلف صورتیں......مندرجہ ذیل صورتوں میں عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

۱۔ نکاح تفویض......نکاح تفویض کا حاصل یہ ہے کہ عورت اپنا اختیار خاوند کو سپرد کردے، چنانچہ نکاح تفویض بشرطیکہ صحیح ہو اور اس میں مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا ایسی عورت کو اصطلاح میں مفوضہ (بکسر الواو) کہا جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح تفویض یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور نکاح میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو مفوضہ سے وہ عورت مراد ہوگی جو بلا مہر اپنا اختیار ولی اور خاوند کو سپرد کردے۔ مثلاً مرد عورت کے ولی سے کہے کہ فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کرادو ولی کہے: میں نے نکاح قبول کرلیا، اور دونوں عقد میں مہر کا ذکر نہ کریں، اگر خاوند نے عورت کے ساتھ صحبت کرلی یا مہر مقرر کرنے سے پہلے مر گیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور اگر صحبت سے پہلے عورت کو طلاق دے دی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا البتہ عورت کو بالاتفاق متعہ ملے گا۔ ⑪

مالکیہ کے نزدیک نکاح تفویض یہ ہے کہ ایسا عقد جسمیں مہر مقرر نہ ہو، مہر کے اسقاط کی شرط پر دخول نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی کے حکم پر مہر کی تفویض ہوگی۔ اگر زوجین نے اسقاط پر اتفاق کرتے ہوئے صحبت کرلی تو یہ نکاح تفویض نہیں ہوگا، بلکہ یہ نکاح فاسد ہوگا، بالفاظ دیگر نکاح تفویض کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ طرفین عقد کے وقت مہر متعین نہ کریں اور خاموش رہیں، اور تعین کا اختیار کسی ایک فریق کو سونپ دیا جائے یا کسی تیسرے آدمی کو تعین کا اختیار سونپا جائے، پھر مہر کی تعین سے قبل خاوند صحبت نہ کرے، اگر کسی ایک فریق نے مہر کی تعین کردی تو دوسرے فریق کو یہ مہر لازم ہوجائے گا بشرطیکہ مہر مثل ہو یا مہر مثل سے زائد ہو اور اگر مہر مثل سے کم ہو تو لازم نہیں ہوگا الا یہ کہ عورت اس پر رضامند ہو۔ ⑫

---

⑪......البدائع ۲/۲۷۴ الدرالمختار وردالمحتار ۲/۴۶۰ ⑫القوانین الفقھیة ۲۰۳ الشرح الکبیر ۲/۳۱۳ الشرح الصغیر ۲/۴۴۹۔

اور اگر خاوند راضی نہیں تو خاوند کو تین چیزوں میں اختیار حاصل ہوگا یا تو مہر مثل دے یا عورت کی تعیین پر راضی ہو جائے یا عورت کو طلاق دے دے اگر صحبت اور تعیین مہر سے پہلے خاوند مر گیا تو عورت کو مہر نہیں ملے گا ہاں البتہ اسے بالاتفاق میراث ملے گی۔

شافعیہ کے نزدیک تفویض کا معنی وہی ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے کہ عورت ملک بضع کا اختیار ولی یا خاوند کو سونپ دے۔ یا یہ کہ ولی اپنی بیٹی پر جبر کرتے ہوئے بغیر مہر کے نکاح کروا دے یا عورت اپنے ولی کو اجازت دے کہ ولی بغیر مہر کے اسکا نکاح کروا دے، پھر برابر ہے کہ ولی مہر کی تعیین سے خاموش رہے یا نفی مہر کی شرط لگا دے، تاہم ناسمجھ عورت کی تفویض صحیح نہیں ہوگی، صحیح قول کے مطابق نکاح تفویض کا حکم یہ ہے کہ عورت کے لئے مہر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اگر عقد سے عورت کے لئے مہر واجب ہوتا تو طلاق سے لامحالہ نصف ہو جاتا، البتہ زوجین جتنے مہر پر اتفاق کرلیں وہی مقرر ہو جائے گا۔ اور جو مہر مقرر ہو جائے گا وہ دخول اور موت سے استقرار پکڑ لیتا ہے اور پکا ہو جاتا ہے گویا یہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ عقد کے دوران طے کرلیا۔ جو مہر خاوند مقرر کرے گا اس کے لئے عورت کی رضامندی شرط ہوگی، اصح قول کے مطابق مہر مؤجل بھی مقرر کرنا جائز ہے مہر مثل سے زائد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اگر خاوند تعیین مہر سے انکار کردے یا زوجین کا اس پر جھگڑا ہو جائے تو قاضی مہر مثل مقرر کرے گا اگر عورت کے لئے مہر مقرر نہ کیا حتیٰ کہ خاوند نے اسے طلاق دے دی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا، جیسا کہ مالکیہ کا موقف ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/۲۳۷

اگر تم نے عورتوں سے صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دی حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقررہ مہر کا نصف واجب ہوگا

آیت سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ اگر مہر مقرر نہ ہو تو نصف مہر واجب نہیں ہوتا۔

اور اگر مہر مقرر نہ کیا ہو یہاں تک کہ خاوند نے صحبت کرلی تو مہر مثل پکا ہو جائے گا اگر زوجین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک تعیین مہر سے پہلے مر گیا تو ظاہر مذہب کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ امام نووی نے لکھا ہے، کیونکہ وطی مہر مقرر کرنے کے معاملہ میں موت کے مترادف ہے۔ نیز بروع بنت واشق نے بلا مہر نکاح کرلیا تھا پھر تعیین مہر سے پہلے ان کا خاوند مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مہر مثل کا فیصلہ کیا تھا اور میراث میں بھی اسے برابر کی حصہ دار قرار دیا۔ ❶

حاصل یہ ہوا کہ نکاح تفویض کی صورت میں محض عقد کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، بلکہ وطی کرنے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اور خاوند کی تعیین کی صورت میں عورت کی رضامندی شرط ہے اصح قول کے مطابق کسی تیسرے اجنبی شخص کی تعیین کا اعتبار نہیں، چونکہ اجنبی کی تعیین مقتضائے عقد کے خلاف ہے اگر وطی اور تعیین سے پہلے عورت کو طلاق دے دی تو عورت کو نصف مہر نہیں ملے گا۔ کیونکہ آیت کا مفہوم اسی مہر پر دلالت کرتا ہے اور تعیین مہر سے قبل خاوند کی موت واقع ہو جانے پر مہر مثل واجب ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک تفویض...... حنابلہ کے نزدیک تفویض کی دو انواع ہیں جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ ❷

۱۔ تفویض بضع...... جب باب نکاح میں مطلق تفویض کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد تفویض بضع ہوتا ہے، تفویض بضع کا حاصل یہ ہے کہ باپ اپنی بیٹی پر جبر کرتے ہوئے بلا مہر اسکا نکاح کرا دے یا خود عورت اپنے ولی کو اجازت دے کہ وہ بلا مہر اسکا نکاح کروا دے، برابر ہے کہ ولی مہر کی متعلق سکوت کرے یا مہر کی نفی کی شرط لگا دے، تاہم عقد صحیح ہوگا اور عورت کو مہر مثل ملے گا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً......البقرۃ ۲/۲۳۷

تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو طلاق دے دو جب تک کہ تم نے انھیں چھوا نہ ہو یا ان کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو۔

---

❶ رواہ ابوداؤد وغیرہ وقال الترمذی حسن صحیح۔ ❷ کشاف القناع ۱۷۴/۵ المغنی ۲/۷۱۲،

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا کما مر۔

تفویض مہر......اس کا حاصل یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ عورت کے چاہنے پر نکاح کرے یا اس شرط پر کرے جو خاوند چاہتا ہو یا ولی چاہتا ہو یا زوجین کے علاوہ کوئی اجنبی چاہتا ہو۔ یا ولی یوں کہے: میں نے اس عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دی اس شرط پر کہ جو ہم چاہتے ہیں یا ہمارے حکم پر ان تمام صورتوں میں نکاح صحیح ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ عورت نے مہر کے ہونے پر نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مہر مجہول ہے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ اگر عقد سے مہر واجب نہ ہو تو موت یا دخول سے واجب ہو جاتا ہے اور اگر خاوند مہر کی تعیین سے قبل صحبت کر لے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

اگر زوجین مکلّف اور سمجھدار ہوں اور وہ دونوں مہر کی تعین پر اتفاق کر لیں تو جس حد پر اتفاق کر لیں وہ واجب ہوگا گویا یہ مہر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ عقد کے دوران مقرر کر لیا ہو خواہ اس کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، اور اگر دونوں رضامند نہ ہوئے تو حاکم وقت مہر مقرر کریگا جسکی مقدار مہر مثل کے برابر ہو شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

اتفاق سے مقرر کردہ مہر یا قاضی کے فیصلہ سے مقرر مہر ایسا ہی تصور ہوگا جیسا کہ دوران عقد مقرر ہو قبل الدخول طلاق ہو جانے پر نصف مہر واجب ہوگا اس کے ساتھ متعہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ آیت کا عموم اسی کا مقتضی ہے:

وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۷

حالانکہ تم نے عورتوں کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقرر مہر کا نصف عورتوں کو ملے گا۔

اگر صحبت سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی مر گیا جبکہ مہر بھی مقرر نہ ہو تو جو فریق زندہ ہوگا وہ اس مہر میں وارث بنے گا اور مفوضہ کو مہر مثل ملے گا، اور اگر خاوند نے صحبت سے پہلے مفوضہ کو طلاق دیکر اپنے سے جدا کر دیا تو اسے صرف متعہ ملے گا۔

خلاصہ......بالاتفاق نکاح تفویض سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، اور اگر مہر مقرر نہ ہو اور عورت کو طلاق ہو جائے تو فقط متعہ واجب ہوتا ہے، صحبت سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، اگر دخول سے پہلے خاوند مر گیا یا مہر مقرر کرنے سے پہلے مر گیا تو جمہور کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا، اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک موت سے مہر مثل واجب نہیں ہوتا۔

۲۔مہر کے نہ ہونے پر اتفاق کر لینا......مثلاً ایک آدمی نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور یہ شرط رکھی کہ اسے مہر نہیں ملے گا عورت نے یہ شرط قبول کر لی تو صحبت سے عورت کو مہر مثل ملے گا اور جمہور کے نزدیک زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو بھی عورت کو مہر مثل ملے گا، جبکہ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ کیونکہ عدم مہر پر زوجین کا اتفاق باطل ہے اور مہر کے نہ ہونے کی شرط لگانا امر فاسد ہے اور شرط فاسد سے حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مہر کی نفی کرنے سے بھی نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

مالکیہ کہتے ہیں: جب زوجین اسقاط مہر پر اتفاق کر لیں تو عقد نکاح فاسد ہو جاتا ہے، لیکن صحبت کر لینے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، تاہم اگر خاوند نے طلاق دے دی یا زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو قبل از دخول کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

۳۔مہر کی غیر صحیح تعین......مثلاً مہر کے طور پر کوئی ایسی چیز مقرر کر لی جو سرے سے مال ہی نہ ہو جیسے مردار، گندم کا ایک دانہ، پانی کا ایک قطرہ اور اسی جیسی کوئی چیز جس سے کوئی نفع نہ اٹھایا جاتا ہو یا ایسی چیز مہر میں رکھ لی جو غیر متقوم ہو (یعنی تاجروں کے ہاں قیمتی چیز نہ سمجھی جاتی ہو) یا ایسی چیز مہر رکھی جو غرر پر مشتمل ہو جیسے شراب خنزیر بشرطیکہ زوجین دونوں مسلمان ہوں، اگر چہ زوجہ کتابیہ ہی کیوں نہ ہو۔ یا کسی ایسی چیز کو

مہر میں رکھ لیا جو مقدور التسلیم نہ ہو (یعنی بیوی کو سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے) یا ایسی چیز مہر میں رکھی جس میں فحش قسم کی جہالت ہو جہالت فاحشہ سے مراد ایسی جہالت ہوتی ہے جو نزاع اور جھگڑے پر منتج ہوتی ہو اور یہ حنفیہ کے نزدیک جنس یا نوع کے مجہول ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ ان سب صورتوں میں جمہور کے نزدیک صحبت ہو جانے کے بعد یا زوجین میں سے کسی ایک کے مرنے سے قبل الدخول مہر مثل واجب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر مہر میں ایسی چیز مقرر کر لی جسکا مہر ہونا صحیح نہ ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا اور عورت مہر مثل کی مستحق صرف صحبت ہو جانے کی صورت میں ہوتی ہے البتہ اگر دخول سے پہلے موت یا طلاق کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان تفریق ہوگئی تو عورت کے لیے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ ❶

مقررہ مہر (مسمّٰی) واجب ہونے کی صورت اور نکاح فاسد کی صورت میں کیا واجب ہوتا ہے:

اگر مہر کی تعیین (تسمیہ) صحیح ہو تو مقررہ مہر ہی واجب ہوتا ہے بشرطیکہ عقد صحیح ہو برابر ہے کہ مہر کی تعیین عقد کے دوران ہوئی ہو یا عقد کے بعد زوجین کی باہمی رضامندی سے ہوئی ہو۔

اگر فساد مہر کے علاوہ کسی اور سبب سے نکاح فاسد ہو جائے مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا ہو یا جیسے نکاح بشرط حلالہ یا نکاح مؤقت ہو تو دخول حقیقی سے مہر واجب ہوگا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے اسکا نکاح باطل ہے، اسکا نکاح باطل ہے اگر ناکح نے اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی تو اس نے اس عورت کی شرمگاہ جو حلال کی اس کے بدلہ میں عورت کو مہر ملے گا۔ ❷

لیکن کونسا مہر واجب ہوگا؟ اس کی تحدید میں فقہاء کی آرا مختلف ہیں۔ ❸

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: عورت کو مہر مثل ملے گا خواہ جہاں تک پہنچ جائے کیونکہ اس عورت کے حق میں مقررہ مہر ملحوظ نہیں رکھا گیا لہٰذا اس کے حق میں تعیین مہر معدوم کے درجہ میں ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مقررہ مہر سے تجاوز نہیں کرنے دیا جائیگا کیونکہ عورت مقررہ مہر پر راضی ہے۔

البتہ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر عورت سے کسی شبہ کی بنا پر وطی ہو جائے یا نکاح متعہ ہو تو عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مقررہ مہر سے زائد نہیں دیا جائے گا نکاح شغار میں بھی اسی طرح عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مسمّٰی سے زائد نہیں۔ چنانچہ واجب ہونے والا مہر مثل ہے کیونکہ نکاح صحیح ہے اسکا حکم ایسا ہے جیسے کسی نکاح میں تعین مہر فاسد ہو جائے جیسے پہلے گزر چکا ہے حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد میں خلوت سے مہر واجب نہیں ہوتا۔

مالکیہ کہتے ہیں نکاح شغار کی صورت میں صحبت ہو جانے پر عورت کو مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو اکثر ہوگا وہ ملے گا اور جب تسمیہ مہر (تعین مہر) فاسد ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے البتہ اگر تسمیہ مہر کے علاوہ کسی اور سبب سے عقد فاسد ہو جائے جیسے مثلاً نکاح بشرط حلالہ تو عورت کو دخول ہونے پر مقرر مہر ملے گا رہی بات وطی بشبہہ کی اس سے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے اور اگر ایک ہی نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر دیا ہو تو دخول ہونے پر ہر عورت کو مقررہ مہر ملے گا۔

---

❶ ......الشرح الصغير ٢/ ٤٤٠۔ ❷ رواه احمد واصحاب السنن الا النسائى عن عائشة (نيل الاوطار ٦/ ١١٨) ❸ البدائع ٢/ ٢٨٦ الدر المختار ٢/ ٤٥٧ اللباب ٣/ ٢٢، الشرح الصغير وحاشية الصاوى ٢/ ٤١٣ القوانين الفقهية ٢٠٤ مغنى المحتاج: ٣/ ٢٢٨ كشاف القناع ٥/ ١٧٩ المغنى ٦/ ٧٥٠

شافعیہ کہتے ہیں: وطی سے واجب ہونے والا مہر مہر مثل ہے جہاں تک بھی پہنچ جائے کیونکہ نکاح باطل کی صورت میں شریعت نے وطی ہونے کے بسبب عورت کے لئے مہر واجب کیا ہے نہ کہ عقد کے بسبب اور وطی سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب تسمیہ (تعیین مہر) فاسد ہو تو اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور مہر مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: نکاح فاسد میں دخول یا خلوت سے مقررہ مہر واجب ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث کے بعض طرق میں ہے عورت کو جو مہر دیا ہے (یعنی اس کے لیے جو مقرر کیا ہے) وہی ملے گا کیونکہ مرد نے اس سے صحبت کی ہے۔ ❶

خلاصہ.....نکاح صحیح میں منکوحہ کے لیے مہر واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد میں موطوہ کے لیے مہر واجب ہوتا ہے نکاح شبہ میں موطوءہ کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جس عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا ہو اس کے لئے بھی مہر واجب ہوتا ہے الا یہ کہ فساد نکاح کی صورت میں مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مقررہ مہر واجب ہوگا امام ابوحنیفہ اور شافعیہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا صاحبین کے نزدیک مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا، فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ وطی بشبہ سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، کیونکہ دار الاسلام میں وطی سے یا تو حد واجب ہوتی ہے یا مہر۔

ایک اہم مسئلہ.....حنیفہ کہتے ہیں: دار الاسلام میں وطی کرنے سے یا تو حد واجب ہوتی ہے یا مہر واجب ہوتا ہے البتہ اس عموم سے دو مسئلے مستثنیٰ ہیں۔ ❷

اول.....مراہق (قریب البلوغ) لڑکا اگر ولی کی اجازت کے بغیر شادی کر لے عورت کے ساتھ صحبت بھی کر لے اور اسکا باپ نکاح کو رد کر دے تو لڑکے پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ ہی مہر حد تو اس لیے واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ ابھی بچے کے حکم میں ہے، مہر اس لئے واجب نہیں ہوگا کیونکہ عورت کو علم ہے کہ بچے کا نکاح نافذ نہیں ہوتا۔ گویا عورت اپنا حق باطل کرنے پر راضی رہی ہے۔

دوم.....مثلاً ایک شخص نے اپنی باندی فروخت کر دی پھر خریدار کو سپرد کرنے سے پہلے فروخت کنندہ نے باندی کے ساتھ وطی کر لی تو فروخت کنندہ پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ ہی مہر۔ کیونکہ یہ وطی شبہ محل کی بنا پر ہوئی ہے کیونکہ باندی ابھی فروخت کنندہ کے قبضے اور ضمان میں ہے چنانچہ اگر باندی ہلاک ہو جائے تو فروخت کنندہ کی ملکیت میں لوٹ آئے گی جبکہ فقہ کا اصول ہے کہ الغرم بالغنم۔

پنجم: مہر کے متعلق صاحب حق.....اس ضمن میں اولاً حقوق کی دو قسمیں ہیں:

(۱).....وہ حقوق جو ابتدائی حالت میں مہر کے متعلقہ ہیں۔

(۲).....اور وہ حقوق جو حالت بقا میں مہر کے متعلقہ ہیں۔

وہ حقوق جو ابتدائی حالت میں مہر کے متعلقہ ہوں۔ ❸

اس قسم کے حقوق کی تین قسمیں ہیں، اللہ کا حق، زوجہ کا حق اور اولیاء کا حق۔

حق اللہ.....یہ مہر کا حق ہے جو عقد کے فوراً بعد واجب ہو جاتا ہے چنانچہ جو مہر مقرر کر لیا گیا ہو اس میں سے ایک روپیہ بھی کم یا زیادہ نہیں کیا جائے گا اور وہ حنفیہ کے نزدیک دس دراہم سے کم نہ ہو مالکیہ کے نزدیک ربع دینار یا تین دراہم سے کم نہ ہو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اقل مہر کی کوئی حد نہیں۔ اگر نکاح بلا مہر منعقد ہو گیا تو دخول سے مہر مثل واجب ہوگا اگر دخول نہیں ہوا تو مالکیہ کے نزدیک مہر دینے اور فسخ نکاح میں خاوند کو اختیار حاصل ہوگا۔

---

❶..... رواہ ابوبکر البرقانی وابومحمد الخلال باسنادھما ❷ الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۵۰۷۔ ❸ حالت ابتداء سے مراد نکاح کی بالکل ابتدائی حالت ہے اور حالت بقا سے مراد نکاح کے بحال رہنے کی حالت ہے۔

حق زوجہ..... عورت کے لئے مہر کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور قبضہ سے تمام ہو جاتی ہے اگر ولی نے مہر مثل سے کم پر عورت کا نکاح کروایا جبکہ عورت حنفیہ کے نزدیک رشیدہ (سمجھدار) ہو مالکیہ کے نزدیک مجبرہ (مجبور) نہ ہو تو اسے اس نکاح پر اعتراض کا حق حاصل ہوگا اگر عورت مجبرہ ہو یا عدیم الاہلیت ہو مثلاً نابالغ لڑکی ہو یا مجنونہ ہو اور اسکا نکاح اس کے باپ نے کروایا ہو تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے اعتراض کا حق نہیں ہوگا کما مر۔ ❶

حق اولیاء..... حنفیہ کے نزدیک حق اولیاء یہ ہے کہ مہر مہر مثل سے کم نہیں ہونا چاہئے چنانچہ اگر کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی نے خود اپنا نکاح مہر مثل سے کم کے ساتھ کر لیا تو حنفیہ کے نزدیک عصبات میں سے ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق حاصل ہوگا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ نکاح میں اگر مہر مہر مثل سے کم رکھا جائے تو اولیاء کو عار دلائی جاتی ہے اگر عورت اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہو تو اس سے ولی کا حق ساقط نہیں ہوتا اگر خاوند نے مہر مثل مکمل کر دیا تو پھر عقد لازم ہو جائے گا اور حق فسخ ساقط ہو جائے گا۔

وہ حقوق جو حالت بقاء میں مہر کے متعلق ہوں..... چنانچہ نکاح کے باقی رہنے کی صورت میں مہر عورت کا خالص حق ہوتا ہے اور اسکی ملکیت ہوتا ہے اس حق میں عورت کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا۔ عورت کو مہر (کے مال) میں من چاہا تصرف کرنے کا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے عورت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ حق مہر سے خاوند کو بری الذمہ قرار دے دے یا مہر اسے ہبہ کر دے۔

مہر کے کچھ حصہ کی ولی کا اپنے لئے شرط لگانا..... بنابراں شافعیہ کہتے ہیں ❷ اگر کسی شخص نے عورت کے ساتھ ایک ہزار روپے مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ عورت کے باپ کو ایک ہزار روپے دینے ہیں یا خاوند عورت کے باپ کو ایک ہزار عطیہ کرے گا چنانچہ شافعی مذہب میں دونوں صورتوں میں مہر فاسد ہو جائے گا، کیونکہ خاوند نے بضع کے مقابلہ میں بیوی کے علاوہ کسی اور کو مال دینے کا التزام کیا ہے لہٰذا مقررہ مہر فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

البتہ حنابلہ کہتے ہیں ❸ عورت کا باپ عورت کے مہر سے کچھ حصہ کی اپنے لئے شرط لگا سکتا ہے، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی شادی اپنی بیٹی سے کروائی اور بکریاں چروانے کی شرط اپنے لئے لگائی، نیز باپ اولاد کے مال کو لے سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بھی اور تمہارا مال بھی تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ حلال مال تمہاری کمائی کا ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے ❹ چنانچہ باپ کا لیا ہوا حصہ اور بیوی کے پاس رہنے والا بقیہ مال سبھی مہر تصور ہوگا باپ قبضہ کر لینے سے مالک بن جائے گا، اس میں شرط یہ ہے کہ باپ بیٹی کے مال کو تھیانا نہ چاہتا ہو اگر خاوند نے صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو خاوند دو ہزار کا نصف یعنی ایک ہزار واپس لے جبکہ باپ نے جو لیا ہوگا اس میں سے باپ پر کچھ نہیں ہوگا کیونکہ باپ نے بیٹی کا مال لیا ہے لہٰذا باپ پر رجوع نہیں کیا جائے گا بلکہ خاوند بیوی جو کہ باپ کی بیٹی ہے پر رجوع کریگا اگر بیوی نے مقررہ مہر پر قبضہ نہ کیا ہو کہ اس سے پہلے ہی خاوند اسے طلاق دے دے تو خاوند کے ذمہ سے نصف مہر ساقط ہو جائے گا اور بقیہ نصف عورت کے لئے باقی رہے گا بقیہ نصف سے باپ جتنا چاہے لے بشرطیکہ سارا مال تھیانا نہ چاہتا ہو۔

اگر باپ کے علاوہ کسی اور کے لئے مال لینے کی شرط لگادی گئی مثلاً دادا یا بھائی نے مہر سے کچھ حصہ لینے کی شرط لگادی تو مقررہ مہر صحیح ہوگا البتہ شرط لغو ہو جائے گی۔ اور سارا مہر عورت کی ملکیت میں جائے گا۔

ششم: مہر معجّل اور مہر مؤجل..... مہر معجّل سے مراد وہ مہر ہے جو بوقت عقد نقدی دے دیا جائے اور مہر مؤجل وہ ہے جو خاوند کے

---

❶..... الدر المختار ۲/ ۴۱۹ الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۳ مغنی المحتاج: ۳/ ۱۴۹ کشاف القناع ۵/ ۴۳ القوانین الفقھیة ۲۰۳ ❷ مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۶۔ ❸ کشاف القناع ۵/ ۱۵۱ المغنی ۶/ ۶۹۲ ❹ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن (نیل الاوطار ۶/ ۲۱)

ذمہ واجب رہے۔ فقہاء نے مہر مؤجل جائز قرار دیا ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں ❶ مہر کا مؤجل اور معجّل ہونا صحیح ہے خواہ پورا مہر مؤجل ہو یا اس کا کچھ حصہ خواہ مدت قریب کی ہو یا بعید کی یا طلاق ووفات کی مدت ہو چونکہ تقریباً سبھی اسلامی ممالک میں اسی کا رواج ہے۔ لیکن مہر موجل میں یہ شرط ہے کہ مدت تاجیل میں فاحش قسم کی جہالت نہ ہو مثلاً کوئی یوں کہے: میں نے تمہارے ساتھ ایک ہزار روپے پر شادی کر لی تاوقتیکہ میرے پاس مال آجائے یا کہے تاوقتیکہ ہوائیں چلنے لگیں یا کہے تاوقتیکہ بارش برسنے لگے چنانچہ مذکورہ شرائط کے ساتھ مہر مؤجل صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس میں فحش قسم کی جہالت ہے۔

اگر قسطوں کے ساتھ مہر ادا کرنے پر اتفاق ہو جائے تو اسی پر عمل کیا جائے گا کیونکہ کسی امر پر اتفاق کر لینا صریح کے قبیل میں سے ہے جبکہ عرف از قبیل دلالت ہے اور اصول یہ ہے کہ صریح دلالت سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اگر مہر مؤجل یا مہر معجّل میں سے کسی پر فریقین کا اتفاق نہ ہو تو اس شہر کے رواج پر عمل کیا جائے گا کیونکہ عرف میں جو چیز مشہور ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے۔

اگر اس شہر میں مہر معجّل یا مہر مؤجل میں سے کسی کا رواج نہ ہو تو مہر نقدی دینا ضروری ہوگا کیونکہ مسکوت شے معجّل کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ جونہی عقد نکاح مکمل ہوتا ہے مہر واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ مہر نکاح کے اثرات میں سے ہے چنانچہ جب مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو تو اصل پر عمل کیا جائے گا نکاح عقد معاوضہ ہے لہٰذا جانبین سے مساوات کی رعایت کی جائے گی۔

شافعیہ حنابلہ.....شافعیہ اور حنابلہ نے کل مہر یا مہر کے کچھ حصے کے موجل رکھنے کو جائز قرار دیا ہے ❷ کیونکہ مہر معاوضہ میں عوض ہوتا ہے، اگر عقد میں مہر کو مطلق رکھا تو نقدی دینا متعین ہے اور اگر مہر مؤجل رکھا لیکن مدت مجہول ہو جیسے مثلاً کہا زید کی آمد پر ادائیگی کر دے گا یا کہا بارش برسنے پر ادائیگی کر دے گا تو اس طرح کی مدت صحیح نہیں کیونکہ یہ مدت مجہول ہے اور اگر مہر مؤجل رکھا تاہم مدت مقرر نہ کی تو حنابلہ کے نزدیک مہر صحیح ہوگا اور بوقت فرقت یا بوقت موت ادائیگی ضروری ہوگی شافعیہ کے نزدیک مہر فاسد ہو جائیگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

مالکیہ نے مہر مؤجل میں قدرے تفصیل کی ہے ❸ چنانچہ کہتے ہیں مہر اگر کوئی متعین چیز ہو جو شہر میں موجود ہو جیسے گھر، کپڑا، جانور تو اسے بروز عقد نکاح عورت کو یا اس کے ولی کو سپرد کرنا واجب ہے، اس کی تاخیر جائز نہیں ہوگی اگرچہ عورت تاخیر پر رضامند ہو، اگر عقد میں تاجیل کی شرط لگا دی تو عقد فاسد ہو جائے گا ہاں البتہ اگر مدت قلیل ہو جیسے دو دن یا پانچ دن (ہفتہ) تو عقد جائز ہوگا عورت کے لئے تاجیل بلا شرط جائز ہے۔

اور اگر مہر متعین ہو لیکن شہر میں موجود نہ ہو تو اگر قبضہ کی مدت مقرر کر دی، اور مدت بھی قریب کی ہو تاکہ مال میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا ورنہ نکاح فاسد ہو جائے گا۔

اگر مہر غیر متعین ہو جیسے سونا چاندی (کاغذی کرنسی) مکیلی یا موزونی چیز ہو تو اسے مؤجل رکھنا جائز ہے خواہ سارے کا سارا مہر مؤجل ہو یا کچھ حصہ۔ دخول تک مہر کو مؤجل رکھنا جائز ہے بشرطیکہ وقت معلوم و متعین ہو جیسے گاہنے کا وقت، گرمی، پھل توڑنے کا وقت وغیرہ۔ بنابر ہذا جواز تاجیل کی دو شرطیں ہیں۔

اول..... یہ کہ مدت متعین ہو اگر مدت مجہول ہو مثلاً کہا موت تک مہر ادا کریگا یا فراق کو مدت ٹھہرایا تو اس صورت میں عقد کو فسخ کرنا واجب ہے، الا یہ کہ اگر دخول ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوگا۔

---

❶.....البدائع ۲/۲۸۸ الدر المختار ۲/۴۹۳۔ ❷مغنی المحتاج ۲۲۲/۳ کشاف القناع ۱۷۸/۵ المغنی: ۶/۶۹۳ ❸ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۲/۲۹۷ الشرح الصغیر ۲/۴۳۲۔

دوم ... یہ کہ مدت بعید نہ ہو جیسے کہہ دیا پچاس سال یا اس سے بھی زیادہ کیونکہ اس صورت میں غالب گمان مہر کے سقوط کا ہوتا ہے جبکہ اگر مہر معرض سقوط میں ہو تو نکاح فاسد ہوتا ہے۔

سوریہ کے قانون میں حنفیہ کے مذہب کو لیا گیا ہے۔

چنانچہ دفعہ ۵۵ میں ہے مہر کو معجل یا مؤجل رکھنا جائز ہے خواہ کل مہر ہو یا بعض کچھ حصہ صراحت نہ ہونے کی صورت میں رواج کو دیکھا جائے گا۔

دفعہ ۵۶ کے ذیل میں ہے کہ: اگر عقد میں کسی دوسری مدت کی صراحت نہ ہو تو مہر موجل بینونت پر منتج ہوتا ہے۔ یا بوقت وفات ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔

اگر خاوند مہر دینے سے عاجز و تنگدست ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا..... اگر خاوند مہر معجل دینے سے عاجز ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کسی حال میں بھی فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کر سکتی خواہ دخول سے پہلے ہو یا بعد ہاں البتہ عورت خاوند کو صحبت سے روک سکتی ہے اور خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے میکے جا سکتی ہے۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: ❷ اس صورت میں عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا صحیح یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک قبل از دخول اور بعد از دخول عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک قبل الدخول فسخ نکاح کا حق حاصل ہے بعد از دخول حق حاصل نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مہر موجل کی شرط لگائی گئی ہو اور کل مہر موجل ہو اور مدت بھی متعین مثلاً کہا ایک سال میں دے دے گا، پھر اگر خاوند نے مدت پوری ہونے سے قبل دخول کی شرط لگائی تو عورت کو صحبت سے انکار کرنے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر خاوند نے دخول کی شرط نہیں لگائی تو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو صحبت سے انکار کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ جب عورت اپنا سارے کا سارا مہر مؤجل رکھنے پر راضی ہے تو وہ مہر معجل کے اسقاط پر بھی راضی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عورت مہر مؤجل کی مدت پوری ہونے تک صحبت سے انکار کر سکتی ہے کیونکہ مرد استمتاع کے متعلق اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے استحساناً فتویٰ اسی قول پر دیا جاتا ہے۔

ولی کا مہر کا ضامن بننا..... حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر ولی یا عورت کا وکیل مہر کا ضامن بن جائے تو اس کی ضمانت درست ہوگی، کیونکہ ولی یا وکیل التزام کی اہلیت رکھتا ہے اور ولی یا وکیل عقد نکاح میں معبر یا سفیر ہوتا ہے اسی لئے عقد نکاح کے حقوق اصل کی طرف راجع ہوتے ہیں عورت کو مہر کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا چاہے خاوند سے مہر کا مطالبہ کرے یا ولی سے مطالبہ کرے اگر ولی اپنی طرف سے مہر ادا کر دے تو وہ خاوند سے اس کے بقدر مال لے لے کیونکہ کفالت میں یہی اصول مقرر ہے۔ ❸

ہفتم: مہر پر قبضہ کرنا اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات..... مہر پر قبضہ کرنا عورت کا خالص حق ہے وہ مہر قبضہ کرنے کی آڑ میں صحبت سے انکار بھی کر سکتی ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں ❹ عورت کو حق حاصل ہے کہ مہر معجل پر قبضہ کرنے سے دخول سے انکار کر دے یا خاوند کے گھر جانے سے انکار کر دے یہاں تک کہ مہر معجل پورے پر قبضہ کر لے اور اگر خاوند کے گھر میں جا چکی ہو تو بھی صحبت سے انکار کر سکتی ہے کیونکہ مہر عوض ہے جیسے بیع میں ثمن مبیع کا عوض ہوتا ہے۔ لہٰذا عورت مہر لینے سے قبل صحبت سے انکار کرنے کا حق رکھتی ہے، اور اگر عورت نے مہر معجل پورے پر قبضہ کر لیا

---

❶ ... الدر المختار ۴۹۲/۲ کشاف القناع ۱۸۳/۵ ❷ الشرح الصغیر ۴۳۴/۲ المهذب ۶۱/۲ بداية المجتهد ۵۱/۲۔
❸ الكتاب مع اللباب ۲۲/۳ الدر المختار ۴۹۰/۲ فتح القدير: ۴۷۱/۲ ❹ البدائع ۲۸۸/۲

تو اب صحبت سے انکارنہیں کرسکتی۔

اور اگر خاوند نے صحبت کرلی ہو جبکہ عورت عاقلہ بالغہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب بھی صحبت سے انکار کرسکتی ہے حتیٰ کہ مہر معجّل پر قبضہ کرلے، عورت مہر معجّل پر قبضہ کرنے کی آڑ میں شہر سے باہر سفر کرنے سے بھی انکار کرسکتی ہے یا دوسری جگہ منتقل ہونے سے بھی انکار کرسکتی ہے۔

اور اگر خلوت ہوچکی ہو یا بلکہ وطی بھی ہوچکی ہو تو گویا ماضی میں عورت اپنا حق ساقط کرنے پر راضی رہی اور اب مستقبل میں صحبت اور دواعی صحبت سے انکار کرسکتی ہے تاوقتیکہ پورے مہر معجّل پر قبضہ کرلے۔ اسی طرح خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے بھی انکار کرسکتی ہے کیونکہ حق ماضی کے اسقاط سے مستقبل کا حق ساقط نہیں ہوتا۔

صاحبین کے نزدیک اگر صحبت ہوچکی ہو اور عورت نے انکار نہ کیا ہو تو اب وہ صحبت سے انکار نہیں کرسکتی کیونکہ ایک مرتبہ کی صحبت یا خلوت صحیح کے ضمن میں عورت نے جمیع عقود علیہ (ملک بضع) اپنی رضامندی سے سونپ دی اور عورت معقود علیہ سونپنے کی اہلیت رکھتی ہے لہٰذا اب صحبت سے انکار کرنے کا حق باطل ہوگیا۔ کیونکہ وطی کی رضامندی اسقاط حق کی رضامندی ہے اب اگر صحبت سے انکار کرےگی تو نشوز (نافرمانی) کی مرتکب ہوگی اور حق نفقہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

مالکیہ کا مذہب صاحبین کے مذہب کے موافق ہے چنانچہ کہتے ہیں ❶ عورت اگرچہ عیب دار ہو اور خاوند اس عیب سے راضی ہو وہ خاوند کو دخول سے قبل صحبت، خلوت اور ساتھ سفر کرنے سے روک سکتی ہے یہاں تک کہ خاوند اسے مہر معجّل سپرد کردے مہر مؤجل کی مدت پوری ہونے پر بھی عورت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے جبکہ عورت کو وطی ہوجانے کے بعد اور قبضہ سے پہلے صحبت سے انکار کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا خواہ خاوند مالدار ہو یا تنگدست البتہ عورت کو صرف مطالبہ کا حق حاصل ہوگا اور عدالت میں دعویٰ کرسکتی ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے بھی صاحبین کی رائے جیسی ہے رہی بات حنابلہ کی سوانھوں نے دخول اور خلوت میں موافقت کی ہے، رہی بات شافعیہ کی سوانھوں نے دخول میں موافقت کی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر عورت مفوضہ ہو تو وہ مہر معجّل کو قبضہ کرنے کے لئے صحبت سے انکار کرسکتی ہے مہر مؤجل کے لئے انکار نہیں کرسکتی، اور اگر خاوند کو نفس سپرد کرنے سے پہلے مدت پوری ہوجائے تو اصح مذہب کے مطابق عورت کو انکار کا حق نہیں ہوگا کیونکہ مدت پوری ہونے سے پہلے تمکین صحبت واجب ہے، حق کی مدت پوری ہونے سے وجوب ختم نہیں ہوتا اگر خاوند نے عورت کی رضامندی سے صحبت کردی جبکہ عورت عاقلہ، بالغہ اور مختارہ ہو تو اب اسے انکار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بائع تبرع کرتے ہوئے مبیع سپرد کردے تو وہ مبیع کو روکنے کے لئے واپس نہیں لے سکتا۔ البتہ عورت سے اگر جبراً وطی کی گئی یا عورت نابالغہ ہو یا مجنونہ ہو تو اسے انکار کا حق حاصل ہوگا کیونکہ عورت نے اپنے اختیار سے اپنے نفس کی تمکین نہیں دی۔

اور اگر عورت نے مدت سے پہلے مہر کا مطالبہ کردیا اور خاوند کو صحبت کا اختیار دے دیا تو بھی آئندہ صحبت سے انکار کا حق رکھتی ہے۔

اور خاوند نے مدت پوری ہونے سے پہلے مہر دے دیا تو عورت پر واجب ہے کہ وہ خاوند کو صحبت کرنے کا اختیار دے، اگر بلاعذر عورت نے صحبت سے انکار کردیا تو خاوند مہر واپس نہیں لے سکتا کیونکہ مدت سے پہلے مہر دینے کا خاوند نے تبرع کردیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے قرضہ مدت سے پہلے دے دیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں: دخول سے قبل عورت کو انکار کا حق حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ مہر موجل جس کی مدت پوری ہوچکی ہو قبضہ کرلے یا مہر معجّل قبضہ کرلے عورت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ نقدی مہر کا مطالبہ کرے اگرچہ عورت صحبت کے قابل نہ ہو۔

---

❶......الشرح الصغیر ۲/۴۳۴ القوانین الفقہیۃ ۲۳۴ الشرح الکبیر ۲/۲۹۷۔

اگر خاوند نے جبراً بیوی کے ساتھ وطی کر لی جبکہ مہر معجل ابھی خاوند نے نہ دیا ہو تو عورت کے انکار کا حق ساقط نہیں ہوگا جیسے کہ شافعیہ کہتے ہیں کیونکہ جبراً وطی کالعدم کے درجہ میں ہے۔

جب اس صورت میں عورت خاوند کو اپنے اوپر اختیار دینے سے انکار کر سکتی ہے اسے یہ بھی حق ہے کہ خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کرے، عرصہ انکار کے دوران اگر عورت صحبت کے قابل ہو تو اس عرصہ کا نفقہ اسے ملے گا اگر چہ خاوند تنگ دست ہو اور مہر نہ دے سکتا ہو کیونکہ عورت کا احتباس تو خاوند کی طرف سے ہے۔

اگر مہر موجل ہو تو عورت صحبت سے انکار نہیں کر سکتی۔ کیونکہ عورت کو مہر موجل کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں اور اگر دخول سے قبل مہر مؤجل کی مدت پوری ہو جائے تو عورت کو صحبت سے انکار کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے، کیونکہ تسلیم نفس عورت پر واجب ہو چکا، اب اگر انکار کرے گی تو اسے خرچہ نہیں ملے گا کیونکہ وہ نافرمان ہو چکی۔

ایک اہم مسئلہ...... شافعیہ اور حنابلہ نے ایک اہم مسئلہ کے متعلق بحث کی ہے وہ یہ کہ اگر زوجین میں سے ہر ایک اپنی واجب ذمہ داری ہونے سے انکار کر رہا ہو یعنی مرد عورت کو مہر دینے سے انکار کرتا ہو اور عورت خاوند کو اپنے نفس پر تمکین دینے سے انکار کرتی ہو اور دونوں واجب ذمہ داری کو مد مقابل کے اپنے حق پر معلق کرتے ہوں یعنی مرد کہتا ہو کہ پہلے عورت صحبت کا اختیار دے پھر وہ اسے مہر دے گا اور عورت کہتی ہو پہلے خاوند اسے مہر دے پھر وہ صحبت کا اختیار دے گی، تاہم شافعیہ کے نزدیک دونوں پر جبر کیا جائے گا خاوند کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کسی عادل شخص کے پاس مہر رکھے اور عورت کو حکم دیا جائے گا کہ وہ خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے، چنانچہ جب عورت خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے دے تو عادل شخص مہر بھی عورت کے سپرد کر دے۔

حنابلہ کہتے ہیں: اولاً خاوند پر جبر کیا جائے گا کہ وہ مہر سپرد کرے پھر عورت کو تمکین کے لئے مجبور کیا جائے گا کیونکہ اگر اولاً عورت کو مجبور کیا جائے تو اس میں ملک بضع کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔

خلاصہ...... اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت قبل از دخول مہر پر قبضہ کرنے کے لئے صحبت سے انکار کر سکتی ہے البتہ مہر مؤجل کی صورت میں اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا بعد از دخول صحبت سے انکار کرنے کے متعلق اختلاف ہے اور فقہاء کی دو آراء ہیں امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عورت کو انکار کا حق حاصل ہوگا جمہور کہتے ہیں عورت کو انکار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

مہر پر قبضہ کون کرے گا؟...... سمجھدار عورت خود مہر پر قبضہ کرے گی اور وہی اس میں تصرف کرے گی تاہم شریعت نے عرف ورواج پر عمل کرنے کی بھی تاکید کی ہے کہ اگر رواج کے مطابق باپ یا دادا نے مہر پر قبضہ کر لیا تو اس کا قبضہ نافذ العمل ہوگا ہاں البتہ اگر خود عورت ولی کو قبضہ کرنے سے روک دے تو پھر ولی قبضہ نہیں کر سکتا، سوریہ کے قانون دفعہ ۶۰ میں بھی اسی شق کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور اگر عورت سمجھدار نہ ہو مثلاً چھوٹی نابالغ لڑکی ہو یا بیوقوف یا سفیہ یا جنون کی وجہ سے اس پر حجر (پابندی) ہو تو اس کے مال کا جو ولی ہو وہی اس کے مہر پر قبضہ بھی کرے حنفیہ کے نزدیک مال کے ولی یہ لوگ ہو سکتے ہیں باپ، اس کا وصی، پھر دادا، پھر اسکا وصی پھر قاضی اور پھر قاضی کا وصی۔

مالکیہ کہتے ہیں: عورت کا ولی اجبار باپ یا اسکا وصی ہوتا ہے، اور اسی کو مہر پر قبضہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اگر عورت کا ولی اجبار نہ ہو اور عورت رشیدہ (سمجھدار) ہو تو وہی مہر پر قبضہ کرے گی یا اسکا وکیل قبضہ کرے، اگر عورت سفیہ (بے وقوف) ہو تو اس کے مال کا جو ولی (سرپرست) ہو وہی اس کے مہر پر بھی قبضہ کرے اگر عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو قاضی اسکا ولی ہوگا اور وہی اس کا مہر قبضہ کرے۔

مہر میں تصرف...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اپنے مہر میں ہر طرح کا تصرف کر سکتی ہے، اسکا تصرف نافذ ہوگا کیونکہ مہر اسکی

ملکیت ہے اور ہر شخص اپنی ملکیت میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔

ہشتم: مہر میں کمی بیشی کرنا.....عقد نکاح ہوجانے کے بعد بسا اوقات مہر میں اضافہ کردیا جاتا ہے اور بسا اوقات کمی کردی جاتی ہے۔

مہر میں اضافہ کرنا.....حنفیہ کہتے ہیں: اگر سمجھدار خاوند یا نابالغ لڑکے کا ولی (باپ یا دادا) عقد نکاح کے بعد مقررہ مہر میں اضافہ کردیں اور طرفین اس اضافے پر رضامند ہوں تو وطی ہوجانے سے اضافہ لازم ہوجائے گا یا عورت مرگئی تو بھی لازم ہوگا، گویا اضافی مہر اصل مہر کا حصہ تصور ہوگا اور موت یا دخول سے موکد اور لازمی ہوجاتا ہے اگر صحبت سے پہلے طلاق ہوجائے تو جمہور (حنفیہ کے علاوہ) کے نزدیک اضافہ بھی نصف ہوجائے گا جیسے اصل مہر نصف ہوجاتا ہے۔

البتہ یہ اضافہ مندرجہ ذیل شرائط جنکی وضاحت حنفیہ نے کی ہے سے لازم ہوگا۔

(۱).....یہ کہ خاوند عقلمند (رشید) اور سمجھدار ہو کیونکہ مقررہ مہر پر اضافہ درحقیقت تبرع ہوتا ہے اور تبرع اسی شخص کا مقبول ہوتا ہے جو تبرع کا اہل ہو۔

(۲).....یہ کہ اضافہ معلوم و متعین ہو۔ اگر اضافہ مجہول ہو مثلاً کہا کہ میں تمہیں کچھ زائد مہر دوں گا تو یہ اضافہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ جہالت کا اعتبار نہیں۔

(۳).....یہ کہ اضافہ حقیقۃً نکاح باقی رہنے کی صورت میں ادا کردیا جائے یا حکماً نکاح باقی رہنے کی صورت میں یعنی عدت کے دوران عورت کے سپرد کردیا جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ بیوی کے مرجانے کے بعد بھی اضافہ صحیح ہے اسی طرح طلاق بائن اور طلاق رجعی کی عدت گزر جانے کے بعد بھی اضافہ صحیح ہے۔

(۴).....یہ کہ بیوی اضافے کو قبول کرے اگر عورت نابالغ ہو یا مجنون ہو تو اسکے ولی کا قبول کرنا شرط ہے کیونکہ یہ اضافہ ہبہ ہے اور ہبہ میں قبول ضروری اور شرط ہے۔

عقد کے بعد مہر میں اضافہ کرنے کی صورت میں حنابلہ کا حنفیہ کی رائے سے اتفاق ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عقد کے ساتھ اضافہ ملحق نہیں ہوگا اگر خاوند نے مہر میں اضافہ کیا تو وہ اضافہ ہبہ کی شرائط کا محتاج ہے اگر ہبہ کے بعد خاوند نے عورت کو طلاق دے دی تو اضافہ میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ خاوند مقررہ مہر کے عوض بضع کا مالک بن جاتا ہے، لہٰذا اضافہ کے بدلہ میں معقود علیہ کا کوئی حصہ حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا اضافہ عقد نکاح میں عوض نہیں ہوتا یہ ایسا ہی ہے جیسے خاوند بیوی کو کوئی چیز ہبہ کردے۔ ❶

حنابلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ......النساء: ۴/ ۲۴

اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرلو تو اس میں کوئی گناہ نہیں دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عقد کے بعد کا زمانہ مہر مقرر کرنے کا زمانہ (وقت) ہوتا ہے لہٰذا اضافہ ایسا ہی ہے جیسے حالت عقد کا مہر اسی نکتہ سے نکاح اور بیع واجارہ میں فرق ہوجاتا ہے۔

مہر میں کمی کرنا اور مہر سے بری الذمہ کرنا.....حنفیہ کی رائے ہے کہ: ❷

سمجھدار عورت کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرض الموت میں مبتلا نہ ہو کہ وہ عقد نکاح کے تمام ہونے کے بعد کل مہر خاوند کو چھوڑ دے یا مہر میں سے کچھ کمی کردے برابر ہے کہ خاوند اس کمی کو قبول کرے یا نہ کرے ہاں البتہ یہ کمی رد کرنے سے رد ہوجائیگی۔ جبکہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو اسکا باپ مہر میں کمی نہیں کرسکتا اور اگر عورت بالغ ہو اور اسکا باپ مہر میں کمی کرے تو عورت کی اجازت پر کمی موقوف رہے گی اسکی رضامندی ضروری ہے۔ ❸

❶.....المغنی ۶/ ۷۴۴ ❷الدر المختار وابن عابدین ۲/ ۴۶۴ ❸الدر المختار وابن عابدین ۲/ ۴۶۴۔

لیکن حنفیہ نے مہر میں کمی کرنے کی نوعیت کے اعتبار سے ابراء اور ہبہ میں فرق کیا ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: ابراء صرف اسی دین میں ہوتا ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے نقدی مال، مکیلی اشیاء موزونی اشیاء۔ کیونکہ دیون ذمہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے دستبرداری ابراء سے ہوتی ہے اس میں قبول شرط نہیں بلکہ عدم رد اس میں کافی ہے بسا اوقات منت احساں کو گراں بار سمجھتے ہوئے بھی ابراء کورد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مہر میں کمی کرنا بطور ہبہ تملیک نہیں بلکہ وہ تو اسقاط ہے جو مرد کے لئے ابراء ہے البتہ اگر ابراء کسی متعین چیز پر وارد ہو تو مہر میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوگا بلکہ مہر خاوند کے پاس امانت ہوگا، اگر ہلاک ہو گیا تو خاوند پر ضمان نہیں ہوگا کیونکہ ابراء اعیان کی تملیک کے لئے صریح الفاظ میں سے نہیں ہے لہٰذا ضمان کی نفی پر محمول ہوگا۔

لیکن اگر ابراء سے بیوی کی مراد خاوند پر جو کچھ ہو وہ کل یا اسکا کچھ حصہ معاف کرنا ہو تو عصر حاضر میں لوگ فقہی اصطلاحات سے ناواقف ہیں اور تمیز نہیں کر سکتے اس لیے ابراء کو تملیک قرار دینا ممکن ہے اسکا حکم ہبہ کا حکم ہے۔

رہی بات مہر ہبہ کرنے کی سو وہ صحیح ہے خواہ مہر دین ہو یا عین (متعین چیز) جیسے گھر، جانور یا متعین کپڑا خواہ ہبہ قبضے سے پہلے ہو یا بعد البتہ مجلس میں خاوند کا قبول کرنا ضروری ہے، اسکا خاموش رہنا کافی نہیں ہوگا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر عورت اپنے خاوند کو کل مہر ہبہ کر دے حالانکہ ابھی صحبت نہ ہوئی ہو تو عورت پر رجوع نہیں کیا جائے گا۔ ❶

شافعیہ کا مذہب ہے کہ ❷ ولی اپنی زیر ولایت عورت کے مہر کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، بلکہ شافعیہ کا جدید قول عام دیون کی طرح ہے کیونکہ عقد نکاح کے بعد ولی کے لئے کوئی کلام باقی نہیں رہتا، اگر عورت اپنے خاوند کو مہر سے بری الذمہ کر دے پھر خاوند اسے صحبت سے پہلے طلاق دے دے تو شافعی مذہب کے مطابق خاوند عورت پر رجوع نہیں کر سکتا، جیسا کہ ہبہ کے متعلق شافعیہ کا مذہب ہے، کیونکہ عورت نے خاوند سے مال نہیں لیا اور نہ ہی کوئی اور چیز لی یہ متعین چیز کے ہبہ کے برخلاف ہے چنانچہ عورت اگر اپنے خاوند کو متعین مہر جیسے متعین گھر اور متعین جانور دے تو اگر دخول سے قبل عورت کو طلاق دی ہو تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک باپ یا کوئی اور اپنے زیر سرپرستی عورت کے مہر کو معاف نہیں کر سکتا کیونکہ ولی کے ہاتھ میں تو عقد نکاح ہوتا ہے اور اگر عورت اپنے خاوند کو مہر معاف کر دے حالانکہ اس عورت کو تصرف کی اجازت حاصل ہو تو خاوند مہر سے بری الذمہ ہو جائے گا برابر ہے کہ عورت مہر کی دستبرداری کے لئے معاف کرنے کا لفظ بولے یا ساقط کرنے کا یا معاف کرنے کا یا صدقہ چھوڑنا وغیرھا۔

اگر مفوضہ خاوند کو بری الذمہ کر دے پھر دخول سے پہلے اسے طلاق ہو جائے تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔

سوریہ کے قانون میں حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے کہ مہر میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، چنانچہ دفعہ ۵۷ میں صراحت ہے عقد کے بعد خاوند مہر میں اضافہ کر سکتا ہے اور عورت مہر میں کمی کر سکتی ہے بشرطیکہ مرد اور عورت تصرف کی کامل اہلیت رکھتے ہوں، اگر دوسرا فریق کمی بیشی کو قبول کر لے تو اصل مہر کے ساتھ ملحق ہوگا۔

پھر ۱۹۷۵ء میں اس دفعہ میں یوں ترمیم کی گئی۔

کسی قسم کے اضافہ اور کمی کا مہر سے ہونے کا اعتبار نہیں یا زوجیت کے قائم ہوتے ہوئے مہر سے ابراء ہو یا عدت طلاق کے دوران ابراء ہو تو یہ ابراء باطل ہوگا بشرطیکہ قاضی دخل نہ دے اگر ان تصرفات کو دوسرا فریق قبول کرے اور قاضی کے روبرو اسکا اعتراف ہو جائے تو اصل عقد کے ساتھ ملحق سمجھا جائے گا۔

نہم: وجوب مہر کے احوال، مہر کا مؤکد ہونا تنصیف اور سقوط مہر:

وجوب مہر...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ محض عقد سے ہی مہر واجب ہو جاتا ہے ❸ اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو مقررہ مہر واجب ہوتا ہے

---

❶ القوانين الفقهية ۲۰۳ بداية المجتهد ۲/۲۵ ❷ مغنى المحتاج: ۳/۲۴۰۔ ❸ البدائع ۲/۲۸۷ الشرح الكبير ۲/۳۰۰ القوانين الفقهية ۲۰۲ المهذب ۲/۵۷ كشاف القناع ۵/۱۵۶ الشرح الصغير ۲/۴۴۰

اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو۔❶

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے عورت عقد نکاح کے طے ہونے سے ہی مقررہ مہر کی مالک بن جاتی ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو البتہ مالکیہ کی ایک رائے یہ ہے کہ عورت عقد سے نصف مہر کی مالک بن جاتی ہے۔

اگر نکاح فاسد ہو یا کسی مرد کو یہ کہہ کر کوئی عورت زفاف کے لئے دی جائے کہ یہ تمہاری بیوی ہے (یعنی وطی بشبہ ہو) تو مہر مثل واجب ہوگا۔ یہ وجوب مؤکد ہوگا اسکی ادائیگی ضروری ہے الا یہ کہ عورت خاوند کو بری الذمہ کر دے۔

مہر کا مؤکد ہونا...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد صحیح میں وجوب مہر دخول سے یا موت سے مؤکد ہو جاتا ہے برابر ہے کہ مہر مثل ہو یا مقرر ہو حتی کہ اس کے بعد مہر ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ عورت خاوند کو بری الذمہ کر دے۔

دو چیزوں کے ساتھ مہر کے مؤکد ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں۔ خلوت صحیحہ از فاف کے بعد سال بھر تک بیوی کا مقیم رہنا بغیر صحبت کے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: خلوت صحیح سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: زفاف کے بعد سال بھر تک بغیر وطی کے عورت کے مقیم رہنے سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔

حنابلہ نے ایک اور چیز کا اضافہ کیا ہے کہ مرض الموت میں اگر خاوند بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دے دے تو بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔❷

ان اسباب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ دخول حقیقی...... دخول حقیقی سے مراد وطی یا جنسی ربط و اتصال ہے اگر چہ یہ ربط حرام ہو خواہ آگے کے راستہ سے ہو یا پیچھے کے راستہ سے جس کی مقدار یہ ہے کہ حشفہ (آلہ تناسل کا کٹا ہوا حصہ) شرمگاہ میں چھپ جائے خواہ عورت حالت حیض یا نفاس میں کیوں نہ ہو یا خواہ روزے میں یا احرام میں ہو یا اعتکاف میں ہو، چنانچہ دخول حقیقی سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے یعنی مرد کے ذمہ مہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے کیونکہ مرد مہر کے مقابل چیز یعنی بضع سے نفع اٹھا لیتا ہے اس لئے پورے مہر میں عورت کا حق موکد ہو جاتا ہے برابر ہے کہ عقد میں مہر مقرر کیا گیا ہو یا عقد کے بعد باہمی رضامندی سے مقرر کر لیا گیا ہو۔ یا قاضی کے حکم سے مہر طے ہوا ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ كَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ...... النساء: ۲۱/۴

اور تم مہر کیسے واپس لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے (یعنی خاوند بیوی سے) جنسی خواہش پوری کر چکے۔

جب دخول سے مہر پکا ہو جاتا ہے تو اسکے سقوط کا امکان نہیں الا یہ کہ حقدار (یعنی عورت) کو ادائیگی کی جائے یا یہ کہ عورت خاوند کو بری الذمہ کر دے۔

۲۔ زوجین میں سے کسی ایک کا مر جانا...... نکاح صحیح ہو اور دخول سے پہلے زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو مہر کا وجوب پکا ہو جاتا ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت صحیحہ سے پہلے اگر کوئی مر جائے تب بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔ اگر مہر مقرر ہو نکاح بھی صحیح ہو اور دخول سے قبل زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو بالاتفاق عورت مہر کی مستحق ہو جاتی ہے، کیونکہ موت سے عقد فسخ نہیں ہوتا

---

❶ ...... یعنی خاوند کو بیوی کے ساتھ اس طرح کی تنہائی مل جائے کہ صحبت کے لئے کوئی اور چیز مانع نہ ہو ❷ البدائع ۲۹۱/۲ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۳۰۰/۲ الشرح الصغیر ۲۳۷/۲، المهذب ۵۷/۲ کشاف القناع ۱۶۱/۵ مغنی المحتاج ۲۲۴/۳ المغنی ۷۱۳/۶ الشرح الصغیر ۴۴۹/۲.

بلکہ موت سے عقد منتہی ہوتا ہے نکاح تفویض جس میں مہر مقرر نہ ہو کے بعد زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے تو مالکیہ کے نزدیک اس میں کچھ نہیں ہوگا مالکیہ نے اس صورت کو اس حالت پر قیاس کیا ہے کہ جب مہر مقرر نہ ہو اور طلاق قبل از دخول ہو جائے۔

جمہور کے نزدیک نکاح تفویض میں مہر مثل واجب ہوگا جمہور کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا اور صحبت بھی نہیں ہوئی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت کو مہر مثل ملے گا اس میں کمی بیشی نہ کی جائے، عورت پر عدت ہوگی اور وراثت سے اسے حصہ ملے گا اس فیصلے پر حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا۔ ❶

نیز نکاح ایسا عقد ہے جس کی مدت عمر ہوتی ہے لہٰذا کسی ایک کی موت سے یہ عقد انتہاء کو پہنچ جاتا ہے جیسے موت سے اجارہ منتہی ہو جاتا ہے، اور جب مہر پکا ہو جائے تو فسخ نکاح سے ساقط نہیں ہوتا یہی رائے راجح ہے چونکہ اس کے دلائل قوی ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رائے کو صحت حدیث پر معلق کیا ہے اور انھوں نے موت اور طلاق میں فرق کیا ہے کیونکہ موت سے عقد نکاح انتہاء کو پہنچ جاتا ہے رہی بات طلاق کی سو تمام نکاح سے قبل ہی قطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے تو دخول سے قبل عدت واجب ہوتی ہے جبکہ طلاق سے واجب نہیں ہوتی۔

کیا قتل بھی موت کے حکم میں ہے...... اگر کوئی اجنبی زوجین میں سے کسی ایک کو قتل کردے یا زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو قتل کردے یا میاں بیوی میں سے کوئی ایک خودکشی کرلے تو اسکا حکم موت جیسا ہے اس سے بھی مہر پکا ہو جاتا ہے کیونکہ نکاح اپنی انتہاء کو پہنچ گیا لہٰذا موت منافع کی وصولی کے قائم مقام ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے کہ جب عورت خودکشی کرلے تو وہ مہر کی حقدار نہیں ہوگی کیونکہ خودکشی ارتداد کے مترادف ہے جبکہ ارتداد سے مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

جمہور نے اس کا جواب دیا ہے کہ خودکشی کو ارتداد پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ حالت ردت میں مہر کا تعلق عورت کے سوا کسی اور سے نہیں ہوتا لہٰذا عورت اپنے فعل سے ساقط کرسکتی ہے رہی بات قتل کی سو اس میں مہر سے ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے لہٰذا عورت کے اپنے ذاتی فعل سے مہر ساقط نہیں ہوگا۔

اگر عورت اپنے خاوند کو عمداً قتل کردے تو کیا مہر کی مستحق ہوگی یا نہیں...... اگر صحبت سے پہلے عورت جان بوجھ کر اپنے خاوند کو قتل کردے تو کیا مہر کی مستحق ہوگی یا مہر ساقط ہو جائے گا، چنانچہ فقہاء کی دو آراء ہیں۔

۱۔ **حنابلہ اور حنفیہ**...... کہتے ہیں کہ عورت کا حق مہر ساقط نہیں ہوگا بلکہ قتل سے پورا مہر مؤکد ہو جاتا ہے، کیونکہ شرعاً قتل عمد کی جزاء قصاص ہے اور قتل عمد سے مہر کے سقوط پر دلیل وارد نہیں ہوئی۔

۲۔ **مالکیہ اور شافعیہ**...... کہتے ہیں کہ قتل سے مہر ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ خاوند کو قتل کرنا سنگین جنایت (جرم) ہے اور جنایت سے حقوق مؤکد نہیں ہوتے۔ نیز اس جنایت سے نکاح سے رکنے کا جرم عورت نے کیا ہے اور ایسی صورت میں عورت کا کل مہر ساقط ہو جاتا ہے اور مہر سے کسی کا حق متعلق نہیں۔ یہ رائے راجح ہے کیونکہ اسکی دلیل قوی ہے۔

۳۔ **خلوت صحیحہ**...... خلوت صحیحہ، خلوت فاسدہ سے احتراز ہے، خلوت صحیحہ یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد میاں بیوی ایسی جگہ جمع ہو جائیں کہ کامل طور پر ان کا جنسی اتصال ہوسکتا ہو اور زوجین کو ان کے پاس کسی کے آنے کا خوف نہ ہو اور ان میں سے کسی ایک میں کوئی طبعی،

---

❶ ...... رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجه والترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔

حسی یا شرعی مانع نہ ہو جو جماع میں رکاوٹ بن سکتا ہے چنانچہ خلفائے راشدین حضرت زید، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی ثابت ہے امام احمد اور اثرم نے زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ خلفائے راشدین نے فیصلہ کیا ہے کہ جو شخص (بیوی کو لیکر) دروازہ بند کر دے یا پردے کھینچ لے تو گویا مہر واجب ہو گیا اور اس سے عدت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

مانع طبعی...... کسی عاقل شخص کا موجود ہونا مانع طبعی ہے۔

مانع حسی...... زوجین میں سے کسی ایک کا ایسے مرض میں مبتلا ہونا جو صحبت کے مانع ہو جیسے عورت کی شرمگاہ میں پھوڑے کا مرض یا ہڈی ابھر آنے کا مرض۔

مانع شرعی...... جیسے زوجین نے رمضان کا روزہ رکھا ہو یا ان میں سے کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت صحیحہ سے پورا مہر مؤکد ہو جاتا ہے چنانچہ اگر مہر مقرر ہو تو مقرر کیا گیا مہر واجب ہو جاتا ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: خلوت سے مہر کا وجوب مؤکد نہیں ہوتا بلکہ خلوت کے ساتھ صحبت بھی ضروری ہے چنانچہ اگر خاوند کو خلوت صحیحہ میسر ہوئی پھر دخول سے قبل طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو متعہ واجب ہوگا۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت صحیحہ جسکی مذکورہ شرائط پوری ہوں سے عورت پورے مہر کی مستحق ہو جاتی ہے، اگر مرد نے بیوی کو طلاق دی تو خلوت صحیحہ کی وجہ سے عورت کے لیے مہر واجب ہوگا اگر چہ وطی حقیقتاً نہ ہو چنانچہ مہر اگر مقرر ہو تو پورا مہر واجب ہوگا اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔

مالکیہ اور شافعیہ (جدید قول کے مطابق) کہتے ہیں: محض خلوت سے وجوب مہر پکا نہیں ہوتا بلکہ خلوت کے ساتھ وطی کا ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر خاوند کو خلوت ملی ہو اور وہ اس کے بعد بیوی کو طلاق دے دے اور دخول نہ ہوا ہو تو مقررہ مہر کا نصف واجب ہوگا اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو متعہ واجب ہوگا۔

انشاء اللہ بعد میں آنے والے مقصد کے ذیل میں دلائل ذکر کروں گا۔

۴۔ عورت کا زفاف کے بعد خاوند کے گھر میں بغیر وطی کے مقیم رہنا...... مالکیہ کے نزدیک مہر مؤکد ہونے کا یہ بھی ایک سبب ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا پھر اس سے زفاف بھی ہو گئی اور عورت بغیر صحبت کے ایک سال تک خاوند کے گھر میں مقیم رہے، بشرطیکہ عورت بالغ ہو اور دونوں کا صحبت نہ کرنے پر اتفاق ہو۔ کیونکہ ایک سال تک خاوند کے ہاں مقیم رہنا وطی کے قائم مقام ہے شافعیہ کے نزدیک اس سبب سے مہر مؤکد نہیں ہوتا۔

۵۔ صحبت سے قبل مرض الموت میں فرار کی طلاق...... اس سبب کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص بیوی کو اپنی میراث میں شامل نہ کرنا چاہتا ہو اور وہ مرض الموت میں مبتلا ہو اس مقصد کے لئے وہ بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دیدے اور پھر مر جائے چنانچہ حنابلہ کے نزدیک اس سبب سے بھی پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں عورت پر عدت واجب ہوتی ہے۔

خلاصہ...... حنفیہ کے نزدیک مہر مؤکد ہونے کے تین اسباب ہیں: صحبت، خلوت صحیحہ اور موت، مالکیہ کے نزدیک بھی تین اسباب ہیں، دخول، موت اور عورت کا زفاف کے بعد خاوند کے گھر میں بغیر وطی کے مقیم رہنا۔ شافعیہ کے نزدیک دو امور سے مہر مؤکد ہوتا ہے وطی اگر چہ حرام ہو اور موت حنابلہ کے نزدیک چار چیزوں سے مہر مؤکد ہوتا ہے دخول، خلوت، موت یا قتل اور صحبت سے قبل مرض

الموت میں طلاق۔

تنصیف مہر...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مہر اگر مقرر ہو اور طلاق دخول سے قبل ہو جائے اور فرقت خاوند کی طرف سے ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خواہ فرقت بصورت طلاق ہو یا فسخ۔ فسخ جیسے ایلاء یا لعان کے سبب فرقت کا ہو جانا، یا خاوند مرتد ہو جائے یا بیوی مسلمان ہو اور خاوند قبول اسلام سے انکار کرے اور دونوں میں فرقت ہو جائے۔

دلیل یہ آیت ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۷

اور اگر تم نے عورتوں کو انھیں چھونے (صحبت کرنے) سے پہلے طلاق دے دی حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو انھیں مقررہ مہر کا النصف دینا ہوگا۔

یہ طلاق کی صورت ہے اور فرقت کی بقیہ صورتوں کو طلاق پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ بقیہ صورتیں بھی طلاق کے معنی میں ہیں۔

اگر عقد میں سرے سے مہر ہی مقرر نہ کیا گیا ہو جیسے مفوضہ یا زوجین بدون مہر کے عقد نکاح پر اتفاق کر لیں یا مہر مقرر کرنا صحیح نہ ہو اور فرقت زوجین کی باہمی رضامندی سے ہو یا قاضی کے حکم سے ہو اور فرقت دخول سے قبل ہو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک فرقت خلوت سے پہلے ہو تو عورت کو مہر میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، بلکہ عورت کو متعہ ملے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۶

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے ان کو چھوا بھی نہ ہو اور نہ کوئی مہر مقرر کیا ہو اور (ایسی صورت میں) ان کو کوئی تحفہ دو۔

فرقت کی باقی صورتیں طلاق پر قیاس کی گئی ہیں مالکیہ کہتے ہیں: اگر نکاح فسخ کر دیا گیا یا بیوی میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے قبل از دخول خاوند نے نکاح رد کر دیا تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر خاوند میں کوئی عیب ہو اور عورت نکاح رد کر دے تو کیا اسے مہر ملے گا یا نہیں؟ سو اس میں اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں دخول اور خلوت سے پہلے بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جانے سے مہر ساقط ہو جاتا ہے اسکی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

قبل از دخول تنصیف مہر کے حوالے سے دو مسائل میں فقہاء کا اختلاف ہے:

(اول)...... یہ کہ عقد کے بعد مقررہ مہر کا نصف ہونا۔

(دوم)...... یہ کہ عقد کے بعد مہر میں اضافہ کا مسئلہ۔

پہلا مسئلہ...... یہ کہ دوران عقد مہر مقرر نہ کیا جائے بلکہ عقد کے بعد باہمی رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے مقرر کر لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں: عقد کے بعد مقرر کیا ہوا مہر نصف نہیں ہوتا کیونکہ تنصیف صرف اسی مہر کے ساتھ خاص ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو اور اسی پر نص قرآنی وارد ہوئی ہے بلکہ عورت کے لئے صرف متعہ واجب ہوگا، اگر فرقت دخول اور خلوت سے پہلے واقع ہو تو بھی متعہ واجب ہوگا۔

جمہور کہتے ہیں: عقد کے بعد مقرر کیا گیا مہر بھی نصف ہوگا، چنانچہ اگر دخول سے قبل فرقت ہو اور حنابلہ کے نزدیک خلوت سے قبل فرقت ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔

دوسرا مسئلہ...... وہ یہ کہ عقد کے بعد خاوند مہر میں اضافہ کر دے۔

حنفیہ کہتے ہیں: یہ اضافہ ساقط ہو جائے گا جبکہ دخول اور خلوت سے پہلے نصف نہیں ہوگا۔

جمہور کہتے ہیں: خاوند کے ذمہ سے یہ اضافہ ساقط نہیں ہوگا جبکہ مقرر مہر کی طرح نصف ہوگا۔

حاصل یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک صرف وہی مہر نصف ہوتا ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو اور جو مہر عقد کے بعد مقرر کیا گیا ہو وہ نصف نہیں ہوتا، جمہور اس کے برخلاف ہیں چنانچہ جمہور کے نزدیک مطلقا مقرر کیا ہوا مہر نصف ہو جاتا ہے (یعنی اس صورت میں جبکہ طلاق فرقت دخول وخلوت سے قبل ہو)

منشائے اختلاف: اصل اختلاف اس آیت کی تفسیر میں ہے:

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/۲۳۷

حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں مہر مفروض (مقرر) سے مراد وہی مہر ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو چونکہ عرف میں اسی مہر کو مفروض (مقرر) کہا جاتا ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو۔ جبکہ جمہور کے نزدیک مطلقا مفروض مراد ہے خواہ دوران عقد مقرر مہر ہو یا عقد کے بعد۔

کل مہر کا ساقط ہو جانا......حنفیہ کے نزدیک پورا مہر ساقط ہونے کے چار اسباب ہیں۔ ❶

۱......صحبت اور خلوت سے پہلے بغیر طلاق کے فرقت کا واقع ہو جانا ہر ایسی فرقت جو دخول اور خلوت سے قبل طلاق کے بغیر ہو جائے تو اس سے پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔ برابر ہے کہ فرقت عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے اس کی صورتیں یہ ہیں۔ مثلاً عورت مرتدہ ہو جائے یا اس کا خاوند اسلام قبول کر لے اور وہ اسلام سے انکار کرتی ہو یا خاوند میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے عورت فسخ نکاح کر دے چنانچہ ان صورتوں میں اگر نکاح دخول سے قبل فسخ ہو جائے تو پورا مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ فرقت جو بغیر طلاق کے ہو اس سے عقد فسخ ہو جاتا ہے اور دخول سے قبل فسخ عقد سے پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

مالکیہ: کہتے ہیں ❷ اگر خاوند نے نکاح فسخ کر دیا یا بیوی میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے قبل از دخول نکاح رد کر دیا تو عورت کے لئے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اس نکتہ پر مالکیہ حنفیہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ نے تفصیل کی ہے ❸ چنانچہ عورت کے کسی سبب کی وجہ سے فرقت ہو یا کسی اور کے بسبب فرقت ہو ان دونوں صوتوں میں حنابلہ اور شافعیہ نے تفصیل کی ہے چنانچہ کہتے ہیں: وہ فرقت جو قبل از دخول عورت کی طرف سے ہو تو اس سے مقرر مہر مفروض مہر اور مہر مثل ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً عورت نے اسلام قبول کر لیا یا بیوی میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے خاوند نکاح فسخ کر دے۔

رہی وہ فرقت جو کسی اور کے بسبب ہو جیسے طلاق اور خلع کی وجہ سے فرقت مثلاً عورت کو طلاق کا اختیار سونپ دیا گیا ہو اور وہ اپنے آپ کو طلاق دے دے یا خاوند نے عورت کے کسی فعل پر طلاق معلق کر دی ہو اور عورت اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے یا خاوند اسلام قبول کر لے یا مرتد ہو جائے یا لعان کر بیٹھے تو ان صورتوں میں مہر ساقط نہیں ہوگا بلکہ عورت کو نصف مہر ملے گا طلاق کی صورت تو اس آیت سے ثابت ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ......البقرۃ: ۲/۲۳۷

بقیہ صورتوں کو طلاق پر قیاس کیا گیا ہے۔

۲......صحبت سے پہلے یا صحبت کے بعد مہر پر خلع کر لیا جائے تو بھی مہر ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ اگر عورت نے مہر پر قبضہ نہ کیا ہو تو خاوند کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر عورت نے قبضہ کر لیا ہو تو عورت مہر خاوند کو واپس کرے گی اور اگر خاوند نے مہر کے علاوہ الگ مال پر خلع کیا ہو تو عورت پر لازم ہوگا کہ وہ مال سپرد کرے جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد ہر طرح کی ذمہ داری مہر، نفقہ وغیرہ سے بری ہو جائے گا۔

۳......دخول سے قبل یا بعد کل مہر سے بری الذمہ کر دینا، چنانچہ اگر عورت تبرع کی اہلیت رکھتی ہو اور مہر ذمہ میں بطور دین واجب ہو اور خاوند کو بری الذمہ کر دے تو مہر ساقط ہو جائے گا، ذمہ میں دین واجب ہونے سے مراد نقود مکیلات اور موزونات ہیں، کیونکہ ابراء اسقاط ہوتا

❶...... البدائع ۲/۲۹۵ ❷ القوانين الفقهية ۲۰۳ الشرح الصغير ۲/۲۳۷۔ ❸ مغني المحتاج ۳/۲۳۴ كشاف القناع ۵/۱۶۵۔

ہے اور ایسے شخص کی طرف سے ابراء جوابراء کے اہل ہوتو ابراء موجب سقوط ہوتا ہے۔

۴۔ عورت اپنے خاوند کوکل مہر ہبہ کر دے تو بھی اس سے مہر ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ عورت تبرع کی اہلیت رکھتی ہو اور خاوند بھی مجلس میں ہبہ قبول کر لے برابر ہے کہ ہبہ قبضہ سے پہلے ہو یا بعد۔

ہبہ اور ابراء میں فرق ہے وہ یوں کہ ہبہ دین اور عین دونوں پر وارد ہوتا ہے جبکہ ابراء صرف ذمہ میں ثابت شدہ دین پر ہوتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی ہبہ سے مہر ساقط ہو جاتا ہے البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے خاوند کو پورا مہر ہبہ کر دے اس کے بعد خاوند اسے طلاق دے تو عورت سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اگر خاوند دخول کا ارادہ کرے تو عورت کو اقل مہر یعنی چوتھائی دینار ملے گا اگر دخول کے بعد عورت مہر ہبہ کرے تو پھر خاوند پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں: اگر مہر کوئی متعین چیز ہو جیسے گھوڑا پھر عورت اپنے خاوند کو ہبہ کر دے اور اس کے بعد خاوند صحبت سے قبل بیوی کو طلاق دے دے تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے بغیر طلاق کے عود کیا ہے لہٰذا طلاق سے اسکا حکم نصف سے کم ساقط نہیں ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے عورت کسی اجنبی کو ہبہ کر دے پھر اجنبی خاوند کو ہبہ کر دے۔ ❷

حنابلہ کہتے ہیں: اگر دخول سے پہلے عورت اپنے خاوند کو مہر سے بری الذمہ کر دے پھر خاوند دخول سے قبل اسے طلاق دیدے تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے کیونکہ طلاق سے نصف مہر واپس ہو جاتا ہے۔

اگر عورت نے نصف مہر سے خاوند کو بری الذمہ کر دیا یا نصف مہر خاوند کو ہبہ کر دیا پھر خاوند نے صحبت سے پہلے اسے طلاق دے دی تو خاوند بقیہ نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔

نصف مہر کا سقوط...... حنفیہ کہتے ہیں:

جن اسباب سے نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ❸

پہلی قسم...... نکاح میں مہر مقرر ہو اور طلاق دخول سے قبل ہو جائے، جبکہ مہر ذمہ میں دین واجب ہو جس پر قبضہ نہ کیا ہو تو نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ ہے:

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۷

تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف ہوگا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مقرر مہر کا نصف واجب کیا ہے۔

دوسری قسم...... وہ سبب جس سے معنوی طور پر نصف مہر ساقط ہوتا ہو اور صورۃ پورا مہر ساقط ہوتا ہو یہ ہر ایسی طلاق ہے جس میں متعہ واجب ہوتا ہو اور یہ ہر ایسی فرقت ہے جو خاوند کی طرف سے ہو دخول سے قبل ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہو، تفصیل عنقریب متعہ کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

دہم: مہر کا ضمان، مہر ضائع ہونے کا حکم استحقاق، مہر میں عیب کا آجانا اور مہر میں اضافہ:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے قبضہ میں مہر ہوگا مہر ہلاک (ضائع) ہونے پر اسی پر تاوان ہوگا چنانچہ عورت نے اگر قبضہ نہ کیا ہو کہ مہر خاوند کے پاس ہلاک (ضائع) ہو جائے تو خاوند پر ہی اس کا ضمان آئے گا۔ اگر عورت نے قبضہ کر لیا ہو اور پھر مہر ہلاک (ضائع) ہو جائے یا عورت کے فعل سے ضائع ہو تو عورت ہی اس کی ضامن ہوگی۔

---

❶...... القوانین الفقهیة ۲۰۳ ❷ المهذب ۲/ ۵۹ ❸ البدائع ۲/ ۲۹٦۔

اگر مہر آسمانی آفت سے ضائع یا ہلاک ہو جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزیک خاوند پر اسکی مثل یا قیمت واجب ہوگی۔

اور اگر مہر خاوند کے قبضہ میں ہو لیکن عورت کے فعل سے ہلاک ہو یا عورت نے قبضہ کر لیا تھا کہ آسمانی آفت سے مہر ہلاک ہو گیا تو گویا عورت اپنا حق وصول کر چکی اور پھر ضائع ہوا۔

اگر اجنبی کے فعل سے مہر ہلاک ہو تو عورت کو اختیار ہے خواہ خاوند کو ضامن بنائے یا اجنبی کو اگر خاوند تاوان بھرے تو پھر وہ اجنبی سے تاوان وصول کر سکتا ہے۔

اگر مہر میں کسی دوسرے شخص کا استحقاق نکل آیا گویا معلوم ہو کہ مہر خاوند کی ملکیت نہیں تھا تو اگر مہر مثلی ہو تو عورت خاوند سے مثلی چیز لے اور اگر قیمی ہو تو قیمی چیز لے۔

اگر عورت کو اطلاع ہو کہ مہر میں قدیم عیب ہے تو بھی مثلی اور قیمی ہونے کے اعتبار سے خاوند پر رجوع کرے۔ البتہ عقد نکاح کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کے بیان کردہ چند مسائل: ❶

حنفیہ کہتے ہیں: اگر عورت مہر پر قبضہ کر لے پھر اگر دراہم یا دنانیر متعین ہوں یا غیر متعین ہوں یا مہر مکیلی ہو یا موزونی ہو جو ذمہ میں واجب ہو پھر خاوند عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دے تو عورت کے ذمہ واجب ہے کہ قبضہ کیے ہوئے مہر کا نصف واپس کرے جس متعین چیز پر قبضہ کیا ہے۔ اسے واپس کرنا عورت پر لازم نہیں کیونکہ متعین قبضہ کیا ہوا مہر عقد سے واجب نہیں ہوتا لہٰذا فسخ سے واجب نہیں ہوتا۔ اگر مہر میں عیب یا کوئی نقص پیدا ہو جائے۔

(ا)......اگر عیب یا نقص قبضہ سے پہلے کسی اجنبی کے فعل سے پیدا ہو تو عورت کو اختیار حاصل ہوگا چنانچہ عورت چاہے تو یہی نقص والی چیز لے اور نقص پیدا کرنے والے سے تاوان بھی وصول کرے، اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے اور خاوند سے عقد کے دن کی قیمت وصول کرے اور پھر خاوند اجنبی سے نقصان کا ضمان لے۔

(ب)......اور اگر نقصان کسی آسمانی آفت سے ہو تو بھی عورت کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو یہی ناقص چیز لے تاہم اس کے علاوہ عورت کو کچھ اور نہیں ملے گا، اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے اور عقد کے دن کی قیمت وصول کرے۔ کیونکہ مہر کا ضمان خاوند پر آتا ہے جو عقد سے لاگو ہوتا ہے، جبکہ عقد سے اوصاف کا ضمان نہیں دیا جاتا کیونکہ عقد اوصاف پر وارد نہیں ہوتا لہٰذا عورت کے حق میں اوصاف کا ضمان نہیں ہوگا۔

ہاں البتہ مہر کی حالت تبدیل ہو جانے سے عورت کو خیار حاصل ہوگا۔

(ج)......اگر مہر میں نقص خاوند کے فعل سے پیدا ہوا ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق عورت اگر چاہے تو یہی ناقص مہر لے اور اس کے ساتھ نقصان کا تاوان بھی وصول کرے اگر چاہے تو عقد کے دن کی قیمت لے۔

(د)......اگر مہر میں نقص عورت کے فعل سے پیدا ہو تو گویا اس زیادتی کی وجہ سے عورت مہر پر قابض سمجھی جائے گی، گویا نقصان عورت کے پاس پیدا ہوا جیسے کوئی خریدار مبیع پر جنایت (زیادتی) کر دے اور مبیع بائع کے قبضے میں ہو۔

یہ ساری تفصیل تب ہے جب نقصان فاحش قسم کا ہو اور اگر معمولی نقصان ہو تو اس صورت میں عورت کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے بیان کردہ چند مسائل......اگر مہر تلف کر دیا اور مہر ایسی چیز تھی جسے مخفی رکھنا ممکن ہو تاہم مہر کے ہلاک ہونے پر گواہ قائم نہ ہوں تو وہی شخص مہر کا ضامن ہوگا جس کے قبضہ میں ہو اگر طلاق دخول سے قبل ہو جائے تو نصف مہر دینا ہوگا۔

---

❶......البدائع ۲/۲۹۸

اگر مہر کے ضائع ہونے پر گواہ قائم نہ ہوں اور مہر ایسی چیز ہو جسے مخفی رکھنا ممکن نہ ہو جیسے مثلاً مہر باغ ہو یا کھیتی ہو یا کوئی جانور ہو اور خاوند نے دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو تو میاں بیوی میں سے کوئی بھی دوسرے پر رجوع نہیں کر سکتا، جس کے قبضہ میں مہر ہو وہ تہمت سے بچنے کے لئے حلف اٹھائے گا۔

اسی طرح اگر عقد کے بعد مہر ضائع ہو جائے جیسے مثلاً جانور تھا جو مر گیا یا گھر تھا جو جل گیا یا کوئی اور چیز تھی جو چوری ہو گئی پھر گواہوں سے بھی مہر کا ضائع ہونا ثابت ہو جائے یا اقرار سے ثابت ہو، برابر ہے کہ وہ چیز مخفی رکھی جا سکتی ہو یا نہ رکھی جا سکتی ہو۔ برابر ہے کہ مہر خاوند کے قبضہ میں ہو یا بیوی کے قبضہ میں یا کسی اور کے قبضہ میں، تو میاں بیوی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کریں گے۔

اگر مہر کوئی ایسی چیز تھی جس میں استحقاق ثابت ہوا اور مہر بیوی کے قبضہ میں ہو تو اگر وہ چیز مثلی ہو تو اس کی مثل عورت لے اور اگر قیمی ہو تو عقد کے دن کی قیمت لے۔

اگر عورت کو اطلاع ہو کہ مہر میں کوئی قدیم عیب ہے تو اسے خیار حاصل ہوگا چاہے تو وہی چیز اپنے پاس رکھے یا واپس کر دے اور اس کی بجائے اس کی مثل لے یا اس کی قیمت لے۔ ❶

ضمان مہر کے متعلق شافعیہ کی تفصیل: ❷ ...... اگر مہر متعین چیز ہو جیسے متعین گھر، متعین کپڑا یا متعین جانور قبضہ سے پہلے خاوند کے ہاتھ میں تلف ہو جائے تو خاوند پر ضمان عقد ہوگا ضمان قبضہ نہیں ہوگا کیونکہ مہر عقد معاوضہ سے ملکیت بن جاتا ہے، لہٰذا یہ مبیع کے مشابہ ہوا جو کسی بائع کے ہاتھ میں ہو۔ ضمان عقد اور ضمان قبضہ میں یہ فرق ہے کہ ضمان عقد کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور ضمان قبضہ کی صورت میں بدل شرعی یعنی مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ پہلی صورت میں مبیع کی طرح عورت قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کر سکتی اور دوسری صورت میں فروخت کر سکتی ہے۔

اسی لئے اگر مہر متعین چیز ہو جو خاوند کے قبضہ میں ہو اور وہ آسمانی آفت سے ہلاک ہو جائے تو پہلی صورت کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ عقد مہر فسخ ہو چکا جبکہ دوسری صورت کے مطابق فسخ نہیں ہوگا۔

اگر عورت نے مہر تلف کر دیا تو عورت مہر پر قابض شمار ہوگی بشرطیکہ عورت قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو کیونکہ عورت نے اپنا ہی حق تلف کیا ہے، اور اگر عورت سمجھدار نہ ہو تو اسے قابض تصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ناسمجھ عورت کا قبضہ غیر معتبر ہوتا ہے۔

اور اگر اجنبی مہر کو ضائع کر دے تو عورت کو فسخ مہر اور ابقائے مہر میں اختیار حاصل ہوگا، اگر عورت مہر فسخ کر دے تو عورت خاوند سے مہر مثل وصول کرے اور اگر مہر فسخ نہ کرے تو تلف کنندہ سے ضمان لے یا تو مثل لے یا قیمت لے اگر خاوند تلف کر لے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آسمانی آفت سے تلف ہوا اور اس سے مہر مثل واجب ہوگا۔

اگر متعین مہر آسمانی آفت سے عیب دار ہو جائے جیسے مثلاً جانور تھا جو اندھا ہو گیا یا اس کی ٹانگ کٹ گئی چنانچہ عورت کو فسخ مہر اور ابقائے مہر میں اختیار حاصل ہوگا۔

اگر عورت نے مہر پر قبضہ کر لیا اور مہر میں کوئی عیب آ جائے یا مہر میں استحقاق ثابت ہوا تو جدید مذہب کے مطابق عورت خاوند پر رجوع کرے۔

اگر تعلیم قرآن مہر ٹھہرے اور عورت کسی اور سے قرآن پڑھ لے یا حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے پڑھ نہ سکے تو یہ مہر متعین کی مانند ہوگا جب وہ تلف ہو جائے چنانچہ جدید قول کے مطابق عورت مہر مثل پر رجوع کرے گی۔

---

❶ ...... الشرح الكبير مع الدسوقي ۲/۲۹۵ الشرح الصغير ۲/۴۵۷ القوانين الفقهية ۲۰۳ ❷ مغني المحتاج ۳/۲۲۱ المهذب ۲/۵۷۔

فوت شدہ منافع جات کا خاوند پر ضمان نہیں ہوگا...... اور اگر عورت خاوند سے مہر کی سپردگی کا مطالبہ کرے اور خاوند آگے سے انکار کرتا ہو تو اس پر ضمان عقد ہوگا۔

اگر مرد طلاق دے دے جبکہ مہر قبضہ کے بعد تلف ہو جائے تو عورت پر اسکا بدل واپس کرنا واجب ہے یا تو اسکی مثل واپس کرے یا اسکی قیمت واپس کرے۔

اگر عورت کے پاس مہر میں عیب پیدا ہو جائے خاوند اگر اسی عیب دار مہر پر قناعت کرلے تو خاوند کے لیے تاوان نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے بائع کے پاس مبیع میں عیب پیدا ہو جائے۔ اور اگر خاوند اسی عیب دار چیز پر قناعت نہ کرے جبکہ وہ چیز قیمی ہو تو عورت کے ذمہ نصف قیمت واجب ہوگی، اور اگر مثلی ہو تو اس کا نصف واجب ہوگا۔ کیونکہ عیب دار چیز سے راضی رہنا لازمی نہیں چنانچہ بدل کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اگر آسمانی آفت سے مہر عیب دار ہو جائے اور عورت اسی پر قناعت کرے تو خاوند کو یہی ناقص ملے گا اس کے لئے تاوان نہیں ہوگا اور نہ ہی خیار ہو گا۔ اور اگر مہر کی چیز کسی اجنبی کے فعل سے عیب دار ہو تو عورت جنایت کی ضامن ہوگی اور وہ اجنبی سے تاوان لے زیادہ صحیح یہ ہے کہ خاوند کے لئے نصف تاوان اور نصف مہر ہوگا۔

حنابلہ: کہتے ہیں ❶ اگر عورت نے مہر لے لیا اور اس میں کوئی عیب پایا تو عورت زفاف سے انکار کرسکتی ہے تاوقتیکہ متبادل لے لے، یا خاوند اسکا تاوان دے چونکہ عورت کا مہر صحیح ہوتا ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو۔

اگر عورت نے اپنا نفس خاوند کو سپرد کردیا پھر پتہ چلا کہ مہر میں کوئی عیب ہے تو بھی عورت صحبت سے انکار کرنے کا حق رکھتی ہے تاوقتیکہ مہر کا بدل یا اس کا تاوان وصول کرلے۔

اور اگر مہر مکیلی یا موزونی چیز ہو جو خاوند کے قبضہ میں ہو اور اس میں نقص آجائے یا مہر غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز ہو تو عورت تا وصولی صحبت سے انکار کرسکتی ہے اور نقص کا تاوان خاوند کے ذمہ واجب ہوگا کیونکہ یہ خاوند کے ضمان میں سے ہے۔

مہر سے پیدا ہو جانے والا اضافہ..... فقہاء کے ہاں اس میں تفصیل ہے:

حنیفہ کے ہاں اس میں قدرے تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے۔ ❷

ا...... اگر اضافہ اصل مہر سے پیدا شدہ ہو جیسے مہر میں جانور (بھینس) تھا اس سے بچہ پیدا ہوا اون، پھل، اناج، یا وہ اضافہ پیدا شدہ کے حکم میں ہو جیسے تاوان تو یہ اضافہ بھی مہر ہی ہے برابر ہے کہ اضافہ اصل مہر کے ساتھ متصل ہو جیسے فربہی، بڑا ہونا، خوبصورتی، یا منفصل ہو جیسے بچہ وغیرہ۔

اگر خاوند نے قبل از دخول عورت کو طلاق دیدی تو اصل مہر بمعہ اضافہ کے نصف ہوگا کیونکہ اضافہ اصل کے تابع ہوتا ہے کیونکہ اضافہ اصل سے پیدا ہوا ہے۔

۲...... اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو پھر اگر اضافہ اصل مہر کے ساتھ متصل ہو جیسے کپڑے پر کیا ہوا رنگ اور زمین میں بنایا ہوا گھر بلا شبہ اسکی تنصیف ممنوع ہوگی عورت پر اصل کی قیمت واجب ہوگی، کیونکہ یہ اضافہ مہر نہیں ہے کیونکہ اصل سے پیدا نہیں ہوا لہٰذا مہر بھی نہیں ہوگا جبکہ اضافہ کے بغیر اصل مہر نصف نہیں کیا جاسکتا۔

اور اگر اضافہ اصل مہر سے جدا اور منفصل ہو جیسے مثلاً ہبہ، کسب و کمائی تو یہ اضافہ مہر نہیں ہوگا یہ سارا اضافہ عورت کا حق ہوگا یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لہٰذا یہ نصف نہیں ہوگا ہاں البتہ اصل مہر نصف ہوگا ❸ کیونکہ یہ اضافہ مہر نہیں بلکہ یہ تو عورت کا ذاتی مال ہے لہٰذا یہ عورت

---

❶...... البدائع ۲/ ۲۹۹۔ ❷ البدائع ۲/ ۲۹۹ ❸ یعنی اگر عورت کو قبل از دخول طلاق ہو جائے تو اصل مہر نصف ہوگا اگر عورت نے مہر پر قبضہ کرلیا ہو تو مہر کا نصف واپس کرنا واجب ہوگا۔ اور جو کمائی یا اضافہ ہوگا وہ عورت کا حق ہے۔

کے دوسرے مال کے مشابہ ہے۔

صاحبین کے نزدیک یہ بھی مہر ہے لہٰذا اصل مہر کے ساتھ نصف ہوگا، جیسے اصل مہر سے پیدا شدہ اضافہ مثلاً فربہی اور بچہ۔

یہ تفصیل تب ہے جب مہر خاوند کے پاس ہو اور مہر میں اضافہ ہو جائے۔ البتہ مہر اگر عورت کے قبضہ میں ہو اور ابھی فرقت نہ ہوئی ہو تو دیکھا جائے گا: اضافہ اگر متصل ہو جو اصل سے پیدا شدہ ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی تنصیف ممنوع ہوگی عورت کے ذمہ اسکی قیمت واجب ہوگی اور قیمت کا اعتبار عقد نکاح کے دن کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اضافہ عقد کے دن موجود نہیں تھا اور نہ ہی قبضہ کے وقت موجود تھا لہٰذا اس اضافے کو مہر کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ جبکہ طلاق کے ذریعہ عقد کا فسخ ممکن نہیں کیونکہ فسخ تو اسی پر واقع ہوتا ہے۔ جس پر عقد وارد ہوا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تنصیف ممنوع نہیں۔ چنانچہ اصل مع اضافہ کے نصف کیا جائے گا کیونکہ ظاہر آیت:

فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ ......البقرۃ ۲/۲۳۷

تنصیف کی متقضی ہے اس سے مفروض کی قیمت مراد نہیں جو نصف کردی جائے۔

اور اگر اضافہ منفصل ہو جو اصل سے پیدا شدہ ہو تو بالاتفاق تنصیف ممنوع ہوگی اور عورت پر اصل مہر کی قیمت خاوند کو واپس کرنا واجب ہے۔

اور اگر اضافہ منفصل ہو جو اصل مہر سے پیدا شدہ نہ ہو تو وہ عورت کا مخصوص حق ہوگا اور اصل زوجین کے درمیان بالاتفاق نصف نصف ہوگا۔

اور اگر اضافہ قبضہ سے پہلے اور طلاق کے بعد پیدا ہو تو اصل اور اضافہ نصف نصف کیا جائے گا۔

اور اگر قبضہ کے بعد اور خاوند کو نصف مہر واپس دینے کے فیصلہ کے بعد اضافہ پیدا ہو تو مذکورہ بالا صورت کی طرح اضافہ دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا، اور اگر فیصلہ سے قبل اضافہ ظاہر ہو جبکہ مہر عورت کے قبضہ میں ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے عقد فاسد میں قبضہ کیا ہوا مہر۔ اضافہ عورت کا حق ہوگا کیونکہ اس کی ملکیت عورت کو حاصل ہوتی ہے جبکہ نصف میں طلاق سے اسکی ملکیت فسخ ہو چکی۔

مالکیہ کہتے ہیں ❶ دخول سے قبل مہر میں پیدا ہونے والے اضافہ یا نقصان کا حکم یہ ہے کہ اضافہ زوجین کا حق ہے اور نقصان بھی دونوں پر ہوگا گویا زوجین اضافہ اور نقصان میں دونوں شریک ہوں گے، اسکا معنی یہ ہوا کہ دخول کے بعد اضافہ عورت کا حق ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں ❷ منفصل اضافہ جو مہر دے دینے کے بعد پیدا ہوا جیسے پھل بچہ، اجرت تو وہ عورت کا حق ہے کیونکہ یہ اضافہ عورت کی ملک میں پیدا ہوا ہے۔

متصل اضافہ جیسے فربہی وغیرہ کی صورت میں عورت کو خیار حاصل ہوگا۔

سو اگر عورت سماحت نہ کرے تو اس کے ذمہ مہر کی نصف قیمت واجب ہوگی، اس کی صورت یہ ہوگی کہ بدون اضافہ کے اصل مہر کی قیمت لگائی جائے گی اور جو قیمت قرار پائے گی اسکا نصف خاوند کو دیا جائے گا اگر عورت بمعہ اضافہ خاوند کو دینے پر راضی ہو جائے تو خاوند کو قبول کرنا لازمی ہوگا۔ خاوند نصف کا مطالبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ اضافہ کے ساتھ ہوتے ہوئے خاوند کے حق کا امتیاز نہیں ہوسکتا۔

اگر مہر میں اضافہ ہو جائے اور ساتھ نقص بھی پیدا ہو جائے مثلاً جانور تھا جو بوڑھا ہو گیا اور اسکا فائدہ بھی نہ رہا سو اگر زوجین نصف واپس کرنے پر راضی ہوں تو ایسا ہی ہوگا ورنہ اضافہ اور نقص سے خالی چیز کی نصف قیمت واپس کی جائیگی کیونکہ اسی میں عدل ہے اور عورت کو نصف چیز واپس کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح خاوند کو بھی مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ چیز میں نقص ہے۔

---

❶...... القوانین الفقهیة ۲۰۳ ❷ مغنی المحتاج: ۲۳۶/۳۔

حنابلہ کا موقف...... یہ ہے کہ محض عقد سے مہر عورت کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے ❶ سو اگر مہر میں اضافہ ہوجائے تو اضافہ عورت کا حق ہے اور اگر نقص پیدا ہوجائے تو اس کا تاوان بھی عورت پر پڑے گا۔ چنانچہ اگر مہر میں بکریاں رکھ دی ہوں جن سے بچے پیدا ہوئے ہوں چنانچہ یہ بچے منفصل (اصل مہر سے جدا) اضافہ تصور ہوگا جو عورت کا حق ہوگا کیونکہ بچے نماء ہیں جو عورت کی ملک ہیں اگر دخول سے پہلے طلاق ہوجائے تو اصل بکریوں میں سے آدھی بکریاں خاوند واپس لے بشرطیکہ بکریوں میں کمی نہ ہوئی ہو اور نہ ہی متصل اضافہ ہوا ہو چونکہ مہر مفروض کا نصف ہوگا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرة ۲/۲۳۷

اگر تم عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقرر کئے گئے مہر کا نصف واجب ہوگا۔

اگر بچے جنم دینے کی وجہ سے بکریوں میں کمی آجائے یا کسی اور بیماری کی وجہ سے کمی آجائے تو مرد کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو انہی بکریوں میں سے نصف لے لے چاہے تو نصف قیمت لے قیمت کا اعتبار اسوقت کا ہوگا جب اس نے عوت کو مہر دیا ہو کیونکہ نقص کا ضمان عورت پر ہوتا ہے حنابلہ کا یہ موقف شافعیہ کے موافق ہے۔

اگر مہر میں جانور رکھا ہو جو گابھن نہ ہو، اس کے بعد گابھن ہوجائے تو یہ حمل متصل اضافہ ہوگا اگر عورت اس اضافہ سمیت خاوند کو واپس کرے تو اسکا قبول کرنا خاوند پر لازمی ہوگا اور حمل نقص نہیں ہوتا، چنانچہ مبیع کی صورت میں بھی حمل کی وجہ سے مبیع رد نہیں کی جاتی۔ اگر اس کی تنصیف پر میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو جائز ہے۔

اگر خاوند نے مہر میں زمین دی ہو جس میں عورت نے عمارت بنادی ہو یا کپڑا دیا ہو جس میں عورت نے رنگ چڑھا دیا ہو پھر خاوند اسے دخول سے پہلے طلاق دیدے تو دیکھا جائے گا کہ مہر دیتے وقت اس مہر کی قیمت کیا تھی چنانچہ خاوند نصف قیمت واپس لے یا چاہے تو عمارت کی نصف قیمت عورت کو دے گو یا مرد کو نصف مہر واپس ملے گا یا عورت چاہے تو اضافہ خاوند کو دے دے اور خاوند کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔

اگر مرد نے مہر میں درخت دیئے ہوں جن پر پھل نہ آتا ہو پھر وہ ابھی خاوند کے قبضہ میں تھے کہ ان پر پھل آگیا تو پھل عورت کا حق ہوگا کیونکہ پھل عورت کی ملکیت کی نماء ہے جو اسکا حق ہے۔

یازدہم: مہر میں اختلاف پڑ جانا...... مہر میں اختلاف پڑجانے کی تین صورتیں ہیں مہر کے مقرر کرنے (یعنی تسمیہ) میں اختلاف، مہر کی مقدار یا جنس یا نوع یا صفت میں اختلاف، مہر پر قبضہ کرنے کے بارے میں اختلاف۔ ❷

پہلی صورت: مہر مقرر کرنے یا نہ مقرر کرنے میں اختلاف ہو...... اس جھگڑے کو سنوارنے کے متعلق فقہاء کی آراء مختلف ہیں بایں طور کہ زوجین میں سے کوئی ایک یا وارثوں میں سے کوئی ایک مہر مقرر کا دعویٰ کرتا ہو جبکہ دوسرا انکار کرتا ہو مثلاً پہلا کہتا ہو کہ مہر مقرر ہے دوسرا کہتا ہو مہر مقرر نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: اگر اختلاف کے وقت زوجین زندہ ہوں تو جو تعیین مہر کا انکار کرتا ہو اسے حلف دیا جائے گا کیونکہ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہوتے ہیں اور جو منکر ہو اس کے ذمہ قسم اٹھانا ہے اگر منکر قسم اٹھانے سے انکار کردے تو تعیین مہر ثابت ہوجائیگی، اگر منکر نے قسم اٹھالی تو ائمہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر یہی اختلاف طلاق کے بعد اور دخول سے پہلے ہو تو بالاتفاق متعہ واجب ہوگا۔

❶......المغنی ۶/۷۴۶۔ ❷البدائع ۲/۳۰۴ فتح القدیر ۲/۴۷۵ الدر المختار ۲/۴۹۶ الشرح الصغیر ۲/۴۹۱ القوانین الفقهية ۲۰۴ بداية المجتهد ۲/۲۹ المهذب ۲/۶۱ مغنی المحتاج: ۳/۲۴۲ کشاف القناع ۵/۱۷۱ المغنی ۶/۷۰۷۔

اگر زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے اور اس کے بعد تسمیہ مہر میں اختلاف ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے دونوں کے زندہ رہنے کی صورت میں اختلاف ہو۔ تفصیل اوپر ذکر ہو چکی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر مدعی نے گواہ قائم کر دیئے تو اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور اگر مدعی نے گواہ نہ پیش کئے تو دیکھا جائے گا کہ عرف اور رواج جسکا شاہد ہو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اگر مرد دعویٰ کرتا ہو کہ اس نے نکاح تفویض کیا ہے اور عورت مہر مقرر ہونے کا دعویٰ کرتی ہو تو قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا اگر چہ یہ اختلاف دخول کے بعد ہو یا موت کے بعد ہو یا طلاق کے بعد ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر مہر کے متعین ہونے یا نہ ہونے میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے یا دونوں کے وارثوں میں اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ خاوند کا دعویٰ اصل کے موافق ہے، دخول اور موت کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اگر خاوند نے دخول سے قبل طلاق دیدی تو عورت کو متعہ ملے گا کیونکہ مہر مقرر نہ ہونے کے متعلق عورت کا قول معتبر ہوتا ہے اور وہ مفوضہ ہے۔

شافعیہ: اگر عورت مہر کے مقرر ہونے کا دعویٰ کرتی ہو اور خاوند انکار کرتا ہو اور کہتا ہو: تسمیہ کا وقوع ہی نہیں ہوا جبکہ خاوند نکاح تفویض کا دعویٰ نہ کرتا ہو تو اصح قول کے مطابق دونوں قسم اٹھائیں گی کیونکہ اختلاف کا ماحاصل مہر کی مقدار ہے کیونکہ خاوند مہر مثل کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ عورت مہر مثل سے زائد مہر کا مطالبہ کرتی ہے دونوں کی قسموں سے ہر دوسرے کا دعویٰ منتفی ہو جائے گا اور نتیجہ عقد تسمیہ کے بغیر رہ جائے گا اور اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

دوسری صورت: مقررہ مہر کی مقدار میں اختلاف کا ہو جانا...... اگر مقررہ مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف ہو جائے خاوند کہتا ہو کہ مہر ایک ہزار روپے مقرر کیا گیا تھا بیوی کہتی ہو کہ مقرر مہر دو ہزار روپے ہے یہ اختلاف نکاح قائم ہونے کی حالت میں ہوا ہو۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس شخص کا قول معتبر ہوگا مہر مثل جسکا شاہد ہو اور ساتھ ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی البتہ زوجین میں سے جس نے بھی گواہ قائم کر دیئے قبول کئے جائیں گے۔

اگر میاں بیوی دونوں نے گواہ پیش کر دئے تو عورت کے گواہ مقدم ہوں گے بشرطیکہ مہر مثل مرد کا شاہد ہو کیونکہ عورت مہر مثل سے زائد کا ثبوت پیش کرتی ہے اور اگر مہر مثل عورت کا شاہد ہو تو مرد کے گواہ مقدم ہوں گے۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ درحقیقت گواہ خلاف ظاہر کا اثبات کرتے ہیں، اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اگر دونوں نے قسم اٹھالی تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد مہر مثل کو فیصل مانتے نہیں اور اگر مہر کی جنس یا نوع یا صفت میں اختلاف ہو تو مہر مثل کے بقدر اسکی قیمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عورت مدعیہ تصور کی جائیگی کیونکہ عورت خاوند پر زائد مہر کا دعویٰ کرتی ہے جبکہ خاوند اس زائد مقدار کا منکر ہوتا ہے یہاں بھی فقہی قاعدے کے مطابق ہوگا کہ گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور قسم منکر پر ہوتی ہے چنانچہ عورت سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو اس کے نقطہ نظر کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں اور وہ خاوند کو قسم دینے کا مطالبہ کر رہی ہو تو خاوند کو قسم دی جائے گی، اگر خاوند قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا جائیگا اور اگر خاوند نے قسم اٹھالی تو وہ جس مقدار کا تذکرہ کر رہا ہو اسی کا فیصلہ کیا جائے گا، الا یہ کہ اگر خاوند مہر کی اتنی قلیل مقدار بیان کرتا ہو جو کسی عرف ورواج ہی میں نہ آتی ہو تو اس صورت میں مہر مثل پر فیصلہ کیا جائے گا۔

حاصل یہ رہا کہ امام ابو یوسف مہر مثل کو فیصل نہیں مانتے بلکہ قسم کے ساتھ خاوند کے قول کا اعتبار کرتے ہیں یہی رائے مصر میں بطور قانون نافذ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف ہو جائے پھر اگر یہ اختلاف دخول سے قبل ہو تو میاں بیوی دونوں قسم اٹھائیں گے اور یوں مہر فسخ کریں گے عورت پہلے قسم اٹھائے اور جسکا مؤقف شہر کے عرف ورواج کے موافق ہو اس کے قول پر فیصلہ کیا جائیگا زوجین میں سے جس نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اس کے خلاف فیصلہ کیا جائیگا البتہ اس اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور اگر دخول کے بعد اختلاف ہو تو قسم کے ساتھ خاوند کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر مہر کی مقدار میں یا صفت میں یا مدت میں زوجین کا اختلاف ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے پھر مہر فسخ کر دیا جائے گا اور مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا البتہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر عقد کے بعد مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف ہو بلکہ زوجین میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو زوجین میں سے اس کا قول معتبر ہوگا جسکا قول مہر مثل کے مطابق ہو اگر عورت مہر مثل کا دعویٰ کرتی ہو یا اس سے کم کا دعویٰ کرتی ہو تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر خاوند مہر مثل یا اس سے زائد کا دعویٰ کرتا ہو تو اسی کا قول معتبر ہوگا حنابلہ کی رائے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے کے موافق ہے۔

تیسری صورت مہر معجّل پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہو..... مہر معجّل پر قبضہ کرنے کے بارے میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے جس کی صورت یہ ہے کہ خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے پورے مہر معجّل کی ادائیگی کر دی ہے جبکہ عورت کہتی ہو کہ اس نے مہر میں سے کچھ بھی قبضہ نہیں کیا۔

حنفیہ کہتے ہیں: اگر زوجین کے درمیان اختلاف صحبت سے قبل ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ گواہوں سے وہ اپنا مدعا ثابت کرے زوجین کے درمیان اختلاف اگر دخول کے بعد ہو اور اگر اس شہر میں پیشگی مہر دینے کا عرف ورواج نہ ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا اور اگر اس شہر میں عرف ورواج ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا مثلاً عورت کا دعویٰ ہو کہ اس نے مہر میں سے کچھ بھی قبضہ نہیں کیا جبکہ اس شہر کا رواج ہو کہ ایک تہائی یا نصف مہر پیشگی دیا جاتا ہے تو عورت کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ (1) چونکہ عرف سے عورت کی تکذیب ہو رہی ہے،

متاخرین حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ دخول کے بعد اگر عورت کا دعویٰ ہو کہ اس نے مہر معجّل پر قبضہ نہیں کیا تو اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی باوجود یہ کہ وہ قبضہ کی منکر ہے کیونکہ یہ عرف چل پڑا ہے کہ عورت زفاف سے قبل مہر معجّل پر قبضہ کر لیتی ہے۔

اگر مہر معجّل کے کچھ حصہ پر قبضہ کرنے کے متعلق اختلاف ہو مثلاً عورت کہتی ہو کہ اس نے کچھ مہر معجّل پر قبضہ کیا ہے، جبکہ خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے پورا مہر دے دیا ہے، تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ جب کچھ مہر پر قبضہ ہو جائے تو پورے مہر کا مطالبہ کرنے میں لوگ تساہل سے کام لیتے ہیں جبکہ زفاف قبضہ سے پہلے بھی ہو جاتی ہے۔

قبل از دخول مہر معجّل پر قبضہ کرنے پر اختلاف ہو جانے کی صورت میں مالکیہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے یعنی عورت کا قول معتبر ہوگا جبکہ دخول کے بعد قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا ہاں البتہ اگر اس جگہ عرف ورواج کچھ اور ہو تو اسکی طرف رجوع کیا جائیگا۔

شافعیہ اور حنابلہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے اور قبل از خول وبعد از دخول میں فرق نہیں کیا چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں: اگر مہر پر قبضہ کرنے کے متعلق زوجین کا اختلاف ہو جائے، خاوند ادائیگی کا دعویٰ کرتا ہو جبکہ عورت انکار کرتی ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ عدم قبضہ اصل ہے لہٰذا مہر ذمہ میں باقی ہوگا۔

اگر مہر کسی قرآنی سورت کی تعلیم ہو، خاوند اسی کا دعویٰ کرتا ہو جبکہ عورت اس کا نکار کرتی ہو اگر عورت کو وہ قرآنی سورت حفظ نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ عدم تعلیم اصل ہے اور اگر عورت کو وہ سورت حفظ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ عدم

(1)..... کہ وہ نصف یا تہائی مہر قبضہ کر چکی ہے۔

تعلیم اصل ہے۔ دوسرا یہ کہ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ خاوند نے اسے اس کے علاوہ کوئی اور تعلیم نہیں دی۔

دوازدہم: ساز و سامان اور اس میں اختلاف کا پڑ جانا...... ساز و سامان سے مراد گھریلو اثاثہ، گھریلو سامان بستر بچھونے اور وہ سامان جو عائلی زندگی کے متعلق ہے چنانچہ گھریلو ساز و سامان کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔

۱..... مالکیہ کہتے ہیں: عورت نے جتنی مقدار کا مہر قبضہ کیا ہو اس کے بقدر عوت پر گھریلو ساز و سامان کا انتظام کرنا واجب ہے۔ اگر عورت نے مہر پر قبضہ نہ کیا ہو تو عورت پر ساز و سامان بھی واجب نہ ہوگا۔ الا یہ کہ خاوند عورت پر جہیز کی شرط لگا دے یا عرف ورواج کی رو سے عورت پر لازم ہوتا ہے۔ مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ عرف ورواج کے مطابق عورت کو گھریلو انتظام کرنا ہوتا ہے اور اسی غرض کے لیے خاوند عورت کو مہر دیتا ہے چنانچہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شہر یا دیہات ہونے کے اعتبار سے گھریلو اثاثے کا بندوبست کرے چنانچہ عرف سے زیادہ سامان کا انتظام عورت پر لازم نہیں۔

۲..... حنفیہ کی رائے مالکیہ کے برخلاف ہے چنانچہ ان کے نزدیک گھریلو ساز و سامان کا انتظام مرد پر واجب ہے [1] جیسے عورت کی رہائش نفقہ اور کپڑے وغیرہ مرد پر واجب ہوتے ہیں جبکہ مہر گھریلو ساز و سامان کے بدلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ مہر تو مرد کی جانب سے عورت کو عطیہ اور نحلہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مہر کو نحلہ قرار دیا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ مہر استمتاع کے بدلہ میں دیا جاتا ہے مہر مرد پر لازم ہے رہی یہ بات کہ مرد مستقل طور پر مہر سے الگ عورت کو مال دے تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ مستقل مال مہر سے زائد ہو تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ گھریلو اثاثے کا انتظام وانصرام کرے۔

اگر مال مہر سے علیحدہ مستقل طور پر نہ ہو البتہ مہر مہر مثل سے زائد مقرر کر دیا گیا ہو تو ابن عابدین کہتے ہیں: عورت پر گھریلو سامان کا انتظام لازم نہیں ہوگا کیونکہ جب مہر میں اضافہ کیا جاتا ہے تو اضافہ مہر کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے۔ اور وہ سب عورت کا خالص حق ہوتا ہے اور مہر میں سے ساز و سامان کے لیے خرچ کرنے کے واسطے عورت سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

گھریلو اثاثے میں اختلاف...... گھریلو اثاثے یا گھریلو سامان مثلاً بچھونے بستر، برتن وغیرہ میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس بارے میں فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں۔

مالکیہ: اگر گھریلو سامان کے متعلق زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے اور ہر ایک کا دعویٰ ہو کہ یہ سامان اس کی ملکیت ہے۔ زوجین میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو سامان کی نوعیت دیکھی جائے گی جو سامان نسوانی طرز کا ہو مثلاً زیور، کاتا ہوا سوت، عورتوں کے کپڑے برقعہ وغیرہ تو ایسے سامان کا فیصلہ عورت کے حق میں کیا جائے گا لیکن ساتھ عورت سے قسم بھی لی جائے گی۔ اور وہ سامان جو مردانہ طرز کا ہو جیسے اسلحہ کتابیں، زرعی آلات اور مردوں کے کپڑے وغیرہ تو قسم کے ساتھ مرد کے حق میں فیصلہ کیا جائیگا۔ اور جو سامان مشترکہ نوعیت کا ہو جیسے دراہم ودینار تو وہ مرد کی ملکیت ہوں گے تاہم مرد سے قسم لی جائے گی۔ سحنون مالکی کہتے ہیں: جو چیز زوجین میں سے کسی ایک کی معلوم ہو تو وہ بغیر قسم کے مرد کی ملکیت ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ: کا موقف بھی مالکیہ کے موافق ہے [2] چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں: وہ سامان جو مردوں کا ہو سکتا ہو جیسے ٹوپی عمامہ اسلحہ وغیرہ تو اس میں قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہری حالت مرد کی شاہد ہے۔ اور جو سامان عورتوں کا ہو سکتا ہو جیسے برقعہ، چادر، کاتا ہوا سوت وغیرہ تو اس میں قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہری حالت اسکی شاہد ہے اور جو سامان مشترکہ طرز کا ہو جیسے دراہم ودنا نیز دیگر گھریلو اثاثہ چٹائیاں اناج وغیرہ تو اس میں قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ گھر میں موجود اشیاء پر

---

[1]..... حاشیة ابن عابدین ۲/۵۰۵۔ [2] البدائع ۲/۳۰۸ الدر المختار اور ردالمحتار ۲/۵۰۴۔

خاوند کا قبضہ عورت کے قبضہ سے کہیں زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ مرد کا قبضہ قبضہ تصرف ہوتا ہے جبکہ عورت کا قبضہ محض حفاظت کا ہوتا ہے جبکہ تصرف کا قبضہ حفاظتی قبضہ سے قوی ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں: عرف ورواج کے مطابق جو سامان عورتیں مہیا کرتی ہیں ان میں قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا اور بقیہ سامان میں خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ غالب احوال میں عورت کو جب زفاف کے لئے رخصت کیا جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ جہیز لے کر آتی ہے، گویا ظاہری حالت عورت کی شاہد ہے اس مقدار میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر سامان میں قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہری حالت اس کی شاہد ہے۔

یہ رائے ان شہروں کے عرف کے موافق ہے جن میں عورتیں جہیز لے کر آتی ہیں۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: گھریلو سامان جو زوجین کے درمیان مشترک ہو وہ نصف نصف کیا جائے گا۔

اگر زوجین مر جائیں اور پھر ورثہ کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو اسکا حکم وہی ہوگا جو زوجین کے اختلاف کا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک خاوند کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کے ورثہ کا قول اس سامان کے متعلق معتبر ہوگا جو نسوانی سامان ہو اور بقیہ میں خاوند کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا۔

اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے اور زندہ فریق کے ساتھ میت کے ورثہ کا اختلاف ہو جائے تو امام ابو یوسف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم تبدیل نہیں ہوگا چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اگر عورت زندہ ہو تو اس کے بمثل سامان کے متعلق عورت کا قول معتبر ہوگا اگر عورت مر گئی ہو تو اس کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اس کے علاوہ جو سامان ہوگا اس کے متعلق خاوند یا اس کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اگر خاوند زندہ ہو تو قسم کے ساتھ اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں زوجین میں سے جو زندہ ہو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہوگا اگر خاوند زندہ ہو تو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہوگا کیونکہ گھر میں موجود سامان پر اسکا قبضہ عورت کے قبضہ سے قوی ہوتا ہے اور اگر عورت زندہ ہو تو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہوگا کیونکہ خاوند جب زندہ ہوتا ہے تو عورت کا قبضہ ضعیف ہوتا ہے اور جب خاوند مر جاتا ہے تو عورت کا قبضہ قوی ہو جاتا ہے۔

سیزدہم......وراثت مہر اور اسکا ہبہ:

مالکیہ کہتے ہیں: مہر عورت کا خالص حق ہوتا ہے اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ چاہے مہر اپنے خاوند کو ہبہ کر دے یا اجنبی کو ہبہ کرے اگر عورت مر جائے تو مہر کا مال وراثت میں تقسیم ہوتا ہے اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

اگر دخول سے قبل عورت کو طلاق ہو جائے تو وہ نصف مہر کی حقدار ہوگی۔

اگر باپ یا کوئی اور دعویٰ کرے کہ بعض سامان اسکی ملکیت ہے جبکہ بیٹی یا خاوند اس کی مخالفت کرتا ہو تو باپ یا وصی کا دعویٰ قبول کیا جائے گا الا یہ کہ باپ اس امر پر گواہ قائم کر دے کہ فلاں چیز اسکی بیٹی کے پاس اس کی امانت یا عاریت ہے۔

اگر دخول کے ایک سال کے بعد باپ یہی (مذکور بالا) دعویٰ کرے تو اسکا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اگر مہر سے زائد کوئی شخص اپنی بیٹی کو سامان دے پھر وہ شخص دخول سے پہلے مر جائے یا دخول کے بعد مر جائے تو وہ چیز بیٹی کی مخصوص ہوگی بشرطیکہ بیٹی نے سامان اپنے گھر منتقل کر لیا ہو یا باپ نے مرنے سے پہلے بیٹی کے حق میں گواہ قائم کر دیئے ہوں۔

اگر سمجھدار عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے خاوند کو مہر ہبہ کردے تو خاوند کو اقل مہر یعنی چوتھائی دینار یا تین دراہم دینے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ نکاح مہر سے خالی نہ رہے۔

سمجھدار عورت کے لئے جائز ہے کہ جس مہر پر نکاح ہوا ہو وہ سارا اپنے خاوند کو ہبہ کردے کیونکہ مہر عورت کی ملکیت ہے اور وطی سے اسکی ملکیت پختہ ہوجاتی ہے برابر ہے کہ عورت نے قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا۝ النساء ۴/۴

اگر عورتیں خوشدلی سے تمہیں کچھ مہر ہبہ کرلیں تو تم اسے کھاؤ وہ حلال وخوشگوار ہے۔

اگر سمجھدار عورت اپنے خاوند کو مہر ہبہ کردے یا اسے اپنی طرف سے مال دے اور اسکی غرض یہ ہو کہ تا کہ خاوند کے ساتھ حسن معاشرت قائم رہے پھر فساد کی وجہ سے نکاح فسخ کردیا جائے یا دو سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ خاوند اسے طلاق دیدے تو عورت نے جتنا مہر ہبہ کیا ہو واپس لے سکتی ہے کیونکہ اسکی غرض پوری نہیں ہوئی۔

اگر ناسمجھ عورت کسی مرد کو مال دے تا کہ وہ مرد اس سے شادی کرے چنانچہ نکاح صحیح ہوگا اور فسخ نہیں کیا جائیگا، البتہ مرد پر لازم ہے کہ وہ اس کے بقدر عورت کو اتنا ہی مال دے جتنا لیا تھا بشرطیکہ وہ مال عورت کے مہر کے بمثل ہو یا اس سے زیادہ ہو اگر مہر مثل سے کم ہو تو مرد اسے اتنا مہر دے تا کہ مہر مثل کے برابر ہوجائے۔

دوسری بحث......متعہ (سامان)

اس بحث میں متعہ کی تعریف، حکم اور اسکی مقدار بیان کی جائے گی۔ ❶

متعہ کا معنی......متعہ متاع سے مشتق ہے مراد ایسی چیز جس سے نفع اٹھایا جائے متعہ کا اطلاق چار معانی پر ہوتا ہے۔

۱......متعہ حج یعنی حج تمتع اسکا تذکرہ حج کی بحث میں گزرچکا ہے۔

۲......متعہ نکاح جو متعین مدت کے لئے ہوتا ہے۔

۳......متعہ مطلقات: یعنی طلاق یافتہ عورتوں کو کچھ تھوڑا بہت دیا جانے والا سامان اور مال اس بحث میں اسی معنی پر گفتگو کی جائے گی۔

۴......عورت کا اپنے مال میں سے خاوند کو کچھ دینا جیسا کہ بعض شہروں میں اس کا رواج ہے۔

زیر بحث متعہ......سے مراد کپڑے اور وہ مال ہے جو خاوند طلاق یافتہ عورت کو دیتا ہے تا کہ عورت خوش ہوجائے اور فرقت وجدائی کا غم جاتا رہے۔

تعریف......مالکیہ نے متعہ کی یوں تعریف کی ہے:

الاحسان الى المطلقات حين الطلاق بما يقدر عليه المطلق بحسب ماله فى القلة والكثرة

بوقت طلاق طلاق یافتہ عورتوں پر احسان کرنا جو مالی صورت میں ہو اور طلاق دہندہ اپنی وسعت کے بقدر دے۔

متعہ کا حکم......متعہ کے حکم کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں: بعض صورتوں میں متعہ واجب ہوتا ہے بعض صورتوں میں مستحب ہے طلاق کی دو صورتوں میں متعہ واجب ہے۔

---

❶......البدائع ۳۰۲/۲ الدر المختار ۴۶۱/۲ اللباب ۱۷/۳ فتح القدير: ۴۴۸/۲ الشرح الصغير ۶۱۹/۲ القوانين الفقهية ۲۱۰ مغنى المحتاج: ۲۴۱/۳ المهذب ۶۳/۲ كشاف القناع ۱۷۶/۵ المغنى ۷۱۶/۶ غاية المنتهى ۷۳/۳.

۱.....مفوضہ کو دخول سے قبل طلاق ہو جائے یا مطلقہ کا مہر مقرر تھا تاہم تسمیہ فاسد ہو یعنی دخول اور خلوت سے پہلے طلاق ہو جبکہ نکاح میں تسمیہ مہر (مہر کی تعین) نہ ہو۔اور نہ ہی نکاح کے بعد مہر مقرر کیا گیا ہو یا یہ کہ تسمیہ فاسد تھا یہ صورتیں مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ البقرۃ:۲/۲۳۶

تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ جب تک تم نے عورتوں کو نہ چھوا ہو کہ تم انھیں طلاق دے دو اور نہ ان کا مہر مقرر کیا ہو ایسی صورت میں ان کو متعہ دو۔

آیت کریمہ میں متعہ کے لئے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے یہ وجوب آیت کے آخر سے اور زیادہ موکد ہو جاتا ہے:

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ البقرۃ ۲/۲۳۶

نیکوکاروں پر واجب ہے۔

نیز اس صورت میں متعہ نصف مہر کا متبادل ہوتا ہے جبکہ نصف مہر واجب ہوتا ہے اور واجب کا بدل بھی واجب ہوتا ہے کیونکہ متعہ نصف مہر کے قائم مقام ہے۔جیسے تیمّم وضو کے قائم مقام ہوتا ہے۔

۲.....نکاح میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور طلاق دخول سے پہلے ہو جائے تو متعہ دینا واجب ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ ......الاحزاب ۳۳/۴۹

اے ایمان والو! اگر تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انھیں چھونے سے پہلے طلاق دو تو تمہارے لیے ان پر عدت واجب نہیں جسے تم شمار کرو اور تم انھیں متعہ دو۔

اسی طرح اوپر آیت گزر چکی ہے کہ فَمَتِّعُوْهُنَّ..... (البقرۃ ۲/۲۳۶)

چنانچہ پہلی آیت کی رو سے ہر وہ عورت جسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اسے متعہ دینا واجب ہے پھر اس عموم سے اس عورت کو مخصوص کر دیا گیا جس کا مہر مقرر کر دیا گیا ہو چنانچہ حکم آیت میں صرف وہی مطلقہ باقی رہی جس کا مہر مقرر نہ ہو دوسری آیت میں اس عورت کے لئے متعہ واجب قرار دیا گیا ہے جس کے نکاح کے بعد مہر مفروض (مقرر) نہ کیا گیا ہو۔

امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے کہ دخول سے قبل جس عورت کو طلاق ہو جائے درحالیکہ اس کا مہر مقرر ہو اسے نصف مہر دینا واجب ہے برابر ہے کہ عقد نکاح سے پہلے مہر مقرر کیا گیا ہو یا عقد نکاح کے بعد کیونکہ عقد کے بعد مہر مقرر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ عقد کے دوران مہر مقرر کیا گیا ہو۔چنانچہ عقد کے دوران مقرر کیا گیا مہر نصف ہو جاتا ہے اسی طرح عقد کی بعد مقرر کیا گیا مہر بھی نصف ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دخول کے بعد طلاق ہو جانے کی صورت میں اور نکاح میں مہر مقرر ہونے کی صورت میں قبل از دخول طلاق ہو جانے کی صورت میں متعہ مستحب ہے کیونکہ متعہ نصف مہر کے متبادل کے طور پر واجب ہوتا ہے چنانچہ جب عورت مقررہ مہر یا مہر مثل کی مستحق ٹھہرے تو متعہ کا یہاں کوئی سبب نہیں۔

شافعیہ: دخول کے بعد طلاق ہونے کی صورت میں متعہ واجب قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ البقرۃ ۲/۲۴۱

اور مطلقہ عورتوں کو قاعدہ کے مطابق متعہ دینا پرہیز گاروں پر ان کا حق ہے۔

خلاصہ..... حنفیہ کے نزدیک ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے البتہ اس عورت کو متعہ دینا واجب ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو (وہ اصلاح میں مفوضہ کہلاتی ہے) اور دخول سے قبل اسے طلاق ہو جائے یا جس عورت کا مہر مقرر ہو لیکن تعین مہر فاسد ہو یا عقد نکاح کے بعد مہر مقرر کیا گیا ہو۔

مالکیہ کا مذہب..... ہر طلاق یافتہ عورت کو متعہ دینا مستحب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ البقرة ۲/۲۴۱

پرہیز گاروں پر واجب ہے۔

اور

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ البقرة ۲/۲۳۶

نیکوکاروں پر واجب ہے۔

چنانچہ دونوں آیات میں امر کو تقویٰ اور احسان کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ واجبات ان امور کے ساتھ مقید نہیں ہوتے مالکیہ کہتے ہیں: مطلقات کی تین اقسام ہیں:

۱..... ایسی عورت جسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے اور اس کا مہر بھی مقرر نہ ہو اس عورت کا مفوضہ کہا جاتا ہے۔ اس عورت کو متعہ ملے گا مہر میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

۲..... ایسی عورت جسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے اور اس کا مہر مقرر ہو چنانچہ اسے متعہ نہیں ملے گا۔

۳..... ایسی عورت جسے دخول کے بعد طلاق ہو جائے خواہ مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق ہو یا بعد اسے بھی متعہ ملے گا۔

ہر ایسی فرقت جو عورت کے اختیار سے ہو اس میں عورت کو متعہ نہیں ملے گا جیسے مجنون کی بیوی، مجذوم کی بیوی نامرد کی بیوی فسخ کی وجہ سے ہونے والی فرقت میں بھی متعہ نہیں ہوگا جو عورت خلع کرلے اسے بھی متعہ نہیں ملے گا اور جس عورت کے ساتھ لعان ہو جائے اسے بھی متعہ نہیں ملے گا۔

شافعیہ کا مذہب..... مالکیہ کے برعکس ہے چنانچہ شافعیہ کے نزدیک ہر مطلقہ کے لیے متعہ واجب ہے برابر ہے کہ دخول سے پہلے طلاق ہو یا بعد البتہ وہ عورت جسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اور اسکا مہر مقرر ہوا سے صرف نصف مہر ملے گا۔ تاہم متعہ اس عورت کے لیے بھی واجب ہوگا جسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اگرچہ نصف مہر اس کے لئے واجب نہ ہو۔

متعہ ہر ایسی فرقت پر واجب ہوتا ہے جو عورت کے سبب سے واقع نہ ہوئی ہو جیسے طلاق، خاوند کا مرتد ہو جانا مرد کا لعان کر لینا یا مرد نے اسلام قبول کرلیا اور جس عورت کے لئے نصف مہر واجب ہوا سے متعہ ملے گا جبکہ مفوضہ اور وہ عورت جس کے لیے مہر مقرر نہ ہوا سے متعہ ملے گا شافعیہ کی عبارت مختصر ایہ ہے۔

ہر فرقت والی عورت کو متعہ ملے گا البتہ وہ عورت جس کا مہر مقرر ہو اور دخول سے قبل فرقت ہو جائے یا فرقت عورت کی وجہ سے ہو یا مرد عورت کا مالک بن جائے یا فرقت موت کی وجہ سے ہوئی ہو یا فرقت لعان کی وجہ سے ہوئی ہو تو متعہ نہیں ملے گا۔

شافعیہ کی دلیل یہ آیت ہے: وَمَتِّعُوهُنَّ اور انہیں متعہ دو۔ (البقرة ۲/۲۳۶)

اور وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ مطلقہ عورتوں کے لئے قاعدہ کے مطابق متعہ ہے۔ (البقرة ۲/۲۴۱)

چنانچہ آیت میں ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب قرار دیا گیا ہے برابر ہے کہ مطلّقہ کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اسکا مہر مقرر کیا گیا

ہو یا نہ کیا گیا ہو شافعیہ کے مذہب کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ لِأَزْوَاجِكَ: إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا

اے نبی اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اسکی زیب وزینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ ساز وسامان دوں گا اور تمہیں اچھی طرح سے رخصت کروں گا۔ الاحزاب ۳۳/۲۸

اگر نکاح تفویض کی صورت میں عورت کا مہر مقرر کر دیا گیا ہو تو اسے متعہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ خاوند بضع کے منافع سے مستفید نہیں ہوا لہٰذا نصف مہر پر اکتفا کیا جائے گا۔

حنابلہ کا مذہب فی الجملہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے چنانچہ حنابلہ کے نزدیک متعہ ہر آزاد و غلام، مسلمان اور ذمی پر واجب ہے اور ہر مفوضہ عورت (جسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے) متعہ کا حق رکھتی ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَمَتِّعُوهُنَّ (البقرۃ ۲/۲۳۶)

حنابلہ کے نزدیک مفوضہ کے علاوہ ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ...... البقرۃ ۲/۲۴۱

مطلقہ عورتوں کو قاعدہ کے مطابق متعہ دینا ہے۔

البتہ متعہ واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقات کی دو قسمیں کی ہیں اور متعہ اس عورت کے لیے واجب قرار دیا ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو اور جس عورت کا مہر مقرر رہوا سے نصف مہر ملتا ہے۔

جس عورت کا خاوند مر چکا ہو اسے متعہ نہیں ملے گا کیونکہ نص میں اسکا بیان شامل نہیں بلکہ نص میں مطلقات کا بیان ہے۔

ہر وہ مقام جہاں کل مہر ساقط ہو جاتا ہے وہاں متعہ بھی ساقط ہو جاتا ہے جیسے مثلاً عورت مرتدہ ہو جائے کیونکہ متعہ نصف مہر کے قائم مقام ہوتا ہے جب مہر ہی ساقط ہو جاتا ہے تو متعہ بھی بطریق اولی ساقط ہو جائے گا۔

جس عورت کے لیے نصف مہر واجب ہو اس کے لیے متعہ واجب نہیں ہوتا، برابر ہے کہ عورت کا مہر مقرر ہو یا نہ ہو لیکن عقد کے بعد مقرر کر لیا گیا ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جمہور کے مؤقف کے موافق ہے۔

جس عورت کا مہر دخول کے بعد مقرر کیا گیا ہو اسے متعہ نہیں ملے گا ہاں البتہ اسے متعہ دینا مستحب ہے اسی طرح جس عورت کا مہر مقرر ہو لیکن ہو فاسد مثلاً اسکا مہر شراب مقرر کر لیا گیا ہو اور اسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو اسے متعہ دینا مستحب ہے۔

متعہ کی مقدار...... متعہ کی مقدار میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی تاہم فقہاء نے اجتہاد سے متعہ کی مقدار بیان کی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: متعہ کے تین کپڑے ہوتے ہیں (۱) درع یعنی وہ کپڑا جسے عورت قمیص کے اوپر پہنتی ہے (۲) خمار جس سے عورت سر ڈھانپتی ہے (۳) ملحفہ اوڑھنی جسے عورت سر سے لے کر پاؤں تک لپیٹ لیتی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ البقرۃ ۲/۲۳۶

سامان دینا ہے قاعدہ کے مطابق یہ عورتوں کے لئے نیکوکاروں پر حق ہے۔

آیت میں متاع سے مراد ساز وسامان ہے نیز جب زوجیت قائم ہوتی ہے اس حالت میں بھی مرد کے ذمہ کپڑے واجب ہوتے ہیں اور کم از کم کپڑے کسی عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ تین کپڑے ہوتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اگر خاوند مالدار ہو تو ان تین کپڑوں کی قیمت نصف مہر سے زائد نہ ہونے پائے کیونکہ یہ تین کپڑے نصف مہر کا بدل ہوتے ہیں اور اگر خاوند فقیر ہو تو ان کی قیمت پانچ دراہم سے کم نہ ہو مفتی بہ قول کے مطابق متعہ میں زوجین کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جیسے نفقہ میں زوجین کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ

اگر دونوں مالدار ہوں تو اعلیٰ قسم کے کپڑے دیئے جائیں اور اگر دونوں فقیر ہوں تو ادنیٰ قسم کے کپڑے دیئے جائیں۔ اگر ایک مالدار اور دوسرا فقیر ہو تو درمیانی قسم کے کپڑے دیئے جائیں۔

شافعیہ کہتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ متعہ میں جو چیز دی جائے اس کی قیمت تیس دراہم سے کم نہ ہو یہ مستحب کا ادنیٰ درجہ ہے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خادم دیا جائے اور درمیانی درجہ یہ ہے کہ کپڑا دیا جائے۔ مسنون یہ ہے کہ متعہ نصف مہر تک نہ پہنچنے پائے بلکہ نصف مہر سے کم ہو اور اگر نصف مہر سے بڑھ جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ آیت **ومتعوھن** مطلق ہے۔

اگر متعہ کی مقدار میں زوجین کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو قاضی اپنے اجتہاد سے دونوں کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر کی مقدار متعین کرے جیسا کہ حنفیہ کا موقف ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ

اور مطلقہ عورتوں کو متعہ دو جو وسعت رکھتا ہو اس پر اسی کے بقدر ہے اور جو تنگدست ہو اس پر اسی کے بقدر۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ۔۔۔۔۔۔البقرۃ ۲/۲۴۱

مطلقہ عورتوں کو قاعدہ کے مطابق ساز وسامان دینا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ متعہ کے حوالے سے مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا چنانچہ مرد اگر مالدار ہو تو اسی کے بقدر اس پر متعہ واجب ہوگا اور اگر مرد تنگدست ہو تو اسی کے بقدر اس پر متعہ واجب ہوگا اور مذکور آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ متعہ کا اعلیٰ درجہ خادم ہے ادنیٰ درجہ اتنا کپڑا دینا جس میں نماز ہو جائے حنفیہ کے نزدیک متعہ کا ادنیٰ درجہ تین کپڑے دینا ہے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: متعہ کا اعلیٰ درجہ خادم ہے پھر اس کے بعد نفقہ اور پھر کپڑے بظاہر یہ قول راجح ہے۔

سوریہ کے قانون دفعہ ۶۱ / ۲ میں یوں صراحت کی گئی ہے اگر دخول اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس صورت میں متعہ واجب ہوگا۔

تیسری بحث ...... خلوت صحیحہ اور اس کے احکام:

اس بحث میں خلوت کا معنی، فقہاء کی مختلف آراء اور خلوت کے احکام کا بیان ہوگا۔ (1)

خلوت کا معنی ...... خلوت صحیحہ یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد زوجین ایسی جگہ اکٹھے ہو جائیں جہاں لوگوں کے آنے جانے کا خوف نہ ہو جیسے کوئی بند کمرہ۔

اگر میاں بیوی راستے میں اکٹھے ہوں یا سڑک پر اکٹھے ہوں یا مسجد میں اکٹھے ہوں یا اجتماعی حمام میں اکٹھے ہو یا گھر کی چھت پر اکٹھے ہوں جو اطراف سے کھلی ہو یا ایسے کمرے میں جمع ہوں جو کھلا پڑا ہو یا ایسے باغ میں جمع ہوں جس کا دروازہ نہ ہو تو ان سب صورتوں میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔

خلوت صحیحہ میں یہ بھی شرط ہے کہ زوجین میں کوئی طبعی، حسی یا شرعی مانع نہ ہو جو جنسی ربط واتصال اور وطی میں رکاوٹ بنتا ہو۔ ان موانع کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

(1) ...... البدائع ۲/۲۹۱ الدر المختار ۲/۴۵۴ الشرح الکبیر ۲/۳۰۱ القوانین الفقھیہ ۲۰۲ مغنی المحتاج ۳/۲۲۵ کشاف القناع ۵/۱۸۰

حسی مانع......اس کا حاصل یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک میں ایسا مرض ہو جو صحبت میں رکاوٹ بن رہا ہو مثلاً عورت کے رحم میں رتق کی بیماری رحم میں ہڈی ابھر جانے کی بیماری یا مرد کا خصی ہونا، مردانہ قوت کا فوت ہو جانا۔ جب کہ عورت صحت مند ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقطوع الذکر کی خلوت خلوت صحیحہ ہے جبکہ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

مانع طبعی......ایسا مانع جو نفس کو جماع سے روکتا ہو۔ مثلاً کوئی تیسرا شخص جو سمجھ بوجھ والا ہو موجود ہو اگر چہ وہ نابینا ہو یا سویا ہوا ہو یا ممیّز بچہ ہو یا دوسری بیوی موجود ہو اور اگر تیسرا آدمی غیر ممیّز بچہ ہو یا مجنون ہو یا بے ہوش ہو تو خلوت صحیحہ ہوگی۔

مانع شرعی......ایسا مانع کہ جس کے ہوتے ہوئے شرعاً صحبت کرنا ممنوع ہو جیسے رمضان کا روزہ حج یا عمرہ کا احرام اعتکاف، عورت کا حالت حیض یا نفاس میں ہونا، فرض نماز میں ہونا اسی طرح اگر مسجد میں خلوت ہوئی تو یہ خلوت بھی غیر صحیح ہوگی کیونکہ مسجد میں صحبت کرنا حرام ہے۔

اگر عورت کو علم نہ ہو کہ یہ شخص اسکا خاوند ہے چنانچہ ابن عابدین کہتے ہیں کہ یہ ایسا مانع ہے جس پر خاوند کا اختیار ہے یعنی خاوند عورت کو اطلاع دے کہ وہ اسکا خاوند ہے اگر خاوند کی طرف سے کوتاہی ہو تو خلوت کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ خاوند پر مہر لازم ہوگا۔

اگر خلوت کی مذکورہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو خلوت فاسد ہوگی مثلاً خلوت ایسی جگہ ہو جہاں لوگوں کا آنا عام ہو یا کوئی اور چیز جماع میں رکاوٹ بن رہی ہو تو وہ خلوت فاسدہ ہوگی یا یوں کہہ لیجئے کہ ہر ایسی خلوت جس میں مذکورہ بالا موانع میں سے کوئی مانع پایا جاتا ہو۔

احکام خلوت کے بارے میں فقہاء کی آراء......خلوت کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

ا۔ مالکیہ کا اور شافعیہ کا جدید مذہب......بغیر جماع کے محض خلوت اور پردے نیچے گرا لینے سے مہر موکد نہیں ہوتا۔ اگر خاوند کو بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ میسر ہوئی پھر خاوند نے دخول سے قبل طلاق دیدی اگر مہر مقرر ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا اگر مہر مقرر نہ ہو تو متعہ ملے گا کیونکہ مالکیہ کے نزدیک متعہ مستحب ہے واجب نہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

اگر تم چھونے سے پہلے عورتوں کو طلاق دو حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقرر کیے گئے مہر کا نصف واجب ہوگا۔

آیت کریمہ میں مس (چھونا) اتصال جنسی یعنی جماع سے کنایہ ہے نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر شرمگاہ کو حلال سمجھنے کے بدلہ میں لازم قرار دیا ہے۔

البتہ مالکیہ کہتے ہیں......خلوت صحیحہ کے دو حکم ہیں۔

اول......عورت پر عدت واجب ہوگی اگر چہ زوجین عدم صحبت پر اتفاق کر لیں پھر بھی عدت واجب ہوگی کیونکہ عدت اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو وطی نہ کرنے پر اتفاق کر لینے سے ساقط نہیں ہوتا۔

دوم......زوجین کے اختلاف کے وقت خلوت وطی پر قرینہ بن جاتی ہے چنانچہ اگر مرد بیوی کے ساتھ تنہائی اختیار کرے باایں طور کہ پردے لٹکا دیے گئے ہوں اور زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے سکون حاصل کرے اور مطمئن ہو جائے پھر خاوند اسے طلاق دے دے پھر وطی ہونے میں دونوں کا اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ عورت کی تصدیق کی جائے گی اگر عورت قسم اٹھانے سے انکار کرے تو خاوند کو قسم دی جائیگی اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ عورت کو نصف مہر دے اور اگر قسم سے انکار کرے تو پورا مہر اس پر لازم ہوگا کیونکہ خلوت ایک گواہ کے قائم مقام ہے اور قسم سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے قائم مقام ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب..... تکمیل مہر کے حوالے سے خلوت وطی کے مترادف ہے اسی طرح خلوت سے عدت لازم ہوجاتی ہے نسب ثابت ہوجاتا ہے، منکوحہ کی بہن ناکحہ پر حرام ہوجاتی ہے اس کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت نکاح میں نہیں لائی جاسکتی یہاں تک کہ اسکی عدت گزرجائے، شہوت کے ساتھ چوما چاٹی اور بوس وکنار بھی حنابلہ کے نزدیک دخول کے حکم میں ہے تاہم خلوت صحیحہ کے بعد طلاق، طلاق بائن ہوگی اور اس پر مندرجہ ذیل احکام مرتب ہوں گے۔

۱..... پورا مہر ثابت ہوگا چنانچہ خلوت صحیحہ کے بعد مرد نے بیوی کو طلاق دیدی تو عورت کامل مہر کی مستحق ہوگی اگر مہر مقرر ہو اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل عورت کو ملے گا۔

۲..... نسب ثابت ہوجائے گا اگر خلوت صحیحہ کے بعد عورت کو طلاق دیدی گئی پھر عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو ناکح سے اسکا نسب ثابت ہوجائے گا بشرطیکہ عورت نے چھ ماہ سے زائد عرصہ کا بچہ جنم دیا ہو۔

۳..... عدت واجب ہوگی، اگر مرد نے خلوت کے بعد عورت کو طلاق دی حنفیہ کے نزدیک اگرچہ خلوت فاسدہ ہو تو عورت پر عدت واجب ہوگی۔

۴..... عورت کا عرصہ عدت کا نفقہ طلاق دہندہ خاوند پر واجب ہوگا یعنی طعام رہائش اور کپڑے خاوند پر واجب ہوں گے۔

۵..... وہ عورت جو اس منکوحہ کے لئے حرام ہو (یعنی اس کی بہن، پھوپھی، خالہ) وہ ناکح پر حرام ہوگی، اس کے علاوہ چار عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوگا یا اس کی جگہ پانچویں عورت کو نکاح میں لانا حرام ہوگا۔

۶..... منکوحہ کو طہر میں طلاق دینا ہوگی خلوت صحیحہ کے بعد خاوند اگر منکوحہ کو طلاق دینا چاہے تو اسے طلاق کے وقت کی رعایت رکھنی ہوگی اور طلاق طہر میں دیگا جیسا کہ طلاق سنی کا یہی وقت مقرر ہے۔

وہ احکام جن میں خلوت دخول کے حکم میں نہیں:

۱۔ احصان..... خلوت صحیحہ سے زوجین محصن نہیں کہلاتے بلکہ محصن ہونے کے لئے دخول کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ خلوت صحیحہ کے بعد اگر مرد سے زنا سرزد ہوجائے تو اسے رجم نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ غسل..... محض خلوت سے زوجین پر غسل واجب نہیں ہوتا، بخلاف وطی کے۔

۳۔ حرمت بنت..... خلوت سے منکوحہ کی بیٹی ناکح پر حرام نہیں ہوتی چنانچہ ناکح منکوحہ کو طلاق دیکر اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے، تاہم بیٹی حرام ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسکی ماں کے ساتھ صحبت کی ہو۔

۴۔ حلالہ..... دوسرے خاوند کے ساتھ خلوت صحیحہ سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی بلکہ حلال ہونے کے لئے حقیقۃً دخول کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ حصول رجعت..... جس عورت کو خاوند نے طلاق رجعی دی ہو تو خلوت سے رجعت نہیں ہوتی، چنانچہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہو پھر قول سے رجوع نہ کرے نہ بوسہ لے اور نہ ہی وطی کرے تو محض خلوت سے رجعت ثابت نہیں ہوگی۔ جبکہ دخول سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے۔

۶۔ بغیر عقد جدید کے زوجیت کا لوٹ آنا..... خلوت کے بعد طلاق طلاق بائن ہوتی ہے تاہم اگر خاوند طلاق کے بعد مطلقہ کو دوبارہ بیوی بنانا چاہتا ہو تو عقد جدید ضروری ہوگا خلوت سے مطلقہ اس کی بیوی نہیں بنے گی گویا نئے سرے سے عقد نکاح اور تعیین مہر ضروری

ہے، جبکہ دخول کے بعد طلاق طلاق رجعی ہوتی ہے بشرطیکہ طلاق مغلظہ نہ ہو اس صورت میں عقد جدید کے بغیر بھی رجعت ہوسکتی ہے۔

۷۔ میراث......خلوت کے بعد طلاق بائن واقع ہوتی ہے چنانچہ عدت کے دوران اگر زوجین میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اس کا وارث نہیں بنے گا۔ کیونکہ طلاق بائن کی عدت میں موت کی صوریت میں میراث نہیں ہوتی، جبکہ اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے پھر اس طلاق کی عدت میں زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے تو زندہ فریق میت کا وارث ہوگا کیونکہ یہ طلاق رجعی ہے اور طلاق رجعی کی عدت کے دوران موت ایسی ہی ہے جیسے زوجیت کے قائم ہوتے ہوئے زوجین میں سے کوئی مرجائے۔

۸۔ عورت باکرہ کے حکم میں ہوتی ہے......خلوت کے بعد جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو مطلقہ کنواری کے حکم میں ہوگی کیونکہ حقیقۃً کنواری ہے جبکہ جس عورت کے ساتھ صحبت ہوجائے اور طلاق کے بعد وہ ثیبہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

ملاحظہ......خلوت کے مذکورہ بالا احکام صرف اسی صورت میں ثابت ہوں گے جب نکاح صحیحہ ہو اگر نکاح فاسد ہو تو مذکورہ بالا احکام ثابت نہیں ہوں گے۔

(ب)......خلوت فاسدہ کی بعض صورتوں میں حنفی مذہب میں معتمد قول کے مطابق عدت واجب ہوگی چنانچہ مانع طبیعی یا مانع شرعی کی وجہ سے اگر خلوت فاسد ہوجائے تو عدت واجب ہوگی کیونکہ ان دوموانع کے ہوتے ہوئے فی نفسہ وطی ممکن ہوتی ہے برخلاف مانع حسی کے۔

(ج)......عدت قضاءً واجب ہوگی نہ کہ دیانۃً جبکہ دخول حقیقی کے بعد عدت دیانۃً بھی واجب ہوتی ہے اور قضاءً بھی۔

حنفیہ اور حنابلہ کے دلائل:

۱......چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ النساء: ۴/۲۰۔۲۱

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے میں دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر) واپس لوگے؟ اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہوچکے تھے اور انھوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا۔

چنانچہ اس آیت کریمہ میں افضاء ہوجانے کے بعد مہر واپس لینے سے منع کیا گیا ہے امام فراء کہتے ہیں افضاء سے مراد خلوت ہے خواہ دخول ہوا ہو یا نہ۔

۲......حدیث نبوی ہے جس شخص نے (منکوحہ) عورت کا دوپٹہ ہٹایا اور اسکی طرف دیکھا تو مہر واجب ہوگیا خواہ اس سے صحبت کرے یا نہ کرے۔❶

۳......حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ کرتے تھے کہ جب پردے گرادیئے جائیں اور دروازہ بند کردیا جائے تو عورت کو پورا مہر ملے گا اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی خواہ دخول ہو یا نہ ہو۔❷

۴......عقلی دلیل ہے کہ جب مانع جماع نہ ہو اور عورت اپنے نفس پر خاوند کو اختیار دے دے تو گویا عورت مبدل سپرد کردیتی ہے اور مبدل مہر کے مقابل میں ہے لہٰذا خاوند پر واجب ہے کہ وہ بدل عورت کے سپرد کردے اور بدل مہر ہے جیسے بیع اور اجارہ میں ہوتا ہے اگر خاوند

---

❶......رواہ الدارقطنی ❷رواہ احمد والاثرم باسنادھما۔

اپنا حق وصول کرنے میں کوتاہی کرے تو اسکا مواخذہ عورت پر نہیں ہوگا جیسے مستاجر اور خریدار مطلوبہ چیز سے موانع نہ ہوتے ہوئے استفادہ نہ کریں تو بائع اور موجر پر مواخذہ نہیں ہوا کرتا۔

ساتویں فصل......نکاح کے حقوق وفرائض

قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ نکاح بھی دیگر عقود ومعاملات کی طرح ہے چنانچہ عقد نکاح طے ہوجانے کے بعد زوجین کے کچھ حقوق اور فرائض جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ زوجین کے درمیان توازن اور یکسانیت اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب ہر فریق دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اپنا فریضہ سمجھے گا، چنانچہ قرآن مجید میں انہی حقوق وفرائض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ......البقرۃ ۲/۲۲۸

اوران عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔

یعنی جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ واضح رہے ایک کے حقوق دوسرے کے واجبات وفرائض (ذمہ داریاں) ہیں جبکہ ایک کے فرائض دوسرے کے حقوق ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان حقوق وواجبات کا دارومدار عرف اور فطرت پر ہے اصول یہ ہے کہ ہر حق کے مقابلہ میں فریضہ ہے۔

اس فصل میں تین مباحث پر کلام کیا جائے گا۔

(اول)......بیوی کے حقوق۔

(دوم)......شوہر کے حقوق۔

(سوم)......زوجین کے درمیان مشترکہ حقوق۔

پہلی بحث: بیوی کے حقوق......بیوی مالی حقوق بھی رکھتی ہے اور غیر مالی بھی مالی حقوق جیسے مہر نفقہ وغیرہ غیر مالی حقوق جیسے حسن معاشرت حسن معاملہ اور عدل وانصاف۔

مہر......کے متعلق میں نے تفصیلا بات کردی ہے چنانچہ قران وسنت سے معلوم ہو چکا ہے کہ مہر عورت کا خالص حق ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ...... النساء ۴/۴

عورتوں کو ان کے مہر عطیہ کے طور پر دو۔

سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نکاح مہر سے خالی نہیں تھا۔

نفقہ......کے متعلق مخصوص بحث میں تذکرہ ہوگا چنانچہ قرآن وسنت میں نفقہ کا حکم مقرر ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر معروف طریقے سے واجب ہے کہ وہ ماؤں کے کھانے اور کپڑوں کا انتظام کرے۔

معاویہ قشیری کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مرد پر عورت کا کیا حق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کھانا کھاؤ اسے بھی کھلاؤ، جب تم کپڑے پہنو اسے بھی پہناؤ، اسے چہرے پر مت مارو اسے بری بھلی بھی مت کہو اسے چھوڑو مت مگر گھر کی حد تک۔

حسن معاشرت...... سے مراد زوجین کے درمیان حسن سلوک، محبت والفت اور ہم آہنگی ہے زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ حسن سلوک رکھے اسے اذیت پہنچانے سے اجتناب کرے قدرت کے باوجود ایک دوسرے کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ ایک دوسرے کے معاملہ کو بشاشت اور خوشدلی سے برداشت کریں، خاوند کا طرز عمل احسان اور اذیت سے دور ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ النساء۴/۱۹

عورتوں کے ساتھ قاعدے کے مطابق معاشرت رکھو۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ البقرة۲/۲۲۸

عورتوں کے بھی قاعدے کے مطابق حقوق ہیں جیسے کہ ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔

ابوزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اسی طرح عورتیں بھی تمہارے معاملہ میں اللہ سے ڈریں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لئے آراستہ ہوں جیسے میں پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے بناؤ سنگھار کرے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ البقرة۲/۲۲۸

قاعدے کے مطابق عورتوں کے بھی ایسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر تمہارے حقوق ہیں۔

سنت سے بھی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ثابت ہے چنانچہ سنت میں زوجین کے حقوق وفرائض بسط وتفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورتوں کے ساتھ اچھائی کا سلوک کرو کیونکہ عورتیں تمہاری قید میں ہوتی ہیں تم ان کی بضع کے علاوہ کسی چیز کے مالک نہیں ہوئے ہاں البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے بستر چھوڑ دو اور انھیں مارو تاہم مار کا اثر جسم پر نہ آنے پائے اگر عورتیں تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر اختیار مت لو۔ ❶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہارے اوپر عورتوں کے حقوق ہیں۔

عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور ایسے شخص کو گھر آنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ خبردار! عورتوں کا تمہارے اوپر حق ہے کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک رکھو ان کے کپڑوں اور کھانے کا بہتر انتظام کرو۔ ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔ ❸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہو۔ ❹

بیوی کے حقوق...... مختصراً بیوی کے مندرجہ ذیل حقوق ہیں۔

---

❶......رواه ابن ماجه والترمذی وصححه عن عمر وبن الاحوص (نيل الاوطار ۲۱۰/۶) ❷رواه الترمذی وصححه عن ابی هريرة ❸رواه احمد والترمذی وصححه عن ابی هريرة ❹ رواه احمد.

۱...... بیوی کے ساتھ صحبت کرنا اسکا حق ہے، مالکیہ کہتے ہیں: اگر عذر مانع نہ ہو تو بیوی کے ساتھ صحبت کرنا خاوند پر واجب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صرف ایک بار عورت کے ساتھ صحبت کرنا واجب ہے کیونکہ صحبت کرنا مرد کا حق ہے اس لئے صحبت کا ترک کرنا مرد کے لئے جائز ہے جیسے کرائے پر لئے ہوئے مکان میں رہائش رکھنا مستاجر کا حق ہوتا ہے۔ نیز صحبت کا سبب ہیجان نفس شہوت اور محبت ہے اس لئے صحبت کو واجب قرار دینا ممکن نہیں، البتہ صحبت ترک کرنا صحیح نہیں بلکہ کرتے رہنا مستحب ہے تاکہ فساد نہ پھیلنے پائے۔

حنابلہ کہتے ہیں: خاوند پر واجب ہے کہ ہر چار ماہ میں بیوی کے ساتھ ایک بار ہمبستری کرے بشرطیکہ کوئی عذر مانع نہ ہو۔ کیونکہ صحبت اگر واجب نہ ہوتی تو ترک جماع کی قسم سے ایلاء واجب نہ ہوتا نیز نکاح زوجین کی مصلحت وبھلائی کے لئے مشروع ہوا ہے نکاح کے ذریعہ ایک دوسرے کے ضرر کا دفیعہ کیا جاتا ہے جبکہ ضرر شہوت کا دفیعہ بھی ضروری ہے لہٰذا وطی زوجین دونوں کا حق ہے اگر بلا عذر خاوند چار ماہ میں وطی کرنے سے انکار کرے یا بیوی کے پاس رات گزارنے سے انکار کرے تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی جیسے ایلاء کی صورت میں تفریق کردی جاتی ہے البتہ اگر کسی عذر یا حاجت کی وجہ سے خاوند سفر پر ہو اور مدت سفر لمبی ہو جائے تو عورت کا حق صحبت ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی عذر یا حاجت مانع نہ ہو اور خاوند کا سفر چھ ماہ تک طویل ہو جائے جبکہ عورت بھی واپسی کا مطالبہ کرتی ہو تو خاوند پر واپسی لازمی ہوگی اسکی دلیل ابوحفص کی روایت ہے جو زید بن اسلم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ میں گھوم رہے تھے ایک عورت کے پاس سے گزرے وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

تطاول ہذا اللیل واسود جانبہ
وطال علی ان لا خلیل الاعبہ
فواللہ لولا خشیۃ اللہ والحیا
لحرک من ہذا السریر جوانبہ

یہ رات طویل تر ہوتی جارہی ہے اور اس کی تاریکیاں چھائی جارہی ہیں اور اس بات پر میرا اضطراب بھی طویل تر ہوتا جارہا ہے کہ میرا کوئی حبیب نہیں جس سے میں جی بہلا سکوں اللہ کی قسم اگر خوف خدا نہ ہوتا اور حیاء مانع نہ ہوتی تو اس چارپائی کے اطراف حرکت میں ہوتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا آپ کو جواب دیا گیا کہ اسکا خاوند جہاد کے لئے نکلا ہوا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے پاس ایک دوسری عورت بھیج دی جو اس کے پاس رہے اور اس کے خاوند کے پاس پیغام بھیجا کہ واپس آئے پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ان سے فرمایا: اے بیٹی عورت اپنے خاوند سے دور کتنے عرصے تک صبر کرسکتی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: سبحان اللہ! آپ مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حقیقت میں مجھے مسلمانوں کا معاملہ درپیش ہے ورنہ میں تم سے یہ سوال نہ کرتا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پانچ چھ ماہ تک عورت صبر کرسکتی ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد میں رہنے کی مدت چھ ماہ قرار دی۔ ایک ماہ جانے میں چار ماہ محاذ پر قیام کرنے کے اور ایک ماہ واپسی کا۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے سفر طویل ہو جائے مثلاً خاوند طلب علم میں مصروف ہو یا فرض جہاد یا فرض حج میں مصروف ہو یا تلاش معاش کے سلسلہ میں غائب ہو تو اس پر واپسی لازمی نہیں ہوگی کیونکہ وہ معذور ہے۔

اگر بلا عذر خاوند واپس نہ آرہا ہو تو حاکم وقت اسے خط لکھے جس میں اسے واپسی کا حکم دے مراسلہ کے باوجود اگر واپس نہ آئے تو حاکم اس کا نکاح فسخ کردے کیونکہ وہ ایسے حق کو پامال کررہا ہے جس سے دوسرے فرد کو ضرر پہنچ رہا ہوتا ہے۔

۲...... پیچھے والے حصہ میں وطی کرنا حرام ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ حق واضح کرنے سے نہیں شرماتا تم لوگ عورتوں کے پیچھے حصہ میں صحبت مت کرو ایک اور حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو اپنی بیوی کے

ساتھ پچھلے حصہ میں صحبت کرتا ہوں ❶ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ صحبت کی یا پچھلے حصہ میں صحبت کی یا جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اسکی تصدیق کی تو گویا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی تعلیمات کا کفر کیا ❷ ایک اور حدیث میں ہے وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے حصہ میں صحبت کرے۔ ❸

حائضہ عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے اور جو شخص حائضہ کے ساتھ صحبت کرلے اگر شروع خون میں صحبت کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا مسنون ہے اور اگر انتہائے خون میں صحبت کی ہے تو نصف دینار صدقہ کرنا مسنون ہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور حاکم کی روایت ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ حالت حیض میں صحبت کرلے اگر خون سرخ رنگت کا ہو تو وہ ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون زرد رنگت کا ہو تو وہ نصف دینار صدقہ کرے۔

البتہ وطی کے بغیر عورت کے ساتھ مباشرت کرنا جائز ہے۔

صحبت کرنے کی کیفیت ہر طرح جائز ہے خواہ عورت کو الٹی لٹا کر صحبت کی جائے یا سیدھی لٹا کر بشرطیکہ صحبت آگے والے حصہ میں ہو۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہود کہا کرتے تھے: جو شخص پیچھے کی طرف سے ہو کر عورت کی آگے کی شرم گاہ میں صحبت کرے تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔ البقرۃ: ۲/۲۲۳

چنانچہ عورت کو سیدھی لیٹا کر الٹی لٹا کر صحبت کرنا جائز ہے بشرطیکہ آگے کے راستہ میں صحبت ہو ایک اور روایت میں ہے مرد عورت کے ساتھ آگے کی طرف سے ہو کر بھی صحبت کرسکتا ہے اور پیچھے کی طرف سے بھی ہو کر بشرطیکہ صحبت آگے کے حصہ میں ہو۔ ❹

اگر خاوند نے پیچھے والے حصہ میں صحبت کردی تو اسے تعزیز لگائی جائے گی بشرطیکہ اسے تحریم کا علم ہو کیونکہ اس نے ایسی معصیت کا ارتکاب کردیا ہے جس پر حد مقرر نہیں اور نہ ہی کفارہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر زوجین پیچھے والے حصہ میں صحبت کرنے پر اتفاق کرلیں تو ان کے درمیان تفریق کی جائے گی اسی طرح اگر مرد کو عورت کے ساتھ پیچھے والے حصہ میں صحبت کرنے پر مجبور کیا گیا تو بھی تفریق کی جائے گی کیونکہ پیچھے والے حصہ میں وطی کرنا ممنوع ہے اور وہ اس بدفعلی سے باز نہیں آتا لہٰذا تفریق کی جائے گی۔

۳۔ عزل......عزل کا معنی ہے عورت کی شرمگاہ سے منی باہر گرانا شافعیہ کہتے ہیں عزل مکروہ ہے چنانچہ جذامہ بنت وہب کی روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھی صحابہ آپ سے عزل کے متعلق دریافت کررہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عزل تو وادِ خفی یعنی پوشیدہ طور پر بچی کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ......التکویر ۸۱/۸

اور جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ ❺

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عزل جائز ہے متاخرین کے نزدیک یہ قول صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ

---

❶......رواہ ابن ماجہ واحمد (نیل الاوطار ۶/۲۰۰) ❷رواہ الاثرم واحمد والترمذی (المرجع السابق) ❸اخرجہ ابن ماجہ واحمد وابوداؤد واخرجہ الشافعی بنحوہ عن خزیمۃ بن ثابت وفی اسناد مجهول (المرجع السابق) ❹متفق علیہ ❺اخرجہ احمد ومسلم (نیل الاوطار ۶/۱۹۶)

ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کرتے تھے اور قرآن بھی نازل ہورہا تھا ❶ عزل کے جواز کا قول مذاہب اربعہ کے ہاں متفق علیہ ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:

ہم لوگ عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے صحبت کرنا پسند کرتے ہیں (اے اللہ کے رسول) عزل کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تمہارے لئے ظاہر ہو وہ کرو اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کردیا ہے وہ ہو کر رہے گا ہر نطفے سے بچہ پیدا نہیں ہوتا۔

آزاد عورت کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آزاد عورت کے ساتھ عزل کرنے سے منع فرماتے تھے الا یہ کہ اسکی اجازت سے ہو۔ ❷

۴۔ حسن سلوک...... خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک رکھے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ...... النساء ۴/ ۱۹

اور عورتوں کے ساتھ بھلے انداز سے زندگی بسر کرو۔

خاوند پر واجب ہے کہ بغیر کسی قسم کی ٹال مٹول کے بیوی کے حقوق ادا کرے چنانچہ بیوی کا حق ادا کرنے میں تاخیر نہ کرنا بھی حسن معاشرت ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مالدار شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ ❸

۵۔ عورتوں کے درمیان عدل...... جس شخص کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں تو جمہور (شافعیہ کے علاوہ) کے نزدیک اس پر بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا واجب ہے چنانچہ نان نفقہ اور باری مقرر کرنے میں برابری کرے ہر بیوی کے پاس ایک دن اور ایک رات گزارے برابر ہے کہ خاوند صحت مند ہو یا مریض برابر ہے کہ عورت صحت مند ہو یا بیمار حالت حیض میں ہو یا حالت نفاس میں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کی ہوئی تھی اور حالت مرض میں بھی باری کی رعایت کی حالانکہ باری آپ پر واجب بھی نہیں تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کے لئے ایک دن اور ایک رات تقسیم کررکھی تھی ❹ اور فرمایا کرتے تھے: اللہ! میرے اختیار میں یہی تقسیم ہے جو چیز میرے اختیار میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ کرنا۔ ❺

اگر خاوند مریض ہو اور باری کی رعایت رکھنا اس کی طبیعت پر گراں ہورہا ہو تو وہ بیویوں کی اجازت سے کسی ایک بیوی کے پاس قیام کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس پیغام بھیجا چنانچہ ازواج مطہرات آپ کے پاس جمع ہوگئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اب تمہارے ہاں چکر لگانے کی طاقت نہیں رکھتا اگر تم مجھے اجازت دو تو میں عائشہ کے ہاں قیام کرلوں چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دی ❻ اگر عورتیں اجازت نہ دیں تو قرعہ ڈالے جس کے نام کا قرعہ نکلے اسی کے پاس قیام کرے یا سب سے الگ ہوجائے تاکہ عدل قائم رہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: شروع میں باری کا لحاظ رکھنا خاوند پر واجب نہیں کیونکہ باری کا مقرر کرنا خاوند کے حق کی وجہ سے ہے اس لئے باری کو ترک کرنا جائز ہے تاہم جب کسی ایک عورت کے پاس رات گزارے تو دوسری عورتوں کے پاس بھی رات گزارنا لازم ہوجاتا ہے اگرچہ مرد مریض ہو یا نامرد ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باری پر عمل کرتے تھے۔

باری کی ابتداء قرعہ سے کی جائے چنانچہ بیویوں کی اجازت کے بغیر کسی ایک بیوی سے باری کی ابتداء کرنا جائز نہیں الا یہ کہ قرعہ ڈالے۔

---

❶...... رواه احمد والبخاری ومسلم (متفق علیه) ❷ رواه احمد وابن ماجه ❸ رواه اصحاب السنن الا الترمذی ورواه البیهقی کلهم عن عمرو بن الشرید عن ابیه ورواه احمد واصحاب الکتب الستة وابن ابی شیبة عن ابی هریرة ❹ اخرجه احمد والبخاری ومسلم ❺ رواه ابوداؤد ❻ ایضاً

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو تو وہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر قرعہ کے اگر ابتدا کرلی گئی تو اس سے نفرت پیدا ہوگی۔

جب ایک بیوی کے لئے باری مقرر کردی تو باقی بیویوں کے لئے بھی باری کا لحاظ رکھنا لازمی ہو جائے گا کیونکہ اگر باری کا لحاظ نہیں رکھے گا تو کسی ایک بیوی کی طرف مائل ہو جائے گا اور یوں وعید میں داخل ہو جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دوران سفر بھی باری کا لحاظ رکھنا لازمی ہے چنانچہ بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو سفر میں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے تاہم حنفیہ اور مالکیہ نے سفر میں باری کا لحاظ رکھنا واجب قرار نہیں دیا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ثواب کی نیت سے سفر کیا ہو تو قرعہ ڈالے جس بیوی کے نام کا قرعہ نکلے اسے ساتھ لے جائے۔

اگر عورت نے خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کیا تو اس کی باری اور نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ باری موانست برقرار رکھنے کے لئے ملحوظ رکھی جاتی ہے اور نفقہ اس لیے واجب ہوتا ہے تاکہ بیوی خاوند کو صحبت کی قدرت دے جبکہ سفر کی وجہ سے عورت نے ان دونوں چیزوں کو روک دیا ہے۔

باری کا دارومدار رات پر ہے کیونکہ رات کے وقت انسان کو کسی ٹھکانے کی تلاش ہوتی ہے اور وہ اپنے گھر والوں کے ہاں سکونت اختیار کرتا ہے عادۃ اپنے بستر پر بیوی کے ساتھ سوتا ہے جبکہ دن تو تلاش معاش کا وقت ہوتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ......النباء ۷۸/ ۱۰-۱۱

اور رات کو ہم نے پردے کا سبب بنایا ہے اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت بنایا ہے۔

بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی باری کا حق اپنی کسی دوسری سوکن کو ہبہ کردے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ہاں البتہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کی رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کردی تھی سودہ رضی اللہ عنہا کی اس سے غرض یہ تھی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی رہیں۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک نئی دلہن کے پاس سات دن گزارے جائیں بشرطیکہ وہ کنواری ہو اور اگر شوہر دیدہ ہو تو اس کے پاس تین راتیں (شروع میں) گزاری جائیں حنفیہ نے نئی بیوی اور پرانی بیوی کے درمیان یکسانیت رکھی ہے۔

بیوی کے فرائض...... چنانچہ روٹی پکانے اور کپڑے وغیرہ دھونے کی خدمات بیوی پر واجب نہیں بلکہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ تیار شدہ کھانا مہیا کرے، کیونکہ وہ چیز جس پر عقد نکاح طے ہوا ہے وہ جنسی ربط کا نفع اٹھانا ہے لہٰذا اس کے علاوہ عورت پر کچھ اور واجب نہیں ہوگا۔ تاہم بیوی اگر گھریلو کام کاج کرنے کی قدرت رکھتی ہو تو اس کے لئے گھریلو خدمت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ کیونکہ گھریلو کام بیوی پر دیانۃً واجب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شریف عورت ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کام تقسیم کردیے تھے۔ چنانچہ باہر کے جملہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ڈالے اور گھر کے داخلی کام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ڈالے۔

دوسری بحث: خاوند کے حقوق...... خاوند کے اہم اہم حقوق مندرجہ ذیل ہیں: ❶

۱۔ بیوی کا اپنے خاوند کی فرمانبردار ہونا...... عورت استمتاع (جنسی خواہش) اور گھر سے باہر جانے کے معاملہ میں اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے چنانچہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ عورت صحبت کے قابل ہو تو اس عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا نفس

❶ ......المراجع السابقہ۔

اپنے خاوند کے سپرد کردے اور جب عورت اپنا نفس خاوند کو سپرد کردے تو خاوند پر واجب ہے کہ بدل حوالے کرے کیونکہ عقد سے خاوند تسلیم عوض کا مستحق ہوا ہے چنانچہ جب عورت اپنا نفس خاوند کو سپرد کردے تو خاوند پر واجب ہے کہ مہر معجّل عورت کو سپرد کرے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ نو سال کی لڑکی کے ساتھ صحبت کی جاسکتی ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زفاف کی اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال تھی۔

عرف ورواج کے مطابق عورت کو دو یا تین دن کی مہلت دی جاسکتی ہے تاکہ وہ اس عرصہ میں اپنی حالت درست کرلے۔

جب خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے تو خاوند کی اطاعت کرنا بیوی پر واجب ہے اگرچہ عورت تنور پر ہو یا سواری پر بیٹھی ہو جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے اس مضمون کی روایت بھی نقل کی ہے بشرطیکہ عورت فرائض سے مشغول نہ ہو رہی ہو یا خاوند کا مقصد اسے ضرر پہنچانا نہ ہو کیونکہ ضرر اور اذیت حسن معاشرت میں سے نہیں ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ البقرۃ:۲/۲۲۸

قاعدے کے مطابق عورتوں کے حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے ان پر حقوق ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت مرگئی درحالیکہ اسکا خاوند اس سے راضی تھا وہ جنت میں داخل ہوگی ❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس جانے سے انکار کردے پھر خاوند غصہ کی حالت میں رات بسر کردے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔❸

جب عورت اپنا مہر قبضہ کرلے اس پر واجب ہے کہ گھر میں ٹھہری رہے گھر سے باہر نہ جائے گھریلو معاملات سنوارے گھر کی دیکھ بھال کرے اولاد کی تربیت کرے عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتی تاہم حج کے لیے بھی خاوند کی اجازت ضروری ہے۔ خاوند بیوی کو مساجد وغیرہ میں جانے سے منع کرسکتا ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے ایک عورت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے دیکھا وہ بولی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاوند کا حق ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے، اگر خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر گئی تو اللہ کی اس پر لعنت ہو رحمت کے فرشتوں کی اس پر لعنت ہو اور غضب کے فرشتوں کی اس پر لعنت ہو یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے (یا فرمایا) یہاں تک کہ وہ واپس آجائے، عورت بولی: اے اللہ کے رسول! اگر خاوند بیوی پر ظلم کرتا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ خاوند بیوی پر ظلم کرتا ہو ❹ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خاوند کا حق واجب ہے لہٰذا، اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

لیکن عورت کو اپنے والدین کی عیادت کرنے سے منع کرنا مکروہ ہے (جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مقرر ہے) اسی طرح اگر والدین میں سے کوئی مرجائے تو فوتگی میں حاضر ہونے سے منع کرنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ بیوی کو ایسے مواقع پر والدین کے ہاں جانے سے منع کرنا نفرت کا باعث ہے اور اس سے والدین کی نافرمانی کا پہلو ظاہر ہوتا ہے جو جائز نہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک والدین میں سے اگر کوئی بیمار ہو تو خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا عورت کے لئے جائز قرار دیا ہے۔

اگر عورت گھر سے باہر جائے تو اس پر پردے کا التزام واجب ہوگا چنانچہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ اس کا جسم ظاہر نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعضا کو چھپا کر رکھنا واجب قرار دیا ہے ان میں سے کسی عضو کو ظاہر رکھنے میں فتنے کا اندیشہ ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶......رواه الترمذی وقال حديث حسن عن ابی هريرة ❷رواه ابن ماجه والترمذی وقال حديث حسن غريب عن ام سلمة ❸متفق عليه بين الشيخين عن ابی هريرة. ❹ رواه ابو داؤد الطيالسی عن ابن عمر.

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى

اور (مردوں کو) اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو جیسا کہ پہلی جاہلیت میں ہوتا تھا۔

تبرج کا معنی مٹک کر چلنا اور ایسی حرکات کا چال سے اظہار کرنا جن سے شہوت ابھرتی ہو۔ ایسے کپڑے بھی پہننا تبرج میں داخل ہے جن کی باریکی سے بدنی اعضاء دکھائی دیتے ہوں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے دوزخیوں کی دو قسمیں دیکھی ہیں جو اس کے بعد میں نے کہیں نہیں دیکھیں، ایک وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں (یعنی باریک کپڑے پہنتی ہوں) دوسری وہ عورتیں جو مردوں کی طرف خود بھی مائل ہوتی ہوں اور مردوں کو مائل بھی کرتی ہوان کے سروں پر بختی اونٹوں جیسی کوہانیں ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو دور دور سے آتی ہے دوسرے ایسے مرد جن کے پاس گائیوں کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مار رہے ہوں گے۔ ❶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو عورت بھی خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلے اور پھر لوگوں کے پاس سے گزرے تا کہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں بلاشبہ وہ زانیہ ہے۔ ❷

گھر میں ٹھہرنے کا معنی...... گھر میں ٹھہرے رہنے اور ٹکے رہنے کا یہ معنی نہیں کہ اسے قید و بند میں رکھ دیا جائے یا اسے کال کوٹھڑی میں حبس کر لیا جائے بلکہ گھر میں ٹھہرے رہنا عورت کے لئے بہتر ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت پردے کی چیز ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے سیلوٹ کرتا ہے عورت اس وقت رب تعالیٰ کی رحمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ گھر کے بیچوں بیچ ٹھہری ہوئی ہو ❸ اس حدیث سے پردے کا وجوب ثابت ہوتا ہے جبکہ گھر سے باہر نکلنے میں شیطان کے اغواء کرنے اور مردوں کی تاک جھانک کا اندیشہ ہے جس کے پس منظر میں عورت کا فتنے میں مبتلا ہونا قوی تر ہو جاتا ہے۔

نفلی عبادت...... عورت نفلی روزہ خاوند کی اجازت کے بغیر نہ رکھے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے درحالیکہ اسکا خاوند گھر پر موجود ہو اور خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دے ❹ بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ: قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں بیوی پر خاوند کے کیا حقوق ہیں میں غیر شادی شدہ عورت ہوں، سو اگر خاوند کے حقوق مجھ سے ادا ہو سکے تو میں شادی کروں گی ورنہ غیر شادی شدہ ہی رہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت پر خاوند کا یہ حق ہے کہ اگر خاوند بیوی سے خواہش نفس پوری کرنے کا اظہار کرے تو بیوی اسکی فرمانبرداری کرے گو عورت سواری پر سوار کیوں نہ ہو اور یہ کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے اور اگر اس نے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھ لیا تو وہ یونہی بھوکی پیاسی رہی اسکا روزہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اگر خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر گئی تو آسمان کے فرشتے رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اس پر وہ عورت بولی: کوئی ضروری نہیں، میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔ ❺

حق طاعت کا منشاء...... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کے قوام (نگہبانی و نگرانی) کا درجہ ثابت کیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

❶......رواه مسلم فی صحیحه عن ابی هريرة ❷رواه الحاكم عن ابی موسی. ❸رواه الترمذی عن ابن مسعود ❹متفق علیه عن ابی هريرة ❺رواه البزار وفيه حسين بن قيس المعروف بحنش وهو ضعيف وقد وثقه حصين بن نمير وبقية رجالة ثقات.

مرد عورتوں کے نگران ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور کیونکہ مردوں نے اپنے اموال خرچ کیے ہیں۔ النساء ۴/ ۳۴

یعنی مردوں کو یہ درجہ فضیلت ان کی عقلمندی اور جسمانی قوت کی وجہ سے حاصل ہے نیز اس وجہ سے بھی حاصل ہے کیونکہ مرد عورتوں پر خرچ کرتے ہیں انہیں مہر دیتے ہیں گھریلو خرچہ دیتے ہیں اور دیگر اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں۔

۲۔ امانت..... اگر خاوند سفر پر ہو اور گھر پر موجود نہ ہو تو بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کی حفاظت کرے خاوند کے گھر، مال اور اولاد کی حفاظت کرے چنانچہ ابن احوص کی حدیث ہے ''تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستروں پر ان لوگوں کو نہ آنے دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو اور جنھیں تم ناپسند کرتے ہو انہیں تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت نہ دیں ایک اور حدیث میں ہے۔ قریش کی عورتیں اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں سے بہتر ہیں چنانچہ وہ اپنے بچے کے لئے زیادہ مہربان ہیں، اپنے خاوند کے حقوق کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر عورتیں قریش کی نیکوکار عورتیں ہیں ❶ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اسکی نگہبانی کے بارے میں سوال کیا جائیگا امیر بھی نگہبان ہے مرد بھی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اسکی اولاد کی نگہبان ہے تاہم تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی نگہبانی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ ❷

چنانچہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اولاد کی اچھی تربیت کرے انہیں آداب زندگی سکھائے واجبات کی ادائیگی کی انہیں تعلیم دے۔

۳۔ حسن معاشرت..... عورت پر واجب ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ حسن سلوک رکھے اسے اذیت نہ پہنچائے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت بھی دنیا میں اپنے خاوند کو اذیت پہنچاتی ہے تو حوروں میں سے اس کی جو بیوی ہوتی ہے وہ کہتی ہے: اسے اذیت نہ پہنچا اللہ تجھے ہلاک کرے بلاشبہ یہ تمہارے پاس عارضی طور پر ہے کیا بعید یہ تمہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے ❸ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے بڑھ کر کوئی گراں بار فتنہ نہیں چھوڑا۔ ❹

۴۔ حق تادیب..... تادیب سے مراد عورت کو مناسب سزا دینا ہے ❺ اگر بیوی کسی قاعدہ کی اچھی بات پر خاوند کی نافرمانی کرے اور اس کا کہنا نہ مانے تو خاوند کو بیوی کی تادیب کا حق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی نافرمانی کی صورت میں صحبت کو چھوڑ دینے اور انہیں مارنے کی تادیب کا حکم دیا ہے، اگر بیوی طاعت اختیار کرلے تو خاوند تادیب سے رک جائے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا

اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف کاروائی کا راستہ تلاش نہ کرو۔

تاہم نیکوکار اور سلیقہ شعار عورت کو تادیب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

الصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔

جبکہ جو عورت صالح (نیک) نہ ہو اور خاوند کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو وہ تادیب کی محتاج ہوتی ہے۔

---

❶..... رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ (جامع الاصول ۱۰/ ۱۳۴ ❷ متفق علیہ بین الشیخن عن ابن عمر (ریاض الصالحین ۱۳۵) ❸ رواہ الترمذی عن معاذ جبل وقال حدیث حسن ❹ متفق علیہ۔ البخاری ومسلم عن اسامۃ بن زید (ریاض الصالحین ۱۳۵) ❺ البدائع ۲/ ۳۳۴ القوانین الفقہیۃ ۲۱۲ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۵۷ المہذب ۲/ ۶۹ کشاف القناع ۵/ ۲۳۳۔

خاوند کو اس صورت میں تادیب کا اختیار حاصل ہوتا ہے جب عورت لازمی اطاعت سے پہلوتہی کرے اور اس سے نشوز سرزد ہو جب عورت اپنے فرائض میں کوتاہی کرے تو یہ نشوز ہے اسکی مختلف صورتیں ہیں مثلاً خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا تاہم اگر عدالت میں عورت کو جانا پڑے اور جانے کا مقصد خاوند سے اپنے حقوق کا مطالبہ ہو تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جا سکتی ہے، اسی طرح عورت کا بالفعل خاوند سے اعراض کرنا ضد پر اتر آنا یا خاوند کو غیر اخلاقی اور سختی سے جواب دینا۔ جب نشوز کی علامتیں ظاہر ہوں تو خاوند مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق بیوی کی تادیب کرے۔

اول: وعظ ونصیحت......سب سے پہلے نرمی کے ساتھ خاوند بیوی کو سمجھائے۔ مثلاً یوں کہے نیکی اور فرمانبرداری کی راہ اپناؤ اور ایسی ایسی مت بنو یا کہے: اے اللہ کی بندی، اللہ سے ڈرو اور میرے حقوق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور مار مت کھاؤ۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ ......النساء: ۴/ ۳۴

اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انھیں سمجھاؤ۔

تاہم اس صورت کی تادیبی کاروائی میں عورت کو خوابگاہ میں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ ہی اسے مارا جائیگا اس معاملہ میں خاوند باری چھوڑ دینے کی دھمکی بھی دے سکتا ہے۔

دوم: خوابگاہ میں عورت کو تنہا چھوڑنا......اگر عورت کی نافرمانی متحقق ہو جائے یا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو تو اسے خوابگاہ میں تنہا چھوڑ دے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ ......النساء: ۴/ ۳۴

اور انھیں خوابگاہوں میں تنہاء چھوڑ دو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اپنے بستر پر اپنی بیوی کے ساتھ نہ لیٹو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو خوابگاہوں میں تنہاء چھوڑ دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تھے۔ [1]

تین دن تک خاوند اپنی بیوی سے کلام منقطع کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔

جمہور کے نزدیک خاوند بیوی کو نہ مارے چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: زیادہ ظاہر مذہب کے مطابق خاوند بیوی کو مار سکتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ......النساء: ۴/ ۳۴

عورتوں کو خوابگاہوں میں تنہاء چھوڑ دو اور انھیں مارو۔

بظاہر آیت کے مطابق اگرچہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے تاہم جمع سے مراد علی سبیل الترتیب ہے اور واؤ اسکا احتمال رکھتی ہے۔

مارنے میں احتیاط......اگر بیوی کو مارنے کی نوبت آجائے تو چہرے پر نہ مارے پیٹ پر نہ مارے اور بدن پر ایسی جگہ بھی نہ مارے جس سے ہلاکت کا خوف ہو اعضاء حسن پر بھی مارنے سے گریز کرے تاکہ اعضا کا تناسب نہ بگڑنے پائے مار کی مقدار دس کوڑوں سے کم ہو جیسا کہ حنفیہ کے ہاں مذکور ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: تم میں سے کوئی شخص بھی دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے الا

---

[1]...... متفق علیہ

یہ کہ کسی حد میں کوڑے مارنے ہوں ❶ ایک اور حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص بھی اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جیسے غلام کو مارا جاتا ہے اور پھر وہ دن کے آخری حصہ میں بیوی کے ساتھ صحبت بھی کرنے لگے۔ ❷

اگر مارنے سے کھال ادھڑ جائے تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک خاوند پر اس کا تاوان نہیں ہوگا کیونکہ شرعاً مارنے کی اجازت ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: خاوند پر ضمان ہوگا۔ کیونکہ حق کی وصولی حفظ واحتیاط اور سلامتی کے ساتھ مقید ہے۔

بیوی کو مارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ سے بیوی کی ہتھیلی پر مارے یا چھوٹی سی چھڑی سے مارے یا مسواک سے مارے، بہتر یہ ہے کہ دھمکی پر اکتفاء کرے اور مارنے سے گریز کرے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور خادم کو نہیں مارا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو مارا الا یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں مارا ہے یا کسی نے اللہ کی حدود کو توڑا ہو تو آپ نے محض اللہ کے لیے انتقام لیا ہو۔ ❸

چہارم: حکمین کا قیام:

اگر مارنے سے عورت راہ راست پر آ جائے تو بہت اچھا اور اگر مار سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ خاوند الگ بیوی کے ظلم کا مدعی ہو اور بیوی الگ سے خاوند کے ظلم کا دعویٰ کرتی ہو جبکہ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہو تو معاملہ عدالت میں قاضی کے پاس لے جایا جائے گا تاکہ قاضی دو ایسے آدمی کھڑے کرے جو حکمین کی حیثیت سے زوجین کے درمیان صلح کا معاملہ طے کریں یا دونوں کے درمیان تفریق کر دیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو (ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے) ایک شخص خاوند کے خاندان سے اور ایک شخص بیوی کے خاندان سے بطور منصف بھیجو اگر وہ دونوں اصلاح کروانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔ النساء ۴/۳۵

حکمین (منصفین)...... جو دو اشخاص صلح کے لئے بھیجے جائیں وہ دونوں مسلمان ہوں، آزاد ہوں مرد ہوں عادل ہوں، مکلف و بالغ ہوں اور صلح وتفریق اور (نکاح، طلاق) کے مسائل سے آگاہ ہوں کیونکہ منصفی رائے دہی اور فکر ونظر کے تحت ہوتی ہے بہتر یہ ہے کہ ایک منصف عورت کے خاندان سے ہو اور ایک منصف خاوند کے خاندان سے ہو تاہم کسی دوسرے خاندان سے بھی حکمین کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ منصفی اور وکالت کے لئے قرابتداری شرط نہیں، حکمین اصلاح کی نیت لے کر معاملہ آگے بڑھائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ...... النساء: ۴/۳۵

اگر وہ دونوں اصلاح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔

منصفین زوجین کو صلح کر لینے کی ترغیب دیں، ان سے نرمی کے ساتھ بات کریں انہیں ڈرائیں دھمکائیں نہیں، بات چیت کے لئے زوجین میں سے کسی ایک فرد کو مخصوص نہ کیا جائے بلکہ دوطرفہ بات ہو۔ تاکہ دونوں میں اتفاق پیدا کیا جا سکے۔

مالکیہ کے نزدیک زوجین کے معاملہ میں حکمین کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا خواہ ان کا فیصلہ طلاق کا ہو یا صلح کا اس فیصلہ کے لیے خاوند کی اجازت ضروری نہیں اور نہ ہی حاکم وقت (قاضی) کا اتفاق ضروری ہے اگر صلح کی راہ نہ بن پائے اور حکمین تفریق کا فیصلہ کر دیں تو یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی۔

---

❶ متفق علیه بین احمد والشیخین واصحاب السنن الاربعة عن ابی بردة بن نیار وهو صحیح ❷ متفق علیه فی الصحیحین (نیل الاوطار ۲۱۲/۶) ❸ رواه النسائی: (نیل الاوطار ۲۱۱/۶)

شافعیہ اور حنابلہ: کہتے ہیں حکمین زوجین کے وکیل ہوتے ہیں چنانچہ انھیں تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا اگر تفریق پر ہی فیصلہ ٹھہرے تو زوجین کی اجازت ضروری ہوگی۔ چنانچہ خاوند اپنے وکیل کو طلاق یا صلح کی اجازت دے اور عورت اپنے وکیل کو اجازت دے۔

حنفیہ کہتے ہیں: حکمین کا جس نقطہ نظر پر اتفاقی فیصلہ ہو وہ اپنا اتفاقی فیصلہ قاضی کے پاس لے جائیں اور قاضی کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ طلاق واقع کرے اور یہ طلاق بائن ہوگی چنانچہ حکمین کو تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا الا یہ کہ پورا پورا اختیار انھیں سپرد کردیا گیا ہو۔

۵۔ حیض ونفاس اور جنابت سے غسل کرنا...... شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند بیوی کو حیض ونفاس کے غسل پر مجبور کرسکتا ہے اگرچہ بیوی ذمیہ ہو۔ کیونکہ حیض ونفاس جنسی اتصال سے مانع ہوتے ہیں جبکہ جنسی اتصال خاوند کا حق ہے چنانچہ خاوند اپنا حق وصول کرنے کے لئے ازالہ مانع پر بیوی کو مجبور کرسکتا ہے۔

خاوند مسلمان بیوی کو غسل جنابت پر مجبور کرنے کا اختیار رکھتا ہے، کیونکہ مسلمان عورت پر نماز واجب ہوتی ہے اور غسل کے بغیر نماز ناممکن ہے نیز جنبی عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے جی کتراتا ہے، البتہ ذمیہ عورت کو غسل جنابت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جیسے نابالغ عورت کو غسل جنابت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جنسی نفع غسل جنابت پر موقوف نہیں چنانچہ غسل جنابت کے بغیر بھی جنسی نفع اٹھانا مباح ہے۔

حنابلہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ خاوند بیوی کو نجاست دھونے پر مجبور کرسکتا ہے کیونکہ ازالہ نجاست عورت پر واجب ہے اسی طرح خاوند بیوی کو حرام کردہ امور سے اجتناب پر بھی مجبور سکتا ہے، خاوند بیوی کو ناخن کاٹنے زیرناف بال صاف کرنے اور میل کچیل دور کرنے پر بھی مجبور کرسکتا ہے چونکہ یہ چیزیں گندگی میں شمار کی جاتی ہیں اور اس قسم کی گندگی کے ہوتے ہوئے طبیعت جماع کرنے سے کتراتی ہے۔

جبکہ صفائی ستھرائی، زیرناف بال صاف کرنے اور غسل جنابت کے متعلق شافعیہ کی دو آراء ہیں:

۱...... یہ کہ خاوند بیوی کو صفائی پر مجبور کرسکتا ہے کیونکہ پوری طرح جنسی نفع صفائی پر موقوف ہے۔

۲...... یہ کہ خاوند بیوی کو مجبور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا کیونکہ جماع (صحبت) ستھرائی پر موقوف نہیں۔

۶۔ بیوی کو سفر پر لے جانا...... پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ خاوند نے اگر مہر معجل ادا کردیا ہو تو اگر دوران سفر کوئی خدشہ نہ ہو بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر لے جاسکتا ہے۔ ❶

تیسری بحث: میاں بیوی کے درمیان مشترک حقوق...... سابقہ حقوق میں سے اکثر اور خصوصاً حق استمتاع اور جو اس کے تابع ہیں یہ میاں بیوی کے درمیان مشترک حقوق ہیں لیکن شوہر کا حق بیوی کے حق سے بڑا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ...... البقرۃ: ۲/۲۲۸

اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اور ابوداؤد کی سابقہ حدیث "اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کے لیے سجدہ کرنے کے لیے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں اس عظیم حق کی بناء پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے۔"

میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سلوک کریں اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں باوجود معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ...... النساء: ۴/۳۶

یعنی اچھا معاملہ کرو پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور گذشتہ حدیث لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت

---

❶ ...... الدر المختار ۲/۴۹۵۔

مانو۔ نیز یہ حدیث تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں ❶ لیکن شوہر کو بغیر افراط وتفریط کے غیرت مند ہونا چاہیے تاکہ اس کی وجہ سے شر سے پیش نہ آئے۔

اگر بیوی کے ساتھ اس کے عادات واطوار کی وجہ سے کوئی بات ناپسندیدہ بھی معلوم ہو تب بھی اس سے اور بدتعلقی اختیار نہ کرے اور روکے رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۝۱۹ النساء: ۴/۱۹

اگر وہ (بیویاں) تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر وخوبی رکھی ہو۔ اور مسلم شریف میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہیے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی البتہ شوہر کے لیے مناسب نہیں کہ اپنی بیوی کو اپنے مال کی مقدار بتائے اور نہ ہی اسے کوئی راز دے جس کے شائع ہونے کا خطرہ ہو اور نہ ہی اس کو زیادہ عطیات دے اس لیے کہ جس چیز کی اس کو عادت ہوگی تو پھر نہ ہونے کی صورت میں وہ صبر نہیں کرسکے گی۔ ❷

فائدہ...... میاں بیوی کے باہمی حقوق وذمہ داریوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لیے سب سے بالاتر سمجھے اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے اس کی خیرخواہی اور رضاجوئی میں کمی نہ کرے اپنی آخرت ودنیا کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ رکھے اور شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے۔ اس کی قدر کرے اور اس سے محبت کرے اگر اس سے غلطی ہوجائے تو چشم پوشی کرے صبر وتحمل دانشمندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضرویات اچھی طرح پوری کرے اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

دوسرا باب...... رشتہ ازدواج ختم کرنا اور اس کے اثرات

اس باب میں چار فصلیں ہیں:

پہلی فصل...... طلاق۔

دوسری فصل...... خلع۔

تیسری فصل...... قضاء تفریق کرنا۔

چوتھی فصل...... عدت واستبراء۔

پہلی فصل: طلاق...... یہ ایک تمہید چھ مباحث اور ایک الحاق پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث...... طلاق کا معنی، مشروعیت، حکم، رکن، حکمت اور مرد کو طلاق کا اختیار دینے کا سبب۔

دوسری بحث...... طلاق کی شرطیں یا طلاق کا مالک طلاق کی مقدار محل طلاق اور صیغہ طلاق۔

تیسری بحث...... طلاق واقع کرنے کی شرعی قیود۔

چوتھی بحث...... طلاق میں وکیل بنانا اور تفویض۔

پانچویں بحث...... طلاق کی اقسام اور ہر قسم کا حکم۔

❶ ...... رواہ ابن ماجة. ❷ کشاف القناع ۵/ ۲۰۶.

چھٹی بحث.....طلاق میں شک اوراس کے اثبات کا حکم۔

الحاق.....حلالہ اور رجعت۔

تمہید.....ازدواجی تعلق کے اختتام اور رشتہ ازدواج کی فرقت کی اقسام۔

ازدواجی تعلق کا اختتام یا تو شوہر کا اختیار سے نکاح کو ختم کرنا یا قاضی کے حکم سے ہوتا ہے۔اور لفظ فرقت افتراق الگ الگ ہوجانے کے معنی میں ہے اوران دونوں کی جمع فرق ہے اور اصطلاح میں زوجین کی ایک دوسرے سے علیحدگی کا اور ازدواجی تعلق کا اختتام ہونا کسی سبب کی وجہ سے۔ پھر اس جدائی اور علیحدگی کی دو قسمیں ہیں ایک فسخ نکاح اور ایک طلاق۔اور فسخ نکاح یا تو میاں بیوی کی رضامندی سے ہوگا تو اسے خلع کہتے ہیں اور یا قاضی کے فیصلہ کرنے سے ہوگا اور مالکیہ نے ❶ ذکر کیا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی وجدائی پندرہ وجوہات سے ہوتی ہے اور وہ طلاق اپنی اقسام کے ساتھ اور ایلاء لعان، ارتداد، میاں بیوی میں سے کسی ایک کا دوسرے کا مالک ہوجانا، بیوی کو نقصان پہنچانا، حکم (فیصل) کا زوجین کے درمیان تفریق کرنا، زوجین کا دخول سے پہلے مہر میں اختلاف یا شوہر کا مجنون ہوجانا کوڑھ یا برص کا مریض ہوجانا، زوجین میں سے کسی ایک میں عیب کا پایا جانا، نفقہ یا مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونا، غرر، فقد، غلام کی باندی کو آزاد کرنا اور آزاد پر باندی سے نکاح کرنا وغیرہ۔

فسخ نکاح اور طلاق میں فرق.....فسخ طلاق سے تین طرح مختلف ہے۔

پہلا فرق.....دونوں کی حقیقت: فسخ تو عقد کو بنیاد ہی سے ختم کرنے اور اس پر جو حلت حاصل ہوئی تھی اسے غیر مفید بنانا ہے اور طلاق عقد کو ختم کرنا ہے اس سے حلت ختم نہیں ہوتی جب تک تین طلاقیں نہ دے دے۔

دوسرا فرق.....دونوں کے اسباب: فسخ تو اس وقت ہوتا ہے جب کچھ ایسے حالات پیدا ہوجائیں کے رشتہ ازدواج کے مخالف ہوں یا ایسے حالات جو اصل اور بنیاد ہی سے عقد کے لازم نہ ہونے سے ملے ہوئے ہوں نو پید حالات کی مثال مثلاً بیوی کا مرتد ہوجانا یا اس کا اسلام لانے سے انکار کرنا یا شوہر کا اپنی بیوی کی والدہ یا بیٹی سے جنسی تعلق پیدا ہونا یا بیوی اور خسر کے یا خاوند کے بیٹے کے درمیان ناجائز تعلق کا پیدا ہونا یہ ازدواجی تعلق کے منافی چیزیں ہیں اور ان حالات کی مثال جو مقارن ہیں: زوجین میں سے کسی ایک کو خیار بلوغ حاصل ہونا اسی طرح ولی عورت کو غیر کفو میں شادی کی صورت میں اختیار حاصل ہونا یا مہر مثل سے کم پر حنفیہ کے ہاں نکاح کی صورت میں تو ان صورتوں میں عقد لازم نہیں اور رہ گئی طلاق تو وہ تو صرف صحیح عقد جو لازم بھی ہو اس میں ہوتی ہے اور طلاق میں مذکورہ اشیاء میں سے کچھ بھی نہیں۔

تیسرا فرق.....دونوں کا اثر: فسخ سے طلاق کا عدد جس کا شوہر مالک ہے وہ کم نہیں ہوتا اور طلاق سے عدد طلاق کم ہوتا ہے۔اور اسی طرح وہ جدائی جو فسخ کی صورت میں ہو اس کی عدت میں طلاق واقع نہیں ہوتی الا یہ کہ فسخ ارتداد یا اسلام کے انکار کی صورت میں ہو کیونکہ حنفیہ کے ہاں اس صورت میں بطور سزا کے طلاق واقع ہوتی ہے۔اور طلاق کی عدت میں دوسری طلاق واقع ہوتی ہے۔اور اس میں کئی سارے ازدواجی تعلق کے احکام جاری ہوتے ہیں پھر یہ کہ دخول سے قبل فسخ کی صورت میں عورت کے لیے مہر وغیرہ میں سے کچھ چیز بھی واجب نہیں ہوتی جبکہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں مقررہ مہر میں سے نصف واجب ہوتا ہے اور اگر مقرر نہ کیا ہو تو وہ متعہ کی مستحق ہوتی ہے۔

جدائی اور علیحدگی کب فسخ ہے اور کب طلاق.....طلاق اور فسخ کے حالات میں فقہاء کی کئی آراء ہیں۔

حنفیہ کے ہاں ❷ درج ذیل صورتوں میں جدائی فسخ ہے:

❶..... القوانين الفقهية : ص ۲۲۷۔ ❷فتح القدير ۳/۲۱ البدائع: ۲/۳۳۶ ردالمحتار لابن عابدين ۲/۵۷۱۔

۱ جب قاضی زوجین کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کرے اس وجہ سے کہ عورت کا شوہر شرک اور مجوسیت سے اسلام میں داخل ہو جائے اور عورت اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے کیونکہ مشرکہ مسلمان سے نکاح کی صلاحیت نہیں رکھتی اور تفریق بھی اسی کی جانب سے ہوتی ہے اور عورت کی طرف سے جو فرقت (جدائی) ہو وہ طلاق ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی لہٰذا اسے فسخ قرار دیا جائے گا اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار شوہر کی طرف سے ہو تو یہ جدائی طرفین کے ہاں طلاق ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں فسخ۔

۲ زوجین میں سے کسی ایک کا مرتد ہونا۔

۳ حقیقۃً یا حکماً دارین کا مختلف ہونا بایں طور کہ زوجین میں سے کوئی ایک دارالاسلام کی طرف آ جائے مسلمان یا ذمی بن کر اور دوسرا کافر رہے دارالحرب میں تو اسے ارتداد پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ عادۃً اس طرح نفع حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر زوجین میں سے ایک مستامن بن کر دارالاسلام میں آئے اور دوسرا دارالحرب میں کافر رہے تو اس سے فرقت اور جدائی نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں اختلاف دارین سے جدائی نہیں ہوتی۔

۴ خیار بلوغ حاصل ہونا اس صورت میں علیحدگی اور تفریق صرف قاضی کے فیصلہ سے ہوگی۔ اور اگر تفریق عورت کروائے کسی عیب کی وجہ سے مثلاً شوہر مجبوب ہے۔ عنین ہے یا خصی اور مخنث ہے تو یہ تفریق طلاق ہوگی قاضی کی طرف سے۔

۵ خیار عتق بایں طور کہ باندی آزاد کر دی جائے اور اس کا شوہر بدستور غلام رہے تو عورت کو ازدواجی تعلق باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار ہے اور صرف اختیار ہی سے علیحدگی ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ جدائی ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہو رہی ہے جو عورت نے اختیار کیا ہے اور عورت کا اختیار طلاق نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ طلاق کی مالک نہیں الا یہ کہ اسے طلاق کا اختیار دے دیا جائے۔

۶ کفو نہ ہونے یا مہر کم ہونے کی وجہ سے تفریق۔ تو یہ علیحدگی بھی فسخ ہوگی اس لیے کہ یہ ایک ایسی علیحدگی ہے جو شوہر کی جانب سے نہیں لہٰذا اسے طلاق قرار دینا ممکن نہیں کیونکہ شوہر کے علاوہ کسی کو طلاق کی ولایت حاصل نہیں لہٰذا اسے فسخ قرار دیا جائے گا اور یہ تفریق بھی صرف قاضی ہی کے سامنے ہوگی جیسے خیار بلوغ میں اور ان حالات وانواع کے علاوہ جدائی کی جو صورتیں شوہر کی جانب سے یا اس کے سبب سے پائی جائیں وہ سب طلاق ہیں اور انہیں میں سے خلع بھی ہے۔ اسی بناء پر طرفین کے ہاں فسخ اور طلاق میں فرق کرنے والا ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ ہر وہ جدائی اور علیحدگی جو عورت کی طرف سے ہو تو وہ فسخ نکاح ہے اور ہر وہ جدائی جو مرد کی طرف سے ہو یا اس کی وجہ سے ہو تو وہ طلاق ہے۔ الا یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شوہر کے ارتداد کی صورت میں پیدا ہونے والی جدائی کو فسخ شمار کرتے ہیں اس لیے کہ ارتداد موت کی طرح ہے کہ مرتد کا خون رائیگاں ہوتا ہے لہٰذا یہ جدائی موت کے مشابہ ہے اور موت سے ہونے والی جدائی کو طلاق قرار دینا ممکن نہیں اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اکثر جدائی وعلیحدگی طلاق ہی ہوتی ہے۔

مالکیہ کے ہاں [1] علیحدگی وجدائی یا تو صحیح نکاح سے ہوگی یا فاسد نکاح سے۔

پہلی بات...... اگر فرقت (جدائی) نکاح صحیح سے ہو تو وہ طلاق ہے الا یہ کہ وہ کسی ایسے سبب سے ہو جو ہمیشہ کی حرمت ہو چاہے زوجین میں سے کسی ایک کی جانب سے ہو یا قاضی کی تفریق (تو فسخ ہے)۔

دوسری بات...... اور اگر فرقت (جدائی) نکاح فاسد سے ہو تو۔ اگر تمام ائمہ اس کے فساد پر متفق ہوں تو یہ فرقت فسخ ہے نہ کہ طلاق جیسے متعہ اور اپنے محارم میں سے کسی ایک کے نکاح کی فرقت اور معتدۃ الغیر سے نکاح وغیرہ والی جدائی وعلیحدگی اور اگر نکاح فاسد ہونے میں اختلاف ہو وہ وہ کہ جو مالکیہ کے ہاں فاسد ہو اور ان کے علاوہ ائمہ کے ہاں صحیح ہو جیسے عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں شادی کرنا مالکیہ

[1]...... بدایۃ المجتہد ۲/۷۰، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/۳۶۴

کے ہاں فاسد ہے اور حنفیہ کے ہاں نکاح صحیح ہے پس اس صورت میں تفریق وجدائی طلاق ہے فسخ نہیں اور اسی طرح پوشیدہ نکاح (وہ نکاح جس کے چھپانے کا شوہر گواہوں کو کہے لوگوں سے) تو یہ مالکیہ کے ہاں فاسد ہے باقی ائمہ کے ہاں صحیح ہے اسی بناء پر درج ذیل مقامات میں جدائی وعلیحدگی فسخ ہوگی۔

۱...... جب عقد صحیح نہ ہو جیسے اپنی بہن یا ذی رحم محرم میں سے کسی سے نکاح کرنا یا غیر کی بیوی یا غیر کی عدت گذارنے والی سے نکاح۔

۲...... جب ازدواجی تعلق کے دوران ایسی صورت پیدا ہوجائے جس سے حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے جیسے زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے اصول وفروع سے جنسی تعلق قائم ہونا کسی شبہ کی بناء پر۔

۳...... لعان کے ذریعہ جو جدائی ہو۔اس لیے کہ اس سے بھی حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے حدیث میں ہے لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔ ❶

۴...... اگر بیوی اسلام قبول کرلے اور شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو اس صورت میں ہونے والی علیحدگی یا غیر کتابیہ بیوی کا شوہر کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے انکار کرنے کیونکہ یہ انکار مفسد نکاح ہے۔

اور درج ذیل صورتوں میں تفریق وعلیحدگی طلاق ہوگی:

۱...... جب نکاح صحیح یا جس کے فاسد ہونے میں اختلاف ہے اس میں طلاق کا لفظ استعمال کرے۔

۲...... اور خلع سے جدائی ہو۔

۳...... ایلاء کی وجہ سے ہونے والی جدائی اور ایلاء یہ ہے کہ شوہر قسم اٹھائے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ وہ بیوی کے پاس نہیں آئے گا۔اگر وہ اپنی قسم سے باز نہ آیا قاضی کے حکم کے بعد تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ بیوی کے دعویٰ کرنے کی صورت میں ان میں تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق ہے۔

۴...... کفو میں شادی نہ ہونے کی صورت میں جدائی چاہے بیوی کی طرف سے ہو یا ولی کی طرف سے۔

۵...... نفقہ نہ ہونے یا عیب ہونے یا کسی اور ضرر اور بدمعاملگی کی وجہ سے ہونے والی جدائی۔

۶...... زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہونے کی وجہ سے ہونے والی جدائی مشہور مذہب کے مطلق یہ طلاق ہے اس لیے کہ یہ ایک ایسی فرقت ہے کہ اس سے غیر مؤبد تحریم ہوتی ہے جو کہ اسلام قبول کرلینے سے ختم ہوجاتی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اثر تفریق طلاق ہوتی ہے۔

شوافع کے ہاں: ❷ نکاح کی جدائی طلاق اور فسخ ہے۔طلاق کی کئی قسمیں ہیں صریح وکنایہ خلع ایلاء کے ساتھ تفریق حکم کا فیصلہ اور فسخ کی سترہ قسمیں ہیں: مہر نفقہ کپڑے سکنی وغیرہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے فرقت لعان کی وجہ سے تفریق خیار عتق کی فرقت ❸ اور عیوب کی وجہ سے جدائی جو کہ حاکم کے پاس دعویٰ کے بعد ہوتی ہے ❹ عیب کا ثبوت اس کی وجہ سے فی الفور فسخ ہوگا الا یہ کہ عنین ہو تو پھر اس کے ثبوت کے دن سے ایک سال کا عرصہ اس کو دیا جائے گا اور فرقت غرور ❺ اور وطی بشبہ جیسے بیوی کی والدہ سے وطی کرنا یا اس کی بیٹی سے دخول سے پہلے یا بعد

---

❶......رواه الدراقطني عن ابن عباس ❷تحفة الطلاب: ص ٢٣٦ حاشية الشرقاوى ٢ ٢٩٦-٢٩٤ ❸خيار العتيقة هو أن تعتق الأمة زوجة رفيق فيثبت لها الخيار فورا بدون رفع الامر الى الحاكم الا اذ كان عتقها قبل الوط فى مرض الموت وكان ثلث ماله لاتحمل سقوط المهر مع قيمتها۔ ❹العيوب الموت للخيار فى الزواج هى جنون وجذام وبر ص با حد الزو جين ورتق وقرن بالز وجه وجب وعنة بالزوج۔ ❺من الانكحه المكروهة نكاح المغرور بحرية امراة اونسبها اواسلامها وهو يخير الفسخ والرجوع بالعزامه على من غره لا بالمهر لانه الموقع له فى القرامة فلو شرط رجل حرية امراة فى العقد خبان رقها وهو من من لايحل له نكاح الامة فهو باطل وإلا فصيح وللحر الخيار وان بان نسب المرأة دول المشروط صح وان بان دون نسبه فللرجل الخيار (تحفة الطلاب: ص ٢٢٠)

زوجین میں سے کسی ایک کا غلام ہو جانا اس لیے کہ رقیت جب پیدا ہوتی ہے تو اپنے نفس سے ملکیت زائل کر دیتی ہے پس عصمت کی صورت میں بدرجہ اولی اسی طرح زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے یا کسی ایک کے مرتد ہونے کی وجہ سے تفریق یا شوہر کا اس حالت میں اسلام لانا کہ اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں یا چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو باندیاں ہوں یا زوجین میں سے ایک دوسرے کا مالک بننا کفو میں نہ ہونا یا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہونا جیسے یہودیت سے نصرانیت کی طرف اور رضاعت کی وجہ سے تفریق جبکہ دو سال گزرنے سے پہلے دودھ پیا ہو اور پانچ متفرق گھونٹ پیئے ہوں۔

حنابلہ کے ہاں: ❶ فسخ کئی حالتوں میں ہوتا ہے کچھ درج ذیل ہیں:

۱ خلع جب لفظ طلاق کے بغیر ہو یا نیت طلاق کے بغیر ہو۔

۲ ارتداد۔

۳ کسی مشترک عیب کی وجہ سے علیحدگی جیسے جنون مرگی یا عورت کے ساتھ خالص عیب جیسے بانجھ پن گندہ دہن ہونا خارشی ہونا یا دونوں راستوں کا پھٹ کر ملا ہوا ہونا یا مردوں کے ساتھ مخصوص عیب جیسے مجبوب اور عنین ہونا اور نکاح صرف حاکم ہی فسخ کر سکتا ہے۔

۴ زوجین میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کر لینا۔

۵ ایلاء کے ذریعہ بذریعہ قاضی تفریق جبکہ چار ماہ گذر چکے ہوں اور شوہر نے اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو اور نہ ہی اس نے طلاق دی ہو پھر حاکم اسے طلاق کا حکم دے۔

۶ لعان کی وجہ سے تفریق اس لیے کہ لعان کی وجہ سے تو ہمیشہ کی حرمت ہو جاتی ہے اگرچہ قاضی فیصلہ نہ بھی کرے۔ اور رہ گئی طلاق تو وہ الفاظ طلاق کے ساتھ صریح و کنایہ وغیرہ۔

وہ تفریق جو قضاء قاضی پر موقوف ہے اور جو موقوف نہیں..... تفریق چاہے طلاق ہو یا فسخ کبھی قاضی کی قضاء کی محتاج ہوتی ہے اور کبھی محتاج نہیں ہوتی اور بعض احکام میں تفریق کے قضاء پر موقوف ہونے یا نہ ہونے کا اثر ظاہر ہوگا جیسے وراثت میں کہ اگر تفریق کا سبب پایا جائے پھر زوجین میں سے کوئی ایک قاضی کا فیصلہ ہونے سے پہلے مرجائے اب اگر تفریق قضاء کی محتاج ہو تو دوسرا وارث ہوگا اگر اس میں قضاء کی ضرورت نہ ہو تو دوسرا وارث نہیں ہوگا کیونکہ سبب تفریق کی وجہ سے زوجیت کا تعلق ختم ہو گیا۔ وہ تفریق جو قضاء کی محتاج ہے اس کی دو قسمیں ہیں تفریق طلاق اور تفریق فسخ۔ اور تفریق طلاق جو قضاء پر موقوف ہے وہ حنفیہ کے ہاں درج ذیل ہیں:

۱..... لعان کی وجہ سے تفریق مالکیہ کے ہاں مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ تفریق قضاء پر موقوف نہیں۔

۲..... شوہر میں پائے جانے والے عیوب کی وجہ سے ہونے والی تفریق مجبوب، عنین اور خصی ہونا وغیرہ ان عیوب اور عورت میں پائے جانے والے عیوب کی وجہ سے عقد اس وقت فسخ ہوگا جب حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا جائے۔

۳..... امام ابوحنیفہ اور محمد کے ہاں شوہر جب اسلام سے انکار کرے اس کی وجہ سے ہونے والی تفریق مصر اور شام میں شوہر کے غائب ہونے والی تفریق بھی یا بیوی پر خرچہ نہ کرنے کی وجہ سے یا ناچاکی اور بیوی کو ضرر پہنچانے کی وجہ سے طلاق کی وہ تفریق جو قضاء قاضی پر موقوف نہیں۔

۱..... لفظ طلاق کے ساتھ تفریق اور اسی میں سے تفویض طلاق بھی ہے۔

۲..... حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ایلاء کی تفریق۔

---

❶ ..... المغنی ۷/۵۶ غایۃ المنتہی ۳/۴۶، ۵۶، ۱۰۳۔

۳.....جمہور کے ہاں حنابلہ کے علاوہ خلع کی تفریق۔

رہ گئی تفریق فسخ کی جو قضاء پر موقوف ہے:

۱.....کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق۔

۲.....مہر مثل سے کم مہر کی وجہسے تفریق۔

۳.....جب زوجین میں سے ایک اسلام قبول کرلے اور دوسرا انکار کرے اور اس وجہ سے ہونے والی تفریق لیکن بیوی کے انکار کی صورت میں ہونے والی تفریق متفق علیہ ہے اور شوہر کے انکار والی صورت میں طرفین کے علاوہ کی رائے میں۔

۴.....حنفیہ کے ہاں خیار بلوغ سے ہونے والی تفریق جبکہ والد اور دادا کے علاوہ کسی نے نکاح کرایا ہو۔

۵.....حنفیہ کے ہاں حالت جنون میں کیے گئے نکاح کے خیار (خیار الافاقہ) سے ہونے والی تفریق جبکہ والد دادا اور بیٹے کے علاوہ نے نکاح کرایا ہو۔فسخ کی وہ صورتیں جو قضاء قاضی پر موقوف نہیں:

۱.....اصل کے اعتبار سے عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے فسخ مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح یا بہن سے شادی۔

۲.....زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے اصول کے ساتھ ایسا اتصال جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

۳.....امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شوہر کے اتداد کی وجہ سے فسخ اگر دونوں مرتد ہو جائیں تو صرف ارتداد کی وجہ سے تفریق نہیں ہوگی حنفیہ کے ہاں۔

۴.....بیوی کے خیار عتق کی وجہ سے فسخ۔

۵.....زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے مالک ہونے کی وجہ سے فسخ۔اب دو باتیں ملحوظ نظر رہیں۔

پہلی بات.....وہ تفریق جو ایسے تعلق کی وجہ سے ہو جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یہ ہمیشہ کی حرمت واجب کرتی ہے اور خیار بلوغ ارتداد اسلام سے انکار زوجین میں سے ایک کا دوسرے کے مالک ہو جانا حرت موقتہ ثابت کرتا ہے اور لعان سے ہونے والی تفریق حنابلہ امام ابو یوسف شوافع اور مالکیہ کے ہاں حرمت مؤبدہ ہے اور طرفین کے ہاں اس سے حرمت مؤقتہ ہوتی ہے جب زوجین میں سے کوئی ایک لعان کی اہلیت سے نکل گیا یا مرد نے اپنی تکذیب کر دی تہمت سے۔

دوسری بات.....حنفیہ کے ہاں ہر وہ تفریق جو بیوی کی طرف سے ہو تو اس سے مہر ساقط ہو جاتا ہے۔الا یہ کہ دخول ہو گیا ہو یا خلوت صحیحہ اور اگر تفریق کا سبب مرد ہو تو پھر دخول اور عدم دخول سے کوئی چیز کم اور ساقط نہیں ہوگی۔

پہلی بحث: طلاق کا معنی، مشروعیت، حکم، رکن، حکمت اور مرد کو طلاق کے اختیار کا سبب:

طلاق کا معنی.....لغوی اعتبار سے آزاد کرنا اور کھولنا اور اسی سے ہے ناقة طالق آزادانہ چرنے والی اونٹنی اور رہا کرنا لیکن عرف میں طلاق کا لفظ معنوی قید سے آزاد کے ساتھ خاص ہے جو کہ عورت کو حاصل ہوتی ہے اور اطلاق حسی قید سے رہائی کے لیے ہے۔اور شرعی طور پر طلاق کہتے ہیں: نکاح کی قید سے آزاد کرنا یا شادی کے بندھن کو لفظ طلاق وغیرہ سے توڑنا یا نکاح کا بندھن فی الحال یا آئندہ ختم کرنا مخصوص لفظ کے ساتھ [1] فی الحال ازدواجی تعلق کو توڑنا طلاق بائن سے ہوتا ہے اور مآل یعنی عدت کے بعد طلاق رجعی سے ہوتا ہے اور مخصوص لفظ وہ صریح جیسے لفظ طلاق یا کنایہ جیسے لفظ بائن حرام اطلاق وغیرہ یا جو لفظ کے قائم مقام ہو جیسے کتابت (تحریر) اور سمجھ میں آنے والا اشارہ اور لفظ

---

[1].....الدر المختار ۲/۵۷۰ مغنی المحتاج: ۳/۲۷۹ المغنی: ۷/۶۶ کشاف القناع ۵/۲۶۱۔

طلاق کے ساتھ لفظ خلع بھی ملحق ہے اور قاضی کا قول ''فرقت'' جبکہ وہ عدم موجودگی یا قید کی صورت میں یا نفقہ نہ دینے اور بدمعاملگی کی صورت میں تفریق کرے اور لفظ مخصوص کے ذریعہ فسخ کو نکال :دیا کیونکہ وہ ازدواجی تعلق کو فی الحال ختم کر دیتا ہے لفظ طلاق۔

وغیرہ کے بغیر بھی اور فسخ جیسے خیار بلوغ عدم کفو مہر کی کمی اور ارتداد وغیرہ ہے۔باقی قسموں (ایمان) کی طرح طلاق سے رجوع نہیں اور عدول نہیں ہوسکتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلاق کو فسخ نہیں کیا جا سکتا۔❶

مشروعیت طلاق......طلاق کی اجازت ہے کتاب اللہ سنت اور اجماع سے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ......البقرۃ ۲/۲۲۹

وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔❷

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ......الطلاق:۶۵/۱

اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دو) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔❸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الطلاق لمن اخذ بالساق

طلاق صرف شوہر ہی دے سکتا ہے (یعنی طلاق کا اختیار شوہر کو ہے)۔❹

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے۔اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔اور تمام لوگوں کا طلاق کے جواز پر اجماع ہے اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے اس لیے کہ بسا اوقات زوجین میں سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اور ازدواجی تعلق ایک مصیبت اور عذاب بن جاتا ہے اور مرد پر نفقہ سکنی اور عورت کو بری معاشرت میں قید کرنا اور ہمیشہ کے لیے لڑائی جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے پس شریعت نے ازدواجی تعلق کو ختم کرنے کی آخری چارہ کار کے طور پر یہ اجازت دی ہے تاکہ اس سے پیدا شدہ مصیبت ختم ہو سکے۔

طلاق کی اجازت کی حکمت......سابقہ معقولی بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہے جو ناگواری اور اخلاقی بعد سے پیدا ہونے اور حدود اللہ قائم نہ رکھ سکنے کی وجہ سے بغض اور کینہ جنم دیتی ہے لہٰذا طلاق کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے❺ یعنی میاں بیوی کے درمیان سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہونے اور ساتھ رہنا بجائے راحت و مسرت کے مصیبت بن جانے اور طبیعت کے مختلف ہونے اور معاشرت اچھی طرح نہ ادا ہونے یا کسی مرض کا شکار ہونے یا لاعلاج بانجھ پن کے ذریعہ جو محبت اور الفت ختم ہوتی ہے اور اس سے جو کراہت اور بغض پیدا ہوتا ہے اس کا علاج طلاق سے کیا گیا ہے لہٰذا طلاق ہی ان مفاسد اور شرور سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا اس وقت طلاق خاندانی مشکلات کے حل کی ضرورت ہے اور حاجت و ضرورت کے وقت مشروع ہے جب ضرورت نہ ہو تو مکروہ ہے سابقہ حدیث حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے کی وجہ سے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔❻

---

❶......اخرجه العقيلي من حديث صفوان بن عمران الطائي (نيل الاوطار ٦/٢٣٨) ❷رواه ابن ماجه والدار قطني عن ابن عباس (نيل الاوطار ٦/٢٣٨) ❸ رواه ابوداؤد (نيل الدوطار ٦/٢٢٠) ❹رواه ابوداؤد (نيل الاوطار ٦/٢١٩) ❺فتح القدير: ٣/٢١ ❻رواه الخمسة الاالنسائي عن ثوبان (المرجع السابق ص: ٢٢٠)

اسی طرح طلاق کومباح کرنے والے اسباب میں سے والدین کی اطاعت بھی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا اور میرے والد اسے ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھے اسے طلاق دینے کا حکم دیا تو میں نے انکار کردیا یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ ❶

حنابلہ نے ❷ تصریح کی ہے کہ مرد پر اپنے والدین کی اطاعت طلاق یا شادی نہ کرنے کے سلسلہ میں واجب نہیں اور طلاق سے جو ضرر ہوتا ہے خاص کر کے اولاد کو تو اشد اور بڑے ضرر کو دفع کرنے کی لیے اسے برداشت کیا جاسکتا ہے اس قاعدے پر عمل کرتے ہوئے یختار اھون الشـریـن ہلکے شر کو اختیار کیا جائے لیکن شریعت نے بیوی کی غلطی اور اس کی بداخلاقی کو صبر تحمل اور دانش مندی سے نباہنے اور خوشگوار تعلقات بنانے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

اور بیویوں کے ساتھ مناسب اور معقول طریقے سے گذران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت خیر وخوبی رکھی ہو۔ النساء: ۴/۱۹

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا اس کو کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ ❸

اور شریعت نے زوجین کے درمیان پائی جانے والی ناچاکی اور ناگواری کے حل کے لئے مختلف طریقے مشروع کیے ہیں مثلاً وعظ ونصیحت بستر چھوڑنا اعراض مارنا قاضی کی طرف سے دو فیصل مقرر کر کے بھیجنا جبکہ میاں بیوی اصلاح نہ کریں اور درمیان میں پائی جانے والی ناچاکی کو ختم نہ کریں اور اس کی تفصیل زوجین کے حقوق میں بیان کردی ہے اور یہ سب تفصیل درج ذیل تین آیات سے ماخوذ ہیں:

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ النساء: ۴/۱۲۸

اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کرلیں اور صلح خوب (چیز) ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کروگے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ النساء: ۴/۳۵

اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کا خاندان میں سے مقرر کرو وہ اگر صلح کرادینی چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کردے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے۔

وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ النساء: ۴/۳۴

اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کردو اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہوجائیں تو ان کو ایذاء دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بیشک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔

اور فوراً ہی اول وہلہ میں طلاق کی طرف مجبور نہ ہو اور اسے ہلکے اسباب نہ سمجھے۔ جیسا کہ بعض جاہل لوگوں جن میں طیش ہوتا ہے یا

---

❶......رواه الخمسة (المرجع السابق ص: ۲۲۰) ❷غاية المنتهى: ۱۱۲/۳ ❸رواه مسلم عن ابى هريرة

حماقت یا غصہ یا حملہ کرنے کی خواہش یا ظاہری خواہش یہ ساری چیزیں تعلیمات اسلام اور آداب سے خروج ہے اور یہ گناہ معصیت ہے اور اس پر تادیب اور تعزیر ہے۔ اور طلاق تو ضرورت کی بنیاد پر مشروع ہے اگر شوہر درج ذیل مراحل پر چلے اور وہ مناسب اور معقول طریقے سے صبر تحمل سے زندگی گذارے پھر وعظ ونصیحت سونا ترک کرنا زدوکوب پھر منصف کو بھیجنا۔ اگر طلاق ہو جائے تو پھر ازدواجی تعلق بحال ہو سکتا ہے اگر دوران عدت رجوع کیا جا سکتا ہے یا عدت ختم ہونے کے بعد جدید نکاح کے ذریعے اور یہ پہلی طلاق اور دوسری طلاق کے بعد دو مرتبہ ہے۔ یہ دو مرتبہ حساب رجوع کے بعد مکرر نہیں ظروف کی مقدار اور امور کی محاکمت اور نتائج وآثار کو سمجھنا یہ عام طور پر ہوتا ہے۔ زوجین میں سے ہر ایک نادم ہو سکتا ہے اور معاملات ترک کر سکتے ہیں اور اخلاق سے ان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

اور ازدواجی زندگی کے سائے میں جس طرح زندگی گذاری جا سکتی ہے اس طرح انفراد اور مجرد رہ کر زندگی نہیں گذاری جا سکتی اور اپنے اہل وعیال پر بھروسہ عادۃً نفقہ خدمت وغیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہ چیز انفرادی زندگی میں طعن وتشنیع کا نشانہ بنتی ہے اگر وہ عورت عمدہ اخلاق کی مالک ہوتی تو اسے کیوں طلاق دی جاتی اور اسی سے رجوع کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مرد کو طلاق کا اختیار دینے کی وجہ۔۔۔۔۔طلاق دینے کا اختیار شوہر کو دیا گیا ہے نہ کہ بیوی کو حالانکہ وہ اس کی شریک حیات اور ازدواجی تعلق کی حفاظت کرنے والی ہے کیونکہ اس کو جلدی ختم کرنے کے خطرہ کے پیش نظر عورت کو اختیار نہیں دیا گیا، اس لیے کہ مرد نے مہر ادا کیا ہے اور بیوی پر اخراجات کر رہا ہے اور گھریلو معاملات میں بھی اور جو کچھ یہ کرتا ہے امور کے انجام کے اعتبار سے اکثر ہے اور غصہ اور طیش سے دور ہے کہ اس سے کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے لہٰذا مرد زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے طلاق کا اختیار دیا جائے بجائے عورت کے دو وجہوں سے پہلی وجہ مرد سے عورت زیادہ اثر قبول کرتی ہے اگر اسے طلاق کا مالک بنا دیا جاتا تو کبھی کبھار وہ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات میں طلاق دے ڈالتی جن کی وجہ سے رشتہ ازدواج ختم نہیں کرنا چاہیے تھا۔

دوسری وجہ۔۔۔۔۔طلاق کی وجہ سے کچھ مالی امور لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً مہر کی ادائیگی عدت کا نفقہ جوڑا وغیرہ یہ ایسی اشیاء مالیہ ہیں کہ مرد ہی انہیں وقوع طلاق پر برداشت کرتا ہے پس خیر اور مصلحت اس میں ہے کہ اس کو طلاق کا اختیار دیا جائے جو ازدواجی تعلق کا زیادہ حریص اور متمنی ہے رہ گئی عورت تو اسے کوئی مالی ضرر نہیں ہوتا طلاق سے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا بوجھ آتا ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ عورت نے ازدواجی تعلق اسی وجہ سے قبول کیا ہے کہ طلاق مرد کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی وہ طاقت رکھتی تھی کہ اسے اپنے اختیار میں لے لے اگر مرد ابتداء عقد کے وقت راضی ہو اور عورت کو اگر ازدواجی زندگی کی وجہ سے کوئی نقصان ہو شوہر کی طرف سے تو وہ بدل خلع دے کر یا قاضی سے نکاح فسخ وختم بھی کروا سکتی ہے کسی مرض بدمعاملگی ضرر، غائب ہونے گرفتار ہونے یا خرچہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ قاضی سے فسخ کروا سکتی ہے۔ البتہ معاصرانہ دشمنی کی وجہ سے قاضی کو طلاق کا اختیار دینے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ شریعت کے اقتضاء کے منافی ومتصادم ہے نیز مرد یہ سمجھتا ہے کہ دیانۃً حق اس کا ہے جب وہ طلاق دے گا تو قاضی کے حکم کے انتظار کے بغیر ہی حرمت پیدا ہو جائے گی اور یہ عورت کی ذات کے لیے مصلحت آمیز نہیں اس لیے کہ طلاق کبھی کبھی ایسے اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا اعلان کرنے میں خیر نہیں ہوتی اب اگر قاضی کو طلاق کا اختیار دے دیا گیا تو ازدواجی تعلقات کے وہ امور واسرار شائع ہو جائیں گے اور اس کے اسباب قاضی کے رجسٹروں میں لکھے جائیں گے اور بسا اوقات ان اسباب کا ثبوت مشکل ہوتا ہے طبعی نفرت اور اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے۔

طلاق کا رکن۔۔۔۔۔حنفیہ کے ہاں طلاق کا رکن وہ لفظ ہے جو لغوی اعتبار سے طلاق کے معنی پر دلالت کرے اور وہ چھوڑنا ہے اور صریح لفظ میں قید نکاح کو ختم کرنا اور کنایہ میں تعلق توڑنا وغیرہ یا شرعاً حلت کو زائل کرنا یا جو لفظ کے قائم مقام ہو مثلاً اشارہ وغیرہ۔ حنفیہ کے علاوہ ائمہ کے ہاں (۱) طلاق کے کئی ارکان ہیں یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ لفظ رکن الطلاق میں رکن مفرد مضاف ہے اور عام ہے لہٰذا اس

(۱)۔۔۔۔۔البدائع: ۹۸/۳

سے کئی چیزوں کی خبر دینا درست ہے پس کہا جاتا ہے اس کے ارکان چار ہیں اور جمہور کے ہاں رکن کا مطلب یہ ہے کہ جس سے ماہیت بنتی ہو اگر چہ وہ اس میں داخل نہ بھی ہو۔ اور مالکیہ کے ہاں طلاق کے چار ارکان ہیں اہلیت طلاق یعنی شوہر یا اس کا نائب یا اگر بچہ ہے تو اس کا ولی واقع کرے مقصد وارادہ یعنی صریح لفظ یا کنایہ سے اس کا تلفظ اگر چہ وہ عصمت کی حلت کا ارادہ نہ بھی کرے کیونکہ مذاق کرنے والے کی طلاق درست ہے۔

محل یعنی مملوکہ عصمت اور صریح وکنایہ لفظ اور ابن جزی نے ❶ تین ارکان شمار کیے ہیں: مطلق طلاق دینے والا، مطلقہ طلاق یافتہ عورت صیغہ لفظ اور جو اس کے معنی میں ہو۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں طلاق کے ارکان پانچ ہیں مطلق صیغہ محل ولایت اور قصد وارادہ جو فقہی بار بار الفاظ طلاق دہراتا ہے اس کی طلاق نہیں ہوتی۔ اسی طرح نقل کرنے والا اور یاد رہے کہ مالکیہ نے ولایت کو اہلیت میں داخل کیا ہوا ہے۔ شوافع اور حنابلہ نے ایک رکن کا اضافہ کیا ہے مالکیہ پر یعنی محل کا۔

طلاق کا حکم..... حنفیہ کا صحیح مذہب ❷ یہ ہے کہ طلاق واقع کرنا مباح ہے کیونکہ آیات مبارکہ مطلق ہیں مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ......الطلاق: ۲۳۶/۲

تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دے دو۔

لاجناح علیکم إن طلقتم النساء

اگر تم عورتوں کو طلاق دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تھی بغیر کسی شک اور تکبر کے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کرتے تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے تو بہت سے نکاح کیے اور طلاقیں دیں رہ گئی حدیث کہ حلال اور جائز چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے اس میں حلال سے مراد وہ چیز جس کا کرنا لازم نہ ہو لہٰذا یہ مباح مندوب واجب اور مکروہ سب کو شامل ہے علامہ ابن عابدین نے فرمایا: طلاق کا مبغوض ہونا حلال ہونے کے منافی نہیں کیونکہ اس معنی کے اعتبار سے حلال مکروہ کو بھی شامل ہے اور وہ مبغوض ہے۔ اور کمال بن ھام صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ طلاق میں اصح یہ ہے کہ نہ دی جائے سوائے کسی ضرورت یعنی شک یا کبر کی وجہ سے ابن عابدین نے اس رائے کو راجح قرار دیا ہے اور حاجت وضرورت کبر اور ظن فاحش کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے جمہور کے ہاں (مالکیہ شوافع حنابلہ) ❸ طلاق اس اعتبار سے کہ وہ جائز ہے لیکن اولی یہ ہے کہ اس کا ارتکاب نہ کیا جائے کیونکہ اس سے الفت اور صحبت کو قطع کیا جاتا ہے کسی عارض کی وجہ سے اور اس کی وجہ سے چار حکم جاری ہوتے ہیں حرمت کراہت وجوب اور ندب اصل یہ ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے پس طلاق اس وقت حرام ہوگی۔ جب یہ گمان ہو کہ طلاق کی وجہ سے وہ حرام یعنی زنا میں مبتلا ہوگا یا کسی اور سے شادی کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور اسی طلاق طلاق بدعی بھی حرام ہے جو حیض نفاس یا اس طہر میں دی جائے جس میں وطی کی ہے اور مکروہ اس وقت ہوگی جب اسے ازدواجی تعلق کی رغبت ہو اور اس سے نسل کی بھی امید ہے اور اس کی زوجیت اس کی واجب عبادت میں خلل پیدا نہیں کر رہی اور جدائی کے بعد زنا کا خوف بھی نہیں تو طلاق بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔ حدیث سابق کی وجہ سے یعنی:

ابغض الحلال الی اللہ تعالٰی الطلاق

اور واجب اس وقت ہوئی جب اسے ازدواجی تعلق باقی رکھنے سے حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو کہ نفقہ وغیرہ نہیں دے سکے گا۔ اور ایلاء

---

❶ ......الشرح الکبیر ۳۶۵/۲ الشرح الصغیر ۲۷۹/۲ القوانین الفقهیه ص ۲۲۷ غایة المنتهی: ۱۱۲/۳۔ ❷ الدر المختار حاشیة ابن عابدین ۵۷۲۵۷۱/۲ فتح القدیر ۲۱/۳۔۲۲ ❸ الشرح الکبیر ۳۶۱/۲ الشرح الصغیر: ۵۳۳/۲ المهذب: ۷۸/۲ کشاف القناع ۲۶۱/۵ المغنی: ۹۷/۷۔

کرنے والے کی طلاق واجب ہے جب وہ چار ماہ میں ہمبستری نہ کرے۔ اور مندوب ومستحب اس وقت ہوگی جب عورت بدزبان ہو اور اس کے باقی رکھنے سے حرام میں پڑ جانے کا خوف ہو اور اسی طرح مستحب ہے جب عورت حقوق اللہ واجبہ میں تفریط کرے مثلاً نماز وغیرہ میں اور اسکوان حقوق کو پورا کرنے میں سختی فائدہ نہ دیتی ہو اسی طرح جب عورت کی مخالفت ہو اور نقصان کا اندیشہ ہو تو بھی طلاق مستحب ہے یا جب وہ پاکدامن نہ ہو لہٰذا اسے پاس رکھنا مناسب نہیں اس لیے کہ اس میں اس کے دین کا نقصان ہے اور اس کا بستر اور بچہ محفوظ نہیں رہ سکتا، اسی طرح جب بغض وغیرہ کی وجہ سے عورت کو نقصان ہو رہا ہو تو بھی طلاق مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ ایک طلاق دی جائے کیونکہ اس کی تلافی ممکن ہے اور اگر تین طلاقیں دینے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ وہ تین مختلف طہروں میں طلاق دے تاکہ خلاف سے نکلا جاسکے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے ہاں انہیں جمع کرنا جائز نہیں نیز اس طرح ندامت سے بھی بچ جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ بدعی طلاق یا تو حرام ہے یا مکروہ اور طلاق سنی یا واجب ہے یا مندوب یا خلاف اولی۔ بدعی اور سنی کا بیان آگے آرہا ہے۔

لزوم طلاق...... طلاق قسم کی طرح ہے کہ جب اس کے ارکان اور شرائط پائے جائیں تو طلاق دینے والے کی بیوی کو طلاق لازم ہوجائے گی اور واقع کرنے سے کوئی رجوع نہیں اور یہ شمار ہوگی جب اس نے طلاق دی پھر دوسری مرتبہ نکاح کرلیا پھر طلاق دی پھر نکاح کرلیا تو اس طرح تین طلاقیں ہوجائیں گی۔ ❶

دوسری بحث: شرائط:

طلاق مقدار محل اور صیغے...... حنفیہ کے علاوہ ائمہ کے ہاں ارکان طلاق کے ہر رکن کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

رکن اول مطلق کی شرائط...... بالاتفاق یہ شرط ہے کہ شوہر مکلف یعنی عاقل بالغ ہو اور مالکیہ کے ہاں مسلمان بھی ہو اور حنابلہ کے ہاں ❷ طلاق کی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو پس شوہر کے علاوہ کسی کی طلاق درست نہیں اور نہ ہی سمجھدار اور ناسمجھ بچے کی البتہ حنابلہ نے سمجھدار بچے کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ وہ دس سال سے بھی چھوٹا ہو لیکن اسے یہ معلوم ہو کہ اس سے اس کی بیوی بائنہ ہوجائے گی اور طلاق کی وجہ سے اس پر حرام ہوجائے گی اور سمجھدار بچے کا طلاق کے لیے وکیل بنانا بھی درست ہے اس لیے کہ جس کے لیے بذات خود کوئی فعل انجام دینا صحیح ہو تو اس کا وکیل بنانا بھی صحیح ہے اور فقہاء کے ہاں یہ درست نہیں کہ بچے یا مجنون کا ولی بغیر عوض طلاق دے دے کیونکہ طلاق تو ضرر ہے۔

مجنون اور مدہوش کی طلاق: مجنون اور مدہوش کی طلاق درست نہیں اور وہ ایسا شخص ہے جو ایسی باتیں کرنے لگے جو عقل وفہم کی سلامتی میں نہیں کی جاسکتیں اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کررہا ہے۔ یا کسی مرض خوف غم یا غصہ کی وجہ سے اس کی عقل دانش غیر متوازن اور مغلوب ہوجائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: زبردستی کی طلاق کا اعتبار نہیں ❸ اغلاق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کی عقل ودانش کو مغلوب کردے جنون سخت غصہ یا سخت غم کی وجہ سے۔

عاقل بالغ ہونے کی شرط کی دلیل حدیث ہے کہ ہر طلاق درست اور نافذ ہے سوائے بچے اور مجنون کی طلاق کے ❹ نیز حدیث میں ہے تین آدمی شریعت میں مرفوع القلم ہیں (یعنی ان کی کسی قول وفعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا) ایک وہ جو نیند کی حالت میں بیدار ہونے سے پہلے دوسرے نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے تیسرے مجنون جب تک درست نہ ہوجائے ❺ نیز اس لیے بھی

---

❶ ...... القوانين الفقهية ص: ۲۱۹ ❷ فتح القدير: ۳/ ۲۱، ۳۸، ۴۰، البدائع: ۳/ ۹۹ الشرح الكبير: ۲/ ۳۶۵ بداية المجتهد ۲/ ۸۱-۸۳ الشرح الصغير: ۲/ ۵۲۶، ۵۴۲ المهذب ۲/ ۷۷ مغني المحتاج: ۳/ ۲۷۹ كشاف القناع: ۵/ ۲۶۲، ۲۶۵ المغني: ۷/ ۱۱۳-۱۲۴۔ ❸ نيل الاوطار: ۶/ ۲۳۵ نصب الراية ۳/ ۲۲۳ ❹ قال عند الزيلعي: حديث غريب واخرج الترمذی عن ابی هريرة كل طلاق جائز الاطلاق المعتوه المغلوب على عقله وفيه ضعف رنصب الراية ۳/ ۲۲۱-۲۲۲ ❺ الجامع الصغير: ۲/ ۲۴

کہ طلاق ایک ایسا تصرف ہے جو کامل دانش مندی اور عقلمندی کا محتاج ہے اور یہ چیزیں بچے اور مجنوں میں نہیں پائی جاتیں نیز طلاق ایک نقصان دینے والا تصرف ہے لہٰذا بچہ اگرچہ سمجھدار بھی ہو یا وہ ولی کو اجازت بھی دے تب بھی اس کا مالک نہیں۔

لیکن حنابلہ سمجھدار بچے کی طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ دس سال سے کم ہی کا کیوں نہ ہو ایک سابقہ حدیث ان الطلاق لمن اخذ بالساق کی وجہ سے دوسرے حدیث ہر طلاق درست نافذ ہے سوئے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل وفہم مغلوب ہوگئی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے بچوں سے نکاح کو چھپاؤ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ طلاق نہ دے دیں نیز اس لیے بھی کہ یہ عاقل کی طلاق ہے جو محل طلاق کے ساتھ ہے لہٰذا بالغ کی طلاق کی طرح واقع ہوگی۔

غصہ کی حالت میں طلاق...... مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اتنا زیادہ ہو کہ وہ اس درجہ میں پہنچ جائے کہ اسے معلوم نہیں ہو رہا وہ کیا کہہ رہا ہے یا کیا کر رہا ہے تو اس حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی یا اس حالت میں پہنچ جائے اور ایسی باتیں کرنے لگے جو عقل وفہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا ہو لیکن یہ (دونوں) حالتیں شاذ ونادر ہی ہوتی ہیں۔ لیکن (عام غصہ) جس میں وہ آدمی اپنی باتوں کا شعور رکھتا ہے اس میں طلاق واقع ہوگی اور عام طور پر یہی غصہ ہوتا ہے ہر طلاق میں جو آدمی سے صادر ہوتا ہے نیز اس لیے بھی کہ غصہ کی حالت میں آدمی مکلف ہوتا ہے چاہے اس سے کفر صادر ہو یا کسی کو قتل کردے یا کسی کا مال لے لے یا طلاق دے دے۔

شوہر کے علاوہ کا طلاق دینا: شوہر کے بجائے کسی دوسرے آدمی کی طلاق کا اعتبار نہیں اور نہ ہی وہ صحیح ہے کیونکہ حدیث میں ہے نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور مالک ہونے سے پہلے عتاق نہیں۔ ❶

نشہ کی حالت میں طلاق...... اگر کسی نے کوئی حلال چیز استعمال کی اور اس سے اس کو نشہ پیدا ہوگیا جو بکواس اور خلط کلام تک پہنچ گیا اور اسے اپنی باتوں کا شعور نہ رہا یا کسی نے زبردستی کوئی نشہ آور چیز کسی کو پلادی اور اس حالت میں اس نے طلاق دی تو تمام آئمہ کے ہاں بالاتفاق طلاق نہیں ہوگی اور حنابلہ کے ہاں اگر کسی نے بھنگ وغیرہ بغیر ضرورت کے استعمال کی اور پھر نشہ کی حالت میں طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی البتہ اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ اور اگر کسی نے حرام نشہ آور چیز استعمال کی یعنی شراب جان بوجھ کر اور پھر طلاق دی تو اس کی طلاق بالاتفاق ائمہ اربعہ کے ہاں واقع ہوگی اور یہ اسے گناہ کے ارتکاب سے روکنے کی غرض سے بطور سزا ہے نیز اس نے بغیر ضرورت کے اپنے اختیار سے استعمال کی ہے اور حنفیہ میں سے امام زفر طحاوی اور امام احمد سے ایک روایت اور شوافع میں سے مزنی اور عثمان وعمر بن عبدالعزیز کے ہاں نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نہ تو اسے عقل ہوتی ہے نہ ہی اس کا مقصد وارادہ ہوتا ہے یہ زائل العقل ہے مجنون کی طرح اور سونے والے کی طرح ہے اور مکرہ کی طرح ہے ارادہ نہ ہونے میں لہٰذا اس کی بات لغو جائے گی اور نشہ کی سزا چونکہ حد موجود ہے لہٰذا ایک اور سزا اس کے ساتھ نہ ملائی جائے گی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے مجنون اور نشہ والے کی طلاق نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

نشہ والے اور زبردستی کیے گئے کی طلاق جائز نہیں...... حضرت علی کا ارشاد ہے: ہر ایک کی طلاق درست ہے سوائے معتوہ کی طلاق کے ❷ شام اور مصر کے قانون میں اس آخری رائے کو لیا گیا ہے قانون نمبر (۲۵) سنہ ۱۹۲۹ مصر کے قانون میں ہے کہ نشہ والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور شام کے قانون ۸۹ میں درج ذیل شقیں ہیں:

۱..... نشہ والے مدہوش اور زبردستی کیے ہوئے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

۲..... مدہوش وہ ہے جو غصہ وغیرہ کی وجہ سے تمیز کھو جائے اور اسے اپنی باتوں کا شعور نہ رہے۔

غیر مسلم کی طلاق...... جمہور کے ہاں مسلمان کی طرح غیر مسلم کی بھی طلاق واقع ہوتی ہے اس لیے کہ حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ

---

❶ رواه ابن ماجه (نيل الاوطار: ۶/۲۴۰). ❷ ذكره البخاري في صحيحه (نيل الاوطار ۶/۲۳۵)

کے ہاں وہ فروعی مسائل شرعیہ کے مکلف ہیں اور مالکیہ کے ہاں کافر کی طلاق درست نہیں اور طلاق دینے والے کے لیے اسلام شرط قرار دیتے ہیں۔

مرتد کی طلاق ...... دخول کے بعد اگر مرتد طلاق دے تو وہ موقوف ہے اگر عدت کے اندر اندر اسلام لے آئے اتو اس کا وقوع ہو جائے گا اور اگر وہ عدت کے اندر اسلام نہ لایا اور عدت گذر گئی یا دخول سے پہلے ہی مرتد ہو گیا تو اس کی طلاق باطل ہے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے اس کا نکاح پہلے ہی سے فسخ ہو گیا ہے۔

بے وقوف کی طلاق ...... اگر بے وقوف بالغ ہے تو بالاتفاق ائمہ اربعہ کے اس کی طلاق نافذ ہے اگر چہ ولی کی اجازت کے بغیر ہی دی ہو اس لیے مجور سے مالی تصرفات روکے جاتے ہیں اور طلاق اور اس کا اثر تصرفات مالیہ میں سے نہیں اور رشد و سمجھداری وقوع طلاق کے لیے شرط نہیں۔ اور سفیہ بے وقوف وہ ہوتا ہے جو اپنے مال میں عقل سلیم کے خلاف ضعیف عقل سے تصرف کرے عطاء کے ہاں ولی کی اجازت پر بے وقوف کی طلاق موقوف ہے۔

زبردستی کی طلاق ...... جمہور کے ہاں جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں طلاق مکرہ) کہتے ہیں کا اعتبار نہیں اس لیے کہ اس شخص نے طلاق کا ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ اپنے سے تنگی کو دور کیا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا نسیان اور جس پر ان سے زبردستی کی گئی ہے اس کو معاف کر دیا ہے ❶ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے زبردستی کی طلاق کا اعتبار نہیں ❷ اور اغلاق کا معنی زبردستی ہے یہی راجح مذہب ہے دلیل کی قوت کی وجہ سے۔ حنفیہ کے ہاں زبردستی والی طلاق بھی نافذ ہے کیونکہ اس نے طلاق واقع کرنے کا قصد و ارادہ کیا ہے اگر چہ اس سے پیدا شدہ اثر پر وہ راضی نہیں جیسے ہنسی مذاق میں طلاق ہوتی ہے اس لیے کہ اس کی طلاق واقع ہوتی ہے حدیث میں ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے نکاح طلاق رجعت۔ ❸

طلاق کا مالک ...... سابقہ ابحاث سے یہ بات واضح ہوئی کہ طلاق کا مالک صرف شوہر ہی ہے جبکہ وہ عاقل بالغ ہو اور بیوی طلاق کی مالک نہیں ہوتی الا یہ کہ شوہر اس کو وکیل بنا دے یا طلاق اس کے سپرد کر دے اور قاضی بھی طلاق کا مالک نہیں سوائے ضروری حالات کے۔

یہ بات یاد رہے کہ مصری قانون میں اہلیت طلاق کو ۲۱ سال میں اور شامی قانون میں ۱۸ سال میں داخل کیا گیا ہے اس بناء پر طلاق کی اہلیت کا قانون اس مقرر سن تک ہوگا الا یہ کہ اگر اس سے کم عمر کو جو بالغ ہو وقوع طلاق کر چکے تو اس کا مقدمہ سن سکتا ہے۔ شامی قانون کی تشریح (۸۵) میں یہ ہے۔

۱..... آدمی طلاق کی کامل اہلیت ۱۸ سال کی عمر میں رکھ سکتا ہے۔

۲..... اور اگر قاضی کوئی مصلحت دیکھے تو اٹھارہ سال سے کم عمر بالغ کو طلاق کا حکم دے سکتا ہے یا اس کی واقع کی ہوئی طلاق کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

رکن ثانی قصد کی شرائط ...... بالاتفاق طلاق میں قصد و ارادہ شرط ہے ❹ اور وہ طلاق کے تلفظ کا ارادہ ہے اگر چہ اس نے اس کی نیت

---

❶ ..... حدیث حسن رواه ابن ماجه والبيهقي وغير هما عن ابن عباس ❷ رواه ابو داؤد ❸ رواه الخمسة (احمد واصحاب السنن) الا النسائي وقال الترمذي حديث حسن غريب۔ فائدہ: ملحوظ رہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ ہی منفرد نہیں سلف میں سعید بن المسیب ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مذہب بھی شروح حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے اور اغلاق والی حدیث کی توجیہ کی طرح کرتے ہیں ❹ فتح القدير ۳۹/۳ الدر المختار ۵۸۴/۲ الشرح الصغير: ۵۴۳/۲ القوانين الفقهية ص: ۲۳۰ المغني: ۱۳۵/۷۔

نہ بھی کی ہو یعنی لفظ طلاق سے اس کے معنی کا ارادہ بایں طور کے لفظ طلاق سے معنی موضوع کے غیر کا قصد اور اس رکن میں تحقیق مراد ہی شرط ہے لہٰذا اس فقہی کی طلاق نہیں ہوگی جو بار بار تکرار کرتا ہے اور اپنے طلاق کی حکایت کرنے والا یا غیر کی طلاق کی حکایت کرنے والے کی طلاق نہیں ہوگی اس لیے کہ اس نے اس کے معنی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس کا ارادہ تعلیم حکایت ہے اور اسی طرح اس انجان کی بھی طلاق نہیں ہوگی جسے لفظ طلاق کی تلقین کی گئی ہو معنی سمجھائے بغیر اسی طرح اگر سونے والے کی زبان پر طلاق جاری ہو جائے یا کسی کی عقل زائل ہو جائے کسی ایسے ذریعہ سے جس میں نافرمانی نہیں تو ان کی طلاق لغو ہوگی اگر چہ یہ افاقہ یا بیداری کے بعد کہے کہ میں نے اسے نافذ کر دیا یا واقع کر دیا پھر بھی لغو ہے کیونکہ سابقہ حدیث میں ہے تین آدمی مرفوع القلم ہیں اور ان میں سے ایک وہ ہے جو نیند کی حالت میں ہو بیدار ہونے سے پہلے نیز قصد بھی نہیں پایا گیا اور حنابلہ کے ہاں جھگڑے اور غصہ کی حالت میں طلاق کی نیت شرط نہیں۔

ہنسی مذاق میں طلاق: مذاق کرنے والا وہ ہوتا ہے جو لفظ کا تو ارادہ کرے لیکن معنی کا ارادہ نہ کرے اور لاعب وہ ہے جو کسی بھی چیز کا ارادہ نہ کرے ➊ مثلاً بیوی کھیل کود اور ہنسی مذاق کے موقع پر کہے مجھے طلاق دے دو تو مرد اسے ہنسی مذاق کی حالت میں کہے میں تجھے طلاق دے دی اور اسی کی مثل ہے وہ عورت جو کسی مرد کو طلاق کا کہے اور وہ پردہ وغیرہ یا اندھیرا ہونے کی وجہ سے سمجھے میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے اور وہ اسے طلاق دے دے تو ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ ان سب کی طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ ہنسی مذاق والوں نے اپنے قصد واختیار سے لفظ طلاق استعمال کیا ہے اگر چہ وہ اس کے اثر وقوع طلاق پر راضی نہ ہو اور اس کی رضامندی نہ ہونا وقوع طلاق میں اس گمان سے کہ طلاق واقع نہ ہوگی اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا گمان غلط ہے اور اس کی دلیل جیسا حنابلہ وغیرہ نے ذکر کی ہے وہ سابقہ حدیث ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے نکاح طلاق اور رجعت ایک روایت میں عتاق اور ایک روایت میں ہے یمین قسم اور علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کوئی مذاق نہیں طلاق عتاق اور نکاح نیز اس لیے بھی کہ مذاق کرنے والے نے سبب اختیار کیا ہے یعنی لفظ طلاق اور احکام کی ترتیب ان کے اسباب پر یہ شارع کی طرف سے ہے نہ کے عاقد کی طرف سے۔

سبقت لسانی یا خطا کی وجہ سے طلاق...... جو شخص طلاق کے علاوہ کوئی بات کرنا چاہتا تھا اس کی زبان پھسل گئی اور اس سے طلاق کا تلفظ ہو گیا بغیر قصد وارادہ کے مثلاً وہ کہنا چاہتا تھا انت طالبہ طاہرہ اور غلطی سے کہہ دیا انت طالق اس کا حکم یہ ہے کہ شوافع کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوگی قصد نہ ہونے کی وجہ سے اور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں فتوی اور دیانت کے اعتبار سے یعنی اس کے اور اللہ کے درمیان تو طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ قضاءً واقع ہو جائے گی لیکن مالکیہ کے ہاں قضاءً تب ہی ہوگی جب کہ سبقت لسانی گواہوں سے ثابت نہ ہو ورنہ فتویٰ اور قضاء کے اعتبار سے نہ ہوگی۔

مذاق کرنے والے اور خطا کہنے والے کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ مذاق کرنے والا لفظ کا ارادہ کرتا ہے لہٰذا وہ دینی احکام کے ساتھ مذاق کی وجہ سے سزا کا مستحق ہے اور رہ گیا غلطی سے کہنے والا تو اس کا تو بالکل ارادہ ہے ہی نہیں لہٰذا وہ سزا کا مستحق نہیں کہ اس کے لیے وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائے۔ ➊

رکن ثالث محل طلاق کی شرائط...... محل طلاق عورت ہے جس پر طلاق واقع ہوتی ہے جبکہ نکاح صحیح کے ساتھ زوجیت باقی ہو اگر چہ

➊ ...... لعب اور ہزل جیسا کہ شوافع نے واضح کیا فقہاء کی اصطلاح میں متغایر ہیں البتہ لغوی اعتبار سے مترادف ہیں۔ ➋ فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں (نکاح طلاق اور رجعت) اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ان کے بارے میں جو کچھ بھی آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہنسی مذاق کا نہیں ہے لہٰذا جو ایسا کرے گا سزا پائے گا۔

دخول سے پہلے ہی یا طلاق رجعی کی عدت کے دوران ہی ہو اس لیے کہ طلاق رجعی سے عدت گذرنے کے بغیر زوجیت کا تعلق ختم نہیں ہوتا اگر عورت بائن کبریٰ ہو تو پھر دوران عدت اور کوئی طلاق اس کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتی کیونکہ شوہر نے طلاق کے حق سے استفادہ کرلیا ہے اس لیے کہ تین طلاقوں سے زائد کا وہ مالک ہی نہیں لہٰذا اب مزید طلاق دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اور اگر عورت طلاق بائن کی عدت گذار رہی ہو لیکن تین سے کم والی بینونت کی تو جمہور کے ہاں اس صورت میں بھی اسے کوئی اور طلاق نہیں دی جاسکتی کیونکہ بائن ہونے کی وجہ سے رابطہ زوجیت ختم ہو گیا لہٰذا وہ محل طلاق ہی نہیں رہی البتہ حنفیہ کے ہاں دوران عدت ایک اور طلاق پڑ سکتی ہے کیونکہ زوجیت کے بعض احکام مثلاً وجوب نفقہ سکنی اور کسی اور شخص سے نکاح حرام ہونا عدت وغیرہ باقی ہیں لہٰذا محل طلاق باقی ہے کیونکہ حکماً وہ اس کی بیوی ہے اور اس سلسلہ میں حنفیہ کی عبارت یہ ہے۔ طلاق صریح صریح کو ملحق ہو سکتی ہے اور بائن بشرطیکہ عدت ہو ملحق ہو سکتی ہے اور بائن صریح کو ملحق ہو سکتی ہے۔ اور اگر نکاح فاسد ہو یا عوت کی کامل عدت ختم ہو گئی ہو تو اس پر کوئی اور طلاق نہیں پڑ سکتی۔ حتیٰ کہ اگر اس نے معلق کی ہو تو بھی نہیں پڑے گی۔ مثلاً کہا جب تیری عدت ختم ہو گی تو طلاق ہے تو اس سے طلاق واقعنہ ہو گی۔

شام کے قانون (م ۸۶) کی محل طلاق کے متعلق تصریح یہ ہے محل طلاق وہ عورت ہے جس کا نکاح صحیح ہو یا وہ طلاق رجعی کی عدت گذار رہی ہو ان دونوں کے علاوہ طلاق صحیح نہیں اگر چہ معلق ہی کیوں نہ ہو اور جب عورت کو دخول سے پہلے یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها. الاحزاب: ۴۹/۳۳

(مومنو) جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔ تو یہ طلاق بائن ہو گی۔

اور حنفیہ کے ہاں ❶ اس کے ساتھ دو طلاق ملحق نہیں ہو گی اگر کسی نے اپنی بیوی سے جس سے ہمبستری نہیں کی اور نہ ہی خلوت صحیحہ ہوئی۔ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق تو صرف ایک ہی طلاق ہو گی اس لیے کہ پہلی ہی طلاق سے وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو گئی اور اجنبی ہو گئی لہٰذا اور کوئی طلاق ملحق نہیں ہو گی یہی شوافع کی بھی رائے ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں اگر اس نے یہ الفاظ غیر مدخول بھا کو کہے تو ہر حال میں ایک ہی طلاق ہوں گی کیونکہ وہ پہلی ہی سے بائنہ ہو گئی لہٰذا بعد والی طلاق واقع نہ ہو گی۔ ❷

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... ان الفاظ سے تین طلاق ہوں گی کیونکہ یہ متفرق نہیں اس لیے کہ واؤ جمع کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں ترتیب نہیں پس مرد نے اکٹھی تین واقع کی ہیں پس سب واقع ہوں گی جیسے انت طالق ثلاثاً تجھے تین طلاقیں یا ایک طلاق کے ساتھ دو طلاقیں کی صورت میں الا یہ کہ دوسری اور تیسری سے تاکید کا ارادہ کرے مالکیہ کے ہاں قضاً قسم کے ساتھ تصدیق ہو گی اور دیانتاً بغیر قسم کے۔ ❸

طلاق کی اضافت عورت کے بعض اجزاء کی طرف...... اگر مرد طلاق کی نسبت بیوی کی طرف کرے با ایں طور پر کہے تو طلاق والی ہے یا میں تجھے طلاق دیتا ہوں تو بالاتفاق طلاق واقع ہو گی۔ اور اسی طرح فی الجملہ طلاق واقع ہو گی جب طلاق کی نسبت عورت کے بعض اجزاء کی طرف کرے درج ذیل تفصیل کے ساتھ حنفیہ کے ہاں ❹ طلاق واقع ہو جائے گی جب مرد طلاق کی اضافت اور نسبت ایسے اعضاء کی طرف کرے جن سے پوری عورت یا اس کی ذات مراد ہوتی ہو جیسے گردن گلہ روح، بدن جسم اور تمام اطراف (اور وہ دونوں ہاتھ دونوں پاؤں)

❶...... الدرالمختار: ۲/ ۶۲۴۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲۹۷/۳ ❸ المغنی: ۲۳۳/۷ القوانین الفقهیة ص: ۲۲۹ ❹ الدر المختار ۵۹۸/۲ فتح القدیر: ۵۲/۳

فرج چہرہ سر سرین یا ایک ایسے جزو کی طرف کرے جو عورت میں عام ہو مثلاً نصف ثلث عشر کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے اور طلاق واقع نہیں ہوگی اگر اس کی اضافت بضع کی طرف کرے یا دبر کی طرف اس لیے کہ ان دونوں سے پوری عورت مراد نہیں ہوتی برخلاف سرین اور فرج کے کیونکہ ان سے پوری عورت کی تعبیر ہوتی ہے اگر اس نے ہاتھ کی طرف اضافت کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی الّا یہ کہ مجاز کی نیت سے یعنی بعض کا اطلاق کل پر کرے لیکن اگر وہ مشہور ہو تو پھر مجاز کی نیت کی ضروری نہیں اور ہاتھ کی طرح پاؤں، بال، ناک، پنڈلی، ران، پیٹھ، پیٹ، زبان، کان، منہ، سینہ، ٹھوڑی، دانت، تھوک، پسینہ، پستان اور خون اس لیے کہ ان کے ساتھ پوری عورت مراد نہیں ہوتی پس طلاق واقع نہیں ہوگی اگر کہا تیرے ہاتھ کو طلاق تیرے پاؤں کو طلاق وغیرہ اور اگر طلاق کی نسبت طلاق شدہ جزو کی طرف کی تو طلاق واقع ہوگی جیسے حصہ ربع نصف اور اگر چہ ہزارواں حصہ ہو بایں طور پر کہ کہے ہزار طلاق کے جزو کو طلاق کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے۔

مالکیہ کا مذہب ❶ اگر طلاق کو عورت کے نصف یا سدس، ثلث کی طرف منسوب کیا یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کی طرف تو نافذ ہو گی اگر کہا نصف طلاق ربع طلاق تو پوری طلاق ہوگی یہ حنفیہ کی طرح ہیں البتہ مالکیہ میں اختلاف ہے اس صورت میں جب عورت کے بالوں کلام روح زندگی وغیرہ کی طرف طلاق کی نسبت کرے راجح یہ ہے کہ طلاق لازم ہوگی اگر عورت کے محاسن کو شمار کرے مثلاً تیرے بالوں کو یا کلام کو یا تھوک کو طلاق اور جو چیزیں محاسن میں شمار نہ ہوں آنسو، پیچش وغیرہ۔ شوافع کے ہاں ❷ طلاق واقع ہوگی اگر عورت کے کسی جزو کو طلاق دی مثلاً تیرا ہاتھ یا پاؤں طلاق یا اس طرح کے دوسرے متصل اعضاء اگر چہ مجاز کی نیت نہ بھی ہو برخلاف حنفیہ کے یا یہ کہا تیرا چوتھائی یا تیرا بعض یا تیرا جزو یا تیرے بال یا تیرے ناخن طلاق وغیرہ اور صحیح مذہب کے مطابق تیرے خون کو طلاق۔ اس لیے کہ طلاق کے ابعاض و اجزاء نہیں ہوتے اور طلاق واقع نہ ہوگی اگر اس کی اضافت فضلہ کی طرف کرے جیسے تھوک، پسینہ یا پیشاب وغیرہ۔ اسی طرح اگر منی یا دودھ کی طرف طلاق کی اضافت کی تو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ خلقی طور پر یہ اس کے ساتھ ملے ہوئے نہیں ہیں۔ اگر کسی نے دائیں ہاتھ کٹی عورت سے کہا تیرا دایاں طلاق تو طلاق نہیں ہوگی اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جس سے باقی جسم میں طلاق سرایت کرے۔ اگر کہے تجھے بعض طلاق ہے تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے شوافع نے اس شخص کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا ہے جو عورت کو خطاب کے ساتھ مفعول حذف کر دے بایں طور کہے میں نے طلاق یا مبتدا حذف کر دے یا صرف ندا حذف کر دے اور یا طالق نہ کہے تو طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❸ طلاق ہو جائے گی اگر عورت کے کسی جزو کی طرف طلاق کو منسوب کرے مثلاً ہاتھ کو خون کو انگلی کو یا تیرے سر کو طلاق کیونکہ ایسے جزو کی طرف اضافت کی ہے جو نکاح کے بعد مباح ہے۔ لہٰذا یہ عام جزو کے مشابہ ہو گیا جیسے نصف ثلث (البتہ اگر کسی ایسی عورت سے کہا جس کی انگلیاں اور ہاتھ نہیں کہ تیرے انگلیوں اور ہاتھ تو طلاق تو طلاق نہ ہوگی۔

اور طلاق نہ ہوگی اگر کہا تیرے بالوں کو ناخنوں کو دانتوں کو دودھ کو یا منی کو طلاق کیونکہ یہ اجزاء سلامتی کے ساتھ اس سے منفصل ہوتے ہیں لہٰذا ان کی طرف نسبت سے طلاق نہ ہوگی جیسے حمل کی طرف اضافت سے یہ شوافع کے مخالف ہیں۔ دودھ اور منی کے علاوہ چیزوں میں۔ اسی طرح طلاق نہ ہوگی اگر کہا تیرا سیاہ یا سفید کو طلاق اس لیے کہ یہ عارضی چیزیں ہیں اور اسی طرح طلاق نہ ہوگی اگر کہا تیرے تھوک کو یا آنسو کو یا پسینہ کو طلاق کیونکہ مذکورہ چیزیں اس کا جزو نہیں اسی طرح اگر کہا تیری روح کو طلاق تو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ روح جزو نہیں اور نہ ہی اس چیز سے کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سودا اور بیاض کے مشابہ ہے اسی طرح اگر کہا تیرے حمل کو طلاق کیونکہ یہ جزو عرض ہے سواد بیاض کی طرح۔ اگر کہا: تیری زندگی کو طلاق تو طلاق ہوگی اس لیے کہ زندگی کے بغیر اس کی بقاء نہیں لہٰذا یہ تیرے سر کو طلاق کہنے کے مشابہ ہو گیا اور طلاق شدہ جزو

❶ ..... القوانين الفقهية ص ۲۲۸ الشرح الصغير: ۲/ ۵۷۲ ❷ معنى المحتاج ۳/ ۲۸۰ المهذب ۲/ ۸۰۔ ❸ كشاف القناع ۵/ ۲۹۸ المغنى ۷/ ۲۴۲

طلاق کی طرح ہے اگر کہا تجھے نصف طلاق یا ثلث وغیرہ تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ کہ: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ طلاق کا جزو پوری طلاق ہے البتہ ان کا اختلاف ہے عورت کے اجزاء کی طرف نسبت کرنے میں جمہور حنفیہ کے ہاں ایسے اجزاء کی وجہ سے طلاق نہ ہوگی جن سے پوری عورت کو تعبیر نہ کیا جاتا ہو جیسے ہاتھ پاؤں انگلی دبر اور زفر مالک شافعی اور احمد کے ہاں ہوگی۔

طلاق کی اضافت مرد کی طرف...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ❶ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے طلاق ہوں تو اس سے کچھ بھی نہیں ہوتا اگر چہ وہ اس سے طلاق کی بھی نیت کرے اور اگر کہا کہ میں تجھ سے بائن ہوں یا میں تم پر حرام ہوں اور طلاق کی نیت بھی کی تو حنفیہ کے ہاں اور ایک قول میں حنابلہ کے ہاں اس کو طلاق ہوگی اس لیے کہ طلاق تو قید کے ازالہ کے لیے ہوتی ہے اور قید تو عورت میں ہے نہ کہ مرد میں لہٰذا پہلی صورت میں طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس نے طلاق کی نسبت غیر محل کی طرف کی ہے لہٰذا وہ لغو ہے اور رہ گیا بائن ہونا تو یہ جوڑ زائل کرنے کے لیے ہے اور تحریم حلت زائل کرنے کے لیے ہے اور یہ زوجین میں مشترک ہیں لہٰذا ان دونوں کی اضافت زوجین کی طرف کرنا درست ہے اور طلاق کی اضافت صرف عورت کی طرف کرنا ہی درست ہے۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں ❷ اگر کسی شخص نے کہا میں تجھ سے طلاق ہوں اگر اس نے عورت کی طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ عورت مقید ہے اور شوہر اس کے لیے قید ہے اور حلت قید کی طرف مضاف ہوتی ہے جیسا کہ مقید کی طرف بھی اس کی نسبت ہوتی ہے پس کہا جاتا ہے فلاں نے مقید کو کھولا اور اس سے قید ختم ہوگئی لیکن اگر طلاق کی نیت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ لفظ صریح طور پر غیر محل میں استعمال ہوا ہے لہٰذا کنایہ کی طرح اس میں بھی وقوع طلاق کا ارادہ و نیت شرط ہے۔ اسی طرح اگر کہا میں تجھ سے بائن ہوں اس میں بھی تمام کنایات کی طرح نیت طلاق شرط ہے اسی بناء پر اس رائے کے مطابق شوہر کی طرف منسوب طلاق واقع ہوگی نیت کے ساتھ چاہے طلاق کے لفظ سے ہو یا ابانہ کے لفظ سے۔

رکن رابع محل طلاق پر ولایت کی شرائط شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جیسا کہ معلوم ہوا محل طلاق بیوی ہے اور یہ رکن جس کا شوافع نے تذکرہ کیا ہے رکن سابق محل طلاق کی فرع ہے اور اس کا مقصد اجنبیہ کی طلاق کا حکم بیان کرنا ہے اس لیے کہ شادی سے پہلے طلاق شادی کے بعد اس کے وقوع میں اختلاف ہے جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے ظاہر ہے لہٰذا اس کا موضوع ہے **تعلیق طلاق علی الملك**۔

طلاق کو نکاح پر معلق کرنا...... اس سلسلہ میں فقہاء کی تین رائے ہیں:

حنفیہ کے ہاں ❸ جب کوئی شخص طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کرے تو وہ نکاح کے فوراً بعد واقع ہوگی مثلاً وہ اپنی ہونے والی بیوی سے کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے اس لیے کہ یہ طلاق شرط پر معلق ہے لہٰذا اس کی صحت کے لیے حالت طلاق میں ملکیت ہونا شرط نہیں بلکہ ملکیت کا ہونا شرط کے پائے جانے کے وقت کافی ہے اور شرط کے وقت ملکیت یقینی ہے اور جب ملکیت یقینی ہے تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ معلق بالشرط وجود شرط کے وقت ملفوظ کی طرح ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے حالت نکاح میں طلاق کو شرط کی طرف منسوب کر دے اور وہ شرط کے بعد واقع ہوگی مثلاً اپنی بیوی سے کہے: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اس لیے کہ فی الحال ملک قائم ہے لہٰذا شرط کے وقت تک اس کا باقی رہنا ظاہر ہے اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ شی اپنی پہلی حالت پر باقی رہتی ہے اور یہی استصحاب حال ہے۔ رہ گئی وہ حدیث نکاح سے پہلے طلاق نہیں ❺ جسے شافعی نے روایت کیا ہے تو یہ فی الحال نافذ ہونے کی نفی پر محمول ہے نہ کہ طلاق معلق کی نفی پر اس بناء پر عورت کی طرف طلاق کی اضافت درست نہیں الا یہ کہ حلف اٹھانے والا مالک ہو یا ملک کی

---

❶ ...... فتح القدير: ۷۰/۳ المغنى ۱۳۳/۷ الدر المختار ۶۱۳/۲۔ ❷ القوانين الفقهية ص ۲۲۸ المهذب: ۸۰/۲ ❸ مغنى المحتاج: ۲۹۲/۳ ❹ فتح القدير: ۱۲۷/۳۔ ۱۳۱ ❺ رواه ابن ماجة والترمذى وصححه عن المسور بن مخرمة بلفظ لاطلاق قبل النكاح ولا عتق قبل ملك (نصب الراية ۲۳۰/۳)

طرف اسے منسوب کرے اگر کسی نے اجنبی عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق پھر اس سے شادی کر لی اور وہ گھر میں داخل ہو گی تو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ حلف اٹھانے۔

والا مالک نہیں اور نہ ہی اس نے طلاق کو ملک یا سبب ملک شادی کی طرف منسوب کیا جبکہ ان میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ حنفیہ کے ہاں شادی کی شرط کے ساتھ طلاق معلق ہوگی چاہے تمام عورتوں کو شامل رکھے یا خاص کرے مالکیہ کے ہاں ❶ اگر طلاق دینے والے نے تمام عورتوں کو شامل کیا تو لازم نہیں اگر خاص کیا تو لازم ہوگی پس جس نے کہا فلاں خاندان یا فلاں فلاں شہر کی ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے یا کہے فلاں وقت میں تو ان صورتوں میں یہ شخص جب بھی ان عوتوں سے نکاح کرے گا تو امام مالک کے ہاں ان سب کو طلاق ہو جائے گی اگر کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو اسے طلاق ہے تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا تو اسے طلاق نہ ہوگی اس عموم اور تخصیص میں فرق کی وجہ استحسان ہے جو مصلحت پر مبنی ہے، اس لیے کہ جب اس نے عموم کیا تو ہم نے اس پر عموم لازم کر دیا تو اب حلال نکاح کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں لہٰذا یہ اس کے لیے حرج ہے لہٰذا یہ معصیت کی نذر کے قبیل سے ہے لیکن جب خاص کرلے تو پھر معاملہ اس طرح نہ ہوگا اور طلاق کی شرط صرف ملکیت کا ہونا ہے اور طلاق پر ملکیت پہلے ہونا شرط نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ اجنبی عورت کو طلاق دینا مثلاً تجھے طلاق ہے یا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے یا نکاح کے ساتھ طلاق کو معلق کرنا مثلاً اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق یا نکاح کے علاوہ کسی چیز سے معلق کرنا مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق یہ سب لغو ہیں اور قسم کے ابطال کا حکم لگایا جائے گا لہٰذا جس سے نکاح کرے گا اسے طلاق نہ ہوگی رہ گئی اجنبی عورت کو طلاق فی الحال دینا تو وہ بالاتفاق واقع نہیں ہوتی۔ اور معلق علی النکاح میں کیونکہ محل طلاق پر ولایت نہیں اس لیے واقع نہیں ہوگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلاق صرف نکاح کے بعد ہوتی ہے اسی بناء پر طلاق کا تعلق اجنبی عورت سے سرے سے نہیں ہے چاہے طلاق میں عموم کرے یا خصوص یہی علی، معاذ، جابر بن عبداللہ، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول ہے میرے ہاں یہی راجح ہے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اور ترمذی کے حسن قرار دینے کے بعد بعض لوگوں کا اس کو مطعون قرار دینے کا کوئی اعتبار نہیں پس اسی بناء پر اگر کسی شخص نے اپنی بیوی اور اجنبی عورت سے کہا تم دونوں میں سے ایک کو طلاق ہے یا اس کی بیوی کا نام بھی زینب تھا اور پڑوسن کا نام بھی زینب اس نے کہا زینب کو طلاق ہے اور کہا کہ میں نے اجنبی کا ارادہ کیا تھا تو اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور دونوں صورتوں میں اس کی بیوی کو طلاق ہوگی کیونکہ غیر کو طلاق ممکن نہیں۔

اجمالی دلائل ❸..... حنفیہ درج ذیل استدلال کرتے ہیں۔

(۱)..... اظہار کو ملکیت کے ساتھ معلق کرنے کی صحت پر سب کا اجماع ہے اور طلاق بھی اسی کی طرح ہے کیونکہ ان کے درمیان فرق کا کوئی قائل نہیں۔

(۲)..... تابعین کے بعض آثار میں ابن ابی شیبہ نے سالم اور قاسم بن محمد اور نخعی، زہری، مکحول شامی وغیرہ سے حدیث نقل کی ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے تو جس طرح اس نے کیا اسی طرح ہوگا۔ ❹ تعلیق طلاق تعلیق عتق وکالت اور ابراء کی طرح لازم ہے لہٰذا اس کی صحت کے لیے فی الحال ملک کا ہونا ضروری نہیں۔

مالکیہ نے استدلال کیا ہے استحسان اور مصلحت سے کہ جب اس نے عموم کیا تو ہم اس عموم کو اگر لازم کر دیں تو پھر اسے نکاح حلال کا راستہ نہیں ملے گا اور یہ تنگی اور حرج ہے لہٰذا معصیت کی نذر کی طرح ہے اور شریعت میں معروف ہے جب تنگی ہو تو معاملے میں وسعت آجاتی

❶..... بداية المجتهد ۲/ ۸۳ ❷ مغني المحتاج: ۳/ ۲۹۲، المغني ۷/ ۱۳۵ ❸ فتح القدير: ۳/ ۴۴، البدائع: ۳/ ۱۰۲ بداية المجتهد ۲/ ۷۳، المغني: ۷/ ۱۲۱ ❹ حاشية ابن عابدين ۲/ ۵۹۰، ۵۹۴، ۶۳۵، ۶۳۷۔

ہےاور جب اس نے تخصیص کردی تو اب اسے غیر مخصوص سے نکاح کا راستہ ہے لہٰذا اس کے کلام کو لغو کرنے کا کوئی موجب نہیں۔

شوافع اور حنابلہ نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں۔حدیث نکاح سے پہلے طلاق نہیں جو کہ مختلف طرق سے مروی ہے اور ترمذی نے اس کے بارے میں کہا حدیث حسن ابن عباس تک یہ خبر پہنچی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر نکاح سے پہلے طلاق دے دی تو یہ جائز ہے تو ابن عباس نے فرمایا: اس میں انہوں نے غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ مؤمنات سے نکاح کرو پھر انہیں طلاق دو یہ نہیں فرمایا جب تم مؤمنات کو طلاق دو پھر نکاح کرو۔

عقلی دلیل یہ کہ تعلیق طلاق ہے اور طلاق قید ختم کرنا اور ملکیت زائل و باطل کرنے کا نام ہے اور اجنبیہ میں نہ ہی قید ہے اور نہ ہی ملکیت کہ اس کا کھولنا اور باطل کرنا درست ہو لہٰذا یہ لغو ہے رہ گئی یہ بات کہ تعلیق طلاق ہے تو وہ اس طرح کہ شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ اس کے علاوہ اور کوئی کلام نہ پایا جائے اگر تعلیق طلاق نہ ہو تو پھر شرط کے وقت طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے۔پھر یہ کہ یہ تعلیق تصرف کا انشاء ہے محل میں ایسے حال میں کہ اسے ولایت اس پر حاصل نہیں لہٰذا لغو ہے۔جیسے بچے کا معلق کرنا اور بالغ کی تعلیق اجنبیہ کی طلاق کے ساتھ بغیر ملک کے اور میں اس رائے کو ترجیح دے چکا ہوں حدیث کی وجہ سے۔

رکن خامس صیغہ الفاظ طلاق کی شرائط......فقہاء کا اتفاق ہے کہ رشتہ ازدواج طلاق سے ختم ہو جاتا ہے چاہے عربی الفاظ سے دے یا دوسری زبانوں میں اور چاہے زبان سے دے یا لکھ کر یا اشارہ سے ❶ الفاظ پھر صریح ہیں یا کنایہ صریح طلاق: وہ الفاظ جن سے مراد ظاہر ہوتی ہو اور عرف میں ان کا استعمال طلاق کے لیے ہوتا ہو۔جیسے وہ الفاظ جو لفظ طلاق سے مشتق ہیں مثلاً تجھے طلاق ہے تو طلاق والی ہے میں نے تجھے طلاق دی اور میرے اوپر طلاق ہے وغیرہ اور انہی میں سے ہے تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تجھے حرام کر دیا محرمۃ اگرچہ یہ الفاظ ہیں تو کنایہ لیکن لوگوں کے درمیان یہ طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں لہٰذا یہ الفاظ صریحہ میں سے ہو گئے یہ حنفیہ کا مذہب ہے اور حنابلہ کے ہاں صریح طلاق صرف لفظ طلاق اور اس سے مشتق الفاظ ہیں اس کے علاوہ نہیں رہ گئے لفظ فراق اور سرح تو یہ کنایہ ہیں۔مالکیہ کے ہاں طلاق کو ظاہر کرنے والے کنایہ الفاظ بھی صریح کے حکم میں ہیں اور وہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کے بارے میں عادت یہ ہے کہ شرع میں ان سے طلاق ہوتی ہے یا لغت میں جیسے لفظ تسریح فراق وغیرہ یا شوہر کا قول أنت بائن یا بتہ بتلۃ یا جوان کے مشابہ ہیں۔شوافع اور ظاہریہ کے ہاں صریح طلاق کے تین لفظ ہیں طلاق فراق اور تسریح، کیونکہ قرآن کریم میں یہ آئے ہیں فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ......البقرۃ:۲/۲۲۹

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ......البقرۃ:۲/۲۳۱

اور فرمایا:

وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ......النساء:۴/۱۳۰

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا......الاحزاب:۳۳/۲۸

اور اگر کوئی لفظ طلاق کے لیے مشہور ہو جائے مثلاً حلال یا اللہ کا حلال میرے اوپر حرام ہے تو اصح یہ ہے جیسا کہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ کنایہ ہے لیکن آدمی کا یہ کہنا (علی حرام) یہ طلاق صریح کے قبیل سے ہے جیسا کہ ابن حجر نے فتویٰ دیا ہے۔اور حنابلہ کے ہاں اگر کہا علی الحرام یا مجھے حرام لازم ہے وغیرہ تو یہ لغو ہے اس میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ یہ تو مباح چیز کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ بیوی کی تحریم

❶......مقارنۃ المذاهب للأستاذین شلتوت والسايس: ص: ۱۰۴-۱۰۸

کی نیت پائی جائے یا کوئی قرینہ اس ارادہ پر پایا جائے تو یہ ظہار ہے کیونکہ اس کا احتمال ہے۔رہ گیا لفظ طلاق مثلاً اطلقتك یا انت مطلقه تو یہ مذاہب اربعہ میں بالاتفاق صریح طلاق نہیں بلکہ کنایہ ہے نسبت کا محتاج ہے اس لیے کہ اس کے بارے میں شرعی عرف بھی نہیں اور نہ ہی استعمال ہے لہٰذا کنایات کے مشابہ ہے مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ طلاق کے وقوع کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔

ایسا لفظ استعمال کرنا جس میں لغوی یا عرفی اعتبار سے طلاق کا معنی پایا جاتا ہو یا لکھ کر دے سمجھ میں آنے والا اشارہ ہو۔طلاق دینے والا اس کا معنی سمجھتا ہو اگرچہ عجمی زبان ہی میں جب کسی عجمی نے صریح طلاق استعمال کی تو اس سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کنایہ استعمال کرے تو نیت کا محتاج ہوگا اگر کسی شخص کو طلاق کا صیغہ تلقین کیا گیا جسے وہ جانتا نہیں تھا اس نے اس کا تلفظ کیا جبکہ وہ اس کا معنی نہیں جانتا تو اس پر کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔طلاق کی اضافت بیوی کی طرف کرنا بایں طور کہ وہ طرق تعین میں سے ایک طریقے سے متعین کرے جیسے وصف یا اس کا نام یا اشارہ یا ضمیر مثلاً کہے امراتی طالق میری بیوی کو طلاق ہے یا فلاں کو طلاق ہے یا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے اسے طلاق ہے یا تجھے طلاق ہے یا کہے وہ طلاق ہے اس سے بات چیت کرنے کے دوران یا عرف اس کی طرف اسناد کرے میرے اوپر طلاق ہے یا وہ حرام ہے اگر میں ایسا ایسا کروں یا اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے طلاق لازم ہے یہاں معنوی اعتبار سے طلاق عورت کی طرف مضاف ہے اگرچہ لفظ میں اس کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ برخلاف حنابلہ کے عدد طلاق اور لفظ طلاق میں مشکوک نہ ہو اور طلاق صریح ہو جائے گی اگرچہ الفاظ غلط ہی ہوں جیسے طلاغ تلاغ طلاک تلاک یا حروف ھجاء مثلاً ط ال ق کہے۔

صریح طلاق کا حکم......صریح لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اس میں نیت اور دلالت حال کی کوئی ضرورت نہیں اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا۔

طلاق کنایہ......ہر وہ لفظ جو طلاق اور غیر طلاق پر مشتمل ہوتا ہے اور لوگوں میں ارادہ طلاق پر وہ معروف نہیں ہوتا مثلاً کسی شخص کا اپنی بیوی کو کہنا اپنے اہل وعیال سے جا ملو چلی جاؤ نکل جاؤ تو بائن ہے تو بتہ ہے تو خالی ہے تو بری ہے عدت گذارو اپنے رحم کو صاف کرو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تیری رسی تیرے کندھے پر ہے یعنی تیرا راستہ خالی ہے جیسے اونٹ صحراء میں خالی ہوتا ہے اور اس کی رسی اس کے کندھے پر ہوتی ہے اس طرح کے اور الفاظ جو طلاق کے لیے وضع نہیں کیے گئے بلکہ ان کے قرینہ یا دلالت حال یعنی مذاکرہ طلاق اور غصہ کی وجہ سے طلاق مفہوم ہوتی ہے شوافع اور حنابلہ کے اصل مذہب کے مطابق کنایہ میں سے یہ بھی ہے انت علی حرام یعنی تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تجھے حرام قرار دے دیا ہے اگر اس نے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو ہو جائیں گے اور اگر دونوں کی نیت کی تو اسے اختیار ہوگا اور جو اس نے اختیار کیا وہ ثابت ہوگا لیکن جیسے ابن حجر نے فتوی دیا ہے کہ عرف اور عادت میں علی حرام کا لفظ صریح طلاق میں سے ہے اور مالکیہ نے کنایہ کو ان الفاظ میں منحصر کیا ہے جن سے کنایہ کا احتمال ہے مثلاً اپنے اہل سے جا ملو چلی جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ اور جو ان کے مشابہ ہیں اور جو ظاہری کنایہ نہیں انہیں صریح کا حکم ہے جیسا کہ ہم لفظ تسریح اور فراق انت بائن بتہ بتلہ وغیرہ میں بیان کر آئے ہیں۔

طلاق کنایہ کا حکم......حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں کنایہ سے طلاق صرف نیت کی صورت میں اور دلالت حال کی صورت میں قضاء واقع ہوتی ہے مثلاً غصہ کی حالت میں طلاق دینا یا مذاکرہ طلاق کی حالت میں اور حنفیہ نے کنایات سے قضاء طلاق واقع ہونے کی تفصیل بیان کی ہے انہوں نے فرمایا کہ حالت رضاء میں جبکہ نہ تو مذاکرہ طلاق اور نہ ہی طلب طلاق ہو تو پھر کسی بھی کنائی لفظ سے وقوع طلاق کا حکم نہیں لگایا جائے گا ہاں اگر نیت ہو تو پھر حکم ہوگا اور حالت رضا مذاکرہ طلاق اور مطالبہ طلاق کی صورت میں درج ذیل الفاظ سے بغیر نیت کے بھی طلاق ہو جائے گی۔اعتدی (عدت گذارو) بائن بتہ خلیہ اور بریہ کے الفاظ سے اور ان الفاظ میں نیت کی صورت میں ہوگی اذھبی چلی جاؤ اخرجی نکل جاؤ قومی کھڑی ہو جاؤ اغربی دور ہو جاؤ تقنعی اوڑھنی اوڑھو اور غصہ کی حالت میں اعتدی کے لفظ سے بغیر نیت کے طلاق ہو جائے گی ور

ان مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ میں نیت کی ضرورت ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں..... کنایات سے نیت ہی کی صورت میں طلاق ہوگی دلالت حال کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا اگر نیت ہوگی تو طلاق بھی لازم ہوگی اگر اس نے کہا میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گا اگر اس نے حلف اٹھالیا کہ ان الفاظ سے اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اگر وہ حلف اٹھانے سے رک گیا تو اس پر طلاق کا حکم لگایا جائے گا۔ اور شوافع نے کنایہ میں نیت کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ سارے لفظ کے ساتھ نیت ملی ہوئی ہو اگر پہلے حصہ کے ساتھ نیت ہو اور آخری حصہ کے ساتھ نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ ❶ نے کنایات کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ظاہری کنایات۔ اور یہ الفاظ ہیں جو طلاق اور ازدواجی تعلق ختم ہونے میں استعمال ہوتے ہوں مثلاً انت بتۃ (تجھے قطعی طلاق ہے) تیری رسی تیرے کندھے پر ہے اور ان دونوں سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں چاہے مدخول بہا ہو یا نہ ہو اور ان الفاظ کے لیے صریح طلاق کا حکم ہے خفی کنایات: وہ الفاظ جو طلاق میں استعمال نہیں ہوتے مثلاً اعتدی اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے ہاں اگر مدخول بہا کے لیے زیادہ کی نیت کرے اور اس سے صرف نیت ہی کے ساتھ طلاق ہوتی ہے اور ظاہری کنایات میں سے وہ الفاظ جن سے تین طلاقیں ہوتی ہے مدخول بہا کو اگر تین سے کم کی نیت نہ کرے وہ الفاظ درج ذیل ہیں:

بائنۃ میتۃ خلیۃ بریۃ وهبتك لأهلك انت حرام خلیت سهلك وجهی من وجه حرام یاعلی وجهك حرام

اگر شوہر نے کہا تجھے طلاق ہے یا تو طلاق ہے یا تجھے خاص طلاق ہے تو حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ ❷ کے ہاں ان الفاظ سے اگر کوئی نیت نہ کرے تو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی اور یہ ان کے ہاں صریح الفاظ میں سے ہیں اس لیے کہ اس نے مصدر کے ساتھ تصریح کی ہے اور مصدر قلیل وکثیر سب پر بولا جاتا ہے تو اس لفظ سے اس کی نیت کی جس کا وہ احتمال رکھتا ہے اور شوافع کے ہاں ❸ اصح یہ ہے کہ انت طلاق یا الطلاق الفاظ صریح میں سے نہیں بلکہ یہ دونوں کنایات میں سے ہیں اس لیے کہ مصدر توسعاً میں استعمال ہوتا ہے۔

صریح وکنایہ کے علاوہ الفاظ..... مالکیہ ❹ نے صریح اور کنایہ کے علاوہ ان الفاظ کا ذکر کیا ہے جو طلاق پر دلالت نہیں کرتے جیسے اسقنی ما، یا جو اس کے مشابہ ہیں اگر ان سے طلاق کا ارادہ کیا تو مشہور قول کے مطابق طلاق لازم ہوگی اگر ارادہ نہ کیا تو لازم نہ ہوگی۔

غائب کو لکھ کر طلاق دینا..... درج ذیل تفصیل کے ساتھ فقہاء کا اتفاق ہے کہ لکھ کر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔حنفیہ کی عبارت ❺ لکھائی ظاہر ہوگی یا ظاہر نہ ہوگی اور ظاہری لکھائی وہ جس کا اثر باقی رہے جیسے کاغذ دیوار اور زمین پر لکھنا اور غیر ظاہر لکھائی جس کا اثر باقی نہ رہے جیسے ہوا پانی پر لکھنا اور ہر وہ چیز جس کا سمجھنا اور قرات وپڑھنا ممکن نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ نیت بھی کرے اور کتابت ظاہرہ کی دو قسمیں ہیں ایک مرسومہ اور وہ وہ ہے جس کے شروع میں عنوان ہو اور اس میں بیوی کا نام لکھا ہوا ہو اور اس کی طرف وہ خط کی طرح بھیجا گیا ہو جیسے شوہر اپنی بیوی کی طرف یہ کہتے ہوئے لکھے میری فلاں بیوی کی طرف اور امابعد تجھے طلاق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر صریح لفظ کے ساتھ لکھا کو صریح طلاق ہے اگرچہ کچھ نیت نہ بھی کی ہو۔ اور کتابت غیر مرسومہ وہ ہے جس میں بیوی کا عنوان بھی نہ ہو اور اس کا نام بھی نہ ہو اور عام خطوط کی طرح نہ ہو مثلاً کوئی شخص ایک ورق پر لکھے میری فلاں بیوی کو طلاق اس کا حکم کنایہ کا ہے اگرچہ لفظ صریح ہی کیوں نہ ہو اس سے صرف نیت کے ساتھ طلاق واقع ہوگی۔

---

❶..... الشرح الصغیر ۲/ ۵۵۹۔۵۶۷ منارا لسبیل: ۲/ ۲۱۷۔❷الدر المختار: ۲/ ۵۹۴ اللباب ۳/ ۴۱ المغنی: ۷/ ۲۳۷ الشرح الصغیر ۲/ ۵۵۹ ❸ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۸۰ ❹القوانین الفقهیة ص: ۲۲۹ ❺الدر لمختار وردالمحتار: ۲/ ۵۸۹

قاصد کے ذریعہ طلاق......یعنی قاصد بھیج کر طلاق دینا اس طرح کہ شوہر بیوی کی طلاق کو کسی انسان کے ہاتھ بھیجے وہ قاصد جا کر اسے خط پہنچائے تو اس کا حکم صریح طلاق کی طرح ہے کہ عورت پر طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ قاصد بھیجنے والے کے کلام کو نقل کرے گا اور اس کا کلام گویا بھیجنے والے کا کلام ہے۔ ❶

مالکیہ کی عبارت ❷ جس شخص نے طلاق کے عزم سے طلاق لکھی اگر وہ اس میں متردد نہ ہو تو وہ لازم ہو جائے گی اگر اس نے طلاق کے عزم سے طلاق لکھی یا اس کی کوئی نیت نہ تھی تو صرف طلاق لکھتے ہی طلاق لازم ہو جائے گی اور اگر لکھتے وقت طلاق کا عزم نہ ہو بلکہ وہ متردد ہو یا اس میں مشورہ چاہتا ہو تو طلاق اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک اس کے ہاتھ سے وہ خط نکل نہ جائے اور اسے دے دے جس کے ذریعے پہنچانا چاہتا ہے تو وہ اس عورت یا اس کے ولی کے پاس پہنچ جائے اگر طلاق کے عزم کے ساتھ اس کے ہاتھ سے خط نکل گیا تو صرف نکلتے ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ نہ بھی پہنچے اور اگر خط کسی کو دیا لیکن طلاق کا عزم نہ تھا اور وہ خط اس تک نہ پہنچا تو راجح یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگی۔ اور صرف قاصد کے ذریعہ بھیجنے سے ہی طلاق لازم ہو جائے گی اگر چہ عورت تک نہ بھی پہنچے جب اس نے قاصد سے کہا کہ اسے خبر دو کہ میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو طلاق لازم ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ان کے ہاں لکھی ہوئی طلاق میں نیت کا اعتبار ہے۔ شوافع کے ہاں ❸ مالکیہ ہی کی طرح حکم ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کو صریح الفاظ سے طلاق لکھے اور نیت نہ کرے تو یہ لغو ہے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ کتابت وقوع طلاق کا بھی احتمال رکھتی ہے اور خط رائٹنگ کے امتحان کا بھی لہٰذا صرف لکھنے سے واقع نہ ہوگی لیکن اگر طلاق کی نیت کر لی تو اظہر یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی اور خط کے ذریعہ صرف غائب کو طلاق ہوگی۔ اگر کسی شخص نے خط میں اپنی بیوی کو طلاق صریح یا کنایہ الفاظ میں لکھی اور طلاق کی نیت بھی کر لی لیکن وقوع طلاق کو خط پہنچنے کے ساتھ معلق کر لیا مثلاً لکھا: جب تجھے میرا یہ خط پہنچے تو تجھے طلاق ہے تو جب اسے خط پہنچے گا تو اسے طلاق ہوگی شرط کی رعایت رکھتے ہوئے لیکن اگر اس کے پاس پہنچنے سے پہلے کچھ یا سارا مٹ گیا تو طلاق نہیں ہوگی جیسا کہ ضائع کر دینے سے نہیں ہوتی اور اگر شوہر نے لکھا جب تو میرا خط پڑھے تو تجھے طلاق اور اس نے پڑھا تو اس کا پڑھنا اسے طلاق دے دے گا کیونکہ معلق کا وجود پایا گیا لیکن اگر اس کے سامنے کسی نے پڑھا تو اصح یہ ہے کہ طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس نے خود نہیں پڑھا باوجود یہ کر پڑھ سکتی تھی لیکن اگر وہ پڑھی لکھی نہیں اس کے سامنے پڑھا گیا تو اسے طلاق ہوگی اس لیے کہ آدمی کے حق میں قرات خط میں جو کچھ موجود ہے اس کی اطلاع پر محمول ہے اور وہ اطلاع پائی گئی برخلاف پڑھی لکھی کے۔

حنابلہ کے ہاں: ❹ بھی شوافع اور مالکیہ کی طرح حکم ہے کہ جب کوئی آدمی طلاق لکھے اگر اس نے نیت کر لی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ کتابت حروف ہیں ان سے طلاق سمجھ میں آتی ہے جب اس میں طلاق لایا تو اس سے اس کی مراد سمجھ میں آئے گی اور اس کی نیت کی تو جیسے لفظ سے طلاق ہوتی ہے اسی طرح اس سے بھی ہوگی نیز کتابت بھی کاتب کے قائم مقام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کی تبلیغ کا حکم تھا تو بعض کے حق میں بات سے یہ مقصود حاصل ہوا اور بعض کے حق میں خط بھیج کر اطراف کے بادشاہوں کی طرف نیز قاضی کا خط دین اور حقوق ثابت کرنے میں لفظ کے قائم مقام ہے۔ لیکن اگر اس نے بغیر نیت کے طلاق لکھی تو کہا گیا ہے واقع ہو جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ نیت کے بغیر واقع نہیں ہوگی یہی ظاہر ہے اگر ایسی چیز سے لکھا جو واضح نہیں مثلاً اپنی انگلی سے تکیہ یا ہوا میں لکھے تو امام احمد کے ظاہر کلام کے مطابق واقع نہیں ہوگی اور ان کی رائے تمام شرائط اور وصول خط میں شوافع کی طرح ہے سوائے اس کے طلاق کا ذکر مٹانے یا طلاق کو خط پہنچنے کے ساتھ معلق کرنے میں اور قرأت کے ساتھ معلق کرنے میں۔

خلاصہ......جمہور کے ہاں خط کے ذریعہ نیت کے ساتھ طلاق واقع ہوتی ہے اور حنفیہ کے ہاں واضح لکھی ہوئی طلاق صریح کی طرح

---

❶......البدائع: ۱۲۶/۳۔ ❷القوانین الفقهية ص: ۲۳۰ الشرح الصغير ۵۶۸/۲ ❸المهذب: ۸۳/۲ مغنی المحتاج: ۲۸۴/۳
❹المغنی: ۲۳۹/۷ وما بعدها۔

ہے اور غیر واضح کنایہ کی طرح ہے نیت کی محتاج ہے اور پانی ہوا وغیرہ پر لکھنے سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی اور جو شخص دل میں طلاق دے تو وہ واقع نہیں ہوتی لیکن اگر اس کا تلفظ کیا یا اس سے زبان کو حرکت دی تو اگر چہ سنے نہ بھی پھر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اشارہ سے طلاق: تمام فقہاء کا اتفاق ہے ❶ اس بات پر کے جو شخص گویائی سے عاجز ہو جیسے گونگا وغیرہ تو ہاتھ یا سر کے سمجھ آنے والے اشارہ سے طلاق واقع ہوجائے گی حاجت کے دفعہ کرنے کے لیے پس جب گونگے نے اشارہ سے طلاق دی تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔ لیکن حنفیہ کے ہاں اگر گونگا اچھی طرح لکھ سکتا ہے تو اس کا اشارہ جائز نہیں۔ رہ گیا بولنے والا جو کلام پر قادر ہو تو جمہور کے ہاں اشارہ سے اس کی طلاق صحیح نہیں جیسا کہ اشارہ سے اس کا نکاح صحیح نہیں لہٰذا صرف گونگے کی طلاق اشارہ سے ہوگی اور مالکیہ کے ہاں کلام پر قادر کا اشارہ کنایہ کی طرح ہے اس میں نیت کی ضرورت ہے اگر نیت کی تو طلاق درست ہے اشارہ سے بھی۔

شام کے قانون میں طلاق کے صیغے: دفعہ نمبر (۸۷/۱) میں اس قانون کی تصریح درج ذیل ہے طلاق تلفظ اور کتابت سے واقع ہوجائے گی اور ان سے عاجز کی معلوم اشارہ سے اور اس کا معنی یہ ہے کہ طلاق بھی اس اسلوب سے واقع ہوتی ہے جس سے نکاح منعقد ہوتا ہے۔ صریح الفاظ جو لغت نے وضع کیے ہوتے ہیں یا عرفا وہ طلاق پر دلالت کررہے ہیں ان سے طلاق واقع ہوگی۔ لکھنے سے بھی واقع ہوگی بایں طور کہ بیوی کو خط لکھے اور اس میں وقوع طلاق کی خبر دے۔ گونگے اور اٹک اٹک کر بات کرنے والے کی طلاق واضح اشارہ سے واقع ہوجائے گی جبکہ وہ لکھنے سے عاجز ہو شام کے قانون میں حنفیہ کی رائے کو لیا گیا ہے کہ طلاق ایسے صریح لفظ سے ہوگی جو لغوی اعتبار سے طلاق پر دلالت کرے جیسے "انت طالق" یا عرفا جیسے "انت علی حرام" اور کنائی الفاظ سے نیت کے ساتھ اور اس کی تشریح دفعہ ۹۳ میں اس طرح ہے صریح الفاظ سے جن کا عرف ہو بغیر نیت کے طلاق ہوگی اور کنائی الفاظ جو طلاق اور غیر طلاق دونوں کو محتمل ہیں نیت سے ہی ہوگی۔

طلاق کی تعداد...... طلاق کی مقدار و تعداد ❷ ایک دو اور تین طلاقیں ہیں اگر طلاق مطلقا یعنی صرف صیغہ سے وارد کرے بایں طور پر آدمی کہے "طلقتك" میں نے تجھے طلاق دی یا تجھے طلاق ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی صیغہ کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہوئے یہ حنفیہ کے ہاں ہے اور جمہور کے ہاں جس کی اس نے نیت کی وہ واقع ہوجائے گی لیکن اگر اس نے اپنے کلام سے کوئی عدد متعین کردیا مثلاً ایک یا دو یا عدد کی تصریح کردی جو طلاق کے ساتھ ملا ہوا ہو تو جس کی اس نے نیت کی وہ واقع ہوئی یا جس کی اس نے عدد سے تصریح کردی اگر عورت عدد پورا ہونے سے پہلے مرگئی تو حنفیہ کے ہاں طلاق لغو ہوجائے گی اس لیے کہ اس کا وقوع عدد سے ہے اور اگر شوہر مرگیا یا اس کے منہ پر کسی نے عدد ذکر کرنے سے پہلے ہاتھ رکھ دیا تو ایک طلاق واقع ہوگی صیغہ پر عمل کرتے ہوئے اس لیے کہ طلاق کا وقوع اس کے لفظ سے ہے نہ کہ قصد سے شوافع بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ اگر عورت طلاق کا لفظ مکمل ہونے سے پہلے مرگئی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور تین طلاقیں بالاتفاق نافذ ہیں۔ چاہے مرد عورت کو ایک کے بعد ایک دے یا تینوں کو ایک کلمہ میں جمع کرکے کہے تجھے تین طلاقیں ہیں جمہور کے ہاں برخلاف ظاہریہ کے۔ اور اس میں حنفیہ کے ہاں عورتوں کے اعتبار سے طلاق کی تعداد کا اعتبار ہے آزاد عورت کی تین طلاقیں ہیں اور باندی کی دو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: باندی کی دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں ❸ اور جمہور کے ہاں اعتبار مرد کا ہے غلام کو دو طلاقیں دینے کا اختیار ہے اور آزاد کو تین دارقطنی میں مرفوع روایت ہے غلام کی دو طلاقیں ہیں اور یہ روایت عثمان اور زید بن ثابت سے مروی ہے اور صحابہ میں سے ان کا کوئی مخالف نہیں (کما روی الشافعی) شادی اور طلاق کے سلسلہ میں اسلام حق اور اعتدال کو تھامنے کا نام ہے اور جاہلیت کی خطاء کی تصحیح اور جاہلیت میں

---

❶ ...... الدر المختار ۲/۵۸۴ القوانين الفقهية: ۲۳۰ الشرح الصغير ۲/۵٦۸ مغني المحتاج: ۳/۲۸۴ المهذب: ۲/۸۳ المغني: ۷/۲۳۸ ❷ الدرلمختار ۲/۵۸۸ القوانين الفقهية: ۲۲٦ مغني المحتاج: ۳/۲۹۴ المغني ۷/۲۲۹ غاية المنتهى: ۳/۱۲۷۔ ❸ رواه ابوداؤد والترمذی والدار قطنی عن عائشة مرفوعاً وقال الترمذی حديث غريب والعمل عليه عند اهل العلم من اصحاب الرسول وغيرهم

چار طرح کے نکاح ہوا کرتے تھے ❶ ایک تو وہی مشہور نکاح ہے کہ خطبہ کے بعد ہو اور دوسرا نکاح استبضاع یعنی زوجہ کا جماع طلب کرنا کسی دوسرے آدمی سے شوہر کی طلب پر اور تیسرا ایک گروہ سے شادی کرنا جو دس سے کم ہو پھر عورت بچے کو اس کا قرار دیتی تھی جس سے اسے صحبت ہوتی تھی اور نکاح بغایا پھر قیافہ شناسی ❷ کے ذریعہ کسی ایک سے بچے کا الحاق کیا جاتا تھا رہ گئی طلاق جاہلیت میں کسی عدد سے مقید نہ تھی حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں مرد اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاقیں دیتا پھر اس سے رجوع کر لیتا تھا عدت میں اور وہ اس کی بیوی ہی ہوتی تھی اور چاہتا تو سویا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیتا۔ حتیٰ کہ ایک شخص اپنے بیوی کہتا اللہ کی قسم! میں تجھے طلاق نہ دوں تو تو مجھ سے بائن ہو جائے اور میں تجھے کبھی بھی ٹھکانہ نہ دوں گا کہتی یہ کس طرح تو وہ کہتا میں تجھے طلاق دیتا ہوں جب تیری موت قریب آئے گی تو تجھ سے رجوع کرلوں گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کے پاس اس کا ذکر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ ❸ البقرۃ ۲/۲۲۹

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق کی تعداد اور عدد تین ہیں اور شوہر کے لیے پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق رکھا گیا ہے اور اسی کے ذریعہ اسلام نے عورت کو اس نقصان سے بچایا جو اسے لاحق تھا اور مرد کی مصلحت کی بھی رعایت رکھی کہ شوہر کے حق میں تین طلاقیں دینے کا اختیار دیا اور شریعت نے اس بات پر ابھارا ہے کہ زوجین کے درمیان ازدواجی تعلق برقرار رہے بطور رجوع کیونکہ اس کے ذریعہ افراط و تفریط کا تدارک ہوسکتا ہے کہ آدمی کبھی سخت غصہ میں طلاق دے دیتا ہے پھر نادم ہوتا ہے یا کسی وجہ سے طلاق دیتا ہے پھر وہ وجہ ختم ہو جاتی ہے اور کبھی عورت کی بری معاشرت کی وجہ سے دیتا ہے پھر جدائی سے اسے تکلیف ہوتی ہے اور کبھی اس کی اولاد ہوتی ہے ان کے دیکھنے سے محروم ہو جاتی ہے یا ان کی تربیت سے تنگ ہوتی ہے اور حلالہ شرط ہے یعنی دوسرے آدمی سے نکاح کرنا تاکہ تین طلاقوں کے بعد وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تاکہ اس سے تین طلاقیں دینے سے شوہر باز رہے اور اسے لالچ رہے زوجیت باقی رکھنے کی کیونکہ آدمی غیرت اور حمیت کی بنیاد پر اس طرح کے فعل سے باز رہے گا گویا یہ اس کا سدباب کرنے کے لیے حکم ہے گویا کہ یہ ایک ایسی مشکل چیز پر حوالہ ہے جس کا حصول بھی مشکل اور تحقیق بھی مشکل۔

حلالے کے بعد عورت کس کے ساتھ لوٹے گی:

جس نے ایک یا دو طلاقیں دیں پھر اس نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اس نے ہمبستری بھی کرلی پھر اس نے پہلے شوہر سے نکاح کیا تو مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❹ وہ جو باقی عدد طلاق رہ گئے ہیں ان پر بند کرے گا یعنی وہ باقی طلاق کے ساتھ لوٹے گی لیکن اگر اس نے تین طلاقیں دی تھیں پھر اس نے غیر سے نکاح کیا تو عدد طلاق نئے سرے سے شروع ہوگا جس طرح نکاح جدید میں ہوتا ہے وہ عورت اس کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی اس لیے کہ دوسرا نکاح تین سے کم طلاقوں کو ختم نہیں کرتا اور تین کو ختم کر دیتا ہے اس لیے کہ تین سے کم طلاقوں میں دوسرے کا وطی کرنا حلال ہونے کے محتاج نہیں لہٰذا طلاق کا حکم تبدیل نہیں ہوگا نیز تین پوری ہونے سے پہلے یہ شادی ہوئی ہے لہٰذا یہ اس کے مشابہ ہے کہ دوسرے کے وطی کرنے سے پہلے رجوع کر لینا یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے ہے اس لیے کہ ثبوت سے پہلے حرمت کی انتہا نہیں ہوسکتی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ❺ دوسرا نکاح مطلقاً طلاق کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا وہ دوبارہ تین طلاقوں کے ساتھ شوہر اول کی طرف لوٹے گی چاہے ان کی شادی دو طلاقوں یا تین طلاقوں کے بعد ہوئی ہو اس لیے کہ دوسرے شوہر کی ہمبستری حلت کو ثابت کرتی ہے لہٰذا حلت ثابت ہوگئی جس طرح تین طلاقوں کی اس میں وسعت ہے اسی طرح دو طلاقوں کی بھی ہے لہٰذا تین سے کم کو ختم کرنا اولیٰ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شوہر کو محلل کا نام دیا ہے اور یہ مثبت حل ہے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت

---

❶ ......رواہ البخاری وابوداؤد (نیل الاوطار: ۱۵۸/۶) ❷ القافۃ: جمع قائف ھو الذی یعرف شبہ الولد بالوالد بالآثار لخفیہ ❸ تفسیر ابن کثیر ۲۷۱/۱۔ ❹ القوانین الفقہیۃ ص: ۲۲۶ مغنی المحتاج: ۲۹۳/۳ المغنی: ۲۶۱/۷ ❺ فتح القدیر: ۱۷۸/۳

ہو حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر۔ ❶

ا۔ بعض الفاظ میں عدد طلاق...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے لفظ کے بغیر محض نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور طلاق دینے والے سے صادر ہونے والے الفاظ بہت قسم کے ہیں ان میں عدد طلاق کی تحدید یا تو نیت سے ہوگی یا صیغہ سے یا ان الفاظ سے صراحۃً ملے ہوئے عدد سے اور اس نمونہ سے طلاق کا عدد معلوم ہو جائے گا سابقہ بیان میں ❷ مطلق لفظ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ان الفاظ سے مخاطب کرے تجھے طلاق ہے یا تو بائن ہے یا تو بتۃ ہے تو شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❸ جس کی اس نے نیت کی وہ واقع ہوگی اگر دو کی نیت یا تین کی نیت کی تو وہ واقع ہوں گی روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو بتۃ طلاق دی اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی رکانہ نے کہا میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بخدا تو نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا؟ تو رکانہ نے عرض کی: بخدا میں نے صرف ایک کی نیت کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی ان کے حوالے کی یعنی رجوع کا حکم دیا پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیسری ❹ اور حنفیہ کے ہاں ❺ جب عدد ذکر نہ ہو تو پھر طلاق صیغہ کی وجہ سے واقع ہوگی اور آدمی کا کہنا انت طالق البتہ یہ کنایات میں سے ہے اس سے بائن طلاق ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے شدت کی صفت اور قوت کے ساتھ اس کو متصف کیا ہے جس سے بینونت کا فائدہ ہوتا ہے۔

۲۔ مقصود کو اشارہ سے متعین کرنا...... اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھے اس طرح طلاقیں ہیں اور ہاتھ کی تین انگلیوں سے اشارہ کیا تو شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❻ تین واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ ھذا کے ساتھ اشارہ انگلیوں کا عدد کے بیان میں نیت کی طرح ہے اور اگر اس نے کہا میں نے بند انگلیاں مراد لی ہیں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اس لیے کہ جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اس کا اس میں احتمال ہے اور اگر اس نے کہا تجھے طلاق ہے اور ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا لیکن (ھکذا) نہ کہا اور پھر کہتا ہے میری مراد ایک تھی عدد کا میں نے ارادہ نہیں کیا تو وہ ایک ہی طلاق ہے یعنی اس کی بات مانی جائے گی اور حنفیہ کے ہاں بھی ❼ اسی طرح اشارہ سے تین واقع ہو جاتی ہیں اس لیے کہ ان کے ہاں تین طلاقیں جب صراحت یا اشارہ عدد کے ساتھ ملی ہوئی ہوں یا ایسی صفت سے موصوف ہوں جس سے بینونت ہو جاتی یا جو بینونت پر دلالت کرے تو تین ہی واقع ہوتی ہیں ❽ دو میں ایک: شوافع نے نیت کے مبدا پر عمل کرتے ہوئے فرمایا: ❾ اگر آدمی نے کہا:

انت طالق واحدة فی اثنتین

تجھے دو میں ایک طلاق ہے اگر اس نے دو کے ساتھ ایک طلاق کی بھی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ فی مع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ...... الفجر: ۸۹/ ۲۹۔ ۳۰

فی عبادی مع عبادی کے معنی میں ہے لہٰذا اگر اس کی نیت نہ ہوئی تو اب اگر وہ حساب نہیں جانتا اور نہ ہی اس نے حساب کے مقتضی کے مطابق نیت کی تو اس کے اس قول انت طالق سے ایک طلاق ہوگی فی اثنتین سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا اس لیے کہ وہ اس کے مقتضی کو نہیں جانتا

---

❶ روی من حدیث ابن مسعود عندالترمذی والنسائی حدیث علی عندا بی داؤد وابن ماجه حدیث عقبه بن عامر عندابن ماجه وحدیث ابی هریرة عندا حمد والبزاز کلها "بلفظ لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المحلل والمحلل له" الاحدیث عقبة فهو بلفظ لعن الله المحلل والمحلل لـه (نصب الرایة: ۳/ ۲۳۸۔ ۲۴۰ ❷ المهذب: ۲/ ۸۴ غایة المنتهی ۳/ ۱۲۷ الشرح الصغیر: ۲/ ۵۲۰ ❸ رواه الشافعی وابوداؤد والترمذی وقال ابوداؤد هذا حدیث حسن صحیح وصححه ایضاابن حبان والحاکم نیل الاوطار ۶/ ۲۲۶) ❹ الدرالمختار ۲/ ۶۱۷، ۱۲۲۷ ❺ لمهذب ۲/ ۸۴ ❻ غایة المنتهی ۳/ ۱۲۸۔ ❼ ردالمحتار ۲/ ۵۹۲، ۶۱۵ ❽ المهذب: ۲/ ۸۴۔ ❾ الدر المختار: ۲/ ۶۰۳

لہٰذا اس کا حکم اس کو لازم نہیں ہوگا جیسے عجمی اگر عربی الفاظ میں طلاق دے اور اس کا معنی نہ جانتا ہو لیکن اگر اس نے حساب کے مقتضی کے مطابق نیت کی نہ جاننے کے باوجود تو صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف ایک ہی طلاق ہوگی اس لیے کہ جب وہ اس کے مقتضی کو نہیں جانتا تو اس کا حکم بھی لازم نہیں ہوگا جیسے عجمی عربی میں طلاق دے اور اسے جانتا ہو اور کہے کہ میں نے عربی مقتضی کا ارادہ کیا ہے اگر وہ حساب کو جانتا ہے اب اگر اس نے حساب کے موجب کی نیت کی تو دو طلاقیں ہوں گی اس لیے کہ حساب کا موجب دو طلاقیں ہیں اور اگر اس کی نیت نہ ہوئی تو منصوص یہ ہے کہ ایک طلاق ہوگی کیونکہ یہ لفظ لوگوں میں متعارف نہیں اس میں یہ بھی احتمال ہے دو واقع شدہ طلاقوں میں سے ایک ہو یا پھر باقی دو میں سے ایک ہو لہٰذا شک سے طلاق واقع کرنا جائز نہیں حنفیہ کا مذہب ❶ واحدة فی اثنتین سے اگر اس نے نیت نہ کی ہو یا ضرب کا ارادہ رکھتا ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ ضرب سے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں نہ کے افراد لیکن اگر اس نے ایک اور دو دونوں کی نیت کی تو مدخول بھا کو تین ہو جائیں گی اور غیر مدخول بھا کو ایک۔

۳۔ایک طلاق والی بلکہ دو طلاق......شوافع کی رائے ❷ اگر اس نے کہا تجھے ایک طلاق ہے بلکہ دو طلاقیں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دو طلاقیں واقع ہوں جیسا کہ وہ اقرار کرے اس کا مجھ پر ایک درھم ہے بلکہ دو تو دو درھم لازم ہوتے ہیں دوسری یہ کہ تین واقع ہوں اس لیے طلاق میں ایقاع پایا جاتا ہے لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ایک طلاق کو دو مرتبہ واقع کرے لہٰذا ئی طلاق پر محمول کیا جائے گا۔

۴۔طلاق کو تین کے لفظ کے ساتھ لانا اور اس کا تکرار......تمام مذاہب کے فقہاء اور ظاہریہ کے ہاں بالاتفاق مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی آدمی نے غیر مدخول بہا سے کہا تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ تمام بیوی کے ساتھ ہیں تو ساری واقع ہو جائیں گی جیسا کہ یہی مدخول بھا کو کہنے سے ہوتی ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق اور درمیان میں سکتہ کیا ❸ تو تین واقع ہو جائیں گی چاہے تاکید کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیونکہ یہ ارادہ خلاف ظاہر ہے اگر اس نے کہا اس نے تاکید کا ارادہ کیا تھا تو دیانۃ اس کی تصدیق کی جائے گی قضاء نہیں اور اگر بغیر فصل وسکتہ کے دے اگر پہلی طلاق کی تاکید آخری سے کرنے کا اارادہ کرے تو ایک ہی واقع ہوگی اس لیے کہ لغوی اور شرعی اعتبار سے کلام میں تاکید پیدا کرنا معروف ہے اور اگر نئے کلام کا ارادہ کرے یا مطلق چھوڑے کوئی ارادہ نہ کرے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی ظاہر لفظ پر عمل کرتے ہوئے اس طرح اگر تین طلاقیں دیں بایں طور کر تجھے طلاق پھر طلاق پھر طلاق یا واؤ اور فاء کے ذریعہ عطف کیا تو تین ہی واقع ہوں گی۔

۵۔زیادہ عورتوں کو طلاق......اگر کسی نے اپنی چار بیویوں سے کہا میں تم سب پر یا تمہارے درمیان ایک طلاق واقع کرتا ہوں تو حنفیہ اور شوافع کے ہاں ❹ ان میں سے ہر ایک کو ایک طلاق ہوگی اور سرایت سے مکمل ہوں گی اسی طرح اگر کہا تمہارے درمیان دو طلاقیں یا تین اور چار طلاقیں ان میں سے ہر ایک پر ایک طلاق ہوگی الا یہ کہ ان میں سے ہر ایک پر تقسیم کا ارادہ کرے بایں طور کہے میرا ارادہ یہ تھا کہ ہر ایک کو دو طلاقیں ہوں تو پھر ہر ایک پر دو طلاقیں ہوں گی اور اگر اس نے کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی اس لیے کہ وہ اپنے لیے ایسی بات کا اقرار کر رہا ہے جس میں سختی ہے اور الفاظ بھی اس کا احتمال رکھتے ہیں۔اور اگر کہا تمہارے درمیان پانچ طلاقیں ہیں تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی اسی طرح آٹھ طلاقوں تک اگر آٹھ پر بھی اضافہ کیا بایں طور سے کہ تم پر نو طلاقیں ہیں تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر کہا تمہارے درمیان نصف طلاق واقع کرتا ہوں اور ثلث طلاق اور سدس طلاق تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں

---

❶......المرجع السابق: ❷ المهذب: ۸۴/۲ اللباب: ۴۹/۳ الدر المختار: ۶۳۲/۲ القوانين الفقهية ص: ۲۲۹، مغنى المحتاج: ۲۹۷/۳ المغنى: ۲۳۳/۷ المحلى: ۲۱۳/۱۰ مسألة: ۱۹۵۱، ۱۹۵۲۔ ❸ المراد بالفصل ان يسكت فوق سكتة النفس ❹ الدر المختار: ۶۳۰/۲ المهذب: ۸۵/۲

گی اس لیے کہ جب اس نے عطف کیا تو واجب ہو گیا کہ اس کے تمام اجزاء ان پر تقسیم ہو کر مکمل ہوں اور اگر کسی شخص نے اپنی بیویوں سے کہا تم میں سے ایک کو طلاق ہے یا اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق ہے تو ایک طلاق ہوگی اور بالاتفاق وہ ان میں سے ایک کو متعین کرنے کا پابند ہے۔ ❶

۶۔دنیا بھر کی یا سخت طلاق......شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تجھے دنیا بھر کی طلاق یا تجھے لمبی طلاق تو ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ مذکورہ اشیاء عدد کا تقاضا نہیں کرتی لہٰذا مذکورہ الفاظ سے ایک طلاق ہوگی اور اگر کہا تجھے سخت اور غلیظ طلاق ہے تو بھی ایک واقع ہوگی اس لیے کہ اس پر طلاق سخت اور غلیظ ہوتی ہے جلدی کی وجہ سے یا عورت کی محبت کی وجہ سے لہٰذا زیادہ شک کی وجہ سے نہیں ہوں گی اور حنفیہ کے ہاں ایک طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر کہا تجھے پوری طلاق ہے یا اکثر طلاق ہے تو تین واقع ہوں گی اس لیے کہ یہ کل اور اکثر طلاق ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے اور اگر کہا تجھے اہل سنت، شیعہ، یہودی اور نصرانی مذہب کے مطابق طلاق ہے یا سارے مذاہب کے مطابق طلاق ہے یا تجھے طلاق ہے نہ تجھے کوئی عالم واپس کر سکتا ہے نہ قاضی تو بالاتفاق تمام ائمہ کے ہاں اسے ایک طلاق رجعی ہوگی۔ ❸

۷۔ایک طلاق سے پہلے طلاق یا بعد میں طلاق......شوافع کے ہاں ❹ اگر شوہر نے کہا ایک طلاق ایک طلاق سے پہلے یا ایک طلاق کے بعد طلاق یا طلاق کے بعد طلاق یا طلاق سے پہلے طلاق تو مدخول بھا کو دو طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخول بھا کو ایک اس لیے کہ اس کا مدخول بہا میں تقاضا ہے کہ دو طلاقیں ہوں ایک فی الحال اور دوسری اس کے پیچھے اور غیر مدخول بھا چونکہ پہلی سے ہی بائنہ ہوگئی لہٰذا دوسری کے وقت محل ہی باقی نہیں رہا۔ اگر کہا ایک طلاق میں ایک طلاق اور ارادہ کیا معاً دو کا تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اُدْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ (الاعراف ۷/۳۸) اور اگر ظرف اور حساب کا ارادہ کیا یا مطلق چھوڑ دیا تو ایک طلاق واقع ہوگی ان صورتوں میں کیونکہ ظرف اور حساب کا مقتضیٰ ایک ہی ہے اور اگر کہا تجھے نصف طلاق ہے تو ہر حال میں ایک واقع ہوگی چاہے معیت کا ارادہ کرے یا ظرف وحساب کا یا کسی کا بھی ارادہ نہ کرے کیونکہ طلاق کے اجزا نہیں ہوتے اور اگر کہا تجھے ایک طلاق میں دو طلاقیں ہیں اور فی سے معیت کا ارادہ کیا تو تین واقع ہو جائیں گی اور اگر ظرف کا ارادہ کیا تو ایک ہوگی اور اگر حساب کا ارادہ کیا تو دو ہوں گی اور اگر حساب نہیں جانتا تو ایک۔ اور حنابلہ ❺ درج ذیل اقوال میں شوافع کے ساتھ متفق ہیں۔ تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق وغیرہ میں کہ مدخول بھا کو دو طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخول بھا کو ایک اور اگر کہا تجھے ایک طلاق کے بعد ایک طلاق اور کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی آیا قضاءً بھی تصدیق کی جائے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر اسے دوسرے نکاح میں طلاق پائی گئی یا پہلے شوہر سے طلاق ملی تھی تو تصدیق کی جائے گی لیکن اگر نہ پائی گئی تو اس کا قول قبول نہ ہوگا کیونکہ جو وہ کہہ رہا ہے اس کا احتمال نہیں۔

حنفیہ نے ❻ بھی شوافع کی موافقت کی ہے اس قول میں کہ تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق یا کہا ایک کے بعد ایک یا ایک کے ساتھ ایک تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اس لیے کہ پہلی مثال میں جس کا تلفظ کیا ہے دوسری کی جگہ ہے اس لیے کہ ایک طلاق واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ سابقہ ایک طلاق بھی ہے لہٰذا دونوں اکٹھی واقع ہوں گی اس لیے کہ ماضی میں واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے اور دوسری مثال میں فی الحال اس نے ایک طلاق واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ یہ سابقہ ایک طلاق کے بعد ہے اور آخری دو حالتوں میں مع مقارنت کے لیے ہے گویا اس نے دونوں کو ملا دیا ہے لہٰذا دونوں واقع ہوں گے لیکن اگر کہا تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق ہے تو ایک ہی واقع ہوگی اس لیے کہ جس کا پہلے تلفظ کیا ہے وہی پہلے واقع ہوگی لہٰذا پہلی واقع ہوگی اور کچھ نہیں اس لیے کہ اس نے ایک واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ دوسری سے پہلے ایک

❶ ...... المغنی: ۳۴۰/۶ ❷ غایۃ المنتہی: ۱۲۹/۳، المھذب ۸۵/۲ ❸ الدر المختار ۶۱۸/۲، ۶۳۱، ۶۳۳ ❹ مغنی المحتاج: ۲۹۷/۳ المھذب: ۸۶/۲۔ ❺ المغنی: ۲۳۱/۷ وما بعدھا ❻ اللباب مع الکتاب: ۴۹/۳ الدر لمختار: ۶۲۸/۲

واقع ہوگی اور وہ اس سے بائن ہوگئی دوسری لغو ہوگی اسی طرح اگر کہا ایک کے بعد ایک تو بھی ایک واقع ہوگی اس لیے کہ جس کا تلفظ پہلے ہوا وہ واقع بھی پہلے ہوگی لہٰذا پہلی واقع ہوگی نہ کے دوسری اس لیے کہ اس نے ایک واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ دوسری عنقریب واقع ہوگی اور اگر شوہر نے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق اور ایک طلاق یافواحدۃ کہا اور وہ گھر میں داخل ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ شرط جب مقدم ہو تو دخول سے معلق طلاق فی الحال واقع کرنے کی طرح ہے لیکن اگر شرط کو مؤخر کر دے تو دو واقع ہوں گی اس لیے کہ جب شرط کو مؤخر ذکر کیا بغیر صد کلام کے تو وہ صدر کلام پر موقوف ہو جاتی ہے لہٰذا ساری اکٹھی واقع ہوں گی لیکن اگر شرط کو مقدم رکھا تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ اس کا تعلق ہے شرط کے ساتھ ہے اور جب اس نے کہا تجھے مکہ میں طلاق ہے تو اسے ہر شہر میں فی الحال طلاق ہو جائے گی اسی طرح اگر کہا تجھے گھر میں طلاق ہے تو فی الحال طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ طلاق کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتی جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی لیکن اگر اس سے اس نے مکہ آنا مراد لیا تو دیانۃ تصدیق ہوگی قضاء نہیں اس لیے کہ یہ نیت پوشیدہ ہے اور خلاف ظاہر ہے۔

۸۔ غیر معین طلاق......حنفیہ کے ہاں ❶ اگر کسی نے کہا میری بیوی کو طلاق ہے اور اس کی دو یا تین بیویاں تھی تو ان میں سے ایک کو طلاق ہوگی اور اسے متعین کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر کہا دنیا کی عورتوں کو طلاق تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی لیکن اگر کہا محلے یا گھر کی عورتوں کو طلاق تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر کہا میری عورتوں کو طلاق اور اس کی کوئی نیت نہ تھی تو اس کی تمام بیویاں طلاق ہو جائیں گی بغیر کسی اختلاف کے کیونکہ اس کے الفاظ عام ہیں اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے طلاق دے دو اور خاوند نے کہا میں نے کر دیا یعنی طلاق دے دی تو اسے ایک طلاق ہوگی اور اگر عورت نے کہا اور دو اس نے کہا کر دیا تو دوسری طلاق ہو جائے گی اور اگر عورت نے کہا مجھے طلاق دو مجھے طلاق دو مجھے طلاق دو تو ایک ہی واقع ہوگی اگر اس نے تین کی نیت نہ کی لیکن اگر عورت نے واؤ کے ساتھ عطف کیا تو تین واقع ہوں گی کیونکہ یہ تکرار کا قرینہ ہے لہٰذا جواب اس کے مطابق ہوگا۔ اگر عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو طلاق دے دی شوہر نے اجازت دے دی تو اسے طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ وہ عورت پر انشاء طلاق کا مالک ہے لہٰذا اجازت کا بدرجہ اولیٰ مالک ہے کیونکہ یہ اس سے کم تر ہے اس طرح اگر عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو بائنہ کر دیا شوہر نے اجازت دے دی تو اسے طلاق ہو جائے گی اگر شوہر نے نیت کی ہو اگر تین کی کی تو تین ہو جائیں گی اگر عورت نے کہا تجھ سے اپنے نفس کو میں نے اختیار کیا شوہر نے کہا میں نے اجازت دی اور طلاق کی نیت کی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا اس لیے کہ عورت کا قول اخترت طلاق کے لیے وضع نہیں کیا گیا نہ صریح نہ کنایہ۔

۹۔ کنائی الفاظ میں طلاق کی تعداد مالکیہ کے ہاں...... مالکیہ کے ہاں کنایات کی دو قسمیں ہیں کنایات ظاہری کنایات محتملہ ❷ کنایات خفیہ اور محتملہ وہ یہ کہ آدمی کا اپنی بیوی کو کہنا الحقی اپنے اہل سے مل جاؤ، چل جاؤ ابعدی عنی مجھ سے دور ہو جاؤ اور ان کے مشابہ الفاظ ان سے طلاق نہیں ہوگی ہاں اگر نیت کی تو ہوگی اگر اس نے کہا میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کی بات مانی جائے گی۔

کنایات ظاہرہ......وہ الفاظ جن کے ذریعہ شرعاً ولغۃً بطور عادت و معمول کے طلاق دی جاتی ہے جیسے تسریح فراق وغیرہ الفاظ اور انت بائن بتۃ بتلۃ وغیرہ ان کا حکم صریح طلاق کا حکم ہے اور ان کی سات قسمیں ہیں: پہلی قسم: وہ الفاظ جن سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے الا یہ کہ مدخول بھا کے لیے زیادہ کی نیت کرے اور وہ اعتدی کا لفظ ہے رہ گئی غیر مدخول بھا تو اس پر عدت نہیں پس اگر اسے کہا اعتدی عدت گذارو تو یہ اس کے لیے کنایات خفیہ کے حکم میں ہے نیت کے بغیر اسے طلاق نہ ہوگی۔

---

❶......الدر المختار ۲/۶۲۹۔۶۳۳ وما بعدھا المغنی ۷/۱۶۹۔۱۷۰۔ ❷ القوانین الفقھیۃ ص: ۲۲۹ الشرح الصغیر: ۲/۵۶۰،۵۶۵۔

دوسری قسم...... وہ الفاظ جن سے مطلقا ہر حال میں تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور وہ بتة اور حبلک علی غاربک کے الفاظ ہیں۔

تیسری قسم...... وہ الفاظ جن سے مدخول بھا کو تین طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخول بھا کو اگر زیادہ کی نیت نہ کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر تین کی کی تو تین اور وہ انت طالق واحدہ بائنۃ تجھے ایک بائنہ طلاق ہے۔

چوتھی قسم...... وہ الفاظ جن سے مدخول بھا اور غیر مدخول بہا دونوں کو تین طلاقیں ہوں گی اگر ان سے کم کی نیت نہ کی تو اور وہ تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا یا تجھے واپس کر دیا یا تیرے اوپر مجھے کوئی عصمت نہیں تو مجھ پر حرام ہے تو آزاد ہے اپنے اصل کے لیے تو مردار ہے یا تو خون کی طرح ہے یا خنزیر کے گوشت کی طرح ہے یا تو بری ہے یا تو خالص ہے یا تو بائن ہے یا میں تجھ سے بائن ہوں وغیرہ الفاظ اگر ان سے کم کی تو جو نیت کی وہ لازم ہوگی اور حلف دیا جائے گا اگر نکاح کا ارادہ کیا کہ میں نے صرف کم ہی کی نیت کی تھی لیکن اگر اس نے نکاح کا ارادہ نہ کیا تو حلف نہیں ہوگا۔

پانچویں قسم...... وہ الفاظ جن سے مطلقا تین ہوتی ہیں جبکہ کم کی نیت نہ ہو اور وہ خلیت سبیلک میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا کے الفاظ ہیں۔

چھٹی قسم...... وہ الفاظ جن سے مدخول بھا کو تین طلاقیں ہوتی ہیں او غیر مدخول بھا میں نیت کا اعتبار ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: میرا چہرہ تیرے چہرے پر حرام ہے میرا چہرہ تیرے چہرے سے حرام ہے سے اوپر میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور اسی کے مثل ہے میرے اور تیرے درمیان کوئی نکاح نہیں یا میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں یا میرے لئے تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں صرف مدخول بھا میں ان الفاظ سے تین طلاقیں ہوں گی ہاں! اگر یہ کلام عتاب کے طور پر ہو تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔

ساتویں قسم...... وہ الفاظ جن سے مطلق ایک واقع ہوتی ہے چاہے مدخول بھا ہو یا نہ ہو ہاں اگر زیادہ کی نیت کرے تو زیادہ ہوں گی اور وہ یہ ہیں فـارقتـک میں نے تجھے جدا کیا اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے مدخول بھا کو ان تمام الفاظ واقسام میں جب تک قرائن ودلائل طلاق کے ارادہ نہ ہونے پر دلالت نہ کریں تو شوہر کی نفی طلاق کی تصدیق کی جائے گی جبکہ قرینہ تمام کنایات کی نفی پر دلالت کرتا ہو خلاصہ یہ کہ لفظ اعتدی اور فارقتک سے ایک طلاق واقع ہوگی اور باقی کنایات سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

۱۰۔ استثناء کے ساتھ طلاق...... ائمہ اربعہ کا مذہب ❶ یہ ہے کہ جب طلاق دینے والا اپنی زبان سے استثناء کرے تو یہ درست ہے اور جو اس نے استثناء کیا وہ واقع نہ ہوگی جب آدمی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے تین طلاق ہیں۔ سوائے ایک کے تو دو طلاقیں ہوں گی اور جب کہا تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے دو کے تو ایک طلاق ہوگی اور جب کہا تجھے طلاق بتہ ہے سوائے دو کے سوائے ایک کے تو دو لازم ہوں گی۔ اس لیے کہ بتہ تین طلاقیں ہیں اور اثبات سے استثناء نفی ہوتی ہے اور نفی سے استثناء اثبات اس نے بتہ طلاق سے پہلے دو کو نکال دیا پھر دو سے ایک کو تو وہ پہلی ایک کے ساتھ مل کر دو ہو گئیں فقہاء نے استثناء کے صحیح ہونے کے لیے کلام کے اتصال کو شرط قرار دیا ہے یعنی لفظ مستثنیٰ منہ سے عرف ملا ہوا ہو کہ اسے ایک کلام شمار کیا جاتا ہو اور تھوڑا سا فصل نقصان نہیں پہنچاتا جیسے سانس لیا یا کھانسی کی وغیرہ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کو گھیر نہ لے اگر کہے تجھے تین طلاق ہیں سوائے تین کے تو یہ استثناء درست نہیں اور بغیر کسی اختلاف کے تین طلاقیں ہوں گی اس لیے کہ استثناء نام ہے باقی کے تکلم کا اور اس کا معنی ہے اس نے مستثنیٰ منہ کا تکلم کیا۔

❶ الأحوال الشخصية للأستاذ زكي الدين شعبان ص: ۳۷۸.

شوافع اور حنابلہ نے شرط لگائی ہے مستثنیٰ منہ سے فراغت سے پہلے ہی استثناء کی نیت کر لے اس لیے کہ یمین تمام کی تمام معتبر ہوتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ استثناء کو سنے جبکہ اس کی قوت سامعہ معتدل ہو صرف دل سے نیت کافی نہیں جب تک سنے نہ اس بناء پر استثناء کی تین حالتیں ہیں۔

(الف)......زیادہ سے کم کا استثناء بالاتفاق درست ہے مثلاً کہے انت طالق ثلاثًا الاّ واحدة تو دو واقع ہوں گی اور جس نے کہا تجھے چار طلاقیں ہیں سوائے دو کے تو دو لازم ہوں گی۔

(ب)......پورے عدد کا ہی استثناء کر دینا جیسے انت طالق ثلاثًا الاثلاثا انت طالق اثنتين الااثنتين تو پہلی صورت میں تین واقع ہوں گی اور دوسری میں دو اسی طرح اگر کہا انت طالق ثلاثا الاطلقة و طلقة و طلقة تو تین ہی واقع ہوں گی کیونکہ یہ کل کا کل سے استثناء ہے اور انت طالق ثلاثا الااثنين و واحدة تو ایک واقع ہوگی اور جس سے استغراق حاصل ہو رہا ہو وہ لغو ہے اور اگر کہا انت طالق ثلاثاً نصف طلقة تو تین واقع ہوں گی۔

(ج)......کم سے زیادہ کا استثناء مثلاً کہے انت طالق ثلاثا الا اثنتين تو جمہور کے ہاں استثناء درست ہے اور ایک طلاق واقع ہوگی اور احمد کے ہاں یہ استثناء درست نہیں کیونکہ دو تین کا اکثر ہے اور استثناء میں سے استثناء درست ہے مثلاً انت طالق ثلاثا الااثنتين الا واحدة تو اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ استثناء اصل میں ملفوظ کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ لفظ ہے اور موجب لفظ کے تابع ہوگا۔

تیسری بحث: طلاق واقع کرنے کی شرعی قیود......شریعت نے طلاق کو کچھ قیود کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ بے اعتدالی سے باز رہیں اور ازدواجی تعلق کی حفاظت کی خاطر اس لیے کہ یہ تعلق بڑا ہی مقدس ہے اور باقی تمام عقود سے مختلف بھی اور طلاق کا عورت کی زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے وہ جوہر جس کی وہ مالک ہے اس سے ضائع ہو جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بغیر شادی کے ساری زندگی گزار دیتی ہے اور اس میں بہت سارے مفاسد ہیں اور فساد و شر کی تعریض ہے۔ ❶

اگر یہ قیود پوری پائی گئی تو طلاق شریعت کے موافق ہوگی اور اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا اور اگر ایک شرط بھی نہ ہوئی تو پھر طلاق واقع کرنا گناہ کا سبب اور ناراضی رب ہوگی۔ اور قیود تین ہیں:

۱......طلاق کسی ضرورت مفیدہ کی وجہ سے ہو۔

۲......ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو۔

۳......طلاق تین طہروں پر تقسیم کر کے دی جائے ایک سے زیادہ نہ ہوں میں ان قیود سے متعلق بحث کروں گا اور ان کی مخالفت کا جو اثر ہے فقہاء کے نزدیک اسے بیان کروں گا۔

پہلی قید: طلاق شرعی اور عرفی طور پر کسی مفید ضرورت کی بنا پر ہو......حنفیہ کے اصل مذہب ❷ کے مطابق جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ طلاق میں اصل اباحت ہے کیونکہ اس سلسلہ میں جو آیات قرانیہ نازل ہوئی ہیں وہ مطلق ہیں مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً البقرة۲/۲۳۶

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶......فتح القدير:۳/۱۴۷ اللباب:۳/۵۳ بداية المجتهد:۲/۸۰ الشرح الصغير:۲/۵۷۶ مغني المحتاج:۳/۳۰۰ المهذب: ۲/۸۲، كشف القناع:۵/۳۰۵۔۳۰۹ المغني:۷/۱۲۰۔۱۲۴۰۔ ❷الدر المختار:۲/۵۷۱ فتح القدير:۳/۲۱،۲۲

فطلقوھن لعدتھن الطلاق ۶۵/۱

تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی طلاق دی ہے اگر طلاق ممنوع ہوتی تو یہ حضرات اس کا اقدام نہ فرماتے۔ ان دلائل پر اعتراض کئے گے ہیں کہ پہلی آیت میں دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق کی اباحت کا تذکرہ ہے اور دوسری آیت میں شرعی طور پر طلاق دینے کے وقت کا ذکر ہے کہ وہ عدت شروع ہونے کا وقت ہے اور حضرت حفصہ کی طلاق اور بعض صحابہ کی طلاق کی بارے میں یہ ثابت نہیں کہ وہ بغیر کسی حاجت وضرورت اور سبب کے دی گئی ہو ظاہر یہی ہے کہ کسی ضرورت کی بناء پر دی گئی اس لیے کہ بغیر کسی ضرورت کے طلاق دینا از دواجی تعلق کی ناشکری ہے اور بیوی اور اس کے اہل وعیال واولاد کو تکلیف پہنچانا ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں ان میں کمال بن ہمام اور ابن عابدین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ ❶ طلاق میں اصل منع ہے اور خلاف اولیٰ ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ کسی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے طلاق ہو جیسے بیوی کا برا سلوک یا اس کا کسی ایک کو تکلیف پہنچانا کیونکہ اس کی وجہ سے الفت ومحبت ختم ہوتی ہے اور اجتماع کی سنت کو ڈھانا ہے اور فساد کے پیش کرنا ہے فرمان باری تعالیٰ:

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ... النساء: ۴/۳۴

اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذاء دینے کا کوئی بہانا مت ڈھونڈ و اور حدیث سابق کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے ❷ اس میں دلیل ہے کہ عورت کا طلاق کا مطالبہ بغیر کسی وجہ سے حرام ہے سخت گناہ ہے اس لیے کہ جو جنت کی خوشبو نہ پائے تو وہ جنت میں ہمیشہ داخل نہیں ہو سکتا اور گناہ کے لیے اتنا سخت ہونا کافی ہے کہ آدمی اس حدتک پہنچ جائے یہ اشارہ ہے اس کے ممنوع اور سخت ہونے پر شوکانی نے اسی طرح کہا ❸ یہی راجح ہے کیونکہ مقاصد شریعت کے ساتھ موافق ہے اور متعدد طلاق کے نقصانات کے ازالہ کے لیے ابن عابدین نے فرمایا:

طلاق میں اصل حظر وامتناع ہے بایں معنی کہ یہ ممنوع ہے سوائے اس کے کہ کسی عارض کی وجہ سے جائز ہے اور اباحت خلاصی پانے کی ضرورت کی بناء پر ہے اگر طلاق بغیر کسی سبب کی وجہ سے ہو اور خلاصی کی ضرورت نہ ہو تو یہ احمقانہ اور سفیہانہ فعل ہے اور صرف کفران نعمت ہے اور عورت واور اس کے اہل واولاد کو تکلیف دینا۔ جب ضرورت مبیحہ پائی گئی اور وہ عام ہے چاہے تکبر ہو یا شک تو طلاق مباح ہے اور اسی پر محمول ہے وہ طلاق جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دی۔

اس قید کی مخالفت کا اثر...... جب طلاق کسی سبب وضرورت کے بغیر دی جائے تو وہ بالاتفاق واقع ہو جاتی ہے لیکن طلاق دینے والا گناہگار ہوگا اس لیے کہ کبھی تو ضرورت تقدیری ہوتی ہے اور کبھی نفسی اور خفیہ ہوتی ہے قضاء جس کا اثبات نہیں ہو سکتا اور کبھی ضرورت ایسی ہوتی ہے کہ اس کا چھپانا واجب ہوتا ہے عورت کی ساکھ بحال رکھنے کی خاطر اس کی تشہیر نہیں کی جاتی اس وجہ سے اصح یہ ہے کہ مرد پر کسی مالی عوض کا حکم نہیں دیا جائے گا مطلقہ کے لیے کیونکہ طلاق مشکل وپریشانی کی وجہ سے دی گئی ہے اور اس کے لیے شریعت نے جو مہر کی ادائیگی رکھی ہے وہ کافی ہے۔ اور عدت کا نفقہ اور متعہ (جوڑا) جو طلاق سے پیدا شدہ ضرر کا عوض ہے۔

---

❶ الدسوقی ۲/۳۶۱ المھذب: ۲/۷۸ کشف القناع: ۵/۲۶۱ المغنی: ۷/۹۷۔ ❷ وفی حدیث آخر رواہ الطبرانی عن ابی موسی الا تطلقوا النساء الامن رھبة فان الله لا یحب الذواقین ولا الذوقات لکنه ضعیف ❸ نیل الاوطار: ۶/۲۲۱

دوسری قید: طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو:...... یہ قید بھی تمام فقہاء کے ہاں متفقہ ہے ❶ اگر شوہر نے حیض یا نفاس یا ایسے طہر کی حالت میں طلاق دی جس میں جماع کرلیا تھا تو جمہور کے ہاں شرعاً یہ طلاق حرام ہے اور حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی اور طلاق بدعی کا نام دیا گیا ہے اور مالکیہ کے ہاں حیض اور نفاس میں طلاق حرام ہے اور ان کے علاوہ میں مکروہ اس قید کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کہو اس سے رجوع کرے یا پھر اسے طہر اور حمل کی حالت میں طلاق دے ❷ اور انہی سے ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر نے اپنی ایک بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اس کا تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ بہت غصہ ہوئے پھر فرمایا اسے چاہیے کہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے طہر کی حالت تک پھر حیض آئے پھر طہر اگر اسے ظاہر ہو کہ طلاق ہی دینی ہے ہو تو اس سے جماع سے پہلے اسے طلاق دے دے یہ عدت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

اور ایک روایت کے الفاظ میں ہے کہ یہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کے لیے حکم دیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق اس طہر میں جائز ہے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ اور قرآنی آیت کے ساتھ متفق ہے:

یاایھا النبی اذاطلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن......طلاق ۱/۶۵

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت پر عدت طویل نہیں ہوگی جبکہ حیض کی حالت میں یا اس کی حالت میں جس میں جماع کیا ہو عدت لمبی ہو جاتی ہے جس کا عورت کو نقصان ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق ہوتی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، اور حیض کی حالت نفرت کی حالت ہے اور طہر میں ایک مرتبہ جماع سے بھی رغبت ختم ہو جاتی ہے اس سے ظاہر ہو گیا طلاق بدعی وہ ہے جو اس عورت کو دی جائے جس سے صحبت ہو چکی ہو اور اسے حیض بھی آتا ہو رہ گئی وہ عورت جس سے شوہر نے ہمبستری نہیں کی یا وہ حاملہ ہے یا اسے حیض نہیں آتا وہ طلاق بدعی اور شرعاً قبیح نہ ہو گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلاق کی چار صورتیں ہیں ان میں سے دو صورتیں حلال میں اور دو حرام دو جو حلال ہیں وہ یہ کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو یا جب حمل واضح ہو تو اس حالت میں طلاق دے اور جو دو حرام صورتیں ہیں وہ یہ کہ حالت حیض میں طلاق دے یا طلاق دے جماع کے بعد اور معلوم نہ ہو کہ رحم میں کوئی بچہ ہے یا نہ۔

اس قید کی مخالفت کا اثر...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ حالت حیض اور حالت طہر جس میں جماع کیا ہو میں طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جب طلاق دی تھی حالت حیض میں اور رجوع جب ہی ہوتا ہے جب طلاق واقع ہوتی ہو اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے ایک طلاق دی تھی اور اسے طلاق میں شمار کیا گیا تھا۔ شیعہ امامیہ اصحاب ظواہر ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ہاں حالت حیض، حالت نفاس یا جس طہر میں جماع کیا گیا ہو طلاق دینا حرام ہے اور یہ بدعی طلاق نافذ نہیں ہوتی درج ذیل دلائل کی بنیاد پر ❸ مسند احمد ابوداؤد اور نسائی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی عبداللہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس لوٹا دیا اور اسے کچھ نہ سمجھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کی تصریح ابن قیم وغیرہ نے کی ہے۔

اس دلیل میں ان سے مناقشہ کیا گیا ہے کہ یہ معلول ہے کیونکہ ابوزبیر کی سارے حفاظ حدیث سے مخالفت ہے اس میں اور ابن عبدالبر نے فرمایا **ولم یر ھاشیا** کے الفاظ منکر ہیں ابوزبیر کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیے اور جب اس کی مثل میں مخالفت ہو تو وہ حجت نہیں بن سکتی

---

❶......فتح القدیر ۲۸/۳، ۳۴، الشرح الصغیر: ۵۳۷/۲ مغنی المحتاج: ۳۰۷/۳ المغنی ۹۱/۷-۱۰۳ ❷ رواہ الجماعۃ الاالبخاری عن ابن عمرؓ (نیل الاوطار ۲۲۱/۶) ❸ رواہ دارقطنی (المرجع السابق ۲۲۵/۶)

اوراس صورت میں کب حجت بن سکتی ہے جب زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت ہواور اگر صحیح قرار بھی دیا جائے تو میرے نزدیک اس کا معنی ہوگا کہ آپ نے اسے درست شی نہیں سمجھا کیونکہ سنت کے مطابق نہ تھی۔اور خطابی نے فرمایا: یہ بھی احتمال ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے اسے ایسی چیز نہیں سمجھا کہ جس کے ساتھ رجوع حرام ہو یا اسے سنت میں جائز چیز نہیں سمجھا۔ ❶ حدیث میں ہے جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے ❷ اب حالت حیض میں طلاق دینا شارع کے حکم کے مخالف ہے لہٰذا یہ مردود ہوگی اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اس دلیل میں بھی مناقشہ کیا گیا ہے مردود وہ چیز ہوتی ہے جو کسی رکن شرط وغیرہ میں مخالفت ہو رہ گئی عدت لمبی ہونے کے اعتبار سے مخالفت یا طلاق کی حاجت کا نہ ہونا تو یہ دونوں چیزیں طلاق کے لیے رکن یا شرط نہیں۔لہٰذا اس کی وجہ سے رد اور طلاق واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا

۳..... یہ طلاق شرعاً ممنوع ہے اس کی اجازت نہیں لہٰذا شوہر کی ملکیت میں یہ نہیں جیسے طلاق کا وکیل مؤکل کے حکم کی مخالفت کرے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور جو چیز ذاتی اعتبار سے یا جزو کے اعتبار سے یا کسی ایسے وصف لازم کے اعتبار سے ممنوع ہو اور فساد کا تقاضا کرے تو وہ فاسد ہے اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔اس کا جواب دیا گیا ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق سے منع کیا گیا ہے وہ نفس طلاق کی طرف راجع نہیں اور نہ ہی اس کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف بلکہ وہ تو ممنوع سے ہٹ کر ایک خارجی امر کی طرف راجح ہے اور وہ طلاق کی حاجت کا نہ ہونا ہے یا وہ عورت کو تکلیف میں ڈالنے کا معاملہ ہے عدت لمبی ہونے سے جب کسی خارجی چیز کی نفی ہو تو اس کے فساد پر دلالت نہیں کرتی جب واقع ہو جیسے اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت اور وکیل پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ طلاق کا وکیل تو سفیر محض ہے اور مؤکل کی طرف سے تعبیر کرنے والا ہے لہٰذا وہ سپرد شدہ چیز کے علاوہ کا مالک نہیں رہ گیا شوہر وہ تو کسی کا نائب بن کر طلاق نہیں دے رہا بلکہ وہ خود طلاق واقع کرنے والا ہے۔

۴..... طلاق واقع نہ ہونے کی اس رائے کے لیے قرآن کریم میں بھی ترجیحات ہیں ان میں سے فرمان باری تعالیٰ ہے:

قطلقوهن لعدتهن..... الطلاق ۶۵/۱

جب عورت کو حالت حیض یا جماع والے طہر میں طلاق ہوتی تو اسے اس عدت میں طلاق نہ ہوتی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے عورت کو طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے۔اور اصل میں یہ چیز موجود ہے کہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کی ضد سے منع کیا جاتا ہے فرمان باری تعالیٰ الطلاق مرتان (البقرۃ ۲/ ۲۲۹) اور اس سے مراد اجازت شدہ طلاق ہے لہٰذا غیر اجازت شدہ طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس ترکیب میں حصر کا فائدہ ہے کہ مسند الیہ کو مرتان الف جنسی کے ساتھ لایا گیا ہے نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فامساك بمعروف او تسريح باحسان

اور اس تسریح سے بری کوئی چیز نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے میں کہتا ہوں یہ ارشاد قرآنیہ افضل کی طرف مشیر ہیں اور ان میں طلاق واقع نہ ہونے پر کوئی دلالت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے طلاق واقع ہوتی ہے میرے مطابق جمہور کی رائے ارجح ہے کیونکہ فریق ثانی کے دلائل ضعیف ہیں اور جمہور کا اتفاق ہے کہ حالت حیض یا جماع والے طہر میں طلاق دینے والے شوہر کو رجوع کا حکم دیا جائے اور پھر رجوع مالکیہ کے ہاں واجب ہے اور حنفیہ کے ہاں بھی اصح یہی ہے اور مالکیہ کے ہاں اگر شوہر رجوع سے گریز کرے تو حاکم اس کو جبراً رجوع کروائے گرفتار کرے قید رکھے اور مارے رجوع کرنے تک اگر وہ رجوع نہ کرے تو حاکم اس سے رجوع کروائے اور حنفیہ کے ہاں حاکم کو رجوع کروانا درست نہیں بلکہ حاکم صرف شوہر کو سزا دے سکتا ہے اگر وہ رجوع نہ کرے باوجود سزا کے کیونکہ ہر گناہ جس کے لیے حد اور کفارہ نہیں ان میں تعزیز واجب ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں رجوع مستحب ہے واجب نہیں اس لیے کہ شوہر رجوع کے ذریعہ طلاق کے معنی کو زائل کرتا ہے اور

❶.....نیل الاوطار: ۶/ ۲۲۶۔ المحلی: ۱۰/ ۱۹۷۔ ❷رواہ مسلم واحمد عن عائشه وهوا لصحیح شامل لکل اوالة: مخالفة علیه امر رسول الله صلی الله علیه وسلم.

طلاق تو رجوع سے نہیں ختم ہوتی لہٰذا رجوع واجب نہیں۔

تیسری قید کہ طلاق متفرق دے ایک سے زیادہ نہ دے..... فقہاء کا اتفاق ہے ❶ کہ طلاق سنت جو مشروع ہے وہ ہے جو ترتیب کے ساتھ ایک ایک کر کے واقع کی جائے نہ کہ ایک ہی دفعہ تین طلاقیں فرمان باری تعالیٰ ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (البقرة: ۲/۲۲۹) یعنی مباح طلاق وہ ہے جو ایک کے بعد ایک ہو جب کسی شخص نے ایک ہی کلمہ میں تین طلاقوں کو جمع کر دیا یا ایک طہر میں مختلف الفاظ سے تو یہ طلاق بدعی ہے اور ممنوع ہے حنفیہ مالکیہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ہاں اور شوافع وحنابلہ کے ہاں حرام یا مکروہ نہیں اور ابوثور اور داؤد ظاہری کے ہاں بھی یہی حکم ہے البتہ یہ شخص اختیار افضلیت کو ترک کرنے والا ہے پہلی رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں ایک صحابی کھڑے ہوئے عرض کی اے اللہ کے رسول کیا میں اسے قتل نہ کر دوں ❷ نیز اس کی تائید سابقہ اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جمہور فقہاء کے ہاں طلاق میں اصل حظر ہے البتہ حاجت وضرورت کے موقع پر اسے مباح قرار دیا گیا ہے طبیعتوں کے مختلف، اخلاق کے جدا ہونے وغیرہ کی وجہ سے اور ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے اور ندامت کی وجہ سے بیوی سے دوبارہ رجوع ممکن ہوتا ہے۔ اور غالب بھی یہی ہے۔

اس قید کی مخالفت کا اثر..... جب آدمی اپنی بیوی کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور قاضی جو مناسب سمجھے اسے سزا دے لیکن ائمہ اربعہ کے ہاں طلاقیں تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کے سلسلہ میں فقہاء کے اقوال..... تین طلاقیں ایک کلمہ کے ساتھ بیک وقت دینے کے سلسلہ میں فقہاء کی تین رائے ہیں۔ ❸

پہلی رائے..... جمہور کا قول ہے ان میں ائمہ اربعہ اور اصحاب ظواہر ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں اور یہی رائے اکثر صحابہ سے منقول ہے ان میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور عبادلہ اربعہ ابن عمر، ابن عمرو ابن عمر و ابن عباس، ابن عباس اور ابن مسعود اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور اکثر تابعین کی بھی یہی رائے ہے لیکن ایک سے زیادہ طلاقیں دینا سنت نہیں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں کیونکہ سنت طلاق یہ ہے کہ ایک طلاق دے اور چھوڑے یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔

دوسری رائے..... شیعہ امامیہ کی ہے کہ اس سے کچھ واقع نہیں ہوتا۔

تیسری رائے..... زیدیہ بعض ظاہریہ ابن اسحاق ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور لفظ کی اس میں کوئی تاثیر نہیں۔ مصر اور شام کے قانون میں اس رائے کو لیا گیا ہے اور شام کے قانون کی تصریح یہ ہے (م ۹۱) شوہر بیوی کو تین طلاقیں دینے کا مالک ہے (م ۹۲) جو طلاق عدد کے ساتھ ہو یا اس میں اشارہ ہو تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ ریاض کے افتاء کی مجلس نے اس قول کو اختیار نہیں کیا بلکہ تین طلاقیں واقع ہونے والے قول کو لیا ہے۔ ❹

ان اقوال کے دلائل..... امامیہ کے دلائل جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان الفاظ سے کچھ بھی واقع نہیں ہوتا وہ انہیں دلائل سے

---

❶ ..... فتح القدير ٣/ ٣٥ بداية المجتهد ٢/ ٦٠ المهذب ٢/ ٧٨ مغني المحتاج ٣/ ٣١١ المغني ٧/ ١٠٤۔ ❷ قال ابن كثير اسناده جيد وقال الحافظ ابن حجر في بلوغ المرام رواته موثوقون (نيل الاوطار ٦/ ٢٢٧) ❸ المراجع السابقة المختصر النافع ص ٢٢٢ المحلى ١٠/ ٢٠٤ مسألة ١٩٤٩ اعلام الموقعين ٣/ ٥٢١ ❹ مجلة البحوث الاسلامية المجلد الاول العدد الثالثة ١٣٩٧ھ ص ١٦٥ مابعدها۔

استدلال کرتے ہیں جو حیض کی حالت میں طلاق دینے کے متعلق ہیں کیونکہ دونوں ممنوع ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فامساك بمعروف او تسريح باحسان

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ تین طلاقیں اس حالت ہی میں دینا درست ہیں جب شوہر کے لیے اسے روکنا صحیح ہو۔ اور جب روکنا رجوع کے بغیر درست نہیں تو تیسری اس کے بغیر درست نہ ہوگی جب تیسری میں یہ لازم ہے تو دوسری میں بھی یہی لازم ہوگا۔ زیدیہ ابن تیمیہ اور ابن القیم جو ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

الطلاق مرتان ۔۔۔ البقرہ: ۲/۲۲۹

یہاں تک جو تیسری طلاق کے متعلق **فان طلقها فلا تحل من بعد حتّٰى تنكح زوجا غيره** (البقرہ: ۲/۲۳۰) یعنی طلاق مشروع ہے متفرق طور پر ایک کے بعد ایک کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرتان فرمایا ہے نہ کہ طلقتان۔ اور بیک وقت ہی تمام طلاقیں دینا مشروع نہیں پس جب تین طلاق کو ایک لفظ کے ساتھ جمع کر دے تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی لہٰذا تین کے لفظ سے طلاق شدہ ایک لفظ سے طلاق شدہ ہے نہ کہ تین سے۔ ان پر اشکال کیا گیا ہے کہ اس آیت میں تو مشروع اور مباح طلاق کا حکم ہے اور اس میں اس بات پہ کوئی دلالت نہیں کہ جب متفرق طلاق نہ دی جائے تو وہ واقع ہوگی یا نہ پس اب سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور سنت سے واضح ہوتا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور سنت میں جو آیا ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول اگر میں تین طلاقیں دے دیتا کیا میرے لیے حلال تھا میں اس سے رجوع کرتا فرمایا نہیں وہ تم سے بائنہ ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔ ❶

۲۔۔۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں طلاق ثلاث ایک تھی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی کرنے لگ گئے ہیں جس میں ان کے لیے نرمی تھی اگر ہم انہیں اسی حالت پر چھوڑیں تو وہ بھی اسی پر رہیں گے ❷ اس میں واضح دلالت ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں اور وہ منسوخ بھی نہیں ہوا لہٰذا انہیں مصلحت اور شرعی سیاست کی بنیاد پر عمر رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا: اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب لفظ طلاق تین دفعہ مکرر لائے اور کہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تو اس صورت میں اگر تاکید کا ارادہ کرے تو ایک ہی لازم ہوتی ہے اور تین واقع ہوں گی اگر تکرار سے تین واقع کرنے کا ارادہ ہو پس لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سچائی سلامتی اور عمدہ اور افضل کے اختیار کرنے والے تھے نہ تو ان میں کمینہ پن تھا نہ ہی دھوکہ دہی اور تاکید کے ارادہ میں سچ فرماتے تھے جب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایسے امور دیکھے جو ظاہر ہوئے تھے اور حالات تبدیل ہو چکے تھے اور ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے کا رواج ہو چکا تھا کہ جن میں کوئی تاویل کارگر نہ تھی تو آپ نے تین لازم قرار دے دیں تکرار کی صورت میں جب غالب ارادہ تین ہی کا ہوتا تھا اور اس کی طرف آپ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا کہ لوگ ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے نرمی تھی۔ پھر یہ حکم تو قضاء ہے اور دیانت کے اعتبار سے ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے اعتبار سے معاملہ کیا جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گذرے زمانے کے ساتھ کوئی مخالفت نہیں کیونکہ انہوں نے رجوع فرمایا عرف اور لوگوں کے حالات کے تبدیل ہونے پر حکم کے تبدیل ہونے کے لیے۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس حدیث میں بہت سے اشکال ہیں۔

---

❶ رواه الدارقطني عن الحسن عن ابن عمر لكن في اسناده ضعف (نيل الاوطار ۶/۲۲۷-۲۲۸) ❷ رواه احمد ومسلم عن طاوس عن ابن عباسؓ (نيل الاوطار ۶/۲۳۰)

۳۔حدیث ہے ابن عباس عن رکانۃ.......کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں تو اس پر انہیں بہت پریشانی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کس طرح طلاق دی ہے تو انہوں نے عرض کی ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک ہی ہے اپنی بیوی سے رجوع کرلو۔ ❶

اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے لیکن اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس سند سے اس طرح کے احکام میں استدلال کیا گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوی کے مخالف ہے وہ تو تین طلاق ہی کا فتوی دیا کرتے تھے لیکن اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ روایت معتبر ہے نہ کہ فتویٰ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوداؤد نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی جیسا کہ پہلے گذرا اور ممکن ہے راوی نے بتہ کو تین پر محمول کیا ہو اور اس میں ظاہر کی مخالفت ہے اور حدیث نص ہے نزاع کے وقت۔

جمہور کے دلائل تین واقع ہونے پر.......ائمہ اربعہ اور ان کی موافقت کرنے والوں نے تین طلاقیں واقع ہونے پر قرآن سنت اجماع اور قیاس سے استدلال کیا ہے ❶ قرآن سے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ.......البقرہ:۲/۲۲۹

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی واقع ہوسکتی ہیں باوجودیکہ ممنوع ہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (البقرۃ:۲/۲۲۹) متفرق طلاقیں دینے کی حکمت پر تنبیہ ہے تاکہ رجوع ممکن ہو لیکن جب آدمی حکمت کی مخالفت کرے اور دو اکٹھی دے دے تو ان کا واقع ہونا صحیح ہے کیونکہ ان میں کوئی تفریق نہیں پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.......البقرہ:۲/۲۳۰

یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دو کے بعد تیسری سے وہ حرام ہوجائے گی لیکن اس میں ایک طہر یا کئی طہروں میں واقع کرنے کے بارے میں کوئی فرق نہیں قرآن کریم سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ.....الطلاق ۶۵/۱

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ.....الطلاق:۶۵/۱

طلاق مشروع وہی ہے جس کے بعد عدت ہو اور عدت میں تین واقع کرنے کی صورت میں یہ منتفی ہے اور اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ عدت کے بغیر بھی طلاق واقع کی جاسکتی ہے اس لیے کہ اگر واقع نہ ہوتی ہو تو پھر غیر عدت میں طلاق واقع کرنے سے وہ ظالم نہیں ہونا چاہیے حالانکہ وہ ظالم ہے اور جو شخص عدت میں طلاق نہ دے مثلاً تین طلاقیں دے دے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوگا نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ.....البقرہ ۲/۲۴۱

اور ان کے علاوہ طلاق کی آیات بھی ہیں یہ آیات ظاہری اور واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک دو یا تین طلاقیں واقع کرنے میں کوئی فرق نہیں۔اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ عمومی آیات ہیں ان کی تخصیص کی گئی ہے اور ان مطلق کی تقید ہے ان دلائل سے جو ایک سے زیادہ واقع کرنے سے منع پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔سنت.......میں سے ایک تو سہل بن سعد کی روایت ہے صحیحین میں عویمر عجلانی کے لعان کے قصہ میں کہ جب فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے اگر میں اسے روک سکتا۔

---

❶.....اخرجه احمد وابويعلى وصححه (نيل الاوطار ۶/۲۳۲)

اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں اور اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار مروی نہیں۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آپ نے اس لیے انکار ونکیر نہیں فرمائی کہ اب وہ محل ہی نہ رہی تھی۔

اور ایک روایت محمود بن لبید کی ہے نسائی میں اور اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے علاوہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے غصہ ہوتے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک لفظ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تین ہی ہوتی ہیں اگرچہ وہ گناہ گار ضرور ہوا ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لیے کہ محمود بن لبید کا سماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اگرچہ اس کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی ہے لیکن یہ جواب درست نہیں کیونکہ صحابی کی مرسل روایت مقبول ہے اور ایک روایت رکانہ بن عبد یزید کی بھی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو البتہ طلاق دی اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی اور انہوں نے عرض کی بخدا میں نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا تم نے ایک کی نیت کی تھی تو رکانہ نے عرض کی بخدا میں نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا❶ یہ تمام دلائل سے زیادہ صریح اور واضح دلیل ہے اس بات پر کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں حضرت رکانہ کے قول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلف لینے کی وجہ سے اور آپ نے البتہ کے لفظ سے صرف ایک مراد ہے یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر آپ تین کا ارادہ کرتے تو وہ واقع ہو جاتیں اس میں بھی مناقشہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث کے جمیع طرق کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ منذری نے ذکر کیا اسی طرح امام بخاری نے بھی اس کی تضعیف کی ہے اور یہ کہ رکانہ طلاق بتہ دی تھی نہ کہ تین۔

اور ایک روایت وہ ہے جسے عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں عبادۃ بن صامت کی روایت سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میرے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کے سامنے تذکرہ کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے دادا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے تین تو واقع ہو گئیں اور نو سو ستانویں عدوان اور ظلم ہے۔ اگر اللہ چاہیں تو اسے عذاب دیں اور چاہیں تو معاف فرما دیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس کا راوی ضعیف ہے نیز عبادہ بن صامتؓ کے والد نے اسلام نہیں پایا ان کے دادا کیسے اسلام میں پہنچ گئے۔

۳۔ اجماع..... سلف کا اجماع ہے ایک لفظ سے تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہونے پر اور اس پر اجماع نقل کرنے والوں میں سے ابو بکر رازی علامہ باجی ابن العربی اور ابن رجب حنبلی سرفہرست ہیں: اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ اجماع ثابت نہیں ابوداؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ تین کو ایک قرار دیتے تھے اور یہ کہ طاوس اور عطار فرماتے ہیں اگر دخول سے پہلے کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک شمار ہوتی ہے۔

۴..... آثار بہت سارے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ وہ تین کو تین ہی شمار کرتے اور واقع کرتے تھے ان میں سے ایک اثر وہ ہے جسے ابوداؤد نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ میں ابن عباس کے پاس تھا ایک آدمی آیا کہنے لگا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں ابن عباسؓ خاموش ہو گئے میں نے گمان کیا آپ اسے بیوی سے رجوع کا کہیں گے۔

پھر فرمانے لگے تم لوگ حماقت پر سوار ہوتے ہو وہ کہنے لگا اے ابن عباسؓ! اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ..... الطلاق: ۶۵/ ۲

جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرے تو اللہ اس کے لیے راستہ نکال لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا تم نے تو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار نہیں کیا میں تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تجھ سے تیری بیوی جدا ہو گئی۔

❶ ..... رواه الشافعي وابوداؤد والترمذي وابن حبان والحاكم.

ایک اثر یہ ہے امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی ابن مسعود کے پاس آیا۔ کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں تو انہوں نے پوچھا تجھے کیا کہا گیا تھا کہنے لگا مجھے کہا ہے کہ بیوی بائنہ ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا جو وہ کہتے ہیں ایسا ہی ہے۔ ایک اثر یہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں تخریج کی ہے کہ ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو آپ نے فرمایا تین نے تو اسے تجھ پر حرام کر دیا اور ستانوے ظلم ہے۔ اسی طرح روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں تو آپ نے فرمایا تین سے وہ تجھ سے بائن ہوگئی اس طرح کے کئی واقعات باقی صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کے ادوار میں بھی ثابت ہیں۔

۵.....قیاس ابن قدامہ نے کہا: ❶ نکاح چونکہ ایک ملکیت ہے اسے متفرق طور پر زائل کرنا درست ہے اور اکٹھے زائل کرنا بھی درست ہے جیسے ساری املاک میں ہوتا ہے ابن قیم نے مناقشہ کیا ہے کہ طلاق دینے والا جب متفرق کو جمع کرتا ہے تو وہ اللہ کی حدود سے تعدی کر رہا ہے۔ قرطبی نے فرمایا: ❷ جمہور کی دلیل لزوم کے اعتبار سے ظاہر ہے وہ یہ کہ تین طلاق حلال طلاق دینے والے پر اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور لغوی اور شرعی اعتبار سے اجتماعی اور متفرق میں کوئی فرق نہیں اور ان سے مناقشہ کیا گیا ہے کہ جو شخص کہے میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں تین مرتبہ تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوتی ہے لہٰذا طلاق دینے والا بھی اس کے مثل ہونا چاہے اس پر رد کیا گیا کہ صیغے مختلف ہیں اس لیے کہ طلاق کی تعداد تین اور حلف میں کوئی تعداد نہیں۔

میرے ہاں بھی جمہور کی رائے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں ہاں اگر کوئی حاکم کسی ضعیف رائے کو ترجیح دے دے تو وہی قوی حکم ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی قانون بن جائے جیسا کہ بعض عربی ممالک میں اسے ایک طلاق قرار دیا گیا ہے تو اس پر اعتماد سے کوئی چیز مانع نہیں اور افتاء سے بھی لوگوں پر آسانی کرتے ہوئے اور زوجیت کے تعلق کو بچاتے ہوئے اور اولاد کی مصلحت کی حمایت کے لیے خاص کر جس وقت میں ہم چل رہے ہیں اس میں احتیاط اور ورع کم ہے اور لوگ اس صیغہ کو عام طور پر استعمال کر رہے ہیں اور غالباً اس سے ان کا مقصد تہدید اور زجر ہوتا ہوگا اور وہ جانتے ہیں کہ فقہ میں ہر چیز کامل موجود ہے اور بیوی سے رجوع بھی۔ ❸

چوتھی بحث: طلاق کا وکیل بنانا یا اسے عورت کے سپرد کرنا...... یہ بحث طلاق کی دونوں قسموں صریح اور کنایہ کو شامل ہے اس لیے کہ طلاق کو بیوی یا کسی اور کے سپرد کرنا یا تو صریح ہوگا مثلاً مرد کہے طلقی نفسك کہ اپنے آپ کو طلاق دے دو یا کنایہ ہوگا مثلاً اپنے آپ کو اختیار کر لو یا تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے ❹ آدمی جس طرح خود طلاق دینے کا مجاز ہے اسی طرح وہ اس کا وکیل اور نائب بنانے کا بھی مجاز ہے اور عورت کو طلاق کا اختیار دینا بالاجماع جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ رہنے اور جدا ہونے کا اختیار دیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

الاحزاب: ۳۳/ ۲۸

اگر ان کے اختیار کرنے کا تفریق پر کوئی اثر نہ ہوتا تو ان کو اختیار دینے کا کوئی معنی نہیں۔

مذاہب میں طلاق کی نیابت...... فقہاء مذاہب کی شوہر کے کسی غیر کو طلاق کا نائب بنانے میں درج ذیل اصطلاحات ہیں۔

---

❶......المغنی: ۷/ ۱۰۵ ❷ فتح الباری: ۹/ ۳۶۵۔ ❸ یہ ساری باتیں حضرت کی اپنی رائے سے تعلق رکھتی ہیں جب وہ بندہ خود اس رشتہ کو باہوش وحواس بچانا نہیں چاہتا تو کیا اسے مزید سہارا دیا جائے جبکہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ تین ہی ہوتی ہیں تو اب ان کے ہاں تو یہ حرام میں مبتلا ہونے والا ہے اور مزید جری ہوگا لہٰذا یہ رائے قابل اعتماد نہیں ہم مقلد ہیں ہمیں اپنے ائمہ ہی کی آراء کو لینا ہوگا نہ تو بہت سارے مسائل میں احتیاط نہیں جیسے سود کیا اس کی اجازت دی جائے۔ ❹ الدر المختار ورد المحتار: ۲/ ۶۵۳ البدائع: ۳/ ۱۱۳، ۱۱۸۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔

حنیفہ کا مذہب...... شوہر کی اجازت سے کسی دوسرے کا طلاق دینا یا تو تفویض ہے یا وکالت یا قاصد۔

وکیل...... شوہر کا بیوی کے علاوہ کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل ونائب بنانا مثلاً کہے میں تجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بناتا ہوں جب وکیل نے وکالت کو قبول کرلیا پھر اس کی بیوی سے کہا تجھے طلاق تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

تفویض واختیار...... طلاق کے معاملہ کو بیوی کے اختیار میں دینا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے یا طلاق کو کسی اجنبی کی مشیت پر معلق کرنا بایں طور کہے کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے۔ قاصد بھیجنے والے کے کلام کو نقل کرنا بایں طور کہ شوہر کسی کو کہے فلاں عورت کے پاس جاؤ اور اسے کہو تمہارا شوہر کہتا ہے تم اپنے آپ کو اختیار کرلو یا شوہر اپنی بیوی کی طلاق کسی آدمی کے ذریعے بھیجے اور قاصد اس کے پاس جائے اور پیغام پہنچائے تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور قاصد صرف سفیر تعبیر کرنے والا اور مرسل کے کلام کا ناقل ہے اور بس تفویض واختیار کے الفاظ تین ہیں امر بید تخیر مشیت ان میں سے ہر ایک لفظ عورت کو طلاق کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور اسے اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے نفس کو اختیار کرے یا شوہر کو اختیار کرے۔

امر بالید...... یہ کہ شوہر بیوی سے کہے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو طلاق کے بارے میں معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا کیونکہ شوہر نے طلاق کا معاملہ اس کے اختیار میں دے دیا ہے اور وہ اس کا اہل بھی ہے اور محل بھی اس کے قابل ہے پس معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ شوہر کا طلاق کی نیت کرنا کیونکہ یہ کنایات طلاق میں سے ہے لہٰذا نیت طلاق کے بغیر درست نہیں دوسری یہ کہ عورت کو علم ہو کہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے لہٰذا جب تک وہ اس بارے میں سن نہ لے یا اسے خبر نہ پہنچے تو معاملہ اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا اس لیے کہ اس اختیار کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے لیے طلاق اور رشتہ ازواج باقی رکھنے کا اختیار ثابت ہو۔

تخییر...... شوہر اپنی بیوی سے کہے اختاری اپنے آپ کو اختیار کرلو۔ یہ تخییر صرف دو چیزوں میں امر بالید سے مختلف ہے ایک یہ کہ امر بالید میں اگر شوہر تین طلاقوں کی نیت کرلے تو یہ درست ہے اور تخییر میں اگر کرے تو درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ تخییر کی صورت میں کسی ایک جانب سے نفس کا ذکر ضروری ہے چاہے شوہر کے کلام میں ہو یا عورت کے کلام میں بایں طور شوہر عورت سے کہے اپنے نفس کو اختیار کرلو جواب میں عورت کہے میں نے اختیار کرلیا یا شوہر بیوی سے کہے اختیار کرلو اور عورت جواب میں کہے میں نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا یا طلاق کا ذکر ہو عورت یا مرد کے کلام میں بایں طور کہے اختیار کرلو اور عورت کہے میں نے طلاق کو اختیار کرلیا یا ایسے الفاظ ذکر کرے جو طلاق پر دلالت کرتے ہیں اور وہ شوہر کی طرف سے تخییر کے الفاظ کا تکرار ہے بایں طور کہے: اختاری اختاری یا اختیار مصدر کا ذکر ہو شوہر یا بیوی کے کلام میں شوہر کے اختیار کرلو اختیار کرنا اور عورت کہے میں نے اختیا کرلیا۔

مشیت...... یہ کہ آدمی کہے اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے یہ بھی ''اختاری'' کی طرح ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک طلاق کی تملیک ہے اور یہ کہ یہاں طلاق رجعی ہوتی ہے اور اختاری میں بائن اس لیے کہ یہاں تفویض صریح کی ہے اور اختاری میں کنایۃ ہے۔ رہ گیا طلاق نفس کے الفاظ تو یہ حنیفہ کے ہاں تملیک ہیں چاہے مشیت وارادہ کے ساتھ مقید کرے یا نہ اور اس کا اثر مجلس تک مقصور رہے گا جیسے اگر تو چاہے، تو تجھے طلاق کا ہے۔

مالکیہ کا مذہب: ❶ یہ ہے کہ تفویض اور نائب بنانا طلاق کے سلسلہ میں تین قسم پر ہے توکیل تخییر اور تملیک، توکیل یہ کہ شوہر انشاء طلاق کا حق غیر کو دے چاہے وہ بیوی ہو یا کوئی اور طلاق واقع کرنے سے روکنے کا حق باقی رکھتے ہوئے جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنائے تو

---

❶ ...... القوانین الفقهية ص: ٢٣٣ الشرح الصغير: ٢/٥٩٣، ٦٠٣ المقدمات المهدات ١/ ٥٨٧۔

سے اختیار ہے کہ وہ جس کی وکیل بنائی گئی ہے وہ کر گزرے۔ چاہے ایک طلاق یا زیادہ طلاقیں دے دے اور شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اسے اس وکالت سے معزول کردے جب تک کہ موکل وہ کام کر نہ گزرے الّا یہ کہ وکالت کے ساتھ عورت کا حق متعلق ہو اور یہ توکیل تملیک اور تخییر کے برخلاف ہے ان میں معزول کرنے کا اختیار نہیں اس لیے کہ ان میں جس چیز کا وہ مالک تھا اس نے اس کا کسی اور کو مالک بنا دیا اور وکالت میں صرف نائب بنانا ہے۔ تملیک یہ کو شوہر عورت کو اپنے نفس کا مالک بنا دے بایں طور کہے میں تیرا معاملہ یا تیری طلاق تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ اور اسے اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ اس سے اسے معزول کردے اور عورت کو اختیار ہے کہ اس کے اختیار میں ایک یا زیادہ طلاقیں ہیں وہ اپنے کو دے دے اور عورت کا قبول تملیک بالقول یا بالفعل سے ظاہر ہوگا قولاً تو یہ کہ وہ الفاظ کے ساتھ طلاق واقع کرے اور فعلاً یہ کہ وہ ایسا کام کرے جو جدائی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً اپنے اثاثہ جات وغیرہ منتقل کرنا۔

تملیک اور تخییر مجلس کے ساتھ مقید نہیں اور ان میں شوہر بیوی کو روک نہیں سکتا۔ تخییر یہ کہ عوت کو یہ اختیار دیا جائے کہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا جدائی اور فرق بایں طور کہے مجھ سے تمہیں اختیار ہے۔ یا تم اپنے نفس کو اختیار کرلو تو عورت کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس کو پسند کرے اختیار کرے اگر اس نے فراق اختیار کیا تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر عورت ایک یا دو طلاقیں اختیار کرلے تو وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ الّا یہ کہ شوہر اسے ایک یا دو طلاقوں کا اختیار دے اور وہ انہیں واقع کرلے لیکن شوہر کو معزول کرنے کا اختیار نہیں اور ان تینوں قسم کی تفویض کا اختیار بیوی کی علاوہ بھی کسی کو ان شرائط پر دینا جائز ہے جبکہ وہ اس شہر میں حاضر ہو یا ایک دو دن کی مسافت پر ہو ورنہ تفویض زوجہ کی طرف منتقل ہو جائے گی اگر شوہر نے ایک سے زیادہ کا اختیار دیا تو جب تک اکٹھے طلاق نہ دیں تو طلاق نہ ہوگی۔

تملیک اور تخییر میں فرق..... تملیک کی صورت میں عورت کو فیصلہ اور طلاق نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے سوائے اُس کے کہ شوہر انکار کردے کہ میں نے تو صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس پر اسے حلف دیا جائے گا اور تخییر میں مدخول بھا کو تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں کیونکہ اس نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے یا اس سے علیحدہ ہو جائے اگر کم کو اختیار کیا تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔ اور غیر مدخول بھا تو مملکہ ہے وہ اپنے آپ کو تین سے کم طلاقیں بھی دے سکتی ہے کیونکہ اس سے بائن ہو جائے گی۔

شوافع کا مذہب: ❶ مذہب جدید میں تفویض طلاق تملیک ہے اس کے واقع ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ فی الفور اپنے آپ کو طلاق دے دے اور جب عورت اپنے نفس کی مالک ہوگئی تو اس سے رجوع نہیں ہو سکتا اور تفویض یا تو صریح ہوگی جیسے اپنے نفس کو طلاق دے دو اور کنایۃً مثلاً اپنے نصف کو بائن کرلو، اختیار ہے اور نیت کرلو عورت کہے میں نے طلاق لے لی تو طلاق واقع ہو جائے کیونکہ طلاق کی تفویض کی گئی ہے اور اس نے دونوں حالتوں میں ایسا کرلیا اگر شوہر نے بیوی سے کہا اپنے آپ کو طلاق دے دو اور تین کی نیت کی عورت نے کہا میں نے طلاق دے دی اور نیت کی اور اسے شوہر کی نیت کا علم تھا یا اسے اس کی نیت کا اندازہ تھا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ لفظ عدد کا احتمال رکھتا ہے اگر دونوں نے کوئی نیت نہ کی تو اصح یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی کیونکہ صریح طلاق عدد میں کنایہ ہوتی ہے۔

اگر کہا کہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو اور عورت نے ایک طلاق اپنے نفس کو دی یا اس کا عکس کیا اس نے ایک کا کہا تھا اور عورت نے تین دے دیں تو طلاق میں ثلث ہوگا یعنی ایک واقع ہوگی۔

حنابلہ کی رائے: ❷ جس کی طلاق صحیح ہوگی اس کی وکالت بھی صحیح ہے اگر شوہر نے عورت کو طلاق کا وکیل بنایا تو اس کی وکالت درست ہے اور اس کی طلاق اس کے اپنے نفس کے لیے ہوگی کیونکہ اسے غیر کو طلاق دینے کا وکیل بنانا بھی درست ہے لہٰذا اپنے نفس کو طلاق دینا بھی درست ہے۔ اور وکیل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جب چاہے طلاق دے سوائے اس کے کہ موکل اگر اس کے لیے کوئی حد مقرر کردے مثلاً ایک

---

❶ ..... مغنی المحتاج: ۳/ ۲۸۵۔ ۲۸۷ المھذب ۲/ ۸۰۔ ❷ کشاف القناع ۵/ ۲۶۸ المغنی ۷/ ۲۱۲۔

دن وغیرہ کی تو پھر وہ اس حد اور وقت کے گذرنے کے بعد طلاق کا مالک نہیں ہوگا نیز وکیل ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دے ہاں اگر موکل اسے ایک سے زیادہ کی اجازت دے دے تو پھر وہ زائدہ دے سکتا ہے اگر اسے تین طلاقوں کا وکیل بنایا وکیل نے ایک طلاق دی تو وہ واقع ہوگی اور اگر اس نے ایک کا وکیل بنایا اور وکیل نے تین دے دیں تو صرف ایک واقع ہوگی کیونکہ اجازت صرف ایک کی ہے۔ اور اگر مؤکل نے وکیل کو اختیار دے دیا کہ تین میں سے جتنی چاہو دے دو تو وکیل دو اور اس سے کم کا مالک ہوگا کیونکہ لفظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ من تبعیض کے لیے ہے یہی حکم ہے اگر اس نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور اسے کہا تین میں سے جتنی چاہو اختیار کر لو تو عورت کو دو سے زیادہ اختیار کرنے کا اختیار نہیں۔ اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا اپنے کو طلاق دے دو تو اسے وکیل کی طرح طلاق کا اختیار ہے۔ اور اگر کہا اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے یا اس طرح کے شرط کے الفاظ استعمال کئے تو اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک وہ چاہے گی نہیں اور زبان سے اپنے چاہنے کو بولے گی کہ میں نے چاہا اس لیے کہ دل کی بات جب تک زبان سے تعبیر نہ کی جائے معلوم نہیں ہوتی لہٰذا حکم معلق رہے کا اگر عورت نے دل سے تو چاہا مگر بولی نہیں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہی حکم ہے جب طلاق کو کسی غیر کی مشیت پر معلق کرے پس جب زبان سے مشیت پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی چاہے فی الفور ہو یا بعد میں اور یہ شوافع کے برخلاف ہے جو کہ فی الحال مشیت کے اعلان کو شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ طلاق کی تملیک ہے لہٰذا فی الفور ہی ہوگی جیسے اختیار میں کما تقدم۔ اور حنابلہ نے ان کا رد بایں طور کیا ہے کہ یہ تو طلاق کے لیے شرط پر تعلیق ہے لہٰذا تمام تعلیقات کی طرح تراخی کے ساتھ ہوگی اور یہ کہ یہ ملک معلق کا ازالہ ہے مشیت پر لہٰذا عتق کی طرح تراخی سے ہوگا۔ اور یہ اختاری کے الفاظ سے مختلف ہے کیونکہ یہ شرط نہیں بلکہ یہ تخییر ہے لہٰذا مجلس کے ساتھ متقید ہوگی جیسا کہ خیار مجلس میں ہے۔

وکیل طلاق کا حکم..... حنفیہ نے اس بات کو کہ طلاق کا وکیل مؤکل کی رائے پر عمل کرنے کا پابند ہے اسی طرح برقرار رکھا ہے جب وہ تجاوز کرے گا تو اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا الا یہ کہ مؤکل اجازت دے دے اور وکیل کو اختیار ہے جب چاہے طلاق دے دے جبکہ موکل نے کسی زمانے کے ساتھ اسے متقید نہ کیا ہو اور مؤکل کو یہ اختیار ہے جب چاہے وکیل کو معزول کر دے لیکن طلاق کا وکیل صرف سفیر اور معبر ہے مؤکل کی طرف سے جیسے نکاح کا وکیل کہ اس سے طلاق کے حقوق سے کسی بھی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ جیسے مہر مؤخر کا دینا متعہ یا عورت کا نفقہ اس کا مطالبہ صرف شوہر سے ہوگا مالکیہ کے ہاں ❶ جب بیوی کا حق اس وکالت کے ساتھ معلق ہو گیا تو مؤکل طلاق کے وکیل کو معزول نہیں کر سکتا جیسا کہ وہ بیوی سے کہے اگر میں تمہارے اوپر نکاح کروں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے پس اب اسے معزول کرنے کا حق نہیں کیونکہ عورت کا حق وکالت کے ساتھ معلق ہے کیونکہ ضرر کا ختم کرنا وکالت کے ساتھ معلق ہے اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔

بیوی یا کسی دوسرے کو طلاق تفویض کرنے کے حکم کی صفت..... حنفیہ کے ہاں ❷ شوہر کی جانب سے تفویض لازم ہے وہ اس سے رجوع کا مالک نہیں اور نہ ہی عورت کو منع کر سکتا ہے اس اختیار کے استعمال سے اور نہ اسے فسخ کر سکتا ہے اس لیے کہ اس نے اسے طلاق کی مالکہ بنا دیا ہے اور جو کسی دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنا دے تو اس کی ولایت اس کی ملکیت سے زائل ہو جاتی ہے لہٰذا رجوع منع اور فسخ کے ذریعے وہ اسے باطل کرنے کا مالک نہیں رہتا نیز تفویض تو طلاق کو معلق کرنا ہے شوہر کی جانب سے بیوی یا کسی دوسرے کی مشیت پر اور تعلیق قسم ہے اور یمین کے صادر ہونے کے بعد ان میں رجوع ممکن نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہوا۔ رہ گئی عورت کی جانب سے تفویض تو وہ عورت کے حق میں لازم نہیں وہ صراحۃ یا دلالۃ اسے رد کرنے کی مالک ہے اس لیے کہ معاملہ عورت کے ہاتھ میں دینا اختیار ہے چاہے کہ وہ خود اسے اختیار کرے یا شوہر کو اختیار دے اور تخییر لازم کے منافی ہے۔

لیکن عورت صرف ایک مرتبہ ہی اختیار کر سکتی ہے اس لیے کہ مرد کا قول تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا الا یہ کہ اس

---

❶..... الشرح الصغیر: ۵۹۵/۲ ❷ البدائع: ۱۱۳/۳-۱۱۶ فتح القدیر: ۱۱۵/۳.

کے ساتھ ایسی چیز ملائی جائے جو تکرار کا تقاضا کرے۔ مثلاً یوں کہے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو جب چاہے لہٰذا اس صورت میں معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اسے اختیار ہوگا کہ وہ ہر مجلس میں اپنے آپ کو ایک طلاق دے دے یہاں تک کہ وہ تین کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اس لیے کہ کلما کا لفظ افعال کے تکرار کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا مشیت کے تکرار کے وقت تملیک کے تکرار کا تقاضا کرے گا الا یہ کہ وہ ہر مجلس میں صرف ایک طلاق دینے کی مالک ہوگی اس لیے کہ شوہر کا طلاق تفویض کرنا ہر مجلس میں ایک مرتبہ کے حصر کا مقتضی ہے۔

تفویض کا زمانہ عورت کی نسبت سے.....حنفیہ کے ہاں ❶ یا تو تفویض مطلق ہوگی کسی متعین زمانے کے ساتھ خاص نہ ہوگی مثلاً اختاری نفسک او طلقی نفسک یا کسی زمانے کے ساتھ مقید ہوگی مثلاً اختاری نفسک او امرک بیدک مدة شهر یا تمام زمانوں کے ساتھ تکرار ہوگا مثلاً طلقی نفسک متی شئت۔

الف: خیار مخیرّہ......اگر تفویض مطلق ہو تو طلاق کا حق یہ ہے کہ جس مجلس میں عورت کو علم ہوا اسی میں اسے طلاق کا اختیار ہوگا اور جب تک مجلس باقی ہے اختیار بھی باقی ہے اور چونکہ معاملہ کو عورت کے ہاتھ میں دینا تملیک طلاق ہے اور تملیک کا جواب بھی مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اگر مجلس تبدیل ہوگئی یا ایسی بات ظاہر ہوئی جو تفویض کے مقتضی کے خلاف ہے تو عورت کا حق ساقط ہو جائے گا شوافع اور حنابلہ حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں اس مسئلہ میں اس لیے کہ صحابہ کرام نے مخیرّہ کو اختیار دیا جب تک وہ مجلس میں باقی رہے کھڑے ہونے اور بیٹھنے سے یا گھر میں بیٹھنے یا کشتی میں چلتے چلتے سوار ہونے سے مجلس تبدیل نہیں ہوتی البتہ سواری پر سوار ہو کر چلنا مجلس کو تبدیل کر دیتا ہے اس لیے کہ سوار کشتی کو روکنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور جانور کو روکنے کی استطاعت ہے اگر جانور چل گیا تو خیار باطل ہو جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں ❷ عورت کے لیے ہمیشہ خیار ثابت ہے جب تک شوہر کو معلوم ہوا اس نے اختیار ساقط کر دیا ہے مثلاً شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے کر لیکن اگر عورت نے کوئی جواب نہ دیا تو شوہر معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تا کہ وہ عورت کو طلاق واقع کرنے یا تملیک ساقط کرنے کا حکم کرے اگر عورت انکار کرے تو قاضی اس کے اختیار کو ساقط کرے اور عورت کو مہلت نہ دے اگر چہ شوہر راضی ہی کیوں نہ ہو مہلت دینے پر کیونکہ یہ حقوق اللہ میں سے ہے اور اس میں مشکوک عصمت کو بقا مل رہی ہے۔

ب: اگر تفویض کسی معین زمانے کے ساتھ مقید ہو......مثلاً ایک دن مہینہ یا سال تو طلاق کا حق ثابت ہوگا مفوض الیہ کے لیے اس خاص وقت کی انتہاء تک اس لیے کہ اس نے اس وقت میں معاملہ عورت کے سپرد کیا ہے لہٰذا جب تک وقت باقی اختیار بھی باقی اگر عورت نے مقررہ وقت میں ایک مرتبہ ایک اختیار استعمال کر لیا تو اسے دوبارہ اختیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ لفظ وقت کے اندر تحدید کا تقاضا کرتا ہے اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اگر تفویض کو مستقبل میں کسی وقت کی طرف منسوب کیا بایں طور کیا امرك بيدك غدا اورأس شهر كذا تو جب تک وہ خاص وقت نہ آ جائے اس وقت تک عورت کو اختیار نہ ہوگا اگر تفویض کو کسی شرط پر معلق کیا بایں طور کہ جب فلاں آیا تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو اس کے آنے سے پہلے معاملہ اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا اگر وہ آ گیا تو معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا جب عورت کو معلوم ہوا اور اس مجلس میں جس میں وہ آیا ہے اس میں اس لیے کہ معلق بالشرط ایسے ہے جیسے شرط کے وقت فی الفور گویا وہ آنے کے وقت کہنے والا ہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور عورت مالک ہوگی طلاق کی اس مجلس میں جس میں اسے آنے کا علم ہوا اگر اسے آنے کا علم ہوا یہاں تک کے وہ خاص وقت ختم ہو گیا پھر اسے معلوم ہوا تو اسے اس تفویض کا کبھی بھی اختیار نہ ہوگا کیونکہ یہ مدت کے ساتھ مقید ہے اور وہ مدت ختم ہوگئی لہٰذا اس کا زمانہ گذر جانے کی وجہ سے اختیار نہیں ہوگا۔

ج: اگر تفویض تکرار کا تقاضا کرتی ہو......مثلاً یوں کہے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب بھی تو چاہے یا اپنے آپ کو جب

---

❶......المرجع السابق۔ ❷الشرح الصغير: ۲/۵۹۵ وما بعدها القوانين الفقهية ص: ۲۳۳

چاہے طلاق دے دے تو عورت کو اختیار ہے کہ جس وقت بھی چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے چاہے تخییر کی مجلس میں یا بعد میں لیکن اذا اور متی کے الفاظ سے صرف ایک مرتبہ اسے اختیار حاصل ہے جب اس نے اپنے آپ کو ایک مرتبہ طلاق دے دی تو اس کی تفویض ختم ہو جائے گی اس لیے کہ اذا اور متی تکرار کا فائدہ نہیں دیتے لیکن اگر اس نے کہا کلما تو پھر اسے اختیار ہے کہ اپنے اپ کو ایک سے زیادہ مرتبہ یعنی تین تک طلاقیں دے سکتی ہے اس لیے کہ کلما تکرار کا تقاضا کرتا ہے افعال میں تو مشیت کے تکرار کے ساتھ تفویض میں بھی تکرار ہوگا۔

الفاظ تفویض سے واقع ہونے والی طلاق کا عدد......حنیفہ کے ہاں ❶ عورت طلقی نفسک یا کلما شئت کے الفاظ کے ساتھ بیک وقت تین طلاقیں واقع کرنے کی مالک نہیں اس لیے کہ شوہر نے صریح الفاظ سے تفویض کی ہے اور کلما کا لفظ تکرار افعال کا تقاضا کرتا ہے اور وہ مشیت ہے اور تین طلاقیں بیک وقت واقع کرنے میں تکرار نہیں پایا جاتا لہٰذا کلما کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے ہاں تین طلاقیں دینے سے کچھ بھی واقع نہیں ہوگا اور صاحبین کے ہاں ایک طلاق ہوگی۔ اگر شوہر نے بیوی سے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور تین کی نیت کی اور عورت نے بھی اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں تو تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی اس لیے کہ شوہر نے مطلقاً معاملہ اس کے ہاتھ میں دیا ہے یہ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے اگر تین کی نیت کی تو گویا اس نے مطلق امر جس کا محتمل ہے اس کی نیت کی لہٰذا نیت درست ہے اور اگر دو کی نیت کی تو تمام ائمہ حنیفہ کے ہاں دو ہی طلاق ہوگی سوائے امام زفر کے۔ رہ گئی واقع شدہ طلاق کی نوعیت تو اگر طلاق کی تفویض صریح ہو تو طلاق رجعی ہوگی اور اگر کہا طلقی نفسک عورت نے کہا طلقت نفسی تو طلاق رجعی واقع ہوگی اسی طرح اگر کہا ایک طلاق کے بارے میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا ایک طلاق اختیار کرو تو اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ صریح طلاق کی تفویض کی ہے اور جو طلاق بینونت کے لیے ہو جب اس کے ساتھ صریح معدد ہے تو وہ رجعی ہوتی ہے۔ اگر تفویض لفظ اختیار کے ساتھ ہو یا امر بالید کے ساتھ ہو تو بائنہ ہوگی اگر عورت سے کہا اختاری یا امرک بیدک اور طلاق کی نیت کی تین کی نیت نہ کی اور عورت کہے میں اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا اپنے نفس کو طلاق دے دی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ عورت کا اختیار طلاق بائن ہی سے مکمل ہوگا وہ صرف بائن طلاق کی مالک ہے اور طلاق رجعی میں شوہر عورت کی رضا کے بغیر بھی رجوع کا مالک ہے۔ مالکیہ کے ہاں ❷ جیسا کہ پہلے گذرا تفویض سے واقع ہونے والی طلاق جبکہ تفویض تخییر کے لیے ہو تو تین طلاقیں ہیں۔ لیکن اگر تفویض تملیک کے لیے ہو تو واقع ہونے والی طلاق وہ تین ہیں لیکن وہ ایک اور دو کا بھی احتمال رکھتی۔ ہے فرق یہ ہے کہ تخییر کی حالت یہ تقاضا کرتی ہے کہ شوہر کو جب عورت اختیار کرلے تو بیوی پر کوئی راستہ نہیں اور یہ صورت صرف تین واقع ہونے کے ساتھ ہی متحقق ہوسکتی ہے اور تملیک کی حالت میں اسے اس کا مالک بنایا جس کا وہ خود مالک ہے تو عورت جب ایک یا دو یا تین واقع کرے تو وہ لفظ کے مقتضی پر عمل کرنے والی ہے اسی فرق کو دیکھتے ہوئے مالکیہ نے کہا اگر تفویض تخییر ہو تو شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ بیوی کی تین طلاقیں واقع کرنے پر اس سے جھگڑے اور اگر تملیک ہو تو شوہر بیوی سے جھگڑ سکتا ہے اور یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے ایک کا ارادہ کیا تھا جبکہ عورت نے تین دی ہیں اور شوہر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔

تفویض کی ابتداء......حنفیہ کے ہاں عقد نکاح کے وقت یا رشتہ ازدواج کے بعد تفویض درست ہے اور وہ تفویض جو عقد کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ ایجاب بیوی یا اس کے وکیل کی طرف سے ہو اور کہے خاوند کو میں نے تیرے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یا میں جب چاہوں اور شوہر تفویض کو قبول کرے اگر شوہر نے پہلے ایجاب کیا اور عورت سے کہا میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا تو جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے اور عورت نے اس ایجاب کو قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہے اور تفویض درست نہیں اس لیے کہ شوہر نے اس حالت میں عورت کو اپنے نفس کی طلاق کا مالک بنایا ہے عقد

❶......البدائع: ۱۱۸،۱۱۷/۳ فتح القدیر ۱۱۴/۳ اللباب: ۵۱/۳ الدر المختار: ۶۶۰/۲ ❷ الشرح الصغیر ۵۹۷/۲۔

نکاح مکمل ہونے سے پہلے اور شوہر عقد نکاح مکمل ہونے سے پہلے طلاق کا مالک نہیں اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی چیز کا مالک بنادے حالانکہ وہ خود اس کا مالک نہیں۔ اور جب عورت کے ایجاب اور مرد کے قبول سے تفویض صحیح ہوگی عقد کے وقت۔ اور یہ تفویض کی متعین زمانہ کے ساتھ مقید نہیں مثلاً عورت اس طرح کہے میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اس شرط پر کہ پھر طلاق میرے قبضہ میں ہے اور شوہر کہے میں نے قبول کیا تو عورت انشاء عقد کی مجلس میں طلاق کی مالک ہے جب مجلس عقد ختم ہوگئی تو پھر اس کے بعد عورت کو طلاق کا حق نہیں ہوگا۔

تفویض کے ساتھ مرد کو طلاق کا حق......حنفیہ کے ہاں باوجود اس کے کہ تفویض تملیک ہے تو یہ وکالت کے مشابہ ہے تو عورت کو تفویض طلاق کے باوجود شوہر کو طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہے جیسا کہ وکالت میں مؤکل کو تصرف کا حق حاصل ہے۔

تفویض اور توکیل میں فرق......حنفیہ کے ہاں اگرچہ توکیل اور تفویض میں شوہر کا طلاق واقع کرنے کا حق ختم نہیں ہوتا اس کے باوجود وہ توکیل اور تفویض میں فرق کرتے ہیں ❶ تفویض کر دینے کے بعد شوہر اس سے رجوع کا مالک نہیں رہتا جبکہ وکالت میں مؤکل رجوع کا مالک ہوتا ہے جب تک کہ وکیل نے اسے نافذ نہ کیا ہو ❷ مفوض الیہ تفویض میں اپنے اختیار اور مشیت سے عمل کرتا ہے کیونکہ شوہر نے اسے اس حق کا مالک بنایا ہوتا ہے اور وکالت میں وکیل غیر کی مشیت وارادہ پر عمل کرتا ہے اس لیے کہ توکیل میں مؤکل کا اسے مثل اور نائب شمار کیا جاتا ہے نہ کہ حق کا مالک تفویض شوہر کے مجنون ہونے سے باطل نہیں ہوتی کیونکہ یہ تعلیق کے معنی میں ہے اور وکالت شوہر کے جنون سے باطل ہو جاتی ہے کیونکہ جنون اسے اہلیت سے نکال دیتا ہے اور مؤکل یا وکیل کا اہلیت سے نکل جانا وکالت کو باطل کر دیتا ہے۔

پانچویں بحث: طلاق کی قسمیں اور ہر قسم کا حکم......طلاق مختلف اعتبارات سے مختلف قسموں کی ہوتی ہے صیغہ کے اعتبار سے اس کی تقسیم صریح اور کنایہ کی طرف ہوتی ہے جس کا بیان ہوگیا اور رجوع اور عدم رجوع کے اعتبار سے صریح اور کنایہ دونوں رجعی اور بائن کی طرف تقسیم ہوتی ہیں اور سنت کی موافقت اور مخالفت کے اعتبار سے سنی اور بدعی کی طرف تقسیم ہوتی ہے اور زمانہ کے اعتبار سے منجز اور معجل معلق اور مضاف الی المستقبل کی طرف تقسیم ہوتی ہے اور اس مطلب کے ساتھ مریض کی طلاق اور مرض الموت کا حکم بھی ملحق ہے۔

سنت اور بدعت کے اعتبار سے طلاق کی تقسیم......طلاق سنت کے ساتھ موافقت اور اس کی مخالفت یعنی بدعت کے اعتبار سے سنی اور بدعی کی طرف تقسیم ہوتی ہے سنت وہ ہے جس کی شارع نے اجازت دی ہو اور بدعت وہ ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو اور بدعت کی اصل یہ ہے کہ کسی چیز کے مکمل ہونے کے باوجود اس میں اضافہ کرنا اس تقسیم کی اصل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ......الطلاق: ۶۵/۱

ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پاک ہوں جماع نہ کیا ہو۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا اسے حکم دو کہ رجوع کرلے پھر طہر تک روکے رکھے پھر اسے حیض آئے پھر طہر پھر چاہے تو اسے طلاق دے دے لیکن جماع سے پہلے پاکی کی حالت میں۔ اس تقسیم پر فقہاء کے اتفاق کے باوجود سنی اور بدعی طلاق کی تحدید وتعیین اور بدعی کے حکم کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کے ہاں: ❸ تقسیم ثلاثی ہے یعنی طلاق کی تین قسمیں ہیں طلاق احسن طلاق حسن اور طلاق بدعی طلاق احسن: یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو ایک طلاق دے دے اور اسے چھوڑ دے حتی کہ اس کی عدت گذر جائے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین اس چیز کو پسند کرتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دیں یہاں تک کہ عدت گذر جائے۔ اور یہ ان کے ہاں افضل تھا اس سے کہ شوہر ہر

---

❶......العناية بهامش فتح القدير: ۳/۱۰۰ ❷ ردالمحتار: ۲/۶۵۳۔ ❸ البدائع: ۳/۹۱۔۹۶ الكتاب ۳/۳۷۔۴۰ فتح القدير: ۳/۲۲۔۲۷ الدر المختار ۲/۵۷۴۔۵۷۸۔

طہر میں ایک طلاق دے کر تین پوری کرے نیز اس لیے کہ اس میں ندامت بھی نہیں کیونکہ اس کا تدارک ممکن ہے اور اس میں عورت کو بھی کم تکلیف ہے۔

طلاق حسن...... وہ طلاق سنت ہے کہ جس عورت سے صحبت کر چکا ہو اسے تین طہروں میں تین طلاقیں دے دے ہر طہر میں ایک طلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے ابن عمر کی سابقہ حدیث کی وجہ سے۔

طلاق بدعی...... یہ کہ تین طلاقیں یا دو طلاقیں ایک ہی لفظ کے ساتھ دے دے یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے دے کیونکہ طلاق میں اصل ممنوعیت ہے کیونکہ طلاق کی وجہ سے رشتہ ازدواج منقطع ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دینی اور دنیاوی مصالح متعلق ہیں اور طلاق کی اباحت تو جان چھوڑانے کے لیے ہے ضرورت وحاجت کے وقت اور تین کو جمع کرنے میں کوئی حاجت نہیں یا ایک طہر میں دینے کوئی حاجت نہیں نیز حاجت وضرورت ایک دینے سے پوری ہو جاتی ہے اور مکمل چھٹکارہ تین طہروں میں متفرق دینے سے حاصل ہو جاتا ہے اور زیادتی اسراف ہے لہٰذا بدعت ہے جب ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہوگی اور بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اور شوہر گناہ گار اور نافرمان ہوگا اور یہ طلاق مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ممنوع قرار دینا دنیاوی اور دینی مصالح کا خوف ہوتا ہے طلاق کے علاوہ میں بھی مثلاً بیع بوقت اذان جمعہ صحیح ہے البتہ مکروہ ہے۔ اسی طرح غصب شدہ زمین میں نماز پڑھنا صحیح ہے لیکن مکروہ ہے اسی طرح ایک سے زیادہ طلاقیں واقع کرنا بھی مکروہ ہے اس لیے اس کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے حیض اور نفاس میں دی گئی طلاق میں عورت سے رجوع واجب ہے معصیت ختم کرنے اور سابقہ حکم کی وجہ سے کہ اسے حکم دو کہ رجوع کرلے جب پاک ہوگئی تو چاہو طلاق دے دو چاہو روکے رکھو۔

طلاق سنت یا تو وقت کے اعتبار سے ہے یا عدد کے اعتبار سے اور عدد کی اعتبار سے سنت میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں اور وقت کے اعتبار سے سنت صرف مدخول بہا کے لیے ثابت ہے اور وہ یہ کہ ایسے طہر میں اسے طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور غیر مدخول بہا کو چاہے طہر میں دے یا حیض میں دونوں برابر ہیں اور اگر عورت ایسی ہو جسے چھوٹی ہونے یا بڑی ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور شوہر طلاق سنت کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے ایک طلاق دے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو اسے دوسری طلاق دے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو تیسری طلاق دے۔

تین طلاقیں تین مہینوں میں ہو جائیں گی کیونکہ ان عورتوں کے حق میں مہینہ حیض کے قائم مقام ہے اگر اسلامی مہینے کے شروع میں طلاق دی تو مہینے کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوگا اور اگر درمیان ماہ طلاق دی تو پھر دنوں کے اعتبار سے مہینے کا حساب ہوگا جیسا کہ عدت میں مقرر ہے۔ اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اس لیے کہ اس صورت میں عدت میں اشتباہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کی عدت وضع حمل کے ساتھ یقینی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور حاملہ کے لیے بھی تین طلاقیں سنت ہیں اس عورت کی طرح جسکو حیض نہیں آتا۔ اسے بھی تین مہینوں میں ہوں گی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں دونوں طلاقوں میں ایک ماہ کا فصل کرے گا اس لیے کہ اباحت ضرورت کی وجہ سے ہے اور مہینہ ضرورت کی دلیل ہے جیسے آئسہ اور صغیرہ کے حق میں۔

سنت اور بدعت طلاق کے الفاظ...... طلاق سنت کے الفاظ وہ ہیں جن میں قولی طور پر سنت کی تصریح ہو مثلاً انت طالق للسنۃ اگر کسی آدمی نے اپنی مدخول بہا جسے حیض آتا ہو عورت سے کہا انت طالق ثلاثا او ثنتین للسنۃ تو ہر طہر میں اسے ایک طلاق واقع ہوگی اور پہلی اس طہر میں واقع ہوگی جس میں جماع نہ کیا ہو لیکن اگر عورت غیر مدخول بہا ہے یا اسے حیض نہیں آتا تو اسے فی الحال ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر غیر مدخول بہا کو طلاق بائن ہو جائے گی بغیر عدت کے اس لیے کہ یہ طلاق قبل الدخول ہے اور کوئی طلاق واقع نہ ہوگی جب تک شادی نہ کرے اور جسے حیض نہیں آتا ہے دوسری طلاق مہینہ گذرنے کے بعد واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے یہ نیت کی کہ اسے فی الحال

تین طلاقیں ہوں یا ہر مہینے کے شروع میں تو اس کی یہ نیت صحیح ہے کیونکہ کلام میں اس کا احتمال ہے اور طلاق بدعت کے الفاظ یہ ہیں کہ مرد کہے انت طالق للبدعة یا ظلم کی طلاق یا معصیت کی طلاق یا شیطان کی طلاق اگر تین کی نیت کی تو تین ہی ہوں گی اس لیے کہ اس نے اس کی نیت کی جس کا کلام متحمل ہے تو نیت درست ہے۔

مالکیہ کے ہاں ❶ طلاق سنی وہ ہے جس میں یہ چار شرائط پورے طور پر پائی جائیں وہ یہ کہ عورت حیض اور نفاس سے طلاق کے وقت پاک ہو اور یہ کہ شوہر نے اس طہر میں اس سے ہمبستری نہ کی ہو اور یہ کہ صرف ایک طلاق دے اور یہ کہ عدت کے گذرنے تک شوہر اور طلاق نہ دے اگر اور طلاق دے دی تو طلاق بدعت ہوگی۔ کیونکہ طلاق میں اصل حظر ہے پہلی دو شرطیں متفق علیہ ہیں اور تیسری شرط میں شوافع کا اختلاف ہے ان کے ہاں تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز ہے اور چوتھی میں حنفیہ کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں مدخول بھا کو تین طہروں میں تین طلاقیں دینا جائز ہے اور طلاق بدعت وہ ہے جس میں ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے یا ساری نہ پائی جائیں اور طلاق بدعی یا تو حرام ہے یا مکروہ۔ حالت حیض اور نفاس میں طلاق حرام ہے اور حیض اور نفاس کے علاوہ حالتوں میں مکروہ ہے اگر اس نے تین طلاقیں دے دیں یا ایسے طہر میں دے دی جس میں جماع کیا تھا تو حیض وغیرہ میں طلاق واقع ہو جائے گی اگر عورت حیض یا نفاس کی حالت میں طلاق کا مطالبہ کرے تو شوہر کو طلاق دینے سے روکا جائے گا۔ جس شخص نے حالت حیض میں بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس سے رجوع کرے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے دوسرا حیض آئے پھر اس سے پاک ہو جب دوسرا طہر داخل ہو تو پھر چاہے تو اسے روکے رکھے اور چاہے تو طلاق دے دے۔ اگر شوہر رجوع سے انکار کرے تو اسے اور بالاتفاق رجوع پر مجبور نہ کیا جائے گا جبکہ اس نے ایسے طہر میں طلاق دی ہو جس میں جماع کیا ہوا ہے یا حیض کے بعد اور غسل سے پہلے اور عورت اس کی تصدیق کرتی ہو۔ اور حاملہ کو حالت حیض میں طلاق دینا جائز ہے اگر اسے حیض آتا ہو کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے لہٰذا اس میں تطویل نہیں۔ اور غیر مدخول بھا کو حیض کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے کیونکہ اس کی عدت ہی نہیں۔

جیل کی دھمکی دی جائے اگر انکار کرے تو اسے جیل بھیج دیا جائے اگر پھر بھی انکار کرے تو اسے مارنے کی دھمکی دی جائے اگر پھر بھی انکار کرے تو اسے مارا جائے یہ سب کام ایک ہی مجلس میں کیے جائیں اگر پھر بھی انکار کرے تو حاکم قولی طور پر اسے رجوع کروائے۔

شوافع کی رائے ❷ طلاق یا تو سنی ہوگی یا بدعی یا نہ سنی نہ بدعی یہ تیسری قسم چھوٹی بچی کی طلاق آئیسہ اور مختلفہ اور اس کی جس کا حمل شوہر سے ظاہر ہو گیا ہو اور غیر مدخول بھا کی طلاق ان صورتوں میں نہ سنت ہے نہ بدعت کیونکہ عدت نہیں پائی جاتی۔

رہ گئی طلاق سنی وہ شرعاً مستحب ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد بیوی کو ایک طلاق دے اور اگر تین دینے کا ارادہ رکھے تو ہر طہر میں ایک طلاق آئے تا کہ خلاف سے نکل جائے لیکن اگر ایک ہی طہر میں تین طلاقیں جمع کر دے تو یہ بھی جائز ہے حرام نہیں کیونکہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کیا تو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا ہو کہ یہ لعان سے بائنہ ہوگئی ہے ❸ اگر تین طلاقیں دینا حرام ہوتیں تو آپ اسے اس سے منع کرتے کیونکہ آپ کو اور موجود حضرات کو اس کا علم تھا اور اس لیے بھی کہ فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اس کے شوہر نے انہیں طلاق البتہ دے دی ہے اور امام شافعی نے فرمایا واللہ اعلم تین طلاقیں تو ہمیں یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہو اور یہ فعل بہت سے صحابہ نے کیا اور بہت ساروں نے اس کا فتویٰ دیا۔ لیکن سنت یہ ہے کہ ایک قرء میں ایک طلاق پر اقتصار کرے اور مہینوں والی کو ایک ماہ میں تا کہ رجوع ممکن ہو یا تجدید نکاح اگر وہ نادم ہو جائے اگر اس نے ایک طلاق پر اقتصار نہ کیا تو طلاق کو ایام پر تفریق کرے اور حاملہ پر طلاق کو ایک تو

---

❶ ......القوانين الفقهية ص : ۲۲۵ الشرح الصغير ۲/ ۵۳۷، ۵۴۱ ـ ❷ المهذب ۲/ ۷۹، ۸۹ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۰۷ ـ ۳۱۲

❸ متفق عليه.

فی الحال دے دے اور دوسری نفاس کے بعد اور تیسری حیض سے پاک ہونے کے بعد اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ثلاثا یا کہا انت طالق ثلاثا للسنۃ اور تین کی تفسیر دونوں صورتوں میں قروء پر تفریق وتقسیم کی کی تو صحیح اور منصوص قول کے مطابق اس کی یہ تفسیر قبول نہیں کی جائے گی البتہ دیانۃ اس کی یہ بات معتبر ہے حاصل یہ ہے کہ تین طلاقیں حنابلہ اور شوافع کے ہاں سنت ہیں مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں بدعی اور حرام ہیں۔

رہ گئی طلاق بدعت...... تو وہ دو ہیں ایک یہ کہ مدخول بھا کو حالت حیض میں طلاق دینا بغیر حمل کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ... الطلاق ۶۵/۱

یعنی اس وقت طلاق دو جب ان کی عدت شروع ہو رہی ہو اور حیض کا زمانہ عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ اور نفاس حیض کی طرح ہے اور اس کی تائید ابن عمر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

دوسری یہ کہ اس عورت کو طلاق جسے حمل ہو اور ظاہر نہ ہوا ہو اور اس طہر میں طلاق دے جس میں اس سے جماع کیا ہوا ہو اس لیے کہ اگر اس طہر میں جماع کیا اور حمل ظاہر نہیں ہوا تو اس سے مامون نہیں کہ وہ حاملہ ہو تو اسے ندامت ہوگی بیوی کی جدائی کی بچے کے ساتھ۔

نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ اس وطی کی وجہ سے حمل ہوگا تا کہ اس کی عدت حمل کے ساتھ ہو یا حمل نہیں کہ عدت قروء کے ساتھ ہو اور مالکیہ اور حنفیہ کے برخلاف ان کے ہاں طلاق بدعت میں رجوع مسنون ہے اور پھر چاہے تو طہر کے بعد طلاق دے دے۔ اگر کسی نے حائضہ عورت سے کہا تجھے طلاق بدعت ہے تو فی الحال طلاق واقع ہوگی اور اگر اسے کہا تجھے طلاق سنت ہے تو جب حیض یا نفاس سے پاک ہوگی اس وقت طلاق واقع ہوگی تا کہ طہر میں شروع ہو اور غسل پر موقوف نہیں کیونکہ صفت اس سے پہلے بھی پائی گئی۔ اگر اسے کہا جو طہر میں ہو اور اس نے جماع نہ کیا ہو اور عورت مدخول بھا ہو کہ تجھے طلاق سنت ہے تو فی الحال طلاق واقع ہوگی کیونکہ صفت پائی جا رہی ہے۔ اگر اس طہر میں جماع کیا ہوا تھا اور حمل ظاہر نہیں ہوا تو حیض کے بعد جب پاک ہوگی اس وقت طلاق واقع ہوگی کیونکہ اب وہ عدت میں شروع ہوگئی ہے اگر کہا جو طہر میں ہو تجھے طلاق بدعت ہے تو اگر اس طہر میں جماع کیا ہوا ہے یا اس سے پہلے حیض میں جماع کیا ہوا اور حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ بدعت کی صفت پائی جا رہی ہے اگر مذکورہ طرح پر جماع نہ کیا ہوا ہو تو پھر جب اسے حیض آئے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر کہا تجھے طلاق حسنہ ہے یا احسن طلاق ہے یا اجمل طلاق ہے وغیرہ تو گویا اس نے اس طرح کہا انت طالق للسنۃ اگر حیض میں ہوئی تو طہر تک طلاق واقع نہ ہوگی یا ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو تو فی الحال طلاق واقع ہوگی اگر جماع اس میں کیا ہو تو پھر حیض کے بعد طہر میں واقع ہوگی۔ اگر طلاق کے ساتھ کوئی مذموم صفت ذکر کی جیسے تجھے قبیح طلاق ہے یا افحش طلاق ہے یا اقطع طلاق ہے یا اشر الفحش وغیرہ تو یہ اس طرح کہنے کے مرادف ہے کہ تجھے طلاق بدعت ہے۔ اگر ایسے طہر میں میں ہوئی جس میں جماع کیا ہے یا حیض میں ہوئی تو فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ ورنہ حیض کے وقت اگر اس نے طلاق سنت کی نیت کی اور زمانہ بدعت میں تو اس کی دیانۃ تصدیق کی جائے گی اور قضاء اس کی بات معتبر نہ ہوگی۔ اگر کہا تجھے تین طلاقیں ہیں اور ہر قروء میں ایک طلاق اگر وہ پاک ہوئی تو اسے ایک طلاق ہو جائے گی، اس لیے کہ باقی طہر قروء ہے اگر حائضہ ہے تو طہر تک طلاق نہیں ہوگی پھر ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر تیسری قسم میں سے ہوئی نہ سنت نہ بدعت تو اگر حاملہ ہوئی تو فی الحال اسے ایک طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ حمل قروء ہے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر حمل کے ساتھ اسے حیض بھی آتا ہو تو اسے طلاق نہ ہوگی ان طہروں میں کیونکہ وہ اقراء نہیں ہیں اگر اس نے رجوع کر لیا وضع حمل سے پہلے اور وہ نفاس میں پاک ہوگئی تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اگر حیض آیا اور پاک ہوئی تو تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ اور اگر عورت غیر مدخول بھا ہے تو اس پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ بائنہ ہو جائے گی اگر چھوٹی ہے اور مدخول بھا ہے تو اسے بھی ایک طلاق فورا ہو جائے گی اگر اس نے رجوع نہ کیا اور تین ماہ گذر گئے تو وہ بائنہ ہو

جائے گی اگر اس نے رجوع کرلیا تو رجوع کے بعد طہر میں طلاق نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ وہی طہر ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

حنابلہ نے ❶ شوافع کی موافقت کی ہے ان کی اس رائے میں کہ طلاق سنی اور بدعی اس کے الفاظ اور حکم میں اور حیض کی مطلقہ سے رجوع مستحب ہونے میں اور اسے طہر تک روکنے کے واجب ہونے پھر حیض کے بعد طہر اور اس کے بعد حیض پھر طہر تک روکنے کے مستحب ہونے میں اتفاق کیا ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث عمر میں حکم فرمایا تھا۔

طلاق کی تقسیم رجعی اور بائن...... رجوع ممکن ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے طلاق صریح اور کنایہ میں سے ہر ایک رجعی اور بائن کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

طلاق رجعی...... وہ ہے جس میں شوہر مطلقہ کو زوجیت میں بغیر عقد جدید کے لاسکتا ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہو اگر چہ راضی نہ بھی ہو۔ اور یہ رجوع طلاق اول اور ثانی جو بائن نہ ہو کے بعد اور عدت ختم ہونے سے پہلے ہوتا ہے جب عدت ختم ہوگئی تو طلاق رجعی بائن بن جاتی ہے پھر شوہر مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے کا مالک نہیں سوائے عقد جدید کے۔

طلاق بائن...... کی دو قسمیں ہیں ایک بینونت صغریٰ اور بینونت کبریٰ۔ بینونت صغریٰ: وہ طلاق ہے جس میں آدمی اپنی مطلقہ بیوی کو واپس صرف عقد جدید اور مہر جدید کے ساتھ ہی کرسکتا ہے۔ اور یہ وہ طلاق ہے جو قبل الدخول ہوئی ہو یا مال پر طلاق ہوئی ہو یا حنفیہ کے ہاں کنایا یا قاضی جو تفریق کرتا ہے نان نفقہ نہ دینے یا ایلاء کی وجہ سے ہونے والی تفریق۔

بینونت کبریٰ...... وہ طلاق جس میں شوہر مطلقہ کو اپنی زوجیت میں واپس نہیں لاسکتا سوائے اس کے کہ حلالہ شرعیہ یعنی وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس سے حقیقتاً ہمبستری کرے پھر اسے طلاق دے دے یا وہ مر جائے اور اس کی عدت بھی گذر جائے پھر وہ شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے۔ اور یہ تین طلاقوں کی بعد ہی ہوتا ہے کہ شوہر اسے واپس نہیں لاسکتا۔

طلاق رجعی اور بائن کا ضابطہ: طلاق رجعی اور طلاق بائن کے حالات کی تحدید وتعیین میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں حنفیہ کی رائے ❷ یہ طلاق رجعی ہوتی ہے سوائے قبل الدخول مال پر طلاق اور الفاظ کنایہ کے ساتھ طلاق جو شدت قوت بینونت اور حرمت کی خبر اور تین طلاقیں وغیرہ یہ سب رجعی نہیں۔ اس ضابطہ کے مطابق طلاق رجعی درج ذیل صورتوں میں ہوتی ہے۔

۱...... طلاق صریح دخول حقیقی کے بعد ایسے لفظ کے ساتھ جس میں طلاق کا مادہ یا تطلیق کا مادہ ہو جو عوض کے ساتھ نہ ہو اور نہ ہی تین طلاقیں اور نہ ہی شدت قوت بینونت وغیرہ سے موصوف ہو پس جس نے کہا تجھے طلاق یا مطلقہ یا طلقتک ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور ان سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت کرے تو اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر اس نے کہا تجھے طلاق یا تجھے طلاق ہے خاص یا انت طالق طلاقاً اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو تو ایک طلاق رجعی ہی ہوگی اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اگر کہا تجھے مذاہب اربعہ کے مطابق طلاق یا تجھے ایسی طلاق جسے نہ کوئی عالم اور نہ کوئی قاضی رد کرسکے تو اس سے بھی طلاق رجعی ہوگی۔ اور الفاظ طلاق میں سے جو عرفاً صریح کے حکم میں ہیں یہ ہیں:

علی الطلاق علی الحرام یا الطلاق یلز منی الحرام یلزمنی

تو ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی بغیر نیت کے بھی عرف کی وجہ سے۔ اسی سے میں حرام خالص وغیرہ کے الفاظ بھی صریح کی قسم کے ہیں ❷ وہ طلاق کنایہ جس میں شدت اور بینونت کے معنی نہ پائے جاتے ہوں اور دخول کی بعد دی ہو مثلاً اعتدی استبرئی رحمك انت واحدة ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جبکہ شوہر طلاق کی نیت کرے ❸ وہ طلاق جو قاضی نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے

---

❶...... المغنی: ۹۸/۷۔۱۱۳ کشاف القناع: ۲۶۹/۵، ۲۷۶۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار: ۵۹۲/۲، ۶۱۷۔۶۲۱۔۶۳۵۔ ❸ اللباب ۴۱/۳۔۴۲۔ ❹ البدائع: ۱۰۹/۳۔۱۱۲۔

واقع کرے یا وہ طلاق جو ایلاء کی وجہ سے واقع ہو پہلی رجعی ہوگی کیونکہ شوہر کی قدرت اتفاق پر متوقع ہے ہر وقت اور دوسری بھی رجعی ہے کیونکہ شوہر ازدواجی تعلق دوبارہ رکھ سکتا ہے۔

اس بارے میں دلیل یہ کہ اصل عام ہے کہ طلاق رجعی ہو اس بارے میں دو آیتیں ہیں:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ البقرۃ:۲/۲۲۹

طلاق رجعی ہے دو بار تک اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور آیت:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ البقرۃ:۲/۲۲۸

اور طلاق والی عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک ......اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا۔ ہر دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب تک عورت عدت میں ہو تو رجوع ممکن ہے الا یہ کہ کوئی دلیل استثناء پر دلالت کرے اور وہ تین طلاقیں ہیں اور طلاق قبل الدخول اور مال پر طلاق اور بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے طلاق اور ایسے لفظ سے طلاق جو شدت اور انفصال تام پر دلالت کرے۔

اور درج ذیل صورتوں میں طلاق بائن ہوگی:

پہلی صورت: بینونت صغری......دخول حقیقی سے پہلے طلاق یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق پہلی طلاق بائن ہے اس لیے کہ اس میں عدت واجب نہیں اور نہ ہی اس میں رجوع ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ ......الاحزاب ۳۳/۴۹

اے ایمان والو جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ سو ان پر تم کو حق نہیں: عدت میں بٹھانا کہ گنتی پوری کرواؤ۔ جب عدت واجب نہیں تو رجوع بھی ممکن نہیں اس لیے کہ رجوع عدت ہی میں ہو سکتا ہے۔ پس یہ طلاق بائن ہے رجعی نہیں۔ اور خلوت صحیحہ کے بعد جس میں اتصال جنسی نہ ہوا ہو تو بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے اگر چہ عدت اس میں واجب ہوتی ہے اس لیے کہ وجوب عدت احتیاط ہے ثبوت نسب کے لیے اور رجوع کے حکم میں احتیاط نہیں بلکہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رجوع صحیح نہ ہو۔

۲......وہ طلاق کنایہ جس میں شدت قوت اور بینونت پائی جاتی ہو یعنی کہ ہر وہ طلاق کنایہ جب اس میں طلاق کی نیت ہو سوائے ان تین الفاظ کے جو پہلے مذکور ہوئے (اعتدی استبرئی رحمک انت واحدہ) تو یہ ایک طلاق بائنہ ہوگی اگر چہ دو کی نیت کی ہو اس لیے کہ لفظ کی دلالت دو کے عدد پر نہیں پس ایک ثابت ہوگی جو ادنی ہے اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی، اس لیے کہ بینونت کی دو قسمیں ہوں گی مغلظہ اور وہ تین طلاقیں ہیں اور مخففہ اور وہ ایک ہے ان میں سے جس کی بھی نیت کرے تو واقع ہوگی لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اور یہ الفاظ مثلاً انت طالق صعبۃ شدیدۃ یاقویۃ طویلۃ عریضۃ اس لیے کہ طول اور عرض سے شدت اور قوت مراد ہوتی ہے۔ مثلاً انت بائن بتۃ قطعی بتلۃ قطع کرنا خلیۃ چھوڑنا بریۃ بری الذمہ ہونا حرۃ آزاد ہونا حبلک علی غاربک تیری رسی تیرے کندھے پر ہے الحق باھلک اپنے اہل سے مل جاؤ سرحتک وفارقتک تجھے چھوڑ دیا تقنعی اوڑھنی اوڑھ لو تخمری استتری پوشیدہ ہو جاؤ اعزبی والغربی شادی نہ کرو دور ہو جاؤ۔ ابتغی الازواج شوہر تلاش کرو وغیرہ الفاظ اور یہ الفاظ انت خالصۃ انت حرام علی الحرام یہ صریح طلاق میں سے ہیں عرفاً اور ان سے طلاق رجعی ہوگی۔

۳......مال پر طلاق اور یہ اس وقت ہے جب شوہر بیوی سے خلع کرے یا مال پر طلاق دے اس لیے کہ خلع عوض کے ساتھ مال پر طلاق ہے اور طلاق بائن ہے اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ عورت اس کے امر کی مالک بن جائے اور شوہر رجوع سے رک جائے اور اس کا ہدف صرف طلاق بائن سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ طلاق جو قاضی واقع کرتا ہے نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے یا ایلاء کی وجہ سے اور یا شوہر میں کسی عیب کی وجہ سے یا زوجین میں ناچاقی کی وجہ سے یا شوہر کے غائب اور لاپتہ ہونے کی وجہ سے ضرر سے اس لیے کہ بیوی کا فیصلہ کی طرف مجبور ہونا صرف ضرر رفع کرنے اور رشتہ ازواج ختم کرنے سے ہوتا ہے اور یہ مقصود صرف طلاق بائن سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری صورت بینونت کبریٰ......یہ کہ طلاقیں تین ہوں چاہے متفرق طور پر تین طلاقیں مکمل کرے بایں طور کہ ہر مرتبہ شوہر بیوی کو ایک طلاق دے یا لفظاً واشارۃً تینوں اکٹھی دے دے مثلاً انت طالق ثلاثا تجھے تین طلاقیں ہیں یا کہے تجھے طلاق اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین کا اشارے کرے چاہے ایک ہی مجلس میں یا مختلف مجالس میں بایں طور کہے تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق تو تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی اگر باقی دو سے تاکید کا ارادہ کرے تو پھر ایک ہی ہوگی۔

اور اشارہ کو عبارت کا حکم ہے اگر ایک انگلی سے اشارہ کیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی اگر دو سے کیا تو دو ہوں گی اگر تین کا اشارہ کیا تو تین ہوں گی اس لیے کہ اشارہ اس کے ساتھ متعلق ہوا۔

مالکیہ کی رائے: ❶ طلاق بائن چار مواقع میں ہوتی ہے اور وہ ایک تو غیر مدخول بھا کو طلاق دینا دوسری طلاق خلع تیسری تین طلاقیں اور چوتھی مبارات وہ ہے جس کا لوگ کسی کو مالک بناتے ہیں اور ایک بائنہ قرار دیتے ہیں بغیر خلع کے پہلی تین متفق علیہ ہیں اور رجعی جو ان مواضع کے علاوہ ہیں وہ طلاق ہے۔ شوافع کی رائے ❷ یہ مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں سوائے مباراۃ کے وہ کہتے ہیں ہر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے الّا یہ کہ میں طلاق قبل الدخول ہو یا مال پر ہو جیسے خلع یا مکمل تین ہوں یا تین کے عدد کے ساتھ ہوں۔ مذکورہ بالا وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کے ہاں کنایات شدیدہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے مثلاً انت بائن وغیرہ سے جب کوئی نیت نہ کرے، اور مالکیہ کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں کنایہ ظاہرہ سے مثلاً انت بتۃ سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور کنایہ خفیہ میں جو اس نے نیت کی وہ ہوگی مثلاً اذھبی وغیرہ میں اور مالکیہ کے ہاں ان الفاظ سے مدخول بھا کو تین ہوتی ہیں اور شوافع کے ہاں مطلقاً جو نیت کرے وہ ہوتی ہے۔

قانون کا مؤقف......مصر اور شام کے قانون میں جمہور کی رائے کو لیا ہے طلاق رجعی اور بائن کے سلسلہ میں چنانچہ دفعہ ۹۴ شام کے قانون میں درج ذیل تصریح ہے ہر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے سوائے ان کے جو تین کو مکمل کردیں اور طلاق قبل الدخول اور بدل پر طلاق اور اس قانون میں جس میں بائن کی تصریح ہے اور جس کے بائن ہونے کی اس قانون میں تصریح ہے وہ یہ ہیں قاضی کا فیصلہ عیب یا علت کی وجہ سے یا زوجین میں ناچاقی وغیرہ کی وجہ سے۔ اور یہ کہنا کہ یہ طلاق رجعی ہے یہ حنفی مذہب کے مخالف ہے کیونکہ کنایہ طلاق ان کے ہاں بائن ہے سوائے تین الفاظ کے اور شام کے قانون کی دفعہ ۹۳ میں تصریح ہے کہ کنایہ طلاق میں مدار نیت ہے کہ الفاظ صریحہ سے عرفی طور پر طلاق واقع ہوگی نیت کی ضرورت نہیں اور کنائی الفاظ سے جن میں طلاق کا احتمال ہے نیت سے طلاق ہوگی اور یہ مالکیہ اور شوافع کی رائے پر عمل ہے جو طلاق کنایہ کو نیت سے واقع کرتے ہیں نہ دلالت حال سے برخلاف حنفیہ، حنابلہ کے جو نیت قرائن اور دلالت حال سے واقع کرتے ہیں یہی مصری قانون میں معمول بہ ہے دفعہ نمبر ۴ قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۹ میں درج ذیل تصریح ہے کنایات طلاق وہ ہیں جو طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور غیر کا بھی ان سے صرف نیت سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں اور پانچویں دفعہ میں یہ تصریح ہے ہر طلاق رجعی ہے سوائے اس کے جو تین کو مکمل کردے اور طلاق قبل الدخول مال پر طلاق اور اس قانون میں جس کے بائن ہونے کی تصریح ہے وہ بائن ہے قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۹ اور

---

❶......القوانین الفقهیة ص ۲۲۶ الشرح الصغیر: ۲/ ۵۲۶، ۵۶۔ ❷مغنی المحتاج: ۳/ ۲۹۴ المغنی ۷/ ۱۲۷۔

۱۹۲۹ کے قانون میں جو بائن کی تصریح ہے وہ یہ کہ تفریق جو قاضی کرے یا زوجین کے درمیان ناچاقی ہو شوہر کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے یا اسے طویل مدت تک گرفتار رکھنے کی وجہ سے۔ اور ۱۹۲۰ کی قانون میں بائن طلاق کی تصریح یہ ہے کہ قاضی کا تفریق کرنا آدمی کے عیوب کی وجہ سے مثلاً جنون جذام مرض وغیرہ جو حنیفہ کے ہاں راجح ہیں اور عنین مجبوب اور خصی ہو وغیرہ پر قانون فقہ سے متعلق ہے لیکن مصری اور شامی دونوں قانون عدد کے ساتھ تین طلاقیں دینے میں مذاہب اربعہ کے مخالف ہیں مذاہب اربعہ میں تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں اور اس قانون میں ایک۔ مصر کے ۱۹۲۹ کے قانون میں تیسری دفعہ میں تصریح ہے اور قانون شامی میں دفعہ نمبر ۹۲ میں کہ وہ طلاق جو عدد کے ساتھ ہو لفظاً یا اشارۃ اس سے ایک ہی ہوتی ہے۔

طلاق رجعی اور بائن کا حکم...... طلاق رجعی اور بائن چند احکام میں مشترک ہیں جو یہ ہیں مطلقہ کی عدت کا نفقہ واجب ہے اور طلاق دینے والے سے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے اور دوسرا شوہر اگر مطلقہ اس سے نکاح کرے پہلی طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے۔ چاہے طلاقیں تین ہوں یا کم امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اور باقی فقہاء کے ہاں تین کو تو دوسرا شوہر ختم کر دیتا ہے لیکن کم کو ختم نہیں کر سکتا وہ عورت پہلے کے نکاح میں نئے ازدواجی تعلق کے ساتھ لوٹے گی اور وہ اس میں تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور طلاق رجعی چند احکام میں بائن سے مختلف ہے۔ ❶

طلاق رجعی کا حکم...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلاق رجعی کے کچھ آثار ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱..... طلاق کی تعداد کم ہو جاتی ہے اس طلاق کی وجہ سے شوہر جب تعدد طلاق کا مالک تھا وہ کم ہو جاتی ہیں اگر شوہر بیوی کو طلاق رجعی دے تو اس کے پاس دو طلاقیں اور باقی رہ جاتی ہیں اور اگر ایک اور دے دے تو پھر اس کے پاس ایک طلاق رہ جاتی ہے۔

۲..... عدت ختم ہونے پر ازدواجی تعلق ختم ہو جاتا ہے اگر شوہر طلاق رجعی دے دے اور عدت گذر جائے وہ رجوع نہ کرے تو عدت کے ختم ہونے پر وہ بائن ہو جاتی ہے اور اس موقع پر مہر مؤجل دینا پڑتا ہے۔

۳..... عدت میں رجوع کا ممکن ہونا طلاق دینے والا باتفاق قول سے مطلقہ بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اسی طرح حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں دوران عدت فعل سے بھی رجوع کر سکتا ہے جب عدت ختم ہوگئی تو وہ اس سے جدا ہوگئی اب وہ رجوع کا مالک نہیں رہا سوائے عورت کی اجازت کے اس کی اجازت سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

۴..... رجوع والی عورت سے مرد کی طلاق ظہار ایلاء لعان ملحق ہوتے ہیں اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے بالاتفاق اگر شوہر اس سے خلع کرے تو حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں خلع صحیح ہے کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے اس کی طلاق درست ہے لہٰذا خلع بھی درست ہے جیسا کہ طلاق سے پہلے درست ہوتا ہے اور خلع کا مقصد تحریم نہیں بلکہ شوہر کی مضرت اور تکلیف سے خلاصی پانا ہے اور اس کے نکاح سے جو سبب ہے اس کا اور نکاح باقی رہتا ہے اور رجوع سے مامون نہیں۔ اور امام شافعی کے ہاں اظہر یہ ہے کہ رجوع والی عورت سے عدت کے دوران خلع صحیح ہے کیونکہ وہ بیوی کے حکم میں ہے کئی احکام میں۔ ❷

۵..... شوافع اور مالکیہ کے ہاں عورت سے استمتاع حرام ہے جبکہ اسے طلاق رجعی دی گئی ہو وطی کرنا دیکھنا اگرچہ بغیر شہوت ہی کے کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کی جدائی بائن کی طرح ہے۔ اس لیے بھی کہ نکاح استمتاع کو مباح قرار دیتا ہے اور طلاق حرام کرتی ہے، کیونکہ یہ اس کی ضد ہے لیکن اگر شوہر نے وطی کر لی تو اس پر کوئی حد نہیں اور نہ ہی کوئی تعزیر ہے یہ میرے ہاں حق ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں طلاق رجعی میں وطی حرام نہیں لہٰذا رجعیہ سے استمتاع جائز ہے اگرچہ وطی ہی سے کیوں نہ ہو اور اس پر کوئی حد نہیں کیونکہ مباح ہے البتہ خلوت مکروہ تنزیہی ہے۔

---

❶..... الدر المختار ۲: ٦٤٥ القوانين الفقهية ٢٢٦ المغني: ٧/٢٧٩ غاية المنتهى ٣/١٨٠ شرح الصغير: ٢/٢٠٦۔ ❷المغني المحتاج: ٣/٢٩٥۔

اس حوالے سے حنفیہ کی عبارات یہ ہیں طلاق رجعی نہ تو ملکیت کو زائل کرتی ہے اور نہ ہی حلت استمتاع کو جب تک کہ عورت عدت میں ہو اور ملک کا مطلب یہ ہے کہ استمتاع حلال ہے اور تمام ازدواجی حقوق بھی اور حل سے مقصد یہ ہے کہ مطلقہ طلاق دینے والے کے لیے حلال ہے اور اس پر اسباب تحریم میں سے کسی سبب سے حرام نہیں۔

طلاق بائن کا حکم:

پہلی صورت: بینونت صغریٰ......درج ذیل صورتوں میں طلاق بائن صغری کا اثر بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے۔

۱......ملک کا زائل ہونا نہ کہ حلت کا، استمتاع مطلقاً حرام ہے اور خلوت بھی طلاق کے بعد اور عورت سے رجوع کا حق نہیں رہتا سوائے عقد جدید کے البتہ حل باقی ہے چاہے عدت میں ہو یا عدت کے بعد عقد جدید سے۔

۲......طلاق رجعی کی طرح اس سے بھی طلاق کی تعداد کم ہوتی ہے۔

۳......مہر مؤجل ادا کرنا پڑتا ہے دو اجلوں میں سے ایک پر موت یا طلاق۔

۴......زوجین میں اس کی وجہ سے وراثت جاری نہیں ہوتی جبکہ ایک دوران عدت مر جائے تو دوسرا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ طلاق بائن ہوتے ہی زوجیت کو ختم کر دیتی ہے الا یہ کہ طلاق مرض موت میں دی ہوئی ہو اور قرینہ موجود ہو کہ شوہر بیوی کو میراث سے محروم کرنا چاہتا ہے پس اس صورت میں جمہور کے ہاں سوائے شافعیہ کے اگر شوہر عدت میں مر گیا تو وہ وارث ہوگی اور مالکیہ کے ہاں عدت کے بعد بھی مرے تو وارث ہوگی یہ طلاق فرار ہے۔

۵......دوران عدت حنفیہ کے ہاں طلاق بائن کو طلاق صریح ملحق ہو سکتی ہے اور بائن بھی صریح کو لاحق ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ عدت میں ہو الا یہ کہ دوسری طلاق لفظ کنایہ سے ہو جو بینونت اولیٰ کی خبر دیتا ہے۔

دوسری قسم بینونت کبری یہ ملکیت اور حلت دونوں کو اکٹھے زائل اور ختم کرتی ہے۔

اور زوجیت کے اثرات میں سے صرف عدت اور اس کے توابع باقی رہتے ہیں اور اس کے ذریعہ مہر مؤجل فی الفور ادا کرنا پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے الا یہ کہ طلاق فرار ہو شافعیہ کے علاوہ کے ہاں اور اس طلاق کے ذریعہ بیوی شوہر پر مؤقت طور پر حرام ہو جاتی ہے اور اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس سے حقیقت میں ہمبستری بھی کر لے پھر اسے طلاق دے دے یا مر جائے اور اس کی عدت بھی گذر جائے بینونت کبریٰ صغریٰ کی طرح ہے سوائے دو چیزوں کے:

۱......یہ کہ بینونت کبری میں بالاتفاق عورت طلاق کا محمل نہیں رہتی۔

۲......یہ کہ بینونت کبری میں عورت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ پہلے شوہر کے لیے بغیر حلالے کے حلال ہو۔

شام کے قانون میں طلاق رجعی اور بائن کا حکم......دفعہ نمبر ۱۱۸ میں طلاق رجعی کے حکم اور عدت کے ختم پر اس کے بائن ہو جانے کی تصریح اس طرح ہے:

۱......طلاق رجعی سے زوجیت زائل نہیں ہوتی اور شوہر کو مطلقہ سے دوران عدت رجوع کا حق حاصل ہے چاہے قول سے کرے یا بالفعل کرے اور یہ حق ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

۲......طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے سے رجوع ختم ہو جائے گا اور عورت بائنہ ہو جائے گی۔ اور اسی قانون میں دفعہ ۱۱۹ میں طلاق بائن

کے آثار کی بھی تصریح ہے: طلاق بائن جو تین طلاقوں سے کم ہو وہ فی الحال زوجیت کو زائل کر دیتی ہے البتہ عقد نکاح کی تجدید کی جا سکتی ہے اور دفعہ ۱۲۰ میں بینونت کبریٰ کے حکم کی تصریح ہے کہ وہ طلاق جو تین طلاقوں کو مکمل کر دے فی الحال زوجیت کو ختم کر دیتی ہے اور تجدید نکاح بھی نہیں ہو سکتا جب تک دفعہ ۳۶ میں ذکر کردہ شرائط نہ پائی جائیں اور دفعہ نمبر ۳۶ کی تصریح یہ ہے:

۱..... شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کرے اِلّا یہ کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے وہ دخول حقیقی کرے پھر اس کی عدت گزرے۔

۲..... دوسرے شخص سے مطلقہ کا نکاح کرنا پہلے شوہر کی طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے اگرچہ وہ تین سے کم ہی ہوں اگر دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آئی تو وہ تین نئی طلاقوں کا مالک ہوگا۔

طلاق کی تقسیم منجز معلق اور مستقبل کی طرف مضاف..... طلاق کے صیغہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا تعلق اضافت اور عدم تعلق پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں منجز معلق اور مضاف۔ ❶

پہلی قسم: طلاق منجز یا معجّل..... وہ طلاق ہے جو فی الحال دی جائے جیسے شوہر بیوی سے کہے تجھے طلاق ہے یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھے طلاق دے دی اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فوراً واقع ہو جائے گی اور طلاق کے آثار اس پر مرتب ہوں گی صرف الفاظ ادا کرتے ہی جبکہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل بھی ہو اور بیوی محل طلاق بھی ہو۔

دوسری قسم: طلاق مضاف..... وہ طلاق جسے مستقبل میں کسی چیز کے حصول کی طرف مضاف کیا ہو جیسے شوہر کہے تجھے کل طلاق ہے یا فلاں مہینے کے شروع میں یا فلاں سال کے شروع میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس وقت کے پہلے جزو میں طلاق واقع ہو جائے گی جس کی طرف اسے مضاف کیا ہے۔ اگر عورت اس وقت محل ہو وقوع طلاق کی اور مرد طلاق واقع کرنے کا اہل ہو کیونکہ اس نے بعد کے وقت میں طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے نہ کہ فی الحال۔ پس اس کا یہ کہنا تجھے کل طلاق ہے تو کل کے پہلے جزو میں طلاق واقع ہوگی جو کہ طلوع فجر کا وقت ہے۔ اور اس کا کہنا تجھے رات کو طلاق ہے تو جب دن گزر گیا طلاق ہو جائے گی تو غروب شمس کے وقت طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ اسی سے دن کا گزرنا متحقق ہوگا اگر کہا دن کے وقت تو اسی وقت کے مثل دوسرے دن طلاق واقع ہوگی اگر بیوی سے کہا تجھے فلاں مہینے میں طلاق ہے مثلاً رمضان میں تو اس مہینے کی پہلی رات کے پہلے جزو میں طلاق ہوگی اور وہ اس مہینے سے پہلے مہینے کے آخری دن کے سورج غروب ہونے کے وقت طلاق ہوگی۔

اگر کہا تجھے گذشتہ کل طلاق ہے یا تجھے نکاح سے پہلے طلاق ہے اور اس نے فی الحال طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا تو حنفیہ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں فی الحال طلاق واقع ہوگی اور گذشتہ کل کی طرف نسبت لغو ہوگی کیونکہ ماضی میں انشاء فی الحال ہوتی ہے اور امام احمد کا ظاہری کلام یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی اگر نیت نہ ہو اور اگر اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ پہلے طلاق دے چکا یا پہلے سے طلاق پائی گئی یا نہ پائی گئی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے میرے پیدا ہونے سے پہلے یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے یا میں نے تجھے طلاق دی تھی جب میں بچہ تھا یا سویا ہوا تھا یا مجنون تھا تو یہ لغو ہے کیونکہ اس کا حاصل طلاق کا انکار ہے یہی رائے ہے حنیفہ شوافع اور حنابلہ کی کہ اگر کہا تجھے میرے مرنے سے دو ماہ یا زیادہ پہلے طلاق ہے اور وہ دو ماہ گذرنے سے پہلے مرگیا تو طلاق نہ ہوگی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ماضی میں طلاق

❶..... فتح القدير: ۲۲/۳، ۲۱، ۱۴۳ البدائع: ۱۵۷/۳ الدر المختار: ۶۰۶/۲ اللباب: ۴۶/۳ القوانين الفقهية ۲۳۱ الشرح الصغير ۵۷۶/۲ مغني المحتاج: ۳۰۲/۵۳ المهذب ۸۲/۲۔۹۶ غاية المنتهى ۱۴۷/۳ المغني: ۱۶۴/۷ كشف القناع: ۳۳۳/۵ بداية المجتهد ۷۸/۲ المحلى: ۲۶۴/۱۰ مسالة: ۱۹۷۳۔

واقع نہیں ہوتی اور اگر دو ماہ گذر گئے پھران کے بعد فوراً ہی مر گیا تو طلاق ہو جائے گی اول مدت کی طرف نسبت کرتے ہوئے نہ کے موت کے وقت اور طلاق کا فائدہ یہ ہے کہ عورت کے لیے میراث نہ ہو اس لیے کہ عدت دو ماہ میں پوری ہوگئی تین حیضوں کے ساتھ حنفیہ اور ان کی موافقت کرنے والوں کے ہاں۔ اگر کہا تجھے میری موت سے پہلے طلاق ہے اور کچھ نہ کہا تو فی الحال طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ اپنی موت سے پہلے جو طلاق کا عقد کرے اور طلاق کا محل بھی ہو تو شروع میں طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر اپنی بیوی سے کہا زید کے ایک مہینے سے پہلے آنے پر تجھے طلاق ہے اگر وہ مہینے کے بعد آیا تو طلاق واقع ہوگی یہ مہینے سے پہلے کی طرف نسبت ہوتے ہوئے شوافع اور حنابلہ کے ہاں واقع ہوگی اس لیے کہ اس کا قول عقد کے بعد طلاق واقع ہونے پر دال ہے اس لیے کہ اس نے طلاق واقع کی ہے وقت میں ایسی صفت پر کہ اس وقت میں وہ صفت حاصل ہے جیسے کہے تجھے رمضان آنے سے ایک مہینہ پہلے طلاق ہے یا تیری موت سے ایک ماہ پہلے۔ امام زفر کے علاوہ حنفیہ کے ہاں طلاق زید کے آنے پر ہوگی کیونکہ مہینہ اس نے شرط رکھا ہے وقوع طلاق کے لیے لہٰذا طلاق شرط سے پہلے نہیں ہوسکتی۔

تیسری قسم: طلاق معلق......وہ طلاق ہے جس کا حصول مستقبل میں کسی امر کے حصول پر مرتب ہو ادوات شرط کے ساتھ تعلیق مثلاً ان اذا متی لو وغیرہ الفاظ سے جیسے آدمی اپنی بیوی سے کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے یا جب تو نے اپنے شہر کی طرف سفر کیا تو تجھے طلاق ہے اگر تو میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے جب تو فلاں سے بات کرے گی تو تجھے طلاق ہے۔ اس تعلیق کو مجازاً یمین کہتے ہیں اس لیے کہ تعلیق حقیقت میں وہ شرط اور جزاء ہے پس یمین کا اس پر اطلاق مجازاً ہے کیونکہ اس میں سببیت کا معنی ہے نیز یہ حلف کے ساتھ معنی مشہور میں شریک ہے یعنی ابھارنے روکنے اور صبر کی تائید کے معنی میں پھر تعلیق یا تو لفظی ہوتی ہے اور وہ وہ ہے جس میں حروف شرط صراحتاً مذکور ہوں مثلاً ان اذا (اگر جب) یا معنوی ہوتی ہے اور وہ ہے جس میں حروف شرط صراحتاً مذکور نہ ہوں بلکہ معنوی اعتبار سے موجود ہوں جیسے شوہر کا کہنا: علی الطلاق لافعلن کذا میں فلاں کام کروں تو میرے اوپر طلاق ہے یا میں فلاں کام نہیں کروں گا، طلاق مجھے لازم ہے میں فلاں کام نہیں کروں گا۔ عرف کے اعتبار سے اس کا مقصد طلاق لازم ہونا ہے اگر محلوف علیہ حاصل ہو یا حاصل نہ ہو۔

معلق علیہ شرط کی قسمیں......وہ شرط جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے یا تو وہ امر اختیاری ہوگا جس کا کرنا یا اس سے رکنا ممکن ہوگا یا پھر وہ امر غیر اختیاری ہوگا اگر شرط اختیاری ہو اس کا ہونا یا نہ ہونا ممکن ہو پھر یا تو وہ شوہر کے افعال میں سے کوئی فعل ہوگا۔ مثلاً میں اگر فلان کے گھر گیا یا میں نے فلان سے بات کی تو میری بیوی کو طلاق یا میں نے کل فلان کا حق ادا نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق پہلی مثال میں تعلیق گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ہے اور دوسری مثال میں تعلیق دین ادا کرنے سے متعلق ہے۔

یا وہ بیوی کے افعال میں سے کوئی فعل ہوگا مثلاً اگر تو نے سفر کیا یا تو فلان کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اور اس کے فعل کہ اگر تو چاہے تو تجھے طلاق۔ اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک وہ سفر نہ کرے یا گھر میں داخل ہو یا چاہے۔ یا وہ زوجین کے علاوہ کسی اور کا فعل ہوگا مثلاً اگر تیرے بھائی نے سفر کیا تو تجھے طلاق اور اگر شرط غیر اختیاری ہو انسان کے اختیار میں نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی تعلیق کی طرح ہے اور طلوع شمس فلان کی موت یا مہینے کے داخل ہونے اور فلانہ کے بچہ جننے وغیرہ کی طرح ہے۔

تعلیق کی شرطیں......صحت تعلیق کے لیے درج ذیل شرائط ہیں یہ کہ شرط معلق علیہ کی طلاق معدوم ہو اور علی خطر الوجوہ ہو یعنی ہوسکتا ہے ہو اور ہوسکتا ہے وہ کام نہ ہو اگر وہ موجود ہو اتو طلاق منجز ہوگی مثلاً اگر تو گذشتہ کل نکلی تو تجھے طلاق ہے اور وہ نکل چکی تھی تو اسے فی الحال طلاق ہو جائے گی اور اگر معلق علیہ شرط عادت کے اعتبار سے محال ہو جیسے اڑنا اور آسمان کی طرف چڑھنا مثلاً اگر تو آسمان پر چڑھی تو تجھے طلاق، اور اسی قسم میں داخل ہے اللہ کی مشیت کی تعلیق بایں طور کہے اگر اللہ نے چاہا تو تجھے طلاق ہے تو حنفیہ کے ہاں طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ تعلیق درست نہیں اور یمین لغو ہے اور حنفیہ کی موافقت کی ہے باقی مذاہب والوں نے عادۃً محال ہونے کی تعلیق میں۔ اور اسی طرح حنفیہ کی موافقت

کی ہے مالکیہ شوافع اور ظاہر یہ نے اللہ کی مشیت کی تعلیق میں بھی اگر تعلیق کا ارادہ کرے تو طلاق نہ ہوگی اور حنابلہ کے ہاں طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ جس پر اطلاع ممکن نہ ہو وہ منجز کی طرح ہے فی الحال واقع ہوگی اور تعلیق کا حکم ساقط ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی سے کہے: انت طالق ان شاء اللّٰہ تو اسے طلاق ہوگی ابن عمرؓ اور ابو سعیدؓ نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گروہ ہیں ہم ہر چیز میں استثناء کو جائز سمجھتے ہیں سوائے طلاق کے اور عتاق کے اور شوافع نے ذکر کیا ہے اگر اس نے کہا۔

یا طالق ان شاء اللہ اصح قول کے مطابق اس سے طلاق واقع ہوگی صورت ندا کو دیکھتے ہوئے جو اس حالت میں حصول طلاق کی طرف مشعر، ہے حاصل یہ ہے کہ یہ تعلیق نہیں برخلاف انت طالق ان شاء اللہ کے کہ اس سے تعلیق کا ارادہ کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

میرے ہاں حنابلہ کے علاوہ باقی ائمہ کی رائے اصح ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جو یمین پر حلف اٹھائے اور کہے ان شاء اللہ تو اس پر حنث نہیں۔

۱..... اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے: جس نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ان شاء اللہ یا اپنے غلام سے کیا انت حر ان شاء اللہ یا کیا میرے اوپر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنا ہے ان شاء اللہ تو اس پر کچھ بھی نہیں۔ ❶

۲..... معلق علیہ اس حال میں حاصل ہو کہ عورت وقوع طلاق کا محل بھی ہو بایں طور کہ وہ بالفعل زوجیت کے محل میں ہو یا حکما یعنی عدت کے دوران ہو باتفاق الفقہاء یا حنفیہ کے ہاں بینونت کبری کی عدت میں ہو برخلاف باقی مذاہب کے اگر آدمی نے کسی اجنبی عورت کو کہا جب فلاں سے بات کرے تو تجھے طلاق اس نے اس سے بات کر لی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اسی طرح طلاق واقع نہ ہوگی اگر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا پھر فلاں سے بات کی اس لیے کہ تعلیق کے وقت وہ طلاق کا محل نہ تھی۔ اگر اس نے طلاق رجعی والی مطلقہ بیوی کو دوران عدت کہا اگر تو نے فلاں سے بات کی تو تجھے طلاق اور اس نے عدت میں بات کر لی تو تمام فقہاء کے ہاں طلاق واقع ہوگی اور حنفیہ کے ہاں طلاق بائن صغری کی عدت میں بھی ہوئی تو طلاق ہوگی البتہ باقی مذاہب کے ہاں اس صورت میں طلاق نہ ہوگی اور معلق علیہ کے پائے جانے کے وقت شوہر کا طلاق واقع کرنے کا اہل ہونا شرط نہیں اگر اس نے طلاق معلق دی پھر مجنون یا معتوہ ہو گیا اور معلق علیہ (شرط) پائی گئی تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ یہ الفاظ ان کے اہل سے تمام شروط کے پائے جانے کے وقت نکلے ہیں لہٰذا ان کا اثر بھی مرتب ہوگا۔

طلاق معلق یا طلاق کی یمین کا حکم..... یمین طلاق یا طلاق معلق کے بارے میں فقہاء کے اقوال ہیں: ❷ مثلاً اپنی بیوی کی طلاق کو مستقبل میں کسی کام پر معلق کرے اور معلق علیہ (شرط) پائی جائے مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے یا مثلاً تو نے زید سے بات کی یا فلاں سفر سے آ گیا تو تجھے طلاق ہے آج کل کے عرف میں کہتے ہیں اگر تو اپنے اہل کے گھر گئی تو میرے اوپر طلاق ہے یا تو نے سفر کیا یا تو نے ہی جتی یا میرے اوپر طلاق ہے اگر میں دوسری شادی نہ کروں وغیرہ۔

۱..... آئمہ اربعہ کے ہاں جب شرط پائی جائے تو طلاق معلق واقع ہوگی چاہے وہ زوجین میں سے کسی کا فعل ہو یا کوئی سماوی چیز ہو اور چاہے تعلیق قسمی ہو یعنی کسی فعل پر ابھارنے یا ترک کرنے یا خبر کی تاکید کے لیے ہو یا وہ شرطی ہو یعنی اس جزاء کا حصول مقصود ہو جب شرط پائی جائے۔

۲..... ظاہریہ اور شیعہ امامیہ (جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں) کے ہاں طلاق معلق جب شرط پائی جائے تو بالکل واقع نہیں ہوتی چاہے بطور قسم ہو یا بطور قسم نہ ہو ❸ ابن تیمیہ اور ابن القیم کے ہاں تفصیل ہے کہ اگر تعلیق قسمی ہے یا بطور یمین ہے اور شرط پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی البتہ

---

❶..... رواہ اصحاب السنن الاربعة وقال الترمذی حدیث حسن (نصب الرایة ۲۳۴/۳) ❷اخرجه ابن عدی وهو معلول باسحاق الکعبی (نصب الرایة ۲۳۵/۳) ❸فتح القدیر: ۷۶/۴ القوانین الفقهية: ۲۳۱ مغنی المحتاج: ۳۱۴/۳ المغنی: ۱۷۸/۷ المحلی: ۲۵۸/۱۰،

ابن تیمیہؒ کے ہاں قسم کا کفارہ ادا کرے گا اور ابن قیم کے ہاں کوئی کفارہ نہیں اور اگر تعلیق شرطی ہو یمین نہ ہو تو پھر شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق واقع ہوگی۔

دلائل:

پہلے قول کے دلائل...... ائمہ اربعہ کتاب اللہ سنت رسول اور معقول سے استدلال کرتے ہیں۔

۱...... کتاب اللہ میں سے ان آیات سے استدلال کرتے ہین جو طلاق کی مشروعیت اور یہ معاملہ زوج کے سپرد ہونے پر دال ہیں: الطلاق مرتان (البقرۃ:۲/۲۲۹) اس آیت میں معلق اور منجز میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور کسی چیز کے ساتھ واقع ہونے کو مقید نہیں کیا گیا اور مطلق کے ساتھ معاملہ اطلاق کا ہی کیا جاتا ہے۔ پس شوہر کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے طلاق واقع کرے منجز مضاف معلق بطور یمین یا شرط۔

۲...... سنت سے استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق ہیں سے بھی ہے اور بہت سارے واقعات ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں پیش آئے ان میں سے ایک روایت وہ ہے جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکلنے پر طلاق البتہ دے رکھی تھی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمادیا اگر عورت گھر سے نکلی تو شوہر سے بائنہ ہوجائے گی اگر نہ نکلی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا اگر میں نے فلاں فلاں کام کیے تو وہ طلاق ہے پھر اس نے وہ کام کر دیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک ہی طلاق ہے اور شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب ان کی بیوی نے ان سے جمعہ کے بارے میں اس وقت کا سوال بار بار کیا کہ جس ساعت میں اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اگر تو نے دوبارہ سوال کیا تو تجھے طلاق ان احادیث میں ایک روایت وہ ہے جسے ابن عبد البر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ فرماتی ہیں ہر قسم اگر چہ وہ بہت بڑی ہو اس مین کفارہ ہے سوائے عتق اور طلاق کے۔ اور ایک روایت جسے بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے ایک سال تک طلاق ہے تو ابن عباسؓ نے فرمایا ایک سال تک یہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ یہ اثر تعلیق شرطی کا ہے اور پہلی تمام صورتیں تعلیق قسمی کے قبیل سے ہیں۔ اور حسن بصریؒ سے روایت ہے جس نے کہا اپنی بیوی سے تجھے طلاق اگر میں اپنے غلام کو نہ ماروں اور غلام بھاگ جائے تو فرمایا کہ اس عوت سے فائدہ اٹھائے اور وارث ہوں گے یہاں تک کہ وہ کرے جس کا اس نے کہا اگر غلام مر گیا اس سے پہلے کہ وہ کہی ہوئی بات پر عمل کرے تو پھر اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اور بیہقی نے ابوزناد سے اور انہوں نے اہل مدینہ کے فقہاء سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں جس بھی شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو گھر سے رات تک نکلی تو تجھے طلاق اور عورت اس کے علم کے بغیر رات سے پہلے نکل گئی تو اسے طلاق ہوجائے گی یہ تمام آثار طلاق معلق کے واقع ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ جب شرط پائی جائے تو طلاق واقع ہوگی معقول کبھی ضرورت ہوتی ہے طلاق معلق کی جیسے کہ ضرورت منجز طلاق کی ہوتی ہے عورت پر زجر کرنے کے لیے اگر عورت نے مخالفت کی گویا وہ اپنے نفس پر جنایت کرنے والی ہے اور طلاق قسمی دین مؤجل اور عتق مؤجل پر قیاس کی گئی ہے۔

دوسرے قول کے دلائل...... ظاہریہؒ اور امامیہ نے اپنی بات پر استدلال کیا کہ تعلیق طلاق یمین ہے اور غیر اللہ کی قسم جائز نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے جو شخص حلف اٹھانا چاہتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کرے پھر کہتے ہیں طلاق صرف وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور قسم بھی صرف وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے دیا اور یمین طلاق کو اللہ تعالیٰ نے یمین قرار نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ الطلاق:۶۵/۱

نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں طلاق معلق کا واقع ہونا۔

اس دلیل کا رد کیا گیا ہے کہ طلاق معلق کو یمین تو مجازاً کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ اس کا بھی وہی فائدہ ہوتا ہے جو قسم کا ہوتا ہے اور وہ کسی فعل کے کرنے پر ابھارنا یا اس سے روکنا یا صبر کی تاکید وغیرہ لہٰذا حدیث مذکور طلاق معلق کو شامل نہیں اور پھر سنت میں تو طلاق معلق کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں جو ابن حزم اور ابن القیم نے علی اور شریح سے روایت کی ہے کہ یہ فرماتے ہیں طلاق کی قسم کوئی چیز نہیں اس کا بھی رد کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ سے حالت میں اور شریح سے معلق کے نہ پائے جانے کی صورت میں مروی ہے۔ اور طاوس سے جو مروی ہے وہ مؤول ہے کہ سنت میں ایسی کوئی چیز نہیں نہ کہ اس معنی میں کے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ہر وہ طلاق واقع نہیں ہوتی جس وقت اسے شرط یا صفت سے مقید کر دیا گیا ہو اس کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ طلاق معلق تلفظ کے وقت واقع نہیں ہوتی بلکہ شرط پائے جانے کے وقت واقع ہوتی۔ اور طلاق کو نکاح پر قیاس کرتے ہیں جیسے تعلیق نکاح درست نہیں اسی طرح تعلیق طلاق بھی درست نہیں۔ اسے بھی رد کیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ تعلیق نکاح مقصود کے منافی ہے اور طلاق مقصود کے منافی نہیں۔

تیسرے قول کے دلائل...... ابن تیمیہ اور ابن القیم نے اپنی تفصیلی رائے پر استدلال کیا:

۱...... طلاق معلق قسمی سے جب کسی کام کرنے پر ابھارنا یا منع کرنا یا خبر کی تاکید ہوتی ہے تو یہ یمین اور قسم کے معنی میں ہوتی ہے تو پھر یہ یمین کے احکام کے تحت داخل ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ التحریم:۶۶/۲

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ المائدہ:۵/۸۹

اگر یہ یمین شرعی نہیں تو لغو اور بیکار ہے ان دونوں پر دکیا گیا ہے کہ طلاق معلق کو نہ شرعاً یمین کہا جاتا ہے۔ نہ لغوی اعتبار سے بلکہ وہ تو بطور مجاز قسم ہے قسم شرعی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کہ یہ بھی فعل پر ابھارنے منع کرنے یا غیر کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یمین حقیقی کا حکم نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے نام یا صفات کے ساتھ حلف ہے بلکہ اس کے لیے ایک دوسرا حکم ہے کہ طلاق شرط کے پائے جانے کے وقت واقع ہو جاتی ہے۔

۲...... اس لیے بھی کہ حضرت عائشہ، حفصہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین نے لیلیٰ بنت عجماء کے لیے فتویٰ دیا کے وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے جب اس نے عتق کا حلف اٹھایا تھا اور کہا تھا۔ ہر میرا مملوک آزاد ہے اور میرا سارا مال ہدیہ ہے اور وہ یہودیہ اور نصرانیہ ہے اگر اس کا غلام ابو رافع اپنی بیوی کو طلاق نہ دے یا ان میں تفریق نہ ہو پس طلاق کا حلف اس کے مثل ہے بلکہ ان سے اولیٰ ہے ان دونوں کی اس دلیل کو بھی رد کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام سے مروی احادیث وآثار تعلیق کو شمار کرنے میں اس سے اقوی ہیں اس لیے کہ ان کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۳...... اس لیے بھی کہ بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ طلاق اور عتق غرض وضرورت کی وجہ سے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو یعنی طلاق تب واقع ہوتی ہے جب غرض واقع کرنے کی ہو نہ کہ وہ جس کا واقع کرنا مکروہ ہو جیسے حلف۔ اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ وطر کا معنی وہ نہیں جو تم نے بیان کیا بلکہ اس کا معنی ہے کہ مرد کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو بغیر ضرورت کے طلاق دے میری رائے میں پہلے قول دلائل کے اعتبار سے اصح ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ نوجوان غائب طلاق کی قسم تو ڈرانے کے لیے استعمال کرتے ہیں نہ

کہ واقع کرنے کی غرض سے اور یہ بات مجھے قول ثالث کی طرف مائل کرتی ہے خاص کر کہ مصر کے قانون میں اسے لیا گیا ہے دفعہ ۲۵ سن ۱۹۲۹ء اور شام میں بھی، مصری قانون دفعہ نمبر ۲ میں اور شامی قانون دفعہ نمبر ۹۰ میں تصریح ہے اور انہوں نے ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے کو لیا ہے کہ طلاق منجز کے علاوہ طلاق واقع نہیں ہوتی جب کہ اس سے ارادہ نہ ہو سوائے کسی کام کے کرنے یا ابھارنے یا اس سے باز رہنے کے لیے یا اسے صرف قسم کی طرح تاکید خبر کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔

مرض الموت والے مریض کی طلاق کا حکم...... میں یہاں مرض الموت والے مریض کی طلاق وغیرہ کا بیان کروں گا اور اس کی بیوی کے لیے ثبوت میراث کی شرائط اور مرض موت کے بعض فرعی احکام سے بحث کروں گا۔ ❶

مریض موت سے مقصد...... ہر وہ آدمی جس پر ہلاکت غالب ہو مرض کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اسے مرض الموت کا حکم لاگو ہے اور اس کی طلاق کو طلاق فرار کا نام دیا گیا ہے کیونکہ بیوی کی میراث سے وہ بھاگنا چاہتا ہے۔ اس کے ارادہ کو عورت کی عدت مکمل ہونے تک اس پر حنفیہ کے ہاں رد کیا جائے گا اور مالکیہ کے ہاں عدت کے ختم کے بعد بھی اور حنابلہ کے ہاں جب تک وہ شادی نہ کر لے۔

جیسا کہ حنفیہ نے فرمایا کہ مریض موت وہ ہے جسے مرض نے اتنا عاجز کر دیا ہو کہ عادت کے اعتبار سے گھر کے بھی کام وہ نہ کر سکتا ہو جیسے عالم اور فقیہ کا مسجد آنے سے عاجز آجانا اور تاجر کا اپنی دکان پر آنے سے عاجز آجانا۔ اور عورت مریضہ وہ ہے جو گھر کے اندر کے کام کرنے سے عاجز آجائے جیسے کھانا پکانا وغیرہ اور یہ مرض سال کے اندر تک جاری ہے اور اس کے بعد موت آجائے پس مرض الموت سے مراد وہ مرض ہے جس میں دو چیزیں پائی جائیں۔ پہلی چیز عادی اعتبار سے اس میں غالب ہلاکت ہو دوسرا کہ اس کے بعد موت واقع ہو جائے اسی کے ساتھ ملحق ہیں وہ بھی جنہیں موت کی سزا سنائی گئی ہو اور جو کشتی میں غرق ہو رہا ہو۔

اس کا حکم...... اس کے لیے کئی احکام ہیں ان میں سے ایک یہ کہ اس کے لیے تبرع اور احسان کرنا درست نہیں سوائے ثلث مال کے اور انہی میں سے ہے اس کی طلاق کا نافذ ہونا اور دوران عدت ہی ان کے انتقال کی صورت میں اس کی بیوی کا وارث ہونا اس کی طلاق کے حکم کی تفصیل درج ذیل ہے: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مریض آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق تندرست آدمی کی طرح نافذ ہے اگر اسی مرض میں مر گیا تو اگر طلاق رجعی کی عدت میں عورت ہے تو وہ وارث ہوگی جیسا کہ تندرستی کی حالت میں اس صورت میں وارث ہوتی ہے اس لیے کہ رجعیہ عورت کو شوہر کی طلاق ظہار اور ایلاء ملحق ہوتے ہیں اور وہ اسے اس کی رضامندی کے بغیر بھی رجوع کر کے رکھ سکتا ہے۔ جس میں نہ ولی نہ گواہ اور نہ مہر کی ضرورت۔ لیکن اگر اس تندرستی کی حالت میں طلاق بائن یا رجعی دے دی اور عدت ختم ہونے پر وہ اس سے بائنہ ہو گئی تو بالا جماع ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اس بات پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ آدمی نے جب مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی پھر وہ عورت مر گئی اگر چہ دوران عدت ہی مرے لیکن شوہر وارث نہیں ہوگا۔

البتہ اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ شوہر مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دے اور پھر شوہر دوران عدت مر جائے تو کیا بیوی وارث ہوگی یا نہ یہی بات یہاں محل بحث ہے اور یہی طلاق فرار کا حکم ہے۔

جمہور (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور امامیہ) کے ہاں عورت وارث ہوگی اور امام شافعی کے قول جدید کے مطابق وارث نہ ہوگی اور ظاہریہ کے ہاں مریض کی طلاق تندرست کی طلاق کی طرح ہے اس میں کوئی فرق نہیں اگر شوہر مر گیا یا بیوی مر گئی تو تین طلاقوں کے بعد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ ہی طلاق رجعی میں عدت کے بعد۔

---

❶ ......فتح القدیر:۳/ ۱۵۰ الدر المختار:۲/ ۷۱۵۔۷۲۳ اللباب :۳/ ۵۲ القوانین الفقهية : ص ۲۲۸ مغنی المحتاج:۳/ ۲۹۴ المغنی۶/ ۳۲۹ المختصر النافع فی فقه الامامیه ۲۲۳ المحلی ۱۰/ ۲۶۶ مساله:۔۱۹۷۶۔

دلائل...... امام شافعی نے استدلال کیا کہ طلاق بائن کی عدت گذرانے والی بیوی اپنے شوہر کی وارث نہیں ہوگی جس نے طلاق دی ہے کیونکہ طلاق بائن کی وجہ سے زوجیت کے آثار منقطع ہوگئے اور سبب زائل ہونے کے بعد میراث ثابت نہیں ہوتی برخلاف طلاق رجعی کی عدت والی مطلقہ وہ تو بالاتفاق وارث ہوگی کیونکہ زوجیت کے آثار باقی ہیں۔

جمہور نے ایک اثر اور ایک معقول سے استدلال کیا ہے...... اثر تو یہ کہ عثمان (ذوالنورین) رضی اللہ عنہ نے تماضر بنت اصبغ الکلبیہ کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وارث قرار دیا جب کہ انہوں نے مرض میں انہیں (بتہ) بائنہ طلاق دی تھی اور یہ سب کام صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے نکیر نہیں کی گویا یہ ان کا اجماع ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ عورت کو طلاق دینا اس کے لیے ضرر محض ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اسے میراث سے محروم کررہا ہے لہٰذا اسے اس کے ارادہ کے خلاف سزا دی جائے گی جیسا کہ اپنے مورث کو قتل کرکرنے والے قاتل کے ارادہ کو اس کے خلاف کیا جاتا ہے لہٰذا عورت وارث ہوگی اس وقت زوجیت کی وجہ سے اس سے ضرر و نقصان کو دور کرنے کے لیے۔

وراثت کا وقت...... وراثت کے وقت میں جمہور کا اختلاف ہے حنفیہ کے ہاں: شوہر اس حالت میں مرے کہ بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہوتو وہ وارث ہوسکتی ہے کیونکہ بعض احکام زوجیت باقی ہیں لہٰذا وراثت کا حق بھی باقی ہے اگر عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد مرے۔ پھر عورت کے لیے میراث نہیں کیونکہ اب ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں یہ اجنبیہ کی طرح ہوگئی اور دوران عدت امکانی صورت ہے وراثت کی کہ بعض احکام زوجیت باقی ہیں اور عدت کے ختم ہونے کے بعد امکان باقی نہیں یعنی سابقہ زوجیت کے آثار ختم ہیں مالکیہ کے ہاں وہ وارث ہوگی اگرچہ اس کی عدت ختم ہوگئی ہو اور اس نے دوسری شادی بھی کرلی ہو۔ روایت ہے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہ ان کے والد نے ان کی والدہ کو حالت مرض میں طلاق دی اور مر گئے اور عدت ختم ہونے کے بعد وارث ہوئی نیز اس لیے بھی کہ میراث سے بھاگنا اس کے وارث ہونے کا سبب ہے اور یہ سبب عدت کے گذرنے سے ختم نہیں ہوتا امامیہ کے ہاں اور امام احمد کے ہاں مشہور یہ ہے کہ عدت میں اور عدت کے بعد جب تک اس نے شادی نہ کی ہو وارث ہوگی کہ حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے نیز کیونکہ یہ مطلقہ شوہر کی وارث ہے لہٰذا اس شوہر کے سوا کسی کی وارث نہ ہوگی۔ جیسا کہ تمام بیویوں میں ہوتا ہے اگر شادی کے بعد اسے وارث قرار دیا جائے تو پھر بعض حالتوں میں اسے دو شوہروں سے وراثت ملے گی اور عورت شرعاً دو کی بیوی نہیں ہوسکتی اور وارث ہونا نکاح کے حکم کی وجہ سے ہے لہٰذا دوسرے نکاح کے ساتھ اس کا جمع ہونا جائز نہیں نیز اس نے ایسا کام کیا اپنے اختیار سے جو پہلے شوہر کے نکاح کے منافی ہے لہٰذا یہ فسخ نکاح اول کے مشابہ ہے۔

میراث ثابت ہونے کی شرطیں...... طلاق فرار میں عورت کے لیے ثبوت میراث کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱...... شوہر اس بیماری سے درست نہ ہوا اور کچھ مدت کے بعد مر جائے۔

۲...... بیماری ایسی خوفناک ہو کہ اس پر پابندی لگادی گئی ہو۔

۳...... طلاق بائن حقیقی ہمبستری کے بعد ہوئی ہو اگر طلاق دخول سے پہلے ہوگئی ہو اگرچہ خلوت صحیحہ ہوگئی ہو تو پھر شوہر کو فار نہیں شمار کیا جائے گا اور بیوی میراث کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اس طلاق سے عدت واجب نہیں ہوتی اور عدت کا واجب ہونا حنفیہ اور ان کے موافقین کے ہاں احتیاط کے پیش نظر ہے نسب کی محافظت کے لیے اور میراث حق مالی ہے احتیاط سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔

۴...... طلاق بیوی کی رضامندی کے بغیر ہوئی ہو یعنی شوہر کی طرف سے ہو نہ کہ بیوی کی چاہت اور اس کی وجہ سے اگر بیوی کی رضامندی سے طلاق ہوئی تو اس کے لیے میراث ثابت نہ ہوگی اور نہ ہی شوہر فار شمار ہوگا اسی بنا پر اگر طلاق تملیک یا تخییر کی وجہ سے ہو بایں طور کہ شوہر بیوی سے کہے اختیار یا خلع کرلے اور اس کے بدلے میں اسے مال دے دے اسی طرح قاضی کے فیصلہ سے تفریق ہوگی یا

شوہر میں کسی عیب کی وجہ سے پھر عورت عدت میں ہو اور وہ مر جائے تو عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ میراث کے حق کو باطل کرنے میں اس کی رضا پائی گئی۔

۵.....طلاق کے وقت بیوی شوہر سے میراث پانے کی اہل بھی ہو اور یہ اہلیت موت تک برابر رہے۔ اگر طلاق کے وقت وہ میراث کی اہل نہیں بایں طور پر وہ کتابیہ تھی اور شوہر مسلمان تو اس کے لیے میراث ثابت نہ ہوگی کیونکہ صفت فرار متحقق نہیں اور اگر طلاق کے وقت مسلمان تھی پھر موت سے پہلے اس اہلیت سے نکل گئی اور مرتد ہو گئی تو بھی وارث نہ ہوگی اس لیے کہ ارتداد کی وجہ سے میراث سے اس کا حق ساقط ہو گیا او جمہور کے ہاں اسلام لانے کے بعد اسے یہ حق نہیں ملے گا کیونکہ ساقط لوٹتا نہیں اور مالکیہ کے ہاں امام فرماتے ہیں: اگر ارتداد کے بعد وہ دوبارہ مسلمان ہو گئی پھر اس کی عدت میں شوہر مرا تو وہ وارث ہوگی کیونکہ مرض کے دوران مطلقہ ہے لہٰذا یہ مرتد نہ ہونے کے مشابہ ہو گئی۔

مریضہ عورت کی طرف سے مرض الموت میں فرقت......اگر فرقت اور جدائی عورت کی جانب سے ہو اور وہ حالت مرض الموت میں ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں ہلاکت یقینی ہو تو اسے شوہر کی میراث سے فارۃ قرار دیا جائے گا لہٰذا اس کے مقصود کی نقیض والا معاملہ کیا جائے گا اور شوہر وارث ہوگا اگر وہ عدت میں مر گئی تو عورت اس سے وارث نہ ہوگی اگر وہ اس کی عدت میں مر گیا اگر بیوی نے جدائی سے شوہر کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا ارادہ اسی پر رد کر دیا جائے گا اور شوہر کے لیے میراث ثابت ہوگی بایں طور کہ عورت کو خیار فسخ حاصل ہو یا وہ مرض الموت میں اپنے فعل کا ارتکاب کر لے شوہر کے اصول یا فروع کے ساتھ جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے میراث سے بھاگنے والی شمار کیا جائے گا اگر عدت ختم ہونے سے پہلے مر گئی تو اس کا شوہر اس کا وارث ہوگا اس لیے کہ جدائی عورت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں حرمت مصاہرت واجب کرنا اس طرح کہ بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے وطی وغیرہ کرے جس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اسی مرض میں اس کا باپ مر جائے تو وہ وراث ہوگا اور عورت اگر مر گئی تو وارث نہ ہوگی۔

اگر اس نے حرام میں اس کی اطاعت کی تو وہ وارث نہ ہوگی کیونکہ وہ اس میں شریک ہے جس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا یہ خلع کے مشابہ ہے یہی حکم ہے اس صورت کا جب مریض وطی کر لے ایسی عورت سے کہ اس کی وطی سے اس کا نکاح فسخ ہوتا ہو جیسے بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے کیونکہ اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی اور وہ اگر اسی مرض میں مر گیا تو اس کی وارث ہوگی اور شوہر اس کا وارث نہ ہوگا چاہے موطوءہ سے اکراہا کیا ہو یا مطاوعۃ کیونکہ اس کی اطاعت میں بیوی کے فعل کا دخل نہیں کہ اس کی میراث ساقط ہو۔ اور شوافع کے ہاں وطی حرام سے فسخ نکاح نہیں ہوتا۔ اگر مریضہ کوئی ایسا کام کر دے جب سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے جیسے اپنے شوہر کی چھوٹی بیوی کو دودھ پلانا یا اپنے چھوٹے شوہر کو دودھ پلانا یا مرتد ہو جائے اور اسی مرض میں مر جائے تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں شوہر اس کا وارث ہوگا اور شافعی کے ہاں نہیں ہوگا طلاق دینے والے مریض کا دوسری شادی کرنا: جب مریض نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر دوسرا نکاح کر لیا اور مطلقہ کی عدت ہی میں اس مرض سے مر گیا تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وہ دونوں وارث ہوں گی مالک کے ہاں میراث ساری کی ساری مطلقہ کی ہے کیونکہ ان کے ہاں مریض کا نکاح ہی صحیح نہیں۔

چھٹی بحث......طلاق یا اثبات طلاق میں شک:

طلاق میں شک......شک لغوی اعتبار سے یقین کی ضد ہے اور اصطلاحی معنی برابر طور پر تردد اور یہاں مطلق تردد مراد ہے چاہے دونوں احتمالوں میں برابر ہو یا کوئی احتمال مرجح ہو اور اسکا حکم تمام فقہاء کے اتفاق سے [1] یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور شوہر کی

[1]......البدائع ۱۲۶/۳ القوانین الفقہیۃ ۲۳۰ المھذب: ۱۰۰/۲ مغنی المحتاج: ۳۰۳/۳ کشف القناع ۳۸۱/۵ المغنی: ۲۴۷/۸۔

جانب سے طلاق میں شک نہ ہونا یہ وقوع طلاق کے حکم کی شرط ہے، اگر اسے شک ہو اس میں تو وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اس کی بیوی معزول نہ ہوگی جیسے طلاق میں شک ہو کہ طلاق دی یا نہ دی تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح یقین سے ثابت ہے اور اس کے زائل ہونے کے بارے میں شک ہے لہٰذا شک کے ساتھ اس کے ختم ہونے کا فیصلہ نہ دیا جائے گا جیسے مفقود کی زندگی جب ثابت شدہ ہے اس کے زائل ہونے میں شک واقع ہو گیا تو شک سے اس کے ختم ہونے کا فیصلہ نہ دیا جائے گا حاصل یہ کہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے شک سے ختم نہ ہوگا۔ اور جسے طلاق کی صفت میں شک ہو کہ طلاق رجعی دی ہے یا بائن تو رجعی کا فیصلہ دیا جائے گا کیونکہ طلاقوں میں اضعف ہے لہٰذا یہی یقینی ہے اور جسے شک ہو عدد طلاق میں تو یقینی پر بناء ہوگی اور وہ کم ہے جسے تین طلاقوں میں شک ہو تو جمہور کے ہاں سوائے مالکیہ کے ایک طلاق کے واقع ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا جب تک یقین حاصل نہ ہو جائے اس لیے کہ جس قدر یقینی سے زیادہ ہے وہ طلاق مشکوک ہے وہ لازم نہ ہوگی جیسا کہ اصل طلاق میں شک ہو اور باقی رہیں گے تین سے کم کی صورت میں طلاق دینے والے کے احکام مثلاً رجوع کا مباح ہونا اور جب رجوع کرے تو نفقہ واجب ہوگا اور حقوق زوجیت بھی۔

مالکیہ کے ہاں: جب طلاق یقینی ہو اور عدد میں شک ہو تو جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ اس کے لیے حلال نہیں کیونکہ تین طلاقوں کا احتمال ہے۔ اگر اس نے طلاق کا حلف اٹھایا پھر اسے شک ہو گیا کہ حانث ہوا یا نہ تو مالکیہ کے ہاں فراق کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس شرط کے پائے جانے میں شک ہو گیا جس پر طلاق کو معلق کیا ہے مثلاً اگر میں فلاں کام کروں تو تجھے طلاق یا اگر میں آج فلاں کام نہ کروں تو تجھے طلاق اور دن گذر گیا اور اس کام کے کرنے میں شک ہو گیا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ نکاح یقین سے ثابت ہے لہٰذا شک سے زائل نہ ہوگا۔

اور جس نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو بذاتہ طلاق دی پھر بھول گیا یا اس پر اس کی ذات اس سے پوشیدہ ہو گئی مثلاً اندھیرے میں یا پردہ کے پیچھے طلاق دی تو شوافع کے ہاں اس کی تعین میں رجوع کیا جائے گا اور متعین کرنے سے پہلے اس کے لیے ایک بھی حلال نہ ہوگی اور وطی کرنا نہ بیان ہے نہ تعین اگر دونوں عورتیں مرگئی یا ایک مرگئی تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا تعین کے لئے وراثت کے بیان میں اگر مرگیا تو اظہر یہ ہے کہ اس کے وارث کے بیان کو قبول کیا جائے گا نہ کہ اس کی تعین کو اور حنابلہ کے ہاں ان میں سے ایک کی تعین قرعہ سے کی جائے گی۔ اگر اس نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کی تعین کی اور کسی متعین کی نیت نہ کی تو شوافع کے ہاں اس کی تعین لازمی ہے اور حنابلہ کے ہاں قرعہ سے مطلقہ کو نکالا جانے کا برخلاف اس کے جس کی طرف اکثر علماء گئے ہیں عمل کرتے ہوئے حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی روایت پر نیز اس سبب بھی کہ ازالہ ملک تغلیب اور سرایت پر مبنی ہے لہٰذا عتق کی طرح قرعہ ہوگا نیز حق ایک غیر متعین کا ہے لہٰذا قرعہ سے اس کی تعین واجب ہے جیسے مرض میں غلام آزاد کرنے میں یا عورتوں میں سے ایک کے ساتھ سفر کرنے میں یا منسیہ کی طرح اور کسی ایک عورت کو بغیر قرعہ کے متعین کرنے کا وہ مالک نہیں اور قرعہ کے بعد باقی عورتوں سے وطی کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا نکاح باقی ہے اور اگر طلاق بائن ہے تو پھر قرعہ سے پہلے ان میں سے کسی ایک سے بھی وطی کرنا جائز نہیں کیونکہ احتمال ہے وہی ہو جس کا قرعہ نکلے اگر طلاق رجعی ہے تو سب سے وطی جائز ہے اور اسے رجوع بھی حاصل ہو جائے گا۔

اور اگر کہا اگر پرندہ کوا ہے تو تجھے طلاق پھر شک ہو گیا کہ کوا ہے یا نہ تو وقوع طلاق کا حکم نہ دیں گے اگر کسی اور شخص نے کہا اگر یہ پرندہ کوا نہ ہوا تو میری بیوی کو طلاق اور پرندہ کی حالت سے لاعلم رہا تو بھی طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کوا نہ ہو اصل نکاح کا باقی رہنا ہے تعلیق طلاق اس کے حکم کو تبدیل نہیں کرتی حنابلہ نے کہا جس نے پرندے کے بارے میں کہا: اگر یہ پرندہ کوا ہے تو فلاں کو طلاق یا اگر یہ کوا نہیں تو فلانہ کو طلاق پھر یہ معلوم نہیں کونسی بیوی تھی تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا اس لیے کہ مطلقہ کی پہچان متعین طور پر ممکن نہیں وہ دونوں برابر ہیں اور قرعہ شرعی طریقہ ہے مجہول کو نکالنے کا۔

ورع یہ ہے کہ طلاق لازم کی جائے لیکن یہ بات یاد رہے شوافع اور حنابلہ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ورع یہ ہے کہ حالت شک میں

طلاق لازم کی جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کی ❶ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور جو شک میں نہ ڈالے اسے لے لو ❷ جسے طلاق میں شک ہو وہ رجوع کرلے اگر اسے رجوع ہو ورنہ نکاح کی تجدید کرے اگر اسے رغبت ہو یا پھر اسے فوراً طلاق دے دے تاکہ کسی دوسرے کے لیے وہ یقینی طور پر حلال ہو جائے اور جسے شک ہو عدد طلاق میں کہ تین دی یا دو تو وہ اس سے نکاح نہ کرے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور اگر شک ہو آیا تین طلاقیں دی یا کچھ بھی نہیں دی تو اسے تین طلاقیں دے دے تاکہ دوسرے کے لیے یقینی طور پر حلال ہو جائے۔

یقینی چیز پر عمل کے دلائل......شک چھوڑنے اور یقینی چیز پر عمل کرنے کے لیے اصل عبداللہ ابن زید کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جسے خیال ہوا کہ دوران نماز کوئی ناقض وضو چیز پائی گئی) تو آپ نے فرمایا اس وقت تک نہ پلٹے جب تک تو آواز یا بو نہ آجائے ❸ تو آپ نے یقین پر بناء کرنے کا حکم دیا اور شک کو چھوڑ دیا نیز اس سے بھی شک تعیین پر آ گیا لہٰذا سے چھوڑنا واجب ہے جیسے باوضو شخص کو حدث لاحق ہونے میں شک ہو یا بے وضو کو وضو کا شک۔

اسی بناء پر فقہاء نے ماسبق کو برقرار رکھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اصل طلاق میں شک واقع ہو جائے تو اس کے واقع ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے گا کیونکہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے اگر مقدار طلاق یا تعداد طلاق میں شک ہو تو جمہور کے ہاں سوائے مالکیہ کے کم کا حکم دیا جائے گا کیونکہ وہ یقینی ہے اور زیادہ میں شک ہے اور اگر شک وصف طلاق میں ہوا ہو کہ طلاق رجعی دی ہے یا بائن تو رجعی کا حکم دیا جائے گا کیونکہ وہ اضعف الطلاقین ہے لہٰذا یہی متعین ہے۔

اثبات طلاق......جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دی ہے اور شوہر انکار کر رہا ہو تو مالکیہ کے ہاں ❹ کہ اگر عورت دو عادل گواہ لے آئی تو طلاق نافذ ہوئی اور اگر ایک گواہ لائی تو شوہر کو حلف دیا جائے گا وہ بری ہو جائے گا اگر وہ حلف نہ کرے تو اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ اقرار کرے یا حلف۔ اور اگر وہ کوئی گواہ نہ لا سکی تو شوہر پر کچھ بھی نہیں البتہ اپنی طاقت کے بقدر وہ شوہر کو اپنے نفس سے روکے۔ اور اگر اس نے طلاق کا حلف اٹھایا اور عورت نے دعویٰ کیا کہ حانث ہو گیا ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔

اور حنابلہ نے ❺ ذکر کیا ہے جب عورت دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا کیونکہ اصل یہ ہے کہ نکاح باقی رہے اور طلاق نہ ہو ورنہ وہ عورت گواہ پیش کرے اور اس میں صرف عادل گواہ معتبر ہوں گے کیونکہ طلاق مال نہیں اور نہ ہی اس سے مال مقصود ہے اور اس پر مرد مطلع ہوتے ہیں جیسے حدود اور قصاص میں۔ اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوئے تو مرد کو حلف دیا جائے گا صحیح قول کے مطابق کیونکہ حدیث میں ہے قسم منکر پر ہے۔

طلاق کی بحث سے ملحق رجوع اور حلال:

رجعت......پہلی بات رجعت کی تعریف مشروعیت حکم، رکن اقسام، اور احکام رجعیہ۔ ❻

رجعت کی تعریف......لغوی اعتبار سے ایک مرتبہ رجوع کرنا اور اصطلاحی اعتبار سے حنفیہ کے ہاں جب تک عورت عدت میں ہو تو اس کے دوران ہی رشتہ ازدواج کو برقرار رکھنا اور طلاق رجعی جیسا کہ پہلے گذر چکا مدخول بھا کو تین سے کم طلاقیں بغیر مال کے دینا جو کہ صریح

---

❶......رواہ البخاری ومسلم عن النعمان بن بشیرؓ ❷رواہ الترمذی وصححہ ❸متفق علیہ۔ ❹القوانین الفقھیة ۲۳۱۔ ❺المغنی ۲۵۹/۷۔ ❻الدرالمختار ۷۲۷/۲۔۷۳۸ فتح القدیر: ۱۶۰/۳ اللباب ۵۳/۳ القوانین الفقھیة ۲۳۴ الشرح الصغیر ۶۰۴/۲ :۶۱۴ الشرح الکبیر: ۴۱۵/۲ مغنی المحتاج: ۳۳۵/۳ المھذب: ۱۰۲/۲ کشف القناع: ۳۹۲/۵۔۳۹۵ المغنی ۲۷۳/۷ وما بعدھا ۲۷۹۔

الفاظ طلاق سے ہو اور تین کا عدد ساتھ ملا ہوا نہ ہو یا بعض مخصوص کنایہ الفاظ سے (وہ اعتدیٔ استبرئی رحمک اور انت واحدۃ ہیں) اور یہ رجعت طلاق رجعی کے بعد بقاء زوجیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ اسی کو برقرار رکھنا ہے اور کوئی نیا عقد نہیں کرنا اور نہ ہی سابقہ رشتہ کا اعادہ ہے اس کے زائل ہونے کے بعد اور یہ تعریف طلاق رجعی کے ساتھ بعض احکام زوجیت کے باقی ہونے میں متفق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ البقرہ:۲/۲۲۸

اور ان کے شوہر انہیں واپس لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے شوہر قرار دیا ہے اور یہ ان کے درمیان زوجیت کے باقی رہنے کی مقتضی ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور نے تعریف یوں کی ہے کہ مطلقہ کو جسے بائن طلاق نہ ہوگئی ہو عدت میں بغیر کسی عقد کے رشتہ ازدواج میں لوٹانا یعنی یہ رشتہ ازدواج طلاق رجعی سے ختم ہوگیا اور رجعت اسے ختم ہونے کے بعد دوبارہ لوٹاتی ہے یہ میرے ہاں راجح ہے یہ مقتضی طلاق سے متفق ہے کہ عورت کا لغوی اور عرفی اعتبار سے حرام ہونا۔

مشروعیت رجعت......رجعت مشروع ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ البقرۃ:۲/۲۲۸

یعنی عدت کے دوران شوہر ان کے زیادہ حقدار ہیں انہیں لوٹانے کے ان ارادوا اصلاحاً۔

اگر وہ ان کی اصلاح چاہیں یعنی رجعت جیسا کہ امام شافعی اور دوسرے علماء نے فرمایا: اور فرمان تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ البقرۃ:۲/۲۲۹

طلاق رجعی دو مرتبہ ہے پھر یا تو معروف طریقے سے روکنا ہے یا عمدہ طریقے سے چھوڑنا ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ البقرۃ:۲/۲۳۱

اور انہیں روکو معروف طریقے سے رد اور امساک کی تفسیر رجعت سے کی گئی ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے پاس جبرائیل آئے مجھے کہا حفصہ سے رجوع کرلو کیونکہ وہ روزہ رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہیں اور جنت میں آپ کی بیوی ہیں [1] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر کو فرمانا (عبداللہ) سے کہو اس سے رجوع کرلے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ اگر آدمی تین سے کم طلاقیں دے دے تو وہ عدت میں اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی شخص اپنی مدخول بھا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے دے تو اسے اجازت ہے کہ وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرلے چاہے عورت اس سے راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ حنفیہ کے ہاں اس کی زوجیت باقی ہے کیونکہ اس سے ظہار ایلاء، لعان وراثت اور ایک اور طلاق دینا جائز ہے عدت کے اندر بالاجماع۔

حکمت رجعت......رجعت کی حکمت یہ ہے کہ طلاق دینے پر وہ نادم ہوگیا اور بیوی کو واپس لے لے گا اور اختلاف کا جو سبب ہے اس کی اصلاح کروائے گا قریب کی جدائی میں جو کہ عدت ہے پس عدت گویا شوہر کو موقع فراہم کرتی ہے کہ بیوی کے معاملہ میں وہ غور کرلے اور دیکھ لے کہ خیر اور مصلحت سے زوجیت کی زندگی لوٹ آئے لہٰذا وہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلے یا پھر خیر طلاق ہی میں ہے تو اسے چھوڑ دے تاکہ اس کی عدت ختم ہوجائے اور وہ اس سے جدا ہوجائے۔

رجعت کا رکن حنفیہ کے ہاں صیغہ یا فعل ہے صرف اور جمہور کے ہاں اس کے تین ارکان ہیں مرتجع زوجہ اور صیغہ فقط شوافع کے ہاں اور وطی حنابلہ کے ہاں اور فعل اور نیت مالکیہ کے ہاں۔

---

[1] ......رواہ ابوداؤد وغیرہ باسناد حسن.

قسمیں......رجعت کی دو قسمیں ہیں ایک طلاق رجعی سے رجعت دوسری طلاق بائن سے رجعت طلاق رجعی کی رجعت تو بالاتفاق قول سے ہو سکتی ہے اور بالفعل بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وطی وغیرہ کے ذریعے عورت سے فائدہ اٹھائے اور طلاق رجعی کے رجوع میں نہ تو نئے مہر کی ضرورت ہے نہ ولی کی نہ ہی یہ عورت کی اجازت پر موقوف ہے۔ جب عدت ختم ہوگئی تو اس کی رجعت بھی طلاق بائن کی رجعت کی طرح ہو جاتی ہے اور اس میں انہی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے جن کا نئے عقد نکاح میں محتاج ہوتا مثلاً عورت کی اجازت مہر مقرر کرنا اور ولی کا عقد کرنا جمہور کے ہاں جو کہ ولی کے وجود کو شرط قرار دیتے ہیں برخلاف حنفیہ کے اور بالاتفاق طلاق بائن والی عورت سے عقد جدید کرنا جائز ہے چاہے عدت میں ہو یا عدت کے بعد۔

عورت رجعیہ کے احکام......وہ عورت جس سے رجوع ہوا ہے اس رجوع کی وجہ سے رشتہ ازدواج میں واپس آجاتی ہے اپنے تمام حقوق کے ساتھ اور اس کے لیے بیویوں کا حکم ہے اور چند اشیاء میں یہ ان کی مخالف ہے جو درج ذیل ہیں شوافع اور مالکیہ کے ہاں عورت سے استمتاع حرام ہے لہٰذا رجعیہ عورت سے رجوع سے قبل ہمبستری اور دیکھنا وغیرہ اگرچہ بلا شہوت ہی ہو حرام ہے اس لیے کہ بائن کی طرح یہ جدا ہے نیز اس لیے بھی کہ نکاح استمتاع کو مباح قرار دیتا ہے اور طلاق اسے حرام کر دیتی ہے کیونکہ یہ اس کی ضد ہے یہی حق ہے ورنہ تو طلاق کا کوئی اثر تحریم میں نہیں رہے گا۔ اگر شوہر نے رجعیہ عورت سے ہمبستری کر لی تو اس پر کوئی حد نہیں اگرچہ حرمت کو جانتا بھی ہو کیونکہ اس کی اباحت میں علماء کا اختلاف ہے اور تعزیر بھی نہیں ہاں اگر وہ حرام ہونے کو جانتا ہو تو پھر تعزیر ہے کیونکہ اس نے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے برخلاف اس کی حلت کے معتقد کے اور جو اس کی تحریم سے جاہل ہے اسے عذر کی وجہ سے اور اسی کی مثل عورت بھی ہے کہ وطی اور استحقاق تعزیر اور سارے فائدوں میں۔ اور شوافع کے ہاں اگر عورت سے ہمبستری کر لی اور رجوع نہ کیا تو مہر مثل واجب ہے اور اسی طرح اگر مذہب کے مطابق رجوع کیا۔ مالکیہ کی رائے باوجود اس کے کہ ان کے ہاں مشہور قول کے مطابق رجعیہ سے وطی حرام ہے لیکن پھر بھی نہ مہر ہے نہ حد ہے اس وطی میں جو رجوع کی نیت سے خالی ہو کیونکہ جب تک وہ عدت میں ہے تو اس کی بیوی ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب یہ ہے کہ رجعیہ عورت سے استمتاع حرام نہیں شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا مباح ہے اور حنابلہ کے ہاں عورت کے ساتھ خلوت اور سفر کرنا مباح ہے اور عورت شوہر کے لیے زیبائش وآرائش کرے اور خوب مزین ہو کر رہے کیونکہ وہ بیویوں کے حکم میں ہے جیسے طلاق سے پہلے تھی اور ان کے ہاں باری بھی اس میں نہیں اور اس استمتاع کے مباح ہونے کی وجہ اس آیت میں اس کے شوہر کو بعل قرار دیا گیا ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ......البقرة: ۲۲۸/۲

اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اسے طلاق دے۔ اور حنفیہ نے رجعیہ عورت کے لیے باری بھی ثابت کی ہے اگر اس کا مقصد رجوع کرنا ہو لیکن اگر ارادہ رجوع کا نہ ہو تو اس کے لیے کوئی باری نہیں لیکن شوہر کا اطلاع دیئے بغیر اس کے پاس جانا مکروہ ہے کہ وہ ڈر نہ جائے اگرچہ رجوع کا ارادہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر رجوع کا ارادہ نہ ہو تو پھر عورت کے ساتھ خلوت مکروہ تنزیہی ہے ورنہ مکروہ نہیں اور رجعیہ عورت بیوی کی طرح ہے نفقہ کسوہ اور رہائش کے اعتبار سے اور ایلاء ظہار، طلاق، لعان اور وراثت کے اعتبار سے بھی مرض موت اور حج کا احرام یا عمرہ کا مطلقہ رجعیہ سے رجوع کرنے سے مانع نہیں البتہ بائن سے رجوع کرنے سے مانع ہیں جیسا کہ جمہور کے ہاں حنفیہ کے علاوہ نکاح کرنے سے مانع ہیں کہ جمہور دوران احرام نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

دوسری بات: رجوع کا حق کس کو ہے اور اسقاط قبول نہ کرنے کا حق......جب تک مطلقہ عورت عدت میں ہے تو رجوع کا حق مرد کو ہے چاہے عورت رجوع سے راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ......البقرة ۲۲۸/۲

اور رجوع کرنے والے مرد کے لیے اس حق کو شریعت نے ثابت کیا ہے نہ تو یہ اسقاط قبول کرتا ہے اور نہ ہی تنازل اگر شوہر نے کہا میں نے تجھے طلاق دی اور مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں یا رجوع کا اپنا حق میں ساقط کرتا ہوں تو بھی شوہر کا حق رجوع ساقط نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ساقط کرنا اللہ تعالیٰ کے مشروع کیے ہوئے حکم کو تبدیل کرنا ہے اور کوئی بھی اس کا مالک نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مشروع کئے ہوئے حق کو تبدیل کردے اور اللہ تعالیٰ نے حق رجعت کو طلاق رجعی پر مرتب فرمایا ہے آیت میں ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ﴾ ......البقرۃ: ۲/ ۲۲۹

تیسری بات: صحت رجوع کی شرائط......رجعت میں درج ذیل شرائط ہیں: ❶

رجوع کرنے والے کی شرط یہ ہے کہ وہ نکاح کی بذات خود اہلیت رکھتا ہو۔ شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بالغ عاقل مختار ہو اور مرتد نہ ہو کیونکہ رجوع نئے نکاح کی طرح ہے پس ارتداد کی حالت میں بچپن جنون اور نشہ کی حالت میں اور مکرہ وغیرہ کا رجوع درست نہیں جیسا کہ ان حالتوں میں نکاح درست نہیں نیز اس لیے بھی کہ بچے کی طلاق یا تو لازم نہیں یا واقع نہیں ہوتی اور حنفیہ نے بچے کو رجوع کی اجازت دی ہے کیونکہ اس کا نکاح صحیح ہے ولی کی اجازت پر موقوف ہے حنابلہ اور شوافع نے مجنون کے ولی کی رجعت کی اجازت دی ہے کیونکہ یہ مجنون کا حق ہے اور عدت ختم ہونے کے ساتھ اس کے ختم ہونے کا خطرہ ہے حنفیہ نے مجنون مکرہ اور معتوہ کو رجوع کی اجازت دی ہے۔ اور بالاتفاق رجوع کرنے والے کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ حج یا عمرہ کے احرام میں نہ ہو اور نہ ہی مریض نہ ہو اس لیے کہ احرام باندھنے والا اور مریض ان میں نکاح کی اہلیت ہے صرف اتنی بات ہے کہ ان پر ایسی چیز طاری ہوئی ہے جو صحت کے لیے مانع ہے پانچ کے لیے رجوع جائز ہے لیکن نکاح جائز نہیں اور وہ محرم مریض بے وقوف مفلس اور غلام ہے۔

کس چیز سے رجعت حاصل ہوگی اس کی شرط......شوافع کے ہاں بولنے والے کو صرف بات سے رجوع حاصل ہوگا چاہے صریح کہے یا کنایہ صریح تو اس طرح کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا میں نے تجھے لوٹایا میں نے تجھے روکا اور ان کے معنی میں جو بھی الفاظ ہیں ہر قسم کی بولی اور لغت میں چاہے عربی جانتا ہو یا نہ اور چاہے رجوع کی اضافت اپنی طرف کرے یا نکاح کی طرف اور ظاہری طور پر رجوع کرنا ضروری ہے مثلاً کہے میں نے فلانہ سے رجوع کیا یا مضمر کہے راجعتک یا اس کی طرف اشارہ کرے میں نے اس سے رجوع کیا۔

اور کنایہ کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا اور کنایہ میں اپنی طرف یا نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے۔ اور فعل کے اعتبار سے مثلاً ہمبستری وغیرہ تو اس سے ان کے ہاں رجوع نہیں ہوتا کیونکہ یہ حرام ہے اور حرام کے ساتھ رجوع صحیح نہیں اگر شوہر نے رجعیہ بیوی سے وطی کرلی تو وہ نئے سرے سے اقرار کا شمار کرے گی وقت وطی سے۔

جمہور کے ہاں رجوع قول فعل سے حاصل ہوجاتا ہے اور فعل میں سے خلوت بھی ہے قول حنفیہ کے ہاں یا تو صریح ہوگا اگرچہ نیت نہ بھی ہو اور وہ وہ لفظ ہے جو رجوع کے علاوہ کسی معنی کا احتمال نہ رکھتا ہو مثلاً میں نے اپنی بیوی سے رجوع یا تجھ سے رجوع کیا یا تجھے لوٹایا یا تجھے روکا یا پھر کنایہ ہوگا نیت کے ساتھ یا دلالت حال کے ساتھ اور کنایہ وہ الفاظ میں جو رجوع اور غیر رجوع دونوں کا احتمال رکھتے ہوں مثلاً تو میری بیوی ہے یا تو اس وقت میرے ہاں ایسی ہی ہے جیسے پہلے بھی تھی صریح میں نیت کی ضرورت نہیں اور کنایہ الفاظ نیت یا دلالت حال کے محتاج ہوتے ہیں اور دونوں کے الفاظ میں اپنی طرف یا اپنے نکاح کی طرف اضافت شرط ہے۔ اور فعل سے رجوع کراہت تنزیہی کے ساتھ درست ہے اور وہ ہر وہ فعل ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے شہوت کے ساتھ چھونا وطی کرنا اگرچہ دبر ہی میں کیوں نہ ہو باوجود یہ کہ دبر

---

❶......البدائع ۳/ ۱۸۳۔۱۸۶ الدر المختار: ۲/ ۷۲۸۔۷۳۲ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۰۵۔۶۰۸ الشرح الکبیر: ۲/ ۶۱۵۔۶۱۸ القوانین الفقہیۃ ص: ۲۳۴ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۳۵،۴۷۱۔۳۳۷ المہذب: ۲/ ۱۰۲ المغنی: ۷/ ۲۷۴، ۲۸۰۔۲۸۵، ۲۹۰۔ کشف القناع: ۵/ ۳۹۳۔۳۹۴

میں حرام ہے اور کسی بھی جگہ کا شہوت کے ساتھ بوسہ لینا اگرچہ وہ سویا ہوا ہو زبردستی ہو مجنون ہو معتوہ ہو اور چاہے طلاق دینے والے نے رجعت کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیونکہ اس فعل کا ہونا بیوی کے روکنے پر صراحۃً دلالت کرتا ہے نیز حنفیہ کے ہاں زوجیت باقی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے والے کو بعل (شوہر) قرار دیا ہے۔اور بیوی کی طرف سے مذکورہ افعال میں سے کسی فعل کے ہونے سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اگر شوہر اس کی تصدیق کردے مثلاً شہوت کے ساتھ بوسہ لینا اور وہ وارث ہوگی اس کے مرنے کے بعد اگر شہوت تھی لیکن اگر شوہر نے انکار کر دیا تو رجعت ثابت نہیں ہوتی مالکیہ کے ہاں رجعت قول فعل اور نیت سے ہو جاتی ہے پھر قول یا تو صریح ہے جیسے رجعت وغیرہ یا صریح نہیں ہوگا مَسَّکْتُھَا وغیرہ اور فعل وطی وغیرہ ہے۔اور نیت دل کی بات ہے کہ اپنے دل میں کہے میں نے رجوع کر لیا لیکن اگر صرف یہ خیال دل میں آئے کہ رجوع کرلوں تو پھر بالاتفاق رجعت نہیں ہوگی۔

اور قول کے ساتھ رجوع کی نیت بھی ضروری ہے یا فعل کے ساتھ بھی برخلاف حنفیہ کے ”کما تقدم“ کیونکہ شوہر کا تصرف قوی دلالت کا محتاج ہے کہ مطلقہ کو واپس لوٹانے کی اس میں رغبت ہے اور یہ نیت ہی سے ہوسکتا ہے اور صریح قول سے مذاق میں بھی رجوع ہو جاتا ہے کیونکہ رجوع میں مذاق بھی سنجیدگی ہے لیکن یہ رجعت مذاق والی ظاہری طور پر رجعت ہے کیونکہ نیت نہیں حاکم اس پر لازم کرے گا نفقہ اور تمام حقوق، اس سے استمتاع حلال نہیں جب تک رجعت کی نیت نہ ہو اور وہ رجوع جس میں نیت نہ ہو اس میں نہ مہر ہے اور نہ ہمبستری کی وجہ سے حد ہے اگرچہ وطی حرام ہے کیونکہ وہ بیوی کے حکم میں ہے عدت کے دوران اور حنابلہ کے ہاں اور اوازاعی کے ہاں رجوع صریح قول سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وطی سے بھی چاہے رجوع کی نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ طلاق زوال ملک کا سبب ہے اور مالک کی جانب سے وطی اس کے زائل ہونے کو روکتی ہے جسے بائع کا اپنی مبیعہ باندی سے وطی کرنا خیار کی مدت میں اور عورت کے بوسہ لینے سے یا شہوت کے ساتھ چھونے سے یا اپنی فرج کو سامنے کرنے سے اور شوہر کا اس کی طرف شہوت سے دیکھنے سے اور خلوت سے بات چیت سے رجوع نہیں ہوتا کیونکہ مذکورہ تمام چیزیں استمتاع نہیں یعنی وطی کے معنی میں نہیں اس لیے کہ وطی تو ظاہری طور پر رجوع پر دلالت کرتی ہے برخلاف مذکورہ اشیاء کے یہی حنابلہ کے ہاں راجح ہے اور اسی طرح طلاق کے انکار سے بھی رجوع نہیں ہوتا کیونکہ یہ رجوع پر دلالت نہیں کرتا اور کنائی الفاظ سے بھی رجوع نہیں ہوتا اس لیے کہ رجعت کا مقصود فرج کا مباح کرنا ہے لہٰذا یہ کنایہ سے حلال نہیں اور بعض حنابلہ کے ہاں خلوت رجوع ثابت کرنے میں وطی کی طرح ہے کیونکہ خلوت کا حکم ان کے ہاں وطی کا حکم ہے تمام معاملات میں خلاصہ یہ کہ قول صریح سے بالاتفاق رجوع ثابت ہوتا ہے اور حنابلہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں کنایہ سے نیت کے ساتھ اور مالکیہ قول اور فعل میں نیت کو شرط قرار دیتے ہیں اور شوافع کے علاوہ باقیوں کے ہاں وطی سے بھی رجوع ہوتا ہے اور حنابلہ کے ہاں کنایہ سے نہیں ہوتا اور شوافع کے ہاں کسی بھی فعل سے رجوع نہیں ہوتا اور میرے ہاں مالکیہ کا قول راجح ہے توسط اور دلیل کے قوی ہونے کی وجہ سے۔

محل رجعت طلاق اور عدت کی شرائط......رجعت میں یہ شرط ہے کہ عورت مدخول بھا ہو نہ کے صرف خلوت ہوئی ہو نیز نکاح صحیح کے بعد طلاق رجعی والی مطلقہ ہو اس لیے کہ نکاح فاسد فسخ کیا جائے گا چاہے بعد الدخول ہو یا قبل الدخول نیز فسخ شدہ نکاح میں رجعت نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق سے جوڑا ہے لہٰذا اسی کے ساتھ خاص ہوگی نیز طلاق بائن تو زوجیت کو فی الحال واقع ہوتے ہی ختم کر دیتی ہے پھر مطلقہ عورت اپنے معاملہ کی مالک ہوتی ہے نیز طلاق بلاعوض ہو اس لیے کہ مطلقہ بعوض اپنے نفس کی مالک ہوتی ہے اور مطلقہ ایسی ہو کہ جس کی طلاق کی تعداد پوری نہ ہوگئی ہو اس لیے کہا اگر عدد طلاق پورا ہو گیا یعنی تین طلاقیں تو پھر شوہر کا اس پر کوئی حق نہیں اور یہ کہ وہ حلت کے قابل ہو رجوع کرنے والے کے لیے مرتدہ نہ ہو پس مرتدہ سے رجوع صحیح نہیں کیونکہ حلال نہیں اسی طرح اس کافرہ سے بھی رجوع صحیح نہیں جو اسلام لے آئی اور اس کا شوہر بدستور کافر ہو حلت نہ ہونے کی وجہ سے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ عدت میں ہو پس عدت ختم ہونے کے

بعد رجوع صحیح نہیں کیونکہ جب عدت ختم ہوگئی تو طلاق بائن ہوگئی رجوع منع ہوگیا۔

رجعت کا زمانہ...... رجعت منجز ہونا شرط ہے اسے مستقبل کی کسی شرط سے معلق کرنا صحیح نہیں مثلاً میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں اگر تو چاہے اور عورت کہے میں چاہتی ہوں یا یہ کہے میں تجھ سے رجوع کروں گا جب تیرا والد آئے یا میں تجھ سے رجوع کروں گا اگر میرے والد سفر سے واپس آئے اسی طرح مستقبل کے زمانہ کی طرف اضافت بھی درست نہیں مثلاً میں تجھ سے کل رجوع کروں گا یا آنے والے ماہ کے شروع میں اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں رجعت عقد نکاح کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ اس کو برقرار رکھنا ہے اس میں تنجیز شرط ہے جیسے عقد نکاح میں اور اس لیے بھی کہ جمہور کے ہاں یہ فرج مقصود کو مباح قرار دینا ہے لہٰذا اسے کسی شرط پر معلق کرنا درست نہیں نکاح کی طرح۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ کسی وقت کے ساتھ مؤقت نہ ہو جب شوہر نے بیوی سے کہا میں نے ایک ماہ کے لیے تجھ سے رجوع کیا تو یہ رجوع نہیں ہوگا البتہ ماضی کے کسی معاملہ کے ساتھ رجوع کو معلق کرنا درست ہے اگر میں نے فلاں کام کیا تھا تو پھر میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں اور وہ کام باقاعدہ ہو چکا تھا یا کسی ایسے معاملہ پر معلق کرنا جو فی الحال متحقق موجود ہو مثلاً اگر میرا والد راضی ہے تو میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں اور اس کا والد مجلس میں موجود ہو اور کہے میں راضی ہوں ان دو صورتوں میں تعلیق اس لیے جائز ہی کہ تنجیز ہے بصورت تعلیق۔ خلاصہ یہ کہ رجعت میں درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں رجوع کرنے والے کی اہلیت یعنی بلوغ اور عقل۔

۲۔ طلاق رجعی ہونا، بائن اور نہ ہی عوض کے ساتھ ہو۔

۳۔ رجعت عدت میں کی ہو عدت گذرنے کے بعد نہیں ہوتی۔

۴۔ عورت متعین ہو جسے طلاق دی گئی ہے مبہم نہ ہو اور مدخول بھا ہو نکاح صحیح ہو اور حلت کے قابل ہو لہٰذا غیر مدخول بھا سے رجوع صحیح نہیں اور نہ ہی جس کا نکاح فسخ ہوا اس سے اور نہ ہی مرتدہ سے۔

۵۔ رجوع فی الفور ہو کسی وقت کے ساتھ مؤقت نہ ہو نہ کسی شرط پر معلق ہو اور نہ ہی مستقبل کی طرف مضاف ہو۔

جو چیزیں رجوع میں شرط ہیں:

۱۔ عورت کی رضامندی...... بالاتفاق رجوع میں عورت کی رضامندی شرط نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ...... البقرۃ: ۲/۲۲۸

اس آیت میں رجوع کا حق مردوں کو دیا ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ...... البقرۃ: ۲/۲۳۱

یہاں بھی مردوں کو امر کا مخاطب قرار دیا ہے اور عورتوں کے لیے کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ نیز اس لیے بھی کہ رجوع عورت کو زوجیت میں روکنے کا نام ہے لہٰذا رجوع میں عورتوں کی رضا کا اعتبار نہیں جیسے وہ عورت جو مکمل طور پر عصمت میں ہو۔ اسی طرح رجوع میں نہ ولی کی شرط ہے نہ مہر کی اس لیے کہ رجعیہ بیوی کے حکم میں ہے اور رجوع اس کو روکنا ہے اور اس کی زوجیت کو باقی رکھنا ہے۔

۲۔ عورت کو رجوع کا بتانا...... اسی طرح عورت کو رجوع کی اطلاع دینا بھی شرط نہیں لہٰذا رجوع صحیح ہے اگر یہ عورت کو معلوم نہ بھی ہو اس لیے کہ رجوع مرد کا خاص حق ہے یہ عورت کی رضا پر موقوف نہیں جیسے طلاق البتہ عورت کو اس کی اطلاع دینا مستحب ہے حتی کہ اس کے ساتھ غیر نکاح نہیں کر سکتا عدت ختم ہونے کے بعد حتی کہ زوجین کے ساتھ منازعت نہیں ہو سکتی جبکہ شوہر گواہوں سے رجوع ثابت کر دے اگر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا اور پہلے شوہر نے گواہوں سے رجوع ثابت کر دیا تو رجوع صحیح ہے۔ اور دوسرا نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

۳۔ رجوع پر گواہ بنانا...... جمہور (حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے) ہاں صحت رجوع کے لیے گواہ بنانا شرط نہیں البتہ احتیاط کے

طور پر گواہ بنانا مستحب ہیں تا کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی انکار نہ کر دے اور اس کے حصول کے شک کو دور کرنے کے لیے اور ازدواجی تعلق دوبارہ قائم کرنے میں تہمت سے بچنے کے لیے پس شوہر گواہوں سے کہے اس پر گواہ رہو کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا یا میں نے اس بیوی سے رجوع کر لیا جسے میں نے طلاق دی ہوئی تھی لیکن اگر رجوع پر گواہ نہ بنائے تو بھی رجوع صحیح ہے۔

اور ظاہریہ کے ہاں رجوع پر گواہ بنانا واجب ہے ورنہ رجوع صحیح نہ ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اور اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ (اس پر) اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے نیز نکاح میں گواہ بالاتفاق شرط ہیں لہٰذا اسے باقی رکھنے میں بھی شرط ہونے چاہیں۔

جمہور نے اس آیت میں امر کو ندب واستحباب پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (الطلاق: ۲/۶۵) کے بعد واقع ہے اور علماء کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ طلاق پر گواہ بنانا واجب نہیں لہٰذا رجوع بھی اس کے مثل ہے نیز نصوص قرآنیہ مطلق ہیں۔ مثلاً فَاَمْسِكُوْهُنَّ (البقرۃ:۲/۲۳۱) اور وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (البقرۃ:۲/۲۲۸) نیز روایت ہے کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع پر گواہ بنانے کا حکم نہیں فرمایا اگر گواہ بنانے شرط ہوتے تو آپ ان کو حکم دیتے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی کہ پھر اس نے اس سے ہمبستری کر لی نہ ہی طلاق پر گواہ بنائے اور نہ رجوع پر تو انہوں نے فرمایا طلاق بھی غیر مسنون طریقے پر دی اور رجوع بھی غیر مسنون طریقے پر کیا اپنی طلاق پر بھی گواہ بناؤ اور رجوع پر بھی اور آئندہ ایسا نہ کرنا ❶ نیز اس میں بھی کہ رجوع شوہر کا حق ہے یہ عورت کی مرضی پر موقوف نہیں لہٰذا باقی حقوق کی طرح یہ بھی گواہ کا محتاج نہیں نیز اس لیے بھی کہ ابتداء نکاح میں شہادت شرط ہے عظیم ہونے کی وجہ سے لہٰذا اس کی باقی رکھنے کے لیے شرط نہیں اور رجوع کرنا رشتہ ازدواج کو باقی رکھنا ہے لہٰذا گواہ بنانا اس کی صحت کے لیے شرط نہیں۔

چوتھی بات: رجوع میں زوجین کا اختلاف...... جب میاں بیوی دوران عدت رجوع پر متفق ہوں تو اس پر رجوع کا اثر ثابت اور مرتب ہوگا لیکن اگر زوجین میں اختلاف ہو جائے پھر یہ اختلاف یا تو رجوع ہونے میں ہوگا یا پھر اس کے صحیح ہونے میں ہوگا۔

۱...... اگر رجوع کے حصول میں زوجین کا اختلاف ہو جائے بایں طور کہ شوہر دعویٰ کرے میں نے رجوع کر لیا ہے اور عورت انکاری ہو اب اگر یہ اختلاف عدت ختم ہونے سے پہلے ہو تو بالاتفاق شوہر کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ رجوع کا مالک ہے تو اس کا اصرار اس سلسلہ میں قبول کیا جائے گا جیسا کہ طلاق کے سلسلہ میں شوہر کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر عدت ختم ہونے کے بعد اختلاف ہوا تو پھر اگر شوہر اپنے دعویٰ کو گواہوں سے ثابت کر دے یا عورت اس کی تصدیق کر دے تو رجوع ثابت ہے۔ لیکن اگر شوہر گواہوں سے ثابت نہ کر سکے اور عورت اس کی تکذیب کر دے تو پھر عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اکثر کی رائے میں اور حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول یہی صاحبین کا ہے اگر عورت قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو صاحبین کے ہاں اسے قید کیا جائے گا تا کہ اقرار کر لے یا حلف اٹھائے اس لیے کہ ان کے ہاں قسم سے انکار حق کا اقرار ہے اور رجوع کا اقرار ان کے ہاں درست ہے اور امام صاحب کے ہاں اس پر قسم نہیں اور عورت کا قول قبول ہوگا کیونکہ اصل رجوع کا نہ ہونا ہے اور فرقت کا ہونا ہے۔

اگر دونوں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے ہمبستری کے سلسلہ میں شوہر کہے میں نے ہمبستری کی ہے اور عورت انکار کرے تو بھی عورت کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ اس لیے کہ اصل وطی نہ ہونا ہے اور جدائی واقع ہونا ہے اور عورت منکر ہے لہٰذا قسم منکر پر ہوتی ہے۔

---

❶ ...... رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ولم یقل ولا تعد (نیل الاوطار: ۶/۲۵۳)

۲..... اور زوجین میں صحت رجوع کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے شوہر کہے میں نے تجھ سے عدت میں رجوع کیا تھا لہٰذا رجوع صحیح ہو گیا اور بیوی کہے رجوع باطل ہے کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد تو نے رجوع کیا تھا یا جواب دیتے ہوئے کہے میری عدت ختم ہو گئی تھی اور عدت طہروں کے ساتھ تھی تو عورت کا قول معتبر ہوگا اگر یہ اس میں ممکن ہو۔ اگر طلاق اور رجوع کے درمیان کی مدت عدت ختم ہونے کے لیے کافی تھی تو عورت کا قول قسم کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے ہاں معتبر ہے۔ اس لیے کہ حیض کے ساتھ عدت کا ختم ہونا صرف عورت ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اگر گذری ہوئی مدت عدت ختم ہونے کے لیے کافی نہ ہو بایں طور کہ شرعی طور پر جو کم سے کم مدت ہے عدت کے ختم ہونے کی اس سے بھی کم ہو تو پھر عورت کا قول معتبر نہیں اور رجوع صحیح ہے کیونکہ عورت کے دعویٰ کے جھٹلانے کا قرینہ ظاہر ہو گیا۔

حنفیہ کے ہاں حیض سے عدت کی کم سے کم مدت: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ساٹھ دن ہیں اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ حیض کے دس دن ہیں اور حیض تین ہیں جو تیس (۳۰) دن بنتے ہیں ان کے درمیان دو طہر آتے ہیں وہ بھی تیس (۳۰) دن ہیں اس لیے کہ دو حیضوں کے درمیان کم سے کم طہر کے پندرہ (۱۵) دن ہیں۔ پس ان کا مجموعہ ساٹھ (۶۰) دن ہوئے اور عورتوں کے درمیان راجح اور غالب یہی ہے۔

حنابلہ کے ہاں عدت کی کم سے کم مدت انتیس (۲۹) دن اور ایک لحہ ہے یہ اس طرح کے وہ عورت کو طلاق دے طہر کے آخر میں پھر اس کے بعد عورت ایک دن اور ایک رات حیض میں رہے پھر تیرہ (۱۳) دن عورت پاک رہے پھر ایک دن اور ایک رات اسے حیض آئے پھر تیرہ (۱۳) دن وہ پاک رہے پھر ایک دن اور ایک رات اسے حیض آئے پھر ایک لحہ وہ پاک رہے تا کہ اس سے حیض کا ختم ہونا معلوم ہو سکے۔

اور مالکیہ کے ہاں عدت ختم ہونے کی کم سے کم مدت طہروں کے ساتھ ہے جو تیس (۳۰) دن ہیں بایں طور کہ شوہر بیوی کو مہینے کی پہلی رات میں طلاق دے پاک ہونے کی حالت میں پھر اسے حیض آ جائے اور یہ حیض فجر سے پہلے ختم ہو جائے اس لیے کہ ان کے ہاں حیض کی کم مقدار ایک دن یا آدھا دن ہے بشرطیکہ عورتیں اسے حیض قرار دیں پھر وہ عورت پندرہ (۱۵) دن پاک رہے پھر سولہویں رات کو عورت کو حیض آئے پھر فجر سے پہلے ختم ہو جائے پھر اسے اس مہینے کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد حیض آئے تو اب یہ تین طہر پاک رہی ایک وہ طہر جس میں اسے طلاق دی گئی پھر مہینے کے نصف اول کا طہر پھر تیسرا مہینے کے نصف ثانی کا طہر تو اب کل تیس (۳۰) دن بنتے ہیں مہینے کے۔

اور شوافع کے ہاں عدت ختم ہونے کی کم سے کم مدت ۳۲ دن اور دو لحے ہیں اور اس سے کم کسی حال میں بھی قبول نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں اس سے کم کا تصور ہی نہیں بایں طور کہ وہ طلاق دے اور طہر کا ایک لحہ باقی ہو اور یہی ان کے ہاں قرء ہے پھر ایک دن اور ایک رات اسے حیض آئے یہ ان کے ہاں حیض کی کم سے کم مدت ہے پھر پندرہ دن وہ پاک رہے اور یہ اقل مدت ہے طہر کی اور یہ دوسرا قراء ہے پھر ایک دن اور ایک رات حیض آئے پھر پندرہ دن پاک رہے اور یہ تیسرا قرء ہے پھر اسے حیض آ جائے اور یہ حیض عدت میں سے نہیں بلکہ عدت کے ختم ہونے کے یقین کے لیے ہے۔ اور یہ کل ۳۲ دن اور دو لحے بنے۔

غسل کی مدت..... حنفیہ کے ہاں اگر عورت آخری حیض سے دس دن پورے کر کے پاک ہوئی ہو تو اگرچہ غسل نہ بھی کرے تب بھی رجعت کا وقت ختم ہو گیا کیونکہ حیض دن سے زیادہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر حیض دن دن سے کم میں بند ہو تو غسل جب تک نہیں کیا رجوع کا وقت ختم نہیں ہوگا کیونکہ خون کا دوبارہ آنے کا احتمال ہے یا اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے تو نماز اس کے ذمہ میں دین ہوگی یا وہ عذر کی بناء پر تیمم کرے اور پھر وقت کے اندر نماز پڑھ لے اگرچہ نفل ہی کیوں نہ ہوں یہ شیخین کے ہاں استحسانا ہے اور اکثر حنابلہ کے ہاں اتنا وقت ہونا ضروری ہے کہ حیض کے ختم ہونے کے بعد اس میں غسل ممکن ہو عدت ختم ہونے کے لیے قولی طور پر۔ یہ پہلی قسم تھی جس میں عورت ماہواری کے ذریعہ عدت ختم ہونے کا دعویٰ کرے۔

دوسری قسم: کہ عورت عدت کے ختم ہونے کا وضع حمل کے ساتھ دعویٰ کرے..... جب مطلقہ عورت دعویٰ کرے کہ اس کی

عدت وضع حمل کے ساتھ ختم ہوگئی ہے تو چھ ماہ سے کم کی صورت میں اس کا قول قبول نہ ہوگا۔
یعنی عقد نکاح ہونے کے بعد ہمبستری ممکن ہونے کے وقت سے طلاق تک کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

تیسری قسم: کہ عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت کے خاتمہ کا دعویٰ کرے...... جب عورت چھوٹی ہو اور اسے ماہواری نہ آتی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اگر وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت کے ختم ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سلسلہ میں اس کی بات معتبر نہ ہوگی بلکہ شوہر کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ طلاق کے وقت کے بارے میں اسی کے قول پر اعتماد ہے لہٰذا اسی کا قول معتبر ہوگا سوائے اس صورت کے جب وہ عدت کے ختم ہونے کا اس لیے دعویٰ کرے تاکہ نفقہ اس سے ساقط ہو جائے تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہے کیونکہ شوہر اس کا دعویٰ کررہا ہے جس سے نفقہ ختم ہو اور نفقہ میں اصل وجوب ہے لہٰذا اس کا قول گواہوں کے بغیر معتبر نہیں۔[1]

شام کے قانون میں رجوع......شامی قانون میں حنفی مذہب کو لیا گیا ہے کہ طلاق رجعی سے زوجیت زائل نہیں ہوتی اور یہ کہ قول اور فعل سے رجوع جائز ہے اور عدت طلاق کے ختم ہونے پر رجوع ختم دفعہ نمبر ۱۱۸ میں درج ذیل تصریح ہے:

۱......طلاق رجعی سے زوجیت ختم نہیں ہوتی اور شوہر کو اختیار ہے کہ وہ دوران عدت بیوی سے رجوع کرے قول سے یا فعل سے اور یہ حق ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

۲......طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

حلالہ یا حلت کے لیے نکاح......ہم نے بیان کردیا ہے کہ تین طلاقیں ملکیت بھی ختم کردیتی ہیں حلت بھی ایک خاص وقت تک پس عورت حرام ہو جاتی ایک خاص وقت تک اور پہلے شوہر کا اس کے ساتھ نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ البقرۃ:۲/۲۳۰

اگر (شوہر نے تیسری) طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ اور چاہے یہ تین طلاقیں الگ الگ دی ہوں یا ایک ہی لفظ سے دی ہوں یہ حرمت بالاتفاق فقہاء کے ہاں دوسرے شوہر سے مؤبد طبعی طور پر نکاح کرنے سے ختم ہو جاتی ہے کہ اس کا ارادہ اس کے ساتھ ہمیشہ کا نکاح کرنے کا ہو اور یہی مقصود ہے۔ قرآن کریم سے اور اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱۔ پہلی شرط: کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے......فرمان باری تعالیٰ ہے:

حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ البقرۃ:۲/۲۳۰

یہاں پر حلت کی نفی ہے دوسرے شوہر کے نکاح تک پس اس عورت سے کسی نے وطی کر لی زنا کے طور پر یا شبہ کے ساتھ تو وہ حلال نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اس کا شوہر نہیں۔

دوسری شرط: کہ دوسرا نکاح صحیح ہو......اگر نکاح فاسد ہو اور اس نے دخول بھی کرلیا تو بھی عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح فاسد حقیقت کے اعتبار سے نکاح نہیں کیونکہ آیت میں نکاح کو مطلق رکھا گیا ہے جو نکاح صحیح کا تقاضا کرتا ہے۔

تیسری شرط......کہ دوسرے شوہر نے اس سے باقاعدہ فرج میں ہمبستری کی ہو اگر اس نے فرج کے علاوہ وطی کی تو بھی پہلے شوہر کے

---

[1]...... البدائع:۳/۱۸۷۔۱۸۹ اللباب:۳/۵۸ بدایۃ المجتہد:۲/۸۶ المہذب ۲/۴۶ مغنی المحتاج:۳/۱۸۲ المغنی:۶/۶۴۵ المحلی:۱۰/۲۲۰ مسالۃ ۱۹۵۵۔

لیے حلال نہ ہوگی اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلت کو معلق کیا ہے دونوں کے مزہ چکھنے پر رفاعۃ القرظی کی بیوی کو آپ نے فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟ نہیں تو اس وقت تک واپس نہیں جا سکتی جب تک کہ تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے اور وہ تیرا ذائقہ نہ چکھ لے ❶ اور یہ چیز صرف فرج میں وطی کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ حشفہ فرج میں چھپ جائے کیونکہ وطی کے احکام اس کے ساتھ متعلق ہیں اور یہ بھی انتشار کی شرط کے ساتھ ہے کیونکہ حکم مزہ چکھنے کے ساتھ متعلق ہے اور وہ انتشار کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس شرط کے ساتھ کہ شوہر ثانی کے لیے جماع کرنا ممکن ہو نہ کہ وہ بچہ ہو جو جماع نہیں کر سکتا۔

اور وطی کی شرط یہ ہے کہ دونوں کے ختان مل جائیں اگرچہ انزال نہ بھی ہو۔ یہ جمہور علماء کی رائے ہے اور حسن بصریؒ کی رائے یہ ہے کہ انزال کی ساتھ وطی ہوگی تو حلال ہوگی۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس وطی سے حد لگتی ہے، روزہ فاسد ہوتا ہے، حج فاسد ہوتا ہے، مطلقہ حلال ہوتی ہے اور بیوی محصنہ ہوتی ہے اور مہر واجب ہوتا ہو وہ دونوں کی شرمگاہوں کا مل جانا ہے۔

امام ابوحنیفہ شافعی ثوری، اور امام اوزاعی کے ہاں عورت سے وطی کرنا حلال کر دیتا ہے اگرچہ وہ وطی ناجائز وقت میں بھی ہوئی ہو۔ مثلاً حیض یا نفاس کی حالت میں اور چاہے وطی کرنے والا عاقل بالغ ہو یا بلوغت کے قریب بچہ ہو ❷ یا مجنون ہو اس لیے کہ اس بچے اور مجنون کی وطی کے ساتھ احکام نکاح مہر اور حرمت وغیرہ بالغ کی وطی کی طرح متعلق ہوتے ہیں اسی طرح وہ چھوٹی بچی کہ اس کی مثل بچیوں سے جماع ہو سکتا ہو اور اسے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں اس کے ساتھ شوہر ثانی نے دخول کیا تو وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی کیونکہ فرمان باری تعالیٰ مطلق ہے نیز اس لیے بھی کہ اس بچی سے وطی کرنے سے وطی کے احکام یعنی مہر اور حرمت متعلق ہوتے ہیں گویا بالغہ سے وطی کی طرح اس سے وطی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ نے ایک چوتھی شرط بھی لگائی ہے کہ وطی حلال بھی ہو اور وطی کرنے والا مالکیہ کے ہاں بالغ بھی ہو اور حنابلہ کے ہاں کہ وہ بارہ سال کا ہو اس لیے کہ ناجائز وطی حرام ہے حقوق اللہ کی وجہ سے لہٰذا اس سے حلت حاصل نہ ہوگی جیسے مرتدہ سے وطی اور بلوغ سے کم یا بارہ سال سے کم سے مجامعت ممکن نہیں۔ پس مطلقہ حلال نہیں ہوگی الا یہ کہ مباح وطی ہو اور عقد صحیح میں ہو روزہ اور حج اور حیض اور اعتکاف میں نہ ہو اور مالک اور ابن القاسم کے ہاں ذمیہ ذمی کی وطی سے مسلمان کے لیے حلال نہ ہوگی اور امام احمد نے تصریح کی ہے کہ اگر بیوی ذمی ہو اور اس سے ذمی شوہر وطی کرے تو وہ مسلمان طلاق دینے والے کے لیے حلال ہے اس لیے کہ یہ نکاح صحیح تام والے شوہر کی وطی ہے لہٰذا مسلمان کی وطی کے مشابہ ہوگئی یہی شوافع اور مالکیہ کی بھی رائے ہے اور حنابلہ نے بھی حنفیہ کی طرح مطلقہ ثلاثہ کو مجنون کی وطی سے بھی حلال قرار دیا ہے کیونکہ ظاہر آیت کا تقاضا یہی ہے۔ (البقرۃ: ۲: ۲۳۰) نیز یہ مباح وطی ہے شوہر کی جانب سے نکاح صحیح تام میں لہٰذا عاقل کی وطی کے مشابہ ہوگئی۔

حلالہ کی شرط سے نکاح..... فقہاء کا اتفاق ❸ ہے کہ تین طلاق والی سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ عقد میں صریح طور پر کہ زوج ثانی اسے پہلے کے لیے حلال کر دے یہ جائز نہیں جمہور کے ہاں حرام ہے اور حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ابن مسعود کے ارشاد کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کروانے والے اور حلالہ کرنے والے پر لعنت کی ہے۔ ❹

نیز آپ کے اس ارشاد کی وجہ سے کیا میں تمہیں عاریت پر لیے گئے بیل کی خبر نہ دوں؟ تو صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے حلالہ کروانے والے اور کرنے پر لعنت کی ہے ❺ نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت

---

❶ ..... رواہ الجماعۃ عن عائشۃ (نیل الاوطار: ۲۵۳/۶) ❷ یعنی مراہق وہ بچہ ہے جس کے آلہ میں حرکت ہو شہوت آئے بعض حنفیہ نے دس سال عمر مقرر کی ❸ المراجع السابقۃ: ❹ رواہ احمد، النسائی والترمذی وصححہ عن ابن مسعودؓ ورواہ الخمسۃ الاالنسائی عن علی (نیل الاوطار: ۱۳۸/۶) ❺ رواہ ابن ماجہ عن عقبۃ بن عامر والمرجع السابق۔

کرتی ہے لہٰذا شرعی نکاح کا اطلاق ممنوع نکاح پر نہیں ہوسکتا اور نکاح محلل یہ ہے کہ آدمی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ جب وہ اس سے ہمبستری کرے گا تو ان کے درمیان کوئی نکاح نہیں ہوگا اور اس لیے شادی کرے تا کہ وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے۔ یہ نکاح جمہور کے ہاں فاسد ہے (یعنی مالکیہ، شوافع، حنابلہ، ظاہریہ اور امام ابو یوسف کے ہاں) سابقہ کی وجہ سے نیز اس لیے بھی کہ حلال کرنے کی شرط کے ساتھ نکاح نکاح مؤقت کے معنی میں ہے اور نکاح میں وقت کی شرط سے وہ فاسد ہو جاتا ہے اور نکاح فاسد سے حلالہ نہیں ہوسکتا یہ ایک مدت تک کے لیے نکاح ہے یا اسمیں ایسی شرط ہے جو اس کے باقی رہنے کے لیے مانع ہے لہٰذا یہ نکاح متعہ کے مشابہ ہے مہذب میں فرمایا: یہ نکاح ایسا ہے کہ اس کا ختم ہونا مشروط ہے نہ کہ اس کی انتہاء لہٰذا نکاح متعہ کے مشابہ ہے نیز عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ بخدا اگر کوئی بھی حلالہ کروانے والا لایا جائے تو میں ان دونوں کو رجم کروں گا۔ ❶

امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے ہاں یہ نکاح صحیح ہے لیکن مکروہ تحریمی ہے اگر شوہر ثانی نے وطی کر لی تو وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی اس کے بعد کہ وہ اسے طلاق دے دے اور وہ عدت گذارے اس لیے کہ تحلیل کی شرط فاسد ہے اور نکاح شرائط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط لغو ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ آیت حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ مطلق ہے اس میں تحلیل کی شرط ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہاں اتنی بات ہے کہ یہ ہے کہ مکروہ تحریمی اس لیے کہ یہ شرط نکاح کے مقصود کے منافی ہے اور وہ سکون توالد و تناسل اور عفت حاصل کرنا اور یہ چیزیں بقاء اور دائمی زوجیت پر موقوف ہیں۔ اور امام محمد فرماتے ہیں دوسرا نکاح صحیح ہے لیکن مطلقہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی کیونکہ نکاح مؤبد عقد ہے پس حلال کرنے کی شرط جلدی کرنا ہے اس میں جسے اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہوا ہے حل کی غرض سے شرط باطل اور نکاح صحیح باقی لیکن اس سے غرض حاصل نہ ہوگی جیسے کہ وہ شخص جو اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم ہوتا ہے اور یہی قول شوافع کا ہے اس صورت میں جب کسی نے کسی عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ جب اس سے وطی کرے گا اسے طلاق دے دے گا اور امامیہ (کافروں) نے محلل کے نکاح کی اجازت دی ہے مطلقا وطی کی شرط کے ساتھ اور شوہر بالغ ہو اور عقد صحیح ہوگا ہمیشہ کے لیے۔

حلال کرنے کی نیت سے نکاح بغیر شرط کے...... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❷ نکاح حلالہ کی غرض سے بغیر شرط کے بھی باطل ہے بایں طور کہ عقد کرنے والے پہلے سے مشاورت کر لیں پھر اس ارادہ سے عقد نکاح کریں بایں طور کہ شوہر عقد میں اس کی نیت کرے یا حلالہ کی نیت کرے بغیر شرط کے تو عقد باطل ہے اس سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی حرام کے ذرائع کو بند کرنے پر عمل کرتے ہوئے اور حدیث سابق لعن اللّٰہ المحلل والمحلل بہ پر عمل کرتے ہوئے۔ حنفیہ، شافعیہ اور ظاہریہ کے ہاں ❸ حلال کے ارادہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جبکہ عقد میں شرط نہ رکھی ہو اور دوسرے شوہر کی وطی سے عورت پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی اس لیے کہ معاملات میں صرف نیت معتبر نہیں ہے لہٰذا نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ صحت عقد کی شرائط پائی گئیں اور وہ پہلے کے لیے حلال ہے جیسا کہ وہ وقت کی نیت کریں اور تمام فاسد معانی کی اور میں پہلی رائے کو ترجیح دیتا ہوں دلائل کی قوت کی وجہ سے نیز یہ فعل سفاحی کے مشابہ ہے دلیل یہ ہے کہ حاکم اور طبرانی نے اوسط میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور اس کے بھائی نے اس سے بغیر رغبت کے نکاح کر لیا تا کہ وہ اس کے بھائی کے لیے حلال ہو جائے تو کیا وہ پہلے کے لیے حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں الا یہ کہ رغبت سے نکاح ہوا ہوا سے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ میں سفاح شمار کرتے تھے ❹ لیکن ابن حزم نے اسے حلال کی شرط والے نکاح سے خاص کیا۔ ❺

❶......رواہ الاثرم عن قبیصۃ بن جابر ❷بدایۃ المجتہد ۲/۸۷ المغنی: ۶/۶۴۶ وما بعدھا ❸البدائع ۳/۱۸۷ مغنی المحتاج: ۳/۱۸۳ المحلی: ۱۰/۲۲۰۔ ❹نیل الاوطار ۶/۱۳۹۔ ❺المحلی: ۱۰/۲۲۳ ومابعدھا

زوج کا زوج اول کی طلاق کو معدوم کرنا...... اس موضوع پر کلام پہلے ہو چکا اور یہاں میں ایک دوسری تفصیل کے ساتھ اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔ ❶

(الف)...... فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے جب اس کا شوہر رجوع کرلے اور بائنہ عورت جسے بینونت صغری ہوئی ہو سے اس کا شوہر عقد جدید کرے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے سے پہلے تو وہ عورت اس کے پاس باقی تین طلاقوں میں سے جو بچی ہیں ان کے ساتھ واپس لوٹے گی یعنی ایک یا دو کے ساتھ۔

(ب)...... اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ تین طلاقوں کے بعد نکاح ثانی پہلے شوہر کی طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ وہ جدید حلت کو ثابت کرنے والا ہے اور دبیل حلت تین طلاقوں سے زائل ہوگئی۔

(ج)...... اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ زوج ثانی تین سے کم طلاقوں کو بھی ختم کر دیتا ہے یا نہ اس میں دو رائے ہیں مالکیہ شوافع حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد اور زفر کے ہاں تین سے کم کو ختم نہیں کرتا یعنی اگر مطلقہ سے تین طلاقوں سے پہلے شوہر اول کے علاوہ کوئی نکاح کرے پھر شوہر اول اس سے نکاح جدید کرے تو وہ تین میں سے جو باقی ہیں ان کے ساتھ واپس آئے گی جیسا کہ کبار صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی عمر علی، معاذ عمران بن حصین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے نیز اس لیے بھی کہ شوہر ثانی کی وطی حلال کرنے کی محتاج نہیں شوہر اول کے لیے لہذا طلاق کا حکم تبدیل نہ ہوگا نیز یہ تین طلاقیں دینے سے پہلے نکاح ہے اور یہ مشابہ ہے اس کے کہ دوسرے کی وطی سے پہلے اگر رجوع کرے۔

شیخین (امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف) کے ہاں تین سے کم کو بھی ختم کر دیتا ہے وہ عورت شوہر کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آنے گی اس لیے کہ جب وہ تین کو ختم کر دیتا ہے تو تین سے کم تو زیادہ اس کے لائق ہیں کہ وہ ختم ہو جائیں، اس لیے کہ شوہر ثانی کی وطی حلت کو ثابت کرتی ہے پس تین طلاقوں کے لیے جب حلت ہے تو اس کے کم کے لیے تو بدرجہ اولی حلت ہے۔

دوسری فصل...... خلع

اس میں پانچ بحثیں ہیں:

پہلی بحث: خلع کا معنی مشروعیت، الفاظ، حکم، وقت اور ارکان:

خلع کا معنی...... لغوی اعتبار سے خلع اتارنے اور ازالہ کرنے کو کہتے ہیں اور عرفی اعتبار سے زوجیت ختم کرنے کو کہتے ہیں اور فقہی اعتبار سے ہر مذہب میں اس کے لیے تعریفیں ہیں، حنفیہ کے ہاں ❷ ملک نکاح کو لفظ خلع یا اس معنی کے الفاظ سے ختم کرنا جو کہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے پس ملک نکاح کے لفظ سے نکاح فاسد کا خلع اور بینونت کے بعد اور ردت کے بعد کا خلع نکل گیا کیونکہ یہ لغو ہے اور عورت کے قبول کرنے پر موقوف کے الفاظ سے وہ صورت نکل گئی جب کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور مال ذکر نہ کرے اور اس نے طلاق کی نیت ہو اس لیے کہ یہ بائن طلاق ہوگی حق کو ساقط نہ کرے گی کیونکہ یہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں اور قبول کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلع بدل کے ساتھ ہے اور جب وہ بدل مالی کے ساتھ ہو تو اس کا قبول کرنا لازم ہے اور لفظ خلع سے مال پر طلاق نکل گئی تعریف سے کیونکہ یہ بھی حقوق کو ساقط نہیں کرتی اور اس کے ہم معنی الفاظ کے لفظ میں لفظ مباراۃ لفظ بیع شراء داخل ہوں گے کیونکہ یہ حقوق کو ساقط کرنے والے ہیں اور مہر بھی ان میں سے ہے خلاصہ یہ کہ: یہ تعریف خلع کے ساتھ خاص ہے جو حقوق کو ساقط کرنے والا ہو اور معمول کے مطابق اس مال کے مقابلہ میں ہو

---

❶ ...... فتح القدیر: ۱۷۸/۳ بدایۃ المجتہد: ۸۷/۲ وما بعدھا الدر المختار ۷۴۶/۲ القوانین الفقہیۃ ص ۲۲۶ مغنی المحتاج: ۲۹۳/۳ المہذب: ۱۰۵/۲ المغنی: ۲۶۱/۷۔ ❷ الدر المختار ۷۶۶/۲ فتح القدیر: ۱۹۹/۳ اللباب: ۶۴/۳

جس سے عورت فدیہ دے کر جان چھڑاتی ہے اگر خلع کرلیا تو طلاق بائن ہوجائے گی اور عورت پر مال دینا لازم ہوگا مالکیہ کے ہاں ❶ خلع عوض کے ساتھ طلاق دینا ہے زوجہ کی طرف سے ہو یا غیر کی طرف سے یعنی ولی یا کسی اور کی طرف سے یا وہ لفظ خلع کے ساتھ ہو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خلع کی دو قسمیں ہیں پہلی: جو غالب ہے وہ یہ کہ جو عوض کے مثل ہو دوسری جو لفظ خلع سے واقع ہوا گرچہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ بھی ہو بایں طور بیوی سے کہے میں نے تجھ سے خلع کیا یا تو خلع والی ہے بالفاظ دیگر: عورت یا کوئی اور شوہر کو مال دے تا کہ وہ اسے طلاق دے یا عورت کا جو حق مرپر ہے اسے ساقط کردے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی یعنی خلع مالکیہ کے ہاں بعوض جدائی اور بغیر عوض جدائی کو شامل ہے۔

شوافع کے ہاں ❷ خلع لفظ طلاق یا لفظ خلع کے ساتھ عوض کے بدلے زوجین میں تفریق ہونا جیسے مرد کا بیوی کو کہنا میں نے تجھے طلاق دی یا تجھ سے خلع کیا اتنے مال پر اور عورت قبول کرلے۔ یہ تعریف مناسب ہے خلع کے مقصود کے ساتھ متفق ہونے اور لوگوں کے مفہوم اور مصر اور شام میں نافذ قانون کے اعتبار سے۔

حنابلہ کے ہاں ❸ خلع شوہر کا بیوی سے جدائی اختیار کرنا کسی عوض کے بدلے میں کہ وہ اس سے لے یا اس کے غیر سے مخصوص الفاظ کے ساتھ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ شوہر سے اس طرح خلاصی پانا کہ اسے رجوع کا حق باقی نہ رہے سوائے عورت کی رضامندی کے اور ان کے ہاں عوض کے بغیر بھی خلع درست ہے اور شوہر کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا جیسا کہ مالکیہ کے ہاں ہے اور حنابلہ کے ہاں راجح یہ ہی کہ عوض خلع کا رکن ہے لہٰذا اس کا چھوڑ دینا صحیح نہیں جیسے بیع میں ثمن اگر بغیر عوض خلع کیا تو خلع نہ ہوگا اور نہ طلاق ہوگی الا یہ کہ طلاق کا لفظ استعمال کرے طلاق کی نیت سے تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔

خلع کی مشروعیت..... خلع جائز ہے اور اکثر علماء کے ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ❹ کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے کہ ان کے درمیان ناچاقی اختلاف اور زوجین میں موافقت نہیں ہوسکتی اور عورت مرد سے بغض کرتی ہے اور اس کے ساتھ زندگی گذارنا اس کے لیے ناپسند ہوتا ہے جسمانی اور خلقی اسباب کی وجہ سے یا اخلاقی اور دینی اعتبار سے یا بڑھاپے اور ضعف کی وجہ وغیرہ سے اور اسے خوف ہوتا ہے کہ وہ خاوند کی اطاعت میں حقوق اللہ پورے نہیں کرسکے گی تو اسلام نے عورت کے لیے ایک خاص طلاق خاص طور پر مشروع کی ہے اس کا حرج دور کرنے کے لیے اور اس سے ضرر اٹھانے کے لیے کہ وہ اپنے مال میں سے کوئی چیز خرچ کرکے اپنے آپ کو آزاد کرے اور عوض کے طور پر شوہر کو کچھ دے جو اس نے نکاح کے لیے خرچ کیا اور جمہور علماء نے فدیہ لینا خاص کیا اس صورت کے ساتھ کہ جب عورت کی جانب سے نافرمانی ہو عورت کے ساتھ زندگی گذارنا ناممکن ہو۔

کتاب اللہ اور سنت خلع کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ البقرۃ:۲/۲۲۹

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿۴﴾ النساء:۴/۴

پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا۔

اور ارشاد ہے:

---

❶.....الشرح الصغير:۲/۵۱۷ القوانين الفقهية ۲۳۲ ❷ مغني المحتاج:۳/۲۶۲ ❸ كشف القناع:۵/۲۳۷ المغني:۷/۶۷۔

❹ بداية المجتهد۲/۶۶ الدرالمختار:۲/۷۸۷ مغني المحتاج:۳/۲۶۲ المغني:۷/۵۱

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا النساء:۱۲۸

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح۔

اور سنت میں سے ایک تو حدیث ابن عباس ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی اے اللہ کے رسول میں ان کے بارے میں نہ اخلاقی عیب کا کہتی ہوں نہ دینی لیکن میں اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اسے اس کا باغ واپس دینا چاہتی ہے؟ تو عرض کی جی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باغ قبول کرو اور اسے ایک طلاق دے دو ❶ اب یہ برے اخلاق یا دینی نقصان پر جدائی نہ چاہتی تھیں بلکہ انہیں خاوند کی ناشکری وناقدری ناپسند تھی اور انہیں جوان سے بغض ہو گیا تھا اس کی تلافی چاہتی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اصلاح وہدایت کے طور پر حکم فرمایا نہ وجوبی طور پر کہ جو باغ انہیں مہر میں ملا ہے وہ واپس کردیں۔ یہ سب سے پہلا خلع ہے جو اسلام میں ہوا اور اس میں معاوضہ کا معنی ہے۔

ابو بکر بن عبداللہ المزنی جمہور سے الگ ہوئے اور کہا شوہر کے لیے حلال نہیں کہ وہ بیوی سے کچھ لے یہ گمان کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرۃ:۲/ ۲۲۸) منسوخ ہے اس آیت سے وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔا (النساء:۴/ ۲۰) لیکن جمہور کے ہاں اس کا معنی یہ ہے کہ عورت کی رضامندی کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں لیکن اگر وہ رضامندی سے دے تو پھر جائز ہے۔

الفاظ خلع ...... حنفیہ کے ہاں ❷ خلع کے لیے پانچ الفاظ ہیں، خلع، مباراۃ، طلاق، مفارقت، بیع وشراء مثلاً مرد کہے:

خالعتك بكذا يا باراتك ، يافارقتك يا طلقي نفسك علي الف يابعت نفسك ياطلاقك على كذا

میں نے تجھ سے اتنے مال کے بدلے خلع کیا یا میں نے تجھ سے جدائی اختیار کی یا میں نے تجھے خیر باد کہہ دیا، یا تو اپنے نفس کو ایک ہزار پر طلاق دے دے یا میں نے تجھے فروخت کردیا یا تیری طلاق اتنے مال پر ہے اور عورت قبول کرلے۔

مالکیہ کے ہاں ❸ خلع کے چار لفظ ہیں خلع مباراۃ صلح فدیہ یا مفاداۃ اور ان میں سے ہر ایک کا معنی ایک ہی ہے وہ عورت کا مال خرچ کرنا طلاق کے عوض میں۔ الا یہ کہ خلع کا نام خاص اس تمام مال کے ساتھ ہے جو شوہر نے اسے دیا ہے اور صلح بعض کے ساتھ اور فدیہ اکثر کے ساتھ اور مبارات اسقاط کے لیے ہے اس کے حق کو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❹ خلع طلاق کے صریح اور کنایہ الفاظ سے درست ہے نیت کے ساتھ اور غیر عربی الفاظ کے ساتھ اور کنایہ میں ہے بعت بضعک اور عورت کہے اشتریت اور صریح الفاظ شوافع کے ہاں لفظ خلع اور مفاداۃ ہیں اور حنابلہ کے ہاں خلع مفاداۃ اور فسخ کے الفاظ ہیں اور شوافع کے ہاں کنایہ الفاظ لفظ فسخ کی طرح کے الفاظ اور تمام کنایات طلاق ہیں اور حنابلہ کے ہاں کنایہ الفاظ مباراۃ وغیرہ ہیں۔

خلع کا حکم شرعی ...... حنابلہ کے ہاں مرد کے لیے مسنون یہ ہے کہ اگر عورت خلع کا مطالبہ کرے تو اسے قبول کرے ❺ ایک ثابت بن قیس کی بیوی کے واقعہ کی وجہ سے ہاں اگر شوہر کو بیوی سے زیادہ محبت ہو تو عورت کو صبر کرنا اور خلع نہ لینا مستحب ہے اور اگر حالات درست ہیں تو پھر عورت کا خلع طلب کرنا مکروہ ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے ❻ نیز اس لیے کہ یہ عبث اور فضول ہے لہٰذا مکروہ ہے لیکن کراہت کے باوجود خلع ہو جائے گا سابقہ آیت فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ (النساء:۴/ ۴) کی وجہ سے۔ اور حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر نشوز (نفرت اور ظلم) شوہر کی

---

❶ ...... رواه البخاری والنسائی وابن ماجه (نيل الاوطار ۶/ ۲۴۶) ❷ الدر المختار: ۲/ ۷۶۷۔ ❸ بداية المجتهد ۲/ ۶۶ ❹ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۲ المغنی: ۷/ ۵۷ غاية المنتهى: ۳/ ۱۰۳ ❺ كشف القناع: ۵/ ۳۷ ❻ الخمسة الا النسائی

طرف سے ہوتو اس کے لیے مکروہ ہے بیوی سے کچھ عوض لینا اس لیے کہ اس نے اسے تبدیل کر کے وحشت میں ڈال دیا ہے لہٰذا اس کی وحشت میں مال لے کر مزید اضافہ کرنا درست نہیں اور اگر نافرمانی بیوی کی طرف سے ہو تو بھی شوہر کے لیے مکروہ ہے کہ جو مہر دیا ہے اس سے زیادہ لینا لیکن اگر اس سے زیادہ لے لیا تو قضاء جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افتدت به (البقرۃ ۲/۲۲۹) مطلق ہے۔

حنابلہ نے ❶ ذکر کیا ہے کہ اگر عورت کو خلع پر مجبور کیا جائے اور اسے کچھ بھی نان نفقہ نہ دے اسے مارے اور اس پر تنگی کرے یا اس کے حقوق قسم (باری) وغیرہ سے اسے روکے اور اس صورت میں کیا گیا خلع باطل ہے اور جو عوض ہے وہ مردود ہے اور زوجیت برقرار ہے جیسا کہ عورت کے حقوق میں سے کوئی چیز ظلماً کم کرے تا کہ عورت فدیہ دے کر اپنا آپ چھوڑا لے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ......النساء: ۱۹/۴

اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا ہوا۔ نیز اس لیے بھی کہ جو کچھ خرچ کرنے پر اسے مجبور کیا گیا ہے وہ بغیر حق کے لینا ہے لہٰذا وہ اس سے کچھ بھی لینے کا مستحق نہیں ممنوع ہونے کی وجہ سے اور نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے اور یہ لفظ طلاق سے مشتق ہے یا اس کی نیت سے تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت خاوند سے بائنہ نہ ہوگی کیونکہ عوض فاسد ہے شوافع بھی اسی طرح کہتے ہیں ❷ وہ خلع جائز ہے جس میں عوت سے ضرر دور کرنا ہو لیکن ہے مکروہ کہ اس کے ذریعے نکاح جو مطلوب شرعی ہے اسے ختم کیا جارہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سے مبغوض ترین چیز طلاق ہے اور یہ صرف دو صورتوں میں سے ہے۔

پہلی حالت......دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے نکاح میں فرض کیا ہے۔

دوسری حالت......اس نے تین طلاقوں کا حلف اٹھا لیا ہو اور اس کا کرنا ضروری ہو مثلاً کھانا پینا، قضاء حاجت تو وہ اس سے خلع کر لے پھر جس کام کا حلف اٹھایا ہوا ہے وہ کرے پھر اس سے نکاح کر لے تو اب قسم ختم ہو جانے کی وجہ سے حانث نہ ہوگا اس لیے کہ وہ صرف پہلی مرتبہ فعل کو شامل ہے اور وہ حاصل ہو گیا اور مالکیہ کے ہاں خلع دونوں طرف سے برابر طور پر جائز ہے اور ایک قول ہے کہ مکروہ ہے اور یہ ابن القصار کا قول ہے اور انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ خلع عورت کی مرضی سے ہو اور فراق زوج میں محبت بغیر کسی صبر و اکراہ اور نقصان کے ہو اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی گئی تو طلاق نافذ ہوگی خلع نافذ نہ ہوگا ❸ ایک گروہ نے مطلقاً خلع سے منع کیا ہے اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں خلع جائز نہیں ہاں اگر عورت زنا کرتی ہو تو جائز ہے اور داؤد ظاہری نے کہا جائز نہیں ہاں اگر حدود اللہ قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو جائز ہے۔

کیا خلع میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے......خلع میں حاکم کی ضرورت نہیں جیسا کہ حنابلہ نے واضح کیا ❹ اور یہی باقی فقہاء کی رائے بھی ہے حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ سے نیز اس لیے بھی کہ یہ معاوضہ ہے لہٰذا قاضی کا محتاج نہیں جیسے بیع وشراء نیز اس وجہ سے بھی کہ دونوں رضامندی سے عقد ختم کر رہے ہیں لہٰذا اقالہ کے مشابہ ہو گیا۔

خلع کا وقت......حیض اور اس طہر میں جس میں جماع کیا ہو خلع کرنے سے کوئی حرج نہیں ❺ اس لیے کہ دوران حیض طلاق اس وجہ سے ممنوع ہے کہ عورت کی عدت لمبی ہو سکتی ہے لہٰذا اس ضرر کو دور کرنے کے لیے ممنوع ہے اور خلع تو اس ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے لیے ہے جو سوء معاشرت اور اس کے ساتھ ناپسندیدگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طول عدت سے بڑا نقصان ہے لہٰذا اعلیٰ کو ادنیٰ کے ذریعہ دور کرنا جائز ہے اور عورت اس سے راضی بھی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع والی عورت سے اس کی حالت کے بارے میں

❶......كشف القناع: ۲۳۸/۵ المغني: ۵۳/۷۔ ❷ مغني المحتاج: ۲۶۲/۳ ❸ القوانين الفقهية ۲۳۲ بداية المتجهد: ۶۸/۲
❹ المغني: ۵۲۵۷ ❺ المرجع السابق: المهذب: ۷۱/۲

سوال نہیں فرمایا۔

ارکان خلع ...... حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں خلع کے ارکان پانچ ہیں ❶ قابل، موجب، عوض معوض اور صیغہ قابل عوض لازم کرنے والا، موجب: شوہر یا اس کا ولی اور وکیل عوض: وہ چیز جس پر خلع ہو رہا ہے معوض عورت کا استمتاع حاصل کرنا (فرج) صیغہ مثلاً میں نے خلع کیا وغیرہ۔

خلع کی حقیقت اور اس کے معنی کے متحقق ہونے کو یہ ارکان متضمن ہیں لہٰذا ان پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ❷

پہلی چیز ...... کہ ایجاب شوہر یا اس کے ولی اور وکیل کی طرف سے ہو اگر وہ بچہ یا بے توف ہو۔

دوسری چیز ...... ملک استمتاع قائم ہوتا کہ اس کو ختم کیا جا سکے اور یہ حقیقۃ زوجیت قائم رہنے سے ہے یا حکماً جیسے مطلقہ رجعیہ کا عدت میں ہونا اگر زوجیت حقیقۃ یا حکماً موجود نہ ہو تو خلع نہیں ہوگا۔ پس نکاح فاسد میں خلع نہیں اس لیے کہ فاسد ملک متعہ کا فائدہ نہیں دیتا اور نہ ہی طلاق بائن کے بعد خلع ہے یا طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے کے بعد۔

تیسری چیز ...... بدل اور عوض عورت وغیرہ کی جانب سے ہو اور ہر وہ چیز جو مہر بن سکتی ہو۔ مال میں سے یا ایسی منفعت جو مال سے قائم ہوتی ہو سوائے اس کے کہ بدل خلع کی ادنیٰ حد کوئی نہیں برخلاف مہر کے لہٰذا خلع ہو جائے گا چاہے بدل تھوڑا ہو یا زیادہ اور اکثر علماء کے ہاں ❸ مستحب یہ ہے کہ مرد اس مہر سے زیادہ نہ لے جو اس نے عورت کو دیا ہے اور بدل کی تصریح کرنا لازم نہیں جیسا کہ عقد نکاح میں مہر کا ذکر لازم نہیں پس بدل اپنی ذات کے اعتبار سے مہر کی طرح ہے اور حنفیہ اور شوافع کے ہاں ہر حال میں خلع کے ساتھ لازم ہے جب شوہر نے کہا خسالعتک یا عورت سے کہا مجھ سے خلع کرو اور عورت نے کہا میں نے خلع کیا اور ان میں سے کسی نے بھی بدل ذکر نہ کیا تو خلع صحیح ہے اور عوض لازم ہوگا مالکیہ اور ایک روایت میں حنابلہ کے ہاں خلع بغیر عوض ہوگا اور حنابلہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ عوض خلع کا رکن ہے اگر بغیر عوض کے خلع کیا تو خلع نہ ہوگا اور نہ طلاق ہوگی الا یہ کہ طلاق کے لفظ سے ہو تو پھر طلاق رجعی ہوگی۔ اگر مرد یا عورت نے لفظ خلع استعمال کیا اور خلع بعوض کا ارادہ نہ کیا بلکہ صرف طلاق کا ارادہ کیا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت پر اس میں مال واجب نہ ہوگا۔

چوتھی چیز ...... صیغہ! وہ لفظ خلع یا جو اس کے ہم معنی الفاظ ہیں جو مذکور ہوئے ابراءٔ مباراۃ فدا‌ءٔ افتداء اور چاہے وہ صریح ہو یا کنایہ۔ پس متعین چیز کا ہونا ضروری ہے اور شوہر کے الفاظ صرف مال دینے سے خلع نہ ہوگا اس لیے کہ خلع شرعی کے آثار میں جو طلاق علی المال سے مختلف ہیں نیز یہ فرج میں تصرف ہے عوض کے ساتھ لہٰذا الفاظ کے بغیر درست نہیں جیسے نکاح اور طلاق۔

پانچویں چیز ...... بیوی کا قبول کرنا، اس لیے کہ عورت کی جانب سے خلع معاوضہ ہے اور ہر معاوضہ میں عوض دینے والے کا قبول لازم ہے اور قبول کا تحقق مجلس ایجاب یا مجلس علم میں لازم ہے۔ اگر بیوی مجلس سے خلع کے الفاظ سن کر اٹھ گئی یا خط و کتابت کے ذریعہ معلوم ہونے کے بعد تو اس کے بعد اس کا قبول کرنا صحیح نہیں۔ اور ایجاب وقبول کا موافق ہونا شرط ہے اگر شوہر نے کہا: میں نے تجھے ایک ہزار پر طلاق دی۔ عورت نے کہا آٹھ سو پر یا شوہر نے کہا تجھے تین طلاقیں ایک ہزار میں دیں اور عورت نے ایک طلاق قبول کی ہزار کے ثلث میں تو خلع نہ ہوگا اسے لغو شمار کیا جائے گا اور اسی طرح شوافع کے ہاں ❹ لغو شمار ہوگا اگر شوہر نے کہا میں نے تجھے ہزار کے عوض طلاق دی اور عورت نے کہا دو ہزار کے عوض قبول ہے اس لیے کہ ان کے ہاں ایجاب وقبول میں مکمل مطابقت اور توافق شرط ہے۔ یہ تو ہوا لیکن حنفیہ کے ہاں رکن خلع ایجاب

---

❶......حاشیۃ الصاوی: ۲/ ۵۷ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۳ المغنی: ۷/ ۶۷ ❷ الاحوال الشخصیۃ للاستاذ الشیخ عبدالرحمن تاج: ۳۴۴. ❸ المغنی: المکان السابق ❹ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۹۔

وقبول ہے اس لیے کہ یہ طلاق کا عقد ہے عوض کے ساتھ لہٰذا قبول کرنے کے بغیر نہ تو فرقت ہوگی اور نہ ہی شوہر عوض کا مستحق ہوگا۔ ❶

دوسری بحث: صفت خلع اور اس کے اثرات:

شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❷ خلع معاوضہ ہے عوض پر قبضہ کرنا اس کی صحت کے لیے ضروری نہیں۔ اگر شوہر کی جانب سے مکمل ہوا اور عورت مرگئی یا وہ مفلس ہوگئی تو عوض اس کے ترکہ سے لیا جائے گا اور خلع میں عوض کو عیب کی وجہ سے رد کرنا بھی جائز ہے اس لیے کہ مطلق عقد عیب سے سلامتی کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا بیع اور مہر کی طرح اس میں بھی عیب کی وجہ سے رد کرنا ثابت ہے اور خلع معاوضہ کے لفظ کے ساتھ منجز بھی صحیح ہے کیونکہ اس میں معاوضہ کا معنی ہے اور شرط پر معلق کرنا بھی درست ہے کیونکہ اس میں طلاق کا مفہوم بھی ہے اور عقد کے ذریعے عوض کا مالک ہوگا اور قبضہ سے ضامن ہوگا البتہ حنابلہ نے ضمان میں تفصیل کی ہے، کہ خلع کا عوض بیع اور مہر کے عوض کی طرح ہے اگر وزنی یا کیلی ہو تو شوہر کے ضمان میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کا مالک ہے اور اگر ان دونوں چیزوں کے علاوہ کچھ ہو تو پھر صرف خلع ہی ہے اس کے ضمان میں داخل ہو جائے گا اور اس کا اس میں تصرف صحیح ہے۔ اور شوافع کے ہاں خلع معاوضہ ہے اور اس میں تعلیق کی بو ہے کیونکہ اس میں طلاق کا وقوع بیوی کی طرف سے مال دینے پر موقوف ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ❸ خلع عورت کی جانب سے قبول سے پہلے شوہر کی جانب سے قسم ہے لہٰذا اس سے رجوع صحیح نہیں کیونکہ اس نے طلاق کو مال قبول کرنے پر معلق کیا ہے اور تعلیق اصطلاحی اعتبار سے یمین ہے اور بیوی کی طرف سے معاوضہ بالمال ہے اس لیے کہ اس نے مال کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اپنے نفس کی خلاصی اور شوہر سے آزاد ہونے کے لیے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ معاوضہ محض نہیں بلکہ اس میں تبرعات کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے کہ عوض کا بدل شرعاً مال نہیں ہوتا بلکہ یہ عورت کا اپنے نفس کا فدیہ ہے لہٰذا خلع محض معاوضہ نہیں اور صاحبین کے ہاں زوجین کی طرف سے خلع یمین ہے۔ شوہر کی جانب سے خلع کو یمین قرار دینے پر درج ذیل آثار مرتب ہوں گے۔

۱.....عورت کے قبول کرنے سے پہلے شوہر کا رجوع خلع سے صحیح نہیں۔

۲.....شوہر کا ایجاب مجلس پر مقصور نہیں اگر وہ مجلس سے اٹھ گیا بیوی کے قبول کرنے سے پہلے تو اس کا اٹھنا اس ایجاب کو باطل نہ کرے گا۔

۳.....شوہر کے لیے معلوم مدت کا خیار شرط کے طور پر رکھنا درست نہیں کیونکہ وہ خلع سے رجوع کا مالک نہیں کیونکہ اس کی جانب سے یمین ہے اگر اس نے خیار شرط رکھا تو شرط باطل ہوگی لیکن خلع باطل نہ ہوگا۔

۴.....شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کو شرط پر معلق کرے یا اسے مستقبل کے زمانہ کی طرف منسوب کرے مثلاً جب فلاں آیا تو میں تجھ سے اتنے پر خلع کروں گا یا کل میں تجھ سے اتنے پر خلع کروں گا یا آنے والے مہینہ کے شروع پر اور قبول زوجہ تحقق شرط اور حلول وقت ہوگا اور حنابلہ کے ہاں ❹ خلع کو کسی شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں اور مالکیہ اور شوافع کا مذھب یہ ہے کہ خلع کو معلق کرنا جائز ہے۔ مثلاً کہے جب تو مجھے مال دے گی تو تجھے طلاق۔

اور عورت کی جانب سے خلع معاوضہ ہے اور تبرعات کے مشابہ ہے اس پر درج ذیل آثار مرتب ہوتے ہیں:

۱.....اگر خلع کی ابتداء بیوی کی جانب سے ہو تو شوہر کے قبول کرنے سے پہلے بیوی کا خلع سے رجوع کرنا جائز ہے۔

۲.....اگر عورت مجلس میں حاضر ہے تو قبول کرنا مجلس ہی پر مخصر ہے اور اگر مجلس میں موجود نہیں تو جس مجلس میں علم ہوا اسی میں قبول

---

❶.....البدائع: ۱۴۵/۳۔ ❷الشرح الصغیر: ۵۱۸/۲ مغنی المحتاج: ۲۶۹/۳ المھذب: ۷۲/۲، ۷۳ المغنی: ۵۸/۷، ۶۶۔
❸الدر المختار: ۷۶۸/۲ البدائع: ۱۴۵/۳۔ ❹کشف القناع: ۲۴۳/۵

کرنے کا انحصار ہے جیسے بیع میں۔ اور عورت کا مجلس میں حاضر ہونا شرط نہیں بلکہ ایجاب مجلس کے بعد تک بھی موقوف رہے گا برخلاف عقد نکاح کے۔ اگر وہ موجود نہیں تھی اسے خبر پہنچی تو وہ اسی مجلس علم میں قبول کرے کیونکہ اس کی جانب سے خلع معاوضہ ہے۔

۳..... عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے لیے خیار شرط معلوم مدت کے لیے رکھے کہ اس مدت میں اسے خلع قبول یا رد کرنے کا حق حاصل ہو جبکہ خلع کی ابتداء عورت کرے اور شوہر سے کہے میں تجھ سے ایک ہزار پر خلع کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے تین دن کا اختیار ہوگا جب شوہر نے قبول کرلیا تو شرط درست اور صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو قبول کرے ورنہ رد کرے کیونکہ خلع اس کی جانب سے معاوضہ ہے اور معاوضوں میں خیار شرط صحیح اور درست ہے۔

صاحبین اور حنابلہ کے ہاں ❶ عورت کے لیے خیار شرط صحیح نہیں اس لیے کہ حنابلہ کے ہاں لفظ خلع کے لفظ ہی سے جدائی ہو جاتی ہے اور جو چیز واقع ہو جائے اسے ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور صاحبین کے ہاں چونکہ خلع میاں بیوی دونوں کی جانب سے یمین ہے اور عورت کی جانب سے معاوضہ نہیں لہٰذا جب شرط رکھی تو خلع صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل اس لیے کہ خلع عوض فاسد سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا شرط فاسد سے بھی فاسد نہ ہوگا نکاح کی طرح۔

۴..... بیوی کے لیے خلع کو معلق کرنا یا مستقبل کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس کی طرف سے خلع معاوضہ اور تملیک ہے اور تملیکات نہ تو تعلیق قبول کرتی ہیں اور نہ اضافت۔

۵..... اگر بیوی تبرع کی اہل ہے تو پھر بدل خلع اس پر لازم ہے مثلاً وہ عاقلہ اور سمجھدار ہو ورنہ نہیں کیونکہ خلع کو جب بیوی کی جانب سے معاوضہ شمار کیا جاتا ہے تو اس میں تبرعات کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

شامی قانون میں مالکیہ اور شوافع کی رائے کو لیا گیا ہے اس قانون میں زوجین میں سے ہر ایک کو اجازت دی گئی ہے دوسرے کے قبول سے پہلے خلع سے رجوع کرنے کی دفعہ نمبر (۹۶) میں تصریح ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ وہ خلع میں دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے رجوع کرے۔

تیسری بحث: خلع کی شرائط ..... خلع میں درج ذیل شرائط ہیں: ❷

شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو۔ بایں طور کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو جمہور کے ہاں اور حنابلہ نے اجازت دی ہے کہ سمجھدار عقلمند ہو پس ہر وہ جس کی طلاق صحیح نہیں اس کا خلع بھی صحیح نہیں جیسے بچہ مجنون، معتوہ، اور وہ جس کی عقل میں بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے فتور آ گیا ہو۔

بیوقوف کا خلع ..... ہر مکلف (عاقل بالغ) کی طلاق صحیح ہے چاہے وہ رشید (سمجھدار) ❸ ہو یا بیوقوف آزاد ہو یا غلام، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کی طلاق درست ہے خلع بھی صحیح ہوگا نیز اس لیے بھی کہ جب یہ بغیر عوض طلاق دینے کے مالک ہیں تو عوض کے ساتھ تو بدرجہ اولی مالک ہیں اور خلع شوہر یا اس کے وکیل کے علاوہ کا صحیح نہیں۔

ولی کا خلع ..... غیر مکلف کا خلع حاکم ولی کی طرف سے درست ہے۔ جیسے بچہ کا، مجنوں کا جبکہ خلع میں مصلحت ہو اور امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے ہاں باپ کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کی بیوی اور مجنون کی بیوی کا خلع کریں یا طلاق دیں۔ اسی طرح جس

---

❶ ..... المرجع السابق: المغنی: ۷/ ۶۰ ❷ البدائع:: ۳/ ۱۴۷۔ ۱۴۹ الدر المختار: ۲/ ۷۷۲۔ ۷۷۴۔ ۷۸۲۔ ۷۸۵ فتح القدیر: ۳/ ۲۰۵۔ ۲۰۸، ۲۱۸، اللباب: ۳/ ۶۵ الشرح الصغیر ۲/ ۵۱۹، ۵۲۴، ۵۲۶۔ ۵۳۰ بدایۃ المتجھد: ۲/ ۶۷۔ ۶۹ القوانین الفقہیۃ ص ۲۳ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۳۔ ۲۶۷ غایۃ المنتھی: ۳/ ۱۰۳۔ ۱۰۵ کشف القناع ۵/ ۲۳۸ المغنی: ۷/ ۵۲ الشرح الکبیر: ۲/ ۳۴۸ المھذب ۲/ ۷۱۔ ۷۴ ❸ الرشد عند الحنفیۃ کون الشخص مصلحا فی مالہ ولو کان فاسقا والحجر بالسفہ یفتقر عندابی یوسف إلی القضاء کالحجر بالدین۔

کے لیے چھوٹے اور مجنون کی طرف سے طلاق جائز نہیں اس کے لیے جائز نہیں کہ ان پر خلع کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الطلاق لمن أخذ بالساق

اور خلع بھی طلاق کے معنی میں ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں والد اپنے چھوٹے بچے اور بچی کا خلع کرسکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں والد بچے کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے اور بچی کا نکاح کرواسکتا ہے۔

مریض کا خلع......مرض الموت والے مریض کا خلع صحیح ہے اس لیے کہ اگر وہ بغیر عوض کے طلاق دے تو صحیح ہے اور عوض کے ساتھ تو بدرجہ اولی صحیح ہے نیز اس کے ورثاء خلع کی وجہ سے کسی چیز سے بھی محروم نہیں رہتے مالکیہ نے اس کی یہ تعبیر کی ہے خوفناک مرض والے مریض کا نافذ ہے اس بات کی طرف اشارہ کہ اس میں وارث کو نکالنے کا گناہ نہیں اور اس کو کرنا حرام نہیں مشہور قول کے مطابق اگر شوہر اس مرض میں مر گیا تو خلع یافتہ عورت وارث ہو باقی طلاق یافتہ عورتوں کی طرح حتیٰ کہ اگر اس کی عدت ختم ہوگئی اور اس نے کسی اور سے شادی بھی کرلی لیکن اگر عورت مرجائے شوہر سے پہلے تو شوہر عورت کا وارث نہ ہوگا اگر چہ عورت خلع کے وقت مریضہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ شوہر اس کو ساقط کرنے والا ہے جس کا وہ مستحق تھا۔

خلع کا وکیل بنانا......زوجین میں سے ہر ایک کے لیے درست ہے کہ وہ خلع کا کسی کو وکیل بنا دیں اور ہر وہ جس کا خود خلع کرنا صحیح ہے اسے وکیل بنانا بھی صحیح ہے چاہے آزاد ہو یا غلام چاہے مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر بیوقوفی کی وجہ سے مجبور ہو یا عقلمند کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کریں تو صحیح ہے کہ یہ وکیل بنے یا موکل اس لیے کہ بیع کی طرح خلع بھی عقد معاوضہ ہے۔ اگر وکیل نے جس کے مؤکل نے اسے پابند کیا تھا اس میں کمی کردی۔ مثلاً اسے کہا تھا کہ میں تجھے وکیل بناتا ہوں کہ تو دس پر خلع کرے اور اس نے پانچ پر خلع کیا یا وکیل نے خلع مثلی سے کم کردیا جبکہ مؤکل نے تعین نہ کی تھی تو مؤکل پر یہ خلع لازم نہیں۔ اور جب عورت نے وکیل بنایا خلع کا اور اسے کسی چیز کا مثلاً بتادیا یا مطلق رکھا اور وکیل متعین نے زیادہ پر کرلیا یا مطلق کی صورت میں خلع مثلی پر تو وکیل پر زیادہ دینا لازم ہے اور بدل کے ساتھ خلع کرنے والے وکیل سے مطالبہ نہ ہوگا ہاں اگر شوہر نے اسے ضامن بنایا ہو تو پھر ہوگا اور پھر وہ عورت سے لے گا۔

فضولی کا خلع......حنفیہ اور حنابلہ نے فضولی کے خلع کی اجازت دی ہے جب فضولی شوہر کو خلع کا مخاطب بنائے اب اگر بدل کو اپنی طرف منسوب کرے اس طور پر جس سے ضمان کا فائدہ ہو مثلاً میں عورت سے خلع کرتا ہوں ایک ہزار پر جو میرے ذمہ میں یا میں ضامن ہوں یا یہ ہزار میرے ذمہ ہیں اور اس نے ایسا کردیا تو صحیح ہے اور بدل اسی کے ذمہ ہے اگر بدل کا کوئی مستحق نکل آیا تو فضولی پر اس کی قیمت دینا واجب ہے اور اس صورت میں خلع عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا اگر فضولی نے بدل کی ضمانت نہ دی اور کلام کو مطلق چھوڑا اور کہا مجھ پر ہزار ہیں اگر عورت نے قبول کرلیا تو اس پر سپرد کرنا لازم ہے اگر عاجز آ گئی تو اس کی قیمت اور اگر فضولی نے بدل کسی غیر کی طرف منسوب کیا مثلاً فلاں کا گھوڑا تو پھر فلاں کے قول کا اعتبار ہوگا۔

۲۔ عورت خلع کا محل ہو......اور اس کے قابل ہو جس پر نکاح صحیح کا عقد کیا جاسکتا ہو چاہے مدخول بھا ہو یا نہ اگر چہ وہ مطلقہ رجعیہ ہو اور عدت میں ہو اور وہ ہو جس کا تبرع صحیح ہو یا مال میں تصرف اس کا مطلق ہو کہ مکلفہ (عاقلہ بالغہ) ہو اور اس پر کوئی پابندی نہ ہو اور پابندی اور حجر کے پانچ سبب ہیں غلامی بے وقوفی مرض، بچپنہ اور جنون باندی کا خلع درست نہیں الا یہ کہ اس کا آقا اجازت دے دے اور نہ ہی بے وقوف عورت کا بالاتفاق اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں نہ ہی مریضہ کا کیونکہ مال میں اس کا تصرف صحیح نہیں اور نہ ہی بچی کا نہ مجنونہ کا کیونکہ کے ان میں

قبول کرنے کی اہلیت نہیں اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر اپنے شوہر سے عوض کے بدلے خلع کر لیا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے باندی پر آزاد ہونے تک کچھ بھی لازم نہیں اور اسی طرح شوافع کے ہاں آزاد ہونے کے بعد ہی عوض کا مطالبہ کرے گا لیکن شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا اور اگر خلع آقا کی اجازت سے ہو تو عوض آقا کے ذمہ ہوگا جیسا کہ وہ اپنے غلام کو استدانہ کی اجازت دے والد اور دوسرے اولیاء کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی چھوٹی بچی کا خلع یا مجنونہ اور بے وقوفہ کا خلع ان کے مال سے کرے اور نہ ہی مال پر طلاق دے سکتے ہیں یہ تو صرف اس مال میں تصرف کے مالک ہیں حفاظت اور تصرف کے اعتبار سے اور اس خلع میں مصلحت نہیں بلکہ اس میں تو اس کے واجب حق کا اسقاط ہے۔

اسی بنا پر اگر کسی پر پابندی ہو بے وقوفی بچپنہ اور جنون کی وجہ سے تو ان کا خلع نہ خود درست ہے نہ ولی کے لیے اور نہ ان کی اجازت سے کیونکہ خلع مال میں تصرف ہے اور یہ اس کے اہل نہیں اور ولی کو تبرعات کی اجازت نہیں اور پھر خلع تبرع کی طرح ہے اگر مجور علیہ شوہر نے ایسے الفاظ سے خلع کیا جن سے طلاق ہوتی ہے تو وہ طلاق رجعی ہوگی اور عوض کا مستحق نہ ہوگا۔

حنفیہ نے فرمایا ہے کہ مریضہ عورت کا خلع درست ہے اگر اس نے بیماری کی حالت میں خلع کیا تو وہ ثلث میں سے ہوگا اس لیے کہ مال قبول کرنے میں وہ تبرع کرنے والی ہے لہٰذا ثلث سے حساب لگایا جائے گا اگر وہ عدت میں مر گئی تو شوہر کے لیے بدل خلع اور میراث میں سے جو کم ہو وہ ہے۔ مالکیہ کے ہاں مرض موت والی مریضہ سے خلع حرام ہے اسی طرح اس کا خود خلع کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ شوہر پر خلع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ حرام پر اعانت ہے البتہ اس کی طلاق نافذ ہوگی، اگر شوہر صحیح ہے تو ان کے درمیان وارثت نہ ہوگی اگر وہ عدت میں مر گئی لیکن اگر شوہر مریض ہو اور عورت سے خلع کرے اور وہ اسی بیماری میں مر جائے تو عورت وارث ہوگی اگرچہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور وہ کسی اور سے نکاح بھی کرے لیکن اگر عورت مر گئی اس سے پہلے اور وہ مرض ہی میں ہو تو وہ وارث نہ ہوگا حتی کہ وہ خلع کی حالت میں مریضہ ہو تو بھی وارث نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنا حق خود ساقط کیا ہے جس کا وہ مستحق تھا۔

شوافع کے ہاں: اگر عورت نے مرض موت میں خلع کیا اور مر گئی اگر مہر مثل سے زیادہ عوض نہ رکھا تھا تو پھر اصل مال سے اس کا اعتبار ہوگا یعنی سارے ترکہ سے اگر مہر مثل سے زیادہ رکھا تو پھر زیادتی کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اور جسے مفلس قرار دے کر پابندی لگائی گئی ہو اس عورت کا خلع بالاتفاق صحیح ہے اور اس کا عوض کے لیے مال خرچ کرنا صحیح ہے اس لیے کہ اس کی ذمہ داری ہے اس کا تصرف درست ہے اور اس پر عوض کا رجوع کیا جائے گا جب اس کو ادائیگی کی وسعت ہوئی اور اس سے پابندی اٹھا دی جائے گی اور پابندی کی حالت میں شوہر کو مطالبہ کا اختیار نہیں جیسا کہ وہ کوئی چیز اپنے ذمہ سے کچھ فروخت کرے۔

۳۔ بدل خلع ایسی چیز ہو جو مہر بن سکتی ہو...... اور یہ حنفیہ کے ہاں: مال منقول ہو اور خلع کے وقت موجود ہو باقی معلوم ہو یا مجہول، یا ایسی منفعت ہو جس کی مال سے قیمت لگائی جا سکے کسی مسلمان عورت کا خلع شراب خنزیر مردار اور خون پر درست نہیں اور عوض باطل ہو جائے گا اور شوہر کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا اور یہ جدائی طلاق بائن ہوگی اس لیے کہ جب عوض باطل ہو گیا تو لفظ خلع باقی رہ گیا اور یہ کنایہ ہے اور کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے لیکن اگر طلاق مال پر ہو اور عوض باطل ہو جائے تو طلاق رجعی ہوتی ہے کیونکہ لفظ طلاق باقی رہ گیا اور وہ صریح ہے اور صریح طلاق رجعی ہوتی ہے۔ اور جمہور کے ہاں بدل ہر وہ چیز بن سکتی ہے جس کا مالک ہونا درست ہو چاہے عین مال ہو یا دین ہو یا منفعت ہو شراب خنزیر اور ان کے مشابہ چیزوں سے بچتے ہوئے اگر عوت سے کسی حرام چیز پر خلع کیا جیسے شراب خنزیر غصب شدہ چیز چوری شدہ چیز تو مرد کے لیے ان میں سے عورت پر کچھ بھی نہیں اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں حنفیہ کی طرح عورت بائنہ ہو جائے گی اور یہ بغیر عوض خلع کی طرح ہوگا اس لیے کہ وہ بغیر عوض اسقاط پر راضی ہے لہٰذا کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا اور شوافع نے فرمایا: اگر شوہر مجہول یا حرام چیز پر خلع کرے تو اس

سے عورت مہر مثل کے ساتھ بائنہ ہوگی اس لیے کہ یہی عوض کے فاسد ہونے کے وقت مراد ہے لیکن اگر اس نے ایسی چیز پر خلع کیا جو مال نہیں مثلاً خون پر تو طلاق رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ اسے کسی چیز کا طمع نہیں اور کفار کا خلع عوض کے ساتھ بغیر مال کے تو وہ صحیح ہے جیسا کہ ان کے نکاحوں میں ہوتا ہے۔

معدوم یا مجہول چیز پر خلع......شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں اگر خلع کا عوض غرر پر مشتمل ہو۔ یا معدوم ہو اس کے وجود کا انتظار ہو جیسے حیوان کے پیٹ میں بچہ کہ عورت اس کی مالک ہے یا عوض مجہول ہو جیسے دو گھوڑوں میں سے ایک یا عوض معلوم نہ ہو یا کوئی جانور ہو یا پھل ہو تیار نہ ہو یا بھگوڑا اغلام ہو یا بدکا ہوا اونٹ ہو یا مجہول مدت کی طرف مضاف ہو برخلاف مہر نکاح کے تو یہ خلع درست ہے پس ہر وہ چیز جو خلع میں عوض بن سکتی ہے اس کا نکاح میں عوض ہونا ضروری نہیں اس لیے کہ خلع توسع اور تسامح پر مبنی ہوتا ہے لہٰذا جہالت برداشت کرے گا اور نکاح اسے برداشت نہیں کرتا اور خلع ان چیزوں پر صحیح ہوتا ہے جن کا مہر بننا صحیح نہیں۔ حنفیہ نے عوض خلع میں جہالت کے جواز پر اگر چہ وہ جہالت فاحشہ ہو درج ذیل تفریعات بیان کی ہیں۔

(الف)......اگر بیوی نے شوہر سے کہا (میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر مجھ سے خلع کرو) اور اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا اور شوہر نے اس سے خلع کر لیا تو عورت کے ذمہ مرد پر کچھ نہ ہوگا کیونکہ اس نے مال کا نام لے کر دھوکا نہیں دیا۔

(ب)......اگر بیوی نے شوہر سے کہا (میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس پر مجھ سے خلع کرو) اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور شوہر نے خلع کر لیا تو بیوی اسے مہر واپس کرے گی اس لیے کہ عورت نے مال کا نام لیا ہے اور شوہر عوض کے بغیر خلع پر راضی نہیں اور جہالت کی وجہ سے اس پر اور کچھ واجب کرنا یا مہر مثل واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ بضع (فرج) کے ملک سے خارج ہوتے وقت خلع وغیرہ کی صورت میں مہر مثل غیر متقوم ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور عقد نکاح میں ملک میں داخل ہونے وقت بضع متقوم ہے لہٰذا متعین ہو گیا واجب کرنا اس چیز کا جس سے شوہر بضع کا مالک ہو ضرر دفع کرنے کے لیے۔

(ج)......اگر بیوی نے شوہر سے کہا (میرے ہاتھ میں جو درہم ہیں ان پر مجھ سے خلع کرو اور عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ اور شوہر نے خلع کر لیا تو عورت کے ذمہ تین درہم ہیں اس لیے کہ اس نے دراھم جمع ذکر کیا ہے اور جمع کی کم سے کم مقدار تین ہے اس میں حنابلہ نے بھی [1] ان کی موافقت کی ہے۔

(د)......بیوی نے اگر کہا (مجھے تین طلاقیں ایک ہزار میں دو) اس نے ایک طلاق دی تو عورت پر ہزار کا تیسرا حصہ ہے اس لیے کہ حرف باء عوض کا مصاحب ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے پس جب عورت نے تین طلاقیں ایک ہزار میں مانگی تو اس نے ہر طلاق ہزار کے ثلث کے بدلے میں مانگی اور طلاق بائن ہے کیونکہ مال واجب ہے اور اگر عورت نے کہا (مجھے تین طلاقیں ایک ہزار پر دو) اور شوہر نے ایک دی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عورت پر کچھ بھی واجب نہیں اور طلاق رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ علی کا لفظ شرط کے لیے آتا ہے اور مشروط شرط کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتا برخلاف باء کے وہ عوض کے لیے ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں صحیح ہے صاحبین اور شوافع کے ہاں [2] اس پر ہزار کا ثلث ہے اور طلاق بائن واقع ہوگی اس لیے کہ معاوضات میں علی کا لفظ باء کی طرح ہوتا ہے۔ اگر شوہر نے بیوی سے کہا (اپنے آپ کو ایک ہزار میں یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دو) اس نے اپنے کو ایک طلاق دی تو عورت پر کچھ بھی واقع نہ ہوگا اس لیے کہ شوہر تو صرف ایک ہزار ملنے پر جدائی پر راضی ہے اور یہ پہلی حالت کے برخلاف ہے۔ البتہ شوافع کہتے ہیں عوض خلع میں ثمن والی شرائط شرط ہیں، کہ متمول ہو معلوم ہو سپرد کرنے پر قدرت ہو، اگر مجہول پر خلع کیا یا معلوم شراب پر کہ جن کا مالک نہیں ہو سکتا تو بیوی مہر مثل کے ساتھ بائنہ ہوگی کیونکہ فساد عقد کے وقت یہی مراد ہوتا ہے۔

---

[1]......المغنی: ۷/ ۶۱ [2] المہذب: ۲/ ۷۵

بعض مذاہب میں خلع کی مجمل شرائط...... مالکیہ کے ہاں ❶ خلع تین شرائط کے بغیر جائز نہیں۔

پہلی شرط...... مرد کو دیا جانے والی چیز ایسی ہو کہ اس کا مالک بھی بن سکے اور اسے فروخت بھی کر سکے شراب خنزیر وغیرہ سے بچنے کے لیے البتہ مجہول اور غرر کے ساتھ جائز ہے۔

دوسری شرط...... ناجائز چیزوں کی طرف نہ لے کر جائے جیسے ادھار پر خلع، یا دین تک تاخیر، یا تعجیل کی بنیاد پر کم کرنا اور متعین چیز کا مثل دینا اس لیے کہ عین میں اجل اس کا حق ہے جس پر وہ ہے۔

تیسری شرط...... خلع عورت کے اختیار اور رضا مندی سے ہو اس پر کوئی جبر و اکراہ نہ ہو اور نہ اس کا کوئی نقصان ہو اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی گئی تو طلاق ہو جائے گی خلع نہ ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں ❷ خلع کی نو (۹) شرطیں ہیں:

(۱)......عوض دینا۔

(۲)......جس کا تبرع صحیح ہو اور شوہر کی طلاق صحیح ہو۔

(۳)......مذاق نہ کر رہے ہوں۔

(۴)......اگر عورت مال دے دے تو پھر اسے نہ روکنا۔

(۵)......صریح یا کنایہ صیغے کے ساتھ واقع کرنا اور اولیٰ یہ ہے کہ خلعت فسخت اور فادیت دوسرے بار أتک، ابر أتک ابنتک

(۶)......طلاق کی نیت نہ ہو۔

(۷)......تنجیز۔

(۸)......پوری بیوی پر واقع کرنا

(۹)......کوئی حیلہ نہ کرنا خلع حرام ہو جاتا ہے اگر طلاق کی یمین یا تعلیق کو ساقط کرنے کے لیے ہو اور خلع صحیح نہ ہو۔

شامی قانون میں خلع کی شرائط...... دفعہ (۹۵) میں تصریح ہے کہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو۔

اور عورت طلاق کی محل ہو:

۱......خلع کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو اور بیوی طلاق کا محل ہو۔

۲......وہ عورت جو سن رشد کو نہ پہنچی ہو جب اس سے خلع کیا جائے تو بدل خلع لازم نہیں الا یہ کہ ولی مال اس کی موافقت کرے یہ دوسرا فقرہ مالکی مذہب کا ہے۔

اور دفعہ نمبر ۹۶ میں خلع کی صفت بیان ہے مالکی اور شافعی مذہب کو لیتے ہوئے کہ خلع معاوضہ ہے اور طرفین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ دوران خلع دوسرے کے قبول سے پہلے اپنے ایجاب سے رجوع کر لے۔

اور دفعہ نمبر ۹۷ میں بدل خلع کے بارے میں تصریح ہے: اور وہ ہر وہ چیز جس کا مہر بننا صحیح ہو بالاتفاق ہر وہ چیز جسے شرعاً لازم کرنا صحیح ہو تو اس کا بدل خلع بننا بھی صحیح ہے۔

اور دفعہ ۱۰۰ میں بغیر عوض کے خلع کی حالت پر تصریح ہے مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق: جب دونوں خلع میں بدل کی نفی

---

❶......القوانین الفقهیة ص ۲۳۲ الشرح الصغیر: ۲/۵۲۴ ❷غایة المنتهی ۳/۱۰۳-۱۱۰۔

کریں تو خلع طلاق محض کے حکم میں ہوگا اور اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

چوتھی بحث: بدل خلع لینے کا حکم، بعض منافع اور حقوق کے مقابلہ میں خلع، خلع اور مال پر طلاق میں فرق:

بدل خلع کے سلسلہ میں تین چیزوں کے بارے میں بحث ہوگی، بدل خلع لینے کا حکم منافع اور حقوق کے مقابلہ میں خلع اور خلع اور مال پر طلاق میں فرق۔

بدل خلع لینے کا حکم......فقہاء نے بدل خلع اور بدل طلاق لینے کی مشروعیت کے سلسلہ میں درج ذیل تفصیل سے بحث کی ہے ❶ اگر بیوی شوہر کو ناپسند کرتی ہو قبیح منظر بری معاشرت وغیرہ سے اور اسے خوف ہو کہ شوہر کا حق ادا نہیں کر سکے گی تو شوہر کے لیے جائز ہے اس سے خلع کرے اور اس سے اس کے بدلہ میں عوض لے لے لیکن حنفیہ کے ہاں جو کچھ اسے دیا ہوا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے ثابت بن قیس کی بیوی کے واقعہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اسے اس کا باغ واپس کرنا چاہتی ہے؟ تو اس نے عرض کی جی ہاں اور زیادہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ تو نہیں ❷ یہی قول عطاء طاؤس زہری اور عمرو بن شعیبؒ کا بھی ہے۔ جمہور نے اجازت دی ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز ہے جبکہ نافرمانی عورت کی طرف سے ہو البتہ یہ مستحب نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۲۹

اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گناہ کی نفی کی ہے شوہر کے طلاق کے بدلے میں عوض لینے میں چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور حدیث میں جو زیادہ لینے کی مما ہے وہ خلاف اولی پر محمول ہے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں اگر عورت اپنے شوہر سے خلع کرے اپنی میراث یا بال باندھنے کے جوڑے سے تو یہ جائز ہے ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں میں نے اپنے شوہر سے بال باندھنے کے جوڑے کم پر خلع کیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اسے جائز قرار دیا۔

۱......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے آپ کی مخالفت نہیں فرمائی یہ واقعہ مشہور ہوا اور اس پر نکیر نہیں ہوئی پس یہ اجماع ہے اور علی رضی اللہ عنہ کا ان سے اختلاف صحیح ثابت نہیں۔

۲......اگر کشیدگی اور اعراض شوہر کی جانب سے ہو تو تمام علماء کے ہاں بالاتفاق کچھ لینا مکروہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ النساء: ۴/ ۲۰

اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے۔

اور اس کی مثال یہ ہے کہ شوہر بیوی کو مجبور کرے تاکہ وہ خلع طلب کرے اور اس پر عرصہ حیات تنگ کر دے اور اس کے ساتھ برے

---

❶......البدائع ۳/ ۱۵۰ فتح القدیر: ۳/ ۲۰۳ القوانين الفقهية: ۲۳۲ المهذب: ۲/ ۷۰ المغنی: ۵۲۔۵۵ بداية المجتهد: ۲/ ۶۸

❷ رواه ابو داؤد مرسلا عن عطاء واخرجه الدارقطني عن ابی الزبير وفي رواية ابن ماجه عن ابن ماجه فامر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يا خذ منها حديقة ولا يزداد (نصب الراية ۳/ ۲۴۴ نيل الاوطار ۶/ ۲۴۶)

اختلاف سے پیش آنے تاکہ وہ طلاق لینے پر مجبور ہو جائے تو حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں شوہر کے لیے کچھ لینا حرام ہے ارشار باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا البقرۃ:۲/۲۳۱

اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیے کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ النساء:۴/۱۹

اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ یہ آیات بغیر ضرورت کے خلع کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ یہ نقصان پہنچانا اور ظلم کرنا ہے۔ مالکیہ کے ہاں بھی یہی حکم ہے کہ اضرار کی حالت میں شوہر کا بیوی سے کچھ لینا حرام ہے اور اگر وہ کچھ لے لے تو اس کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر نا اتفاقی و نا چاقی دونوں جانب سے ہو اور دونوں کو حقوق زوجیت میں کمی کوتاہی کا خوف ہو تو خلع بھی جائز ہے اور اس کا عوض لینا بھی بالاتفاق جائز ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ البقرۃ:۲/۲۲۹

ہاں اگر شوہر و زن کو خوف ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔

بعض منافع اور حقوق کے بدلے میں خلع ......بدل خلع نقود میں سے ہو تو بھی صحیح ہے یا ایسے منافع سے ہو جن کی مال سے قیمت لگ سکتی ہے جیسے گھر کی رہائش زمین کی معلوم مدت تک زراعت یا بچے کو دودھ پلانا یا اس بچے کی پرورش کرنا یا اس پر خرچ کرنا یا حقوق میں سے ہو جیسے نفقہ عدت ساقط کر دینا وغیرہ۔

رضاع (بچے کو دودھ پلانے) پر خلع ......بچے کو مدت رضاع میں دودھ پلانے پر خلع کرنا صحیح ہے۔
کیونکہ دودھ پلانے پر معاوضہ لینا خلع کے بغیر بھی صحیح ہے تو خلع میں بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔ حنابلہ کے ہاں ❶ مدت مقرر کیے بغیر بھی بچے کو دودھ پلانے پر خلع کرنا صحیح ہے اور دو سالوں میں سے جو عرصہ باقی ہوگا وہ مراد ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ کی مدت دو سال مقرر فرمائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ البقرۃ:۲/۲۳۳

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہے ❷ اگر دودھ پلانے والی مر گئی یا اس کا دودھ ختم اور خشک ہو گیا تو اس کے ذمہ باقی مدت کی اجرت مثل ہے اور حنابلہ کے ہاں اگر بچہ مر جائے تو بھی یہی حکم ہے اور بچے کے تلف ہونے کی وجہ سے اتفاق فسخ ہو جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اتفاق فسخ نہ ہوگا بلکہ عورت کو اس بچے کی جگہ بچہ دیا جائے گا جسے وہ دودھ پلائے اس لیے کہ بچہ استیفاء کے لیے ہے نہ کہ معقود علیہ ہے۔

پرورش یا بچے کی کفالت پر خلع: اسی طرح خلع صحیح ہے اگر عورت معلوم مدت تک بچے کی پرورش کرے بلا اجرت کے اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ جب تک رضاعت کی مدت اور کھانے کی مقدار اور جنس اور سالن اور اس کی جنس ذکر نہ کی جائے تو خلع پر اتفاق صحیح نہیں اور بلع معلوم اور صفت منضبط دینا ضروری ہے جیسے مسلم فیہ میں ہوتا ہے ❸ اس اختلاف کی بنیاد اجیر کو اجارہ پر رکھنا کھانے اور کپڑے کے اعتبار سے اس مسئلہ پر ہے شوافع اجرت کی تعین کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

❶ ......المغنی: ۷/ ۶۴ ❷ رواہ ابو داؤد الطیالسی فی مسندہ عن جابر و تتمۃ والایتم بعد احتلام (نیل الاوطار ۶/ ۳۱۵)
❸ المغنی: ۷/ ۶۵

مزدور رکھنے سے منع فرمایا ہے، جب تک کہ اس کی اجرت واضح نہ کردی جائے ❶ اور جمہور کے ہاں اجرت متعین کرنا واجب نہیں عرف اور مسلمانوں کے استحسان کی وجہ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو آٹھ یا دس سال کے لیے اجرت پر رکھا اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور کھانے کے لیے ❷ اگر عورت نے بچے کو چھوڑ دیا اور بھاگ گئی یا بچہ مرگیا یا عورت مرگئی تو باقی مدت کی اجرت مثل اس پر واجب ہے۔

بچے کو بالغ ہونے تک پاس رکھنے پر خلع ......اگر عورت نے بچے کو بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھنے پر شوہر سے خلع کیا تو حنفیہ کے ہاں خلع درست ہے، اور شرط صحیح نہیں اس لیے کہ پرورش کی مدت ختم ہونے کے بعد بیٹے پر حق والد کا ہے نہ کہ والدہ کا ہاں اگر بچی کو بلوغ تک اپنے پاس رکھنے پر خلع کیا تو خلع بھی درست اور شرط بھی صحیح ہے دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ بچہ پرورش کے بعد والد کا محتاج ہوتا ہے۔ اور والد اس کی تربیت پر والدہ سے زیادہ قادر ہوتا ہے اور بچی والدہ کی محتاج ہوتی ہے اپنی تعلیم وتربیت میں اور والدہ اس پر زیادہ قدرت رکھتی ہے بنسبت والد کے۔

اور مالکیہ نے بچے کو بلوغ تک والدہ کے پاس چھوڑنے کی اجازت دی ہے اس لیے کہ یہ پرورش کی مدت ان کے ہاں بلوغ تک ہے اور لڑکی کی نکاح اور رخصتی تک ہے۔

پرورش کے حق کو ساقط کرنے پر خلع:

پرورش کے حق کو ساقط کرنے پر خلع حنفیہ کے ہاں صحیح ہے اور والدہ کا حق پرورش ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ یہ بچے کا حق ہے والدہ اس سے دستبردار ہونے کی مالک نہیں اور مالکیہ نے خلع کے ذریعہ حق پرورش کو دو شرطوں کے ساقط کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ حق والد کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

پہلی شرط......والدہ کی جدائی سے بچے کو کوئی نقصان نہیں۔

دوسری شرط......والد بچے کی پرورش پر قادر ہو، لیکن مالکیہ کے ہاں مفتی بہ ہے کہ پرورش کا حق والدہ کے ساقط کرنے سے والد کی طرف منتقل نہیں ہوتا البتہ والدہ کے بعد جسے پرورش کا حق ہے اس کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ ❸

بچے کے نفقہ پر خلع ......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ❹ اگر شوہر نے بیوی سے اس طور پر خلع کیا کہ بیوی اس کے چھوٹے بچے پر معلوم مدت تک خرچ کرے گی تو خلع درست اور صحیح ہے اور عورت پر اس مدت تک خرچ کرنا لازم ہوگا اگر عورت نے انکار کردیا یا وہ مرگئی یا بچہ مدت ختم ہونے سے پہلے مرگیا تو عورت پر باقی مدت کا نفقہ مثل واجب ہوگا۔ اور اس کی موت کی صورت میں اس کے ترکہ سے لیا جائے گا۔ اور اگر عورت تنگدست ہوجائے تو شوہر اس پر خرچ کرے گا اگر مالدار ہوگئی تو پھر اس سے نفقہ لے لے گا لیکن مالکیہ کے ہاں اگر عورت نے اس بات پر خلع کیا کہ حمل کی مدت کا اپنا نفقہ وہ خود برداشت کرے گی تو اصح قول کے مطابق وہ ساقط نہ ہوگا۔

عدت کے نفقہ سے دستبردار ہونے پر خلع ......اگر عورت شوہر سے عدت کا نفقہ لینے سے دستبردار ہوجائے اور اس کے مقابلہ میں خلع کرلے اور شوہر اسے بری کردی ❺ تو خلع صحیح ہے اگرچہ ساقط مجہول ہے۔ اسی طرح عدت کی مدت میں رہائش کے حق کو ساقط کرنے کے بدلے میں خلع کرنا صحیح ہے لیکن اس کا حق سکنی ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ عدت والی عورت کو شوہر کے گھر میں عدت گذارنا شرعاً واجب ہے

❶......رواہ احمد۔نیل الاوطار: ۲۹۲/۵ ❷رواہ احمد وابن ماجہ عن عتبہ بن الندر (نیل الاوطار: ۲۹۲/۵) ❸ الدسوقی شرح الکبیر: ۳۴۹/۲ الشرح الصغیر: ۵۲۲/۲ ❹الشرح الصغیر: ۵۲۱/۲ ❺المرجع السابق۔

بیوی اسے ساقط کرنے کی مالک نہیں اور نہ ہی عورت اسے معاف کرسکتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ...... الطلاق: ۶۵/۱

(نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں۔ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) لیکن اگر عورت اس کا التزام کرے کہ اپنے مال سے گھر کی اجرت دے دے تو پھر شوہر کے لیے صحیح ہے کہ وہ اس اجرت کو معاف کردے۔

منافع اور حقوق پر خلع کے بارے میں شام کے قانون کا مؤقف...... دفعہ نمبر ۱۰۲ میں تصریح ہے کہ شوہر رضاعت کی اجرت کو معاف کردے جیسا کہ فقہاء کا مؤقف میں نے بیان کیا جب خلع میں یہ شرط ہو کہ شوہر بچے کی رضاعت کی اجرت کو معاف کرے گا یا عورت کے پاس معلوم مدت تک بچہ روکنے کی شرط رکھی اور عورت ہی اس پر نفقہ وخرچہ کرے پھر وہ عورت دوسری شادی کرلے یا بچہ کو چھوڑ دے یا وہ مرجائے یا بچہ مرجائے تو شوہر باقی مدت کا نفقہ یا بچہ کے دودھ کی اجرت لے گا خلع کے وقت والدہ تنگ دست تھی یا اس کے بعد مفلس ہوگئی تو والد پر جبر کیا جائے گا بچے پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں اور یہ اس کی طرف سے والدہ پر دین ہوگا۔

اور دفعہ نمبر (۱۰۳) پر تصریح ہے کہ خلع سے پرورش کا حق ساقط نہیں ہوتا حنفی مذہب پر عمل کرتے ہوتے اگر شوہر نے پرورش کی مدت بچے کو اپنے پاس رکھنے کی شرط لگائی خلع میں تو خلع صحیح ہے اور یہ شرط باطل اور عورت کو شرعی طور پر بچہ لینے کا حق ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو والدہ پر خرچ کرنا لازم ہے۔

اور دفعہ نمبر (۱۰۱) میں تصریح ہے تو عدت کا نفقہ ساقط نہیں ہوسکتا ہے الا یہ کہ خلع میں بالکل تصریح کردی جائے تو اور دفعہ ۱۰۴ میں تصریح ہے کہ بچے کہ نفقہ اور والد کے دین میں مقاصہ جاری نہ ہوگا'' بچہ جس نفقہ کا مستحق ہے اور وہ والد کے ذمہ ہے اس میں اور عورت کے ذمہ جو والد کا دین ہے ان میں مقاصہ جاری نہ ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں خلع اور مال پر طلاق میں فرق...... خلع اور مال پر طلاق اگر چہ دونوں عقد نکاح کو زائل کردیتے ہیں اور اس کے باوجود کہ ان میں سے ہر ایک طلاق بعوض ہے لیکن تین وجہوں سے یہ مختلف ہیں۔❶

پہلی وجہ...... اگر خلع کسی ایسے عوض کے بدلے میں ہو جو شرعاً باطل ہے مثلاً ایسی چیز پر خلع ہو جو مال نہیں جیسے مسلمان عورت کا شراب خنزیر اور مردار پر خلع کرنا تو شوہر کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا اور طلاق بائن واقع ہوگی لیکن مال پر طلاق میں اگر عوض باطل ہو بایں طور کے ایسی چیز کو مقرر کریں جو مال متقوم نہیں تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔یہ اس لیے کہ خلع حنفیہ کے ہاں کنایات میں سے ہے اور کنایات سے بائنہ فرقت ہوتی ہے اور طلاق جو مال پر ہے وہ صریح لیکن اگر عوض شرعاً صحیح ہو تو بائن واقع ہوتی ہے اور جب عوض صحیح نہ ہو تو گویا اس طرح ہے کہ عوض تھا ہی نہیں تو صریح طلاق باقی رہتی ہے۔لہٰذا رجعی ہوگی اور اس صورت میں لفظ خلع اور طلاق خالص عمل کریں گے اور لفظ خلع طلاق سے کنایہ ہے اور لفظ طلاق صریح الفاظ میں سے ہے اس سے طلاق رجعی ہوگی۔

دوسری وجہ...... ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خلع کے ذریعہ وہ تمام حقوق جو زوجین کے ازدواجی تعلق کی بناء پر ایک دوسرے پر تھے ساقط ہوجاتے ہیں جیسے مہر اور دوران نکاح جو خرچہ ہوا لیکن عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔کیونکہ خلع سے پہلے وہ واجب نہ تھا لہٰذا خلع کے ذریعے سے ساقط کرنے کا تصور نہیں۔اور مال پر طلاق سے زوجین کے حقوق میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا اس صورت میں صرف متفق علیہ مال واجب ہوتا ہے۔

---

❶...... البدائع: ۱۵۱/۳ فتح القدیر: ۲۰۴/۳ الکشاب مع اللباب: ۶۵/۳ الفتاویٰ الهندية ۴۵۰/۱

تیسری وجہ فرق...... خلع طلاق بائن ہے یا فسخ نکاح اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور کے ہاں یہ طلاق بائن ہے اور اس کو عدد طلاق میں شمار کیا جائے گا البتہ حنابلہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ خلع فسخ بائن ہے اس سے عدد طلاق میں کمی نہ آئے گی اگر چہ خلع کی نیت نہ بھی کرے ❶ اور مال پر طلاق میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ وہ طلاق بائن ہے اس سے عدد طلاق میں کمی آتی ہے۔

پانچویں بحث...... خلع کے آثار واحکام:

خلع پر درج ذیل آثار مرتب ہوتے ہیں۔ ❷

۱...... اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کے ہاں اگر چہ بغیر عوض یا بغیر نیت بھی کرے تو طلاق بائن ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرة:۲/۲۲۹) اور فداء تب ہی ہوگا جب عورت مرد کے اختیار اور اثر سے نکل جائے اگر طلاق بائن نہ قرار دی جائے تو پھر مرد رجوع کا مالک ہوگا اور عورت اس کے اقتدار واختیار میں ہوگی اور مقصد عورت سے ضرر کا ازالہ ہے اگر رجوع کی اجازت دے دی جائے تو پھر ضرور نقصان لوٹ آئے گا اور امام احمد سے ایک دوسری روایت مروی ہے جو ان کے مذہب میں راجح ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے یہی ابن عباس طاؤس عکرمہ اسحاق اور ابوثور کی رائے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (البقرة:۲/۲۲۹)

پھر فرمایا:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ البقرة:۲/۲۲۹

پھر ارشاد فرمایا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرة:۲/۲۳۰)

اللہ رب العزت نے پہلے دو طلاقوں کا ذکر فرمایا پھر خلع کا پھر اس کے بعد ایک طلاق کا اگر خلع بھی طلاق ہو تو طلاقیں چار ہو جائیں گی بایں طور کہ وہ طلاق جس کے بعد بیوی شوہر کے لیے حلال نہیں رہی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے تو وہ چوتھی طلاق ہوگی۔ نیز یہ ایسی جدائی ہے جو صریح طلاق سے اور طلاق کی نیت سے خالی ہے لہٰذا فسخ نکاح ہے جس طرح سارے فسخ ہو کراتے ہیں۔ لیکن حنابلہ کے ہاں معتمد یہ تفصیل ہے کہ اگر خلع لفظ خلع یا مفادات یا ان کی طرح کے الفاظ سے ہو یا کنایات طلاق سے ہو اور اس سے طلاق کی نیت بھی ہو تو خلع طلاق بائن ہے۔ اور اگر خلع اپنے صیغہ سے واقع ہوا ہو تو پھر خلع فسخ ہے اس سے عدد طلاق میں کمی نہیں آئے گی اور ان الفاظ سے طلاق کی نیت بھی نہ کی ہو بایں طور کہ لفظ خلع فسخ یا مفادات کے الفاظ سے واقع کرے اور طلاق کی نیت نہ کرے تو فسخ ہوگا اور اس کے ذریعہ تعداد طلاق میں کمی نہ ہوگی۔ مبارات یہ کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے میں تجھے تیرے نکاح سے ایک ہزار پر بری کرتا ہوں اور عورت قبول کرلے یہ کنایہ الفاظ میں سے ہے اگر نیت کی ہو تو حنابلہ کے ہاں اس سے خلع وقع ہو جائے گا اور حنفیہ کے ہاں یہ الفاظ بھی خلع کی طرح ہیں ان سے بلانیت بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بھی دی اور اسے اپنے پاس سے مال بھی دیا تو یہ خلع نہیں بلکہ مالکیہ کے ہاں یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ یہ اس کی طرح ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دے اور سامان (متعہ) بھی دے۔

۲۔ خلع قاضی کے فیصلہ پر موقوف نہیں...... جیسا کہ ہر اس طلاق کا حکم ہے جو شوہر کی جانب سے ہوتی ہے۔

---

❶ ......المعتمد فی فقه الامام احمد ۲/۲۴۸۔ ❷ البدائع: ۳/۱۴۴ فتح القدير: ۳/۲۱۵ اور المختار: ۲/۷۷۸ اللباب: ۳/۱۶ الشرح الصغير: ۲/۵۱۸ بداية المجتهد: ۲/۶۹ مغنی المحتاج: ۳/۲۶۸ المهذب: ۲/۷۲ المغنی: ۷/۵۶ غاية المنتهی ۳/۱۰ كشف القناع: ۵/۲۴۱۔

۳۔ خلع شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا..... جب شوہر خلع کرے اس شرط پر کہ بچہ اس کے پاس رہے گا پرورش کی مدت ختم ہونے سے پہلے یا بیوی شوہر سے اس شرط پر خلع کرے کہ وہ اپنے بچے کو پرورش کی مدت ختم ہونے کے بعد بھی اس کے پاس چھوڑے گا یا عورت کو بچے کی پرورش کا حق ہوگا اگرچہ وہ بچے کے محرم رشتہ داروں میں شادی نہ بھی کرے بلکہ غیر محرم میں کرے تو مذکورہ تمام صورتوں میں شرط باطل ہے اور خلع صحیح اور نافذ ہے۔

۴۔ بدل خلع جس پر اتفاق ہوا ہے وہ بیوی پر ادا کرنا لازم ہے..... چاہے وہ مہر ہو یا اس کا کچھ حصہ یا مہر کے علاوہ کوئی چیز ہو کیونکہ شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہے بدل لینے پر اور عورت اس پر راضی ہے تو تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق عورت کے ذمہ وہ لازم ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے میں خلع سے تمام حقوق اور دیون ساقط ہوتے ہیں: جو زوجین کے ایک دوسرے کے ذمہ ہیں اور جو رشتہ ازدواج سے متعلق ہیں جس پر خلع واقع ہوا جیسے مہر اور گزشتہ ختم شدہ نفقات اس لیے کہ خلع کا مقصد خصومت اور زوجین کے درمیان لڑائی جھگڑے کو ختم کرنا۔

اور رہ گئے وہ دیون جو میاں بیوی کے ایک دوسرے پر ہیں اور رشتہ ازدواج سے متعلق نہیں جیسے قرض ودیعۃ رھن مبیع کے ثمن وغیرہ تو بالاتفاق وہ ساقط نہیں ہوتے اسی طرح عدت کا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ صراحت سے عقد خلع میں انہیں ساقط کریں کیونکہ وہ خلع کے بعد واجب ہوتا ہے۔

۵ جمہور کے ہاں اور امام احمد کے ہاں خلع سے حقوق میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا ہاں اگر ساقط کرنے کی تصریح کریں تو پھر چاہے لفظ خلع کے ساتھ ہو یا مباراۃ کے ساتھ اور یہ مال پر طلاق کی طرح ہے۔ اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور صرف بدل واجب ہوتا ہے اس لیے کہ حقوق ساقط نہیں ہوتے مگر صرف اسی صورت میں جب ان کے ساقط کرنے پر کوئی دلالت کرے اور خلع میں حقوق ثابتہ کے ساقط ہونے پر کوئی دلالت نہیں اس لیے کہ یہ بیوی کی جانب سے معافی ہے اور معاوضات کا اس کے علاوہ میں کوئی اثر نہیں ہوتا جس پر طرفین راضی ہیں یہی راجح ہے اور عدل کے ساتھ متفق ہے اس لیے کہ حق تو صرف صراحۃ یا دلالۃ اسقاط سے ساقط ہوتا ہے۔

۶۔ کیا خلع والی عورت کو طلاق دی جا سکتی ہے؟..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خلع والی عورت کو طلاق دی جا سکتی ہے چاہے فوراً ہو یا بعد میں اور جمہور کے ہاں نہیں دی جا سکتی البتہ امام مالک کے ہاں اگر کلام متصل ہو تو دی جا سکتی ہے ورنہ نہیں اور امام شافعیؒ اور احمد کے ہاں نہیں دی جا سکتی اگرچہ کلام متصل ہی کیوں نہ ہو۔ مختلعہ عورت کو طلاق کسی حال میں بھی نہیں دی جا سکتی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ جب تک خلع والی عورت عدت میں ہو اسے طلاق دی جا سکتی ہے۔ اور جمہور نے ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ خلع والی عورت کو طلاق ملحق نہیں ہو سکتی اور یہ کہ وہ شوہر کے لیے نکاح جدید کے علاوہ حلال نہیں اس کو طلاق ملحق نہ ہوگی جیسے دخول سے پہلے والی مطلقہ کو یا جس کی عدت ختم ہو گئی ہو اور دونوں رائیوں میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عدت امام ابوحنیفہ کے ہاں احکام نکاح میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عدت گذارنے والی کی بہن سے نکاح دوران عدت جائز نہیں لہذا خلع کے بعد اسے طلاق بھی جا سکتی ہے اور جمہور کے ہاں عدت احکام طلاق میں سے ہے لہذا طلاق نہیں دی جا سکتی۔

۷۔ دوران عدت خلع والی عورت سے رجوع نہیں اکثر علماء کے ہاں..... چاہے خلع فسخ ہو یا طلاق فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے ﴿فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرۃ ۲: ۲۲۹) اور رہائی تب ہی ہوگی جب وہ شوہر کے قبضہ اور اس کے اختیار سے نکل جائے اگر اسے رجوع کی اجازت ہو تو وہ اس کے اختیار میں ہے اور مقصد عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے اگر رجوع جائز ہو تو پھر ضرر لوٹ آئے گا۔

زہری اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ وہ دونوں کہتے ہیں کہ شوہر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو عوض رکھ لے اور اسے رجوع کا حق نہیں اور چاہے تو عوض واپس کر دے اور رجوع کا اسے حق ہو۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ خلع یافتہ عورت سے مرد دوران عدت اس کی رضامندی

سے نکاح کرے اور بعض متاخرین کے ہاں دوران عدت نہ تو شوہر نکاح کرسکتا ہے اور نہ کوئی اور۔

۸۔ خلع یا اس کے عوض میں اختلاف...... جب بیوی خلع کا دعویٰ کرے اور شوہر انکار کرے اور شوہر کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر کی تصدیق قسم کے ساتھ ہوگی اس لیے کہ اصل نکاح کا باقی رہنا اور خلع نہ ہونا ہے اور شوافع کے ہاں گواہ دو آدمی کی گواہی ہے اور اگر شوہر کہے میں نے تجھے ایک ہزار میں طلاق دی ہے اور عورت کہے نہیں بلکہ مفت دی ہے یا تو نے طلاق نہیں دی تو عورت بائنہ ہو جائے گی اور شوہر کے لیے کوئی عوض نہیں ہوگا اگر عورت نفی پر حلف اٹھائے اور رہ گئی بینونت تو وہ شوہر کے اقرار کی وجہ سے ہے۔ اور عوض کا نہ ہونا اس لیے کہ اصل بری الذمہ ہونا ہے لیکن عورت کے لیے دوران عدت نفقہ سکنی اور کسوۃ ہے اگر زوجین عوض کی جنس میں اختلاف کریں آیا درھم تھے یا دینار یا اس کی صفت میں کہ صحیح تھے یا ٹوٹے ہوئے یا عوض کی مقدار میں اختلاف ہو کہ شوہر کہے ایک ہزار عورت کہے پانچ سو یا عدد طلاق میں اختلاف ہو عورت کہے ایک ہزار کے بدلے میں نے تین طلاقیں مانگی تھیں اور شوہر کہے ایک طلاق ہزار کے بدلے مانگی تھی اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو امام مالکؒ کے ہاں اگر گواہ نہ ہوں تو عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مدعی علیہا ہے اور شوہر مدعی ہے اور یہ حنفی مذہب کے موافق ہیں فائدہ شرعیہ پر عمل کرتے ہوئے گواہ مدعی کے کے ذمہ میں اور قسم منکر کے ذمہ امام شافعی کے ہاں دونوں حلف اٹھائیں گے جیسے بیع میں ہوتا ہے پھر بیوی کے لیے مہر مثل ہوگا کیونکہ اختلاف کے وقت یہی مراد ہوتا ہے اس لیے کہ ان دونوں کا اختلاف بیع کرنے والوں کے اختلاف کی طرح ہے۔

قانون میں خلع کے آثار...... شام کے قانون میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کو لیا ہے کہ خلع زوجین کے تمام حقوق کو ساقط کر دیتا ہے یعنی مہر نفقہ زوجیت وغیرہ حتیٰ کہ اگر زوجین بدل پر متفق نہ بھی ہوں اور یہ حکم ان دو دفعوں میں ہے دفعہ ۹۸۔ جب خلع مہر کے علاوہ مال پر ہو تو اس کا ادا کرنا لازم ہے اور خلع کرنے والے دونوں بری ذمہ ہو جائیں گے تمام حقوق سے یعنی مہر اور نفقہ زوجیت وغیرہ سے۔ دفعہ نمبر ۹۹۔ اگر خلع کے وقت وہ کچھ بھی مقرر نہ کریں تو دونوں ایک دوسرے کے حقوق سے بری ہیں مہر اور نفقہ وغیرہ سے۔

تیسری فصل: قاضی کا زوجین کی ایک دوسرے سے علیحدگی کا فیصلہ کرنا...... یہ فصل دس مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث...... نفقہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق کرنا۔

دوسری بحث...... کسی عیب یا جنسی خلل کی وجہ سے فیصلہ کرنا۔

تیسری بحث...... نقصان بری معاشرت یا زوجین کی ناچاقی کی وجہ سے تفریق کرنا۔

چوتھی بحث...... ظلم وتشدد کی وجہ سے طلاق۔

پانچویں بحث...... غائب رہنے کی وجہ سے طلاق۔

چھٹی بحث...... قید کی وجہ سے طلاق۔

ساتویں بحث...... ایلاء کی وجہ سے تفریق۔

آٹھویں بحث...... لعان کی وجہ سے جدائی۔

نویں بحث...... ظہار کی وجہ سے تفریق۔

دسویں بحث...... ارتداد یا زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے کی وجہ سے تفریق۔

اور یاد رہے کہ فیصلہ اور تفریق طلاق سے مختلف ہے کیونکہ طلاق تو شوہر کے ارادہ اور اختیار سے ہوتی ہے اور تفریق قاضی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتی ہے عورت کا رابطہ زوجیت شوہر سے جبراً ختم کرانا کہ جب اختیاری وسائل طلاق اور خلع میں وہ کامیاب نہ ہوا اور مصر اور شام میں تفریق کی چار حالتوں کے احکام مالکی اور حنبلی مذہب سے لیے ہیں تفریق قاضی کبھی تو طلاق ہوتی ہے جیسے خرچہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق ایلاء خلل وبیماری زوجین کی ناچاقی غیب ہونے قید ہونے یا ظلم وتشدد کرنے کی وجہ سے تفریق اور کبھی عقد کو فسخ کرنے کے لیے تفریق ہوتی ہے جیسے ارتداد یا ایک کے اسلام لانے کی وجہ سے تفریق۔

طلاق اور فسخ میں حنفیہ کے ہاں فرق......طلاق ازدواجی تعلق کو ختم کرنا اور سابقہ حقوق کو ثابت کرنا مہر وغیرہ کو اور تین طلاقوں کو جن کا شوہر مالک ہے شمار کرنا اور یہ کام صرف عقد صحیح میں ہو سکتا ہے اور فسخ عقد کو اصل اور جڑ سے ختم کرنا یا اس کے دوام کو روکنا اور اسے عدد طلاق میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ عام طور پر عقد فاسد یا غیر لازم میں ہوتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں فسخ اور طلاق کے فرق میں دو قول ہیں۔

ا۔ پہلا قول...... وہ نکاح مذاہب میں مختلف فیہ ہو اور اختلاف بھی مشہور ہو جیسے عورت کا خود شادی کرنا حج اور عمرہ کے احرام کے دوران نکاح کرنے وغیرہ کی صورت کی فرقت طلاق ہے فسخ نہیں۔

۲۔ دوسرا قول......اس میں اس سبب کا اعتبار ہے جو تفریق کا موجب بنا اگر وہ سبب شریعت کی جانب سے ہے اس میں زوجین کی رغبت نہیں تو وہ فسخ ہے جیسے رضاع سے حرام ہونے والی سے نکاح یا عدت میں نکاح اور اگر سبب زوجین کی رغبت ہو جیسے عیب کی وجہ سے رد تو طلاق ہے۔

پہلی بحث: نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق......مصر اور شام کے قانون میں زوجین کے درمیان فیصلہ کے متعلق جمہور کے مذہب کے مطابق عمل کیا ہے مصر کے قانون میں دفعہ ۴ قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۰ میں تصریح ہے کہ میاں بیوی میں تفریق کردی جائے جب میاں اپنی بیوی پر خرچہ نہ کرے جبکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے ضرورت کی بناء پر چاہے عورت پر خرچہ نہ کرنا شوہر کے تنگدست ہونے کی وجہ سے ہو یا ہٹ دھرمی اور ظلم کی بناء پر ہو قاضی عورت کو طلاق دے گا اور شوہر شہر میں حاضر ہونا چاہیے غائب نہ ہونا چاہیے جبکہ وہ خود طلاق نہ دے رہا ہو اور نہ ہی شوہر کے پاس ظاہری طور پر مال ہو جس میں نفقہ لازم کیا جائے اور شام کے قانون میں خرچ نہ دینے کی وجہ سے تفریق کے احکام کی درج ذیل تصریح ہے۔ دفعہ ۱۱۰ اگر موجود اور حاضر شوہر بیوی پر نفقہ سے رو کے تو بیوی کے لیے طلاق طلب کرنا جائز ہے اور شوہر کے پاس ظاہری طور پر مال بھی نہ ہو اور نہ ہی نفقہ کرنے سے عاجز آنا اس کا ثابت ہو[1] اگر اس کا عجز ثابت ہو جائے یا شوہر غائب ہو تو قاضی شوہر کو مہلت دے مناسب جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہو اگر پھر بھی وہ خرچہ نہ دے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے۔ (م ۱۱۱) خرچ نہ کرنے کی بناء پر قاضی کی تفریق طلاق رجعی ہوگی اور شوہر کے لیے اجازت ہے کہ اگر اس کی مالداری ثابت ہو جائے اور خرچ کرنے پر وہ تیار ہو تو وہ اس سے رجوع کرلے ان دونوں قانونوں کے مطابق عدم انفاق کی صورت میں طلاق رجعی ہوگی جبکہ دخول کے بعد تفریق ہو عدم انفاق کی نسبت سے ان قوانین میں واقع احکام کا خلاصہ درج ہے۔

(الف)......اگر شوہر کے پاس ظاہری مال ہو تو اسے نفقہ فراہم کرنے کا پابند بنایا جائے گا تفریق کی ضرورت نہیں۔

(ب)......اگر شوہر کے پاس ظاہری مال نہ ہو اور وہ موجود بھی ہو اور اس کا عجز انفاق کا ثابت نہ ہوا ہو اور وہ نہ خرچ کرنے پر مصر ہو تو قاضی فوراً ان کے درمیان تفریق کروادے اور اگر خرچ کرنے کا عجز ثابت ہو جائے تو شام کے قانون کے مطابق اسے تین ماہ تک مہلت دے اور مصر کے قانون کے مطابق ایک ماہ مہلت دے پھر اگر مدت ختم ہوگئی اور وہ نان نفقہ نہیں دے رہا تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق

[1]...... بدایۃ المجتہد: ۲/ ۷۰۔

کردے۔اور اگر شوہر غائب ہو اور ظاہری طور پر اس کے پاس مال بھی نہ ہو تو اسے عذر پیش کرنے کی تین ماہ تک مہلت دی جائے اگر مدت ختم ہوجائے اور پھر بھی وہ نان نفقہ بیوی کو نہیں دے رہا تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے یہ احکام فقہ مالکی سے ماخوذ ہیں۔

فقہاء کی آراء عدم انفاق کی صورت میں تفریق کے سلسلہ میں.....فقہاء کی دورائے ہیں ایک حنفیہ کی اور دوسری جمہور کی۔❶

پہلی رائے: حنفیہ کے ہاں.....حنفی مذہب میں نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق کرنا جائز نہیں اس لیے کہ شوہر یا تو تنگدست ہوگا یا مالدار اگر وہ تنگدست ہے تو عدم انفاق اس کی طرف سے ظلم نہیں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۧ الطلاق ۶۵/۷

صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے۔اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔پس جب وہ ظالم نہیں تو ہم اس پر طلاق واقع کر کے ظلم نہیں کریں گے اور اگر وہ خوشحال ہے تو خرچ نہ کر کے وہ ظالم بنا لیکن اس کے ظلم کو دور کرنے کا ذریعہ صرف تفریق ہی نہیں بلکہ اور طریقے بھی ہیں جیسے اس کے مال کو زبردستی فروخت کر کے اس کی بیوی پر خرچ کرنا اسے قید کر لینا تا کہ وہ خرچ کرنے پر آجائے اور کبھی جواب دیا گیا ہے کہ کبھی کبھی تفریق ہی متیقن ہوتی ہے عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے۔اور ان کی رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی بھی ایسی روایت نہیں جس سے پتہ چلتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار ہونے کے باوجود (خرچ نہ کرنے والوں میں تفریق کی ہو اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ فسخ اس صورت میں عورت کا حق ہے۔اس کا جواب دیا گیا ہے کہ خرچ نہ کرنے کی صورت میں تفریق عورت کی طلب پر ہوتی ہے اور صحابیات نے تفریق طلب ہی نہیں کی۔

دوسری رائے: جمہور کے ہاں.....ائمہ ثلاثہ نے خرچ نہ کرنے کی وجہ سے تفریق کی اجازت دی ہے۔

۱.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ البقرۃ:۲/۲۳۱

اور اس نیت سے انہیں نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیے کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو تو عورت کو بغیر نان نفقہ کے روکنا ان پر زیادتی ہے اور اشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ البقرۃ:۲/۲۲۹

پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔اور خرچہ نہ دینا بھلائی کے ساتھ نکاح میں رکھنا نہیں۔

۲.....ابوزناد فرماتے ہیں میں نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس کے پاس بیوی پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو کیا ان میں تفریق کردی جائے تو انہوں نے فرمایا ہاں میں نے پوچھا سنت ہے تو کہنے لگے سنت ہے اور سعید کا قول سنت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

۳.....عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے کمانڈوں کو ان مجاہدین فوجیوں کے بارے میں حکم لکھا جو اپنی بیویوں سے غائب تھے کہ انہیں حکم دو یا تو

---

❶.....الدر المختار ۲/۹۰۳ الشرح: الصغیر: ۲/۷۴۵ وما بعد ما مغنی المحتاج: ۳/۴۴۲۔۴۴۶ المغنی: ۷/۵۷۳۔۵۷۷ بدایۃ المجتھد: ۲/۵۱ القوانین الفقھیۃ: ۲۱۵ الدر سوقی معی الشرح الکبیر: ۲/۵۱۸۔

ان پر خرچ کریں یا انہیں طلاق دے دیں اگر طلاق دیں تو گذشتہ عرصہ کا خرچہ بھیجیں (اس میں ان کی دلیل نہیں کیونکہ یہ خود طلاق دینا ہے نہ کہ جبراً تفریق)۔

۴ خرچہ نہ دینا عورت پر سخت تکلیف ہے اتصال جنسی سے عاجز ہونے کی وجہ سے لہٰذا عورت کو تفریق طلب کرنے کا حق ہے اعسار اور خرچ نہ کرنے کی وجہ سے میرے ہاں جمہور کی رائے راجح ہے ان کے دلائل کے قوی ہونے کی وجہ سے اور عورت سے ضرر و تکلیف دور کرنے کی وجہ سے کیونکہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔

تفریق کی نوعیت ..... خرچہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے تفریق کی نوعیت مالکیہ کے ہاں طلاق رجعی ہے اگر عدت کے دوران شوہر مالدار ہو جائے تو اسے بیوی سے رجوع کا حق ہے کیونکہ یہ تفریق ہے اس واجب حق سے روکنے کی وجہ سے جو اس پر واجب ہے یہ مشابہ ہے ایلاء والے کی تفریق کے ساتھ اور طلاق سے رکنے کی صورت کے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں نفقہ کی وجہ سے تفریق سوائے حاکم کے حکم کے جائز نہیں کیونکہ یہ فسخ ہے اس میں اختلاف ہے لہٰذا حاکم کی ضرورت ہے جیسے عنین ہونے کی وجہ سے فسخ اور حاکم کے لیے بھی تفریق جائز نہیں الا یہ کہ عورت طلب کرے کیونکہ یہ تفریق اس کے حق کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کی طلب کے بغیر جائز نہیں جب حاکم نے ان کے درمیان تفریق دی تو یہ فسخ ہے شوہر کے لیے رجوع نہیں۔

دوسری بحث: عیوب اور علل کی وجہ سے تفریق:

پہلی بات: عیوب کی اقسام

عیوب کی اقسام ..... عیوب جو دخول سے مانع ہیں یا مانع نہیں اس اعتبار سے دو قسم پر ہیں:

۱..... جنسی عیب جو دخول سے مانع ہیں مجبوب ہونا عنین ہونا، خصی ہونا، مرد کا اور بانجھ ہونا اور رتقاء ہونا۔

۲..... وہ عیب جو دخول سے مانع نہیں لیکن ایسے امراض میں جن سے نفرت کی جاتی ہے اس طور پر کہ شوہر کے ساتھ رہنا صرف نقصان کے ساتھ ہی ہو جیسے جذام جنون برص سیل اور زہری کے یہاں عیوب تین قسموں پر تقسیم ہوتے ہیں:

۱..... وہ جو مرد کے ساتھ خاص ہیں اور فرج کی بیماریاں ہیں مجبوب (مقطوع الذکر ہونا) عنین (جماع سے عاجز ہونا) خصی ہونا اعتراض مرد کی وہ حالت جس کی وجہ سے عورت سے ہمبستری پر قادر نہ ہو کسی مرض یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے۔

۲..... وہ عیب جو عورت ساتھ خاص ہیں اور فرج کی بیماری ہیں۔ اور رتق (یعنی عورت کی شرمگاہ کا بند ہونا پیدائشی طور پر اور ذکر کے لیے اس میں کوئی راہ نہ ہو) قرن (ہڈی یا غدہ کا ہونا جو دخول ذکر سے مانع ہو) عفل (ورم کی وجہ سے عورت کی فرج کا تنگ ہونا جو لذت حاصل ہونے سے مانع ہے) فرج کی بدبو سبیلین کا ملا ہوا ہونا اور انخراق یعنی منی اور پیشاب کے مخرج کا پھٹن یہ وطی کی لذت اور فائدہ سے مانع ہے۔

۳..... وہ عیوب جو مرد اور عورت دونوں میں مشترک ہیں جنون، جذام برص، پیشاب پاخانہ کا چلنا، بواسیر اور انہی عیوب میں سے ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کا خصی ہونا اور رہ گیا خنثیٰ مشکل تو اس کا نکاح صحیح نہیں ان عیوب میں سے بعض وہ ہیں جن سے تکلیف کے متعدی ہونے کا خوف ہے اور بعض نفرت وکمی کا باعث ہیں اور بعض وہ ہیں جن کی وجہ سے نجاست پھیلتی ہے۔

دوسری بات: قانون میں عیوب کی وجہ سے ہونے والی تفریق:

مصری قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۰ مواد (۹۔۱۰۔۱۱) میں اس بات کی تصریح ہے کہ شوہر کے عیوب کی وجہ سے تفریق جائز ہے اور وہ مجبوب عنین اور خنثی ہونا یہ تین عیوب ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے تفریق کرنا متفق علیہ ہے۔ اور جنون جذام برص وغیرہ (یعنی ہر وہ عیب جو مستحکم ہو اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو یا خاصے زمانہ کے بعد ممکن ہو) چاہے شوہر کو وہ عیب عقد نکاح سے پہلے ہوں اور عورت کو معلوم نہ ہو یا عقد

کے بعد پیدا ہوئے ہوں اور عورت راضی نہ ہو، عیب کی وجہ سے ہونے والی تفریق طلاق بائن ہے ان عیوب کے بارے میں ماہرین سے پوچھا جائے گا جن کی وجہ سے وہ فسخ طلب کر رہی ہے شام کے قانون میں جنسی عیوب کی وجہ سے تفریق میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی رائے کو لیا ہے اور نفرت اور نقصان کی وجہ سے عیب میں نہیں اور یہ درج ذیل ہیں (م ۱۰۵) بیوی کو اپنے اور شوہر کے درمیان تفریق طلب کرنا درج ذیل دو حالتوں میں جائز ہے۔

۱..... جب مرد میں دخول سے مانع کوئی ایک عیب ہو جبکہ عورت ان عیوب سے بچی ہوئی ہو۔

۲..... جب شوہر مجنون ہو گیا ہو عقد کے بعد (م ۱۰۶)۔

(۱)..... اگر عورت کو عقد سے پہلے ان عیوب کا علم ہو یا عقد کے بعد وہ اس سے راضی ہو تو تفریق کا حق اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

(۲)..... البتہ عنین ہونے کی وجہ سے تفریق کا حق کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتا (م ۱۰۷) جب مادہ نمبر ۱۰۵ میں مذکورہ بیماریاں ختم ہونے کے قابل نہ ہوں تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کر دے گا فی الحال اور اگر ان کا ختم ہونا ممکن ہو تو پھر مناسب مدت تک مہلت دے اور یہ ایک سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہے اگر بیماری ختم نہ ہوئی تو ان کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے (م ۱۰۸) بیماری کی وجہ سے تفریق طلاق بائن ہوگی۔

تیسری بات: عیب کی وجہ سے تفریق کے بارے میں فقہاء کی آراء..... عیب کی وجہ سے تفریق کے جواز میں فقہاء کی دو رائے ہیں ایک ظاہریہ کی رائے اور دوسری اکثر علماء کی رائے۔ ظاہریہ کے ہاں ❶ کسی بھی عیب کی وجہ سے تفریق کرنا جائز نہیں چاہے شوہر میں ہو یا بیوی میں لیکن اگر بیوی طلاق چاہے تو کوئی چیز اس سے مانع نہیں اور عیب کی وجہ سے فسخ کرنے کی دلیل نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں نہ صحابہ کا اس بارے میں کوئی اثر ہے نہ قیاس اور نہ معقول۔ اکثر علماء ❷ عیب کی وجہ سے تفریق کی اجازت دیتے ہیں لیکن ان کا دو چیزوں میں اختلاف ہے کیا زوجین میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے یا صرف بیوی کو؟ اور وہ کون سے عیب ہیں جن کی وجہ سے تفریق طلب کرنے کا عورت کو حق حاصل ہے۔

پہلی چیز: تفریق کا حق میاں بیوی دونوں کو حاصل ہے یا صرف بیوی کو..... حنفیہ کے ہاں عیب کی وجہ سے تفریق کا حق صرف بیوی کو حاصل ہے شوہر کو حاصل نہیں کیونکہ شوہر کو نقصان ختم کرنا طلاق کے ذریعہ ممکن ہے اور بیوی کے لیے ضرر دفع کرنا ممکن نہیں الا یہ کہ تفریق طلب کرنے کا حق اسے دیا جائے کیونکہ عورت طلاق کی مالک نہیں اور ائمہ ثلاثہ نے زوجین میں سے ہر ایک کو عیب کی وجہ سے تفریق کا حق دیا ہے اس لیے کہ دونوں ان عیوب کی وجہ نقصان اٹھاتے ہیں اور طلاق کی طرف مجبور ہونا یہ تو سارے مہر کو لازم کرتا ہے دخول کے بعد اور قبل الدخول نصف کو اور عیب کی وجہ سے تفریق میں قبل الدخول مرد نصف مہر کو معاف کرتا ہے اور دخول کے بعد بالاتفاق عورت کو مقرر شدہ ملتا ہے لیکن مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں شوہر بیوی کے ولی سے مہر واپس لے گا کیونکہ ولی نے عیب چھپا کر تدلیس کی ہے البتہ اس کے لیے سکنیٰ اور نفقہ نہیں۔

دوسری چیز: وہ عیوب جن کی وجہ سے تفریق جائز ہے..... ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ دو عیبوں کی وجہ سے تفریق جائز ہے اور وہ مجبوب اور عنین اور باقی عیبوں کے بارے میں چار رائے ہیں۔

---

❶..... المحلی: ۱۹/۲/۷۲ مسالة: ۱۸۹۹ ❷ فتح القدیر ۲۶۲/۳ مختصر الطحاوی: ص ۱۸۲ البحرا لرائق: ۱۳۵/۳ اللباب: ۲۶-۲/۳، القوانین الفقهیة ۲۱۴ بدایة المجتهد ۵۰/۲ الشرح الصغیر: ۴۶۷/۲ مغنی المحتاج: ۲۰۲/۳ کشف القناع: ۱۱۵/۵ المغنی: ۶۵۰/۶-۶۵۷، ۶۶۷-۶۶۸۔

پہلی رائے: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے..... کہ صرف تین عیوب (مجبوب، عنین خصی) میں فسخ ہے اگر یہ مرد میں ہوں اس لیے کہ یہ ایسے عیب ہیں کہ جو زائل نہیں ہو سکتے ہیں اور ان کا نقصان دائمی ہے اور ان عیوب کے ہوتے ہوئے ازدواج کے مقصود اصلی متحقق نہیں ہوتا، توالد وتناسل اور گناہوں سے بچنا، لہٰذا تفریق ضروری ہے رہ گئے دوسرے عیوب یعنی جنون جذام برص رتق قرن وغیرہ ان کی وجہ سے فسخ نہیں ہوگا اگر یہ بیوی میں ہوں یا شوہر میں ہوں اور نہ ہی کسی دوسرے کو اختیار ہے یہی حنفیہ کے ہاں صحیح ہے اور امام محمد کے ہاں: اگر یہ عیوب شوہر میں ہوں تو بیوی کو خیار اور فسخ کا حق حاصل ہے لیکن اگر بیوی میں ہوں تو شوہر کو خیار نہیں اسی پر متفق ہیں حنفیہ کے شوہر کو بیوی کے عیوب کی وجہ سے فسخ کا اختیار نہیں۔

دوسری رائے: مالکیہ اور شوافع کی رائے..... زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے جب کہ دوسرے میں جنسی عیوب پائے جائیں یا نفرت والے مثلاً جنون جذام اور برص وغیرہ۔ اور شوافع کے ہاں عیب سات ہیں: مجبوب ہونا، عنین ہونا، جنون، جذام، برص، رتق اور قرن اور یہ بھی ممکن ہی کہ زوجین میں صرف پانچ۔

عیب ہوں، پہلے دو مرد میں آخری دو عورت میں درمیان والے تین دونوں میں مشترک طور پر اور بدبو صنان اور استحاضہ بہنے والے زخم اندھا پن اپاہج کنداہن ہونا، خصی ہونا، سبیلین کا ملا ہوا ہونا وغیرہ عیوب میں فسخ نہیں یہ ایسے امور ہیں جو مقصود نکاح کو فوت نہیں کرتے اور مالکیہ کے ہاں تیرہ (۱۳) عیب میں چار تو مرد عورت کے درمیان مشترک ہیں جنون جذام برص اور عذیطہ (یعنی جماع کے وقت پیشاب یا پاخانہ کا نکلنا عورت کو عذیوطہ اور مرد کو عذیوط کہتے ہیں۔ اور چار مرد کے ساتھ خاص ہیں خصی ہونا مجبوب ہونا عنین ہونا اور اعتراض (یعنی جماع کے قابل نہ ہونا کسی مرض کی وجہ سے) اور پانچ عورت کے ساتھ خاص ہیں رتق، قرن، بدبو، غدود اور افضاء اور عیوب میں داخل نہیں قرع اور سواد اندھا پن اور کانا لنگڑا ہونا اپاہج ہونا اور نہ ہی اس طرح کے۔

تیسری امام احمدؒ کی رائے..... جنسی عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا جائے گا یا نفرت دلانے والے عیوب کی وجہ سے یا سل اور سیلان کا مرض اور اس طرح کے مرض جو پہچان والوں کی طرف سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہاں عیب آٹھ ہیں تین میں دونوں شریک ہیں جذام جنون اور برص اور دو کے ساتھ مرد خاص ہے مجبوب اور عنین ہونا اور تین عورت کے ساتھ خاص ہیں رتق قرن اور عفل اور قاضی ابو یعلی نے قرن اور عفل کو ایک شمار کیا ہے پس عیب سات ہوتے اور ابو خطاب کے ہاں اسی پر ان کی تخریج ہے جنہیں بواسیر یا ناسور ہو اور فرج کے وہ زخم جو رس رہے ہیں اس لیے کہ ان سے نفرت ہوتی ہے اور ان کی نجاست متعدی ہے اور حنابلہ نے اسے ترجیح دی ہے کہ مرد کے لیے خیار ہے عورت کی فرج کے بہتے زخم بواسیر اور ناسور وغیرہ میں اور گنجا ہونا، اندھا ہونا لنگڑا ہونا، ہاتھ پاؤں کا کٹا ہونا، یہ ایسے عیب نہیں جن کی وجہ سے فسخ جائز ہو اس لیے کہ یہ استمتاع سے مانع نہیں اور نہ ہی ان کے متعدی ہونے کا خطرہ ہے۔

چوتھی رائے زہری شریح ابو ثور..... کی رائے اسے ابن القیم نے اختیار کیا ہے [1] ہر وہ عیب جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو نفرت ہو اس میں تفریق طلب کرنا جائز ہے چاہے وہ عیب مستحکم ہو یا مستحکم نہ ہو جیسے بانجھ ہونا، گونگا ہونا، لنگڑا ہو، ناہاتھ پاؤں کا کٹا ہونا اس لیے کہ عقد تمام عیوب سے سلامتی پر تمام ہوا تھا جب سلامتی نہ رہی تو خیار ثابت ہو گیا نیز اس وجہ سے بھی کہ ابوعبیدہ نے سلمان بن یسار سے روایت کی ہے کہ ابن سندر نے ایک عورت سے شادی کی اور وہ خصی تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا عورت کو اطلاع دی تھی تو اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اسے بتاؤ پھر اسے اختیار دے دو۔ میرے ہاں حنابلہ کی رائے راجح ہے کہ عیوب کی تحدید نہیں کی گئی اور انہوں نے فسخ کے جواز کو مقصور کیا ہے ان عیوب پر جن کے ساتھ ازدواجی تعلق کے مقاصد مکمل طور پر پورے نہیں اور یہی عقد نکاح کے مقتضا کے ساتھ

---

[1] ..... زاد المعاد ۴/۳۰ وما بعدھا۔

متفق ہے۔

عیب کی وجہ سے تفریق کی قیود..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ عیب کی وجہ سے تفریق قاضی کے حکم کی محتاج ہے اور جس کی مصلحت ہے اس کے دعویٰ کی۔ اس لیے کہ عیب کی وجہ سے تفریق ایک اجتہادی چیز ہے اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

تو یہ قاضی کے فیصلہ کی محتاج ہے تا کہ اختلاف ختم ہو سکے۔ نیز زوجین عیب کے پائے جانے یا نہ پائے جانے میں بھی اختلاف کر سکتے ہیں نیز آیا اس عیب کی وجہ سے تفریق جائز ہے یا نہ اور قاضی کا حکم اختلاف کی جڑ کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے اور اس میں عیب کے منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا عیب کے نہ ہونے میں کیونکہ یہ اصل ہے جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ شوہر مجبوب ہے تو قاضی فوراً تفریق کر دے اور مہلت نہ دے کیونکہ مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں رہ گیا عنین اور خصی انہیں حاکم خصومت کے دن یعنی دعویٰ کے دن سے ایک سال تک مہلت دے حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں کیونکہ ممکن ہے دوران سال شوہر کو جماع پر قدرت ہو جائے اور ایک سال کی مدت حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں سال کی ابتداء فیصلہ کے وقت سے ہوگی حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے جیسے شافعی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اگر درمیان سال شوہر نے جماع کا دعویٰ کیا تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اگر عورت ثیبہ ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر شوہر کی گواہی دے رہا ہے کیونکہ اصل عیوب سے سلامتی ہے تو ظاہر جس کی گواہی دے اسی کا قول معتبر ہوگا اگر شوہر نے حلف اٹھا لیا تو عورت کا دعویٰ خارج کر دیا جائے اگر حلف سے رکا تو قاضی عورت کو اختیار دے اس کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے میں اگر عورت نے تفریق چاہی تو وہ ان میں تفریق کر دے گا۔ اور اگر عورت باکرہ تھی تو عورتیں اسے دیکھیں گی اور اس میں ایک عورت کا قول معتبر ہے اور حنفیہ کے ہاں دو عورتوں کا دیکھنا معتبر ہے اگر وہ عورتیں کہیں یہ باکرہ ہے تو پھر مہلت سال کے اختتام تک باقی رہے گی کیونکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہوگیا اگر عورتیں گواہی نہ دیں تو پھر عورت کا قول معتبر ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں اگر شوہر سال کی مدت میں وطی کا دعویٰ کرے تو شوہر کی تصدیق کی جائے گی قسم کے ساتھ اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو پھر بیوی کو حلف دیا جائے گا کہ شوہر نے وطی نہیں کی اگر عورت چاہے تو سال پورا ہونے سے پہلے ان میں تفریق کر دی جائے اگر عیب مجبوب عنین اور خصی کے علاوہ کوئی ہو تو پھر مالکیہ کے ہاں اگر بیماری ایسی ہو کہ علاج کے ذریعہ اس کے زائل اور ختم ہونے کی امید نہ ہو تو قاضی زوجین کے درمیان فی الحال تفریق کر دے اور اگر علاج سے اس کا خاتمہ ممکن ہو تو اگر عیب مشترک ہو عورت اور مرد کے درمیان مثلاً جذام جنون اور برص تو قاضی ایک سال کی مدت مقرر کرے اور اگر عیب عورت کے مخصوص عیوب میں سے ہو تو پھر تفریق کو اختیار کے ساتھ مؤجل کرے اور اگر عورت دعویٰ کرے کہ وہ عیب اس سے ختم ہوگیا ہے تو اس کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ اور شوافع کے ہاں عنین ہونا حاکم کے پاس شوہر کے اقرار سے ثابت ہوگا یا گواہوں کے ذریعہ جو شوہر کے اقرار پر ہوں یا پھر عورت کی قسم سے جو شوہر کے انکار کے بعد جب عنین ہونا ثابت ہوگیا تو قاضی مرد کے لیے ایک سال مقرر کرے عورت کے طلب کرنے پر جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیونکہ یہ حق عورت کا ہے جب سال گذر گیا تو عورت قاضی کے پاس جائے اگر شوہر کہے وطی کی ہے تو اسے حلف دیا جائے گا اگر اس نے قسم سے انکار کر دیا تو عورت کو حلف دیا جائے گا اور عورت نے حلف کر لیا یا شوہر نے اس کا خود اقرار کر دیا تو فسخ کے ذریعہ اقالہ کر دیا جائے گا جیسا کہ عیب دار مبیع میں ہوتا ہے۔

عیب کی وجہ سے تفریق کی شرائط..... فقہاء نے دو شرطیں رکھی ہیں ثبوت حق کے لیے تفریق عیب کی صورت میں طلب کرنے کے لیے۔ ایک یہ کہ تفریق طلب کرنے والا عیب کو نہ جانتا ہو عقد کے وقت یا عقد سے پہلے اگر عقد کے وقت اسے معلوم تھا اور عقد نکاح کر لیا تو اس کے لیے تفریق طلب کرنا درست نہیں اس لیے کہ عیب معلوم ہونے کے باوجود عقد قبول کرنا عیب سے راضی رہنا ہے۔

عقد کے بعد عیب کی اطلاع ملنے پر عیب پر راضی نہ رہنا اگر تفریق طلب کرنے والا عیب سے جاہل تھا پھر عقد مکمل ہونے کے بعد اسے

معلوم ہوا اور وہ اس پر راضی ہوگیا تو بھی طلب تفریق کا حق ساقط ہوجائے گا اگر عیب پر راضی نہ ہوا تو شوافع کے ہاں خیار عیب فی الفور ثابت ہے اور حنابلہ کے ہاں تراخی کے ساتھ اس وقت تک خیار ساقط نہ ہوگا جب تک اس کی جانب سے رضا مندی پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے چاہے صراحۃ ہو جیسے کہے رضیت میں راضی ہوں یا دلالۃ جیسے شوہر کا استمتاع حاصل کرنا اور بیوی کا قدرت دینا اس لیے کہ یہ خیار تفریق طلب کرنے والے کے لیے ہے موجود ضرر کو ختم کرنے کے لیے لہٰذا یہ تراخی کے ساتھ ہوگا جیسے خیار قصاص اور مبیع میں خیار عیب جب عیب تفریق سے پہلے زائل ہوجائے تو تفریق نہ کی جائے گی کیونکہ اس کا سبب زائل ہوگیا ہے جیسے مبیع کا عیب زائل ہوجائے اور شام کے قانون میں تین شرائط اور رکھی گئی ہیں۔

حنفی مذہب کے مطابق: ۱ کہ بیوی تفریق طلب کرے ورنہ تفریق نہ کی جائے گی۔

۲ بیوی جنسی بیماریوں سے خالی ہو جیسے رتق اور قرن۔

۳ شوہر صحیح ہو اگر مریض ہے تو اس کی صحت یابی تک انتظار کیا جائے گا پھر عنین اور خصی ہونے کی صورت میں ایک سال کی مہلت ہوگی۔

شادی کے بعد عیب پیدا ہونا...... اگر عیب قدیم ہو عقد نکاح سے پہلے موجود ہو تو ائمہ اربعہ میں شرائط سابقہ کے ساتھ تفریق کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں لیکن اگر عیب زوجین میں سے کسی ایک میں پیدا ہو تو تفریق کے جواز میں اختلاف ہے حنفیہ کے ہاں جب مرد مجنون ہوجائے یا عنین ہوجائے شادی کے بعد جب کہ پہلے وہ عورت سے ہمبستری کر چکا تھا اگرچہ ایک مرتبہ ہی کی ہو تو عورت کو فسخ کے مطالبہ کا حق نہیں کیونکہ قضاءً ایک مرتبہ سے اس کا حق ساقط ہوگیا اور اس سے زیادہ کی وہ دیانۃً مستحق ہے قضاءً نہیں مالکیہ نے شوہر اور بیوی کے عیبوں میں فرق کیا ہے کہ اگر عیب بیوی میں پیدا ہوا تو شوہر کو طلب تفریق کا اس عیب کی وجہ سے اختیار نہیں اس لیے کہ یہ مصیبت ہے جو اس پر نازل ہوئی ہے اور عیب ہے جو عقد لازم ہونے کے بعد معقود علیہا میں پیدا ہوا ہے یہ مبیع میں پیدا شدہ عیب کے مشابہ ہے اور اگر پیدا شدہ عیب شوہر میں ہو تو اگر عیب جنون جذام اور مرض ہو تو عورت کو تفریق طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ ان کی ایذا سخت ہے اور ان پر صبر نہیں ہوسکتا البتہ جنسی عیوب مجبوب عنین اور خصی ہونے میں عورت کو تفریق طلب کرنے کا حق نہیں شوافع اور حنابلہ نے شادی کے بعد پیدا ہونے والے عیوب میں تفریق کے جواز کو مطلقاً رکھا ہے جیسے شادی سے پہلے عیوب میں اور ضرر ہونے کی وجہ سے نیز عورت کے لیے تفریق کے بغیر چارہ کار نہیں برخلاف مرد کے لیکن شوافع نے عنین ہونے کو مستثنیٰ کیا ہے دخول کے بعد اس لیے کہ عورت کے لیے فسخ طلب کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح کا مقصود حاصل ہو چکا اور وہ اپنا حق ایک مرتبہ وصول کر چکی۔

عیب کی وجہ سے ہونے والی تفریق کی نوعیت...... اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں یہ فرقت طلاق بائن ہے اس سے عدد طلاق کم ہوتا ہے اس لیے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوتا ہے گویا شوہر نے بذات خود طلاق دی نیز یہ جدائی نکاح صحیح کے بعد ہوگی ہے اور مالکیہ کے ہاں نکاح صحیح کے بعد ہونے والی تفریق طلاق ہے نہ کہ فسخ طلاق بائن اس لیے قرار دی جاری ہے کہ عورت سے ضرر اور نقصان ختم کرنا ہے اگر شوہر کے لیے عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع جائز قرار دیا جائے نقصان دوبارہ لوٹ آئے گا۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں عیب کی وجہ سے ہونے والی تفریق فسخ ہے طلاق نہیں اور فسخ عدد طلاق کو کم نہیں کرتا، اور شوہر کو نکاح جدید کے ساتھ بیوی کو واپس لانے کی اجازت ہے ولی دو عادل گواہوں اور مہر کے ساتھ کیونکہ یہ تفریق بیوی کی طرف سے ہے اور یا تو اس کے تفریق طلب کرنے کی وجہ سے یا کسی عیب کی وجہ سے اور تفریق جب بیوی کی جانب سے ہو تو وہ فسخ ہے طلاق نہیں۔

عیب کی وجہ سے تفریق کا مہر پر اثر...... ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ حنفیہ صرف جنسی عیوب کی وجہ سے تفریق جائز قرار دیتے ہیں اگر

وہ مرد میں ہوں اب اگر تفریق ہمبستری اور خلوت سے پہلے ہو تو بیوی کے لیے نصف مہر ہوگا کیونکہ تفریق شوہر کی وجہ سے ہے اور اگر تفریق ہمبستری اور خلوت کے بعد ہو تو عورت پر عدت واجب ہوگی جبکہ شوہر اقرار کرے کہ میں اسے کے پاس نہیں پہنچا اور اگر دخول کرالیا یا خلوت صحیحہ ہوگئی تو سارا مہر واجب ہوگا اس لیے کہ عنین کی خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہوتی ہے لیکن اگر اس کے بعد اس نے اس سے شادی کی یا عورت نے کی اور اسے معلوم تھا کہ یہ عنین ہے تو عورت کے لیے خیار نہیں اسی طرح اگر شوہر عنین ہو اور بیوی رتقاء تو اسے خیار نہیں جیسا کہ شرائط تفریق میں گذرا۔

مالکیہ کے ہاں اگر تفریق دخول سے پہلے ہوا گرچہ لفظ طلاق ہی سے ہوئی ہو تو عورت کے لیے مہر میں سے کچھ نہیں اس لیے کہ اگر عیب مرد میں ہے تو اس نے فرقت اختیار کر لی اس سے پہلے کہ وہ اپنا نفع حاصل کرتا اور وہ عورت گویا حق مہر ساقط ہونے پر راضی ہے اور اگر عیب عورت میں ہے تو یہ تو مرد کو دھوکا دینا ہوا اور اگر تفریق دخول کے بعد ہو تو عورت پورے مقرر شدہ مہر کی مستحق ہے اگر عیب شوہر میں ہو اس لیے کہ وہ عقد کو تدلیس کرنے والا ہے اور پھر اس سے دخول بھی کر لیا اور عورت کے ساتھ دخول پورے مہر کو واجب کرتا ہے اگر عورت میں عیب ہے تو دخول کی وجہ سے پورے مہر کی مستحق ہے، لیکن شوہر مہر کا رجوع عورت کے ولی یعنی والد بھائی یا بیٹے پر کرے گا کیونکہ عیب چھپا کر اس نے لیس کی اور قریبی پر حالات مخفی نہیں ہوتے اور عیب بھی ظاہری ہو جیسے جذام اور برص لیکن اگر ولی بعید ہو جیسے چچا اور قاضی یا پھر عیب پوشیدہ ہو تو شوہر بیوی پر رجوع کرے گا ولی پر نہیں کیونکہ دھوکا صرف عورت کی جانب سے ہے۔

شوافع کے ہاں دخول سے پہلے عیب کی وجہ سے فسخ مہر کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر دخول کے بعد ہوا اور عیب عقد کے وقت ہو یا عقد اور وطی کے درمیان پیدا ہوا اور ہمبستری کرنے والے کو معلوم نہ ہو تو اصح قول کے مطابق عورت کے لیے مہر مثل ہے اور اگر عیب عقد اور ہمبستری کے بعد پیدا ہوا ہو تو اصح قول کے مطابق عورت کے لیے مقرر مہر سارا ہے اور شوہر مہر کا رجوع کسی پر بھی نہیں کرے گا، جدید مذہب کے مطابق ❶ وہ عیب جو عقد کے وقت تھا۔ کیونکہ اس نے بضع کی منفعت کو عقد کے ساتھ وصول کر لیا اور رہ گیا وہ عیب جو عقد کے بعد پیدا ہوا تو یقینی طور پر اس میں رجوع نہیں کرے گا۔

حنابلہ کے ہاں، اگر دخول سے پہلے فسخ ہوا تو عورت کے لیے شوہر پر کوئی مہر نہیں چاہے عورت کی جانب سے فسخ ہوا ہو یا مرد کی جانب سے جیسا کہ شوافع اور دوسرے آئمہ کے ہاں ہے۔ اگر دخول کے بعد فسخ ہوا اور عیب کا معلوم نہ تھا تو عورت کے لیے مقرر شدہ مہر ہے کیونکہ عقد کی وجہ سے واجب ہوا اور دخول سے استقرار ہو گیا پھر وہ رجوع کرے گا مہر کا اس پر جس نے اسے دھوکے میں رکھا ولی وکیل وغیرہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے جس بھی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہ مجنون تھی یا جذام والی یا برص والی تو عورت کے لیے اس کا مہر ہے اور شوہر کو تاوان اس کا ولی دے گا نیز اس لیے بھی کہ ولی نے نکاح میں اسے دھوکا دیا ہے ایسی چیز سے جس سے خیار ثابت ہوتا ہے لہٰذا مہر اسی پر ہوگا جیسا کہ باندی کے آزاد ہونے کا دھوکا دے۔

اس بحث سے ملحق: خیار غرور اور وصف مرغوب کے فوت ہونے کا خیار..... جب شوہر کو بیوی کی کسی صفت کا دھوکا دیا جائے۔ مثلاً وہ باکرہ ہے یا مسلمان ہے یا آزاد ہے یا عمدہ نسب والی ہے وغیرہ اور اس کے خلاف ظاہر ہوا، تو آیا شوہر کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے؟ اور اسے خیار غرور یا وصف مرغوب کے فوت ہونے کا خیار کہتے ہیں: اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ❷ اور غالب اس میں خیار کا ثبوت ہے اور جمہور کی رائے ہے حنفیہ کے علاوہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے میں مرغوب صفت کو شرط رکھا اور ہوا اس کے خلاف تو مرد کو تفریق کرنے کا اختیار نہیں اگر اس کے لیے مہر مقرر کر دیا گیا تھا مہر مثل سے زیادہ اس شرط کی وجہ سے مثلاً عورت کے

---

❶.....وهو رأى ابى حنيفه رحمه الله ايضا۔ ❷المهذب: ۲/ ۷۰ غاية المنتهى: ۳/ ۹۹۔ ۱۰۰۔

باکرہ ہونے کو شرط قرار دیا تھا اور یہ شرط نہ پائی گئی تو شوہر پر مہر مثل سے زیادہ لازم نہیں ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا: اگر نکاح میں کسی وصف مرغوب کو شرط رکھا جیسے باکرہ ہونا خوبصورت ہونا بلند قامت وخوش نما ہونا کم عمر ہونا اب وہ ثیبہ نکلی بوڑھی کھوسٹ منہ سے لعاب نکل رہا ہے ناک بڑی ہے بے عقل ہے تو نکاح فسخ کرنے میں شوہر کو کوئی اختیار نہیں۔ اور مالکیہ نے ان کی مخالفت کی ہے کہ جب عاقد شوہر سے کہے تیری یہ بیوی مسلمان ہے اور وہ کتابیہ نکلی یا یہ آزاد ہے اور وہ باندی نکلی یا یہ باکرہ ہے اور وہ ثیبہ تھی یا زوجین نے کسی وصف مرغوب کو شرط جیسے کم عمر ہونا خوبصورتی وغیرہ اور اس کے خلاف نکلا اور نکاح ہو گیا تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ چاہے اسے رکھے یا چھوڑے۔ شوافع نے تفصیل کی ہے اور فرمایا: اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کرلیا اور عقد میں بیوی کے اسلام کو شرط رکھا یا زوجین میں سے ایک میں نسب کی شرط رکھی یا آزادی وغیرہ کو ایسی صفات کہ جن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے بکارت جوانی یا اس کے برخلاف صفات یا وہ جو صفات کمال کے درمیان میں جیسے لمبا ہونا سفید ہونا گندم گوں ہونا پھر ان صفات کے خلاف ظاہر ہوا تو اظہر یہ ہے کہ نکاح صحیح ہے اس لیے کہ شرط میں خلاف ورزی بیع کو فاسد نہیں کرتی باوجود یکہ اس میں شرائط فاسدہ کا اثر ہوتا ہے لہٰذا نکاح کا فاسد نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ہے اگر موصوف ان شرائط پر پورا اترا تو اسے کوئی خیار نہیں لیکن اگر اس کے برخلاف ظاہر ہو تو جس نے شرط رکھی اسی کو اختیار ہوگا خلاف ورزی کی وجہ سے۔

اگر مرد نے گمان کیا اور شرط کوئی نہ رکھی کہ مثلاً عورت مسلمان ہے اور وہ کتابیہ نکلی یا آزاد ہے اور باندی نکلی اور یہ اس کے لیے حلال ہے تو ان صورتوں میں اسے کوئی اختیار نہیں اس لیے کہ گمان کی وجہ سے خیار ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس نے خود کوتاہی کی ہے بحث اور شرط نہ رکھ کر اسی طرح اگر عورت نے ولی کو یہ گمان کرتے ہوئے نکاح کی اجازت دی کہ وہ اس کا کفو ہے اور اس کا فسق ظاہر ہوا یا اس کے نسب کی کمینگی یا پیشے کی برائی ظاہر ہوئی تو نہ عورت کو خیار حاصل ہے نہ اس کے ولی کو کیونکہ غلطی ان دونوں کی جانب سے ہے کہ انہوں نے اسے شرط کیوں نہ رکھا لیکن اگر شوہر عیب دار ظاہر ہوا یا غلام ہوا اور آزاد تھی تو عورت کو اختیار ہے۔

حنابلہ نے ایک اور تفصیل کی ہے۔ اگر مرد نے عورت کو دھوکا دیا جس کی وجہ سے کفو میں خلل آتا ہے جیسے آزادی اور ادنیٰ نسب تو عورت کو اختیار ہے فسخ کرے یا باقی رکھے اگر عورت نے باقی رکھنا پسند کیا تو اس کے اولیاء کو اعتراض کا حق ہے کفو نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس وصف کا کفاءت میں اعتبار نہ ہو۔ جیسے فقیہی ہونا، خوبصورت ہونا وغیرہ تو عورت کو خیار نہیں کیونکہ ان چیزوں کا کفاءت میں اعتبار نہیں لہٰذا اس شرط کا کوئی اثر نہیں۔ اگر شوہر نے یہ شرط رکھی کے عورت مسلمان ہو اور وہ کافر نکلی تو شوہر کو اختیار ہے کیونکہ یہ نقص ہے اور نقصان ہے جو اولاد تک متعدی ہوتا ہے اور اگر مرد نے شرط رکھی کے باکرہ ہو اور وہ ثیبہ نکلی تو امام احمدؒ کے کلام میں دو احتمال ہیں ایک یہ کے اسے خیار حاصل نہیں اور دوسرا یہ کہ اسے اختیار حاصل ہے کیونکہ مقصود صفت کو شرط رکھا ہے۔ اور اگر کسی عورت سے اس گمان کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ آزاد یا مسلمان ہے اور وہ اس کے خلاف نکلی تو بھی شوہر کو اختیار حاصل ہے۔

تیسری بحث: ناچاقی کی وجہ سے یا نقصان اور بری معاشرت کی وجہ تفریق:

ضرر اور شقاق (ناچاقی) کا مقصد...... وہ نزاع اور لڑائی جو بزرگی میں طعن کی وجہ سے ہو اور ضرر شوہر کا بیوی کو قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا جیسے گالی گلوچ وغیرہ اور ظاہری مارنا یا کسی ایسی فعل پر آمادہ کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور عورت سے اعراض کرنا اور اس سے دوری اختیار کرنا بغیر کسی مباح سبب کے۔ ناچاقی کی وجہ سے ہونے والی تفریق میں۔

فقہاء کی رائے...... حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❶ ناچاقی اور ضرر کی وجہ سے تفریق کرنا جائز نہیں چاہے وہ کتنی سخت ہی کیوں نہ ہو

---

❶ ...بدایۃ المجتھد: ۲/۹۷ وما بعدھا

اس لیے کہ ضرر دور کرنا طلاق کے بغیر بھی ممکن ہے کہ معاملہ قاضی اور حاکم کے پاس لے جایا جائے اور مرد کو تادیب کروائی جائے تا کہ وہ عورت کو تنگ کرنے سے باز آجائے۔ مالکیہ کے ہاں ❶ ناچاقی وغیرہ کی وجہ سے تفریق کرنا جائز ہے، جھگڑا ختم کرنے کے لیے تا کہ ازدواجی زندگی جہنم نہ بن جائے اور مصیبت نہ بن جائے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے لاضرر ولاضرار اس بنا پر عورت معاملہ کو قاضی کے پاس لے جائے اگر اس نے اپنے ضرر اور دعویٰ کو ثابت کر دیا تو قاضی اسے اس سے طلاق دلوائے اگر عورت دعویٰ ثابت کرنے سے عاجز آجائے تو دعویٰ ختم کر دیا جائے اگر اس نے دوبارہ دعویٰ کیا تو قاضی دو حکم بھیجے ایک عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے تا کہ وہ ان میں صلح کروا دیں یا عوض لے کر تفریق کروا دیں یا بغیر عوض کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها.....النساء: ۵/۴

اور فقہاء کا اس میں اتفاق ہے کہ جب دونوں حکم اختلاف کریں تو ان کا قول نافذ نہ ہوگا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان کا قول صلح اور زوجین کے اتفاق کرانے میں نافذ ہوگا اگر چہ زوجین نے انہیں وکیل نہ بھی بنایا ہو۔ اگر حکمین زوجین کے درمیان تفریق پر متفق ہو جائیں تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جمہور کے ہاں حکم شوہر کی وکالت سے ایسا کرے دونوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دیں شوہر کی وکالت دینے کے بغیر کیونکہ اصل یہ ہے کہ طلاق شوہر یا جسے شوہر نے وکیل بنایا ہو اس کے علاوہ کسی کے اختیار نہیں کیونکہ طلاق دینا شوہر کے ذمہ ہے اور مال خرچ کرنا عورت کے لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

مالکیہ کے ہاں: دونوں حکموں کا قول تفریق یا اجتماع میں زوجین کی وکالت اور اجازت کے بغیر بھی نافذ ہوگا دلیل وہ روایت ہے جسے امام مالکؒ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حکمین کے بارے میں فرمایا: ان دونوں کے ذمہ ہے زوجین میں تفریق کرانا اور ان کو جمع کرنا امام مالکؒ فیصلہ کرنے والوں کو حاکم سے تشبیہ دیتے ہیں اور حاکم جب ضرر دیکھے تو اپنی رائے میں وہ آزاد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے ارشاد میں انہیں حکم کا نام دیا ہے لہٰذا زوجین کی رضامندی کا اعتبار نہیں۔

حکمین (فیصلہ کرانے والوں کے لیے شرائط.....حکمین کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ دونوں مرد ہوں عادل ہوں اور اس چیز سے باخبر ہوں جو ان سے طلب کی جارہی ہے اور مستحب یہ ہے کہ وہ زوجین کے خاندان سے ہوں ایک عورت کے خاندان سے اور ایک مرد کے خاندان سے آیت قرآنیہ کی وجہ سے۔ اگر دونوں ان کے خاندان کے نہ ہوں تو قاضی دو اجنبی حکمین کو بھیجے اور اس میں بھی مستحسن یہ ہے کہ وہ زوجین کے پڑوسیوں میں سے ہوں جن کو زوجین کی حالت کی خبر ہو اور ان دونوں میں اصلاح کرنے کی قدرت بھی ہو۔

ناچاقی کی وجہ سے کی جانے والی تفریق کی نوعیت.....قاضی جو ناچاقی کی وجہ سے طلاق واقع کرے وہ طلاق بائن ہے کیونکہ ضرر صرف اسی سے ختم ہو سکتا ہے اس لیے کہ اگر طلاق رجعی ہو تو پھر دوران عدت شوہر رجوع کر سکے گا جس کی وجہ سے ضرر واپس لوٹ آئے گا۔

قانون کا موقف.....مصر اور شام کے قانون میں مالکی مذہب کو لیا ہے اور یہ دونوں قانون ناچاقی وغیرہ کی وجہ سے تفریق کی اجازت دیتے ہیں۔ مصری قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۹ دفعہ (۶۔۱۱) میں اور شامی قانون دفعہ (۱۱۲۔۱۱۵) میں ناچاقی کی وجہ سے ہونے والی تفریق کی تصریح ہے اور یہ احکام دونوں قانونوں میں متفق ہیں الا یہ کہ مصری قانون میں بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے تفریق کا حکم نہیں اور شامی قانون میں مالکی مذہب کے مطابق زوجین میں سے کسی ایک کے ضرر کی وجہ سے تفریق کو لیا گیا ہے۔ اور شامی قانون ۱۹۷۵ (دفعہ: ۱۱۲/ ۳) میں انہوں

❶.....الشرح الكبير والدسوقی ۲/ ۲۸۱، ۲۸۵ القوانين الفقهية: ۲۱۵ مغنی المحتاج ۲/ ۲۰۷ المغنی: ۶/ ۵۲۴۔۵۲۷ بداية المجتهد: ۲/ ۵۰.

نے عدول کیا ہے کہ فی الحال تفریق کا حکم نہ کیا جائے بلکہ قاضی محاکمہ کو اتنی مدت تک جو ایک ماہ سے کم نہ ہو مؤخر کرے جب ضرر ثابت نہ ہو تو انہیں مصالحت پر آمادہ کرے۔ میں شام کے قانون کی دفعات کو مختصر طور پر ذکر کروں گا۔

جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے پر نقصان کا دعویٰ کرے تو اس کے لیے قاضی سے تفریق طلب کرنا جائز ہے (۱۱۲/ ۱) اور جب ضرر ثابت ہو جائے اور قاضی ان کے درمیان صلح واصلاح سے عاجز آ جائے تو ان کے درمیان تفریق کردے اور یہ طلاق بائن ہوگی (۱۱۲/ ۲) اگر ضرر ثابت نہ ہو تو قاضی اتنی مدت مہلت دے جو ایک ماہ سے کم نہ ہو اگر مدعی پھر بھی شکایت پر اصرار کرے تو قاضی زوجین کے خاندان میں سے دو حکم بھیجے ورنہ جن میں قاضی ان کے درمیان اصلاح کرنے کی قدرت پائے انہیں بھیجے اور انہیں حلف دے کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے (۱۱۲/ ۳) اور حکمین پر لازم ہے کہ وہ زوجین میں پائی جانے والی ناچاقی کے اسباب تلاش کریں پھر انہیں قاضی کی نگرانی میں ایک جگہ جمع کریں (۱۱۳/ ۱) اور فیصلہ میں کسی ایک فریق کا حاضر نہ ہونا باوجود اطلاع کے مؤثر نہ ہوگا (۱۱۳/ ۲) اور حکمین پہلے زوجین کے درمیان اصلاح کے سلسلہ میں کوشش کریں اگر اس سے عاجز آ گئے اور تکلیف یا اکثر تکلیف شوہر کی طرف سے ہو تو طلاق بائن کے ذریعہ تفریق کردی جائے (۱۱۴/ ۱) اور اگر نافرمانی بیوی کی طرف سے ہو یا دونوں کے درمیان مشترک ہو تو پھر تمام مہر یا کچھ مہر پر تفریق کردی جائے (۱۱۴/ ۲) اور حکمین کو اختیار ہے کہ وہ زوجین میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی ناچاقی نہ ہونے کی وجہ سے تفریق کردیں اس طور پر کہ شوہر بیوی کے بعض حقوق سے بری ذمہ ہو جبکہ عورت بھی اس پر راضی ہو اور ناچاقی دونوں میں مستحکم ہو (۱۱۴/ ۳) اگر حکمین آپس میں اختلاف کریں تو قاضی ان کے علاوہ ایک اور کو حکم مقرر کرکے ان کے ساتھ ملائے وہ ثالث ہو اور ترجیح دینے والا ہو۔ اور اسے قسم دے جیسا کہ پہلے دو حکمین کو عدل وانصاف سے فیصلہ کرنے پر قسم دی تھی (۱۱۴/ ۴) اور حکمین تفریق کے مالک نہیں وہ اپنے فیصلہ کو قاضی کے پاس لے جائیں گے اگر اس میں کوئی علت نہیں اور معاملہ قاضی کے سپرد کیا جائے گا فیصلہ کا کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ دے یا ان کے فیصلہ کو کالعدم قرار دے اور ایک مرتبہ پھر دو نئے حکم مقرر کرے۔ (۱۱۵)

یاد رہے کہ حکمین کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اولاً ان کے درمیان اصلاح کرائیں پھر قاضی کے ہاں تفریق کا فیصلہ لے کر جائیں طلاق کے معاملہ میں احتیاط کی وجہ سے لیکن مالکی مذہب میں جو ہے وہ یہ کہ حکمین خود طلاق واقع کریں کیونکہ قاضی کی جانب سے کامل تفویض ہے جب قاضی نے حکمین کی صلاحیت کو فیصلہ کرنے کا مقید کیا جیسا کہ قانون میں ہے تو پھر اس معاملہ میں مالکیہ کی مخالفت بھی نہیں۔

چوتھی بحث: ظلم کی وجہ سے طلاق ..... تعسف اپنے حق کو استعمال کرنے میں غلطی کرنا جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے شام کے قانون میں (دفعہ ۱۱۶۔۱۱۷) میں ظلم کی دو حالتیں ذکر کی ہیں طلاق کے استعمال کے لیے اور مرض الموت میں طلاق دینا یعنی طلاق فار اور بغیر کسی معقول سبب کے طلاق دینا۔ ❶

پہلی بات: مرض الموت کی طلاق ..... یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ جب شوہر بیوی کو مرض الموت میں طلاق بائن دے یا جو مرض الموت کے حکم میں صورتیں ہیں جیسے کشتی کے غرق ہوتے وقت وغیرہ تو باتفاق فقہاء کے ہاں طلاق نافذ ہو جاتی ہے اور شوافع کے ہاں عورت وارث نہیں ہوگی اگرچہ شوہر میراث سے فرار اختیار کرنا چاہتا ہو اور دوران عدت مر بھی جائے کیونکہ طلاق بائن تو ازدواجی تعلق کو ختم کردیتی ہے۔ شام اور مصر کے قانون میں شوافع کے علاوہ جمہور کے قول کو لیا گیا ہے کہ عورت وارث ہوتی ہے اگر شوہر دوران عدت مر جائے اور حنابلہ کے ہاں اگر عدت کے بعد بھی مر جائے تو بھی عورت وارث ہوگی اگر شادی نہ کی ہو اور مالکیہ کے ہاں شادی بھی کرلی ہو تب بھی وارث ہوگی۔

شامی قانون کی تصریح دفعہ ۱۱۶ اس طرح ہے جو شخص مرض الموت میں یا ایسی حالت میں جس میں ہلاکت غالب ہو اپنی بیوی کی رضامندی

❶ طلاق التعسف وان وقع بارادة الزوج لا بالتفريق القضائي فللقاضي دور الاشراف والرقابه والتحقق من كونه تعسفا۔

کے بغیر کوئی ایسا سبب اختیار کرے جس سے بیوی بائنہ ہو جاتی ہے اور شوہر اسی مرض اور اسی حالت میں مر جائے اور عورت عدت میں ہو تو عورت وارث ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ اس کی وارثت کی اہلیت بائنہ ہونے سے موت تک اسی طرح ہو۔ طلاق کے باوجود وارث ہونے کا سبب یہ ہے کہ شوہر نے مقصود کی نقیض والا معاملہ کیا ہے کیونکہ اس نے بیوی کے میراث کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا اس کا ارادہ اسی پر لوٹے گا جب تک عدت باقی ہو کیونکہ زوجین کے آثار باقی ہیں اگر قرائن اس پر دلالت کریں کہ اس نے میراث سے محروم کرنے کا اردہ نہیں کیا بایں طور کہ طلاق عورت کی طلب کی وجہ سے ہو یا خلع ہوا ہو تو طلاق بائن کی عدت میں وارث نہ ہوگی اور طلاق رجعی کی عدت میں وارث ہوگی اور طلاق فرار میں عورت کے میراث پانے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ طلاق کے وقت سے شوہر کی وفات تک وارثت کی مستحق ہو اگر وہ طلاق کے وقت میراث کی مستحق نہ تھی مثلاً کتابیہ تھی یا شوہر کی وفات کے وقت وارثت کی مستحق نہ تھی مثلاً طلاق کے وقت مسلمان تھی پھر وفات کے وقت مرتد ہوگئی تو وارث نہ ہوگی۔

دوسری بات: معقول سبب کے بغیر طلاق......شام کے قانون دفعہ ۱۱۷ میں درج ذیل تصریح ہے۔ جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور قاضی کو معلوم ہو کہ شوہر نے بغیر کسی معقول سبب کے طلاق دینے میں ظلم کیا ہے اور اس طلاق کی وجہ سے بیوی کو تنگی ہوگی تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کے لیے اس کے طلاق دینے والے کے اوپر اس کی حالت اور ظلم کے بقدر عوض لگائے جو تین سال کے نفقہ سے زیادہ نہ ہو اور عدت کے نفقہ سے اوپر ہو اور قاضی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ سارا عوض اکٹھا دلوا دے یا ماہانہ مقرر کرے مقتضی حال کے مطابق اس تعدیل کو ۱۹۷۵ میں دو چیزوں سے متضمن کیا ہے پہلی یہ ہے کہ عورت کو فقیر ہونے سے مقید نہیں کیا گیا اور تین سال کے عوض کو گذرے ہوئے سالوں کا بدل قرار دیا ہے اس جدید حکم کا اسناد وہ شرعی سیاست کے مبدا پر عمل ہے جو عورت پر ظلم کو منع کرتی ہے اور اس کے فاقہ کا عوض دلاتی ہے۔ اور کچھ یہ حکم اس متعہ (سامان) کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے جو مطلقہ عورت کو دیا جاتا ہے جسے بعض فقہاء نے واجب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے پسند کیا ہے اور قرآن کریم نے اس کی ترغیب دی ہے اور اسے معروف قرار دیا ہے لہٰذا اس کی مقدار قاضی کے سپرد ہے کہ عرف کے مطابق مقرر کرے۔

پانچویں بحث: غائب رہنے کی وجہ سے تفریق:

پہلی بات: فقہاء کی آراء......جب شوہر اپنی بیوی سے غائب ہو جائے اور اس کی وجہ سے بیوی کا نقصان ہو اور وہ اپنے اوپر فتنہ کا خوف رکھتی ہو تو اس صورت میں تفریق کے متعلق فقہاء کی دو رائے ہیں حنفیہ اور شوافع کے ہاں ❶ اگر شوہر غائب ہو جائے اور بہت عرصہ گذر جائے تو بیوی کو تفریق طلب کرنے کا حق نہیں کیونکہ تفریق کے حق میں کوئی دلیل شرعی قائم نہیں اور سبب تفریق متحقق نہیں ہوا اگر اس کی جگہ معلوم ہو تو حاکم اس شہر کے حاکم کے پاس بھیجے اور وہ اس پر نفقہ لازم کرے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❷ اگر خاصہ عرصہ گذر جائے تو پھر تفریق جائز ہے اور زوجہ کو اس کی وجہ سے ضرر ہو اگرچہ شوہر بیوی کے لیے مال چھوڑ کر جائے جو وہ عدم موجودگی میں خرچ کرے کیونکہ بیوی کو اس کے نہ ہونے سے بہت نقصان ہوتا ہے اور ضرر کو بقدر ممکن دفع کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا ضرر ولا ضرار۔ نیز عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے بارے میں جو اپنی بیویوں سے غائب ہو گئے تھے لکھا کہ انہیں نفقہ یا انہیں طلاق دے دو۔ لیکن ان میں غائب ہونے کی نوعیت اس کی مدت اور فی الحال تفریق کرنے اور تفریق کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ مالکیہ کے ہاں: غائب ہونے کی نوعیت میں کوئی بھی فرق نہیں چاہے کسی عذر کی وجہ سے غائب ہوا ہو مثلاً علم حاصل کرنے یا تجارت کے لیے یا بغیر عذر کے غائب ہوا اور انہوں نے غائب رہنے کی

---

❶......الدر المختار ۹۰۳/۲ مغنی المحتاج: ۴۴۲/۳ ❷ القوانین الفقہیة ۲۱۶ الشرح الصغیر: ۷۴۶/۲ کشف القناع: ۱۲۴/۵ المغنی: ۵۸۸/۷۔

مدت اور حد ایک سال اور اس سے زیادہ مقرر کی ہے اور ایک قول تین سال کا ہے اگر شوہر کے رہنے کی جگہ مجہول ہو تو قاضی بیوی کی طلب پر فوراً تفریق کر دے اور اسے حاضر ہونے یا طلاق دینے یا نفقہ بھیجنے کا کہے اس کے لیے مدت مقرر کرے دے اگر شوہر کی جگہ معلوم ہو۔ اور طلاق بائن ہوگی اس لیے کہ ہر وہ تفریق جو قاضی واقع کرے وہ طلاق بائن ہے سوائے ایلاء اور نفقہ نہ دینے کی تفریق کے۔

حنابلہ کے ہاں: غائب ہونے کی وجہ سے تفریق جائز ہے ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے غائب ہو تو پھر نہیں اور غائب رہنے کی مدت چھ ماہ یا اور کچھ زیادہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غزوات میں وقت مقرر کرنے کی وجہ سے۔ اور جب عورت اپنے مدعی کو ثابت کر دے تو قاضی اسی وقت تفریق کر دے اور یہ تفریق فسخ ہے طلاق نہیں عدد طلاق کم نہیں ہوگا کیونکہ یہ بیوی کی طرف سے فرقت ہے اور یہ فسخ ہی ہوتی ہے اور یہ تفریق صرف قاضی کے حکم سے ہوگی وراس کے لیے بھی عورت کی طلب کے علاوہ تفریق جائز نہیں کیونکہ یہ اس کا حق ہے لہٰذا بغیر طلب کے جائز نہیں۔

دوسری بات قانون کا مؤقف..... مصری قانون سن ۹۲۹ (دفعہ ۱۲، ۱۳) میں تصریح ہے کہ غائب ہونے کی وجہ سے تفریق جائز ہے ایک سال یا زیادہ کی صورت میں بغیر کسی قابل قبول عذر کی وجہ سے عورت کے ڈرانے کے باوجود کہ اسے طلاق دے دی جائے گی اگر وہ حاضر نہ ہو یا وہ اس کے پاس آ جائے یا اسے طلاق دے دے اور یہ تفریق طلاق بائن ہوگی مالکی مذہب اختیار کرتے ہوئے۔ اور شام کے قانون میں غائب رہنے کی وجہ سے تفریق کے جواز کی تصریح دفعہ (۱۰۹) میں کی گئی ہے۔

۱..... جب شوہر بغیر کسی مقبول عذر کی وجہ سے غائب ہو یا اس کے لیے تین سال سے زیادہ مدت کے لیے قید کرنے کا حکم ہو تو اس کی بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ غائب ہونے یا قید ہونے کے ایک سال بعد قاضی سے تفریق طلب کرے اگر چہ اس کے پاس مال ہو جو وہ خرچ کرے۔

۲..... اور یہ تفریق طلاق رجعی ہے جب غائب واپس آ گیا یا قیدی چھوڑ دیا گیا اور عورت عدت میں ہو تو شوہر کے لیے رجوع کا حق ہے یہ تصریح اس پر دلالت کرتی ہے کہ تفریق کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

۱..... غائب ہونے کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا ہو۔

۲..... اس کا غائب رہنا کسی مقبول عذر کی وجہ سے نہ ہو اگر کسی مقبول عذر کی وجہ سے ہو تو عورت کے لیے تفریق طلب کرنا جائز نہیں جیسے جہاد میں یا طالب علمی کے لیے غائب رہنا۔

اور بیوی کی طلب پر تفریق فی الحال ہوگی اگر شوہر کے رہنے کی جگہ معلوم نہ ہو لیکن اگر اس کی جگہ معلوم ہو تو قاضی اس سے بیوی کے پاس حاضر ہونے کا حکم کرے گا اور اس کے لیے متعین مدت مقرر کرے گا اگر اس نے ایسا نہ کیا تو قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا اور یہ تفریق طلاق رجعی ہے اور یہ قانون مالکی مذہب کے خلاف ہے کہ ان کے ہاں طلاق بائن ہے اور حنبلی مذہب کے بھی خلاف ہے کہ ان کے ہاں فسخ ہے۔

چھٹی بحث: قید ہونے کی وجہ سے تفریق..... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں شوہر کے گرفتار اور قید ہونے کی وجہ سے تفریق جائز نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ اور جیل میں قید ہونا وغیرہ حنابلہ کے ہاں عذر کی وجہ سے غائب ہونا نہیں۔ مالکیہ کے ہاں ❶ تفریق طلب کرنا جائز ہے جب سال یا اس سے زیادہ غائب رہے چاہے عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے کما تقدم اگر قید ہونے کی مدت سال ہو تو بیوی کے لیے تفریق طلب کرنا جائز ہے اور قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا شوہر کو خط لکھنے یا اس کے انتظار کے بغیر

❶..... الشرح الکبیر للدردیر: ۵۱۹/۲

ہی اور یہ تفریق طلاق بائن ہوگی۔اور مصری قانون ۱۹۲۹ (دفعہ ۱۴) میں تصریح ہے کہ عورت کے لیے ایک سال گذرنے کے بعد تفریق طلب کرنا جائز ہے جبکہ شوہر کے حق میں تین سال یا اس سے زیادہ کی مدت سزا مقرر ہو اور طلاق بائن واقع ہوگی جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے اور شامی قانون میں اس تفریق اور غائب ہونے کی تفریق کو برابر رکھا گیا ہے۔

ساتویں بحث: ایلاء کے ذریعہ تفریق......شام کے قانون میں ایلاء ظہار اور لعان کے سلسلہ میں کوئی بحث موجود نہیں۔

پہلی بات: ایلاء کی تاریخ معنی اور الفاظ......ایلاء کا لغوی معنی حلف اور قسم اٹھانا۔ ایلاء اور ظہار جاہلیت میں طلاق ہوا کرتے تھے۔اور عرب بیوی کو تکلیف دینے کے لیے اسے استعمال کرتے تھے۔اس طور پر کہ ایک سال یا اس سے زیادہ کی مدت عورت سے دور رہنے کی قسم کرتے تھے پھر مدت کے اختتام پر دوبارہ حلف کر لیتے تھے پھر شریعت نے آ کر اس کے حکم کو تبدیل کر دیا اور اسے قسم قرار دیا اور یہ زیادہ سے زیادہ چار ماہ کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔اگر اس نے رجوع کیا تو وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اگر اس نے حلف میں اللہ تعالیٰ یا اس کی صفات سے کچھ ذکر کیا تو اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ❶ جاہلیت والوں کا ایلاء ایک سال دو سال یا اس سے زیادہ ہوا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چار ماہ مقرر فرمائے۔پس جس کے ایلاء کے چار ماہ سے کم دن ہوں تو وہ ایلاء نہیں ہے شریعت نے اسے طلاق قرار دیا اس کی مدت مقرر کی، ایلاء کے سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ البقرۃ: ۲/۲۲۶-۲۲۷

جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے انکے لیے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔اس آیت میں ایلاء کو من سے متعدی کیا ہے اور اصل یہ ہے کہ علی سے متعدی ہو اس لیے کہ یولون کا لفظ چھوڑنے دور رہنے کے معنی کو متضمن ہے گویا کہا گیا کہ وہ عورتوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہوئے ایلاء کرتے ہیں اور فئی کا معنی رجوع ہے لغوی اعتبار سے اور فقہی اعتبار سے بالاتفاق اس سے ہمبستری مراد ہے۔اور جمہور کے ہاں ایلاء حرام ہے ایذاء کی وجہ سے نیز یہ ترک واجب کی قسم ہے اور حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے۔

شرعی طور پر ایلاء......اللہ تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ قسم اٹھایا یا نذر ماننا یا طلاق معلق کرنا مخصوص مدت تک بیوی کے قریب جانے کو چھوڑنے کی۔یہ تعریف حنفیہ کے ہاں ہے ❷ بچے اور مجنون کا ایلاء درست نہیں اور ان کے ہاں کافر کا ایلاء درست ہے کیونکہ وہ طلاق کا اہل ہے اور مالکیہ نے ایلاء کی تعریف یوں کی ❸ کسی مسلمان شوہر مکلّف کا قسم اٹھانا اپنی بیوی سے ہمبستری ترک کرنے کی چار ماہ سے زیادہ اور وہ عورت مرضعہ نہ ہو اور شوہر کا وطی کرنا ممکن ہو چاہے حلف اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہو یا نام کے ساتھ طلاق کے ساتھ ہو یا مکہ کی طرف چل کر جانے کا وغیرہ تعریف سے واضح ہو گیا کہ مالکیہ کے ہاں ایلا خاص ہے مسلمان شوہر کے ساتھ نہ کر کافر کی اور مکلّف سے عاقل بالغ مراد ہے نہ کہ بچہ اور مجنون اور وطی ممکن ہونے سے اگر چہ نشہ میں ہو نہ کہ مجبوب اور خصی اور شیخ فانی ان کی ایلاء معتبر نہیں جیسا کہ دودھ پلانے والی سے ایلاء نہیں ہوتا کیونکہ اس سے وطی چھوڑنا بچے کی اصلاح کے لیے ہے اور نہ ہی چار ماہ سے کم ایلاء ہے۔اور شوافع نے تعریف کی ہے ❹ ایسے شوہر کا حلف اٹھانا جس کی طلاق صحیح ہو اپنی بیوی سے ہمبستری چھوڑنے کی مطلقاً یا چار ماہ سے زیادہ کی اور مذہب جدید کے مطابق چاہے حلف اللہ کے نام سے ہو یا صفات سے یا طلاق کی یمین سے مثلاً جیسے اگر میں نے تجھ سے ہمبستری کی تو تیری سوکن کو طلاق ہے یہ یمین

---

❶......البدائع: ۲/۱۷۱ ومابعدها۔ ❷ الدر المختار: ۲/۷۴۹ اللباب ۳/۵۹ البداء: ۳/۱۶۱۔ ❸ الشرح الصغیر: ۲/۶۱۹ القوانین الفقهية: ۲۴۱ ❹ مغنی المحتاج: ۳/۳۴۳ المهذب: ۲/۱۰۵

ہے اس سے حانث ہونے کی وجہ سے حق لازم ہوتا ہے۔

لہٰذا اس سے ایلاء درست ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم یا نذر ہو مثلاً اگر میں تجھ سے ہمبستری کروں تو میرے ذمہ اللہ کے لیے نماز روزہ یا حج ہے اور یہ مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں۔ بچے اور مجنون کا ایلاء درست نہیں اور مکرہ کا کیونکہ ان کی طلاق درست نہیں اور اسی طرح عنین اور مجبوب کا ایلاء بھی درست نہیں اگرچہ ان کی طلاق تو صحیح ہے لیکن ان کا ایلاء درست نہیں کیونکہ اس سے تکلیف کا ارادہ متحقق نہیں ہوتا جماع سے رکنے کی وجہ سے۔

اور حنابلہ نے ❶ تعریف کی ہے: جس شوہر کا جماع ممکن ہے اس کا حلف اٹھانا اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے ساتھ اپنی بیوی جس سے جماع ممکن ہے پر ترک وطی کا۔ اگرچہ حلف دخول سے پہلے ہو اور مطلقاً یا چار ماہ سے زیادہ کا اور اس کی نیت بھی کرے عنین اور مجبوب کا ایلاء درست نہیں کیونکہ ان کے لیے جماع کرنا ممکن نہیں اور اسی طرح طلاق اور نذر کے حلف سے بھی ایلاء درست نہیں اور رتقاء وغیرہ عورتوں سے بھی ایلاء درست نہیں۔ اور اس بناء پر شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی حنفیہ کی طرح کافر کا ایلاء درست ہے۔

ایلاء کے الفاظ...... ایلاء یا تو صریح الفاظ سے ہوگا یا ایسے کنائی الفاظ سے جو جماع سے رکنے پر دلالت کرتے ہوں ❷ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ایلاء کے صریح الفاظ: شوہر کا بیوی کو یہ کہنا: بخدا: میں تیرے قریب نہیں آؤں گا یا میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا یا میں تجھ سے ہمبستری نہیں کروں گا یا میں تجھ سے غسل جنابت نہیں کروں گا اور اس طرح کے وہ سارے الفاظ جن سے قسم منعقد ہوتی ہے یا اس کا کہنا بخدا میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا حتیٰ کہ اگر کلام حائضہ عورت سے متوجہ ہو کر کرے کیونکہ مدت متعین کردی ہے یا جمہور کے ہاں اس کا کہنا اگر میں تیرے قریب آؤں تو مجھ پر حج ہے یا اس طرح کا کوئی کام ذکر کرے جس کا کرنا مشکل ہے رہ گیا وہ کام جس کا کرنا مشکل نہیں مثلاً میرے اوپر دو رکعت نماز ہے تو حنفیہ کے ہاں یہ ایلاء نہیں کیونکہ اس میں مشقت نہیں برخلاف اس کے کہ کہے میں سو رکعت پڑھوں گا اس صورت میں وہ ایلاء کرنے والا ہے یا اس کا کہنا اگر میں تیرے قریب آیا تو تجھے طلاق اس بناء پر حنفیہ کے ہاں صریح دو لفظ ہیں ایک لفظ جماع اور جو اس کے معنی میں ہیں اور ان سے ان کی تعبیر ہوتی ہے ❸ اور جو الفاظ صریح کے قائم مقام ہیں وہ تین ہیں قربان، مباضعہ اور وطی۔ شوافع کے ہاں ایلاء کے صریح الفاظ ترک وطی پر حلف یا جماع پر یا باکرہ کے بکارت پر۔ وغیرہ۔ اور حنابلہ کے ہاں صریح تین الفاظ ہیں وہ بخدا میں تیرے پاس نہیں آؤں گا یا دخول نہیں کروں گا یا میں اپنے ذکر کو تیری فرج میں غائب نہیں کروں گا اور میں تیری بکارت نہیں ختم کروں گا یہ باکرہ کے ساتھ خاص ہے اور ان کے ہاں حکم اور قضاء کے اعتبار سے دس الفاظ ہیں، دران میں ان کی تصدیق کی جائے گی دیانۃ؟ جو ان کے اور اللہ کے درمیان ہے اور وہ میں تجھ سے وطی نہیں کروں گا تجھ سے جماع نہیں کروں گا تجھ تک نہیں پہنچوں گا تجھ سے مباشرت نہیں کروں گا تجھے نہیں چھوؤں گا تیرے قریب نہیں آؤں گا تیرے پاس نہیں آؤں گا۔ تجھ سے مباضعہ نہیں کروں گا تجھ سے باعلہ نہیں کروں گا تجھ سے غسل نہیں کروں گا یہ الفاظ قضا صریح ہیں اور عرفی طور پر وطی میں استعمال ہوتے ہیں اور شوافع کے ہاں جدید مذہب کے مطابق الفاظ ملامسہ مباضعہ مباشرہ اتیان عشیان قربان افضاء مس دخول وغیرہ کنایہ ہیں اور وطی کی نیت کے محتاج ہیں اس لیے کہ ان کے لیے وطی کے علاوہ بھی حقائق ہیں اور وطی کے الفاظ کی طرح یہ اس میں مشہور نہیں اور ایلاء کا اصل حکم ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآبِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ البقرۃ: ۲/۲۲۶۔۲۲۷

❶...... كشف القناع ۴۰۶/۵ ❷ الدر المختار: ۷۵۲/۲۔۷۶۰ البدائع ۱۶۲/۳ اللباب: ۶۲/۳، ۶۳ الشرح الصغير: ۶۲۰/۲۔۶۲۳ الشرح الكبير: ۴۲۸/۲ مغنى المحتاج: ۳۴۵/۳ المغنى: ۳۱۵/۷ كشف القناع: ۴۰۸/۵۔ ❸ الاحياء فى الدين اى فى بيان احكام الدين للناس فيما يصدر عنهم عادة.

جولوگ قسم کھالیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لیے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔اور کنایہ الفاظ یہ ہیں۔وہ الفاظ جونیت کے محتاج ہوتے ہیں حنفیہ کے ہاں درج ذیل الفاظ سے قسم اٹھائے۔مثلاً میں تجھے نہیں چھوؤں گا تیرے پاس نہیں آؤں گا تجھے نہیں چھپاؤں گا تیرے بستر کے پاس نہیں آؤں گا تیرے پاس داخل نہیں ہوں گا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے اور حرمت کی نیت کی تو ایلاء ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہ کی تو بھی اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے اور اگر جھوٹ کی نیت کی تو قضاء ایلاء ہے کیونکہ حلال کو حرام قرار دینا یمین ہے اور دیانۃ یہ باطل ہے۔اور حنابلہ کے ہاں وہ الفاظ کنا جن میں بغیر نیت کے ایلاء نہیں ہوتا وہ ہیں جو سابقہ صریح الفاظ کے علاوہ ہیں۔جیسے شوہر کا کہنا بخدا میرا اور تیرا سر کوئی چیز جمع نہیں کرے گی میں تیرے بستر کے قریب نہ آؤں گا میں تیرے پاس ٹھکانہ نہ پکڑوں گا میرے غائب رہنا تجھ سے کافی لمبا ہوگا میری جلد تیری جلد کو نہیں چھوئے گی وغیرہ۔اگر ان الفاظ سے اس نے جماع کا ارادہ کیا اور اس کا اعتراف کیا تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔

کیونکہ یہ الفاظ جماع کے لیے ظاہری طور پر نہیں جیسے کہ پہلے الفاظ ظاہر تھے اور نص بھی ان کے استعمال میں وارد نہیں الا یہ کہ ان الفاظ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم ان میں کی جماع کی نیت اور مدت دونوں کی محتاج ہے اور وہ ''لاسوأنك'' مجھے ضرور بضرور ضرور تکلیف پہنچاؤں گا تجھے ضرور بضرور غصہ دلاؤں گا۔میرا غائب رہنا تجھ سے طویل ہوگا تو جب تک ترک جماع کی نیت اور مدت جو چار ماہ سے زیادہ کی نیت نہ کرے تو مولی (ایلاء کرنے والا) نہیں ہوگا۔اور باقی الفاظ میں صرف ترک جماع کی نیت ہی سے مولی ہوگا۔

ایلاء کی زبان......ایلاء ہر زبان میں درست ہے چاہے عربی ہو یا عجمی ⓫ اور چاہے مولی اچھی طرح عربی جانتا ہو یا نہ عجمی کا عربی میں ایلاء درست ہے اور عربی کا عجمی زبان میں ایلاء درست ہے بشرطیکہ یہ معنی سمجھتے ہوں جیسا کہ طلاق میں اس لیے کہ قسم عربی کے بغیر بھی منعقد ہوتی ہے اور اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔اور مولی وہ ہے جو حلف اٹھاتا ہے اپنی بیوی سے ہمبستری چھوڑنے پر اور وہ اس سے قسم کے ساتھ رکتا ہے۔

دوسری بات: ایلاء کے ارکان وشرائط:

حنفیہ کے ہاں ایلاء کا رکن......اپنی بیوی کے پاس جانے سے ایک مدت تک رکنے کی قسم اٹھانا اگر چہ وہ ذمی عورت ہو اور وہ ان الفاظ سے ہو جن سے ایلاء منعقد ہوتا ہے اور وہ الفاظ صریح ہوں یا کنایہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ایلاء کی شرائط ہیں اور ایلاء باقی قسموں کی طرح حالت رضا اور غصہ دونوں میں منعقد ہوتا ہے اور جمہور کے ہاں ایلاء کے چار ارکان ہیں۔حالف محلوف بہ محلوف علیہ اور مدت۔⓬

ا۔حالف......مولی ہے اور مالکیہ کے ہاں وہ مسلمان عاقل بالغ شوہر ہے جس کا جماع کرنا ممکن ہو آزاد ہو یا غلام صحیح ہو یا مریض ذمی کا ایلاء صحیح نہیں۔اور حنفیہ کے ہاں ہر وہ شخص جس کی طلاق صحیح ہو اور وہ عاقل بالغ نکاح کا مالک ہو اسے اپنی ملک کی طرف منسوب کرنے والا یا وہ جس کے لیے اپنی بیوی سے قربت حاصل کرنا ممکن نہ ہو الا یہ کہ کوئی مشقت والی چیز اس کے لازم ہو جائے پس بچے اور مجنون کا ایلاء درست نہیں کیونکہ یہ دونوں طلاق کے اہل نہیں اور ذمی کا ایلاء درست ہے کیونکہ کافر طلاق کا اہل ہے اور غلام کا ایلاء بھی صحیح ہے۔جس کا مال سے تعلق نہ ہو مثلاً اگر میں تیرے قریب آؤں تو میرے ذمہ روزے حج یا عمرہ ہے یا میری بیوی کو طلاق ہے یا بخدا میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اگر وہ حانث ہو گیا تو اس پر روزہ کے ذریعہ کفارہ لازم ہے اور وہ ایلاء جو مال سے متعلق ہے یہ کہ اگر میں تیرے قریب آؤں تو میرے ذمہ غلام آزاد کرنا ہے یا

⓫......المغني: ۳۱۷/۷ مغني المحتاج: ۳۴۳/۳۔ ⓬ القوانين الفقهية ۲۴۱ مغني المحتاج: ۳۴۳/۳ المهذب ۱۰۵/۲ الشرح الكبير: ۴۲۶/۲ المغني: ۲۹۸/۷ كشف القناع ۴۰۶/۵ غاية المنتهى: ۱۸۸/۳ الدر المختار: ۷۵۰/۲ البدائع: ۱۷۱/۳

میں اتنا صدقہ کروں گا تو یہ غلام کا ایلاء درست نہیں کیونکہ وہ مال کا اہل نہیں اسی طرح اگر کسی نے اجنبی عورت سے کہا یا جس کو تین طلاقیں دے دی ہوں یا جو اس سے بائن ہے کہ بخدا میں تیرے قریب نہیں آؤں گا تو یہ ایلاء درست نہیں کیونکہ یہ نکاح کا مالک نہیں لیکن اگر یہ اس نے ملکیت کی طرف منسوب کیا اور اجنبی عورت سے کہا یا بائنہ سے کہا اگر میں نے تجھ سے شادی کی تو بخدا تیرے قریب نہیں آؤں گا تو یہ ایلاء کرنے والا ہے۔اور شوافع کے ہاں مولی: ہر وہ شوہر ہے جس کی طلاق صحیح ہو یا وہ شوہر جو بالغ ہو عاقل ہو اور وطی پر قادر ہو پس بچے مجنون مکرہ مجبوب اور شل کا ایلاء درست نہیں اور اسی طرح رتقاء اور قرناء عورت سے بھی ایلاء درست نہیں اس لیے کہ اس سے ایلاء کا ارادہ اور ایذاء متحقق نہیں کیونکہ فی نفسہ یہ ممتنع ہے اور مریض قیدی آزاد غلام مسلمان کافر خصی نشئی کا ایلاء درست ہے کیونکہ ان کی طلاق صحیح ہے۔اور حنابلہ کے ہاں حلف اٹھانے والا مولی ہر وہ شوہر جو جماع کر سکتا ہو وہ اللہ تعالیٰ یا اس کی صف کے ساتھ حلف اٹھائے اپنی بیوی سے وطی نہ کرنے کی چارہ ماہ تک پس وطی سے عاجز کا ایلاء درست نہیں جیسے عنین شل مجبوب اور نہ ہی اس کی نذر اور طلاق وغیرہ کے ساتھ درست ہے، اسی طرح رتقاء وغیرہ عورتوں سے ایلاء درست نہیں اور نہ ہی سمجھدار بچے مجنون اور بے ہوش کا ایلاء درست ہے اور نہ کافر غلام غصہ والے نشہ والے اور اس مریض کا ایلاء جس کی شفاء کی امید ہو اور اس شخص کا جس نے بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو کا ایلاء درست ہے اس سے ثابت ہوا جمہور کے ہاں کافر کا ایلاء جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں ناجائز۔

۲۔محلوف بہ......وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات میں بالاتفاق اور اسی طرح جمہور کے ہاں سوائے حنابلہ کے ہر وہ قسم جس سے اس کا حکم لازم آتا ہو جیسے طلاق عتاق اور نماز روزہ اور حج وغیرہ کی نذر اور حنابلہ نے محلوف بہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے ساتھ خاص کیا ہے نہ کہ طلاق اور نذر وغیرہ۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے جس نے بغیر یمین کے وطی چھوڑ دی تو اگر اس سے اسے تکلیف دینے کا ارادہ ہو تو اسے بھی ایلاء کا حکم لازم ہوگا اس کے لیے بھی چار ماہ کی مدت حد مقرر ہے پھر اس کے لیے ایلاء کا حکم مقرر ہوگا کیونکہ یہ اس سے وطی ترک کرنے والا ہے اسے تکلیف دینے کے ارادہ سے لہٰذا یہ بھی مولی کے مشابہ ہوگیا۔اور اسی طرح جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور ظہار کا کفارہ ادا نہ کیا تو اس کے لیے ایلاء کی مدت مقرر کی (جاتی ہے) لہٰذا یہ مولی کے مشابہ ہے اور اس کے لیے ایلاء کا حکم ثابت ہوگا کیونکہ اس نے اس سے ضرر دینے کا ارادہ کیا ہے۔

۳۔محلوف علیہ......وہ جماع ہے ہر وہ لفظ جو اس کا تقاضا کرتا ہو مثلاً میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا اور تجھ سے غسل نہیں کروں گا اور میں تیرے قریب نہیں آؤں گا اور اس کے مشابہ صریح اور کنایہ الفاظ گزشتہ۔

۴۔مدت......حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں یہ کہ شوہر حلف اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ وطی نہ کرے گا اور حنفیہ کے ہاں: کم سے کم مدت چار ماہ ہیں اور اس سے زیادہ اگر اس نے تین ماہ کا حلف اٹھایا یا چار ماہ کا تو جمہور کے ہاں مولی نہیں اور چار ماہ کی صورت میں حنفیہ کے ہاں وہ مولی ہے اور چار ماہ سے کم مدت میں مولی نہیں اور ان کے اختلاف کا سبب فئ کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور وہ عورت سے رجوع کرنا ہے کیا وہ چار ماہ سے پہلے رجوع کریگا یا مدت ختم ہونے کے بعد حنفیہ کے ہاں رجوع مدت گزرنے سے پہلے ہوگا لہٰذا ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور جمہور کے ہاں رجوع چار ماہ گذرنے کے بعد ہوگا تو ایلاء کی مدت چارہ ماہ سے بڑھ جائے گی۔

ایلاء کی شرائط......حنفیہ کے ہاں:[1] ایلاء کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱......عورت کا محل ہونا یعنی بیوی ہونا اگر چہ حکماً ہی ہو جیسے طلاق رجعی کی عدت گذارنے والی ایلاء کے وقت اگر عورت تین طلاقوں کی وجہ سے بائنہ ہو یا لفظ بائن سے بائن ہو تو اس سے ایلاء درست نہیں۔

[1]......الدالمختار ۲/۷۵۰ البداء: ۳/۱۷۳۔۱۷۳

۲......شوہر طلاق کا اہل ہونا پس ذمی کا ایلاء درست ہے ان چیزوں کے علاوہ جو قربت محض ہیں جیسے روزہ حج وغیرہ اور ذمی کے ایلاء کے درست ہونے کا فائدہ اگر چہ اس پر حانث ہونے سے کفارہ لازم نہیں آتا لیکن اگر اس مدت میں اس کے پاس نہ گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳......کسی مکان کے ساتھ مقید نہ کرے کیونکہ دوسری جگہ عورت کے قریب جانا ممکن ہے۔

۴......بیوی کے ساتھ کسی غیر اجنبی جمع نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بغیر کسی شئی کے لازم آئے اپنی بیوی کے ساتھ قربت ممکن ہے۔

۵......رکنا صرف اس سے جماع سے ہو۔

۶......مدت مقررہ چار ماہ میں بیوی سے جماع نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کے عزم کو اس کے وقوع کے ساتھ مشروط کیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ البقرۃ:۲/۲۲۷

اگر طلاق کا ارادہ کر لیا تو اللہ بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے اس میں لفظ ان شرط ہے اور عزم الطلاق سے مراد دوران مدت رجوع نہ کرنا ہے، اور ان کی دلیل کہ مدت چارہ ماہ ہے یہ ہے کہ رجوع چار ماہ کی مدت میں ہی ہوسکتا ہے نہ کہ اس کے بعد۔

حنابلہ اور دوسرے مذاہب اربعہ نے ایلاء کے لیے درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں [1] شوہر اللہ جل جلالہ کے نام نامی سے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت سے قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چارہ ماہ سے زیادہ ہمبستری نہ کرے گا یا مالکیہ شوافع اور حنفیہ کے ہاں طلاق عتاق کے ساتھ یا مال کے صدقہ یا حج کی نذر کے ساتھ یا ظہار کے ساتھ ہمبستری نہ کرنے کا حلف اٹھا لے۔جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: ہر وہ قسم جو جماع سے مانع ہو وہ ایلاء ہے کیونکہ یہ بھی قسم ہے جو عورت سے جماع کرنے سے مانع ہے لہٰذا یہ بھی ایلاء ہے حلف باللہ کی طرح نیز طلاق اور عتاق کو ہمبستری پر معلق کرنا حلف ہے لہٰذا یہ مولی ہے کیونکہ قسم کے ذریعہ ممانعت جماع متحقق ہے یعنی شرط اور جزاء کا ذکر کرنا اور حنابلہ کے ہاں مشہور روایت کے مطابق طلاق عتاق کے ساتھ حلف ایلاء نہیں کیونکہ مطلق ایلاء وہ قسم ہی ہے دلیل ابیؓ اور ابن عباسؓ کی قرأت ہے: لِلَّذِيْنَ يُقْسِمُوْنَ يُؤْلُوْنَ کی جگہ پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے يُؤْلُوْنَ کی تفسیر يُحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ سے کی ہے اور شرط سے معلق کرنا قسم نہیں لہٰذا ایلاء بھی نہیں اور اسے مجازاً قسم کیا جاتا ہے کیونکہ قسم کے مشہور معنی میں یہ شریک ہے اور وہ معنی کسی فعل پر ابھارنا یا اس سے باز رکھنا یا خبر کی تاکید ہے اور جب کلام مطلق ہو تو اسے حقیقت پر محمول کرتے ہیں نہ کہ مجاز پر اور اگر شوہر نے کہا: اگر میں تجھ سے ہمبستری کروں تو اللہ کے لیے مجھ پر روزے یا حج یا عمرہ ہے تو جمہور کے ہاں یہ ایلاء ہے اور حنیفہ نے مشقت والے فعل سے مقید کیا ہے نہ کہ دو رکعت نماز سے اس میں مولی نہ ہوگا مشقت نہ ہونے کی وجہ سے البتہ سو رکعت کا التزام اسے مولی بنا دیتا ہے۔

۱......اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں بھی ایلاء نہیں جب وہ ہمبستری ترک کرنے پر قسم اٹھائے نذر یا مال کے صدقہ کرنے یا حج یا ظہار کی یا مباح کو حرام کرنے کی تو شوہر مولی نہ ہوگا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں اٹھائی لہٰذا کعبہ کی قسم اٹھانے کے مشابہ ہو گیا۔

۲......یہ کہ چار ماہ سے زیادہ ہمبستری نہ کرنے کی قسم اٹھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حلف اٹھانے والے کے لیے چار ماہ کا انتظار رکھا ہے جب اس نے چار ماہ یا اس سے کم کا حلف اٹھایا تو تربص وانتظار کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ایلاء کی مدت اس سے پہلے ختم ہو جائے گی یا اس کے ختم ہوتے ہی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مدت سے کم میں وہ مولی نہیں نیز چار ماہ سے کم میں وطی چھوڑنے پر ضرر متحقق نہیں ہوتا دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کتنا عرصہ عورت شوہر سے صبر کر سکتی ہے؟ تو کہا گیا دو ماہ اور تیسرے میں صبر کم ہے اور چوتھے میں صبر نافذ ہو جاتا ہے جب اس کا صبر نافذ ہوگا تو وہ مطالبہ کرے لہٰذا اس پر زیادہ ہونا ضروری ہے اور ایک لحظہ بھی زیادہ ہونا کافی ہے [2] یہ کہ شوہر

---

[1]......الشرح الصغیر:۲/۶۱۹۔۶۲۵ القوانین الفقھیۃ:۲۴۱ المھذب:۲/۱۰۵ [2] المغنی:۷/۲۹۸ کشف القناع:۵/۴۰۷۔۴ بدایۃ المجتھد۲/۱۰۰ اللباب:۳/۶۱، الدر المختار:۲/۷۵۷ البدائع:۳/۱۷۱

فرج میں وطی نہ کرنے کا حلف اٹھائے اگر اس نے بغیر قسم کے وطی چھوڑ دی اور نقصان دینے کا ارادہ نہ ہو تو ظاہر آیت کے مطابق وہ مولی نہیں لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ (البقرۃ: ۲/۲۲۶) اگر شوہر نے کہا میں تجھ سے دبر میں وطی نہیں کروں گا تو بھی مولی نہیں کیونکہ واجب وطی کو وہ چھوڑ نہیں رہا اور اس کے ترک کی وجہ سے عورت کو کوئی ضرر نہیں اور بلا شبہ یہ وطی حرام ہے اور اس نے اپنی قسم سے تاکیداً اپنے آپ کو اس سے روکا ہے۔ ❶ محلوف علیہ اس کی بیوی ہو فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ......البقرۃ: ۲/۲۲۶

نیز اس لیے بھی کہ بیوی کی علاوہ سے اسے وطی کا حق حاصل نہیں لہٰذا اس سے مولی نہ ہوگی جیسے اجنبیہ اگر اس نے اجنبیہ سے وطی ترک کرنے کا حلف اٹھایا پھر اس سے نکاح کرلیا تو مولی نہ ہوگا اس لیے کہ جب قسم نکاح سے پہلے ہو اور اس کا قصد ضرر نہ ہو تو بغیر قسم کے ممتنع کے مشابہ ہے اور بالاتفاق طلاق رجعی والی عورت سے عدت میں ایلاء درست ہے کیونکہ یہ بیوی کے حکم میں ہے اسے طلاق ہو سکتی ہے اور مطلقہ بائنہ سے صحیح نہیں کیونکہ زوجیت ختم ہوگئی اور ہر قسم کی بیوی سے ایلاء صحیح ہے چاہے مسلمان ہو یا ذمیہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ عام ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ

نیز ان میں سے ہر ایک بیوی ہے۔ لہٰذا ان سے ایلاء آزاد مسلمان عورت کی طرح درست ہے اسی طرح دخول سے پہلے اور بعد ایلاء درست ہے عموم آیت کی وجہ سے کیونکہ معنی پایا جارہا ہے کیونکہ وہ رکنے والا ہے اپنی بیوی سے جماع کرنے سے قسم کے ساتھ لہٰذا یہ دخول کے بعد کے مشابہ ہے۔ اسی طرح مجنونہ اور صغیرہ سے بھی ایلاء درست ہے مگر بچپنے اور جنون کی صورت میں اس سے رجوع کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ دونوں اس کی اہل نہیں۔

رتقاء اور قرناء عورت سے ایلاء درست نہیں کیونکہ وطی دائمی طور پر متعذر ہے لہٰذا اس کے ترک پر یمین منعقد نہ ہوگی جیسا کہ قسم اٹھائے وہ آسمان کی طرف نہیں چڑھے گا۔

رہ گیا حالف تو اس کی شرائط ہم پہلے پہچان چکے ہیں کہ وہ شوہر ہو عاقل بالغ ہو ہمبستری پر قادر ہو مالکیہ کے ہاں مسلمان ہو پس شوہر کے علاوہ کا ایلاء درست نہیں اور نہ ہی بچے اور مجنون کا ایلاء ہے اس لیے کہ ان سے قلم مرفوع ہے اور یہ مکلف نہیں اور نہ ہی مجبوب اور شل کا ایلاء ہے کیونکہ یہ وطی سے عاجز ہیں اور قسم سے پہلے ہی ان سے ہمبستری نہ ہو سکتی تھی لہٰذا عورت کو قسم کی وجہ سے کوئی ضرر نہیں ہوا اور حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مسلمان کافر، آزاد غلام، تندرست خصی، مریض قیدی اور نشی کا ایلاء درست ہے کیونکہ یہ وطی پر قادر ہیں لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا رکنا صحیح ہے آیت ایلاء کے عموم کی وجہ سے اور مالکیہ کے ہاں کافر کا ایلاء درست نہیں کیونکہ وہ قسم کے کفارہ کا اہل نہیں نیز وہ آیت میں موجود رحمت اور مغفرت کا اہل نہیں لہٰذا ہمبستری کرنے سے کافر کو نہ رحمت حاصل ہوتی ہے نہ مغفرت اور ایلاء رضا مندی اور غصہ دونوں حالتوں میں درست ہے ایلاء میں یہ شرط نہیں کہ غصہ کی حالت میں ہو اور نہ ہی تکلیف دینے کا قصد شرط ہے کیونکہ آیت ایلاء عام ہے نیز ایلاء بھی طلاق ظہار اور باقی ساری قسموں کی طرح ہے۔ چاہے غصہ میں ہوں یا رضا مندی میں نیز قسم کے کفارہ کا حکم غصہ وغیرہ میں برابر ہے لہٰذا ایلاء میں بھی اسی طرح ہوگا۔

تیسری بات: ایلاء کا حکم...... ایلاء کی قسم کا حنفیہ کے ہاں اخروی اور دنیاوی حکم ہے ❷ اخروی حکم تو یہ کہ اسے گناہ ہوگا اگر اس نے بیوی سے ہمبستری نہ کی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶ ...... مغنی: المحتاج: ۳/۳۴۴۔ ❷ البدائع: ۳/۱۷۵۔ ۱۷۶۔ الدر المختار: ۲/۷۳۸، ۷۵۰ اللباب: ۳/۱۰

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ البقرۃ: ۲/۲۲۶

پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے نیز اس لیے بھی کہ ان کے ہاں ایلاء مکروہ تحریمی ہے۔

دنیاوی حکم......تو ایلاء سے دو حکم دنیاوی متعلق ہیں ایک حانث ہونے کا حکم اور ایک پورا کرنے کا حکم۔

حانث ہونے کا حکم......یہ کہ اس میں کفارہ لازم ہے یا معلق جزاء اگر ہے اگر قسم سے حانث ہو گیا اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر وطی کر لی تو قسم میں حانث ہو جائے گا کیونکہ محلوف فعل اس نے کر دیا اور حانث ہونے کا حکم محلوف علیہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوگا اگر حلف اللہ کے نام یا صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ اٹھایا مثلاً بخدا میں تیرے قریب نہ آؤں گا تو اس پر کفارہ قسم واجب ہوگا تمام قسموں کی طرح اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ایک دن میں یا انہیں کپڑے پہنچانے ہیں یا غلام آزاد کرنا ہے اس شخص کے لیے جو مالدار ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی چیز نہ پائے کہ تنگدست ہو اس پر تین دن کے لگاتار روزے واجب ہیں جب اس پر کفارہ لازم ہو گیا تو ایلاء ساقط ہو گیا اور اگر حلف شرط اور جزاء کے ساتھ ہو مثلاً میں تیرے قریب ہوا تو مجھ پر حج ہے یا تجھے طلاق ہے اگر حانث ہوا تو معلق جزاء اس پر لازم ہوگی۔

پورا کرنے کا حکم......محلوف علیہ بیوی سے وطی نہ کرے اور اس کے قریب نہ ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ قاضی کے پاس دعویٰ لے جانے کے بغیر ہی مدت گذرنے پر اگر اس نے اس دوران ہمبستری نہ کی تو یہ طلاق اس کے ظلم کا بدلہ ہے اور یہ رحمت ہے اور اس کی مصلحت یعنی اس سے خلاصی کی طرف دیکھتے ہوئے تاکہ وہ کسی اور شوہر سے اپنا حق وصول کرے اور اس پر ان کی دلیل کہ یہ طلاق بائن ہے تو یہ عمل ہے صحابہ کرام کی ایک جماعت کی رائے پر اور وہ عثمانؓ علیؓ عبادلہ ثلاثہ (ابن مسعود ابن عباس اور ابن عمر) زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں ان کے ہاں جب چار ماہ گذر جائیں تو طلاق بائن ہوتی ہے نیز عورت سے ظلم ہٹانا طلاق بائن کے بغیر نہیں ہو سکتا تاکہ وہ اس سے آزاد ہو اور دوسرے سے شادی کر سکے۔

اور حنفیہ کے ہاں اس طلاق کی مقدار امام زفرؒ کے علاوہ یہ ہے کہ مدت کے تابع ہے نہ کہ قسم کے پس مدت کے متحد ہونے کی وجہ سے ایک ہوگی اور مدت کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہوگی اسی بناء پر جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا بخدا میں تیرے قریب نہیں آؤں گا یا بخدا میں چار ماہ تیرے قریب نہ آؤں گا۔ اگر حلف صرف ایلاء کی مدت پر ہو کہ صرف چار ماہ تو قسم ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ یہ وقت کے ساتھ مؤقت ہے لہٰذا وقت کے ختم ہوتے ہی ختم ہو جائے گی اگر ہمیشہ کے لیے حلف اٹھایا تو قسم بینونت کے بعد بھی باقی رہے گی کیونکہ حانث نہیں ہوا اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کیا تو ایلاء بھی لوٹ آئے گا اس لیے کہ ملکیت کا زائل ہونا قسم کے بعد قسم کو باطل نہیں کرتا۔ اگر اس نے اس سے وطی کی تو اپنی قسم میں حانث ہوگا اور اسے کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ وہ حانث ہونے سے مرتفع ہو گیا اور اگر اس نے وطی نہ کی تو چار ماہ گذرنے پر ایک اور طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ شادی کی وجہ سے اس کا حق ثابت ہو گیا لہٰذا ظلم متحقق ہو گیا اور اس ایلاء کی ابتداء نکاح کے وقت سے ہوگی اگر پھر اس سے تیسری مرتبہ نکاح کر لیا تو پھر تیسری دفعہ ایلاء چار ماہ گذرنے پر واپس آ جائے گا اور ایک اور طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق اس ملک میں باقی ہے محل کے باقی ہونے کی وجہ سے اور اس ملک کی طلاق زائل ہو گئی محل کے زائل ہونے سے لیکن قسم پھر بھی باقی ہے حانث نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس نے وطی کر لی تو قسم کا کفارہ ادا کرے کیونکہ حانث ہو گیا۔ اور جمہور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایلاء کے اعتبار کا سبب قسم ہے اور وہ مدت کے دوران عورت سے جماع کے حق سے رکنا ہے اور رکنا مدت کے متحد ہونے کی وجہ سے متحد ہے۔ پس ظلم اور طلاق متحد ہیں اور مدت کے متعدد ہونے سے ظلم بھی متعدد ہوگا لہٰذا طلاق بھی متعدد ہوگی اور کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کی وجہ سے ہے اور توہین متحد یا متعدد ہوتی ہے اتحاد اسم یا تعدد اسم کی وجہ سے۔

فئ حنفیہ کے ہاں ❶......دو قسم کی ہے فعلی اور قولی: فعلی تو یہ کہ عورت کی فرج میں جماع کرے اگر فرج کے علاوہ میں جماع کیا یا شہوت سے بوسہ دیا یا شہوت سے چھویا یا اس کی فرج کی طرف شہوت سے دیکھا تو یہ فئی نہیں اس لیے کہ اس کا حق فرج میں جماع ہے لہٰذا روکنے کی وجہ سے ظالم ہے اس کا ظلم صرف اسی سے ختم ہوگا۔

قولی رجوع یہ کہ اپنی بیوی سے کہے میں تجھ سے مل گیا یا میں نے تجھ سے رجوع کیا یا ان کے مشابہ کوئی الفاظ سے اور اس قولی رجوع کے لیے تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط......ایک یہ کہ جماع کرنے سے وہ عاجز ہو لہٰذا جماع پر قدرت ہونے کے باوجود قولی رجوع درست نہیں کیونکہ قول جماع کا بدل ہے جیسے تیمم وضو کے ساتھ۔ پھر اس عاجز آنے کی دو صورتیں ہیں۔ حقیقی اور حکمی۔ حقیقی یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک ایسا بیمار ہو کہ اس بیماری کے ساتھ ہمبستری متعذر ہو یا عورت چھوٹی ہے اس کے مثل سے جماع نہ ہو سکتا ہو، یا عورت رتقاء ہو یا شوہر مجبوب ہو یا ان کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ وہ مدت ایلاء میں اسے طے نہ کر سکتا ہو یا عورت نافرمان ہو اور ایسے مکان میں چھپی ہوئی ہو جسے وہ نہ جانتا ہو یا شوہر قید میں ہو اور عورت سے دخول کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور حکمی اور شرعی یہ کہ شوہر ایلاء کے وقت محرم ہو اس کے اور حج کے درمیان چار ماہ کا وقت ہو۔

دوسری شرط......جماع سے عاجز ہونا مدت ایلاء تک دائمی ہو اگر دوران مدت جماع پر قادر ہو گیا تو قولی رجوع باطل ہو جائے گا اور رجوع جماع کی طرف منتقل ہو جائے گا اسی طرح اگر مدت میں بیماری سے تندرست ہو گیا تو قولی رجوع باطل ہو جائے گا اور رجوع جماع کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہونے سے پہلے اصل پر قادر ہو جائے گا خلیفہ باطل ہو جاتا ہے جیسے تیمم جب وہ پانی کے استعمال پر دوران نماز قادر ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

تیسری شرط......قولی طور پر رجوع کی صورت میں نکاح کی ملکیت قائم ہو اور وہ یہ کہ عورت رجوع کے وقت اس کی بیوی ہو بائنہ نہ ہو اگر اس سے بائنہ ہے اور وہ قولی طور پر اس سے رجوع کرے تو یہ رجوع نہ ہوگا اور ایلاء باقی رہے گا اور یہ جماع کے ساتھ رجوع کے برخلاف ہے اس لیے کہ وہ ملکیت زائل ہونے کے بعد اور بینونت ثابت ہونے کے بعد بھی صحیح ہے ایلاء باقی نہ رہے گا باطل ہو جائے گا کیونکہ وطی کر کے وہ حانث ہو گیا قسم پوری ہو گئی اور ایلاء باطل ہو گیا۔ رجوع کی دونوں قسم کی شرط: یہ ہے کہ رجوع چار ماہ گذرنے سے پہلے ہوا ہو اگر اس نے مدت کے اندر رجوع کیا تو قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اگر اس نے رجوع نہ کیا اور چار ماہ گذر گئے تو ایک طلاق کے ساتھ وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی۔ ❷

رجوع میں اختلاف......مدت باقی ہونے کے باوجود اگر میاں بیوی کا رجوع میں اختلاف ہو جائے بایں طور کہ شوہر رجوع کا دعویٰ کرے اور عورت انکار کرے تو شوہر کا قول معتبر ہے اس لیے کہ مدت باقی ہے اور اس دوران شوہر رجوع کا مالک ہے اور اس نے ایسے وقت میں رجوع کا دعویٰ کیا ہے جس میں وہ انشاء کا مالک ہے لہٰذا ظاہر اس کا گواہ ہے تو قول اسی کا معتبر ہوگا اور اگر ان میں مدت گذرنے کے بعد اختلاف ہو جائے تو عورت کا قول معتبر ہے اس لیے کہ شوہر ایسے وقت میں رجوع کا دعویٰ کر دیا ہے جس میں رجوع نہیں کر سکتا لہٰذا ظاہر اس کے خلاف عورت کا شاہد ہے لہٰذا عورت کا قول معتبر ہوگا۔ ❸

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں رجوع کا حکم ❹......اس سلسلہ میں دو چیزوں پر کلام ہوگا پہلی بات: قاضی کے بغیر مہلت کی مدت:

❶...... البدائع: ۱۷۳/۳ وما بعدها۔ ❷الكتاب مع اللباب: ۶۰/۳ ❸البدائع: ۱۷۳/۳ ❹القوانين الفقهية: ص ۲۴۱ بداية المجتهد: ۹۹/۲ الشرح الصغير: ۶۲۹/۲۔۶۳۱ مغني المحتاج: ۳۴۸/۳۔۳۵۱ المهذب: ۱۰۸/۲۔۱۱۱

المغنی: ۷/۱۸ ۳۲۷۳
جب شوہر اپنی بیوی سے ایلاء کرے اور وہ چار ماہ سے پہلے وطی کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ ارشار باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ ......البقرۃ: ۲/۲۲۶

اور مدت کی ابتداء قسم کے وقت سے ہے کیونکہ یہی نص اور اجماع سے ثابت ہے کسی تحدید کی محتاج نہیں اگر اس نے وطی کر لی تو اس نے عورت کا حق پورا کر دیا مدت ختم ہونے سے پہلے اور ایلاء سے نکل گیا اور اگر مدت کے بعد عورت کے مطالبہ سے پہلے یا بعد وطی کی تو بھی ایلاء سے نکل جائے گا اس لیے کہ اس نے وہ کر دیا جس کا اس نے حلف اٹھایا تھا۔ اگر وہ وطی نہ کرے تو عورت اگر چاہے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو اس وقت قاضی شوہر کو وطی کے ذریعہ رجوع کا حکم کرے اگر وہ انکار کرے تو قاضی طلاق دے اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ یعنی جمہور کے ہاں مولی پر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے چاہے خود واقع کرے یا حاکم واقع کرے۔

اس لیے کہ یہ مدخول بھا عورت کو طلاق ہے بغیر عوض کے اور عدد کے استیفاء کی وجہ سے تو طلاق رجعی ہوگی جیسے ایلاء کے بغیر طلاق، برخلاف عنین ہونے کی وجہ سے فرقت کہ کیونکہ وہ عیب کی وجہ سے فسخ ہے نیز اس لیے بھی کہ اصل یہ ہے کہ ہر وہ طلاق جو شرعی طور پر پر واقع ہو اسے رجعی پر محمول کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بائن ہونے پر کوئی دلیل ہو اور حنفیہ کے ہاں یہ طلاق بائن ہے کیونکہ تفریق ضرر ختم کرنے کے لیے ہے لہٰذا بائن طلاق ہوگی، اور فئی معروف جماع ہے یا وطی ہے بالاتفاق علماء کے اور اگر عورت ثیبہ ہو تو ادنیٰ وطی حشفہ کا فرج میں چھپ جانا ہے اور اگر باکرہ ہے تو بکارت کا پھٹ جانا ہے۔ اگر فرج کے علاوہ میں جماع کرے تو رجوع درست نہیں کیونکہ یہ محلوف علیہ نہیں جس اور اس کے اس فعل سے عورت سے ضرر زائل نہیں ہوتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وطی کرنے والا جانتا ہو عمداً اور عاقل بالغ و مختار ہو اگر اس نے بھول کر وطی کی یا اس پر زبردستی کی گئی یا وہ مجنون ہو تو حانث نہ ہوگا اور ایلاء باقی رہے گا اور اگر اس نے عورت سے حرام وطی کی مثلاً اس سے حائضہ ہونے یا نفاس میں ہونے یا احرام کی حالت میں یا فرض روزے کی حالت میں وطی کی تو شوافع اور حنابلہ کے کے ہاں حانث ہو جائے گا اور ایلاء سے نکل جائے گا۔ بلکہ شوافع کے ہاں اگر وطی دبر میں کرے تو بھی۔ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں وطی حلال کا ہونا شرط ہے حرام وطی کافی نہیں مانع زائل ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ رجوع کا ہوگا اگر حرام سے حانث ہوا تو کفارہ لازم ہوگا اور یمین ایلاء ختم نہ ہوگی۔ جب اس نے رجوع کر لیا تو کفارہ لازم ہو گیا جیسے یمین کا کفارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ......المائدۃ: ۵/۸۹

اور اگر ایلاء طلاق کے ساتھ معلق ہو تو صرف وطی کرنے ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ ایسی صفت کے ساتھ متعلق ہے جو پائی گئی اور اگر نذر ہو یا صدقہ روزے نماز حج وغیرہ طاعات ہوں یا مباحات ہو تو وطی سے ان کا پورا کرنا لازم ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں اختیار ہے چاہے انہیں پورا کرے چاہے قسم کا کفارہ دے دے۔ کیونکہ یہ مجبوری اور غصہ کی نذر ہے۔

دوسری صورت: جماع عاجز ہونے کی صورت میں رجوع

(الف)......اگر مانع عورت کی طرف سے ہو اور شرعاً وطی منع ہو جیسے حیض و نفاس وغیرہ یا حسی طور پر ہو جیسے ایسی بیماری جس کی ساتھ وطی ممکن نہیں تو شوہر سے رجوع کا مطالبہ نہیں اس لیے کہ وطی عورت کی جانب سے متعذر ہے تو وہ کیسے طلب کر سکتی ہے یا اس کے قائم مقام طلاق کا کیسے مطالبہ کر سکتی ہے اس لیے کہ مطالبہ تو مستحق کا ہوتا ہے اور عورت اس وقت وطی کی مستحق نہیں۔

(ب)......اگر مانع شوہر کی طرف سے ہو اور مانع طبعی ہو جیسے قید ہونا یا مرض ہو جو وطی سے مانع ہو یا اس سے بیماری بڑھ جانے کا خوف

ہو یا شفاء دیر سے ہو یا مانع شرعی ہو جیسے حج یا عمرہ کا احرام یا اس کی عقل مغلوب ہو جنون یا بے ہوشی کی وجہ سے تو بھی شوہر سے وطی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اس لیے مجنون اور بے ہوش سے خطاب درست نہیں اور نہ ہی اس کا جواب صحیح ہے مطالبہ قدرت ہونے اور عذر زائل ہونے تک مؤخر ہوگا پھر اس وقت مطالبہ ہوگا اسی طرح قیدی مریض اور محرم سے وطی کا مطالبہ نہیں ہوگا معذور ہونے کی وجہ سے بلکہ صرف قولی رجوع کا مطالبہ ہوگا یعنی وطی کا وعدہ جب مانع زائل ہو جائے یا پھر طلاق کا مطالبہ ہوگا اگر وہ رجوع نہ کرے، بایں طور کہے کہ جب مجھے قدرت ہوگی تو جماع کروں یا تجھے طلاق دوں گا اس لیے کہ اس قول سے عورت کو پہنچنے والی تکلیف ختم ہو جاتی ہے جو زبان سے ہوئی تھی۔ لیکن شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر میں کوئی مانع شرعی ہو جیسی احرام اور ظہار اور واجب روزے تو اس سے طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اس سے ممکن ہے اور اس سے جماع کا مطالبہ نہیں ہوگا کیونکہ وطی حرام ہے اور عورت کا اس کو قدرت دینا حرام ہے۔ جب چار ماہ کی مدت ختم ہوگئی اور شوہر وطی سے عاجز ہونے کا دعویٰ کرے حالانکہ وہ ایک مرتبہ پہلے وطی کر چکا تھا تو عنین ہونے کا یہ دعویٰ مسموع نہیں جیسا کہ عورت کا اس کے خلاف دعویٰ مسموع نہیں اس سے جماع یا طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا لیکن اگر اس نے وطی نہ کی ہو اور نہ ہی اس کی حالت معلوم ہو تو اس کا دعویٰ مسموع ہوگا اور اس کا قول قبول ہوگا اس لیے کہ عیوب کی تعیین جن پر کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا لہٰذا شوہر کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا۔ اور عورت کو اختیار ہے کہ وہ حاکم سے مطالبہ کرے کہ اس کے لیے عنین کی مہلت مقرر کرے جو ایک سال ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ عذر والوں کی طرح رجوع کرے یعنی وہ وطی کا وعدہ ہے جماع پر قدرت کے وقت اور کہے جب مجھے قدرت ہوئی تو میں اس سے جماع کروں گا۔ اس ساری بحث سے ظاہر ہوا کہ جمہور اس رجوع کے سلسلہ میں کہ یہ جماع سے ہو یا جماع سے عاجزی کی صورت میں قول سے ہو حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں۔

زوجین کا ایلاء یا اس کی مدت کے ختم ہونے یا رجوع ہونے میں اختلاف...... جب زوجین میں ایلاء یا اس کی مدت ختم ہونے میں اختلاف ہو بایں طور کہ عورت شوہر پر دعویٰ کرے اور شوہر انکار کرے تو شوہر کا قول معتبر ہے کیونکہ اصل ایلاء کا نہ ہونا اور مدت کا ختم نہ ہونا ہے۔ اور اگر رجوع اور جماع میں اختلاف ہو شوہر کہے میں نے جماع کر لیا اور بیوی انکاری ہو اور تھی بھی ثیبہ تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ اصل نکاح کا باقی رہنا ہے اور عورت اسے کے ختم ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے شوہر اصل کے موافق کا دعویٰ کر رہا ہے۔ لہٰذا اسی کا قول معتبر ہوگا جیسا کہ عنین ہونے کی صورت میں وہ وطی کا دعویٰ کرے۔ اگر شوہر نے قسم سے انکار کر دیا تو بیوی حلف اٹھائے گی کہ اس نے جماع نہیں کیا اور عورت کا حق باقی رہے گا کہ وہ اس سے جماع کرے یا اسے طلاق دے دے اگر عورت بھی حلف نہ اٹھائے تو وہ اس کی بیوی کی حیثیت سے رہے گی۔

اور اگر وہ باکرہ ہے اور جماع میں اختلاف ہو گیا تو ثقہ عورتیں اسے دیکھیں اگر وہ اس کے ثیبہ ہونے کی گواہی دیں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر وہ اس کے باکرہ ہونے کی گواہی دیں تو عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اس لیے کہ اگر وہ اس سے وطی کرتا تو اس کی بکارت زائل ہو جاتی یہ بھی حنفیہ اور جمہور کے ہاں متفق علیہ ہے۔

ایلاء کی مدت میں طلاق...... اگر مولی نے طلاق دے دی تو ایلاء کا حکم ساقط ہو جائے گا اور قسم باقی رہے گی اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا تو جمہور کے ہاں ایلاء کا حکم واپس آ جائے گا جس وقت وہ اس سے شادی کرے گا اس وقت نئے سرے سے مدت کا حساب ہوگا یعنی مدت ایلاء کو رجوع کے وقت سے شمار کیا جائے گا اگر قسم کی مدت میں سے چار ماہ یا اس سے کم ہوں تو اس پر عمل ہوگا اگر چار ماہ سے زیادہ ہوں تو وہ چار ماہ انتظار کرے گی پھر اس مدت کے ختم ہونے پر اس سے کہا جائے گا یا تو جماع کر دیا اس کو طلاق دے دو اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم پھر ایک طلاق دے اور وہ رجعی ہے' اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے ہاں اگر طلاق تین سے کم ہو تو ایلاء واپس آ جاتا ہے اگر اس نے طلاق کے عدد کو پورا کر دیا تو ایلاء واپس نہ آئے گا اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں حاکم ایک طلاق کے علاوہ طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ حق اس سے

پورا ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے زیادہ کا وہ مالک نہیں جیسا کہ وہ دین کی ادائیگی میں زیادہ دینے کا حقدار نہیں اس شخص کے دین سے جو ادائیگی سے رکا ہوا اور حنابلہ نے قاضی کو اجازت دی ہے کہ وہ شوہر کی طرف سے تین طلاقیں دے دے اس لیے کہ مولی جب جماع اور طلاق سے رک جائے تو قاضی اس کے قائم مقام ہوتا ہے وہ بھی طلاق کا اسی طرح مالک ہے جس طرح مولی مالک ہوتا ہے معاملہ اس کے سپرد ہے چاہے تو ایک طلاق دے یا دو یا تین اور چاہے تو نکاح فسخ کر دے کیونکہ قاضی ولی کے قائم مقام ہے جیسا کہ اسے طلاق میں وکیل بنایا جائے اور یہ اس کے حق پر زیادتی نہیں کیونکہ عورت کا حق تو تفریق ہے سوائے اس کے کہ وہ متنوع ہے پہلی رائے راجح ہے اس لیے کہ ضرورت ضرورت ہی ہوتی ہے اور عورت کی حاجت ایک طلاق سے متحقق ہو جاتی ہے۔

ایلاء کے بعد عدت...... آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مولی کی بیوی کو عدت جدائی کے بعد گزارنا لازم ہے کیونکہ وہ مطلقہ ہے لہٰذا واجب ہے کہ وہ عدت گذارے جیسے تمام مطلقات گذارتی میں جابر بن زید کا ارشاد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کہ اگر عورت کو چار ماہ میں تین حیض آ گئے تو اس پر عدت لازم نہیں اس لیے کہ عدت تو رحم کو خالی کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے اور اسے اس سے برأت حاصل ہو گئی ہے۔ اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عدت ایک تو مصلحت پر مبنی ہے اور دوسرے تعبدی حکم ہے پس جس نے اس کی مصلحت کا لحاظ رکھا ان کے ہاں عورت پر عدت نہیں اور جنہوں نے تعبدی حکم کی طرف دیکھا انہوں نے عدت واجب کی۔

ایلاء کے حکم میں حنفیہ اور جمہور کے اختلاف کا خلاصہ...... جمہور حنفیہ سے دو چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں ایک یہ کہ جمہور کے ہاں رجوع اور جماع مدت گذرنے سے پہلے بھی صحیح اور مدت گذرنے کے بعد بھی اور حنفیہ کے ہاں صرف مدت گذرنے سے پہلے ہی رجوع اور جماع ہو سکتا ہے اسی بناء پر اگر رجوع مدت گذرنے سے پہلے تو ایلاء ختم ہو گیا اور بالاتفاق قسم کا کفارہ لازم ہو گیا اگر مدت گذرنے کے بعد بھی وہ رجوع نہ کرے تو عورت معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی شوہر کو دو چیزوں میں اختیار دے یا تو وہ رجوع جماع کرے یا پھر طلاق دے اگر اس نے رجوع کر لیا تو درست ورنہ قاضی اس کو طلاق دے دے اور یہ طلاق رجعی ہو گی بائن نہیں اور حنفیہ کے ہاں طلاق بائن ہو گی۔ شام اور مصر میں جمہور کی رائے پر عمل ہے۔ دوسری چیز یہ کہ جمہور کے ہاں صرف مدت گذرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ شوہر کے طلاق دینے یا معاملہ قاضی کے پاس لے جانے سے قاضی طلاق دے گا اور حنفیہ کے ہاں چار ماہ گذرنے پر خود بخود بیوی کو طلاق بائنہ ہو گی۔ اور اس اختلاف کا سبب اس آیت کی تفسیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ فَآءُوْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾ ...... البقرۃ ۲/۲۲۶۔۲۲۷

حنفیہ کے ہاں معنی یہ ہے کہ اگر وہ ان مہینوں میں رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہیں اس گناہ کو جو شوہر نے حلف اٹھا کر عورت کو ضرر پہنچایا لیکن اگر ان مہینوں میں وہ رجوع نہ کریں اور اپنی قسم پر برقرار رہیں تو یہ ان کی طرف سے طلاق کا عزم ہے اور طلاق شریعت کے حکم سے واقع ہو گی پس نتیجہ یہ ہوا کہ جب چار ماہ گذر گئے بغیر جماع کے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور جمہور کے ہاں معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایلاء کا حلف کرتے ہیں ان کے لیے چار ماہ انتظار ہے اگر وہ مدت گذرنے کے بعد رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔ شوہر کی جانب سے جو قسم ہو گی اور عورت پر جو ظلم ہوا لیکن اگر مدت گذرنے کے بعد انہوں نے طلاق کا عزم کر لیا تو اللہ تعالیٰ ان کی طلاق کو سننے والا اور ان سے جو خیر یا شر صادر ہوئی اسے جاننے والا ہے اس پر انہیں بدلہ دے گا نتیجہ یہ نکلا مدت کے گذرنے سے طلاق واقع نہ ہو گی بلکہ معاملہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا چاہے تو رجوع کر لے چاہے طلاق دے۔

حنفیہ اس ارشاد باری تعالیٰ: وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (البقرۃ: ۲/۲۲۷) کو دیکھتے ہیں رجوع چھوڑنے پر اور جمہور اس ارشاد باری تعالیٰ: فَإِنْ فَآءُوْ (البقرۃ: ۲/۲۲۶) کو دیکھتے ہیں کہ مدت گذرنے کے بعد۔ اور میرے ہاں جمہور کی رائے راجح ہے اس لیے کہ اگر مدت ختم ہونے کے

بعد طلاق واقع ہو جائے تو پھر یہاں طلاق واقع ہونے کے بعد عزم کی ضرورت نہیں نیز اس لیے بھی کہ شوہر کو مہلت دینا رجوع کے لیے اور غلطی کے ادراک کے لیے یہ بہتر ہے طلاق واقع کرنے اور رشتہ ازدواج کو ختم کرنے سے۔

آٹھویں بحث: لعان کی وجہ سے تفریق......اس میں آٹھ مقاصد ہیں جو درج ذیل ہیں:

لعان کی تعریف اس کا سبب مشروعیت ارکان وشرائط لعان کرنے والوں کے لیے شرائط کیفیت قاضی کو حد کسی ایک کے انکار سے کیا واجب ہوگا، کیا لعان شہادات میں سے ہے یا ایمان میں سے لعان کے آثار، لعان واجب ہونے کے بعد کس سے ساقط ہوتا ہے اور کن سے باطل ہوتا ہے اور تفریق سے پہلے لعان کا حکم۔

پہلا مقصد: لعان کی تعریف اور سبب......لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے لاعن سے اور لعن سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا ہوتا ہے، یہی نام دیا گیا ہے جو زوجین کے درمیان حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ زوجین میں سے ہر ایک اپنے اوپر پانچویں مرتبہ لعنت کرتا ہے اگر وہ جھوٹا ہو یا یہ کہ مرد اپنے آپ پر لعنت کرتا ہے اور عورت کی جانب تغلیباً مطلق چھوڑ اگیا ہے اور اسے لعان کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہی شوہر کا قول ہے اور آیت میں اسی سے ابتداء کی گئی ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ نے ❶ لعان کی یہ تعریف کی ہے کہ ایسی شہادتیں جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں اور شوہر کی جانب سے ان میں لعنت ہو اور بیوی کی جانب سے غضب، یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے اور بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام۔ لیکن نکاح فاسد میں حنابلہ کے ہاں لعان صحیح ہے اور حنفیہ کی ہاں صحیح نہیں عنقریب تفصیل آرہی ہے۔

مالکیہ نے ❷ یوں تعریف کی ہے مسلمان شوہر کا اپنی بیوی کے زنا پر حلف اٹھانا یا اس کے حمل کی نفی کی قسم اٹھانا اور بیوی کا شوہر کی تکذیب میں چار قسمیں اٹھانا حاکم کے سامنے ان الفاظ میں قسمیں اشهد بالله لرأيتها تزني چاہے نکاح صحیح ہو یا فاسد لہٰذا شوہر کے علاوہ کسی کا حلف اٹھانا صحیح نہیں جیسے اجنبی نہ کافر کا نہ بچے کا نہ مجنون کا اور حلف حاکم کی نگرانی میں ہوگا اور وہ لعان کی جگہ پر حاضر ہوگا اور وہ تفریق کا فیصلہ صادر کرے گا یا جو انکار کرے اسے حد لگائے گا چاہے نکاح زوجین میں صحیح ہو یا فاسد۔

شوافع نے ❸ یہ تعریف کی معلوم الفاظ جو حجت ہیں قذف کی طرف مجبور کے لیے جس نے اپنے فراش کو لت پت کیا اور اس کے ساتھ عار لاحق کیا یا بچے کی نفی کی۔

لعان کا سبب دو چیزیں ہیں ❹ ایک تو یہ کہ شوہر کا بیوی پر ایسی تہمت لگانا اگر وہ کسی اجنبی پر لگاتا تو حد زنا واجب ہوتی۔ اور یہ مالکیہ کے ہاں زنا کے دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بعد اس نے اس سے وطی نہ کی ہو لیکن اگر شوہر نے دیکھنے کے بغیر ہی زنا کا دعویٰ کیا تو اسے حد قذف لگے گی اور ان کے ہاں مشہور یہ ہے کہ پھر لعان جائز نہیں باقی آئمہ کا ان سے اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حمل یا بچے کی نفی کرنا چاہے شبہ کی وطی ہے ہو یا نکاح فاسد میں مالکیہ نے حمل کی نفی کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ شوہر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے بیوی سے ہمبستری نہیں کی تا کہ اس سے بچے کا الحاق ہو اور یہ کہ وہ ایک حیض سے استبراء ❺ کا دعویٰ کرے اور وضع حمل سے پہلے ہی اس کا دعویٰ کرے اگر وہ خاموش رہا حتی کہ عورت نے بچہ جن دیا تو شوہر پر حد ہوگی اور لعان نہ ہوگا۔ رہ گیا قذف اس کی وہی صورت ہے جو حد قذف کے تحت بیان کی گئی کہ یا صریح لفظ سے ہوگا جیسے زنا یا کسی کو کہا اے زانی یا اے زانیہ اور یا اس لفظ سے ہوگا جو صریح کا قائم مقام ہے اور کسی انسان کی معروف

---

❶......الدر المختار: ۸۰۵/۲ اللباب: ۸۴/۳ کشف القناع ۴۵۰/۵۔ ❷ الشرح الصغير: ۶۵۷/۲ وما بعد ها المقدمات الممهدات: ۶۳۳/۱۔ ❸ مغني المحتاج: ۳۶۷/۳۔ ❹ القوانين الفقهية ۲۴۴ البدائع: ۲۳۹/۳ المغني: ۳۹۲/۷۔ ❺ رحم کا پاک ہونا اور اس کے کئی اسباب ہیں: ان میں سے ایک زنا ہے اور ایک سوء ظن زنا میں عورت تین حیضوں سے پاک ہوئی ہے اور سوء ظن میں اگر وہ حیض کی عمر کی ہے تو ایک حیض سے اگر حاملہ ہے تو وضع حمل سے اگر بچی ہے چھوٹی تو شوافع کے ہاں ایک ماہ سے اور مالکیہ کے ہاں تین ماہ سے اور یہی حکم ہے ان عورتوں کا جن کو حیض نہ آتا ہو۔

مشہور باپ سے نسبت کی نفی کرنا جیسے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں۔ یا شوافع کے ہاں کنایہ الفاظ سے جیسے کسے پہاڑ میں زنا کیا وغیرہ اس لیے کہ پہاڑ میں زنا کرنا اس کی طرف چڑھ کر جانا اگر اس سے قذف کی نیت کی تو قذف ہوگا جبکہ حنفیہ کے ہاں یہ صریح الفاظ میں سے ہیں۔ یا تعریض وارشاہ ہوگا مثلاً حلال بن حلال اور میں تو زانی نہیں شوافع ہاں اگر نیت کی تو یہ قذف ہے اور اگر وہ تعریفوں کو سمجھتا رہے تو پھر قذف ہے مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ قذف نہیں۔ اور قذف کا اثبات گواہوں سے ہوگا یا اقرار سے جیسا کہ حد قذف میں بیان ہوگا۔

اور بچے کی نفی وہ اس طرح کے آدمی حاکم کے پاس حاضر ہو اور کہے کہ یہ لڑکا یا یہ حمل میرا نہیں نفی کے وقت اور حمل کی نفی میں فقہاء کا اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب شوہر نے اپنے بچے کی ولادت کے فوراً بعد نفی کر دی یا اس مدت میں نفی کی جس میں مبارک باد قبول کی جاتی ہے اور وہ سات دن ہیں یا جس مدت میں بچے کی ولادت کے لیے سامان خریدا جاتا ہے تو نفی صحیح ہے اور وہ لعان کرے گا کیونکہ نفی کر کے وہ تہمت لگانے والا ہو گیا لیکن اگر اس نے اس کے بعد نفی کی اور بچے کا نسب ثابت ہو گیا تھا کیونکہ دلالۃً اس کا اعتراف ہو گیا اور وہ خاموش رہتا اور مبارک یا رقبول کرتا ہے اور یہاں سکوت رضا تصور ہوتا ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں صحیح ہے۔ صاحبین کے ہاں مدت نفاس کے اندر اندر بچے کی نفی کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ ولادت کا اثر ہے۔

اور مالکیہ نے لعان کی صحت اور بچے کی نفی کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں جیسا کہ پہلے گذرا۔ ⓫ شوہر اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس نے عورت سے ہمبستری نہیں یا عورت کا استبراء ایک حیض سے ہو گیا ⓬ اور بچے کی نفی پیدائش سے پہلے کرے اگر ایک دن بھی بلا عذر خاموش رہا اور بچہ پیدا ہو گیا تو اسے حد لگائی جائے گی لعان نہ ہوگا۔

اور شوافع ⓭ نے حمل کی نفی کی اجازت دی ہے اور اس کے وضع کی انتظار کی بھی حمل تو اس لیے کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ ھلال بن امیہ نے حمل سے لعان کیا اور حمل کی انتظار اس لیے تا کہ یقین سے لعان کرے اور جدید قول کے مطابق نفی کرنا بچے کے نسب کی وہ فی الفور ہونا چاہے اس لیے کہ یہ موجود ضرر کے دور کرنے کے لیے مشروع ہے لہٰذا عیب کی وجہ سے رد کرنے اور خیار شفعہ کی طرح فی الفور ہونا چاہیے اگر کسی عذر کی وجہ سے نفی سے خاموش رہا مثلاً اسے رات کو خبر پہنچی اور اس نے صحیح ہونے تک اسے مؤخر کیا یا بھوکا تھا کھانا کھایا یا ننگا تھا لباس پہنا تو عذر کی وجہ سے تاخیر کرنا درست ہے۔ اور حنابلہ نے ⓮ حنفیہ کی طرف وضع سے پہلے حمل کی نفی کی اجازت نہیں دی وہ نفی نہ کرے حتیٰ کہ وضع کے بعد لعان کرے اور اس میں بچے کی نفی کرے اس لیے کہ حمل یقینی نہیں ہو سکتا ہے کہ پھولی ہوئی ہو یا ہوا ہو اور شوافع کی طرح شرط ہے کہ ولادت کے فوراً بعد نفی کرے جب عورت نے بچہ جنا اور وہ باوجود ممکن ہونے کے خاموش رہا تو اس کا نسب لازم ہو جائے گا اس کے بعد نفی نہیں کر سکتا حاصل یہ کہ فقہاء کی حمل کی نفی کے سلسلہ میں دو آراء ہیں ایک حنفیہ اور حنابلہ کی رائے پر حمل کی نفی کے عدم جواز کے قائل میں کیونکہ احتمال ہے حمل نہ ہو اور دوسری مالکیہ اور شوافع کی رائے وہ جواز کے قائل ہیں اور ھلال بن امیہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے حمل کی نفی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نفی کر دی اور نسب پہلے کے ساتھ ملا دیا اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ وہ حمل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اسے دیکھو اگر وہ جنے نیز حمل مظنون ہے ایسی علامات سے جو اس پر دلالت کرتی ہیں نیز حمل کا الحاق بھی درست ہے گویا اس کی نفی ایسے ہے جیسے بچے کی نفی پیدا ہونے کے بعد ابن قدامہ نے فرمایا: یہی قول صحیح ہے کہ یہ ظاہر احادیث کے موافق ہے اور جو احادیث کے مخالف ہے اس کا کوئی بھی اعتبار نہیں۔

لعان کی شرط...... جمہور کے ہاں شوہر کو حمل یا بچے کی ولادت کے علم کے فوراً بعد کرنا چاہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ولادت کے بعد سے سات دن تک اجازت دی ہے۔

---

❶......فتح القدير : ٢٦٠/٣ الكتاب مع اللباب: ٧٩/٣ ❷القوانين الفقهية ٢٤٤ الشرح الصغير: ٦٦٠/٢-٦٦٣ ⓭مغنى المحتاج: ٣٨٠/٣ المهذب: ١٢٢/٢ - ⓮المغنى ٤٢٣/٧-٤٢٤-

دوسرا مقصد: لعان کی مشروعیت...... زوجین کے درمیان لعان مشروع ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائیں کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں (بار) یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے اور پانچویں (دفعہ) یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو (مجھ) پر اللہ کا غضب (نازل ہو)۔ النور ۲۴/۶-۹

اور اس آیت کا شان نزول وہ روایت ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے سوائے مسلم اور نسائی کے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی (خولہ بنت عاصم) کو شریک بن سحماء سے تہمت لگائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہلال سے) فرمایا تو (چار) گواہ لا نہیں تو تیری پیٹھ پر حد قذف پڑے گی اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر ہم میں کوئی شخص اپنی عورت سے کوئی برا کام کرتے دیکھے تو گواہ ڈھونڈتا پھرے (یہ تو بڑا مشکل ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ گواہ لا ورنہ تیری پیٹھ پر حد پڑے گی' ہلال نے کہا قسم اس پروردگار کی جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ضرور کوئی ایسا حکم اتارے گا جس سے میری پیٹھ سزا سے بچائے گا تو یہ آیات نازل ہوئیں ❶ اسلام میں یہ سب سے پہلا لعان ہوا تھا جو ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان ہوا اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ اور ماوردی وغیرہ نے اکثر علماء سے روایت کی ہے کہ ہلال کا قصہ عویمر کے واقعے سے پہلے کا ہے۔ ترمذی کے علاوہ باقی جماعت نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر عجلانی سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن اتارا اور فرمایا جاؤ اسے لے کر آؤ تو دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لعان کیا ❷ یہ امام نووی کی رائے ہے شرح مسلم میں کہ اس آیت لعان کا سبب نزول حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

قذف کے معاملے میں زوجین کا حکم سے کسی اجنبی پر تہمت لگانے کے حکم سے مختلف ہے اگر کسی نے کسی دوسرے کو تہمت لگائی یا کسی مرد نے کسی عورت کو تہمت لگائی جو اس کی بیوی نہیں اور وہ عورت پاکدامن ہے اور پھر اپنی اس تہمت پر چار گواہ نہ لا سکا تو اسے حد قذف اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اسے اور اس کی طرح کے لوگوں کو اس گناہ سے باز رکھنے کے لیے اور مقذوف سے عار دور کرنے کے لیے۔ لیکن اگر شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اس کے بچے کی نسب کی نفی کرے اور چار گواہ بھی اپنے دعویٰ پر نہ لا سکے تو اس کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی بلکہ اس کے حق میں لعان مشروع کیا گیا ہے۔

آیات لعان کے شان نزول میں تمام روایات تین چیزوں پر متفق ہیں۔ ❸

پہلی چیز...... یہ کہ لعان کی آیات محصن اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں۔

دوسری چیز...... آیات لعان کے نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پاکدامن اجنبی عورتوں کی تہمت اور بیوی پر تہمت کے حکم کو ایک ہی سمجھتے تھے۔

تیسری چیز...... آیات لعان شوہر پر تخفیف کے لیے نازل ہوئی ہیں اور اسے مشکل سے نکالنے کا راستہ بیان کرتی ہیں اور لعان کی

---

❶...... رواه الجماعة الا مسلم والنسائی (نیل الاوطار: ۲۷۲/۶) ❷ نیل الاوطار: ۲۶۸/۶ ❸ مذاکرة آیات الاحکام بالازهر الشریف: ۱۳۵/۳

مشروعیت کا مقتضی یہ ہے کہ متعین جھوٹے پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہ ظالم پر لعنت کرنا جائز ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ھود:۱۱/۱۸

سنو خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

تیسرا مقصد: لعان کے ارکان وشرائط اور لعان کرنے والوں کے لیے شرائط ...... حنفیہ کے ہاں (۱) لعان کا رکن ایک ہی چیز ہے وہ لفظ ہے یعنی قسموں اور لعنت کے ساتھ مؤکد شہادت زوجین کی طرف سے۔ جمہور کے ہاں (۲) لعان کے ارکان چار ہیں۔

۱..... لعان کرنے والا مرد

۲..... لعان کرنے والی عورت

۳..... لعان کا سبب

۴..... لعان کے الفاظ

لعان کی شرائط ...... لعان کی شرائط کی دو قسمیں ہیں ایک وجوب لعان کی شرائط اور دوسری لعان جاری کرنے کی صحت کی شرائط۔

پہلی بات: وجوب لعان کی شرائط ...... حنیفہ کے ہاں (۳) تین ہیں:

۱..... بیوی کے ساتھ زوجیت کا قیام اگر چہ وہ مدخول بھا نہ بھی ہو۔ اسی طرح اگر چہ وہ طلاق رجعی کی عدت میں ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ النور:۲۴/۶

اور جو لوگ اپنی عورتوں (بیویوں) پر بدکاری کی تہمت لگائیں لہٰذا میاں بیوی کے علاوہ کے درمیان لعان نہیں یا کسی اجنبی عورت کو تہمت لگانے پر بھی لعان نہیں اگر کسی نے اجنبی عورت پر تہمت لگائی پھر اس سے نکاح کر لیا تب بھی اس پر حد قذف جاری ہوگی اور لعان نہ ہوگا کیونکہ اجنبی ہونے کی حالت میں حد واجب ہوتی ہے اسی طرح اگر بیوی مرگئی تو بھی اس کی تہمت میں لعان نہیں کیونکہ مرنے کی وجہ سے وہ بیوی نہ رہی نیز اس کی جانب سے لعان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بائنہ عورت کی تہمت پر بھی لعان نہیں اور اس کے شوہر کو اجنبی کی طرح حد لگے گی یہ شرط متفق علیہ ہے اس لیے کہ جمہور کے ہاں اس سے لعان درست ہے اور اسی وجہ سے جمہور کے ہاں زوجین کے علاوہ میں بھی دو حالتوں میں لعان درست ہے ایک بائنہ سے بچے کی نفی میں اور نکاح فاسد یا شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی عورت سے اور اگر شوہر وطی کے بعد مرتد ہوگیا پھر اس نے تہمت کی پھر عدت کے اندر ہی اسلام قبول کر لیا تو لعان ہوگا اگر پہلے اس سے لعان کیا پھر عدت میں مسلمان ہوگیا تو بھی اس کا لعان درست ہے کیونکہ نکاح کے اندر اس کا وقوع ہوا ہے (۴) نکاح صحیح ہو فاسد نہ ہو، لہٰذا نکاح فاسد کی منکوحہ سے لعان نہیں کیونکہ وہ اجنبیہ ہے اس کی باقی ائمہ نے مخالفت کی ہے انہوں نے نکاح فاسد والی بیوی سے بھی لعان کی اجازت دی ہے ثبوت نسب کی وجہ سے جیسے بغیر ولی کے نکاح یا گواہوں کے بغیر نکاح پھر اسے تہمت لگائی لیکن ان میں لعان کے جواز کی اجازت اس حالت میں تب ہی ہے کہ ان کا بچہ ہو شوہر اس کی نفی کرنا چاہتا ہو اگر ان کے درمیان بچہ نہ ہو تو پھر شوہر کو حد لگائی جائے گی اور ان میں لعان نہ ہوگا شوہر مسلمان پر گواہی دینے کا اہل ہو بایں طور کہ طرفین میاں بیوی ہوں آزاد عاقل، بالغ مسلمان بات چیت کرنے والے ہوں اور قذف کی بناء پر انہیں پہلے حد نہ لگی ہوگی ہو پس کافروں کے درمیان لعان نہیں اور نہ ہی جب ان میں سے ایک غلام ہو یا بچہ یا مجنون یا محدود فی القذف ہو یا کافر گونگا وغیرہ ہوں البتہ اندھوں اور فاسقوں

---

(۱) ..... الدر المختار: ۲/۸۰۶ (۲) القوانين الفقهية ۲۴۳ (۳) الدر المختار مع الرد: ۲/۸۰۵ البدائع: ۳/۲۴۱ فتح القدير: ۳/۲۵۹ اللباب: ۳/۷۸،۷۵ (۴) الشرح الصغير: ۲/۶۵۱ مغني المحتاج: ۳/۳۷۱ غاية المنتهى ۳/۲۰۱

کے درمیان لعان درست ہے کیونکہ یہ دونوں ادائے شہادت کے اہل ہیں البتہ ان کی شہادت فسق کی وجہ سے قبول نہیں کی جاتی اور اندھا چونکہ تمیز پر قادر نہیں اس لیے حاصل یہ کہ حنفیہ کے ہاں شوہر کا شہادت کے اہل ہونا شرط ہے اس لیے کہ لعان کے الفاظ شہادت ہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ بیوی ایسی ہو جس کی وجہ سے اس کو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جا سکے اس لیے کہ لعان اجنبیہ عورت کو تہمت لگانے والے کی حد کا بدل ہے جمہور کے ہاں یہ دو شرطیں نہیں۔

لیکن مالکیہ نے ❶ شوہر کے لیے اسلام کی شرط لگائی ہے نہ کہ بیوی کے لیے ذمیہ تھی عورت بھی لعان کرے گی کیونکہ اس نے اپنے عار کو دور کرنا ہے۔ اور ان کے ہاں لعان کرنے والوں کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں بالغ اور عاقل ہوں چاہے آزاد ہوں یا غلام عادل ہوں یا فاسق اور عصمت اور پاکدامنی کی صورت میں بالاتفاق لعان ہوگا اور طلاق بائن اور رجعی کی عدت میں بھی برخلاف حنفیہ کے اور عدت کے بعد بھی حمل کی نفی کی مدت میں مدت حمل کے دوران تک اور نکاح صحیح یا فاسد دونوں میں لعان ہوگا۔

شوافع اور حنابلہ نے ❷ لعان کرنے والوں کے لیے اسلام کو شرط قرار نہیں دیا اور کہتے ہیں ہر اس شوہر کا لعان صحیح ہے جس کی طلاق صحیح ہو کہ دونوں مکلف ہوں یعنی عاقل بالغ ہوں چاہے مسلمان ہوں یا کافر عادل ہوں یا فاسق حد قذف لگ چکی ہو یا نہ اسی طرح آزاد غلام سمجھدار بے وقوف نشہ والے بولنے والے گونگے وغیرہ سب کا لعان درست ہے اور طلاق رجعی والی عورت اور بچے کی نفی کی صورت میں بائنہ مطلقہ بھی اور حنابلہ کے ہاں بھی اس طرح ہے۔ اسی طرح نکاح فاسد یا شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی عورت سے بھی لعان درست ہے جب بعد میں اس پر تہمت لگائے اور نفی نسب میں بھی لعان ہوگا کما تقدم۔

اور بالاتفاق بچے و مجنون کا لعان درست نہیں اگر زوجین میں سے کوئی ایک مکلف نہیں تو ان کے درمیان لعان نہ ہوگا اس لیے کہ لعان سے تو جدائی حاصل ہوتی ہے اور غیر مکلف سے یہ درست نہیں جیسے طلاق اور قسم وغیرہ۔ اور زوجین کے علاوہ میں لعان نہیں اگر کوئی شخص اجنبی عورت پاکدامن پر تہمت لگائے تو اسے حد قذف لگے گی لعان نہ ہوگا۔ اور بالاتفاق اس میں کوئی فرق نہیں کہ بیوی سے ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ ......النور: ۲۴/۶

اگر وہ غیر مدخول بہا ہے تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا کیونکہ یہ شوہر کی جانب سے تفریق ہے اور حنابلہ کے ہاں گونگا اور زبان کی لکنت والے کا لعان ہوگا اور گونگی کا لعان حنابلہ کے ہاں ہوگا کیونکہ وہ اپنے مطالبہ کو نہیں جانتی اور اس بات میں اتفاق ہے کہ وہ گونگا اور گونگی جن کا کوئی معلوم اشارہ نہ ہو اور وہ لکھ نہ سکتے ہوں تو ان میں لعان نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں لعان کرنے والوں میں درج ذیل شرائط رکھی ہیں۔ اسلام قوت گویائی، آزادی عدالت اور نکاح حقیقتاً قائم ہو یا حکماً جیسے طلاق رجعی میں نہ کہ بائن میں جمہور نے ان کی شرائط میں مخالفت کی ہے البتہ مالکیہ کے ہاں شوہر کا مسلمان ہونا شرط ہے اور مکلف ہونے میں سب متفق ہیں یعنی بالغ و عاقل ہونے میں اور جمہور کے ہاں گونگے کا لعان درست ہے۔

حنابلہ اور شوافع نے ❸ لعان کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱.....زوجین کے درمیان لعان ہو اگرچہ دخول سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔

۲.....عورت پر زنا کی تہمت اگرچہ دبر ہی میں کیوں نہ ہو مثلاً تو نے زنا کیا یا اے زانیہ میں نے تجھے زنا کرتے ہوئے دیکھا اور یہ شرط متفق علیہ ہے جیسا کہ پہلے گذرا اور شوہر کو بیوی پر تہمت لگانے کی اجازت ہے اگر زنا کا پتہ ہو یا اسے پکا گمان ہو جیسے اس کا زنا عام ہو جائے۔

❶.....القوانين الفقهية: ۲۴۳ بداية المجتهد: ۲/۱۱۷ ❷مغني المحتاج: ۳/۳۷۸، المهذب: ۲/۱۲۴ المغني: ۷/۳۹۴-۴۰۳.
❸غاية المنتهى: ۳/۲۰۱، ۲۰۲ مغني المحتاج: ۳/۳۶۷، ۳۷۳ المهذب: ۲/۱۱۹ كشف القناع: ۵/۴۵۶-۴۶۳

۳.....عورت اسے جھٹلائے اور یہ لعان ختم ہونے تک جاری رہے۔اگر عورت نے اس کی ایک مرتبہ بھی تصدیق کردی یا عورت نے حد یا تعزیر معاف کردی یا خاموش رہی یا عورت کا زنا اس کے علاوہ چار گواہوں سے ثابت ہوگیا تو لعان نہ ہوگا اور نسب ثابت ہوگا۔

لعان کی زبان......حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں لعان عربی اور عجمی تمام زبانوں میں درست ہے اس لیے کہ لعان قسم یا شہادت ہے اور یہ تمام زبانوں میں برابر ہیں اور عجمی لعان کرنے والا شہادت لعنت اور غضب کے ترجمہ کی رعایت رکھے ❶ اور حنابلہ کے ہاں ❷ اگر زوجین عربی جانتے ہوں تو ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ عربی کے بغیر کسی زبان میں لعان کریں کیونکہ قرآن میں لعان عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

دوسری بات: لعان کے جاری ہونے کی صحت کی شرائط:

حنابلہ اجراء لعان کے لیے چھ شرطیں ذکر کی ہیں بعض متفقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے اور وہ درج ذیل ہیں: ❸

۱.....لعان قاضی یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہو اور یہ شرط متفقہ ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے پاس لائے اور آپ نے ان کے درمیان لعان کروایا نیز اس لیے بھی کہ یہ قسم ہے دعویٰ میں لہٰذا حاکم کے حکم کے بغیر درست نہیں جیسے تمام دعوؤں میں قسم کا حال ہے اور یہ معاملہ کو زوجین میں سے کسی ایک کے حاکم تک پہنچانے سے ہوگا اگر زوجین حاکم کے بغیر ہی آپس میں لعان کرانے پر راضی ہو جائیں تو یہ درست نہیں کیونکہ لعان میں سختی اور تاکید ہے لہٰذا حد کی طرح حاکم کے بغیر جائز نہیں۔

۲.....لعان قاضی کی طلب کے بعد ہو بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک لعان کے لیے آئے قاضی یہ معاملہ چھوڑنے کے بعد اگر انہوں نے قاضی سے پہلے جلدی کی تو لعان درست نہیں جیسے قاضی کے حلف دینے سے پہلے کوئی حلف اٹھالے یہ شرط بھی اتفاقی اور متفقہ ہے۔

۳.....لعان کے پانچ لفظوں کو مکمل طور پر ادا کرنا اگر ان میں سے کوئی لفظ بھی کم کردیا تو لعان درست نہیں اور یہ بھی متفق علیہ شرط ہے۔

۴.....زوجین میں سے ہر ایک لعان کو اس صورت میں کرے جس طرح قرآن نے تحدید کی ہے لفظ کو معنی میں تبدیل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے مثلاً اس لفظ انی من الصادقین کی جگہ لقد زنت کہے یا انه لمن الکاذبین کی جگہ لقد کذب کہے حنابلہ کے ہاں ظاہراً یہ ہے کہ تبدیلی جائز ہے کیونکہ معنی ایک ہی ہے رہ گیا لفظ اشھد کو یمین کے الفاظ سے بدلنا مثلاً احلف (میں حلف اٹھاتا ہوں) اقسم (میں قسم کھاتا ہوں) لفاظ سے تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس کا اعتبار نہیں اس لیے کہ شہادت کا لفظ جہاں معتبر ہے وہاں اس کے قائم مقام کوئی لفظ نہیں ہوسکتا جیسے حقوق کے سلسلہ میں شہادت میں نیز لعان میں چونکہ سختی ہے اور شہادت کے لفظ کا اعتبار سختی میں بلیغ ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم دوسرے لفظ سے کھائے جو اشھد کے قائم مقام ہو تو یہ جائز نہیں اور ظاہر یہی ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

۵.....الفاظ لعان میں ترتیب ہو اور مرد عورت سے پہلے حلف اٹھائے پھر عورت حلف اٹھائے اگر لعنت کے الفاظ کو باقی چار الفاظ سے مقدم کردیا یا عورت نے مرد سے پہلے لعان کیا تو اس کا اعتبار نہیں اور یہ بھی متفق شرط ہے اس لیے کہ لعان حنیفہ کے ہاں شہادت ہے اور عورت کی شہادت کی وجہ سے شوہر کی شہادت کی قدح مقصود ہے لہٰذا شوہر کی شہادت سے پہلے اس کی شہادت درست نہیں۔

۶.....اگر دونوں حاضر ہوں تو ہر ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرنا اور غائب ہو تو پھر اس کا نام لینا اور اس کی طرف نسبت کرنا یہ بھی فقہاء کے درمیان متفقہ ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں زوجین کا اکٹھے حاضر ہونا شرط نہیں اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے غائب ہو تو بھی جائز ہے مثلاً شوہر مسجد کے اندر لعان کرے اور عورت مسجد کے دروازے پر داخل ہونا ممکن نہ ہو لیکن مالکیہ نے لعان کے وقت ایک جماعت کا حاضر

❶.....مغنی المحتاج: ۳/۳۷۶ المھذب: ۲/۱۲۴ ❷ المغنی: ۷/۴۳۸ ❸ المغنی: ۷/۴۳۴، ۴۳۸ المھذب: ۲/۱۲۵، ۱۲۶ مغنی المحتاج: ۳/۳۷۶، ۳۷۸ الشرح الصغیر: ۲/۶۵۸، ۶۶۳، ۶۶۵ الدر المختار: ۲/۸۰۷ وما بعدھا البدائع: ۳/۲۳۷۔

ہونا شرط رکھا ہے اور کم سے کم وہ چار عادل مرد ہوں شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ لعان مسلمان کی جماعت کے سامنے ہو کیونکہ ابن عباس، ابن عمر اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم لعان کے وقت حاضر تھے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کی خاصی تعداد وہاں حاضر تھی کیونکہ بچے مردوں کے تابع ہو کر مجالس میں حاضر ہوتے ہیں نیز اس لیے بھی کہ لعان میں سختی ہے۔" اس میں روک تھام کے لیے مبالغہ کی ضرورت ہے اور لعان ایک کثیر تعداد لوگوں میں کرنا روک تھام کے لیے ابلغ ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ چار سے کم نہ ہوں اس لیے کہ زنا کے گواہ جن کے لیے لعان مشروع ہے وہ بھی چار ہیں۔

مالکیہ نے صحت لعان کے لیے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھنے کے بعد اس سے بالکل وطی نہ کی ہو یا غیر کے حمل کے علم ہونے کے بعد یا وضع ہونے کے بعد اگر مذکورہ صورتوں میں اس نے وطی کر لی تو لعان ممنوع ہو جائے گا اور اس کا اجرا نہ ہوگا۔ اسی طرح لفظ اشہد بھی چار مرتبہ کہنا شرط ہے چاہے عورت کے یا مرد اور پانچویں مرتبہ شوہر کی جانب سے لعنت اور عورت کی جانب سے غضب کے لفظ کا ہونا جیسا کہ قرآنی آیت میں لعان کی قسموں میں وارد ہے۔ اور شوہر لعان کرے اپنی بیوی سے اگر اس نے اسے یقیناً زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور دیکھنا بصیرت کے ساتھ ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے اور اندھا حس ٹٹولنے یا یقینی خبر پر اعتبار کرے اگرچہ عورت کی جانب سے خبر ہو۔

بچے کی نفی کی شرائط۔۔۔ حنفیہ نے ❶ بچے کی نفی اور نسب نہ ماننے کے لیے چھ شرائط ذکر کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱ قاضی کا زوجین کے درمیان تفریق کا حکم کیونکہ تفریق سے پہلے نکاح قائم ہے لہٰذا نفی واجب نہیں۔

۲ امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں بچے کی نفی ولادت کے فوراً بعد یا سات دن کے اندر اندر ہو جو مبارک بادی کے دن ہوتے ہیں اگر اس کے بعد نفی کرے گا تو یہ نفی صحیح نہیں ہوگی اور صاحبین کے ہاں بچے کی نفی کی آخر مدت نفاس یعنی چالیس دن ہیں۔ اور جمہور کے ہاں فی الفور نفی ضروری ہے اگر بلا عذر تاخیر کی تو نفی صحیح نہ ہوگی۔

۳ پہلے سے بچے کا اقرار نہ ہو چاہے دلالۃً یا ضمناً ہی کیوں نہ ہو جیسے بغیر رد و انکار کے مبارک باد قبول کرنا۔

۴ بچہ تفریق کے وقت زندہ ہو۔

۵ اس تفریق کے بعد عورت اسی بطن سے اور بچہ نہ جنے اگر عورت نے ایک بچہ جنا پھر اس نے اس کی نفی کر دی اور حاکم نے ان کے درمیان لعان کرایا اور تفریق کر دی اور بچہ ماں کے ذمہ لگا دیا یا بچہ تفریق کی وجہ سے والدہ کے ذمہ لگ گیا پھر دوسرے دن اس نے ایک اور بچہ جنا تو دونوں بچے شوہر کے ذمہ ہوں گے کیونکہ دوسرے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو گیا جو لعان کو شامل نہیں اس لیے کہ لعان کا حکم تفریق سے باطل ہو گیا لہٰذا دوسرے بچے کا نسب ثابت ہو گا پھر پہلے بچے کا نسب بھی ثابت ہوگا۔

۶ شرعی طور پر بچے کے ثبوت کا فیصلہ نہ ہوا ہو مثلاً عورت نے بچہ جنا اور والد بچے پر گرا اور بچہ مر گیا اور والد کی عاقلہ پر بچے کی دیت کا فیصلہ ہوا پھر والد نے اس کے نسب کی نفی کر دی تو قاضی ان دونوں کے درمیان لعان کرائے گا لیکن بچے کا نسب ختم نہ کرے گا کیونکہ والد کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ اس بات کا فیصلہ ہے کہ بچہ والد کا ہے لہٰذا اس کے بعد نسب ختم نہ ہوگا۔ اور مالکیہ کے ہاں حمل کی نفی کی دو شرطیں پہلے گذر چکی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے ❷ شوہر یہ دعویٰ کرے کہ عقد نکاح کے بعد اس نے بالکل بیوی سے ہمبستری نہیں کی یا ہمبستری تو کی لیکن اس کا رحم ایک حیض سے پاک ہو چکا تھا اگر اس نے عقد کے بعد بالکل وطی نہ کی یا وطی تو کی لیکن عورت نے بچہ اتنی مدت کے اندر جن دیا کہ اس میں وہ نکاح کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتا تھا۔ یا تو مدت کم ہونے کی وجہ سے جیسے مکمل بچہ ایک دو یا پانچ ماہ کے بعد جن دے ہمبستری کے

---

❶ البدائع: ۳ / ۲۴۶ حاشیۃ ابن عابدین: ۲ / ۱۱۸ اللباب: ۳ / ۷۹۔ ❷ الشرح الصغیر: ۲ / ۶۶۰ القوانین: ۲۴۴

بعد اس لیے کہ حمل کی کم سے کم مدت شرعاً چھ ماہ ہے یا مدت لمبی ہونے کی وجہ سے جیسے پانچ سال میں کیونکہ ہمبستری کے بعد مدت حمل زیادہ سے زیادہ چار سال ہے ان دو حالتوں میں شوہر پر اعتماد کیا جائے گا اور معلوم ہوگا کہ بچہ قطعی طور پر شوہر کا نہیں کیونکہ اس نے اس کی نفی کر دی ہے۔ اسی طرح لعان ہوگا اگر اس نے بچے کی نفی کر دی اور وطی کے بعد ایک حیض سے اس کا استبراء کروایا پھر اس نے استبراء کے دن سے چھ ماہ کے بعد بچہ جن دیا تو وہ بھی قطعی طور پر اس کا نہیں بچے کی نفی کرے پیدا ہونے سے پہلے اگر بلا عذر وہ ایک دن بھی خاموش رہا کہ عورت نے بچہ جن دیا تو شوہر کو حد لگائی جائے گی اور لعان نہ ہوگا۔

شوافع کے ہاں ❶ دوران حمل یا ولادت کے بعد فی الفور بچے کی نفی کرنا صحیح ہے اگر اس نے بغیر عذر کے تاخیر کی یا مبارک باد قبول کر لی تو نفی کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ تاخیر کرنے سے اقرار لازم آتا ہے اگر اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے پیدائش کا علم نہ تھا اب اگر وہ ایسی جگہ پر تھا جو عورت کے قریب ہے جیسے گھر یا محلے میں تو پھر اس کی بات معتبر نہ ہوگی کیونکہ وہ خلاف ظاہر کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن اگر وہ ایسی جگہ پر تھا جہاں سے اس پر وہ مخفی رہ سکتا تھا مثلاً کسی بڑے شہر میں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ جو دعویٰ کر رہا ہے وہ ظاہر ہے ان کے ہاں دو جڑواں بچوں میں سے ایک کی نفی درست نہیں اگر عورت نے دو جڑواں بچے جنے اور شوہر نے ایک کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کیا یا اس نے اس کی نفی بغیر عذر کے کر دی تو دونوں بچے اسی سے ملحق ہوں گے کیونکہ دونوں ایک ہی حمل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ وہ ایک رحم میں دو بچے دو آدمیوں کے پانی سے جمع فرمائیں جب رحم میں منی چلی جاتی ہے تو اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس میں دوسری منی نہیں جا سکتی لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ایک بچے کو تو اس سے ملحق کیا جائے اور دوسرے کو نہیں۔ اور شوہر کو لازم ہے اگر اس نے نفی کر دی بچے کی جو اس کی بیوی نے جنا اور شوہر کو معلوم بھی ہے کہ یہ میرا نہیں بایں طور کہ اس نے عورت سے ہمبستری کی اور ہمبستری کے بعد چھ ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا یا چار سال کے بعد جنا لیکن اگر عورت نے ہمبستری کے بعد چھ ماہ کے دوران یا چار سال کے دوران بچہ جنا اور ہمبستری کے بعد حیض سے استبراء نہیں ہوا تھا تو بچے کی نفی کرنا لعان کے ذریعہ حرام ہے عورت کی رعایت کرتے ہوئے ❷ اگر استبراء کے بعد چھ ماہ کے بعد اس نے بچہ جنا یا چھ ماہ سے زیادہ کے بعد جنا سے تو اصح قول کے مطابق لعان کے ذریعہ بچے کی نفی کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ نفی نہ کرے اس لیے کہ حاملہ کو بھی کبھی کبھی خون آتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❸ لعان کے ذریعہ بچے کی نفی کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

۱..... پہلے بچے کا اقرار نہ کیا ہو جڑواں نہ ہوں یا جو اقرار پر دلالت کرتا ہے جیسے دو جڑواں میں سے ایک کی نفی کرے اور دوسرے سے خاموش رہے یہ شرط شوافع کے موافق ہے۔

۲..... ولادت کے بعد بچے کی نفی جلدی کرے اگر اسے مبارک دی گئی اور وہ خاموش رہا یا دعا پر آمین کی یا ممکن ہونے کے باوجود نفی کو مؤخر کیا اس کی موت کی انتظار میں بلا عذر مثلاً بھوک پیاس یا نیند نہ ہونے کے باوجود تو نفی کا حق اس کا ساقط ہو جائے گا۔ اگر شوہر نے کہا مجھے بچے کا پتا نہ تھا اور نفی کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کی مثلاً قید ہونے یا بیماری ہونے یا غائب ہونے یا مال کی حفاظت وغیرہ کرنے کی وجہ سے تو اس کا حق ساقط نہ ہوگا یہ بھی شوافع کے موافق ہے۔

۳..... کہ لعان میں زوجین میں سے ہر ایک بچے کی نفی کا ذکر کریں کیونکہ دونوں ایک چیز پر حلف اٹھا رہے ہیں لہٰذا ان کے حلف کے دوران اس کا ذکر شرط ہے اگر لعان میں بچے کا تذکرہ نہ کیا تو شوہر سے وہ نفی نہ ہوگی اور شوافع کے ہاں لعان میں صرف شوہر کا ہی بچے کا ذکر کرنا کافی

---

❶..... مغنی المحتاج: ۳۷۳۵۳۔۳۸۱، ۳۸۳، المهذب: ۱۲۲/۲، ۱۲۳ ❷ رواه ابو داؤد والنسائی وغيره هما عن ابی هريرة انه صلى الله عليه وسلم قال: ايما رجل جحد ولده وهو ينظر اليه احتجب الله منه يوم القيمة وفضحه على رؤس الخلائق ❸ المغنى ۴۱۶/۷، ۴۱۷، ۴۳۹ غاية المنتهى: ۲/۳۰۴۔

ہے اور عورت کو اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ وہ تو اس کی نفی نہیں کر رہی ۱۰ اور بچے کا ذکر کرنا یہ علامہ خرقی کے کلام سے ظاہر ہے اور حنابلہ کے ہاں یہی راجح ہے کہ شوہر دوران لعان کہے کہ یہ بچہ میرا بچہ نہیں اور عورت کہے یہ بچہ اسی کا بچہ ہے قاضی ابویعلی اور شوافع کے ہاں: شرط یہ ہے کہ شوہر اس طرح کہے: یہ بچہ زنا کا ہے اور مجھ سے نہیں اس لیے کہ کبھی کبھی (لیس حومنی) سے خلقت اور اخلاق کے اعتبار سے نفی ہوتی ہے لہٰذا اس کا ذکر تاکید کے لیے ضروری ہے۔

۴. لعان زوجین میں دونوں کی طرف سے ہو اور یہ اکثر علماء کا قول ہے اور شافعی نے فرمایا صرف شوہر کے لعان ہی سے بچے کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے کہ بچے کی نفی شوہر کی قسم اور لعان سے ہوتی ہے نہ کہ عورت کی قسم سے شوہر کی تکذیب پر نیز عورت کی یمین کا نفی نسب میں کوئی معنی نہیں وہ تو اسے ثابت کر رہی ہے اور اس کی بات کو جھٹلا رہی ہے جو اس کی نفی کر رہا ہے اور عورت کا لعان تو حد سے بچنے کے لیے ہے اور جمہور نے ان کا رد کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی نفی دونوں کے لعان کے بعد کی ہے۔

۵. دونوں لعان کے الفاظ کو مکمل طور پر ادا کریں۔

۶. عورت کے لعان سے پہلے شوہر لعان کرے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اگر اس کے برعکس کیا تو یہ خلاف سنت ہے لیکن تفریق جائز ہے اور بچے کی نفی ہو جائے گی۔

چوتھا: مقصد: لعان کی کیفیت اور اس میں قاضی کا کردار..... لعان کی کیفیت اور اس کی ماہیت پر فقہاء کا اتفاق ہے ❶ اور وہ کیفیت یہ ہے: جب شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا اس کے بچے کے نسب کی نفی کرے نہ تو شوہر کے پاس گواہ ہوں اور نہ ہی عورت اس کی تصدیق کے لیے تیار ہو اور شوہر پر حد قذف کا مطالبہ کر رہی ہو تو قاضی اسے لعان کا حکم دے بایں طور کہ قاضی شوہر سے ابتداء کرے اور شوہر قاضی کے سامنے چار مرتبہ یہ الفاظ کہے:

اشهد بالله انی لمن الصادقين فيما رميتها به من الزنا اونفی الولد

میں اللہ کے لیے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے عورت پر جو زنا کی تہمت یا بچے کی نفی کی ہے اس میں میں سچا ہوں۔

اگر عورت حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کر کے مقصود کی تحدید کرے اگر حاضر نہ ہو تو اس کا نام لیتے ہوئے کہے پھر پانچویں مرتبہ کہے:

لعنة الله عليه ان كا ن من الكاذبين فيما رماها به من الزنا اورنفی الولد

یعنی مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں اس زنا کی تہمت یا بچے کی نفی میں جھوٹا ہوں اور ان تمام باتوں میں شوہر عورت کی طرف اشارہ کرے۔

پھر چار مرتبہ عورت بھی اسی طرح کہے:

میں اللہ کے لیے گواہی دیتی ہوں کہ شوہر زنا کی تہمت یا بچے کی نفی میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے اگر وہ زنا یا بچے کی نفی میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اور عورت کی جانب میں غضب کو خاص کیا گیا کیونکہ یہ لعنت سے سخت ہے نیز اس لیے بھی کہ عورتیں لعنت کرنے پر جری ہیں اور اپنے کلام میں بہت زیادہ لعنت کو استعمال کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لہٰذا غضب کے لفظ کو اختیار کیا گیا تاکہ عورت تقویٰ اختیار کرے اور آئندہ لعنت کا اقدام نہ کرے نیز اس لیے بھی کہ عورت کا جرم یعنی زنا وہ مرد کے جرم یعنی قذف تہمت سے بڑا ہے۔ باقی لعان میں ابتداء شوہر سے اس لیے ہوتی ہے کہ وہ مدعی ہے اور دعووں میں ابتداء مدعی سے ہوتی ہے اور اس کیفیت کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ

❶ ..... اللباب: ۳/۵۶ ردالمحتار: ۲/۸۱۰ الشرح الصغير: ۲/۶۶۴ القوانين الفقهية ۲۴۴ بداية المجتهد: ۲/۱۱۸ مغنی المحتاج: ۳/۳۷۴ المهذب: ۲/۱۲۶ غاية المنتهى: ۳/۱۹۹ المغنی: ۷/۴۳۶.

اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور سنت نبوی میں اس کیفیت کی تاکید ثابت ہے کئی احادیث میں ان میں سے ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ نے پوچھا اے اللہ کے رسول اس بارے میں کیا حکم ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے پائے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اگر بات کرتا ہے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو بھی یہ بہت مشکل بات ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ النور: ۲۴/۶۔۹

اور آپ نے کوئی جواب نہ دیا پھر کچھ عرصہ بعد آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ جس چیز کے بارے میں نے آپ سے پوچھا تھا میں اس میں مبتلا ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے سورت نور کی یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات ان کو پڑھ کر سنائیں اور انہیں نصیحت کی اور یاد دہانی کروائی اور انہیں بتایا کہ دنیا کی تکلیف اور عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تو انہوں نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اپنی بیوی پر جھوٹ نہیں بولوں گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اسے بھی نصیحت کی اور بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے تو عورت کہنے لگی بخدا جس ذات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے بے شک میرا شوہر جھوٹ بول رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد سے ابتداء کی اس نے چار مرتبہ گواہی دی کہ میں اللہ کے لیے گواہی دے رہا ہوں کہ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہا مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی طرف متوجہ ہوئے اس نے بھی چار مرتبہ گواہی دی کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہے پھر آپ نے ان میں تفریق کردی۔ ❶ لعان میں ابتداء کرنا شوہر سے یہ جمہور کی رائے ہے اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اگر عورت سے ابتداء ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے اور علامہ کاسانی نے بدائع میں فرمایا: مناسب یہ ہے کہ اس کا اعادہ کیا جائے کیونکہ لعان عورت کی شہادت ہے اور اس کی شہادت شوہر کی شہادت پر قدح کے لیے ہے لہٰذا اس کی شہادت ہونے کے بعد بھی اس کی درست ہوگی۔

لعان کے مندوبات اور قاضی کا کردار...... درج ذیل چیزیں قاضی کے لیے سنت ہیں:

۱...... لعان سے پہلے دونوں کو وعظ و نصیحت کرے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے آخرت کے عذاب سے ڈرائے جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر اور ان کی بیوی کو عذاب سے ڈرایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اس لیے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کم ہے اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا...... آل عمران: ۳/۷۷۔

اور ان دونوں سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا تم دونوں کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے کیا تم میں سے کوئی ایک ہے جو توبہ کرے۔

۲...... قاضی اس وقت تک لعان کا فیصلہ نہ کرے جب تک اسے ان دونوں کے نکاح کا ثبوت نہ مل جائے۔ ❷ دونوں میاں بیوی کھڑے ہو کر لعان کریں تاکہ لوگ ان دونوں کو دیکھ لیں اور ان کا معاملہ مشہور ہو جائے مرد اپنے لعان کے وقت کھڑا رہے اور عورت بیٹھی رہے، پھر عورت اپنے لعان کے وقت کھڑی ہو اور مرد بیٹھ جائے اور لعان کرنے والے الفاظ لعان کو دہرائیں اور وہ چار کلمے ہیں۔

۳...... لعان کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو کم سے کم چار عادل مرد ہوں اور مالکیہ نے انہیں واجب قرار دیا ہے ❸ اور لعان کو خوب سخت کرے زمانے اور جگہ کے اعتبار سے یہ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں بایں طور کہ نماز کے بعد لعان کرے کیونکہ اس میں جھڑک

❶......حديث متفق عليه بين احمد والبخاري ومسلم عن سعيد بن جبير عن بن عمر (نيل الاوطار ٦/ ٢٦٧) ❷القوانين الفقهية ٢٤٤ الشرح الصغير: ٢/ ٦٦٥ المغنى ٧/ ٤٣٤ غاية المنتهى: ٣/ ٢٠٠ كشاف القناع: ٥/ ٤٥٤ ❸وروى مسلم انا من مجلس الامام على المنبر الى ان تنقضى الصلاة وصوبه النووى۔

اور بہتر ہے یا نماز عصر کے بعد کیونکہ راجح قول کے مطابق یہ نماز وسطیٰ ہے یا جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد کیونکہ قبولیت کی گھڑی اسی میں ہے جیسا کہ ابوداؤد اور نسائیؒ نے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے نیز عصر کے بعد جھوٹی قسم گناہ کے اعتبار سے بڑی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں فرمائیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور انہی میں ایک وہ آدمی بھی شمار کیا جو عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائے اور اس کے ذریعہ مسلمان کا مال حاصل کرے ❶ اور مسلمان کا لعان مسجد میں ہونا چاہیے کیونکہ یہ سب سے معزز ترین جگہ ہے اور مالکیہ نے واجب کیا نیز اس میں جھوٹی قسم سے روکنے کی تاثیر ہے اور مکہ میں سب سے معزز جگہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کی درمیانی جگہ ہے اور ان دونوں کی درمیان جگہ کو حطیم کہا جاتا ہے اور مدینہ میں منبر کے پاس قبر شریف سے ملی ہوئی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو بھی مرد یا عورت میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے تو اس پر جہنم واجب ہے ❸ اور بیت المقدس میں لعان مسجد میں صخرہ کے پاس کیونکہ یہ اس کا معزز ترین حصہ ہے۔ نیز یہ انبیاء کرام کا قبلہ بھی ہے اور ابن حبان میں روایت ہے کہ وہ جنت کا حصہ ہے اور ان تین مساجد کے علاوہ باقی مساجد میں لعان جامع مسجد کے منبر کے پاس ہو کیونکہ یہ معظم جگہ ہے اور حائضہ نفاس والی اور متحیرہ مسلمان عورت جامع مسجد کے دروازے پر لعان کرے۔ ذمی اور کتابی بیعہ اور کنیسہ میں لعان کریں۔ اس لیے کہ ان کے عبادت خانے ان کے ہاں ایسے ہیں جیسے ہمارے ہاں مساجد اور مجوسی اپنے آتش کدہ میں لعان کرے کیونکہ وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور مقصد جھوٹ سے روکنا ہے اور قاضی بھی وہاں پر حاضر ہو ان کے اعتقاد کی رعایت کرتے ہوئے اور بت خانہ میں لعان نہ ہوگا کیونکہ بت خانہ کی حرمت نہیں اور ان کے اس بارے میں اعتقادات درست نہیں حنابلہ میں سے قاضی ابویعلی اور حنیفہ کے ہاں کسی جگہ اور زمانے کی وجہ سے لعان میں کوئی سختی نہیں آتی کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مطلق حکم دیا ہے اور کسی زمانے جگہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا: لہٰذا بغیر دلیل کے مقید کرنا جائز نہیں اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت حاضر کرنے کا حکم فرمایا اور زمانے کے ساتھ اسے خاص نہیں فرمایا اگر آپ نے خاص کیا ہوتا تو وہ منقول ہوتا اور اسے چھوڑا نہ جاتا۔

پانچواں مقصد: زوجین میں سے اگر کوئی لعان سے انکار یا رجوع کرے تو کیا واجب ہوتا ہے..... قاضی کی طلب کے بعد کبھی کبھی زوجین میں سے کوئی ایک لعان سے رک جاتا ہے اور کبھی لعان سے رجوع کر لیتا ہے اور اپنی تکذیب کرتا ہے تو اس وقت قاضی کیا کرے؟ زوجین میں سے کسی ایک کا طلب لعان کے بعد لعان سے رک جانا اس کے حکم بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ ❹

(الف)۔ حنیفہ کے ہاں اگر شوہر لعان سے رک جائے تو اسے قید کر دیا جائے یا تو وہ لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے تو اسے حد قذف لگائی جائے اور اگر عورت لعان سے رک جائے تو اسے قید کیا جائے تاکہ وہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اگر اس نے تصدیق کر دی تو بغیر حد کے اسے چھوڑ دیا جائے گا اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ (النور: ۲۴/۸) حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قید مراد ہے۔

(ب)..... جمہور کے ہاں بیوی یا شوہر میں سے جو بھی لعان سے رک جائے یا رجوع کرے تو اسے حد قذف لگے گی کیونکہ لعان حد زنا کا بدل ہے۔

---

❶ متفق علیہ ❷ رواه النسائي، وصححه ابن حبان ❸ رواه ابن ماجه وقال الحاكم صحيح على شرط الشيخين

❹ الدر المختار ۲/۱۰۱، اللباب ۳/۷۵، البدائع: ۳/۲۳۱، بداية المجتهد ۲/۱۱۹، القوانين الفقهية ۲۴۵، مغني المحتاج: ۳/۳۷۴۔۳۷۶، المهذب: ۲/۱۱۹، المغني: ۷/۳۹۲۔۳۹۹، غاية المنتهى: ۳/۲۰۲، كشاف القناع ۵/۹۳۔

چونکہ ارشادباری تعالیٰ ہے وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ (النور:۲۴/۸) یعنی دنیاوی عذاب جوکہ حد ہے لہٰذا بیوی سے صرف لعان ہی کی وجہ سے حد ساقط ہوسکتی ہے، البتہ حنابلہ حنفیہ کے ساتھ ہیں اگر بیوی لعان سے رک جائے تو اسی آیت کی دلالت کی وجہ سے اگر وہ لعان نہیں کرتی تو ضروری ہے کہ اس سے عذاب نہ ٹلے لہٰذا اسے قید کیا جائے گا یا تو چار مرتبہ وہ زنا کا اقرار کرے یا پھر لعان کرے حنیفہ اور جمہور کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ بیوی کے قذف کی صورت میں موجب اصلی کیا ہے آیا لعان ہے یا حد ہے تو حنیفہ کے ہاں واجب اصلی لعان ہے اور یہ واجب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ النور:۲۴/۶

یعنی ان میں سے ہر ایک چار شہادتیں دے پس اللہ تعالیٰ نے بیویوں کی تہمت میں لعان کو موجب قرار دیا ہے۔ پس جو حد واجب کررہے ہیں وہ نص کی مخالفت کررہے ہیں۔ لہٰذا حدِ قذف کی آیت بیویوں کی نسبت سے مردوں کے حق میں منسوخ ہے اور بیوی کو تہمت لگانے پر لعان واجب ہے جب شوہر اس سے رکے گا تو اسے قید کیا جائے گا تاکہ وہ لعان کرے جیسے کہ قرض دار (مدیوں) میں دین کی ادائیگی رک جائے تو اسے قید کیا جاتا ہے ادائیگی تک۔ اور جمہور کے ہاں موجب اصلی تو حد قذف ہے اور لعان اسے ساقط کرنے والا ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً النور:۲۴/۴

یہ شوہر اور اجنبی دونوں کے لیے عام ہے اور ہر تہمت لگانے والے پر حد واجب ہے چاہے شوہر ہو یا کوئی اور پھر خاوند کے لیے لعان ان چار گواہوں کے قائم مقام ہے جن کی شہادت سے زنا ثابت ہوتا ہے لہٰذا جب وہ اس سے رک گیا تو اس پر موجب اصلی یعنی حد قذف واجب ہے نیز اس لیے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ سے فرمایا تھا یا تو گواہ پیش کرو پھر تمہاری پیٹھ پر حد پڑے گی اور جمہور کی رائے راجح ہے ان کے دلائل کی قوت کی وجہ سے قرآن وسنت سے اسی بناء پر جب شوہر اپنی محصن اور پاکدامن بیوی پہ تہمت لگائے تو اس پر حد قذف لگے گی اور اس کے فسق کا حکم ہوگا اور اس کی شہادت رد کردی جائے گی الّا یہ کہ وہ گواہ لائے یا لعان کرے اگر وہ چار گواہ نہ لایا یا لعان سے رک گیا تو اس پر یہ سب لازم ہوگا اور کبھی شوہر پر لعان سے رکنے کی وجہ سے صرف تعزیر لگتی ہے جیسے غیر محصنہ بیوی مثلاً کتابیہ باندی مجنونہ اور بچی پر تہمت لگانے کی حالت میں اس پر صرف تعزیر واجب ہے کیونکہ تہمت کی وجہ سے عار لاحق ہوا ہے عورت کو اور ان عورتوں کو حد نہیں لگے گی مذکورہ نقصانات کی وجہ سے اور اس کی وجہ سے شوہر کو فاسق شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی شہادت رد ہوگی کیونکہ انہیں تہمت لگانے سے حد واجب نہیں ہوتی اور شوہر تعزیر سے بچنے کے لیے لعان کرسکتا ہے کیونکہ تہمت کی تعزیز ہے اسی سے قاعدہ بنا کہ ہر وہ جگہ جہاں لعان نہیں ہوسکتا تو وہاں نسب شوہر سے ملحق ہوگا اور قذف کی وجہ سے اس کا موجب حد یا تعزیر واجب ہوگی الّا یہ کہ تہمت لگانے والا بچہ یا پاگل ہو تو اس میں ہے نہ تعزیر اور لعان بھی بالاتفاق نہیں۔

شوہر کا لعان سے رجوع کرنا...... اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کرے تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے (1) کہ اسے حد قذف لگے گی اور بیوی کو قاضی سے حد کے مطالبہ کا حق حاصل ہے چاہے وہ اپنی تکذیب عورت کے لعان سے پہلے کرے یا بعد میں کیونکہ شوہر کے حق میں لعان گواہوں کے قائم مقام ہے پس جب وہ اپنی تکذیب کرے یا بایں طور کہے کہ میں نے عورت پر جھوٹ بولا ہے تو اس نے عورت کی حرمت وعزت کی توہین کی اور اس پر تہمت کو مکرر ذکر کیا تو اس تہمت سے جو حد واجب ہے اس سے کم حد نہیں لگے گی۔ اگر وہ اب دوبارہ اپنی تکذیب سے رجوع کررہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اس کے زنا کے گواہ موجود ہیں یا لعان سے اپنے اوپر سے حد ساقط کرنا چاہتا ہے تو اس کی یہ

(1)......الدر المختار: ۲/۸۱۲ اللباب ۲/۷۵ بداية المجتهد: ۲/۱۲۰ القوانين ۲۴۵ مغني المحتاج: ۳/۳۸۰ غاية لسنتهى: ۳/۲۰۲، ۲۰۴ كشاف القناع: ۵/۴۶۸۔

بات مسموع نہیں ہوگی اس لیے کہ گواہ یا لعان تو اس کی بات کی تحقیق کے لئے ہیں اور وہ اپنی تکذیب کا اقرار کر چکا ہے لہٰذا یہ مسموع نہیں۔

یہ سب احکام اس صورت میں ہیں جبکہ تہمت زدہ عورت پاکدامن ہو لیکن اگر غیر محصنہ ہے تو پھر شوہر پر صرف تعزیر ہوگی۔ اور اگر شوہر نے عورت کے لعان سے پہلے اپنی تکذیب کر دی تو اسے حد قذف لگے گی اور نکاح باقی رہے گا اور اس کی وہ بیوی ہی رہے گی لیکن اگر عورت کے لعان کے بعد اپنی تکذیب کرے تو وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی اور جب بچے کی نفی کرنے والا نفی کے بعد اپنی تکذیب کر دے اور لعان کے بعد تو بچے کا نسب اس کے ساتھ ملحق ہوگا چاہے بچہ زندہ ہو یا مردہ امیر ہو یا غریب اس لیے کہ لعان قسم اور شہادت (گواہی) ہے جب وہ اس کا اقرار کر دے گا جو اس کے مخالف ہے تو اپنے اقرار میں پکڑا جائے گا اور لعان کا حکم ساقط ہو جائے گا پھر نسب میں ممکن حد تک احتیاط ہوتی ہے اور والد اور اولاد کے درمیان توارث تمام ہو جائے گا کیونکہ وارثت نسب کے تابع ہے اور نسب ثابت ہو گیا ہے لہٰذا وراثت اس کے تابع ہوگی۔

چھٹا مقصد: **الفاظ لعان شہادات ہیں یا قسمیں**...... لعان کرنے والوں کی شرائط کی بحث میں واضح ہو گیا کہ حنفیہ کے ہاں لعان اس کا جائز ہے جو شہادت کا اہل ہو لہٰذا لعان صرف مسلمان آزاد اور عادل لوگوں کے درمیان ہوگا اور ان میں آزادی عقل بلوغ اسلام اور گویائی اور پہلے سے حد قذف نہ لگی ہوئی ہونا شرط ہے۔ اور جمہور کے ہاں مکلّف میاں بیوی کا لعان درست ہے چاہے مسلمان ہوں یا کافر عادل ہوں یا فاسق محدود فی القذف ہوں یا نہ اور گونگے اور محدود فی القذف گونگے اور کافر کے سلسلہ میں منشاء اختلاف یہ ہے کہ آیا الفاظ لعان شہادات ہیں یا قسموں میں سے ہیں تو حنفیہ کے ہاں ❶ لعان ایسی شہادات ہیں جو قسموں سے مؤکد اور لعنت وغضب سے ملی ہوئی ہوں اور شوہر کی جانب سے یہ حد قذف کے قائم مقام ہیں اور بیوی کی جانب سے یہ حد زنا کے قائم مقام ہیں اور حنفیہ کی دلیل لعان والی آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ...... النور ۲۴/۶

اللہ رب العزت نے شوہروں کو شہدا قرار دیا اور لعان کو شہادت اس نص قرآنی فشهادة احدهم میں اور اس کی تعداد کو بھی شہادت زنا کی تعداد کے برابر رکھا جب لعان شہادت ہے تو اس میں وہی شرائط ہوں گی جو ایک مسلمان پر شہادت کی ہونی چاہیں۔

جمہور کے ہاں ❷ الفاظ لعان کو شہادت کا نام دیا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ قسمیں ہیں اور لعان قسم ہے اگرچہ اسے شہادت کا نام دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے قصہ لعان میں ارشاد ہے اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو میں اس عورت کو اچھی سزا دیتا ❸ نیز اس لیے بھی کہ لعان میں اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا ضروری ہے اور جواب قسم کا تذکرہ بھی اگر یہ شہادت ہوتی تو پھر اس کی ضرورت نہ تھی نیز اس میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں اگر شہادت ہوتی تو عورت کے حق میں نصف ہوتی۔ نیز اس کا چار بار تکرار واجب ہے اور شہادت میں تکرار نہیں ہوتا اور قسمیں مکرر ہوتی ہیں جیسے قسامت کی قسمیں۔ نیز لعان طرفین سے ہوتا ہے اور شہادت تو صرف ایک جانب یعنی مدعی کی جانب سے ہوتی ہے باقی لعان کو جو شہادت کا نام دیا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ لعان کرنے والا اپنی قسم میں کہتا ہے کہ میں اللہ کے لیے گواہی دیتا ہے تو لعان کو شہادت کہہ دیا گیا اگرچہ ہے قسم اور کبھی کبھی قسم کو شہادت سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے اس فرمان باری تعالیٰ میں اذاجاء ک المنافقون قالوا نشهد (المنافقون: ۶۳/۱)

پھر فرمایا: اتخذو ایمانهم جنة اور اس لیے کہ لعان پر اجماع ہے اگر لعان شہادت ہو تو پھر اس کا لعان جائز نہ ہوتا۔ جب لعان قسم ہے تو پھر اس میں وہ شرائط نہیں جو شہادت میں ہوتی ہیں اور اس اختلاف کا ثمرہ گونگے میں نکلتا ہے کہ جمہور کے ہاں گونگا اگر سمجھا سکے تو لعان کرے گا جبکہ حنفیہ کے ہاں گونگا لعان نہیں کر سکتا کیونکہ شہادت کا اہل نہیں۔ میرے ہاں جمہور کی رائے راجح ہے کیونکہ ان کے دلائل سنت اور معقول کے قوی ہیں نیز لعان حاجت اور ضرورت کی وجہ سے مشروع ہے اور حاجت لوگوں کے لیے وسعت پیدا کرتی ہے اگرچہ وہ شہادت

---

❶ ..... البدائع ۳/۲۴۱ وما بعدها اللباب: ۳/۷۵، ۷۸. ❷ بداية المجتهد: ۲/۱۱۸ مغنى الحتماج: ۳/۲۴ المغنى: ۷/۳۹۲ ومابعدها ❸ رواه الجماعة الاسلما والنسائى عن ابن عباس (نيل الاوطار ۶/۲۷۴)

کے اہل نہ بھی ہوں اور یہی رائے ہے اھل بیت کی بھی۔

ساتواں مطلب......لعان کے احکام وآ ثار:

قاضی کے سامنے زوجین کے لعان کے درج ذیل آ ثار ہیں (۱) حد قذف کا یا تعزیر کا شوہر سے ساقط ہونا اور بیوی سے حد زنا کا ساقط ہونا اگر شوہر لعان نہ کرے تو حنفیہ کے علاوہ کے ہاں شوہر پر حد قذف واجب ہے جبکہ بیوی پاکدامن ہو اور اگر غیر محصنہ ہے تو تعزیز واجب ہے اور اگر عورت لعان نہ کرے تو اس پر شوافع اور مالکیہ کے ہاں اگر باکرہ ہے تو حد زنا کوڑے اور اگر شادی شدہ ہے تو رجم ہوگا (۲) زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے سے لعان کے بعد کسی قسم کا استمتاع وطی وغیرہ حرام ہے اگر چہ قاضی کی تفریق سے پہلے ہی ہو حدیث میں ہے لعان کرنے والے کبھی بھی جمع نہیں ہوسکتے۔ ان دونوں کے درمیان تفریق کا واجب ہونا اور حنفیہ کے ہاں قاضی کے علاوہ یہ تفریق مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ ہلال بن امیہ کے واقع میں ابن عباس کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کروادی۔ (۳) اس کا تقاضا یہ ہے کہ تفریق اس سے پہلے نہ ہوا گر تفریق سے پہلے ان میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور اگر شوہر نے طلاق دے دی تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں حاکم کے فیصلہ کے بغیر بھی لعان سے فرقت واقع ہوجائے گی اس لیے کہ تفریق کا سبب لعان ہے جو پایا گیا لہٰذا اس سے تفریق ہوجائے گی قاضی کی تفریق کے بغیر بھی اور عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کی جائے گی اور وہ کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: صرف شوہر کے لعان ہی سے تفریق ہوجائے گی اگر چہ عورت لعان نہ بھی کرے کیونکہ یہ تفریق قول سے ہوتی ہے لہٰذا طلاق کی طرح صرف شوہر کے قول سے تفریق ہوجائے گی۔ ابن قدامہ نے مغنی میں فرمایا: اس قول میں امام شافعی کی موافقت کرنے والے کسی ایک کو بھی ہم نہیں جانتے (۴) امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں یہ تفریق طلاق بائن ہے کیونکہ قاضی کی تفریق سے ہوتی ہے جیسے کہ عنین ہونے کی وجہ سے تفریق میں اور قاضی کی جانب سے ہونے والی ہر تفریق طلاق بائن ہے لیکن عورت دوبارہ زوجیت میں نہیں آسکتی سوائے دو حالتوں کے:

(الف)......یہ کہ شوہر اپنی تکذیب کرے اگر چہ دلالۃ ہی ہو جیسے نفی کیا گیا بچہ مر گیا اور شوہر نے اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا کیونکہ یہ شہادت سے رجوع شمار کیا جاتا ہے اور شہادت سے رجوع کے بعد شہادت کا حکم باقی نہیں رہتا اور پھر حد قذف لگے گی، اور بچے کا اس سے نسب ثابت ہوگا اسی طرح عورت بھی اس کی زوجیت میں آسکتی ہے اگر وہ اس کی تصدیق کردے۔

(ب)......یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک اہلیت شہادت سے نکل جائے اس لیے کہ اس سے سبب تفریق منتفی ہوتا ہے اگر عورت نے زنا کیا یا کسی اور نے اسے تہمت لگائی اور اسے حد لگی تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے کیونکہ عورت کی جانب سے اہلیت لعان ختم ہوگیا جب طلاق بائن ہے تو عورت کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے دوران عدت اور اگر وہ معتدہ ہی رہے تو دو سال تک نسب ثابت ہوگا اگر معتدہ نہیں تو چھ ماہ تک۔

جمہور اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں...... لعان سے ہونے والی تفریق فسخ ہے جیسے رضاعت سے ہونے والی تفریق اور اس سے حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے اس کے بعد لعان کرنے والے کبھی بھی زوجیت میں نہیں آسکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

---

(۱)......البدائع ۴/۲۴۴۔۲۴۸ فتح القدیر::۳/۲۵۳ الدر المختار:۲/۸۰۶ اللباب:۳/۷۷،۷۸ القوانین الفقهية :۲۴۴ بداية المجتهد:۲/۱۲۰ الشرح الصغير:۲/۶۶۸ المقدمات المهدات ۱/۶۳۷ (۲) مغنى المحتاج:۳/۳۷۶ المهذب:۲/۱۲۷ المغنى ۷/۴۱۰ غاية المنتهى:۳/۲۰۳ (۳) رواه الدراقطنى عن ابن عباس وراه ابو داؤ عن سهل بن سعد (نيل الاوطار ۶/۲۷۱) (۴) رواه احمد وابوداؤد (نيل الاوطار:۶/۲۷۴۔

لعان کرنے والے کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے، نیز لعان طلاق نہیں لہٰذا فسخ ہے اور لعان واجب ہوا اور یہی تفریق کا سبب بھی ہے رہ گیا شوہر کا اپنی تکذیب کرنا یا لعان کرنے والوں میں سے کسی ایک کا اہلیت شہادت سے نکل جانا تو یہ سبب تفریق کے وجود کی نفی نہیں کر سکتا بلکہ وہ باقی ہے اور اس کا حکم بھی باقی رہے گا اور شافعی کی رائے ہے کہ تفریق شوہر کے لعان سے ہوتی ہے اگرچہ بیوی لعان نہ بھی کرے اگر وہ جھوٹا ہے یا اپنی تکذیب کرتا ہے تو یہ اس کے لیے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے مفید نہیں اور اس سے ہمیشہ کی حرمت ختم نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ دونوں اس کے حق تھے جو اس نے لعان سے باطل کر دیئے لہٰذا اب ان کے لوٹانے کا وہ مالک نہیں برخلاف حد اور لحوق نسب کے یہ دونوں لوٹ سکتے ہیں کیونکہ یہ اس کے حق کے خلاف ہیں بچے کا نسب شوہر سے ختم ہو جائے گا اور وہ اپنی والدہ سے ملحق ہو جائے گا جبکہ لعان نفی نسب کا ہو تو اور نفی نسب پر وارث نہ ہونا نفقہ لازم نہ ہونا وغیرہ آثار مرتب ہوں گے چاہے والدین کا ہر اولاد پر نفقہ ہو یا بیٹوں کا والدین پر۔

اور بعض احکام بچے کی نسبت سے ہوں گے اور وہ شہادت کا جائز نہ ہونا ہے بچے کے لیے اس کے اصل کا لعان کرنے والے کا یا اصل کا فرع کے لیے اور جس نے اس بچے کو قتل کر دیا اس پر قصاص نہ ہونا اور کسی غیر سے اس کا نسب ملحق کرنا جائز نہ ہونا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ شخص اپنی تکذیب کرے تو پھر نسب اس کی طرف منتقل ہوگا اور حرمت کا باقی رہنا لہٰذا جائز نہیں کہ وہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس بچے سے کرے کیونکہ احتمال ہے اس کا بیٹا ہو۔

آٹھواں مقصد: لعان واجب ہونے کے بعد کن چیزوں سے ساقط ہوتا ہے اور کن چیزوں سے تفریق سے پہلے لعان کا حکم باطل ہوتا ہے:

پہلی بات: کن چیزوں سے لعان واجب ہونے کے بعد ساقط ہوتا ہے حنفیہ کے ہاں [1] درج ذیل چیزوں سے لعان ساقط ہوتا ہے:

۱ لعان کی اہلیت کا نہ ہونا یعنی وہ چیز جو اصل سے ہی لعان کو ممنوع قرار دیتی ہے ہر وہ چیز جو وجوب لعان کے لیے مانع ہے جب وہ لعان واجب ہونے کے بعد پیش آ جائے تو لعان ساقط ہو جاتا ہے مثلاً جنون ارتداد، گونگا ہونا یا کسی اور آدمی نے تہمت لگائی اور حد قذف لگی یا عورت نے حرام وطی کی جیسے زنا اور وطی بالشبہ ان حالات میں حد واجب نہیں ہوتی اور جب واجب ہو تو ان عوارض کے پیش آنے سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ لعان کی اہلیت ہی منتفی ہو گئی کیونکہ لعان شہادت ہے اور صفت شہادت کا باقی رہنا ضروری ہے حکم کے صادر ہونے تک۔

۲ طلاق بائنہ ہونا، یا فسخ یا موت واقع ہونا جب مرد نے تہمت لگانے کے بعد عورت کو طلاق دے دی یا نکاح کسی وجہ سے فسخ ہو گیا یا زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو لعان اور حد ساقط ہو جائے گی لعان تو اس لیے کہ زوجیت ختم ہو گئی جبکہ نکاح کا باقی ہونا لعان کے جاری کرنے کے لیے شرط ہے اور حد اس لیے کہ قذف سے لعان واجب ہوتا ہے لہٰذا حد واجب نہ ہو گی جب لعان ہی نہیں۔ لیکن اگر شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو لعان ساقط نہ ہوگا کیونکہ طلاق رجعی زوجیت کو باطل نہیں کرتی۔

۳ تہمت کے گواہ کا مر جانا یا غائب ہو جانا۔

۴ شوہر کا اپنی تکذیب کرنا یا عورت کا شوہر کی قذف میں تصدیق کرنا۔ اس لیے کہ اگر شوہر نے اپنی تکذیب کر دی تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اس کا لعان متعذر ہے اس لیے کہ یہ محال ہے کہ اسے کہا جائے تو یہ گواہی دے کہ میں سچا ہوں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے میں جھوٹا ہوں اور اس پر حد قذف واجب ہوگی کیونکہ قذف حق ہے اور اگر عورت نے شوہر کی تصدیق کر دی قذف میں تو بھی لعان ساقط ہو جائے گا کیونکہ اب

[1] بدائع ۳: ۲۴۳ وما بعدھا الدر المختار: ۲/ ۸۰۹۔

لعان کرنا متعذر رہے کیونکہ وہ اپنی تکذیب کر رہی ہے انکار میں لیکن عورت پر حد نہیں اس لیے کہ اگر لعان واجب بھی ہو جاتا تب بھی اس پر زنا ثابت نہیں لہٰذا اس کی عفت لعان سے زائل نہ ہوگی تو یہاں تو بدرجہ اولیٰ حد زنا نہ ہوگی کیونکہ لعان ساقط ہوگیا۔

حنابلہ نے تین حالتیں ❶ لعان ساقط ہونے کی ذکر کی ہیں:

۱..... اہلیت کے عوارض میں سے کسی عارض کا پیش آجانا جیسے جنون زنا اور عورت کا گونگی ہو جانا۔

۲..... عورت کا شوہر کی تصدیق کرنا یا اسے معاف کر دینا یا خاموش رہنا اور ان دو حالتوں کے شرط ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اس کی تکذیب کرے اور لعان کے ختم تک وہ تکذیب رہے۔

۳..... لعان سے پہلے یا لعان کے مکمل ہونے سے پہلے شوہر کا مر جانا جب شوہر نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی پھر لعان سے پہلے یا مکمل ہونے سے پہلے مر گیا تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اسی طرح ان کے ہاں اگر شوہر اپنے لعان کو مکمل کرنے کے بعد اور عورت کے لعان سے پہلے بھی مر گیا تو لعان ساقط ہو جائے گا۔ اور امام شافعی کے ہاں شوہر کے لعان سے بیوی بائنہ ہو جائے گی اگرچہ بیوی لعان نہ بھی کرے یا وہ جھوٹا ہو اور میراث ساقط ہو جائے گی اور بچے کی نفی ہو جائے گی اور عورت پر حد لازم ہوگی الا یہ کہ وہ لعان کرے۔

دوسری بات..... لعان کے پائے جانے کے بعد اور تفریق سے پہلے کیا چیزیں لعان کے حکم کو باطل کرتی ہیں حنفیہ کے ہاں ❷ ہر وہ چیز جو لعان کو واجب ہونے کے بعد ساقط کرتی ہے تو اس سے لعان کا حکم اثر پائے جانے کے بعد باطل کر دیتی ہے تفریق سے پہلے مثلاً جنون زوجین میں سے کسی ایک یا دونوں کا لعان کے بعد تفریق سے پہلے مجنون ہو جانا یا گونگا ہونا یا مرتد ہونا کسی ایک کو حد قذف لگنا یا عوت کا وطی حرام میں مبتلا ہونا ان میں سے کسی ایک کا اپنی تکذیب کرنا اور حاکم کا ان کے درمیان تفریق نہ کرنا اور وہ دونوں نکاح پر باقی رہیں گے یہ اس لیے کہ ان کے ہاں اصل یہ ہے کہ زوجین کا دوران لعان اہلیت باقی رہنا شرط ہے لعان کے حکم کے باقی رہنے کے لیے، اس لیے کہ لعان ان کے ہاں شہادت ہے اور گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صفت شہادت پر قاضی کے فیصلہ صادر کرنے تک باقی رہے اگر ان عوارض سے شہادت کی صفت زائل ہوگئی تو قاضی کے لیے تفریق کرنا جائز نہیں۔

نویں بحث: ظہار کی وجہ سے تفریق:

اس بحث میں پانچ مقاصد ہیں۔ پہلا مقصد: ظہار کی تعریف شرعی حکم اور اس کے احوال فی الفور اضافت یا تعلیق کے ساتھ یا مؤقت، دوسرا ظہار کا رکن اور شرائط تیسرا ظہار کا اثر اور وہ چیز جو ظہار کرنے والے پر حرام ہے، چوتھا ظہار کا کفارہ، پانچواں ظہار کے حکم کا ختم ہونا۔

پہلا مقصد: ظہار کی تعریف حکم شرعی اور حالات..... ظہار ایلاء کے مشابہ ہے اس بات میں کہ دونوں قسم ہیں اور وطی سے مانع ہیں اور کفارہ سے اس کی ممنوعیت ختم ہو جاتی ہے اور یہ جمہور کی رائے کے مطابق لعان کے بھی مشابہ ہے کہ قسم ہے نہ کہ شہادت اولیٰ تو یہ تھا کہ اسے ایلاء کے بعد ذکر کیا جاتا جیسا کہ ہمارے فقہاء نے کیا لیکن میں نے اسے لعان سے مؤخر کیا کیونکہ لعان قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے اور یہی فصل کا عنوان تھا اور ظہار میں محض شوہر کے کفارہ ادا نہ کرنے ہی سے تفریق ہو جاتی ہے۔ ظہار لغوی اعتبار سے مصدر ہے اور ظہر سے ماخوذ ہے اور مشتق ہے آدمی کے اس قول سے جب وہ اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہوئے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور جاہلیت میں یہ طلاق تھی اور کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی کو ناپسند کرتا اور اس کے علاوہ سے شادی نہ کرنا چاہتا تو اس سے ایلاء اور ظہار کرتا اب وہ عورت نہ شوہر والی رہتی اور نہ ہی شوہر سے چھٹکارا کہ کسی اور سے نکاح کرے تو شریعت نے اس کے حکم کو تبدیل کر دیا کہ بیوی حرام ہوگی اگر

❶..... غاية المنتهى ۲۰۲/۳ كشاف القناع: ۴۵۱/۵ المغني: ۴۰۶/۷ ❷ البدائع ۲۴۱/۳ وما بعدها الدر المختار ۶۰۲/۲

لوٹ آیا اور اس پر کفارہ لازم کر دیا اور شرعاً ظہار یہ کہ مرد اپنی بیوی کو تشبیہ دے کسی ایسی عورت سے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے یا اس کے کسی ایسے جزو سے جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے حرام ہے جیسے پیٹھ، پیٹ اور رانیں، مثلاً اسے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ یا میری بہن کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور مذاہب کے فقہاء کی تعریف قریب قریب ہیں اور وہ درج ذیل ہیں حنفیہ نے یہ تعریف کی ہے۔ ❶

کسی مسلمان کا اپنی بیوی کو یا اس کے ان اعضاء کو جن سے اسے تعبیر کیا جاتا ہے یا اس کے کسی مشاع جزو کو اپنے اوپر حرام عورت سے تشبیہ دینا ان کے ہاں ذمی کا ظہار نہیں اور یہ ظہار کتابیہ چھوٹی اور مجنونہ سب بیویوں کو شامل ہے اور بیوی کو تشبیہ دینا ممکن ہے یا جن اعضاء سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے سر، گردن، یا عورت کے مشاع جزو کو جیسے تہائی نصف وغیرہ کو تشبیہ دینا اور مشبہ بہ یا تو قریبی حرام جملہ ہوگا جیسے، تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا ایسا عضو ہوگا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے نسبی طور پر یا مصاہرت یا رضاعت کی وجہ سے جیسے پیٹھ وغیرہ اور اس قسم کو ظہار کا نام خصوصی طور پر اس لیے دیا گیا کہ عام طور پر وہ ظَهر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دی جو وقتی طور پر اس پر حرام ہے تو ظہار نہ ہوگا مثلاً تو مجھ پر تیری بہن یا پھوپھی کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اب بہن اور پھوپھی وغیرہ وقتی طور پر حرام ہیں یا کہا تین طلاق والی کو کیونکہ وہ حرام ہے اس وقت تک جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے یا مجوسیہ سے کیونکہ اس کا اسلام لانا ممکن ہے۔ اسی طرح اگر ایسے جزو سے تشبیہ دی جس کی طرف دیکھنا حرام نہیں جیسے چہرہ یا سر تو ظہار نہ ہوگا اگر اس نے عورتوں کے علاوہ حرام چیزوں سے تشبیہ دی مثلاً شراب یا خنزیر کے ساتھ تو بھی ظہار نہ ہوگا اور اس میں اس کی نیت کی طرف رجوع ہوگا اگر اس سے طلاق کا ارادہ کیا تو طلاق بائن ہوگی اور اگر تحریم کا ارادہ کیا یا کچھ بھی ارادہ نہ کیا تو ایلاء ہوگا اگر اس نے اپنے باپ کی فرج وغیرہ سے تشبیہ دی تو ظہار ہوگا لیکن اگر کہا تو مجھ پر میرے والد یا بیٹے کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ جس سے ظہار کر رہا ہے وہ عورتوں کی جنس سے نہیں اور مالکیہ نے تعریف یوں کی۔ ❷

مسلمان مکلف کا اپنی بیوی یا باندی کو یا اس کے کسی جزو کو اپنے اوپر حرام عورت یا اجنبیہ کی پیٹھ سے تشبیہ دینا اگرچہ تعلیقاً ہو یا مقید ہو وقت سے پس کافر کا ظہار نہیں نہ ہی بچے مجنون اور جس پر زبردستی کی گئی ہو اور بیوی کو تشبیہ دینے سے ظہار متحقق ہوگا مثلاً تو میری ماں ہے یا اس کے کسی جزو سے ہاتھ پاؤں وغیرہ سے تشبیہ دے اور اس بات سے کہ تو مجھ پر میری نفاس والی بیوی یا حج کا حرام باندھی ہوئی بیوی کی پیٹھ کی طرح سے ظہار نہ ہوگا کیونکہ اس کی حرمت اصلی نہیں یا قسم کے وقت وہ اس پر حرام ہو جیسے اجنبی عورت کی پیٹھ اور اسی سے حنفیہ اور مالکیہ اس پر متفق ہیں کہ کافر کا ظہار صحیح نہیں اور اجنبی عورت کی پیٹھ سے تشبیہ دینے میں ان کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے ہاں ظہار نہیں کیونکہ حرمت مؤقت ہے اور مالکیہ کے ہاں ظہار کی نیت سے یمین ہے کیونکہ فی الحال تحریم اصلی ہے۔ اور وہ ظہار جو شرط سے معلق ہو جیسے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اگر میں نے تجھ سے شادی کی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے لیکن اگر کسی اور واقعہ سے معلق کیا مثلاً اگر رمضان آیا تو تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا فلاں اجنبی عورت کی طرح ہے یا اگر کل سورج طلوع ہوا تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ فی الحال ظہار ہوگا اور اسے عورت سے روک دیا جائے گا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اگر ظہار کو کسی وقت سے مقید کیا مثلاً آج یا اس ماہ میں تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح تو یہ مؤبد ظہار ہوگا اور کفارہ کے بغیر حلال نہیں۔

شوافع نے یوں تعریف کی ❸ ایسی بیوی جو بائنہ نہ ہو اس کو ایسی مؤنث سے تشبیہ دینا جو ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اور بچے مجنون بے ہوش اور مکرہ کا ظہار صحیح نہیں ہے اور ذمی کا صحیح ہے کیونکہ آیت ظہار عام ہے اور غیر حرام عورت سے تشبیہ دینے سے ظہار صحیح نہیں، اگر بیوی کو مطلقہ یا اجنبیہ سے تشبیہ دی یا بیوی کی بہن سے یا اپنے والد سے یا لعان والی سے یا مجوسیہ اور مرتدہ سے تو اس کا یہ کلام لغو ہے اس لیے کہ پہلی تین تو ہمیشہ کی حرمت میں ماں کی طرح نہیں اور باپ اور دوسرے مرد بیٹا غلام وغیرہ محل استمتاع نہیں رہ گئی آخری تین اگرچہ ان کی حرمت

---

❶ الدر المختار: ۸۹۰/۲ فتح القدیر: ۲۲۵/۳ اللباب: ۶۷/۳ البدائع: ۲۳۳/۳ ❷ الشرح الصغیر: ۶۳۴/۲ المقدمات الممہدات: ۵۹۹/۱۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳۵۲/۳

ہمیشہ کے لیے ہے لیکن ان کی حرمت محرم ہونے کی وجہ سے نہیں اور حنفیہ کے ہاں یہ بھی محرم سے تشبیہ دینے کی طرح ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ شوہر کا یہ کہنا ہاتھ، پیٹ، سینہ کی طرح یہ ظہار ہے اور اسی طرح آنکھوں کا بھی حکم ہے اگر ظہار کا ارادہ کرے لیکن اگر کرامت اور بزرگی کا ارادہ کرے تو ظہار شمار نہیں ہوگا اور اسی طرح اس کا کہنا تیرا سر پیٹھ یا ہاتھ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں تو نہ ظہار ہے اور انہی کی مثل پاؤں، جلد، بدن بال وغیرہ بھی ہیں۔

اور حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے ❶ شوہر اپنی بیوی یا اس کے عضو کو ایسی عورت کی پیٹھ سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے جیسے ماں، نسبی اور رضاعی بہن وغیرہ سے کسی ایسی عورت کی پیٹھ سے تشبیہ جو اس پر وقتی طور پر حرام ہے جیسی بیوی کی بہن خالہ، پھوپھی وغیرہ یا کسی مرد سے تشبیہ دے باپ یا زید سے یا اس کے کسی عضو سے مثلاً پیٹھ سر وغیرہ اگرچہ عربی الفاظ میں نہ بھی کہے یا اس کی حلت کا اعتقاد رکھتا ہو مثلاً مجوسی کی ماں یا بہن کہ وہ اپنی ماں یا بہن سے کہے تو مجھ پر میری بہن کی پیٹھ کی طرح ہے حالانکہ وہ اپنی بہن کی حلت کا معتقد ہے اس کے اس اعتقاد کا اثر نہ ہوگا اور وہ ظہار کرنے والا ہوگا۔ یہ شوافع کی طرح کافر کے ظہار کے قائل ہیں لیکن وقتی حرام عورتوں سے تشبیہ میں یہ ان کے مخالف ہیں اور ان سے جن سے استمتاع حلال نہیں اور مالکیہ کی طرح اجنبیہ سے ظہار کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حکم شرعی:.....ظہار حرام ہے ❷ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ......المجادلۃ ۵۸/ ۲

یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بیوی حرمت میں ماں کی طرح نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ......المجادلۃ ۵۸/ ۲

وہ ان کی مائیں نہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما جعل ازواجكم اللائی تظاهرون منهن امهاتكم ......الاحزاب: ۳۳/ ۴

اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچ مچ کی مائیں نہیں بنایا۔

ظہار کے احوال......منجز فی الفور ظہار بالاتفاق صحیح ہے جیسے شوہر کا یہ کہنا تو مجھ پر ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور ظہار اکثر فقہاء کے ہاں ❸ بیوی کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ شوہر کی طرف سے ہوتا ہے اگر عورت نے اپنے شوہر سے ظہار کیا تو حنفیہ کے ہاں اس کا ظہار لغو ہے نہ تو عورت پر حرمت ہے اور نہ ہی کفارہ اور اسی طرح باقی مذاہب والوں کے ہاں بھی ہے کہ ظہار نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ......المجادلۃ ۵۸/ ۲

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو ظہار کے ساتھ خاص کیا ہے۔ نیز یہ ایک ایسی بات ہے جو بیوی پر حرمت کو واجب کرتی اور شوہر اسے ختم کرنے کا مالک بھی ہے لہٰذا طلاق کی طرح مرد اس کے ساتھ خاص ہے نیز عورت سے استمتاع کا حلال ہونا مرد کا حق ہے عورت اسے زائل کرنے کی مالک نہیں باقی حقوق کی طرح لیکن امام احمد نے ایک روایت کے مطابق جو ان کے ہاں راجح ہے عورت پر کفارہ ظہار کو واجب کیا ہے کیونکہ یہ عورت بھی ایک نامعقول اور جھوٹی بات لائی ہے اور ایک ان سے یہ ہے کہ عورت پر یمین کا

❶......كشاف القناع: ۵/ ۴۲۵ ❷ المهذب ۲/ ۱۱۱ المغنى ۷/ ۳۳۷ البدائع: ۳/ ۲۲۹ (۳)......الدر المختار: ۲/ ۷۹۱ المغنی: ۷/ ۳۸۴ بداية المجتهد: ۲/ ۱۰۸

کے نزدیک ابن قدامہ نے فرمایا یہ امام احمد کے مذہب کے اصول کے مشابہ ہے کہ ظہار نہیں اور صرف نامعقول اور جھوٹی بات سے ظہار کا کفارہ واجب نہیں ہوتا باقی جھوٹوں کی طرح اور تیسری روایت کے مطابق عورت پر کفارہ بھی نہیں اور یہی باقی ائمہ کا قول ہے کیونکہ نامعقول اور جھوٹی بات سے ظہار نہیں لہذا کفارہ واجب نہیں گالی اور قذف کی طرح۔

معلق ظہار... حنفیہ نے ❶ اجازت دی ہے۔ ظہار کی نیت ملک یا سبب ملک کی طرف کرنے کی پہلے کی مثال: اجنبیہ سے کہے اگر تو میری بیوی بن گئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور دوسرے کی مثال اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور وقت کی طرف نسبت کرنے کی بھی اجازت دی ہے مثلاً فلاں مہینے کے شروع میں تو مجھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے قیام ملک کی وجہ سے اور اس کا معلق کرنا دوران زوجیت اگر تو گھر میں داخل ہوئی یا تو نے فلاں سے بات کی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے کیونکہ یمین کے وقت سب موجود ہے یمین ظہار کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے معلق کرنا اسے باطل کر دیتا ہے حنابلہ بھی ظہار کی تعلیق کی اجازت دیتے ہیں ❷ چاہے زوجیت میں ہو یا اجنبیہ سے چاہے متعین بیوی ہو یا تمام بیویوں کو کہے چاہے مطلقاً کہے یا نکاح پر معلق کرے اور کہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں وہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے جس عورت سے ظہار کیا ہے جب اس سے نکاح کرے گا تو جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس سے ہمبستری نہیں کر سکتا اسی طرح ظہار کو شرط سے معلق کرنے کی بھی اجازت دیتے ہیں مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اگر زید نے چاہا تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو جب وہ گھر میں داخل ہوگی یا زید نے چاہا تو ظہار ہوگا ورنہ نہیں۔

اور ان کی دلیل وہ روایت ہے امام احمد نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کہا اگر میں نے فلاں سے شادی کی تو وہ مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ پھر اس نے اس شادی کی تو آپ نے فرمایا اس پر ظہار کا کفارہ ہے نیز اس لیے بھی کہ یہ یمین کفارہ والی ہے لہذا اس کا نکاح سے پہلے انعقاد صحیح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم۔ اور یہ پہلے واضح ہو گیا ہے کہ مالکیہ کے ہاں ❸ ظہار کی تعلیق جائز ہے مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تو مجھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا اس نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو وہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور شوافع نے بھی ❹ ظہار کی تعلیق کی اجازت دی ہے شرط وغیرہ کے ساتھ کیونکہ اس سے طلاق اور کفارہ کی طرح حرمت متعلق ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی تعلیق جائز ہے اور ظہار کی تعلیق مثلاً جب زید آیا یا جب سورج طلوع ہوا تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے جب شرط پائی گئی تو وہ مظاہر ہوگا کیونکہ معلق علیہ پایا گیا اور اس کی مثالوں میں سے یہ کہ کہے اگر میں اپنی دوسری بیوی سے ظہار کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور وہ دونوں اس کی عصمت میں ہوں اور اس نے دوسری سے ظہار کیا تو دونوں سے ظہار ہوگا تنجیز اور تعلیق کے موجب پر عمل کرتے ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کا ظہار کو شرط وغیرہ پر معلق کرنے کے جواز پر اتفاق ہے اور شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں کسی متعین عورت کی شادی سے ظہار کو معلق کرنا بھی جائز ہے اور اسی طرح حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اگر کہا تمام عورتیں مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں کیونکہ اس نے ملکیت کی شرط پر عقد کیا ہے لہذا ملک والی کے مشابہ ہو گیا اور مؤمن اپنی شرطوں پر پورا اترنے والے ہیں اور شوافع کے ہاں ظہار کو ملک نکاح پر معلق کرنا جائز نہیں عمرو بن شعیب کی حدیث کی وجہ سے جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے طلاق نہیں سوائے مملوکہ کے عتق نہیں سوائے مملوک کے اور بیع نہیں سوائے مملوک کے اور نذر پوری نہیں ہو سکتی سوا ان میں سے جن کا مالک ہے اور ظہار طلاق کے مشابہ ہے۔

---

❶ ... الدالمختار: ۲/ ۷۹۱ البدائع: ۳/ ۲۳۲ ❷ المغنی: ۷/ ۳۵۰، ۳۵۴. ❸ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۳۵ هداية المجتهد: ۲/ ۱۰۷
❹ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۵۴

مؤقت ظہار......مذاہب اربعہ کے فقہاء نے ذکر فرمایا ہے ❶ مؤقت ظہار بھی صحیح ہے۔ مثلاً کہے ایک ماہ یا ایک دن تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا جب تک رمضان کا مہینا گذر جائے لیکن مالکیہ اور ایک قول شوافع کے ہاں ہمیشہ کا صحیح ہوگا کفارہ کے بغیر ختم نہیں ہوسکتا یعنی وقت مقرر کرنا ساقط ہوجائے گا اور ظہار ہوگا کیونکہ یہ لفظ بیوی کو حرام کرتا ہے اگر وہ اس کے لیے وقت مقرر کرے تو وقت مقرر نہیں ہوگا جیسے طلاق حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب وقت گذر گیا تو ظہار ختم ہوجائے گا اور عورت بغیر کفارہ کے حلال ہوجائے گی اگر دوران مدت اس سے ہمبستری کی تو کفارہ لازم ہوگا سلمہ بن صخر کی روایت کی وجہ سے کہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا رمضان کا مہینے گذرنے تک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ مہینے کے دوران میں نے جماع کیا ہے تو آپ نے کفارہ کا حکم فرمایا: ❷ نیز اس نے اپنے آپ کو عورت سے روکا ہے قسم کے ساتھ تو اس پر کفارہ ہوگا لہٰذا مؤقت بھی صحیح ہے اور ظہار طلاق سے مختلف ہے کہ ظہار سے ملک زائل ہوجاتی ہے اور حرمت واقع ہوتی ہے جو کفارہ سے ختم ہوجاتی ہے لہٰذا اسے وقت سے مؤقت کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں حنفیہ کی عبارت یہ ہے اگر ظہار کو وقت کے ساتھ مقید کردیا تو وقت گزرنے پر ظہار ساقط ہوجائے گا لیکن اگر وقت کے اندر اندر عورت کے قریب جانا چاہتا ہے تو کفارہ کے بغیر جائز نہیں۔

دوسرا مقصد: ظہار کا رکن اور شرائط......حنفیہ کے ہاں ❸ وہ لفظ ہے جو ظہار پر دلالت کرے اور اس میں اصل شوہر کا بیوی کو کہنا تو مجھ پر ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور اسی کے ساتھ ماں کے پیٹ اور فرج والی صورتیں ملحق ہیں۔ اور جمہور کے ہاں ❹ ظہار کے لیے چار رکن ہیں، مظاہر، مظاہر منہا لفظ یا صغیہ اور مشبہ بہ مظاہر شوہر ہے اور مظاہر منہا بیوی ہے مسلمان ہو یا کتابیہ لفظ اور صیغہ وہ الفاظ جو شوہر سے صادر ہوں صریح الفاظ میں سے یا کنایہ میں سے اور صریح وہ ہیں جن میں پیٹھ کا ذکر ہو اور کنایہ وہ ہیں جن میں پیٹھ کا ذکر نہ ہو اور کنایہ الفاظ میں دیانت تصدیق ہوگی اگر طلاق کا ارادہ کرے نہ کہ صریح میں اور کنایہ میں جو چاہے ارادہ کرسکتا ہے اور مشبہ بہ وہ ہیں جس سے ہمیشہ کے لیے ہمبستری حرام ہے اور وہ ماں ہے اور اسی کے ساتھ نسبی رضاعی اور مصاہرت کے رشتے ملحق ہیں۔

مظاہر (ظہار کرنے والے) کی شرطیں......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مظاہر ہر وہ شوہر ہے جو مسلمان ہو عاقل بالغ ہو ذمی کا ظہار لازم نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مظاہر ہر وہ شوہر ہے جس کی طلاق صحیح ہے وہ بالغ اور عاقل ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر آزاد ہو یا غلام البتہ نشہ والے کا ظہار صحیح ہے جیسا کہ اس کی طلاق بالاتفاق صحیح ہے اور جمہور کے ہاں مکرہ کا ظہار صحیح نہیں ❺ مظاہر کی شرائط یہ ہیں:

۱......یہ کہ عاقل ہو لہٰذا مجنون بچے معتوہ، مدہوش بے ہوش اور سونے والے کا ظہار صحیح نہیں جیسا کہ ان کی طلاق صحیح نہیں کیونکہ کہ اس پر تحریم مرتب ہوتی ہے اور یہ تحریم کے اہل نہیں۔

۲......بالغ ہو لہٰذا بچے کا ظہار صحیح نہیں اگرچہ وہ سمجھدار ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ظہار تو صرف نقصان دہ تصرف ہے بچہ اس کا مالک نہیں جیسے وہ طلاق دینے کا مالک نہیں۔

۳......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مسلمان ہونا ان کے ہاں ذمی کا ظہار صحیح نہیں اس لیے کہ ظہار کا حکم وقتی طور پر تحریم ہے جو کفارہ ادا کرنے سے زائل ہوجاتی ہے اور کافر کفارہ کا اہل نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے لہٰذا وہ ظہار کا اہل بھی نہیں۔ اور شوافع اور حنابلہ کی رائے میں مسلمان ہونا شرط نہیں کیونکہ آیت ظہار عام ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ المجادلۃ ۵۸/۳

❶......الدر المختار: ۲/ ۷۹۳ البدائع: ۳/ ۲۳۵ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۳۲ المہذب: ۲/ ۱۱۳ المغنی: ۷/ ۳۴۹۔ ❷رواہ احمد وابوداؤد (نیل الاوطار: ۶/ ۲۵۸) ❸البدائع: ۳/ ۲۲۹ ❹القوانین الفقہیۃ: ۲۴۲ الشرح الکبیر: ۲/ ۴۴۰ المقدمات الممہدات: ۱/ ۵۹۹ المغنی: ۷/ ۳۳۸۔ ❺البدائع ۳/ ۲۳۰ القوانین الفقہیۃ ۲۴۲ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۳۰ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۵۳ المغنی: ۷/ ۳۳۸ المہذب ۲/ ۱۱۸

مسلمان اور کافر کے درمیان تفریق کے بغیر نیز کافر شریعت کے فروعی مسائل کا مخاطب ہے اور کفارہ کا بھی اہل ہے روزہ کے علاوہ کھانا کھلانے اور غلام آزاد کرنے کی صورت میں نیز وہ طلاق کا بھی اہل ہے لہٰذا ظہار کا بھی اہل ہوگا اگر ظہار کرنے والا کافر ہو تو وہ آزاد کرکے یا کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرے اس لیے کہ مذکورہ چیزیں اس کے لیے کفارہ کے علاوہ بھی جائز ہیں لہٰذا کفارہ میں بھی جائز ہیں اور روزہ کے ذریعہ کفارہ ادا نہ کرے کیونکہ اس کے روزے صحیح نہیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلے فریق کے ہاں مظاہر کے لیے دو شرطیں ہیں اسلام اور مکلف ہونا اور فریق ثانی کے ہاں ایک ہی شرط ہے مکلف ہونے کی رہ گیا اختیار تو یہ جمہور کے ہاں شرط ہے اور مکلف ہونے کی شرط میں داخل ہے لہٰذا مکرہ کا ظہار صحیح نہیں اور اختیار حنفیہ کے ہاں شرط نہیں لہٰذا مکرہ کا ظہار صحیح ہے اور مخطی کا بھی جیسا کہ ان دونوں کی طلاق صحیح ہے۔

مظاہر منھا کی شرطیں...... وہ ظہار کرنے والے کی بیوی ہے چاہے مسلمان ہو یا کتابیہ بڑی ہو یا چھوٹی اور اس کی درج ذیل شرائط ہیں ❶ یہ کہ وہ اس کی بیوی ہو یعنی ملک نکاح کی وجہ سے اس کی ملکیت میں ہو لہٰذا اجنبیہ سے ظہار صحیح نہیں کیونکہ اس کا مالک نہیں فرمان باری تعالیٰ ہے من نسائھم یعنی اپنی بیویوں سے البتہ جمہور کے ہاں ملک سے معلق ظہار درست ہے کسی عورت سے اس طرح کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو وہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

عورت کا ظہار...... اکثر علماء کے ہاں عورت مرد سے ظہار نہیں کر سکتی کیونکہ طلاق کے مشابہ ہے عورت کا ظہار لغو ہے اس میں کفارہ نہیں لیکن امام احمد اصح روایت کے مطابق انہوں نے اس پر ظہار کا کفارہ واجب کیا ہے کیونکہ اس عورت نے ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہی ہے اور ایک روایت میں قسم کا کفارہ ہے اور یہ ان کے مذہب کے زیادہ مطابق ہے۔

خاصی عورتوں سے ظہار...... اگر شوہر نے ایک ہی لفظ سے چار بیویوں کو کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو ان سب سے ظہار کرنے والا ہوگا اور اس پر حنفیہ اور شوافع کے جدید مذہب کے مطابق ہر عورت کی طرف سے کفارہ ہے اس لیے کہ ظہار پایا گیا اور وطی کا عزم بھی ہر ایک عورت کے حق میں لہٰذا اس پر ہر ایک کی طرف سے کفارہ واجب ہے جیسا کہ انفرادی طور واجب ہوتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس پر صرف ایک ہی کفارہ ہے حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے نیز ظہار ایک ایسا کلمہ ہے جس کی مخالفت سے کفارہ واجب ہوتا ہے جب ایک گروہ کے لیے پایا گیا تو اس پر ایک ہی کفارہ ہوگا جس طرح زیادہ قسموں میں ہوتا ہے۔

ہر اعتبار سے نکاح موجود ہو لہٰذا بیوی سے ظہار صحیح ہے اگرچہ وہ طلاق رجعی کی عدت میں ہی ہو اور تین طلاق والی سے ظہار صحیح نہیں نہ ہی بائنہ اور خلع والی سے اگرچہ یہ عدت ہی میں کیوں نہ ہوں برخلاف طلاق کے اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں بائنہ اور خلع والی کو صریح طلاق لاحق ہو سکتی ہے اور ظہار تحریم ہے اور حرمت خلع اور بائنہ ہونے سے ثابت ہے اور حرام کو حرام کرنا محال ہے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا عبث ہے۔

حنفیہ کے ہاں ظہار بیوی کے بدن کی طرف مضاف ہو یا اس کے ایسے عضو کی طرف جس سے پوری عورت کو تعبیر ہوتی ہو یا اس کا کوئی مشاع جزو ہو اگر اس نے اس کی طرف نسبت کی مثلاً کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا ایسے عضو کی طرف نسبت کی جس سے تمام عورت کی تعبیر ہوتی ہے مثلاً تیرا سر، چہرہ یا گردن یا فرج مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا مشاع جزو مثلاً تیرا ثلث ربعہ یا نصف وغیرہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو ظہار کرنے والا ہوگا لیکن اگر کہا تیرا ہاتھ یا پاؤں انگلیاں تو مظاہر نہیں اور باقی مذاہب کے آئمہ کے ہاں مظاہر ہوگا کیونکہ یہ بھی ایسا عضو ہے جس سے لذت حاصل کرنا حرام ہے لہٰذا یہ بھی پیٹھ کی طرح ہے۔

مشبہ بہ کی شرائط...... مشبہ بہ ماں ہے اور اسی کے ساتھ ملحق ہیں وہ محرم عورتیں جن سے زندگی میں کبھی بھی نکاح حلال نہیں نسبی رضاعی

---

❶ ......البدائع: ۲۳۲/۳ فتح القدیر: ۲۳۲/۳ اللباب: ۶۹/۳ الدر المختار: ۷۹۱/۲ بدایة المجتهد: ۱۰۷/۲ القوانين الفقهية ۲۴۲ الشرح الصغير: ۶۳۷/۲ المهذب: ۱۱۳/۲ مغني المحتاج: ۳۵۴/۳ المغني: ۳۳۹/۷۔

یا مصاہرت کے اور مشبہ بہ کی تحدید کے سلسلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں وسعت وتنگی کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں ❶ مشبہ بہ کے لیے درج ذیل شرائط ہوں:

۱..... عورت ایسی ہونی چاہیے جس سے زندگی میں کبھی بھی نکاح حلال نہ ہو چاہے یہ حرمت نسب کے اعتبار سے ہو جیسے ماں بیٹی بہن پھوپھی خالہ وغیرہ یا رضاعت کے اعتبار سے ہو یا مصاہرت کے اعتبار سے ہو جیسے والد کی بیوی یا بیٹے کی بیوی، ساس۔

۲..... عضوا ایسا ہو کہ اس کی طرف دیکھنا حلال نہ ہو جیسے پیٹھ پیٹ ران فرج وغیرہ اگر شوہر نے بیوی کو اپنی ماں کے سر یا چہرہ سے تشبیہ دی یا اس کے ہاتھ اور پاؤں سے تو ظہار کرنے والا نہ ہوگا اس لیے کہ یہ اعضا ایسے ہیں کہ ان کی طرف دیکھنا حلال ہے۔

۳..... وہ عورت ہو اور عورتوں کی جنس سے ہو اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میرے باپ یا بیٹے کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ ظہار صحیح نہیں اس لیے کہ شریعت میں تو مظاہر تب ہوگا جب مظاہر بہ عورت ہو اور اسی بناء پر ظہار صحیح نہیں جب شوہر اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس پر فی الحال حرام ہے جبکہ دوسرے کسی وقت میں اس کے لیے حلال ہو جیسے بیوی کی بہن یا کسی شوہر والی عورت سے یا مجوسیہ سے اور مرتدہ سے اس لیے کہ اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں مالکیہ کے ہاں ❷ مشبہ بہ ہر وہ انسان جس سے وطی کرنا اصلی طور پر حرام ہو چاہے مذکر ہو یا مؤنث یا انسان کے علاوہ ہو جیسے جانور پس ظہار صحیح ہے اپنی بیوی یا اس کے جزو کو اگر چہ حکماً ہی جزو ہو جیسے بال تھوک وغیرہ کو اپنی ماں سے تشبیہ دینا اور اس سے ملحقہ وہ تمام جو نسبی رضاعی مہر کے طور پر حرام ہیں اور اصالۃ کے لفظ سے وہ نکل گئے جن سے کسی عارض کی وجہ سے وطی حرام ہو جیسے حیض نفاس وغیرہ پس اس کا ظہار منعقد نہ ہوگا اگر وہ اپنی دو میں سے ایک بیوی کو کہے تو مجھ پر میری نفاس والی یا نفاس والی بیوی کی پیٹھ کی طرح یا حج کا احرام باندھی ہوئی یا طلاق رجعی دی ہوئی طرح ہے۔ اور اسی طرح یہ ظہار بھی درست ہے کہ بیوی کو محرم کے کسی ایسے جزو سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے تو مجھ پر میری ماں کے ہاتھ خالہ کے ہاتھ کی طرح ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں ظہا درست ہے جب وہ اپنی بیوی کو کسی اجنبیہ سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں۔

شوافع کے ہاں ❸ مشبہ بہ فقط وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے وطی حرام ہے چاہے نسبی ہوں یا رضاعی یا مصاھرت کی وجہ سے سوائے مظاہر کی مرضعہ اور بیٹے کی بیوی کیونکہ یہ دونوں ایک وقت میں اس کے لیے حلال ہیں لہٰذا اس کا احتمال ہے۔ اور ظہار کے صحیح ہونے کے لیے سب سے وسیع مذہب مشبہ بہ کے بارے میں حنابلہ کا ہے اس لیے کہ وہ تمام ان اقسام کو شامل ہے چاہے پورے مشبہ بہ سے تشبیہ دے یا اس کے کسی عضو جیسے ہاتھ، چہرہ اور کان وغیرہ ❹ عورتوں میں ہمیشہ حرام ہونے والی نسبی رضاعی اور مصاہرت جیسے مائیں، دادیاں، پھوپھیاں، خالائیں، بہنیں اور یہ متفق علیہ ہے۔ رضاعی مائیں، رضاعی بہن بیٹوں اور والدین کی بیویاں اور بیویوں کی مائیں اور ربیبہ عورتیں ❺ ہر وہ عورت جو وقتی طور پر حرام ہے جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی، اجنبیہ اس لیے کہ اس نے اپنی بیوی کو حرام سے تشبیہ دی ہے لہٰذا یہ ماں سے تشبیہ دینے کے مشابہ ہے ❻ تمام حرام مردوں جانوروں اور فوت شدہ لوگوں سے پس اگر اپنی بیوی کو والد کی پیٹھ یا کسی اور کی پیٹھ سے تشبیہ دے تو ظہار صحیح ہے یا کہے تو مجھ پر جانور کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو مجھ پر مردار اور خون کی طرح ہے جابر بن زید کی روایت پر عمل کرتے ہوئے ان کی مذکورہ فہرست میں اکثر علماء نے مخالفت کی ہے لہٰذا مذکورہ چیزوں سے تشبیہ دینا ظہار نہیں اس لیے کہ یہ ایسی چیزوں سے تشبیہ دینا ہے جو محل استمتاع نہیں جیسے کہے تو مجھ پر زید کی ماں کی طرح ہے اس کے باوجود شوہر کے لیے مکروہ ہے کہ وہ بیوی کو کسی ذی رحم محرم سے یاد کرے مثلاً اے بہن یا اے ماں وغیرہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے۔

---

❶..... البدائع: ۲۳۳/۳، ۲۳۴۔ ❷الدسوقی: ۴۳۹/۲ ❸بداية المجتهد: ۱۰۴/۲ ❹القوانين الفقهية: ۲۴۴۔ ❺مغنى المحتاج: ۳۵۳/۳ ❻المغنى: ۳۴۰/۷ كشاف القناع ۴۲۵/۵

صیغہ کی شرائط...... وہ صیغہ جس سے ظہار منعقد ہوتا ہے یا تو صریح لفظ ہو کہ اس میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی یا کنایہ ہوگا کہ نیت کی طرف محتاج ہوگا الفاظ صریحہ اور کنایہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں ❶ وہ الفاظ ہیں جن سے ظہار کے علاوہ کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو مثلاً بیوی سے کہے تو مجھ پر ماں کی پیٹھ یا پیٹ یا ران یا فرج کی طرح ہے یا کسی مشاع جز ونصف وغیرہ کو ذکر کرے تو بغیر نیت کے بھی مظاہر ہوگا کیونکہ یہ صریح ہے اور اسی کی مثل ہے تو مجھ پر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ تو ظہار ہوگا کیونکہ صریح ہے اور کنایہ وہ الفاظ جو ظہار کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور غیر کا بھی اور ان میں نیت سے ظہار ہوگا مثلاً تو مجھ پر ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس نے کہا میں نے کرامت مراد لی ہے تو وہی ہوگا جو اس نے کہا اور اگر کہا ظہار مراد لیا ہے تو وہ ظہار ہوگا اور اگر کہا طلاق مراد لی ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اس کی کوئی نیت بھی نہ ہو تو شیخین کے ہاں کچھ بھی نہ ہوگا کیونکہ کرامت مراد لینا متحمل ہے یا یہ کہے تو مجھ پر ماں کی طرح حرام ہے تو جو نیت کرے گا ظہار یا طلاق کی وہی معتبر ہے اور اس میں اس سے کرامت و بزرگی کا ارادہ قبول نہ ہوگا کیونکہ حرام کا لفظ موجود ہے اور اگر کچھ بھی ارادہ نہ کیا تو ادنیٰ یعنی ظہار ثابت ہوگا اصح قول کے مطابق کیونکہ اس لیے ملک نکاح زائل نہیں ہوئی اگرچہ لمبا ہی کیوں نہ ہو مالکیہ کے ہاں ❷ صریح ظہار وہ ہے جس میں ظہار کا ذکر ہو ہمیشہ کی تحریم کے ساتھ یا وہ لفظ جو شرعی وضع کے اعتبار سے ظہار دلالت کرتے اور اس میں غیر کا احتمال نہ ہو ہمیشہ کے لیے حرام عورت کی پیٹھ کا لفظ صریح میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ پیٹھ کا ذکر اور ہمیشہ کے لیے حرام عورت کا ذکر مثلاً تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ یا رضاعی بہن کی پیٹھ یا اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور صریح ظہار میں اگر طلاق کی نسبت کرے تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ صریح کی تمام اقسام غیر کی طرف نہیں پھرتیں اور اگر ظہار سے طلاق کی نیت کرے تو یہ معتبر نہیں۔ یہ فتویٰ کے اعتبار سے ہے نہ قضاء کے اعتبار سے اور کنایہ ان کے ہاں وہ الفاظ ہیں جن میں ان دونوں میں سے ایک نہ ہو لفظ پیٹھ اور ہمیشہ کی حرمت والی عورت پہلے کی مثال تو میری ماں کی طرح ہے یا تو میری ماں ہے اور دوسرے کی مثال تو میری پیٹھ کی طرح ہے یا میرے باپ بیٹے وغیرہ کی یا اجنبیہ کی طرح ہے مثلاً تو مجھ پر فلان عورت کی پیٹھ کی طرح ہے نہ ہی تو وہ اس کے لیے حرام ہے اور نہ ہی اس کی بیوی ہے۔ اور کنایہ ہی میں سے ہے کہ بیوی کے کسی جز وکو یا مشبہ بہ کے کسی جز و سے مثلاً ہاتھ سر بال وغیرہ کا ذکر کرے اور ان دونوں قسموں میں ظہار کی نیت کرے اگر ظاہری کنایہ کی دونوں قسموں میں ظہار کی نیت کی اور دونوں لفظ ظہر اور مؤبد کا ساقط کرتا ہے تو مظاہر ہو جائے گا اور اگر طلاق کی نیت کی تو بینونت کبریٰ یعنی تین طلاقیں ہو جائیں گی چاہے بیوی مدخول بھا ہو یا غیر مدخول بھا لیکن اگر اس نے کم کی نیت کی غیر مدخول بھا میں تو جس کی نیت کی وہی لازم ہوگا برخلاف مدخول بھا کے کیونکہ اس میں تین طلاقیں ہی ہوں گی اور کم کی نیت قبول نہیں۔

شوافع کے ہاں ❸ صریح وہ الفاظ ہیں جن میں پیٹھ یا کسی ایسے عضو کا ذکر ہو جو بطور کرامت ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً اپنی بیوی سے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اسی طرح تیرا جسم یا تیرا بدن یا تیرا النفس میری ماں کے بدن یا جسم کی طرح ہے کیونکہ اس میں ظہر کا ذکر موجود ہے۔ اور تو مجھ پر ماں کے ہاتھ یا پیٹ یا سینہ وغیرہ کی طرح ہے یہ بھی صریح ہے کیونکہ ایسے اعضاء میں جو بطور بزرگی اور کرامت ذکر نہیں کیے جاتے نیز یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے لذت حاصل کرنا حرام ہے لہٰذا یہ بھی پیٹھ کی طرح ہیں اور صریح الفاظ میں سے یہ کہ کسی ایسے جز و کا ذکر کرنا جو مشاع ہو مثلاً نصف ربع وغیرہ یا کسی ایک عضو کا تذکرہ کرنا مثلاً سر، پیٹھ، ہاتھ پاؤں، بدن، جلد اور بال وغیرہ اور کنایہ ایسے عضو کا ذکر کرنا جس میں بزرگی کا احتمال ہو جیسے آنکھ پاؤں کا سر وغیرہ یا تو میری ماں کی طرح ہے یا اس کے روح یا چہرہ کی طرح ہے

---

❶ فتح القدیر ۳/۲۲۸، ۲۳۱ البدائع: ۳/۲۳۱، ۲۳۲ الدر المختار: ۲/۷۹۲، ۷۹۴ اللباب: ۳/۶۸ وما بعدها. ❷القوانين الفقهية: ۲۲۲ الشرح الصغير: ۲/۶۳۷ الشرح الصغير: ۲/۴۴۲ بداية المجتهد: ۲/۱۰۴، ۱۱ المهذاب ۱/ ۵۹۹ ❸مغنى المحتاج: ۳/۳۵۳ المهذب: ۲/۱۱۲.

اگر ظہار کا ارادہ کیا تو ظہار ہوگا اور اگر کرامت کا ارادہ کیا یا کسی بھی چیز کا ارادہ نہ کیا تو ظہار نہ ہوگا کیونکہ یہ الفاظ بطور کرامت واعزاز استعمال کیے جاتے ہیں اور طلاق کے لفظ سے ظہار نہیں ہوتا اور نہ ہی ظہار کے لفظ سے طلاق ہوتی ہے اگر آدمی نے کہا تجھے طلاق ہے اور اس میں ظہار کی نیت کرے تو ظہار نہیں ہوگا اور اگر کہا تو مجھے پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے موجب میں صریح ہے لہٰذا نیت سے وہ اپنے موجب سے پھرے گا نہیں اور اگر کہا تجھے طلاق میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور کچھ بھی نیت نہ کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور ظہار امی کا لفظ لغو ہوگا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے ماں کی پیٹھ کی طرح اور کوئی بھی نیت نہ کی تو یہ ظہار ہے کیونکہ اس نے صریح لفظ استعمال کیا ہے اور اسے تحریم کے لفظ سے اور مؤکد کیا ہے اور اگر اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی۔

حنابلہ کے ہاں ❶ صریح الفاظ ہیں جو متضمن ہوں پیٹھ یا حرمت کے ذکر کو جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کسی اجنبی عورت کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو مجھ پر حرام ہے یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو حرام قرار دیا تو مظاہر ہوگا۔ اگر بیوی کو اس سے تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا بہن کی طرح ہے تو یہ بالا جماع ظہار ہوگا، اسی طرح اگر ذی رحم محرم میں سے کسی سے تشبیہ دی جیسے دادی پھوپھی، خالہ، سالی وغیرہ سے تو بھی مذاہب اربعہ اور اکثر علماء کے ہاں ظہار ہے یا رضاعت کی قریبی محرم یا مصاہرت کے قریبی محرم سے تشبیہ دی تو اکثر کی رائے میں یہ ظہار ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں کنایہ کرامت اور عزت کا لفظ استعمال کرنا ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے اگر کہا تو مجھ پر ماں کی طرح ہے اگر اس سے ظہار کا ارادہ کیا تو ظہار ہوگا اور یہ اکثر کی رائے ہے اور اگر اس سے بزرگی اور عزت مراد لی اور عورت بھی بڑے ہونے یا صفات میں اس کے مثل تھی تو ظہار نہ ہوگا اور نیت کے حوالے سے شوہر کی بات معتبر ہوگی اگر اس نے کچھ بھی نیت نہ کی تو ان کے ہاں ظہار نہیں اور یہ امام ابوحنیفہ اور شافعی کے قول کے موافق ہے اس لیے کہ یہ الفاظ بزرگی میں زیادہ استعمال ہوتے ہیں بنسبت حرمت کے۔ لہٰذا نیت کے بغیر ظہار نہ ہوگا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے۔ اگر اس سے ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا یہ بھی امام ابو حنیفہ اور شافعی کے موافق ہے اور اگر کہا تو حرام ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ظہار نہیں ہوگا، اور اگر کہا تو مجھ پر ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے تو یہ ظہار میں صریح ہے اس کے علاوہ کچھ بھی مراد نہیں ہوگا، چاہے طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے یہ بھی متفق علیہ ہے کیونکہ ظہار کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے اور حرام سے اسے واضح کیا ہے اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ماں کی پیٹھ کی طرح تو طلاق ہوگی جیسا کہ شوافع نے کہا اور ماں کی پیٹھ کا لفظ ساقط ہو جائے گا کیونکہ پہلے اس نے صریح طلاق لایا ہے اور ظہار امی کو اس کی صفت بنایا ہے اگر اس نے اس سے طلاق کی تاکید کی تو ظہار نہ ہوگا اگر اس سے ظہار کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی اور یہ اجنبیہ کے ظہار کی طرح ہے، اور اگر طلاق رجعی ہو تو ظہار صحیح ہوگا جیسا کہ شوافع نے کہا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے اور طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کی تو ظہار ہوگا طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایک ہی لفظ ظہار اور طلاق نہیں ہو سکتا اور اس لفظ سے ظہار مراد لینا اولیٰ ہے لہٰذا اولیٰ مراد ہوگا اور اگر کہا حلال مجھ پر حرام ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے وہ مجھ پر حرام ہے اور اس کی ایک بیوی تھی تو ان تینوں صورتوں میں مظاہر ہوگا کیونکہ اس کے الفاظ عموم کا تقاضا کرتے ہیں لہٰذا یہ عموم عورت کو بھی شامل ہوگا اگر عورت کی تحریم کی تصریح کر دی یا اس کی نیت کی تو یہ تاکید ہوئی۔ لیکن اگر یہ الفاظ کہے: میری ماں کے بالوں کی طرح ہے یا دانتوں اور ناخنوں کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کی ماں کے ثابت اعضاء میں سے نہیں، یا کیا میں مظاہر ہوں یا مجھ پر ظہار ہے یا مجھ پر حرام ہے یا حرام مجھے لازم ہے اور کوئی نیت بھی نہ کی تو ظہار نہ ہوگا کیونکہ تو نہ ظہار میں صریح ہیں اور نہ ہی اس نے ان سے ظہار کی نیت کی اگر ان الفاظ سے اس نے ظہار کی نیت کی یا کوئی قرینہ مل گیا ظہار کے ارادہ پر مثلاً اسے شرط پر معلق کر دے اور کہے اگر میں تجھ سے بات کروں مجھ پر حرام ہے اس میں احتمال ہے کہ ظہار ہو تو جس طرح طلاق کنایہ بغیر نیت کے درست نہیں یہ بھی درست نہیں اور یہ بھی احتمال ہی کہ اس سے ظہار ثابت نہ ہو کیونکہ شریعت میں اس کے لیے صریح لفظ استعمال ہوا ہے مظاہرۃ کا اور یہ اس میں صریح نہیں نیز یہ قسم ہے اس کا موجب کفارہ ہے لہٰذا اس کا حکم بغیر صریح کے ثابت نہ ہوگا۔

---

❶ المغنی: ۷/ ۳۴۰، ۳۴۶، کشاف القناع ۵/ ۴۲۶۔ ۴۲۸۔

تیسرا مقصد: ظہار کا اثر اور اس کے احکام اور مظاہر پر کیا حرام ہوتا ہے...... ظہار پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں ❶ بالاتفاق کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہمبستری حرام ہے اور اس طرح شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں جماع کے علاوہ ہر قسم کا استمتاع مثلاً چھونا، بوسہ دینا، چہرہ ہتھیلیوں ہاتھوں کے علاوہ باقی تمام بدن اور محاسن کو لذت کی نگاہ سے دیکھنا اور فرج کے علاوہ مباشرت کرنا حرام ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ...... المجادلۃ ۵۸/۳

جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ نیز وہ بات جس سے وطی حرام ہے تو اس کی وجہ سے وطی کے مقدمات اور دواعی بھی حرام میں تاکہ اس میں واقع نہ ہوجائے جیسے طلاق اور احرام۔ اور یہ حرمت اس وقت تک رہے گی جب تک وہ ظہار کا کفارہ ادا نہ کردے کیونکہ اس کا ظہار کرنا جنایت ہے اور وہ نامعقول بات اور جھوٹ ہے لہٰذا اسے جنایت کے مناسب حرمت کا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کفارہ سے ختم ہوگی۔ اگر مظاہر نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے ہمبستری کرلی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے اور اس پر صرف وہی کفارہ ہے جو پہلا واجب ہوا ہے اور پھر وہ اس سے استمتاع نہیں کرسکتا جب تک کفارہ ادا نہ کرے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس شخص کے بارے میں جس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلیا اس وقت تک اس کے قریب مت جاؤ جب تک اللہ کی حکم کو پورا نہ کرلو اور ایک روایت میں اس سے علیحدگی اختیار کرو یہاں تک کہ کفارہ ادا کرلو ❷ اور سلمہ بن صخر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرلیا کہ اس کے لیے ایک کفارہ ہے ❸ اور وہ واپسی جس کی وجہ سے کفارہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا المجادلۃ ۵۸/۳

یعنی ظہار کرنے والا وطی کا عزم کرے یعنی اس پر کفارہ اس وقت واجب ہے جب وہ ظہار کے بعد جماع کا ارادہ کرے اگر وہ اس بات پر راضی ہو کہ وہ عورت اس پر حرام ہوجائے اور وہ اس سے جماع کا ارادہ بھی نہ ہو تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا ور اسے کفارہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے کا ضرر دفع کرنے کے لیے اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ ظہار سے صرف جماع حرام ہوتا ہے اس کے مقدمات اور دواعی حرام نہیں حتیٰ کہ مظاہر کفارہ ادا نہ کرے کیونکہ یہ ایک ایسی تحریم ہے جو مال کے ساتھ تحریم سے متعلق ہے۔ لہٰذا تحریم تجاوز نہ کرے گی جیسی حائضہ سے وطی اور عورت کو حق ہے کہ وہ مظاہر سے وطی طلب کرے کیونکہ اس کا حق اس سے متعلق ہے اور عورت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اسے استمتاع سے روکے رکھے جب تک وہ ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے اور قاضی پر لازم ہے کہ اسے کفارہ پر مجبور کرے ضرر دفع کرنے کے لیے اور لازم کرنا قید کرکے اور مار کر ہوسکتا ہے۔ اگر شوہر نے دعویٰ کیا کہ اس نے ظہار کا کفارہ ادا کردیا ہے۔ تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ جھوٹ میں معروف مشہور نہ ہو۔

کیا ظہار طلاق کے بعد واپس آجاتا ہے زوجیت کی طرف...... جب شوہر نے اپنی بیوی کو ظہار کے بعد طلاق دی کفارہ ادا کرنے سے پہلے پھر اس سے رجوع کرلیا آیا ظہار واپس آئے گا یا نہ تاکہ اس پر عورت سے جماع کرنا وغیرہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے حرام ہو ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ ❹ اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا ہے مالک کے ہاں اگر تین سے کم طلاقیں دیں پھر عدت میں یا عدت کے بعد رجوع

❶ البداء: ۳/۲۳۴ فتح القدیر: ۳/۲۲۶ الدرالمختار: ۲/۷۹۲ اللباب: ۳/۶۷ القوانین الفقهة ۲۴۲ بداية المجهتد ۲/۱۰۸ الشرح ۲/۶۴۱ المهذب: ۲/۱۱۴ المغنى: ۷/۳۴۷. ❷ اخرجه اصحاب السنن اربعة عن ابن عباس نصب الراية ۳/۲۴۶۵ نيل الاوطار: ۶/۲۷۱) ❸ رواه ابن ماجه والترمذى عن سلمة (نيل الاوطار ۶/۲۶۱) ❹ بداية المجتهد: ۲/۱۰۹ المغنى: ۷/۳۵۱ البدائع: ۳/۲۳۵

کرلیا تو اس پر کفارہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ صاحبین امام شافعی اور احمد کے ہاں ظہار ہر صورت میں ہوگا چاہے تین طلاق کے بعد اس سے نکاح کرے یا کم کے بعد یہ مسئلہ اس مسئلہ کے مشابہ ہے کہ جب کوئی طلاق کی قسم اٹھائے پھر اسے طلاق دے دے پھر رجوع کرے آیا اس پر یہ قسم باقی رہے گی یا نہ اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا طلاق زوجیت کے تمام احکام کو ختم کر دیتی ہے یا نہ ان میں سے بعض کے ہاں تین طلاقیں تمام احکام زوجیت کو ختم کر دیتی ہیں اور تین سے کم نہیں اور بعض کے ہاں طلاق تمام احکام کو ختم نہیں کرتی۔

کیا ظہار میں ایلاء داخل ہوسکتا ہے یا نہ......ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے ❶ اس میں بھی اختلاف نقل کیا ہے اور تین رائے ہیں امام مالک کے علاوہ جمہور کے ہاں ایلاء کا حکم ظہار کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتا چاہے شوہر نقصان دینے والا ہو یا نہ مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اگر شوہر تکلیف دینے والا ہے تو پھر ظہار میں ایلاء داخل ہوسکتا ہے اور سفیان ثوری کے ہاں ایلاء ظہار میں مطلقاً داخل ہے اور عورت اس سے چار ماہ گذرنے کے بعد بائنہ ہوجائے گی اگر چہ شوہر نقصان نہ دیتا ہو اور اختلاف کا سبب معنی کی رعایت یا ظاہر کا اعتبار ہے جس نے ظاہر کا اعتبار کیا تو ان کے ہاں تداخل نہ ہوگا اور جس نے معنی کا اعتبار کیا وہ کہتے ہیں تداخل ہوگا۔

چوتھا مقصد: ظہار کا کفارہ......کفارہ ظہار کے متعلق درج ذیل مسائل پر بات ہوگی۔

پہلی بات: کفارہ کی مشروعیت......کتاب اللہ اور سنت سے کفارہ مشروع ہے ❷ کتاب اللہ میں تو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ......المجادلۃ ۵۸/۳،۴

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے اس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو غلام نہ پائے تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ساٹھ روزے لگاتار رکھے اور جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اور سنت میں سے ابوداؤد نے اپنی سند سے خولہ بنت مالک بن ثعلبہ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں مجھ سے بحث کرتے رہے اور فرماتے اللہ سے ڈرو وہ آپ کے چچا کا بیٹا ہے تو آپ بہت خوش ہوئے جب قرآن کی یہ آیت ظہار ۳، ۴ نمبر سورہ المجادلۃ کی نازل ہوئیں آپ نے فرمایا وہ ایک غلام آزاد کردے کہنے لگی اس کے پاس غلام نہیں آپ نے فرمایا دو ماہ مسلسل روزے رکھے تو کہنے لگی: اے اللہ کے رسول وہ تو بوڑھے ہیں روزہ نہیں رکھ سکتے آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے کہنے لگی اس کے پاس کچھ بھی نہیں جسے صدقہ کرسکے آپ نے فرمایا ایک عرق (ساٹھ صاع) کھجور لاؤ کہنے لگی اے اللہ رسول میں اس کی مدد کروں گی ایک اور عرق سے آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا چلی جاؤ اور یہ دونوں اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے چچا کے بیٹے سے رجوع کرلو اور عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ❸

دوسری بات: کفارہ کب واجب ہوگا......اکثر فقہاء کے ہاں کفارہ ظہار اس سے رجوع سے پہلے واجب نہیں ہوتا اگر ظہار کرنے والوں میں سے کوئی ایک مرجائے یا مظاہر اپنی بیوی کو رجوع سے پہلے جدا کردے تو اس پر کفارہ نہیں کیونکہ آیت میں تصریح ہے کفارہ کے وجوب کا تعلق رجوع سے ہے اور بطریق قیاس یہ کہ ظہار قسم کے کفارہ کے مشابہ ہے جیسے کفارہ مخالفت سے لازم ہوتا ہے یا مخالفت کے ارادہ

---

❶بدایۃ المجتھد ۲/ ۱۰۹۔ ❷بدایۃ المتجھد: ۲/ ۱۰۳ المغنی: ۷/ ۱۰۹۔ ❸رواہ ابوداؤد: والاحمد معناہ لکنۃ یم یذ کرقدر العرق (نیل الاوطار ۶/ ۲۶۲)

سے یہی معاملہ ظہار کا ہے اور ظہار کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے لہٰذا حانث ہونے کے بغیر حانث نہ ہوگا جیسے ساری قسموں میں ہوتا ہے اور اس میں حانث ہونا رجوع ہے اور رجوع کی تفسیر میں تین رائے ہیں (۱) حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں وطی کا عزم یا ارادہ حنابلہ کی رائے فرج میں وطی کرنا ہے کیونکہ کفارہ کو رجوع کے بعد واجب کیا گیا ہے اور وہ اس سے تعلق کا تقاضا کرتا ہے اور وطی سے پہلے واجب نہیں الا یہ کہ کفارہ ادا کرنا وطی کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے لہٰذا جو وطی کا ارادہ کرے تو اسے حکم دیا جائے گا کہ حلال کرنے کے لیے کفارہ ادا کرو جیسا کہ اسے نکاح کا حکم دیا جائے کا جو حت چاہتا ہے اور رجوع قولی طور پر جو کہا اس کے فعل کی ضد ہے جیسا کہ ہبہ میں رجوع اور یہاں پر رجوع جس کے چھوڑنے کا حلف اٹھایا یعنی جماع کا کرنا ہے۔ اور شوافع کے ہاں ظہار میں رجوع، ظہار کے بعد اتنی دیر تک روک رکھنا تو اس میں طلاق ہے کیونکہ ظہار بائنہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس اس کا روکنا رجوع ہے کہی ہوئی بات سے نیز ماں سے اسے تشبیہ دینے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بیوی کو نہ روکے اگر اس نے اسے بیوی بنا کر روک لیا تو اس نے رجوع کر لیا اپنی کہی ہوئی بات سے اس لیے کہ بات سے رجوع اس کی مخالفت ہے کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں بات کہی پھر اس سے پھر گیا یعنی اس کی مخالفت کی اور اسے توڑ دیا اور یہ ہبہ سے رجوع کی طرح ہے اور یہ حکم مؤبد ظہار یا مطلق ظہار کا ہے اور غیر اور رجوع والی عورت سے کیونکہ مؤقت ظہار میں دوران مدت وطی کرنے سے وہ رجوع کرنے والا ہوگا نہ کہ روکنے سے اور رجعیہ سے رجوع رجعت سے ہوگا اور ظہار کے اتنی مدت تک روکنا جس سے تفریق کا امکان ہو وہ محل رجوع ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب ظہار کے ساتھ کسی اور سبب سے جدائی نہ ہو جائے اگر ظہار کے ساتھ فرقت و تفریق پائی گئی موت وغیرہ کی وجہ سے یا نکاح فسخ کر دیا گیا یا طلاق بائن سے تفریق ہوئی یا طلاق رجعی سے ہوئی اور رجوع کیا یا ظہار کرنے کے بعد شوہر مجنون ہو گیا تو نہ رجوع ہے اور نہ ہی ان صورتوں میں کفارہ ہے کیونکہ طلاق اور جنون کی حالت میں جدائی متعذر ہے اور موت کی صورت میں امساک نہیں پایا گیا اور فسخ کی صورت میں وہ منتفی ہو گیا۔

تیسری بات: متعدد ظہار...... اگر کسی شخص نے اپنی چار بیویوں سے ظہار کر لیا تو اس پر حنفیہ اور شوافع کے جدید مذہب میں (۲) چار کفارے ہیں چاہے ان سے مختلف اقوال سے کرے یا ایک ہی لفظ میں کے اس لیے کہ ظہار اگر چہ ایک کلمہ سے ہو یہ اس کی بیویوں میں سے ہر ایک و شامل ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک سے ظہار کرنے والا ہوا اور یہ بات کہ ظہار تحریم ہے صرف کفارہ ہی سے ختم ہو سکتا ہے جب تحریم متعدد تو کفارہ بھی متعدد۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں (۳) جب ایک ہی کلمہ میں ظہار کرے تو اس پر ایک سے زیادہ کفارہ نہیں کیونکہ تحریم کے اعتبار سے ظہار ایلاء کی طرح ہے، اور ایلاء میں صرف ایک کفارہ ہی واجب ہوتا ہے نیز یہ قسم کی طرح ہے اور متعدد چیزوں کی قسم سے حانث ہونے پر صرف ایک کفارہ ہی ہوتا ہے نیز کفارہ گناہ کو مٹاتا ہے اور ایک کفارے سے مراد پوری ہو جاتی ہے لیکن اگر اپنی سب بیویوں سے کئی کلموں میں ظہار کرے تو اس صورت میں ہر ایک کے لیے ایک کفارہ ہوگا کیونکہ ہر عورت کا ظہار الگ ہے نیز یہ متفرق چیزوں پر قسم ہے مکرر لہٰذا ہر ایک کے لیے کفارہ ہوگا جیسے کے پہلے کفارہ ادا کرنے پر ظہار کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ میرے ہاں پہلی رائے راجح ہے یعنی حنفیہ کی کیونکہ ظہار کا محل متعدد ہے لہٰذا کفارہ بھی متعدد ہونا چاہیے۔

رہ گئی وہ صورت کہ ظہار متعدد ہوں تو کفارہ کا کیا ہوگا یعنی اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کرے تو اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے (۴) حنفیہ کے ہاں اگر ایک ہی مجلس میں بار بار ظہار کرے تو اس کا ایک ہی کفارہ ہے اور اگر کئی مجلسوں میں کرے تو اس کے لیے کئی کفارے ہیں جیسے باقی قسموں میں نیز اس لیے بھی کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو بیوی کی حرمت کو واجب کرتی ہے جب اس سے نئے سرے سے کرنے کی نیت کی تو ہر مرتبہ کے ساتھ اس کا حکم متعلق ہوگا۔

---

(۱) البدائع: ۲۳۵/۳ اللباب: ۶۸/۳ (۲) بدایة المجتهد: ۱۰۴/۲ القوانين الفقهية: ۲۴۳ الشرح الصغير ۶۴۳/۲ (۳) مغنی المحتاج: ۳۵۵/۳ المهذب: ۱۱۳/۲ (۴) المغنی: ۳۵۱/۷۔

طلاق کی طرح مالکیہ اور حنابلہ کی ظاہر مذہب کے مطابق اور اوزاعی کی رائے...... جب شوہر اپنی بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کرے اور اس کا کفارہ ادا نہ کرے تو اس کا ایک ہی کفارہ ہے کیونکہ بیوی تو پہلی بات ہی سے حرام ہوگئی لہٰذا دوسری بار کہنا اس کی حرمت میں اضافہ نہیں کرسکتا، نیز ظہار ایک ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ کفارہ متعلق ہے جب اسے مکرر ذکر کیا تو ایک ہی کفارہ کافی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم میں اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ جس نے کئی قسمیں اٹھائیں اگر قسم کی تاکید کا ارادہ کرتا ہے تو ایک کفارہ ہوگا اور اگر نئے سرے سے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر دو کفارہ ہیں۔

چوتھی بات: کفارہ کی اقسام ان کی ترتیب...... کفارہ کی تین قسمیں ہیں جن پر قرآن وسنت دال ہے (11) عیوب سے پاک غلام آزاد کرنا چاہے بڑا ہو یا چھوٹا مذکر ہو یا مونث (12) دو ماہ پے در پے مسلسل روزے رکھنا (13) ساٹھ مسکینوں کھانا کھلانا ایک دن صبح اور شام حنفیہ کے ہاں اور یہ بالترتیب واجب ہے پہلے غلام آزاد کرنا، اگر غلام نہ ہو بلکہ اس سے عاجز ہو تو پھر روزے اگر روزے بھی نہ رکھ سکے عاجز ہونے کی وجہ سے تو پھر کھانا کھلائے اور جمہور کے ہاں عاجز ہونے کا وقت ادا کا وقت ہے اور حنابلہ کے ہاں حانث ہونے کا وقت ہے۔

غلام آزاد کرنا (14)...... یہ سب سے پہلا واجب ہے مظاہر پر جو آزاد کرنے پر قادر ہو اس کے علاوہ اس کے لیے جائز نہیں بالاتفاق کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ...... المجادلۃ ۵۸/۳

ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے غلام آزاد کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اوس بن صامت کے لیے جب انہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا غلام آزاد کرو میں نے کہا نہیں ہے فرمایا پھر روزے رکھو اور اس طرح آپ کا مسلمہ بن صخر سے کہنا، پس جس کے پاس غلام ہو یا وہ حاجات اصلیہ سے زیادہ مال کا مالک ہو اور اس سے غلام خرید جاسکتا ہو تو اس کی طرف سے کچھ اور جائز نہیں صرف غلام ہی ادا کیا جاسکتا ہے اور فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عیوب سے پاک غلام ہی آزاد کرنا ہوگا اس لیے کہ غلام کی تملیک کا مقصد اس کے نفس کے منافع حاصل کرنا ہے اور اسے اپنے تصرف میں قدرت دینی ہے اور یہ اس کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتے جس میں واضح ضرر ہو لہٰذا اندھا، اپاہج، ہاتھ کٹا، پاؤں کٹا ادا کرنا کافی نہ ہوگا کیونکہ منفعت کی جنس ہی نہیں پائی جارہی لہٰذا منفعت حکماً ہلاک ہے اس لیے کہ وہ ان اعضا کے تلف ہونے کی وجہ سے کئی سارے کام نہیں کرسکتا اسی طرح مجنون بھی کافی نہیں اس لیے کہ اس میں دو چیزیں پائی جارہی ہیں ایک جنس کی منفعت نہیں اور عمل سے ضرر کا حاصل ہونا اور حنفیہ کے ہاں ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا جائز ہے اور دونوں کان یا ناک کٹا اور بہرہ اگر چیخ سن سکتا ہو اندھا خصی، اور مجبوب وغیرہ جائز ہیں کیونکہ ان کی منفعت کی جنس فوت نہیں بلکہ کمال میں مخل ہے اور یہ انتفاع سے مانع نہیں البتہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹا جائز نہیں کیونکہ پکڑنے کی قوت انہی میں ہے اسی طرح ان کے ہاں گونگا اور ایسا بہرا جو چیخ بھی نہ سن سکتا ہو کافی نہیں ہوگا کیونکہ منفعت کی جنس ہی زائل ہے لہٰذا یہ زائل العقل کے مشابہ ہے۔ اور جمہور کے ہاں ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا جائز نہیں اور شوافع ایک ہاتھ کٹے کی اجازت دیتے ہیں نہ کہ پاؤں کٹے کی اور مالکیہ کے ہاں ایک یا زیادہ انگلیاں کٹے ہوئے یا کان کٹے یا اندھے کو آزاد کرنا کافی نہیں البتہ کانا کافی ہے گونگا اور بہرا مجنون اور ایسا مریض جو ہلاکت تک پہنچ چکا ہو کافی نہیں اور شوافع کے ہاں اپاہج مریض ایک پاؤں کٹا یا ہاتھ کی خنصر بنصر انگلیاں کٹا یا ان کے علاوہ دو پورے کٹا یا انگوٹھا کٹا کافی نہیں اور بوڑھا عاجز یا اکثر وقت مجنون رہتا ہو یا ایسی مرض جس کی شفاء کی امید نہ ہو یہ کافی نہیں اور ان

---

(11)......البدائع: ۳/۲۳۴ مغنی المحتاج: ۳/۳۵۸ (12) بدایۃ المجتہد: ۲/۱۱۲ المغنی: ۷/۳۵۷ (13) بدایۃ المجتہد: ۲/۱۱۳ المغنی: ۷/۳۸۶۔ (14) الدر المختار: ۲/۷۹۶ فتح القدیر: ۳/۲۳۳ اللباب: ۳/۷۰ الشرح الصغیر: ۲/۶۴۵ بدایۃ المجتہد: ۲/۱۱۰ القوانین الفقہیۃ مغنی المحتاج: ۳/۳۶۰ المہذب: ۲/۱۱۴ المغنی: ۷/۳۵۹ کشاف القناع//۴۳۸۔

کے ہاں چھوٹا اور لنگڑا، کان بہرہ اور گونگا، ناک کٹا، کان کٹا اور پاؤں کی انگلیاں کٹا کافی ہے اور غصب شدہ غلام کافی نہیں کیونکہ وہ ممنوع تصرف ہے اپاہج مریض کی طرح ہے اور حنابلہ کے ہاں ہاتھ یا پاؤں کٹا شل ہاتھ کا انگوٹھا کٹا یا شہادت کی انگلی کٹا یا درمیانی انگل جائز نہیں کیونکہ ہاتھ کا فائدہ ان کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک ہاتھ کی خنصر اور بنصر کٹا بھی کافی نہیں کیونکہ ہاتھوں کا نفع ان کے کٹنے سے ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر ہر ایک ہاتھ سے ایک ایک کٹی ہو تو پھر جائز ہے کیونکہ ہتھیلیوں کا نفع باقی ہے اور انگوٹھے کے پوروں کا کٹنا پورا ہاتھ کٹے کی طرح ہے ہاتھ کٹے کے علاوہ مسائل میں یہ شوافع کی طرح ہیں اور ان کے ہاں کانا جائز ہے اور ناک کٹا اور بہرہ اگر وہ اشارہ سمجھتا ہو جائز ہے اور گونگا اگر اس کا اشارہ سمجھا جا سکتا ہو یا وہ اشارہ سمجھ سکتا ہو تو جائز ہے اور وہ مریض بھی جائز ہے جس کی شفاء کی امید ہو اور جس کی شفاء کی امید نہیں وہ جائز نہیں اور مغصوب کو آزاد کرنا جائز نہیں اس لیے کہ وہ منافع پر قادر نہیں اور ایسا غائب جس کا علم نہ ہو کہاں ہے وہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس کی زندگی کا ہی علم نہیں لہٰذا اس کی آزاد کرنے کی صحت بھی معلوم نہ ہوئی۔ آیا غلام کا مسلمان ہونا شرط ہے تو اس بارے میں دو قول ہیں حنفیہ کے ہاں کفارہ ظہار میں غلام کا ایمان شرط نہیں اور اسی طرح کفارہ قسم میں بھی لہٰذا کافر کو یا مباح الدم کو آزاد کرنا صحیح ہے نص قرآنی کے اطلاق پر عمل کرتے ہوئے فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المجادلہ: ۵۸ / ۳) غلام آزاد کرنا ہے اور جمہور کے ہاں کفارہ ظہار اور کفارہ قسم میں غلام اور ایمان شرط ہے لہٰذا واجب ہے کہ وہ مسلمان ہو کافر کافی نہیں کیونکہ یہ کفارہ ہے آزاد کر کے لہٰذا صرف مؤمن ہی جائز ہے جیسے کفارہ قتل میں اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے کا جبکہ معنی پایا جائے اور اس لیے بھی کہ جب صرف وہ غلام جائز ہے جو عیوب سے پاک ہو ایسے عیب جو واضح طور پر عمل کو نقصان دیں تو ہم نے نص قرآنی کو اس قید سے مقید کر دیا پس سلامتی عیوب کی قید سے کفر سے بری ہونا بدرجہ اولیٰ ہے اور اختلاف کا سبب وہ قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا کیونکہ قرآن میں کفارہ قتل میں غلام کے مسلمان ہونے کو شرط قرار دیا ہے اور کفارہ ظہار میں مطلق ذکر کیا ہے پس جمہور کے ہاں مطلق کو مقید کی طرف پھیرنا واجب ہے اور حنفیہ کے ہاں واجب نہیں بلکہ ہر نص پر علیحدہ طور پر عمل کیا جائے گا اور نص پر ایسی زیادتی اور اضافہ نہ کیا جائے گا جو اس میں سے نہ ہو۔

دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنا...... اہل علم کا اجماع ہے ❶ کہ جب مظاہر غلام نہ پائے یا اس کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا عام قیمت وہ مہنگا ملتا ہو اور روزے رکھنے کی اسے طاقت ہو تو اس پر دو ماہ لگاتار روزے رکھنا فرض ہے اگرچہ چاند کے اعتبار سے وہ اٹھاون ہی دن کیوں نہ بنیں ورنہ ساٹھ دن کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ...... المجادلۃ ۵۸/۴

نیز اوس بن صامت اور سلمہ بن صخر والی حدیث کی وجہ سے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دو ماہ لگاتار روزے رکھ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جب تک اسے غلام مل سکتا ہے تو پھر غلام کا آزاد کرنا اس پر واجب ہے روزہ رکھنا جائز نہیں اگرچہ غلام کا خدمت کے اعتبار سے محتاج ہی کیوں نہ ہو یا وہ اس کی قیمت کا دین ادا کرنے کے لیے محتاج ہو کیونکہ غلام حقیقت کے اعتبار سے پایا گیا شوافع اور حنابلہ نے مخالفت کی ہے کہ اگر وہ اس کی خدمت کا محتاج ہے یا دین ادا کرنے اور نفقہ وغیرہ کا محتاج ہے اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی اثاثہ نہیں تو وہ روزے رکھ سکتا ہے یا غلام مل ہی نہیں رہا کہ اسے خرید سکے اس لیے کہ جس چیز نے انسان کو مستغرق کر دیا ہو تو وہ معلوم کی طرح ہے بدل کی طرف انتقال کی صورت میں جانا جائز ہے جیسے کہ جسے پیاس لگی ہے اس کے لیے تیمم جائز ہے اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں وہ مالداری مراد ہے جس میں آدمی آزاد کر سکے اور وہ ادائیگی اور اخراج کا وقت ہے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور اس کی جنس کے علاوہ سے اس کا بدل دیا جا رہا ہے لہٰذا اس کی ادائیگی کے وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا جیسے روزے تیمم اور قیام قعود نماز کے لیے اور حنابلہ کے ہاں وجوب کفارہ کا وقت معتبر ہے۔

---

❶ الدر المختار: ۲/ ۸۰۱ اللباب: ۳/ ۷۳ القوانين الفقهية ۲۴۳ اشرح الصغير ۲/ ۶۵۴ بداية المجتهد: ۲/ ۱۱۲ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۶۶ المهذب: ۲/ ۱۱۷ المغنی ۷/ ۳۳۶ غاية المنتهى: ۳/ ۱۹۷ کشاف القناع: ۵/ ۴۴۵۔

لگا تار روزے رکھنا.....اہل علم کا اجماع ہے کہ روزے لگا تار رکھے جائیں گے نص قرآنی کی وجہ سے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جس نے مہینہ کے بعض حصہ میں روزے رکھے پھر بغیر عذر کے چھوڑ دیئے تو اس پر نئے سرے سے دو ماہ کے روزے رکھنے ہیں کیونکہ قرآن کریم اور سنت میں اس کا حکم وارد ہے اور متابع کا معنی دو مہینوں کے روزوں میں پے در پے رکھنا ہے ان میں افطار نہیں کرے گا اور کفارہ کے علاوہ روزہ نہیں رکھے گا اور جمہور کے ہاں لگا تار رکھنے میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ رکھنا ہی کافی ہے کیونکہ یہ شرط ہے اور عبادت کی شرائط نیت کی محتاج نہیں بلکہ افعال عادت میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور مالکیہ کے ہاں لگا تار رکھنے کی نیت اور کفارہ کی نیت دونوں ضروری ہیں اگر اس نے دور ان ماہ روزے شروع کیے تو اس کے بعد والا مہینہ شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں چاند کے اعتبار سے شمار کرے گا اور حنفیہ کے ہاں اگر مہینے کے شروع میں چاند دیکھ کر روزہ نہ رکھا اور درمیان سے شروع کیا تو وہ ساٹھ دن روزے رکھے گا اور تتابع کی تحقیق کے لیے حنفیہ نے فرمایا ایسے دو ماہ کے روزے رکھے جن کے درمیان رمضان کا مہینہ نہ آتا ہو نہ ہی عید الفطر دن نہ ہی قربانی کا دن اور ایام تشریق آتے ہوں اگر مظاہر نے دو ماہ کے دوران رات کے وقت جان بوجھ کر بیوی سے جماع کر لیا یا دن کو بھول کر تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ہاں نئے سرے سے روزے رکھے کیونکہ روزوں کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہوں اور یہ شرط جماع سے ختم ہو جاتی ہے دوران روزہ لہٰذا استیناف کرے اور کھانا کھلانے میں استیناف نہیں ہوگا اگر اس کے دوران ہمبستری کر لی کیونکہ کھانا کھلانے میں نص مطلق ہے اور من قبل ان یتماسا کی قید غلام آزاد کرنے اور روزوں میں ہے اور حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اگر دو ماہ میں سے ایک روزہ بھی کسی عذر کی وجہ سے سوائے حیض کے جیسے سفر بیماری اور نفاس وغیرہ کی وجہ ضائع کر دے یا بغیر عذر کے تو نئے سرے سے روزے رکھے گا کیونکہ تتابع فوت ہو گیا اور یہ اس پر قادر بھی ہے البتہ حیض سے بچنا ناممکن ہے اور مالکیہ کا مذہب حنفیہ کے قریب ہے کہ اگر لگا تار رکھنا چھوڑ دیا اگرچہ مہینے کے آخر میں ہی تو استیناف واجب ہے اور اسی طرح روزوں کا لگا تار رکھنا ختم ہو جاتا ہے اپنی بیوی سے دن یا رات کو بھول کر یا جان بوجھ کر جماع کرنے سے جیسے اطعام باطل ہو جاتا ہے اگر اس کے دوران اگرچہ ایک حد ہی باقی رہ گیا ہو تو وہ اسے باطل کر دیتا ہے اس میں استیناف کرے یہ حنفیہ کے خلاف ہے۔

اور دوران سفر اگر بغیر ضرورت کے اس نے روزہ توڑ دیا یا دو ماہ کے درمیان میں عید کے دن آگئے اور اسے معلوم تھا کہ اس کے روزوں میں عید آئے گی تو روزے باطل ہو گئے لیکن اگر اسے عید کے آنے کا علم نہ ہو تو تتابع باطل نہ ہوگا اور عید کے بعد دو روزے رکھ لے اور ان کے ہاں معتمد کی بناء پر مسلمان عید کے دن روزہ نہیں رکھتا اور اسی طرح اگر رمضان کے آنے کا علم نہ ہو تو متابع ختم نہ ہوگا اور مرض کی وجہ سے تتابع ختم نہ ہوگا اور بھول کر روزہ توڑنے سے بھی اور روزہ توڑنے پر مجبور کرنے سے بھی اور غروب شمس کے گمان سے کھانے پینے سے بھی اور رات باقی سمجھ کر سحری کھانے سے بھی اور حیض اور نفاس سے۔ اور شوافع کے ہاں مالکیہ کی طرح ایک دن بھی بلا عذر روزہ توڑنے سے تتابع ختم ہو جاتا ہے یا عذر سے مثلاً وہ مرض جس میں توڑنے کی گنجائش ہو اور حیض اور نفاس سے تتابع ختم نہیں ہوتا اور جنون سے بھی اور حیض اور نفاس کا تصور کفارہ قتل میں آنے سے ہوتا ہے نہ کہ ظہار میں اس لیے عورتوں پر کفارہ ظہار نہیں اور اگر مظاہر نے رات کے وقت جماع کیا کفارہ ادا کرنے سے پہلے تو گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کیا اور جماع سے تتابع باطل نہیں ہوتا اس لیے کہ رمضان کے روزوں پر جماع سے کوئی اثر نہیں ہوا لہٰذا تتابع پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا جیسے رات کو کھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ سب سے آسان مذہب حنابلہ کا مذہب ہے کہ جن کے ہاں اگر دو ماہ کے دوران کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا تو باقی روزوں کو پورا کرے گا اور اگر بغیر عذر کے روزہ افطار کر دیا تو نئے سرے سے رکھے گا بغیر عذر روزہ توڑنے یا جہالت کی وجہ سے روزہ توڑنے پر تتابع ختم ہو جاتا ہے یا وہ تتابع کا وجوب بھول گیا یا اس نے گمان رکھا کہ مہینہ پورا ہو گیا اور اس کے خلاف ظاہر ہوا یا دو ماہ کے دوران نفل روزہ رکھا یا رمضان کا قضاء روزہ رکھا یا نذر اور کسی دوسرے کفارہ کا روزہ رکھا تو تتابع ختم ہو گیا کیونکہ اس نے ایسی چیزوں سے تتابع ختم کیا ہے جن سے بچنا ممکن تھا لہٰذا یہ بغیر عذر روزہ توڑنے کے مشابہ ہو گیا اسی طرح لگا تار رکھنا ختم ہو جائے گا اگر مظاہر نے رات کو یا دن میں جان بوجھ کر یا بھول کر وطی کر لی تو اسے کے پہلے رکھے ہوئے روزے فاسد ہو گے اور نئے سرے

سے دو ماہ کے روزے رکھے گا لیکن اگر کھانے کھلانے کے دوران اس نے وطی کر لی تو اس پر کھلائے ہوئے کھانے کا اعادہ لازم نہیں جیسا کہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں ہے۔

رمضان کے روزوں یا واجب فطر یعنی عید کے دن اور حیض ونفاس اور جنون کے دنوں اور ہلاک کر دینے والے مرض حاملہ اور مرضعہ اگر نفس کے خوف کی وجہ سے روزہ افطار کر دیں یا کسی مباح عذر کی وجہ سے توڑیں جیسے مرض اور سفر وغیرہ مکرہ اور خطئی تو ان سب صورتوں میں تتابع ختم نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مظاہر کا روزے مکمل ہونے سے پہلے دن کو بھول کر اور رات کو جان بوجھ کر اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا تابع کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ روزوں میں شرط یہ ہے کہ وہ ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے جائیں اور خالی ہوں ضرورت سے نص قرآنی کی وجہ سے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس سے تتابع ختم نہیں ہوتا لہٰذا استیناف واجب نہیں عذر کی وجہ سے۔

ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا...... اہل علم کا اجماع ہے ❶ کہ مظاہر جب غلام نہ پائے اور روزے رکھنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہوں تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں وارد ہوا چاہے روزوں سے بڑھاپے کی وجہ سے عاجز ہو یا کسی مرض کی وجہ سے یا جماع کے اشتیاق کی وجہ سے کہ جماع سے صبر نہیں کر سکتا کیونکہ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کا حکم دیا تو ان کی بیوی نے عرض کیا کہ وہ تو بوڑھے ہیں روزے نہیں رکھ سکتے تو آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور جب سلمہ بن صخر کو حکم دیا روزوں کا تو انہوں نے عرض کی کہ روزوں ہی کی وجہ سے تو مجھ سے یہ کام ہوا تو آپ نے فرمایا کھانا کھلاؤ آپ نے کھانے کا حکم دے دیا جب انہوں نے یہ خبر دی کہ ان میں شہوت زیادہ ہے جس نے انہیں روزہ رکھنے سے روکے رکھا انہی دونوں واقعات پر قیاس کیا جائے گا جو ان کے مشابہ اور ان کے معنی میں ہیں اور یہ جائز نہیں کہ سفر کی وجہ سے روزے سے منتقل ہو جائے۔ کیونکہ سفر اسے روزہ سے عاجز نہیں کرتا اور سفر کے لیے ایک نہایت ہے اس پر وہ ختم ہو جاتا ہے اور یہ اختیاری افعال میں سے ہے اور وہ مرض جس کی وجہ سے روزہ چھوڑ کر کھانے دینا ہے، جمہور کے ہاں وہ ہے جس سے شفاء کی امید نہ ہو اور حنابلہ کے ہاں وہ ہے جس سے شفاء کی امید نہ ہو یا اس کا زائل ہونا ممکن ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ...... المجادلۃ: ۵۸/ ۴

نیز اسے معلوم نہیں کہ اس کی کوئی انتہا بھی ہے لہٰذا یہ کثیر شہوت ہونے کے مشابہ ہو گیا۔

کھانا کھلانے سے متعلق: طعام کی مقدار کیفیت جنس اور اس کے مستحقین:

کھانے اور طعام کی مقدار...... تمام کفارات کے لیے طعام کی مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کی تین آراء ہیں جو درج ذیل ہیں حنفیہ کی رائے: ہر ایک مسکین کو دو مد دیئے جائیں یعنی گندم کا نصف صاع کھجور اور جو کا ایک صاع صدقۃ الفطر کی طرح ہے مقدار اور مصرف میں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمہ بن صخر کی روایت میں ایک وسق کھجور کھلاؤ اور ایک روایت میں ہے ایک عرق کھجور کا ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور عرق وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ عرق ساٹھ صاع ہے اور صاع (۲۷۵۱ گرام کا ہوتا ہے) مالکیہ کی رائے: کفارہ ادا کرنے والا ساٹھ مسکینوں کو مالک بنائے ہر ایک کو ایک مد اور دو ثلث دے گندم میں سے اگر ہو اس کے علاوہ جو اور چاول وغیرہ جائز نہیں اگر گندم کے علاوہ ہوتے ہیں تو پھر جو اس کے برابر ہو بھوک ختم کرنے میں نہ وزن میں اور صبح شام صرف کھانا کھلا دینا کافی نہیں جب تک اس کی مقدار ایک مد اور دو ثلث نہ ہو جائے۔

---

❶ ...... الدر المختار: ۲/ ۸۰۱ اللباب: ۳/ ۷۳ القوانين الفقهية: ۲۴۳ الشرح الصغير: ۲/ ۶۵۴ بداية المجتهد: ۲/ ۱۱۲ مغنى المحتاج: ۳/ ۳۶۶ المهذب: ۲/ ۱۱۲، المغنى: ۷/ ۳۶۸ غاية المنتهى: ۳/ ۱۹۷ كشاف القناع ۵/ ۴۴۵.

حنابلہ کی رائے: شوافع تمام کفارات میں طعام کی مقدار اور فدیہ روزہ اور صدقہ فطر میں ہر مسکین کو ایک مد گندم یا نصف صاع کھجور یا جو جیسا کہ ابوداؤد میں اوس بن صامت کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مظاہر کو ۱۵ صاع جو دیئے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے لیکن حدیث ہے مرسل اور مد (۶۷۵ گرام کا ہوتا ہے)

طعام کی کیفیت...... اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ ❶

حنفیہ کا مذہب...... ان کے ہاں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیزیں لفظ طعام یا طعام سے مشروع کی گئی ہیں ان میں اباحت جائز ہے اور جو چیزیں ایتاء اور اداء کے لفظ سے مشروع کی گئی ہیں ان میں تملیک شرط ہے اسی بناء پر کفارات میں اطعام یا تو تملیک سے ہوگا یا صبح شام اباحت سے یا صبح اباحت اور شام کو قیمت یا اس کے برعکس اس شرط کے ساتھ جو اور مکئی کی روٹی کے ساتھ سالن بھی ہو البتہ گندم کی روٹی کے ساتھ سالن شرط نہیں لہٰذا اباحت اور تملیک کو جمع کرنا جائز ہے اس لیے کہ دو جائز چیزوں کو انفرادی طور پر جمع کرنا چاہے وہ تھوڑا کھائیں یا زیادہ اگر اس سے صرف ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن دیا تو بھی جائز ہے لیکن اگر ایک ہی دن میں دیا تو صرف اسی دن کا ادا ہوگا۔ اور حنفیہ کے ہاں ❷ زکاۃ عشر خراج، صدقہ فطر، نذر اور کفارہ میں قیمت دینا بھی جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے ہاں واجب ہونے کے دن کی قیمت معتبر ہے اور صاحبین کے ہاں ادائیگی کے دن کی قیمت اور جانوروں میں ادائیگی کے دن کی قیمت بالاتفاق معتبر ہے اور اس شہر کی قیمت لگائی جائے گی۔

جس میں مال ہو اور دیہاتوں میں اگر ہو تو قریب ترین شہر کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور قیمت دینے کے جواز کا سبب یہ ہے کہ مقصد حاجت پوری کرنا ہے اور یہ قیمت میں پایا جاتا ہے۔

جمہور کا مذہب...... مسکینوں میں سے ہر ایک کو واجب مقدار کا مالک بنانا واجب ہے اور صبح شام مقدار واجب یا اس سے کم زیادہ دنیا جائز اور کافی نہیں البتہ مالکیہ کے ہاں اگر مقدار پوری ہو جائے تو صبح شام کھانا دینا بھی جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ سے منقول مسکینوں کو دینا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب سے فرمایا حج کے فدیہ میں کھجور کے تین صاع چھ مسکینوں کو کھلاؤ نیز اس لیے بھی کہ یہ مال ہے فقراء کے لیے سے شرعاً واجب ہے لہٰذا اس کی تملیک زکوٰۃ کی طرح واجب ہے اور فقہاء کے ہاں تعداد بھی شرط ہے آیت ظہار کی وجہ سے اگر تیس مسکینوں کو ساٹھ مسکینوں کا کھانا دے دیا تو یہ جائز نہیں شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر ایک مسکین کو دو کفاروں کے دو مد ایک دن میں دے دیئے تو یہ جائز ہے اس لیے کہ واجب مقدار واجب تعداد کو دی گئی ہے جائز ہے جیسا کہ اس کو دو دن میں دو مد دینا اور حنفیہ کے ہاں شرط ہے کہ دینا مکرر ہو اگر ساٹھ مسکینوں کو دو ظہاروں کے بدلے میں ایک ایک صاع گندم دے دی ایک ہی دفعہ تو یہ ایک ظہار کی طرف سے صحیح ہوگی اور اگر کئی دفعہ دی تو جائز ہے اس لیے کہ دوسری مرتبہ وہ دوسرا مسکین ہے۔ اور جمہور کے ہاں کفارہ میں قیمت ادا نہ ہوگی ان نصوص پر عمل کرتے ہوئے جن میں اطعام کا حکم ہے۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ شوافع، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اطعام میں تتابع شرط نہیں اگر کھانا کھلانے کے دوران وطی کر لی تو اعادہ لازم نہیں اس لیے کہ ایسی چیز کے دوران وطی کی ہے جس میں تتابع شرط نہیں لہٰذا استیناف واجب نہیں جیسے کہ مظاہر کے علاوہ کوئی اس سے وطی کرے یا جیسے کفارہ قسم میں وطی اطعام صوم سے مختلف ہے مالکیہ کے ہاں طعام اور صوم برابر ہیں لہٰذا دونوں میں تتابع شرط ہے اگر وطی کر لی تو استیناف واجب ہے۔

طعام کی جنس...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں اطعام میں وہ تمام چیزیں جائز ہیں جو صدقہ فطر میں دینی جائز ہیں یعنی گندم، جو ان کا آٹا، کھجور، کشمش چاہے مظاہر کی یہ اپنی ہوں یا نہ ہوں اور حنابلہ کی ہاں مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ جائز نہیں لیکن اگر یہ اس شہر میں نہ ہوں تو پھر

---

❶ ...... رواہ احمد وابوداؤد وغیرہ ❷ الکتاب مع اللباب: ۱۷۴/۱، ۷۳/۳.

مکئی وغیرہ دینا بھی جائز ہے اور یہ جائز نہیں کہ مسکینوں کو صبح شام کھلا دے یا انہیں قیمت دے دے کیونکہ حدیث میں ان اصناف کے نکالنے کا حکم آیا ہے لہٰذا ان کے علاوہ جائز نہیں۔

شوافع کے ہاں پھلوں اور دانوں میں سے وہ واجب ہیں جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کیونکہ بدن انہی سے مضبوط ہوتے ہیں اور مظاہر کے شہر کی اجناس واجب ہیں کیونکہ زکوٰۃ میں اس کا مال معتبر ہے نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ المائدہ:۵/۸۹

اوسط کا مطلب درمیانہ اور درمیانہ وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہیں اور وہ اپنے شہر کی اجناس میں مالکیہ نے اطعام میں گندم کو واجب کیا ہے اگر اسے خوراک بناتے ہوں لہٰذا اس کے علاوہ جائز نہیں جو مکئی وغیرہ۔ لیکن اگر وہ گندم کے علاوہ کو خوراک بناتے ہوں تو پھر جو اس کے برابر ہو پیٹ بھرنے کے اعتبار سے نہ کہ وزن کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں جو کچھ صدقۃ الفطر میں واجب ہے وہی کفارہ میں بھی واجب ہے اور وہ گندم کھجور، جو اور ان میں سے ہر ایک کا آٹا وزن کے اعتبار سے یعنی گندم کے آٹے کا نصف صاع اور جو کے آٹے کا صاع اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آٹے میں قیمت کا اعتبار ہے نہ کہ وزن کا اور ان اصناف کے علاوہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

طعام کے مستحقین...... جمہور کے ہاں کفارہ کے مستحق وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں مساکین اور فقراء وغیرہ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ......المجادلۃ ۵۸/۴

کافر کو دینا جائز نہیں بلکہ مسکین کا مسلمان ہونا شرط ہے جیسے زکوٰۃ میں اور بڑوں چھوٹوں کو دینا جائز ہے اگر چہ وہ کھانا بھی سکتے ہوں حنابلہ کے ہاں اس لیے کہ مسلمان ہے محتاج ہے لہٰذا بڑے کے مشابہ ہے لیکن قبضہ بچے کا ولی کرے گا کیونکہ بچے کی طرف سے قبضہ صحیح نہیں اور حنفیہ کے ہاں کفارہ ظہار کے مستحق وہ لوگ ہیں جو صدقہ کفارہ کے مستحق ہیں لہٰذا اپنے اصول وفروع اور زوجین کا ایک دوسرے کو کھلانا جائز نہیں اور ذمی کو کھلانا بھی جائز ہے حربی کو نہیں اگر چہ وہ امان لے کر ہی رہ رہا ہو۔

پانچویں بات: شرط کفارہ...... تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۱) کہ کفارہ کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے بایں طور کہ وہ آزاد کرنے کی نیت کرے یا روزہ رکھنے یا کھانا کھلانے کی جو اس پر کفارہ کی وجہ سے واجب ہے یعنی نیت کفارہ کے ساتھ یا اس سے کچھ پہلے ہو اس لیے کہ کفارہ مالی حق ہے زکوٰۃ کی طرح لہٰذا اس کی تطہیر واجب ہے اور اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے۔

چھٹی بات: کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرنا...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرے تو اس نے رب کی نافرمانی کی اور گناہ گار ہوا اور کفارہ اس کے ذمہ بقایا ہے اور اس کے بعد وہ ساقط نہیں ہوتا نہ موت سے نہ طلاق وغیرہ سے الا یہ کہ مالکیہ کے ہاں تین طلاقوں کے بعد اور اس کی بیوی کی حرمت اس پر باقی رہے گی جب تک کہ کفارہ ادا کر دے لیکن دوران کفارہ وطی کرنے کی تاثیر میں اختلاف ہے مالکیہ نے تمام کفاروں میں یہ بات مطلق رکھی ہے (۲) کہ جس شخص نے ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کر لی چاہے وہ غلام آزاد کر رہا تھا روزے رکھ رہا تھا کھانا کھلا رہا تھا اور چاہے وطی دن کو ہو یا رات کو جان بوجھ کر ہو یا بھول کر اگر چہ کھانا کھلانے کے دوران ہی ہوا اور ایک ہی مد باقی ہو تو بھی وہ اسے باطل کر دیتا ہے اور وہ نئے سرے سے کفارہ شروع کرے گا۔ شوافع کے ہاں (۳) اگر مظاہر روزوں کے دوران رات کو جماع کرے کفارہ مکمل ہونے سے پہلے تو گناہ گار ہوگا اس لیے کہ اس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کیا ہے اور روزہ کا تتابع ختم

(۱) ...... الدر المختار ۲/۹۶۲، الشرح الصغیر: ۲/۶۵۰ مغنی المحتاج: ۳/۳۵۹ المهذب: ۲/۱۱۸ المغنی: ۷/۳۸۷ (۲) الشرح الصغیر: ۲/۶۵۱ القوانین الفقهية ۲۴۲ (۳) المهذب: ۲/۱۱۷

نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کا جماع فرض روزہ میں اثر نہیں کرتا لہٰذا تابع کو بھی منقطع نہ کرے گا جیسے رات کو کھانا اور اسی طرح اگر دوران طعام ایسا کیا تو گزشتہ باطل نہیں ہوتا، حنفیہ اور حنابلہ نے تفصیل کی ہے [1] اس معاملہ میں کہ اگر مظاہر اپنی بیوی سے روزہ کے دوران وطی کر لے تو گذشتہ روزے فاسد ہو جائیں گے اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے یعنی دو ماہ کے پھر ابتداء سے رکھنے ہوں گے۔

لیکن اگر کھانا کھلانے کے دوران وطی کر لی تو گذشتہ کا اعادہ لازم نہیں صوم اور اطعام میں فرق کا سبب یہ ہے کہ اطعام کے سلسلہ میں نص قرآنی مطلق ہے اور ہاتھ لگانے کی قید موجود نہیں اور غلام آزاد کرنے روزہ رکھنے میں ہاتھ لگانے کی قید ہے۔

پانچواں مقصد: حکم ظہار کی انتہاء...... ظہار یا تو مؤقت ہوگا یا مطلق اور ہمیشہ کے لیے اور ان کا حکم انتہاء کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ [2]

(الف)...... اگر ظہار مؤقت ہے مثلاً شوہر بیوی سے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے ایک دن یا ایک ماہ ایک سال تو جمہور کے ہاں وقت ختم ہونے پر ظہار ختم ہو جائے گا بغیر کفارہ ادا کرنے کے اس لیے کہ ظہار وقت کے اعتبار سے قسم کی طرح ہے اور مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے اور برعکس طلاق کے ہے کہ اس کے لیے کوئی چیز حلال نہیں ہوتی اس لیے وہ مؤقت نہیں مالکیہ کے ہاں وقت باطل ہو جاتا ہے اور ظہار ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اور کفارہ کے بغیر ختم نہیں ہوتا طلاق پر قیاس کرتے ہوئے جیسے طلاق کی تحریم وقت کا احتمال نہیں رکھتی اسی طرح ظہار کی تحریم بھی ہے۔

(ب)...... اگر ظہار ہمیشہ کے لیے یا مطلق ہو تو ظہار کا حکم ختم یا باطل ہو جاتا ہے۔ زوجین میں سے کسی ایک کے مرنے پر کیونکہ حکم ظہار کا محل زائل ہو گیا اور غیر محل میں کسی چیز کے بقا کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اور جمہور کے ہاں ظہار کا حکم طلاق رجعی یا بائن طلاقوں سے باطل نہیں ہوتا اور ابوحنیفہ کے ہاں ارتداد سے بھی لہٰذا اگر اس نے کسی اور شوہر سے نکاح کیا پھر وہ پہلے کے پاس لوٹ آئی تو اس کے لیے کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی حلال نہیں اسی لیے کہ ظہار حکم یعنی حرمت کے ساتھ واجب ہوا ہے لہٰذا اس پر باقی رہے گا اور وہ حرمت کفارہ کے بغیر ختم نہیں ہوتی اور کفارے کا مطالبہ نہ کرنا تو یہ موت سے مکمل ہوتا ہے یا جمہور کے ہاں [3] فراق سے اگر مظاہرین میں سے کوئی ایک مر گیا یا شوہر نے بیوی کو رجوع سے پہلے فارغ کر دیا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کی وجہ سے کفارہ واجب کیا ہے ظہار اور رجوع سے لہٰذا ایک سے ظہار ثابت نہ ہوگا نیز ظہار میں کفارہ کفارہ یمین ہے لہٰذا حانث ہونے سے پہلے واجب نہ ہوگا باقی قسموں کی طرح اور اس میں حانث ہونا وطی کا عزم کرنا ہے۔ امام شافعی کے ہاں اگر مظاہر نے بیوی سے ظہار کے بعد اتنا عرصہ روکے رکھی جس میں اسے طلاق دے سکتا تھا اور طلاق نہ دی تو اس پر کفارہ ہے کیونکہ یہی ان کے ہاں رجوع ہے۔

دسویں بحث: مرتد ہونے کی وجہ سے یا زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے کی وجہ سے تفریق

ارتداد کا اثر...... جب زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس میں بغیر طلاق کے ہی تفریق ہو جاتی ہے شیخین کے ہاں اور قاضی کی تفریق کی بھی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان کے نکاح فسخ ہو جائے گا اور مالکیہ کے ہاں مشہور قول ہے کہ ارتداد کی وجہ سے ہونے والی تفریق طلاق ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں عدت کے گذرنے تک فسخ نکاح موقوف رہے گا اگر عدت گذرنے سے پہلے پہلے مرتد اسلام میں داخل ہو گیا تو ان کا نکاح باقی ہے اور اگر عدت گذر گئی اور وہ اسلام نہ لایا تو بیوی جائز ہو جائے گی اور جعفریہ کی رائے یہ ہے کہ دخول سے پہلے کسی ایک کا مرتد ہونا فی الحال ہی نکاح کو فسخ کر دیتا ہے اور دخول کے بعد عدت کے خاتمہ تک موقوف ہے۔

۱...... اگر شوہر مرتد ہوا اور اپنی بیوی سے ہمبستری کر چکا تھا تو عورت کو پورا مہر ملے گا کیونکہ ہمبستری سے مہر پختہ ہو گیا لیکن اگر دخول نہیں

---

[1]...... الدر المختار: ۲/ ۸۰۰ المغنی: ۳۶۷/۷، ۳۸۳۔ [2] البدائع: ۲۳۵/۳ [3] المغنی: ۳۵۱/۷ وما بعدھا۔

ہوا تھا تو عورت کے لیے نصف مہر ہے کیونکہ یہ تفریق شوہر کی طرف سے ہوئی ہے دخول سے پہلے لہٰذا اس سے مہر نصف ہوگا اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے اور یہ ارتداد دخول سے پہلے ہوا تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں کیونکہ اس نے مرتد ہو کر معقود علیہ سے روک دیا یہ ایسے ہی ہوگئی جیسے بائع مبیع کو قبضہ سے پہلے تلف کر دے اور اگر ارتداد دخول کے بعد ہوا تو اس کے لیے کامل مہر ہوگا اس لیے کہ دار الاسلام میں دخول حد یا مہر سے خالی (حقیقۃً یا حکماً عقر (مہر)) نہیں ہوتا۔

۲ اگر دونوں اکٹھے مرتد ہو گئے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ پہلے کون ہوا پھر دونوں اکٹھے اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ دونوں استحساناً اپنے سابقہ نکاح پر ہیں کیونکہ دینوں کا اختلاف نہ ہوا❶ اور یہ جائز نہیں کہ مرتد کسی مسلمان کافرہ یا مرتدہ عورت سے نکاح کرے کیونکہ وہ قتل کا مستحق ہے اور اسی طرح مرتدہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کافر یا مرتد مرد سے نکاح کرے اس لیے کہ یہ حنفیہ کے ہاں قید رہے گی سوچ بچار کے لیے۔❷

اسلام کا اثر جب عورت اسلام قبول کرے اور اس کا شوہر کافر ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آیا تو وہ اس کی بیوی ہی ہوگی کیونکہ نکاح کے منافی کوئی چیز پیش نہیں آئی اگر اس نے اسلام سے انکار کر دیا تو قاضی ان میں تفریق کروا دے گا کیونکہ مسلمان عورت کا کافر کے پاس رہنا جائز نہیں اور یہ تفریق طرفین کے ہاں طلاق بائن ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں یہ تفریق ہے بغیر طلاق کے۔❸ اور مجوسیہ کا شوہر اسلام قبول کرے تو عورت پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اسلام لے آئی تو اس کی بیوی ہوگی اگر اسلام سے انکار کر دیا تو قاضی ان میں تفریق کرا دے گا اس لیے کہ مجوسی عورت سے نکاح مطلقاً حرام ہے اور یہ تفریق طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ تفریق عورت کی جانب سے ہے اور عورت طلاق کی اہل نہیں اور اگر شوہر اس سے دخول کر چکا تھا تو اس کے لیے مقرر مہر ہے کیونکہ دخول سے مہر مؤکد ہو چکا ہے لہٰذا تفریق کے بعد ساقط نہ ہوگا لیکن اگر دخول نہ کیا تھا تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں کیونکہ تفریق عورت کی جانب سے ہوئی ہے دخول سے پہلے۔❹

۳ جب عورت دار الحرب میں اسلام قبول کرے تو ان میں تفریق اس وقت تک نہ ہوگی جب تک وہ عدت نہ گذارے اگر حیض والی ہے تو تین حیض اور اگر مہینوں کے حساب سے گزارنے والی ہے تو تین مہینے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور یہ اس کی عدت ہے کیونکہ اس سے تفریق کی امید ہے اور اس پر اسلام پیش کرنا متعذر ہے لہٰذا یہ طلاق رجعی کے درجہ میں ہے لہٰذا جب عدت ختم ہوگئی تو وہ اپنے شوہر سے جدا ہو جائے گی۔❺ لیکن اگر زوجین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر کے دار الحرب سے دار الاسلام میں آ جائے تو حنفیہ کے ہاں تفریق واقع ہو جائے گی۔❻ کیونکہ حقیقت اور حکم کے اعتبار سے اختلاف دارین ہے اور اختلاف دارین زوجیت کے نظام کے منافی ہے جیسے محرم ہونے کی وجہ سے منافی ہے۔ جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے انہوں نے اختلاف دارین کی وجہ سے تفریق کا حکم نہیں لگایا اس لیے کہ اختلاف دارین کا اثر ولایت کے انقطاع پر ہے (یعنی اس کے اپنے نفس اور مال سے اس کی ملکیت ختم ہوگئی) نہ کہ فرقت واقع ہونے کی وجہ سے جیسے حربی اور مستامن جو ہمارے دار میں امان لے کر آیا ہو یا مسلمان مستامن جو دار الحرب میں گیا ہو امان لے کر تو اس سے تفریق نہیں ہوتی۔

۴ جب کتابیہ کا شوہر اسلام قبول کرے تو وہ اپنے نکاح پر باقی ہیں اس لیے کہ اصل کے اعتبار سے ابتداءً ان میں نکاح درست لہٰذا نکاح کا ان میں باقی رہنا بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔

---

❶ الكتاب مع اللباب ٣/٢١ المغنى: ٦/٦٣٩ القوانين الفقهية ص ١٩٦ شرح الرسالة ٢/٤٦،٤٧ ❷ الكتاب المرجع السابق فتح القدير: ٢/٥٠٥ ❸ الكتاب مع اللباب ٣/٢١ فتح القدير ٢/٥٠٧ القوانين الفقهية ص: ١٩٦ شرح الرسالة ٢/٤٦،٤٧ ❹ اللباب: ٣/٢٢، ❺ اللباب: ٣/٢٢ فتح القدير: ٢/٥٠٨ وما بعدها ❻ المبسوط: ٥/٥٠ البحر الرائق ٣/٢١٣،

چوتھی فصل......عدت اور استبراء

عدت کے سلسلہ میں درج ذیل پانچ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث: عدت کی تعریف، اور حکم شرعی، عدت کی حکمت، وجوب کا سبب اور رکن۔ دوسری بحث عدت کی اقسام اور مقدار۔ تیسری بحث عدت کا پھیرنا اور اس میں تغیر۔ چوتھی بحث: عدت کی ابتداء کا وقت اور اس کا ختم ہونا کس سے معلوم ہوگا۔ پانچویں بحث: عدت کے احکام اور عدت گذارنے والی (معتدہ) کے حقوق وواجبات۔

پہلی بحث: عدت کی تعریف، حکم شرعی حکمت سبب وجوب اور رکن:

عدت کا معنی......عدت عدد کی جمع ہے اور لغوی اعتبار سے شمار کرنے کے معنی میں ہے اور عدد سے ماخوذ ہے کیونکہ قروء اور مہینے اس میں شمار ہوتے ہیں کہا جاتا ہے کہ عددت الشی عدۃ شمار کرنا اور اسی طرح اسے معدود پر بھی بولتے ہیں اور عورت کے اقرء کے ایام کو عورت کی عدت کہتے ہیں۔ اور حنفیہ کے ہاں ❶ اصطلاحی تعریف وہ مدت جو شرعاً محدود ہے تاکہ ازدواج کے باقی آثار ختم ہوسکیں اور باالفاظ دیگر: وہ انتظار جو عورت کو لازم ہوتا ہے نکاح کے زائل ہونے کی وجہ سے یا اس کے شبہ میں اور اسی بناء پر ان کی تعریف دو عدتوں کے تداخل کو بھی شامل ہے چاہے دونوں عدتیں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس کی اگر چہ دو آدمیوں ہی کی طرف سے ہوں ایک جنس کی مثال جب طلاق یافتہ عورت عدت میں نکاح کرے اور اس سے شوہر ہمبستری بھی کرے پھر ان دونوں میں تفریق ہو جائے اور اس پر دوسری عدت واجب ہو جائے یہ دونوں عدتیں متداخل ہوں گی اور دو جنس کی عدت کی مثال متوفی عنھا زوجھا ہے جب شبہ کی وجہ سے اس سے وطی ہو تو دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور عورت وطی کی عدت تین حیض گذارے گی اور جمہور کے ہاں ❷ عدت وہ مدت جس میں عورت انتظار کرے رحم کے خالی ہونے کے معلوم کرنے کے لیے یا تعبداً لہٰذا دو شخصوں کی عدت میں تداخل نہ ہوگا اور عورت پہلی عدت کو انتہا تک پہنچائے گی پھر دوسری عدت شروع کرے گی اور ایک شخص کی دو عدتوں میں تداخل ہوگا اگر چہ وہ دو جنس کی ہی ہوں۔ اور عدت کی تعریف واضح بھی ہوسکتی ہے وہ مدت جسے شریعت نے تفریق کے بعد مقرر کیا ہے عورت پر انتظار واجب ہے بغیر شادی کے حتی کہ وہ مدت گذر جائے پس حنفیہ اور شوافع کے ہاں زانیہ پر عدت نہیں برخلاف مالکیہ اور حنابلہ کے۔

اور دخول سے پہلے عورت پر بالاتفاق عدت نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا......الاحزاب ۳۳/۴۹

اور مدخول بھا پر بالاجماع عدت ہے چاہے تفریق کا سبب طلاق ہو یا فسخ یا وفات اور چاہے دخول عقد فاسد کے بعد ہوا یا صحیح کے بعد یا شبہ کی وجہ سے اور اسی طرح جمہور کے ہاں جس عورت سے خلوت ہوگئی ہو اس پر بھی عدت واجب ہے جبکہ شوہر اسے طلاق دے دے فائدہ یہ بن گیا کہ ہر وہ طلاق یا فسخ جس میں پورا مہر واجب ہوتا ہے وہاں پر عدت واجب ہے اور جہاں پورا مہر ساقط ہو جائے یا صرف نصف واجب ہو تو عدت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور فسخ کی مثالوں میں سے ہے رضاعت کی وجہ سے فسخ عیب کی وجہ سے عتق کی وجہ سے یا لعان اور اختلاف دارین کی وجہ سے فسخ۔

حکم شرعی......عدت شرعاً عورت پر واجب ہے کتاب اللہ، سنت اور اجماع کی رو سے ❸ کتاب اللہ میں تو اللہ باری تعالیٰ کا ارشاد

---

❶......البدائع ۳/۱۰۹ الدرالمختار: ۲/۸۲۳ اللباب: ۳/۸۰ ❷ الشرح الصغير: ۲/۶۷۱ القوانين الفقهية: ص ۲۳۵ مغني المحتاج: ۳/۳۸۴ كشاف القناع ۵/۴۷۶ بداية المجتهد ۲/۸۱۔ ❸ المغني: ۷/۴۴۸

ہے طلاق کی عدت کے سلسلہ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء (البقرۃ ۲/۲۲۸) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور وفات کی عدت کے سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ...... البقرۃ ۲/۲۳۴

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں۔

اور چھوٹی، آئسہ (یعنی جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو) اور حاملہ کی عدت کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالّٰٓـِٔیْ یَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ ...... الطلاق ۶۵/۴

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے بچے کا پیدا ہو جانا ہے۔

اور سنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے جائز نہیں کہ وہ موت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے الا یہ کہ وہ عورتیں جن کے شوہر فوت ہوں چار ماہ اور دس دن وہ سوگ منائیں۔ ❶ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاطمہ بنت قیس کو حکم دینا کہ وہ ابن ام کلثوم کے پاس عدت گذاریں ❷ اور رہ گیا اجماع تو پوری امت کا وجوب عدت پر اجماع ہے البتہ اس کی انواع واقسام میں اختلاف ہے۔

کیا مرد پر بھی عدت ہے؟...... اصطلاحی طور پر تو مرد پر عدت نہیں بلکہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تفریق کے بعد دوسری عورت سے نکاح کرلے جب تک کوئی شرعی مانع موجود نہ ہو جیسے نکاح کرنا ان سے جن کا جمع کرنا اس کے لئے اپنی پہلی بیوی اور اس کے محارم کے ساتھ جائز نہیں جیسے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ، بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی اگرچہ نکاح فاسد ہی ہو اور یا شبہ کا عقد ہی ہو، اور چوتھی عدت کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا، اور تین طلاق والی عورت سے نکاح کرنا حلالہ سے پہلے۔ ❸

غیر مسلمہ عورت کی عدت...... غیر مسلمہ عورت پر عدت کے وجوب کے سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں غیر مسلمہ عورت پر عدت واجب نہیں چاہے وہ ذمیہ ہو یا حربیہ جب تک وہ اپنے دین کی معتقد ہو کہ اس پر عدت نہیں الا یہ کہ عورت کتابیہ ہو اور مسلمان کے نکاح میں ہو تو اس پر تفریق کی وجہ سے عدت واجب ہے۔ شوہر کے حق کی رعایت کرتے ہوئے اس لئے کہ عدت اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہے، اور کتابیہ حقوق العباد کی مخاطب ہیں اس پر عدت واجب ہوگی اور اس پر شوہر اور بچے کے حق کی وجہ سے جبر کیا جائے گا اختلاط نسب سے روکنے کی وجہ سے۔ اگر کوئی شوہر مسلمان ہو کر آجائے اور اپنی بیوی کو دارالحرب میں چھوڑ آئے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر عدت نہیں اس لئے کہ اختلاف دارین کی حالت میں زوجین کا ایک دوسرے پر کوئی حق نہیں نیز اس لئے بھی کہ اسلامی احکام اہل ذمہ پر تو منطبق ہوتے ہیں لیکن حربیوں پر نہیں۔ جمہور اور صاحبین کے ہاں ذمی عورت پر بھی عدت واجب ہے چاہے وہ مسلمان کے نکاح میں ہو یا کافر کیونکہ عدت والی آیت عام ہے۔

عدت کی حکمت...... یا تو یہ کہ رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جائے یا تعبدی طور پر شوہر پر دکھی ہونے کے لئے ہے۔ یا شوہر کو اتنی فرصت دینا

---

❶ ...... رواه البخاری و مسلم عن ام سلمة وفی لفظ آخر عندهما لايحل لامرأة مسلمة تومن بالله واليوم الاقران تحد فوق ثلاثة ايام الا علی زوجها اربعة اشهر وعشرًا (نيل الاوطار ۶/۲۹۲) والاحداد منع المعتدة نفسها الزنية وبدهنا الطلب ومنع الخطاب خطبتها.

❷ رواه احمد و ابوداؤد والنسائی ومسلم بمعناه عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبه (نيل الاوطار ۶/۳۰۲) ❸ ردالمحتار ۲/۸۲۳

ہے طلاق کے بعد کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو واپس کرے اور طلاق بائن اور فساد نکاح کی وجہ سے تفریق میں عدت استبراء رحم سے ہوتی ہے تا کہ حمل کا علم ہو جانے اور نسب مختلط نہ ہو، اگر حمل موجود ہوا تو عدت وضع حمل کے ساتھ ختم ہوگی کیونکہ عدت سے جو ہدف مقصود تھا وہ پایا گیا اور اگر دخول کے بعد محل نہ ہو تو بھی عورت پر انتظار واجب ہے رحم کو صاف کرنے کے لئے حتیٰ کہ وفات کے بعد ہی اور اس کے مقاصد میں سے اظہار افسوس کرنا ازدواجی نعمت پر عورت کی شہرت اور بزرگی وغیرہ کو لوگوں کی بات چیت کا نشانہ بننے سے بچانا ہے کہ وہ صبح شام گھر سے نہ نکلے صرف جدائی سے، اگر چہ صرف پہلے ہی حیض سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ طلاق رجعی میں عدت کا مقصد ہوتا ہے کہ شوہر کو دوران عدت بیوی سے رجوع کا حاصل ہو، غضب ختم ہونے پر، اور یہ اسلام کی تحریض کی وجہ سے ہے کہ رابطۂ زوجیت باقی رہے اور اس کی تعظیم باقی رہے۔ جیسے نکاح گواہوں کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی طرح طویل عدت انتظار کے بغیر ختم بھی نہیں ہو سکتی، اور وفات کی جدائی میں عدت کا مقصد ازدواج کی نعمت کی یاد دہانی ہے، اور شوہر اور اس کے اقارب کے حق کی رعایت ہے اور اس کے کھو جانے کے تاثر کا اظہار ہے۔ اور عورت کی وفاء کا جاری رہنا ہے اور اس کی شہرت اور بزرگی کی حفاظت تا کہ لوگ اس کے بارے میں بات نہ کریں، شوافع اور حنابلہ کے ہاں [1] عدت کا سب سے بڑا مقصد شوہر کے حق کی حفاظت ہے نہ کہ برأت کی معرفت، اسی وجہ سے وفات کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہے، اور وہ عورت جس سے دخول نہیں ہوا اس پر بھی عدت وفات لازم ہے تعبدی طور پر شوہر کے حق کی رعایت کے لئے اور معانی عورت پر منطبق ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ بڑی عمر کی ہو اور دوسرے شوہر کی امید نہ بھی ہو تب بھی عدت ہے۔

عدت واجب ہونے کا سبب..... فی الجملہ دو وجہوں سے عدت واجب ہوتی ہے، طلاق یا موت اور فسخ طلاق کی طرح ہے۔ [2] اور یہ بالاتفاق دخول کے بعد ہے نکاح صحیح فاسد یا شبہ کی وطی میں یا زائد ذکر کو داخل کرنے کے بعد گویا شوہر کا منی کو داخل کرنا اس لئے کہ یہ بچہ کے زیادہ قریب ہے خالی دخول سے، اور وہ رحم کی برأت کی محتاج ہے اور جمہور کے یہاں شوافع کے علاوہ خلوت صحیحہ کے بعد مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں زمانے بعد بھی عدت واجب ہے اس بنا پر درج ذیل اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے عدت واجب ہوگی۔

۱..... نکاح صحیح فاسد میں دخول کے بعد تفریق سے عدت واجب ہے، یا خلوت صحیح کے بعد جمہور کے ہاں چاہے تفریق زندگی میں ہوئی ہو طلاق، یا فسخ کے ذریعے یا وفات کی وجہ سے اگر نکاح فاسد ہو جیسے پانچویں نکاح کرنا یا معتدہ سے نکاح کرنا تو ان میں دخول حقیقی کے بغیر عدت واجب نہیں اور جمہور کے ہاں خلوت سے ان میں واجب نہیں اور مالکیہ کے ہاں نکاح فاسد میں بھی خلوت کے بعد عدت واجب ہے جیسے دخول حقیقی میں واجب ہے، اس لئے کہ خلوت میں جماع کی گمان ہے۔

اور جمہور کی دلیل خلوت سے عدت کی وہ روایت ہے جو احمد اور اثرم نے زرارہ بن اوفی سے روایت کی ہے خلفاء راشدین نے فیصلہ دیا ہے ان کے بارے میں کہ جس نے دروازہ بند کیا پردہ لٹکا لیا تو مہر بھی واجب ہے اور عدت بھی۔ اور شوافع کے ہاں جدید قول کے مطابق صرف خلوت سے جس میں وطی نہ ہوئی ہو عدت واجب نہیں سابقہ آیت کے مفہوم کی وجہ سے۔

۲..... اور بالاتفاق وطی شبہ کی صورت میں ہونے والی تفریق میں بھی عدت واجب ہے جیسے نکاح فاسد کی موطوءہ اس لئے کہ وطی شبہ سے ہوئی اور نکاح فاسد ہے جیسے نکاح صحیح میں وطی کہ رحم مشغول ہوتا ہے اور نسب وطی کرنے والے سے لاحق ہوتا ہے پس برأت حاصل ہونے کا یہ بھی مثل ہے، تا کہ نسب مختلط نہ ہوں اور وطی کی مثال کہ عدت پہلی رات شوہر کے علاوہ کے پاس گذرے اور عورتیں شوہر سے کہیں کہ یہ تیری بیوی ہے۔ وہ ان کی بات پر اس سے دخول کرے پھر ظاہر ہوا کہ یہ اس کی بیوی نہیں تھی سابقہ دو سببوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے میں وجوب عدت میں کوئی فرق نہیں آتا چاہے تفریق طلاق کی وجہ سے ہو یا فسخ کی وجہ سے، ہر وہ تفریق جو زوجین میں ہو اس کی عدت طلاق والی

[1]..... مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۵، کشاف القناع ۵/ ۴۷۶ [2] البدائع ۳/ ۱۹۱، الدر المختار ۲/ ۸۲۴، الشرح الصغیر ۲/ ۶۷۱، القوانین الفقهية ۲۳۵، المهذب ۲/ ۱۴۱، المغنی ۷/ ۴۴۹، کشاف القناع ۵/ ۴۷۶۔

عدت ہے چاہے وہ تفریق خلع ہو یا لعان، ہو یا عیب کی وجہ سے فسخ، تنگدستی ہو یا عتاق، اختلاف دارین ہو یا کچھ اور اور اس طرح کوئی فرق نہیں کہ وہی حلال طریقے سے ہوتی ہو یا حرام جیسے حائضہ سے وطی حج اور عمرہ کے احرام میں وطی اور چاہے وطی فرج میں ہو یا دبر میں اور حکم برابر ہے چاہے وطی کرنے والا عاقل ہو یا نہ، مختا ہو یا نہ، اپنے ذکر پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کے کرے یا بغیر لپیٹے بالغ ہو یا بچہ۔ اور عدت نہیں ہے دخول سے پہلے نص قرآنی کی وجہ سے۔

۳ اور بالاتفاق شوہر کی وفات کے بعد بھی عدت واجب ہے جبکہ نکاح صحیح ہوا ہو اور اگر چہ وفات قبل الدخول ہی کیوں نہ ہوئی ہو اور چاہے بیوی چھوٹی سی کیوں نہ ہو یا وہ بچے کی بیوی ہی ہو اگر چہ بچہ دودھ پیتا ہو یا ممسوح کی بیوی ہو کیونکہ اگر آیات قرآنیہ مطلق ہیں مثلاً:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا الخ...... البقرۃ ۲/۲۳۴

۴ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں زانیہ عورت پر بھی عدت واجب ہے کیونکہ وہ وطی بھی رحم کی مشغولیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا اس کی وجہ سے بھی عدت واجب ہے، جیسے شبہ کی وجہ سے وطی، ان کے علاوہ آئمہ واجب جیسا نہیں قرار دیتے کیونکہ عدت نسب کی حفاظت کے لئے ہے اور زانی سے نسب ثابت اور ملحق نہیں ہوتا زنا کی وجہ سے۔

عدت کا رکن...... حنفیہ نے وضاحت کی ہے۔ ❶ رکن عدت کے بارے میں کہ عورت التزام کرے ان محرمات کا جو ثابت ہیں عدت کی وجہ سے کہ اس پر ان کی مخالفت حرام ہے۔ جیسے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی حرمت، اور شوہر کے گھر سے نکلنے کی حرمت جس گھر میں طلاق ہوتی ہے، اور عدت میں طلاق کا صحیح ہونا مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح کی حرمت دوران عدت وغیرہ۔

دوسری بحث: عدت کی اقسام اور مقدار...... عدت کی تین قسمیں ہیں ❷ حیض یا طہر کے ذریعہ عدت مہینوں کے ذریعہ عدت اور وضع حمل کے ذریعہ عدت، اور عدت گذارنے والیوں کی چھ قسمیں ہیں۔ ❸ حاملہ، وہ جن کے شوہر فوت ہو گئے ہوں، اور حیض والیاں جن کی زندگی میں تفریق ہوگئی ہو، وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آتا چھوٹے ہونے کی وجہ سے یا بہت عمر ہونے کی وجہ سے اور تفریق بھی زندگی میں ہوتی ہو، جن کا حیض ختم ہوگیا ہو اور سبب معلوم نہ ہو، اور مفقود کی بیوی۔ اور طلاق کی عدت کی تین قسمیں ہیں۔ ❹ حیض والیوں کے لئے تین حیض، حاملہ کے لئے وضع حمل، اور آئسہ اور چھوٹی بچیوں کے لئے تین ماہ۔

قروء کا مقصد...... لفظ قرء لغوی اعتبار سے طہر اور حیض میں مشترک ہے، اور اس کی جمع اقراء اور قروء آتی ہے اور قروء کی تفسیر میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ ❺ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے: قرء سے حیض مراد ہے اس لئے کہ حیض رحم کی صفائی کی پہچان ہے، اور عدت سے بھی یہی مقصود ہے، جو چیز رحم کی صفائی پر دلالت کرتی ہے وہ حیض ہے نہ کہ طہر، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ...... الطلاق ۶۵/۴

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔ حیض نہ ہونے کی وجہ سے عدت مہینوں سے گزارنے کا حکم ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ اصل حیض ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيدا طيباً...... المائدة ۶/۵

اور شریعت میں لفظ قرء کا استعمال حیض ہی کے معنی میں مستعمل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے لئے فرمایا: اقراء کے دنوں میں

---

❶...... الدرالمختار ۲/۸۲۵۔ ❷ البدائع ۳/۱۹۱ ومابعدها ❸ كشاف القناع ۵/۱۷۸، غاية المنتهى ۳/۲۰۹، ۲۱۴۔ ❹ القوانين الفقهية ص ۲۳۵۔ ❺ الكتاب للقدوری مع اللباب: ۳/۸۰ القوانين الفقهية ص ۲۳۵، مغنی المحتاج ۳/۳۸۵، المغنی ۷/۴۵۲

نماز چھوڑ دے۔❶ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعبیر کرنے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت میں اقراء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بن ابوقبیس کے لئے فرمایا۔ دیکھو جب تمہیں قروء آئے تو نماز نہ پڑھنا اور جب تمہارا قرو گذر رجائے تو پاکی حاصل کرو پھر ایک دفعہ سے دوسرے قرء تک نماز پڑھو ❷ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔❸ جب باندی کی عدت حیض کے اعتبار سے ہے تو آزاد عورت کی عدت بھی اسی طرح ہے۔

نیز ظاہری طور پر فرمان باری ہے:

یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۲۸

تین کامل انتظار کا وجوب ہے اور جنہوں نے قرو کو طہر میں شمار کیا تو ان کے ہاں تین واجب نہیں ہوتے اس لئے کہ اس میں دو طہر اور تیسرے کا کچھ حصہ کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ظاہر نص کے خلاف ہے، اور جنہوں حیض قرار دیا انہوں نے تین کامل واجب قرار دیئے اور یہ ظاہر نص کے موافق ہے لہٰذا مخالفت سے موافقت اولیٰ ہے۔ نیز عدت استبراء ہے لہٰذا حیض سے ہوگی جیسے باندی کا استبراء نیز اسبراء حمل سے رحم کے خالی ہونے کی معرفت کے لئے ہے اور اس پر دلالت کرنے والا حیض ہے لہٰذا واجب ہے کہ استبراء بھی اسی کے ذریعہ سے ہو۔

مالکیہ اور شوافع کی رائے ہے کہ قرء طہر ہے اس لئے کہ اللہ نے ثلاثہ کے عدد میں تاء کو ساتھ رکھا ہے لہٰذا اس کی دلالت اس پر ہے کہ معدود مذکر ہونا چاہئے اور وہ طہر ہے نہ کہ حیض، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی عدت کے وقت میں انہیں طلاق دو اور حیض کے دوران طلاق حرام ہے جیسا کہ عدت بدعی کی بحث میں گذرا لہٰذا اجازت طہر کے زمانہ کی طرف پھرے گی اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آیت کا معنی ہے عدت کے استقبال میں ایسا کرو۔ نیز لفظ قرء جمع سے مشتق ہے اور قرء کی اصل اجتماع ہے اور طہر کے وقت میں خون رحم میں جمع ہوتا ہے اور حیض میں رحم سے نکلتا ہے اور جو اشتقاق کے موافق ہو اس کا اعتبار مخالفت سے اولی ہے۔ اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ جب اس نے طہر میں طلاق دی تو دوسرے کی رائے کے مطابق عدت تیسرے حیض کے آنے پر ختم ہو جائے گی اس لئے کہ وہ طہر جس میں طلاق ہوگی ہے وہ شمار کیا جائے گا اور پہلے فریق کی رائے کے مطابق جب تک تیسرے حیض سے نہ نکلے عدت ختم نہ ہوگی، اور حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ شوہر کے لئے بیوی سے رجوع کرنا حلال ہے جب تک تیرے حیض سے وہ غسل نہ کرے یہ پہلے فریق کی رائے کی تائید کرتی ہے۔

میرے ہاں بھی پہلی رائے راجح ہے کیونکہ یہ واقع اور عدت کے مقصود سے متفق ہے اور عورتیں معمول کے اعتبار سے تین مرتبہ حیض کے آنے کے انتظار میں رہتی ہیں یہی عدت کے ختم ہونے کے لئے مقرر ہے۔ اور رحم کی صفائی سوائے حیض کے معلوم نہیں ہوتی، جب عورت کو حیض آ گیا تو معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ نہیں اور اگر طہر ہی رہا تو غالباً حمل کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اور نیشاپوری نے امام احمد سے روایت کی ہے میں کہتا تھا کہ وہ طہر ہیں لیکن آج میرا مذہب یہ ہے کہ یہ اقراء حیض ہیں، اور ان کا اپنی رائے سے رجوع قوی ترین مرجحات کی وجہ سے ہے۔

عدت کی اقسام میں سے ہر قسم کی شرائط اور اسباب ❹......ہم جان چکے کہ عدت کی تین قسمیں ہیں: حیض کی عدت، مہینوں کی عدت، اور وضع حمل کی عدت۔

پہلی بات: حیض کی عدت......اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے اہم ترین تین ہیں:

---

❶......رواہ ابوداؤد والنسائی وروی ابن ماجه عن عائشة قالت، امرت بزيرة أن تقتد بثلاث بعض وقال عليه الصلوٰة والسلام تجلس أمام أقرأتها (الطرتيل الاوقار ۲/ ۲۹۰) ❷رواه النسائی وفيه منكر الحديث، ورواه ايضاً ابن ماجه ❸ رواه ابوداؤد وغيره
❹ البدائع ۳/ ۱۹۱، مغنی المحتاج ۳/ ۳۸۸۔

۱ نکاح صحیح میں تفریق ہے طلاق سے ہو یا بغیر طلاق اور یہ عدت رحم خالی کرنے کے لئے واجب ہے اور اس کے ذریعہ رحم میں بچہ نہ ہونے کا پتا چلتا ہے اور اس کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ عورت سے دخول ہوا ہو یا جو کام دخول کے قائم مقام ہے یعنی خلوت صحیحہ شوافع کے علاوہ کے ہاں نکاح صحیح میں نہ کہ فاسد میں حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اور مالکیہ کے ہاں نکاح فاسد میں بھی ایسے ہی حکم ہے۔لہٰذا یہ عدت دخول یا خلوت صحیحہ کے بغیر واجب نہیں۔

۲ نکاح فاسد میں تفریق قاضی کی طرف سے ہوئی ہو یا متارکت کے ساتھ اور مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں اس کی شرط دخول ہے اور مالکیہ کے ہاں نکاح فاسد کے بعد بھی خلوت صحیحہ میں عدت واجب ہے۔

۳۔عقد کے شبہ سے وطی...... بایں طور کہ مرد کا اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شب زفاف گزارنا، اور وہ اس سے وطی بھی کر لے، اس لئے کہ احتیاط کی حالت میں شبہ حقیقت کے قائم مقام ہے۔اور عدت کا وجوب احتیاط میں سے ہے۔

دوسری بات: مہینوں کے ذریعہ عدت...... اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم جو حیض کے بدلہ میں واجب ہے اور ایک قسم جو اصل کے اعتبار سے واجب ہے۔ وہ عدت جو حیض کے بدل کے طور پر مہینوں کے حساب سے واجب ہے وہ چھوٹی بچی اور آئسہ کی عدت ہے اور وہ عورت جسے بالکل حیض ہی نہیں آتا۔طلاق کے بعد، اس کے وجوب کا سبب طلاق ہے تاکہ دخول کے اثر کا حال معلوم ہو، اور وہی وجوب عدت کا سبب ہے۔اس کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک چھوٹا ہونا یا بڑا ہونا، بالکل حیض کا نہ ہونا اور دوسری چیز دخول یا خلوت صحیح کا ہونا نکاح صحیحہ میں اور مالکیہ کے ہاں فاسد میں بھی۔

مہینوں کے اعتبار سے اصلی عدت...... وہ وفات کی عدت ہے اور اس کے وجوب کا سبب وفات اور ازدواج کی نعمت فوت ہونے کے غم کا اظہار ہے، اور اس کے وجوب کی شرط فقط نکاح صحیح ہے، یہ عدت واجب ہوگی اس متوفی عنہا زوجہا پر جس کا نکاح صحیح ہوا ہو چاہے وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا اور چاہے اسے حیض آتا ہو یا حیض نہ آتا ہو۔

تیسری بات: حمل کی عدت...... وہ مدت حمل ہے، اور اس کے واجب ہونے کا سبب تفریق اور وفات ہے تاکہ نسب مخلوط نہ ہو اور آدمی دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرنے والا نہ ہو۔اور اس کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ حمل نکاح صحیح یا فاسد کا کیونکہ نکاح فاسد میں وطی عدت کو واجب کرتی ہے اور حنفیہ اور شوافع کے ہاں یہ عدت زنا سے حاملہ پر نہیں کیونکہ زنا سے عدت واجب نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی شخص اس عدت سے نکاح کرے اور وہ زنا سے حاملہ ہو تو یہ نکاح طرفین کے ہاں جائز ہے لیکن اس عورت سے وضع حمل سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں، تاکہ غیر کی کھیتی کو پانی پلانے والا نہ ہو اور شوافع نے حاملہ زنا سے وطی بھی جائز کی ہے

عدت گذرانے والیوں کی عدت کی مقدار:

۱۔حاملہ کی عدت...... یہ فوت یا طلاق کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور بالاتفاق وضع حمل سے ختم ہوتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...... الطلاق ۶۵/۴

یعنی ان کی عدت کا ختم ہونا وضع حمل ہے، اور حاملہ کے رحم کی صفائی وضع حمل کے بغیر حاصل نہیں ہوگی پس جب عورت حاملہ ہو اس کے شوہر نے طلاق دے دی یا اس کا شوہر مر گیا اس کی عدت تو وضع حمل ہے اگرچہ وفات کے بعد تھوڑا عرصہ ہی کیوں نہ ہوا ہو اس دلیل کے ساتھ ربیعہ بن حارث کا شوہر فوت ہو گیا اور وہ حاملہ تھیں پھر شوہر کی وفات کے دس دنوں کے بعد بچہ جنا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو

آپ نے فرمایا: نکاح کرلو، اور ایک روایت میں ہے۔

کہ آپ نے مجھے فتویٰ دیا کہ جب میرا حمل وضع ہوگیا تو میں حلال ہوگئی اور مجھے نکاح کا حکم دیا اگر میں مناسب سمجھوں تو (۱) اسی بناپر حاملہ جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو کی عدت بھی وضع حمل ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ......الطلاق ۶۵/۴

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو چاہے میں اس مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ سورۃ النساء قصریٰ (الطلاق) سورت بقرہ کی آیت نازل ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (۲) اور بزار کی روایت میں ہے جو چاہے میں اس پر حلف کرتا ہوں کہ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یہ آیت آیت متوفی کے بعد نازل ہوئی اور جب اس نے حمل جن لیا تو وہ حلال ہوگئی اور وضع حمل کے ساتھ عدت کے ختم ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط جمہور کے ہاں تمام حمل کا پیدا ہونا ہے سارے کا جدا ہونا ہے دو جڑواں میں سے ایک ہی پیدا ہونے سے عدت ختم نہ ہوگی اور نہ ہی بچے کے کچھ حصے کے جدا ہونے سے، اور مالکیہ کے ہاں عدت ختم ہوجائے گی اگر چہ جمع شدہ خون کا لوتھڑا ہی پیدا ہوا اور حنابلہ وشوافع کے ہاں ضروری ہے کہ وہ عمل جس سے عدت ختم ہوگی ایسا ہو کہ اس میں انسانی خلقت میں سے کوئی چیز ظاہر ہو جیسے سر، ہاتھ، پاؤں، وغیرہ یا ایسا لوتھڑا ہو کہ معتبر دایہ یہ گواہی دے کہ اس میں انسانی صورت کی پوشیدہ جھلک یا اصل آدمی کی پاکی جاری ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ عام ہے۔ (الطلاق ۶۵/۴) اور حنفیہ کے ہاں حمل نام ان تمام چیزوں کو جو پیٹ میں ہیں اگر اس نے بچہ جنا اور اس کے پیٹ میں ایک اور بچہ بھی تھا تو پھر عدت ختم ہوگی، جیسے جمہور کے ہاں، لیکن ان کے ہاں بچے کے اکثر حصہ کا نکل آنا کافی ہے اور جب عدت نے حمل گرادیا ناتمام، اور اس کی بعض خلقت ظاہر ہوگئی تو اس سے عدت ختم ہوجائے گی کیونکہ وہ بچہ ہے ورنہ نہیں۔ دوسری شرط کہ حمل عدت والے کی طرف منسوب ہو اگر چہ احتمالی طور پر ہو جیسے لعان سے نفی کیا گیا، کیونکہ یہ اس کے منافی نہیں کہ اس کا ہو، اس دلیل کے ساتھ اگر وہ اس کو اپنے ساتھ ملحق کرے تو وہ ملحق ہوگا۔

لیکن اگر اس کی نسبت عدت والے کی طرف ممکن نہ ہو جیسے ولد زنا تو اس کی عدت اس سے ختم نہ ہوگی، اور بالاتفاق حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور اکثر نو ماہ اور سب سے زیادہ حنفیہ کے ہاں دو سال شوافع اور حنابلہ کے ہاں چار سال اور مالکیہ کے ہاں پانچ سال اور ان کی دلیل مدت حمل کی اقل مقدار پر دو آیتوں کے مجموعہ کا مفہوم ہے اور وہ یہ دونوں ارشاد باری تعالیٰ ہیں:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

اور فرمان باری تعالیٰ:

وحمله وفصاله ثلاثون شهراً ...... الاحقاف ۴۶/۱۰

رہ گئی غالب عدت حمل چونکہ عام طور پر عورتیں اتنی ہی مدت حمل سے رہتی ہیں۔ اور یہ چیز لوگوں کے درمیان مشہور ہے۔ اور حمل کی اکثر مدت کے سلسلہ میں استقراء اور عورتوں کے حالات کے تتبع پر اعتماد ہے اس لئے کہ جس چیز کے بارے میں تصریح نہ ہو تو اس میں موجود کی طرف رجوع ہوتا ہے، شوافع اور حنابلہ نے کہا کہ چار سال پائے گئے ہیں اور دار قطنی نے ولید بن مسلم سے روایت کی میں نے مالک بن انس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے متعلق عرض کی، وہ فرماتی ہیں کہ عورت سال سے زیادہ حاملہ نہیں رہ سکتی، تو کہنے لگے سبحان اللہ یہ کون کہتا ہے؟ یہ ہماری پڑوسن ہے محمد بن عجلان کی بیوی سچی عورت ہے اور اس کا شوہر بھی سچا آدمی ہے اس نے بارہ سال میں تین بچے جنے ہیں، اور

---

(۱)......رواه الجماعة الاابادود وابن ماجة عن ام سلمة (نيل الاوطار ۶/ ۲۸۶/۲۸۷) (۲) رواه البخاری واخرجه ابوداؤد والنسائي وا بن ماجه بلفظ من سورة الطلاق وفيها آيته عدة الحامل و سورة النسائی الطولیٰ هی سوة البقرة فيها آيته عدة الوفاة (نصب الرايه ۳/ ۲۵۶)..

امام شافعی نے فرمایا: محمد بن عجلان اپنی ماں کے پیٹ میں چار سال رہے اور امام احمد نے فرمایا: بنوعجلان کی عورتیں چار سال حاملہ رہتی ہیں۔ اگر انہیں ان کے شوہر نے طلاق دے دی یا فوت ہو گیا تو یہ اس وقت تک شادی نہیں کر سکتی جب تک طلاق یا موت کے بعد چار سال میں بچہ پیدا نہ ہو، وہ بچہ اسی کے ساتھ ملحق ہوگا اور اسی سے اس کی عدت گذرے گی۔ اور سب سے کم عدت جس میں بچے کی خلقت واضح ہو جاتی ہے۔ (۸۱) دن ہیں شافع اور حنابلہ کے ہاں شیخین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنی میں مدت علقہ اور پھر اتنی ہی عدت مضغہ، پس شوافع اور حنابلہ کی رائے میں عدت مضغہ سے کم میں ختم نہ ہوگی لہٰذا واجب ہے کہ وہ (۸۱) دن کے بعد ہو۔ شام کے قانون میں دفعہ نمبر (۹۱۲۴) میں اس عدت کے سلسلہ میں تصریح ہے۔ حاملہ کی عدت اس کے حمل پیدا ہونے تک رہے گی یا بعض اعضاء ظاہر ہو کر ساقط ہونے میں۔

عدت حمل کے لئے پھرنا...... اگر حیض اور مہینوں سے عدت گذارنے کے دوران ظاہر ہو جائے کہ شوہر کا حمل ہے تو عورت وضع حمل والی عدت گذارے گی۔

حمل کا شک...... جب طلاق یا وفات کی عدت گذارنے والی عورت کو شک ہو کہ وہ حمل کی نشانیاں پائے مثلاً حرکت وغیرہ اور اسے شک ہو کہ یہ حمل ہے یا نہ یا حیض سے مہینوں سے عدت گذارنے کے بعد اسے شک ہو تو مالکیہ کے ہاں وہ حمل کی عدت کی انتہا تک انتظار کرے، اس سے قبل اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں شک زائل ہونے تک وہ نکاح سے صبر کرے احتیاطاً نیز حدیث کی وجہ سے جو شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو، اور مالکیہ کے ہاں اس کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ حمل کی لمبی مدت گذر نہ جائے، اگر عدت گذرنے کے بعد اس نے شک ختم ہونے سے پہلے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا تو جائز نہیں۔ اور شوافع کے ہاں فی الحال نکاح باطل نہیں اس لئے کہ ظاہری طور پر ہم عدت کے ختم ہونے کا حکم دیں گے اور اسے شک سے باطل نہیں کریں گے اگر نکاح کے باطل کرنے کا علم ہو جائے مثلاً وہ نکاح ثانی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ جن دے تو ہم اس نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ دیں گے کیونکہ فساد ظاہر ہو گیا اور حنابلہ کے ہاں اس نکاح کے باطل ہونے کی دو وجہیں ہیں ایک تو شوافع والی، اور دوسری یہ کہ نکاح درست اور صحیح ہے کیونکہ ہم نے عدت کے ختم ہونے کا حکم دے دیا لہٰذا نکاح حلال ہے اور نفقہ اور سکنی ساقط ہو گیا اور جس کا حکم دیا گیا اسے زائل کرنا جائز نہیں شک کی وجہ سے اسی وجہ سے حاکم جو فیصلہ کر دے وہ اسے توڑ نہیں سکتا اجتہاد کے تبدیل ہونے اور گواہوں کے رجوع کرنے کی وجہ سے۔

۱۔ بچے کی بیوی کی عدت بچے کے فوت ہونے کے بعد...... جب وہ بچہ فوت ہو جائے جو چھوٹا ہو اور اس سے حمل نہ ٹھہرتا ہو اور عورت کو حمل ہو کہ وہ اس کی موت سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ جن دے تو طرفین کے ہاں اس کی عدت وضع حمل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق ۶۵/۴) مطلق ہے لیکن اگر حمل موت کے بعد ٹھہرا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ کیونکہ یہ عدت اس پر موت کی وجہ سے واجب ہوئی، لہٰذا اس کے بعد تبدیل نہ ہوگی لیکن ان دونوں میں بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ بچے کے پاس تو پانی ہی نہیں لہٰذا اس سے بچہ ہونا متصور نہیں۔ شوافع اور امام ابو یوسف کے ہاں اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے، وضع حمل نہیں کیونکہ بچہ یقینی طور پر اس میں منفی ہے انزال نہ ہونے کی وجہ سے اور اس کی مثل ممسوح ہے کہ شوافع کے ہاں بچہ اس سے لاحق نہ ہوگا۔ ❶

۲۔ متوفی عنہا زوجہا کی عدت...... یہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ شوہر فوت ہونے والی اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے ختم ہوگی

❶ البدائع ۱۹۲/۳، الدرالمختار ۸۲۰/۲، اللباب: ۸۱/۳ المهذب ۱۴۵/۲، المغنی: ۴۷۰/۷، غاية المنتهى ۲۱۰/۳، القوانين الفقهية، ص ۲۳۸۔

چاہے بچے کی وفات کے بعد قریب ہو یا بعید، اور اگر وہ حاملہ نہیں تو بالاتفاق اس کی عدت چار قمری مہینے اور دس دن بمعہ راتوں کے تاریخ وفات کے حساب سے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الخ (البقرة ۲/ ۲۳۴) یہ ازدواجی تعلق کی نعمت پر غم ہے چاہے شوہر نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو چاہے بیوی صغیرہ (چھوٹی) ہو یا بڑی یا حیض والی عمر میں پہنچ چکی ہو کیونکہ آیت مطلق ہے اور مدخول بھا کے ساتھ خاص نہیں اس لئے کہ اگر بیوی مطلقہ طلاق یافتہ ہو) تو قرآن کریم میں غیر مدخول کا استبراء کیا گیا ہے۔ لیکن وفات کی عدت میں ایسا نہیں۔ اور شام کے قانون میں دفعہ نمبر ۱۲۳، میں اس عدت کے سلسلہ میں تصریح ہے کہ متوفی عنہازوجھا کی عدت چار ماہ اور دس دن ہیں۔ لیکن اس عدت میں یہ شرط ہے کہ نکاح صحیح ہو اور یہ نکاح صحیح موت تک باقی رہے چاہے وطی کی ہو یا نہ اور چاہے چھوٹی یا کتابیہ ہو مسلمان کے نکاح میں۔

لیکن اگر نکاح فاسد ہو تو اس کی عدت حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں تین حیض ہیں اگر وہ حیض والی ہے۔ اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تین طہر ہیں کیونکہ مدت لمبا کرنے میں ازدواجی نعمت کے اوپر اظہار تاسف ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ نکاح صحیح ہو، لیکن اگر وہ حیض والی نہیں اور مطلقہ ہے وہ تین ماہ عدت گذارے گی جیسا کہ میں بیان کروں گا۔

۳۔ طلاق یافتہ عورت کی عدت..... اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے لیکن اگر حاملہ نہیں تو اس کی عدت بالاتفاق حیض والی ہے چاہے طلاق ہو یا فسخ تین قرو ہیں ⓫ یعنی حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں حیض اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں طہر) کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ......البقرة۲ /۲۲۸

اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین قرو روکے رکھیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قروء تین کامل حیض ہیں کیونکہ حیض میں تجزی نہیں ہوتی اور جب آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو اس حیض کو شمار نہیں کیا جائے گا جس میں طلاق واقع ہوگی، اور دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتی جب اس کے آخری حیض کا خون ختم ہو جائے حتیٰ کہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔ حنابلہ کے ہاں، اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تین قروء کامل نہیں بلکہ جب عورت کو طلاق ہوئی طہر میں تو باقی طہر طہر کامل ہے اگرچہ ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو اس کو شمار کیا جائے گا، پھر اس کے بعد دو قرو اور یہ تین قرو ہو گئے، جس نے طہر کی حالت میں طلاق دی تو اس کی عدت تیسرے حیض کے شروع میں ختم ہو جائے گی اور جس نے حیض کی حالت میں طلاق دی تو اس کی عدت جس حیض میں طلاق دی ہے اس کے بعد چوتھے حیض کے شروع میں ختم ہوگی، اور شوافع کے ہاں ظاہر یہ ہے کہ جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کا وہ طہر نہ ہوگا جس میں طلاق دی ہے پس جس عورت کو طہر میں طلاق ہوئی اور اسے حیض بالکل ہی نہیں آتا، پھر مہینوں کے حساب سے عدت گزارنے کے دوران اسے حیض آ گیا تو اس طہر کو شمار نہ کیا جائے گا جس میں طلاق دی ہے لیکن اگر عورت چھوٹی ہے، یا بہت بڑی عمر کی ہے اور ناامیدی کی عمر میں پہنچ چکی ہے اسے حیض نہیں آیا یا یہ کہ پندرہ سال کی ہو جانے کے باوجود اسے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ سورہ طلاق میں آیت نمبر ۴ کی وجہ سے۔

۴۔ جنہیں حیض نہیں آتا ان کی عدت..... چھوٹی ہونے کی وجہ سے یا سن ایاس میں پہنچ جانے کی وجہ سے یا جنہیں بالکل ہی حیض نہیں آتا، بالفاظ دیگر صغیرہ آئسہ اور اس عورت کی عدت جسے حیض نہیں آتا تین ماہ ہیں ⓬ سابقہ آیت (الطلاق ۶۵/ ۴) کی وجہ سے سن ایاس وہ عمر ہے جس میں پہنچ کر عورت کو حیض نہیں آتا اس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ⓭ حنابلہ کے ہاں اس کی حد پچاس سال ہیں

⓫ البدائع ۳/ ۱۹۱، الدر المختار ۲/ ۸۲۵، فتح القدير ۳/ ۲۶۹۔ ۲۷۲ اللباب ۳/ ۸۰، ۸۳، الشرح الصغير ۲/ ۶۷۲ القوانين الفقهية ۲۳۵، بداية المجتهد ۲/ ۸۸۔ ⓬ المرجع السابق ⓭ كشاف القناع ۵/ ۴۸۴، الدر المختار ۲/ ۸۳۵، المغنى ۷/ ۴۶۰۔

حضرت عائشہ کے ارشاد کی وجہ سے کہ'' تم اس کے پیٹ میں پچاس سال کے بعد بچہ نہ دیکھوگی'' اور حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق پچپن سال ہیں اور شوافع کے ہاں سن یاس کی سب سے آخری حد باسٹھ سال ہیں اور مالکیہ کے ہاں ستر (۷۰) سال ہیں اس عمر کے بعد عورت جو خون دیکھے وہ قطعی طور پر حیض نہیں، حیض کی عمر حیض کی سب سے کم عمر ۹ سال ہے کیونکہ اس رجوع موجود کی طرف ہوتا ہے اور نو سال والی حائضہ پائی جاتی ہے۔

سن بلوغت...... اگر عورت کو حیض نہ آیا تو بالاتفاق پندرہ (۱۵) سال کی عمر ہے۔

آخری دونوں قسموں اور ممتدۃ الطہر کے بارے میں شامی قانون کا موقف...... شامی قانون میں دفعہ ۲۱، درج ذیل تصریح ہے: غیر حاملہ کی عورت کی طلاق یا فسخ کی عدت اس طرح ہے۔ حیض والی کے لئے تین کامل حیض، اور عورت کا دعویٰ تین ماہ گذرنے سے پہلے مسموع قسموں طلاق یا فسخ کی عدت گذرنے کا۔ اور ممتدۃ الطہر کے لئے ایک پورا سال جسے حیض نہ آتا ہو یا آیا ہو پھر بند ہو گیا ہو اور وہ سن یاس کو نہ پہنچی ہو۔

آئسہ کے لئے تین ماہ، اور دفعہ ۱۲۲۔ میں نکاح فاسد کی عدت کی تصریح ہے کہ نکاح فاسد میں دخول کے بعد کی عدت میں سابقہ دفعہ کے احکام جاری ہوں گے۔ [1]

ممتدۃ الطہر اور مستحاضہ کی عدت...... حیض کی عمر میں عورتیں تین قسم کی ہیں معتادہ مرتابہ اور مستحاضہ، معتادۃ وہ اپنی عادت کے مطابق تین قروء عدت گذارے گی جیسا کہ تیسری قسم میں بیان ہوا اور جو شک میں ہے حیض کی وجہ سے یا ممتدۃ الطہر ہے، وہ عورت جس کا حیض ختم ہو گیا اور اس کا سبب معلوم نہ ہو کہ حمل ہے یا دودھ یا مرض تو اس کا حکم حنفیہ اور شوافع کے ہاں یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی حتیٰ کہ اسے حیض آجائے یا وہ اس عمر کو پہنچ جائے جس میں حیض نہیں آتا پھر تین ماہ عدت گذارے اس لئے کہ جب اس نے ایک دفعہ حیض دیکھ لیا تو وہ حیض والی ہوگئی لہٰذا حیض کے بغیر عدت نہیں گزار سکتی، جیسا کہ بیہقی نے عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے مرضع کے بارے میں حکم دیا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کی عدت حیض ختم ہونے کے بعد ایک سال تک ہے بایں طور کہ وہ نو ماہ ٹھہری رہے اور یہ حمل کی غالبًا عدت ہے پھر تین ماہ عدت گذارے، اس کا سال پورا ہو گیا پھر وہ حلال ہے، اور مالکیہ کے ہاں یہ اس وقت ہے کہ جب اس کا حیض کسی مرض یا کسی غیر معروف سبب کی وجہ سے ختم ہوا ہو، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اسے ایک دو حیض آئے پھر اس کا حیض ختم ہو گیا، تجھے معلوم نہیں کس وجہ سے ختم ہوا؟ نو ماہ انتظار کر اگر حمل ظاہر نہ ہو تو تین ماہ عدت گزارے اور یہ سال ہو گیا [2] اور عدت کا مقصد رحم کی صفائی اور حمل سے خالی ہونا معلوم کرنا ہے اور یہ معلومات اس عدت کے گذرنے سے متحقق ہو جاتی ہے لہٰذا کافی ہے اگر حیض دودھ کی کی وجہ سے ختم ہوا تو مالکیہ کے ہاں تو اس کی عدت مدت رضاعت کے ختم ہونے کے بعد ختم ہوگی اور وہ دو سال ہیں اسے حیض اگرچہ سال کے آخری دن میں آئے تو وہ تیسرے حیض کا انتظار کرے۔ حنابلہ اور مالکیہ کی رائے ہی راجح ہے اور اسی کو شام کے قانون میں دفعہ (۱۲۱) میں لیا گیا ہے کیونکہ اس میں لوگوں پر نرمی اور عورت پر عدت طویل نہیں ہوتی اور مصری قانون میں (نمبر ۲۵، سن ۱۹۲۹ء) ممتدۃ الطہر کی عدت کی انتہاء کے بارے میں یا بقاء کے بارے میں کچھ مذکور نہیں۔

اور نہ ہی دوسرے شوہر کے لئے حلال یا حرام ہونے کا تذکرہ ہے اور صرف اتنی تصریح ہے کہ اور عدت کے نفقہ کا دعویٰ تاریخ طلاق سے

---

[1] ...... الدر المختار ۲/ ۸۲۸، القوانین الفقهية ص ۲۳۵، ۲۳۶، الشرح الصغير ۲/ ۶۷۵، المغنی ۷/ ۶۶۶، ۶۶۸، کشاف القناع ۵/ ۴۸۵، غاية المنتهى ۳/ ۲۱۲، مغنی المحتاج ۳/ ۳۸۵ [2] رواه الشافعي باسناد جيد من حديث سعيد بن المسيب عن عمر قال الشافعي هذا أضاء عمر بين المهاجرين والانصار لاينكره منكر علمناه.

ایک سال زیادہ ہونے پر مسموع نہ ہوگا اور سال (۳۶۰) دن شمار کیا ہے۔ مستحاضہ یا ممتدۃ الدم وہ متحیرہ یہ جو اپنی عدت کو بھول گئی ہو تو حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق وہ اپنی عدت سات ماہ گذارے گی بایں طور کہ اس کے طہر کو دو ماہ شمار کیا جائے گا بس اس کے طہر چھ ماہ بن گے اور تین حیض کی مقدار احتیاطاً ایک مہینہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی عدت تین ماہ میں گذر جائے گی لیکن اگر ہمیشہ اسے خون آتا ہو اور اسے عادت معلوم ہو تو اسے عادت کی طرف لوٹایا جائے گا۔

حنابلہ اور شوافع کی رائے: مستحاضہ جو حیض کا وقت بھول گئی ہو کی عدت اور مبتدأۃ کی عدت آئسہ کی طرح تین ماہ ہیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ بن جحش کو حکم فرمایا تھا کہ ہر مہینے میں چھ یا سات دن بیٹھی رہے آپ نے ہر ماہ کا اس کے لئے ایک حیض قرار دیا، اس دلیل کے ساتھ کہ وہ اس میں نماز وغیرہ چھوڑ دے۔ لیکن اگر اس کی عادت ہو یا وہ تمیز کر سکتی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا جسے وہ اس پر نماز اور روزہ کے سلسلہ میں عمل کرتی ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں وہ مستحاضہ جو حیض کے خون اور استحاضہ کے خون میں فرق نہیں کر سکتی تو وہ ممتدۃ الطہر کی طرح ایک سال انتظار کرے گی پھر چھ ماہ استبراء کے شک دور کرنے کے لئے کیونکہ غالب عدت حمل یہی ہے اور تین ماہ عدت کے پھر شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی پس مستحاضہ جو تمیز نہ کر سکتی ہو اس کی اور جس کا حیض موخر ہو کسی بیماری کی وجہ سے ایک سال۔ ❶

مفقود کی بیوی کی عدت...... مفقود وہ غائب ہے جس کا معلوم نہ ہو آیا وہ زندہ ہے کہ اس کے آنے کی توقع ہو یا وہ مر گیا کہ اس کو قبر کے سپرد کیا جائے، جیسے وہ شخص جو اپنے اہل وعیال سے گم ہو جائے دن یا رات میں یا نماز کے لئے گیا لیکن واپس نہ آیا یا وہ کسی ہلاکت کی جگہ میں غائب ہو گیا یا لڑائی کی وجہ سے غائب ہو گیا یا اس کی سواری وغیرہ غرق ہو گئی اس کی بیوی کی عدت کا حکم اس کے حال کے حکم کے مطابق ہے فقہاء کے ہاں ❶ حنفیہ کے ہاں وہ اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے اس کے مال میں وراثت جاری نہ ہو اور نہ ہی اس سے اس کی بیوی بائنہ ہوگی جب تک اس کی موت متحقق نہ ہو جائے عدت نہ گذارے گی، سابقہ زندگی کی حالت کے استصحاب کے طور پر اور رہ گئی وہ عورت جسے شوہر مفقود کے مر جانے کی خبر معتبر آدمی سے پہنچے یا اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں یا طلاق کے سلسلہ میں کسی معتبر آدمی نے خط دیا تو پھر اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ عدت گذارے اور شادی کر لے، شوافع بھی حنفیہ کی طرح ہی کہتے ہیں کہ اس کی بیوی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرے، کیونکہ جب اس کے مال کی تقسیم میں اس کی موت کا حکم نہیں تو اس کی بیوی کے نکاح کے لئے بھی اس کی موت کا حکم جائز نہیں تو اس کی بیوی اس وقت تک نہ عدت گذارے نہ شادی کرے جب تک اس کی موت یا طلاق متحقق نہ ہو جائے استصحاب پر عمل کرتے ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے کہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کی موت کا علم ہو جائے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مفقود کی بیوی چار سال تک انتظار کرے پھر عدت وفات سے گذارے چار ماہ دس دن کیونکہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے غائب ہو گیا اور مفقود ہو گیا وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اس کا ان سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا چار سال انتظار کرو، اس نے ایسا کیا پھر آپ کے پاس آئی تو آپ نے فرمایا چار ماہ دس دن انتظار کرو اس نے ایسا ہی کیا اور ان کے پاس آئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کا ولی کہاں ہے اسے لایا گیا آپ نے فرمایا اسے طلاق دو اس نے ایسا کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس سے چاہو اب شادی کر لو۔ ❷

تیسری بحث: عدت کی تحویل اور انتقال وتغیر...... کبھی کبھی مہینوں اور قرء سے عدت گذارنے والی پر ایسی حالتی آتی ہے کہ اس عدت کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ پیش آمدہ حالات کے مطابق عدت گذارے اور وہ حالات جن کی وجہ سے عدت کو تبدیل کیا جاتا ہے وہ درج ذیل حالات ہیں۔ ❸

---

❶......الشرح الصغیر ۲/ ۶۹۳، بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۲، المہذب ۲/ ۱۴۶، کشاف القناع ۵/ ۴۸۷، و ما بعدها غایۃ النتہی ۳/ ۱۲۱۲، المغنی ۷/ ۴۸۸، الد رالمختار ۳/ ۱۶۰، مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۷ ❷رواہ الاثرم والجوزجانی ❸ البدائع ۳/ ۲۰۰، الد رالمختار ۲/ ۸۲۶، فتح القدیر ۳/ ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۹، اللباب ۳/ ۸۱، الشرح الصغیر ۲/ ۶۸۲، المہذب ۲/ ۱۴۳، کشاف القناع ۵/ ۴۸۰، مغنی المحتاج ۳/ ۳۸۹، المغنی ۷/ ۴۶۳،

پہلی بات: مہینوں کی عدت کا حیض کی عدت کی طرف تبدیل ہونا...... جب چھوٹی بچی کو یا یاس کو پہنچی ہوئی عورت کو طلاق ہوئی اس نے مہینوں کے حساب سے عدت گذارنا شروع کی پھر عدت ختم ہونے سے پہلے اسے حیض آنا شروع ہوگیا تو اس پر قرء کے اعتبار سے عدت گذارنا ہے، اور جو عدت گذر گئی وہ باطل ہے اور اس کی عدت حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں تین کامل حیضوں سے ختم ہوگی، اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تین طہروں سے کیونکہ مہینے قرو کے بدلے میں تھے جب اصل پایا گیا تو پھر اس کے علاوہ سے عدت گذارنا جائز نہیں جیسے تیمم کرنے والے کا وضو پر قادر ہو جانا، اور آئسہ جب خون دیکھے گی تو ظاہر ہوگا کہ اس کا گمان غلط تھا۔ اگر اس نے مہینوں کے حساب سے عدت گذاری پھر اسے حیض آ گیا تو اس پر نئے سرے سے قرو کے حساب سے عدت گذارنا لازم نہیں کیونکہ یہ عدت گذارنے کے بعد معاملہ پیش آیا، اور بدل سے مقصود حاصل ہوگیا لہٰذا اس کا حکم باطل نہ ہوگا اصل پر قدرت کی وجہ سے جیسے تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر وقت گذرنے کے بعد وضو پر قادر ہو جائے تو اس پر وضو کر کے نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

دوسری بات: قرو سے عدت کا مہینوں یا وضع حمل کی طرف منتقل ہونا...... جب مطلقہ نے اقراء کے حساب سے عدت گذارنا شروع کی پھر اسے شوہر کا حمل ظاہر ہوگیا۔ شوافع اور مالکیہ کی آراء کے مطابق کہ حاملہ بھی کبھی خون دیکھتی ہے تو اس سے قرء کا حکم ساقط ہو جائے گا اور وہ وضع حمل کے ساتھ عدت گذارے گی، کیونکہ ظاہری اعتبار سے قروء رحم کی صفائی کی دلیل ہے اور حمل رحم کے مشغول ہونے کی دلیل ہے یہ ظاہر قطعی سے ساقط ہو جائے گا۔ حیض والی عورت کو جب طلاق ہوگی پھر اسے ایک یا دو مرتبہ حیض آیا پھر وہ آئسہ ہوگئی تو اس کی عدت حیض سے مہینوں کی طرف منتقل ہو جائے گی اور حنفیہ کے ہاں وہ مہینوں کے حساب سے عدت نہ گذارے گی جب تک کہ ناامیدی کی عمر دو سال تک نہ پہنچ جائے جب سن یاس تک پہنچ گئی تو عدت کو نئے سرے سے شروع کرے گی مہینوں کے تین ماہ جو آئسہ کی عدت ہیں۔ شوافع کے ہاں جدید قول حنفیہ کی طرح ہے کہ وہ ہمیشہ عدت میں ہوگی یا تو اسے حیض آ جاتے یا پھر وہ سن ایاس کو پہنچ جائے پھر وہ اس وقت تین ماہ گذارے اس لئے کہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارنا یاس کے بعد ہے لہٰذا اس سے پہلے جائز نہیں اور یہ آئسہ نہیں نیز اسے خون کے آنے کی امید ہے ابتدا یہ مہینوں کے حساب سے نہ گذارے گی جیسا کسی عارض کی وجہ سے اس کا حیض ختم ہو جائے۔

تیسری بات: عدت وفات کی طرف منتقل ہونا...... اگر شوہر مر جائے اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور وہ اس کی عدت گذار رہی ہو تو وہ بالاجماع عدت وفات گذارے گی اور وہ چار ماہ دس دن ہیں چاہے طلاق صحت کی حالت میں ہو یا مرض کی موت کی حالت میں اس لئے کہ طلاق رجعی والی بیوی شمار ہوتی ہے جب تک وہ عدت میں ہو، اور شوہر کی موت بیوی پر عدت وفات واجب کرتی ہے، رجعت کے احکام لغو ہو جاتے ہیں اور طلاق کی باقی عدت ساقط ہو جاتی ہے اس کا نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا اور اس کے لئے عدت وفات کے احکام ثابت ہوں گے سوگ وغیرہ شام کے قانون میں اس کی تصریح ہے دفعہ ۱۲۱ میں ۲ جب شوہر فوت ہوگیا اور بیوی طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو وہ عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی اور جو گذر گئی وہ شمار نہ ہوگی۔

لیکن اگر شوہر بیوی کی طلاق بائن کی عدت میں مر جائے تو وہ عورت وفات کی عدت کی طرف منتقل نہ ہوگی بلکہ طلاق بائن کی عدت پوری کرے گی کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں لہٰذا عدت طلاق پوری کرے گی اور اس پر سوگ بھی نہیں اگر حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ ہے

چوتھی بات: ابعد الاجلین عدت یا طلاق فار کی عدت...... فقہاء کے دو مذہب ہیں: ایک امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام احمد کا مذہب کہ اگر بیوی کو میراث سے محروم رکھنے کے لئے اگر طلاق دی گئی بایں طور کہ مرض الموت میں طلاق دے اور پھر وہ عدت میں تھی اور وہ مر گیا تو یہ عورت طلاق کی عدت سے منتقل ہو جائے گی اس عدت کی طرف جو وفات اور طلاق کی عدت میں سے لمبی ہے احتیاطاً بایں طور کہ موت کے وقت سے چار ماہ دس دن انتظار کرے اگر اس دوران اسے حیض نہ آئے تو اس کے بعد حنفیہ حنابلہ کے ہاں وہ تین حیض عدت گزارے اور

اگراس کاطہر ممتد ہوگیا تو پھراس کی عدت اس وقت تک رہے گی جب تک وہ آئسہ کی عمر کو پہنچ جائے،اس لئے کہ جب عورت اپنے شوہر سے وارث ہوتی ہے تو وفات کے وقت سے نکاح حکماً قائم اور باقی شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس پر وفات کی عدت واجب ہوگی اور یہ کہ اگر طلاق بائن ہو تو عورت کی زوجیت قائم نہیں سمجھی جاتی اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوتی بلکہ طلاق کی عدت ہوتی ہے پس ان دو اعتباروں کی رعایت دونوں عدتوں کا تداخل ہے اور ان دونوں کو اکٹھے گذارے گی۔شام کے قانون میں ۱۲۷/ ۲ دفعہ میں اسی رائے کو لیا گیا ہے۔جب شوہر وفات پاجائے اور عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وہ عدت وفات اور طلاق بائن کی عدت میں سے جو ابعد اور لمبی ہو وہ گذارے گی لیکن مناسب یہ ہے کہ لفظ بائن کو اس قید سے مقید کیا جائے کہ اس حالت میں کہ طلاق فرار کی حالت ہو۔اس لئے کہ اس حالت کے علاوہ عدت منتقل نہ ہوگی اس لئے کہ طلاق بائن کے بعد زوجیت قائم نہیں ہوتی۔

امام مالک، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فار کی بیوی عدت وفات اور طلاق میں سے لمبی عدت نہیں گذارے گی بلکہ وہ طلاق کی عدت مکمل کرے گی، کیونکہ اس کا شوہر اس حال میں مرا کہ یہ اس کی بیوی نہ تھی کیونکہ یہ نکاح سے بائنہ تھی، لہٰذا منکوحہ نہ ہوئی اور وفات کے وقت نکاح باقی رہنا یہ امام مالک کی رائے میں میراث کے حق میں ہے نہ کہ عدت کے حق میں اس لئے کہ جو چیز خلاف اصل ثابت ہو اس میں توسع نہیں ہوتا یہی میرے ہاں راجح ہے۔اور شوافع کے ہاں لمبی عدت کا تصور اس صورت میں ہے کہ جب آدمی اپنی دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق بائن دے اور پھر جسے طلاق دی اس کی تعیین سے پہلے مر جائے تو ان میں سے ہر ایک عدت وفات اور یا قروء میں سے زیادہ عدت گذارے گی اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک پر طلاق کی عدت واجب ہے۔ان پر وفات کی وجہ سے عدت مشتبہ ہو گئی لہٰذا واجب ہے کہ ابعد الاجلین گذارے تاکہ جس شک میں پڑگئی ہے اس سے یقین سے نکل جائے۔جیسا کہ جس شخص پر دو نمازوں میں سے ایک کا اشتباہ ہو تو اس پر دونوں پڑھنا لازم ہیں، اور مالکیہ کے ہاں عورت لمبی عدت گذارے گی جب طلاق رجعی کی عدت گذار رہی ہو اور شوہر فوت ہو جائے۔

چوتھی بحث: عدت کی ابتداء کا وقت اور جس سے اس کا ختم ہونا معلوم ہو:

ابتداء عدت......حنفیہ نے (1) عدت کی ابتداء پر درج ذیل تفصیل کی ہے۔

۱۔اگر نکاح صحیح ہو تو عدت کی ابتداء طلاق یا فسخ کے یا موت کے بعد ہوگی پس طلاق میں عدت طلاق کے بعد شروع ہوگی اور وفات میں وفات کے فوراً بعد تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق اور عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ بھی ہو کیونکہ یہ مدت ہے لہٰذا مدت کے گذارنے کا علم ہونا شرط نہیں چاہے مرد طلاق کا اقرار کرے یا انکار اگر مرد نے بیوی کو طلاق دی پھر انکار کر دیا اور عورت نے گواہ قائم کر دیئے اور قاضی نے تفریق کا فیصلہ دے دیا مثلاً عورت نے شوال میں دعویٰ کیا اور قاضی نے محرم میں فیصلہ دیا تو عدت طلاق کے وقت سے ہوگی نہ کہ فیصلہ کے وقت سے، اور عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ عورت کو طلاق وفات کا علم نہ بھی ہو، اگر آدمی نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے دی یا مر گیا اور عورت کو اطلاع نہ پہنچی تھی کہ اسے وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت بالاتفاق ختم ہو گئی۔

۲......اور اگر نکاح فاسد ہے تو عدت کی ابتداء تو قاضی کی تفریق کے بعد ہوگی یا متارکت کے بعد اور وطی کرنے والے کا ترک وطی کے عزم کے بعد، بایں طور اپنی زبان سے کہے میں نے اس کی وطی چھوڑ دی یا میں نے اسے چھوڑ دیا یا میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا وغیرہ اور اسی میں طلاق بھی ہے اور شوہر کا انکار بھی ہے جبکہ عورت کی موجودگی میں ہو، ورنہ انکار متارکت شمار نہ ہوگا۔شامی قانون دفعہ ۱۲۵۔ میں نکاح صحیح

(1)......الدر المختار ۲/ ۸۳۸، البدایع ۳/ ۱۹۰، فتح القدیر ۳/ ۲۸۶، الکشاف ۳/ ۸۴، القوانین الفقهیة ۲۳۵، ۲۳۸، غایة المنتهی ۳/ ۲۰۱

اور فاسد کی عدت کی ابتداء کے بارے میں یوں تصریح ہے۔ عدت شروع ہوگی، طلاق وفات یا فسخ کی تاریخ سے یا قاضی کی تفریق یا نکاح فاسد میں جدائی کے بعد۔

۳۔ اگر وطی شبہ کی وجہ سے ہو تو ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا❶ مجھے بات کی تصریح نہیں ملی کہ وطی بالشبہ کی عدت کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور مناسب یہ ہے کہ آخری وطی کے بعد سے ہو کہ شبہ زائل ہوگا، بایں طور کہ اسے معلوم ہو بیوی نہیں اور اس کے لئے حلال نہیں کیونکہ یہاں کوئی عقد نہیں اور عورت کے لئے کوئی سبب نہیں سوائے مذکورہ وطی کے، یہی رائے حق ہے اس لئے کہ عدت کی ابتداء اسی سبب سے ہوئی جو عدت کی طرف لایا ہے اور شبہ کی وطی کی حالت میں جماع اس عدت کا سبب ہے لہٰذا اسی سے شروع کرے گی۔

دو عورتوں میں تداخل...... جب سابقہ عدت کے دوران زیادہ عدت کا سبب پایا جائے تو آیا ان دو عدتوں میں تداخل ہوگا یا پہلی عدت ہی کی تکمیل ہوئی اور اس کے بعد نئی گذارے گی؟ حنفیہ کے ہاں❷ جب دو عدتیں واجب ہو تو ان میں تداخل ہوگا چاہے ایک جنس کی ہوں یا دو جنس کی ایک مرد کی طرف سے ہوں یا دو مردوں کی طرف سے ایک جنس کی ایک مرد کی طرف سے ہونے کی مثال: جب مطلقہ بیوی سے دوران عدت نکاح کرے پھر اس سے وطی کرے، پھر متارکت کریں کہ اس پہ ایک اور عدت واجب ہو جائے تو ان دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا۔ دو جنس اور دو مردوں کی طرف سے ہونے کی مثال متوفی عنہا زوجہا ہے جب اس سے وطی بالشبہ ہو جائے اور اس پر ایک اور عدت ہو تو ان دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور یہ اس لئے کہ حنفیہ کے ہاں عدت کا مقصد آثار نکاح کو ختم کرنا ہے برخلاف جمہور کے جو عدت کو انتظار قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں جب مرد نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی جس سے دخول کیا تھا طلاق بائنہ صغری پھر اس سے عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کر لیا پھر اس دخول سے پہلے طلاق دے دی تو اس پر نئی عدت شروع کرنا واجب ہے۔

اور گذری ہوئی عدت پر بنا جائز نہیں اس لئے کہ عقد نکاح کی وجہ سے وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ آئی اور یہ مدخول بہا تھی لہٰذا جب اس نے اسے طلاق دی تو دخول کے بعد طلاق ہوئی، لہٰذا اس پر مستقل عدت واجب ہے، اور عورت کے لئے پورا مہر ہے امام مالک اور امام محمد اس پر نئی عدت واجب نہیں کرتے بلکہ وہ پہلی عدت ہی پوری کرے گی اور عورت کے لیے مقرر مہر میں سے نصف واجب ہوگا۔

جمہور کے ہاں❸ اگر دونوں عدتیں ایک مرد کی طرف سے ہوں اور ایک ہی جنس کی ہوں تو ان میں تداخل ہوگا اس طور پر کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر اس سے عدت میں وطی کر لی اور اسے یاد نہ رہا کہ طلاق بائن تھی یا اسے یہ معلوم تھا طلاق رجعی ہے تو دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا وطی کے بعد وہ حیض یا مہینے کے حساب سے عدت شروع کرے گی اسی میں طلاق کی باقی داخل ہوگی اس لئے کہ طلاق اور وطی کی عدت کا مقصد ایک ہی ہے لہٰذا تعدد کا کوئی معنی نہیں اور یہ باقی دونوں طرف سے ہوگی۔

اور اسی طرح تداخل ہوگا اگر دونوں عدتیں متفق نہ ہوں اور دو جنس کی ہوں مثلاً ایک حمل کی ہو اور دوسری قرو کی مثلاً بیوی کو طلاق دی حالت حمل میں پھر وضع حمل سے پہلے اس سے وطی کر لی یا سے طلاق دی، حاملہ نہ تھی پھر قروء کے دوران اس سے وطی کر لی اور وہ حاملہ ہوگئی تو یہ دونوں صورتوں کی عدتیں وضع حمل سے گذارے گی چاہے حمل کے ساتھ خون دیکھے یا نہ، اور طلاق رجعی کی عدت میں شوہر کو حق حاصل ہے کہ وضع سے پہلے اس سے رجوع کر لے۔ اور اگر دونوں عدتیں دو آدمیوں کی ہوں مثلاً شوہر کی عدت میں ہو یا وطی بالشبہ کی عدت میں ہو پھر وطی بالشبہ ہو گئی یا نکاح فاسد ہو گیا اور وطی کرنے والا پہلی عدت والا نہیں یا بیوی شبہ کی معتدہ تھی پھر اسے وطی بالشبہ کے بعد طلاق ہوگئی تو ان میں تداخل نہ ہوگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر عمل کرتے ہوئے جو امام شافعی نے روایت کیا ہے اگر حمل ہے تو پہلے اس کے وضع سے

❶ ردالمحتار ۳۰/ ۶۱۔❷البدائع ۲/ ۱۹۰، الدرالمختار ۲/ ۸۳، فتح القدير والعناية ۳/ ۲۸۲، ۲۸۹۔❸القوانين الفقهية ۲/ ۱۹۰، الشرح الصغير ۲/ ۶۱۵، مغنى المحتاج۳/ ۳۹۱۔ ۳۹۳، المهذب ۲/ ۱۵۱، المغنى ۷/ ۴۸۱، ۴۸۶، غاية المنتهى ۳/ ۲۱۵، كشاف القناع ۵/ ۴۹۲۔۔

عدت گذارے اگر حمل نہیں تو پہلے طلاق کی عدت پوری کرے اگر چہ وطی بالشبہ طلاق سے پہلے ہوئی ہو کیونکہ طلاق کی عدت قوی ہے کہ اس کی نسبت ایک جائز عقد کی طرف سے پھر دوسری عدت شروع کرے گی۔

اگر طلاق کی عدت کے دوران عورت نے نکاح کر لیا اور اس دوسرے شوہر نے ہمبستری بھی کر لی پھر نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان میں تفریق کردی گئی تو باقی عدت پہلی کی گذارے گی پھر دوسرے کی عدت شروع کرے گی۔

اور حنفیہ کے ہاں دوسرے کی عدت گذارے گی اس سے جدا ہونے کے بعد اور دوسرے قرو کے ساتھ عدت پہلی اور دوسری دونوں کی ہو گی کیونکہ مقصد رحم کی صفائی ہے، اور اس سے دونوں سے رحم کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل بالاتفاق دونوں عدتوں کے لئے کافی ہے جیسے کہ پہلے گذرا وہ امور جن کے ذریعہ عدت پوری ہو جانے کا پتہ چلتا ہے:

جب عورت کے طلاق دہندہ خاوند کے ساتھ عدت گزر جانے کا اختلاف ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ کون سچا ہے؟؟ بیوی (طلاق یافتہ عورت) یا اس کا خاوند (طلاق دہندہ)؟ تاہم عدت گزر جانے کا علم یا تو قول سے ہوتا ہے یا فعل سے۔ (1)

فعل سے...... اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مثلاً عورت کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کر لے اور طلاق کے بعد تا نکاح اتنا عرصہ گزر جائے جو عدت پوری ہونے کا احتمال رکھتا ہو، اگر نکاح کر لینے کے بعد عورت کہے: میری عدت نہیں گزری تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، گویا دوسرا نکاح جائز ہوگا، کیونکہ احتمالی عرصہ گزر جانے کے بعد اقدام نکاح عدت پوری ہو جانے کی دلیل ہے۔

قول سے...... اس کا حاصل یہ ہے کہ معتدہ (جو عورت بعد از طلاق عدت گزار رہی ہو) اتنی مدت کے بعد اپنی عدت پوری ہونے کی خبر دے کہ اتنی مدت عدت گزر جانے کا احتمال رکھتی ہو، اگر عورت کہتے: میری عدت گزر چکی ہے اور مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہو جبکہ مرد اس کی تکذیب کرتا ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا اور اگر مدت اس کا احتمال نہ رکھتی ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ظاہر اس کا مخالف ہے۔

اگر خاوند کہے: مجھے ایک عورت نے پہلے سے خبر دی ہے کہ مطلقہ کی عدت گزر چکی ہے اگر اتنی مدت ہوئی ہو کہ اس میں عدت پوری نہ ہو سکتی ہو تو مرد کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی عورت کا قول قبول کیا جائے گا، ہاں البتہ اگر حمل ساقط ہو جائے تو پھر عورت کا قول قبول کر لیا جائے گا، اگر احتمالی مدت گزر چکی ہو جبکہ عورت مرد کی تکذیب کرتی ہو تو حتی الامکان عورت کے قول پر عمل کیا جائے گا تاہم مرد کے حق میں اور شریعت کے حق میں مرد کا قول معتبر ہوگا چنانچہ وہ مطلقہ کی بہن کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ یہ امر دینی ہے مرد کا قول قبول کیا جائے گا اور عورت کے حق میں اس کی خبر پر عمل کیا جائے گا گویا وہ نفقہ اور رہائش کی مستحق ہوگی۔

اول مدت...... وہ کم از کم مدت جس کے گزرنے کے بعد معتدہ کی عدت گزرنے کی صدیق کی جائے گی وہ حنفیہ کی رائے کے مطابق کچھ یوں ہے۔

۱...... اگر عورت کی عدت مہینوں کے حساب سے گزر رہی ہو تو عدت طلاق کی صورت میں تین مہینوں سے کم کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور عدت وفات کی صورت میں ۴ ماہ، ۱۰ دن سے کم کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اگر عورت کو وقت پر حیض آتا ہو اور اس کا خاوند وفات ہو چکا ہو تو چار ماہ دس دن سے کم عرصہ کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر عدت طلاق ہو اور عورت اتنی مدت گزر جانے کے بعد عدت پوری ہونے کی خبر دے کہ وہ مدت عدت گزرنے کا احتمال رکھتی ہو تو عورت کا قول قبول کیا جائے گا، اگر اتنی مدت بیان کرتی ہو کہ وہ مدت عدت کا احتمال نہ رکھتی تو عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ عورت اپنے قول کی کوئی معتبر

---

(1)...... البدائع ۳/ ۱۹۸، الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۸۴۴ غایة المنتهی ۲۲۳۔

تو یہ بیان کردے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، مثلاً عورت کہے مجھے حمل تھا جس کی کچھ تخلیق ظاہر ہو چکی تھی وہ ساقط ہو گیا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

کیونکہ عدت پوری ہو جانے کی خبر دینے میں عورت امین قرار دی گئی ہے، چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے عورت پر اعتماد کیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ البقرة۲/۲۲۸

عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس حمل کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں پیدا کر دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر حیض اور حمل سے کی گئی ہے۔ جبکہ امین کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

اگر عورت احتمالی مدت کے بعد عدت گزر جانے کی خبر دے تو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر مدت احتمال نہ رکھتی ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ امین کا قول صرف اسی صورت میں قبول کیا جاتا ہے جب ظاہری حالت سے اس کی تکذیب نہ ہوتی ہو۔

حیض کی صورت میں کم از کم مدت عدت...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر معتدہ آزاد عورت ہو تو حیض کے اعتبار سے اس کی عدت کی کم از کم مدت ساٹھ دن ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ حیض کی اوسط مدت یعنی پانچ دن کا اعتبار کیا جائے گا اور تین حیض گزارنے والی کے یوں حیض کے پندرہ دن ہوئے اور مختلف طہر کے پینتالیس (۴۵) دن ہوئے بایں طور کہ ابتداء طہر سے ہو، یوں کل ملا کر ۶۰ (ساٹھ) دن ہوئے۔

صاحبین کہتے ہیں...... کم از کم مدت انتالیس (۳۹) دن ہیں، چونکہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہیں گویا تین حیضوں کے مجموعی ایام ۹ (نو) ہوئے اور ابتدا حیض سے ہو پھر پندرہ (۱۵) دن طہر ہو پھر تین دن حیض پھر پندرہ (۱۵) دن طہر اور پھر تین دن حیض یہ کل ملا کر انتالیس (۳۹) دن ہوئے جبکہ دوسرے مذاہب کی آرا قبل ازیں میں بیان کر چکا ہوں۔

پانچویں بحث...... معتدہ کے حقوق وفرائض (ذمہ داریاں)

معتدہ کے مندرجہ ذیل احکام ہیں۔ ❶

اولاً حرمت پیغام نکاح...... اجنبی شخص صراحۃً معتدہ کو پیغام نکاح نہیں بھیج سکتا، معتدہ خواہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو، چونکہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو وہ بقائے نکاح کے حکم میں ہوتی ہے اسے پیغام نکاح دینا جائز ہی نہیں، جبکہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں یا مطلقہ بائنہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو تو ان کے نکاح کے کچھ اثرات باقی ہوتے ہیں اس لئے انہیں بھی پیغام نکاح بھیجنا جائز نہیں۔

اگر عورت عدت طلاق میں ہو تو بھی اسے اشارۃً یا کنایۃً پیغام نکاح دینا جائز نہیں، اگر عورت کا خاوند وفات پا گیا ہو تو تعریضاً اسے پیغام نکاح دینا جائز ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ البقرة۲/۲۳۵

❶ البدائع ۳/ ۲۰۴، البحر الرائق ۴/ ۱۶۲، اللباب ۳/ ۸۵، الدرالمختار وردالمحتار ۲/ ۸۴۰، فتح القدير ۳/ ۲۹۱، الشرح الصغير ۲/ ۶۷۹، مغنى المحتاج ۳/ ۳۹۰، المهذب ۲/ ۱۴۶، المغنى ۷/ ۳۸۰، غاية المنتهى ۳/ ۲۱۷ بداية المجتهد ۲/ ۹۴۔

اور (عدت کے دوران) اگر تم ان عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

نیز جو عورت عدت طلاق میں ہو اس کے لئے دن یا رات کو گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ اور پھر پیغام نکاح بھیج کر پہلے خاوند کو عداوت پر ابھارنا ہوتا ہے جبکہ متوفی عنہا زوجہا میں یہ بات نہیں ہوتی۔

دوم: تحریم نکاح..... بالاجماع اجنبی (یعنی دوسرے شخص) کے لئے معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ..... البقرۃ ۲/۲۳۵

اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔

نیز طلاق رجعی میں زوجیت باقی رہتی ہے اور تین طلاقوں کی صورت میں اور طلاق بائنہ کی صورت میں نکاح کے اثرات باقی رہتے ہیں۔

اگر عورت دوران عدت نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہوتا ہے کیونکہ پہلے خاوند کا حق باقی ہوتا ہے۔ اور نکاح ممنوع ہوتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے خاوند کے نکاح میں ہوتے ہوئے کوئی عورت نکاح پر نکاح کرے۔

البتہ صاحب عدت معتدہ کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے کیونکہ عدت اس لئے مشروع ہوئی ہے تاکہ صاحب عدت کا حق محفوظ رہے اور اس کا نطفہ رحم میں محترم رہے تاہم صاحب سے بڑھ کر نطفے کا محافظ کوئی اور نہیں ہوسکتا، البتہ اگر عدت گزر جائے تو کوئی شخص بھی اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں یہ قاعدہ ہے۔ ہر وہ نکاح جو دخول کے بعد اضطراراً فسخ کردیا جائے تو خاوند دوران عدت عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا اور ہر وہ نکاح جو زوجین میں سے کسی ایک کے اختیار سے فسخ کیا جائے بایں طور کہ انہیں خیار حاصل ہو تو خاوند عدت کے دوران نکاح کرسکتا ہے۔ ❶

سوم: گھر سے باہر جانے کی حرمت:

معتدہ کے گھر سے باہر جانے کے متعلق فقہاء کی آراء قریب قریب ایک جیسی ہیں۔

حنفیہ..... مطلقہ اور متوفی عنہا (بیوہ) کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: عاقلہ، بالغہ، آزاد، مسلمان مطلقہ معتدہ (جو نکاح صحیح کے بعد طلاق کی عدت گزار رہی ہو) پر دن کو رات کو باہر جانا حرام ہے برابر ہے کہ طلاق بائنہ ہو یا مغلظہ ہو یا رجعی ہو۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ..... الطلاق ۶۵/۱

ان عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود باہر جائیں، الا یہ کہ ان سے کھلم کھلا کوئی بے حیائی سرزد ہو جائے۔

یعنی اگر معتدہ مرتکب زنا ہو جائے اور اس پر حد جاری کرنی ہو تو اسے باہر نکالا جاسکتا ہے، امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ محض عورت کا باہر نکلنا ہی فاحشہ (بے حیائی) ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ ..... الطلاق ۶۵/۶

---

❶..... القوانین الفقهيه ۲۱۱.

انہیں وہیں رہائش دو جہاں تم سکونت پذیر ہو۔

سکونت دینے کا حکم گویا اخراج وخروج کی ممانعت ہے، طلاق مغلظہ اور بائنہ کی صورت میں بھی عموم نہی کی وجہ سے باہر نکلنا جائز نہیں، رحم میں پڑے نطفے کی حفاظت واجب ہے تاکہ نطفہ اختلاط کا شکار نہ ہو۔

جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اور وہ عدت میں ہو وہ رات کو باہر نہیں جاسکتی، البتہ ضروریات زندگی کے لئے دن دن کو باہر جاسکتی ہے، کیونکہ معاش کی اسے بھی حاجت ہے، تاہم رات کو نہ جائے، برخلاف مطلقہ کے چونکہ اسکا نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

جو عورت طلاق ثلاث، بائنہ یا رجعی کی عدت میں ہو وہ مقررہ گھر سے باہر نہیں جاسکتی اور نہ سفر پر جاسکتی ہے حتیٰ کہ سفر حج پر بھی نہیں جاسکتی، خاوند بھی اسے سفر پر اپنے ساتھ نہیں لے کر جاسکتا۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ ......الطلاق ۶۵/۱

انہیں ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود باہر نکلیں۔

تاہم اگر اجازت کے بغیر عورت باہر جائے تو اس پر خاوند اسے مار سکتا ہے، الا یہ کہ عورت کو فتویٰ لینے کی ضرورت ہو اور خاوند عالم نہ ہو تو وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی باہر جاسکتی ہے۔

اگر نکاح فاسد کے بعد عورت عدت میں ہو تو وہ گھر سے باہر جاسکتی ہے چونکہ عدت کے احکام نکاح صحیح پر مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح نابالغ لڑکی یا مجنون لڑکی اگر فرقت رجعی کی عدت میں نہ ہو تو وہ بھی گھر سے باہر جاسکتی ہے، خواہ خاوند اسے اجازت دے یا نہ دے، چونکہ نابالغ اور مجنون لڑکی پر اللہ کا حق واجب نہیں نیز نابالغ کا رحم نطفہ میں مشغول نہیں ہوتا لہٰذا خاوند کا حق بھی باقی نہیں رہتا، البتہ خاوند مجنونہ کو باہر جانے سے روک سکتا ہے تاکہ رحم میں پڑا نطفہ محفوظ رہے اور اگر فرقت رجعی ہو تو نابالغ لڑکی خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جاسکتی چونکہ وہ اس کی بیوی ہوتی ہے۔

یہ ساری تفصیل حالت اختیار کی ہے جبکہ حالت ضرورت میں معتدہ گھر سے باہر جاسکتی ہے، اگر گھر سے باہر نکلنے کی اضطراری حالت پیش آجائے بایں طور کہ چھت گرنے کا اندیشہ ہو یا عورت کو اپنے ساز وسامان کا خوف ہو، یا گھر کا کرایہ نہ رکھتی ہو تو اس وقت عورت باہر جاسکتی ہے، اگر جس جگہ عورت کو طلاق ہوئی وہاں رہتے اسے تکلیف ہوتی ہو تو دیہات میں منتقل ہوسکتی ہے لیکن خاوند کے ساتھ ہو، اگر اس جگہ عورت کو تکلیف نہ ہوتی ہو تو اس جگہ سے کہیں اور منتقل نہ ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ نے معتدہ کے لئے ضرورت اور عذر کی وجہ سے باہر جانا جائز قرار دیا ہے مثلاً چھت گرنے کا خوف ہو یا پانی میں ڈوبنے کا خوف ہو یا دشمن اور چور وغیرہ کا خوف ہو یا مکان کا کرایہ بڑھ گیا ہو وغیرہ۔

مالکیہ اور حنابلہ نے دن کے وقت اپنی حوائج پوری کرنے کے لئے معتدہ کے باہر جانے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے خواہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ۔ میری خالہ کو تین طلاقیں ہوگئیں وہ کھجوریں توڑنے گھر سے باہر جاتی تھی، اسی عرصہ میں اسے ایک شخص ملا اس نے باہر نکلنے سے منع کیا میری خالہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم باہر جایا کرو اور کھجوریں توڑ لیا کرو شاید ان کھجوروں میں سے تم صدقہ کرو یا کوئی اور بھلائی کا کام کرو۔ [1] مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ غزوہ احد میں بہت سارے مسلمان شہید ہوچکے تھے ان کی بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول: رات کو ہمیں (تنہائی کی وجہ سے) وحشت ہوتی ہے کیا ہم رات گزارنے ایک دوسری کے پاس چلی جایا کریں

---

[1] ۔۔۔ رواہ النسائی وابو داؤد.

اور صبح ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو واپس آجائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسری کے پاس رات کو باتیں کرتی رہو اور جب سونے کا ارادہ کرو تو اپنے گھروں کو واپس آجاؤ۔

معتدہ کسی دوسرے گھر میں رات نہیں گزار سکتی اور رات کو بلاضرورت باہر بھی نہیں جاسکتی، کیونکہ رات کو فساد کا گمان ہوتا ہے اس لئے اپنے ہی گھر میں رات بسر کرے بخلاف دن کے چنانچہ دن کو فساد کا اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے ضروریات پوری کرنے باہر جاسکتی ہے۔

اگر عورت (معتدہ) پر کوئی حق واجب ہو جیسے اس سے قسم لینی ہو یا اس پر حد جاری کرنی ہو اور وہ عورت پردہ نشین ہو تو حاکم ایلچی اس کے گھر پر بھیجے جو وہیں حق پورا کرے اگر عورت پردہ نشین نہ ہو تو وہ ادائے حق کے لئے باہر جاسکتی ہے۔ تاہم جونہی فارغ ہو اپنے گھر واپس آجائے۔

شافعیہ کے نزدیک مطلقاً معتدہ کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں، خواہ معتدہ رجعیہ ہو یا مطلقہ بائنہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو۔ ہاں البتہ کسی عذر کی وجہ سے باہر نکل سکتی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ...... الطلاق ۱/۶۵

ان عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں الا یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔

فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں وحشت و تنہائی کے گھر میں ہوں کیا میں اپنے خاندان والوں کے گھر منتقل ہو جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اسی گھر میں ٹھہری رہو جہاں تمہیں خاوند کی وفات کی خبر ملی ہے یہاں تک کہ مقررہ عدت پوری ہو جائے۔ چنانچہ فریعہ رضی اللہ عنہا نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری۔❶

شافعیہ اور حنابلہ کا خانہ بدوش معتدہ کے متعلق رائے ہے کہ وہ بالوں کے بنے ہوئے خیمے میں عدت گزارے گی جیسے شہری عورت گارے مٹی کے بنے گھر میں عدت گزارتی ہے، اور وہ وہیں عدت پوری کرے جہاں اس کا خاوند مرا ہو، اگر دوران عدت محلّہ کے سارے لوگ دوسری جگہ منتقل ہو جائیں تو وہ بھی ان کے ساتھ منتقل ہو جائے اور اگر آدھا محلّہ کہیں اور چلا جائے تو جو باقی رہیں ان کے ساتھ رہے، البتہ اگر اس کے گھر والے منتقل ہوں تو وہ بھی ان کے ساتھ منتقل ہو جائے کیونکہ خاندان سے الگ رہنے میں نہایت درجے کی وحشت ہوتی ہے۔

چہارم......زوجیت والے گھر میں رہائش کا ہونا اور نفقہ:

رہائش اور نفقہ دینا خاوند پر واجب ہے رہی بات معتدہ کی رہائش کی سو زوجیت والے گھر میں عدت گزارنا اس پر واجب ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ
لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ...... الطلاق ۱/۶۵

اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے، ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

جس گھر کی عورتوں کی طرف نسبت کی گئی ہے اس سے مراد وہ گھر ہے جس میں وہ رہتی تھی، برابر ہے کہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو۔

❶......رواه الخمسة احمد واصحاب السنن الاربعة وصححه الترمذی عن فريعه (نيل الاوطار ۶/۲۹۸).

حنفیہ کہتے ہیں: مطلقہ رجعیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہے۔ اگر خاوند کا رجوع کرنے کا ارادہ ہو تو طلاق کے بعد استمتاع کر سکتا ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک طلاق رجعی سے استمتاع حرام نہیں ہوتا اور استمتاع رجعت ہوگا، اگر خاوند کا رجوع کرنے کا ارادہ ہو تو وہ بلا اجازت بھی عورت کے پاس آ سکتا ہے۔

جبکہ طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کی صورت میں مرد اور مطلقہ کے درمیان پردہ یا دیوار وغیرہ کا ہونا ضروری ہے جو دونوں کے درمیان آڑ بنا رہے یہ تب ہے جب گھر تنگ ہو اور اگر گھر وسیع ہو تو مطلقہ مستقل طور پر کسی ایک کمرے میں رہے، طلاق دہندہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا اور اس کے پاس رات بھی نہیں گزار سکتا، اگر گھر ایک کمرہ ہی ہو تو طلاق دہندہ نکل جائے تاوقتیکہ مطلقہ کی عدت پوری ہو جائے، چونکہ زوجیت والے گھر میں عدت گزارنا شرعاً واجب ہے تاکہ خلوت رہے۔

غلطی کا ازالہ ـ آج کل یہ رواج چل پڑا ہے کہ مطلقہ زوجیت والے گھر سے نکل جاتی ہے اور عموماً والدین کے ہاں چلی جاتی ہے اس رواج کا کوئی اعتبار نہیں چونکہ یہ رواج نص صریح سے متصادم ہے۔ چنانچہ آیت گزر چکی ہے کہ:

لاتخرجوھن من بیوتھن۔ (طلاق ۱/۶۵)

لیکن حنفیہ کے نزدیک گھر کا تنگ ہونا یا خاوند کا فاسق ہونا عذر سمجھا گیا ہے اس لئے مطلقہ اس گھر سے نکل سکتی ہے، البتہ خاوند کسی اور گھر کو متعین کرے جہاں مطلقہ عورت عدت گزارے، اگر خاوند وفات پا گیا ہو تو خود عورت گھر کی تعیین کر سکتی ہے، اسی طرح اگر مطلقہ پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہو تو یہ بھی حنابلہ کے نزدیک عذر ہے اور مطلقہ کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے۔

معتدہ گھر کے صحن میں نہیں نکل سکتی جہاں اجنبیوں کے گھر بھی ہوں اور غیروں کی نظر پڑتی ہو، کیونکہ ایسے صحن میں نکلنا سڑک پر نکلنے کے حکم میں ہے، اگر اس صحن کے آس پاس غیروں کے مکانات نہ ہوں بلکہ اپنے مکان کا مخصوص صحن ہو تو اس میں معتدہ نکل سکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں [1] مرد معتدہ کے ساتھ خاوند کی طرح رہے البتہ اس سے وطی نہیں کر سکتا اگر عورت کو طلاق بائنہ ہوئی ہو تو اس کی عدت ندور وطی کی بنا پر کیونکہ اس کے ساتھ اختلاط حرام ہے اور وطی زنا ہے، حرام کا اثر حکم شرعی پر نہیں ہوتا، جیسے مزنی بہا۔ چنانچہ زنا پر حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا، اگر عورت کو طلاق رجعی ہوئی ہو تو اس کی عدت پوری نہیں ہوگی کیونکہ شبہ قائم باقی ہے کیونکہ عدت براءت رحم کے لئے ہوتی ہے

معتدہ کا نفقہ: خاوند پر واجب ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اگر معتدہ مطلقہ رجعیہ ہو تو اس کا جملہ نفقہ یعنی کھانا، کپڑے اور رہائش بالاتفاق خاوند پر واجب ہے کیونکہ مطلقہ رجعیہ جب تک عدت میں رہے وہ بیوی ہی تصور کی جاتی ہے۔

۲۔ اور اگر معتدہ مطلقہ بائنہ ہو تو پھر اگر وہ حاملہ ہو تو اس کے لئے ہر طرح کے اخراجات واجب ہوں گے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...... الطلاق ۶/۶۵

اگر یہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ حمل وضع کر دیں۔

اور اگر مطلقہ بائنہ حاملہ نہ ہو تو بھی حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے ہر طرح کے اخراجات واجب ہوں گے کیونکہ وہ عدت گزارنے کے لئے حق خاوند کی خاطر رکی ہوتی ہے جسے اصطلاح میں احتباس کہتے ہیں لہٰذا خاوند پر اخراجات واجب ہوں گے۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک اس عورت کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ فاطمہ بنت قیس کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی تھی اور سے

---

[1] مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۴۔

طلاق بائنہ دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے خرچہ اور رہائش واجب قرار نہیں دی، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ اس وقت واجب ہے جب خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہو۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک معتدہ مطلقہ بائنہ کے لئے فقط رہائش واجب ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ......الطلاق ۶/۶۵

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو۔

چنانچہ آیت میں مطلقاً سکنیٰ واجب کیا گیا ہے برابر ہے کہ معتدہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ چنانچہ کھانے اور کپڑے کے اخراجات واجب نہیں ہیں، چنانچہ آیت کریم ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ......الطلاق ۶/۶۵

اگر یہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وضع حمل کریں۔

چنانچہ آیت کا مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غیر حاملہ کے لیے نفقہ واجب نہیں ہے۔

۳......اگر معتدہ وفات ہو تو بالاتفاق اس کے لئے نفقہ واجب نہیں۔ کیونکہ زوجیت کا تعلق موت سے منقطع ہو چکا۔ لیکن اگر گھر خاوند کی ملکیت ہو تو مالکیہ نے مدت عدت اسی گھر میں پوری کرنی واجب قرار دی ہے۔

۴......اگر نکاح فاسد یا نکاح شبہ کے بعد عورت عدت گزار رہی ہو تو جمہور کے نزدیک اس کے لئے نفقہ واجب نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں اس کے لئے نفقہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد دوران عدت بھی نفقہ نہیں ہوگا۔

البتہ مالکیہ نے اس صورت میں نفقہ واجب قرار دیا ہے عورت نکاح فاسد میں حاملہ ہو جائے چنانچہ واطی (صحبت کرنے والے) پر نفقہ واجب ہوگا۔

پنجم: سوگ...... فقہی اصطلاح میں زیب و زینت، خوشبو، سرمہ، تیل وغیرہ کے چھوڑنے کو سوگ کہا جاتا ہے، سوگ بدن کے ساتھ مخصوص ہے تاہم سوگ گھریلو آرائش، بچھونے چٹائیاں اور پردے وغیرہ کی آرائش کے مانع نہیں ہے۔ اسی طرح عورت ریشمی کپڑے پر بیٹھ بھی سکتی ہے۔

کسی قریبی رشتہ دار مثلاً باپ، بھائی ماں کی وفات پر صرف تین دن تک سوگ کرنا عورت کے لئے مباح ہے، خاوند کے علاوہ کسی اور میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے چنانچہ حدیث ہے۔ ''کسی مسلمان عورت جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں البتہ عورت اپنے خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ ❷

قریبی رشتہ داروں پر سوگ کرنے سے خاوند اپنی بیوی کو منع کر سکتا ہے کیونکہ سوگ ترک زینت ہے اور زیب و زینت خاوند کا حق ہے۔

سوگ کی مدت...... قریبی رشتہ دار پر سوگ کرنے کی مدت تین دن ہے اور خاوند پر سوگ کرنے کی مدت چار ماہ دس دن ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک خاوند پر سوگ کرنا مخصوص ہے۔ عاقلہ بالغہ مسلمان عورت کے ساتھ اگرچہ وہ باندی ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم نابالغ ذمیہ لڑکی پہ سوگ نہیں کیونکہ وہ غیر مکلف ہے ام ولد پہ سوگ نہیں چونکہ وہ بیوی نہیں ہوتی۔ گویا سوگ بیوی کے ساتھ مخصوص ہے۔

جمہور کے نزدیک سوگ ہر اس عورت کے پر ہے جو نکاح صحیح کے تحت بیوی بنی ہو، خواہ وہ نابالغ ہو یا مجنونہ ہو یا صحیح مسلمان ہو یا کتابیہ، حنابلہ کی رائے میں باندی پر بھی سوگ ہے، جبکہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک باندیوں پر سوگ نہیں ہے۔ کیونکہ باندیاں، بیویاں نہیں ہوتی ہیں۔

---

❶......رواه احمد والنسائی (نیل الاوطار ۶/۳۰۵) ❷ رواه البخاری ومسلم عن ام سلمه (نیل الاوطار ۶/۲۹۲).

بیویوں کے علاوہ کسی اور عورت پر سوگ نہیں۔ جیسے مثلاً ام ولد جس کا آقا فوت ہو چکا ہو یا وہ باندی جس سے اس کا مالک وطی کرتا ہو، ایسی عورت جس کے ساتھ شبہ کی بنا پر وطی ہو جائے، مزنی بہا اور نکاح فاسد کے تحت منکوحہ پر بھی سوگ نہیں ہے، کیونکہ نص حدیث میں سوگ بیوی کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، نکاح فاسد کی عورت حقیقتاً بیوی نہیں ہوتی۔

تاہم بالاتفاق مطلقہ رجعیہ پر سوگ نہیں بلکہ وہ بناؤ سنگھار کرے تاکہ اس کا خاوند اس سے رجوع کرے۔ اسی طرح بالاتفاق ایسی عورت پر بھی سوگ واجب ہے جس کا خاوند مر گیا ہو۔ چنانچہ حدیث ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جب اپنے والد ابوسفیان کی وفات کی خبر ہوئی تو تین دن تک سوگ میں رہیں پھر خوشبو منگوائی اور کہا: بخدا! مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس پر حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، ہاں البتہ خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

حنفیہ نے مطلقہ بائنہ پر بھی سوگ واجب قرار دیا ہے، کیونکہ سوگ حق شرع ہے اور زوجیت نعمت خداوندی ہے اس کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس ضروری ہے جیسے متوفی عنہا۔

جمہور نے مطلقہ بائنہ پر سوگ واجب قرار نہیں دیا بلکہ محض مستحب قرار دیا، کیونکہ خاوند نے اسے طلاق کے ذریعہ اذیت پہنچائی ہے، اس پر اظہار افسوس کیسا۔

امور سوگ: ۔۔۔ سوگ میں مندرجہ ذیل امور عورت کو ترک کرنے پڑتے ہیں۔

۱۔۔۔ زیورات نہ پہنے اگرچہ انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو خواہ سونے کی یا چاندی کی، ریشم کے کپڑے نہ پہنے، بعض شافعیہ مثلاً ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے زیورات پہننے کو جائز قرار دیا ہے، حنابلہ نے سفید ریشم پہننے کو جائز قرار دیا ہے۔

۲۔۔۔ بدن میں خوشبو لگانا اور کنگھی کرنا، کپڑوں میں بھی خوشبو نہیں لگا سکتی چونکہ خوشبو لگانے میں ترفہ اور زیب وزینت کا سامان ہے۔

۳۔۔۔ خوشبو دار تیل اور غیر خوشبو دار تیل بھی نہ لگائے چونکہ تیل لگانے سے بال سنور جاتے ہیں اور زینت ہو جاتی ہے، نیز تیل خواہ جو بھی ہو اس میں خوشبو ہوتی ہے۔

۴۔ آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے کیونکہ سرمہ سے آنکھوں کی تزئین ہو جاتی ہے البتہ فقہاء نے صرف رات کو سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے۔

۵۔۔۔ مہندی کی جملہ اقسام وانواع ممنوع ہیں، کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتدہ کو مہندی لگانے سے منع کیا ہے۔ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۶۔۔۔ خوشبو سے معطر کپڑے نہ پہنے سرخ یا زرد، رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے۔ اس کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کا خاوند مر چکا ہو وہ عورت عصفر بوٹی او مشق مٹی میں رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، زیورات نہ پہنے، مہندی نہ لگائے، سرمہ نہ لگائے۔ ❶ ایک اور روایت میں ہے: اور وہ عورت تیل لگا کر کنگھی نہ کرے، مہندی نہ لگائے، چونکہ مہندی خضاب کی ایک قسم ہے۔ ❷

ام عطیہ کہتی ہیں: ہمیں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا، البتہ خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ ضروری قرار دیا گیا ہمیں سرمہ لگانے، خوشبو لگانے اور رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ یمنی چادر عصب کی اجازت دی گئی۔ ❸

---

❶ ۔۔۔ رواہ احمد ابوداؤد والنسائی عن ام سلمہ (نیل الاوطار ۶/ ۲۹۶) ❷ رواہ البخاری و مسلم عن ام عطیہ۔ ❸ المحلی ۱۰/ ۳۳۵، مسئلہ نمبر ۲۰۰۰۔

اگر پہلے سے عورت کی کوئی عادت ہو اور سوگ کی وجہ سے عادت پوری نہ کر سکتی ہو تو ضرورت کے پیش نظر اپنی عادت پوری کر سکتی ہے، کیونکہ ضرورات سے محظورات مباح ہو جاتے ہیں۔

کالے رنگ کا کپڑا پہننا عورت کے لئے مباح ہے یہ اباحت چاروں مذاہب میں ہے، جبکہ ظاہریہ کے نزدیک سرمہ لگانا جائز نہیں اگر چہ ضرورت کے پیش نظر ہو، سیاہ کپڑا بھی نہ پہنے، سرخ اور زرد کپڑا بھی نہ پہنے۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر سیاہ کپڑے پہننے سے عورت کی زینت وزینت ہوتی ہو تو وہ بھی نہ پہنے۔

جمہور کے نزدیک سوگ والی عورت گھریلو حمام میں داخل ہو سکتی ہے۔ صابن کے ساتھ سر دھو سکتی ہے، مالکیہ نے حمام میں داخل ہونا بوجہ ضرورت جائز قرار دیا ہے۔

سوگ والی عورت ناخن کاٹ سکتی ہے، بغلوں کے بال اور زیر ناف بال اکھاڑ سکتی ہے، اور حیض کے بعد اندام نہانی میں خوشبو رکھ سکتی ہے۔

ترک سوگ کا حکم...... جس عوت کا خاوند مر گیا ہو وہ اگر سوگ ترک کر دے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بشرطیکہ اس کی حرمت ترک کا علم ہو جبکہ حنفیہ کے نزدیک نابالغ لڑکی اور مجنونہ کا ولی اس کے ترک سوگ سے گناہ گار ہوگا، گویا سوگ نہ کرنے پر عورت کی عدت گناہگاری کی حالت میں پوری ہوگی۔

ششم......عدت کے دوران پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا ثبوت:

حنفیہ کے نزدیک مطلقہ رجعیہ اگر دو سال یا اس سے زاید عرصہ میں بچہ جنم دے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا یعنی وہ بچہ طلاق دہندہ کا بیٹا ہوگا، کیونکہ طہر کی مدت طویل ہونے کا احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوران عدت علوق ہوا ہو، جب تک کہ عورت عدت کا اقرار نہ کرے اور مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہو۔

جبکہ مطلقہ بائنہ (مبتوتہ) کے بچے کا نسب بغیر دعویٰ کے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت نے عدت پوری ہو جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور عورت دو سال سے کم عرصہ میں بچہ لائے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ بوقت طلاق حمل قائم ہو، حنفیہ کے نزدیک حمل دو سال سے زیادہ بطن میں نہیں رہتا اگر فرقت کے وقت کے بعد ٹھیک دو سال پورے ہونے پر عورت بچہ لائی تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

یعنی وہ طلاق دہندہ کا بچہ نہیں ہوگا بلکہ کسی اور کا ہوگا۔ کیونکہ اس کا حمل طلاق کے بعد ٹھہرا ہے لہٰذا طلاق دہندہ سے نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام تھا، الا یہ کہ نسب کا خاوند دعویٰ کرے تو سب ثابت ہوگا۔

جس عورت کا خاوند وفات پا گیا ہو اور وہ بعد از وفات دو سال کے عرصہ کے اندر اندر بچہ لائے تو اس کا نسب متوفی سے ثابت ہوگا اگر چہ وہ عورت غیر مدخول بہا ہو۔

اگر معتدہ عدت پوری ہو جانے کا اعتراف کرے پھر چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ لائے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، گویا عدت پوری ہونے کے متعلق عورت نے جھوٹ بولا اور اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

یہ احکام دوسرے مذاہب پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے اور مالکیہ کے نزدیک پانچ سال۔

ہفتم......عدت میں وراثت کا ثبوت:

اگر عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو پھر زوجین میں سے کوئی ایک عدت گزرنے سے پہلے مر جائے تو جو فریق زندہ ہوگا وہ میت کا وارث

بنے گا برابر ہے کہ طلاق حالت مرض میں دی گئی ہو یا حالت صحت میں، کیونکہ طلاق رجعی کی صورت میں زوجیت حکماً باقی رہتی ہے۔

اگر حالت صحت میں طلاق بائن یا طلاق ثلاث دی گئی ہو اور عدت کے دوران زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو دوسرا فریق میت کا وارث نہیں بنے گا۔

اگر طلاق بائن یا طلاق ثلاث حالت مرض میں دی گئی ہو، اگر طلاق عورت کی رضامندی سے دی گئی ہو تو عورت بالاجماع وارث نہیں بنے گی اور اگر طلاق اس کی رضامندی سے نہ دی گئی ہو تو جمہور کے نزدیک وارث بنے گی کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت مثلاً عمر، عثمان، علی، عائشہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے۔ اس طلاق کو طلاق فرار کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک عورت وارث نہیں ہو گی کیونکہ نکاح طلاق بائن یا ثلاث سے زائل ہو گیا۔

ہشتم: عدت میں طلاق کا لحوق:

اگر مرد نے ایک طلاق دی اور عورت اس کے بعد عدت گزارنے بیٹھ گئی پھر کچھ عرصہ بعد مرد نے دوسری طلاق دی پھر تیسری طلاق دی تو یہ دونوں طلاقیں بھی پہلی گزری ہوئی عدت کے ساتھ شامل ہو جائیں گی گویا پہلی طلاق کے بعد عدت کا شمار کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل طلاق رجعی اور طلاق بائن کی بحث میں گزر چکی ہے۔

استبراء:

استبراء کا معنی ۔۔۔ طلب براءت ہے۔ شرعاً باندی کا مملوک ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ انتظار میں رہنا یا مزنی بہا (زانیہ) کا کچھ عرصہ انتظار میں رہنا تاکہ رحم کی براءت ہو جائے۔ ❶

استبراء کا حکم ۔۔۔ بالاتفاق استبراء واجب ہے تاکہ مختلف مردوں کے نطفے خلط نہ ہوں اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب اشتباہ میں نہ پڑے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے استبراء کا انکار کیا تو بعض فقہاء کی رائے میں وہ کافر ہو گیا۔ کیونکہ استبراء کے وجوب پر اجماع ہے۔ ❷ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا: کسی حاملہ عورت کے ساتھ جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ وضع حمل کرے اور غیر حاملہ کے ساتھ بھی جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کا ایک حیض گزر جائے۔ ❸ ایک اور حدیث ہے۔ ہرگز کوئی شخص ایسی عورت کے ساتھ جماع نہ کرے جو کسی دوسرے کے نطفے سے حاملہ ہو ❹ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ کسی قیدی عورت کے ساتھ جماع نہ کرے یہاں تک کہ اس کے رحم کا استبراء نہ ہو جائے۔ ❺

اسباب استبراء ۔۔۔ فقہاء نے استبراء کے مختلف اسباب ذکر کیے ہیں۔

حنفیہ کی رائے ۔۔۔ جو باندی ملکیت میں ہو تو اس پر حاصل ملکیت کی بنا پر آقا اس کے ساتھ صحبت کرتا ہو تو اس باندی پر استبراء رحم واجب ہو گا خواہ باندی آقا کو وراثت میں ملی ہو یا اس نے خریدی ہو یا قیدیوں سے ملی ہو یا صدقہ میں ملی ہو یا وصیت میں ملی ہو یا بدل خلع میں ملی ہو یا صلح، بدل کتابت وغیرہ میں ملی ہو۔ ❻

---

❶ الدر المختار ۵/ ۲۶۴، مغنی المحتاج ۲/ ۴۰۸، الشرح الصغیر ۲/ ۲۷۷، نکاح صحیح میں لائی ہوئی بیوی کو جب طلاق ہو جائے تو اس کے انتظار میں بیٹھے رہنے کو عدت کہا جاتا ہے جبکہ باندی اور زانیہ کے انتظار کو استبراء کہا جاتا ہے تاکہ یہ یقین ہو جائے کہ اس کا رحم کسی قسم کے حمل میں مشغول نہیں۔ ❷ حاشیۃ ابن عابدین ۵/ ۲۶۴ ❸ رواہ احمد و ابو داؤد عن ابی سعید الخدری (نیل الاوطار ۶/ ۳۰۵) ❹ رواہ احمد عن ابی ہریرۃ ❺ رواہ احمد والترمذی وابو داؤد عن رویفع بن ثابت ❻ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۵/ ۲۶۵

اسقاط استبراء کا حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اس کی صورت یہ ہے کہ خریدار کو اگر معلوم ہو کہ بائع نے باندی کے ساتھ طہر میں جماع نہیں کیا، خریدار پہلے، باندی کے ساتھ نکاح کرے پھر اس پر قبضہ مکمل کرے اور پھر اسے خرید لے یوں استبراء کے بغیر بھی خریدار کے لئے حلال ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں [11] استبراء کے دو اسباب ہیں۔جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہیں۔یعنی ملک اور زوال ملک۔پھر شافعیہ نے کہا کہ استبراء کا ایک سبب اور ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے کی باندی کو اپنی باندی سمجھ کر جماع کر لے یعنی وطی شبہ بھی سبب ہے۔

ملک......یعنی کوئی شخص باندی کا مالک بنے۔مثلاً باندی کو خرید لے، یا جنگی قیدیوں میں سے حصہ میں ملے یا کسی عیب کی وجہ سے باندی واپس کر دی جائے تو استبرائے رحم واجب ہوگا۔

زوال ملک......اس کا حاصل یہ ہے کہ باندی کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا ہو یا اس کا آقا مر جائے تو استمتاع زائل ہو گیا اس کی پاداش میں استبرائے رحم واجب ہوگا۔

حنابلہ نے استبرائے رحم کے تین اسباب ذکر کیے ہیں۔[12]

۱......باندی کی ملکیت حاصل ہو خواہ خرید وفروخت سے یا ہبہ سے یا وراثت سے یا جنگی قیدیوں سے یا وصیت وغیرہ سے۔

۲......اگر باندی کے ساتھ مالک نے وطی کی ہو پھر وہ اسے فروخت کرنا چاہے یا اس کی شادی کروانا چاہے تو استبراء ضروری ہوگا۔

۳......جب کوئی شخص ام ولد کو آزاد کر دے یا باندی کو آزاد کرے جس کے ساتھ وطی کرتا ہو یا مالک مر جائے تو باندی پر استبرائے رحم واجب ہوگا۔

مالکیہ نے استبراء کے چار اسباب ذکر کیے ہیں۔[13]

۱۔حصول ملک......خواہ خریداری سے ہو یا ہبہ سے ہو وراثت سے یا غنیمت سے یا کسی اور وجہ سے۔تاہم مالکیہ کے نزدیک استبراء چار شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

اول......یہ کہ باندی کو برأت رحم کا علم نہ ہو تو استبرائے رحم واجب ہوگا، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی رہن میں رکھ دی اور عرصہ رہن کے دوران اسے حیض آ گیا اور وہ اپنے مالک کے پاس آ گئی ہو پھر مالک اسے فروخت کر دے تو باندی پر استبراء واجب نہیں ہوگا۔

دوم......حصول ملک کی حالت میں باندی کے ساتھ وطی کرنا مباح نہ ہو جیسے مثلاً ایک شخص نے باندی کے ساتھ شادی کر لی ہو اور پھر وہ اسے خرید لے یہ صورت مذاہب میں متفق علیہ ہے۔

سوم......مستقبل میں باندی کے ساتھ وطی حرام نہ ہو جیسے نسبی یا رضاعی پھوپھی خالہ اور بیوی کی ماں، چنانچہ اس باندی کے ساتھ مالک کی وطی حلال ہی نہیں ہوتی لہٰذا استبراء واجب نہیں۔

چہارم......باندی وطی کی طاقت رکھتی ہو، چنانچہ کمسن لڑکی مثلاً پانچ سال کی لڑکی پر استبرائے رحم نہیں کیونکہ اس کا رحم دوسرے کے نطفہ کے ساتھ مشغول نہیں ہوگا۔

۲۔عتق......یا مالک کی موت سے ملک کا زائل ہونا بھی استبرائے رحم کا سبب ہے یہ سبب متفق علیہ ہے

۳۔زنا......جب آزاد عورت اپنی مرضی سے مرتکب زنا ہو یا جبراً اس کے ساتھ زنا کیا جائے تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے

[11]......مغنی المحتاج ۳/ ۴۰۸، المہذب ۲/ ۱۵۳ [12] کشاف القناع ۵/ ۵۰۷۔[13] القوانین الفقہیۃ ۲۴۰، الشرح الصغیر ۲/ ۷۰۱۔

استبرائے رحم کے لئے تین حیض گزارنے ہوں گے، باندی ایک حیض گزارے گی جبکہ حاملہ کا استبرائے رحم وضع حمل سے ہوگا۔

۴۔ سوءظن...... جو عورت گھر سے باہر گھومتی پھرتی ہو اور اس کے متعلق سوءظن ہو جائے تو مشہور مذہب کے مطابق اس کا استبرائے رحم واجب ہے، اگر اسے حیض آتا ہو تو اس کا استبراء ایک حیض ہوگا، اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو نو مہینے اس کا استبراء ہوگا اور اگر کم سن یا آئسہ (بوڑھی عورت جسے حیض نہ آتا ہو) ہو تو اس کا استبراء تین مہینے ہوگا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مشہور ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا استبراء ایک مہینہ ہے اگر حاملہ ہو تو وضع حمل استبراء ہوگا۔

استبراء کی ایک اور قسم اور مدت استبراء...... جو عورت مدت استبراء میں ہو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے ساتھ استمتاع بوسہ لینا نظر شہوت سے دیکھنا جائز ہے۔ ❶

شافعیہ نے وطی کے علاوہ استمتاع جائز قرار دیا ہے لیکن اس باندی کے ساتھ جو مال غنیمت میں حصہ کے طور پر ملی ہو۔

وطی وغیرہ کے ناجائز ہونے کی دلیل گذشتہ حدیث ہے کہ خبردار! حاملہ عورت کے ساتھ وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وضع حمل کرلے اور جو حاملہ نہ ہو اس کے ساتھ بھی وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس کا ایک حیض گذر جائے۔

جس عورت کو حیض آتا ہو بالاتفاق اس کا استبراء حیض سے ہوگا اور جو حاملہ ہو اس کا استبراء بالاتفاق وضع حمل ہوگا، البتہ نابالغ لڑکی آئسہ اور وہ عورت جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو کے استبراء کے متعلق اختلاف ہے۔ ❷

حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب...... یہ کہ نابالغ لڑکی، آئسہ اور جس عورت کا حیض منقطع ہو چکا ہو کے استبرائے کی مدت ایک ماہ ہے چونکہ مہینہ آزاد عورت اور مطلقہ باندی کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے لہٰذا مہینہ استبراء کے بھی قائم مقام ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب...... یہ ہے کہ نابالغ لڑکی اور آئسہ کے استبرائے کی مدت تین مہینے ہیں، چونکہ ہر مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہوگا، آزاد آئسہ تین حیض کی بجائے تین ماہ گزارے گی، کشاف القناع میں ہے کہ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء ایک مہینہ سے ہوگا۔

تاخیر حیض...... مرض، رضاعت وغیرہ کی وجہ سے جس عورت کا حیض عادت سے مؤخر ہو جائے یا عورت مستحاضہ ہو جائے اور اسے حیض کی تمیز ہی نہ رہے تو وہ مالکیہ کی رائے کے مطابق دس مہینے گزارے، جن میں سے نو مہینے حمل کے اور ایک مہینہ حیض کا بشرطیکہ عورت کو حیض نہ آتا ہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو اور اگر عورت کو حیض نہ آنے کا سبب معلوم ہو کہ اسے بیمار رہنے کی وجہ سے حیض نہیں آرہا یا رضاعت کی وجہ سے حیض نہیں آرہا تو وہ برابر استبراء میں رہے گی تاوقتیکہ اسے حیض آنا شروع آجائے۔ چنانچہ وہ ایک حیض سے استبرائے رحم کرے گی، ورنہ آئسہ عورت کی طرح صبر کرے اور تین مہینے گزارے۔

زنا اور نکاح باطل کی وجہ سے عدت؟...... اگر شادی شدہ عورت زنا کرلے یا کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرلے جو بالاتفاق باطل ہو مثلاً اس عورت کے ساتھ نکاح کرلے جو اس پر حرام ہو، یا ایسی عورت سے نکاح کرلے جو عدت گزار رہی ہو یا دوسرے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرلے، حالانکہ ناکح کو معلوم ہو کہ یہ دوسرے شخص کے نکاح میں ہے پھر وہ اس کے ساتھ جماع بھی کرلے۔

اگر اس حالت میں عورت حاملہ ہو تو وہ اپنے حقیقی خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وضع حمل کرلے یہ مذاہب کا اتفاقی

---

❶...... الدر المختار ۵/ ۲۶۵، القوانین الفقهیة ص ۲۴۰، مغنی المحتاج ۳/ ۴۱۲، کشاف القناع ۵/ ۵۰۴ ❷ الدر المختار ۵/ ۲۶۵، القوانین الفقهیة ۲۴۰، الشرح الصغیر ۲/ ۲۰۵، مغنی المحتاج ۳/ ۴۸، کشاف القناع ۵/ ۵۱۱، المغنی ۷/ ۴۹۹، المهذب ۲/ ۱۰۴۔

مسئلہ ہے۔

اور اگر عورت حاملہ نہ ہو تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک زنا اور نکاح باطل کی صورت میں عدت واجب نہیں ہوتی کیونکہ نکاح باطل بھی زنا کے حکم میں ہوتا ہے، البتہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حیض استبراء کے طور پر، مستحب قرار دیا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وطی کے بعد تین حیض استبراء کے ظور پر گزارنا واجب ہے، برابر ہے کہ خاوند نے چھوڑ دی ہو یا وہ مر گیا ہو، مدت استبراء کے دوران عورت کے ساتھ وطی کرنا خاوند پر حرام ہے۔

البتہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کر لیا اور اسے علم بھی ہو کہ یہ دوسرے شخص کی منکوحہ ہے پھر وہ اس کے ساتھ صحبت بھی کر لے اس کے بعد دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی ہو تو بالاتفاق اس عورت پر عدت واجب ہے کیونکہ عقد نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں اگر دخول ہو جائے تو بالاتفاق عدت واجب ہوتی ہے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد ۹ کا ترجمہ آج مورخہ ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار بعد از نماز عشاء مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول عام بخشے۔

وما توفیقی الا باللہ۔ ھو ربنا ولا رب غیرہ

فقط: ابوعبداللہ محمد یوسف تنولی

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامی وَاَدِلّتُہٗ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آرا.
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

حصہ دہم

باب حقوق الاولاد
بابُ الوصایا، بابُ الوقف، بابُ المیراث

مؤلف

الاستاذ الدکتور وهبة الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مترجم

مولانا عامر شہزاد صاحب

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دارالاشاعت اردو بازار، کراچی

اصطلاحات

نسب.....اولاد کا باپ کے ساتھ ایسا پاکیزہ رشتہ جس سے باپ کے ساتھ اولاد کی جزئیت ثابت ہو۔
رضاعت.....بچے کا دوسال کی عمر میں عورت کے پستانوں سے دودھ پینا۔
رضیع.....دودھ پینے والا بچہ۔
مرضع (مرضعہ).....دودھ پلانے والی عورت۔
رضاعی.....ایسا شخص جس سے ددھیالی رشتہ ہو۔
حضانت.....بچے کی پرورش۔
حاضنہ.....پرورش کرنے والی عورت (دایہ)
محضون.....پروردہ بچہ۔
نفقہ.....خرچہ۔
منفق.....خرچہ دینے والا۔
منفق علیہ.....جس پر خرچہ کیا جائے۔
نشوز.....بیوی کا نافرمان ہوجانا۔
ناشزہ.....نافرمان بیوی۔
تمکین.....عورت کا اپنے خاوند کو اپنے نفس پر قدرت دینا۔
حواشی.....حاشیہ بردار یعنی چچازاد بھائی وغیرہ۔
وصیت.....کسی کو اپنی مملوکہ چیز کا موت کے بعد مالک بنانا۔
موصی.....وصیت کنندہ (میت، مورث)
موصیٰ لہ.....جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو۔
موصیٰ بہ.....وصیت کردہ چیز۔
وصی.....ایسا شخص جسے وصیت کنندہ نفاذِ، وصیت کے سلسلہ میں اپنا قائم مقام بنا جائے۔ (نائب، وکیل، قائم مقام)
تبرع.....بلاعوض مال کسی کو دے دینا۔
وقف.....کارِخیر میں کسی چیز کے منافع بلاعوض دے دینا۔
واقف.....وقف کرنے والا۔
موقوف لہ.....جس کے حق میں منافع وقف کئے گئے ہوں۔
موقوف.....وہ چیز جسے وقف کیا گیا ہو۔

میراث میت کا ترکہ۔

وارث میت کا رشتہ دار جو میت کا ترکہ لیتا ہے۔ مستحق وراثت/وراثت دار

مورث میت جو وراثت میں مال چھوڑے۔

ترکہ میت کا اپنے پیچھے چھوڑا ہوا مال۔

ورثہ، ورثاء وارث کی جمع ہے۔

اصحاب الفروض ایسے ورثہ جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔

عصبہ وہ قرابت دار جس کا حصہ مقرر نہ ہو ذوی الفروض کو ترکہ دینے کے بعد جو بچ رہے اسے مل جائے۔ (ایسے رشتہ دار جو گوشت پوست میں شریک ہوں)۔

حجب احکام میراث میں ایک وارث کے ہوتے ہوئے دوسرے کا محروم ہو جانا جیسے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہوتا ہے بیٹا حاجب ہے اور پوتا محجوب۔

عول لفظی معنی ظلم و زیادتی ہے اصطلاح میں اصل مسئلہ میں مجموعی حصوں سے زائد ہو جانا۔

رد ذوی الفروض کو ترکہ دینے کے بعد جو بچ جائے اسے دوبارہ ذوی الفروض (زوجین کے علاوہ) پر تقسیم کرنا۔

ذوی الارحام ایسے قرابتدار جن کی رشتہ داری میں کسی عورت کا واسطہ آتا ہو۔

تیسرا باب......اولاد کے حقوق

یہ باب پانچ فصول پر مشتمل ہے:

اول......نسب　　　　دوم......رضاعت

سوم......حضانت (اولاد کی پرورش)　　　　چہارم......ولایت (سرپرستی)

پنجم......اخراجات (اولاد اور بیوی کے اخراجات)

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان قوی بنیادوں پر اسی وقت استوار رہ سکتا ہے جب اولاد کا نسب ثابت ہو جب اولاد کا نسب ثابت ہوگا تو اولاد ضائع ہونے سے محفوظ رہے گی اور بچپن میں اولاد ناتوانی اور کمسنی کی وجہ سے دوسروں کی محتاج ہوتی ہے اور ماں کا دودھ بچے کی اولین خوراک ہوتا ہے جسے اصطلاح میں رضاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے تاہم رضاعت کا دارومدار ثبوت نسب پر ہے نیز اولاد (بچوں) کا اگر مال ہو تو لامحالہ اس کی حفاظت ضروری ہے جب کہ بچے حفاظت سے قاصر ہوتے ہیں لہٰذا مال کی حفاظت اور اسے سرمایہ کاری میں لگانے کے لئے کسی محافظ کی ضرورت ہوتی ہے اولاد کی تعلیم وتربیت نہایت اہم فریضہ ہے اسے تبھی پورا کیا جاسکتا ہے جب اولاد کا نسب ثابت ہو چنانچہ باپ ہی اس ذمہ داری کو نبھا سکتا ہے بھلا غیروں کو کسی کی اولاد سے کیا غرض چنانچہ ولایت، حضانت، تربیت، رضاعت اور نسب سارے امور باہم مربوط ہیں۔

پہلی فصل: نسب......یہ فصل ایک تمہید اور دو مباحث پر مشتمل ہے اول ثبوت نسب کے اسباب دوم ثبوت نسب کے مختلف طریقے۔

تمہید......شریعت مطہرہ میں نسب کو زبردست اہمیت حاصل ہے اور غیر مشروع طریقہ پر لے پالکی اور الحاق کو حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ نسب خاندانی بنیادوں کی قوی تر بنیاد ہے ایک خاندان کے افراد کا دارومدار نسب پر ہے اور اسی پر خونی اکائی اور جزئیت وبعضیت کے ثمرات کا قیام ہوتا ہے چنانچہ مولود (بچہ) باپ کا جزو ہوتا ہے اور باپ اولاد کا بعض (حصہ) ہوتا ہے دراصل نسب ایسی خاندانی نس ہے جو انقطاع سے پاک ہوتی ہے نسب اللہ تعالیٰ کی نہایت عظیم نعمت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے اگر نسب کا اعتبار ووجود نہ ہوتا تو خاندانی قدروں کی عمارت دھڑام سے گر کر تباہ ہو جاتی خاندانی ثمرات تباہ ہو جاتے معاشرے کے افراد کے درمیان مہر ومحبت اور الفت باقی نہ رہتی، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے انسان پر نسب کا احسان جتلایا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ الفرقان ۲۵/۵۴

''اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسی کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کئے اور تمہارا پروردگار بڑا قدرت والا ہے۔''

گویا نسب شریعت کے پانچ مقاصد میں سے ایک ہے۔

شریعت نے آباء کو اولاد کے نسب سے انکار کرنے سے منع کیا ہے اور غیر باپ کی طرف اولاد کے منسوب کرنے کو عورتوں پر حرام قرار دیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت بھی کسی قوم میں ایسے بچے کو لائی جو ان میں سے نہ ہو (یعنی ولد زنا ہو) وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی درجہ میں نہیں اللہ اس عورت کو جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جس شخص نے بھی اپنے بچے کا انکار کیا جب کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو اللہ اس سے حجاب کرلے گا اور روز قیامت اولین وآخرین (سبھی لوگوں کے سامنے) سر عام اسے رسوا وذلیل

کرے گا۔ ❶ شریعت نے اولاد کو بھی غیر باپ کی طرف منسوب کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنے آپ کو باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا حالانکہ اسے حقیقت کا علم بھی ہو تو اس پر جنت حرام ہے ❷ ایک اور حدیث ہے جس شخص نے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا یا آزاد کردہ غلام نے حق ولاء کی نسبت کسی غیر کی طرف کر دی تو روز قیامت تک لگاتار اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ ❸

لے پالک: زمانہ جاہلیت اور صدر اسلام میں لے پالک (بچہ جھول لینا) کا رواج تھا۔ اسلام نے اسے کالعدم قرار دیا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نبوت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا یا لے پالک) بنالیا تھا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا جاتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَ مَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَ هُوَ یَهۡدِی السَّبِیۡلَ۝ اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ مَوَالِیۡكُمۡ ؕ ......الاحزاب ۳۳ ۔ ۴،۵

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں، اللہ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ یہ طریقہ اللہ کے ہاں انصاف پسند ہے اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ائمہ حدیث نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے حتیٰ کہ سورت احزاب کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

چنانچہ مذکورہ آیت کے مطابق عین عدل یہی ہے کہ بیٹے کو حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے اسلام دین حق اور دین عدل ہے چنانچہ اجنبی فرد اگر کسی خاندان کا حصہ بن جائے تو وہ اخلاق و اطوار اور دینداری میں اس خاندان کے رنگ میں نہیں رنگا جاتا بسا اوقات اس سے بڑے بڑے فساد اور برائیاں جنم لیتی ہیں کیونکہ وہ فرد اجنبی ہوتا ہے چنانچہ جو شخص کسی گرے پڑے بچے کو یا مجہول النسب بچے کو اپنا بیٹا بنا لیتا ہے اور وہ اس کے حقیقی بیٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا اور ان دونوں کے درمیان وراثت نہیں چلے گی حرمت قرابت کے احکام بھی نہیں چلیں گے جس شخص کا باپ مشہور معروف ہو وہ اسی کی طرف منسوب ہوگا اور جس کا باپ مجہول نامعلوم ہو وہ دینی بھائی اور مسلمانوں کا دوست ہے یہ قرآنی قانون اس لیے ہے تاکہ حقائق میں تغیر نہ آنے آباء کے حقوق محفوظ رہیں اولاد ضائع نہ ہونے پائے خاندانی اکائی متاثر نہ ہو۔ چنانچہ کتنے منہ بولے بیٹے ہیں جنھوں نے خاندانوں کو تباہ کر دیا زوجین کی عزت و مال پر ہاتھ صاف کیے۔

لیکن اسلام لقیط (گرے پڑے بچے) کی تعلیم و تربیت سے منع نہیں کرتا بلکہ اسے کار خیر قرار دیتا ہے اور پھر اسلام لقیط پر بعد از بلوغ تمام اخلاقی قوانین لاگو کرتا ہے تاہم وسیع پیمانے پر لقیط کے لیے احسانات کے دروازے کھول دینے کو اسلام ممنوع قرار دیتا ہے جب کہ لقیط کی پرورش فی نفسہ کار خیر ہے ایک انسانی جان کو ہلاکت سے بچانا ہے اور جس نے کسی انسانی جان کو زندہ کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو زندہ کیا۔

❶ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم عن ابی ہریرۃ وھو صحیح۔ ❷ رواہ احمد والبخاری ومسلم وابو داؤد وابن ماجہ عن سعد بن ابی وقاص وابی بکرۃ وھو صحیح۔ ❸ رواہ ابو داؤد عن انس۔

ماں کی طرف سے اولاد کا نسب ہر حال میں ثابت ہوتا ہے خواہ ولادت شرعی ہو یا غیر شرعی جبکہ باپ کی طرف سے اولاد کا نسب نکاح صحیح یا فاسد یا وطی بشبہ یا اقرار سے ثابت ہوتا ہے جاہلیت میں زنا کے طریقہ سے الحاق اولاد کا جو نظام تھا اسلام نے اسے باطل قرار دیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کے حصہ میں پتھر ہوتے ہیں ❶ حدیث کا معنی ہے کہ اولاد کا الحاق اسی باپ سے ہوتا ہے جس کے لیے زوجیت صحیحہ ثابت ہو جب کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زانی تو رجم کا مستحق ہوتا ہے۔

حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اولاد کا باپ کے ساتھ تبھی الحاق ہوگا جب فراش کا ثبوت ہو جائے اور فراش تبھی ثابت ہوتا ہے جب نکاح صحیح یا فاسد کے تحت صحبت ہو یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ محض عقد نکاح سے فراش ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ مظنہ فراش کافی ہے۔ ❷

پہلی بحث: ثبوت نسب کے اسباب:

ثبوت نسب کے اسباب بیان کرنے سے پہلے تین امور کی وضاحت ضروری ہے۔

اول......مدت حمل۔

دوم......ولادت میں اختلاف اور مولود کی تعین۔

سوم......قیافہ کے ذریعے بچے کے نسب کا اثبات۔

مدت حمل......حمل کا نسب تبھی ثابت ہو سکتا ہے جب وہ اتنی مدت میں وضع ہو کہ وہ مدت حمل کا احتمال رکھتی ہو عدت میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حمل کی کم از کم مدت......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے ❸ کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے یہ چھ ماہ جمہور کے نزدیک صحبت یا امکان صحبت کے وقت سے شمار ہوں گے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نکاح سے شمار ہوں گے کیونکہ عقد نکاح سے فراش پائے ثبوت کو پہنچ جاتا ہے جب کہ جمہور کے نزدیک امکان وطی سے فراش ثابت ہوتا ہے۔

کم از کم مدت حمل کی دلیل دو قرآنی آیات کا مجموعہ ہے وہ یہ ہیں:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا الاحقاف۴۶/۱۵

اور اس کو اٹھائے رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) مہینے ہوتی ہے۔

وفصاله فی عامین ......لقمان ۳۱/۱۴

اور اس (بچے) کا دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں۔

پہلی آیت میں حمل اور فصال (دودھ چھڑانے) کی مدت تیس ماہ بیان کی گئی ہے دوسری آیت میں فصال کی مدت دو سال بیان کی گئی ہے چنانچہ تیس ماہ سے دو سال (۲۴/ماہ) نکالے جائیں تو باقی چھ ماہ بچتے ہیں جو مدت حمل ہے نیز وقوعہ اور طب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

---

❶......رواه الجماعة الا الترمذی والجماعة احمد واصحاب الكتب الستة (نيل الاوطار ۲۷۹/۶) ❷نيل الاوطار ۲۷۹/۶ ومابعدها بداية المجتهد ۳۵۲/۲، البدائع ۲۱۲/۳ فتح القدير :۳۰۰/۳۔ ❸بداية المجتهد ۳۵۲/۲

روایت ہے کہ ایک شخص نے شادی کر لی شادی کے بعد اس کی بیوی نے چھ ماہ کے عرصہ میں بچہ جنم دیا معاملہ حضرت عثمان کے پاس لایا گیا آپ رضی اللہ عنہ نے عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر میں کتاب اللہ کے ذریعہ تمہارے ساتھ مناظرہ کروں تو میں غالب رہوں گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وحملہ وفصالہ ثلاثون شھراً، وفصالہ فی عامین

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ حمل کے چھ ماہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی توجیہ پر عمل کیا اور عورت پہ حد جاری نہیں کی۔ ❶

اکثر مدت حمل...... کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں ❷ مشہور اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ حنفیہ کی رائے ہے کہ اکثر مدت حمل دو سال ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حمل اپنی ماں کے رحم میں دو سال سے زائد عرصہ نہیں رہ سکتا چرنے کے تکلے برابر بھی نہیں۔ ❸

چنانچہ خاوند کی وفات یا اس کے طلاق دینے کے بعد بیوہ یا مطلقہ کو دو سال کے عرصہ میں بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب اپنے باپ (طلاق دہندہ یا میت) سے ثابت ہوگا۔

۲ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ حمل کی اکثر مدت چار سال ہے کیونکہ جس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو تو اس کے وجود و وقوع کی طرف رجوع کیا جائے گا چنانچہ حمل چار سال تک پایا جاتا ہے کیونکہ بنی عجلان کی بعض عورتیں چار چار سال تک حاملہ رہی ہیں۔

چنانچہ عورت طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد چار سال کی مدت کے اندر بچہ جنم دے جب کہ اس عرصہ میں اس نے دوسری شادی نہ کی ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو اور نہ ہی حیض کے حساب سے اس کی مدت گزری ہو تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس عورت کے خاوند سے ثابت ہو جائے گا اور اس کی عدت اس حمل کو جنم دینے سے گزر جائے گی۔

اگر عورت طلاق یا خاوند کی وفات یا فسخ نکاح کے چار سال گزرنے کے بعد بچہ لائی یا طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد لائی تو بچے کا اس عورت کے خاوند کے ساتھ الحاق نہیں ہوگا کیونکہ بالیقین اس حمل کا لعوق نکاح زائل ہونے کے بعد ہوا ہے۔

۳ ...... مالکیہ (کا مشہور قول) لیث بن سعد اور عباد بن عوام کے نزدیک حمل کی اکثر مدت پانچ سال ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مجھے خبر پہنچی ہے کہ ایک عورت سات سال تک حاملہ رہی۔

۴ ...... مالکیہ میں سے محمد بن عبد الحکم کی رائے ہے کہ ایک قمری سال اکثر مدت حمل ہے۔

۵ ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن حزم ظاہری کی رائے ہے کہ نو قمری مہینے اکثر مدت حمل ہے پہلے تین اقوال میں عورت کے پھولے ہوئے پیٹ کو علامت حمل ہونے کی رعایت کی گئی ہے چنانچہ ابن رشد کہتے ہیں:

یہ مسئلہ عادت اور تجربہ کی طرف راجع ہوتا ہے تاہم ابن عبد الحکم اور ظاہریہ کا قول عادت کے زیادہ قریب ہے اور معتاد پر حکم کا لگانا واجب ہے نادر پر حکم نہیں ہوتا یہ تو محال ہے۔

قوانین میں شمسی سال یعنی ۳۶۵ ایام اطباء کی رائے کے مطابق اکثر مدت حمل رکھی گئی ہے چنانچہ سوریا کے قانون دفعہ ۱۲۸ میں ہے کہ اقل مدت حمل ۱۸۰ اور اکثر مدت حمل ایک شمسی سال ہے مالکیہ نے ایام کے اعتبار سے اقل مدت حمل ۱۷۵ ایام قرار دیے ہیں

---

❶ البدائع ۲۱۱/۳ (۲) الدر المختار ۸۵۷/۲) فتح القدیر ۳۱۰/۳ الکتاب مع اللباب ۸۷/۳ بدایۃ المجتھد ۳۵۲/۲ مغنی المحتاج ۳۹۰/۳ المغنی ۳۷۷/۷ المحلی ۳۸۵/۱۰۔ ❸ رواہ الدارقطنی والبیھقی فی سننھما۔

چونکہ بعض مہینے ۲۹ ایام کے بھی ہوتے ہیں اس لئے ۱۷۵ ایام چھ ماں کے ہوئے مصری قانون میں دفعہ ۱۵ مجریہ ۱۹۲۹ کے تحت ہے عقد کے بعد زوجین کا عدم ملاپ ثابت ہوتو دعویٰ نسب قابل سماعت نہیں ہوگا، اگر خاوند کے غائب رہتے ہوئے عورت ایک سال کے بعد بچہ لائے یا مطلقہ یا متوفی عنہا طلاق وخاوند کی وفات کے ایک سال بعد بچہ لائے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تیونس اور دیگر عربی مغربی ممالک میں بھی اسی قانون کو اختیار کیا گیا ہے۔

ولادت اور تعین مولود میں زوجین کا اختلاف...... بسا اوقات عدت میں بیٹھی عورت کے بچہ جنم دینے میں اختلاف ہوجاتا ہے یا پیدا ہونے والے بچے (مولود) کی تعین میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ ❶

معتدہ کی ولادت میں اختلاف......اس کا حاصل یہ ہے کہ معتدہ عرصہ عدت میں جس میں نسب ثابت ہوسکتا ہو بچہ جنم دینے کا دعویٰ کرے جبکہ خاوند انکار کرتا ہو اور کہتا ہو: اس نے بچا جنم نہیں دیا اور یہ بچا تو لقیط گرا (پڑا) ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ دو مرد بچے کی پیدائش پر گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کیونکہ عدت عورت کے وضع حمل کے اقرار سے گذر چکی اب حاجت اثبات نسب کی ہے اور نسب صحبت کاملہ سے ثابت ہوتا ہے صاحبین کہتے ہیں: نسب ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہوجاتا ہے چونکہ فراش کا معنی ہے عورت کا خاوند کے نطفہ کی تعین کرنا بایں طور کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت ہوجائے، تاہم فراش عدت کے قائم رہنے سے قائم رہتا ہے اور فراش کے قیام سے نسب لازم ہوجاتا ہے لہٰذا اثبات نسب کی حاجت نہیں ہوتی، حاجت تو بچے کی تعین کی ہوتی ہے اور تعین ایک عورت کی گواہی سے بھی حاصل ہوجاتی ہے جیسا کہ نکاح کے ہوتے ہوئے یا حمل کے ظاہر ہونے کی صورت میں یا خاوند کے اقرار کی صورت میں ہوتا ہے مصر کی عدالتوں میں اسی پر عمل ہورہا ہے چونکہ جب تک عورت عدت میں رہتی ہے نسب کے ثبوت کا سبب بدستور قائم رہتا ہے۔

اتفاقی صورتیں......امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا ان صورتوں پر اتفاق ہے کہ اگر حمل ظاہر ہو یا خاوند بچے کا یا حمل کا اعتراف کرتا ہو یا نکاح قائم ہو تو خاوند سے بچے کا نسب بغیر گواہی کے ثابت ہوجائے گا اور ولادت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا۔

تعین ولادت میں زوجین کا اختلاف......اس کا حاصل یہ ہے کہ خاوند ولادت کا اعتراف کرتا ہو لیکن وہ مولود شخص کا انکار کرتا ہو اور کہتا ہو میری بیوی نے تو لڑکی جنم دی ہے جب کہ یہ تو لڑکا ہے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ایک عورت کی گواہی سے بچے کی تعین ہوجائے گی حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ دارقطنی نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیا (دائی) کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے نیز ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے زہری سے روایت نقل کی ہے: یہ طریقہ قائم رہا ہے کہ عورتوں کے پوشیدہ معاملات ولادت اور عیوب وغیرہا جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ ❷

مالکیہ......کہتے ہیں ولادت کی تعین دو عورتوں کی گواہی سے ہوگی۔

شافعیہ......کی رائے ہے کہ عورتوں کے معاملات میں چار سے کم عورتیں کافی نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کی گواہی کی بجائے دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے لہٰذا چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

❶......فتح القدير ٣/ ٣٠٢-٣٠٩ ❷نصب الراية ٣/ ٢٦٣.

قیافہ کے ذریعہ نسب کا اثبات...... اگر معتدہ دوران عدت دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر بچہ جنم دے جو دونوں کے نطفوں سے ہونے کا احتمال رکھتا ہے اب یہ بچہ کس کا بیٹا قرار دیا جائے گا؟

اسی طرح اگر گرا پڑا کوئی بچہ ملے جس کے متعلق دو مرد یا تین مرد دعویٰ کرتے ہوں تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا کیا قیافہ کے ذریعہ ان دونوں صورتوں میں نسب ثابت کیا جا سکتا ہے۔

قیافہ کے معنی ہیں علامات اور آثار کے ذریعہ شناخت کرنا۔ اور جو شخص قیافہ کے ذریعہ شناخت کر سکتا ہو اور پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کو قائف (قیافہ شناس) کہا جاتا ہے قیافہ کے ذریعہ اثبات نسب کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ❶

حنفیہ کی رائے...... اصل یہ ہے کہ بچے کے بارے میں دو جھگڑنے والوں میں سے کسی ایک کے حق میں بھی فیصلہ نہ کیا جائے الا یہ کہ فراش ثابت ہو ❷ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اگر فراش معدوم ہو یا دونوں دعویدار فراش میں مشترک ہوں تو بچہ دونوں کے درمیان ہوگا اور قیافہ شناس کے قول پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ فیصلہ یہ کیا جائے گا کہ بچہ دونوں دعویداروں کا ہے۔

جمہور...... کی رائے ہے کہ قیافہ پر فیصلہ کیا جائے گا ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے آپ کا چہرہ اقدس خوشی سے تمتما رہا تھا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجزز (مدلجی) نے زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کی طرف دیکھ کر کہا یہ پاؤں ایک دوسرے کا جزو (اور مشابہ) ہیں ❸ معلوم ہوا قیافہ شناس کے قول پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے قیافہ کے ذریعہ نسب کا اثبات کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاہلیت کی اولاد کے متعلق جو شخص دعویٰ کرتا اس کے ساتھ ملحق کر دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص لائے گئے وہ دونوں ایک عورت کے بچے کے متعلق دعویٰ کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیافہ شناس کو بلایا اس نے بچے کو بغور دیکھ کر کہا دونوں دعویدار اس میں برابر کے شریک ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے درہ مارا پھر آپ رضی اللہ عنہ اس عورت کو بلایا جس نے بچہ جنم دیا تھا اور اس سے فرمایا: مجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دو عورت بولی: یہ بچہ دو مردوں میں سے ایک کا ہے چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت کے خاندان کے اونٹوں میں آتا اور جب جاتا تو اس کے بارے میں گمان کیا جاتا (کہ اس نے عورت کے ساتھ وطی کی ہے) ہم سمجھے کہ حمل ٹھہر چکا ہے تاہم پھر اس عورت کو حیض آ جاتا پھر دوسرا شخص اس کے ساتھ وطی کر لیتا سو اب مجھے معلوم نہیں کہ حیض کے بعد ان میں سے کون آتا تھا۔ قیافہ شناس نے عورت کا اظہار سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے فرمایا: ان دونوں دعویداروں میں سے جس کے ساتھ چاہو چلے جاؤ۔ ❹

جمہور کہتے ہیں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا ہے اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا لہٰذا اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

---

❶ ...... بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۲ المغنی ۷/۴۸۳ نیل الاوطار ۶/۲۸۲۔ ❷ فراش کا معنی زوجیت ہے۔ ❸ رواہ الجماعۃ عن عائشۃؓ (نیل الاوطار ۶/۲۸۲۔) ❹ رواہ مالک عن سلیمان بن یسار

باپ سے نسب ثابت ہونے کے اسباب...... ماں سے نسب ثابت ہونے کا سبب تو ولادت ہے خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ باپ سے نسب ثابت ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

۱.....نکاح صحیح　　۲.....نکاح فاسد　　۳.....وطی بشبہ

میں مذکورہ اسباب کو حسب ترتیب بالا ذکر کروں گا۔

اول، نکاح صحیح...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ عورت جسکا نکاح صحیح ہو جو بچہ پیدا کر چکی اس کا نسب عورت کے خاوند سے ثابت ہوگا کیونکہ حدیث ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے فراش سے مراد وہ عورت ہوتی ہے جسے نکاح کے بعد مرد اپنے پاس لے کر آتا ہے اور اس سے جنسی نفع حاصل کرتا ہے اور اس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ (1)

پہلی شرط...... یہ کہ خاوند ایسا ہو کہ عادۃً اس سے حمل ٹھہر سکتا ہو یعنی خاوند بالغ ہو مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مراہق ہو حنفیہ کے نزدیک ۱۲ سال کا لڑکا مراہق ہوتا ہے اور حنابلہ کے نزدیک ۱۰ سال کا لڑکا مراہق ہے چنانچہ چھوٹے نابالغ لڑکے سے نسب ثابت نہیں ہوگا مالکیہ کے نزدیک مقطوع الذکر سے نسب ثابت نہیں ہوگا جب کہ خصی (جس کے فوطے نکال دیئے گئے ہوں) سے نسب کا ثبوت نہیں ہوتا، جبکہ خصی (جس کے فوطے نکال دیئے گئے ہوں) سے نسب کے ثبوت کے متعلق اس کی تحقیق ماہرین اطباء سے کرائی جائے گی اگر اطباء کہیں کہ اس میں حمل ٹھہرانے کی صلاحیت ہے تو بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا ورنہ ثابت نہیں ہوگا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مجبوب یعنی جس کے فوطے باقی ہوں اور آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور خصی یعنی جس کے فوطے نکال دیئے گئے ہوں اور آلہ تناسل باقی ہو (دونوں) سے نسب ثابت ہوگا جب کہ ممسوح یعنی جس کے فوطے بھی نکال دیئے گئے ہوں اور آلہ تناسل بھی کاٹ دیا گیا ہو سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری شرط...... حنفیہ کی رائے کے مطابق وقت نکاح کے بعد چھ ماہ پورے ہونے کے بعد بچہ پیدا ہو، جمہور کی رائے کے مطابق امکان وطی کے بعد چھ مہینے پورے ہونے پر بچہ پیدا ہوا اگر ادنی مدت حمل یعنی چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچا پیدا ہوا تو بالاتفاق بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا بلکہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے الا یہ کہ خاوند نسب کا دعویٰ کرتا ہو اس صورت میں یہی تصور کیا جائے گا کہ عورت عقد نکاح سے پہلے خاوند کے نطفہ سے حاملہ ہوئی ہے۔ یا تو اس عقد سے پہلے عقد کر رکھا تھا یا عقد فاسد کر رکھا تھا یا وطی بشبہ کی یہ تاویل اس لیے کی جائے گی تاکہ بچہ ضائع نہ ہو اور عزتیں محفوظ نہیں۔

تیسری شرط...... عقد کے بعد زوجین کی باہمی ملاقات کا امکان ہو یہ شرط متفق علیہ ہے اس تیسری شرط میں اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا امکان سے مراد تصور عقلی ہے یا امکان فعلی؟

حنفیہ...... کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ تصور اور امکان عقلی شرط ہے، چنانچہ جب عملی طور پر زوجین کا آپس میں ملنا ممکن ہو جائے تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عقد کے بعد چھ مہینے پورے ہونے پر بچہ جنم دے نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ حسی طور پر ملاقات ثابت نہ بھی ہو، چنانچہ مشرقی مرد نے مغربیہ عورت کے ساتھ نکاح کیا بظاہر وہ دونوں ایک سال تک آپس میں نہ ملے اور نکاح کے چھ ماہ کے بعد عورت نے بچہ جنم دیا تو بچہ ثابت النسب ہوگا کیونکہ زوجین کا آپس میں ملنا کرامت کے طور پر ممکن ہے جب کہ اولیاء کی

---

(1).....البدائع ۲۱۱/۳ الدر المختار ۲۵۸/۲ فتح القدیر ۳۰۱/۳ المغنی ۴۳۸/۷۔

کرامات حق ہیں۔ چنانچہ قلیل مدت میں بعید مسافت کرامت سے طے کی جاسکتی ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ کراماتی تعلیل عادۃً غیر مقبول ہے حنفیہ کی صحیح دلیل حدیث ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے۔" اگرچہ وطی اور دخول کا امکان ثابت نہ ہو۔ اس میں بچے کے لئے احتیاط ہے وہ ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا اور عزت کا بھی پردہ رہے گا چنانچہ بچہ اس شخص کے ساتھ لاحق کیا جائے گا جس کے لئے زوجیت صحیحہ ثابت ہو، اگر خاوند کو یقین ہو کہ بچہ اس کا نہیں ہے تو وہ لعان کے ذریعہ اس کی نفی کرے۔

ائمہ ثلاثہ نے اس منطق کا اعتبار نہیں کیا، وہ کہتے ہیں ثبوت نسب کے لئے زوجین کی ملاقات کا بالفعل امکان یا حسی طور پر یا عادۃً امکان ہونا شرط ہے اور وطی دخول کا امکان، امکانِ فعلی ہے۔ چونکہ عقلی امکان نادر ہے اور ظاہری معاملات وعقود میں اس کا وقوع نہیں ہوتا جبکہ احکام کا دارومدار تو ظاہر ومشاہد پر رکھا جاتا ہے نہ کہ قلیل ونادر پر مظاہر مشاہد کا وقوع کثیر ہوتا ہے۔ اگر فعلی طور پر زوجین کی آپس میں ملاقات ثابت نہ ہو تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب خاوند سے ثابت نہیں ہوگا، جیسے مثلاً کسی شخص کو جیل میں ڈال دیا گیا یا گھر سے دور رہا اور اس کی غیوبت اکثر مدت حمل سے تجاوز کر گئی اور اس کی بیوی نے بچہ جنم دیا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ قانون میں اسی رائے کو اپنایا گیا ہے اور یہی رائے قواعد شریعت وعقل سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بچے کی نفی صرف لعان سے کی جاتی ہے جب کہ جمہور کے نزدیک لعان کے بغیر بھی بچے کی نفی کی جاسکتی ہے جب کہ زوجین کا حسی وطی پر ملاپ ناممکن ہو۔

اس سبب سے متعلق قانون کا موقف...... سعودیہ کے قانون میں دفعہ ۱۲۹ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ:

۱ ہر شادی شدہ عورت جو نکاح صحیح کے تحت ہو کا بچہ دو شرطوں کے ساتھ اس کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا۔

الف یہ کہ عقد وطے ہونے اقل (کم از کم) مدت حمل گزاری ہو۔

ب یہ کہ حسی طور پر زوجین کی ملاقات ثابت ہو یعنی زوجین میں سے کوئی اکثر مدت حمل جیل میں نہ رہا ہو یا کسی دوسرے ملک میں مقیم نہ رہا ہو۔

۲ اگر یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو بچہ عورت کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ خاوند اس کا دعویٰ کرتا ہو۔

۳ اگر یہ دونوں شرطیں مفقود ہوں تو خاوند سے مولود کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور خاوند کو لعان کرنا ہوگا۔

نکاح صحیح میں ہونے والی فرقت کے بعد ثبوت نسب...... فرقت یا تو دخول سے قبل ہوگی یا دخول کے بعد ہوگی۔

الف...... اگر خاوند اپنی بیوی کو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دے دے پھر طلاق کے بعد مطلقہ بچہ جنم دے اگر عورت طلاق کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ لائے (یعنی جنم دے) تو طلاق دہندہ خاوند سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ یقینی طور پر عورت فرقت سے پہلے حاملہ ہوئی ہے اگر عورت طلاق کی تاریخ سے چھ ماہ سے زائد عرصہ میں بچہ جنم دے تو طلاق دہندہ خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ فرقت سے پہلے حمل ٹھہرنے کا یقین نہیں۔

ب اگر خاوند اپنی بیوی کو دخول یا خلوت کے بعد طلاق دے برابر ہے کہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا خاوند مر جائے۔

اگر عورت طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد بچہ جنم دے تو مولود ثابت النسب ہوگا بشرطیکہ عورت طلاق یا وفات کے دن کے بعد اکثر مدت حمل کے اندر اندر بچہ جنم دے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال ہیں، حنفیہ کے نزدیک دو سال مالکیہ کے نزدیک

پانچ سال۔

اگر طلاق یا وفات کے دن کے بعد اکثر مدت حمل کے بعد عورت بچہ جنم دے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا یہ جمہور کی رائے ہے۔

جبکہ حنفیہ نے طلاق رجعی اور طلاق بائن میں فرق کیا ہے؟ تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف...... اگر طلاق رجعی ہو اور عورت نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کیا ہو تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ خواہ طلاق کی تاریخ کے بعد دو سال گزرنے پر بچہ جنم دے یا اس سے پہلے کیونکہ طلاق رجعی سے عورت خاوند پر حرام نہیں ہو جاتی عورت کے ساتھ جماع کرنا حلال ہوتا ہے اگر عورت عدت پوری ہونے کا اقرار کرے اور مدت بھی اتنی گزری ہو کہ عدت کا احتمال رکھتی ہو یعنی امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ساٹھ دن گزرے ہوں اور صاحبین کی رائے کے مطابق ۳۹ دن گزرے ہوں تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر مدت اقرار اور ولادت کے درمیان ہو جو چھ ماہ سے کم ہو تو نسب ثابت ہوگا چونکہ عورت کا جھوٹ واضح ہو جائے گا یا عدت گزرنے کے اقرار میں اس سے خطا ہوئی اگر مدت چھ ماہ سے زیادہ ہو تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

ب...... اگر طلاق بائن ہو یا فرقت خاوند کی وفات کے سبب ہو اور عورت نے عدت گزرنے کا ارادہ نہ کیا ہو تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ عورت طلاق یا وفات کی تاریخ سے لے کر دو سال گزرنے سے پہلے بچہ جنم دے حنفیہ کے نزدیک اکثر مدت حمل دو سال ہے۔

اگر عورت عدت پوری ہونے کا اقرار کرے اور مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہو تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ عورت وقت اقرار سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جنم دے اور طلاق وولادت کے درمیان دو سال سے کم مدت ہو۔

قانون کا موقف...... سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۰، ۱۳۱ کے تحت حنفیہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔

دوم، نکاح فاسد...... اثبات نسب کے حوالے سے نکاح فاسد نکاح صحیح کے حکم میں ہے ❶ چونکہ ثبوت نسب سے بچے کی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے تاہم نکاح فاسد کی صورت میں ثبوت نسب کی تین شرائط ہیں۔

۱...... مرد ایسا ہو کہ اس سے حمل کا ٹھہرنا متصور ہو سکتا ہو یعنی مرد بالغ ہو یا مراہق ہو۔

۲...... دخول یا خلوت متحقق ہو اگر دخول یا خلوت متحقق نہ ہو تو نسب ثابت نہیں ہوگا نکاح فاسد میں خلوت کا حکم نکاح صحیح کی خلوت جیسا ہے۔

حنفیہ نے فقط دخول کی شرط لگائی ہے جبکہ ان کے نزدیک نکاح فاسد میں خلوت سے نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نکاح فاسد میں وطی حلال نہیں ہوتی۔

۳...... مالکیہ کے نزدیک عورت تاریخ دخول یا تاریخ خلوت سے چھ ماہ کے بعد بچہ لائے، حنفیہ کے نزدیک تاریخ دخول سے چھ ماہ کے بعد بچہ لائے چنانچہ اگر عورت نے چھ ماہ گزرنے سے قبل بچہ جنم دیا چھ ماہ کا شمار دخول اور خلوت سے ہوگا تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا چونکہ یہ بچہ کسی اور مرد کے نطفہ سے ہوگا۔ اگر دخول وخلوت سے چھ ماہ سے زائد عرصہ میں عورت بچہ لائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ہر وہ نکاح جس سے حد ٹل جائے اس میں پیدا ہونے والا بچہ واطی (صحبت کرنے والے) سے ثابت ہوگا اور اگر حد واجب ہوتی ہو تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ ❷

نکاح فاسد سے فرقت ہونے کے بعد ثبوت نسب کا وقت...... نکاح فاسد کے بعد مرد وعورت دونوں کے فیصلہ علیحدگی یا

❶..... الدر المختار ۲/ ۸۵۷ ❷ القوانین الفقهیة ۲۱۱۔

قاضی کی تفریق سے ہونے والی فرقت جو دخول یا خلوت کے بعد ہو پھر اس کے بعد عورت اکثر مدت حمل گزرنے سے قبل بچہ جنم دے مدت کا اعتبار فرقت کی تاریخ سے ہوگا تو مرد سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اگر اکثر مدت حمل گزرنے کے بعد عورت بچہ لائے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اکثر مدت حمل شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار سال ہے مالکیہ کے نزدیک پانچ سال اور حنفیہ کے نزدیک دو سال۔

سوم، وطی بشبہ۔۔۔۔۔۔وطی بشبہ سے مراد ایسا جنسی رابطہ واتصال ہے جو زنا کے علاوہ ہو اور نکاح صحیح یا فاسد کے ضمن میں بھی نہ ہو جیسے مثلاً کسی عورت کو زفاف کے لیے کسی مرد کے پاس بھیج دیا جائے وہ عورت اس مرد نے قبل ازیں دیکھی نہ ہو اور مرد سے کہا گیا ہو کہ یہ تمہاری بیوی ہے پھر یہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کرلے یا مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو اپنے بستر پر پائے اور اسے اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرلے یا کوئی شخص اپنی مطلقہ ثلاث سے وطی کرلے اور اس کا خیال ہو کہ اس سے وطی کرنا حلال ہے۔

مذکورہ صورتوں میں اگر عورت چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ لائے تو واطی سے بچے کا نسب ثابت ہوگا اگر چھ ماہ سے قبل بچہ لائی تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ یقینی ہے کہ حمل اس سے پہلے کا ہے ہاں البتہ اگر واطی کا دعویٰ ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ ❶

اگر مرد موطوءۃ بشبہ وہ عورت جس سے شبہ کی بنا پر وطی کی گئی ہو کو اپنے تئیں چھوڑ دے تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب واطی سے ثابت ہو جاتا ہے جیسے کہ نکاح فاسد سے ہونے والی فرقت کے بعد ثابت ہوتا ہے۔

اگر بغیر کسی شبہ کے وطی ہو جائے تو وہ بلاشبہ زنا ہے اور زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے ولد صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں نیز زنا شرعاً ممنوع ہوتا ہے وہ نعمت کا سبب نہیں بن سکتا۔

قانون کا موقف۔۔۔۔۔۔سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۳ میں صراحت کی گئی ہے کہ:

۱۔ موطوءۃ بشبہ اگر اقل مدت حمل اور اکثر مدت حمل کے درمیان بچہ پیدا کرے تو واطی سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا۔

۲۔ جب بچے کا نسب ثابت ہو جائے خواہ نکاح فاسد کے ضمن میں یا شبہ کے ضمن میں تو اس ثبوت نسب پر قرابت کے نتائج اور اثرات مرتب ہوں گے۔

نسب کے اثرات۔۔۔۔۔۔جب بچے کا نسب ثابت ہو جائے خواہ نکاح فاسد کے ضمن میں یا کسی شبہ کی پاداش میں تو اس پر قرابت کے اثرات مرتب ہوں گے یہ بچہ محرمات کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا اس کا باپ بچے کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا بچہ باپ کا وارث ہوگا اور باپ اس کا وارث ہوگا وغیرہ ذالک۔

دوسری بحث۔۔۔۔۔۔اثبات نسب کے مختلف طریقے:

نسب تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ ❷

پہلا طریقہ، نکاح صحیح یا فاسد۔۔۔۔۔۔نکاح صحیح یا نکاح فاسد اثبات نسب کا سبب ہوتا ہے چنانچہ جب نکاح ہو خواہ نکاح فاسد ہی کیوں نہ ہو یا نکاح عرفی ہو نکاح عرفی وہ ہوتا ہے جس کا باقاعدہ سرکاری رجسٹر میں اندراج نہ ہو تو اس نکاح سے عورت کی جو اولاد بھی ہوگی اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

دوسرا طریقہ، نسب کا اقرار یا دعوائے نسب۔۔۔۔۔۔اقرار نسب کی دو صورتیں ہیں:

❶ المغنی ۶/۴۳۱ ❷البدائع ۶/۲۱۵ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/۴۱۲، ۴۱۴ الخرشی ۳/۳۱۶ مغنی المحتاج ۲/۲۵۹ المغنی ۵/۱۸۴۔

ا.....اقرار نفس مقر پر ہو۔ ۲.....اقرار غیر مقر پر محمول ہو۔

اقرار نفس مقر پر ہو.....اس کا حاصل یہ ہے کہ باپ اولاد کا اقرار کرتا ہو یا اولاد باپ کا اقرار کرتی ہو مثلاً یوں کہے: یہ میرا بیٹا ہے یا اولاد کہے: یہ میرا باپ ہے چنانچہ آدمی کا یہ اقرار صحیح ہوتا ہے اگر چہ مرض الموت ہی میں کیوں نہ ہو تا ہم اس کی چار شرائط ہیں ان میں سے اکثر متفق علیہ ہیں میں نے اقرار کی بحث میں ذکر کردی ہیں تا ہم میں انھیں پھر دہراتا ہوں۔

ا..... یہ کہ جس بچے کا اقرار کیا جارہا ہو وہ مجہول النسب ہو اگر وہ بچہ کسی اور شخص سے معروف النسب ہو تو یہ اقرار باطل ہوگا چونکہ شریعت نے معروف باپ سے اس بچے کا نسب ثابت کردیا ہے اور جب ایک شخص کا باپ سے نسب ثابت ہو تو اس کا نسب منتقل نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو غیر باپ کی طرف منسوب ہو۔

حنفیہ کے نزدیک مجہول النسب وہ ہے جو جس شہر میں پیدا ہوا ہو اس میں اس کا باپ نامعلوم ہو آج کل مواصلاتی نظام کے پیش نظر اس میں سہولت ہے۔

علماء نے لعان کی صورت میں پیدا ہونے والے بچے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ لعان کرنے والے شخص کے علاوہ کسی اور سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا چونکہ یہ احتمال برقرار رہتا ہے کہ ملاعن اپنی تکذیب کردے۔

۲..... یہ کہ جس ثبوت نسب کی تصدیق کرتی ہو یعنی جس آدمی کے بیٹے کا اقرار کیا جارہا ہو وہ عمر کے اعتبار سے اتنا ہو کہ مقر عقلاً اس کا باپ بن سکتا ہو بالفاظ دیگر مقر بہ مقر سے عمر میں بڑا نہ ہو چنانچہ اگر بیس سالہ شخص نے دس سالہ لڑکے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے حنفیہ کے نزدیک یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا چونکہ بارہ سال سے پہلے لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر مقر کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی اقرار کررہا ہو تو مقر بہ کا دونوں میں سے کسی ایک سے بھی نسب ثابت نہیں ہوگا۔

۳..... یہ کہ مقر لہ مقر کی تصدیق کرتا ہو بشرطیکہ مقر لہ تصدیق کی اہلیت رکھتا ہو یعنی وہ جمہور کے نزدیک عاقل بالغ ہو اور حنفیہ کے نزدیک وہ ممیّز ہو کیونکہ اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے وہ کسی دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتی اگر مقر بہ بچہ ہو یا مجنون ہو تو پھر اس کی تصدیق شرط نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں ثبوت نسب کے لئے مقر بہ کی تصدیق شرط نہیں۔ کیونکہ نسب بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے لہٰذا مقر بہ کی تصدیق کے بغیر بھی نسب ثابت ہوجائے گا۔

۴..... یہ کہ اقرار نسب میں نسب کو غیر پر محمول نہ کیا جارہا ہو برابر ہے کہ مقر لہ مقر کی تکذیب کرتا ہو یا اس کی تصدیق کرتا ہو۔ کیونکہ انسان کا اقرار اس کی ذات پر حجت قاصرہ ہے بنابرایں اگر لڑکے کے بیٹے ہونے کا اقرار عورت کررہی ہو یا معتدہ کررہی ہو تو ضروری ہے ہے کہ عورت کا خاوند اس کا اعتراف کرتا ہو۔

جب اقرار نسب میں یہ شرائط پائی جائیں تو نسبت ثابت ہوجائے گا۔

حنفیہ..... نے اقرار نسب کے صحیح ہونے کی ایک اور شرط بھی لگائی ہے کہ بچہ زندہ ہو چنانچہ اگر کسی نے اقرار کیا کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے جب کہ وہ شخص (مقر بہ) میت ہو تو اقرار صحیح نہیں ہوگا اور نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وفات کے بعد اثبات نسب کی حاجت نہیں ہوتی چونکہ میت (مردہ) تکریم کا محتاج نہیں ہوتا۔

البتہ حنفیہ نے یہ صورت مستثنیٰ کی ہے کہ اگر متوفی کی اولاد ہو تو پھر اس کے نسب کا اقرار صحیح ہوگا تاکہ متوفی کی اولاد محفوظ رہے کیونکہ اولاد باپ سے نسب کے ثبوت کی محتاج ہوتی ہے اس میں اولاد کی عزت اور تکریم ہوتی ہے۔

مالکیہ نے مقر بہ بیٹے کے زندہ ہونے کی شرط نہیں لگائی کیونکہ نسب بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے یہ حق بیٹے کی زندگی پر موقوف نہیں ہوتا۔

اگر غیر پر نسب کا اقرار کیا جا رہا ہو تو اس میں بھی مذکورہ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے البتہ آخری شرط مستثنیٰ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: غیر پر نسب کا ثبوت سابقہ شرائط سے ثابت ہوتا ہے ان کے علاوہ یہ بھی شرط ہے کہ مقر جمیع ورثہ ہوں، یہ شرط بھی ہے کہ جس کے ساتھ نسب کا الحاق کیا جا رہا ہو وہ مردہ ہو زندہ شخص کے ساتھ نسب کا الحاق نہیں ہوتا اگرچہ وہ مجنون ہو۔

غیر پر نسب کا اقرار ۔۔۔ یہ اقرار اصل نسب سے فرع ہے مثلاً ایک شخص یوں اقرار کرتا ہو کہ یہ میرا بھائی ہے یا کہے: یہ میرا چچا ہے یا کہے: یہ میرا دادا ہے یا کہے یہ میرا پوتا ہے۔

غیر پر نسب کا اقرار سابقہ شرائط کے ساتھ متحقق ہے البتہ ایک شرط کا اور اضافہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ غیر مقر کی تصدیق کرتا ہو۔ چنانچہ جب کوئی شخص کہے کہ یہ میرا بھائی ہے تو حنفیہ کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے شرط ہے کہ اس کا باپ اس کی تصدیق کرتا ہو یا اقرار کے صحیح ہونے کے وقت گواہ موجود ہوں اور باپ مر گیا ہو تو ورثہ اس کی تصدیق کرتے ہوں کیونکہ اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے۔

اگر غیر تصدیق نہ کرے یا ورثہ میں سے دو آدمی تصدیق نہ کریں یا گواہ قائم نہ ہوں تو مقر کے حق میں مقتضائے اقرار کا معاملہ کیا جائے گا چنانچہ اگر مقر محتاج ہو تو مقر پر اس کا خرچہ واجب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں ۔۔۔ اقرار اخوت کی وجہ سے مقر لہ مال کی اتنی مقدار لے گا جو مقر کے اقرار سے کم ہوتی ہو چنانچہ اگر ایک شخص کی دو بیٹے ہوں ایک نے بھائی ہونے کا اقرار کر لیا اور دوسرا اس کا منکر ہو تو منکر نصف ترکہ لے گا اور حنفیہ کے نزدیک مقر لہ دوسرے نصف میں شریک ہوگا جبکہ مالکیہ کے نزدیک مقر اپنا پورا حصہ لے گا اور مقر لہ، مقر کے حصہ میں جو نقص واقع ہوگا وہ لے گا۔

چنانچہ اگر ترکہ مثلاً ۱۲ ہو تو حنفیہ کے نزدیک مقر لہ ۳ لے گا جتنا کہ مقررہ حصہ ہے، مالکیہ کی رائے کے مطابق ۲ لے گا اور منکر ۶ لے گا اور مقر ۴ لے گا کیونکہ ترکہ تین حصہ داروں پر تقسیم ہوگا، اگر مقر لہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں مقر ۶ لے گا اور اگر وہ موجود ہو تو ۴ ہی لے گا اور اس کا جو حصہ کم ہوگا وہ ۲ ہیں۔

جب کسی شخص کے حق میں نسب کا اقرار صحیح ہو تو وہ ورثہ کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا اور اگر غیر اس کی تصدیق نہ کرتا ہو اور مقر مر گیا ہو تو مقر لہ اس کا وارث ہوگا جیسے اس کے باقی ورثہ۔

موقف قانون ۔۔۔ مصری قانون میں اقرار نسب پر صراحت کی ہے۔

۱۔ دفعہ ۱۳۴ میں صراحت ہے کہ مقر بہ مجہول النسب ہو بیٹے کا اقرار اگرچہ مرض الموت میں ہو جو مجہول النسب کے متعلق ہو تو اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے بشرطیکہ دونوں کی عمر اس کا احتمال رکھتی ہو۔

۲۔ اگر مقر شادی شدہ عورت ہو یا معتدہ ہو تو شوہر سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ الا یہ کہ خاوند تصدیق کرتا ہو یا گواہ پیش ہو جائیں۔

غیر پر اثبات نسب کے متعلق گواہوں کی نوعیت ۔۔۔۔۔ غیر پر اقرار نسب جیسے کوئی کہے کہ یہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے اور اثبات گواہوں سے ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک: دو مردوں کے اقرار یا ایک مرد اور دو عورتوں کے اقرار سے ہوتا ہے جیسے شہادت ہوتی ہے۔

امام مالک کی رائے ہے کہ غیر پر نسب دو آدمیوں کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ تو غیر پر نسب کا حمل کیا جا رہا ہوتا ہے لہٰذا اس

میں تعداد کا اعتبار ہوگا۔

امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں:

اگر سارے ورثہ شریک کے نسب کا اقرار کریں تو نسب ثابت ہوگا حتیٰ کہ اگر ایک ہی وارث کیوں نہ ہو، کیونکہ نسب ایسا حق ہے جو اقرار سے ثابت ہوتا ہے اس میں تعداد مطلوب نہیں جیسے اثبات دین میں تعداد مطلوب نہیں ہوتی، نیز اقرار ایسا قول ہے جس میں عدالت شرط نہیں تاہم اقرار کو شہادت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اقرار نسب اور لے پالکی میں فرق...... نسب کا اقرار لے پالکی (بچہ گود لینا) نہیں ہے کیونکہ اقرار سے نسب کا انشاء نہیں ہوتا بلکہ اقرار تو اثبات نسب کا سبب اور طریقہ ہے جبکہ لے پالکی تو انشائے نسب کا تصرف ہے نیز بنوت جو کہ لے پالکی سے ثابت ہو وہ متحقق ہوتی ہے اگر چہ لے پالک کا باپ معروف ہو جبکہ اقرار کے ذریعہ بنوت تبھی متحقق ہوسکتی ہے جب بچے کا کوئی معروف باپ نہ ہو۔

تیسرا طریقہ...... گواہ حجت متعدیہ ہوتے ہیں، گواہوں کا اثر صرف مدعی علیہ پر مقصور نہیں رہتا بلکہ مدعی علیہ اور غیر کے حق میں اس کا اثر ثابت ہوتا ہے جبکہ اقرار حجت قاصرہ ہے جو صرف مقر پر مقصور ہے گواہوں کے ذریعہ نسب کا ثبوت اقرار نسب سے قوی ہوتا ہے۔

چنانچہ نسب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے ثابت ہوتا ہے یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی رائے ہے مالکیہ کے نزدیک صرف دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے جبکہ شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تمام ورثہ کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے۔

گواہی مشہور یہ ہے کہ معاینہ یا اس کے سماع سے ہوتی ہے جب گواہ دیکھ لے یا سن لے تو وہ گواہی دے سکتا ہے، اگر خود نہ دیکھا ہو اور نہ ہی سنا ہو تو گواہی دینا حلال نہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ سے فرمایا تھا۔ کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے عرض کی: جی ہاں آپ نے فرمایا ایسے ہی ظاہر و باہر معاملے کو دیکھو تو پھر گواہی دو یا چھوڑ دو۔ [1]

سننے کی بنیاد پر اثبات نسب کی گواہی...... سننے سے مراد یہ ہے کہ نسب کی خبر لوگوں میں مشہور و معروف ہو اور اس شہرت کی بنا پر گواہی دے دی جائے کہ یہ شخص فلاں کا بیٹا ہے مذاہب اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سماع کی بنیاد پر گواہی دیکر نسب ثابت کرنا جائز ہے۔ صرف نسب ہی نہیں بلکہ نکاح: زفاف، دخول، رضاعت، ولادت اور وفات کے معاملات میں بھی افاضہ خبر اور شہرت کی بنا پر سننے کو بنیاد بنا کر گواہی دینا جائز ہے۔ [2]

لیکن خبر کے سننے کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خبر کی شہرت ایسی ہو کہ وہ تواتر کی حد تک پہنچی ہو جس سے سامع کو یقین حاصل ہوتا ہو۔

صاحبین کہتے ہیں...... افاضہ خبر یہ ہے کہ گواہی کو دو عادل اشخاص خبر دیں یا ایک عادل مرد اور دو عورتیں خبر دیں بعض فقہاء نے صاحبین کا قول اختیار کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرتا ہے۔ اگر گواہ نے مشہود بہ کہ خود نہ دیکھا ہو یا اسے نہ سنا ہو گواہ کے لیے اتنا کہنا کافی ہے: میں فلاں امر کی گواہی دیتا ہوں، یوں نہ کہے میں نے یہ سنا ہے۔

مالکیہ نے قدرے درمیانی قول اختیار کیا ہے کہتے ہیں:

---

[1]......رواه البيهقي والحاكم وصحح اسناده وتعقبه الذهبي وقال: بل هو حديث واه (سبل السلام ۴/۱۳۰) [2] المبسوط ۱۶/۱۱۱ البدائع ۲۶۶/۶ الدسوقي ۱۹۸/۴ مغني المحتاج: ۴۴۸/۴ المغني ۱۶۱/۹۔

منقول عنہ غیر معین اور غیر محصور ہو بایں طور کہ عادل لوگوں میں مسموع یہ کی شہرت ہو مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ گواہ کہتے ہوں کہ ہم نے فلاں خبر سن رکھی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا موقف امام ابوحنیفہ کے قول جیسا ہے وہ کہتے ہیں خبر اتنے زیادہ لوگوں نے سن رکھی ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو اور اس سے یقین حاصل ہوتا ہو یا ظن غالب حاصل ہوتا ہو۔ گواہ کا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوگا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے، اگرچہ گواہی کا دارومدار اسی پر ہو بلکہ گواہ کہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بچہ فلاں شخص کا بیٹا ہے۔

دوسری فصل......رضاعت:

اس بحث کے تحت میں نے رضاعت کے متعلقہ جملہ احکام بیان کیے ہیں میں نے رضاعت سے متعلق بچے کے حقوق کی وضاحت کی ہے اور اس کے ضمن میں مختلف احکام بھی بیان کئے ہیں یہ فصل اولاد کے حقوق کے ساتھ مخصوص ہے پھر میں نے رضاعت سے ہونے والی حرمت سے بھی بحث کی ہے اثبات رضاعت کے مختلف طریقے بیان کئے ہیں یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے۔

اول رضاعت کے معاملہ میں چھوٹے بچے کا حق۔

دوم جس رضاعت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اس کی شرائط۔

سوم وہ امور جو رضاعت سے ثابت ہوتے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک رضاعت کے تین ارکان ہیں مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) دودھ اور رضیع یعنی دودھ پینے والا بچہ۔

پہلی بحث، رضاعت میں چھوٹے بچے کا حق......اس بحث میں چار مقاصد ہیں:

۱۔ بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے۔

۲۔ اجرت رضاعت کا استحقاق۔

۳۔ ماں مفت دودھ پلانے والی عورت پر مقدم ہوگی۔

۴۔ اجرت رضاعت کا مکلف کون ہوگا اور اجرت کی مقدار۔

پہلا مقصد، کیا بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے؟......فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماں پر دیانۃ واجب ہے اللہ تعالیٰ کے حضور ماں جواب دہ ہوگی یہ وجوب اس لیے ہے تاکہ بچے کی زندگی محفوظ رہے، برابر ہے کہ بچے کی ماں بچے کے باپ کے نکاح میں بدستور موجود ہو یا اسے طلاق دے دی ہو اور اس کی عدت پوری ہو چکی ہو اب آیا کہ قضاء بھی ماں پر دودھ پلانا واجب ہے؟ سو اس میں اختلاف ہے۔

مالکیہ......کہتے ہیں کہ ماں پر رضاعت قضاء بھی واجب ہے چنانچہ ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا جمہور کہتے ہیں دودھ پلانا مستحب ہے ماں کو مجبور نہیں کیا جائے گا ماں رضاعت سے انکار کر سکتی ہے الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو ❶ جمہور کہتے ہیں: بچے کے لئے دودھ کا

❶......احکام القرآن لابن العربی ۱/۲۰۴ احکام القرآن للجصاص ۱/۴۰۳ الدرالمختار وحاشیة ابن عابدین ۲/۹۲۹ فتح القدیر ۳/۳۴۵ البدائع ۴/۴۰ بدایة المجتهد ۲/۵۶ الشرح الصغیر ۲/۷۵۴۔

انتظام کرنا باپ پر واجب ہے باپ بچے کی ماں کو رضاعت پر مجبور نہیں کر سکتا برابر ہے کہ ماں ادنیٰ مرتبہ کی عورت ہو یا اعلی مرتبہ کی خواہ نکاح میں بدستور موجود ہو یا طلاق یافتہ ہو ابن رشد مالکی نے مقدمات میں لکھا ہے کہ بچے کو دودھ پلانا ماں کے لیے مستحب ہے۔

منشائے اختلاف...... یہ ہے کہ آیت کریمہ کی مراد کیا ہے: وجوب یا استحباب۔

وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ البقرة ۲/۲۳۳

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت ان کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہیں......

اور اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی انا سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم نے جو اجرت ٹھہرائی تھی وہ (دودھ پلانے والی انا کو) دے دو۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر ماں رضیع کے باپ کے نکاح میں ہو یا مطلقہ رجعیہ معتدہ ہو تو بچے کو دودھ پلانا اس پر واجب ہے، اگر بلا عذر ماں نے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کیا تو قاضی کو اس پر جبر کا اختیار حاصل ہوگا، البتہ مالدار یا حسب ونسب والی عورت پر بچے کو دودھ پلانا واجب نہیں بشرطیکہ بچہ دوسری عورت کا دودھ قبول کرلے مالکیہ کے نزدیک آیت کریمہ میں ہر ماں کو دودھ پلانے کا حکم دیا گیا ہے وہ خواہ نکاح میں موجود ہو یا نہ ہو بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے انھوں نے شریف عورت کو عرف ورواج کے پیش نظر مصلحت کے واسطے مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح مطلقہ بائنہ پر رضاعت واجب نہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ ......الطلاق ۶۵/۶

اگر وہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انھیں دو۔

یہ آیت مطلقہ بائنہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

مالکیہ نے اس آیت کریم لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور نہ ہی باپ کو (البقرة ۲/۲۳۳) کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ بچے کی ماں بچے کے باپ کو اذیت پہنچانے کی خاطر دودھ پلانے سے انکار نہ کرے اور باپ کے لئے حلال نہیں کہ وہ بچے کو ماں کو دودھ پلانے سے روکے، چونکہ ضرر کے متعلق وارد نہیں طلاق کے موقع پر کی ہے۔ نیز مطلقہ رجعیہ کا نفقہ خاوند پر واجب ہوتا ہے اور ماں دودھ پلانے کی وجہ سے زائد نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی رہی بات مطلقہ بائنہ کی سو دودھ پلانے کی اجرت سابق نص سے واجب ہے۔

صحیح بخاری میں حدیث وارد ہوئی ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ تمہیں عورت کہتی ہے مجھ پر خرچہ کرو ورنہ مجھے طلاق دے دو غلام تمہیں کہتا ہے مجھے کھانا دو اور کام لو، تمہارا بیٹا تم سے کہتا ہے مجھ پر خرچ کرو یا پھر مجھے کس کے سپرد کرتے ہو۔

جمہور کا مذہب ہے کہ آیت میں امر برائے استحباب ہے نہ کہ برائے وجوب آیت میں ماؤں کے لئے ارشاد ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ الا یہ کہ جب بچہ کسی دوسری عورت کے پستان نہ پکڑے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ؕ۝۶ الطلاق ۶۵/۶

اگر تمہیں تنگی کا سامنا ہو تو بچے کو دوسری عورت دودھ پلائے۔

ماں کا اپنے بچے کو دودھ پلانا مستحب ہے چونکہ بچے کے لیے ماں کا دودھ بہتر ہوتا ہے اور ماں اپنے بچے پر مہربان بھی زیادہ ہوتی ہے نیز بچے کو دودھ پلانا ماں کا حق ہوتا ہے اور اپنا حق لینے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا الا یہ کہ کوئی اہم امر اس کا مقتضی ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ تین احوال میں فقہاء کے نزدیک بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے۔

۱ یہ کہ بچہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے پستان نہ پکڑتا ہو۔

۲ یہ کہ ماں کے علاوہ کوئی اور عورت بچے کو دودھ پلانے کے لئے دستیاب نہ ہو۔

۳ جب باپ یا بچے کے پاس مال نہ ہو جس سے اجرت کی عورت ودیے کر دودھ پلانے کا انتظام کیا جائے۔ تاہم بچے کی زندگی کو خطرہ ہونے کے پیش نظر ماں پر دودھ پلانا واجب ہے۔

شافعیہ نے ابتدائی دودھ کے بارے میں یہی بات کہی ہے۔ (ماں پر واجب قرار دیا ہے کیونکہ غالباً اس کے بغیر بچے کی زندگی کو خطرہ ہوتا ہے)

اجرت پر دایہ: اگر ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرے اور کوئی دشواری بھی درپیش نہ ہو تو باپ پر واجب ہے کہ وہ اجرت پر دایہ رکھے جو بچے کو دودھ پلائے تا کہ بچے کی زندگی محفوظ رہے۔ دائی پر واجب ہے کہ وہ ماں کے پاس بچے کو دودھ پلائے چونکہ بچے کی پرورش ماں پر واجب ہے، دودھ پلانے سے انکار کرنے سے بچے کا حق پرورش ساقط نہیں ہوتا۔ چونکہ ان میں سے ہر حق مستقل ہے۔

اگر باپ دائی کا انتظام نہ کرے تو ماں قاضی سے حق رکھتی ہے کہ اسے اجرت دی جائے تا کہ وہ دایہ اجرت پر رکھ سکے۔

حنفیہ کے نزدیک بچے کی ماں اگر نکاح میں ہو یا مطلقہ رجعیہ ہو اور عدت گزار رہی ہو تو باپ اسے دودھ پلانے کی اجرت نہ دے۔ ہاں اگر وہ مطلقہ بائنہ ہو تو پھر بچے کی ماں کو اجرت پر رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ زوجیت اور عدت میں باپ نفقہ دیتا ہے، باپ کے ذمہ دو طرح سے واجبات جمع نہیں ہوں گے۔ اگر عورت بائنہ ہے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس صورت میں وہ حنفیہ کے نزدیک اجرت کے حق دار ہے۔ یہ روایت قابل اعتماد ہے جسے اکثر متاخرین نے ذکر کیا ہے جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ عورت بائنہ ہونے کی صورت میں بھی اجرت کی مستحق نہیں ہوگی صاحب ہدایہ نے اس روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ عدت کے دوران بائنہ کو نفقہ دیا جاتا ہے۔

دوسرا مقصد: ماں کب اجرت رضاعت کی مستحق ہوتی ہے؟ مدت استحقاق:

اول: اگر ماں اپنے اختیار سے بچے کو دودھ پلائے یا مجبوراً دودھ پلائے تو کیا وہ اجرت کا استحقاق رکھتی ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے ہاں تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے۔ ❶

۱ حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت حالت زوجیت اور طلاق رجعی کی عدت کے دوران اجرت رضاعت کی مستحق نہیں ہو گی کیونکہ خاوند پر بیوی کا خرچہ واجب ہوتا ہے لہٰذا رضاعت کے مقابل خرچے کا ذمہ دار نہیں ہوگا اور اس پر دو طرح کے واجبات واجب نہیں ہوں گے یعنی خرچہ اور اجرت آپس میں جمع نہیں ہوں گے لہٰذا اس پر ان دو خرچوں کا بوجھ ڈالنا جائز نہیں۔

مالکیہ نے اس رائے کی موافقت کی ہے بشرطیکہ رضاعت ماں پر واجب ہو اور وہ عام غالب احوال کی حالت ہے اور اگر عورت شریف (معزز) ہو تو پھر وہ اجرت کی مستحق ہوگی۔

۲ جب زوجیت اور عدت ختم ہو جائے یا عورت عدت وفات میں ہو تو بالاتفاق اجرت کی مستحق ہوگی، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ...... الطلاق ۶۵/۶

اگر (طلاق یافتہ) عورتیں تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو۔

نیز زوجیت اور عدت ختم ہو جانے کے بعد بچے کی ماں کو نفقہ اور نہیں دیا جاتا۔

---

❶ الدر المختار ور دالمحتار ۲/ ۹۲۹، احکام القرآن لابن العربی ۴/۱۸۲۸ احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۶۳ فتح القدیر ۳/ ۳۴۵ بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۶۔

۳......بعض حنفیہ کے نزدیک اصح قول کے مطابق طلاق بائنہ کی صورت میں ماں اجرت رضاعت کی مستحق ہوتی ہے مالکیہ کے نزدیک بھی یہی معتبر ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ......الطلاق ۶۵/۶

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ بائنہ عورت کے لئے اجرت واجب قرار دی ہے۔حتیٰ کہ اگر عوت (مطلقہ بائنہ) حاملہ ہوتو اس کا خرچہ طلاق دہندہ پرواجب ہے، مخصوص دلیل سے نفقہ اور اجرت کا وجوب ثابت ہے اس لیے ایک سے دوسرے کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔سوریا کے قانون میں یہی مقرر ہے۔بعض حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ مفتی بہ ہے کہ حالت عدت رجعی اور عدت بائن میں کوئی فرق نہیں لہٰذا ماں اجرت رضاعت کی مستحق نہیں ہوگی کیونکہ عورت کے لئے نفقہ مطلقا واجب ہوتا ہے،مصر کے قانون میں یہی معمول ہے۔

دوم: **مدت استحقاق**......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مدت جس میں اجرت رضاعت کا استحقاق ثابت ہوتا ہے وہ دو سال ہے۔چنانچہ جب بچے کی عمر دو سال پوری ہو جائے تو ماں اجرت رضاعت کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتی ❶ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہتے ہوں۔

آیت کی اس امر پر دلیل ہے کہ اجرت رضاعت کی مدت دو سال ہے۔

سوم: **استحقاق اجرت کی ابتداء**......دایہ اور ماں جب کہ ماں کی زوجیت ختم ہو چکی ہو دونوں تاریخ عقد سے اجرت کی مستحق ہوں گی کیونکہ دایہ کو رضاعت کے لئے اجرت پر رکھا جاتا ہے۔لہٰذا وہ تبھی اجرت کی حقدار ہوگی جب عقد ہو جائے۔

رہی بات اس ماں کی جو زوجیت قائم ہوتے ہوئے یا طلاق رجعی کی عدت کے دوران بچے کو دودھ پلائے تو وہ مطلقاً اجرت کی مستحق ہوتی ہے اس میں عقد اجارہ کی چنداں ضرورت نہیں۔یہ مالکیہ کی رائے ہے حنفیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق اس دن سے مستحق ہوگی جب دودھ پلانے کی ذمہ داری ماں نے سنبھالی ہو۔ایک قول حنفیہ کا یہ بھی ہے کہ اس وقت مستحق ہوگی جب ماں اجرت کا مطالبہ کرے گی۔

اگر بچے کا باپ مر جائے تو ماں کی اجرت رضاعت ساقط نہیں ہوگی بلکہ وہ دین کی صورت اختیار کرے گی اور بقیہ قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی مستحق ہوگی۔چنانچہ اجرت رضاعت نفقہ نہیں ہوتا جو موت سے ساقط ہو جائے بلکہ یہ دین ہوگا جو ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔❷

تیسرا مقصد: **ماں اور تبرعاً دودھ پلانے والی کے درمیان فضیلت**......فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ماں بغیر اجرت کے بچے کو دودھ پلائے تو ماں کو مقدم کیا جائے گا یا ماں اجرت مثل سے زائد کا مطالبہ نہ کرتی ہو یا یہ کہ بلا اجرت دایہ نہ ملتی ہو تو ماں کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ ماں کو ترجیح دینے میں بچے کی رعایت ہے چونکہ ماں اپنے بچے کے لئے زیادہ مہربان ہوتی ہے نیز ماں کو دودھ پلانے سے روکنا دراصل اسے تکلیف پہنچانا ہے جبکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ...... البقرۃ ۲/۲۳۳

ماں کو اس کے بچے کی ذریعہ اذیت نہ پہنچائی جائے۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔❸

❶......حاشیۃ ابن عابدین ۲/۹۳۱ احکام القرآن للجصاص ۱/۴۰۴۔❷حاشیۃ ابن عابدین ۲/۹۳۱ ❸احکام القرآن للجصاص ۱/۴۰۴۔

اگر مفت دودھ پلانے والی دایہ مل جائے جبکہ ماں اجرت کا مطالبہ کرتی ہو یا ماں جتنی اجرت کا مطالبہ کرتی ہو اس سے کم اجرت پر دایہ مل جائے تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ماں کو دایہ پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ آیت میں اطلاق ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا...... البقرۃ ۲/ ۲۳۳ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

نیز ماں بچے کے لئے زیادہ مہربان اور مشفق ہوتی ہے اور ماں کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کے مقابلہ میں بچے کے لئے زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دایہ (اجنبی عورت) کو ماں پر مقدم کیا جائے گا۔

برابر ہے کہ بچے کا باپ مالدار ہو یا تنگدست ہو کیونکہ اس میں باپ کے لئے آسانی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

نہ ہی ماں کو بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور نہ ہی اس کے باپ کو۔

اگر باپ کو مثلی اجرت سے زائد دینے پر مجبور کیا جائے گا تو یہ اسے اذیت پہنچانا ہوگا۔

ایسی صورت میں ماں سے کہا جائے گا یا تو مفت بچے کو دودھ پلائے یا اجرت مثل لے یا بچہ دائی کے سپرد کردے۔ اگر ماں نے بچہ دائی کے سپرد کردیا تو اس کا حق پرورش باقی رہے گا۔ پھر دائی یا تو ماں کے پاس جا کر بچے کو دودھ پلایا کرے یا بچے کو دائی اپنے گھر دودھ پلائے پھر ماں کو واپس کردے۔

چوتھا مقصد: اجرت (مزدوری) دینے کی ذمہ داری کس پر ہوگی اور اجرت کی مقدار کیا ہے؟......رضاعت کی اجرت ومزدوری کی ادائیگی کا پابند و ذمہ دار باپ ہے کیونکہ بچے کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ لازم ہوتے ہیں لہٰذا رضاعت کی اجرت ومزدوری بھی باپ کے ذمہ لازم ہوگی۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت ان لوگوں کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔

اور جس باپ کا وہ بچہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقہ پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے۔

دوسری آیت ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ......الطلاق ۶۵/ ۶

اگر طلاق یافتہ عورتیں تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو ان عورتوں کو ان کی اجرتیں دو۔

باپ کے ذمہ بچے کے پانچ اخراجات...... ان پانچ اخراجات کی تفصیل یہ ہے۔ اجرت رضاعت، بچے کی پرورش کی اجرت، دیگر ضروریات زندگی صابن تیل، بچھونا اور جھولے وغیرہ کے اخراجات، اس گھر کا کرایہ خرچہ جس میں بچے کی پرورش کی جارہی ہو، اگر بچے کے لئے خادم کی ضرورت ہو تو اس کی اجرت ومزدوری۔

بچے کے جملہ اخراجات باپ پر واجب ہوتے ہیں اگر چہ دونوں کے ادیان میں اختلاف ہو جیسے بیوی کے اخراجات خاوند کے ذمہ واجب ہوتے ہیں اگر چہ دونوں کے ادیان میں اختلاف ہو اس کے دلائل سابق آیات ہیں۔

ملاحظہ...... ہو باپ پر بچے کے اخراجات تب واجب ہوں گے جب بچے کا ذاتی مال نہ ہو اور اگر بچے کا ذاتی مال ہو تو پھر اس کے اخراجات اسی کے مال سے ہوں گے چونکہ اصل یہی ہے کہ انسان کے ذاتی اخراجات اسی کے مال میں سے ہوں ❶ اگر باپ فقیر ہو اور بچے کا ذاتی مال نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور اجرت باپ کے ذمہ دین (قرضہ) ہوگی اور جب باپ مالدار ہو جائے گا تو اس سے اجرت کا مطالبہ کیا جائے گا مالکیہ کے نزدیک ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور جب باپ مالدار ہو جائے تو ماں اس سے اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

مرضعہ کی ذمہ داری...... مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) پر دودھ پلانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، ہاں البتہ عرف ورواج کے اعتبار سے مرضعہ پر واجب ہے کہ وہ بچے کے لیے کھانا تیار کرے، اس کی نگرانی کرے، اسے نہلائے اس کے کپڑے دھوئے کیونکہ کمسن بچے کی خدمت مرضعہ پر واجب ہے چونکہ جن امور میں نص نہ ہو ان میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور اگر مرضعہ بچے کو بکری (یا گائے) کا دودھ پلائے تو وہ اجرت کی مستحق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں مرضعہ اپنی ذمہ داری نبھانے سے قاصر رہی ہے اور وہ دودھ پلانے کی ذمہ داری ہے۔ ❷

اجرت کی مقدار...... ماں دودھ پلانے کی جس اجرت کی مستحق ہوتی ہے وہ اجرت مثل ہے اور اجرت مثل وہ ہوتی ہے جسے ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت بھی لینے کو تیار ہو، تاہم اجرت کا تخمینہ قاضی کے سپرد ہے کہ وہ کتنی ہو نیز عرف ورواج کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا کہ معاشرہ میں دایہ کو دودھ پلانے کی کتنی اجرت دی جاتی ہے اگر ماں اجرت مثل سے زائد اجرت کا مطالبہ کرے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

اجرت رضاعت کے متعلق سوریا کا قانون...... دفعہ ۱۵۲ شق ا کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ اجرت رضاعت کی ادائیگی مدت رضاعت میں واجب ہے، دودھ چھڑا لینے کے بعد اجرت لازم نہیں ہوگی۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا...... بچے کے دودھ پینے کی اجرت باپ پر واجب ہے، خواہ رضاعت فطری عمل سے ہو یا مصنوعی عمل سے ہو۔

اسی شق میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ ماں درج ذیل صورتوں میں اجرت کی مستحق نہیں ہوگی۔

۲...... اگر زوجیت برقرار ہو تو ماں اجرت رضاعت کی حقدار نہیں ہوگی، اسی طرح طلاق رجعی کی عدت میں اگر عورت ہو تو بھی اجرت رضاعت کی مستحق نہیں ہوگی۔ مطلب یہ کہ رشتہ زوجیت ختم ہونے اور عدت کے گذرنے کے بعد اجرت کی مستحق ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

دفعہ ۱۵۳ میں حنفیہ کی رائے کے مطابق صراحت کی گئی ہے کہ اگر باپ تنگدست ہو تو مفت دودھ پلانے والی عورت کو ماں پر مقدم کیا جائے گا۔

لیکن بچے کی پرورش کے حوالے سے ماں مقدم ہوگی اگرچہ وہ اجرت زیادہ طلب کر رہی ہو۔ رضاعت اور پرورش میں فرق یہ ہے کہ رضاعت امر مادی ہے جس کا مقصد بچے کو غذا دینا اور جسم کی بڑھوتری ہے جبکہ پرورش دیکھ بھال ہے جو شفقت ومہربانی کی مرہون منت ہے۔ جبکہ ماں دوسری عورت کی نسبت اپنے بچے کے لئے زیادہ مشفق ومہربان ہوتی ہے۔

دوسری بحث، رضاعت محرم کی شرائط...... فقہاء نے رضاعت کہ جس سے نکاح حرام ہو جائے کی چھ شرائط لگائی ہیں ❸ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

---

❶ ...... فتح القدير ۳/۳۴۶ حاشية ابن عابدين ۲/۹۳۱۔ ❷ تبيين الحقائق: ۵/۱۲۹۔ البدائع ۴/۴۱۔ ❸ البدائع ۴/۵، القوانين الفقهية ۲۰۶ مغنى المحتاج ۳/۴۱۴ كشاف القناع ۵/۵۱۵ الشرح الصغير ۲/۷۱۹ المغنى ۷/۵۳۴ بداية المجتهد ۲/۳۴۔

۱ یہ کہ دودھ عورت کا ہو جمہور کے نزدیک خواہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ یا مطلقہ دودھ کے علاوہ کسی اور چیز سے تحریم ثابت نہیں ہوتی مثلاً اگر زرد پانی (مواد) خون یا پیپ وغیرہ چوس لی تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اسی طرح مرد کے دودھ خنثیٰ مشکل کے دودھ اور جانور کے دودھ سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، اگر دو کمسن بچوں نے ایک ہی بکری کا دودھ پی لیا تو اس سے وہ رضاعی بہن بھائی نہیں بنیں گے، لہٰذا ان کا آپس میں نکاح حلال ہوگا چونکہ اخوت (بھائی چارہ) رشتہ ماں بندی کی فرع ہے جب اصل کا ثبوت نہیں ہوگا فرع کا بھی ثبوت نہیں ہوگا۔ حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ دودھ حمل کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو۔

شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مرضعہ زندہ ہو اور بالغہ ہو عورت ۹ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہے اگر عورت کے بلوغ کا حکم نہ لگا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ مردہ عورت اور نابالغ لڑکی کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی لیکن اگر زندہ عورت کا دودھ دوہ لیا جائے پھر وہ مر جائے اور اس کے مرنے کے بعد کسی بچے کو وہی دوہا ہوا دودھ پلایا جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

جمہور فقہاء نے یہ شرط نہیں لگائی چنانچہ اگر بالفرض نابالغ لڑکی کے پستانوں میں دودھ اتر آئے اسے کوئی بچہ پی لے اور مردہ عورت کا دودھ کوئی بچہ پی لے تو ان دونوں سے حرمت ثابت ہو جائے گی چونکہ دودھ سے گوشت بنتا ہے اور علت حرمت پائی جاتی ہے۔

۲ یہ کہ دودھ بچے کے معدے تک پہنچے، برابر ہے کہ بچے نے پستان چوسے ہوں یا برتن سے پیا ہو یا بوتل (فیڈر) سے پیا ہو، یہ شرط حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، اگر دودھ بچے کے معدے تک نہ پہنچے مثلاً پستان کو بچے نے منہ میں گھمایا ہو اور یقین نہ ہو کہ بچے نے دودھ پیا یا نہیں تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، چونکہ حکم حرمت میں شک ہے اور احکام شک سے ثابت نہیں ہوتے۔

مالکیہ نے اس امر کے شرط ہونے پر اکتفا کیا ہے کہ دودھ خواہ حقیقتاً بچے کے پیٹ میں پہنچا ہو یا ظنی یا مشکوک طور پر منہ کے ذریعہ معدے تک پہنچا ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ احتیاط کا یہی تقاضا ہے مشہور قول کے مطابق اگر دودھ محض حلق تک پہنچے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ نے پانچ متفرق (الگ الگ) چسکاریوں کے ہونے کی شرط لگائی ہے۔ تاہم رضاعت کے حوالے سے مرجع عرف ہوگا یہ شرط نہیں کہ بچہ سیر ہو کر دودھ پیئے، تاہم دودھ کا معدے تک پہنچنا ضروری ہے۔

۳ یہ کہ رضاعت منہ یا ناک کے ذریعہ عمل میں آئے فقہاء مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ تحریم تب ثابت ہوگی جب دودھ سے غذا کا کام لیا گیا ہو جیسے مثلاً منہ کے ذریعہ بچے نے دودھ پیا ہو یا ناک میں دودھ ٹپکایا گیا ہو اور اس سے بھی غذا حاصل ہوتی ہے کیونکہ دماغ بھی معدہ کی مانند ہے، بلکہ یہ شرط نہیں کہ کسی بالائی منفذ سے دودھ غذا کے لئے معدے میں پہنچے بلکہ محض پیٹ تک پہنچنا حرمت کی لئے کافی ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پیشاب کے راستے میں دودھ ٹپکانے سے آنکھ اور کان میں دودھ ٹپکانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح زخم میں بھی دودھ ٹپکانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس طرح دودھ کا ٹپکانا رضاعت نہیں اور نہ ہی رضاعت کے معنی میں ہے، لہٰذا اس طرح سے حرمت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں...... دودھ جو پیشاب کے راستے بسبب غذا ٹپکایا جائے تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی اسوقت بالائی منفذ سے پہنچنے والے دودھ کا حکم مختلف ہوگا اس میں غذا کا ہونا شرط نہیں، اسی طرح جو سفلی منفذ سے پہنچے اس کا حکم بھی مختلف ہوگا اور اس میں غذا کا ہونا شرط ہوگا۔

۴...... یہ کہ دودھ کسی اور چیز کے ساتھ خلط نہ ہو، یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک معتبر ہے اگر دودھ کسی مائع چیز کے ساتھ خلط

ہو جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک غالب کا اعتبار کیا جائے گا، اگر دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر مائع چیز غالب ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی چونکہ حکم غالب کا ہوتا ہے نیز خلط کی وجہ سے اسم اور مرادی معنی دونوں زائل ہو جاتے ہیں، مرادی معنی غذا کا ہونا ہے لہٰذا اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ دودھ کھانے کی چیز کے ساتھ خلط ہو یا کسی معائع کے ساتھ۔

شافعیہ (ظاہری قول کے مطابق) اور حنابلہ نے (راجح قول کے مطابق) مخلوط دودھ میں دودھ کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک مخلوط دودھ خالص دودھ کے حکم میں ہے۔ خواہ دودھ کھانے کی کسی چیز کے ساتھ خلط ہو یا کسی مائع کے ساتھ، کیونکہ دودھ پیٹ تک پہنچ جاتا ہے جو غذا بھی بن جاتا ہے۔

جبکہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخلوط دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب۔ چونکہ کھانے کی چیز اگرچہ دودھ سے کم ہی کیوں نہ ہو وہ دودھ کی قوت کو سلب کر دیتی ہے اور اسے کمزور کر دیتی ہے لہٰذا بچے کی غذا کے لحاظ سے کفایت نہیں ہو پائی گویا دودھ معنی مغلوب ہوگا اگرچہ صورتاً غالب ہی کیوں نہ ہو۔

اگر ایک عورت کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ خلط ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غالب دودھ کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں کا دودھ یکساں ہو تو دونوں سے تحریم ثابت ہو جائے گی۔

مالکیہ، امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں...... دونوں عورتوں سے تحریم ثابت ہوگی خواہ دونوں عورتوں کے دودھ کی مقدار برابر ہو یا ایک غالب ہو اور دوسرا مغلوب یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے کیونکہ دونوں عورتوں کا دودھ جنس واحد ہے اور جنس میں غلبہ نہیں ہوتا۔

۵..... یہ کہ دودھ پینے کا عمل بالاتفاق بچپن میں ہوتا ہم بڑے عمر کے شخص کی رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ بڑی عمر سے مراد دو سال کی عمر سے تجاوز کر جانا ہے۔

داؤد ظاہری کا موقف...... یہ ہے کہ بڑی عمر کے شخص کی رضاعت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ بڑے آدمی کی رضاعت باعث حرمت ہے۔ چنانچہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سالم کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں سالم میرے ساتھ اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا۔ میں کام کاج کے کپڑوں میں ملبوس ہوتی وہ مجھے دیکھتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے غلاموں کے متعلق جو کچھ نازل کیا ہے وہ میں جانتی ہوں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اسے دودھ پلا دو تا کہ وہ تمہارے پاس آتا جاتا رہے [1] چنانچہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو پانچ چسکاریاں دودھ پلا دیا اور سالم ان کے لئے بمنزلہ اولاد کے تھا۔

بنا بریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کسی آدمی کے بارے میں چاہتیں تو اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیتیں وہ اسے دودھ پلا دیتیں وہ شخص پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتا جاتا اگرچہ وہ عمر میں بڑا ہی کیوں نہ ہوتا۔

جمہور نے بچپن میں رضاعت کے ہونے پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

اول...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1]..... رواه احمد ومسلم عن زينب بنت ام سلمة (نيل الاوطار ٦/٣١٣) جمہور اس حدیث کا جواب دیتے کہ یہ حدیث سہلہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۔۔۔۔۔۔ سورۃ البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت ان لوگوں کے لئے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کامل رضاعت دو سالوں میں قرار دی ہے۔لہٰذا دو سالوں کے بعد کا حکم اس کے برخلاف مفہوم ہوتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ'' اور بچے کو دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں۔لقمان ۳۱/ ۱۴

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شرعاً جو مدت معتبر ہے وہ دو سال ہے۔

دوم...... جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے'' وہی رضاعت معتبر ہے جو دو سالوں میں ہو'' ❶ ایک اور حدیث ہے '' صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جس کے تحت دودھ انتڑیوں میں جائے اور خوراک بنے اور یہ رضاعت دودھ چھڑانے سے قبل ہو'' ❷ ایک اور حدیث ہے'' دودھ چھوڑانے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور بلوغ کے بعد یتیمی نہیں ہوتی۔'' ❸

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سہلہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب دیا ہے کہ یہ سالم کے ساتھ مخصوص ہے حنابلہ وغیرہ نے بھی یہی جواب دیا ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میرے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا یہ میرا رضاعی بھائی ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا کرو رضاعت تو وہ معتبر ہوتی ہے جس سے بھوک مٹتی ہو۔ ❹

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رضاعت تو وہی ہوتی ہے جس سے ہڈیوں میں پختگی آئے اور گوشت پیدا ہو۔ ❺

شافعیہ حنابلہ اور صاحبین نے ان دلائل کے ظاہر کا التزام کیا ہے اس لئے شرط لگائی ہے کہ رضاعت عمر کے ابتدائی دو سالوں میں ہو اس سے حرمت ثابت ہوگی اور عمر کا اعتبار قمری مہینوں سے کیا گیا ہے۔اگر دودھ چھڑانے کے بعد ہی کیوں نہ پلایا گیا ہو کیونکہ حدیث ہے '' رضاعت تو وہی معتبر ہوتی ہے جس سے بھوک مٹتی ہو'' اس حدیث سے مراد ہے کہ وہ رضاعت معتبر ہے جو بھوک کی عمر میں ہو۔لہٰذا اگر بچے نے دو سالوں کے بعد دودھ پیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ رضاعت عمر کے ابتدائی دو سالوں میں ہونی شرط ہے اور اگر رضاعت ابتدائی دو سالوں کے دوران حاصل ہو اگرچہ دودھ چھوڑانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو حرمت ثابت ہو جائے گی یہ رائے راجح ہے چونکہ اس رائے کے دلائل مضبوط ہیں۔

امام مالک نے دو سالوں پر دو ماہ کا مزید اضافہ کیا ہے کیونکہ بسا اوقات بچے کی غذا کھانے کی طرف تحویل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن اگر بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا اور وہ واضح طور پر کھانا کھانے لگا اگرچہ ابتدائی دو سالوں ہی میں یا دودھ پلانے کے لئے کوئی مرضعہ دستیاب نہ ہو سکے اگر اس بچے کو عورت دودھ پلا دے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث ہے۔'' رضاعت تو وہی معتبر ہوتی ہے جو بھوک کی وجہ سے ہو'' یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بچے کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو اگر دو سالہ مدت کے دوران بچے کا دودھ چھڑا یا گیا تو بعد میں ہونے والی رضاعت بھوک کے سبب نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو سالوں پر مزید نصف سال (چھ ماہ) کا اضافہ کیا ہے ان کے نزدیک مدت رضاعت دو سال چھ ماہ (تیس ماہ) ہے کیونکہ اس عرصہ میں بتدریج بچے کی خوراک دودھ سے کھانے کی طرف تحویل ہوتی ہے، لیکن اگر بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا

---

❶...... رواه الدار قطني عن ابن عباس (نيل الاوطار ۶/ ۳۱۵) ❷ رواه الترمذي و صححه عن ام سلمة (المرجع السابق) ❸ رواه ابوداؤد الطيالسي في مسنده عن جابر۔ ❹ رواه الجماعة الا الترمذي عن عائشة ❺ نيل الاوطار ۶/ ۳۱۶ سبل السلام ۳/ ۲۱۴۔

اور بچہ بالکلیہ دودھ سے مستغنی ہو جائے تو اس کے بعد رضاعت نہیں ہوگی چونکہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہوتی، اگر بچے کا (عارضی طور پر) دودھ چھڑایا گیا اور اس نے تھوڑا تھوڑا کھانا کھانا بھی شروع کر دیا تاہم دودھ سے بالکل مستغنی نہ ہوا اور پھر شروع کی طرح دودھ پینے لگا تو اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی۔ حرمت میں یہ رضاعت ایسی ہی ہے جیسے کہ بچے کا دودھ چھڑایا ہی نہ گیا ہو۔ رہی یہ حدیث کہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہوتی سو اس حدیث کو معتاد و متعارف طریقے سے دودھ چھڑانے پر محمول کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

البقرۃ ۲/۲۳۳

آیت کے آخر سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ والدین کو دو سال پورے ہونے پر دودھ چھڑانے میں اختیار حاصل ہے، اور آیت کے ابتدائی حصہ میں جو دو سال کی مدت کی تحدید کی گئی ہے سو یہ تحدید مطلقہ ماں کے اجرت لینے کی مدت کا بیان ہے۔

اس استدلال کا جواب دیا گیا ہے کہ جس دودھ چھڑانے میں والدین کی باہمی مشاورت اور رضامندی کی ضرورت پڑتی ہے وہ ہے جو دو سالوں سے قبل ہو اور اگر بچے کی جسمانی کمزوری کے پیش نظر دو سالوں سے زائد عرصہ کے لئے دودھ پلانے کی ضرورت پڑے تو اس کے مانع کوئی چیز نہیں، لیکن اس رضاعت پر حرمت کے احکام مرتب نہیں ہوں گے اور مطلقہ ماں دو سال کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق بھی نہیں ہوگی۔

۶...... یہ کہ رضاعت علیحدہ علیحدہ پانچ دفعہ یا اس سے زائد دفعہ ہوئی ہو یہ شرط شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں معتبر ہے، پانچ دفعہ سے مراد یہ ہے کہ عورت دودھ پلانا شروع کرے اور بچہ آسودہ ہو کر از خود پستان چھوڑ دے اب یہ ایک دفعہ ہوا اس کا دارومدار عرف پر ہے تاہم اگر بچے نے سانس لینے کی غرض سے پستان چھڑایا یا آرام لینے کے لئے پستان چھڑایا بچے کو ایک پستان سے ہٹا کر دوسرے پستان پر لگایا یا بچے کے ساتھ لاڈ پیار کی غرض سے پستان عارضی طور پر چھڑایا یا بچے کو ہلکی سی نیند آ گئی اور پستان چھوڑ دیا یا بچے کے منہ میں جمع شدہ دودھ نگلنے کے لیے پستان چھڑایا اور پھر پستان بچے کے منہ میں دے دیا تو ان وقفوں کو مختلف دفعہ کی رضاعتیں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس طرح کے وقفہ کی صورت میں ایک دفعہ کی رضاعت ہوگی اگر بچے نے پانچ دفعہ سے کم دفعہ دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اگر رضاعتوں کی تعداد میں اختلاف ہو جائے تو حرمت کا دارومدار یقین پر ہوگا چونکہ اصل چیز حرمت رضاعت کا نہ ہونا ہے لیکن شک واختلاف کی صورت میں ترک اولی ہے چونکہ اس صورت میں رضاعت میں شبہ آ جائے گا اور شبہات میں نہ پڑنا بہتر وافضل ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے اپنے موقف پر تین طریقوں سے استدلال کیا ہے۔

اول...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ قرآن میں اولاً دس دفعہ دودھ پینا حرمت پیدا کرے گا کا حکم نازل ہوا تھا۔ بعد میں پانچ دفعہ کے متعین دودھ پینے کے حکم سے یہ منسوخ ہو گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس حکم کی قرأت قرآن میں کی جاتی تھی [1] یعنی یہ حکم تلاوت کیا جاتا تھا یا یہ کہ جس شخص کو نسخ کی خبر نہ ہوتی وہ اس کی قرأت کرتا تھا، لیکن اس روایت کو مضطرب قرار دیا گیا ہے۔

دوم...... حرمت رضاعت کی علت جزئیت کا شبہ ہے جو کہ دودھ سے پیدا ہوتا چونکہ دودھ سے گوشت اور ہڈیاں بنتی ہیں جسم کی

---

[1] ...... نصب الرایۃ ۳/۲۱۸۔

بزھوتری ہوتی ہے، یہ امر کم از کم پورے ایک دن کی رضاعت سے متحقق ہوتا ہے اور وہ پانچ دفعہ دودھ پیتا ہے۔

سوم...... حدیث ہے کہ ایک اور دو مرتبہ کی چسکاری سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مالکیہ اور حنفیہ...... کہتے ہیں: حرمت رضاعت مطلقاً ثابت ہو جاتی ہے، خواہ بچے نے تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ خواہ ایک مرتبہ چسکاری لی ہو۔ ان فقہاء نے اپنے موقف پر تین طریقوں سے استدلال کیا ہے۔

اول...... آیت کریمہ: وامھاتکم اللاتی ارضعنکم تمہارے اوپر تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو۔ (النساء ۲۳) کے عموم سے استدلال کیا ہے آیت میں حرمت کو رضاعت پر متعلق کیا گیا ہے اور رضاعت کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی لہٰذا مطلق کو اپنے اطلاق پر چھوڑا جائے گا۔

دوم...... حدیث ہے رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں ❶ حدیث میں حرمت کو محض رضاعت کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اس کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قلیل رضاعت اور کثیر رضاعت (حرمت میں) برابر ہے۔

سوم...... رضاعت ایسا فعل ہوتا ہے جس سے حرمت متعلق ہوتی ہے، لہٰذا اس میں قلیل رضاعت اور کثیر رضاعت برابر ہے کیونکہ شارع کی یہ شان ہے کہ وہ حکم کو حقیقت کے ساتھ منوط کر دیتا ہے جو تکرار و کثرت کی شرط سے خالی ہوتا ہے شیر خوار کی جزئیت مرضعہ سے قلیل و کثیر رضاعت سے متحقق ہو جاتی ہے۔

مصر اور لیبیا میں اسی رائے پر عمل کیا جاتا ہے (پاکستان میں بھی یہ قول مفتی بہ ہے) جبکہ سوریا میں پہلی رائے پر عمل کیا جاتا ہے پہلی رائے میں لوگوں کے لئے آسانی ہے جبکہ دوسری رائے میں احتیاط کا پہلو نمایاں ہے۔

تیسری بحث: وہ امور جن سے رضاعت ثابت ہوتی ہے...... رضاعت دو امور کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے (۱) اقرار اور (۲) گواہ۔ ❷

اقرار...... حنفیہ کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک رضاعت محرم کے متحقق ہونے کا اعتراف کرے۔

اگر مرد اور عورت نکاح سے پہلے رضاعت کے ہونے کا اقرار کریں کہ وہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں تو ان کا آپس میں نکاح کرنا حلال نہیں اگر نکاح کرلیا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور عورت مہر کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر عقد نکاح ہو جانے کے بعد مرد عورت رضاعت کا اعتراف کریں تو دونوں کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے، اگر وہ دونوں علیحدگی پر تیار نہ ہوں تو قاضی جبراً دونوں میں تفریق کردے، کیونکہ بالیقین عقد کا فاسد ہونا واضح ہو چکا عورت کے لئے مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ ہوگا۔

---

❶ ...اخرجه البخاری ومسلم من حديث ابن عباس ومن حديث عائشة ورواه احمد والترمذی وصححه عن علی رضی الله عنه (نصب الراية ۲۱۸/۳ نيل الاوطار ۲۱۷/۶) ❷ البدائع ۱۴/۴ القوانين الفقهية ۲۰۷ مغنی المحتاج ۲۲۳/۳ المغنی ۵۸/۷.

ب.....اگر صرف مرد کی طرف سے اقرار ہو مثلاً کہتا ہو یہ عورت میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے یا رضاعی بیٹی ہے پھر دیکھا جائے گا اگر اقرار نکاح سے پہلے ہو تو اس سے نکاح کرنا حلال نہیں اور اگر نکاح کے بعد اقرار کیا ہو تو تفریق واجب ہوگی اگر اپنے اختیار سے تفریق نہ کریں تو قاضی جبراً تفریق کرے۔ اگر دخول سے پہلے تفریق ہو جائے تو عورت کو مقررہ مہر کا نصف ملے گا اور دخول کے بعد پورا مقررہ مہر ملے گا عورت پر عدت واجب ہوگی اور اسے عدت کے دوران کا نفقہ ملے گا۔ چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے دوسرے پر متعدی نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسرا شخص مقر کی تصدیق کر دے یا اقرار گواہوں سے صحیح ثابت ہو جائے، لیکن عورت کا حق مہر باطل نہیں ہوگا۔

ج.....اگر صرف عورت رضاعت کا اقرار کرتی ہو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر نکاح سے پہلے ہو تو اس سے نکاح حلال نہیں ہوگا لیکن اگر مرد کے دل میں اس عوت کا جھوٹ بولنا مصدق ہو جائے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس سے نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل ہوتا ہے عورت کو حاصل نہیں ہوتا، جبکہ اقرار حجت قاصرہ ہے عین ممکن ہے کہ عورت کا اقرار رضاعت دل میں پوشیدہ کسی غرض کے واسطے ہو۔

اور اگر نکاح کے بعد عورت رضاعت کا اقرار کرے (کہ ناکح اس کا رضاعی بھائی ہے یا اس کا رضاعی چچا ہے یا رضاعی ماموں ہے وغیرہ) تو اس کا اقرار نکاح کے مانع نہیں ہوگا الا یہ کہ خاوند اس کی تصدیق کرتا ہو۔

جب تک مرد کے اقرار پر گواہ نہ قائم ہو جائیں وہ اپنے اقرار سے رجوع کر سکتا ہے برابر ہے کہ رجوع نکاح سے پہلے ہو یا بعد میں، مثلاً کہتا ہو کہ مجھے وہم ہو گیا تھا یا میں بھول گیا تھا، چونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ اس نے کسی کے بتانے پر اقرار کیا ہو پھر اس کا جھوٹا ہونا مقر پر عیاں ہو جائے، سو اگر مقر نے اپنے اقرار پر گواہ قائم کئے ہوں تو اس کے بعد رجوع قابل قبول نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اقرار اور رجوع میں تناقض پایا جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک میاں بیوی دونوں کے اقرار سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا یہ کہ دونوں کے والدین اعتراف کریں یا اکیلا مکلف خاوند کرے اگرچہ عقد کے بعد ہو کیونکہ مکلف کو اس کے اقرار سے پکڑا جاتا ہے، یا فقط بیوی کے اعتراف سے رضاعت ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ عورت بالغ ہو اور اعتراف نکاح سے پہلے ہو نکاح کے بعد اقرار سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر دخول سے پہلے نکاح فسخ ہو جائے تو عورت کو مہر نہیں ملے گا الا یہ کہ فقط خاوند نکاح کے بعد اقرار کرتا ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔

اگر فسخ نکاح دخول کے بعد ہو تو عورت کو پورا مقررہ مہر ملے گا الا یہ کہ عورت کو دخول سے قبل رضاعت کا علم ہو اور مرد کو علم نہ ہو تو عورت کو دخول کی وجہ سے چوتھائی دینار ملے گا تاہم اسے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ملے گا۔

اگر نابالغ لڑکے کے والدین میں سے کوئی ایک رضاعت کا اقرار کرے مثلاً لڑکے کا باپ یا ماں اقرار کرے کہ جس لڑکی کے ساتھ اس کا رشتہ طے کیا جا رہا ہے وہ اس کی رضاعی بہن ہے اور عقد نکاح سے پہلے اقرار کیا ہو تو بعد از اقرار عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اقرار سے رجوع صحیح نہیں برابر ہے کہ مقر اپنے اقرار پر اصرار کرتا ہو یا اصرار نہ کرتا ہو شافعیہ کے نزدیک صحت اقرار کے لئے دو مردوں کا ہونا شرط ہے چنانچہ دو مردوں کے علاوہ کے اقرار سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس پر مردوں کی اطلاع اغلب ہے۔

اگر ایک شخص نے کہا: ہندہ میری بیٹی ہے یا کہا رضاعی بہن ہے یا عورت نے کہا فلاں شخص میرا رضاعی بھائی ہے چنانچہ مقر اور مقر بہ کا نکاح حرام ہوگا کیونکہ انسان اپنے اقرار پر پکڑا جاتا ہے۔

اگر زوجین نے اعتراض کیا کہ ان دونوں کے درمیان حرمت والی رضاعت ہے تو دونوں میں تفریق کی جائے گی اور مقررہ مہر ساقط

ہو جائے گا اور اگر وطی ہو چکی ہو تو مہر مثل واجب ہوگا اگر خاوند رضاعت محرّم کا دعویٰ کرتا ہو اور اس کی بیوی انکار کرتی ہو ❶ تو دونوں کے درمیان قائم نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اگر وطی ہو چکی ہو تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا بشرطیکہ مسمّی صحیح ہو ورنہ مہر مثل ملے گا اگر وطی نہ ہوئی ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔

اگر عورت رضاعت کا دعویٰ کرے اور خاوند انکار کرتا ہو تو اگر خاوند نے عورت کی رضامندی سے شادی کی ہو تو قسم کے ساتھ خاوند کی تصدیق کی جائے گی اور اگر عورت کی رضامندی کے بغیر شادی کی ہو تو اصح قول کے مطابق قسم کے ساتھ عورت کی تصدیق کی جائے گی ❷ دونوں صورتوں میں عورت کو مہر مثل ملے گا بشرطیکہ اس سے وطی ہوئی ہو اور اسے رضاعت کا علم نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں...... اگر خاوند نے دخول سے پہلے رضاعت محرّم کا اقرار کیا ہو مثلاً کہا ہو منکوحہ میری رضاعی بہن ہے تو نکاح فسخ ہو جائے گا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ اور اگر عورت نے خاوند کی تصدیق کر دی تو اسے مہر نہیں ملے گا اور اگر عورت خاوند کی تکذیب کرتی ہو تو اسے نصف مہر ملے گا۔

اگر عورت اقرار کرتی ہو کہ اس کا خاوند اس کا رضاعی بھائی ہے جبکہ خاوند اس کی تکذیب کرتا ہو تو فسخ نکاح کے حوالے سے عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اگر اقرار دخول سے پہلے ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا چونکہ اس نے اپنے غیر مستحق ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور اگر اقرار دخول کے بعد ہو اور عورت یہ اقرار بھی کرتی ہو کہ اسے حرمت رضاعت کا علم ہے تو بھی اسے مہر نہیں ملے گا چونکہ اس نے اپنے زانیہ ہونے کا اقرار کیا ہے اگر عورت انکار کرتی ہو تو اسے مہر ملے گا چونکہ یہ وطی بالشبہ ہے۔

گواہوں سے رضاعت کا ثبوت...... اس کا حاصل یہ ہے کہ عدالت میں کسی شخص کے حق میں رضاعت کی گواہی دینا۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں (جو کہ عادل ہوں) کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

البتہ ایک شخص کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... رضاعت کے معاملہ میں ایک مرد یا ایک عورت یا چار عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رضاعت میں دو گواہوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحابہ کی موجودگی میں جاری کیا گیا تھا اس پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، گویا اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا نیز رضاعت ایسا معاملہ ہے جس پر مرد آگاہ ہو سکتے ہیں لہٰذا تنہا عورتوں کی گواہی رضاعت میں قبول نہیں کی جائے گی۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: عقد سے پہلے فقط ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگر رضاعت کی خبر عام پھیلی ہو تو ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی اگر ایک عورت رضاعت کی گواہی دیتی ہو تو عقد جائز نہیں ہوگا۔

رضاعت ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ رضاعت کی خبر عام ہوئی ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں...... رضاعت چار عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ رضاعت کا تعلق پستان سے ہے اور پستان کو عورتیں ہی دیکھتی ہیں گویا ولادت کی طرح رضاعت پر بھی صرف عورتوں کو آگاہی ہوتی ہے تاہم چار عورتوں سے کم سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی چار عورتیں دو مردوں کے برابر ہوں گی۔

---

❶...... مثلاً خاوند کہتا ہو کہ میری بیوی رضاعی بہن یا رضاعی خالہ وغیرہ ذالک ہے جبکہ بیوی اس کے اس دعویٰ کا انکار کرتی ہو۔ ❷ ان عورتوں سے قسم لی جائے گی۔

مرضعہ کی گواہی کسی اور آدمی کے ساتھ قبول کی جائے گی بشرطیکہ مرضعہ اجرت کا مطالبہ نہ کرتی ہو بلکہ وہ کہتی ہو کہ اس لڑکے نے اس کا دودھ پیا ہے چونکہ اس گواہی سے مرضعہ کا کوئی نفع نقصان نہیں۔

بیوی کی ماں اور بیوی کی بیٹی کی گواہی کسی اور کے ساتھ بغرض نیکی قبول کی جائے گی یعنی گواہی دعویٰ کے اثبات کے لئے نہ ہو ایسی گواہی کے قبول کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے چونکہ یہ گواہی حقوق اللہ میں سے ہے۔

تیسری فصل.....حضانت (بچے کی پرورش)

اس فصل میں چھ مباحث بیان کی جائیں گی۔

اول.....حضانت کا معنی اور اس کا حکم۔

دوم.....پرورش میں عورتوں کی ترتیب

سوم.....استحقاق حضانت کی شرائط۔

چہارم.....اجرت حضانت اور حضانت کے توابع (سکنی اور نفقہ)

پنجم.....حضانت کی جگہ اور بچے کو کسی دوسرے شہر میں منتقل کرنا اور پرورش کنندہ کے علاوہ دوسری عورت کا حق زیارت

ششم.....حضانت کی مدت اور انتہائے حضانت پر مرتب ہونے والے احکام

پہلی بحث: حضانت کا معنی، حکم اور حضانت کا حق کس کا ہے:

حضانت کا معنی.....حضانت لغوی اعتبار سے حضن سے ماخوذ ہے جس کا معنی پہلو کا حصہ پہلو میں لینا اور پروں تلے ڈھانپ لینا ہے شرعاً بچے کی پرورش کرنا حضانت ہے۔ بچے کی دیکھ بھال کھانے کا انتظام، کپڑے، بچے کو سلانا، صاف رکھنا، کپڑے دھونا وغیرہ پرورش ہے۔ (1)

حضانت دراصل ولایت وسرپرستی کی ایک قسم ہے لیکن عورتیں اس ولایت کی زیادہ حقدار ہیں کیونکہ عورتوں میں شفقت زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادہ عمدہ طریقہ اور ڈھنگ سے بچے کی تربیت کرسکتی ہیں اور استقامت سے اس فریضہ کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہیں جب بچہ بن بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کی تربیت کا حق مرد کو حاصل ہوگا کیونکہ اب وہ عورتوں کی نسبت زیادہ عمدگی سے بچے کی تربیت کرسکتا ہے۔

حکم حضانت.....حضانت واجب ہے کیونکہ اگر حضانت ترک کردی جائے تو پروردہ (بچہ) ہلاک ہوجائے گا لہٰذا اسے ہلاکت سے محفوظ رکھنا واجب ہے جیسے بچے پر خرچہ کرنا اور اسے مہالک سے بچانا واجب ہے۔ (2)

حضانت (پرورش) حکمت ودانائی، بیدار مغزی، ہوشیاری، صبر اور خوش خلقی کی متقاضی ہے اور دوران پرورش بچے کو بددعا دینا مکروہ تحریمی ہے جیسے اپنی ذات اپنے خادم اور مال کو بددعا دینا مکروہ ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ ”اپنے آپ کو بددعا مت دو، اپنی اولاد کو بھی بددعا مت دو اپنے خادموں کو بددعا نہ دو اپنے اموال کو بددعا مت دو کیا معلوم تم ایسی گھڑی میں بددعا دو کہ وہ عنداللہ قبول ہوجائے۔ (3)

---

(1).....البدائع ۴/۴۰ الشرح الصغیر ۲/۷۵۶ مغنی المحتاج ۳/۴۵۲ کشاف القناع ۵/۵۷۶۔ (2) المغنی ۷/۶۱۳ غایۃ المنتہی ۳/۲۴۹ کشاف القناع ۵/۵۷۶۔ (3) رواہ مسلم فی کفایہ وابوداؤد عن جابر بن عبداللہ

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: اوس بن عبادہ انصاری ایک مرتبہ حضور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری کچھ بیٹیاں ہیں میں انھیں موت کی بددعا دے دیتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن ساعدہ! انھیں بددعا مت دو چونکہ بیٹیاں باعث برکت ہوتی ہیں وہ نعمتیں سمیٹ کر لاتی ہیں مصیبت کے وقت مددگار ثابت ہوتی ہیں، تنگی ترشی میں عیادت کرتی ہیں زمین ان کے بوجھ کو اٹھائے رکھتی ہے اور اللہ کے ذمہ ان کا رزق ہے۔ ❶

حضانت کا صاحب حق کون ہے...... یہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ ہے۔ ❷

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے کہ حضانت پرورش کرنے والے کا حق ہے چونکہ اسے اپنا حق ساقط کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اگرچہ استاط حق بالاغرض ہی کیوں نہ ہو، اگر حضانت کسی اور کا حق ہوتی تو اس کے استاط سے ساقط نہ ہوتی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضانت محضون (پروردہ) کا حق ہے اگر اس نے یہ حق ساقط کر دیا تو ساقط ہو جائے گا۔

علمائے محققین کے نزدیک حضانت کے ساتھ تین حقوق متعلق ہوتے ہیں حاضنۃ (دایہ) کا حق محضون (پروردہ) کا حق باپ یا جو اس کے قائم مقام ہو کا حق اگر ان تین حقوق میں تطبیق ممکن ہو تو اس پر عمل واجب ہے اگر ان حقوق میں تعارض آ جائے تو محضون کو مقدم رکھا جائے گا تاہم اس معتدل منطق سے درج ذیل احکام متفرع ہوتے ہیں۔ ❸

۱..... حاضنہ کو پرورش پر مجبور کیا جائے گا بشرطیکہ حضانت اس کی لئے متعین ہو جائے اس کی صورت یہ ہے کہ پرورش کے لئے کوئی اور چارہ کار نہ ہو۔

۲..... اگر حضانت حاضنہ کی متعینہ ذمہ داری طے نہ پائی ہو تو اس پر حضانت واجب نہیں لہٰذا اسے مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ حضانت حاضنہ کا حق ہے۔

۳..... اگر عورت اپنے خاوند سے اس شرط پر خلع لے لے کہ بچے کو خاوند عورت کے پاس رہنے دے تو حنفیہ کے نزدیک خلع صحیح ہے لیکن شرط فاسد ہے چونکہ یہ حق بچوں کو حاصل ہوتا ہے کہ جب تک وہ محتاج ہے ماں کے پاس رہے۔

۴..... جو عورت حضانت کا حق رکھتی ہو باپ اس سے بچہ لینے کا حق نہیں رکھتا، الا یہ کہ شرعی طور پر کوئی ضرورت ہو تو اس سے لے کر کسی دوسری عورت کو دے سکتا ہے۔

۵..... اگر مرضعہ حاضنہ (دایہ) کے علاوہ کوئی اور ہو تو مرضعہ پر واجب ہے کہ وہ حاضنہ کے پاس جا کر بچے کو دودھ پلائے تاکہ حاضنہ کا حق حضانت فوت نہ ہونے پائے۔

دوسری بحث: پرورش کرنے والی عورتوں کے درجات کی ترتیب...... فقہاء نے پروردہ بچے کی مصلحت کے پیش نظر بعض عورتوں کو بعض دوسری پر مقدم رکھا ہے چنانچہ فقہاء نے پرورش کے زیادہ لائق عورتوں کو قرار دیا ہے چونکہ عورتیں زیادہ شفیق ہوتی ہیں پرورش کے گر جانتی ہیں۔ استقامت دکھاتی ہیں اور بچوں کے ساتھ لازم رہتی ہیں، فقہاء نے شفقت اور قرابتداری کو مدنظر رکھ کر درجات مقرر کئے ہیں عورتوں کے بعد عصبہ میں سے محرم مردوں کا نمبر آتا ہے بعض اوقات درجات میں فقہاء کا اختلاف بھی ہوا ہے کہ آیا حضانت کی مستحق عورتیں ہیں یا مرد یا دونوں۔ ایسا عموماً معین عمر کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب وہ عمر پوری ہو جاتی ہے تو پھر مرد عورتوں کی نسبت لڑکوں کی بہتر تربیت کرتے ہیں۔ ❹

---

❶..... مغنی المحتاج: ۳/۴۶۴ ❷الدر المختار وردالمحتار ۲/۸۷۱القوانین الفقهية ۲۲۵ الشرح الصغیر ۲/۷۶۳ ❸الاحوال الشخصیه للاستاذالشیخ عبد الرحمن تاج ۴۵۷. ❹ البدائع۴/۴۱ الدرالمختار ۲/۸۷۱ فتح القدیر ۳/۳۱۳ الکتاب مع اللباب ۳/۱۰۱ القوانین الفقهية ۲۲۴ الشرح الصغیر ۲/۷۵۶ المهذب ۲/۱۶۹ المغنی ۷/۶۱۳ مغنی المحتاج۳/۴۵۲.

اول: عورتوں کے درجات:

۱.....اگر بچے کی ماں کو طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند وفات پا جائے تو ماں بچے کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے اس پر علماء کا اجماع ہے چونکہ ماں میں شفقت کا پہلو زیادہ ہوتا ہے ہاں البتہ اگر ماں مرتدہ ہو یا فاجرہ ہو تو پھر بچے کی پرورش کی حقدار نہیں ہوتی چونکہ بچے کے ضائع ہونے اور اس کے اخلاق بگڑنے کا خدشہ ہے مثلاً عورت زانیہ ہو یا دن بھر گھر سے باہر رہتی ہو تو لامحالہ بچے کی ہلاکت کا قوی امکان ہوتا ہے۔

ماں کے مقدم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی: اے اللہ کے رسول! میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ ٹھکانہ رہا ہے میرے پستان اس کے مشکیزے تھے میری گود اس کا نشیمن تھی۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور وہ اسے مجھ سے چھینا چاہتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جب تک دوسرا نکاح نہ کرلو اس بچے کی زیادہ حقدار ہو [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق کرے گا۔ [2]

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام عاصم کو طلاق دیدی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ام عاصم کے پاس آئے ان کی گود میں عاصم رضی اللہ عنہ تھے آپ رضی اللہ عنہ نے ام عاصم سے بچہ چھینا چاہا دونوں میں چھینا جھپٹی ہو گئی اور بچہ رونے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور معاملہ پیش کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بچے کو عورت کا صاف کرنا گود میں لینا اور اس کی بو عورت کے لئے تم سے زیادہ بہتر ہے یہاں تک کہ بچہ بالغ ہو جائے پھر اسے اختیار حاصل ہوگا۔ [3]

۲.....ماں کے بعد ماں کی ماں یعنی بچے کی نانی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے چونکہ بچہ اپنی ماں کی وساطت سے نانی کی وراثت میں شریک ہوتا ہے نانی کے بعد حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دادی زیادہ حقدار ہے پھر پردادی پھر دادے کے باپ کی ماں مالکیہ نے دادی کو خالہ اور ماں کی پھوپھی کے بعد رکھا ہے۔

حنابلہ نے باپ کو مقدم کیا ہے پھر نانی پردادی پھر دادا پھر دادا کی ماں۔

۳.....نانی کے بعد حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بہن کا نمبر آتا ہے یعنی بچے کی حقیقی بہن پھر حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن جبکہ شافعیہ نے اس کے برعکس موقف اختیار کیا ہے انھوں نے (اصح قول کے مطابق) باپ شریک بہن کو ماں شریک بہن پر مقدم رکھا ہے چونکہ باپ شریک بہن بچے کے نسب میں شریک ہوتی ہے، نیز باپ شریک بہن کی وراثت داری قوی ہوتی ہے اور وہ عصبہ بھی بن جاتی ہے پھر حقیقی بہن اور پھر ماں شریک بہن۔

جمہور نے بہنوں کو خالاؤں اور پھوپھیوں پر اس لئے مقدم رکھا ہے چونکہ بہنوں میں قرابتداری کا پہلو زیادہ پایا جاتا ہے۔

مالکیہ نے خالہ کو مقدم رکھا ہے پھر دادی کو پھر پردادی کو پھر پروردہ بچے کے باپ کو بہن پر مقدم رکھا ہے۔

۴.....بہن کے بعد حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پروردہ بچے کی حقیقی خالہ کا نمبر آتا ہے پھر حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ چونکہ جو رشتے ماں کی طرف سے ہوتے ہیں ان میں شفقت کا پہلو زیادہ پایا جاتا ہے شافعیہ کے نزدیک باپ شریک خالہ اور باپ شریک پھوپھی خالاؤں پر مقدم ہوں گی۔

مالکیہ نے خالہ کو مقدم رکھا ہے پھر باپ شریک دادی۔

---

[1] ..... رواہ ابوداؤد والبیھقی والحاکم وصحح اسنادہ [2] رواہ الترمذی واحمد والحاکم عن ابی ایوب [3] رواہ ابن ابی شیبة.

۵ پھر بہن کی بیٹیاں (یعنی بھانجیاں) پھر بھتیجیاں یہ حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے، ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خالہ بھانجیوں اور بھتیجیوں سے اولی ہے کیونکہ بھتیجیوں میں باپ کی قرابت ہے اور خالہ میں ماں کی قرابت ہے لہٰذا خالہ زیادہ حقدار ہے بھتیجی، پھوپھی سے زیادہ حقدار ہے چونکہ بھتیجی کی قرابتداری زیادہ ہے کیونکہ بھتیجی بھائی کی اولاد ہے او پھوپھی داد کی اولاد ہے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پھوپھی بھتیجی پر مقدم ہوگی۔

۶ پھر بالاتفاق پھوپھی کا درجہ آتا ہے۔ (یعنی پرورد ہ بچے کی پھوپھی) پھر باپ کی پھوپھی پھر پرورد ہ بچے کے دادا کی بہن۔

خلاصہ...... ایک نظر میں فقہاء کے ہاں ترتیب یوں ہے۔

حنفیہ...... ماں، نانی پھر دادی پھر بہنیں پھر خالائیں پھر بھانجیاں پھر بھتیجیاں پھر پھوپھی، پھر ترتیب وراثت کے مطابق عصبات۔

مالکیہ ماں پھر نانی، پھر خالہ، پھر باپ شریک دادی پھر بہن، پھر پھوپھی، پھر بھتیجی، پھر عصبہ میں جو اولیٰ ہوں۔

شافعیہ ماں پھر نانی پھر دادی پھر بہنیں، پھر خالائیں پھر بھتیجیاں اور بھانجیاں پھر پھوپھیاں پھر ہر وہ ذی رحم محرم جو عصبات میں سے ہو جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ترتیب ہے۔

حنابلہ...... ماں پھر نانی پھر دادی جو باپ شریک ہو پھر دادا پھر مائیں پھر حقیقی بہن پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن پھر حقیقی خالہ پھر ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ پھر پھوپھی پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ پھر باپ کی پھوپھی پھر بھتیجی پھر باپ کے چچا کی بیٹی پھر باقی عصبہ الاقرب فالاقرب۔

قانون کا موقف...... سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۹/ا کے تحت حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے۔

مردوں کے درجات...... اوپر مختلف درجات کے تحت عورتوں کا جو تذکرہ ہوا ہے سو حق حضانت میں عورتوں کو مقدم رکھا جائے گا اگر مذکورہ بالا عورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر حق حضانت مردوں کی طرف عصبات کی ترتیب پر منتقل ہو جائے گا اولا آباء کو حق حاصل ہوگا پھر اجداد کو اگر چہ اوپر چلے جاؤ پھر بھائی پھر بھتیجے اگر چہ نیچے آ جاؤ پھر چچے پھر ان کے بیٹے یہ ترتیب حنفیہ کے نزدیک ہے اور صحیح قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک بس یہی ترتیب ہے لیکن جو لڑکی حد اشتہاء تک پہنچ جائے تو اسے غیر محرم مرد کے سپرد نہیں کیا جائے گا جیسے مثلاً لڑکی کا چچازاد بھائی سو بالاتفاق چچازاد بھائی کو مشتہاۃ لڑکی کی پرورش کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اگر یہ حق دیا جائے تو اس سے فتنہ برپا ہوگا۔ ہاں البتہ چچازاد بھائی لڑکے کی پرورش کا حق رکھتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر بچے کے عصبہ میں سے کوئی رشتہ دار نہ ہو تو اس کا حق حضانت اس کے ذوی الارحام کو منتقل ہو جائے گا۔ چنانچہ اولاً ماں شریک بھائی کو حق حاصل ہوگا پھر اس کے بیٹے کو پھر ماں شریک چچا کو پھر حقیقی ماموں کو پھر ماں شریک ماموں کو چونکہ ان لوگوں کو نکاح کی ولایت اسی ترتیب سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا انہیں حق حضانت بھی حاصل ہوگا لیکن سوریا کے قانون میں یہ رائے نہیں اختیار کی گئی صرف عصبات کو حق حضانت دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس قانون میں ذوی الارحام کو یہ حق نہیں دیا گیا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ایک درجہ میں دو حقدار جمع ہو جائیں جیسے دو چچے تو ان میں سے جو زیادہ متقی ہوگا اسے مقدم رکھا جائے گا پھر معمر کو جو فاسق نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر مذکورہ بالا عورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حق حضانت وصی کو منتقل ہو جائے گا پھر حقیقی بھائی حقدار ہوگا پھر ماں شریک یا باپ شریک بھائی پھر باپ شریک دادا گویا جو زیادہ قریبی ہوگا وہ حقدار ہوگا پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچازاد، بھائی ماں شریک دادا اور

ماموں کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا پھر پروردہ کا آزاد کردہ غلام پھر اس کے نسبی عصبہ۔

اگر درجہ میں مساوی دو حقدار جمع ہو جائیں جیسے: دو بہنیں دو خالائیں اور دو پھوپھیاں تو اس عورت کو مقدم رکھا جائے گا جو زیادہ مشفق ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں درجہ مساوی ہونے کی صورت میں حقداروں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا چونکہ دونوں کو حق حضانت دینا ناممکن ہے اور ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہیں دی جا سکتی۔

اگر بچے کے قریبی رشتہ دار نہ ہوں جو اس کی پرورش کریں عورتیں بھی نہ ہوں اور مرد بھی نہ ہوں عصبات وذوی الارحام جو اوپر مذکور ہوئے بھی موجود نہ ہوں تو حق حضانت ان رشتہ داروں کو نہیں ملتا جو وارث نہیں بنتے جیسے نواسا، بھانجا، ماں شریک بھائی کا بیٹا، ماموں اور ماں شریک چچا چونکہ حق حضانت قوت وراثت پر ملتا ہے جبکہ یہ چیز ذوی الارحام میں سے مردوں میں نہیں پائی جاتی۔ یہ شافعیہ کی اصح رائے ہے۔

حنابلہ کی رائے حنفیہ جیسی ہے کہ اگر عصبات مفقود ہوں تو حضانت ذوی الارحام مردوں اور عورتوں کو حاصل ہوگی پھر ان کی اولاد کو حاصل ہوگی کما مر۔

اگر حقدار متعدد ہوں......اوپر بھی اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے چنانچہ اگر حضانت کے مستحقین متعدد ہوں مثلاً ایک درجہ کے بہت سارے حقدار ہوں جیسے بھائی بہنیں تو ان میں سے اس حقدار کو مقدم رکھا جائے گا جو بچے کے حق میں زیادہ بہتر ہو اگر اس میں سبھی برابر ہوں تو مقدار عمر میں زیادہ بڑا ہو اسے مقدم کیا جائے گا۔

حاضنہ اور باپ کی ذمہ داری...... حاضنہ سے مرد پرورش کرنے والی عورت ہے چنانچہ باپ کا فریضہ ہے کہ وہ بچے کے اخراجات برداشت کرے، اس کی بہتر تربیت کرے اسے زیور علم سے آراستہ کرنے کا انتظام کرے یا کوئی اچھا سا ہنر سکھلائے رہی بات لڑکی کی سوا سے کسی کام یا خدمت میں نہیں لگایا جائے گا چونکہ خدمت کے دوران وہ مستاجر (مالک) کے ساتھ تنہا بھی ہوگی اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔ ❶

حاضنہ خواہ ماں ہو یا کوئی اور عورت وہ پروردہ بچے کا نفقہ کپڑے اور اشیاء ضرورت قبضے میں لے اس میں اوقات کی حسب انتظام رعایت رکھی جائے، باپ حاضنہ کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ بچے کو میرے پاس بھیجو اور وہ کھانا کھا کر واپس آجائے گا چونکہ اس میں بچے کو تکلیف ہوگی۔ ❷

تیسری بحث: استحقاق حضانت کی شرائط...... محضون (پروردہ) کی شرائط: محضون کی اصطلاح عام ہے اس سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنے ذاتی معاملات کا مستقلاً خود انتظام نہ کر سکتا ہو جیسے کمسن بچہ، مجنون، معتوہ، تاہم حضانت کا مصداق یا تو بچے پر ہوتا ہے یا معتوہ پر رہی بات سمجھدار بالغ کی سوا سے حضانت کی ضرورت نہیں ہوتی، سمجھدار بالغ سے مراد ایسا شخص ہے جو والدین میں سے جس کے پاس اقامت رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔ سو اگر بالغ مرد ہو تو وہ روز مرہ کے شؤن میں خود مختار ہوتا ہے اور والدین سے مستغنی ہوتا ہے مستحب یہ ہے کہ وہ والدین سے الگ نہ ہو اور ان کے احسان کو فراموش نہ کرے، اور اگر بالغ فرد عورت ہو تو وہ والدین سے علیحدگی نہیں کر سکتی اگر

---

❶......الدر المختار وحاشية ابن عابدين ۲/۸۸۳ ❷ الشرح الصغير ۲/۷۶۴

تاہم ترجیح ممکن ہے مثلاً ایک بہن چچازاد بھائی کے نکاح میں ہو اور دوسری کسی اجنبی شخص کے نکاح میں ہو تو لامحالہ یہاں چچازاد کی منکوحہ کو حق حضانت دیا جائے گا اس لئے ترجیحات کا اعتبار ضروری ہے چونکہ حضانت کا دارومدار شفقت اور تربیت پر ہے۔

ایسا کرے بھی تو والدین اسے منع کریں کیونکہ اگر والدین سے علیحدہ رہے گی تو یہ خدشہ قوی ہو جاتا ہے کہ اجنبی لوگ اس کے پاس آنا جانا شروع کردیں اور اگر اس کا باپ نہ ہو تو اس کے سرپرست کو ممانعت کا اختیار حاصل ہوگا۔ ❶

پروران کی شرائط: پروروں کی شرائط تین اقسام کی ہیں:

۱ عام شرائط جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مشترک ہیں۔

۲ شرائط خاصہ جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔

۳ شرائط خاصہ جو مردوں کی ساتھ خاص ہیں۔ تاہم ان شرائط میں سے بعض متفق علیہ ہیں جیسے آزادی، عقل، بلوغ، قدرت، امانت، پرور (پرورش کرنے والی/ والا) بچے کا قریبی رشتہ دار ہو۔ بعض شرائط مختلف فیہ ہیں جیسے رشد اور اسلام۔ ❷

پہلی قسم، شرائط عامہ...... یہ شرائط عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں ہیں۔ تاہم پرور میں یہ شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔

۱۔ بلوغ...... یہ کہ پرورش کا ذمہ دار بالغ ہو، بچے کو پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا اگرچہ وہ ممیز ہی کیوں نہ ہو چونکہ بچہ تو ذاتی شئون کا انتظام نہیں کرسکتا دوسرے کے کیا۔

۲۔ عقل...... پرور عاقل ہو، مجنون اور معتوہ کو پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا چونکہ یہ دونوں دوسرے شخص کے محتاج ہوتے ہیں بھلا وہ کسی دوسرے کی دیکھ بھال کیسے کرسکتے ہیں۔

مالکیہ نے رشد (سمجھداری) کی شرط بھی عائد کی ہے چنانچہ سفیہ/فضول خرچ کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا یہ شرط اس لئے عائد کی ہے تاکہ پروردہ (بچے) کا مال ضائع نہ ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ پرور موذی مرض میں مبتلا نہ ہو جیسے جذام برص ایڈز وغیرھا۔ ان مرضوں میں مبتلا شخص کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا۔

۳۔ پروردہ کی تربیت پر قادر ہونا...... کمسن بچے کی اخلاقی تربیت اور صحت بحالی پر استطاعت رکھنا شرط ہے جو شخص بڑھاپے یا بیماری یا مشغولیت کی وجہ سے پروردہ کی تربیت پر قادر نہ ہو اسے حضانت کا حق حاصل نہیں ہوگا چنانچہ کام کاج میں مصروف عورت اور مزدور پیشہ عورت جو مصروفیت کی وجہ سے کمسن بچے کی پرورش نہ کرسکتی ہو وہ حضانت کی اہل نہیں ہوگی، البتہ اگر اس کا کام کمسن کی پرورش میں رکاوٹ نہ بنتا ہو تو اسے حق حضانت حاصل ہوگا چنانچہ مصر (اور دوسرے ممالک پاکستان میں بھی) عورتیں ہسپتالوں میں نرسنگ اور تدریس کے شعبوں سے منسلک ہیں ان کا حق حضانت ساقط نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے ایک کمسن بچے کے امور سنوار سکتی ہے اور اپنی معاون اور نائب سے مدد لے سکتی ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۷ کے تحت ان شرائط کی صراحت کی گئی ہے کہ حضانت کے لیے۔

اہلیت، بلوغ، عقل اور قدرت شرط ہے دفعہ ۱۳۹/ ۲ میں صراحت کی گئی ہے کہ مزدوری اور ملازمت کا پیشہ اپنانے سے عورت کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

نابینا شخص حضانت کا اہل نہیں ہوتا چونکہ اس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

---

❶ ...القوانين الفقهية ۲۲۵ المهذب ۲/ ۱۶۹ مغني المحتاج ۳/ ۲۵۲ المغني ۷/ ۶۱۴. ❷ البدائع ۴/ ۴۱ الدر المختار وابن عابدين ۲/ ۱۰۸ الشرح الصغير ۲/ ۷۵۸ مغني المحتاج ۳/ ۴۵۴ غاية المنتهى ۳/ ۲۴۹ كشاف القناع ۵/ ۵۷۹ المهذب ۲/ ۱۶۹.

۴۔ تحفظ اخلاق...... جس شخص کے متعلق اعتماد نہ ہو کہ اس کے زیر پرورش بچے کے اخلاق محفوظ رہیں گے یا نہیں مثلاً وہ فاسق ہو مرد ہو یا عورت ہو جو زنا میں مشہور ہوں یا حرام کا ارتکاب کرتے ہوں تو ایسے مرد یا عورت کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا، ابن عابدین نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ فسق مانع حضانت ہے جس سے بچے کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو، تاہم ماں کو حق حضانت حاصل ہوگا اگر چہ عورت فجور میں معروف ہو بشرطیکہ بچہ اتنی عمر کو نہ پہنچا ہو کہ وہ ماں کے فجور کو سمجھتا ہو۔ اس صورت میں بچہ عورت سے چھین لیا جائے گا تا کہ بچے کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔ چونکہ وہ اب قابل اعتماد نہیں رہی، رہی بات عصبہ میں سے فاسق مرد کی سوا سے حق حضانت نہیں ملے گا۔

مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ جس جگہ بچے کی پرورش کی جارہی ہو وہ فساد سے محفوظ ہو تاہم ایسے شخص کو حق حضانت نہیں ملے گا جس کا گھر فساق وفجار کا ٹھکانا ہو، یا اس گھر کے پڑوس میں فساق رہتے ہوں چونکہ بچے کے اخلاق بگڑنے کا قوی امکان ہے۔

۴۔ اسلام...... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط معتبر ہے، تاہم کافر کو مسلمان پر حق حضانت حاصل نہیں ہوگا چونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی نیز کافر مسلمان بچے کو اپنے دین کی طرف بھی لے جا سکتا ہے، حنفیہ اور مالکیہ نے اسلام کی شرط نہیں لگائی چنانچہ حاضنہ (دایہ) کتابیہ اور غیر کتابیہ بھی ہو سکتی ہے برابر ہے کہ وہ ماں ہو یا کوئی اور عورت ہو، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو مسلمان باپ اور مشرکہ ماں کے درمیان اختیار دیا تھا، تاہم لڑکا ماں کی طرف مائل ہوا تھا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا اللہ! اس لڑکے کی راہنمائی فرما، پھر لڑکا باپ کی طرف مڑ گیا۔ نیز حضانت کا دارو مدار شفقت پر ہے اور دین کے مختلف ہونے سے اس پہلو میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

غیر مسلمہ کے پاس پرورش میں بچہ کتنی مدت تک رہے گا۔ سو اس میں اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں بچہ غیر مسلم دایہ کے پاس سمجھ بوجھ پیدا ہونے تک رہے گا خواہ یہ حد بلوغ سے واضح ہو یا وہ اپنے امور دین سمجھنے لگے یا اس عبادت گاہ میں جانے لگے یا بچے کو غیر مسلم دایہ شراب نوشی کا عادی بنانے لگے یا خنزیر کا گوشت کھلوانے لگے مصر کی عدالتوں میں یہی رائے اختیار کی گئی ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں بچہ غیر مسلم دایہ کے پاس مدت حضانت کے مکمل ہونے تک رہے گا لیکن دایہ کو شراب اور خنزیر کے گوشت کی غذا دینے سے روکا جائے گا اگر حرام میں پڑنے کا خوف ہو تو حق حضانت کسی مسلمان کو سونپا جائے گا تا کہ بچہ فساد سے محفوظ رہے۔

اسی طرح اگر پرور مرد ہو تو اس کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کی رائے ہے کہ دایہ کے برخلاف اگر مرد کو حق حضانت حاصل ہو تو اس کا مسلمان ہونا شرط ہے چونکہ حضانت ولایت کی ایک قسم ہے اور اختلاف دین کے ہوتے ہوئے ولایت حاصل نہیں ہوتی نیز حنفیہ کے نزدیک حق حضانت کا دارو مدار وراثت پر ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے میراث نہیں حاصل ہوتی۔

مالکیہ...... کے نزدیک پرورش کرنے والے مرد کا مسلمان ہونا شرط نہیں جیسے حاضنہ کے لیے شرط نہیں، چونکہ مالکیہ کے نزدیک مرد کو بھی حق حضانت حاصل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عورتیں بھی ہوں جو بچے کے مختلف امور کو سنواریں جیسے مثلاً پرورش کی بیوی ماں، پھوپھی بیٹے وغیرہ چنانچہ حضانت حقیقت میں عورت کا حق ہے۔

دوسری نوع...... عورتوں کے بارے میں دوسری شرائط: عورت کے متعلق درج ذیل شرائط ہیں۔

۱ یہ کہ عورت کسی اجنبی کے نکاح میں نہ ہو جس کا بچے کے ساتھ کوئی رشتہ نہ بنتا ہو یہ شرط سابق حدیث کی وجہ سے متفق علیہ ہے۔ حدیث یہ ہے تو اس بچے کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تم نکاح نہ کرلو عقلی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بچے کے ساتھ بد دلی اور سنگدلی سے معاملہ کیا جائے گا، چونکہ یہ عورت خاوند کے حقوق میں مشغول رہ کر بچے سے غافل رہے گی۔

اگر حاضنہ (پرورش کرنے والی عورت) پرورده بچے کے کسی محرم قریبی رشتہ دار کے نکاح میں ہو جیسے مثلاً بچے کے چچا یا چچازاد بھائی کے نکاح میں ہو تو حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

۲ یہ کہ عورت بچے کی ذی رحم محرم ہو مثلاً ماں ہو یا بہن ہو یا دادی ہو۔ چچازاد بہنوں یا پھوپھی کو حق حضانت نہیں حاصل ہوگا، ماموں زاد بہنوں یا خالہ کو بھی حق نہیں ہوگا چونکہ محرمیت کا پہلو نہیں، جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ عورتوں کو حق حضانت حاصل ہوگا۔

۳ یہ کہ عورت مفت پرورش سے انکار نہ کرتی ہو اس حال میں کہ بچے کا باپ تنگدست ہو جو پرورش کی اجرت دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اگر باپ تنگدست ہو اور پرورش کے لیے دوسری عورت مفت پر تیار ہو تو پہلی عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ یہ شرط حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے۔

۴ پرورش کرنے والی عورت بچے کو ایسے گھر میں لے کر مقیم نہ ہو جس میں کوئی ایسا شخص ہو جو بچے کو ناپسند کرتا ہو چونکہ ایسے شخص کے ساتھ رہتے ہوئے بچے کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے یہ شرط مالکیہ کے نزدیک معتبر ہے مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ محضون (پرورده بچے) کا ولی یا حاضنہ چھ برید (۳۶ میل) یا اس سے زیادہ کا سفر نہ کرے اگر اتنا سفر کیا تو پرورده بچہ لے لیا جائے گا اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اگر بچہ شیر خوارہ ہو تو حاضنہ اسے دودھ پلاتی ہو اور اگر اس کے پستانوں میں دودھ نہ ہو یا عورت دودھ نہ پلاتی ہو تو اسے حق حضانت نہیں ملے گا چونکہ مرضعہ کو اجرت پر لینا باپ کی ذمہ داری ہے وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر حاضنہ کے پاس آئے گی اس میں باپ پر تنگی ہوگی۔ لہٰذا باپ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی جائے گی۔

تیسری نوع، مردوں کے ساتھ مخصوص شرائط...... اگر پرورش کنندہ مرد ہو تو اس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱ اگر پرورده مشتہاۃ لڑکی ہو تو پرورش کنندہ مرد اس کا محرم ہو۔

مشتہاۃ کی عمر کی تحدید...... چنانچہ حنفیہ کے نزدیک سات سال ہے، محرم کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ تنہائی کی صورت میں فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر لڑکی مشتہاۃ نہ ہو تو پرورش کنندہ کے لئے یہ شرط نہیں ہوگی، چونکہ اس صورت میں فتنے کا اندیشہ نہیں ہوگا، تاہم چچا زاد بھائی کو مشتہاۃ چچازاد بہن کی پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا، حنفیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ لڑکی کا کوئی اور محرم نہ ہو اور فتنے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔

اسی طرح حنابلہ نے غیر محرم کی پرورش کو بھی جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ قابل اعتماد شخص ہو شافعیہ نے بھی جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ غیر محرم کی بیٹی یا بہن پرورده لڑکی کی رفاقت اختیار کرے۔

۲ ...... یہ کہ پرورش کنندہ کے یہاں کوئی عورت مثلاً بہن، بیوی یا بیٹی موجود ہو جو پرورش کی صلاحیت رکھتی ہو، چونکہ مرد بچوں کے احوال پر صبر نہیں کر سکتے اور اگر پرورش کنندہ مرد کے ہاں کوئی عورت مقیم نہ ہو تو اسے حق حضانت نہیں ملے گا یہ شرط مالکیہ کے ہاں ہے۔

مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ پرورش کنندہ پرورده (بچے) کو چھوڑ کر چھ برید (۷۲ میل) کا سفر نہ کرے اگر اتنی مسافت کا سفر کیا تو پرورده لے لیا جائے گا الا یہ کہ پرورش کنندہ اسے اپنے ساتھ سفر پر لے جائے بشرطیکہ راستہ پر امن ہو۔

شرائط: حضانت کے زیر اثر امور...... اول سقوط پرورش: مالکیہ کے نزدیک حق حضانت کے ساقط ہونے کے چار اسباب

ہیں ان اسباب میں سے اکثر میں دوسرے فقہاء نے بھی مالکیہ کی موافقت کی ہے۔

ا..... یہ کہ پرورش کنندہ کہیں دور کا سفر کرے اس سفر کی مسافت چھ برید یعنی ۷۲ میل ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اگر پرورش کنندہ نے اتنی مسافت کا سفر کیا تو ولی پروردہ کو اس سے لے سکتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر مطلقہ ماں بچے کو اتنا دور لے جائے کہ باپ بچے کی زیارت کر کے رات کو گھر واپس نہ آ سکتا ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں اگر کسی ایسی جگہ پرورش کنندہ نے سفر کیا جہاں امن وامان کی صورت حال مخدوش ہو تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ حنابلہ کہتے ہیں اگر حاضن نے مسافت قصر کے بقدر سفر کیا تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

۲..... پرورش کنندہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو جائے تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا جیسے جنون، جذام، برص وغیرہ، حنابلہ نے بھی اس شرط کی موافقت کی ہے۔

۳..... فسق وفجور اور دینداری کی کمی بھی سقوط حضانت کا سبب ہے چونکہ بچے کی اصلاح خدشے میں پڑ جائے گی اور پرورش کا مقصد فوت ہو جائے گا یہ سبب متفق علیہ ہے، سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۴۷ / ۳ کے تحت اس شق کو اختیار کیا گیا ہے۔

۴..... بچہ اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کی پرورش میں ہو اور اس کی شادی ہو جائے اور رخصتی عمل میں آ جائے، الا یہ کہ اگر بچے کی پرورش دادی کر رہی ہو اور اس کا نکاح بچے کے نانا (یا نانی پرورش کر رہی ہو اور اس کا نکاح بچے کے دادا) سے ہو جائے تو حق حضانت ساقط نہیں ہوگا چونکہ دادا اور چچا بچے کے محرم ہوتے ہیں یہ سبب بھی متفق علیہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پرورش کنندہ کے کافر ہو جانے سے بھی حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے۔ ❶

دوم: سقوط کے بعد دوبارہ حق حضانت کا مل جانا..... اگر کسی مانع کی وجہ سے حق حضانت ساقط ہو جائے تو کیا مانع زائل ہونے کے بعد حق حضانت دوبارہ حقدار کو مل جائے گا؟ اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

مالکیہ..... کہتے ہیں اگر حق حضانت کسی عذر مثلاً بیماری خوف یا سفر کی وجہ سے ساقط ہو جائے اور پھر عذر جاتا رہے بایں طور کہ پرورش کنندہ صحتمند ہو جائے یا سفر سے واپس آ جائے تو پرورش کنندہ کو حق حضانت دوبارہ حاصل ہو جائے گا چونکہ یہ عذر اضطراری تھا جو جاتا رہا اور جب مانع جاتا رہتا ہے تو ممنوع پھر سے حاصل ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر حاضنہ کی اجنبی شخص سے شادی ہو جائے جو پروردہ کے لیے غیر محرم ہو اور دخول بھی ہو چکا ہو یا عورت نے اپنے اختیار سے بلا عذر سفر کیا ہو پھر عورت کو طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند مر جائے یا سفر سے واپس لوٹ آئے تو اسے حق حضانت دوبارہ حاصل نہیں ہوگا چونکہ حق حضانت عورت کے اختیار سے ساقط ہوا ہے لہٰذا اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: جب کسی مانع کی وجہ سے حق حضانت ساقط ہو جائے پھر وہ مانع جاتا رہے تو حق حضانت پرورش کنندہ کو دوبارہ حاصل ہو جائے گا برابر ہے کہ عذر اضطراری ہو یا اختیاری۔

شافعیہ کے نزدیک مطلقہ عدت کے عرصہ میں حضانت کی مستحق ہوتی ہے۔ بشرطیکہ طلاق دہندہ راضی ہو۔

حنابلہ کے نزدیک مطلقہ حضانت کی مستحق ہوتی ہے خواہ طلاق رجعی ہو اور عدت نہ بھی گزاری ہو۔

❶..... القوانين الفقهية ۲۲۴ الشرح الصغير ۲/ ۷۵۹ الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۸۸۰ المغنی ۷/ ۶۱۸ مغنی المحتاج: ۳/ ۴۵۶ كشاف القناع ۵/ ۵۷۹ الدر المختار ۲/ ۸۸۰ الشرح الصغير ۲/ ۷۶۳ مغنی المحتاج ۳/ ۴۵۶ كشاف القناع ۵/ ۵۸۰۔

سوریا کے قانون دفعہ ۱۴۱ کے تحت جمہور کی رائے اختیار کی گئی ہے۔

سوم، کیا ماں کو پرورش پر مجبور کیا جاسکتا ہے...... دراصل یہ بحث ایک اور مسئلہ سے متفرع ہوتی ہے کہ آیا پرورش حاضنہ کا حق ہے یا بچے کا حق ہے۔ ❶

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر ماں بچے کی پرورش سے انکار کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کی جاتی ہاں البتہ اگر ماں یا کوئی اور عورت متعین ہو جائے مثلاً بچہ کسی اور کے پستان پکڑتا ہی نہ ہو یا باپ کے پاس مال ہی نہ ہو یا حضانت کے لیے کوئی اور عورت دستیاب ہی نہ ہو شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ کا (مشہور) قول یہی ہے، بنابر ایں ماں کو حق حضانت کے اسقاط کا حق حاصل ہے اور جب وہ دوبارہ حق لینا چاہے تو مالکیہ کے نزدیک اسے حق حاصل نہیں ہوگا۔

اگر بچے کا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں کو حضانت پر مجبور کیا جائے گا۔

ایک اور قول کے مطابق ماں کو حضانت پر مجبور کیا جائے گا اس لیے خلع سے عورت کو حق پرورش کے اسقاط کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر عورت نے مرد کے ساتھ اس شرط پر خلع کیا کہ وہ خاوند کو حق حضانت چھوڑ ے گی یا خاوند نے شرط لگائی کہ بچہ اس کے پاس رہنے دیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک خلع صحیح ہوگا لیکن شرط باطل ہوگی حاضنہ بچے کو لینے کا اختیار رکھتی ہے سوریہ کے قانون میں اسی کو دفعہ ۱۰۳ کے تحت اختیار کیا گیا ہے۔

چہارم: صاحب حق کا حضانت سے خاموش رہنا:

مالکیہ کہتے ہیں...... جب صاحب حق مطالبہ حضانت سے خاموشی اختیار کرے تو اس کا حق مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔

۱...... یہ کہ اسے حق حضانت کا علم ہو اگر صاحب حق کو حضانت کا علم نہ ہو اور وہ حضانت کے مطالبہ سے خاموش رہے تو اس کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔ اگر چہ مدت سکوت طویل ہو جائے۔

۲...... اسے یہ بھی علم ہو کہ اس کے سکوت سے حق حضانت ساقط ہو جائے گا اگر وہ اس سے جاہل اور ناواقف ہو تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔

۳...... یہ کہ اس کے استحقاق حضانت کے علم کی تاریخ سے ایک سال گزر جائے تو حق ساقط ہو جائے گا اور اگر ایک سال سے کم مدت گزری ہو اور وہ مطالبہ کرتا ہو تو حق ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس کے حق میں حضانت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر حاضنہ نے کسی اجنبی سے شادی کر لی اور رخصتی بھی عمل میں آئی بوجہ نکاح علم نہ ہو کہ حضانت کس کی طرف منتقل ہوگی حتیٰ کہ خاوند نے عورت کو طلاق دیدی یا وہ وفات پا گیا تو اس کا حق حضانت بدستور باقی رہے گا۔

چوتھی بحث: پرورش کی اجرت اور اس کے متعلقات سکنی اور خدمت، کیا پرورش کی اجرت واجب ہے...... اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں ❷ جمہور حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک پرورش کنندہ کے لئے حضانت کی اجرت نہیں ہوگی برابر ہے کہ پرورش کنندہ ماں ہو یا کوئی اور چونکہ اگر بچے کی ماں کسی کے نکاح میں ہے تو وہ نفقہ کی پہلے سے مستحق ہے اور اگر ماں کے علاوہ کوئی اور

❶ الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۲/۸۷۵ الشرح الصغیر ۲/۷۶۳ مغنی المحتاج ۳/۴۵۶ المغنی ۷/۶۱۵۔

❷ الدر المختار وردالمحتار ۲/۸۷۶ الشرح الکبیر ۲/۷۶۵ الفتاوی الھندیۃ ۱/۴۸۴۔

عورت ہے تو اس کا نفقہ کسی اور کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر بچے کو کھانا کی ضرورت ہو جسے پکانا پڑتا ہو اور اس کے کپڑے دھونے کی ضرورت ہو تو اس صورت میں پرورش کنندہ کو اجرت ملے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر حاضنہ (پرورش کرنے والی عورت) پرورد ہ کے باپ کے نکاح میں ہو یا اس کی عدت میں ہو تو وہ اجرت کی مستحق نہیں ہوگی جیسے وہ دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق نہیں ہوتی کیونکہ دیانۃً اس عورت پر بچے کی پرورش واجب ہے نیز عورت باقاعدہ سے نفقہ کی مستحق ہوتی ہے چونکہ وہ یا تو بیوی ہے یا خاوند کی عدت میں ہے وہ نفقہ حضانت کے لیے بھی کافی ہے۔

البتہ بیوی کے علاوہ کوئی اور عورت بچے کی پرورش کر رہی ہو تو وہ اجرت کی مستحق ہوگی یہ اجرت رضاعت کی اجرت کے علاوہ ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۴۳ کے تحت حنفیہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔

ماں اور مفت حضانت کرنے والی عورت کے درمیان فضیلت:

حنفیہ...... جو عورت مفت میں دودھ پلائے وہ ماں پر مقدم رکھی جائے گی جبکہ ماں بغیر اجرت کے دودھ پلانے پر راضی نہ ہو رہی بات مفت میں پرورش کرنے والی عورت کی سو اگر وہ بچے کی غیر محرم ہو تو اسے پرورش میں مقدم نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ بچے کی محرم ہو تو مقدم ہوگی بشرطیکہ جب اجرت بچے کے مال میں سے ہو یا باپ تنگدست ہو۔ان دو حالتوں کے علاوہ کسی اور حالت میں متبرعہ کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔

فرق کا سبب...... رضاعت کا مقصد بچے کو غذا دینا ہے اور یہ مقصد محارم کے علاوہ کسی اور عورت سے بھی حاصل ہو سکتا ہے رہی بات حضانت کی سو اس کا مقصد بچے کی تربیت ہے اور یہ مقصد دیکھ بھال اور اہتمام سے حاصل ہوتا ہے اور یہ امور شفقت اور مہربانی کے محتاج ہیں جبکہ قریبی رشتہ دار عورت دور کی رشتہ دار عورت سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

پرورش والے گھر اور خادم کی اجرت...... حنفیہ کا مختار قول اور مالکیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر پرورد ہ اور پرورش کنندہ کے پاس گھر نہ ہو تو اجرت پر گھر لینا واجب ہے یہ اجرت بچے کے مال سے ادا کی جائے گی اور اگر بچے کے پاس مال نہ ہو تو باپ پر واجب ہوگی۔ اگر بچے کو خادم کی ضرورت ہو تو اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ خادم کی اجرت واجب ہوگی کیونکہ خادم زندگی کا لازم ہے بظاہر دوسرے مذاہب کا بھی اسی رائے پر اتفاق ہے۔

پرورش کے اخراجات کا ذمہ دار کون ہوگا...... جمہور کی رائے ہے کہ پرورش کے اخراجات بچے کے مال میں سے ہوں گے اگر بچے کے پاس مال نہ ہو تو باپ پر لازم ہوگا باپ نہ ہو تو علی ترتیب الوراثت دوسرے رشتہ داروں پر لازم ہوگا۔ کیونکہ اخراجات کی ادائیگی ہی سے بچہ محفوظ و مامون رہ سکتا ہے۔ جب اجرت واجب ہو جائے گی پھر مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوگی اور نہ ہی ذمہ دار کی موت سے نہ محضون کی موت سے اور نہ ہی حاضنہ کی موت سے ساقط ہوگی۔

مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ پرورد ہ اور پرورش کنندہ جس گھر میں رہ رہے ہوں تو اس گھر کا کرایہ والد کے ذمہ واجب ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۴۲ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ حضانت کی اجرت اس شخص پر لازم ہوگی جس کی ذمہ بچے کے اخراجات ہوں۔

پرورش کے اخراجات کا ابتداءً استحقاق...... حضانت کے اخراجات یعنی اجرت، مسکن اور خادم کے اخراجات کی ابتداء

حنفیہ کی رائے کے مطابق ایسے ہی ابتداء کی جائے گی جیسے اجرت رضاعت کی ابتدا کی جاتی ہے اجرت حضانت کو اجرت رضاعت پر قیاس کیا گیا ہے اگر شہر میں حضانت کی متعین اجرت پر اتفاق ہو یا عدالت کا حکم موجود ہو تو جس دن اتفاق ہو اسی دن سے اجرت کی ابتدا کی جائے گی۔

اگر اجرت کا اتفاق نہ ہو اور نہ ہی کوئی عدالتی حکم ہو پھر اگر حاضنہ ماں کے علاوہ کوئی اور عورت ہو تو وہ تاریخ اتفاق یا قاضی کے حکم کی تاریخ سے اجرت کی مستحق ہوگی۔

اور اگر پرورش ماں ہو تو عدت گزرنے کے بعد وہ اس وقت سے اجرت کی مستحق ہوگی جب اس نے پرورش شروع کی اس کا استحقاق باہمی رضامندی یا قاضی کے حکم پر موقوف نہیں ہوگا۔ مصر کے قانون میں ماں اور غیر ماں میں رضاعت اور حضانت میں فرق کیا ہے۔

پانچویں بحث: پرورش کی جگہ اور بچے کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا اور بچے سے ملاقات کرنے کا حق:

پرورش کی جگہ...... اگر زوجین کے درمیان زوجیت قائم ہو تو زوجین کا گھر پرورش کی جگہ ہوگی پرورش کی جگہوں کی تعین کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں جو قریب قریب ایک جیسی ہیں۔ ❶

حنفیہ نے درج ذیل تفصیل بیان کی ہے۔

الف اگر بچے کی پرورش کی ذمہ داری ماں نبھا رہی ہو جبکہ زوجیت قائم ہو یا ماں طلاق یا وفات کی عدت میں ہو تو پرورش کی وہی جگہ ہوگی جہاں عورت اپنے خاوند کے ساتھ مقیم ہو ماں بچے کو لے کر کہیں اور منتقل نہیں ہو سکتی الا یہ کہ خاوند اسے اجازت دے چونکہ بیوی اپنے خاوند کے تابع ہوتی ہے۔ جبکہ معتدہ پر لازم ہے کہ وہ زوجیت والے مکان میں مقیم رہے برابر ہے کہ بچے کے ساتھ مقیم ہو یا بچے کے بغیر۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

طلاق یافتہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں الا یہ کہ وہ کھلم کھلا کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔

ب اگر بچے کی ماں طلاق یافتہ ہو اور اس کی عدت گزر چکی ہو تو پرورش کی جگہ وہ مکان ہے جہاں مطلقہ کا خاوند مقیم ہو ماں بچے کو لے کر ایسے شہر کی طرف نہیں جا سکتی کہ جہاں والد بچے کو دیکھنے نہ جا سکتا ہو یعنی دن دن میں دیکھ کر شام کو گھر واپس نہ لوٹ سکتا ہو۔ الا یہ کہ عورت اپنے وطن بچے کو لے کر منتقل ہو گئی ہو یا اس شہر میں عورت نے دوسری شادی کر لی ہو چنانچہ جب دونوں شرطیں یعنی وطن اور عقد کی جگہ کا ہونا پائی جائیں تو ماں پروردہ بچے کو لے کر منتقل ہو سکتی ہے اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو منتقل ہونا جائز نہیں اگر منتقل ہوئی تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

ج...... اگر پرورش کی ذمہ داری ماں کے علاوہ کسی اور عورت کو حاصل ہو مثلاً دادی بہن، یا خالہ یا پھوپھی تو وہ بچے کو لے کر کسی دوسرے شہر میں منتقل نہیں ہو سکتی الا یہ کہ بچے کا باپ اجازت دے اور اس کی رضامندی شامل ہو۔ اگر وہ باپ کی اجازت کے بغیر منتقل ہو گئی تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

مالکیہ...... اگر مطلقہ کی عدت پوری ہو جائے تو بچے کی پرورش کی جگہ وہ مکان ہوگا جہاں بچے کا والد رہا ہو تا ہم حاضنہ بچے کو

❶ ...... الفتاوی الهندية ۱/۴۸۴ الدر المختار ۲/۸۸۴ الكتاب مع اللباب ۳/۱۰۴ فتح القدير ۳/۳۱۹ القوانين الفقهية ۲۲۴ الشرح الصغير ۲/۷۶۲ المهذب ۲/۱۷۲ مغني المحتاج ۳/۴۵۸ غاية المنتهى ۳/۲۵۰ المغني ۷/۶۱۸۔

لے کر ۱۳۳ کلومیٹر کی مسافت کے برابر سفر نہیں کر سکتی اگر اس مسافت سے زیادہ سفر کیا تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا کیونکہ بچے کو باپ کی نگرانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔تاہم اگر عورت نے تجارت یا حج یا روضۂ رسول کی زیارت کے لئے سفر کیا تو اس کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

شافعیہ......کا مذہب ہے کہ اگر زوجین میں طلاق کی وجہ سے علیحدگی ہوگئی ہو زوجین میں سے کوئی ایک تجارت یا حج کی غرض سے سفر پر جائے جبکہ بچہ ممیّز ہو تو زوجین میں سے جو مقیم ہو بچہ اس کے پاس رہے یہاں تک کہ مسافر واپس آ جائے اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے سفر کیا ہو تو باپ حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا بشرطیکہ راستہ پر امن ہو اگر سفر پر خطر ہو یا جس شہر میں سفر کیا جا رہا ہو وہاں امن کی حالت تشویشناک ہو تو مقیم بچے کی حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا۔

حنابلہ......کی رائے ہے کہ جب والدین میں سے کوئی ایک دوسرے شہر میں منتقلی کا ارادہ کرے جبکہ سفر مسافت قصر یا اس سے زیادہ ہو تو پرورکا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔اور باپ حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا بشرطیکہ منتقلی سے حاضنہ کو اذیت پہنچانے کا ارادہ نہ ہو اگر منتقلی سے ماں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

باپ یا اس کے قائم مقام کا کسی دوسرے شہر کی طرف منتقل ہونا:

حنفیہ کی رائے......(۱) باپ یا ولی بچے کو ماں کے شہر سے اس کی اجازت کے بغیر کہیں اور نہیں لے کر جا سکتا اگر باپ نے حاضنہ کے شہر کے علاوہ دوسرے کسی شہر میں منتقلی کی تو حاضنہ کا حق پرورش بحال رہے گا باپ کی منتقلی سے حاضنہ کا حق ساقط نہیں ہوتا برابر ہے کہ شہر قریب ہو یا دور، برابر ہے کہ سفر اقامت کے قصد سے ہو یا تجارت کی غرض سے۔

مالکیہ......(۲) نے حاضنہ اور بچے کے سرپرست میں یکسانیت رکھی ہے چنانچہ اگر ولی سفر کرے برابر ہے ولی حقیقی ہو جیسے باپ یا ولی عصبہ ہو جیسے چچا سفر وطن و اقامت کی غرض سے ہو جبکہ حاضنہ کے شہر سے مسافت سفر ۲۷ میل کے برابر ہو تو ولی حاضنہ سے بچہ واپس لے سکتا ہے اور عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا ہاں البتہ عورت اگر ولی کے ہمراہ سفر کرے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔
ان کی دلیل یہ ہے کہ حضانت میں ولی کا حق حاضنہ سے قوی ہوتا ہے چونکہ روحانی تربیت بدنی تربیت پر مقدم ہے جبکہ ولی روحانی تربیت پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

شافعیہ......(۳) نے سفر حاجت اور سفر منتقلی میں فرق کیا ہے اگر ولی یا حاضنہ سفر حاجت کرے اور بچہ ممیّز ہو تو وہ مقیم کے پاس رہے گا تاوقتیکہ مسافر سفر سے واپس آ جائے۔
اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا ارداہ سفر کا ہو تو باپ زیادہ حقدار ہوگا بشرطیکہ راستہ پر امن ہو اور شہر بھی پر امن ہو۔

حنابلہ......(۴) کا موقف شافعیہ جیسا ہے کہ اگر والدین میں سے کسی ایک کا ارادہ سفر کا ہو اور سفر مسافت قصر یا اس سے زیادہ کا ہو اور شہر اور راستہ پر امن ہو اور سفر کی غرض شہر میں سکونت اختیار کرنا ہو تو باپ حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا برابر ہے کہ باپ مقیم ہو یا مسافر چونکہ باپ ہی تو بچے کی تربیت کا ذمہ دار ہوتا ہے چنانچہ اگر بچہ باپ کے شہر میں موجود نہ ہو تو ضائع ہو جائے گا۔

---

(۱)...... الدر المختار ۸۸۵/۲۔ (۲) الشرح الصغیر ۷۶۱/۲ (۳) مغنی المحتاج ۴۵۸/۳ (۴) کشاف القناع ۵۸۱/۵

بچے کو دیکھنے کا حق...... پرورش کرنے والے کے علاوہ والدین میں سے ہر ایک کو بچے کی زیارت کا حق حاصل ہے اس پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ تفصیلی اعتبار سے فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں...... ❶ اگر بچہ حاضنہ کے پاس ہو تو بچے کے باپ کو دیکھنے کا حق حاصل ہوگا حاضنہ (دایہ) بچے کو ایسی جگہ رکھے جہاں باپ بچے کو ہر وقت دیکھ سکتا ہو اگر بچہ باپ کے پاس ہو اس لیے کہ ماں کا حق حضانت ساقط ہوگیا ہو یا مدت حضانت مکمل ہو چکی ہو تو ماں کو بچہ دیکھنے کا حق حاصل ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ باپ بچے کو ایسی جگہ باہر نکال دے جہاں ماں بچے کو جس وقت چاہے دیکھ سکے۔ دیکھنے کی آخری حد ہفتہ میں ایک بار ہے جیسے عورت ہفتہ میں ایک بار اپنے والدین سے مل سکتی ہے۔ خالہ ماں کے حکم میں ہے البتہ مصر میں یہ قانون ہے کہ عورت مہینے میں ایک بار ملاقات کرسکتی ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: ❷ ماں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چھوٹی اولاد کو ہر روز ایک مرتبہ مل سکتی ہے، اور بالغ اولاد کو ہفتہ میں ایک بار ملنے کا حق رکھتی ہے باپ بھی ماں کی طرح ہے جبکہ باپ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد ان کی تعلیم وتربیت کے لیے دیکھ بھال کرے۔

شافعیہ...... کی رائے ہے ❸ کہ اگر بچہ ممیز ہو اور اس نے باپ کے ساتھ رہنا اختیار کیا ہو تو باپ بچے کو ماں کی ملاقات سے نہیں روک سکتا۔ جبکہ لڑکی کو ماں سے ملاقات کرنے سے باپ روک سکتا ہے اگر لڑکی نے باپ کے ساتھ رہنا پسند کیا ہو چونکہ ماں سے ملاقات کرنے کی صورت میں لڑکی کو گھر سے باہر نکلنا پڑے گا جو پردے کے خلاف ہے البتہ ماں لڑکی سے ملنے آسکتی ہے۔
باپ پروردہ کی ماں کو پروردہ سے ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا، پروردہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی چونکہ ملاقات سے روکنے میں قطع رحمی ہے دو تین دنوں میں ایک بار ملاقات ہو ہر دن ملاقات نہ ہو۔
اگر پروردہ بچہ بیمار ہو جائے تو ماں اس کی تیمارداری کی زیادہ حقدار ہے خواہ پروردہ لڑکا ہو یا لڑکی چونکہ ماں تیمارداری کا فریضہ زیادہ حسن وخوبی سے انجام دے سکتی ہے اور اس مشقت طلب امر پر صبر کرسکتی ہے۔ تیمارداری باپ کے گھر میں ہوگی بشرطیکہ باپ راضی ہو اور اگر راضی نہ ہو تو ماں اپنے گھر لے جائے۔ دونوں صورتوں میں خلوت سے اجتناب کرنا ہوگا چونکہ باپ نے بچے کی ماں کو طلاق دی ہوئی ہے۔

حنابلہ...... کی رائے شافعیہ جیسی ہے۔ اگر ممیز بچے نے باپ کے ساتھ رہنا پسند کیا ہو اور وہ شب وروز باپ کے پاس رہتا ہو تو باپ ماں کو بچے کی ملاقات سے نہیں روک سکتا اور ماں باپ کو بچے کی تیمارداری سے نہیں روک سکتی، اور اگر ممیز بچے نے ماں کے پاس رہنے کو پسند کیا ہو تو بچہ رات کو ماں کے پاس رہے اور دن کو باپ کے پاس رہے تاکہ دن کے وقت باپ بچے کی تربیت کرسکے۔
رہی بات لڑکی کی سو اس کی عمر کے سات سال پورے ہونے کے بعد شادی تک باپ کے پاس رہے گی تاہم والدین میں سے کوئی بھی دوسرے کو لڑکی سے ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا۔ چونکہ ملاقات سے روکنے میں قطع رحمی ہے، ملاقات میں یہ خیال رہے کہ لڑکی کے ماں باپ کی خلوت نہ ہو اور ملاقاتی زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے۔ چونکہ ماں بائنہ ہونے کی وجہ سے اجنبیہ ہو چکی ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ لڑکی انتظار کرے جب اس کا باپ کام کاج کے لئے گھر سے چلا جائے تو اس کی ماں ملاقات کے لیے آئے تاکہ غیر محرم مرد غیر محرم عورت کا کلام بھی نہ سنے چونکہ سماع سے تلذذ اٹھانا حرام ہے اور اگر لڑکی بیمار ہو جائے تو ماں اس کی تیمارداری کا زیادہ حق رکھتی ہے اور تیمارداری باپ کے گھر میں کرے۔

❶ ...... الدر المختار ورد المحتار ۲/۸۸۵۔ ❷ الشرح الكبير والدسوقی ۲/۵۱۲ الشرح الصغير ۲/۷۶۲۔ ❸ مغنی المحتاج: ۳/۲۵۷۔

ماں بیٹی سے ملاقات کرے اور لڑکا ماں سے ملاقات کرنے جائے اسی پر لوگوں کا رواج ہے۔

چھٹی بحث: پرورش کی مدت اور اختتام مدت پر بچے کو باپ کے ساتھ ملانے پر مرتب ہونے والے امور:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بچے کی پرورش کی ابتداء پیدائش سے شروع ہوتی ہے تاوقتیکہ بچہ سن تمیز کو پہنچ جائے آیا کہ سن تمیز کے بعد پرورش باقی رہتی ہے یا نہیں سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: ❶ حاضنہ (پرورش کنندہ) ماں ہو یا کوئی اور عورت وہ بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے تاوقتیکہ وہ عورتوں کی خدمت سے بے نیاز ہو جائے اور وہ خود کھانا پینا، کپڑے پہننا اور استنجاء کرنا شروع کر دے اس مدت کا تخمینہ سات سال سے لگایا گیا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم لوگ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو حالانکہ ان کی عمر سات سال ہو۔ لامحالہ نماز کا حکم تبھی دیا جائے گا جب بچہ پاکی حاصل کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ ایک اور قول کے مطابق نو سالوں کی مدت مقرر کی گئی ہے۔

ماں اور دادی لڑکی کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہیں تاوقتیکہ اسے حیض آنے لگے یا انزال ہو جائے یا بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔ چونکہ جب لڑکی دوسری عورتوں کی معاونت سے بے نیاز ہو جاتی ہے تو عورتوں کے آداب سیکھتی ہے، سن بلوغ کے بعد لڑکی کی حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس فریضہ کو باپ حسن وخوبی سے انجام دے سکتا ہے لڑکی نو یا گیارہ سال کی بالغ ہو جاتی ہے۔

لڑکی اور لڑکے میں فرق کی وجہ: کا دارومدار قیاس پر ہے دوسری وجہ یہ کہ پرورش لڑکی اور لڑکے کی سن بلوغت تک موقوف ہوتی ہے۔ یا اس فرق کی اصل صحابہ کا اجماع ہے کیونکہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمر کے بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ تابلوغ ماں کے پاس رہے الا یہ کہ قبل ازیں اس کی ماں شادی کر جائے تاہم لڑکی کے بارے میں حکم اصل قیاس پر رہے گا چونکہ جب لڑکا پروش سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسے تربیت اخلاق اور حصول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور اس فریضہ کو باپ کی نگرانی میں حسن وخوبی سے انجام دے سکتا ہے۔ جبکہ لڑکی عورتوں کے اخلاق وعادات امور خانہ داری کے سیکھنے کی محتاج ہوتی ہے اور عورتیں اس فریضہ کو پورا کرسکتی ہیں پھر جب بالغ ہو جاتی ہے تو اسے حفاظت ونگرانی کی ضرورت ہوتی ہے اور نگرانی کا فریضہ مرد بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں ❷ لڑکے کی پرورش تابلوغ برابر جاری رہے گی، خواہ لڑکا مجنون ہو یا مریض، یہ مالکیہ کا مشہور قول ہے۔ لڑکی کی پرورش شادی تک جاری رہے گی اگرچہ ماں کافرہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو طلاق یافتہ ہو یا بیوہ ہو۔ رہی بات اس عورت کی جو خاوند کے نکاح میں ہو تو لڑکی کی پرورش کرنا زوجین کا حق ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بچے کو پرورش کا اختیار نہیں دیا جائے گا چونکہ بسا اوقات بچہ ایسے فریق کا انتخاب کرتا ہے جس کے ہاں وہ کھیل کود کرتا ہو۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: ❸ اگر زوجین میں علیحدگی ہوگئی ہو اور ان کا بچہ ہو خواہ ممیّز ہو لڑکا ہو یا لڑکی اور اس کی عمر سات یا آٹھ سال کی ہو چکی ہو تو میاں بیوی بچے کی پرورش کرنے کے زیادہ لائق ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اگر زوجین میں سے کسی ایک کو دینداری یا محبت اولاد میں

---

❶......البدائع ۴/۴۲ الدر المختار ۲/۸۸۱۔ ❷الشرح الصغیر ۲/۷۵۵ القوانین الفقھیة ۲۲۴۔ ❸المھذب ۲/۱۷۱ مغنی المحتاج:۳/۴۵۶

برتری فاصل ہواور پرورش کے متعلق جھگڑ رہے ہوں تو بچے کو اختیار دیا جائے گا بچے جس کے پاس چاہے رہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو ماں اور باپ کے درمیان اختیار دیا تھا۔

اگر بچہ والدین میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اور وہ کفالت سے انکار کر دے تو کفالت کی ذمہ داری دوسرے پر آ جائے گی اگر انکار کرنے والا پھر رجوع کرے تو دوبارہ بچے کو اختیار دیا جائے گا اگر والدین پرورش سے انکار کریں تو ان کے بعد کے مستحقین جیسے دادا اور دادی کے درمیان بچے کو اختیار دیا جائے گا۔ ورنہ جس پر بچے کا خرچہ لازم ہوگا اسے حضانت پر مجبور کیا جائے گا چونکہ حضانت بھی کفالت کا حصہ ہے۔ ❶

اسی طرح بچے کو ماں اور دادا کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ اسی طرح بھائی اور چچا کے درمیان اختیار دیا جائے گا، اگر بچے نے کسی ایک کو اختیار کر لیا پھر بچہ دوسرے کی طرف متوجہ ہوا تو بچے کو دوسرے کے سپرد کیا جائے گا۔ چونکہ بسا اوقات بچے کے لیے کوئی بھلائی کا امر ظاہر ہو جاتا ہے یا بچہ طرفین کا لحاظ رکھتا ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں ❷ جب بچہ سات سال کا ہو جائے اور معتوہ نہ ہو اگر بچے کے والدین اس کی پرورش کے متعلق جھگڑ رہے ہوں تو بچے کو دونوں کے درمیان اختیار دیا جائے گا جیسا کہ شافعیہ کا موقف ہے بچہ جس کو اختیار کرے اسی کے ساتھ رہے گا اگر بچے نے والدین میں سے کسی ایک کو اختیار کیا تو بچہ اسی کے سپرد کیا جائے گا پھر اگر بچے نے دوسرے کو اختیار کیا تو اس کے سپرد کیا جائے گا۔

لڑکے کو ماں اور عصبہ کے درمیان اختیار دیا جائے گا چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمارہ جرمی کو ماں اور چچا کے درمیان اختیار دیا تھا لڑکے کو دو شرطوں کے ساتھ اختیار دیا جائے گا۔

۱۔ یہ کہ والدین اور ان کے علاوہ دوسرا دعویدار پرورش کے اہل ہوں اگر ایک فریق پرورش کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو دوسرا فریق پرورش کے لئے متعین ہو جائے گا۔

۲۔ یہ کہ لڑکا معتوہ نہ ہو، اگر معتوہ ہو تو وہ ماں کے پاس رہے گا اور اسے اختیار نہیں دیا جائے گا۔ چونکہ معتوہ بچہ کے مترادف ہوتا ہے اگر چہ وہ بڑا ہی کیوں نہ ہو۔

رہی بات لڑکی کی سو جب وہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو باپ اس کی حفاظت کا زیادہ حقدار ہے حنابلہ کے نزدیک لڑکی کو اختیار نہیں دیا جائے گا اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے۔

لیکن اگر لڑکی ماں کے پاس ہو یا باپ کے پاس ہو تو وہ دن رات اسی کے پاس رہے گی چونکہ لڑکی کو تربیت اور امور خانہ داری کی جانکاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

قانون...... مصری قانون میں دفعہ ۲۵ مجریہ ۱۹۲۹ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ لڑکی سات سال پورے ہونے تک پرورش کی محتاج ہے اور لڑکی نو سال کی بالغ ہو جاتی ہے جبکہ سوریا کے قانون مجریہ ۱۹۷۵ دفعہ ۱۴۶ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ لڑکی کی پرورش گیارہ سال کی عمر پر ختم ہو جاتی ہے لڑکے کی پرورش سات سال پورے ہونے پر۔

مدت حضانت ختم ہونے پر مرتب ہونے والے امور...... جب پرورش کا مرحلہ منتہی ہو جائے تو بچے کو اس کے سرپرست

❶ رواہ الترمذی وحسنہ عن ابی ھریرۃ ❷ المغنی ۷/ ۶۱۴ غایۃ المنتہی ۳/ ۲۵۱ کشاف القناع ۵/ ۵۸۲.

باپ یا دادا کے سپرد کیا جائے گا سرپرست کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ باپ بچے کو اپنے پاس رکھے گا تا وقتیکہ بچہ بالغ ہو جائے بعد از بلوغ لڑکے کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو اکیلا رہے چاہے والدین میں سے کسی ایک کے پاس رہے۔ ہاں البتہ اگر نا سمجھ بالغ ہوا ہو تو اسے باپ کے پاس رکھا جائے گا تاکہ فتنہ اور عار کا دفعیہ ہو سکے اور بوقت ضرورت باپ اس کی تربیت بھی کر سکے۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکے کا خرچہ باپ پر لازم نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ تبرع کر دے اگر لڑکا بالغ ہو جائے لیکن معتوہ ہو تو وہ ماں کے پاس رہے گا یہی حکم لڑکی کا بھی ہے۔

رہی بات لڑکی کی سو اگر وہ کنواری ہو تو وہ باپ یا دادا کے پاس رہے گی اسی طرح اگر شوہر دیدہ ہو تو بھی باپ یا دادا کے پاس رہے گی تاکہ فتنہ میں نہ پڑے، اگر لڑکی پر فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور وہ اخلاقی اعتبار سے پختہ ہو عقل سلیم رکھتی ہو اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گئی ہو تو وہ اگر چاہے تو اکیلی بھی رہ سکتی ہے اگر لڑکی باپ کے پاس رہائش نہ رکھے تو اس کا خرچہ باپ پر لازم نہیں ہوگا۔ ❶

خلاصہ..... جب لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی بھی بالغ ہو جائے خواہ وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ اور ان پر کوئی اعتماد نہ ہو بلکہ فتنے میں پڑنے کا خدشہ ہو تو انہیں اکیلے رہنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ باپ کے ساتھ رہنے کے پابند ہوں گے۔

چوتھی فصل.....ولایت:

ولایت کے لفظی معنی قربت'' کے ہیں اسی سے ولی ہے جو محب دوست اور مددگار کے معنی میں آتا ہے۔ ولایت واؤ کی فتحہ کے ساتھ ہے۔

اور فقہی اصطلاح میں رہی تدبیر الکبیر الراشئوون القاصر الشخصیة والمالیة یعنی بڑے سمجھدار آدمی کا چھوٹے نا اہل کے شخصی اور مالی امور کا حسن تدبیر سے انتظام کرنا۔

قاصر..... ولایت کی بحث میں قاصر کا لفظ بطور اصطلاح استعمال کیا جاتا ہے قاصر سے مراد ایسا انسان ہوتا ہے جس کی اہلیت کامل نہ ہو، خواہ ابھی تک اس میں اہلیت موجود ہی نہ ہوئی ہو جیسے نا سمجھ بچہ خواہ اہلیت ہو مگر ناقص ہو جیسے ممیز (تمیز کر لینے والا) بچہ مجنون، معتوہ، غلام۔

حنفیہ نے ولایت کی یوں تعریف کی ہے تنفیذ القول علی الغیر شاء او ابی دوسرے پر کسی بات کا نافذ کرنا خواہ وہ اس نفاذ کو چاہے یا نہ چاہے۔

نکاح کی بحث میں ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ ولی کا ہونا ارکان نکاح میں سے ایک رکن ہے اور حنفیہ کے ہاں ولی رکن نکاح نہیں۔ ان کے نزدیک کمسن بچے، مجنون اور غلام کے نکاح کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔

ہمیں فقہی نظریات کی بحث میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱.....ولایت علی النفس (نفس پر ولایت)

۲.....ولایت علی المال (مال پر ولایت)

نفس پر ولایت..... قاصر کے شخصی امور تربیت، تعلیم، صحت، نکاح وغیرہ کی حفاظت و نگرانی کرنا۔

مال پر ولایت..... قاصر (نابالغ و مجنون) کے مالی امور سرمایہ کاری اور تصرفات جیسے بیع و شرا اجارہ اور رہن وغیرہ کی نگرانی کرنا

❶..... الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۸۸۲۔

اوران پر مطلع رہنا۔

اس فصل کے ذیل میں دو مباحث پر کلام ہوگا جس کا دارومدار مذکورہ بالا دو ولایتوں پر ہے میں اجمالی طور پران کا تذکرہ کروں گا۔

پہلی بحث......ولایت علی نفس (نفس پر ولایت)

اول، ولی علی النفس اوراس کے اختیارات......حنفیہ کے مذہب ❶ میں ولی علی النفس بیٹا ہے پھر باپ پھر دادا پھر بھائی، پھر چچا گویا حنفیہ کے نزدیک نفس پر ولایت قاصر (عدیم الاہلیت) پر وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبات کے لئے ثابت ہوتی ہے جوکہ یہ ہے بیٹا باپ، بھائی چچا، اس ترتیب میں حقیقی بھائی یا حقیقی چچا باپ شریک پر مقدم ہوگا۔ اگر عصبہ میں کوئی ولی موجود نہ ہوتو ولایت علی النفس ماں اور دوسرے ذوی الارحام کی طرف منتقل ہوجائے گی۔

مالکیہ کے مذہب میں یہ ولایت اس ترتیب سے ثابت ہوتی ہے ❷ بیٹا پھر باپ پھرولی پھر بھائی پھر دادا پھر چچا، ان کے نزدیک بھی حقیقی رشتہ غیر حقیقی رشتے پر مقدم ہوگا پھر آخر میں قاضی کوولایت حاصل ہوگی۔ چنانچہ قاصر (عدیم الاہلیت) کی پرورش منتہی ہونے کے بعد ولی اسے جبر الے سکتا ہے چونکہ ولایت علی النفس مولی علیہ (ماتحت) کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔

ولی نفس کے اختیارات......ولی نفس کودرج ذیل امور میں اختیار حاصل ہوگا قاصر کی تعلیم وتربیت تادیب تہذیب، صحت کی نگرانی جسمانی نشوونما نکاح کے معاملہ میں غور وفکر اگر قاصرلڑکی ہوتو اس کی حفاظت ونگرانی واجب ہے تاہم ولی لڑکی کوتعلیم وصنعت وحرفت سیکھنے کے لئے ایسی جگہ نہیں چھوڑ سکتا جہاں مردوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہو۔

ولی علی النفس کی شرائط......ولی فی النفس کی درج ذیل شرائط ہیں ❸ بالغ ہونا عاقل ہونا بچے کی تربیت پر قادر ہونا اس کی اخلاقی اقدار کی حفاظت وامانت، قاصر اگر مسلمان ہوتو اس کے اسلام کی حفاظت۔ چنانچہ نابالغ، غیر عاقل (ناسمجھ) فاتر العقل، سفیہ ومبذر (فضول خرچ) کوولایت حاصل نہیں ہوگی چونکہ یہ لوگ توبذات خوداپنے معاملات میں دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں ایسے فاسق کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی جولا پرواہ ہواوراسے قاصر کے اخلاق کے بننے یا بگڑنے، مال کے ضیاع کی کوئی فکر نہ ہومہمل شخص جسے قاصر کی کوئی فکر نہ ہوکوبھی ولایت حاصل نہیں ہوتی مہمل سے مراد بے فکر ہے کہ بچہ بیمار ہےتواس کے علاج کی فکر نہیں بچہ آوارہ ہورہا ہواوراس کی تعلیم وتربیت کی طرف کوئی توجہ نہ ہو۔ چونکہ ایسی ولایت تو بچے (نااہل) کے لیے باعث ضرر ہے۔ ان حالات میں ولایت باصلاحیت شخص کومنتقل ہوجائے گی۔

قانون کا موقف......سوریا کے قانون دفعہ ۱۷۰ کے تحت باپ دادا کی ولایت نفس ولایت مال، ولی کے اختیارات اوراسباب سقوط ولایت پر صراحت کی گئی ہے۔

۱......قاصر کے نفس اور مال پر ولایت باپ اورعصبی دادا کو حاصل ہوگی۔

۲......باپ دادا کے علاوہ ولایت دفعہ ۲۱ کے تحت بیان کردہ ترتیب کے مطابق بقیہ اولیاء کو حاصل ہوگی اور دفعہ ۱ / ۲۲ کے تحت شرط ہے کہ ولی عاقل وبالغ ہو۔ الخ

---

❶......الدرالمختار ۲/ ۴۲۷ ❷القوانين الفقهية ۱۹۸ شرح الرسالة ۲/ ۱۳۱ ❸الدرالمختار ۲/ ۴۰۶۔

سوم، ولایت علی النفس کا اختتام...... حنفیہ کے نزدیک ولایت علی النفس لڑکے کے بالغ ہونے سے ختم ہوجاتی ہے، یعنی لڑکے میں بلوغ کی علامتیں ظاہر ہوجائیں اور وہ سمجھدار ہو یا اس کی عمر پندرہ سال ہوجائے اگر عمر پندرہ سال ہوگئی ہو لیکن لڑکا نا سمجھ ہو تو وہ ولایت میں بدستور رہے گا۔

رہی بات لڑکی کے حق ولایت کی سو اس کی شادی تک اس پر ولایت برقرار رہتی ہے جب اس کی شادی ہوجائے تو اس کی دیکھ بھال کا حق خاوند کو مل جاتا ہے۔ اگر نکاح ہوجائے لیکن رخصتی نہ ہو تب بھی لڑکی ولی کے ماتحت رہے گی یہاں تک کہ سمجھداری کی عمر کو پہنچ جائے۔ تاہم اس صورت میں اسے مستقل طور پر رہائش اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا یا اپنی ماں کے ہمراہ رہے۔ تاہم حنفیہ نے اس عمر کی تحدید نہیں کی، بظاہر حنفیہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ عورت بوڑھی ہوجائے اور مردوں کو اس میں کوئی رغبت نہ رہے۔

لیکن مصر کے قانون میں ہے کہ جب لڑکی سن رشد ۲۱ سال کو پہنچ جائے اور سوریا کے قانون میں جب ۱۸ سال کی ہوجائے تو وہ ولی نفس سے الگ رہائش اختیار کرسکتی ہے بشرطیکہ نفس پر اعتماد ہو اور فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

مالکیہ کے مذہب میں ولایت علی النفس سبب ولایت کے زائل ہونے سے ختم ہوجاتی ہے اور سبب ولایت صغر (کمسنی، بچپن) ہے، جنون فاتر العقل اور مرض ہے جبکہ لڑکی پر ولایت نفس برقرار رہتی ہے تاوقتیکہ شادی کے بعد اس کی رخصتی ہوجائے اور خاوند اس کی ساتھ صحبت کرلے۔ جیسا کہ حضانت کی بحث میں گزر چکا ہے۔

دوسری بحث...... ولایت علی المال:

اول: ولی مال...... اگر قاصر (عدیم الاہلیت) کی ملکیت میں مال ہو تو تمام مذاہب کے مطابق قاصر کے ولی مثلاً باپ کو اس کے مال پر ولایت حاصل ہوگی۔ باپ کی ذمہ داری ہے کہ قاصر کے مال کی حفاظت کرے اور اسے سرمایہ کاری میں لگائے اگر باپ مرجائے تو اس کے بعد قاصر کے مال پر ولایت کسے حاصل ہوگی؟ سو اسمیں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... ولایت علی مال اولاً باپ کو حاصل ہوتی ہے پھر باپ کے وصی کو حاصل ہوتی ہے پھر دادا کو پھر اس کے وصی کو پھر قاضی کو اور پھر اس کے وصی کو۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں ولایت علی المال باپ کو حاصل ہوتی ہے پھر اس کے وصی کو پھر قاضی کو یا اس کے قائم مقام کو پھر عام مسلمانوں کو۔

شافعیہ...... کہتے ہیں ولایت مال باپ کو حاصل ہوتی ہے پھر دادا کو پھر وصی کو پھر قاضی یا اس کے قائم مقام کو۔ مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شافعیہ دادا کو باپ کے وصی پر مقدم رکھتے ہیں چونکہ اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا اس کا قائم مقام ہوتا ہے چونکہ دادا شفقت میں باپ کی مانند ہوتا ہے۔ اسی لئے دادا کو ولایت نکاح بھی حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی المال برقرار رہتی ہے تاوقتیکہ قاصر رشد کو پہنچ جائے اگر قاصر حالت رشد میں بالغ ہو اور پھر اس پر جنون یا ناسمجھی طاری ہوجائے تو کیا اس پر ولایت مال پھر سے لوٹ آئے گی۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہین ولایت نہیں لوٹے گی البتہ قاضی کو اس پر ولایت حاصل ہوگی، چونکہ بلوغ کی وجہ سے ولایت ساقط ہوجاتی ہے اور جو چیز ساقط ہوجائے وہ سقوط کے بعد واپس نہیں لوٹتی۔

حنفیہ اور شافعیہ...... کہتے ہیں بلوغ سے قبل جسے ولایت حاصل ہوا سے دوبارہ مل جاتی ہے چونکہ وجود وعدم کے اعتبار سے علت کے ساتھ ساتھ حکم بھی گھوم جاتا ہے چنانچہ جب ولایت کی علت پائی جائے گی ولایت بھی پائی جائی گی۔

اگر لڑکا سفیہ (فاتر العقل) ہو تو جمہور کی رائے کے مطابق اس کی ولایت قاضی کو حاصل ہوگی یا قاضی جسے متعین کر دے اسے حاصل ہوگی۔ چونکہ مقصد سفیہ کے مال کی حفاظت کرنا ہوتا ہے اور لوگوں کے مصالح پر نظر رکھنا قاضی کے اختیارات میں سے ہے۔

قانون...... مصر کے قانون دفعہ (۱) رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ اور سوریا کے قانون میں حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے چنانچہ قاصر پر ترتیب وار اولیاء کو ولایت حاصل ہوگی۔

دوم: ولی مال کی شرائط...... ولایت علی المال کے لئے وہی شرائط ہیں جو ولایت علی النفس کی شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱ یہ کہ ولی میں اہلیت کامل ہو، کامل اہلیت بلوغ، عقل اور آزادی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت کو اپنے مال پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، چہ جائے نہ وہ غیر کے مال کا ولی ہو۔

۲ یہ کہ سفیہ (فاتر العقل) مبذر (فضول خرچ) اور محجور علیہ (جس پر پابندی ہو) نہ ہو چونکہ ایسا شخص اپنے مال کا ولی نہیں ہوتا اسے دوسرے کے مال پر ولایت کیسے ہوگی۔

۳ یہ کہ ولی اور قاصر کا دین ایک ہو چنانچہ اگر باپ مسلمان نہ ہو تو اسے اپنے مسلمان بیٹے پر ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

سوم: مال میں ولی کے تصرفات...... ولی زیر ولایت قاصر کے مال میں صرف ایسا ہی تصرف کرسکتا ہے جس میں قاصر کی مصلحت ہو چنانچہ ایسا تصرف نہیں کرسکتا جس میں قاصر کا نقصان اور ضرر ہو جیسے مال صدقہ کرنا، غبن فاحش کے ساتھ بیع وشراء، اس طرح کا تصرف باطل ہوگا۔ ولی ایسے تصرف دل کھول کر کرسکتا ہے جس میں قاصر کا فائدہ ہو جیسے قبول ہبہ، صدقہ اور وصیت قبول کرنا، ایسے تصرفات بھی کرسکتا ہے جو نفع اور ضرر دونوں میں دائر ہوں جیسے معمول کی بیع وشراء، اجارہ، مکان یا گاڑی کرائے پر دینا شرکت وغیرہ اس ضابطہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ...... الاسراء ۱۷/ ۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پختگی (بلوغت) کو پہنچ جائے۔

باپ کے تصرفات...... فضول خرچ باپ کو قاصر (عدیم الاہلیت بیٹا) کے مال پر ولایت حاصل نہیں ہوگی باپ پر واجب ہے کہ وہ کسی سمجھدار شخص کو وصی مقرر کرے اور اسے مال سپرد کرے اگر باپ فضول خرچ نہ ہو تو اسے قاصر کے مال پر ولایت حاصل ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک باپ قاصر کے مال میں خرچ وفروخت کے اعتبار سے تصرف کرسکتا ہے برابر ہے کہ مال منقولی ہو یا غیر منقولی، بشرطیکہ عقد مثلی ثمن (معمول کی قیمت) یا غبن یسیر کے ساتھ ہو غبن یسیر سے مراد ایسا معمولی دھوکا جس سے عادۃً لوگ نہیں بچ سکتے۔ تاہم غبن فاحش کے ساتھ قاصر کے حق میں بیع وشراء نافذ نہیں ہوگی غبن فاحش ایسا دھوکا ہوتا ہے جو عادۃً لوگ کاروبار میں نہیں اٹھاتے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ شراء (خریداری) ولی پر نافذ ہوگی۔ چونکہ ولی پر شراء کا نفاذ ممکن ہے برخلاف بیع کے چنانچہ بیع نافذ نہیں ہوتی۔ چونکہ اس میں زیر ولایت شخص کے حق میں محض ضرر ہے باپ اپنے چھوٹے نابالغ بیٹے کو ذاتی مال فروخت کرسکتا ہے اور بیٹے کا مال اپنے

❶ ...... الدر المختار ۲/ ۴۰۶۔

لئے خرید بھی سکتا ہے بشرطیکہ بیع وشراء ثمن مثل یا غبن یسیر کے ساتھ ہو باپ عقد کی طرفین سے متولی ہوسکتا ہے یعنی ایجاب بھی کرسکتا ہے اور قبول بھی گویا باپ کی عبارت ایجاب وقبول کے قائم مقام ہوگی۔ اگر چہ اس صورت میں عاقد کا تعدد معدوم ہے لیکن یہ صورت وفور شفقت کے اصول کے پیش نظر عقود مالیہ سے مستثنیٰ ہے باپ نابالغ بیٹے کے مال میں سے کسی چیز کو تبرعاً نہیں دے سکتا چونکہ تبرع میں قاصر کا محض نقصان ہے۔

باپ قاصر کا مال قرضے پر بھی نہیں دے سکتا اور نہ ہی اپنے لئے اس کا مال بطور قرضہ لے سکتا ہے چونکہ مال کو قرضہ پر دینے میں سمایہ کاری فوت ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باپ قاصر کے مال میں سے کسی چیز کو اپنی طرف سے رہن رکھ سکتا ہے، رہن کو ودیعت پر قیاس کیا گیا ہے چنانچہ باپ اپنے بیٹے کے مال کو بطور ودیعت دے سکتا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک رہن جائز نہیں۔ کیونکہ رہن رکھنے کی صورت میں مال کی منفعت فوت ہوتی ہے۔

قانون...... مصر کے قانون رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ دفعہ ۵ کے تحت ولی کو قاصر کے مال کو تبرع کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ اس ممانعت سے ایک صورت مستثنیٰ کی گئی ہے کہ اگر کسی انسانی واجب یا خاندانی واجب (ذمہ داری) کی ادائیگی ہو تو عدالت کی اجازت سے ان واجبات کی ادائیگی صحیح ہوگی تاہم یہ استثناء فقہاء کی رائے کے خلاف ہے۔ دفعہ ۵ میں قاصر کی زمین میں تصرف کرنے سے منع کیا گیا ہے دفعہ ۹ میں ولی کو قاصر کا مال قرضہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ عدالت کی اجازت سے قاصر کا مال قرضہ پر دے سکتا ہے اور اپنے لئے قرضہ لے بھی سکتا ہے۔

دفعہ ۱۴ میں جائز قرار دیا گیا ہے کہ صرف باپ قاصر کی طرف سے نائب بن کر اپنے ساتھ عقد بیع وشراء کرسکتا ہے۔

دفعہ ۳ میں صراحت کی گئی ہے کہ ولایت ایسے شخص کو نہیں ملے گی جسے مال تبرع کی صورت میں واپس مل جاتا ہو۔

یہ احکام سوریا کے قانون کے موافق ہیں۔

چہارم: وصی مختار (باپ کے وصی) کی شرائط اور اس کے تصرفات...... وصی کی دو قسمیں ہیں۔

۱...... وصی مختار: وہ ہوتا ہے جسے باپ یا دادا خود متعین کردیں تاکہ وہ ان کی اولاد کے مال کی نگرانی کریں۔

۲...... قاضی کا مقرر کردہ ''وصی'' وہ ہوتا ہے جسے قاضی متعین کردے تاکہ وہ میت کے ترکہ اور اس کی اولاد کی دیکھ بھال کرے۔

وصی کی چار شرائط:

۱...... یہ کہ وصی بالغ ہو یہ شرط تمام تصرفات کے لئے ہے تاہم بچے کو وصی نہیں بنایا جاسکتا۔

۲...... یہ کہ وصی عاقل ہو یہ شرعاً بھی تمام تصرفات کے لئے ہے تاہم مجنون یا معتوہ وصی بننے کا اہل نہیں۔

۳...... اسلام اگر زیر ولایت قاصر مسلمان ہو تو وصی کا بھی مسلمان ہونا شرط ہے چنانچہ مسلمان پر غیر مسلم کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

۴...... عدالت: یعنی وصی عادل شخص ہوتا ہم فاسق کو ولایت حاصل نہیں ہوتی چونکہ دوسرے شخص کی مصلحتوں پر آگاہی کا تقاضا ہے کہ آگاہ میں استقامت ہو ہاتھ کی صفائی ہو اور پرہیزگاری ہو عدالت کا معنی کبائر سے اجتناب کرنا اور صغائر پر اصرار نہ کرنا ہے اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو حنفیہ کے نزدیک معتمد قول کے مطابق وصی مقرر کرنا صحیح ہوگا البتہ قاضی اسے معزول کردے اور اس کی جگہ کسی اور کو وصی مقرر کرے۔

عورت کو وصی مقرر کرنا صحیح ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو وصی مقرر کیا تھا، نیز عورت کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور اس کے تصرفات بھی قابل قبول ہوتے ہیں جیسے مرد کے تصرفات جائز ہوتے ہیں لہٰذا عورت کو وصی مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔

جمہور کے نزدیک نابینا کو وصی مقرر کرنا صحیح ہے چونکہ نابینا کو دوسرے حواس کے ذریعہ خبر ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بینا کی طرح تصرف کر سکتا ہے۔ نیز نابینا کی گواہی صحیح ہوتی ہے اسے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور اپنی نابالغ اولاد پر بھی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا نابینا کو وصی مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔

قانون کا حکم...... مصر کے قانون دفعہ ۲۷ رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ میں وصی کی شرائط اور نا اہل وصی کی صراحت کی گئی ہے سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۷۸ کے تحت درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱۔ ضروری ہے کہ وصی عادل ہو اور وصیت کی ذمہ داری بطریق احسن نبھا سکتا ہے۔ اور اس میں کامل اہلیت ہو۔

۲۔ وصی ایسا شخص نہ ہو جسے عدالت کی طرف سے سزا ملی ہو مثلاً وہ خائن ہو یا جھوٹا گواہ ہو یا مخرب الاخلاق امور میں مبتلا ہو۔

وصی موقت...... جیسے ولی خاص ہوتا ہے ایسے ہی وصی موقت (عارضی وصی) بھی ہوتا ہے چنانچہ دفعہ ۱۷۹ میں صراحت کی گئی ہے کہ اگر وصی کی مصلحت میں کسی قسم کا تعارض آ جائے تو قاضی وقتی طور پر کسی خاص وصی کو مقرر کر سکتا ہے اس عارضی وصی کو وصی موقت کہا جاتا ہے۔

دفعہ ۱۸۸ کے تحت صراحت ہے کہ

۱۔ جب عدالت وصی کے اختیار کو روک دینا چاہے تو عدالت کسی خاص شخص کو (عارضی طور پر) وصی مقرر کر دے تاکہ مختار وصی پر سے پابندی ہٹانے تک عارضی وصی قاصر کے معاملات پر نگرانی رکھ سکے۔

۲۔ وصی موقت پر اس قانون میں وارد احکام جاری ہوں گے جو وصیت کے متعلق ہیں۔

وصی مختار کے تصرفات...... مندرجہ ذیل ہیں۔

باپ یا دادا کے مقرر کردہ وصی کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو باپ یا دادا کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وصی میں باپ جیسی شفقت نہیں پائی جاتی اس لیے کچھ صورتیں مستثنیٰ ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

الف...... زمین کی فروختگی چنانچہ وصی مختار کو قاصر کی زمین فروخت کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوگا الا یہ کہ فروختگی میں کوئی شرعی گنجائش ہو مثلاً زمین کا فروخت کرنا قاصر کے حق میں بہتر ہو اس بہتری کی صورتیں حسب ذیل ہیں۔

یہ کہ زمین دگنے چوگنے نرخوں میں فروخت ہو رہی ہو اور موقع ہاتھ آیا ہو اور ایسی زمین بعد میں ارزاں نرخوں میں خریدنی ممکن ہو۔

ب...... یہ کہ زمین کا مالیہ (ٹیکس) اور اخراجات پیداوار اور آمدنی سے کہیں زیادہ ہوں۔

ج...... یہ امر متعین ہو جائے کہ زمین کی فروختگی سے حاصل ہونے والا روپیہ قاصر کے اخراجات میں خرچ کیا جائے گا۔

۲...... وصی کا اپنا مال یتیم کو فروخت کرنا یا یتیم کا مال اپنے لئے خریدنا۔ وصی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں جبکہ باپ ایسا کر سکتا ہے۔ الا یہ کہ خرید و فروخت میں قاصر کی کوئی ظاہری منفعت ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ منفعت اس طرح متحقق ہو سکتی ہے کہ وصی قاصر کو نصف قیمت کے ساتھ زمین فروخت کرے اور اس سے دوگنے نرخوں کے ساتھ زمین خریدے۔ زمین کے علاوہ بقیہ اشیاء میں منفعت کے تحقق کا یوں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز ۱۵ روپے کی ہو وہ قاصر کو ۱۰ روپے میں فروخت کرے اور جو چیز ۱۰ روپے کی ہو وہ

قاصر سے ۱۵ روپے میں خریدے۔ صاحبینؒ اور دوسرے ائمہ کا موقف ہے نابالغ کے مال سے خرید وفروخت کرنا وصی کے لئے جائز نہیں۔

قانون......مصر کے قانون دفعہ ۳۸ رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ وصی قاصر کے مال میں تبرع (مفت کسی کو عطا کر دینا) نہیں کر سکتا۔ الا یہ کہ کوئی انسانی یا عائلی ذمہ داری ادا کرنی ہو تو عدالت کی اجازت سے تبرع کر سکتا ہے سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۸۰ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ وصی کا قاصر کے مال سے تبرع کرنا باطل ہے مصری قانون میں دفعہ ۳۹ اور سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۸۲ کے تحت وصی کو کچھ تصرفات سے منع کیا گیا ہے الا یہ کہ عدالت کی اجازت سے تصرف کرے یہ صورتیں حسب ذیل ہیں۔

الف......قاصر کے مال میں خرید وفروخت، شرکت، قرض دہی، رہن اور دوسرے تصرفات جن میں ملکیت منتقل ہو جاتی ہے۔

ب......قاصر کے دوسروں کے ذمہ دیون (قرضہ جات) کی تحویل اور اس پر حوالہ قبول کرنا۔

ج......قاصر کی زرعی اراضی کو تین سال سے زائد عرصہ کے لئے کرائے پر دینا۔

د......قاصر کے بالغ ہو جانے کی بعد اس کی زمین سال تک کی مدت کے لئے کرایہ پر دینا۔

ھ......صلح اور تحکیم

و......قاصر کی طرف سے مقدمہ بازی کے لئے وکیلوں کے ساتھ معاملہ طے کرنا۔

ز......قاصر کے اموال کو اپنے لئے اجارہ پر لینا یا اپنا مال قاصر کو اجارہ پر دینا الخ......

دفعہ ۱۸۱ میں صراحت کی گئی ہے کہ باقی شرکاء کے ساتھ باہمی رضامندی سے تقسیم نافذ نہیں ہوتی الا یہ کہ قاضی کی تصدیق سے ہو۔ چنانچہ یہ قیود شرعاً ممنوع نہیں چونکہ ان کا مقصد قاصر کی نگرانی اور حفاظت ہے اور فقہاء کا بھی یہی مطمع نظر ہے۔

پنجم: قاضی، اس کا وصی اور تصرفات......اگر باپ اور دادا نہ ہوں اور نہ ہی ان کا وصی ہو تو ولایت قاضی کو منتقل ہو جائے گی چونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل رہتی ہے قاضی بذات خود قاصر کے اموال میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن اس کا تصرف مصلحت کے ساتھ مشروط ہوگا۔ لیکن معمول یہ ہے کہ قاضی خود نابالغوں کے اموال کی نگرانی نہیں کرتا بلکہ قاضی اپنی طرف سے ایک وصی متعین کر دیتا ہے جسے قاضی کا وصی یا وصی معین کہا جاتا ہے۔

قاضی کا وصی ایسے ہی تصرف کرے گا جیسے مختار وصی تصرف کرتا ہے البتہ وہی تصرف کرنے کا پابند ہوگا جس میں قاصر کا نفع ہو وصی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قاصر کے مال کی حفاظت کرے اسے سرمایہ کاری پر لگائے، تاہم چند صورتوں میں وصی مختار مختلف ہے۔ [1]

۱......قاضی کا مقرر کردہ وصی قاصر کے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے نہیں خرید سکتا اور نہ ہی فروخت کر سکتا ہے جبکہ وصی مختار کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔

۲......قاضی کا وصی تخصیص کو قبول کرتا ہے جبکہ وصی مختار حنفیہ کے نزدیک تخصیص کو قبول نہیں کرتا۔

۳......قاضی کا وصی ایسے شخص کے ہاتھ قاصر کا مال فروخت نہیں کر سکتا جس کی گواہی وصی کے حق میں قبول نہ کی جاتی ہو جیسے بیٹا، باپ وغیرہ۔

۴......قاضی کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ترکہ کی مقدار کے بارے میں وصی سے پوچھ گچھ کرے جبکہ وصی مختار پر قاضی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

۵......اگر قاضی کا وصی کسی دوسرے شخص کو اپنے ترکے کا وصی مقرر کرے تو دوسرا وصی دو ترکات پر وصی نہیں بن سکتا جبکہ وصی مختار دو

---

[1]......شرح القانون للاحوال الشخصیہ للاستاذ مصطفی السباعی ۲/ ۶۲۔

ترکات پر وصی مقرر کرسکتا ہے۔

۶ قاضی کا مقرر کردہ وصی قاصر کو مزدوری پر لگا نہیں سکتا جبکہ وصی مختار قاصر کو مزدوری پر لگا سکتا ہے۔

قانون..... مصر اور سوریا کے قانون میں وصی مختار اور وصی قاضی کے درمیان فرق نہیں کیا دونوں کے اختیارات یکساں ہیں۔

ششم: ولایت اور وصایت کی انتہاء..... ولایت علی المال اپنے سبب کے زائل ہونے سے انتہاء کو پہنچ جاتی ہے ولایت علی المال کا سبب بچپن اور بچے کا سن رشد کو پہنچ جانا ہے۔ رشد (سمجھداری) کی پہچان امتحان اور تجربہ سے ہو جاتی ہے چنانچہ جب تجربہ سے بچے کا رشید ہونا معلوم ومتیقن ہو جائے تو اس پر ولایت علی المال ختم ہو جائے گی اور اس کا مال اسے سپرد کر دیا جائے گا۔

قانون..... مصر اور سوریا کے قانون میں بالترتیب ۲۱ اور ۱۸ سال سن رشد کی تحدید کی گئی ہے۔ چنانچہ مصر کے قانون میں دفعہ ۱۸ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ نابالغ جب ۲۱ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس پر حاصل ولایت اور وصیت کا اختیار ختم ہو جائے گا۔ الا یہ کہ عدالت اس عمر سے پہلے ولایت کے برقرار رہنے کا فیصلہ کر دے۔

دفعہ ۴۷ میں وصایت کے منتہی ہونے کے درج ذیل اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

۱ قاصر کا ۲۱ سال کی عمر کو پہنچ جانا۔

۲ ولی کو دوبارہ ولایت کا مل جانا، یہ ایسے ہوتا ہے کہ جب عدالت ولی کی ولایت سلب کر دے اور قاصر پر کسی وصی کو مقرر کر دے پھر سلب ولایت کا سبب زائل ہو جائے، اور عدالت، ولایت کے اعادہ کا حکم جاری کر دے۔

۳ قاضی وصی کو معزول کر دے یا وصی خود ہی استعفیٰ پیش کر دے۔

۴ وصی کی اہلیت مفقود ہو جائے یا وہ کہیں غائب ہو جائے یا مر جائے یا قاصر (نابالغ بچہ) مر جائے یہ اسوقت ہے جب عدالت کی طرف سے قرارداد صادر ہو جائے البتہ فاتر العقلی یا جنون اس سے مستثنیٰ ہیں چونکہ دیوانی قانون کے احکام چلیں گے۔

جب وصیت اختتام پذیر ہو جائے تو وصی پر واجب ہے کہ تیس دنوں کے اندر اندر قاصر کو اس کے اموال سپرد کر دے۔

سوریا کے دیوانی قانون میں دفعہ ۴۶ مجریہ ۱۹۴۹ کے تحت سن رشد کی تحدید ۱۸ شمسی سالوں سے کی ہے۔

دفعہ ۱۸۹ کے تحت سوریا کے قانون میں صراحت کی گئی ہے کہ درج ذیل امور سے وصی کی ولایت اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

الف..... قاصر کے مر جانے سے۔

ب..... قاصر کے ۱۸ سال کا ہو جانے سے۔

ج..... ولایت کے از سرنو باپ یا دادا کو مل جانے سے۔

د..... وہ ذمہ داری جو وصی خاص کو سونپی گئی تھی وہ انجام پذیر ہو گئی۔

ہ..... وصی نے استعفاء پیش کر دیا۔

و..... وصی کی اہلیت زائل ہو جانے سے۔

ز..... وصی کے گم ہو جانے سے۔

ی..... وصی کو معزول کر دیا گیا۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۱۹۱ کے تحت درج ذیل تصریحات کی گئی ہیں۔

۱.....جب وصیت اختتام پذیر ہو جائے تو وصی پر لازم ہے کہ تیس دن کے اندر اندر زیر اختیار اموال قاصر کو سپرد کر دے اور جملہ حساب بمعہ پکی رسیدات مکمل کر دے حساب یا تو قاصر کو دے یا اس کے ورثہ کو دے اگر قاصر مر چکا ہو حساب کی ایک کاپی عدالت میں بھی جمع کروائے۔

۲.....جب وصی مر جائے یا اس پر پابندی لگ جائے تو اس کے ورثہ پر لازم ہے کہ قاصر کے اموال کا حساب دیں اور حساب کے لئے پیش رفت کریں۔

۳.....ایتام کا سرپرست وصی کے اختیارات پر نظر رکھے۔

پانچویں فصل.....نفقات (اخراجات)

بیوی اور قریبی رشتہ داروں کا نفقہ.....اس فصل کے تحت میں بیوی کے نفقہ کے ساتھ ساتھ دوسرے قریبی رشتہ داروں کے نفقات بھی بیان کروں گا تا کہ بحث کے جملہ مسائل یکجا ہو جائیں اور محقق کے لئے آسانی رہے بحث شروع کرنے سے پہلے میں نے ایک تمہید باندھی ہے جس میں بحث کے مبادیات کو بیان کیا گیا ہے تمہید کے بعد چار مباحث لائی ہیں جن کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

پہلی بحث.....بیوی کا نفقہ

دوسری بحث.....اولاد کا نفقہ

تیسری بحث.....آباء اجداد اور ماؤں کا نفقہ

چوتھی بحث.....قریبی رشتے داروں کا نفقہ اور ذوی الاحام کا نفقہ

معلوم رہے انسان کے ماتحت ہر ضرورتمند چیز پر حسب حال خرچہ کرنا واجب ہے جیسے غلام، خادم، جانور، سبزیات، کھیتی، گھر، زمین وغیرھا۔ ان اشیاء پر خرچہ کرنا اس لئے ضروری ہے تا کہ ضائع ہونے سے محفوظ رہیں، واضح رہے مال کو ضائع کرنا حرام ہے لیکن جمہور نے کھیتی اور باغات کو پیاسے چھوڑے رکھنا گھروں اور اراضی کو درستی اور تعمیر کے بغیر چھوڑے رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے الا یہ کہ یہ اشیاء وقف کی ہوں یا کسی قاصر (عدیم الاہلیت جیسے بچہ) کی ہوں یا مشترکہ ہوں تو ان پر خرچ کرنا واجب ہے۔

جانور کا نفقہ...... مالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو چارا دے اگر چہ جانور مریض ہی کیوں نہ ہوں۔ جانوروں کو پانی پلانا بھی واجب ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس عورت نے بلی بند کر دی تھی یہاں تک کہ بھوکوں مرگئی، عورت نہ بلی کو کھلاتی او نہ ہی کھلی چھوڑتی تا کہ حشرات الارض کھا سکتی ❶ جانور سے اس کی طاقت سے بڑھ کر کام لینا حرام ہے چونکہ شارع نے غلام سے اس کی طاقت سے بڑھ کر کام لینے سے منع کیا ہے۔ جانور بھی غلام کی مانند ہے نیز حیوان کو بھوکا رکھنے یا اس سے طاقت سے بڑھ کر کام لینا اسے عذاب میں مبتلا کرنا ہے اور اسے ضرر پہنچانا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ❷

جانور کا مکمل طور پر دودھ دوہ لینا جس سے اس کے بچے کو ضرر پہنچے مالک پر حرام ہے۔

چونکہ جانور کا دودھ اس کے بچے کی خوراک ہوتا ہے لہٰذا بچے کو اس خوراک سے روک دینا جائز نہیں۔ دودھ دوہنے کے لئے ناخنوں کا کاٹنا مسنون ہے تا کہ جانور کو اذیت نہ پہنچے جیسا کہ شہد کے چھتے ہیں کچھ شہد باقی رہنے دینا واجب ہے تا کہ اس سے مکھیوں کی ضرورت

❶.....متفق علیه عن ابن عمرؓ مرفوعاً ❷المهذب ۲/۱۶۸ کشاف القناع ۵/۵۷۳ البدائع ۴/۴۰ القوانين الفقهية ۲۲۳۔

پوری ہو سکے۔

اگر مالک جانور کو چارہ دینے سے انکار کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک قضاء و دیانۃ اس پر جبر کیا جائے گا جیسے بیوی کے نفقہ پر خاوند کو مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر مالک کے پاس مال نہ ہو تو جانور کو کرایہ پر دے دیا جائے گا، اگر کرائے پر دینے کی سہولت موجود نہ ہو تو جانور بیچ دیا جائے گا۔ حنفیہ کہتے ہیں، مالک کو جانور کے چارے پر قضاء مجبور نہیں کیا جائے گا (یعنی قاضی سے اس کی شکایت نہیں کی جائے گی) یہ ظاہر الروایہ میں ہے۔ لیکن مالک کو فتوی دیا جائے گا کہ دیانۃ (یعنی خوف خدا کے پیش نظر) جانور پر خرچ کرے اسی طرح جمادات جیسے گھر، زمین وغیرہ پر بھی خرچ کرنے پر مالک کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے خرچہ کرنے کا فتوی دیا جائے گا۔ لیکن مال کو ضائع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

جانور کے منہ پر داغ لگانا اور منہ پر مارنا حرام ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر داغ دینے اور مارنے والے پر لعنت کی ہے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسے کہ آدمی کے چہرے پر مارنا حرام ہے بلکہ یہ حرمت زیادہ سخت ہے۔ مرغوں اور بیلوں کو لڑانا حرام ہے چونکہ اس طرح کی لڑائی سے جانوروں کو سخت اذیت پہنچتی ہے۔

جانور پر لعنت کرنا حرام ہے کیونکہ امام احمد اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے عمران رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر پر تھے، ایک عورت نے اونٹنی پر لعنت کردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ اس اونٹنی پر ہے وہ لے لو اور اسے آوارہ چھوڑ دو چونکہ یہ ملعون ہو چکی ہے عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں گویا کہ میں اونٹنی کو لوگوں کے درمیان چلتے دیکھ رہا ہوں اور اس سے کوئی بھی تعرض نہیں کرتا۔ احمد و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے کہ ہماری مصاحبت میں ایسی اونٹنی نہ رہے جس پر لعنت کی گئی ہو اسی طرح انسان پر بھی لعنت کرنا حرام ہے۔

جانور کو راحت پہنچانے کی نیت سے اسے ذبح کرنا یا قتل کرنا جائز نہیں (ہاں البتہ گوشت کھانے کی نیت سے درست ہے) چونکہ جانور جب تک زندہ رہے وہ مال ہوتا ہے اور اسے ذبح کرنا گویا مال تلف کرنا ہے جبکہ اتلاف مال سے منع کیا گیا ہے اسی طرح موذی مرض میں مبتلا انسان جو سخت اضطرابی کیفیت میں گرفتار ہو کو قتل کرنا حرام ہے چونکہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے معصوم الدم ہوتا ہے البتہ ایسے موذی جانور جس کا قتل مباح ہے انہیں قتل کرنا بہتر ہے جیسے باؤلا کتا۔

نفقات کے بارے میں مبادی عامہ:

نفقہ کا معنی اور اس کے اسباب...... نفقہ انفاق سے مشتق ہے انفاق کا معنی اخراج ہے نفقہ کا استعمال صرف مال میں ہوتا ہے نفقہ کی جمع نفقات ہے لغوی تعریف ہے ماينفقه الانسان على عياله وہ چیز جسے انسان اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے۔ نفقہ کا اطلاق حقیقت میں دراہم و دنانیر پر ہوتا ہے۔

شرعی تعریف...... هی كفاية من يمونه من الطعام والكسوة والسكنى ❶ جس شخص کا خرچہ کھانا، کپڑے اور رہائش ذمہ میں ہو اس کی کفایت کر دینا نفقہ ہے۔

طعام سے مراد کھانے پینے کی اشیاء ہے کسوہ سے مراد کپڑے ستر پوش اور چادر ہے سکنی سے مراد گھر، اثاثہ، روپے پیسے چراغ کا تیل آلات نظافت وغیرہ مراد ہیں۔ نفقہ کی دو قسمیں ہیں: ❷

---

❶ الدر المختار ۲/۸۸۶ ❷ مغنی المحتاج ۳/۴۲۵۔

ا......وہ نفقہ جو اپنی ذات کے لیے انسان پر واجب ہوتا ہے اگر وہ اس پر قدرت رکھتا ہو، انسان پر واجب ہے کہ ذاتی نفقہ دوسرے لوگوں کے نفقات پر مقدم رکھے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ سے ابتداء کرو پھر اسے خرچہ دو جس کا نفقہ تمہارے اوپر واجب ہے۔ ❶

وجوب نفقہ کے تین اسباب ہیں۔ زوجیت، قرابت خاصہ اور ملک۔ ❷

ا۔ زوجیت سے واجب ہونے والے حقوق......سات ہیں ❸ کھانا، سالن، کپڑے، آلہ نظافت، گھریلو سامان، رہائش، خادم بشرطیکہ عورت ایسے لوگوں میں سے ہو جو خادم رکھتے ہوں۔ میں پہلی بحث میں ان واجبات پر گفتگو کروں گا۔

۲۔ قرابت جو موجب نفقہ ہے......مختلف مذاہب کی چار آراء ہیں جن میں وسعت تنگی مدت کی تعیین میں تفاوت ہے، مالکیہ نے سب سے زیادہ تنگی رکھی ہے پھر شافعیہ نے پھر حنفیہ نے پھر حنابلہ نے۔ ❹

مالکیہ کا مذہب......نفقہ والدین اور اولاد کے لئے واجب ہوتا ہے ان کے علاوہ کسی اور کے لئے واجب نہیں چنانچہ باپ اور ماں کے لئے نفقہ واجب ہے اولاد کے لئے نفقہ واجب ہے خواہ مذکر ہوں یا مؤنث تاہم دادا، دادی اور پوتے کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ......الاسراء ۱۷/ ۲۳

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ......لقمان ۳۱/ ۱۵

دنیا میں ان دونوں (والدین) کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ اس کا باپ اس سے مال چھیننا چاہتا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کی ملکیت ہے سب سے زیادہ پاک مال جسے تم کھاتے ہو وہ تمہاری کمائی ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے اولاد کی کمائی کو خوشدلی سے کھاؤ۔

بچہ جب تک نابالغ رہے اس کے نفقہ کے واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر معروف طریقے سے ان ماؤں کا رزق اور کپڑے واجب ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ...... الطلاق ۶۵/ ۶

اگر عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوی سے فرمایا تھا: ''خاوند کے مال سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی

❶......هذا مركب من حديثين فالشق الاول رواه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن جابر والشق الثانی اخرجه البخاری عن ابی هريرة نيل الاوطار ۶/ ۳۲۱ ❷ الدرالمختار ومغنی المحتاج المكان السابق۔ ❸ مغنی المحتاج ۳/ ۴۶۶ القوانين الفقهية ۲۲۱ ❹ رواه احمد وابوداؤد عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ورواه احمد عن عائشه رواه الخمسة وعائشة بدون الشق الاول ورواه ابن ماجه۔

ہو''۔ ❶ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بچے کا نفقہ واجب ہے۔

ب: شافعیہ کا مذہب...... وہ قرابتداری جونفقہ کی مستحق ٹھہرتی ہے وہ والدین کی قرابت ہے اگر چہ اوپر چلے جائیں اور اولاد کی قرابتداری ہے اگر چہ نیچے آ جائیں یہ استحقاق مختلف آیات اور احادیث سے ثابت ہے چونکہ والدین کے لفظ کا اطلاق داداؤں اور دادیوں پر بھی ہوتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ (الحج ۲۲/۷۸) آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو باپ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام تو دادا ہیں نیز دادا باپ کی مانند ہوتا ہے اور دادی ماں کی مانند لفظ ولد کا اطلاق بیٹے کی اولاد یعنی پوتوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں بار ہا آیا ہے يَا بَنِي آدَمَ اے آدم کی اولاد (الاعراف: ۷/۳۱) چنانچہ والدین اور مولودین (اولاد) کے علاوہ دوسرے قرابتداروں مثلاً بھائی چچا وغیرہ کا نفقہ واجب نہیں ہے چونکہ شریعت میں صرف والدین اور اولاد کا نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے ان دو کے علاوہ ولادت اور احکام ولادت میں کسی اور کو ملحق نہیں کیا گیا۔ لہٰذا ان دو فریقین کے علاوہ وجوب نفقہ میں کوئی اور شریک نہیں ہوگا چنانچہ نفقہ فقط اصول وفروع کے لئے واجب ہے۔

ج: حنفیہ کا مذہب...... ہر ذی رحم محرم کے لئے نفقہ واجب ہوتا ہے، اور غیر محرم قرابتدار کے لئے نفقہ واجب نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى ......النساء ۴/۳۶

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہے۔

وَ آتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ......الاسراء ۱۷/۲۶

اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

نیز بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے حدیث مروی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔

آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ پھر قریب در قریب رشتہ داروں کے ساتھ ❷ حدیث کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقارب کا نفقہ اقارب پر واجب ہوتا ہے خواہ اقارب وارث ہوں یا نہ ہوں۔

لیکن حنفیہ نے قرابت کو محرمیت کے ساتھ مقید کیا ہے چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ

اور وارث پر اسی کی بمثل واجب ہے۔

جبکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے:

وعلى الوارث ذي الرحم المحرم مثل ذالك

معلوم ہوا وارث سے مراد وہ وارث (قریبی رشتہ دار) ہے جو ذی رحم محرم ہو۔ نیز قریب کی قرابتداری کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے جبکہ قرابت بعیدہ کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہیں۔

---

❶...... رواه الجماعة احمد واصحاب الكتب الستة الا الترمذى عن عائشة (نيل الاوطار ۶/۳۲۳) ❷ رواه احمد وابوداؤد والترمذى (نيل الاوطار ۶/۳۲۷)

چنانچہ اصول وفروع کا نفقہ اور ذوی الا حام کا نفقہ واجب ہے۔

د: **حنابلہ کا مذہب**...... ہر وہ قریبی وارث جو ذوی الفروض میں آتا ہو یا عصبات میں آتا ہو یعنی اصول وفروع اور حاشیہ بردار بھائی چچا اوران کے بیٹے کے لئے نفقہ واجب ہے اسی طرح جو لوگ ذوی الارحام ہوں بشرطیکہ وہ نسب میں آتے ہوں جیسے ماں کا باپ اور نواسا برابر ہے کہ یہ وارث بنتے ہوں یا محجوب (حصہ لینے سے محروم) ہوتے ہوں اور وہ لوگ جو نسب میں نہ آتے ہوں جیسے خالہ اور پھوپھی تو ان کا نفقہ واجب نہیں چونکہ ان کی قرابتداری ضعیف ہوتی ہے یہ لوگ اس صورت میں مال لینے کے حقدار ہوتے ہیں جب کوئی وارث موجود نہ ہو جیسے بقیہ مسلمان چنانچہ حنابلہ نے محرمیت کی شرط نہیں لگائی جیسا کہ حنفیہ نے شرط لگائی ہے چنانچہ چچا کا بیٹا اپنے چچازاد بھائی پر نفقہ کا حقدار ہوگا چونکہ وہ وارث ہوتا ہے جبکہ چچازاد بھائی حنفیہ کے نزدیک محرم نہ ہونے کی وجہ سے نفقہ کا حقدار نہیں ہوتا۔

حنابلہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَالِكَ

نیز دو وارثوں کے درمیان پائی جانے والی قرابت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وارث بقیہ لوگوں کی بنسبت مورث کے مال کا زیادہ حقدار ہوتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ وارث ہی کے ساتھ نفقہ کا اختصاص ہو اور اگر وارث موجود نہ ہو تو قرابت معلوم ہونے کی وجہ سے تو نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

ان مذاہب سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آباء امہات اولاد اور زوجات کے لئے نفقہ واجب ہے جب یہ لوگ محنت مزدوری کرنے سے عاجز ہوں اور تنگدست ہوں جبکہ خرچ دہندہ مالدار ہو اگر باپ تنگدست ہو اور ماں مالدار ہو تو ماں کو خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور نفقہ باپ پر دین ہوگا۔ [1]

ابن حزم ظاہری کا موقف ہے کہ اگر خاوند ذاتی نفقہ سے عاجز ہو جبکہ اس کی بیوی مالدار ہو تو اسی پر خاوند کا خرچہ چلانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بعد میں اس کا خاوند اگر مالدار ہو جائے تو بیوی اس سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ ......البقرة ۲/۲۳۳

اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے (ہاں) کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیوی وارث ہوتی ہے اس پر خاوند کا خرچہ نص قرآنی سے واجب ہے۔

۴: **قرابتدار اور بیوی کے نفقہ کا اصول کفایت**...... فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرابتداروں اور بیویوں کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہے جو کہ روٹی، سالن، کپڑے اور سکنی کی صورت میں ہو، تاہم اس میں عادت ورواج اور استطاعت کو ملحوظ رکھا جائے گا چونکہ نفقہ ضرورت اور حاجت کے لئے واجب ہے اور حاجت بقدر کفایت سے پوری ہو جاتی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوی ہند سے۔

فرمایا: اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو اگر قرابتدار یا بیوی کو خادم کی ضرورت ہو تو خرچہ برداشت کرنے والے

---

[1] ......البدائع ۴/۳۶ حاشیة ابن عابدین ۲/۹۲۴ القوانین الفقهیة ۲۲۳ المهذب ۲/۱۶۷ مغنی المحتاج: ۳/۴۴۸

پر واجب ہے کہ وہ خادم کا انتظام کرے چونکہ خادم بھی کفایت میں آتا ہے۔

۵: وجوب نفقہ کی شرائط..... قرابتدار پر خرچہ کرنا واجب ہے تاہم اس وجوب کی تین شرائط ہیں۔ ❶

اول..... یہ کہ قرابتدار فقیر ہو اس کے پاس مال نہ ہو اور نہ ہی وہ محنت مزدوری کی قدرت رکھتا ہو بوجہ صغر سنی کے یا بڑھاپے کے یا جنون کے یا کسی مرض کے۔ اس شرط سے والدین مستثنیٰ ہیں اگرچہ انہیں محنت مزدوری کی قدرت ہو تب بھی اولاد پر والدین کا خرچہ واجب ہے۔ اگر قرابتدار کے پاس مال ہو یا وہ محنت مزدوری کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کی لیے نفقہ واجب نہیں ہوگا، چونکہ نفقہ غمخواری کی طور پر واجب ہوا تھا جبکہ مالدار شخص غمخواری کا محتاج نہیں ہوتا مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر والدین کسب وکمائی پر قدرت رکھتے ہوں تو اولاد پران کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

دوم..... یہ کہ خرچ کنندہ مالدار ہو اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بعد اس کے پاس مال بچ رہے جسے قرابتداروں یا والدین پر خرچ کرے اس شرط سے والد مستثنیٰ ہے گو وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو نابالغ اولاد کا خرچ اس پر واجب ہے اسی طرح خاوند بھی مستثنیٰ ہے چنانچہ بیوی کا خرچہ اس پر واجب ہے گو فقیر ہی کیوں نہ ہو مالکیہ کہتے ہیں: اولاد اگر فقیر وتنگدست ہو تو کسب کمائی اس پر واجب نہیں کہ اپنے والدین پر خرچ کرے اگرچہ وہ کسب وکمائی کی قدرت رکھتا ہو۔

اس شرط کی دلیل..... حدیث میں ہے:

ابدا بنفسك ثم بمن تعول

اپنے آپ سے (خرچے کی) ابتدا کرو اور پھر ان لوگوں کو خرچہ دو جن کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص فقیر ہو وہ اپنی ذات سے ابتداء کرے اگر خرچہ بچ رہے تو اپنے عیال پر خرچ کرے پھر بھی اگر بچ رہے تو قرابتداروں پر خرچ کرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے اوپر خرچ کرو اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے؟ فرمایا اسے اپنی اولاد پر صدقہ کرو عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے فرمایا: اسے اپنے خادم پر صدقہ کرو عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے، فرمایا: تم اسے خرچ کرنے کی زیادہ بہتر سمجھ رکھتے ہو۔(۲)

سوم..... یہ کہ خرچ کنندہ جس شخص پر خرچ کر رہا ہو وہ اس کا قریبی رشتہ دار ذی رحم محرم ہو۔ حنفیہ کے مذہب کے مطابق وہ اس کا وارث بنتا ہو حنابلہ کے نزدیک خرچ کنندہ کا وارث ہونا شرط ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ...... البقرة ۲/ ۲۳۳

وارث کے ذمہ بھی اسی طرح کے اخراجات واجب ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک خرچ کنندہ کا باپ یا بیٹا ہونا شرط ہے شافعیہ کے نزدیک اصول وفروع میں سے ہونا شرط ہے جیسا کہ میں نے

❶ فتح القدیر ۳/ ۳۴۷، الدر المختار ۲/ ۹۲۳ القوانين الفقهية ۲۲۲ المغنی ۷/ ۵۸۴، مغنی المحتاج: ۳/ ۴۴۶ کشاف القناع ۵/ ۵۵۸ الشرح الصغیر ۲/ ۷۵۰ (۲) یہ ساری احادیث نیل الاوطار ۶/ ۳۲۱ میں دیکھی جاسکتی ہیں

تیسرے اصول میں بیان کر دیا ہے جب تک اولا د زیر تعلیم ہو ان کا خرچہ باپ پر واجب ہے اگر چہ اولا د بالغ ہو چکی ہو اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

اتحاد دین کی شرط......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے اگر چہ دونوں کا دین جدا جدا ہو بشرطیکہ بیوی نا شزہ (نافرمان) یا مرتدہ نہ ہو، اب آیا کہ قرابتدار پر خرچہ کرنے کی صورت میں دین کا متحد ہونا شرط ہے یا نہیں؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ...... نے وجوب نفقہ کے سلسلہ میں اتحاد دین کی شرط نہیں لگائی بلکہ مسلمان کافر پر خرچ کرے کافر مسلمان پر خرچ کرے چونکہ جن دلائل سے نفقہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے انہیں عموم ہے گویا بیوی کے نفقہ پر قیاس کیا گیا ہے چونکہ موجب پایا جاتا ہے اور وہ بعضیت ہے۔

حنابلہ......اس شرط کے بارے میں حنابلہ کی دو آراء ہیں۔

اول......اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بھی نفقہ واجب ہوگا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

دوم......(حنابلہ کے ہاں یہ قابل اعتماد رائے ہے) اختلاف دین کے ساتھ نفقہ واجب نہیں ہوتا چونکہ نفقہ احسان، صلہ رحمی اور غمخواری ہے جبکہ بیوی کا نفقہ قدرے مختلف نوعیت کا ہے وہ تو عوض ہوتا ہے جو تنگدستی کے ہوتے ہوئے بھی واجب ہوتا ہے لہٰذا اختلاف دین اس نفقہ کے مانع نہیں حالانکہ قرابتداروں کا نفقہ وراثت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور کافر مسلم کا وارث نہیں بنتا لہٰذا کافر کا نفقہ بھی واجب نہیں۔

حنفیہ......نے اتحاد دین کی شرط نہیں لگائی تاہم ان کے نزدیک اصول وفروع کا نفقہ واجب ہے اور بیوی کا نفقہ بھی واجب ہے۔ حنفیہ نے ان تین گروہوں کے علاوہ کے لئے اتحاد دین کی شرط رکھی ہے چونکہ مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں بنتا۔

چنانچہ ایک مرد پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین اجداد، جدات پر خرچہ کرے بشرطیکہ وہ فقراء ہوں اگر چہ ادیان الگ الگ ہوں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا......لقمان ۳۱/ ۱۵

اور دنیا میں والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔

حسن سلوک یہ نہیں کہ اولا د تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہی ہو اور والدین بھوکوں مر رہے ہوں۔ رہی بات اجداد وجدات کی سو اجداد (دادے) باپ کے قائم مقام ہیں اور جدات (دادیاں) ماں کے حکم میں ہیں۔

اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نفقہ صرف بیوی والدین، اجداد، جدات، اولا د اور اولا د کی اولا د کے لئے واجب ہوتا ہے۔ بیوی کا نفقہ تو احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جبکہ اصول وفروع کا نفقہ جزئیت بعضیت ❷ کی وجہ سے واجب ہوتا ہے البتہ والدین اگر حربی (دشمن) ہوں تو ان کا خرچہ اولا د پر واجب نہیں چونکہ شریعت نے مسلمان کو حربی کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے منع کیا ہے۔ حتیٰ کہ والدین مستامن (ویزہ وغیرہ لے کر آئے) ہو تب بھی واجب نہیں۔

---

❶......البدائع ۴/ ۳۶، الكتاب مع اللباب ۳/ ۱۰۴ فتح القدير ۳/ ۳۴۷، القوانين الفقهية ۲۲۳ مغنى المحتاج ۳/ ۴۴۷ المهذب ۲/ ۱۶۰۔ ❷ جزئیت بعضیت کا معنی ہے کہ اولا د والدین کا جزو ہوتی ہے اولا د کی رگوں میں والدین کا خون دوڑ رہا ہوتا ہے۔

خلاصہ...... حنفیہ کا مذہب معتدل ہے حنفیہ نے اصول وفروع کے لئے نفقہ واجب قرار دیا ہے اگرچہ اختلاف دین ہی کیوں نہ ہو، جبکہ اصول وفروع کے علاوہ کے لئے اختلاف دین کے ساتھ نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

مالداری اور تنگدستی کی حد...... مالدار شخص پر اس کے قرابتدار کا نفقہ واجب ہے حنفیہ کے نزدیک مالداری کی حد حدزکوۃ ہے جس کے ہوتے ہوئے زکوۃ لینا حرام ہو ❶ اور وہ نصاب کا مالک ہونا ہے اگرچہ نصاب غیر نامی ہو ہاں البتہ حوائج اصلیہ سے فاضل ہونا ضروری ہے زکوۃ کا نصاب سونے کے اعتبار سے ۲۰ مثقال ہے اور چاندی کے اعتبار سے دوسو درہم (بالفاظ دیگر سونا ۷ء۵ تولہ اور چاندی ۵۲ تولہ) چنانچہ جس شخص پر زکوۃ واجب ہو اس پر قرابتدار کا نفقہ بھی واجب ہے بشرطیکہ مال ذاتی نفقہ بیوی کے نفقہ اولاد کے نفقہ اور ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک آدمی کے پاس اپنے نفقہ اور اپنے عیال کے نفقہ سے دن رات سے جو فاضل ہو قرابتدار پر خرچ کرنا واجب ہے ❷ یہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے، کمال بن ہمام نے اسے مختار قرار دیا ہے۔ اس قول میں ملازمین اور کاریگروں کی رعایت ہے چنانچہ وہ اپنی محنت مزدوری سے جو دن بھر کمائیں اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں جو بچ رہے اسے اپنے فقیر قرابتدار پر خرچ کریں۔ رہی بات تنگدستی کی حد کی جس کے ہوتے ہوئے تنگدست نفقہ کا مستحق ٹھہرتا ہے سو اس میں دو آراء ہیں۔ ❸

اول...... وہ شخص تنگدست ہے جس کے لئے صدقہ لینا حلال ہو اور اس پر زکوۃ واجب نہ ہو۔

دوم...... غیر حنفیہ کے نزدیک وہ شخص محتاج یا فقیر ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔

یہ دونوں آراء قریب قریب ہیں۔

آیا کہ جو شخص گھر اور خادم کا مالک ہو تو کیا وہ قرابتدار سے خرچہ لینے کا استحقاق رکھتا ہے؟ سو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے اور ان کی دو آراء ہیں۔

اول...... وہ خرچہ لینے کا مستحق نہیں چونکہ وہ غیر محتاج ہے اور جو محتاج نہ ہو اس کا خرچہ قرابتدار پر واجب نہیں ہوتا چونکہ وہ گھر کا کچھ حصہ فروخت کر کے خرچہ چلا سکتا ہے یا گھر کو کرائے پر دے سکتا ہے یا خادم کو بیچ دے اگر وہ غلام ہو جیسا کہ زمانہ ماضی میں ہوتا تھا۔

دوم...... وہ خرچے کا مستحق ہو گا چونکہ گھر کو فروخت کرنے کا واقعہ نادر الوجود ہے۔ اور اپنا گھر فروخت کر کے کرائے پر گھر لینا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ علامہ کاسانی نے اس رائے کو درست وصواب قرار دیا ہے۔

کسب وکمائی سے عاجز ہونا اور اس پر قدرت ہونا...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسا قرابتدار جو کسب وکمائی سے عاجز ہو اس کا خرچہ واجب ہے کسب وکمائی سے عاجز ہونا یہ ہے کہ مشروع ومتعارف وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی معیشت کو سنوارنے کی استطاعت نہ رکھنا تاہم عاجز ہونے کی مختلف صورتیں ہیں عرصہ دراز سے مریض ہونا بچہ ہونا مجنون، فاتر العقل، یا کسی آفت کا شکار ہونا مثلاً نابینا، ہاتھوں کا شل ہونا، یا بے روزگاری عام ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہونا۔

اگر انسان کسب وکمائی پر قادر ہو تو بالاتفاق اس کے لئے نفقہ نہیں چونکہ کسب وکمائی پر قادر ہونا مالداری ہے لیکن والدین اس سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک باوجود قدرت کسب کے ان کا نفقہ واجب ہے چونکہ فروع کو حکم ہے کہ وہ اصول کے ساتھ حسن سلوک

---

❶ الدر المختار وحاشیة ابن عابدین ۹۳۱/۲ البدائع ۳۵/۴، ❷ حاشیة الصاوی علی الشرح الصغیر ۷۵۰/۲ مغنی المحتاج ۴۴۷/۳ المغنی ۵۸۴/۷ ❸ البدائع ۳۴/۴ القوانین الفقهیة ۲۲۲ مغنی المحتاج ۴۴۸/۳ کشاف القناع ۵۵۹/۵۔

رکھے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر والدین کسب وکمائی پر قدرت رکھتے ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں۔

جمہور کی رائے کے مطابق خاوند پر بیوی کے لئے اور اپنے قرابتدار کے لئے کسب وکمائی کرنا تاکہ اپنے اوپر واجب نفقہ ادا کرے چونکہ کمائی پر قدرت کا حاصل ہونا مال پر قدرت حاصل ہونے کے مترادف ہے بشرطیکہ مباح کام دستیاب ہو جو کاسب کے لائق بھی ہو نیز حدیث ہے آدمی کو گناہ گار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے عیال میں سے کسی کو ضائع کردے ❶ اس فقہی بحث سے یہ نکتہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ جب انسان کمائی پر قادر ہو اس پر زکوٰۃ لینا حرام ہے نیز انسان پر لازم ہے کہ وہ کسب کمائی کے ذریعہ اپنے آپ کو زندہ رکھے۔اسی طرح اپنے قرابتدار کو زندہ رکھنا بھی اس پر لازم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں......اولاد جو کہ تنگدست ہو اس پر کسب وکمائی واجب نہیں کہ وہ اپنے والدین پر خرچ کرے اگرچہ وہ کمائی پر قدرت رکھتا ہو، اگر والدین کمائی کی قدرت رکھتے ہوں تو راجح قول کے مطابق انہیں کمائی پر مجبور کیا جائے گا۔

حنفیہ اور شافعیہ نے طالب علموں کو مستثنیٰ کیا ہے جب وہ حصول علم کی خاطر کسب وکمائی کے لئے فارغ نہ ہو لہٰذا والدین (اور اقرباء) پر ان کا خرچہ واجب ہے اگرچہ طلبہ کسب وکمائی پر قدرت رکھتے ہوں چونکہ طلب علم فرض کفایہ ہے کہ اور علم تبھی حاصل کیا جا سکتا ہے جب دوسری مصروفیات سے فراغت ہو اگر طلبہ پر کسب وکمائی لازم کردی جائے تو امت کے مصالح معطل ہو کر رہ جائیں گے، حنفیہ نے اناڑی کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اناڑی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسب وکمائی کے گر نہ جانتا ہو درحقیقت اناڑی عاجز کے حکم میں ہے (فی الواقع اناڑی بجائے کمانے کے قرضہ میں ڈوب جاتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ بھی ضائع کر بیٹھتا ہے)

حنفیہ نے شرفاء اور معززین کی اولاد کو بھی مستثنیٰ کیا ہے جو کسب وکمائی سے عار محسوس کرتے ہوں یا عادۃً لوگ جنھیں مزدوری کے لئے نہ رکھتے ہوں دراصل وہ بھی عاجزین میں شامل ہیں لہٰذا ان کا نفقہ بھی والدین پر واجب ہے اگرچہ انھیں کسب وکمائی پر قدرت حاصل ہو۔

خلاصہ......صاحب مال کے لئے نفقہ واجب نہیں مگر بیوی کے لئے ہر حال میں واجب ہے اسی طرح جو شخص کسب وکمائی پر قادر ہو اس کے لئے بھی نفقہ واجب نہیں مگر باپ کے لیے اولاد پر نفقہ واجب ہے۔

۶: حاجت وضرورت کے بسبب نفقہ......دوسرے پر نفقہ صرف حاجت کے سبب واجب ہوتا ہے سو جو شخص مالدار صاحب مال ہو اس کا خرچہ اسی کے مال میں سے ہوگا برابر ہے کہ وہ کمسن ہو یا معمر، البتہ بیوی مستثنیٰ ہے بلاشبہ اس کا خرچہ خاوند پر واجب ہے اگرچہ بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو چونکہ بیوی کا نفقہ حاجت کی بناء پر واجب نہیں ہوتا اس کا نفقہ تو احتباس کے سبب ہے کیونکہ بیوی خاوند کے حق کے لئے احتباس (قید) میں ہوتی ہے۔

۷: باپ کا اپنی اولاد کے نفقہ میں مستقل ہونا......اولاد کے خرچے کا بار صرف باپ کو برداشت کرنا پڑتا ہے باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا جیسا بیوی کے خرچے میں خاوند کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد والد کا جزو ہوتی ہے، انھیں زندہ رکھنا واجب ہے جیسے والد پر اپنے آپ کو زندہ رکھنا واجب ہے، نیز اولاد کا نسب باپ کے ساتھ لاحق ہوتا ہے لہٰذا نفقہ کا بوجھ باپ ہی پر پڑے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ......البقرۃ ۲/۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس پر ماؤں کا رزق اور کپڑے واجب ہیں۔

---

❶......رواہ احمد وابوداؤد والحاکم والبیہقی عن عبداللہ بن عمرو و ہو صحیح۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

اور اگر وہ (مطلقہ عورتیں طلاق ہو چکی ہوں) تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو۔ (الطلاق ۶۵: ۶)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا تم اتنا مال لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ کا وجوب باپ پر کیا نہ کہ ماں پر۔ ❶

۸: اولاد کا اپنے والدین کے نفقہ میں مستقل ہونا: والدین کے نفقہ میں اولاد کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا، چونکہ اولاد والدین سے قریب تر ہوتی ہے ❷ اگر اولاد زیادہ ہو اور مالدار بھی ہو تو مالکیہ کے نزدیک والدین کا نفقہ اولاد پر ان کی مالداری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ نفر کے اعتبار سے اولاد پر والدین کا نفقہ تقسیم کیا جائے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ والدین کا نفقہ اولاد پر بقدر میراث کے موافق تقسیم کیا جائے گا یعنی مرد پر دو عورت کے برابر کا نفقہ آئے گا جبکہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اولاد پر والدین کا نفقہ بقدر میراث تقسیم ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے وعلی الوارث مثل ذالک وارث اسم مشتق ہے لہٰذا حکم صفت وراثت سے متعلق ثابت ہوگا۔ ❸

۹: باپ کی شادی کروانا بھی نفقہ واجبہ میں سے ہے: جمہور فقہاء کی رائے اور ایک روایت کے مطابق حنفیہ کے نزدیک بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنے ضرورت مند باپ کی شادی کروائے اگرچہ باپ کافر ہو، شافعیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک [illegible] کی شادی کروانا بھی اولاد پر لازم ہے۔

چونکہ شادی انسان کی بنیادی حاجت ہے جیسے نفقہ اور سکنی بنیادی حاجت ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہر انسان جنسی خواہش رکھتا ہے آباء واجداد بھی جنسی خواہش رکھتے ہیں اگر ان کی یہ بنیادی ضرورت نہ پوری کی گئی تو زنا میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے جو ہلاکت تک پہنچا سکتا ہے نیز آباء واجداد کے ساتھ حسن سلوک رکھنے کا حکم ہے ان کے ساتھ حسن سلوک تبھی رکھا جا سکتا ہے جب ان کی خواہش پوری کی جائے لہٰذا اولاد پر والدین کی شادی کروانا لازم ہے۔ ❹

حنفیہ کے نزدیک راجح روایت یہ ہے کہ اولاد پر والدین کی شادی کروانا واجب نہیں چونکہ شادی کروانا ایک طرح سے کمالیات (سامان زیب وزینت) میں سے ہے۔

اگر باپ اور دادا دونوں کو شادی کی ضرورت ہو یا دو دادا ہوں جنہیں شادی کی ضرورت ہو جبکہ اولاد ان میں سے کسی ایک کی شادی کروا سکتی ہو تو اسے مقدم رکھا جائے گا جو زیادہ قریب ہو یعنی دادا کی بجائے باپ کی شادی کروائی جائے گی اور نانا کی بجائے دادا کی شادی کروائی جائے گی چونکہ باپ اور دادا ہی ہیں شریعت نے انہیں وراثت کا حقدار ٹھہرایا ہے لہٰذا وارث کو خرچہ اور استحقاق میں مقدم رکھا جائے گا۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک باپ پر لازم نہیں کہ وہ اپنے فقیر بیٹے کی شادی کروائے جبکہ حنابلہ کے نزدیک اگر بیٹا فقیر ہو اور اسے شادی کی ضرورت بھی ہو اور باپ پر اس کا خرچہ واجب ہو تو اس کی شادی کروانا باپ پر لازم ہے چونکہ باپ پر بیٹے کا خرچہ لازم ہے لہٰذا بوقت حاجت اس کی شادی کروانا بھی باپ پر لازم ہے جیسے باپ کی شادی کروانا بیٹے پر لازمی ہے ہر وہ شخص جس پر کسی دوسرے کی شادی لازم ہو اس پر اس کی بیوی کا خرچہ بھی لازم ہے چونکہ اعفاف (پاکدامنی) اور شادی بیوی ہی سے ممکن ہے اور وہ خرچے کی یقیناً محتاج ہے۔

---

❶ المغنی ۷/۵۸۱ الدر المختار ۲/۹۲۶ ❷ اللباب ۳/۱۰۵ فتح القدیر ۳/۳۴۳ ❸ الشرح الصغیر ۲/۷۵۲ القوانین الفقہیہ ۲۲۳ فتح القدیر ۳/۳۴۸ مغنی المحتاج ۳/۲۱۱ المغنی ۷/۵۸۹ ❹ الشرح الصغیر ۲/۷۵۲ مغنی المحتاج ۳/۲۱۱، المہذب ۲/۱۲۰ المغنی ۷/۵۸۶ الدر المختار ۲/۹۲۷.

اعفاف یعنی شادی مہر مثل دینے سے ہوگی اور بیوی کی تعین کا اختیار باپ (خاوند) کو ہے تاہم اولاد کے لئے جائز نہیں کہ وہ بدصورت یا بوڑھی عورت سے اپنے باپ کی شادی کروائے چونکہ بدصورت اور بوڑھی عورت سے اعفاف حاصل نہیں ہوتا۔

حنابلہ کے نزدیک بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنی ماں کی شادی کروا کر اسے پاکدامنی سے ہمکنار کرے جیسے باپ کی شادی بیٹے پر لازم ہے۔

باپ کی بیوی کا نفقہ..... حنابلہ، شافعیہ، مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق حنفیہ کے نزدیک باپ کی بیوی کا نفقہ بیٹے پر لازم ہے چنانچہ ہر وہ شخص جس کے ذمہ کسی دوسرے کی شادی کروانا لازم ہو اس کے ذمہ ناکح کی بیوی کا نفقہ بھی لازم ہوتا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

حنفیہ کی دوسری روایت..... باپ کی بیوی کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب نہیں الا یہ کہ باپ مریض ہو یا اپاہج ہو ذخیرہ میں ہے باپ کی بیوی کے نفقہ کا عدم وجوب مصر میں معمول بہ ہے۔ ❶

حنفیہ کی پہلی روایت کے مطابق بیٹے پر باپ کی منکوحہ کا نفقہ لازم ہے اور یہ صرف ایک بیوی کا نفقہ لازم ہے ایک سے زیادہ کا نہیں۔ یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب بھی ہے۔

بیٹے کی بیوی کا نفقہ..... حنفیہ کے نزدیک باپ پر بیٹے کی بیوی کا نفقہ واجب نہیں خواہ بیٹا نابالغ ہو یا بالغ، الا یہ کہ باپ نے خرچے کی ضمانت دی ہو تو واجب ہوگا اور یہ خرچہ بیٹے کے ذمہ قرضہ ہوگا جب بیٹا مالدار ہو جائے تو باپ اس سے واپس لے۔

حنابلہ اور شافعیہ کا متذکرہ بالا موقف ہے کہ ہر وہ شخص جس کی شادی لازم ہو اس کی بیوی کا نفقہ بھی لازم ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں..... جب تک خاوند تنگدست ہو اس کی بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

۱۰: کیا نفقہ عدالتی فیصلے پر موقوف ہے:

حنفیہ..... کہتے ہیں ❷ عدالتی حکم کے بغیر ہی اصول وفروع کا نفقہ واجب ہوتا ہے ہاں البتہ اگر نابالغ بیٹے کا مال غائب ہو (مثلاً کسی بینک میں فکسڈ ہو) اور باپ نے مالدار بیٹے پر جو خرچہ کیا ہو واپس لینا چاہے تو وہ عدالتی فیصلے کی بدولت لے سکتا ہے یا بیٹے پر خرچہ کرتے وقت گواہ قائم کیے ہوں تو اب ان کی گواہی کی بدولت واپس لے سکتا ہے اگر قاضی کے اجازت یا گواہ بنانے کے بغیر ہی باپ نے بیٹے پر خرچہ کیا ہو تو قضاء باپ خرچہ واپس نہیں لے سکتا ہاں البتہ دیانۃً واپس لے سکتا ہے یعنی جو مال خرچ کیا واپس لے سکتا ہے اس کا معاملہ باپ اور اس کے خدا کے درمیان ہوگا۔

رہی بات اصول وفروع کے علاوہ دوسرے قرابتداروں کے نفقہ کی سو ان کا نفقہ عدالتی فیصلہ اور باہمی رضامندی سے ذمہ میں ثابت ہوگا۔ دونوں صورتوں میں فرق کا سبب یہ ہے کہ اصول وفروع کا نفقہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق واجب ہے اس کے لئے عدالتی حکم کی

❶.....الشرح الصغير ۷۵۲/۲ المغنى ۵۸۷/۷ الدرالمختار وحاشية ابن عابدين ۹۲۷/۲ القوانين الفقهية ❷ ۲۲۳ فتح القدير ۳۳۸/۳ البدائع ۲۲/۴، الدرالمختار ۹۰۶/۲۔

۱.....شادی کروانے کی نوبت تب پیش آتی ہے جب والد نے والدہ کو طلاق دے دی ہو اور والد کو دوسری شادی کی ضرورت ہو اور والدہ کو بھی دوسری شادی کی ضرورت ہو یا والدین میں سے کوئی ایک مرجائے لامحالہ جو زندہ رہے اسے شادی کی ضرورت ہوگی یا ماں تو باپ کے زیر نکاح ہو تاہم باپ دوسری شادی کرنا چاہتا ہو۔

حاجت نہیں ہوتی رہی بات دوسرے قرابتداروں کے نفقہ کی تو اس کا وجوب فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے لہٰذا اس وجوب کو کسی خارجی تقویت کی ضرورت ہے اور وہ تقویت قاضی کا فیصلہ ہے۔

سقوط نفقہ..... نفقہ یا تو بیوی کے لئے واجب ہوتا ہے یا قریبی رشتہ داروں کے لیے واجب ہوتا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نفقہ کب ساقط ہوتا ہے؟

بیوی کے نفقہ کا سقوط...... بیوی کا نفقہ درج ذیل صورتوں میں ساقط ہوجاتا ہے۔ ❶

۱۔ مدت کا گزر جانا..... یعنی مدت قاضی نے مقرر نہ کی ہو اور نہ ہی باہمی رضامندی سے مقرر کی ہو تو حنفیہ کے نزدیک وجوب کے بعد مدت گزرنے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے اور نفقہ کا سقوط ذمہ میں دین ہوجانے سے قبل ہے۔ جبکہ دوسری صورتوں میں ذمہ میں نفقہ کے دین ہوجانے کے بعد ساقط ہوجاتا ہے، مالکیہ اور بقیہ مذاہب کے نزدیک زمانہ (مدت) گزرنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا، اور بیوی منجمد نفقہ کے لئے خاوند پر رجوع کرسکتی ہے، یہ اقارب کے نفقہ کے برخلاف ہے چنانچہ اقارب کا نفقہ مدت گزرنے سے ساقط ہوجاتا ہے چونکہ جب مدت پوری ہوجاتی ہے تو مقدار نفقہ سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

۲۔ زمانہ ماضی کے نفقہ سے بری الذمہ کردینا..... گزشتہ دنوں کے نفقہ سے بری الذمہ کردینے سے یا ہبہ کردینے سے نفقہ (ماضی کا) ساقط ہوجاتا ہے، دراصل یہ ابراء، اسقاط دین ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں آئندہ (مستقبل) کے نفقہ سے بری الذمہ کرنا یا نفقہ ہبہ کردینا صحیح نہیں چونکہ بیوی کا نفقہ جوں جوں وقت گزرتا ہے رفتہ رفتہ (وقتاً فوقتاً) واجب ہوتا رہتا ہے گویا اس نفقہ سے ابراء وجوب سے قبل ہی واجب کا اسقاط ہے اسی طرح نفقہ کے سبب وجوب یعنی احتباس کے وجود سے قبل ہی اسقاط ہے۔

۳۔ زوجین میں سے کسی ایک کا مرجانا..... اگر نفقہ دینے سے قبل خاوند مرجائے تو عورت کو حق نہیں کہ وہ خاوند کے ترکہ سے لے اور عورت مرجائے تو اس کے ورثہ کو حق نہیں ہوتا کہ وہ عورت کا نفقہ لیں اور اگر خاوند نے پیشگی نفقہ دے دیا ہو اور پھر مرجائے تو خاوند کے ورثہ بیوی (جو زندہ ہے) سے بچا ہوا نفقہ نہیں لے سکتے یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اسی طرح ان دونوں ائمہ کے نزدیک اگر عورت مرجائے تو خاوند پیشگی دیا ہوا نفقہ بیوی کے ترکہ سے واپس نہیں لے سکتا۔

۴۔ نشوز (نافرمانی)..... یعنی عورت عقد نکاح کی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرکے خاوند کی نافرمانی کا ارتکاب کرے تو بیوی کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ عورت نے اگر خاوند کو بوسہ لینے سے روکا حالانکہ کوئی عذر بھی نہ ہو تب بھی اس کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے چونکہ نفقہ استمتاع (جنسی نفع) کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے جب استمتاع فوت ہوگا نفقہ بھی ساقط ہوجائے گا حنفیہ کہتے ہیں: نشوز سے مقررہ فرض نفقہ ساقط ہوتا ہے اور وہ نفقہ ساقط نہیں ہوتا جو ذمہ میں دین ہو۔

عذر..... اگر کوئی عذر پایا جائے جو استمتاع کے مانع ہو مثلاً عورت کی شرمگاہ پر پھوڑا ہو گیا ہو یا شرمگاہ میں سوزش کی شکایت ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا ایسا مرض بھی عذر ہے جس کے ہوتے ہوئے جماع سے بیوی کو تکلیف پہنچتی ہو، آلہ تناسل کا بڑا ہونا جس کی عورت متحمل نہ ہوسکتی ہو بھی عذر ہے۔

---

❶..... البدائع ۲۲/۴، فتح القدیر ۳۳۲/۳، الدرالمختار ۸۸۹/۲ القوانین الفقهیة ۲۲۳ الشرح الصغیر ۷۴۰/۲ بدایة المجتهد ۵۴/۲ مغنی المحتاج: ۴۳۶/۳ المهذب ۱۶۰/۲ المغنی ۵۷۸/۷ کشاف القناع ۵۴۸/۵۔

اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے یا خاوند کی اجازت کے بغیر سیر پر چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر حج کا احرام باندھ لے تو وہ نافرمان کہلائے گی لہٰذا اسکا نفقہ ساقط ہو جائے گا الا یہ کہ کوئی ضرورت یا حاجت ہو یا کوئی عذر ہو جیسے مثلاً گھر منہدم ہو رہا ہو اور وہ اضطراری حالت میں گھر سے باہر چلی جائے یا والدین کی ملاقات کے لیے چلی جائے یا ان کی تیمارداری کے لئے (خاوند کی اجازت کے بغیر) چلی جائے تو اس کا باہر جانا عذر شمار ہوگا نافرمانی اور نشوز نہیں ہوگا لہٰذا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

شافعیہ.....اگر عورت کا سفر خاوند کی اجازت سے ہو سو اس مسئلہ کی شافعیہ نے قدرے تفصیل کی ہے کہ اگر سفر خاوند کے ساتھ ہو یا کسی اشد ضرورت کے تحت ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر عورت نے اپنی کسی حاجت کے پیش نظر سفر کیا ہو تو ظاہری قول کے مطابق نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک اگر خاوند گھر سے غائب ہو اور عورت اپنے والدین یا اقارب کی ملاقات کو چلی جائے یا ان کی عیادت یا تعزیت کو چلی جائے تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ وہ نشوز کی وجہ سے گھر سے نہیں نکلی۔

حنابلہ..... کہتے ہیں: جو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر (اپنی ضرورت کی خاطر) سفر کرے یا محض سیر وسیاحت کے لئے سفر کرے یا قریبی رشتہ داروں کی زیارت وملاقات کی لئے سفر کرے یا حد کی وجہ سے یا تعزیر کی وجہ سے جلاوطن کر دی جائے یا ظلماً قید وبند میں رکھ دی جائے یا کفارہ کا روزہ رکھے یا رمضان کی قضاء کا روزہ رکھے جبکہ اس کے پاس روزہ رکھنے کے لئے ایام وسیع ہوں یا نفلی روزہ رکھے یا نفلی حج کرے یا خاوند کی اجازت کے بغیر نذر معین کا روزہ رکھے تو ان سب صورتوں میں عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ تاہم حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک عورت نے اگر فرض حج کا سفر کیا تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

حنفیہ نے اس بات میں حنابلہ کی موافقت کی ہے کہ اگر عورت کو ظلماً قید کر دیا گیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا ہاں البتہ اگر خاوند نے بیوی کو اپنے دین کے بدلہ میں قید کروایا ہو تو اصح قول کے مطابق اسے نفقہ ملے گا حنفیہ نے اس بات میں شافعیہ کی موافقت کی ہے کہ اگر عورت خاوند کے علاوہ کسی اور مرد (بھائی یا باپ) کے ساتھ حج کو جائے اگر چہ حج فرض ہی کیوں نہ ہو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ خاوند کا احتباس فوت ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں کہ اگر عورت کو ظلماً قید کر دیا گیا ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ استمتاع (جنسی نفع) میں جو رکاوٹ آ رہی ہے وہ عورت کی طرف سے نہیں ہے۔

اگر عورت نے روزہ رکھ کر خاوند کو جنسی نفع سے روک دیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر نفلی روزہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت نے خاوند کو تمکین تام (مکمل جنسی نفع اٹھانے) سے ایسی چیز کے ذریعہ روک دیا جو واجب نہیں لہٰذا ناشزہ کی طرح اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر عورت نے رمضان کا روزہ رکھا یا رمضان کے روزے کی قضا رکھی جبکہ وقت بھی تنگ ہو (یعنی دوسرا رمضان بالکل سر پر ہو) تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ شریعت کی وجہ سے جس چیز کا انسان مستحق ہو تو اس کے وقت میں خاوند کا حق نہیں رہتا۔

اگر عورت نے قضاء کا روزہ رکھا جبکہ وقت بھی تنگ نہ ہو یا عورت نے کفارہ کا روزہ رکھا یا نذر کا روزہ رکھا اور خاوند کو جنسی نفع اٹھانے سے روک دیا تو عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت نے خاوند کے حق کو روک دیا ہے۔ اسی طرح اگر عورت نے خاوند کی اجازت کے بغیر نذر معین کا روزہ رکھا تو بھی اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اعتکاف روزہ کے حکم میں ہے، چنانچہ اگر عورت نفلی یا نذر کا اعتکاف بیٹھی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اگر عورت نے نماز میں مشغول ہو کر خاوند کا حق روک دیا تو نماز کی نوعیت دیکھی جائے گی اگر عورت پانچ فرض نمازوں میں مشغول ہوئی ہو یا سنن مؤکدہ میں مشغول ہوئی ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ شریعت نے جن اعمال کا حکم دیا ہے اس کے وقت میں خاوند کا حق نہیں رہتا۔ اور اگر عورت نفلی نماز یا فوت شدہ نمازوں کی قضاء میں مشغول ہوئی ہو تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ نفلی نماز اور قضاء کی ادائیگی ذمہ میں تراخی سے ہے جبکہ خاوند کا حق واجب علی الفور ہے۔

اگر نشوز کی وجہ سے عورت کا نفقہ ساقط ہوا ہو پھر عورت نے خاوند کی اطاعت اختیار کر لی ہو اور نشوز سے توبہ کی ہو اور خاوند حاضر بھی ہو تو ساقط شدہ نفقہ بحال ہو جائے گا چونکہ سبب سقوط زائل ہو چکا اور خاوند کو تمکیل تام کا پورا اختیار حاصل ہو گیا اور اگر خاوند کہیں غائب ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ساقط شدہ نفقہ بحال نہیں ہوگا چونکہ جنسی نفع کا حصول معدوم ہے حنفیہ کہتے ہیں عورت کا نفقہ بحال ہو جائے گا چونکہ عورت نے نشوز سے توبہ کر لی ہے اگرچہ اس کا خاوند غائب ہے۔

ردۃ: اگر عورت مرتدہ ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتی ہے اور مرتدہ ہونے کی وجہ سے اس سے جنسی نفع اٹھانا ممنوع ہو جاتا ہے۔

اگر پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کا نفقہ پھر سے بحال ہو جائے گا یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، نشوز اور ردت میں یہ فرق ہے کہ ردت سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور دوبارہ اسلام قبول کرنے سے نفقہ بحال ہو جاتا ہے، جبکہ نشوز کی صورت میں خاوند کو نفس پر تمکین نہ دینے سے ساقط ہوتا ہے اور طاعت کی طرف لوٹنے سے نفقہ کا سقوط ختم نہیں ہوتا بلکہ بالفعل تمکین سے ختم ہوتا ہے تاہم اگر خاوند غائب ہو تو ساقط شدہ نفقہ بحال نہیں ہوتا۔

۲۔ ہر وہ فرقت جو معصیت کی وجہ سے عورت کی طرف سے ہو...... جیسے مثلاً عورت مرتدہ ہو جائے یا قبول اسلام سے انکار کر دے جبکہ اس کے خاوند نے اسلام قبول کر لیا ہو اور عورت بت پرستی یا مجوسیت اختیار کر لے، یا عورت نے خاوند کے بیٹے کو اپنے نفس پر قدرت دیدی ہو چنانچہ ان حالات میں عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت نے معصیت کی وجہ سے خاوند کو استمتاع سے روک دیا ہے لہٰذا وہ ناشزہ کی طرح ہوئی البتہ زوجیت والے گھر میں اسے رہائش (سکنی) ملے گی چونکہ اس گھر میں ٹھہرنا عورت کا حق ہے جو معصیت سے ساقط نہیں ہوتا۔

اگر معصیت کے بغیر فرقت ہوئی ہو جیسے مثلاً خیار بلوغ یا عدم کفاءت کی وجہ سے فرقت وجود میں آئی ہو یا خاوند کے بیٹے نے عورت سے جبراً وطی کی ہو اور فرقت ہوئی ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

اگر فرقت خاوند کی طرف سے ہوئی ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا برابر ہے کہ فرقت معصیت کے بغیر ہوئی ہو مثلاً: فرقت طلاق کی وجہ سے ہوئی ہو یا لعان کی وجہ سے یا نامردی کی وجہ سے فرقت ہوئی ہو حنفیہ کے نزدیک خلوت کی بعد فرقت ہو۔ یا معصیت (نافرمانی) کی وجہ سے فرقت ہوئی ہو مثلاً خاوند نے بیوی کی بیٹی کا بوسہ لے لیا ہو یا خاوند نے ایلاء کر لیا ہو اور چار ماہ کے اندر رجوع نہ کیا ہو یا عورت نے اسلام قبول کر لیا ہو اور خاوند اسلام سے انکار کر دے یا خاوند مرتد ہو گیا ہو اور اس پر اسلام پیش کیا گیا ہو اور اس نے قبول سے انکار کر دیا ہو چنانچہ عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ خاوند کی معصیت سے بیوی نفقہ سے محروم نہیں ہوتی۔

خلاصہ...... حنفیہ کہتے ہیں گیارہ (۱۱) عورتوں کے لئے نفقہ نہیں ❶ وہ یہ ہیں مرتدہ، خاوند کے بیٹے کی منظور نظر، بیوہ جو عدت میں

---

❶ الدر المختار وحاشية ابن عابدين ٢/ ٨٨٩.

ہو نکاح فاسد کی منکوحہ اور نکاح فاسد کی عدت میں جو عورت بیٹھی ہو۔

موطؤہ شبہ، نابالغ لڑکی جو قابل صحبت نہ ہو، جو خاوند کے گھر سے ناحق باہر نکلتی ہو اور وہ ناشزہ ہے قید میں رکھی گئی عورت اگر چہ ظلماً قید کی گئی ہو، ایسی بیمار عورت جسے خاوند کے پاس زفاف کے لئے نہ بھیجا گیا ہو وہ عورت جسے کوئی مرد اغواء کر کے لے جائے جو عورت خاوند کے بغیر یا کسی اور شخص کے ساتھ حج کے لئے چلی جائے اگر چہ حج فرض ہو۔ جب نفقہ خاوند کے ذمہ عدالتی فیصلہ سے یا رضامندی سے ثابت ہو جائے تو وہ ذمہ میں دین بھی بن جاتا ہے جو ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ بیوی بری الذمہ کر دے یا ادا کر دے۔ اسی پر سوریا کے قانون دفعہ ۸۹ کے تحت صراحت کی گئی ہے۔

قرابتداروں کے نفقہ کا سقوط...... حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک قرابتداروں کا نفقہ مدت پوری ہونے سے ساقط ہو جاتا ہے ❶ چنانچہ جب عدالت قرابتداروں کے نفقہ کا فیصلہ کرے اور ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مدت گزر جائے اور قربتدار قبضہ نہ کرے اور نہ ہی منفق (خرچہ کرنے والے) پر قرضہ لے یہاں تک کہ مدت گزر جائے تو حنفیہ کی رائے کے مطابق نفقہ ساقط ہو جائے گا گویا مدت گزر جانے سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے الا یہ کہ قاضی خرچ کنندہ پر قرض ہونے کی اجازت دے دے۔ چونکہ قرابتداروں کا نفقہ ان کی حاجت وضرورت پوری کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے اس لئے جو مالدار ہوں ان کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، چنانچہ جب مدت گزر جائے اور مستحق نفقہ پر قبضہ نہ کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ محتاج نہیں بخلاف بیوی کے نفقہ کے سو وہ مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا چونکہ بیوی کا نفقہ احتباس کے مقابلے میں واجب ہوتا ہے محتاجی کی بنا پر واجب نہیں ہوتا، اگر چہ بیوی مالدار ہو تب بھی واجب ہوتا ہے، اگر قاضی نے بیوی کو اجازت دی ہو کہ وہ نفقہ کسی سے قرض لیتی رہے جو خاوند کے ذمہ قرض ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ چونکہ نفقہ ذمہ میں دین بن جاتا ہے لہٰذا وہ مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

علامہ زیلعی نے نابالغ بچے کے نفقہ کو بھی مستثنیٰ کیا ہے جیسے بیوی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا یہ نفقہ سرپرست کے ذمہ قرض ہوتا ہے چونکہ نابالغ کسب وکمائی سے عاجز ہوتا ہے اور شفقت کا بھی تقاضا ہے کہ اسے نفقہ ملے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں والدین یا اولاد کا نفقہ وقت گزرنے سے ساقط ہو جاتا ہے ہاں البتہ اگر قاضی نے فیصلہ کیا ہو کہ نفقہ رہے گا پھر ساقط نہیں ہوگا۔ (خلاصہ یہ کہ نفقہ قریب وہ ہے جو ایک ماہ سے کم کا ہو۔ نیز بیوی اور بچہ کا نفقہ وقت کے گذرنے سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ وہ قضاءً دَین ہوتا ہے...... الخ

۱۲۔ نفقہ سے انکار کرنے کی سزا...... حنفیہ کہتے ہیں: اگر مالدار شخص باوجود قدرت کے محتاج قرابتدار پر خرچہ کرنے سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا اگر چہ خرچہ کرنے والا باپ ہی کیوں نہ ہو چونکہ قرابتدار کو خرچہ نہ دینے میں اس کی ہلاکت ہے اور قید میں رکھنے کی صورت میں ایک انسان کی زندگی کی حفاظت ہے اور انسانی زندگی کی حفاظت واجب ہے۔

۱۳۔ نفقہ کے مستحقین اگر متعدد ہوں...... نفقہ کے مستحقین متعدد ہوں جبکہ ان سب کا قریبی خرچ کرنے والا فرد واحد ہو سو اگر وہ ان سب پر خرچ کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو سب پر خرچ کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر استطاعت نہ رکھتا ہو اپنے اوپر خرچ کرے پھر اولاد پر پھر بیوی پر، حنابلہ کہتے ہیں خرچے میں بیوی اولاد پر مقدم ہے باپ کو ماں پر مقدم رکھا جائے گا چونکہ باپ کی فضیلت زیادہ ہے اسے سرپرستی بھی حاصل ہے اور اولاد کا مال لینے کا حق رکھتا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: والدین میں مساوات رکھنا بہتر ہے شافعیہ کے ایک اور قول کے مطابق باپ مقدم ہوگا ایک اور قول کے مطابق

---

❶...... البدائع ۳۸/۴ فتح القدیر: ۳۵۴/۳ الکتاب مع اللباب ۱۰۹/۳ الدر المختار ۹۲۵/۲، المہذب ۱۶۷/۲.

ماں باپ دونوں برابر ہیں۔ ❶

اس ترتیب کی دلیل گزشتہ احادیث ہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: اپنی ذات سے ابتداء کرو اور اپنی ذات پر صدقہ کرو اگر کوئی چیز بچ رہے تو اہل وعیال پر خرچ کرو اگر اہل وعیال سے بچ رہے تو قرابتداروں پر خرچ کرو اور اگر اس سے بھی بچ رہے تو یوں اور یوں خرچ کرو۔ یعنی لوگوں میں جیسے چاہو تقسیم کر دو۔ ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کہاں خرچ کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے اوپر صدقہ کرو۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو عرض کی میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور ہے فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو عرض کی میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا: تم اسے خرچ کرنے کا بہتر حل جانتے ہو ❸

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کون حقدار ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں، عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ ❹

۱۴۔ بیت المال یا حکومت کے ذمہ نفقہ کب واجب ہوتا ہے...... جب کسی تنگدست شخص کے اقرباء میں سے کوئی بھی مالدار نہ ہو اس کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہوگا چونکہ اسلام میں بیت المال کا فریضہ ہے کہ وہ ناداروں اور محتاجوں کی حوائج پوری کرے علامہ کاسانی کہتے ہیں ❺ بیت المال میں چار اقسام کے اموال جمع کیے جائیں گے۔

اول...... مویشیوں کی زکوۃ عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول کیا گیا ٹیکس۔

دوم...... غنیمتوں کا خمس، معدنیات اور رکاز (دفینہ) کا خمس۔

سوم...... اراضی کا خراج اور ذمیوں سے لیا گیا جزیہ اور ٹیکس اہل حرب میں سے جو لوگ ویزہ لے کر آئیں ان سے وصول کیے گئے ٹیکس۔

چہارم...... لاوارث کا ترکہ یعنی میت کا یا تو سرے سے کوئی وارث ہی نہ ہو یا اپنے پیچھے خاوند یا بیوی چھوڑی ہو۔

مذکورہ بالا چوتھی قسم کا مال جو بیت المال میں جمع شدہ ہو وہ فقراء اور مریضوں کے علاج معالجہ پر صرف کیا جائے گا ایسے مردے جنھوں نے ترکہ نہ چھوڑا ان کی تجہیز وتکفین اسی چوتھی قسم کے مال سے کی جائے گی لقیط کا نفقہ اسی سے ادا کیا جائے گا جو شخص کسب وکمائی سے عاجز ہو اور اس کا کوئی قرابتدار بھی نہ ہو جو اس کا خرچہ چلائے اس کا نفقہ اسی چوتھی قسم سے ادا کیا جائے گا امام کے ذمہ واجب ہے کہ یہ حقوق مستحقین تک پہنچائے۔

یہ نفقہ کے اصول ہیں ان کے بعد میں مرتب ہونے والی تفریعات اور تفصیلات کو چار مباحث میں ذکر کروں گا۔

---

❶...... الدر المختار ۹۲۷/۲ القوانين الفقهية ۲۲۳ المهذب ۱۶۶/۲ المغنى ۵۹۳/۷، كشاف القناع ۵۶۱/۵ ❷رواه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائى (نيل الاوطار ۳۲۱/۶) ❸رواه النسائى واحمد (المرجع السابق) ❹رواه احمد والبخارى ومسلم ❺البدائع ۶۸/۲۔

پہلی بحث.....بیوی کا نفقہ:

بیوی کا نفقہ عقد ازدواج کے سبب خاوند پر واجب حقوق میں سے اصل حق ہے بیوی کے نفقہ کے متعلق جملہ گفتگو چار مقاصد کے ذیل میں آئے گی، جن کا اجمال حسب ذیل ہے۔

اول.....نفقہ کا معنی انواع، وجوب، کس پر واجب ہے اور سبب وجوب۔

دوم.....وجوب نفقہ کی شرائط۔

سوم.....مختلف انواع کے نفقہ کی تعیین کی کیفیت اور نفقہ کے بارے میں عدالتی حکم اور فیصلہ۔

چہارم.....احکام نفقہ (یعنی بیوی پر خرچ کرنے سے انکار کردینا خاوند کا تنگدست ہوجانا غیر موجود (غائب) بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ کب دین ہوجاتا ہے؟ معتدہ کا نفقہ، پیشگی نفقہ، نفقہ سے بری الذمہ کردینا، نفقہ کے دین پر مقاصہ، نفقہ کا کفالہ اور نفقہ پر صلح کرنا)

پہلا مقصد: نفقہ کا معنی اور اس کی مختلف انواع، وجوب، نفقہ کس پر واجب ہے اور سبب وجوب:

نفقہ کا معنی...... میں نے قبل ازیں بیان کردیا ہے نفقہ کا لغوی معنی: وہ چیز جسے انسان اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے شرعی اصطلاح میں کھانا کپڑے اور سکنی کو نفقہ کہا جاتا ہے فقہاء کے عرف میں جب مطلق نفقہ بولا جائے تو اس سے مراد صرف کھانا ہوتا ہے اسی لئے نفقہ پر حرف عطف کے ذریعہ کپڑے اور سکنی کا ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے [1] (اردو میں نفقہ کا ترجمہ خرچہ سے کیا جاتا ہے)۔

نفقہ کا وجوب.....فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی کا خرچہ (نفقہ) واجب ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافرہ۔ بشرطیکہ نکاح صحیح کے تحت شادی ہوئی ہو چنانچہ اگر نکاح کا فساد متحقق ہوجائے تو خاوند نے جو نفقہ بیوی کو دیا ہو وہ واپس لے سکتا ہے، نفقہ کا وجوب قرآن، سنت اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔ [2]

قرآن سے ثبوت.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ

ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس شخص کے لئے اس کا رزق تنگ کردیا گیا ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسی سے نفقہ دے۔ اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے اس پر اس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ الطلاق ۶۵/۷

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس کے ذمہ ان عورتوں کا رزق اور کپڑے ہیں معروف طریقہ کے ساتھ۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ......الطلاق ۶۵/۶

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں ٹھہراؤ جہاں تم رہتے ہو۔

---

[1].....الدر المختار وحاشية ابن عابدين ۲/۸۸۶ [2] المرجع السابق البدائع ۴/۱۵، فتح القدير: ۳/۳۲۱، بداية المجتهد ۲/۵۳، مغني المحتاج: ۳/۴۲۶ المغني ۷/۵۶۳۔

آیت میں جو سکونت دینے کا حکم آیا ہے درحقیقت یہ خرچہ دینے کا حکم ہے چونکہ عورت گھر سے باہر جا کر ہی کسب وکمائی سے نفقہ حاصل کر سکتی ہے۔

سنت سے ثبوت...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس قید ہوتی ہیں انہیں اللہ کی امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھو، اللہ کے حکم کے مطابق ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کرو اور معروف طریقہ سے ان عورتوں کا تمہارے پر رزق اور کپڑے کا حق ہے ❶ یہی حدیث امام ترمذی نے عمرو بن احوص کی اسناد سے روایت کی ہے اس میں ہے" خبردار! تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہارے اوپر تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں رہا تمہاری بیویوں پر تمہارا حق سو وہ یہ کہ تمہارے بستروں پر ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو اجازت نہ دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، خبردار! تمہارے اوپر تمہاری بیویوں کا حق ہے کہ تم کپڑے اور کھانے کے معاملہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔ ❷

ایک مرتبہ ہند زوجہ ابوسفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معروف طریقے سے اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو❸ اس حدیث میں دلیل ہے کہ زوجیت کا نفقہ واجب ہے اور یہ کہ نفقہ بقدر کفایت ہو اور یہ کہ اولاد کا نفقہ والد پر واجب ہے نہ کہ والدہ پر اور یہ کہ نفقہ معروف طریقے سے ہو اور یہ کہ بیوی کو اگر خاوند نفقہ نہ دے تو وہ خاوند کو علم ہوئے بغیر نفقہ لے سکتی ہے۔

اجماع...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی اگر بالغ ہو تو اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے بشرطیکہ بیوی ناشزہ نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اگر بیوی نابالغ ہو تو اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہیں۔ چونکہ اس سے استمتاع نہیں لہٰذا اسے نفقہ بھی نہیں۔

عقل سے ثبوت...... عقلاً بھی بیوی کا نفقہ واجب ہے چونکہ بیوی تقاضائے عقد نکاح کی وجہ سے خاوند کے ہاں محبوس ہوتی ہے اور وہ خاوند کے حقوق پورے کرنے میں مشغول رہتی ہے جس کی وجہ سے بیوی کسب وکمائی کے لئے فارغ نہیں ہو سکتی لہٰذا خاوند پر لازم ہے کہ بیوی پر خرچہ کرے خاوند پر کفایتی نفقہ لازم ہے چونکہ فقہ کا اصول ہے کہ الغرم بالغنم یعنی نفع حاصل کرنے کے لئے اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں چنانچہ نفقہ احتباس کی جزاء ہے سو جو شخص کسی دوسرے کے نفع کے لئے روکا گیا ہو تو اس کا نفقہ روکنے والے کے ذمہ ہوتا ہے جیسے ملازمت پیشہ طبقہ اور افواج۔

نفقہ کس پر واجب ہے...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ نفقہ آزاد حاضر خاوند پر واجب ہے چنانچہ جب عورت خاوند کو اپنا نفس سپرد کر دیتی ہے تو اس کے جو حقوق ہوتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، کپڑے، رہائش خاوند پر واجب ہوتے ہیں۔ ❹

سبب وجوب...... کے بارے میں علماء کی دو آراء ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں: نفقہ کا سبب وجوب استحقاق حبس ہے جو نکاح کی وجہ سے خاوند کو حاصل ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد میں خاوند پر منکوحہ کا نفقہ واجب نہیں چونکہ مذکورہ سبب نہیں پایا جاتا چونکہ نکاح فاسد میں حق حبس ثابت نہیں ہوتا۔ ❺

❶رواہ مسلم وابوداؤد ومالک فی الموطا وغیرهم عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه (نصب الراية ۴۸/۳)❷قال الترمذی : حدیث حسن صحیح❸رواه الجماعة الا الترمذی عن عائشة (نیل الاوطار ۳۲۳/۶)❹بداية المجتهد: ۵۵/۲ المغنی ۷/ ۵۶۴❺البدائع: ۱۶/۴ فتح القدیر: ۳۲۱/۳ الشرح الصغیر ۷۲۹/۲ مغنی المحتاج: ۴۲۵/۳ المغنی ۵۶۴/۷۔

اسی سبب کی وجہ سے فرقت کے سبب دوران عدت کا نفقہ بھی خاوند پر واجب ہوتا ہے فرقت خواہ طلاق سے ہو یا کسی اور وجہ سے عورت خواہ حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو فرقت خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے ہاں البتہ اگر فرقت عورت کی طرف سے ہو اور اس نے کسی ممنوع کا ارتکاب کیا ہو تو استحسانا اسے عدت کا نفقہ نہیں ملے گا۔

جمہور......حنفیہ کی علاوہ بقیہ فقہاء کہتے ہیں کہ وجوب نفقہ کا سبب زوجیت ہے، یعنی کسی عورت کا کسی مرد کی بیوی ہونا نفقہ کا سبب ہے، جمہور نے اپنے اس بیان کردہ سبب پر درج ذیل تفریعات مرتب کی ہیں: مطلقہ رجعیہ کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب ہے بائنہ جو حاملہ ہو کا بھی نفقہ واجب ہے چونکہ خاوند کا حق باقی رہتا ہے حاملہ بائنہ کے لئے مالکیہ اور شافعیہ کی نزدیک سکنی بھی ہوگا قیاس کا تقاضا ہے کہ بائنہ کے لئے نفقہ اور سکنی نہ ہو لیکن قیاس نص قرآنی کی وجہ سے ترک کردیا گیا ہے آیت یہ ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ......طلاق ۶۵/۶

طلاق یافتہ عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں ٹھہراؤ جہاں تم ٹھہرے ہو۔

حنابلہ نے قیاس کا التزام کیا ہے اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ بائنہ عورت کو نہ نفقہ ملے گا اور نہ ہی سکنی۔

دوسرا مقصد......وجوب نفقہ کی شرائط:

میں اس مقصد کے ذیل میں جمہور کے نزدیک وجوب نفقہ کی مقررہ شرائط ذکر کروں گا پھر مالکیہ کے نزدیک شرائط کا تذکرہ کروں گا جمہور کے نزدیک وجوب نفقہ کی چار شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔[1]

۱......یہ کہ عورت خاوند کو اپنے نفس پر پورا اختیار (تمکین تام) دے دے تمکین تام کی دو صورتیں ہیں: یا تو عورت اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کردے یا خاوند کو اپنے نفس کی سپردگی کی استعداد کا اظہار کردے بایں طور کہ عند الطلب کوئی مانع موجود نہ ہو برابر ہے کہ خاوند بالفعل دخول کرے یا نہ کرے خواہ عورت دخول کی دعوت دے یا اس کا ولی دعوت دے یا دعوت نہ دے مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ نفقہ تب واجب ہوگا جب عورت دخول سے قبل دخول کی دعوت دے یا اس کا ولی دخول کی دعوت دے[2]

اگر عورت اپنے خاندان میں خاوند کی اجازت سے رہ رہی ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

اگر عورت تمکین سے انکار کردے یا اس کا ولی انکار کرے یا عقد نکاح کے بعد عورت اور اس کا ولی سکوت کریں نہ ہی عورت اپنے آپ کو پیش کرے اور نہ ہی خاوند دخول کا مطالبہ کرے تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، اگر چہ عرصہ تک اسی حالت پر برقرار رہیں، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا تھا اور دو سال کے بعد زفاف کی نوبت آئی تھی اور آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو زفاف کے بعد نفقہ دیا ہے۔

اگر تمکین نفس سے انکار عورت کی طرف سے کسی حق کی وجہ سے ہو مثلاً عورت مہر معجّل کا مطالبہ کرتی ہو یا گھر کی شرعی بناوٹ کا مطالبہ کرتی ہو تو اس کو نفقہ ملے گا شافعیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ خاوند طویل سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔

۲......یہ کہ بیوی بالغ (بڑی) ہو جس سے صحبت کرنا ممکن ہو، اگر بیوی کمسن ہو جس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ نفقہ عورت سے جنسی نفع حاصل کرنے کے بدلہ واجب ہوتا ہے اگر جنسی نفع متعذر ہو تو نفقہ واجب نہیں ہوتا اس شرط میں مالکیہ

---

[1]......البدائع ۱۸/۴ فتح القدیر ۳۲۴/۳، الدر المختار ۸۸۶/۲ مغنی المحتاج ۴۳۵/۳، المہذب ۱۵۹/۲ المغنی ۲۰۱/۷ کشاف القناع ۵۴۵/۵۔ [2] رخصتی دخول کی دعوت ہے۔ یعنی خاوند کے کمرے میں عورت کا چلے جانا دخول کی دعوت ہے۔ صریح دعوت شرط نہیں۔

نے جمہور کی موافقت کی ہے۔

۳ یہ کہ نکاح صحیح ہو، اگر نکاح فاسد ہو تو خاوند پر نفقہ واجب نہیں ہوگا چونکہ عقد فاسد کو تو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے نکاح فاسد میں عورت کا خاوند کے حق میں محبوس ہونا ممکن نہیں نیز نکاح فاسد کے ہوتے ہوئے تمکین صحیح نہیں لیکن تمکین کے مقابلہ میں جو نفقہ ہوتا ہے عورت اس کی مستحق نہیں ہوگی یہ شرط متفق علیہ ہے۔

۴ یہ کہ خاوند کو جو عورت کے احتباس (روکے رکھنے) کا حق حاصل ہوتا ہے وہ بغیر کسی شرعی عذر کے فوت نہ ہو اور اگر بغیر کسی شرعی گنجائش وعذر کے خاوند کا حق احتباس فوت ہو جائے۔ مثلاً عورت نشوز پر اتر آئے تو اسے نفقہ نہیں ملے گا یہ شرط بھی متفق علیہ ہے البتہ مالکیہ ایسی صورت میں وجوب نفقہ کے قائل ہیں کہ جس میں احتباس کا حق ایسے فوت ہو رہا ہو کہ عورت کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

پہلے وضاحت ہو چکی ہے کہ بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے اگرچہ خاوند اور بیوی کا دین جدا جدا ہی کیوں نہ ہو۔

حکم قانون۔۔۔۔۔ سوریا کے قانون میں ان احکام کو اختیار کیا گیا ہے اور درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱ دفعہ ۷۲ ۔ا کے تحت ہے کہ بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے اگرچہ دونوں کا دین الگ الگ ہی کیوں نہ ہو۔

۲ اگر خاوند نے مہر معجل ادا نہ کیا ہو یا شرعی حد تک گھر کو آراستہ نہ کیا ہو عورت تمکین سے انکار کر سکتی ہے دفعہ ۷۳ میں ہے اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جا کر کام کاج کرتی ہو تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

دفعہ ۷۴ کے تحت ہے اگر عورت نشوز پر اتر آئے تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

دفعہ ۷۵ کے تحت ہے کہ ناشزہ وہ عورت ہوتی ہے جو خاوند کا گھر بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑ دے یا دوسرے گھر میں منتقل ہونے سے قبل عورت خاوند کو اپنے پاس داخل ہونے سے روکتی ہو۔

مالکیہ کے نزدیک وجوب نفقہ کی شرائط۔۔۔۔۔ مالکیہ نے دو طرح کی شرائط کا اعتبار کیا ہے ❶ قبل از دخول (صحبت) وجوب نفقہ کی شرائط اور بعد از دخول نفقہ کے واجب ہونے کی شرائط۔

قبل از دخول وجوب نفقہ کی شرائط۔۔۔۔۔ یہ چار شرائط ہیں۔

۱ یہ کہ عورت کے نفس پر پورا اختیار (تمکین) حاصل ہو، عورت خاوند کو دخول کی دعوت دے اور اگر اس کا ولی موجود ہو تو وہ دخول کی دعوت دے۔ اگر بلا عذر عورت نے دخول سے انکار کیا تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

۲ یہ کہ عورت دخول کی طاقت رکھتی ہو اگر عورت کمسن ہو جو دخول کی طاقت ہی نہ رکھتی ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

۳ یہ کہ خاوند بالغ ہو اگر خاوند نابالغ ہو جو صحبت نہ کر سکتا ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، اگر اس نے صحبت کر دی تو عورت کو نفقہ ملے گا جمہور نے بالغ عورت کا نفقہ بچے پر واجب قرار دیا ہے چونکہ عورت نے اپنا نفس پوری طرح خاوند کے سپرد کر دیا ہے۔

۴ یہ کہ دعوت دخول کے وقت زوجین میں سے کوئی موت کے قریب نہ پہنچا ہو اگر زوجین میں سے کوئی ایک حالت نزع میں ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، چونکہ اس حالت میں عورت سے جنسی نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، اگر حالت نزع میں دخول ہو گیا تو نفقہ واجب ہوگا۔

بعد از دخول وجوب نفقہ کی شرائط۔۔۔۔۔ یہ دو شرطیں ہیں:

۱ یہ کہ خاوند مالدار ہو مالدار سے مراد اتنے مال کا ہونا ہے جس سے خاوند بیوی کا خرچہ چلا سکتا ہو یا وہ کسب وکمائی کی قدرت رکھتا

❶ الشرح الصغير ۷۲۹/۲، القوانين الفقهية ۲۲۱ الشرح الكبير والدسوقي ۵۰۸/۲۔

ہو، اگر خاوند تنگدست ہو تو تنگدستی کے عرصے کا نفقہ اس پر واجب نہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ آتَاهَا اللہ تعالیٰ نے ہر جان پر اس کی حیثیت کے مطابق بوجھ ڈالا ہے۔ الطلاق ۶۵/ ۷

۲......یہ کہ عورت خاوند کے حق احتباس کو فوت نہ کرتی ہو بغیر کسی شرعی عذر کے اگر نشوز سے عورت نے خاوند کے حق احتباس کو فوت کیا تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

خلاصہ...... مدخول بہا (جس عورت کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو) کے لئے مطلقا نفقہ واجب ہے اگر چہ عورت صحبت کروانے کی طاقت نہ رکھتی ہو اور اگر چہ خاوند بالغ نہ ہو جبکہ قبل از دخول جس عورت نے اپنے نفس پر تمکین نہ دی ہو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ جو عورت (کمسنی کی وجہ سے) دخول کی طاقت نہ رکھتی ہو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

وجوب نفقہ کی شرائط پر مرتب ہونے والے مسائل

پہلا مسئلہ: ناشزہ (نافرمان) بیوی...... قبل ازیں ہم نے وضاحت کردی ہے کہ نشوز (نافرمانی) سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ زوجیت والے گھر میں بیوی کا رکے رہنا واجب ہے اگر عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر کسی شرعی گنجائش کے باہر نکلے تو اسے خرچہ نہیں ملے گا شرعی گنجائش مثلاً عورت مہر معجّل پر احتجاج کرتے ہوئے خاوند کے گھر سے باہر چلی جائے یا خاوند نے گھر کی مناسب آرائش نہ کی ہو۔

اسی طرح اگر عورت خاوند کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کرتے تب بھی وہ ناشزہ کہلائے گی جبکہ عورت نے دوسرے گھر میں منتقلی کا مطالبہ بھی نہ کیا ہو سوریا کے قانون میں ان احکام کو اختیار کیا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ، ملازمت پیشہ عورت...... اگر عورت دن یا رات کے وقت گھر سے باہر نوکری یا ملازمت کرتی ہو (یا کوئی اور کام کاج کرتی ہو) جیسے نرسنگ تدریس وکالت، طب یا کسی صنعتی شعبہ سے منسلک ہو تو مصر اور سوریا کے قانون کے مطابق اگر اس کا خاوند اس کی ملازمت سے سے رضامند ہو اور اسے کام کاج سے روکتا نہ ہو تو اس عورت کے لئے نفقہ واجب ہوگا چونکہ بیوی کا احتباس خاوند کا حق ہے وہ اس حق سے دستبردار بھی ہو سکتا ہے۔

اگر خاوند بیوی کی ملازمت سے راضی نہ ہو اور اسے منع بھی کرتا ہو جبکہ عورت ملازمت کی وجہ سے گھر سے باہر جاتی ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ اس صورت میں عورت کا احتباس ناقص ہے کامل نہیں، سو اگر عورت صرف رات کو اپنا نفس خاوند کے سپرد کرے اور دن کو نہ کرے یا اس کے برعکس ہو تو سپردگئ نفس میں نقص آنے کی وجہ سے عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔

سوریا کے قانون دفعہ ۷۳ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر ملازمت کی غرض سے یا کام کاج کی غرض سے گھر سے باہر جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اگر خاوند پہلے راضی ہو اور پھر عورت کو ملازمت سے منع کرتا ہو تو اسی کے بقدر اس کا نفقہ بھی ساقط ہوگا چونکہ عورت کا گھر سے نکلنا نشوز ہوگا جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن مصری قانون میں عورت کے نفقہ کے مستحق ہونے کا حکم ہے۔

اگر عورت نے عقد نکاح کے وقت شرط لگادی ہو کہ وہ ملازمت جاری رکھے گی حنفیہ کے نزدیک اس کی یہ شرط محض لغو ہوگی البتہ عقد نکاح صحیح ہے تاہم خاوند اسے ملازمت سے روک سکتا ہے اگر منع کرنے کے باوجود عورت ملازمت جاری رکھے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

جبکہ مالکیہ نے اس شرط کو صحیح قرار دیا ہے ہاں البتہ مکروہ ہے اسے پورا کرنا لازم نہیں تاہم خاوند بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے

اگر عورت نے انکار کر دیا تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

حنابلہ نے بھی اس شرط کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے پورا کرنا واجب قرار دیا ہے چنانچہ شرط عائد کرنے کے بعد خاوند عورت کو ملازمت سے نہیں روک سکتا اگر خاوند نے اسے منع کیا تو عورت ناشزہ نہیں ہوگی۔

شافعیہ کے قواعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ شرط غیر معتبر ہے چونکہ جدید مذہب کے مطابق تمکین تام سے نفقہ واجب ہوتا ہے محض عقد سے نفقہ واجب نہیں ہوتا اور یہ کہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا یا اجازت کے بغیر حج کو چلے جانا نشوز ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور اگر عورت نے صحبت کی قدرت دے دی لیکن دوسرے جنسی منافع جات سے منع کیا تو بھی ناشزہ ہوگی بیوی گھر پر کام کاج کر سکتی ہے تاہم ایسے کام نہ کرے جس سے اس کی جسمانی طاقت یا اس کا حسن و جمال متاثر ہو، اگر اس نے کوئی ایسا کام کرنا چاہا جس سے اس کی جسمانی طاقت یا حسن و جمال متاثر ہو تو خاوند اسے منع کرنے کا حق رکھتا ہے البتہ اگر عورت نے مخالفت کی تو اس کا حق نفقہ ساقط نہیں ہوگا ہمہ خاوند بیوی کی تادیب کر سکتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: بیمار بیوی...... اگر بیوی بیمار ہو تو بالاتفاق اس کا نفقہ واجب ہے ❶ برابر ہے کہ بیوی زفاف کے بعد بیمار ہو جائے یا عین زفاف کے وقت چونکہ نفقہ کی شرط متحقق ہے اور وہ تمکین تام کا حاصل ہونا ہے نیز عورت سے جنسی نفع اٹھانا ممکن ہے ہاں البتہ بیماری کی وجہ سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے نیز بیماری کا لاحق ہونا غیر اختیاری امر ہے جس میں عورت کو کوئی دخل نہیں ہوتا گویا بیماری حیض ونفاس کے حکم میں ہے نیز مرض کی وجہ سے نفقہ کے سقوط کا حکم لگانا حسن معاشرت میں سے نہیں ہے۔

اگر عورت میکے میں بیمار ہو جائے تو بھی اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر خاوند کا مطالبہ ہو کہ بیوی اس کے گھر واپس آئے جبکہ عورت واپسی کی طاقت رکھتی ہو خواہ اٹھوا کر کیوں نہ ہو تاہم واپسی سے انکار کرتی ہو تو ناشزہ کہلائے گی۔

علاج کے اخراجات...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کے نزدیک خاوند پر بیوی کے علاج معالجہ کے اخراجات واجب نہیں یعنی ڈاکٹر کی فیس دوائی کی قیمت وغیرہ خاوند پر واجب نہیں بلکہ عورت کے علاج کے اخراجات اس کے ذاتی مال میں سے ہوں گے اور اگر عورت کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ جس پر واجب ہوگا علاج کے اخراجات بھی اسی پر واجب ہوں گے چونکہ جسم و جان کی حفاظت کے لئے علاج کروایا جاتا ہے اور یہ خرچ منفعت کے مستحق پر واجب نہیں جیسے کرایہ پر دیئے ہوئے مکان کی مرمتی مالک پر واجب ہوتی ہے نہ کہ کرایہ دار پر۔

میرے نزدیک علاج معالجے کے اخراجات زمانہ ماضی میں اساسی (بنیادی) ضرورت کا درجہ نہیں رکھتے تھے انسان کو عصر حاضر کی طرح علاج کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، چونکہ انسان صحت اور پرہیز کے قواعد کی پابندی کرتا تھا اس لیے فقہاء نے اپنے زمانے کے عرف کو بنیاد بنایا رہی بات عصر حاضر کی

سو آج عرف بدل چکا ہے اور علاج کی ضرورت بنیادی حاجت کی شکل اختیار کر چکی ہے جیسے کھانا پینا اور غذا بنیادی ضرورت ہے بلکہ علاج تو غذا سے بھی اہم ہے چونکہ مریض علاج کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے بھلا ایک آدمی کے بدن میں دکھ اور تکلیف ہو کیا وہ کھانا کھا سکتا ہے اس لیے میں علاج معالجے کے اخراجات خاوند پر واجب سمجھتا ہوں جیسے دوسرے ضروری نفقات خاوند پر واجب ہوتے ہیں، جیسے بچے کی لازمی دوائی کا نفقہ والد پر واجب ہے بھلا انسانیت کیا اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ جب بیوی تندرست ہو خاوند اس سے جنسی خواہش پوری کرتا رہے اور جب بیمار ہو جائے تو اس کے میکے روانہ کر دے۔

---

❶ الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۸۸۹، المغنی ۷/ ۶۰۱ تکملۃ المجموع ۱۷/ ۸۱۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۱۰۰ کے تحت ۱۹۸۵ء میں مالکی فقہ کے موافق میری رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ بیوی کے واجب نفقہ میں غذا کپڑے، رہائش اور علاج وغیرہ کے اخراجات شامل ہیں عدالتوں میں بھی اسی رائے پر عمل کیا جاتا ہے۔

چوتھا مسئلہ: کسی عذر کی وجہ سے خاوند کے گھر میں منتقل نہ ہونا عذر کی وجہ سے عورت کا صحبت سے انکار کرنا:

اگر بیوی کسی عذر کی وجہ سے صحبت سے انکار کر رہی ہو یا خاوند کے گھر میں منتقل ہونے سے انکار کر رہی ہو تو عورت کو نفقہ ملے گا❶ جیسے مثلاً عورت کا مطالبہ ہو کہ اسے مہر معجّل دیا جائے یا گھر رہائش کے قابل نہ ہو وہ مرمتی اور درستی کا مطالبہ کر رہی ہو یا گھر کے ضروری مرافق پانی راستہ بجلی وغیرہ منقطع ہوں یا اس گھر میں رہنے پر پڑوسی کی طرف سے اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہو یا کسی چیز کا خوف ہو یا گھر میں سوکن رہ رہی ہو جس کے شر اور فساد کا اندیشہ ہو۔ البتہ اگر بغیر کسی عذر کے عورت خاوند کے گھر منتقل ہونے سے انکار کرتی ہو یا جس گھر میں عورت رہ رہی ہو اس میں خاوند کو داخل ہونے سے روکتی ہو جبکہ منتقلی کا بھی کوئی مطالبہ نہ ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا چونکہ اس انکار کی وجہ سے عورت ناشزہ کہلاتی ہے اور عورت جتنے عرصہ تک نشوز پر قائم رہے اس عرصہ کا اسے نفقہ نہیں ملتا۔

پانچواں مسئلہ: بیوی کی قید و بند...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر بیوی کو قید و بند میں رکھ دیا گیا تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ خاوند کا حق احتباس کے فوت ہونے کا سبب عورت کی جانب سے ہے البتہ بیوی کو اگر ظلماً جبس میں رکھا گیا یا کوئی مرد اسے اغواء کر کے لے گیا تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ خاوند کا حق احتباس بغیر اس کے دخل کے فوت ہوا ہے مالکیہ کہتے ہیں: ظلماً عورت کو قید و بند میں رکھنے اور کسی مرد کے اغواء کر لینے کی وجہ سے اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ حق احتباس کا فوت ہونا عورت کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی اس میں عورت کا دخل ہے۔ (۲)

چھٹا مسئلہ: بیوی کا سفر...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت خاوند کے بغیر کسی اور کے ساتھ سفر حج کرے یا کوئی اور سفر کرے جبکہ یہ سفر دخول سے قبل ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ خاوند کے گھر میں خاوند کا حق احتباس فوت ہوتا ہے اور احتباس کے فوت ہونے کا سبب عورت ہے نیز بغیر محرم کے عورت نے سفر کر کے معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ (۳)

البتہ اگر عورت نے محرم کے ساتھ فرض حج کی ادائیگی کے لیے سفر کیا تو نفقہ میں اس کا حق ساقط نہیں ہوگا مالکیہ حنابلہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گو عورت نے خاوند کی اجازت کے بغیر ہی سفر کیوں نہ کیا ہو چونکہ یہ سفر دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے کیا گیا ہے گو یا حق احتباس اگرچہ فوت ہوا ہے لیکن شرعی گنجائش موجود ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ کے نزدیک حالت حضر (اقامت) کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہوگا نہ کہ حالت سفر کا نفقہ مالکیہ کے نزدیک جو نفقہ اقل ہو یعنی اقامت اور سفر میں سے جو نفقہ کم ہو وہ واجب ہوگا۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک نفقہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ بیوی نے خاوند کی اجازت سے سفر کیا ہو شافعیہ کا بھی ظاہر قول یہی ہے چونکہ عورت پر جو چیز واجب تھی اس کی مخالفت کی ہے اور تمکین کی نفی کی ہے نیز حق احتباس عورت کے سبب فوت ہوا ہے برابر ہے کہ عورت نے فرض حج کا سفر کیا ہو یا کسی اور کام کی غرض کے لئے سفر کیا ہو جیسے حصول علم وغیرہ۔

---

❶......الدر المختار ۲/ ۸۸۸۔ ❷الشرح الكبير مع الدسوقی ۲/ ۵۱۷ ❸الدر المختار ۲/ ۸۹۲ کشاف القناع ۵/ ۵۵۰ الشرح الكبير مع الدسوقی ۲/ ۵۱۷۔

اگر عورت نے نفلی حج کے لئے سفر کیا تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفقہ ساقط ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر عورت نے خاوند کی اجازت سے سفر کیا تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، چونکہ اس عورت کو ناشزہ نہیں کہا جائے گا اور اگر خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کیا تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت ناشزہ کہلائے گی۔

ساتواں مسئلہ: کسی دوسرے شہر میں خاوند کا منتقل ہونا:

حنفیہ کہتے ہیں: خاوند کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر کسی دوسرے شہر کی طرف سفر سکتا ہے یہ سفر کسی صحیح غرض کی خاطر ہو جیسے حصول ملازمت یا تجارت سرمایہ کاری وغیرہ بشرطیکہ خاوند نے عورت کا پورا مہر ادا کر دیا ہو خواہ مہر معجل ہو یا مؤجل۔ عورت پر امن کا اعتماد ہو اور سفر سے خاوند بیوی کو ضرر نہ پہنچاتا ہو اس صورت میں اگر عورت نے خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کیا تو ناشزہ ہو جانے کی وجہ سے اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر خاوند نے ہرجانہ کیا یا عورت کے معاملہ میں خاوند پر امن کا اعتماد نہ ہو یا عورت کو ضرر پہنچانا چاہتا ہو تو عورت خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر سکتی ہے عورت ناشزہ نہیں کہلائے گی چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ......الطلاق ۶/۶۵

عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ کہ تم ان پر تنگی کر دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولا ضرار نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ہی ضرر کے درپے رہو۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر خاوند نے مہر معجل ادا کر دیا ہو تو وہ عورت کو کہیں بھی اپنے ساتھ لے کر سفر کر سکتا ہے اگرچہ دخول نہ ہوا ہو لیکن اس اختیار کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱ یہ کہ خاوند پر امن وامان کا اعتماد ہو

۲ یہ کہ سفر کا راستہ پر امن ہو

۳ یہ کہ جس شہر کی طرف سفر کرنا ہو وہ عورت کے اہل خانہ سے اتنا دور نہ ہو کہ عورت کی خبر ہی انھیں نہ مل سکتی ہو اور اہل خانہ کی خبر عورت کو نہ مل سکتی ہو۔

آٹھواں مسئلہ: خاوند کا قید ہو جانا یا اس کا بیمار ہو جانا...... درج ذیل صورتوں میں بالاتفاق بیوی نفقہ کی مستحق ٹھہرتی ہے کسی جرم کے ارتکاب پر اسے قید میں ڈال دیا جائے یا بیوی کے دین کی وجہ سے قید میں ڈال دیا جائے یا ظلما قید میں ڈال دیا جائے یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جو مانع جماع ہو یا خاوند میں کوئی ایسا عیب ہو جو استمتاع میں حائل ہو جیسے آلہ تناسل کا کٹا ہوا ہونا، نامردی ہونا چونکہ مذکورہ صورتوں میں احتباس مرد کی وجہ سے فوت ہو رہا ہے نہ کہ عورت کے سبب۔

اسی طرح مالکیہ کے نزدیک بھی عورت نفقہ کی مستحق ہوگی جب خاوند کو علم ہو کہ اس کی بیوی میں کوئی ایسا عیب ہے جو وطی کے مانع ہے جیسے رتق اور قرن کی بیماری جو عورت کی شرمگاہ میں ہو جاتی ہے جبکہ خاوند وطی کے بغیر ہی استمتاع کرتا ہو۔

تیسرا مقصد: نفقہ کی مختلف انواع کی کیفیت اور عدالتی حکم

بیوی کا نفقہ درج ذیل امور پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱ کھانا، پینا اور سالن ۲...کپڑے۔ ۳......رہائش

۴.....خادم بشرطیکہ عورت مطالبہ کرے یا وہ ایسے خاندان کی ہو جو خادم رکھنے کا عادی ہو۔

۵.....نظافت اور صفائی وستھرائی کے آلات اور گھریلو سامان سوریا کے قانون دفعہ ۷۱ کے تحت انہی مختلف الانواع نفقات کی صراحت کی گئی ہے۔

پہلا واجب: طعام (کھانا) اوراس کے توابع.....فقہاء کے نزدیک بیوی کے لیے کھانے پینے اور سالن کا سامان (خاوند پر) واجب ہے ❶ پانی، سرکہ کھانے کا تیل، ایندھن وغیرھا کھانے کے توابع میں سے ہے البتہ پھل واجب نہیں۔

طعام کی مقدار.....شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ بیوی کے لئے طعام (کھانے کی اشیاء) بقدر کفایت واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا معروف طریقہ سے اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو حدیث میں نفقہ کی مقدار کی تحدید نہیں کی گئی بلکہ اتنا لینے کی اجازت دی گئی ہے جس سے کفایت ہو سکے اس مقدار کا اندازہ اجتھاد سے ہو سکتا ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس پر معروف طریقے سے ماؤں کا رزق اور کپڑے واجب ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری بیوی کا کھانا اور کپڑے تمہارے اوپر واجب ہیں۔قدر کفایت سے اقل (کم) کھانے کو واجب قرار دینا حقیقت میں ترک معروف ہے، جبکہ یہ دلائل قدر کفایت کے واجب قرار دینے میں صریح ہیں، تاہم کفارہ پر قیاس کر کے نفقہ کی مقدار متعین کرنا صحیح نہیں چونکہ مالداری اور تنگدستی دونوں حالتوں میں کفارہ یکساں رہتا ہے مختلف نہیں ہوتا شریعت نے کفارہ کو نفقہ پر باعتبار جنس قیاس کیا ہے نہ کہ مقدار میں چونکہ کفارہ میں سالن واجب نہیں۔

جب خاوند بیوی پر خرچ کرنے کی ذمہ داری نبھا رہا ہو تو عورت کے لئے روا نہیں کہ وہ نفقہ کی متعین مقدار کا مطالبہ کرے البتہ اگر خاوند کی کوتاہی ٹھوس دلائل سے ثابت ہو جائے تو معاملہ داخل عدالت کیا جائے گا تاکہ قاضی نفقہ کی مقدار متعین کر دے، طعام دانوں (غلے) کی شکل میں دینا شرط نہیں بلکہ انواع واقسام کا طعام دینا بحسب عرف صحیح ہے جیسے روٹی، سالن وغیرھا۔

طعام کا سپرد کرنا نفقہ میں واجب ہے، یومیہ یا مہینہ وار نفقہ بیوی کے قبضہ میں دینا ضروری ہے حنفیہ اور مالکیہ نے طعام کی بجائے قیمت/ثمن یا نقد دینا جائز قرار دیا ہے تاکہ عورت اپنے پر خرچ کرے، عصر حاضر میں عدالتوں میں نقدی مال پر فیصلے دیئے جاتے ہیں چونکہ نقدی مال سے ضروریات کا پورا کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں: شہر میں جو غالب خوراک ہو اس کے علاوہ کسی غیر غالب خوراک کو متعین کرنے کا اختیار نہیں رکھتا الا یہ کہ زوجین کا اتفاق ہو۔

عرف ورواج کے مطابق طعام کے نفقہ کی مقدار متعین کی جائے گی جس میں جگہ، زمانہ احوال، گرانی، مہنگائی، جوانی، بڑھاپا، گرمی اور سردی جیسے احوال کو مدنظر رکھا جائے گا اگر قاضی نے نفقہ کی مقدار متعین کر دی پھر خاوند کی معاشی حالت تبدیل ہوگئی یعنی وہ مالدار ہوگیا یا تنگدست ہوگیا تو قاضی مستقبل کے نفقہ میں حسب حال کمی بیشی کر دے۔ شافعیہ کہتے ہیں: کھانے کا خرچہ متعین مقداروں کی صورت میں غلہ اور دانوں کی شکل میں متعین کیا جائے گا جس میں خاوند کی معاشی حالت تنگدستی اور مالداری کا لحاظ رکھا جائے گا چونکہ جب کسی شخص کو کفارہ دیا جاتا ہے جو کم از کم مقدار میں ہو اس کی مقدار ایک مد دانے (غلہ) ہیں، اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو نفقہ پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

❶..... البدائع ۲۳/۴، فتح القدير: ۳۲۲/۳، الدر المختار ۸۸۶/۲ القوانين الفقهية ۲۲۱ الشرح الصغير ۷۳۱/۲ بداية المجتهد ۵۴/۲ مغنی المحتاج: ۴۲۶/۳ المهذب ۱۶۱/۲ المغنی ۵۶۴/۷۔

من اوسط ما تطعمون اھلیکم ......المائدہ ۵/ ۸۹

اوسط (درمیانی) درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو۔

چنانچہ فقہاء نے نفقہ کو کفارہ پر قیاس کیا ہے دونوں میں علت جامع یہ ہے کہ دونوں طرح کے اموال کو شریعت نے واجب کیا ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ مالدار خاوند پر بیوی کے لئے دو مد طعام (دانے) واجب ہیں اور تنگدست پر ایک مد واجب ہے متوسط الحال پر ڈیڑھ (۱/ ۲) واجب ہے، شافعیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ ......الطلاق ۶۵/ ۷

ہر صاحب حیثیت اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔

کفارہ میں زیادہ سے زیادہ جو مقدار واجب ہے وہ ہر مسکین کی لئے دو مد ہیں یہ کفارہ دوران حج واجب ہوتا ہے جب حاجی وقت سے پہلے بال یا ناخن کاٹ دے جبکہ کفارہ کی کم از کم مقدار ایک مد ہے جو کفارہ ظہار میں ہر مسکین کو دیا جاتا ہے تاہم شافعیہ نے مالدار پر اکثر کی مقدار یعنی دو مد واجب قرار دئیے ہیں اور تنگدست پر کم از کم مقدار یعنی ایک مد واجب قرار دیا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مد پر معمولی آدمی اکتفا کر لیتا ہے اور صاحب رغبت (لالچی) بھی قناعت کر لیتا ہے اور متوسط الحال پر دونوں مقداروں کی درمیانی مقدار واجب قرار دی تاکہ اسے ضرر لاحق نہ ہو۔

میرے نزدیک جمہور کی رائے راجح ہے چنانچہ علامہ اذرعی شافعی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے امام (امام شافعی) رحمۃ اللہ علیہ نے مدوں کے اعتبار سے طعام کی مقدار متعین کی ہو اگر سوء ادب مانع نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ: عورت کے لئے درست وصواب یہ ہے کہ معروف طریقے کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے چونکہ اس میں اسوہ ہے اور اسی میں اتباع ہے۔

رہی بات سالن کی سو شافعیہ کے نزدیک وہی سالن واجب ہے جو غالب احوال میں استعمال ہوتا ہو جیسے زیتون کا تیل، گھی، پنیر، کھجور، سرکہ اور عادی شخص کے لئے پھل۔ خاوند کی معاشی حالت اور عرف ورواج کے پیش نظر گوشت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

زوجین میں سے کس کی حالت کے پیش نظر نفقہ طعام کا تخمینہ لگایا جائے گا...... اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱۔۔۔ مالکیہ اور حنابلہ: کا مذہب ہے کہ زوجین کی معاشی حالت، عورت کی حیثیت اور علاقے کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے نفقہ کا اندازہ کیا جائے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۗ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۗ

ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس شخص کے لئے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے کہ اسی میں سے نفقہ دے اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے اس پر اس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ الطلاق ۶۵/ ۷

گزشتہ حدیث بھی ہے کہ: " خذی مایکفیک " اتنا مال لو جو تمہارے لئے کافی ہو حنابلہ کے نزدیک یہ حکم عقد نکاح کے وقت کا ہے اور اس تعبیر میں جانبین کی رعایت ہے اور دلائل جمع بھی ہو جاتے ہیں، چونکہ آیت میں خاوند کے حال کی رعایت رکھی گئی ہے اور حدیث میں معروف طریقہ کے ساتھ عورت کی کفایت کی رعایت کی گئی ہے اگر زوجین مالدار ہوں تو مالداری والا نفقہ واجب ہے اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو تنگدستی والا نفقہ واجب ہے اور اگر دونوں کی حالت میں تفاوت ہو تو متوسط درجے کا نفقہ واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں متوسط درجے کا نفقہ اندلس میں اس مقدار کو سمجھا جاتا ہے: ڈیڑھ رطل روزانہ گندم یا جو یا چاول۔

ب: حنفیہ اور شافعیہ......طعام اور کپڑوں کا تخمینہ خاوند کی معاشی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے لگایا جائے گا چونکہ اوپر آیت گذر چکی ہے کہ:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ

الطلاق ۶۵/ ۷

نیز حدیث ہے، عورتوں کو وہ کچھ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو انہیں ایسے ہی (عمدہ یا ادنیٰ) کپڑے پہناؤ جیسے تم پہنتے ہو انہیں مارو نہیں اور نہ ہی انہیں برا بھلا کہو ❶ نیز نفقہ خاوند پر واجب ہے اور عورت خاوند کی جیسی بھی معاشی حالت ہو اس پر راضی ہوتی ہے۔ نیز حدیث ہند میں المعروف کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا وجوب خاوند پر ہے۔

میرے نزدیک حنفیہ اور شافعیہ کا قول راجح ہے چونکہ آیت میں اس کی صراحت کی گئی ہے سوریہ اور مصر میں اسی رائے کو قانونی شکل دی گئی ہے نیز اس رائے میں عدل بھی ہے چنانچہ جب خاوند کی حالت تبدیل ہو جائے تو قاضی بھی نفقہ میں تبدیلی کا حکم صادر کر سکتا ہے۔

کتنی مدت میں طعام کا نفقہ دیا جائے......حنفیہ اور مالکیہ کی رائے کے مطابق خاوند کی معاشی صورتحال کے مناسب بیوی کو طعام کا نفقہ دیا جائے جو یومیہ بھی ہو سکتا ہے ہفتہ وار مہینہ وار اور سالانہ ❷ چنانچہ مزدور پیشہ خاوند یومیہ یا ہفتہ وار طعام کا خرچہ دے ملازم پیشہ مہینہ وار اور اہل ثروت سالانہ ہر آنے والے دن کا خرچہ شام کو دے دیا جائے، اور ہر آنے والے ہفتے کا خرچہ گذشتہ ہفتہ کے اختتام پر دے دیا جائے مہینے کا خرچہ شروع ماہ میں دے دیا جائے یا آخر ماہ میں اور سالانہ خرچہ مالی سال کے اعتبار سے دیا جائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: طلوع آفتاب کے وقت نفقہ دے دیا جائے چونکہ ضرورت اور حاجت کا یہی وقت ہوتا ہے اگر زوجین پیشگی یا ادھار پر اتفاق کریں تو یہ بھی جائز ہے۔

دوسرا واجب: کپڑے......علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خاوند پر بیوی کے کپڑے واجب ہیں چونکہ کپڑوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس پر ماؤں کا رزق اور کپڑے معروف طریقے سے واجب ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے معروف طریقے سے عورتوں کا رزق اور کپڑے تمہارے اوپر واجب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا اتنا نفقہ لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔

معروف طریقے کے کپڑوں سے مراد ایسے کپڑے ہیں جن کا رواج ہو۔

بالاتفاق کپڑوں کی اتنی مقدار واجب ہے جس سے کفایت ہو جائے چونکہ اس بات پر اجماع ہے نام کا کپڑا کافی نہیں ہوتا۔ شریعت میں اس کی تحدیدی مقدار مقرر نہیں کی گئی بلکہ حاکم وقت کے اجتہاد سے مقرر کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اتنی مقدار میں فرض ہے جس سے عورت کی کفایت ہو تاہم مالداری اور تنگدستی کی حالت کا لحاظ رکھا جائے گا اور رواج کی بھی رعایت کی جائے گی چنانچہ مالدار کے لئے عمدہ کپڑے ریشم اور عمدہ کاٹن کے ہوں اور تنگدست کے لئے عام کپڑے اور متوسط درجہ کی عورت کے لئے درمیانی قسم کے کپڑے۔

کم از کم کپڑے جو واجب ہیں ان میں قمیص شلوار چادر، سکارف، اور جوتے شامل ہیں ہر سال میں دو مرتبہ بیوی کو کپڑے دینا واجب ہے ایک جوڑا موسم گرما کا ایک جوڑ موسم سرما کا چونکہ گرمی سردی کے لحاظ سے ضرورت میں بھی جدت آ جاتی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر سال کے شروع میں کپڑے بیوی کو دیئے جائیں عورت قبضہ کرنے سے مالک بن جاتی ہے جو کپڑے

❶......رواہ ابوداؤد عن معاویۃ القشیری (نیل الاوطار ۶/ ۳۲۲) ❷ الدر المختار وابن عابدین ۲/ ۸۹۴ الشرح الصغیر ۲/ ۷۳۸۔

پوری ہو جائیں یا بوسیدہ ہو جائیں ان کا بدل نہیں دیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں ہر چھ ماہ میں عورت کو کپڑے دے دیئے جائیں چونکہ عرف اس امر کا متقضی ہے کہ اس مدت میں کپڑے تبدیل کئے جائیں اگر مدت سے پہلے کپڑے بوسیدہ ہو گئے تو ان کا تبادل واجب نہیں جیسے طعام کا تبادل واجب نہیں۔

تیسرا واجب: رہائش..... خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو ایسی رہائش مہیا کرے جو اس کے مرتبے کے لائق ہو ❶ خواہ اپنی ملکیت کے مکان میں اسے رہائش دے یا کرائے کا مکان لے کر یا عاریۃ مکان لے یا وقف کی مد میں مکان لے کر رہائش مہیا کرے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ......الطلاق ۶۵/۶

اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہیں بیویوں کو رہائش دو۔

یعنی اپنی معاشی وسعت کے مطابق عورت کو رہائش مہیا کی جائے نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......النساء ۴/ ۱۹

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھو۔

بیوی کو رہائش مہیا کرنا بھی حسن معاشرت میں سے ہے نیز پردہ اور ساز وسامان کی حفاظت رہائش گاہ کے بغیر ناممکن ہے۔

رہائش بھی طعام کی طرح معاشی حالت کے موافق ہو اگر زوجین مالدار ہوں تو عمدہ قسم کی رہائش ہو، گر تنگدست ہو تو حسب حال رہائش واجب ہے چونکہ آیت میں من وجدکم کے الفاظ ہیں یعنی رہائش مرد اپنی حیثیت کے مطابق مہیا کرے، بنابریں واجب ہے کہ رہائش میں درج ذیل امور پائے جاتے ہوں۔

۱ یہ کہ رہائش خاوند کی معاشی حالت کے مناسب ہو کیونکہ من وجدکم کا یہی تقاضا ہے۔

۲ یہ کہ رہائش بیوی کے لئے مستقل ہو اس مکان میں خاوند کے گھرانے کا کوئی اور فرد نہ رہتا ہو، الا یہ کہ عورت کسی کو اختیار کرے چونکہ سکنی عورت کے لیے مرد پر واجب ہے گویا سکنی عورت کا حق ہے عورت یہ حق بھی رکھتی ہے کہ اپنے حق سکنی میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے چونکہ شرکت سے عورت کو اذیت پہنچتی ہے نیز مشترک سکنی خاوند کی معاشرت اور زوجیت کے مانع ہے نیز مشترک گھر میں رہائش ہونے سے عورت کا سامان محفوظ نہیں رہتا۔ مالکیہ کے نزدیک سکنی کی ادنیٰ حد ایک حجرہ ہے جس میں زندگی کی بنیادی سہولیات میسر ہوں اس میں یہ شرط ہے کہ حجرے کے دوسرے حصہ میں عورت کی سوکن نہ ہو چونکہ عورت کو سوکن سے اذیت پہنچتی ہے۔

اگر مرد کے قریبی رشتہ دار ہوں (جیسے بہن بھائی والدین) تو حنفیہ کے نزدیک وہ بیوی کو اقرباء کے ساتھ رہائش دے ہاں البتہ اگر دلائل سے ثابت ہو جائے کہ اقرباء بیوی کو اذیت پہنچائیں تو پھر علیحدہ رہائش دینا ضروری ہے۔

مالکیہ نے شریف (معزز) عورت اور گھٹیا عورت میں فرق کیا ہے چنانچہ اگر عورت شریف ہو تو وہ خاوند کے اقرباء کے ساتھ رہائش رکھنے سے انکار کر سکتی ہے اگر چہ خاوند کے والدین ہی کیوں نہ ہوں چونکہ شریف عورت اپنے معاملات وشئون پر دوسرے افراد کے مطلع ہونے سے اذیت محسوس کرتی ہے ہاں البتہ عقد نکاح کے وقت اگر خاوند نے شرط لگادی ہو کہ بیوی والدین کے ساتھ رہے تو پھر والدین کے ساتھ رہائش رکھنے سے عورت انکار نہیں کرسکتی الا یہ کہ والدین کی طرف سے عورت کو اذیت پہنچ رہی ہو۔

اگر عورت گھٹیا ہو تو خاوند اسے اپنے اقرباء کے ساتھ ایک ہی گھر میں ٹھہرا سکتا ہے، ہاں البتہ عقد نکاح کے وقت اگر عورت نے شرط

---

❶ ..... فتح القدير ۳۳۴/۳ الدرالمختار ۹۱۲/۲ الشرح الصغير ۷۳۴/۲ القوانين الفقهية ۲۲۲۔

لگادی ہو کہ وہ خاوند کے اقرباء کے ساتھ رہائش نہیں رکھے گی یا خاوند کے اقرباء عورت کو اذیت پہنچا رہے ہوں تو اسے علیحدہ رہائش دینا ضروری ہے۔

حنفیہ کے نزدیک بیوی کے ساتھ خاوند کے علاوہ کوئی اور نہیں رہ سکتا اگرچہ ناسمجھ بچہ ہی کیوں نہ ہو ہاں البتہ خاوند کی رضا مندی سے رہ سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں عورت کے ساتھ اسی کا بچہ جو دوسرے خاوند سے ہو اور اس کی کوئی دایہ نہ ہو وہ عورت کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اگر مکان آبادی سے کٹ کے ہو جہاں تنہائی سے وحشت ہوتی ہو یا بڑا گھر ہو جو مکینوں سے خالی ہو اور اس کی اونچی اونچی دیواریں ہوں تو اس صوت میں خاوند کے لیے لازمی ہے کوئی ایسا مونس ساتھ رکھے جو بیوی کا دل بہلاتا رہے یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مختار مذہب ہے۔

۳..... یہ کہ گھریلو سامان جس کے علاوہ چارہ کار نہیں مکان میں موجود ہو یہ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے سونے کے بستر رضائی، تکیہ، باورچی خانے کا ساز وسامان یعنی دیگچیاں، پلیٹیں، لوٹا، پانی کا گھڑا چمچا، ٹب اور چراغ موجود ہوں چونکہ ان اشیاء کے بغیر گزران دشوار ہے نیز یہ چیزیں حسن معاشرت میں سے بھی ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر کی حد تک متعارف ساز وسامان بیوی پر واجب ہے اس لئے خاوند کو گھریلو اثاثے کا پابند نہیں بنایا جائے گا بلکہ گھریلو اثاثے کی ذمہ داری بیوی پر عائد ہوتی ہے۔

فقہاء نے اس شرط پر اتفاق کیا ہے کہ سکنی میں ضروریات زندگی کا مہیا ہونا ضروری ہے جیسے پانی کی سہولت باورچی خانہ، بیت الخلاء، ہاں البتہ اگر خاوند فقیر ہو اور کثیر کمروں والے بڑے مکان میں کسی ایک کمرہ میں رہ رہا ہو تو پھر یہ ضروریات لازمی نہیں البتہ شرط یہ ہے کہ دوسرے رہائشی نیک وصالح ہوں۔

چوتھا واجب: اگر بیوی کو خادم کی ضرورت ہو تو خادم کا نفقہ..... فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے [1] کہ اگر عورت حسب ونسب والی ہو اور والدین کے ہاں اس کی خدمت کے لئے خادم رکھا ہو تو خاوند اگر مالدار ہو اس پر بھی خادم رکھنا لازمی ہے اور خادم کا نفقہ خاوند پر واجب ہوگا چونکہ خادم رکھنا حسن معاشرت ہے نیز عورت کی کفایت خاوند پر واجب ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے وعاشروھن بالمعروف عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھو۔ (النساء: ۴/۱۹)

جمہور فقہاء (امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم) کے نزدیک ایک سے زائد خادم واجب نہیں، چونکہ ایک خادم سے کفایت ہو جاتی ہے دو کی چنداں ضرورت نہیں زائد خادموں میں مرفہ الحالی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے جو خاوند پر لازم نہیں۔

امام ابویوسف اور امام ابوثور کہتے ہیں: دو خادموں کا نفقہ فرض ہے چونکہ ایک خادم گھر کے داخلی امور سنبھالتا ہے اور دوسرا بیرونی۔

مالکیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر بیوی کو زیادہ خادموں کی ضرورت ہو تو خاوند پر ایک سے زائد خادم لازم ہیں تنازعہ کھڑا ہو جانے کی صورت میں عورت کے حق میں خادم کا فیصلہ کیا جائے گا ہاں البتہ اگر عورت کے خادم میں اخلاقی بھلائی نہ ہو جس سے دین اور دنیا کا ضرر ہوتا ہو تو پھر خادم ضروری نہیں۔

خادم کون اور کیسا ہو..... خادم ایسا شخص ہو جس کا عورت کی طرف دیکھنا حلال ہو گویا وہ عورت کا ذی رحم محرم ہو چونکہ خادم اکثر اوقات خدمت میں مصروف رہتا ہے اس لئے نظر کی سلامتی ضروری ہے، حنابلہ کے نزدیک خادم کا اہل کتاب میں سے ہونا جائز ہے چونکہ اہل کتاب سے خدمت لینا مباح ہے حنابلہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اہل کتاب کی طرف نظر کرنا مباح ہے۔

---

[1] البدائع: ۴/۲۴ فتح القدیر: ۳/۳۲۷ الدر المختار: ۲/۱۰۹۱ بدایۃ المجتہد ۲/۵۴ الشرح الصغیر ۲/۷۳۴ مغنی المحتاج: ۳/۴۳۲ المہذب ۲/۱۶۲ المغنی ۷/۵۶۹ غایۃ المنتہی ۳/۲۳۴۔

خادم کا نفقہ اور اخراجات کپڑے اور طعام وغیرہ بیوی کے نفقہ کی طرح ہیں یہ حنابلہ کی رائے ہے البتہ شیشہ کنگھا تیل وغیرہ واجب نہیں چونکہ یہ چیزیں زینت وآرائش کی ہوتی ہیں۔ اور خادم کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

شافعیہ کا مذہب ہے کہ بیوی کی طرح خادم کا نفقہ بھی خاوند پر لازم ہے وہی طعام جو بیوی کو دے خادم کو دینا ضروری ہے تنگدست پر ایک مد مالدار پر ایک مد اور تہائی مد۔ البتہ اگر خاوند تنگدست ہو تو بیوی کے لئے خادم رکھنا اس پر واجب نہیں چونکہ خادم ضروری نہیں بلکہ جہاں تک ہو سکے عورت خود اپنی خدمت کرے۔

پانچواں واجب: آلہ تنظیف اور گھریلو ساز وسامان..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ دایہ کی اجرت اور آلات تنظیف کا خرچہ واجب ہے ❶ البتہ زیب وزینت کے آلات اور گھریلو ساز وسامان کے متعلق اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: خاوند پر آٹا پیسنے کا آلہ، توا، جگ، گلاس، کوزا، گھڑا، دیگچی چمچہ، گھریلو چٹائی، نمدہ، ٹاٹ دری وغیرہ واجب ہے۔ آلات تنظیف یعنی صاف کرنے کی چیزیں جیسے کنگھی، صابن، اشنان، بیوی کے لئے تیل، خطمی وغیرہ حسب رواج کے مطابق بھی واجب ہے پاؤں میں پہننے کی چپل خاوند پر واجب ہے، کپڑے اور بدن دھونے کا صابن وغیرہ اور غسل جنابت کے لئے پانی کا مہیا کرنا بھی خاوند پر واجب ہے رہی بات دایہ کی اجرت کی سو دونوں میں سے جس نے بھی دایہ اجرت پر لی ہو اس پر اس کی اجرت واجب ہے، اگر بلا اجرت دایہ آجائے تو ایک قول کے مطابق اجرت خاوند پر واجب ہے چونکہ دایہ کا خرچہ جماع کے اخراجات میں سے ہے۔ دوسرا قول کہ عورت پر واجب ہے جیسے ڈاکٹر کا خرچہ عورت پر واجب ہے رہی بات خوشبو کی جو حیض کے بعد رکھی جاتی ہے تاکہ بدبو زائل ہو جائے سو وہ خاوند پر واجب ہے۔ رہی بات مہندی اور سرمہ کی سو وہ خاوند پر لازم نہیں بلکہ ان دو چیزوں کا خاوند کو اختیار ہے عورت کے لئے چپل اور قہوہ خاوند پر واجب نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں: حسب حال اور علاقے کے عرف ورواج کے مطابق خاوند پر آلہ تنظیف واجب ہے چنانچہ پینے کا پانی، غسل اور کپڑے دھونے کا پانی ہاتھ منہ اور وضو کرنے کا پانی عورت کے لئے واجب ہے کھانے کا تیل اور لگانے کا تیل بھی عورت کے لیے خاوند پر واجب ہے۔

ایندھن کا انتظام کرنا جو حسب عرف ہو بھی خاوند پر واجب ہے کھانے کے لوازمات نمک مرچ، مسالے خاوند پر واجب ہیں، مالدار شخص پر ہفتہ میں ایک بار گوشت لانا واجب ہے ہر دن واجب نہیں، جبکہ فقیر پر حسب قدرت واجب ہے۔

خاوند پر دایہ کی اجرت واجب ہے چونکہ دایہ کی اجرت نومولود کے لوازمات میں سے ہے، گرمیوں، سردیوں کے موافق اوڑھنے بچھونے کے بستر چٹائی وغیرہ بھی خاوند پر واجب ہے، عورت اپنا جہیز فروخت نہیں کرسکتی الا یہ کہ چار سال گزر جائیں اگر اوڑھنے بچھونے کے کپڑے بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا متبادل لانا خاوند پر واجب ہے۔

زیب وزینت کی اشیاء کا انتظام کرنا بھی خاوند پر واجب ہے چونکہ ان اشیاء کے نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو اذیت پہنچتی ہے یہ اشیاء جیسے سرمہ، تیل، مہندی، جس چیز کے نہ ہونے سے عورت کو اذیت پہنچتی ہو وہ خاوند پر واجب ہیں جیسے کنگھا، سرمچو اور بقیہ گھریلو اثاثہ۔

شافعیہ..... کے نزدیک آلات تنظیف جیسے کنگھی، تیل، جھاڑو، صابن حمام کا کرایہ غسل جنابت اور غسل نفس کے پانی کی قیمت

❶ الدر المختار ۸۹۳/۲ الشرح الصغیر ۷۳۳/۲ القوانین الفقہیۃ ۲۲۲، المہذب ۱۶۱/۲ مغنی المحتاج: ۲۷/۳ المغنی ۵۶۷/۷

خاوند پر واجب ہے اصح قول کے مطابق حیض اور احتلام کے غسل کے پانی کی اجرت خاوند پر واجب ہیں، کھانے پینے اور پکانے میں استعمال ہونے والے برتن خاوند پر واجب ہیں آٹا پیسنا، گوندنا، روٹی پکانا خاوند پر واجب ہے بیوی کے لیے بچھونوں کا انتظام کرنا خاوند پر واجب ہے اس کے علاوہ چٹائی، دری، قالین کا انتظام کرنا بھی خاوند پر واجب ہے، سر پر مہندی اور زیب وزینت کی اشیاء واجب نہیں، ہاں البتہ اگر خاوند زینب وزینت کا مطالبہ کرے تو پھر انتظام بھی اس پر واجب ہوگا رہی بات خوشبو کی سوا گر بدبوزائل کرنے کے لئے ہو تو خاوند پر واجب ہے۔

حنابلہ...... کے نزدیک کنگھی، صابن، سر میں لگانے کا تیل، سر، بدن اور گھر صاف کرنے کے آلات پینے اور وضو کرنے کے پانی کی قیمت حیض ونفاس جنابت کے غسل کے لئے پانی کی قیمت نجاست اور کپڑے دھونے کے لیے پانی کی اجرت بھی خاوند پر واجب ہے، اگر خاوند زیب وزینت کا مطالبہ کرتا ہو تو مہندی وغیرہ کی اجرت خاوند پر واجب ہوگی اگر خاوند زیب وزنیت کا مطالبہ نہ کرتا ہو تو سامان زینت بھی اس پر واجب نہیں، حیض ونفاس کی بدبوزائل کرنے کے لئے خوشبو کا انتظام کرنا خاوند پر واجب ہے، البتہ امور تلذذ وتجمل خاوند کے ذمہ واجب نہیں۔

سونے کے لئے جن کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ حسب عرف ورواج خاوند پر واجب ہیں دری، چٹائی، قالین وغیرہ بھی خاوند پر واجب ہے، یہ ساری چیزیں مالدار خاوند پر اس کی معاشی حالت کے مطابق واجب ہیں تنگدست پر بھی اسی کی حالت کے مطابق۔

نفقہ کے متعلق عدالتی فیصلہ...... دیانۃ بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہوتا ہے اگر چہ زمانہ طویل گزر جائے لیکن سوریا کے قانون میں ہے کہ زمانہ ماضی کا نفقہ چار ماہ سے زائد کا خاوند پر دعویٰ کرنا ممنوع ہے قانون میں یہ شق اس لئے شامل کی گئی ہے تاکہ مرد کو سہولت ہو سوریا کے قانون میں دفعہ ۷۸ کے تحت اسی شق پر صراحت کی گئی ہے۔

۱......جس تاریخ سے خاوند نے بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کیا ہو اس تاریخ سے بیوی کے حق میں نفقہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۲......زمانہ ماضی کے رہے ہوئے نفقہ کے متعلق چار ماہ سے زائد نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کی رائے...... ہے کہ عورت صرف دوصورتوں میں ماضی کے نفقہ کی مستحق ٹھہرتی ہے (۱) یا تو قاضی نے ماضی کا نفقہ مقرر کیا ہو جو خاوند کے ذمہ واجب ہو یا زوجین نے باہمی رضامندی ظاہری کی ہو چونکہ حنفیہ کے نزدیک نفقہ صلہ ہوتا ہے نہ کہ عوض چنانچہ نفقہ کا وجود عدالتی فیصلہ سے موکدہ ہوتا ہے جیسے ہبہ قبضہ سے موکد ہو جاتا ہے۔

عدالت کی طرف سے مقررہ نفقہ میں تبدیلی لانا صرف دوصورتوں میں جائز ہے۔ (۲)

اول...... یہ کہ خاوند کی معاشی حالت تبدیل ہو جائے مثلاً وہ قبل ازیں تنگدست تھا اور اب مالدار ہو گیا تو نفقہ میں تبدیلی کی جاسکتی ہے چونکہ تنگدستی اور مالداری کے حالات میں نفقہ بھی حسب حال واجب ہوتا ہے۔

دوم...... یہ کہ ضروریات زندگی کے نرخوں میں تبدیلی آجائے یعنی بازار میں اشیاء کی قیمت میں کمی آجائے یا گرانی آجائے چنانچہ ملکی حالات بدلنے سے اشیاء کے نرخوں میں بھی تبدیلی آجاتی ہے جیسے جنگ اور قحط کے زمانہ میں اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے تاہم اگر ایسے حالات پیدا نہ ہوں تو عدالت کی طرف سے مقرر نفقہ میں تبدیلی کی درخواست قابل سماعت نہیں ہوگی الا یہ کہ مقررہ نفقہ کو چھ ماہ گزر جائیں چونکہ چھ ماہ سے کم مدت میں اشیاء کی قیمتوں کا اثر ظاہر ہیں ہوتا۔

---

(۱)......فتح القدیر ۳/۳۳۲، الدرالمختار ۲/۹۰۶ (۲) فتح القدیر: ۳/۳۳۱ الدا لمختار ۲/۹۰۵۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۷۷ کے تحت اسی پر صراحت کی گئی ہے۔

ا۔ خاوند کی معاشی حالت تبدیل ہو جانے کی صورت میں بیوی کے نفقہ میں کمی بیشی کرنا جائز ہے۔
عدالت کی طرف سے مقرر شدہ نفقہ میں کمی زیادتی کا دعویٰ چھ ماہ گذرنے سے قبل قابل سماعت نہیں ہوگا الا یہ کہ کڑے حالات پیش آ جائیں۔

قاضی نفقہ کیسے مقرر کرے؟...... قاضی ضروریات زندگی بیوی کی ضروریات خاوند کی معاشی حالت، اشیاء کی قیمتوں کو سامنے رکھ کر نفقہ کے بارے میں حکم صادر کرے بلکہ تجربہ کار لوگوں سے مدد لے اور ماہرین سے رائے لے، سوریا کے قانون میں دفعہ ۸۱ کے تحت اسی کی صراحت کی گئی ہے۔

دوران دعویٰ کا قرضہ...... جس عرصہ میں عدالت میں مقدمہ چل رہا ہو اس عرصہ میں قاضی خاوند کو حکم دے کہ وہ بیوی کو ایک اندازے کے مطابق رقم بطور قرض دے، یہ رقم ایک ماہ کے نفقہ سے زائد نہ ہو سوریا کے قانون دفعہ ۸۲ میں اسی پر صراحت کی گئی ہے۔

چوتھا مقصد: نفقہ زوجیت کے احکام...... اس مقصد کے ذیل میں بیوی کے نفقہ کے متعلق مختلف الانواع احکام ہیں، ان میں سے اہم حسب ذیل ہیں۔

اول: بیوی کو خرچہ نہ دینے کا حکم...... جب خاوند نے بیوی کے نفقہ کا وجوب اپنے ذمہ لے لیا ہو یا قاضی نے خاوند کو حکم سنایا ہو اس کے بعد خاوند بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو اس میں حنفیہ کے نزدیک تفصیل ہے۔
ا۔ اگر خاوند مالدار ہو اور اس کے پاس بظاہر مال موجود ہو تو قاضی خاوند کے مال کو جبراً فروخت کروادے اور حاصل شدہ قیمت بیوی کو نفقہ کی مد میں دے۔ اگر بظاہر خاوند کے پاس مال نہ ہو لیکن ہو مالدار تو قاضی بیوی کے مطالبہ پر خاوند کو حوالات میں بند کروادے ❶ کیونکہ ارشاد نبوی ہے مالدار آدمی کی مال مٹول ظلم ہے اس کی آبرو اور سزا حلال ہو جاتی ہے۔ خاوند کو قید و بند میں رکھا جائے تاوقتیکہ بیوی کا نفقہ دے اور اگر خاوند نفقہ نہ دے قاضی کو بھی خاوند کا عاجز ہونا متحقق ہو جائے تو اسے رہا کردے تاوقتیکہ اس کے پاس مال آجائے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ...... البقرۃ: ۲/ ۲۸۰

اور اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے مہلت دینا ہے ہاتھ کھلا ہونے تک۔

ب۔ اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے قید میں نہ رکھا جائے چونکہ وہ ظالم نہیں نیز اسے حوالات میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

دوم: خاوند کا تنگدستی کی وجہ سے نفقہ نہ دینا...... خاوند کے تنگدست ہو جانے کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں جو حسب ذیل ہیں: ❷

جمہور (مالکیہ کے علاوہ) خاوند پر عائد کیا گیا نفقہ اس کے تنگدست ہو جانے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ تا فراخی نفقہ اس پر دین (قرضہ) ہوگا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ اگر وہ تنگدست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دینا ہے۔ البقرۃ: ۲/ ۲۸۰

---

❶ البدائع ۴/ ۳۸ ❷ الدر المختار ۲/ ۹۰۳ فتح القدير ۳/ ۳۲۹ الشرح الكبير مع الدسوقى ۲/ ۵۱۷ المهذب وتكملة المجموع ۲/ ۱۰۸ كشاف القناع ۵/ ۵۵۲ المغنى ۷/ ۵۷۳.

ایسی حالت میں حنفیہ کے نزدیک قاضی بیوی کو اجازت دے کہ وہ قرضہ لیتی رہے اگرچہ خاوند قرضہ سے انکار کرتا ہو۔ قرضہ لینے کی اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ قرض دہندہ خاوند یا بیوی سے بعد میں قرضہ وصول کر سکے یہ کہ قرضہ لیا ہوا نفقہ زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے ساقط نہیں ہوتا خاوند پر بیوی کے علاوہ جن افراد کا نفقہ واجب ہو اس کے لیے قرضہ لینا بیوی پر واجب ہے اگر خاوند قرضہ سے انکار کرتا ہو تو قاضی خاوند کو ڈانٹ ڈپٹ کے بعد قید کرنے کا حکم دے۔

حنفیہ کے نزدیک خاوند کے تنگدست ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی چونکہ قاضی کے حکم سے نفقہ خاوند کے ذمہ قرضہ ہوتا رہے گا گویا اعلیٰ ضرر کے مقابلے میں ادنیٰ ضرر برداشت کیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کے نزدیک اگر خاوند تنگدست ہو جائے اور تنگدستی کا نفقہ بھی ادا نہ کر سکتا ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، اگر خاوند تنگدستی کی حالت سے زائد نفقہ دینے سے قاصر ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، چونکہ زائد مقدار تنگدستی کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، فسخ نکاح کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کا نفقہ نہیں پاتا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا میاں بیوی دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے [1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث نسائی نے روایت کی ہے جس میں ہے ان لوگوں پر خرچ کرنے کی ابتداء کرو جن کا نفقہ تمہارے اوپر واجب ہے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! مجھ پر کس کا نفقہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی کا جو کہتی ہے مجھے کھانا دو ورنہ طلاق دے دو۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ حسن معاشرت اور معروف طریقے سے بیوی کو اپنے پاس روکے رکھنا خاوند پر واجب ہے لیکن خاوند معروف طریقے سے بیوی کو اپنے پاس رکھنے سے عاجز آ گیا ہے لہٰذا قاضی نائب کی حیثیت سے زوجین کے درمیان تفریق کر دے جیسے مقطوع الذکر یا نامرد ہونے کی صورت میں قاضی زوجین کے درمیان تفریق کر دے بلکہ تنگدستی کی حالت میں تو بطریق اولیٰ تفریق کی جائے چونکہ نفقہ کی حاجت بطریق اولیٰ پیش آتی ہے اگر خاوند وطی سے عاجز ہو تو اس میں ضرر کم ہے بایں ہمہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے جبکہ نفقہ دینے سے جب خاوند عاجز ہو تو اس صورت میں ضرر زیادہ ہے لہٰذا بطریق اولیٰ نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: خاوند کے تنگدست ہونے کی مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا گویا تنگدستی کے عرصے کا نفقہ خاوند کو لازم نہیں ہوگا، اور خاوند پر قرضہ (دین) نہیں ہوگا جب خاوند کا ہاتھ کھل جائے (فراخی ہو جائے)

تو عورت خاوند پر رجوع نہیں کرے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰہَا ......الطلاق ۶۵/ ۷

اللہ نے کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا مگر اتنا ہی جتنا اسے دے رکھا ہے۔

تنگدست نفقہ دینے سے عاجز ہوتا ہے اور تنگدستی کے عرصہ میں عورت اپنے اوپر جو کچھ خرچ کرتی ہے وہ تبرع میں چلا جاتا ہے، اگر خاوند کی حالت فراخ ہو جائے تو بیوی کا نفقہ اس پر واجب ہو جائے گا۔

حکم: قانونی...... مصر کے قانون اقدامات شرعیہ کے دفعہ ۲۱۳ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ جب خاوند عدالت کی طرف سے عائد نفقہ دینے سے انکار کرے تو عدالت اسے قید کرنے کا حکم صادر کرے قید کی مدت بیس (۲۰) دنوں سے زیادہ نہ ہو اگر خاوند واجب نفقہ

---

[1] ......اخرجه الدارقطني والبيهقي واعله ابو حاتم ولكن للحديث شواهد عن سعيد بن المسيب عند سعيد بن المنصور والشافعي وعبدالرزاق وهذا مرسل قوي.

ادا کردے تو اسے رہا کر دیا جائے یا خاوند کفیل (ضامن) دے تو بھی اسے چھوڑ دیا جائے گا سوریا کے قانون دفعہ ۸۰ کے تحت درج ذیل وضاحت کی گئی ہے۔

۱...... جب بیوی کے حق میں خاوند کے خلاف نفقہ کا حکم صادر ہو جائے جبکہ خاوند نفقہ کے حصول سے قاصر ہو تو کسی ایسے شخص کو پابند کیا جائے گا جو عورت کا نفقہ مقررہ مقدار کے مطابق ادا کر سکے خرچ کنندہ کو حق حاصل ہے کہ جتنا نفقہ عورت کو دیا ہو اس کے بقدر خاوند سے واپس لے۔

۲...... اگر کسی ایسے شخص سے قرضہ لینے کی عورت کو اجازت دے دی جائے جس پر عورت کا نفقہ لازم ہوتا ہو تو اس شخص کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ عورت سے واپس لے یا خاوند سے لے۔ اگر عورت سے خرچہ واپس لیا ہو تو عورت خاوند پر رجوع کرے۔

دونوں صورتوں میں فرق اس لیے ہے کہ اگر کسی ایسے شخص کو عورت پر خرچ کرنے کا پابند کیا جائے جو عورت کا قریبی رشتہ دار ہو مثلاً بھائی، باپ یا دادا تو وہ عورت کو خرچہ دے اور پھر خاوند کے پاس مال آجائے تو وہ خاوند سے واپس لے، جبکہ دوسری صورت میں اگر کسی ایسے شخص سے قرضہ لینے کی اجازت دی گئی ہو جس پر عورت کا نفقہ لازم نہ ہوتا ہو تو اسے رجوع کرنے میں اختیار حاصل ہوگا خواہ خاوند سے واپس لے یا عورت سے۔

سوم: غائب شخص کی بیوی کا نفقہ...... غائب کون ہے: غائب وہ شخص ہے جس پر نفقہ کا دعویٰ کیا گیا ہو اور اسے انکوائری کے لیے عدالت میں حاضر کرنا دشوار ہو خواہ وہ کہیں دور ہو یا قریب ہو، آیا کہ اس خاوند پر نفقہ واجب قرار دینے کی کیفیت کیا ہوگی سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❶

جمہور...... کا مذہب ہے کہ ماضی کا نفقہ غائب خاوند پر واجب ہوگا اگرچہ حاکم نے حکم نہ بھی صادر کیا ہو یہ نفقہ خاوند کے ذمہ دین (قرضہ) ہوگا۔

امام ابوحنیفہ...... کہتے ہیں ماضی کا نفقہ صرف حاکم (قاضی) کے حکم سے واجب ہوتا ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیویوں سے غائب ہونے والے مردوں کے بارے میں خط لکھا، آپ نے انھیں حکم دیا کہ اپنی بیویوں کو نفقہ دو ورنہ انھیں طلاق دے دو اس سے معلوم ہوا کہ جب خاوند بیوی کو خرچہ دینے سے انکار کرے تو اسے طلاق پر مجبور کیا جائے نیز خاوند کے مال سے عورت کو خرچہ دینا دشوار ہے لہٰذا عورت کو خیار حاصل ہوگا جیسے تنگدستی کی حالت میں بلکہ انکار کی صورت میں تو بطریق اولیٰ نکاح فسخ کیا جائے گا جب معذور کے خلاف فسخ نکاح جائز ہے تو غیر معذور پر بطریق اولیٰ جائز ہوگا نیز عورت کو صبر کروانے میں شدید ضرر ہے اور فسخ کے ذریعہ ضرر کا ازالہ ممکن ہے۔

حنفیہ...... کی رائے: غائب شخص کے مال میں بیوی، نابالغ اولاد اور والدین کے علاوہ کسی اور کے حق میں نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جبکہ دوسرے محارم جیسے بھائی بہنیں، چچاؤں اور پھوپھیوں کے حق میں غائب کے مال سے نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

اگر خاوند غائب ہو اور بیوی عدالت میں جا کر قاضی سے مطالبہ کرتی ہو کہ اس کے لئے نفقہ مقرر کیا جائے چنانچہ اگر خاوند کا ظاہری مال ہو جس سے بیوی کا نفقہ دیا جا سکتا ہو تو قاضی اس ظاہری مال سے بیوی کے نفقہ کا فیصلہ کرے فیصلہ سے پہلے قاضی عورت سے قسم لے

---

❶ فتح القدیر ۳/۳۳۶، الدر المختار ۲/۹۱۲، بدایۃ المجتہد ۲/۵۵، الشرح الصغیر ۲/۷۴۵، المہذب ۲/۱۶۳، مغنی المحتاج ۳/۴۳۶، المغنی ۷/۵۶۷، غایۃ المنتہی ۳/۲۳۶۔

کہ خاوند نے اسے نفقہ نہیں دیا چونکہ قسم دینے میں غائب شخص کی رعایت ہے حنفیہ اور شافعیہ کی رائے کے مطابق عورت سے کفیل (ضامن) لیا جائے گا چونکہ بسا اوقات عورت نفقہ لے چکی ہوتی ہے یا خاوند نے اسے طلاق دی ہوتی ہے اور اس کی عدت بھی پوری ہو چکی ہوتی ہے، اس لئے ضامن لینے میں خاوند کی رعایت رکھی گئی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک قاضی عورت کو یوں بھی قسم دے کہ وہ غائب خاوند پر نفقہ کا حق رکھتی ہے اور خاوند نے اس کے لئے مال نہیں چھوڑا جسے وہ خرچ کرے اور نہ ہی کسی اور کو وکیل مقرر کیا ہے جو عورت پر خرچ کرے اس قسم کو اصطلاح میں یمین استیثاق کہا جاتا ہے۔

اگر غائب خاوند کا ظاہری مال نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک قاضی خاوند کی تنگدستی کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہیں دلوا سکتا چونکہ تنگدستی کی وجہ سے طلاق کی گنجائش نہیں ہوتی برابر ہے کہ خاوند حاضر ہو یا غائب۔

جمہور (غیر حنفیہ) کی رائے......خاوند اگر تنگدست ہو تو قاضی بیوی کو طلاق دلوا سکتا ہے، خواہ خاوند حاضر ہو یا غائب البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند غائب ہو اور قریب ہو تو اسے حکمنامہ ارسال کیا جائے گا کہ یا تو خود آجائے یا نفقہ بھیجے یا بیوی کو طلاق دے اور اگر دور ہو مثلاً دس دن کی مسافت پر ہو اور بیوی کے خرچہ کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑی ہو اور نہ ہی کسی کو وکیل بنایا ہو تو قاضی عورت کو طلاق دلوائے عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا عورت سے مذکورہ امور پر حلف لیا جائے گا۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت نے اپنے غائب خاوند کے مال سے خرچہ لیا پھر معلوم ہوا کہ اس کا خاوند تو مر چکا ہے تو عورت جو نفقہ لے گی وہ اس کے حصہ میراث میں سے شمار ہوگا برابر ہے کہ عورت نے اپنے تئیں خرچہ لیا ہو یا قاضی کے حکم سے خرچہ لیا ہو ❶

چہارم: خاوند پر نفقہ کب دین ہوگا......قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ عقد کے بعد عورت جب خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے دیتی ہے تب سے عورت کا نفقہ بالاتفاق خاوند پر واجب ہوتا ہے مالکیہ نے وجوب نفقہ کی یہ شرط لگائی ہے کہ دخول سے پہلے عورت دعوت دخول دے یا ولی مجبر دعوت دے۔

لیکن فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس وقت نفقہ خاوند پر دین ہوگا؟ اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ❷

حنفیہ......کہتے ہیں: خاوند کے ذمہ نفقہ یا تو قاضی کے حکم سے دین ہوتا ہے یا باہمی رضامندی سے چنانچہ اگر قاضی نے حکم صادر نہ کیا ہو اور زوجین نے رضامندی بھی نہ کی ہو تو نفقہ خاوند کے ذمہ دین نہیں ہوگا، اگر عقد کے بعد عورت نے اپنے اوپر اپنے ہی مال سے خرچ کیا یا دین لے کر خرچ کیا تو یہ نفقہ خاوند کے ذمہ دین (قرضہ) نہیں ہوگا بلکہ مدت گزرنے سے ساقط ہو جائے گا، ہاں البتہ مہینہ سے کم کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ اگر نفقہ پر قاضی کا فیصلہ صادر ہو جائے یا زوجین کی باہمی رضامندی ہو جائے تو نفقہ ایسا جامد اور قوی دین نہیں بن جاتا کہ پھر ادائیگی اور ابراء کے بغیر ساقط ہی نہ ہو بلکہ یہ نفقہ دین ضعیف ہوتا ہے ان امور سے بھی ساقط ہو جاتا ہے جن سے دین قوی ساقط ہوتا ہے جیسے ادائیگی یا ابراء۔ نیز یہ دین نشوز اور زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے بھی ساقط ہو جاتا ہے، چنانچہ نفقہ خاوند کے ذمہ دین اسی وقت ہوگا جب خاوند یا قاضی بیوی کو دین لینے کی اجازت دے دے اور عورت بالفعل دین (قرضہ) لے بھی۔

---

❶......المغنی ۷/۵۷۹ ❷الدر المختار ۲/۹۰۲ فتح القدیر: والعنایۃ ۳/۳۳۲ الشرح الصغیر ۲/۷۴۳ مغنی المحتاج: ۳/۴۴۲ المغنی ۷/۵۷۸۔

حنفیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ نفقہ زوجیت ایک طرح سے صلہ یعنی بلاعوض عطا ہے اور ایک طرح سے عوض ہے، صلہ اس اعتبار سے ہے کہ احتباس کے منافع میاں بیوی دونوں پر لوٹتے ہیں صرف ایک خاوند پر نہیں لوٹتے، عوض اس اعتبار سے ہے کہ نفقہ بیوی کے احتباس (خاوند کے گھر میں رکھنے) کی جزاء (بدلہ) ہے، اگر صلہ ہونے کے اعتبار سے نفقہ کو دیکھا جائے تو قاضی کے حکم اور زوجین کی رضامندی کے بغیر مدت کے گزر جانے سے نفقہ ساقط ہو جانا چاہئے جیسے قریبی رشتہ داروں کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ اگر عوض ہونے کے اعتبار سے نفقہ قاضی کے فیصلہ اور باہمی رضامندی سے دین بن جاتا ہے۔

جمہور...... کہتے ہیں: نفقہ محض وجوب اور خاوند کے انکار کرنے سے دین قوی بن جاتا ہے، بقیہ دیون کی طرح یہ دین بھی یا تو ادائیگی سے ساقط ہوتا ہے یا ابراء سے ساقط ہوتا ہے، مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا، بیوی کے نشوز، طلاق اور موت سے ماضی کا جامد نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عوض ہے، صلہ اور عطاء نہیں۔ شارع نے بیوی کے احتباس کے مقابلہ میں مقتضائے عقد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، جب نفقہ عوض محض ہے تو وہ ذمہ میں بقیہ دیون کی طرح دین ہوگا، استحقاق کے وقت ذمہ میں واجب ہوگا۔
سوریا کے قانون دفعہ ۷۹ کے تحت حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے اور مصر کی شرعی عدالت میں ۱۹۲۰ میں اسی کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

پنجم: معتدہ کا نفقہ...... بیوی کے حقوق کے ذیل میں حکم کا بیان گزر چکا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔
مطلقہ رجعیہ کا نفقہ بالاتفاق خاوند کے ذمہ واجب ہے، چونکہ طلاق رجعی میں عورت بیوی کے حکم میں ہوتی ہے، حاملہ عورت کا نفقہ بھی طلاق دہندہ خاوند کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔
چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...... الطلاق ۶۵/۶

اگر طلاق یافتہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو تاوقتیکہ حمل وضع کر دیں۔

معتدہ بیوہ، نکاح فاسد اور نکاح شبہ کی عورت کا نفقہ بالاتفاق واجب نہیں۔ البتہ مالکیہ نے معتدہ بیوہ کے لئے عرصہ عدت میں سکنی واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ مکان خاوند کی ملکیت ہو یا اجرت پر لیا ہوا اور اجرت پیشگی دے دی ہو۔
معتدہ مطلقہ بائنہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ نے تینوں انواع کا نفقہ اس عورت کے لئے واجب قرار دیا ہے چونکہ وہ خاوند کے حق کے لئے رکی رہتی ہے، ❶ حنابلہ نے اس کا نفقہ واجب قرار نہیں دیا، ❷ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لئے نفقہ اور سکنی نہیں رکھا۔ مالکیہ اور شافعیہ نے درمیانی راہ اختیار کی ہے، ❸ چنانچہ انہوں نے اس عورت کے لئے صرف سکنی واجب قرار دیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ...... الطلاق ۶۵/۶

اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تم ٹھہرتے ہو وہیں ان عورتوں کو ٹھہراؤ۔

حمل کا نفقہ...... مالکیہ نے حمل کا نفقہ باپ پر واجب قرار دیا ہے ❹ بشرطیکہ حمل اور اس کا باپ آزاد ہوں چنانچہ غلام کے حمل کا نفقہ نہیں اور ملاعنہ کے حمل کا بھی نفقہ نہیں۔

---

❶ ...الدر المختار ۹۲۱/۲۔ ❷ غاية المنتهى ۲۳۶/۳، المغنی ۶۰۶/۷، کشاف القناع ۵۳۸/۵۔ ❸ الشرح الصغیر ۷۳۰/۲، المهذب وتكملة المجموع ۱۷/۱۷۔ ❹ الشرح الصغیر ۷۴۳/۲۔

اس ضمن میں شافعیہ اور حنابلہ کی دو آراء ہیں۔ ❶

اول...... یہ کہ حمل کے لئے نفقہ واجب ہے چونکہ حمل کے وجود کی وجہ سے نفقہ واجب ہوتا ہے اور انفصال کے وقت ساقط ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حمل کے لئے نفقہ ہوگا۔

دوم...... حمل کی وجہ سے حاملہ عورت کے لئے نفقہ واجب ہے چونکہ فراخی اور تنگدستی میں بھی نفقہ واجب ہوتا ہے لہٰذا حمل کے لئے نفقہ واجب ہوگا۔ جیسے بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔
نیز غیر حنفیہ کے نزدیک وقت اور مدت گزرنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا لہٰذا حمل کی ماں کے نفقہ کے مشابہ ہے۔

حکم قانون...... سوریا کے قانون میں عدت کے نفقہ پر صراحت کی گئی ہے۔
دفعہ ۸۳ میں ہے کہ جو عورت طلاق، تفریق یا فسخ کے بعد عدت میں ہو اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے۔
دفعہ ۸۴ میں ہے کہ عدت کا نفقہ بھی ایسا ہی ہوگا جیسے زوجیت کا نفقہ ہوتا ہے، جس تاریخ سے عدت واجب ہوئی ہو اسی تاریخ سے نفقہ کے وجوب کا حکم لگایا جائے گا اور عرصہ نو ماہ سے زائد نفقہ نہیں ہوگا۔

ششم: پیشگی نفقہ دے دینا...... اگر خاوند بیوی کو پیشگی نفقہ دے دے پھر ایسے حالات پیش آجائیں جن کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے جیسے عورت کا نشوز، زوجین میں سے کسی ایک کا مر جانا، تاہم خاوند یا اس کے ورثہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ❷ کے نزدیک پیشگی نفقہ واپس نہیں لے سکتے۔ چونکہ نفقہ صلہ اور عطاء ہے یا ہبہ ہے جب کہ زوجیت رجوع ہبہ کے مانع ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور بقیہ ائمہ کہتے ہیں...... خاوند بقیہ مدت کا نفقہ بیوی سے واپس لے سکتا ہے، اگر نفقہ بیوی نے خرچ کر دیا ہو سو اگر مثلی ہو تو اس کی مثل لے اور اگر قیمی ہو تو قیمت لے چونکہ نفقہ عوض ہے اور بیوی کے احتباس کی جزا (بدلہ) ہے لہٰذا اس مدت کے مقابلہ میں جو نفقہ لیا اس میں احتباس ثابت نہ ہوا سے واپس کرنا بیوی کے لئے ضروری ہے، میرے نزدیک یہ رائے راجح ہے، چونکہ نفقہ عوض ہے صلہ یا ہبہ نہیں۔ ❸

ہفتم: نفقہ سے بری الذمہ قرار دینا...... ابراء (بری الذمہ قرار دینا) یا تو ماضی کے نفقہ سے ہوگا یا مستقبل کے نفقہ سے۔ ❹
الف...... اگر ابراء ماضی کے نفقہ سے ہو یعنی گذشتہ چار پانچ ماہ کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب تھا بیوی نے خاوند کو اس نفقہ سے بری الذمہ کر دیا تو حنفیہ کے نزدیک بیوی کا ابراء صحیح ہے۔
بشرطیکہ نفقہ قاضی کے حکم یا زوجین کی باہمی رضامندی سے طے پایا ہو، چونکہ قاضی کے حکم اور زوجین کی رضامندی سے نفقہ خاوند کے ذمہ میں دین بن جاتا ہے اور بیوی اس دین سے خاوند کو بریٔ الذمہ کر سکتی ہے، جس نفقہ کے متعلق قاضی کا فیصلہ یا زوجین کی باہمی رضامندی نہ ہوئی ہو وہ خاوند کے ذمہ دین نہیں بنتا لہٰذا اس نفقہ سے بیوی خاوند کو بریٔ الذمہ بھی نہیں کر سکتی۔
جمہور فقہاء کہتے ہیں: ذمہ میں واجب نفقہ سے بریٔ الذمہ کرنا درست ہے چونکہ ذمہ میں واجب نفقہ دین ہوتا ہے اور محض خاوند کے

---

❶...... المغنی ۶۰۸/۷۔ ❷ البدائع ۳۸/۴، فتح القدیر ۳۳۳/۳۔ ❸ تاہم خاوند کی مردانگی اور اس کا مقام نفقہ کی واپسی کے مطالبہ میں مانع ہے، معاشرہ میں اسی کا رواج ہے۔ ❹ البدائع ۱۶/۴، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۸۹۹/۲، المغنی ۶۱۰/۷، الاحوال الشخصیۃ للاستاذ زکی الدین شعبان ص ۳۳۹۔

انکار سے دین بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے ابراء صحیح ہے خواہ قاضی نے اس کا حکم دیا ہو یا باہمی رضامندی سے طے پایا ہو یا قاضی کا حکم اور زوجین کی رضامندی نہ ہوئی ہو۔

ب.....اگر ابراء مستقبل کے نفقہ سے ہو تو بالاتفاق صحیح نہیں چونکہ جو نفقہ ابھی تک ذمہ میں واجب نہیں ہوا وہ ابراء کو قبول نہیں کرتا۔ لیکن دو صورتوں میں حنفیہ نے مستقبل کے نفقہ سے ابراء کو جائز قرار دیا ہے۔

اول.....ایسی مدت کے نفقہ سے بری الذمہ کرنا کہ اس مدت کی بالفعل ابتدا ہو چکی ہو جیسے ابتدا ہو جانے والے مہینے کا نفقہ، شروع ہو جانے والے سال کا نفقہ، ایک سال سے زائد کے نفقہ سے بری الذمہ نہیں کیا جا سکتا، ایسے سال کے نفقہ سے بھی خاوند کو بری الذمہ نہیں کیا جا سکتا جو ابھی داخل نہ ہوا ہو۔

دوم.....خلع یا طلاق کے مقابلہ میں عدت کے نفقہ سے خاوند کو بری الذمہ کر دینا چونکہ نفقہ سے ابراء عوض کی نظیر ہے اور نفقہ کی مالک بیوی ہوتی ہے چنانچہ خلع اور طلاق کے علاوہ ابراء صحیح نہیں چونکہ ابراء کسی شے کے وجوب سے قبل اسقاط ہے۔

ہشتم: دین نفقہ کے بدلہ میں مقاصہ کر لینا.....اگر بیوی کے ذمہ خاوند کا کوئی مال ہو خواہ خاوند نے بیوی کو کوئی چیز فروخت کی ہو یا بیوی کو قرضہ دیا ہو، تو کیا خاوند کا یہ مال بیوی کے دین نفقہ کے بدلہ میں ساقط ہو جائے گا؟ اسی ادلہ بدلہ میں ساقط ہونے کو مقاصہ کہا جاتا ہے۔

حنفیہ.....کہتے ہیں اگر نفقہ دین قوی ہو (دین قوی وہ ہوتا ہے جو قاضی کے حکم یا زوجین کی باہمی رضامندی سے طے ہوا ہو) تو زوجین میں سے ایک مقاصہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ دوسرا فریق مقاصہ سے انکار نہیں کر سکتا چونکہ قوت میں دونوں دیون برابر ہیں۔

البتہ اگر نفقہ دین ضعیف ہو تو خاوند کے مطالبہ سے مقاصہ کرنا صحیح ہوگا چونکہ خاوند کا دین بیوی کے دین کی بنسبت قوی ہے، بیوی مقاصہ سے انکار نہیں کر سکتی، اس صورت میں بیوی مقاصہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہاں البتہ خاوند راضی ہو تو صحیح ہے۔

جمہور.....کی رائے ہے کہ وہ نفقہ جو خاوند کے ذمہ دین ہو جائے وہ دین صحیح ہوتا ہے اور وہ صرف ادائیگی یا ابراء سے ساقط ہوتا ہے برابر ہے کہ قاضی نے مقرر کیا ہو یا زوجین نے باہمی رضامندی سے طے کیا ہو چنانچہ نفقہ کے دین کا مقاصہ مطلقاً صحیح ہے چونکہ دونوں دیون قوت میں مساوی ہوتے ہیں۔

نہم: نفقہ کی کفالت (ضمانت).....حنفیہ کے نزدیک قاضی کے فیصلہ یا زوجین کی باہمی رضامندی سے قبل نفقہ کی کفالت صحیح نہیں چونکہ مکفول بہ یعنی نفقہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ ذمہ میں دین صحیح ہو اور خاوند کے ذمہ میں نفقہ قاضی کے فیصلہ یا زوجین کی رضامندی سے دین ہوتا ہے، لیکن قضاء یا باہمی رضامندی سے قبل حنفیہ نے استحساناً کفالت جائز قرار دی ہے تا کہ لوگوں کے لئے آسانی رہے اور عورت کو اپنا حق وصول کرنے میں مدد ملے۔

جمہور کے نزدیک نفقہ کی کفالت صحیح ہے چونکہ نفقہ عقد ہونے کے بعد تمکین سے واجب ہو جاتا ہے اور خاوند کے ذمہ دین صحیح ہوتا ہے۔ مصر کی عدالتوں میں اسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔

سفر کی وجہ سے نفقہ کی کفالت.....حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ امام ابو یوسف کا قول ہے وہ یہ کہ اگر خاوند سفر پر جا رہا ہو تو عورت

اپنے نفقہ کا کفیل (ضامن) خاوند سے لینے کا حق رکھتی ہے۔اور اگر عورت کو خاوند کے غائب ہونے کی مدت کا علم نہ ہو تو وہ ایک ماہ کے نفقہ کا کفیل دے اور اگر عورت کو معلوم ہو کہ اس کا خاوند ایک ماہ سے زائد مدت کے لئے عنقریب غائب ہو جائے گا تو عورت متوقع مدت کے بقدر کفیل (ضامن) لے۔

مالکیہ کہتے ہیں...... جتنی مدت خاوند غائب رہے اس مدت کے نفقہ کا عورت کو ضامن دے جو عورت کو یومیہ حساب سے یا مہینہ وار نفقہ دیتا رہے۔

ماضی اور مستقبل کے نفقہ کی کفالت...... حنابلہ نے ماضی اور مستقبل کے نفقہ کی ضمانت جائز قرار دی ہے۔شافعیہ کے نزدیک صرف ماضی کے نفقہ کی ضمانت جائز ہے، مستقبل کے نفقہ کی ضمانت جائز نہیں چونکہ مستقبل کا نفقہ ابھی واجب نہیں ہوا چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ نفقہ عقد سے واجب نہیں ہوتا بلکہ تمکین سے واجب ہوتا ہے، یہ صحیح ہے چونکہ اگر عقد نکاح سے نفقہ واجب ہوتا تو عورت کو نفقہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا جیسے مہر کا حق حاصل ہوتا ہے، جب کہ عقد سے مہر واجب ہوتا ہے اور عقد دو مختلف عوضوں کو واجب نہیں کرتا نیز نفقہ مجہول ہوتا ہے اور عقد مجہول مال کو واجب نہیں کرتا۔❶

دہم: نفقہ کے متعلق صلح کر لینا...... حنفیہ کہتے ہیں: ❷ بسا اوقات نفقہ پر صلح نفقہ کی مقدار مقرر کرنے کے واسطے ہوتی ہے جیسے مال کی ایک مقدار پر صلح کر لی جائے قضایا باہمی رضا مندی سے قبل یا بعد، اس وقت مقدار میں اضافہ کرنا جائز ہے اور کمی کرنا بھی جائز ہے چونکہ اشیاء کے نرخوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اگر خاوند کہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تو جس مقدار پر صلح ہو وہ اسے لازم ہو گی اور اس کی بات کی طرف کسی حال میں توجہ نہیں دی جائے گی، ہاں البتہ جب طعام کے نرخ میں تبدیلی واقع ہو جائے اور قاضی جانتا ہو کہ جس مقدار پر صلح ہوئی ہے۔اس سے کم مقدار عورت کے لئے کافی ہو سکتی ہے تو اس صورت میں قاضی عورت کے لئے بقدر کفایت نفقہ مقرر کر دے۔

بسا اوقات صلح معاوضہ ہوتی ہے جیسے ساز و سامان یا زمین پر صلح کر لینا، اگر قاضی کے حکم سے یا باہمی رضا مندی سے نفقہ کی ایک مقدار متعین کر دی گئی ہو تو اس میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔

دوسری بحث: اولاد کا نفقہ

...... اس بحث میں چار مقاصد بیان کئے جائیں گے۔

اول...... اولاد پر خرچہ کرنے کا وجوب اور اولاد کی تعیین۔

دوم...... شرائط وجوب۔

سوم...... اولاد کا نفقہ کس پر واجب ہے۔

چہارم...... اولاد کے نفقہ کی مقدار اور نفقہ کا دین ہو جانا، سقوط نفقہ اور پیشگی نفقہ۔

پہلا مقصد: اولاد پر خرچ کرنے کا وجوب اور اولاد کی تعیین...... اولاد کا نفقہ واجب ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ...... البقرۃ ۲/۲۳۳

---

❶...... المغنی ۷/۵۷۸، المہذب ۲/۱۶۴، مغنی المحتاج ۳/۴۳۵۔ ❷ الدر المختار وحاشیة ابن عابدین ۲/۹۰۵۔

یعنی جس باپ کی اولاد ہو اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے، جیسے باپ پر اس کی بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا۔ ''اتنا مال لے سکتی ہے جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو'' حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی اور اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ ترتیب نفقہ کے متعلق حدیث قبل از گزر چکی ہے کہ اپنے اوپر خرچ کرو، پھر نابالغ اولاد پر، پھر اپنے اہل خانہ پر پھر اپنی بالغ اولاد پر پھر خادم پر۔

جمہور فقہاء کے نزدیک جس اولاد کا نفقہ واجب ہے وہ انسان کی براہِ راست اولاد اور اولاد کی اولاد ہے ❶ اگرچہ نیچے چلے جاؤ، چنانچہ دادا پر پوتوں کا نفقہ واجب ہے، یہ نفقہ جزئیت بعضیت کی وجہ سے واجب ہے وراثت کے طور پر واجب نہیں۔

امام مالک کی رائے ہے کہ صرف اس اولاد کا نفقہ واجب ہے جو براہِ راست صلبی اولاد ہو، ❷ اس رائے کے مطابق اولاد کی اولاد کا نفقہ واجب نہیں چونکہ نص قرآنی کے ظاہر سے یہی مستفاد ہوتا ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ......البقرة ۲/۲۳۳

امام مالک کے نزدیک نفقہ وراثت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے نہ کہ مطلق جزئیت کی وجہ سے۔

دوسرا مقصد: اولاد کے نفقہ کے واجب ہونے کی شرائط......نفقہ اولاد کے وجوب کی تین شرائط ہیں۔ ❸

۱......یہ اصل (باپ یا دادا) مالدار ہونے کی وجہ سے یا کسب وکمائی کی وجہ سے اولاد پر خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اگر اصل (باپ) مالدار ہو یا کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر اپنی اولاد کا نفقہ واجب ہے، چنانچہ اولاد پر اپنا مال خرچ کرے، اگر باپ (یا دادا) کے پاس مال نہ ہو تو اس پر کسب وکمائی واجب ہے یہ جمہور کی رائے ہے، اگر انکار کرے گا تو قاضی اسے قید کروادے۔

البتہ اگر تنگدست ہو بایں طور کہ اس کا نفقہ اصول وفروع میں سے کسی اور پر واجب ہو اور وہ خود کسب وکمائی نہ کرسکتا ہو تو اس پر اولاد کا نفقہ واجب نہیں ہوگا چونکہ اسے وجوب کا علم ہی نہیں وہ تو دوسرے سے اپنا نفقہ لے رہا ہے، یہ صحیح مذہب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اولاد کے نفقہ کی خاطر باپ پر کسب وکمائی لازم نہیں، اگر باپ تنگدست ہو اور کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو اولاد پر خرچ کرنے کی غرض سے اس پر کسب وکمائی واجب نہیں۔

۲......یہ کہ اولاد تنگدست ہو، اولاد کے پاس مال ہو اور نہ ہی کسب وکمائی پر قدرت رکھتی ہو۔ اگر اولاد کے پاس مال ہو تو اولاد کا نفقہ انہی کے مال میں سے ہوگا اور اگر اولاد کسب وکمائی کی قدرت رکھتی ہو تو اولاد پر مزدوری کرنا واجب ہے گویا نابالغ لڑکا جو محنت مزدوری کرسکتا ہو اس کا نفقہ اسی کے کسب سے ہوگا اس کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں ہوگا، چونکہ جس اولاد کے پاس مال ہو یا وہ کسب وکمائی پر قدرت رکھتی ہو وہ باپ کے مال سے بے نیاز ہوتی ہے کیونکہ قرابتدار کا نفقہ حسن سلوک، ہمدردی اور غمخواری کے لئے واجب ہوتا ہے جب کہ مالدار شخص مالی ہمدردی، احسان اور صلہ سے بے نیاز ہوتا ہے۔

جس شخص کے پاس رہائش کے لئے مکان ہو اور وہ مالی اعتبار سے فقیر ومحتاج ہو تو نفقہ کی خاطر اس کا مکان فروخت نہیں کیا جائے گا چونکہ رہائش زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، البتہ اگر اس کے پاس دوسرا مکان ہو جو رہائش سے زائد ہو تو اسے محتاج وفقیر نہیں کہا جائے گا وہ نفقہ کے لئے دوسرے کا محتاج نہیں ہوگا، چنانچہ دوسرا مکان فروخت کردیا جائے گا چونکہ وہ ضرورت سے زائد ہے۔

کسب وکمائی سے عاجز ہونے کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

---

❶......الكتاب مع اللباب ۳/۱۰۶، فتح القدير ۳/۳۴۶، المهذب ۲/۱۵۶، المغنى ۷/۵۸۶. ❷الشرح الصغير ۲/۷۵۳، القوانين الفقهية ص ۲۲۳. ❸الدر المختار ۲/۹۲۳، الشرح الصغير والقوانين الفقهية المكان السابق، المهذب ۲/۱۶۶. مغنى المحتاج ۳/۴۴۶، المغنى ۷/۵۸۴.

ا: کمسنی......یعنی ایسا بچہ جومحنت ومزدوری کے قابل نہ ہو وہ معذور تصور ہوگا، اگر لڑکا کسب وکمائی کی عمر کو پہنچ جائے تو باپ اسے محنت مزدوری پر لگائے یا اسے کوئی ہنر سکھائے پھر اسی کی کمائی سے اس پر خرچ کرے، رہی بات لڑکی کی سو اسے کسب وکمائی کے لئے نہیں بھیجا جائے گا چونکہ لڑکی کو بھیجنے میں خطرات ہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، ہاں البتہ کسی ہنرمند عورت کے پاس لڑکی بھیجنا جائز ہے تاکہ اپنے حال کے مناسب کام سیکھ سکے جیسے کپڑے سینا، کڑہائی کا کام وغیرھا۔ اگر ایسی صورت میں لڑکی خود کماتی ہو تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ واجب نہیں رہے گا۔ البتہ اگر لڑکی کی کمائی اس کے لئے کافی نہ ہوتی ہو تو باپ قدر کفایت کو پورا کرنے کے لئے نفقہ دے۔

بالغ اولاد......کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہاں البتہ اگر کسی عذر جیسے جنون، ناسمجھی، اندھاپن، ہاتھوں کا شل ہونا، حصول علم یا بے روزگاری کے عام ہوجانے کی وجہ سے بالغ اولاد کسب وکمائی سے عاجز ہو تو پھر ان کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔

حنابلہ نے فقیر بالغ بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب قرار دیا ہے اگرچہ وہ تندرست ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ فقہاء کے نزدیک فقیر والد کا نفقہ اولاد پر واجب ہے اگرچہ باپ تندرست ہو، حنابلہ کے ہاں یہ ضابطہ ہے کہ اولاد اور والدین کا نفقہ بالترتیب والدین اور اولاد پر واجب ہے ان کے ہاں عذر کی شرط نہیں۔

۲: لڑکی......فقیرہ لڑکی کا نفقہ باپ پر واجب ہے تاوقتیکہ اس کی شادی ہوجائے، شادی کے بعد اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب ہوجائے گا۔ اگر خاوند اسے طلاق دے دے تو نفقہ کی ذمہ داری باپ پر پھر سے لوٹ آئے گی، باپ کے لیے جائز نہیں کہ وہ بیٹی کو کسب وکمائی پر مجبور کرے، اگر بیٹی سے کام کاج کروانا بھی ہو جس سے اس کی آمدنی ہو تو ایسا کام کروایا جائے جس میں فتنے کا اندیشہ نہ ہو جیسے سلائی کڑھائی، طب بشرطیکہ یہ کام کسی ہنرمند عورت سے سیکھے، ہنر آجانے کے بعد باپ کے ذمہ سے بیٹی کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے ہاں البتہ اپنی کمائی سے اس کا خرچہ پورا نہ ہوتا ہو تو پھر جتنی کمی باقی رہ جائے اس کے بقدر تکمیلی نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔

۳: ایسا مرض جو محنت مزدوری کے مانع ہو......جیسے اندھاپن، ہاتھ پاؤں کا شل ہونا جنون، ناسمجھی وغیرھا۔

۴: حصول علم......ایسا علم جس میں مصروف رہنے کی وجہ سے طالب کسب وکمائی نہ کرسکتا ہو، طالب علم جب تک کسب وکمائی پر قادر نہ ہوجائے اس وقت تک اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے، چونکہ حصول علم فرض کفایہ ہے، اگر طالب علم پر کسب وکمائی اور محنت مزدوری لازم کردی جائے تو امت کے مصالح معطل ہوجائیں گے، البتہ اس کی ایک شرط ہے کہ طالب علم محنتی اور کامیاب ہو، اگر طالب علم پڑھائی میں نکما ہو اور کام چور ہو تو اسے علم حصول علم سے ہٹا کر محنت ومزدوری اور کسب وکمائی پر لگانا واجب ہے۔

اضافات......حنفیہ نے کسب وکمائی کے اعذار میں مزید اضافات بھی کئے ہیں، چنانچہ جو شخص شان وشوکت والا ہو اور وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے کسب وکمائی نہ کرتا ہو چونکہ وہ اشراف کا بیٹا ہے کمائی سے اسے عار لاحق ہوتی ہو تو اس کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے۔

اعتراض......جب ہر انسان پر اپنا اور اپنے عیال کا نفقہ واجب ہے تو پھر عار کیوں کر ہو؟

جواب......لڑکا جب اشراف کا بیٹا ہو لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اسے اپنے پاس مزدور رکھنے پر تیار نہیں ہوتے گویا وہ کسب وکمائی سے عاجز ہوا اور نفقہ کا مستحق ہے۔

فی الواقع اسلام میں لوگوں کو ایک دوسرے پر امتیاز حاصل نہیں، حالانکہ کبار صحابہ کرام جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں تجارت پیشہ تھے اور کام کاج کرتے تھے، کام کرنے میں کون سی عار ہے، لہٰذا بعض لوگوں کی اولاد کو عام لوگوں پر فوقیت دینے کی

کوئی وجہ نہیں۔ ❶

۳: اختلاف دین نہ ہو...... یہ صرف حنابلہ کی رائے ہے ان کے نزدیک نفقہ دہندہ (خرچ کنندہ) مستحق نفقہ کا وارث بنتا ہو اور وراثت کے لئے شرط ہے کہ وارث اور مورث کا دین ایک ہو چنانچہ کافر مسلمان شخص کا وارث نہیں بنتا، اس لئے اگر بیٹا کافر ہو تو باپ پر اس کا نفقہ نہیں ہوگا اسی طرح اس کے برعکس بھی، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔"وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ" وارث پر بھی اسی کے بمثل نفقہ واجب ہے۔ (البقرۃ ۲/۲۳۳)

جمہور نے یہ شرط نہیں لگائی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

آیت سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ ولادت وجوب نفقہ کا سبب ہے جب کہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بھی ولادت ثابت ہوتی ہے خواہ دین متحد ہو یا مختلف، نیز نفقہ زندگی کا وسیلہ ہے اور زندگی مطلوب مقصود ہے اگرچہ کفر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو چونکہ فی الحقیقت مال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ہی مومن و کافر کو یکساں رزق عطا کرتا ہے۔

تیسرا مقصد: اولاد کا نفقہ کس پر واجب ہے؟...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ اگر موجود ہو اس کے پاس مال ہو یا وہ کسب و کمائی کی طاقت رکھتا ہو تو تنہا اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہوگا، ❷ باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا جو اولاد کے نفقہ کا بوجھ اٹھائے، چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

آیت میں مبتدا پر خبر کو مقدم کیا گیا ہے اور یہ تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے جس کا معنی ہوگا کہ صرف باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اولاد باپ کا جزو ہوتی ہے لہٰذا ان کا نفقہ ایسا ہی ہے جیسے باپ کا اپنا ذاتی نفقہ۔

البتہ اگر باپ موجود نہ ہو (بلکہ کہیں غائب ہو) یا فقیر ہو اور کسب و کمائی سے بھی قاصر ہو یا بیمار ہو یا بوڑھا ہو چکا ہو تو اس کی اولاد کا نفقہ اولاد کے دوسرے اصول دادا، پردادا نانا وغیرہ پر واجب ہوگا اس میں مذکر مونث برابر ہیں یعنی دادی اور نانی پر بھی واجب ہوگا۔

چنانچہ اگر دادا موجود ہو اور اس کے پاس مال ہو تو تنہا اسی پر پوتوں کا خرچہ واجب ہوگا، اگر باپ موجود ہو لیکن تنگدست ہو اور دادا نے پوتوں کو خرچہ دیا ہو جب باپ کے پاس مال آجائے تو دادا اولاد کے باپ سے خرچہ واپس لے گویا دادا کا کیا ہوا خرچہ باپ کے ذمہ دین (قرضہ) ہوگا۔

اگر اولاد کی ماں اور دادا ہوں (باپ نہ ہو یا ہو مگر تنگدست ہو) تو دونوں پر میراث کے تناسب سے اولاد کا نفقہ ہوگا ماں پر ایک تہائی اور دادا پر دو تہائی۔ اور اگر دادا کے ساتھ نانی اور دادی ہو تو نانی اور دادی پر نفقہ کا چھٹا حصہ نصف نصف ہوگا اور دادا پر میراث کی بقدر بقیہ نفقہ ہوگا۔

اگر اولاد کے قریبی رشتہ دار غیر ورثہ ہوں مثلاً ذوی الارحام میں سے ہوں تو اولاد کا نفقہ اس پر ہوگا جو زیادہ قریب کا رشتہ دار ہو، اگر

---

❶ ...... مصنف نے نکتہ بیان کر دیا ہے لیکن خارج میں واقع میں وہی کچھ ہو رہا ہے جو حنفیہ کا موقف ہے، بھلا گریجویٹ بیٹا ادنیٰ درجے کی مزدوری کو تیار نہیں ہوتا گھر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے مرتبہ و مقام کی ملازمت کا انتظار کرتا ہے بلاشبہ عرصہ انتظار کا نفقہ باپ کے ذمہ لازم ہوگا میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے اور ایسی بیسیوں مثالیں معاشرتی زندگی میں موجود ہیں۔ ❷ فتح القدیر ۳/۳۴۶، حاشیہ ابن عابدین ۲/۹۲۶ الشرح الصغیر ۲/۷۵۳، القوانین الفقہیۃ ص ۲۲۳، المہذب ۲/۱۶۶، المغنی ۷/۵۷۹۔

ان سب کا درجہ مساوی ہوتو نفقہ سب پر مساوی تقسیم ہوگا۔

اگر بعض اقرباء ورثہ ہوں اور دوسرے غیر ورثہ ہوں تو نفقہ زیادہ قریبی پر ہوگا جو اگر چہ وہ وارث نہ ہو، اگر درجے میں مساوی ہوں تو نفقہ وارث پر واجب ہوگا غیر وارث پر نہیں ہوگا۔

مالکیہ...... کی رائے ہے کہ نفقہ صرف باپ پر واجب ہے کسی اور پر واجب نہیں۔ چونکہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کہاں خرچ کروں)؟ آپ نے فرمایا: اسے اپنے اوپر خرچ کرو، عرض کی: میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا: اسے اپنے اہل خانہ پر خرچ کرو، عرض کی میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔

عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا: تم اسے خرچ کرنے کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورین کے علاوہ کسی اور پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا۔

شافعیہ...... کا مذہب ہے کہ جب باپ نہ ہو یا وہ کسب وکمائی سے قاصر ہو تو اولاد کا نفقہ ماں پر واجب ہے چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لاتضار والدة بولدها

ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ (البقرۃ ۲/ ۲۳۲)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ باپ پر نفقہ واجب ہے حالانکہ اولاد کی ولادت باپ سے بظاہر مان لی جاتی ہے۔

جب کہ ماں سے اولاد کی ولادت قطعی ہوتی ہے لہٰذا اولاد کا نفقہ ماں پر بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر باپ اور ماں نہ ہوں تو اولاد کا نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔ چونکہ دادی ماں کے حکم میں ہے جیسے دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔

اگر درجۂ قرابت اور درجۂ استحقاق وراثت مساوی ہو تو نفقہ متساوبین پر واجب ہوگا۔

چونکہ نفقہ کی علت سب کو شامل ہوتی ہے، اور اگر درجہ قرابت میں تفاوت ہو تو اصح قول کے مطابق جو زیادہ قریبی ہو اس پر نفقہ واجب ہوگا، خواہ قریبی وارث ہو یا وارث نہ ہو۔

اگر اولاد کی ماں اور دادا ہو تو کل نفقہ دادا کے ذمہ واجب ہوگا، چونکہ عصبہ ہونے میں دادا منفرد ہوتا ہے، لہٰذا دادا باپ کے مشابہ ہوا۔

حنابلہ...... اپنے ظاہری مذہب کے مطابق کہتے ہیں: اگر کمسن بچے کا باپ نہ ہو تو اس کا نفقہ میراث کے بقدر ہر وارث پر واجب ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اسی کی مثل وارث پر نفقہ واجب ہے۔

اس آیت سے باپ پر نفقہ رضاعت واجب کیا گیا ہے پھر اس پر وارث کا عطف کیا گیا ہے چنانچہ اللہ نے وارث پر اتنا ہی نفقہ واجب کیا ہے جتنا باپ پر واجب کیا ہے۔ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں کس پر احسان کروں؟ فرمایا: اپنی ماں پر۔ اپنے باپ پر، اپنی بہن پر، اور اپنے بھائی پر۔ ایک اور روایت میں ہے "اور تمہارا آزاد کردہ غلام جو حق واجب کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔" [1]

---

[1] ......رواہ ابوداؤد (نیل الاوطار ۶/ ۳۲۷)۔

یہ حدیث مطلوب ومقصود میں نص ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی اور احسان کولازم قرار دیا ہے، جب کہ نفقہ کا تعلق بھی صلہ رحمی سے ہے جوحق واجب ہے، اگر بچے کے دو وارث ہوں تو ان پر وراثت کے تناسب سے نفقہ واجب ہوگا، اگر تین یا تین سے زائد ورثہ ہوں تو ان پر بھی نفقہ بقدر وراثت واجب ہوگا۔

اگر بچے کے ورثہ میں ماں اور دادا ہوں تو ماں پر تہائی نفقہ واجب ہوگا اور دادا پر دو تہائی نفقہ ہوگا، چونکہ ماں اور دادا دونوں بچے کے ورثہ ہیں جب کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ ......البقرة ۲/۲۳۳

وارث پر بھی اسی کی مثل نفقہ واجب ہے۔

گویا ماں وارث ہے اور اس پر نص موجود ہے۔

اور اگر بچے کے ورثہ میں دادی اور بھائی ہو تو دادی پر نفقہ کا چھٹا حصہ ہوگا اور بقیہ نفقہ بھائی پر واجب ہوگا، بنابریں نفقہ کی ترتیب میراث کی ترتیب کے مطابق ہوگی، چنانچہ جب دادی کو وراثت کا چھٹا حصہ ملتا ہے تو اس پر نفقہ کا بھی چھٹا حصہ ہوگا اور بقیہ میراث بھائی کو ملتی ہے تو اسی طرح بقیہ نفقہ بھی بھائی پر واجب ہوگا۔

اور اگر بچے کے نانا اور نانی دونوں موجود ہوں تو نفقہ نانی پر واجب ہوگا چونکہ نانی وارثہ ہے اور اگر بچے کا دادا اور دادی موجود ہوں تو دادی پر نفقہ کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اور بقیہ نفقہ دادا پر واجب ہوگا، اور اگر دادا اور بھائی موجود ہوں تو وہ دونوں برابر ہوں گے، اگر ماں، بھائی اور دادا جمع ہوں تو ان کے درمیان بچے کا نفقہ برابر تین تین حصوں میں تقسیم ہوگا، امام شافعی کہتے ہیں: ان سب مسائل میں نفقہ دادا پر واجب ہوگا البتہ صرف پہلے مسئلہ میں نفقہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔

چوتھا مقصد: اولاد کے نفقہ کی مقدار اور نفقہ کا دین ہو جانا، سقوط نفقہ اور پیشگی نفقہ......فقہاء کا اتفاق ہے کہ قریبی رشتہ دار بچہ، پوتا وغیرھما کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہے [1] یعنی روٹی سالن، کپڑے، سکنی اگر رضیع ہو تو اس کی رضاعت کا انتظام۔ اس میں خرچ کنندہ کی معاشی حالت اور علاقہ کے عرف ورواج کو ملحوظ رکھا جائے گا، چونکہ نفقہ ضرورت وحاجت کے لئے واجب ہوتا ہے اس لئے بقدر حاجت نفقہ کا تخمینہ لگایا جائے گا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ھندہ سے فرمایا تھا: ''معروف طریقے سے مال لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو'' چنانچہ حدیث میں نفقہ کی مقدار اتنی مقرر کی گئی ہے جس سے کفایت ہو جائے۔

اگر بچے کو خادم کی ضرورت ہو تو باپ پر واجب ہے کہ اس کے لئے خادم مہیا کرے چونکہ خادم بھی بقدر کفایت نفقہ میں شامل ہوتا ہے۔

اگر لڑکے کی بیوی ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیوی کا نفقہ بھی والد پر واجب ہے چونکہ بیوی کا نفقہ بھی کفایت میں سے ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک بیٹے کی بیوی کا نفقہ باپ پر واجب نہیں، جبکہ مالکیہ کی نزدیک خاوند اگر تنگدست ہو تو بیوی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک بچے کا نفقہ ذمہ میں دین نہیں ہوگا، برابر ہے کہ قاضی نے نفقہ مقرر کیا ہو یا نہ۔

برخلاف بیویوں کے نفقہ کے چنانچہ بیویوں کا نفقہ ذمہ میں قاضی کے حکم سے یا زوجین کی رضامندی سے دین ہو جاتا ہے۔

شافعیہ کا قول ہے کہ بچے کا نفقہ والد پر دین نہیں ہوگا، الا یہ کہ قاضی نے نفقہ کا حکم دیا ہو یا والد کے غائب ہونے کی وجہ سے یا نفقہ

---

[1] ......البدائع ۳۸/۴، القوانين الفقهية ص ۲۲۳، المهذب ۱۶۷/۲، المغني ۵۹۵/۷۔ مغني المحتاج ج ۴۴۹/۳، الشرح الصغير ۷۵۳/۲۔

دینے سے انکار کرنے کی وجہ سے قاضی نے قرضہ لینے کی اجازت دی ہو تو اس صورت میں بچے کا نفقہ والد کے ذمہ دین ہو جائے گا۔

فقہاء کے نزدیک بغیر قبضہ یا قرضہ لئے بغیر اگر مدت نفقہ گزر جائے تو بچے کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، چونکہ والد پر نفقہ دفع حاجت کے لئے واجب ہوتا ہے جب کہ مدت گزر جانے سے حاجت ختم ہو چکی لہٰذا نفقہ ساقط ہو جائے گا، بخلاف بیوی کے نفقہ کے سو حنفیہ کے نزدیک مدت گزرنے سے بیوی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے اقرباء کا نفقہ ایک مدت کے لئے پیشگی دے دیا پھر محتاج نفقہ مر گیا حالانکہ مدت پوری نہ ہوئی ہو تو پیشگی دیئے ہوئے نفقہ میں کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

تیسری بحث: اصول (آباء واجداد اور امہات) کا نفقہ

......اس بحث کے ضمن میں چار مقاصد پر گفتگو کی جائے گی۔

اول......اصول کے نفقہ کا وجوب اور اصول کی تعیین۔

دوم......اصول کے لئے وجوب نفقہ کی شرائط۔

سوم......اصول کا نفقہ کس پر واجب ہے۔

چہارم......اس نفقہ کی مقدار۔

پہلا مقصد: نفقہ اصول (آباء واجداد اور امہات) کا وجوب اور اصول کی تعیین

......والدین، والدین کے والدین اگرچہ اور اوپر چلے جائیں کا نفقہ جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ ❶ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ......بنی اسرائیل ۱۷/ ۲۳

اور تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔

حسن سلوک یہی ہے کہ والدین کو جب حاجت ہو تو ان پر مال خرچ کیا جائے، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ......لقمان ۳۱/ ۱۵

دنیا میں والدین کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔

والدین پر خرچ کرنا اچھے سلوک کا حصہ ہے اگرچہ والدین کا دین جدا ہو، بلکہ یہ آیت ہی کافر والدین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ کہاں کی بھلائی ہے کہ بیٹا تو اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو لیکن اس کے والدین بھوکوں مر رہے ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ تمہارا سب سے زیادہ پاکیزہ مال جسے تم کھاؤ وہ ہے جو تمہاری کمائی کا ہو اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے، لہٰذا اولاد کی کمائی بلا مشقت کھاؤ۔" ❷ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟

آپ نے فرمایا: "اپنی ماں کے ساتھ پھر اپنی ماں کے ساتھ اور پھر اپنی ماں کے ساتھ پھر اپنے باپ سے، پھر درجہ بدرجہ جو قرابتدار ہوں۔" ❸

جمہور کے نزدیک جن اصول (آباواجداد) کا نفقہ اولاد پر واجب ہے ان کی فہرست کچھ اس طرح سے ہے۔ آباء (اب کی جمع آباء بمعنی باپ) اجداد (دادے) امہات (مائیں) جدات (دادیاں) اگرچہ اوپر چلے جائیں چونکہ "اب" کا اطلاق اجداد پر ... شخص

---

❶ ......فتح القدیر ۳/ ۳۴۷، البدائع ۴/ ۳۰، الشرح الصغیر ۲/ ۷۵۲، القوانین الفقہیۃ ص ۲۲۳ السہذب ۲/ ۱۶۵، مغنی المحتاج ۳/ ۴۴۶، المغنی ۷/ ۵۸۳۔ ❷ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ❸ رواہ ابو داؤد۔

پر ہوتا ہے جو اولاد کا سبب بن رہا ہو، اسی طرح ''ام'' (ماں) کا اطلاق دادی پر بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ''ابوین'' کا لفظ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ وہ والدین نہیں جب کہ اجداد ہیں۔ اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ......الحج ۲۲/۷۸

دوسری وجہ یہ ہے کہ اولاد اور اصول کے درمیان ایسی قرابت داری ہوتی ہے جس کی وجہ سے گواہی رد کردی جاتی ہے لہٰذا دادا، دادی اور والدین قرابت دار کے مشابہ ہوئے، اجداد اور جدات (دادیاں)، آباء اور امہات ہیں لہٰذا دادا باپ کے قائم مقام ہے اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دادی پوتے پر حرام ہوتی ہے جیسے ماں حرام ہوتی ہے۔

چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ......النساء ۴/۲۳

تمہارے اوپر مائیں حرام کردی گئی ہیں۔

امام مالک...... کہتے ہیں: جن اصول کا نفقہ (اولاد پر) واجب ہوتا ہے وہ براہ راست اصول یعنی والدین ہیں، اجداد اور جدات (دادے، دادیاں، نانے اور نانیاں) شامل نہیں ہیں، لیکن جمہور کا قول صحیح ہے۔

دوسرا مقصد: اصول کے نفقہ کے واجب ہونے کی شرائط......اصول پر خرچ کرنے کے وجوب کی درج ذیل شرائط ہیں۔ ❶

۱...... یہ کہ اصول فقیر و محتاج ہوں ور کسب وکمائی سے قاصر ہوں تاہم اگر اصل (باپ یا دادا) کسب وکمائی کی قدرت رکھتا ہو تو بھی حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کا نفقہ واجب ہوگا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، اگر اولاد مالدار ہو اور والدین پر کسب وکمائی لازمی کردی جائے تو اس میں حسن سلوک نہیں بلکہ والدین کی اذیت ہے والدین کو اذیت پہنچانا جائز نہیں۔

تاہم ایک انسان کے پاس اگر وسعت ہو اور اس کے قریبی رشتہ دار والد یا والدہ کو کمائی کے لئے مجبور کیا جائے تو مالدار کو برا بھلا کہا جاتا ہے، یہ اس کے برعکس ہے کہ اگر بیٹا کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو والدین پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا بلکہ کمائی اس پر لازمی ہوگی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو معمولی سی اذیت پہنچانے سے بھی منع کیا ہے والدین کو اف تک نہیں کہنا۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ ...... الاسراء ۱۷/۲۳

والدین کو اُف تک نہ کہو۔

جب کہ بیٹے کے متعلق ایسی نص نہیں وارد ہوئی۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: فروع (اولاد) پر اصول کا نفقہ ان کے کسب وکمائی پر قادر ہوتے ہوئے واجب نہیں، چنانچہ اگر اصول کسب وکمائی کر سکتے ہوں تو انہیں کسب وکمائی پر مجبور کیا جائے گا چونکہ نفقہ مواسات، صلہ رحمی اور احسان کے طور پر واجب ہوا ہے جب کہ جو شخص کمائی کر سکتا ہو وہ مالدار کی مانند ہوتا ہے لہٰذا وہ مواسات سے بے نیاز ہوتا ہے:

۲...... یہ کہ فرع (بیٹا یا پوتا) مالدار ہو، اس کے پاس مال ہو یا کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو، یہ جمہور کی رائے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: تنگدست بیٹے پر کمائی واجب نہیں کہ اپنے والدین پر خرچ کرے۔

❶......فتح القدير ۳/۳۴۷، البدائع ۴/۳۴، القوانين الفقهية ص ۲۲۳، الشرح الصغير ۲/۷۵۲، المهذب ۲/۱۶۶، مغنی المحتاج ۳/۴۴۸، المغنی ۷/۵۸۴۔

جمہور کی رائے کے مطابق یہ بھی شرط ہے کہ اولاد کا مال اپنے ذاتی نفقہ سے فاضل ہو تب اس پر والدین کا نفقہ واجب ہے۔ اگر کچھ فاضل نہ ہو تو اس پر والدین کا نفقہ واجب نہیں۔

چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص فقیر ہو تو اپنے آپ سے ابتدا کرے (یعنی پہلے اپنے اوپر خرچ کرے) اگر کچھ بچ رہے تو اپنے عیال پر خرچ کرے اور اگر کچھ بچ رہے تو قریبی رشتہ دار پر خرچ کرے۔'' ایک اور روایت میں ہے۔ ''اپنے آپ پر خرچ کرنے سے ابتدا کرو پھر اس پر خرچہ کرو جو تمہارے عیال میں شامل ہو۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گذر چکی ہے، جس میں نفقہ کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ پہلے اپنے اوپر خرچ کرنا ہے پھر بیوی پر پھر اولاد پر پھر خادم پر۔

۳......حنابلہ کے نزدیک خرچ کنندہ وارث ہو، چنانچہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

نیز وراثت داری قرابت کے بسبب ہوتی ہے جو وارث کو مورث کے مال کا حق دار بنا دیتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نفقہ کا وجوب وارث کے ساتھ خاص ہو۔

حنفیہ...... کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ خرچ کنندہ قرابت دار ہو اور وراثت کا مستحق ہوتا ہو، ہاں البتہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں اتحاد دین وجوب نفقہ کے لئے شرط نہیں۔

چنانچہ اولاد پر اصول کا نفقہ واجب ہے اگر چہ دین الگ الگ ہو، چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے بارے میں فرمایا ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ......لقمان ۳۱/۱۵

اگر تمہارے والدین تمہیں اس امر پر مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہ ہو تو والدین کی بات نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے رہو۔

تیسرا مقصد: کس پر اصول کا نفقہ واجب ہے......اصول (والدین) کا نفقہ صرف اولاد پر واجب ہوتا ہے ❶ اس خرچہ میں اولاد کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا، چونکہ اولاد، والدین کے سب سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔

لہٰذا اولاد ہی پر والدین کا نفقہ واجب ہوگا، حنفیہ کے نزدیک والدین کے نفقہ میں، بیٹے اور بیٹیاں برابر شریک ہوں گی، چونکہ اولاد میں بیٹا، بیٹی دونوں شامل ہوتے ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک پوتے پر بھی اصول کا نفقہ واجب ہے جب کہ مالکیہ کے نزدیک پوتے پر دادا کا نفقہ واجب نہیں۔

فروع (اولاد) اگر متعدد ہوں......اگر والدین کا صرف ایک ہی بیٹا ہو تو ان کا نفقہ اسی پر واجب ہوگا، اگر فروع (اولاد) متعدد (ایک سے زائد) ہوں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: ❷ اگر فروع کا درجہ یکساں ہو جیسے دو بیٹے یا دو بہنیں یا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو نفقہ ان پر یکساں تقسیم ہوگا، برابر ہے کہ وہ وارث بنتے ہوں یا وارث نہ بنتے ہوں۔ چونکہ فروع قربت اور جذئیت وبعضیت میں یکساں ہیں، قطع نظر اس امر کے کہ بیٹا بیٹی کا دو گنا حصہ لیتا ہے۔

---

❶......فتح القدیر ۳/۳۴۸، الشرح الصغیر ۲/۷۵۲، المہذب ۲/۱۶۵، المغنی ۷/۵۸۳۔ ❷ حاشیۃ ابن عابدین ۷/۵۸۳۔

اگر درجہ قرابت مختلف ہو جیسے مثلاً ایک بیٹا ہو اور ایک پوتا تو نفقہ اقرب یعنی بیٹے پر واجب ہوگا۔

ملاحظہ رہے فروع (اولاد) متعدد رہنے کی صورت میں حنفیہ نے درجہ قرابت کا اعتبار کیا ہے، اگر اصول متعدد ہوں تو حنفیہ نے بسا اوقات وراثت کا اعتبار کیا ہے جب کہ بسا اوقات کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا۔

مالکیہ..... مالکیہ کہتے ہیں: اگر اولاد متعدد ہو تو اصول کا نفقہ اولاد میں سے مالداروں پر ان کی مالداری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔ ❶

شافعیہ..... کہتے ہیں: اگر فروع کی قرابت کا درجہ برابر ہو جیسے دو بیٹے یا دو بیٹیاں، تو ان پر اصول کا نفقہ یکساں طور پر برابر ہوگا اگر چہ مالداری میں تفاوت ہو، چونکہ نفقہ کی علت دونوں کو شامل ہے اور اگر قرابت کا درجہ مختلف ہو جیسے ایک بیٹا ہو اور ایک نواسا ہو تو اصح قول کے مطابق اصول کا نفقہ اقرب یعنی بیٹے پر ہوگا، برابر ہے کہ وہ وارث ہوتا ہو یا نہیں۔

مذکر ہو یا مونث چونکہ قربت کا اعتبار اولیٰ ہے، اگر قرابتداری میں فروع برابر ہوں تو اصح قول کے مطابق اصول کا نفقہ وراثت کے تناسب سے ہوگا۔

اگر دو فروع وراثت داری میں مساوی ہوں جیسے مثلاً بیٹا اور بیٹی، ان پر نفقہ واجب ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱..... یہ کہ نفقہ دونوں پر یکساں ہوگا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

۲..... دونوں پر نفقہ حسب وراثت ہوگا۔ پہلی صورت راجح ہے۔

حنابلہ..... کی رائے ہے کہ اگر فروع کی قرابت کا درجہ برابر ہو جیسے بیٹا اور بیٹی، تو ان پر اصول کا نفقہ تہائیوں کی صورت میں واجب ہوگا، ایک تہائی بیٹی پر واجب ہوگا اور دو تہائی بیٹے پر، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ..... البقرۃ ۲/۲۳۳

چنانچہ آیت کی رو سے نفقہ وراثت داری پر مرتب کیا گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نفقہ بقدر وراثت واجب ہو۔ اور اگر قرابت کا درجہ مختلف ہو جیسے مثلاً بیٹی ہو اور ایک پوتا ہو تو ان پر نفقہ نصف نصف آئے گا جیسے میراث نصف ہوتی ہے۔

چوتھا مقصد: اصول کے نفقہ کی مقدار..... فی الجملہ قرابت کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہوتا ہے ❷ چونکہ نفقہ حاجت کے لئے اور ضرورت کے دفیعہ کے لئے واجب ہوتا ہے اس لئے کفایت کے اصول پر نفقہ کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔

جمہور کے نزدیک اولاد پر باپ کی بیوی کا نفقہ بھی واجب ہے اور باپ کی شادی کروانا بھی واجب ہے، البتہ ایک بیوی کا نفقہ واجب ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر ایک بیوی سے باپ کی ضرورت پوری نہ ہو تو دوسری شادی کروانا بھی اولاد پر واجب ہے، چونکہ ضرورت نہ پوری ہو تو باپ کو ضرر لاحق ہوگا لہٰذا نفقہ کی طرح دوسری شادی کروانا بھی واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اولاد پر باپ کی بیوی کا نفقہ واجب نہیں، چونکہ بیوی سب سے بڑا سامان تلذذ ہے لہٰذا واجب نہیں جیسے باپ کے لئے حلوا اولاد پر واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی بحث: حاشیہ برداران ❸ اور ذوی الارحام کا نفقہ..... اس بحث میں تین مقاصد بیان کئے جائیں گے۔

---

❶..... الشرح الصغیر ۲/۷۵۲۔ ❷ المغنی ۷/۵۹۵، مغنی المحتاج ۳/۴۴۸، المہذب ۲/۱۶۷۔ ❸ حاشیہ برداران اور ذوی الارحام سے مراد باپ کی طرف سے رشتہ دار اور ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

اول......اصول وفروع کے علاوہ دیگر اقرباء کے نفقہ کا وجوب۔

دوم......حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کے وجوب نفقہ کی شرائط۔

سوم......جن لوگوں پر اقارب کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان کا متعدد ہونا۔

پہلا مقصد: اصول وفروع کے علاوہ دیگر اقرباء کے نفقہ کا وجوب...... اقارب یعنی حاشیہ برداران اور ذوی الارحام (جیسے بھائی، ماموں، چچے، بھتیجے، پھوپھیاں اور خالائیں) کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔❶ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ......الاسراء ۲۶/۱۷

اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى ......النساء ۳۶/۴

اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو اور قریبی رشتہ دار کے ساتھ بھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''عطا کرنے والا ہاتھ اوپر والا ہوتا ہے، اور جن لوگوں کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے ان سے خرچے کی ابتدا کرو، یعنی اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے بھائی، اپنی بہن اور پھر درجہ بدرجہ قرابتدار کو خرچہ دو۔''❷ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، اپنی بہن کے ساتھ، اپنے بھائی کے ساتھ، اور اپنے غلام کے ساتھ، یہ حسن سلوک حق واجب ہے اور صلہ رحمی ہے۔''

یہ آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریبی رشتہ دار جو کسب وکمائی سے قاصر ہو اس کا نفقہ واجب ہے، تاہم اس مسئلہ میں فقہاء کی تین آراء ہیں۔

اول: حنفیہ کی رائے...... ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے جیسے چچا، بھائی، بھتیجا، پھوپھی، خالہ ماموں، ذوی الارحام کے علاوہ کسی اور کا نفقہ واجب نہیں جیسے چچازاد بھائی، چچازاد بہن، اسی طرح محرم جو ذی رحم نہ ہو جیسے رضاعی بھائی کا نفقہ بھی واجب نہیں۔

دوم......حنابلہ کا مذہب ہر قریبی وارث کے لئے نفقہ واجب ہے خواہ قریبی ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبات میں سے جیسے حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، ماں شریک بھائی، چچا، چچازاد بھائی۔ جب کہ ذوی الارحام کا نفقہ واجب نہیں جیسے چچازاد بہن، ماموں، خالہ، پھوپھی، یہ لوگ نہ ذوی الفروض میں شامل ہیں اور نہ ہی عصبات میں، چونکہ ان رشتہ داروں کی قرابت ضعیف ہوتی ہے، یہ لوگ قریبی متوفی کا مال اس وقت لے لیتے ہیں جب اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو، یہ وراثت داری میں عام مسلمانوں کے حکم میں ہیں۔

ابن تیمیہ اور ابن قیم کی رائے...... بعض دوسرے حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اصول وفروع کے علاوہ جو بھی قریبی رشتہ داری ہو بشرط یہ کہ وارث ہو رہا ہو اس کا نفقہ واجب ہے، چنانچہ ذوی الارحام جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں کا نفقہ واجب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ......البقرة ۲۳۳/۲

---

❶......فتح القدير ۳۵۰/۳، الدر المختار ورد المحتار ۹۳۷/۲، القوانين الفقهية ص ۲۳۱، المهذب ۱۶۶/۲، المغني ۵۸۵/۷۔ ❷رواه النسائي عن طارق المحاربي واخرجه ايضاً ابن حبان والدارقطني و صححه (نيل الاوطار ۳۲۷/۱)۔

آیت میں وارث پر نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے۔

سوم: مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب...... والدین اور اولاد کے علاوہ دوسرے اقرباء جیسے بھائی، چچے وغیرہم کا نفقہ واجب نہیں، چونکہ شریعت میں والدین اور اولاد کا نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے، والدین اور اولاد کے علاوہ بقیہ رشتہ دار سلسلہ ولادت کی کڑی میں نہیں آتے اس لئے ان کے لئے وجوب نفقہ کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

دوسرا مقصد: حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کے وجوب نفقہ کی شرائط...... حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کے لئے نفقہ واجب نہیں، ہاں البتہ اگر قاضی ان میں سے کسی قرابت دار پر خرچ کرنے کا حکم دے یا منفق اور منفق علیہ آپس میں رضا مند ہو جائیں تو پھر ان لوگوں کے لئے نفقہ ثابت ہوگا۔ بغیر قاضی کے حکم اور رضا مندی کے قرابتدار نفقہ لینے کا حق نہیں رکھتا، برخلاف بیوی، اولاد اور والدین کے، چنانچہ یہ تینوں قاضی کے حکم اور باہمی رضامندی سے قبل اپنا نفقہ لے سکتے ہیں۔ حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کا نفقہ مدت گزر جانے سے ساقط ہو جاتا ہے، چونکہ نفقہ حاجت کی کفایت کے لئے واجب ہوا ہے اور مالداری کے ہوتے ہوئے واجب نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر قاضی قرضہ لینے کی اجازت دے دے۔

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ بالا اقرباء کے وجوب نفقہ کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ ❶

۱: قریبی ذی رحم محرم فقیر ومحتاج ہو...... اور کسب وکمائی سے قاصر ہو، چونکہ یا تو وہ کمسن ہو یا وہ لڑکی ہو یا مریض ہو یا نابینا ہو یا بوڑھا ہو چونکہ قرابتداری جو قریب کی ہو کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے نہ کہ دور کی قرابت داری کی، دونوں قرابتداروں میں ذی رحم محرم ہونے کا فرق ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ البقرۃ۲/۲۳۳

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت یوں ہے:

وعلى الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذالك

تاہم وصف حاجت کمسنی، انوثت (لڑکی ہونا)، اپاہجی اور نابینا پن کا متحقق ہونا ضروری ہے، تاکہ قرابتدار کا عاجز وقاصر ہونا متحقق ہو جائے، اگر قرابتدار کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ وہ اپنی کمائی اور کسب کی وجہ سے مالدار ہے، اس کا نفقہ کسی پر واجب نہیں ہوگا، برخلاف والدین کے۔

۲: اتحاد دین...... قرابتدار کا دین اگر جدا ہو تو اسے نفقہ نہیں دیا جائے گا، چونکہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے توارث نہیں ہوتا جب کہ وجوب نفقہ کا دارومدار وراثت داری پر ہے۔

برخلاف بیوی، اصول اور فروع کے، چنانچہ۔ بیوی اگرچہ کافرہ ہو حق احتباس کے بدلہ میں اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے۔ والدین اگرچہ کافر ہوں تاہم جزئیت کی وجہ سے ان کا نفقہ بھی اولاد پر واجب ہے، جب کہ حواشی اور ذوی الارحام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کافر نہ ہوں تو ان کا نفقہ واجب ہوگا۔

۳: خرچ دہندہ مالدار ہو...... اگر قریبی رشتہ دار تنگدست ہو تو اس پر محتاج رشتہ دار کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ کسب وکمائی

---

❶......حاشية ابن عابدين ۲/۹۳۷، فتح القدير ۳/۳۵۴۔

کی قدرت رکھتا ہے، چونکہ حواشی کا نفقہ صلہ رحمی کے طور پر واجب ہے اور صلہ رحمی مالدار پر واجب ہے نہ کہ فقیر ومحتاج پر مالدار کون ہے اور مالداری کی حد کیا ہے؟ سو اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ...... کہتے ہیں: مالدار وہ شخص ہے جو نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اور زکوٰۃ کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار سونا ہے۔ یا دوسو درہم چاندی ہے۔ چونکہ شریعت نے جس مالدار کا اعتبار کیا ہے وہ مالک نصاب ہے۔ اور اسی پر زکوٰۃ، صدقہ واجب ہے، اسی پر صلہ رحمی اور ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے۔

امام محمد...... کہتے ہیں: مالدار وہ شخص ہے جس کے پاس ایک مہینہ کا نفقہ موجود ہو، اور اس کے پاس ایک ماہ کے نفقہ سے فاضل مال موجود ہو، چونکہ کفایت سے زائد مال مالداری ہے، اور مہینہ کسب وکمائی کا وسیع وقت ہے، لہٰذا مالدار پر ضروری ہے کہ وہ زائد، مال اپنے قرابتداروں پر صرف کرے، علامہ کاسانی کہتے ہیں: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے، چونکہ جب انسان کے پاس دائمی کسب وکمائی کی سہولت موجود ہو تو وہ محتاج نہیں ہوتا، جو مال کفایت سے زائد ہو وہ فاضل یعنی زائد از ضرورت مال ہوتا ہے، تاہم نصاب زکوٰۃ کا اعتبار نہیں کیونکہ نصاب کا اعتبار تو حقوق اللہ جو کہ مال ہوں میں کیا گیا ہے جب کہ نفقہ تو بندے کا حق ہے اس میں نصاب کے اعتبار کرنے کا کوئی معنی نہیں بلکہ اس میں تو یہ اعتبار کیا جاتا ہے کہ ادائیگی کا امکان کہاں تک ہے۔

تیسرا مقصد: اقارب کا نفقہ کس پر واجب ہے؟...... قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اگر نفقہ کا مستحق شخص صرف ایک ہی قریبی رشتہ دار ہو جو مالدار ہو، دیکھا جائے گا کہ وہ اصول میں سے ہے یا فروع میں سے تاہم اس کا نفقہ واجب ہوگا اگرچہ وہ قرابتدار وارث نہ بنتا ہو جیسے ماں شریک دادا یا نواسہ۔ اس پر مالکیہ کے علاوہ جمہور کا اتفاق ہے۔

اور اگر قریبی رشتہ دار حاشیہ برداران میں سے ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کا نفقہ واجب ہوگا بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم ہو جیسے بھائی، چچا، پھوپھی، حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ قرابتدار یا تو ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبات میں سے ہو جیسے ماں شریک بھائی اور چچازاد بھائی۔

البتہ جن لوگوں پر اقارب کا نفقہ واجب ہو وہ متعدد ہوں (یعنی منفق متعدد ہوں) تو حنفیہ کا دوسرے مذاہب کے ساتھ تقسیم نفقہ کے حوالے سے اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب...... اقارب پر نفقہ کی تقسیم مختلف اصناف کے اعتبار سے مندرجہ ذیل چار صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ [1]

پہلی صورت...... یہ کہ مستحق نفقہ کے اصول وفروع موجود ہوں۔

دوسری صورت...... یہ کہ اس کے اصول اور حاشیہ برداران (جو اصول وفروع نہ ہوں) موجود ہوں۔

تیسری صورت...... یہ کہ اس کے فروع اور حاشیہ برداران موجود ہوں۔

چوتھی صورت...... یہ کہ اصول وفروع اور حاشیہ برداران میں سے اس کا کوئی خلیط (شریک) ہو۔

مذکورہ بالا چاروں صورتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

[1]......حاشیة ابن عابدین ۲/۹۳۴، الا حوال الشخصیة زکی الدین شعبان ص ۷۰۲۔

پہلی صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کے اصول وفروع موجود ہوں......اگر مستحق نفقہ کے اصول وفروع موجود ہوں، پھر اگر اصول وفروع قرابتداری کے درجہ میں متفاوت ہوں تو نفقہ اقرب (جو زیادہ قریبی ہو) پر واجب ہوگا برابر ہے کہ وہ وارث ہو یا نہ ہو، جیسے باپ، بیٹا، پوتا، نواسی، اور جیسے ماں، پوتا۔ پہلی مثال کی صورت میں نفقہ باپ پر واجب ہوگا اور دوسری مثال مین ماں پر واجب ہوگا، چونکہ باپ اور ماں کا درجہ اقرب ہے، لیکن ملاحظہ رہے کہ نفقہ اس وقت غیر وارث پر واجب ہوگا۔

اگر اصول وفروع قرابت میں مساوی درجہ رکھتے ہوں تو نفقہ وراثت کے تناسب سے واجب ہوگا، الا یہ کہ اقرباء میں بیٹا یا بیٹی موجود ہو تو نفقہ بیٹے یا بیٹی پر واجب ہوگا۔ اور اگر باپ اور بیٹا ہوں تو نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔'' دادا اور نواسی کی صورت میں نفقہ دادا پر واجب ہوگا، چونکہ دادا وارث ہے، رہی بات نواسی کی سو وہ ذوی الارحام میں سے ہوتی ہے، اور وہ دادا کے موجود ہوتے ہوئے وارث نہیں بنتی۔

دوسری صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کے اصول اور حاشیہ برداران موجود ہوں......اگر مستحق نفقہ کے اصول اور حاشیہ برداران (وہ رشتہ دار جو نہ اصول ہوں نہ فروع جیسے چچازاد بھائی) جیسے ماں، حقیقی بھائی یا باپ شریک بھائی، اگر دونوں اصناف کے افراد وارث بنتے ہوں تو ان پر وراثت کے تناسب سے نفقہ واجب ہوگا۔ اگر دونوں اصناف میں سے کوئی ایک قرابتدار وارث ہو اور دوسرا غیر وارث ہو تو نفقہ صرف اصول پر واجب ہوگا اگر چہ وہ وارث نہ ہوں، چونکہ جزئیت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

اصل کے وارث ہونے کی مثال...... جیسے باپ شریک دادا، حقیقی بھائی چنانچہ نفقہ دادا پر واجب ہوگا۔

اصل کے غیر وارث ہونے کی مثال......جیسے ایک محتاج شخص کا ماں شریک دادا ہو اور ایک چچا ہو تو محتاج کا نفقہ دادا پر واجب ہوگا چونکہ جزئیت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

دونوں اصناف سے وارث ہونے کی مثال......جیسے کسی محتاج وفقیر شخص کی ماں اور بھائی موجود ہوں یا بھتیجا ہو یا چچا ہو تو محتاج کا ایک تہائی نفقہ ماں پر واجب ہوگا اور دو تہائی عصبات پر واجب ہوگا۔

تیسری صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کے فروع اور حاشیہ برداران موجود ہوں......اگر مستحق نفقہ کے فروع اور حاشیہ برداران ہوں تو اس کا نفقہ فروع پر واجب ہوگا، حاشیہ برداران پر نفقہ نہیں ہوگا اگر چہ وہ وارث بن رہے ہوں چونکہ جزئیت کی قرابت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ بیٹی اور حقیقی بہن موجود ہونے کی صورت میں نفقہ فقط بیٹی پر واجب ہوگا، بہن پر کچھ بھی واجب نہی ہوگا، اگر چہ وہ نصف ترکہ کی وارث بنتی ہو۔

اگر ایک بیٹا نصرانی ہو اور ایک مسلمان بھائی ہو تو نفقہ فقط بیٹے پر واجب ہوگا اگر چہ بھائی وارث بن رہا ہو۔

چوتھی صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کا اصول وفروع اور حواشی میں سے کوئی خلیط ہو......اگر مستحق نفقہ کے اصول وفروع اور حواشی میں سے اقارب موجود ہوں تو اس صورت کا حکم ایسا ہی ہے جیسے پہلی صورت کا حکم ہے، چنانچہ اصول وفروع پر نفقہ ہوگا جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔ چونکہ جزئیت کی قرابت قوی تر ہوتی ہے، فروع کے ہوتے ہوئے حاشیہ برداران ساقط ہو جائیں گے، یہ ایسا ہی

ہے گویا فروع واصول کے علاوہ کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔

اگر صرف اصول ہوں اور ان کے ساتھ باپ بھی موجود ہوتو نفقہ صرف باپ پر واجب ہوگا، اولاد کے نفقہ میں باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا، اور اگر صرف حواشی موجود ہوں تو نفقہ وراثت کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، بشرط یہ کہ حواشی کے ساتھ کوئی ایک ذی رحم محرم بھی ہو۔

حنابلہ کا مذہب: اول......حنابلہ کی رائے کے مطابق محتاج کا نفقہ حسب وراثت اقارب پر واجب ہے، چنانچہ جس مستحق کی ماں اور دادا زندہ ہوتو ماں کے ذمہ تہائی نفقہ واجب ہوگا اور دادا کے ذمہ دو تہائی۔

جس مستحق کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوتو نفقہ تین حصوں میں ہوگا جیسے میراث میں ہوتا ہے یعنی بیٹے پر بیٹی کا دوگنا نفقہ واجب ہوگا۔ جس مستحق کی دادی اور ایک بھائی ہوتو دادی کے ذمہ نفقہ کا چھٹا حصہ اور باقی بھائی پر واجب ہوگا۔ جس شخص کی ایک بیٹی اور ایک بہن ہوتو بیٹی کے ذمہ نصف اور بہن کے ذمہ بھی نصف ہوگا، جس مستحق کا نانا زندہ ہوتو اس کا نفقہ نانی کے ذمہ واجب ہوگا چونکہ وہ وارثہ ہے۔ جس مستحق کا دادا اور دادی زندہ ہوں اس کا نفقہ دادی کے ذمہ چھٹا حصہ ہوگا اور باقی دادا کے ذمہ واجب ہوگا۔ اگر دادا اور بھائی جمع ہو جائیں تو وہ دونوں برابر ہوں گے اگر ماں، بھائی اور دادا جمع ہوں تو ان کے درمیان نفقہ اثلاثاً واجب ہوگا۔

حنابلہ نے اپنے قاعدہ سے یہ صورت مستثنیٰ کی ہے کہ اگر مستحق کا باپ ہوتو نفقہ صرف اسی پر واجب ہوگا۔ باپ کے علاوہ کسی اور پر واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

حنابلہ کا یہ استثناء حنفیہ کے برخلاف ہے وہ اس طرح کہ اگر مستحق کا بیٹا ہوتو اس کا نفقہ صرف بیٹے کے ذمہ واجب ہوگا۔

دوم......اگر ایک اصل (باپ یا دادا) ایک فرع اور دو وارث جمع ہوں جب کہ ان میں سے جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہو خواہ تنگدست ہو اور جو دور کا رشتہ دار ہو وہ مالدار ہوتو نفقہ دور کے مالدار رشتہ دار کے ذمہ واجب ہوگا۔ چنانچہ جس شخص کی محتاج ماں اور مالدار دادی ہوتو اس کا نفقہ دادی کے ذمہ واجب ہوگا۔

سوم......اگر دو مالدار قریبی رشتہ دار جمع ہو جائیں جب کہ ان میں سے ایک وراثت میں محجوب ہوتا ہو اور حاجب قریبی محتاج رشتہ دار ہو، جب کہ محجوب عمودی نسب یعنی اصول وفروع میں سے ہوتو اس کا نفقہ محجوب کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، اگر محجوب اصول وفروع کے علاوہ ہوتو اس پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ صورت مسئلہ کچھ یوں ہے، جس مستحق کے والدین اور دادا ہوں جب کہ باپ تنگدست ہوتو باپ کالعدم کے درجہ میں ہوگا۔ تاہم نفقہ تین حصوں میں واجب ہوگا ایک تہائی ماں کے ذمہ اور بقیہ دادا کے ذمہ واجب ہوگا۔ جس شخص کے والدین دو بھائی اور دادا ہو جب کہ والد تنگدست ہوتو بھائیوں کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہوگا، چونکہ بھائی محجوب ہوتے ہیں، اور وہ اصول وفروع میں سے نہیں ہیں۔ تاہم ماں پر ایک تہائی نفقہ ہوگا اور باقی دادا کے ذمہ واجب ہوگا۔

چہارم......اگر مستحق نفقہ کا صرف ایک ہی وارث ہوتو اس پر بقدر میراث مستحق کا نفقہ واجب ہوگا۔

بیوی بقیہ اقارب پر مقدم ہوگی، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص فقیر ومحتاج ہوتو وہ اپنے آپ سے ابتدا کرے، اگر کچھ بچ رہے تو اپنے عیال پر خرچ کرے، اگر پھر بھی کچھ بچ رہے تو قرابتدار پر خرچ کرے۔

سوریا کے قانون میں حنابلہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے چونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ ”الغرم بالغنم“ جب کہ نفقات کے بقیہ احکام حنفی

مذہب سے ماخوذ ہیں۔

شافعیہ کا مذہب......شافعیہ کے نزدیک نفقہ والدین اور اولاد پر مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کیا جائے گا۔ ❶

جس شخص کے دو فروع قرابتداری اور وراثت داری میں برابر ہوں یا عدم قرب وعدم وراثت میں برابر ہوں جیسے دو بیٹے یا دو بہن، یا جیسے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو ان پر نفقہ برابر سرابر ہوگا، نہ کہ بحسب میراث، اگرچہ مالداری میں تفاوت ہو یا ان میں سے ایک مالدار ہو اور دوسرا کسب وکمائی کر سکتا ہو۔

اگر ایک خرچ کنندہ زیادہ قریبی ہو اور دوسرا وارث ہو تو نفقہ قرابتدار پر واجب ہوگا نہ کہ وارث پر۔

اگر دونوں وراثت کے استحقاق میں برابر ہوں جیسے بیٹی اور پوتا تو دونوں پر مستحق کا نفقہ واجب ہوگا۔

اگر قرابتداری میں دونوں برابر ہوں تو وارث کو (اصح قول کے مطابق) مقدم رکھا جائے گا۔ چونکہ وارث کی قرابت میں قوت پائی جاتی ہے۔ جیسے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چنانچہ نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا نہ کہ بیٹی پر۔

اگر وراثت میں برابر ہوں تو یہاں دو وجہیں بنتی ہیں، ایک قول کے مطابق دونوں پر نفقہ برابر سرابر ہوگا۔ دوسرا قول کہ نفقہ بحسب وراثت ہوگا۔

اصول میں جو قاعدہ کلیہ ہے وہ فروع کے قاعدہ کلیہ کے قریب قریب ہے۔

چنانچہ جس شخص کے والدین ہوں اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے اور اگر اجداد وجدات ہوں تو نفقہ اقرب پر واجب ہوگا۔

جس شخص کا ایک اصل اور ایک فرع ہو تو اصح قول کے مطابق نفقہ فرع پر واجب ہوگا جیسے کسی مستحق کا باپ اور ایک بیٹا ہو تو اس کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک بیوی کو بقیہ اقارب پر مقدم رکھا جائے گا جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں، چونکہ بیوی کا نفقہ زیادہ موکد ہے چونکہ مدت گزرنے سے اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔

مالکیہ کا مذہب......مالکیہ کے راجح قول کے مطابق نفقہ مالدار اولاد پر ان کی مالداری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، دوسرا قول ہے کہ فی نفر کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا تاہم مذکر مونث سے قطع نظر۔ تیسرا قول ہے کہ نفقہ حسب وراثت تقسیم کیا جائے گا چنانچہ ہر مرد پر دو عورتوں کے برابر نفقہ ہوگا۔

سوریا کے قانون میں اقارب کا نفقہ......سوریا کے قانون میں اقرباء کے نفقہ کے حوالے سے حنفیہ کے مذہب کو اپنایا گیا ہے، اگرچہ خرچ کنندگان کے متعدد ہونے کی صورت میں حنابلہ کا مذہب لیا گیا ہے۔ قانون کے اہم متون حسب ذیل ہیں۔

دفعہ ۱۵۴ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ ہر انسان کا نفقہ اسی کے ذاتی مال میں سے ہوگا البتہ بیوی کا نفقہ اس کے خاوند پر ہوگا۔

۱......اگر اولاد کے پاس مال نہ ہو تو اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا، بشرطیکہ باپ معذور نہ ہو یا کسب وکمائی سے قاصر نہ ہو۔

۲......لڑکی کا نفقہ برابر جاری رہے گا تاوقتیکہ اس کی شادی ہو جائے اور لڑکے کا نفقہ بھی جاری رہے گا تاوقتیکہ کمانے کے قابل ہو جائے۔

دفعہ ۱۵۶ میں صراحت کی گئی ہے کہ۔

---

❶......مغنی المحتاج ۳/ ۴۵۰، المہذب ۲/ ۱۶۶۔

ا.....اگر باپ اولاد پر خرچ کرنے سے قاصر ہو جب کہ کسب وکمائی سے قاصر نہ ہو تو اولاد کا نفقہ اس شخص پر واجب ہوگا جس پر باپ کی عدم موجودگی میں اولاد کا نفقہ واجب ہوتا ہو۔

۲.....یہ نفقہ باپ پر دین ہوگا خرچ کنندہ بعد میں باپ سے واپس لے۔

دفعہ ۱۵۷ میں ہے:

ا.....باپ کو بیٹے کی بیوی کا خرچہ برداشت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ باپ نے بہو کے خرچے کی ضمانت دی ہو۔

۲.....اس صورت میں باپ نے جتنا خرچہ کیا ہوگا وہ بیٹے پر دین (قرضہ) ہوگا۔

دفعہ ۱۵۸ میں ہے کہ:

اولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہے اولاد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت۔

دفعہ ۱۵۹ میں ہے:

وہ شخص جو فقیر ہو اور کسب وکمائی سے قاصر ہو اس کا نفقہ اس کے وارث پر واجب ہوگا۔

دفعہ ۱۶۰ میں ہے۔

اختلاف دین کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا البتہ اصول وفرع کا نفقہ باوجود اختلاف دین کے واجب ہوتا ہے۔

دفعہ ۱۶۱ میں ہے!

قرابتدار کے نفقہ کا فیصلہ دعویٰ کی تاریخ سے کیا جائے گا، قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ اولاد کے نفقہ کا حکم دعویٰ کی تاریخ سے پہلے دے، لیکن چار ماہ کی مدت سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

چوتھا باب: وصایا..... ❶ اس بحث کے ضمن میں تین فصلیں بیان کی جائیں گی۔

پہلی فصل.....وصیت کے بیان میں۔

دوسری فصل.....مرض الموت کے تصرف کے بیان میں۔

تیسری فصل.....وصایہ کے بیان میں۔

پہلی فصل.....سات مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث.....وصیت کا معنی، وصیت کی مشروعیت، وصیت کا رکن اور وصیت کی کیفیت انعقاد۔

دوسری بحث.....وصیت کی شرائط۔

تیسری بحث.....وصیت کے مختلف احکام، (لزوم وعدم لزوم کے اعتبار سے وصیت کی صفت وطریقہ کار، تملیک میں وصیت کا اثر، وصی کے احکام، موصی لہ کے احکام، موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کے احکام، وصیت کی مقدار، وارث کے حق میں کی گئی وصیت، وارث کے حصہ کے بمثل وصیت، اجزاء کی وصیت، وصیت کی تنفیذ)۔

چوتھی بحث.....وہ امور جو وصیت کو باطل کردیتے ہیں۔

---

❶.....وصایا وصیت کی جمع ہے یہ وصیت اور ایصاء دونوں کو شامل ہے، چنانچہ مقولہ ہے "اوصی الی فلان" یعنی فلاں شخص کو وصی مقرر کردیا، وصایہ اسم مصدر ہے۔

پانچویں بحث......وصایا کا تزاحم (ہجوم وصیتہا)

چھٹی بحث......قانونی رو سے واجب وصیت۔

ساتویں بحث......وصیت کا اثبات۔

پہلی فصل: وصیت......یہ فصل ایک تمہید اور سات مباحث پر مشتمل ہے۔

تمہید: وصیت تاریخ کے آئینہ میں......وصیت قدیم نظام ہے، لیکن بعض ادوار میں وصیت کی آڑ میں حق داروں پر ظلم کیا جاتا اور بے جاطرف داری کا مظاہرہ کیا جاتا۔

چنانچہ رومیوں کے عہد میں صاحب کنبہ کو وصیت کے ذریعہ مال میں ایسا تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا جو کسی چیز کے ساتھ مقید نہ ہوتا، بسا اوقات کسی اجنبی کے حق میں وصیت کردی جاتی اور اپنی اولاد کو میراث سے محروم کردیا جاتا، پھر رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اولاد کے حق میں باپ کی چوتھائی میراث واجب وضروری قرار دی گئی تاکہ اولاد اپنے مورث کے ساتھ بے جا سلوک نہ کرے۔

جاہلیت میں عربوں کا یہ رواج تھا کہ وہ اپنا سارا مال اجنبیوں کے حق میں وصیت کردیتے اور اس رویے کو باعث فخر وناز سمجھتے تھے جب کہ اقرباء کو فقراء ومحتاجین چھوڑ دیتے تھے۔❶

پھر اسلام آیا اس نے عدل وانصاف اور حق پر مبنی وصیت کو صحیح قرار دیا، تاہم قانون میراث کے نازل ہونے سے پہلے اسلام نے والدین اور اقرباء کے حق میں وصیت کرنے کو لازمی قرار دیا چنانچہ ابتدائے اسلام میں ہر طرح کے مال کی وصیت والدین اور اقرباء کے حق میں واجب تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾

جب تم میں سے کسی شخص کی موت کا وقت قریب ہوجائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تمہارے اوپر والدین اور اقرباء کے حق میں معروف طریقہ سے وصیت فرض کردی گئی ہے یہ پرہیز گاروں پر مستحقین کا حق ہے۔ البقرة ۲/۱۸۰

جب آیت میراث نازل ہوئی تو وصیت کی مشروعیت کو دو قیدوں کے ساتھ مشروط کردیا گیا۔

اول......یہ کہ وصیت وارث کے حق میں دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا ہے چنانچہ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوتی۔“ یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی۔❷ رہی بات والدین کی سو ترکہ میں ان کا حصہ مقرر ہے، اس لئے غیر ورثہ کے حق میں وصیت مستحب ہے۔

دوم......وصیت کی حد مقرر کردی اور وہ حد تہائی ترکہ ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ ”تہائی ترکہ کی وصیت کرو، اور تہائی بھی زیادہ ہے، تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم انہیں محتاجین چھوڑ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔“❸ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ یا آدھا مال وصیت

❶......الوصية في الشريعة الاسلامية لاستاذنا المرحوم عيسوى احمد عيسوى ص ۹۔ ❷حديث متواتر رواه اثنا عشر صحابياً وارسله خمسة من التابعين فرواه ابوداؤد وابن ماجه والترمذى واحمد والبيهقى وعبد بن حميد فى مسنده (نصب الراية ۴/۴۰۱) ❸رواه الجماعة احمد والائمة الستة عن سعد بن ابى وقاص۔

کرنا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع کیا۔

رہی بات تہائی سے زائد حصہ کی سووہ ورثہ کا حق ہوتا ہے چنانچہ زائد حصہ میں مورث کا تصرف ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتا۔

پہلی بحث......وصیت کا معنی، مشروعیت، رکن، وصیت کی کیفیت انعقاد اور اس کا اثر۔ ❶

وصیت کا معنی اور اس کی دو انواع......وصیت، ایصاء ہے، وصیت کا اطلاق دوسرے کے ساتھ وعدہ کرنے پر ہوتا ہے خواہ عرصہ حیات میں یا بعد از وفات وہ عہد پورا ہو، چنانچہ مقولہ ہے۔ ''اوصیت لہ والیہ'' یعنی میں نے فلاں شخص کو وصی مقرر کیا جو اس کے بعد کسی کام کی نگرانی کرے گا۔'' اس معنی کے لئے وصایہ کا لفظ مشہور ہے۔

اسی طرح مال کو کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں دے دینے پر بھی وصیت کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:

وصيت بكذا يا اوصيت

یعنی میں نے مال اس کی ملکیت میں دے دیا'' وصایا '' وصیت کی جمع ہے اس میں وصیت مال، ایصاء اور وصایہ سب شامل ہیں، فقہی اصطلاح میں۔

تمليك مضاف الى مابعد الموت بطريق التبرع سواء أكان المملك عيناً أم منفعة

وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت منسوب ہوتی ہے یہ ایک طریقہ تبرع ہے برابر ہے کہ ملک میں دی ہوئی چیز کوئی متعین چیز ہو یا منفعت ہو۔

تعریف ہی سے تملیکات میں تمیز ہو جاتی ہے کہ وصیت کردہ چیز یا تو عین (متعین چیز) ہوگی یا منفعت ہوگی، اس سے بیع خارج ہوگئی، اور منفعت کی قید سے اجارہ خارج ہوگیا۔

ہبہ سے بھی احتراز ہوگیا چونکہ ہبہ عرصہ حیات میں ہوتا ہے جب کہ وصیت مابعد الموت ہوتی ہے۔

یہاں یہی تعریف مراد ہے کہ وصیت مال میں کیا جانے والا عقد یا تصرف ہے، بعض فقہاء نے وصیت کی یوں بھی تعریف کی ہے:

هى الامر بالتصرف بعد الموت، وبالتبرع بمال بعد الموت

وصیت موت کے بعد تصرف ہے، اور موت کے بعد مال تبرع کرنے کا نام ہے۔

وصیت کی انواع......مطلق وصیت بھی صحیح ہے اور مقید وصیت بھی، مطلق وصیت: جیسے کہا جائے: میں نے فلاں شخص کے حق میں اس چیز کی وصیت کردی، مقید یا معلق وصیت: جیسے کوئی کہے: اگر میں اپنے اس مرض سے مرگیا یا اس شہر میں مرگیا یا اس سفر میں مرگیا یا اس مہینہ میں مرگیا تو فلاں شخص کی یہ چیز ہے۔ اگر شرط متحقق ہوگئی تو وصیت صحیح ہوگی اگر شرط پوری نہ ہوئی بعینہ اس مرض سے نہ مرا یا اس شہر میں یا اس سفر میں یا اس مہینہ میں نہ مرا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

○ سوریا اور مصر کے قانون میں وصیت کی یہ تعریف کی گئی ہے:

تصرف فى التركة مضاف الى مابعد الموت

ترکہ میں ایسا تصرف کرنا جو موت کے بعد منسوب ہوتا ہے۔

---

❶......البدائع ۷/۳۳۰، تکملة فتح القدير ۷/۴۱۷، اللباب ۴/۱۶۸، الشرح الصغير ۴/۵۷۹ مغنى المحتاج ۳/۳۸، المهذب ۱/۴۴۹، المغنى ۶/۵۱، كشاف القناع ۴/۳۷۱، غاية المنتهى ۲/۳۴۸، بداية المجتهد ۲/۳۲۸، رد المحتار ۵/۴۵۷۔

مصری قانون کی وضاحت میں ہے:

حنفیہ کی تعریف میں ''تملیک'' کے لفظ کی بجائے ''تصرف'' کا لفظ لایا گیا ہے تا کہ وصیت کے تمام مسائل کو شامل ہو جائے۔

چنانچہ وصیت میں یہ صورتیں بھی شامل ہوں گی جب وصیت کردہ چیز مال ہو یا منفعت ہو، اور موصی لہ تملیک کی اہلیت رکھتا ہو جیسے مثلاً نام سے یا وصف سے کسی متعین کے حق میں وصیت کی، اور موصی لہم ایسے لوگ ہوں جو شمار میں آتے ہوں یا معین بالوصف ہوں جو شمار میں نہ آتے ہوں، جیسے مثلاً فقراء کے حق میں کی گئی وصیت یا خیر و بھلائی کے راستے میں وصیت کی جیسے مسافر خانے، مدارس وغیرھا۔

یہ تعریف اس صورت کو بھی شامل ہے جب موصی بہ درجہ اسقاط میں ہو اور اس تملیک کا معنی پایا جاتا ہو جیسے ابراء دین کی وصیت، یا موصی بہ اسقاط محض ہو جیسے ابراء کفیل، اس صورت کو بھی شامل ہے جب موصی بہ کوئی حق ہو مال یا منفعت نہ ہو، لیکن وصیت مالی تصرف ہے چونکہ وصیت کا تعلق مال سے ہے۔ جیسے مثلاً مقررہ مدت کے دین کو موجل کرنے کی وصیت کر دی، یا زمین کسی شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کی وصیت کر دی۔

ترکہ...... ہر وہ چیز جس کا مورث کے بعد وارث نائب و جانشین بنتا ہو خواہ وہ مال ہو یا منفعت ہو یا کوئی حق ہو جو مال سے متعلق ہو جو مورث کے مرنے کے بعد وارث کی طرف منتقل ہو جائے۔

دوم: وصیت کی مشروعیت...... اس عنوان کے ذیل میں مشروعیت کے دلائل، وصیت کا سبب، حاکمیت اور وصیت کے حکم شرعی کی نوعیت پر گفتگو کی جائے گی۔

مشروعیت کے دلائل...... وصیت کتاب وسنت، اجماع اور عقلی دلائل سے ثابت ہے۔

کتاب سے...... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾

جب تم میں سے کسی شخص کی موت کا وقت قریب ہوا گر اس نے مال چھوڑا ہو تو تم پر وصیت فرض کر دی گئی ہے جو والدین اور قرابت داروں کے حق میں ہو معروف طریقے سے یہ پرہیز گاروں پر مستحقین کا حق ہے۔ البقرۃ ۲/۱۸۰

فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ ......النساء ۴/۱۱

یہ احکام تمہاری کی گئی وصیت یا دین کے بعد ہیں۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ ......النساء ۴/۱۲

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اقارب کے حق میں وصیت کرنا مشروع ہے، دوسری دو آیات میں میراث کو وصیت اور ادائے دین سے مؤخر رکھا گیا ہے۔ لیکن دین (قرضہ) وصیت پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو:

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ ......النساء ۴/۱۱

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ دین وصیت سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ ❶

---

❶......رواہ الترمذی۔

سنت سے...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور بالا حدیث ہے۔ ”وصیت تہائی ترکہ میں نافذ ہوتی ہے اور تہائی بھی زیادہ ہے۔“ ایک اور حدیث ہے۔ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری وفات کے وقت تمہارے اوپر صدقہ کیا ہے جو تہائی مال کے بقدر ہے“ یہ تمہارے اعمال میں اضافہ کا باعث ہے ❶ ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس کی دو راتیں بھی نہ گزرنے پائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنا چاہتا ہو الا یہ کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے سرہانے تلے موجود ہو۔ ❷ ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ ”محروم وہ شخص ہے جو وصیت کرنے سے محروم ہے، جو شخص وصیت کرکے مرے وہ سنت، پارسائی اور شہادت کی راہ میں مرا اور اس کی مغفرت یقینی ہے۔

اجماع...... علماء کا اجماع ہے کہ وصیت کرنا جائز ہے۔

عقلی دلیل...... چونکہ ہر انسان قربت، نیکی و بھلائی اور دوسروں کے ساتھ احسان کرنے کا محتاج ہے تاکہ گذشتہ کوتاہیوں کا تدارک کرسکے چونکہ عرصہ حیات میں ہر انسان سے نیکیوں کے حوالے سے کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔

وصیت کی حکمت...... وصیت کا سبب تبرع ہے اور تبرع کہتے ہیں دنیا میں خیر و بھلائی کا فائدہ حاصل کرنا اور آخرت میں ثواب حاصل کرنا، اسی لئے شریعت نے وصیت کو مشروع قرار دیا ہے تاکہ انسان نیک اعمال کرسکے، اور انسان کوتاہیوں کے مقابلہ میں اچھائیاں کرسکے، صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک رکھے، جو لوگ محتاج ہوں ان کی ضروریات پوری کرے، ضعفاء، مساکین اور تنگدستوں کی مشکلات کو حل کرسکے۔ تاہم وصیت کی حکمت میں یہ شرط ہے کہ عدل و معروف طریقہ اپنایا جائے، اور وصیت کے ذریعہ کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ...... النساء ۴/۱۲

جو وصیت کی گئی ہو یا ذمہ میں دین ہو اس کی بعد یہ احکام لاگو ہوں گے اس حال میں کہ کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ وصیت کے ذریعہ وارث کو ضرر پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ وصیت میں عدل یہ ہے کہ وصیت تہائی ترکہ میں محصور رکھی جائے، جب کہ وارث کے حق میں وصیت دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتی، چونکہ اگر وارث کے حق میں وصیت کی گئی تو یہ وصیت بغض و حسد اور قطع رحمی کا سبب بنے گی۔

شرعی وصیت کا حکم...... شرعی وصیت مستحب و مندوب ہے، اگرچہ وصیت کسی صحت مند شخص کے حق میں کی جائے، چونکہ موت اچانک آلیتی ہے اس لئے مال کی وصیت واجب نہیں، ہاں البتہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو یا اس کے ذمہ کوئی اور دینی فریضہ ہو تو ان کے متعلق وصیت کرنا واجب ہے۔

وصیت کے عدم وجوب کی دلیل...... اکثر صحابہ سے منقول نہیں کہ انہوں نے وصیت کی ہو چونکہ وصیت عطیہ اور تبرع ہے، عرصہ حیات میں انسان پر واجب نہیں لہٰذا موت کے بعد بھی واجب نہیں جیسے اجنبی فقراء کو دیا گیا عطیہ واجب نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶......رواه خمسة من الصحابة، ابوهريرة وابو الدرداء ومعاذ وابو بكر الصديق وخالد بن وليد (نصب الراية ۴/۳۹۹). ❷رواه الجماعة عن ابن عمر واحتج به من يعمل بالخط اذا عرف (نيل الاوطار ۶/۳۳)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ ......النساء ۴/۷

والدین اور اقرباء کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے۔

یعنی پہلی آیت منسوخ ہے اور دوسری آیت ناسخ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت وصیت آیت میراث سے منسوخ ہو چکی ہے۔

جب وصیت کا وجوب منسوخ ہوا تو استحباب باقی رہا۔

افضل یہ ہے کہ وصیت ایسے رشتہ داروں کے حق میں کی جائے جو وارث نہ ہوتے ہوں اور وہ فقراء ہوں، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ......الاسراء ۱۷/۲۶

اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

ایک اور آیت ہے:

اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى ......البقرة ۲/۱۷۷

اپنی محبت کی بنا پر قریبی رشتہ داروں کو مال دیتا ہے۔

نیز آیت کریمہ ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ إِلَّآ أَنْ تَفْعَلُوْٓا إِلٰٓى أَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا

مؤمنین اور مہاجرین میں سے رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ حق رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں، ہاں البتہ تم اگر اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کر دو (تو اس کی اجازت ہے)۔ الاحزاب ۳۳/۶

اس آیت کی تفسیر وصیت کے ساتھ کی گئی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وصیت بسا اوقات مکروہ اور بسا اوقات حرام بھی ہوتی ہے۔ یوں وصیت کی اپنے حکم کے اعتبار سے چار اقسام ہیں۔

۱۔ واجب...... جیسے امانتیں اور قرضہ جات کی واپسی کی وصیت، اور ایسے فرائض کی ادائیگی کی وصیت جنہیں موصی اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا ہو جیسے زکوٰۃ، حج اور کفارات فدیہ وغیرھا۔ وصیت کی یہ قسم متفق علیہ ہے، شافعیہ کہتے ہیں: حقوق یعنی دیون ودیعت اور عاریۃ کی ادائیگی کی وصیت مسنون ہے۔

۲۔ مستحب...... ایسے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنا مستحب ہے جو وارث نہ بنتے ہوں خیر و بھلائی اور عام محتاجوں کے حق میں وصیت کرنا بھی مستحب ہے، جو شخص مال چھوڑ کر مرے اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ مال کا پانچواں حصہ قریبی مسکین کے حق میں وصیت کرے اگر قریبی نہ ہو تو کسی بھی مسکین کے حق میں پانچویں حصہ کی وصیت کرے۔ یا کسی عالم کی حق میں وصیت کرے یا کسی دیندار شخص کے حق میں وصیت کرے۔

۳۔مباح...... جیسے مالداروں کے حق میں کی گئی وصیت خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار ہوں، یہ وصیت جائز ومباح ہے۔

۴۔مکروہ...... حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، جیسے فساق وفجار کے حق میں کی گئی وصیت، ایسے فقیر کے حق میں وصیت بالاتفاق مکروہ ہے جس کے ورثہ موجود ہوں اور اگر ورثہ مالدار ہوں تو وصیت مباح ہوگی۔

حرام...... بسا اوقات وصیت حرام غیر صحیح ہوتی ہے یہ قسم بھی بالاتفاق ہے جیسے معصیت میں خرچ کرنے کے لئے وصیت کردی، کنیسہ کی تعمیر کی وصیت کردی، یا کنیسہ کی مرمت کے لئے وصیت کی، تورات وانجیل یا ان کی قرأت کے لئے وصیت کی، گمراہی وضلالت، فلسفہ اور حرام علوم کی کتابوں کے لئے وصیت، شراب کی وصیت، یا ایسے مشروعات کے لئے وصیت کی جن سے اخلاق خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو، اسی طرح اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد ترکہ کی وصیت بھی حرام ہے، وارث کے حق میں مطلقاً وصیت حرام ہے۔

حنابلہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ تہائی سے زائد وصیت مکروہ ہے۔

افضل یہ ہے کہ خیر وبھلائی کے امور میں وصیت کرنے میں جلدی کی جائے اور زندگی میں کی جائے، تا وفات وصیت کرنے میں تاخیر نہ کی جائے، چونکہ موت کے بعد وصیت میں کوتاہی ہوجانے کا قوی امکان ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صدقہ کرو اس حال میں کہ تم تندرست اور ضرورت مند (کنجوس) ہو۔

مالدار بننے کی امید رکھتے ہو اور تمہیں فقر ومحتاجی کا بھی اندیشہ ہو، وصیت کرنے میں تاخیر نہ کرو یہاں تک کہ جب روح گلے میں اٹکی ہو اور تم کہو: یہ چیز فلاں کی ہے، یہ چیز فلاں کی ہے اور یہ فلاں کی حالانکہ یہ سب چیزیں تو کسی اور کی ملکیت میں جا چکی ہوتی ہیں۔ [1]

بنابریں عرصۂ حیات میں صدقہ کرنا وصیت سے افضل ہے، چونکہ صدقہ کرنے والا اپنے عمل کا ثواب قبر میں پہنچتے ہی پالیتا ہے۔

ارکان وصیت...... حنفیہ میں سے صاحب درمختار کہتے ہیں: وصیت کا رکن فقط ایجاب (پیش کش کرنا) ہے جو موصی (وصیت کنندہ) کی طرف سے ہو، مثلاً وہ یوں کہے: میں نے فلاں شخص کے حق میں فلاں چیز کی وصیت کردی، رہی بات ''قبول'' کی سو موصی لہ کی طرف سے قبول کرنا شرط ہے، رکن نہیں۔ گویا قبول لزوم وصیت کی شرط ہے۔

یہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی راجح ہے، چونکہ موصی لہ کی ملکیت وارث کی ملکیت کے مترادف ہے، اسی پر موصی لہ کی ملکیت قیاس کرلی گئی ہے۔ اسی کو سوریا کے شخصی قانون دفعہ ۲۰۷ اور مصر کے قانون دفعہ ایک میں اختیار کیا گیا ہے۔

علامہ کاسانی بدائع میں لکھتے ہیں: حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وصیت کا رکن ''ایجاب وقبول'' ہے، جیسے دوسرے عقود بیع، ہبہ وغیرہ میں ایجاب وقبول رکن ہے، چونکہ کسی انسان کی ملکیت اس کے اختیار سے قبول وسعی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی، بغیر قبول کے ثبوت ملک ضرر کا باعث ہے، بخلاف میراث ہے، چنانچہ میراث میں ملکیت شارع کی طرف سے جبراً ثابت ہوجاتی ہے، اس میں قبول کرنا شرط نہیں۔

قبول سے کیا مراد ہے؟...... یا تو قبول صراحۃً ہو مثلاً موصی لہ کہے ''قبلت'' میں نے قبول کیا ہے۔ یا قبول دلالۃً ہو جیسے مثلاً موصی کی موت کے بعد موصی لہ مرجائے اس نے وصیت رد کی ہو اور نہ قبول کی ہو۔ وصیت، موصی کے مرنے کے بعد قبول کی جاتی ہے، اگر

---

[1] ......رواہ الشیخان واصحاب السنن الا الترمذی ورواہ احمد فی مسندہ۔

موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ نے وصیت قبول کی تو وصیت کردہ چیز میں موصی لہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، خواہ موصی لہ نے چیز پر قبضہ کرلیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو۔

اگر موصی کی موت کے بعد موصی لہ بھی مرگیا اس نے وصیت قبول کی ہو اور نہ ہی رد کی ہو تو وصیت کردہ چیز موصی کے ورثہ کو منتقل ہو جائے گی، اگر موصی کی زندگی میں موصی لہ نے وصیت قبول کی یا رد کی تو یہ قبول ورد باطل ہے۔

علامہ کاسانی اور قدوری نے یہی لکھا ہے اور حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ وصیت موصی کے ارادہ سے ہو جاتی ہے۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۲۰ تا ۲۴ کے تحت حنفیہ کے مذہب پر صراحت کی گئی ہے، البتہ بعض احکام میں دوسرے فقہاء کے مذاہب بھی لئے گئے ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وصیت موصی لہ کے قبول سے لازم ہوتی ہے بشرط یہ کہ قبول موصی کے مرنے کے بعد ہو، یہ حنفیہ کی رائے ہے، معصوم بچے، نابالغ اور مجور علیہ کی طرف سے اس کا ولی (سرپرست) قبول کرے گا، جنین کا حکم شافعیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے اور مجور علیہ کا حکم مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے۔

نیک اور بھلائی کی جہات جیسے علمی اور دینی ادارے، مسافر خانے، ہسپتال وغیرہ کی طرف سے وہ شخص وصیت قبول کرے گا جو ان اداروں کی نمائندگی کررہا ہو اور وہ شرعاً اور قانوناً نمائندہ ہو۔ تاہم موصی لھم کا ''قبول'' معتبر نہیں ہوگا جیسے ہاسٹل میں موجود مدرسہ کے طلبہ یا ہسپتال کے مریض وصیت قبول نہیں کرسکتے، یہ قانونی شق شافعیہ اور امامیہ کے مذہب سے لی گئی ہے۔

دفعہ ۲۰ میں ہے اگر نیکی وبھلائی کی جہات کا کوئی نمائندہ نہ ہو جو قبول کرے تو وصیت بلا قبول لازم ہو جائے گی۔

دفعہ ۲۱ میں ہے: اگر موصی لہ قبول یا رد سے پہلے مرجائے تو اس کے ورثہ اس کے قائم مقام ہوں گے یہ شق شافعیہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

دفعہ ۲۳ میں ہے: لزوم وصیت میں قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا شرط نہیں، جو قبول کرلی جائے وہ لازم ہوگی اور جو رد کردی جائے وہ باطل ہوگی۔

یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

جمہور...... جمہور فقہاء کہتے ہیں وصیت کے چار ارکان ہیں۔ موصی (وصیت کنندہ) موصی لہ (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو محتاج) موصی بہ (وصیت کردہ چیز) اور صیغہ وصیت۔ صیغہ ایجاب سے منعقد ہوتا ہے اور ایجاب موصی کی طرف سے ہوتا ہے مثلاً موصی کا کہنا: میں نے اس چیز کی فلاں کے حق میں وصیت کردی، یا یہ چیز فلاں کو دے دو یا میرے مرنے کے بعد یہ چیز فلاں کو عطا کردو۔ قبول متعین موصی لہ کی طرف سے ہو۔ موصی کی زندگی میں وصیت کا قبول ورد صحیح نہیں۔ موصی کے مرنے کے فوراً بعد قبول شرط نہیں۔ اگر وصیت کی جہت عامہ ہو جیسے مسجد، یا غیر متعین فقراء تو وصیت بلا قبول لازم ہو جائے گی۔ چنانچہ سوریا کے قانون دفعہ ۲۲۵ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ غیر متعین کے حق میں کی گئی وصیت قبول کے محتاج نہیں اور نہ ہی کسی کے رد کرنے سے رد ہوتی ہے۔

انعقاد وصیت کی کیفیت اور عقد وصیت کا اثر..... شرعاً انعقاد وصیت کے تین طریقے ہیں۔ عبارت سے یا کتابت (لکھ کر) سے یا سمجھ آنے والے اشارہ سے۔ مصر وسوریا کے قانون میں اسی پر صراحت کی گئی ہے۔

عبارت...... اس کا حاصل یہ ہے کہ زبان سے صراحۃً اظہار کیا جائے اور صریح لفظ بولا جائے مثلاً یوں کہا جائے۔ ''میں نے

فلاں چیز کی فلاں شخص کے حق میں وصیت کردی، اگر لفظ غیر صریح ہوتو ضروری ہے کہ لفظ میں ایسا قرینہ موجود ہو جس سے وصیت سمجھ آتی ہو' مثلاً کہے: میں نے یہ چیز مرنے کے بعد فلاں شخص کی ملکیت میں دے دی۔ یا کہے: تم گواہ رہو میں نے اس چیز کی فلاں شخص کے حق میں وصیت کردی۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک موصی کی موت کے بعد قبول ہوگا۔ موصی کی زندگی میں قبول کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موصی لہ مرجائے تو اس کا وارث اس کے قائم مقام ہوگا۔ جب کہ حنفیہ کے نزدیک موصی کے مرنے سے قبل بھی وصیت کا قبول کرنا صحیح ہے۔

موصی لہ کا قبول تب صحیح ہوگا جب وہ عاقل اور بالغ ہو اگر وہ عاقل و بالغ نہ ہوتو اس کا ولی وصیت قبول کرے، اگر موصی لہ غیر متعین ہو جیسے مثلاً مسجد کے لئے وصیت کردی، فقراء ومساکین کے لئے وصیت کردی تو موصی کے مرنے سے وصیت لازم ہوجاوے گی۔ اس صورت میں قبول کی ضرورت نہیں۔

کتابت: (وصیت نامہ)...... اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ وصیت لکھنے سے بھی منعقد ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگر گونگے شخص نے ورق پر وصیت لکھ دی تو وہ معتبر ہوگی۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک لکنت والا شخص یا وہ شخص جو نطق پر قدرت نہ رکھتا ہو وہ بھی گونگے کے حکم میں ہے گویا اس کی لکھی ہوئی وصیت بھی منعقد ہوجائے گی، تاہم حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ لکنت دائمی ہو۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک لکنت والے کی لکھی ہوئی وصیت مطلقاً صحیح ہے جیسے گونگھے شخص کی وصیت صحیح ہے۔ اسی رائے کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

جو شخص نطق و گویائی پر قدرت رکھتا ہو وہ اگر وصیت نامہ لکھے اس کی وصیت بھی منعقد ہوجائے گی، بشرط یہ کہ ورثہ کے اقرار سے وصیت نامہ پائے ثبوت کو پہنچ جائے کہ یہ ان کے مورث کا لکھا ہوا وصیت نامہ ہے یا گواہوں کی گواہی ثبت ہوجائے اگر چہ اس میں عرصہ ہی کیوں نہ گزر جائے۔

حنابلہ کے نزدیک یہی راجح ہے، حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ سے وصیت نامہ تحریر کرے پھر گواہ بنائے، گواہوں سے یوں کہے: جو کچھ اس نوشتہ میں لکھا ہوا ہے اس کی گواہی دو۔ وصیت اس طرح جائز ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں...... وصیت کی تحریر دراصل کنایہ ہے، یعنی وصیت تحریر سے تب منعقد ہوگی جب تحریر کے ساتھ نیت بھی ہو، جیسے تحریر أبیع کے ساتھ نیت کا ہونا ضروری ہے، شافعیہ نے تحریر کے ثبوت کے لئے گواہی کا ہونا شرط قرار دیا ہے۔ اگر تحریر پر کسی کو اطلاع نہ ہوتو جو کچھ اس میں لکھا ہوگا۔ وہ منعقد نہیں ہوگا۔

صرف کتابت (تحریر) پر اکتفاء کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ مراد پوری پوری بیان کی جاسکتی ہے اس میں کمی کوتاہی نہیں رہتی بلکہ بوقت ضرورت تحریر زیادہ مؤثر اور قوی تر ہوتی ہے، تحریر سے کسی چیز کا اثبات بہتر طور پر ہوجاتا ہے۔ (۱)

سمجھانے والا اشارہ...... وصیت کے لئے اگر ایسا اشارہ کیا گیا جو سمجھ میں آتا ہو اور اشارہ کرنے والا گونگا شخص ہو یا اس کی زبان میں لکنت ہو، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ لکنت والا شخص نطق و گویائی کے وقت نطق کرنے سے مایوس ہوگیا ہو اور پھر اسی مایوسی کے عالم میں اس کی موت واقع ہوجائے، اگر نطق و گویائی سے مایوس شخص لکھنا جانتا ہوتو اس کی وصیت صرف تحریری طور پر منعقد ہوگی، چونکہ ایسے شخص کی تحریر کی مقصود و مطلوب پر دلالت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے، اسی شق کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک قوت گویائی رکھنے والے کے اشارہ (جو سمجھ میں آتا ہو) سے بھی وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔

خلاصہ......قوت گویائی رکھنے والے شخص کی وصیت عبارت (لفظ) تحریر سے منعقد ہو جاتی ہے بالکیہ کے نزدیک سمجھ میں آنے والے اشارہ سے بھی وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔ گونگے شخص کی وصیت عبارت اور تحریر سے منعقد ہوتی ہے اگر نطق وتحریر سے قاصر ہو تو اشارہ سے منعقد ہوتی ہے۔ اگر گونگا شخص لکھنا جانتا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی وصیت تحریر سے منعقد ہوگی۔ رہی بات قانون کی سو قانون میں یہ بات مقرر ہے کہ قوت گویائی رکھنے والے شخص کی وصیت یا عبارت سے منعقد ہوتی ہے یا تحریر سے، اشارہ سے اس کی وصیت منعقد نہیں ہوتی۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

رہی بات گونگے صاحب لکنت اور مریض جو قوت گویائی سے قاصر ہوئی سو یہ لوگ اگر لکھنا جانتے ہوں تو ان کی وصیت تحریری منعقد ہوگی، اگر تحریر نہ جانتے ہوں تو ان کی وصیت اشارے سے منعقد ہو جائے گی۔

قبول مطلوب......اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

پہلی رائے......یہ حنفیہ کی رائے ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قبول مطلوب عدم رد ہے۔ چنانچہ یا تو صریح قبول معتبر ہوتا ہے: جیسے موصی لہ کہے۔ میں نے وصیت قبول کر لی، میں اس سے راضی ہوں۔ یا قبول دلالۃً ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ موصی لہ وصیت کردہ چیز میں ایسا تصرف کردے جیسے اپنی ملکیت

میں تصرف کیا جاتا ہے۔ جیسے بیع، ہبہ اور اجارہ۔

وصیت قبول کرنے سے موصی لہ وصیت کردہ چیز کا مالک بن جاتا ہے البتہ ایک مسئلہ مستثنیٰ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موصی مرجائے پھر موصی لہ قبول کرنے سے قبل مرجائے چنانچہ وصیت کردہ چیز موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی چونکہ وصیت موصی کی طرف سے تمام ہو چکی اس کی طرف سے فسخ نہیں ہوئی۔ وصیت موصی لہ کے حق کی وجہ سے موقوف رہی جب وہ مرگیا تو اس کی ملک میں داخل ہوگئی، سوریا کے قانون دفعہ ۲۲۶ کے تحت عدم رد پر اکتفاء کرنے کے حوالہ سے حنفیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔

دوم......جمہور کی رائے ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قول کے ساتھ وصیت قبول کرنا ضروری ہے، یا کوئی ایسا تصرف کرنا ضروری ہے جو قول کے قائم مقام ہو اور رضامندی پر دلالت کرتا ہو، عدم رد کافی نہیں ہوگا، چونکہ عدم رد قبول مطلوب نہیں، مصری قانون دفعہ ۲۰ کے تحت اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

کیا قبول کے معاملہ میں قبول کا فوری طور پر ہونا ضروری ہے؟......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ متعین مدت میں قبول کا ہونا شرط نہیں۔ قبول ورد علی الفور ہونا شرط نہیں بلکہ قبول علی التراخی بھی صحیح ہے، چنانچہ موصی کی وفات کے بعد طویل مدت گزرنے پر بھی قبول درست ہے۔ قبول علی الفور تو ان معاملات میں شرط ہے جن میں ایجاب پر قبول کا مربوط ہونا ضروری ہوتا ہے جیسے بیع، وصیت ان معاملات میں سے نہیں ہے، لیکن شافعیہ کی رائے ہے کہ وارث موصی لہ سے وصیت کے قبول کرنے یا رد کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، شافعیہ کا مذہب معقولی ہے چونکہ اس میں وارث کے ضرر کا دفعیہ ہے۔

سوریا کے قانون میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ تیس دن کے اندر اندر وصیت کا قبول یا رد ہو جانا چاہئے تاکہ ورثہ کو انتظار نہ کرنا پڑے،

①......وصیت نامہ لکھنے سے پہلے مسنون خطبہ لکھنا مستحب ہے۔ تاہم اس کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں۔ وضاحت کے لئے دیکھئے غایۃ المنتہٰی (۳۴۸/۲)

اگر موصی لہ کی طرف سے قبول یا رد کی وضاحت نہ ہوئی تو اسے رد تصور کیا جائے گا۔ اور وصیت باطل ہو جائے گی بشرطیکہ موصی لہ کسی عذر میں مبتلا نہ ہو یہ قانونی شق شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

کچھ حصہ کا قبول اور کچھ حصہ کا رد...... اگر موصی لہ قبول ورد میں تجزی کرے یعنی وصیت کردہ چیز کے کچھ حصہ کو قبول کرلے اور کچھ حصہ کو رد کر دے جیسے مثلاً کسی شخص نے مکان اور زرعی وزمین کی وصیت کی موصی لہ نے مکان کی وصیت قبول کرلی اور زمین کی وصیت رد کر دی یا اس کے الٹ کیا، تو قبول کردہ حصہ کی وصیت نافذ ہو جائے گی، اور رد کردہ حصہ کی وصیت باطل ہو جائے گی، چونکہ موصی لہ اپنی مصلحت وبھلائی کو اچھی طرح جانتا ہے، اس تجزی میں دوسرے کا کوئی نقصان بھی نہیں چنانچہ جس حصہ کو وہ پسند کرتا ہے اس میں قبول کر لیا اور جس میں اسے رغبت نہیں اسے رد کر دیا، یعنی قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا لازمی نہیں۔

اگر ایک جماعت کے حق میں وصیت کی گئی ہو جن میں سے بعض لوگ وصیت قبول کرلیں اور بعض رد کر دیں تو اصحاب قبول کے حق میں وصیت نافذ ہو جائے گی اور اصحاب رد کے حق میں باطل ہو جائے گی۔

لیکن اگر موصی نے عدم تجزی کی شرط لگا رکھی ہو تو اس شرط پر عمل کرنا واجب ہے۔

- ان احکام کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

قبول یا رد سے رجوع کرنا...... اگر موصی لہ نے وصیت قبول کرلی ہو یا رد کر دی ہو تو قبول کے بعد وصیت کو رد کرنا یا رد کے بعد قبول کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ ورثہ اگر رجوع کی اجازت دیں تو جائز ہے، اگر سارے ورثہ موصی لہ کے رد کو قبول کرلیں یا کوئی ایک وارث قبول کرلے تو وصیت فسخ ہو جائے گی اور وصیت کردہ چیز ترکہ کی طرف لوٹ آئے گی۔ اگر ورثہ رد کا انکار کر دیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور وصیت نافذ رہے گی، قانون میں یہی اختیار کیا گیا ہے اور یہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے۔ کہ قبول کے بعد رد جائز ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں...... قبول یا قبضہ کے بعد وصیت رد کرنا صحیح نہیں، چونکہ بسا اوقات ملکیت قبول سے ثابت ہو جاتی ہے اور قبضہ سے استقرار پکڑتی ہے، لہٰذا قبول کے بعد رد صحیح نہیں، ہاں البتہ اگر ورثہ رد سے راضی ہوں تو صحیح ہے، اس صورت میں ورثہ کی طرف سے ابتداءً ہبہ ہوگا اور ہبہ کی شرائط لاگو ہوں گی۔

اگر رد قبول کے بعد اور وصیت کردہ چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے ہو تو اس صورت میں شافعیہ کے نزدیک دو وجہیں بنتی ہیں۔

اول...... یہ شافعیہ کی منصوص علیہ وجہ ہے کہ رد صحیح ہے چونکہ وصیت آدمی کی طرف سے تملیک ہے اور بلا بدل تملیک ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے رد صحیح ہے جیسے قبضہ سے پہلے وقف کا رد صحیح ہے۔

دوم...... حنابلہ کے نزدیک وصیت کردہ چیز اگر مکیلی یا موزونی ہو تو رد صحیح ہے، چونکہ مکیلی اور موزونی چیز پر حاصل ہونے والی ملکیت قبضہ سے پہلے مستحکم نہیں ہوتی لہٰذا یہ رد قبول سے پہلے رد کرنے کے مشابہ ہے، اگر رد کی مذکور بالا دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت ہو تو رد صحیح نہیں ہوگا، چونکہ جو بھی صورت ہوگی اس میں ملکیت مستحکم ہو چکی ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے وصیت کردہ چیز پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر رد کی جائے۔

ایک ضابطہ...... ہر وہ مقام جہاں رد صحیح ہو تو وصیت باطل ہو جاتی ہے اور ترکہ کا حصہ بن جاتی ہے اور اس میں سبھی ورثہ شریک ہوتے ہیں چونکہ اصل یہ ہے کہ ترکہ میں ورثہ کا حکم ثابت ہو۔

قبول کے بعد رد صحیح نہ ہونے کا قول جو کہ شافعیہ اور حنابلہ کا ہے راجح ہے، اگر چہ قبضہ کی صورت نہ پائی جاتی ہو ہاں البتہ یہ ابتداءً تبرع ہوگا اس لئے تبرعات کا حکم لے گا چونکہ موصی کی طرف سے موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوئی ہے، ورثہ کی طرف سے ملکیت ثابت نہیں ہوئی، بایں ہمہ حنفیہ کی رائے کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

موصی لہ وصیت رد کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے: میں نے وصیت رد کردی یا کہے۔ ''میں اس وصیت کو قبول نہیں کرتا'' یا اس جیسے الفاظ بول دے۔ ❶

قبول یا رد کا اختیار کس کو حاصل ہوتا ہے؟: (ا)..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ کامل اہلیت کا حامل ہو اور سمجھدار (رشید) ہو تو وصیت رد کرنے یا قبول کرنے کا اختیار اسی کو حاصل ہوگا، چونکہ موصی لہ کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے لہٰذا اسے اپنے تصرفات کا اختیار بھی حاصل ہوگا۔

(ب)..... فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ عدیم الاہلیت ہو یعنی مجنون ہو یا بچہ ہو یا فاتر العقل ہو تو اس کا قبول یا رد صحیح نہیں ہوتا چونکہ عدیم الاہلیت کی عبارت اور قول لغو ہوتا ہے بلکہ عدیم الاہلیت کی طرف سے اس کا ولی (سرپرست) وصیت قبول کرے یا رد کرے۔

(ج)..... اس امر پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ غیر متعین ہو وہ قبول ورد کا محتاج نہیں بلکہ وصیت تو محض ایجاب سے لازم ہو جائے گی، سوریا کے قانون دفعہ ۲۲۵ کے تحت اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جب کہ مصر کے قانون دفعہ ۲۰ کے تحت مختلف اداروں کی طرف سے قبول ورد کا اختیار اس شخص کو دیا گیا ہے جو قانونی طور پر ان اداروں کا نمائندہ ہو۔ اگر کوئی مستقل نمائندہ نہ ہو۔

(د)..... البتہ ناقص الاہلیت شخص یعنی غیر ممیز بچے یا مجور علیہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں..... ناقص الاہلیت وصیت قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے چونکہ وصیت ہبہ کی طرح محض نفع ہے، البتہ اسے رد کا اختیار نہیں چونکہ رد اس کے حق میں ضرر محض ہے۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں..... ناقص الاہلیت (غیر ممیز، بچہ، مجور علیہ) قبول ورد کا اختیار نہیں رکھتا یہ اختیار اس کے ولی کو حاصل ہوگا۔

وصیت کے قبول یا رد سے قبل ہی موصی لہ کا مر جانا..... اگر وصیت نہ قبول کی گئی تھی اور نہ ہی رد کی گئی تھی کہ موصی لہ کی موت واقع ہوگئی تو حنفیہ کے نزدیک استحساناً وصیت صحیح ہے چونکہ موصی لہ کی موت دلالۃً قبول کے معنی میں ہے، نیز وصیت میں یہ شرط ہے کہ وصیت رد نہ کی گئی ہو جب رد نہیں تو قبول کی گئی ہے، چنانچہ وصیت کردہ چیز موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

موصی لہ کے بعد وصیت کے قبول ورد کا حق اس کا ورثہ کو منتقل ہو جائے گا، یہ جمہور کے نزدیک ہے ❷ چنانچہ ورثہ میں سے جس نے بھی قبول یا رد کیا اسی کا اس پر حکم لاگو ہوگا، چونکہ وصیت ایسا حق ہے جو مورث کے لئے ثابت ہے اس کے بعد وارث کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جس شخص نے کوئی حق چھوڑا یا مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کا ہوگا۔''

---

❶..... الكتاب مع اللباب ۱۷۰/۴، الشرح الكبير مع الدسوقي ۴۲۴/۴، مغني المحتاج ۵۴/۳۔ ❷المغني ۲۳/۶، غاية المنتهى ۲۵۲/۲۔

وصیت کردہ چیز میں کس وقت موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوتی ہے؟......وصیت کا حکم یعنی کسی چیز پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ وصیت قبول کرنے کے بعد اور موصی کے مرجانے کے بعد وصیت کردہ چیز کی ملکیت موصی لہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، بالاتفاق اس حکم کے تحت وصیت لازم ہو جاتی ہے۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر موصی نے وصیت کردہ چیز کی ملکیت کی کوئی خاص مدت مقرر کردی ہو جیسے مہینے کے ابتدائی ایام تو ملکیت کی ابتداء اسی مدت سے ہوگی چونکہ موصی کی شرط کی رعایت کی جائے گی بشرط یہ کہ وہ شرط مقاصد شریعت کے مخالف نہ ہو، البتہ اگر موصی نے ملکیت کی ابتداء کا وقت مقرر نہ کیا ہو تو پھر اگر موصی لہ نے موصی کی وفات کے فوراً بعد وصیت قبول کی تو موصی کی وفات کے بعد براہ راست موصی لہ وصیت کا مالک بن جائے گا، اگر موصی لہ نے تاخیر سے وصیت قبول کی تو پھر ثبوت ملکیت کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

۱۔ حنفیہ...... یہ حنفیہ وشافعیہ کی رائے ہے اور مالکیہ کا بھی مشہور مذہب یہی ہے، ❶ اس کا حاصل یہ ہے کہ: وصیت صحیح ہونے کے لئے قبول شرط نہیں۔ بلکہ موصی لہ کے لئے ملکیت کا ثابت ہونا شرط ہے، چنانچہ موصی لہ کا قبول کرنا موصی لہ کی ملکیت کے حق میں ہے یہاں تک کہ موصی لہ قبول سے پہلے وصیت کا مالک نہیں بنتا۔

جب موصی لہ وصیت قبول کرلے تو موصی کی تاریخ وفات سے اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، اگر موصی کی موت کے بعد موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وصیت قبول پر موقوف رہے گی، وارث کی ملکیت میں نہیں جائے گی اور نہ ہی موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہوگی، یہاں تک کہ موصی لہ قبول کرلے یا بلا قبول ورد مر جائے۔

شافعیہ کا بھی ظاہری یہی موقف ہے کہ موصی لہ کی ملکیت موقوف رہے گی، اگر موصی لہ نے وصیت قبول کرلی تو وہ موصی کی موت پر مالک بن جائے گا اگر موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وصیت وارث کو مل جائے گی، تو یہاں شافعیہ کا موقف بھی حنفیہ جیسا ہے کہ ملکیت کی ابتداء موصی کی وفات کے وقت سے ہوگی لیکن ملک کا ثبوت قبول کرنے سے ہوتا ہے۔ ❷

مالکیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے ❸ چونکہ مالکیہ نے دو چیزوں کی رعایت رکھی ہے۔

یہ کہ ملکیت قبول کرنے کے وقت سے ثابت ہوتی ہے اور موت کے وقت سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قبول کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موصی لہ وصیت کردہ چیز کا مالک موصی کی موت کے وقت بن گیا تھا۔

بعض مالکیہ اور حنابلہ کی رائے...... ❹ موصی لہ وصیت کردہ چیز کا مالک قبول سے ہوتا ہے، بشرط یہ کہ وصیت کسی متعین شخص کے حق میں ہو، نیز قبول سبب ہے اور حکم سبب پر مقدم نہیں ہوتا، لہٰذا معلوم ہوا کہ ملکیت قبول سے ثابت ہوتی ہے۔

میرے نزدیک پہلی رائے راجح ہے چنانچہ ملکیت وقت وفات سے ثابت ہوگی چونکہ موصی نے اپنی وصیت سے اسی کا قصد کیا ہوتا ہے، سوریا کے قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ ❺

ثمرۂ اختلاف......ثمرۂ اختلاف غلہ اور پیداوار میں ظاہر ہوگا، چنانچہ موصی کی وفات اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے کے درمیان جو

---

❶...... البدائع ۳۲۲/۷، الدر المختار ورد المحتار ۴۶۰/۵، تکملة فتح القدیر کا حاشیة العنایة ۴۳۰/۸، حاشیة الشبلی علی الزیلعی ۱۸۴/۶، الکتاب مع اللباب ۱۷۰/۴۔ ❷ مغنی المحتاج ۵۴/۳۔ ❸ الشرح الصغیر ۵۸۲/۴، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴۲۴/۴۔ ❹ المغنی ۲۵/۶، کشاف القناع ۳۸۱/۴۔ ❺ الفقرة الشافعیه من الماده ۲۵ من القانون المصری والفقرة الاولیٰ من المادة ۲۵۴ من القانون السوری۔

عرصہ گزرا اس عرصہ میں وصیت کردہ چیز کی پیداوار اور غلہ جیسے جانور نے بچہ جنم دیا، باغ پر پھل آ گیا، گھر کا کرایہ، بھیڑ کی اون وغیرہ ایسے اضافات جو منفصل ہوں، جب کہ متصل اضافہ بالاتفاق موصی لہ کا ہوگا جیسے فربہی۔

چنانچہ پہلی رائے کے مطابق وہ اضافات جو موصی کی موت کے بعد اور موصی لہ کے قبول سے پہلے حاصل ہوں وہ موصی کے ورثہ کی ملکیت ہوں گے، اس عرصہ کا خرچہ جو وصیت کردہ چیز کا ہوگا ورثہ پر پڑے گا، لیکن یہ رائے رکھنے والوں کا پھر آپس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حاصل شدہ اضافات ثلث میں سے ہوں گے یا نہیں؟ حنفیہ کہتے ہیں: یہ اضافات اصل وصیت میں سے ہوں گے لہٰذا شرط یہ ہے کہ اصل وصیت اور اضافات دونوں ملا کر تہائی ترکہ سے زائد نہ ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں...... یہ پیداوار اصل وصیت کردہ چیز سے زائد اور الگ ہیں، لہٰذا مشروط تہائی حصہ میں اضافات داخل نہیں ہوں گے، چنانچہ حاصل شدہ پیداوار موصی لہ کی ملکیت ہوگی، یہ رائے راجح ہے چونکہ پیداوار تو موصی لہ کی ملکیت میں پیدا ہوئی ہے لہٰذا موصی لہ کو سپرد کی جائے گی، قانون میں بھی اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

کسی شرط پر وصیت معلق کرنا...... واضح رہے حالت حیات میں وصیت کا نفاذ نہیں ہوتا کیونکہ وصیت ایسا عقد ہے جس کی اضافت (نسبت) موت کی طرف ہوتی ہے، گویا ہر عقد فوراً نافذ ہو جاتا ہے سوائے وصیت کے وہ موت کے بعد نافذ ہوتی ہے۔

مصر اور سوریا کے قانون میں صراحت کی گئی ہے کہ وصیت کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ اور اسے کسی شرط کے ساتھ بھی مقید کرنا درست ہے۔ البتہ شرط کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

وصیت کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا...... یہ صحیح ہے، مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کے حق میں مکان کی وصیت کرتا ہے کہ بعد از وفات یہ مکان اسے فلاں مہینے کی ابتدا میں دے دیا جائے، چونکہ وصیت زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

شرط صحیح کے ساتھ وصیت کو مقید کرنا...... بھی صحیح ہے یعنی وصیت کے نفاذ کو شرط صحیح کے ساتھ مقید کیا گیا ہو، شرط کا صحیح ہونا ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے کے مطابق ہے اور اسی رائے کو قانونی حیثیت بھی حاصل ہے، شرط صحیح سے مراد یہ ہے کہ اس شرط میں موصی (وصیت کنندہ) یا موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہو) یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے لئے مصلحت اور بھلائی ہو وہ شرط شرعاً ممنوع نہ ہو اور مقاصد شریعت کے خلاف نہ ہو، ❶ یہ رائے حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے، حنفیہ کے ہاں شرط صحیح کی دو قیدیں ہیں:

۱...... وہ شرط مصلحت انگیز ہو۔

۲...... شرعاً ممنوع نہ ہو اور نہ ہی مقاصد شریعت کے منافی ہو۔

موصی کی مصلحت کی مثال...... مثلاً زید نے خالد کو اس شرط پر وصیت کی کہ وہ حکومتی ٹیکسز ادا کرے گا، یا وہ زید کی نابالغ اولاد کی نگرانی کرے گا، وغیرہا۔[۱]

موصی لہ کی مصلحت کی مثال...... مثلاً زید نے خالد کو زمین کی وصیت کی اور یہ شرط لگا دی کہ زمین کی درستی کے اخراجات موصی یعنی زید کے ترکے سے ادا کئے جائیں یا یہ شرط لگا دی کہ انتقال اراضی کے دفتری اخراجات موصی (زید) کے ترکہ میں سے ہوں گے۔

---

❶...... دفعہ ۴، ۱، و دفعہ ۲۱۰ ف ۱۔۲۔

دونوں کے علاوہ کسی اور کی مصلحت کی مثال...... جیسے مثلاً زید نے خالد کے لئے مکان کی وصیت کر دی اور ساتھ یہ شرط لگائی کہ خالد، زید کے پڑوسی کی زمین سیراب کرے گا۔

اگر شرعاً شرط صحیح نہ ہو تو شرط لغو ہو جائے گی تاہم وصیت صحیح رہے گی، جیسے مثلاً کسی شخص نے دوسرے کے حق میں مال کی وصیت کی اور ساتھ یہ شرط لگا دی کہ موصی لہ شادی نہیں کرے گا، یہ شرط مقاصد شریعت کے متصادم ہے۔ اسی طرح اگر شرط شرعاً ممنوع ہو تو بطریق اولیٰ شرط لغو ہو جائے گی۔ جیسے مثلاً ایک شخص نے کچھ رقم کی وصیت کر دی اور ساتھ موصی لہ کے لئے یہ شرط لگا دی کہ اس رقم کا اتنا حصہ شراب پلانے میں لگایا جائے۔

رہی بات کسی شرط پر وصیت کو معلق کرنے کی سو عرصہ حیات میں وصیت کو کسی شرط پر معلق کرنا جائز ہے ❶ جیسے طلاق کو معلق کرنا جائز ہے، کیونکہ موت کے بعد وصیت کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے حیات میں، اور جب زندگی میں کسی شرط پر وصیت کو معلق کرنا جائز ہے جب یہ جائز ہے تو بعد الموت بھی جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وصیت ان عقود (معاملات) میں سے ہے جنہیں کسی شرط پر معلق کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ ❷

دوسری بحث...... وصیت کی شرائط

وصیت کی مختلف شرائط ہیں جن پر وصیت کا صحیح ہونا موقوف ہے، ان شرائط کو شرائط صحت کہا جاتا ہے، کچھ شرائط ایسی ہیں جن پر وصیت کا نفاذ اور آثار کا مرتب ہونا موقوف ہوتا ہے، ان شرائط کو شرائط نفاذ کہا جاتا ہے۔ یہ شرائط یا تو موصی میں ہوں گی یا موصی لہ میں یا موصی بہ (وہ چیز جس کی وصیت کی گئی ہو جیسے گھر زمین وغیرہ) میں ان شرائط کو تین مقاصد میں بیان کروں گا۔

پہلا مقصد: موصی (وصیت کنندہ) کی شرائط...... موصی کے متعلق دو طرح کی شرائط ہیں۔ شرائط صحت اور شرائط نفاذ۔

شرائطِ صحت...... وصیت کنندہ کے متعلق درج ذیل شرائط ہیں۔ ❸

ا...... یہ کہ موصی (وصیت کنندہ) تبرع کی اہلیت رکھتا ہو، اہلیت سے مراد ہے کہ وہ مکلّف یعنی عاقل و بالغ ہو، آزاد ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر۔

بالاتفاق عقل کو شرط قرار دیا گیا ہے چنانچہ مجنون، معتوہ اور بے ہوش کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں، چونکہ ان لوگوں کی عبارات وتعبیرات لغو ہوتی ہیں ان پر حکم نہیں لگایا جاتا، اسی طرح حریت یعنی وصیت کنندہ کے آزاد ہونے کی شرط پر بھی اتفاق کیا گیا ہے، چنانچہ غلام کی وصیت درست نہیں ہوتی چونکہ وہ تبرع کی اہلیت نہیں رکھتا، نیز غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود کسی کی ملکیت میں ہوتا ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے بلوغ کی شرط پر بھی اتفاق کیا ہے، چنانچہ ممیّز وغیر ممیّز بچے کی وصیت درست نہیں، چونکہ وصیت ایسے تصرفات میں سے ہے جن میں محض ضرر اور نقصان ہوتا ہے جب کہ وصیت تو تبرع ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ نے ممیّز بچے کی وصیت جائز قرار دی ہے، ممیّز بچہ وہ ہوتا ہے جس کی عمر دس سال کے لگ بھگ ہو، جب کہ غیر ممیّز کی وصیت صحیح نہیں، جیسے کہ اسلام اور نماز ممیّز بچے کی صحیح ہوتی ہے۔

---

❶...... المادة ۴، قانون الوصية المصرى. ❷ المهذب ۱/۴۵۲، غاية المنتهىٰ ۲/۳۴۸، المغنى ۲۸/۶، رد المحتار ۵/۴۷۱۔

❸ البدائع ۷/۳۳۴، تبيين الحقائق ۶/۱۸۵، تكملة فتح القدير ۸/۴۲۹، الدر المختار ۵/۴۵۹، القوانين الفقهية ص ۴۰۵ الشرح الصغير ۴/۵۸۰، شرح الرسالة ۲/۱۶۹، مغنى المحتاج ۳/۲۹، بداية المجتهد ۲/۳۲۸۔

جیسا کہ حنفیہ نے ممیّز (جس کی عمر سات سال ہو چکی ہو) کی وصیت کو جائز قرار دیا ہے جب کہ مال اس کی تجہیز وتکفین کے لئے موجود ہو۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ غسان کے ایک بچے کی وصیت جائز قرار دی اس بچے کی عمر دس سال تھی اس نے اپنے ماموؤں کے حق میں وصیت کی تھی، نیز بچے کی وصیت جائز ہونے میں بچے کا کوئی ضرر نہیں، کیونکہ عرصۂ حیات میں مال اس کی ملکیت میں رہے گا اور وہ وصیت سے رجوع بھی کر سکتا ہے، اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

سفیہ (بے وقوف) ہونے کی وجہ سے جس شخص پر حجر (پابندی) لگائی گئی ہو بالاتفاق اس کی وصیت جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: مجور علیہ کی وصیت جائز ہے، بشرط یہ کہ اس نے خیر وبھلائی کے مواقع کے لئے وصیت کی ہو اور اگر مجور علیہ نے خیر وبھلائی کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے وصیت کی تو وصیت ناجائز ہوگی۔

مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کہ مجور علیہ سفیہ اور بچے کی وصیت صحیح ہے کیونکہ ان پر پابندی ان کے ذاتی حق کی وجہ سے ہوتی ہے اگر انہیں وصیت سے روک دیا جائے تو پھر پابندی غیر کے حق کی وجہ سے ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک مجور علیہ پر پابندی ہے اگر بے وقوفی یا صغر سنی کی وجہ سے لائی گئی ہو تو مجور علیہ کی وصیت صحیح ہوگی اور اگر افلاس کی وجہ سے پابندی لگائی گئی ہو تو قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر وصیت صحیح نہیں ہوگی۔

حنابلہ کے نزدیک بھی مجور علیہ سفیہ کی وصیت درست ہے کیونکہ اس پر پابندی حفاظت مال کی وجہ سے لگائی جاتی ہے اور وصیت میں مال کا ضیاع نہیں ہوتا۔

نشے میں دھت انسان کی وصیت...... جمہور کے نزدیک اس کی وصیت درست نہیں چونکہ نشے میں مست انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہے جیسے مجنون کی عقل زائل ہو جاتی ہے۔ شافعیہ نے ایسے مست کی وصیت جائز قرار دی ہے جس کی مستی معصیت کا ذریعہ بن گئی ہو۔

بالاتفاق کافر کی وصیت درست ہے خواہ کافر حربی ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ وصیت صحیح ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں ہے ہاں البتہ اگر کافر نے شراب اور خنزیر کی وصیت مسلمان کے حق میں کر دی ہو تو یہ وصیت باطل ہوگی۔

موصی میں یہ شرط لگانے کی ضرورت نہیں کہ وہ وصیت کردہ چیز کا مالک بھی ہو کیونکہ یہ شرط اہلیت تبرع کی شرط میں داخل ہے۔

۲...... یہ کہ موصی اپنے اختیار اور رضا مندی سے وصیت کر رہا ہو کیونکہ وصیت ایجاب ملک ہے جیسے بیع وہبہ ایجاب ملک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہنسی مذاق کرنے والے کی وصیت، مکرہ کی وصیت اور مخطی کی وصیت درست نہیں ہوتی، کیونکہ ان عوارض سے رضا فوت ہو جاتی ہے جب کہ تملیکات کے عقود میں رضا کا ہونا ضروری ہے۔

موصی کے متعلق نفاذ وصیت کی شرط...... یہ کہ موصی مدیون (مقروض) نہ ہو بایں طور کہ اس پر اتنا قرضہ ہو جو اس کے ترکہ کا احاطہ کیے ہو کیونکہ بالاجماع وصیت کے نفاذ سے پہلے دیون ادا کرنا ضروری ہے۔

جب کہ مال کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اور وہ غیر قرض دہندہ ہے گویا اس حالت میں وصیت صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر صاحب حق اجازت دے دے تو وصیت نافذ ہو جائے گی۔

قانون میں نفاذ وصیت کی شرط، موصی میں اہلیت تبرع ہونے کی شرط رکھی گئی ہے۔ قانوناً مجنون، معتوہ اور بچہ وصیت نہیں کر سکتا، حنفیہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔ [1]

---

[1]...... دفعہ ۳۸، از مصری قانون، دفعہ ۲۱۱۔

دوسرا مقصد: موصی لہ کی شرائط...... موصی لہ کی بھی دوطرح کی شرائط ہیں شرائط صحت اور شرائط نفاذ۔ [1]

شرائط صحت :۱...... یہ کہ موصی لہ موجود ہو حاضر ہو۔

۲...... متعین شخص ہو۔

۳...... مالک بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۴...... مالکیہ کے نزدیک موصی لہ حربی نہ ہو اور حنفیہ کے نزدیک دارالحرب میں حربی نہ ہو۔ اور شافعیہ کے نزدیک اہل حرب (دشمن مثلاً ہندو کافر) کے حق میں اسلحہ کی وصیت نہ ہو۔

یوں اس طرح کل ملا کر موصی لہ کی چھ شرائط ہوئیں۔

وصیت مقام معصیت میں...... یہ کہ موصی لہ کسی معصیت میں معروف نہ ہو۔

بشرط یہ کہ موصی مسلمان ہو، اگر وصیت کار بد یا معصیت کے لئے کی گئی ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی جیسے محفل ناؤونوش، جوئے کی محفل، قبروں پر قبے بنانے، مردوں پر نوحہ کرنے، کنیسہ کی عمارت بنانے، تورات وانجیل کی چھپوائی، سحر و جادو کی کتابوں کی چھپوائی وطباعت، گمراہی وفضول وممنوع لٹریچر، آلات لہو ولعب کے لئے وصیت کردی، توان سب صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ وصیت صلہ رحمی اور قرابتداری کے طور پر مشروع ہوئی ہے، وصیت کا مقام معصیت میں ہونا کسی طرح درست نہیں، اگر مقام معصیت میں وصیت کردی گئی تو وہ باطل ہوگی، کیونکہ یہ وصیت شرعاً حرام ہے۔

اگر وصیت فی ذاتہ شرعاً مباح ہو لیکن اس کا باعث حرام ہو جیسے مثلاً کسی شخص نے اہل فسق کے حق میں وصیت کردی تا کہ وہ مال وصیت سے اپنے فسق میں مدد لے سکیں تو اس وصیت کے جائز و ناجائز ہونے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کی رائے...... ہے کہ یہ وصیت صحیح ہے، ان کی دلیل عقد وصیت کے ظاہر سے ہے، چنانچہ لفظ وصیت کسی حرام امر پر مشتمل نہیں، رہی بات قصد ونیت کی سو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

مالکیہ وحنابلہ...... کی رائے ہے کہ اس طرح کی وصیتیں باطل ہوتی ہیں، کیونکہ قصد ونیت کے ساتھ طے ہونے والے عقود کا دارومدار نیت پر ہے، جب کہ صورت مذکورہ میں باعث مقاصد شریعت کے منافی ہے لہٰذا وصیت باطل ہوگی، قانون میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

معدوم کے حق میں وصیت...... شرط یہ ہے کہ وصیت کے وقت موصی لہ تحقیقاً موجود ہو وہ نہیں تو تقدیراً موجود ہو۔ تحقیقاً موجود ہونے کا معنی ہے موصی لہ موصی کے روبرو حاضر ہو اور تقدیراً کا معنی ہے کہ موصی لہ زندہ ہو لیکن فی الوقت کہیں غائب ہو۔ اگر موصی لہ موجود نہیں ہے تو وصیت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ معدوم کے حق میں وصیت صحیح نہیں ہوتی، چونکہ وصیت تملیک ہے اور معدوم کے لئے تملیک جائز نہیں، چنانچہ جمہور کے نزدیک میت کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں...... اگر موصی کو موصی لہ کے میت ہونے کا علم ہو تو وصیت جائز ہے چنانچہ وصیت میت

---

[1] ......البدائع ۳۳۵/۷، الدر المختار ۴۵۹/۵، الشرح الكبير ۴۲۳/۴، بداية المجتهد ۳۲۸/۲، مغنی المحتاج ۴۰/۳، المهذب ۴۵۱/۱، غاية المنتهى ۳۵۶/۲، المغنی ۵/۶.

کے ورثہ کے لئے ہوگی، حمل کے لئے وصیت کرنا جائز ہے چونکہ وہ تقدیراً موجود ہوتا ہے۔

حمل کی وصیت اور حمل کے حق میں وصیت...... اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی جانور کے پیٹ میں حمل ہو اس کی وصیت کسی دوسرے انسان کے حق میں جائز ہے چونکہ غرر اور خطر صحت وصیت کے مانع نہیں، اگر حمل گر گیا زندہ نہ رہا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

کسی عورت کے پیٹ میں موجود حمل کے حق میں بھی وصیت جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، کیونکہ وصیت میراث کی مانند ہے اور حمل وارث بن سکتا ہے، لہٰذا اس کے حق میں وصیت جائز ہے، اگر حمل مردہ حالت میں پیدا ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ مردہ وارث نہیں بنتا اور اگر حمل زندہ پیدا ہو تو وصیت درست ہو جائے گی چنانچہ فقہاء کی بیان کردہ فقہی عبارت **"الوصية بالحمل وللحمل جائزة"** کا یہی مطلب ہے۔

چنانچہ علامہ زیلعی، شلبی، صاحب درمختار، صاحب ھدایہ نے یہی تصریح کی ہے۔

تاہم اس میں شرط ہے کہ حمل مدت حمل کے اندر اندر پیدا ہو۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

یہ حنفیہ کا موقف ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں حمل کے حق میں وصیت کرنا درست ہے اگر زندہ حالت میں پیدا ہوا تو وصیت نافذ ہو جائے گی، نیز بوقت وصیت حمل کے موجود ہونے کا علم بھی ضروری ہے۔

تاہم اگر عورت کا خاوند موجود ہو تو چھ ماہ کے اندر پیدا ہو کیونکہ بظاہر وصیت کے وقت حمل تھا تبھی اس کے حق میں وصیت ہوئی، جانور کے حمل، درختوں کے پھل اور فضا میں اڑتے پرندوں کی وصیت درست ہے، تھنوں میں پڑے دودھ اور اون کی وصیت بھی درست ہے، کیونکہ موصی لہ وارث کے حکم میں ہے اور وارث میت کی املاک کا مالک بن جاتا ہے۔

حنابلہ...... حمل کی وصیت کرنا درست ہے بشرطیکہ حمل موصی کی ملکیت میں ہو، اسی طرح کسی عورت کے پیٹ میں پڑے حمل کے حق میں بھی وصیت درست ہے۔ بشرطیکہ حمل چھ ماہ سے کم مدت میں زندہ پیدا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کا اس میں اتفاق ہے کہ اگر عورت مطلقہ ہو اور اس کے حمل کے حق میں وصیت کر دی گئی ہو اور اگر اس نے بعد از فرقت چار سال سے زائد عرصہ میں اس حمل کو جنم دیا یا وصیت کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دیا تو وصیت درست نہیں ہوگی، اور اگر اس سے کم مدت میں جنم دیا تو وصیت درست ہوگی، چونکہ جب حمل چھ ماہ کا ہوتا ہے اس کے وجود کا علم ہو جاتا ہے اور جب وہ فرقت سے چار سال سے کم عرصہ میں پیدا ہو جائے تو اس کے وجود کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: موصی لہ کے حق میں وصیت صحیح ہے، برابر ہے کہ وصیت کے وقت موصی لہ موجود ہو یا وہ حمل کی صورت میں ہو، لیکن مالکیہ کے ایک قول کے مطابق حمل وصیت کردہ چیز کی آمدنی و پیداوار کا مالک نہیں ہوگا وہ اس کا تبھی مالک بنے گا جب پیدا ہو جائے۔ گویا پیداوار اور آمدن موصی کے وارث کے لئے ہوگی۔

دوسرے قول کے مطابق آمدنی موقوف رہے گی تاوقتیکہ جب حمل پیدا ہوا اسے سپرد کی جائے گی۔ جیسے موصی بہ چیز سپرد کی جاتی ہے۔

میت کے حق میں وصیت کرنا درست ہے اور وصیت کردہ چیز میت کے دیون و قرضہ جات کی ادائیگی میں صرف کی جائے گی اگر میت کے ذمہ قرضہ نہ ہو تو اس کا وارث وصیت کردہ چیز کا مالک بن جائے گا اور اگر میت کا کوئی وارث بھی نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس چیز پر بیت المال قبضہ نہیں کر سکتا، اگر کسی شخص نے میت کے حق میں وصیت کی حالانکہ وہ اسے زندہ خیال کرتا ہو تو بالاتفاق وصیت

باطل ہوگی۔
مالکیہ کے نزدیک بوقت وصیت حمل کا موجود ہونا شرط نہیں جب کہ جمہور کے نزدیک شرط ہے، حالانکہ مالکیہ کے نزدیک متوقع حمل کے لئے بھی وصیت کرنا درست ہے۔

قانون..... مصری قانون میں وصیت کے لئے یہ شرط ہے کہ اگر موصی لہ متعین ہو تو وہ موجود ہو، یہ جمہور کی رائے کے موافق ہے اور اگر موصی لہ موجود نہ ہو جیسے طلبہ علم تو اس صورت میں موصی لہ کا بوقت وصیت موجود ہونا شرط نہیں، یہ شق مالکیہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔
سوریا کے قانون میں دفعہ ۲۱۲ کے تحت یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وصیت کے وقت اور موصی (وصیت کنندہ) کی موت کے وقت موصی لہ موجود ہو، بشرطیکہ موصی لہ متعین ہو، جب کہ مصری قانون میں دفعہ ۲۳۶ کے تحت درج ذیل امور پر تصریح کی گئی ہے۔
۱..... حمل کے حق میں وصیت درج ذیل امور کے ساتھ درست ہے۔
الف..... اگر موصی بوقت وصیت حمل کے موجود ہونے کا اقرار کرتا ہو تو شرط ہے کہ حمل ایک (شمسی) سال کے اندر اندر پیدا ہو۔
ب..... اگر حمل والی عورت وفات یا طلاق بائنہ کی مدت میں ہو تو بھی شرط ہے کہ حمل ایک سال کے اندر اندر پیدا ہو۔
ج..... اگر وصیت کنندہ حمل کا اقرار نہ کرتا ہو اور نہ ہی حمل والی عورت عدت میں ہو تو شرط ہے کہ وصیت کے بعد حمل نو ماہ سے کم عرصہ میں پیدا ہو۔
د..... اگر وصیت ایسے حمل کے حق میں ہو جو کسی معین شخص کے نطفہ سے ہو تو شرط یہ ہے کہ حمل کا نسب اس شخص سے ثابت ہو۔
۲..... حمل کے لئے وصیت کردہ چیز کی آمدنی اور پیداوار موقوف رہے گی تاوقتیکہ حمل پیدا ہو جائے۔ دفعہ ۲۱۴ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

مجہول کے حق میں وصیت..... یہ کہ موصی لہ معلوم و متعین ہو مجہول نہ ہو، یعنی ایسی جہالت نہ ہو جس کا خاتمہ نہ کیا جاسکتا ہو، کیونکہ جہالت کے ہوتے ہوئے وصیت کردہ چیز موصی لہ کو سپرد نہیں کی جاسکتی، تاہم اس وصیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، نیز وصیت موت کے وقت کی تملیک ہوتی ہے لہٰذا موصی لہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔
چنانچہ اگر ایک شخص نے خالد کے حق میں ایک تہائی مال کی وصیت کی یا مسلمانوں کی ایک جماعت کے حق میں وصیت کی اور اس جماعت کے اوصاف نہیں بیان کئے جیسے مسلمان فقراء تو یہ وصیت حنفیہ کے نزدیک باطل ہوگی کیونکہ موصی لہ متعین نہیں۔ ایسے وصیت کردہ چیز سپرد نہیں کی جاسکتی۔
البتہ اگر ایک جماعت کے حق میں وصیت کی اور الفاظ سے ان کا حاجت مند ہونا ظاہر ہوتا ہو تو حنفیہ کے نزدیک وصیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ صدقہ کی وصیت ہے اور صدقہ اللہ کی راہ میں مال نکالنے کو کہا جاتا ہے، اور اللہ ایک اور متعین ہے، لہٰذا وصیت کردہ چیز اللہ کے لئے ہوگی، پھر جو لوگ اس چیز کے محتاج ہوں گے اس کے مالک بن جائیں گے۔
مصر اور سوریا کے قانون میں اس شرط کو اختیار کیا گیا ہے یعنی، موصی لہ متعین ہو ہاں البتہ اگر وصیت بے شمار لوگوں کے حق میں کی ہو جیسے مثلاً اہل دمشق یا اہل قاہرہ کے لئے وصیت کردی ہو، یہ حنفیہ کے مذہب کے برخلاف ہے، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔
جب کہ شافعیہ کا مذہب حنفیہ کی طرح ہے کہ موصی لہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔
سوریا کے قانون میں دفعہ ۲۱۳ کے تحت درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱.....اگر وصیت میں موصی لہ کی تعیین نہ کی گئی ہو تو وہ وصیت رضائے الٰہی اور خیر و بھلائی میں صرف کی جائے گی۔

۲.....جو وصیت عبادت گاہوں، خیراتی اداروں، علمی اداروں اور دوسرے مصالح عامہ کے لئے کی گئی ہو تو اس وصیت کا مال ان اداروں کی تعمیرات، مصالح اور ان اداروں کے فقراء پر صرف کی جائے گی، بشرطیکہ عرف یا کسی قرینے سے مصرف متعین نہ ہو جائے۔

جانور کے لئے وصیت.....وصیت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ موصی لہ تملیک اور استحقاق کی اہلیت رکھتا ہو، یہ شرط متفق علیہ ہے، چنانچہ ایسی جہت کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں جس میں مالک بننے کی صلاحیت نہ ہو جیسے مثلاً کسی شخص نے جانور یا گھوڑے کے حق میں وصیت کردی، ایسی وصیت حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک باطل ہوتی ہے۔ البتہ اگر موصی (وصیت کنندہ) نے کہا: اس جانور کے چارے کے لئے وصیت ہے تو اس صورت میں وصیت درست ہوگی، اس میں موصی کے لفظ کی بظاہر رعایت کی گئی ہے جب کہ نیت وقصد میں جانور نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں وصیت قبول کرنے کی حاجت نہیں چونکہ یہ میراث کے حکم میں ہے، شافعیہ کہتے ہیں: جانور کے مالک کا قبول کرنا شرط ہے۔

رہی بات حنابلہ کی سووہ کہتے ہیں اگر موصی نے کسی معین شخص مثلاً زید کے گھوڑے کی نیت کی تو اگرچہ موصی لہ وصیت قبول نہ بھی کرے تب بھی وصیت درست ہوگی، کیونکہ عقود ومعاملات میں دارومدار معانی ومقاصد پر ہوتا ہے۔ وصیت کردہ مال جانور کے چارے وغیرہ پر خرچ کیا جائے گا، اگر وصیت کردہ مال گھوڑے پر خرچ نہیں کیا گیا تھا کہ گھوڑا مر گیا تو وصیت کردہ مال موصی کے ورثہ کا حق ہوگا، گھوڑے پر خرچ کرنے کی سرپرستی وصی یا قاضی کو حاصل ہوگی، گھوڑے کے مالک کو سرپرستی حاصل نہیں ہوگی۔

اسی شرط کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: اگر کسی نے کہا: میں نے اللہ کے لئے اپنا تہائی مال وصیت کردیا۔ تو وصیت باطل ہو جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ وصیت جائز ہے اور خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے مسجد یا مسجد حرام کے لئے یا مدرسہ وغیرہا کے لئے وصیت کی تو حنفیہ کے ہاں یہ وصیت درست نہیں، الا یہ کہ موصی کہے: یہ وصیت مسجد کی تعمیر وغیرہا میں صرف کی جائے۔ جب کہ شافعیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت درست ہے۔ اور وصیت کا مال مسجد کے مصارف اور مصالح میں صرف کیا جائے گا۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں.....مسجد کے لئے وصیت کرنا درست ہے اسی طرح ملکی حد بندی حفاظت سرحد وغیرہ کے لئے بھی وصیت درست ہے چنانچہ وصیت کا مال مسجد کی تعمیر اور دیگر امور چٹائیوں، چراغ وغیرہ کے لئے خرچ کیا جائے گا اور جو بچ رہے وہ بطور تنخواہ امام و مؤذن کو دینا جائز ہے۔

قاتل کے حق میں وصیت.....حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے کہ موصی لہ موصی (وصیت کنندہ) کا قاتل نہ ہو، اگر ایک شخص نے دوسرے پر حملہ کیا اور اسے زخمی کردیا، زخمی نے قاتل کے حق میں وصیت کردی پھر وہ مر گیا تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی، اگر موصی نے قتل سے پہلے قاتل کے حق میں وصیت کی ہو، وصیت کے بعد قتل ہوا ہو تو قاتل وصیت کا مستحق نہیں رہے گا، چنانچہ قتل ابتداءً بھی وصیت کے مانع ہوا اور وصیت قتل کی وجہ سے برقرار بھی نہیں رہتی، نیز حدیث ہے۔ ''قاتل کے لئے وصیت نہیں۔'' ❶ اور قتل صحت وصیت کے بھی مانع ہے۔ برابر ہے کہ ورثہ وصیت کی اجازت دیں یا نہ دیں، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اور قانون میں اسی رائے کو اپنایا گیا ہے۔

---

❶.....اخرجه الدارقطني والبيهقي عن علي رضي الله تعالى عنه لكن فيه راو متروك يضع الحديث. (نصب الراية ۴/ ۴۰۲)

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: اگر ورثہ وصیت کی اجازت دے دیں یا موصی کے ورثہ ہی نہ ہوں تو وصیت جائز ونافذ ہوگی۔ چونکہ ممانعت ورثہ کے حق کی وجہ سے تھی۔ البتہ پہلی رائے راجح ہے۔

لیکن حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: وہ قتل جو بغیر حق کے ہو وہ مانع میراث ووصیت ہے، خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو، برائے راست ہو یا بالواسطہ ہو، وصیت باطل ہو جاتی ہے، اور میراث میں حصہ داری ممنوع ہو جاتی ہے، چونکہ میراث وصیت سے زیادہ مؤکد ہے لہٰذا وصیت بطریق اولیٰ ممنوع ہو جاتی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: وہ قتل جو میراث اور وصیت کے مانع ہوتا ہے وہ ہے جو عاقل بالغ سے بوجہ عداوت بلاحق وبلا عذر صادر ہو، بلا واسطہ قتل ہو اور بالواسطہ نہ ہو، برابر ہے کہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو، چنانچہ مجنون اور بچے کا کیا ہوا قتل، اور قتل بحق یعنی قتل قصاص، قتل حد اور قتل بغاوت یا قتل کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے جان ومال کا دفاع کرتے ہوئے قتل کا ہو جانا یہ ساری صورتیں وراثت اور وصیت کے مانع نہیں۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک قتل اگر بالواسطہ ہو جیسے مثلاً موصی لہ نے قاتل کو موصی (مقتول) کے گھر کا اتا پتا بتا دیا لیکن وہ قتل میں قاتل کا شریک نہ ہو تو اس صورت میں قتل مانع وراثت ووصیت نہ ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک قتل بالواسطہ (قتل بالسبب) مانع ارث ہو وصیت نہیں ہے۔

رہی بات شافعیہ کی سو وہ کہتے ہیں: وصیت قاتل کے لئے صحیح ہوتی ہے اگرچہ اس میں تعدی ہی کیوں نہ ہو، اگر موصی لہ نے موصی کو قتل کر دیا اگرچہ اس پر تعدی کی ہو تو موصی لہ، وصیت کردہ چیز کا مستحق ہوگا، چونکہ وصیت تملیک ہے جو ایک عقد کے طور پر ہوتی ہے لہٰذا وصیت ھبہ کے مشابہ ہوئی، وراثت کے برخلاف ہوئی۔

رہی بات مالکیہ کی سو ان کے ہاں قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ وصیت قاتل کے حق میں صحیح ہے، برابر ہے کہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو، بشرط یہ کہ موصی کو علم ہو کہ اس کو کس نے قتل کیا، یا اس نے ضرب کے بعد وصیت کی ہو اور موصی کو علم ہو کہ موصی لہ نے اسے ضرب لگائی ہے۔ چونکہ وصیت کی صحت کے مانع یہ چیز ہوتی ہے کہ موصی لہ وقت سے پہلے کسی چیز کو بروئے کار لانے میں جلدی کر دیتا ہے، اس لئے وہ پاداش میں محروم رہتا ہے، اور حرمان تبھی متحقق ہوگا جب قتل وصیت کو لاحق ہو، اگر موصی کو ضرب کا علم ہوا اور پھر وہ وصیت ضارب کے حق میں کرے تو اس سے معلوم ہوگا کہ اس نے ضرب ضارب کو معاف کر دی بلکہ اس کے ساتھ احسان کر دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں یہ شرط نہیں کہ موصی لہ قاتل نہ ہو، مثلاً وصیت ضرب لگنے کے بعد ہوئی ہو اور مقتول نے اپنا قاتل پہچان لیا ہو اگر ایک شخص نے دوسرے کو ضرب لگائی جو اس کی جان کے لئے کاری ثابت ہوئی خواہ عملاً یا خطاءً۔ پھر مضروب نے ضارب کے حق میں (ضرب لگنے کے بعد) کسی چیز کی وصیت کر دی تو یہ وصیت درست ہوگی، اگر موصی نے ضرب لگنے سے پہلے وصیت کی ہو، وصیت کے بعد ضرب لگے جس سے مضروب مر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، برابر ہے کہ مضروب نے قاتل کو پہچان لیا ہو یا نہ پہچانا ہو، راجح قول کے مطابق وصیت باطل ہوگی۔

اس آخری صورت میں مالکیہ کا مذہب حنفیہ اور حنابلہ کے ساتھ متفق ہے، پہلی صورت یعنی وصیت ضرب کے بعد ہو، میں مالکیہ کا مذہب شافعیہ جیسا ہے۔ گویا ہمارے پاس دو روایات ہو گئیں۔ ایک رائے حنفیہ اور حنابلہ کی کہ قتل سے وصیت باطل ہو جاتی ہے دوسری رائے شافعیہ کی اور مالکیہ کی کہ قتل سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔

مصر اور سوریا کے قانون بالترتیب دفعہ ۱۷ و ۲۲۳ میں حنفیہ اور حنابلہ کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ قتل مانع وصیت ہے، اور مانع وصیت قتل کی نوعیت کی تحدید میں مالکیہ کی رائے اپنائی گئی ہے کہ وراثت ووصیت کے مانع قتل عمد ہے۔

اہل عرب کے حق میں وصیت...... مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد قول کے مطابق یہ شرط ہے کہ موصی لہ حربی نہ ہو، حنفیہ کے

نزدیک یہ ہے کہ موصی لہ دارالحرب میں حربی نہ ہو، برابر ہے کہ وصیت مسلمان کی طرف سے ہو یا کسی ذمی کی طرف سے ہو گو ورثہ جائز قرار دیتے ہوں، چونکہ حربی کے حق میں وصیت کرنا دراصل اسے تقویت پہنچانا ہے، اور اسے عزت بخشنا ہے، المختصر اس وصیت میں مسلمانوں کا نقصان اور ضرر ہے۔

حنفیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصل کی بنیاد پر دارالاسلام میں مستامن حربی کے حق میں وصیت کو جائز قرار دیا ہے، برابر ہے کہ وصیت مسلمان کی طرف سے ہو یا کسی ذمی طرف سے، چونکہ عصر حاضر میں یہ صورت عام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ الممتحنہ ۶۰/۸-۹

اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ جنگ نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا اور یہ کہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ جنگ کی ہو اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے دشمنوں کی) پشت پناہی کی ہو، جو لوگ ایسوں کے ساتھ دوستی کریں گے وہ پکے ظالم ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حربی مستامن کے حق میں وصیت جائز نہیں، جیسے کفارہ، نذر صدقہ فطر اور قربانی حربی پر صرف کرنا جائز نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مرتد کے حق میں مسلمان کی وصیت جائز نہیں۔

شافعیہ (اصح قول کے مطابق) اور حنابلہ نے مرتد اور متعین حربی کے حق میں وصیت جائز قرار دی ہے۔ جب کہ عام حربیوں کے لئے وصیت جائز نہیں۔ برابر ہے کہ حربی دارالاسلام میں ہو یا کہیں اور ہو، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ وصیت کردہ چیز اسلحہ نہ ہو، ان فقہاء نے وصیت کو ہبہ اور صدقہ پر قیاس کیا ہے، حنابلہ میں سے علامہ حارثی کہتے ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ کافر خواہ مرتد ہو یا حربی ہو بشرط یہ کہ وہ ہمارے ساتھ جنگ کی حالت میں نہ ہو اور نہ ہی ہمارے خلاف مدد کر رہا ہو تو اس کے حق میں وصیت کرنا صحیح ہے، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ ❶ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے مشرک بھائی جو کہ مکہ میں مقیم تھا کو کپڑے پہنچائیں۔ ❷

اتحاد دین...... وصیت کے صحیح ہونے کے لئے اتحاد دین شرط نہیں یعنی موصی اور موصی لہ کا دین ایک ہو یہ شرط نہیں۔ چنانچہ مسلمان غیر مسلم کے حق میں وصیت کرسکتا ہے، اسی طرح غیر مسلم غیر مسلم کے حق میں وصیت کرسکتا ہے، مثلاً یہودی، عیسائی کے حق میں وصیت کرسکتا ہے۔

اس کے برعکس بھی وصیت جائز ہے، مسلمان یہودی کے حق میں وصیت کرسکتا ہے اور اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ کیونکہ دارالاسلام میں غیر مسلموں کو وہ حقوق حاصل ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، غیر مسلموں پر بھی ایسے ہی حقوق عائد ہیں جو مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔

---

❶......رواہ البخاری ومسلم (نیل الاوطار ۶/۲) ❷رواہ البخاری وغیرہ عن ابن عمر (نیل الاوطار ۶/۴)

مصر کے قانون میں دفعہ ۹ کے تحت اندر سوریا کے قانون میں دفعہ ۲۱۵ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ۔
ا......اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بھی وصیت صحیح ہے۔
۲......اگر موصی لہ اجنبی ہوتو شرط ہے کہ معاملہ بالمثل ہو۔

غیر مسلمین (ذمیوں) کے وصایا❶......ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ذمی کا مسلمان کے حق میں وصیت کرنا صحیح ہے اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے، چونکہ عقد ذمہ کی وجہ سے غیر مسلمین جملہ معاملات، وکاروبار زندگی میں مسلمانوں کے حکم میں ہیں، چنانچہ جب ذمی غیر مسلم وصیت کر دے تو حنفیہ نے اس کی وصیت کی تین صورتیں بیان کی ہیں اور ذمی کی شریعت میں بھی قربت ہو۔

ا......اگر موصی بہ ہماری شریعت میں قربت ہو جیسے فقراء پر مسلمین پر صدقہ، یا فقرائے اہل ذمہ پر صدقہ، مسجد اقصیٰ کی تعمیر، یا مدرسہ کی تعمیر، یا ہسپتال کی تعمیر وغیر ذالک تو بالاتفاق وصیت جائز ہوگی، کیونکہ اس طرح کی وصیت سے مسلمان قربت خداوندی حاصل کرتے ہیں، اور اہل ذمہ بھی قربت حاصل کرتے ہیں۔

۲......اگر موصی لہ ہماری شریعت میں تو قربت خداوندی ہو جب کہ ذمی کی شریعت میں قربت نہ ہو جیسے مثلاً ذمی نے تعمیر مسجد کی وصیت کر دی یا ذمی نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کر دی تو یہ وصیت حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق باطل ہوگی، کیونکہ ذمی کے عقیدہ کے مطابق مصرف قربت خداوندی نہیں۔

۳......اگر موصی بہ ذمی کے نزدیک قربت ہو ہمارے نزدیک قربت نہ ہو جیسے مثلاً ذمی نے وصیت کر دی کہ کنیسہ بنایا جائے یا ان کے دین کے مطابق جانور ذبح کرنے کی وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت صحیح ہوگی۔ کیونکہ ذمی کے نزدیک وصیت کا مصرف قربت ہے اور اس کا یہی عقیدہ ہے۔

صاحبین کے نزدیک وصیت باطل ہوگی کیونکہ ہماری شریعت کے مطابق یہ وصیت معصیت پر مبنی ہے اور جو وصیت معصیت پر مبنی ہو وہ صحیح نہیں ہوتی۔

دوسرے ائمہ کا قول صاحبین کے قول جیسا ہے کہ معصیت پر مبنی وصیت باطل ہوتی ہے اگر چہ وصیت ذمی نے کی ہو کیونکہ یہ وصیت معصیت پر اعانت ہے۔

موصی لہ کے حق میں وصیت کے نفاذ کی شرط:

وارث کے حق میں وصیت......نفاذ وصیت کے لئے شرط ہے کہ موصی لہ موصی کا وارث نہ ہو اگر موصی کے وارث کے حق میں وصیت کر دی اور بقیہ ورثہ نے وصیت موصی کی اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہو جائے گی، گویا وارث کے حق میں کی گئی وصیت بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، چنانچہ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوتی۔'' ❷ ایک اور حدیث ہے۔ ''وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں الا یہ کہ بقیہ ورثہ چاہتے ہوں تو جائز ہے۔'' ''وارث کے حق میں وصیت نہیں الا یہ کہ ورثا اجازت دے دیں۔'' ❸ عقلی وجہ یہ ہے کہ ایک وارث کو دوسرے ورثہ پر ترجیح

---

❶......وصایا۔ وصیت کی جمع ہے۔ ❷رواہ الخمسة (احمد واصحاب السنن) الا اباداؤد عن عمرو بن خارج وصححه الترمذی ورواہ الخمسة الاالنسائی ایضاً عن ابی امامة ❸رواهما الدارقطنی الاول عن ابن عباس والثانی عن عمر وبن شعیب عن ابیه عن جده (نیل الاوطار ۶/ ۴۰)۔

دینا موجب نزاع ہے اور قطع رحمی کا سبب ہے۔

احادیث کا معنی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت مطلقاً نافذ ہی نہیں ہوتی، الا یہ کہ ورثہ اجازت دیدیں، اگر اجازت نہ دیں تو وصیت باطل ہوجائے گی، اگر کچھ ورثہ اجازت دیں اور کچھ اجازت نہ دیں تو اجازت دینے والوں کے حصوں کے بقدر وصیت نافذ ہوجائے گی۔ جمہور کے نزدیک یہی نفاذ وصیت کی شرط ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں: وارث کے حق میں کی گئی وصیت باطل ہے، کیونکہ حدیث میں ہے۔ ''وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی۔'' اور ورثہ اجازت دے دیں تو یہ وصیت نہیں ہوگی بلکہ ورثہ کی طرف سے عطیہ ہوگا۔

اجازت صحیح ہونے کی دو شرائط: اول...... یہ کہ اجازت دہندہ اہل تبرع ہو اور اسے موصی لہ کا علم بھی ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اجازت دہندہ عاقل و بالغ ہو اس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو (یعنی سفہ، عتق وغیرہ کی وجہ سے پابندی نہ ہو) اور اسے موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کا علم بھی ہے۔ تاہم چھوٹے بچے، مجنون، مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہو کی اجازت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر وارث کو وصیت کردہ چیز کا علم نہیں تو اس کی اجازت بھی جائز نہیں ہوگی۔ حنابلہ کہتے ہیں: اگر مریض نے اجازت دے دی تو اس کے ثلث (ایک تہائی) سے وصیت نافذ ہوگی۔ ❶

دوم...... یہ کہ اجازت موصی کے مرنے کے بعد ہو۔ اگر موصی زندہ ہو تو ورثہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، تاہم اگر موصی کی زندگی میں ورثہ نے اجازت دے دی پھر موصی کی وفات کے بعد وصیت رد کردی تو رد وصیت صحیح ہوگا اور وصیت ہی باطل ہوجائے گی۔ برابر ہے کہ وصیت وارث کے حق میں ہو یا اجنبی کے حق میں ہو۔ اور وصیت تہائی ترکہ سے زائد ہو۔

کون سے وارث کی اجازت معتبر ہے؟...... موصی کی وفات کے وقت جو جو اس کے ورثہ ہوں گے ان کی اجازت معتبر سمجھی جائے گی، اسی پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے۔ اس وقت کا اعتبار نہیں جب موصی وصیت کررہا ہو۔ اگر کوئی شخص بوقت وصیت وارث ہو اور پھر موت کے وقت وارث نہ بن رہا ہو مثلاً محجوب ہوگیا ہو تو وصیت نافذ ہوگی کیونکہ وراثت کے معاملہ میں اعتبار موصی کی وفات کے وقت کا ہے۔ کیونکہ یہ وقت وصیت کے حکم کے ثبوت کا وقت ہوتا ہے۔

وارث کے لئے وصیت کی مشروعیت کے قائلین...... شیعہ زیدیہ، شیعہ امامیہ اور اسماعیلیہ کی رائے ہے ❷ کہ وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے اور وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی، چنانچہ فرمان:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾

جب تم میں سے کسی شخص کی موت کا وقت قریب ہو اس نے اگر مال چھوڑا ہو تو اس پر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت فرض کردی گئی ہے، جو معروف طریقہ سے ہو یہ پرہیزگاروں پر حق ہے۔ البقرۃ ۲/ ۱۸۰

اگر وصیت کا وجوب منسوخ ہوچکا تو اس سے جواز کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔

لیکن ان پر رد کیا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے نفی جواز کی تصریح ہوتی ہے، الّا یہ کہ ورثہ اجازت دے دیں، نیز یہ آیت سنت سے منسوخ ہے یا آیت میراث سے منسوخ ہے۔

تاہم مصر کے قانون میں ۱۹۳۶ء میں دفعہ ۳۷ کے تحت جمہور کی رائے کے برخلاف اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن سوریا کے

---

❶...... القوانين الفقهية ص ٤٠٦، شرح العلمي المالك ١/ ٣٢٢. ❷ نيل الاوطار ٦/ ٤١، المختصر النافع في فقه الامامة ص ١٨٧، الفقه المقارن للاستاذ حسن احمد الخطيب ص ١٨٨.

قانون میں دفعہ ۲۳۸ / ۲ کے تحت جمہور کی رائے اپنائی گئی ہے۔

وارث کے لئے مطلقاً مانعین وصیت.....ظاہر یہ اور امام مزنی ❶ کہتے ہیں: وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں۔ اگر چہ ورثہ اس کی اجازت ہی کیوں نہ دیتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وارث کے حق میں وصیت کرنے سے منع کیا ہے۔ ورثہ کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کی زبان سے جس حکم کو باطل کیا ہے اسے وہ جائز قرار دیں، اگر ورثا اجازت دے دیں تو یہ وصیت نہیں ہوگی بلکہ ابتداءً ہی ہبہ ہوگا۔ کیونکہ موت کے بعد ترکہ ورثہ کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ اور ایسی چیز کے بارے میں موصی کا حکم جس کے ورثہ وارث بنتے ہوں باطل ہے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر حرام ہیں۔'' ❷ چنانچہ ورثہ باطل چیز کی اجازت دینے کا اختیار نہیں رکھتے لیکن اگر ورثہ چاہیں کہ وہ اپنی خوشی سے وصیت کو نافذ کریں جو ان کے مال میں سے ہو تو وہ اسے نافذ کر سکتے ہیں۔

دوسرا مقصد.....موصی بہ کی شرائط.....موصی بہ کی شرائط دو طرح کی ہیں (۱) شرائط صحت (۲) شرائط نفاذ۔ ❸

شرائط صحت.....مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....یہ کہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) مال ہو۔

۲.....مال متقوم ہو۔

۳.....تملیک کے قابل ہو۔

۴.....موصی کی ملکیت ہو۔

۵.....یہ کہ وصیت معصیت نہ ہو۔ ان شرائط کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ موصی بہ مال ہو.....ایسا مال ہو جس میں وراثت چل سکتی ہو، چونکہ وصیت تملیک ہے اور غیر کا مال کسی کی ملکیت میں نہیں دیا جاتا۔ وصیت کردہ مال دراہم و دنانیر (نقدی مال، کرنسی نوٹ) کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، زمین، پلاٹ، درخت، گھر، سامان تجارت، جانور، لباس کپڑے، اثاثہ، دیون (قرضہ جات) حقوق ارتفاق یعنی حق شرب، حق سیل وغیرہ، منافع جیسے گھر کی رہائش وغیرھا بھی ہو سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک منافع اگر چہ وراثت میں منتقل نہیں ہوتے تاہم زندگی میں منافع جات پر عقد و معاملہ طے کرنا درست ہے لہٰذا منافع جات کی وصیت کرنا بھی درست ہے، چونکہ وصیت کا مقصد بعد از موت مالک بننا ہوتا ہے۔

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کہتے ہیں.....منافع جات کی وصیت صحیح ہے چونکہ منافع عقد وراثت میں اعیان (اشیاء معینہ) کی طرح ہوتے ہیں۔

اگر موصی بہ مال نہ ہو مثلاً خون ہو یا مردار ہو یا شراب ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی چونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں، اور ملک کا محل بھی نہیں ہیں۔

---

❶.....بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۲۹، المحلی ۹/ ۳۱۶۔ ❷ حدیث متواتر متفق علیہ عن ابی بکرۃ (سبل السلام ۳/ ۱۰۲)۔ ❸ البدائع ۷/ ۳۵۲، تبیین الحقائق ۶/ ۱۸۳، الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۴۵۹، الشرح الصغیر ۴/ ۵۱۰، المغنی ۶/ ۵۹، الشرح الکبیر ۴/ ۴۲۳، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۲۹، المہذب ۱/ ۴۵۲، کشاف القناع ۴/ ۴۰۷۔

البتہ مردار جانور کی کھال جسے دباغت نہ دی گئی ہو کی وصیت کو شافعیہ نے جائز قرار دیا ہے۔

۲۔ مال متقوم ہو...... جس چیز کی وصیت کی گئی ہو شرط ہے کہ وہ مال متقوم ہو، یعنی اس مال سے شرعاً نفع اٹھانا مباح ہو، چنانچہ مسلمان وغیر مسلم کے حق میں مال غیر متقوم کی وصیت کرنا صحیح نہیں، جیسے شراب، خنزیر، کتا، درندہ، چونکہ یہ جانور اسلام کی نظر میں مال متقوم نہیں البتہ عیسائی عیسائی کے حق میں ان چیزوں کی وصیت کرسکتا ہے، اسی طرح ایسی چیز کی وصیت کرنا بھی جائز نہیں جو انتقال کو قبول نہ کرتی ہو جیسے قصاص، حد قذف اور حق شفعہ۔

میت پر نوحہ کرنے کی وصیت صحیح نہیں، لہو ولعب کی وصیت بھی صحیح نہیں، نماز، روزہ جو میت کی طرف سے ہوئی وصیت صحیح نہیں، البتہ تلاوت قرآن کی وصیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سکھائے ہوئے شکاری کتے اور درندے کی وصیت صحیح ہے چونکہ شکاری کتا حنفیہ کے نزدیک مال متقوم ہوتا ہے، اس کی خرید وفروخت اور اسے ہبہ کرنا جائز ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسی چیز کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے جو مال نہ ہو لیکن اس سے نفع اٹھانا مباح ہو جیسے شکاری کتا، زرعی کتا، رکھوالی کا کتا وغیرہ اور شکاری درندے، چونکہ ان میں مباح نفع ہوتا ہے اور وصیت تبرع ہے لہٰذا مال کی طرح غیر مال میں بھی وصیت صحیح ہے، نجس تیل کی وصیت کرنا تا کہ اس سے روشنی کی جائے غیر مسجد کے لئے صحیح ہے، چونکہ اس میں مباح نفع ہے، مسجد کے حق میں نجس تیل کی وصیت صحیح نہیں، شافعیہ کے نزدیک گوبر وغیرہ کی وصیت کرنا صحیح ہے چونکہ گوبر سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے، اسی طرح جنگ میں بجائے جانے والے طبلہ کی وصیت بھی صحیح ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں کی وصیت درست ہے چونکہ سونا چاندی ایسا مال ہے جس سے نفع اٹھانا مباح ہے، مثلاً ان برتنوں سے عورتوں کے زیورات بنائے جاسکتے ہیں۔ برتن فروخت کیے جاسکتے ہیں۔

۳...... یہ کہ وصیت کردہ مال قابل تملیک ہو اگرچہ وصیت کے وقت معدوم ہی کیوں نہ ہو، یعنی وہ ایسا مال ہو کہ شرعی عقد اور معاملہ سے ملکیت میں آسکتا ہو یا وراثت کے ذریعہ ملکیت میں آسکتا ہو۔ چونکہ وصیت تملیک ہے اور جو چیز تملیک کو قبول نہ کرے اس کی وصیت صحیح نہیں۔

نقدی مال کی وصیت صحیح ہے، سامان کی وصیت بھی صحیح ہے چونکہ یہ دونوں چیزیں ہبہ اور بیع کے ذریعہ ملکیت میں آتی ہیں۔

درختوں کے پھلوں کی وصیت بھی صحیح ہے چونکہ زرعی پیداوار کو وجود میں آنے سے پہلے عقد سلم کے ساتھ خریدنا شرعاً جائز ہے۔

جانور کے پیٹ میں پڑے حمل کی وصیت جائز ہے۔ چونکہ جانور کا حمل وراثت میں منتقل ہوتا ہے۔

لیکن اگر مستقبل میں جانوروں سے پیدا ہونے والے بچوں کی وصیت کردی جن کا ابھی وجود ہی نہ ہو تو یہ وصیت حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ یہ چیز معدوم اور غیر محتمل ہے، حنفیہ تو اس کے جواز کے قائل ہیں جو معدوم اور محتمل ہے۔

جمہور کہتے ہیں معدوم کی وصیت مطلقاً صحیح ہے چونکہ عدم مساقات معدوم پر ہوتا ہے لہٰذا مساقات کو حجت بنانے پر معدوم کی وصیت جائز ہے۔

اور اگر مال معین بالذات ہو جیسے معین گھر اور معین کھیت وغیرہا تو اس کی وصیت کے لئے شرط ہے کہ وہ مال بوقت وصیت موجود ہو۔

۴...... اگر وصیت کردہ چیز معین ہو تو شرط ہے کہ وصیت کرتے وقت وہ چیز موصی کی ملکیت ہو چونکہ معین چیز کی وصیت معین چیز کی ملکیت حاصل ہونے کا ایجاب ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ بوقت وصیت وہ چیز موصی کی ملکیت ہو۔

چنانچہ اگر کوئی شخص کہے میں نے زید کے مال کی وصیت کردی تو جمہور کے نزدیک یہ صورت درست نہیں ہوگی، اگرچہ وصیت کے بعد موصی زید کے مال کا مالک ہی کیوں نہ بن جائے چونکہ وصیت کا ایجاب فاسد ہو چکا ہے۔

مصری قانون میں موصی بہ کی شرائط پر حسب ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱......موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کا ایسا ہونا ضروری ہے جس میں وراثت چل سکتی ہو۔

۲......یہ کہ وصیت کردہ چیز مال متقوم ہو۔ ❶

۳......یہ کہ بوقت وصیت وہ چیز موصی کی ملکیت میں موجود ہو۔

سوریا کے قانون میں موصی بہ کی شرائط پر درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

الف......یہ کہ وہ چیز موصی کی موت کے بعد ملکیت میں آسکتی ہو اوراس کے دین میں وہ چیز متقوم ہو۔

ب......یہ کہ وصیت کے وقت وہ چیز موصی کی ملکیت میں موجود ہو بشرط یہ کہ وہ چیز اگر متعین ہو۔

۴......یہ کہ موصی بہ شرعی طور پر معصیت اور حرام نہ ہو چونکہ وصیت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موصی اپنی زندگی میں احسان میں کی گئی کوتاہی کا تدارک کرنا چاہتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ موصی بہ معصیت نہ ہو۔ ہر مذہب میں معصیت کی مختلف مثالیں ہیں۔

حنفیہ کے ہاں مثالیں......مرنے کے بعد گھر میں نوحہ کے لئے جمع ہونے والی عورتوں کو کھانا کھلانے کی وصیت، قبر کو لیپنے، قبر پر قبہ بنانے، پختہ مزار بنانے، گھر ہی میں دفن کرنے کی وصیت، گراں کفن پہنانے کی وصیت، گھروں یا قبروں پر قرآت قرآن قبل سے بھی نہیں، طاقت پر وہاں اجرت لینا جائز ہے جہاں اس طاعت کے ضیاع کا خدشہ ہو، جیسے تعلیم قرآن، اذان، امامت وغیرھا۔ قبر پر قرأت قرآن کرنے پر اجرت دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہر طرح کی طاعت پر اجرت لینا جائز ہوتا تو نماز روزہ پر بھی اجرت لینا جائز ہوتا جب کہ نماز روزہ پر اجرت لینا باطل ہے۔

مذکورہ تفصیل قبروں پر نفلی قرأت کے منافی نہیں چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کی قبر پر گیا اوراس کی قبر پر ایصال ثواب کی نیت سے چند آیتیں یا سورتیں پڑھ لیں تو یہ امر مستحب ہے، رہی بات قرأت کی وصیت کی سو اس کا کوئی معنی نہیں۔

یہ وصیت معصیت کا حکم ہے کہ وصیت باطل ہے، اگر اہل فسق واہل معصیت کے حق میں وصیت کی گئی تو وہ وصیت مکروہ ہوگی چونکہ وصیت میں صلہ رحمی اور قرابت کا معنی نہیں پایا جاتا۔

اگر مسلمان نے کنیسہ یا بیعہ (عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں) کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہوگی، چونکہ یہ وصیت بھی معصیت ہے، اگر یہی وصیت ذمی نے کی یا اس نے یہ وصیت کی کہ ان کی عید کے دن جانور ذبح کیا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت درست ہوگی۔ چونکہ ذمی کی وصیت ان کے نزدیک قربت ہے۔

صاحبین کہتے ہیں مذکورہ وصیت باطل ہے چونکہ معصیت کے لئے ہے۔

قرانی نسخوں کی وصیت جو مسجد میں وقف کئے جائیں یہ وصیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باطل ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے، اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کی قبر میں نیچے، بچھونا، بچھایا جائے تو یہ وصیت ایک قول کے مطابق صحیح ہے۔ جیسے کفن میں اضافہ کرنا صحیح ہے، دوسرا قول ہے کہ یہ وصیت درست نہیں، چونکہ یہ مال کا ضیاع ہے، اگر کسی نے وصیت کی کہ میری قبر پر چپس اور سنگ مرمر لگایا جائے سوا اگر یہ چیز قبر کی مضبوطی اور بدبو نہ پھیلنے کے لئے کی گئی ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کے ماتم

❶......مال متقوم کا معنی بیوع کی مباحث میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

پر لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ کھانا مسافر اور دور کے لوگ کھائیں۔ ❶

مالکیہ کے نزدیک معصیت کی مثالیں...... مال کی وصیت کرنا تاکہ اس سے شرابی کو شراب خرید کر پلائی جائے، یا ناحق قتل کے لئے وصیت کی، مسجد کے بنانے کے لئے وصیت کی یا مدرسہ بنانے کے لئے وصیت کی جو کسی موقوفہ زمین میں بنایا جائے یا قبرستان میں بنایا جائے، یا وصیت کی کہ اس کی طرف سے نماز اور روزہ رکھا جائے، یا وصیت کی کہ سونے کا چراغ خرید کر اس کی قبر پر لٹکایا جائے تو یہ ساری وصیتیں حقیقت میں ایسی جگہ مال ضائع کرنا ہے جس کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ ورثہ کو اس وصیت میں اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جو چاہیں کریں۔ ❷

موت کے بعد نوحہ کرنے کی وصیت، شادی میں حرام لہو ولعب کی وصیت، اور غیر حلال امور میں مال دینے کی وصیت، قبر پر قبہ بنانے کی وصیت اسی طرح فخر ومباہات کے لئے وصیت کرنا، یہ ساری وصیتیں باطل ہیں نافذ نہیں ہوں گی، مال میراث میں لوٹ جائے گا۔

قید بنانے کے لئے وصیت کرنا درحالیکہ موصی اس کا اہل نہ ہو یا وصیت کی کہ محفل میلاد منعقد کی جائے جیسا کہ عصر حاضر میں مردوں عورتوں کے اختلاط سے محفل منعقد کی جاتی ہے اور جس میں منکرات کا ارتکاب ہوتا ہے، اسی طرح کسی نے وصیت کی کہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات لکھ کر موصی کے کفن میں رکھے جائیں یا اس کی قبر میں رکھے جائیں یہ سب وصیتیں فضول اور باطل ہیں۔

لیکن مالکیہ نے جائز قرار دیا کہ کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کی قبر پر قرأت قرآنی کی جائے تو یہ وصیت نافذ ہوگی جیسے حج کی وصیت نافذ ہوتی ہے۔ کفن، جنازہ اٹھانا دفن اور غسل کی وصیت صحیح ہے، مسجد کے لئے وصیت کرنا جائز ہے اور مال مسجد کے مصالح پر خرچ کیا جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک معصیت کی مثالیں...... کنیسہ کے لئے وصیت، اہل حرب کے حق میں اسلحہ کی وصیت، یا معصیت کے ٹھکانے بنانے کی وصیت جیسے میکدہ یا کسی اور مفسدہ کے لئے وصیت کی تو یہ ساری وصیتیں باطل ہوں گی چونکہ وصیت کا مقتضیٰ نیکی اور احسان کا مقام ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل وصیتیں...... لہو ولعب کے آلات سے جنگ میں نفع اٹھانے کی وصیت یا بانسری بجانے کی وصیت باطل ہے، چونکہ آلات لہو معصیت ہیں، جادو، سحر، ٹونا اور نجومیوں کی کتابوں کی وصیت اور گمراہ کن بدعات کی کتب کی وصیت بھی باطل ہے چونکہ یہ وصیت معصیت پر اعانت ہے۔

تعمیر مسجد کی وصیت صحیح ہے بشرطیکہ نگران اسے قبول کرے، قبر پر قرأت قرآن کی وصیت صحیح ہے چونکہ قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے جب تین باتوں میں سے ایک پائی جائے۔ قبر کے پاس قرأت، قرأت کے بعد میت کے لئے دعا اور میت کو ثواب پہنچانے کی نیت ہو۔

حنابلہ کے نزدیک معصیت اور فعل حرام کی مثالیں...... ایسے امر کی وصیت کرنا جو ممنوع ہو جیسے قبروں پر عمارتیں بنانا، کنیسہ بنانے کی وصیت، یا مجوسیوں کے لئے آتش کدہ بنانے کی وصیت کرنا یا ان پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، یہ وصیت باطل ہوگی، لیکن مسجد کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے بایں طور کہ وصیت کا مال مسجد کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، علم وقرآن کی کتابت کے لئے وصیت کرنا درست ہے چونکہ یہ بھی قربت وثواب کا کام ہے۔

❶......الدر المختار ورد المحتار ۵/۴۵۸، البدائع ۷/۳۴۱۔ ❷الشرح الکبیر ۴/۴۲۷۔

نفاذ وصیت کے لئے موصی بہ کی شرائط......نفاذ وصیت کے لئے موصی بہ میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

دین مستغرق کی وجہ سے حجر (پابندی): ۱...... یہ کہ موصی پر دین مستغرق نہ ہو، چونکہ تجہیز و تکفین کے بعد میت کے دیون (قرضہ جات) ادا کرنا واجب ہوتے ہیں پھر اگر ترکہ سے کچھ بچ رہے تو اس میں وصیت نافذ ہوگی۔
چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖ (النساء: ۱۲)

یعنی میراث کا مذکورہ حکم تب نافذ العمل ہوگا جب۔ وصیت اور دین کی ادائیگی ہو جائے۔ آیت کے سیاق سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وصیت کو دین پر مقدم کیا گیا ہے لہٰذا میت کے ترکہ سے پہلے وصیت نافذ کی جائے گی پھر دین ادا کیا جائے گا، وصیت کو سیاق میں تنبیہ اور اہمیت کے پیش نظر مقدم کیا گیا ہے، چنانچہ اگر موصی پر اتنا قرضہ ہو جس نے سارے ترکے کو گھیر لیا ہو تو قرض خواہ اگر اجازت دیں تو وصیت نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

ثلث سے زائد وصیت: ۲...... یہ کہ وصیت کردہ چیز تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو، یہ شرط اس صورت میں ہے جب موصی کا کوئی وارث موجود ہو، چونکہ علماء کا تہائی ترکہ کی وصیت کے جواز پر اجماع ہے کیونکہ سنت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ "الثلث و الثلث کثیر۔" یعنی وصیت تہائی ترکہ میں ہوگی تہائی بھی زیادہ ہے۔

اگر موصی نے تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کردی تو زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر زائد مقدار رد کردی تو باطل ہو جائے گی۔

تاہم ورثہ کی اجازت بھی تبھی معتبر ہوگی جب سابقہ دو شرائط کا لحاظ رکھا گیا ہو یہ کہ اجازت موصی کی وفات کے بعد ہو اور اجازت دینے والا تبرع کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور اگر بعض ورثہ نفاذ کی اجازت دے دیں اور بعض نہ دیں تو اجازت دہندگان کے حصہ سے وصیت نافذ ہو جائے گی۔

البتہ اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک تہائی سے زائد وصیت صحیح اور نافذ ہوگی اگر چہ وصیت کل مال کی کی ہو چونکہ ثلث سے زائد وصیت کے نفاذ میں رکاوٹ ورثہ کا حق ہے جب کوئی وارث ہی نہیں تو مانع بھی نہیں۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: اگر موصی نے ثلث سے زائد وصیت کردی اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی چونکہ اس صورت میں اس کا مال مسلمانوں کی میراث ہو چکا اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی اس کی اجازت دینے والا نہیں۔ لہٰذا وصیت باطل ہوئی۔ اور اگر وارث موجود ہو تو وصیت حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اجازت پر موقوف ہوگی۔ ❶ اگر رد کردی تو وصیت تہائی ترکہ تک منحصر رہے گی جب کہ مالکیہ کے نزدیک تہائی ترکہ سے زائد وصیت باطل ہے۔

تہائی ترکہ سے کم وصیت کا مستحب ہونا...... بہتر یہ ہے کے انسان کی کی ہوئی وصیت ثلث مال کو محیط نہ ہو بلکہ تہائی ترکہ سے کم وصیت مستحب ہے، برابر ہے کہ ورثہ مالدار ہوں یا فقراء۔ ❷ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الثلث والثلث کثیر

وصیت تہائی مال کی ہو اور تہائی مال کثیر ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قریبی رشتہ دار کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی زیادہ بہتر ہے یہ

❶......المهذب ۱/۴۵۰، تکملة المجموع ۱۵/۴۲۶، الشرح الصغير ۵۸۲/۴، المغنی ۷.۸/۶. ❷المغنی ۴/۶، الكتاب مع اللباب ۱۶۹/۴.

اس صورت میں ہوسکتا ہے جب میت کی طرف سے ورثہ کو پورا پورا حق ملے اور اگر ورثہ فقراء ہوں تو وصیت کو ترک کردینا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ شرعاً وصیت کا حکم بھی یہی ہے۔

تیسری بحث: وصیت کے احکام..... حکم وصیت کے تین اطلاقات ہیں، جب حکم کا اطلاق کیا جاتا ہے اس سے مراد یا تو حکم تکلیفی ہوتا ہے جس کا تعلق فعل سے وجوب واباحت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یا حکم سے مراد حکم شرعی ہوتا ہے جو شئے کے وجود میں آنے کے بعد لگتا ہے اس حکم سے مراد کسی شئے کی شرعی صفت ہے کہ آیا اس کے لئے حکم صحت کا ہے یا بطلان کا ہے یا نفاذ کا ہے یا لزوم وغیرہا کا ہے۔ یا حکم سے مراد کسی شے پر مرتب ہونے والا اثر شرعی ہے جیسے ملکیت کا منتقل ہوجانا۔ میں نے وصیت کے حکم کے پہلے معنی کے متعلق بحث کردی ہے اب دوسرے دو معانی پر بحث کروں گا۔

پہلا مقصد: شرعی طور پر صفت وصیت..... اگر وصیت کی شرائط صحت پائی جاتی ہوں تو وصیت صحیح ہوتی ہے اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جاتی ہو تو وصیت باطل ہوجاتی ہے جیسے عدیم الاہلیت شخص۔ مثلاً مجنون، معتوہ یا نابالغ لڑکے کی وصیت، معصیت کے راستے میں کی ہوئی وصیت، یا مسلمان کے حق میں شراب یا خنزیر کی وصیت۔ اور اگر وصیت میں شرائط نفاذ پائی جائیں تو وصیت نافذ العمل ہوگی، ورنہ صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوگی جیسے مثلاً کسی نے وارث کے حق میں وصیت کردی۔ یا کسی اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد ترکہ کی وصیت کردی۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت عقد غیر لازم ہے۔ (1) اسی لئے موصی کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ عرصہ حیات میں کل وصیت یا بعض وصیت سے رجوع کرسکتا ہے۔

برابر ہے کہ موصی نے حالت صحت میں وصیت کی ہو یا حالت مرض میں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ''آدمی اپنی وصیت میں من چاہی تبدیلی کرسکتا ہے۔'' (2) دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت ایک عطیہ اور تبرع ہے جو تا موت ناتمام رہتا ہے پھر موصی کی موت سے تمام ہوتی ہے اس لئے موت سے پہلے وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے، جب کہ قبول سے پہلے ایجاب کو باطل کرنا جائز ہے جیسے بیع میں قبول سے پہلے ایجاب کو باطل کرنا جائز ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ وصیت سے رجوع یا تو صریح قول سے ہوتا ہے یا دلالت سے یا ایسے امر سے جو صریح قول وفعل کے قائم مقام ہو۔

صریح رجوع کی مثالیں..... مثلاً موصی کہے: میں نے اپنی وصیت توڑ دی، یا کہے میں نے وصیت باطل کردی یا کہے میں نے رجوع کردیا یا کہے میں نے وصیت فسخ کردی۔

صریح کے قائم مقام کی مثالیں..... مثلاً کہے: یہ وصیت موصی لہ پر حرام ہے یا کہے یہ مال وصیت میرے وارث کا حق ہے، یا موصی نے وصیت کے مال میں تصرف کردیا مثلاً وصیت کردہ چیز موصی نے فروخت کردی، یا ہبہ کردی یا رہن میں رکھ دی، یا وہ چیز ہلاک کردی جائے مثلاً بکری ہو جسے موصی نے ذبح کردیا ہو، یا گندم تھی جسے پیس ڈالا یا آٹا تھا جسے گوند دیا گیا یا روٹی تھی جسے کاٹ دیا یا سونے کے زیورات بنادیئے یا زمین پر باغ لگادیا۔

---

(1) ......اللباب ۱۷۸/۴، تکملہ فتح القدیر ۴۳۸/۸ الدر المختار ۴۶۵/۵، القوانین الفقهية ص ۴۰۶، الشرح الصغیر ۵۸۷/۴، مغنی المحتاج ۷۱/۳ المغنی ۶۷/۶، المهذب ۴۶۱/۱، کشاف القناع ۳۸۶/۴، تبیین الحقائق ۱۸۶/۶۔ (2) رواه البیهقی۔

البتہ مالکیہ نے فعل وتصرف کو رجوع تسلیم نہیں کیا۔ الا یہ کہ وصیت کردہ چیز کی حقیقت ہی تبدیل ہوجائے یا وہ چیز ہلاک ہوجائے یا موصی کے فعل وتصرف پر کوئی ایسی دلیل قائم ہوجائے جس کی رو سے موصی کا رجوع ثابت ہو جیسے وصیت کردہ چیز کو موصی نے کھالیا یا ذبح کردیا یا جلا دیا۔ مالکیہ کے نزدیک وصیت کردہ چیز اگر کسی دوسری چیز کے ساتھ خلط ہوجائے کہ دونوں چیزوں میں تمیز مشکل ہوجائے تو اس طرح کے تصرف کو مالکیہ رجوع میں شمار نہیں کرتے۔

اگر موصی نے وصیت سے انکار کردیا مثلاً کہا میں نے وصیت نہیں کی، تو ذخیرہ اور مبسوط میں مذکور مفتی بہ قول کے مطابق یہ بھی وصیت سے رجوع ہوگا یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ چونکہ وصیت سے انکار موصی کی عدم رضا کی دلیل ہے۔ جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وصیت سے انکار وصیت سے رجوع نہیں ہوتا چونکہ وصیت ایک عقد ہے جو انکار سے باطل نہیں ہوتا۔ ❶

اگر بیع، رہن، ہبہ، زمین میں تعمیر و باغ کے لئے موصی نے کسی کو وکیل بنا دیا یا گھر کے منہدم کرنے کا کام کسی کو سونپا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ موصی کی طرف سے رجوع ہوگا۔ جب کہ ان فقہاء کے نزدیک زمین کی کاشت کاری رجوع نہیں جیسے کپڑے پہن لینا رجوع نہیں ہوتا، اسی طرح وصیت کردہ مکان میں رہائش اختیار کرلینا، اسے اجرت پر دے دینا یا عاریت پر دینا یا چونا وغیرہ سے اس کی سفیدی کردینا بھی رجوع نہیں۔

قانون کی رو سے وصیت سے رجوع کرنا...... قانون نے اختیاری وصیت اور واجب وصیت میں فرق کیا ہے، قانون نے وصیت واجبہ کو لازم اعتبار کیا ہے جونہی صادر ہوتی ہے لازم ہوجاتی ہے، جب کہ اختیاری وصیت موصی کی موت سے لازم ہوتی ہے۔

مصری قانون وصیت دفعہ ۱۸۔۱۹ کے تحت اور سوریا کے احوال شخصی کے قانون دفعہ ۲۲۰ میں وصیت سے رجوع کے اصول پر صراحت کی ہے۔

اس قانون میں فقہاء کی متفقہ رائے سے مطابقت کی گئی ہے کہ وصیت سے رجوع جائز ہے خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

اگر ایک چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہوجائے جن میں تمیز کرنا مشکل ہو اس میں قانون نے مالکیہ کی رائے اختیار کی ہے۔

دوسرا مقصد: وصیت پر مرتب ہونے والا اثر...... ہمیں معلوم ہوچکا ہے کہ وصیت پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ وصیت کردہ چیز میں موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، تاہم اگر موصی نے وقت کی تحدید کردی ہو تو جس وقت کی تعیین کی ہو اسی وقت سے ملکیت ثابت ہوگی اور اگر وصیت جہت عامہ میں ہو تو موصی کی وفات کے وقت سے اس کا اثر مرتب ہوگا۔

اگر کسی متعین شخص کے حق میں وصیت ہو تو حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک اثر بالفعل مرتب ہوگا تاہم یہ ترتب موصی کی وفات کے بعد قبول کے وقت سے ہوگا، حنابلہ کے نزدیک وقت قبول سے اثر مرتب ہوگا اور اگر موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وہ موصی بہ کا مالک نہیں بنے گا۔ اور وصیت کردہ چیز ورثہ کی ملکیت میں لوٹ آئے گی۔ سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۰ اور مصر کے قانون دفعہ ۲۵ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ موصی لہ، موصی کی موت کے بعد وصیت کردہ چیز کا مستحق ہوگا بشرطیکہ کسی اور وقت کی تحدید نہ کی گئی ہو۔

تیسرا مقصد: موصی کے احکام...... وصیت کی شرائط سے وصیت کنندہ کے احکام متفرع ہوتے ہیں، تاہم مدیون اور غیر مسلم کی وصیت پر کلام زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

---

❶...... یہی قول صاحب ہدایہ کا مختار ہے، قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

مدیون کی وصیت...... مدیون (مقروض) کی وصیت ابتداء میں صحیح ہوتی ہے اگر چہ قرض اس کے پورے مال کو محیط ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ دین کا تعلق ترکہ سے ہوتا ہے اور مال وفات کے بعد ترکہ کے حکم میں جاتا ہے اور وفات کے وقت دین کا اثر وصیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ❶

ا......اگر ترکہ پر دین مستغرق ہو (یعنی ترکہ میت کے قرضہ میں ڈوبا ہوا ہو) تو وصیت موصی کے بری الذمہ ہونے پر موقوف ہوگی چنانچہ اگر کل دین سے بری الذمہ ہو جائے تو پوری وصیت نافذ ہوگی اگر بعض دین سے بری الذمہ ہو تو وصیت کا کچھ حصہ نافذ ہوگا۔

خواہ قرض خواہ اپنے حقوق سے مدیون کو بری الذمہ کریں یا وہ وصیت کی اجازت دے دیں، یا کوئی دوسرا شخص تبرعاً اس کا قرضہ ادا کردے۔

ب......اگر ترکہ پر دین مستغرق نہ ہو تو وصیت بلاتوقف نافذ ہوگی البتہ قرضہ منہا کر کے جو ترکہ باقی بچے گا اس کے تہائی حصہ میں وصیت نافذ ہوگی چونکہ اتنے حصہ سے کسی کا حق معلق نہیں ہوتا۔

مصر کے قانون دفعہ ۳۸، ۳۹ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۸ / ۱۳/۴ کے تحت فقہ حنفی سے ماخوذ انہی احکام کو قانونی شکل دی گئی ہے، چنانچہ قانون کی رو سے ایسے مدیون کی وصیت نافذ نہیں ہوتی جس پر دین مستغرق ہو، الا یہ کہ دائن جس میں اہلیت کامل ہو وہ وصیت کی اجازت دے یا دین ساقط ہو جائے تو وصیت نافذ العمل ہوگی۔

غیر مسلم و مسلم دونوں کی وصیت درست ہوتی ہے۔ مسلمان کے حق میں کافر کی وصیت اور کافر کے حق میں مسلمان کی وصیت بھی جائز ہے، گویا صحت وصیت کے لئے اسلام شرط نہیں۔ ذمی مسلمان اور اپنے جیسے ذمی کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، اور اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ ❷ چنانچہ شرعی اصول ہے "جب اہل ذمہ کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہوں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔ ❸

سوریا اور مصر کے قانون میں یہ شق شامل کی گئی ہے۔ غیر مسلم کی اصطلاح میں ذمی حربی، مرتد سب شامل ہیں۔

ا۔ **ذمی کی وصیت**...... ذمی کی وصیت کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے چونکہ ذمی اہل تملیک ہے اور وہ اپنے مال میں من چاہا تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ چنانچہ جیسے مسلمان کی وصیت نافذ ہوتی ہے اسی طرح ذمی کی وصیت تہائی ترکہ میں نافذ ہوگی۔ تہائی سے زائد نافذ نہیں ہوگی۔

ذمی اپنے جیسے ذمی، مستأمن (ویزہ پر آئے ہوئے غیر مسلم) اور مسلمان کے حق میں وصیت کر سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک ذمی دار الحرب میں حربی کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا، چونکہ اس طرح کی وصیت سے دشمن کو تقویت پہنچانا اور اس کی مدد کرنا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ذمی کے عقیدہ کے مطابق جو قربت ہو اس کے لئے وصیت کرنا جائز ہے الا یہ کہ وہ جہت اگر اس کے دین میں اور دین اسلام میں حرام ہو تو وصیت جائز نہیں ہوگی۔

ایسی جہت جو دونوں شریعتوں میں قربت ہو جیسے فقراء کے حق میں وصیت کر دی، یا بیت المقدس کی تعمیر کے لئے وصیت کر دی یا مسلمانوں کے لئے تعمیر مسجد کی وصیت کر دی۔

وہ جہت جو ذمی کی شریعت میں قربت وثواب ہو اور مسلمانوں کی شریعت میں قربت نہ ہو جیسے کنیسہ کی تعمیر کے لئے وصیت کرنا اور ذمی فقراء کو خنزیر کا گوشت کھلانے کی وصیت کرنا۔

---

❶......الوصیة الاستاذ الشیخ عیسوی ص ۶۳۔ ❷الدر المختار ۵/۴۶۳، الکتاب مع اللباب ۴/۱۵۱ البدائع ۷/۱۳۶، الشرح الصغیر ۴/۵۸۱، تبیین الحقائق ۶/۱۸۴، تکملة الفتح ۸/۴۳۰ المغنی ۶/۱۰۴۔ ❸حدیث صحیح رواہ مسلم وغیرہ سنن بریدة

وہ جہت جو مسلمانوں کی شریعت میں قربت ہو اس کی شریعت میں قربت نہ ہو جیسے مسلمانوں کے لئے مسجد تعمیر کرنے کی وصیت کرنا۔
وہ جہت جو دونوں شریعتوں میں حرام ہو جیسے قحبہ خانے، رقص گاہیں بنانے کے لئے وصیت۔
چنانچہ پہلی دوصورتوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک وصیت درست ہے دوسری دوصورتوں میں وصیت درست نہیں۔
مصر اور سوریا کے قانون مین ان احکام کو اختیار کیا گیا ہے۔البتہ تیسری صورت نہیں لی گئی جیسے مسلمانوں کے لئے تعمیر مسجد کی وصیت کرنا گویا قانون میں شافعیہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے۔

حربی وصیت......حربی کے حق میں وصیت صحیح ہے اور حربی کی کسی اور کے حق میں وصیت بھی صحیح ہے۔خواہ حربی مستأمن ہو یا دار حرب میں ہو یہ حنابلہ اور شافعیہ کا موقف ہے۔
جب کہ حنفیہ کے نزدیک اگر حربی دارالحرب میں ہو تو اس کے حق میں وصیت کرنا صحیح نہیں اور اگر وہ مستأمن (ویزہ لے کر دارالاسلام میں آیا) ہو تو اس کے حق میں وصیت صحیح ہے۔مالکیہ کے نزدیک مطلقاً حربی کے حق میں وصیت صحیح نہیں۔
قانون میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے اختیار کی گئی ہے۔

مستأمن......حنفیہ کے نزدیک مستامن ذمی کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کے حق میں وصیت صحیح ہے، اور مستامن مسلمان اور ذمی کے حق میں بھی وصیت کرسکتا ہے۔اگر مستامن کے ورثہ دارالاسلام میں اس کے ساتھ ہوں تو تہائی مال سے زائد وصیت ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔اور اگر اس کے ورثہ دارالحرب میں ہوں تو کل مال میں اس کی وصیت نافذ ہوگی، چونکہ اختلاف دارین کی وجہ سے اس کے مال میں ورثہ کا کوئی حق نہیں رہا، اختلاف دارین توارث کے مانع ہوتا ہے۔

۳۔وصیت مرتد......مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مرتد کی وصیت صحیح ہے بشرطیکہ وصیت حرام مال کی نہ ہو، چونکہ کافر کی وصیت مسلمان کے حق میں صحیح ہے اور مرتد کافر ہوتا ہے۔شرعاً حرام جیسے مسلمان کا شراب یا خنزیر سے نفع اٹھانا۔لیکن یہ فقہاء کہتے ہیں: یہ مرتد کی وصیت موقوف رہے گی جیسے بقیہ تصرفات موقوف ہوتے ہیں۔چونکہ مرتد کے مال سے دوسروں کا حق متعلق ہوجاتا ہے۔اگر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر مرگیا یا ردت کی وجہ سے قتل کردیا گیا تو وصیت باطل ہوجائے گی، بخلاف مریض کی وصیت کے۔

حنفیہ نے عورت اور مرد کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: عورت کی وصیتیں درست ہوتی ہیں اور نافذ العمل ہوتی ہیں جیسا کہ اس کے بقیہ تصرفات صحیح ہوتے ہیں چونکہ حنفیہ کے نزدیک مرتدہ ہونے کی وجہ سے عورت قتل نہیں کی جاتی۔
رہی بات مرتد مرد کی سو اس کی وصیت موقوف ہوتی ہے اگر اسلام کی طرف لوٹ آیا اور اسلام پر مرا تو اس کی وصیت نافذ ہوگی۔جیسے باقی تصرفات نافذ ہوتے۔سوریا میں جمہور کے مذہب کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

چوتھا مقصد: موصی لہ کے احکام......وصیت کے وقت موصی لہ یا تو موجود ہوگا یا اس کا وجود متوقع ہوگا جیسے حمل، یا معدوم ہوگا، اگر موجود ہو تو پھر دوصورتیں ہیں یا تو متعین شخص ہوگا یا جہت عامہ (غیر متعین عام لوگ) میں جہت عامہ، حمل، معدوم، محصور وغیر محصور (غیر محدود) جماعت کے حق میں کی گئی وصیت سے بحث کروں گا۔

ا۔جہات عامہ کے حق میں کی گئی وصیت کا حکم......فقہاء کا اتفاق ہے کہ جہت عامہ مثلاً مساجد، مدارس، ہسپتال، کتب

خانے اور مسافر خانوں کے حق میں وصیت کرنا درست ہے۔ (۱) برابر ہے کہ وصیت کردہ چیز متعین چیز ہو جیسے کتب خانہ کی وصیت کردی یا وہ منفعت ہو جیسے گھر کا کرایہ تجارتی کریڈٹ وغیرھا۔ خواہ دائمی ہو یا متعین وقت کے لئے ہو۔ (۲)

وصیت کردہ چیز کو موصی کی شرط کے مطابق صرف کیا جائے گا بشرطیکہ شرط مقاصد شریعت کی متصادم نہ ہو اگر موصی نے کوئی شرط نہ لگائی ہو تو وصیت کا مال مسجد کی تعمیر اور اصلاح پر خرچ کیا جائے گا، امام و مؤذن کی تنخواہ دی جائے گی، اگر تعلیمی مدرسہ کے لئے وصیت کی ہو تو تعمیر اور دیگر تعلیمی امور پر مال خرچ کیا جائے گا۔

تاہم نگران اپنی سمجھ کے مطابق مال خرچ کرے، چونکہ مسلمان نے قربت خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے وصیت کی ہے، وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہتا ہے کسی کو مالک نہیں بنانا چاہتا۔ اصح قول کے مطابق مسجد کے لئے کی گئی وصیت کا مال مسجد کے فقراء پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح نیکی کے کاموں کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے اگر چہ جہت کی تعیین نہ کی گئی ہو۔ تاہم کسی بھی خیر و بھلائی کے کام میں مال خرچ کیا جائے گا جیسے وقف کی تعمیر، مسجد میں روشنی کا انتظام وغیرھا۔ البتہ وصیت کے مال سے مسجد کی زیبائش و آرائش نہیں کی جائے گی۔ چونکہ زیبائش میں اسراف ہے۔

فی سبیل اللہ وصیت کرنا درست ہے تاہم فی سبیل اللہ وصیت کا مال جہاد اور ضروریات جہاد میں صرف کیا جائے گا اسی طرح ایسے حاجی پر بھی صرف کرنا جائز ہے جو قافلے سے بچھڑ گیا ہو۔

اگر کسی نے کہا: میں نے اللہ کے لئے تہائی مال کی وصیت کردی تو یہ وصیت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، تاہم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں وصیت کا مال صرف کیا جائے گا۔ چونکہ اگر چہ ہر چیز اللہ ہی کی ہے لیکن وصیت کنندہ کی مراد اللہ کی راہ میں مال صدقہ کرنا ہے کیونکہ قرینۂ حال کی بنا پر موصی کا کلام درست کیا جائے گا۔

مصر کے قانون دفعہ ۷، ۸ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۱۳، ۲۱۴ کے تحت فقہاء کے ہاں مذکورہ بالا مقررہ احکام پر صراحت کی گئی ہے۔

۱..... جو وصیت اللہ کے لئے کی گئی ہو یا نیکی کے کاموں کے لئے کی گئی ہو اور جہت (مصرف) کی تعیین نہ کی گئی ہو تو اس وصیت کا مال خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا۔

۲..... جو وصیت عبادت گاہوں، خیراتی اداروں، علمی اداروں اور دوسرے مصالح عامہ کے لئے کی گئی ہو تو اس وصیت کا مال ان اداروں کی تعمیر و ترقی، مصالح، درستی اور ان اداروں کے فقراء پر صرف کیا جائے گا۔ بشرطیکہ عرف سے مصرف کی تعیین نہ ہوتی ہو۔

وصیت حج..... بالاتفاق حج کی وصیت کرنا درست ہے چونکہ حج نیکی کا کام ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: (۳) اگر کسی شخص نے حج اسلام کی وصیت کی تو موصی کی طرف سے اس کے شہر سے ایک شخص کو سوار کر کے حج کے لئے روانہ کیا جائے گا بشرطیکہ نفقہ کافی ہو۔ اگر موصی کے شہر سے حج کروانے کے لئے نفقہ کافی نہ ہو تو جس شہر سے کافی ہوتا ہو وہاں سے حج کروایا جائے گا۔

چونکہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو اس پر پیدل حج کرنا لازمی نہیں۔ جس حالت میں واجب ہو اسی حالت میں حج کروانا واجب ہے۔

---

(۱)..... البدائع ۷/۱ ۳۷، الدر المختار ۵/۰ ۷ ۴، الشرح الصغیر ۴/۱ ۵۸ مغنی المحتاج ۳/ ۴۲۔ (۲) اصل حنفی مذہب میں مسجد کے لئے وصیت صحیح نہیں چونکہ مسجد مالک نہیں بن سکتی تاہم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور انہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ (الدر المختار ۵/ ۴۹۲) (۳) الدر المختار وردالمحتار ۵/ ۴۶۹، الکتاب مع اللباب ۴/ ۱۷۷۔

اسی لئے اتنے مال کا اعتبار کیا گیا ہے جو موصی کے شہر سے کافی ہو جائے، اگر کسی شخص نے کہا میں موصی کی طرف سے پیدل حج کروں گا تو موصی کی طرف سے حج کافی نہیں ہوگا۔

اگر حاجی راستے ہی میں مر گیا اور اس نے بھی حج کی وصیت کر دی تو اس کے علاقے سے کسی کو سوار کر کے حج کروایا جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک یہی قول قابل اعتماد ہے، البتہ جس جگہ حاجی مرا ہو وہاں سے بھی حج کروایا جا سکتا ہے اس قول کا دارومدار استحسان پر ہے۔

اگر کسی شخص کا کوئی متعین وطن نہ ہو تو بالا جماع جہاں مرا ہے وہاں سے اس کی طرف سے حج کروایا جائے گا۔

نفلی حج کی وصیت بھی صحیح ہے، اگر کسی شخص نے کہا میرے تہائی مال سے میری طرف سے حج کروایا جائے یا کہے ایک ہزار روپے میں کروایا جائے جب کہ حج کے لئے تہائی مال یا ہزار روپے کافی ہوتے ہوں، اگر موصی نے حج واحد کی صراحت کی تو اسی پر عمل کیا جائے گا جو مال حج سے بچ رہے ورثہ کو واپس کیا جائے گا، اگر موصی نے صراحت نہ کی ہو تو ایک ہی سال میں متعدد اشخاص سے حج کروائے جائیں گے، یہ افضل ہے، یا ہر سال ایک ایک شخص کو بھیج کر حج کروایا جائے۔ دوسرا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی ہے کہ: نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: [1] نے اگر حج اسلام کی وصیت نہیں کی تو شافعیہ کے مشہور کے قول کے مطابق حج کے کل اخراجات کا حساب کل سرمایہ سے لگایا جائے گا۔ جیسے سارے دیون کا حساب کل سرمایہ سے لگایا جاتا ہے۔ اور اگر موصی نے اصل سرمایہ سے وصیت کی ہو یا تہائی مال سے وصیت کی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کہا: میرا قرضہ تہائی مال سے ادا کیا جائے اور تہائی مال سے ادائیگی پوری نہ ہوتی ہو، اگر موصی نے حج اسلام کی مطابق وصیت کی مثلاً وصیت رأس المال (اصل سرمائے) کے ساتھ مشروط نہیں کی اور نہ ہی تہائی مال کے ساتھ مشروط کی تو حج کے اخراجات اصل سرمائے سے ادا کئے جائیں گے۔ اور اس کی طرف سے حج اس کے شہر کے مخصوص میقات سے کروایا جائے گا، چونکہ اگر وہ زندہ ہوتا اس پر یہی لازم ہوتا، اگر وصیت کی کہ اس کے گھروں سے حج کروایا جائے تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا، اگر تہائی مال سے حج کرنے کی وصیت کی جب کہ تہائی مال ناکافی ہو تو تہائی مال سے حج جہاں سے ممکن ہو وہاں سے کروایا جائے گا۔

اصح قول کے مطابق اجنبی شخص میت کی طرف سے اجازت کے بغیر حج کر سکتا ہے، برابر ہے کہ حج ہو یا عمرہ، یا حج نذر یا نذر کا عمرہ ہو۔ لیکن ذاتی مال سے کیا جائے گا اگرچہ میت پر عرصۂ حیات میں حج یا عمرہ واجب نہ ہوا ہو۔

شافعیہ کے ظاہر مذہب کے مطابق نفلی حج اور نفلی عمرہ کی وصیت صحیح ہے چونکہ نفلی حج میں نیابت جائز ہوتی ہے، کیونکہ حج ایسی عبادت ہے جس کے فرض ہونے کی صورت میں نیابت چلتی ہے، نفلی میں تو بطریق اولیٰ نیابت چلے گی، جیسے ادائے زکوٰۃ، میت کی طرف سے حج یا تو اس کے آبائی شہر سے کروایا جائے گا یا میقات سے کروایا جائے گا بشرطیکہ تہائی مال سے حج ہو سکتا ہو ورنہ جہاں سے ممکن ہو، وہاں سے کروایا جائے گا، اگر موصی نے وصیت مطلق رکھی تو اصح قول کے مطابق میقات سے حج کروایا جائے گا چونکہ وصیت کو عملی جامہ پہنانے کا اقل درجہ یہی ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: فرض حج کا خرچہ اصل سرمایہ سے نکالا جائے گا اگرچہ موصی نے اس کی وصیت نہ بھی کی ہو، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ اور اگر ایسے شخص نے وصیت کی کہ اس پر حج فرض نہ ہو اور اس نے نفل حج کی وصیت کی ہو جو ایک ہزار روپے میں کیا جائے تو حج کے اخراجات تہائی مال سے لئے جائیں گے خواہ سوار ہو کر کروایا جائے یا پیدل۔

---

[1] ......مغنی المحتاج ۳/۶۳، المهذب ۱/۴۵۴۔

چونکہ میت نے اپنے مال کی قربت کی جہت میں وصیت کی ہے لہٰذا مال کو قربت میں صرف کرنا واجب ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے فی سبیل اللہ وصیت کی ہو چنانچہ کسی کو نفقہ مثل سے زائد مال نہیں دیا جائے گا۔ چونکہ موصی نے معاوضہ کے اعتبار سے تصرف کو مطلق رکھا ہے، لہٰذا عوض مثل کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسے بیع وشراء کے معاملہ میں عوض مقرر کیا جاتا ہے۔

اگر ہزار روپے حج کے لئے کافی نہ ہوں تو اس جگہ سے حج کروایا جائے گا جہاں سے ممکن ہو چونکہ موصی نے حج پر صرف کئے جانے والی رقم متعین کی ہے لہٰذا بقدر امکان مال صرف کیا جائے گا۔

وصی کے لئے صحیح نہیں کہ وہ ہزار روپے میں حج کرے چونکہ وصی تو وصیت کو نافذ کرتا ہے جیسے صدقہ کرنے کے متعلق کسی کو وکیل بنایا جاتا ہے چنانچہ مامور صدقہ کی جانے والی رقم سے نہیں لے سکتا۔

اگر موصی نے کہا میری طرف سے ایک ہزار روپے میں حج کردو تو ہزار روپے ایسے شخص کو دے دیئے جائیں گے جو اس کی طرف سے حج کرے اور ایک ہی حج کروایا جائے گا۔

چونکہ موصی کی وصیت کا مقتضا یہی ہے اور اسی کو نافذ کیا جائے گا۔ اگر موصی نے کسی شخص کو وصی مقرر کیا اور کہا میری طرف سے فلاں شخص ایک ہزار روپے میں حج کرے، یہ موصی کی طرف سے قابل اعتبار وصیت ہوگی، اگر وصی کا حج کرنے کا ارادہ ہو تو اسے سفر شروع کرنے سے پہلے روپے دے دیئے جائیں، اگر وصی نے حج کرنے سے انکار کردیا تو اس کے حق میں وصیت باطل ہوجائے گی اور کم از کم نفقہ کے ساتھ اس کی طرف سے حج کروایا جائے گا جو باقی بچ رہے وہ ورثہ کا حق ہوگا۔ مال وصی کو ایام حج میں دیا جائے گا تاکہ مال محفوظ رہے، نیز ایام حج میں دینے سے حج میں معاونت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

اگر کسی شخص نے کہا میری طرف سے حج کرواؤ اور اس نے مال کی مقدار متعین نہیں کی تو اس کی طرف سے حج کرنے والے کو مثلی نفقہ (جتنے خرچے میں حج ہوجاتا ہو) دیا جائے گا چونکہ اطلاق مثلی نفقہ سے زائد کا مقتضی نہیں۔

اگر کسی شخص نے تین آدمیوں کو تین حجوں کی وصیت کی تو ایک ہی سال میں ان تینوں کو مال دے کر حج کروایا جائے گا۔

اگر سفر حج میں مال ضائع ہوگیا (مثلاً گم ہوگیا یا چوری ہوگیا) تو وہ مال موصی کے کھاتے سے ضائع ہوگا اس کا تاوان نائب پر نہیں پڑے گا، چونکہ نائب امین ہے جیسے ودیع امین ہوتا ہے، مال ضائع ہونے کی صورت میں نائب کے ذمہ اتمام حج نہیں ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک مال کے صدقہ کرنے کی وصیت نفلی حج کرنے سے افضل ہے، حنابلہ کا یہ موقف حنفیہ کے خلاف ہے حنفیہ کے نزدیک نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔

۲۔حمل کے حق میں وصیت...... میں نے شرائط کی بحث میں بیان کردیا ہے کہ حمل کی وصیت اور حمل کے حق میں وصیت درست ہے بشرطیکہ بوقت وصیت حمل کا وجود متحقق ہوچکا ہو۔ ❶ حمل کی وصیت جیسا کہ زمانہ ماضی میں ہوتا تھا کہ کسی شخص کی باندی ہوتی جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور اس باندی کے پیٹ میں جو حمل ہو مالک اس کی کسی شخص کے حق میں وصیت کردے۔

عصر حاضر میں گائے بھینس بکری کے پیٹ میں پڑے حمل کی کسی شخص کے حق میں وصیت کردی بشرطیکہ بوقت وصیت گائے کے پیٹ میں حمل موجود و متحقق ہو۔

حمل کے حق میں وصیت کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص کہے میں نے اپنے تہائی مال کی فلاں عورت کے حمل کے حق میں وصیت کردی بشرطیکہ اس عورت میں حمل کا وجود متحقق ہو۔

---

❶......الدر المختار ورد المحتار ۴۶۲/۵، تکملۃ فتح القدیر ۴۳۴/۸، الشرح الصغیر ۵۸۱/۴ مغنی المحتاج ۴۰/۳، المہذب ۴۵۱/۱، المغنی ۵۶/۶، الکتاب مع اللباب ۱۵۲/۴۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ حمل کے حق میں وصیت کرنا درست ہے چونکہ وصیت میراث کی مانند ہے اور حمل وارث بنتا ہے لہٰذا اس کے حق میں وصیت کرنا درست ہے۔

حمل کے لئے شرائط وصیت...... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک حمل کے حق میں وصیت صحیح ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں۔

۱...... یہ کہ بوقت وصیت حمل کا وجود ماں کے بطن میں متحقق ہو، اگر حمل کا وجود متحقق نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مالکیہ نے یہ شرط نہیں لگائی۔

تحقق حمل...... حنفیہ کے نزدیک درج ذیل امور سے ہوتا ہے۔

الف...... بوقت وصیت موصی حمل کے موجود ہونے کا اقرار کرتا ہو اور عورت دو سال کے اندر اندر وضع حمل بھی کر دے برابر ہے کہ حمل کی ماں زیر نکاح ہو یا معتدہ ہو یا بیوہ ہو۔

ب...... اگر حمل کا اقرار نہ ہو تو شرط ہے کہ حمل وصیت کی تاریخ سے چھ ماہ میں پیدا ہو۔

جب کہ حمل کی ماں زیر نکاح ہو یا معتدہ طلاق رجعی ہو، چونکہ یہ مدت حمل کی اقل مدت ہے جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے نیز یہ کہ خاوند زندہ ہو۔

اور اگر خاوند مر چکا ہو تو شرط ہے کہ حمل زندہ پیدا ہو اور خاوند کی وفات کے بعد دو سال کے عرصہ کے اندر اندر حمل پیدا ہو وجہ نسب کی بحث میں گزر چکی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... نے پہلی صورت میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، چنانچہ حمل کے حق میں اور حمل کی وصیت درست ہے بشرطیکہ ماں تاریخ وصیت سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ جنم دے، یہ اس صورت میں ہے جب ماں زیر نکاح ہو۔ جب کہ دوسری صورت میں حنفیہ سے اختلاف کیا ہے چنانچہ اگر وصیت کے بعد چار سال کے اندر اندر حمل پیدا ہو جائے تو وصیت درست ہے اور اگر فرقت کے بعد چار سال سے زائد عرصہ میں حمل پیدا ہوا اور وصیت کے بعد چھ ماہ سے زائد عرصہ میں حمل پیدا ہو تو وصیت صحیح نہیں ہوتی چونکہ یہ احتمال ہے کہ حمل وصیت کے بعد کا ہے۔

حاصل یہ رہا کہ تین مذاہب میں شرط ہے کہ بوقت وصیت حمل موجود ہو۔

۲...... یہ کہ بچہ زندہ پیدا ہو اور اس کی زندگی کا یقین ہو، مثلاً پیدا ہونے کے بعد بچہ چیخے چلائے، اسی طرح مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طبی معائنے سے بھی یقین حاصل ہو سکتا ہے، مصر کے قانون دفعہ ۳۵ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۶ کے تحت اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

۳...... یہ کہ حمل موصی کی تعیین کردہ صفت پر ہو، اگر کسی متعین شخص کے نطفے سے پیدا ہونے والے حمل کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو شرط ہے کہ شرعاً اس شخص سے حمل کا نسب بھی ثابت ہو، یہ شافعیہ کا مذہب ہے اور قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

تعدد حمل...... اگر ایک وقت میں عورت ایک سے زائد بچے جنم دے یا الگ الگ دو وقتوں میں ایک سے زائد بچے جنم دے لیکن دونوں اوقات کے درمیان چھ ماہ سے کم عرصہ ہو، اگر سارے بچے زندہ پیدا ہوں تو وصیت ان سب کے حق میں یکساں ہوگی۔

اگر ایک زندہ پیدا ہوا اور دوسرا مردہ پیدا ہو تو وصیت کا حق دار زندہ ہوگا۔ اور اگر ایک زندہ پیدا ہونے کے بعد مر جائے اور وصیت

کردہ چیز متعین ہو جیسے گھر تو اس کا حصہ اس کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ چونکہ وہ وصیت کردہ چیز کا کامل مالک بنا تھا۔

اگر چہ اس چیز کی منفعت موصی کے ورثہ کو پہنچی ہو چونکہ وصیت جو منافع جات کے متعلق کی گئی ہو وہ عورت سے منتہی ہو جاتی ہے بشرطیکہ کوئی دوسری شرط نہ پائی جاتی ہو۔ ❶

جب کہ اموی قانون زیر دفعہ ۳۵ اور سعودیہ کے قانون ۲۳۶ میں متذکرہ بالا فقہی تحقق سے عدول کیا گیا ہے، اور یوں صراحت کی گئی ہے۔

موصی اگر حمل کا اقرار کرتا ہو تو اس صورت میں ضروری ہے کہ حمل ایک شمسی سال (۳۶۵ ایام) کے اندر اندر پیدا ہو، اس ایک سال کا اعتبار وصیت کے بعد سے ہوگا، قانون میں محمد بن عبدالحکم مالکی کی رائے اختیار کی گئی ہے انہوں نے اکثر مدت حمل ایک قمری سال قرار دی ہے۔ جب کہ اطباء کے ہاں مقرر ہے کہ حمل بطن میں ایک شمسی سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔

اگر موصی نے حمل کا اقرار نہ کیا ہو تو شرط ہے کہ حمل مصری قانون کے مطابق ۲۷۰ دنوں کے اندر اندر پیدا ہو جب کہ سوریا کے قانون کے مطابق ۹ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو، مدت کی ابتدا وصیت کے دن سے ہوگی۔

۳۔ معدوم کے حق میں وصیت...... معدوم سے مراد ایسا شخص ہے جو وصیت کے وقت موجود نہ ہو اور وصیت کے بعد اس کی توقع ہو، چنانچہ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ معدوم کے حق میں کی گئی وصیت باطل ہے۔ ❷ چونکہ موصی لہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بوقت وصیت موصی لہ موجود ہو۔ تاہم میت یا ایسے فرد کے حق میں وصیت صحیح نہیں جس کا وجود متوقع ہو، نیز وصیت میں تملیک کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور معدوم وصیت کا مالک نہیں بن سکتا۔ بخلاف وصیت کردہ چیز کے۔

چنانچہ موصی بہ اگر موجود نہیں تو بھی اس کی وصیت صحیح ہے نیز وصیت میراث کی مانند ہے اور متوفی وراثت میں وہی چیز چھوڑتا ہے جو موجود متوقع ہو، یہی حال وصیت کا ہے۔

اگر موصی لہ کے اوصاف کی تعیین کر دی گئی ہو جیسے طلبہ علم تو شرط ہے کہ موصی لہ بوقت وصیت موجود ہو۔

مالکیہ...... نے معدوم کے حق میں وصیت جائز قرار دی ہے، ان کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً میت کے حق میں وصیت کی گئی تو وصیت کا مال موصی لہ (میت) کے قرضہ جات کی ادائیگی اور اس کی وصیتوں میں صرف کیا جائے گا اور جو بچ رہے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی، اور بیت المال کے سپرد نہیں کی جائے گی۔

مصر اور سوریا کے قانون میں مالکیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے تاکہ وصیت کے نفع اٹھانے میں عموم رہے اور مخیر حضرات کو وصیت کی ترغیب بھی ہو جائے۔

قانون میں معدوم کے حق میں وصیت کے احکام...... مصری اور سوریا کے قانون کی رو سے معدوم کے حق میں وصیت صحیح ہے، مثلاً کوئی کہے: میں نے خالد کی اولاد (جو مستقبل میں پیدا ہوگی) کے حق میں وصیت کر دی، معدوم کے حق میں کی گئی وصیت یا تو متعین چیز کی صورت میں ہوگی یا منافع جات کی وصیت ہوگی۔ ان دونوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

۱۔ معدوم کے حق میں متعین اشیاء کی وصیت...... اگر وصیت کردہ چیز متعین ہو جیسے گھر، زمین وغیرھا اور موصی لہم بھی شمار میں آسکتے ہوں مثلاً ان کی تعداد ایک سو (۱۰۰) یا اس سے کم ہو تو وصیت کردہ چیز کی آمدنی اور پیداوار ان موصی لہم کے لئے ہوگی جو بوقت

❶...... مصر کا قانون دفعہ ۲/۲۳۷، مصر کا قانون دفعہ ۳۶. ❷ الدر المختار ورد المحتار ۴۵۹/۵، مغنی المحتاج ۴۰/۳، المغنی ۵۸/۶.

وفات موجود ہوں، تاوقتیکہ کوئی اور بھی وجود میں آجائے تو وہ پہلے سے موجودین کے ساتھ شریک ہوگا۔

جب اصل چیز اور اس کی پیداوار موصی لہم کی ملکیت بن جائے تو وہ چیز زندوں اور مردوں کے درمیان تقسیم کی جائے گی، البتہ مردے کا حصہ اس کے ورثہ کو ملے گا اور ان کے درمیان میراث کے طور پر حصے تقسیم کئے جائیں گے۔ ❶

۲۔ معدوم کے حق میں منفعت کی وصیت...... معدوم قابل شمار ہوں ان کے حق میں منفعت کی وصیت صحیح ہے تاہم اصل چیز کی ملکیت ہر حال میں موصی کے ورثہ کی ہوگی، موصی لہم کو صرف منفعت ملے گی۔

اگر موصی کی وفات کے بعد صرف ایک موصی لہ پایا جائے تو ساری پیداوار کا وہی حق دار ہوگا۔

اور اگر کوئی موصی لہ نہ پایا جائے تو پیداوار موصی کے ورثہ کی ملکیت ہوگی۔

اگر کچھ موصی لہم مر جائیں اور کچھ باقی رہیں تو جو باقی ہوں پیداوار انہیں ملے گی۔ ❷

۳۔ مختلف طبقات کے حق میں منفعت کی وصیت...... مصری قانون نے دفعہ ۲۹ کے تحت موصی لہ کی اولاد میں سے پہلے دو طبقوں کے لئے منفعت کی وصیت جائز قرار دی ہے، دو طبقوں سے زائد وصیت باطل قرار دی گئی ہے، تاہم صورت جواز میں قانون کا دارومدار مالکیہ کے مذہب پر ہے اور صورت بطلان کا دارومدار ابن ابی لیلیٰ کی رائے پر ہے ان کے نزدیک منافع کی وصیت مطلقاً ممنوع ہے۔

سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۲ میں وصیت اولاد کے صرف پہلے طبقہ تک منحصر رکھی گئی ہے تاکہ وصیت ذریاتی وقف کی صورت نہ اختیار کرے اور یہ صورت قانوناً لغو ہے جب اولاد کا پہلا طبقہ ختم ہو جائے تو وصیت کردہ چیز موصی کے ترکہ میں لوٹ آئے گی۔ الا یہ کہ موصی نے کلی وصیت کی ہو۔ ❸

قانونی رو سے طبقات کے لئے وصیت برقرار نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور وصیت کردہ منفعت کے حصے بہت چھوٹے چھوٹے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے مستحقین میں جھگڑا کھڑا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

مصری قانون میں ہے کہ جب وصیت مختلف طبقات کے حق میں کی گئی ہو جیسے مثلاً کسی نے کہا: میں نے عامر کی اولاد کے حق میں وصیت کر دی ان کے بعد پھر ان کی اولاد کے لئے، چنانچہ پیداوار پہلے طبقہ کے افراد پر صرف کی جائے گی اور جب یہ طبقہ ختم ہو جائے تو دوسرے طبقہ پر صرف کی جائے گی۔

۴۔ محدود جماعت کے حق میں وصیت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ محدود جماعت کے حق میں وصیت درست ہے، اس جماعت کی تحدید یا تو نام لے کر کر دی ہو مثلاً کہا: احمد خالد علی کے لیے وصیت کی یا اشارہ سے ان کی تحدید کر دی۔ مثلاً کہا: ان لوگوں کے لئے میں نے وصیت کر دی، یا وصف سے تحدید کر دی مثلاً کہا طلبہ علم یا فلاں کی اولاد، یا فلاں فلاں مریضوں یا بنی فلاں کے لئے وصیت کر دی جب کہ اس جماعت کے افراد گنتی میں آسکتے ہوں۔

اول...... اگر وصیت ایسے لوگوں کے حق میں کی گئی ہو جنہیں ناموں کے ساتھ متعین کر دیا گیا ہو تو وصیت کردہ مال موصی کے صراحت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

اگر موصی کی طرف سے کوئی وضاحت نہ کی گئی ہو تو مال یکساں طور پر فی نفر کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا، اور جو شخص استحقاق کے

---

❶...... سوریا کا قانون دفعہ ۲۳۱۔ ❷ مصری قانون دفعہ ۳۸۔ ❸ الوصیة لعیسوی ص ۷۴، الوصیة للدکتور مصطفی السباعی ص ۱۱۷۔

بعد مر جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کو ملے گا بشرطیکہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) متعین ہو اور اگر موصی بہ منفعت ہو تو اس کا حصہ بقیہ موصی لہم کو ملے گا چونکہ حنفیہ کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے۔

اگر وصیت بعض متعین افراد کے حق میں باطل ہو جائے مثلاً وہ مر گئے ہوں تو حنفیہ کے نزدیک جو لوگ وصیت میں داخل تھے پھر خارج ہو گئے بوجہ شرط کے نہ پائے جانے کے یا اہلیت کے زائل ہو جانے کے تو ان کا حصہ موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

اور اگر سرے سے داخل ہی نہ ہوں تو ان کا حصہ موصی لہم میں تقسیم کیا جائے گا۔لیکن مصری قانون میں دفعہ ۳۳ کے تحت بطلان وصیت کی صورت میں شافعیہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے کہ وصیت موصی کے ترکہ میں لوٹ آئے گی۔

دوم......اگر وصیت گنتی کے افراد کے حق میں ہو اور وہ وصف یا جنس کے اعتبار سے معروف ہوں تو وصیت کردہ چیز موصی کی وضاحت کے موافق تقسیم کی جائے گی۔

ورنہ فی نفر کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی جیسا کہ پہلی صورت میں اوپر گذر چکا ہے۔

اگر موصی لہم میں سے کوئی بعد از استحقاق مر جائے تو وصیت کردہ مال ورثہ کو ملے گا بشرطیکہ وصیت کردہ چیز متعین ہو اور اگر وصیت کردہ چیز منفعت ہو تو اس کا حصہ بقیہ موصی لہم کو ملے گا چونکہ حنفیہ کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے جیسا کہ پہلی صورت میں ذکر ہوا ہے۔

مشترکہ وصیت کی تقسیم کا طریقہ کار

وصیت مشترکہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی وصیت جس کا موصی لہ مشترک مجموعہ ہو جس میں متعین افراد بھی ہو، گنتی کی جماعت بھی ہو، غیر محصور بھی ہوں اور نیکی کی جہت بھی ہو جیسے مثلاً کسی نے تہائی مال کی وصیت کی خالد کے لئے اس کے چار بیٹوں کے لئے فقراء کے لئے اور ہسپتال کے لئے۔

مصر کے قانون دفعہ ۳۲ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۵ کے تحت وصیت کردہ تہائی مال کی تقسیم کا طریقہ کار کی یوں صراحت کی گئی ہے کہ اوپر بیان کی گئی مثال میں وصیت سات حصوں میں تقسیم کی جائے گی کہ ہر متعین فرد، محدود جماعت کے افراد میں سے ہر فرد، غیر محدود جماعت اور نیکی و بھلائی جہت کے لئے ایک الگ حصہ ہو گا گو ایک حصہ خالد کو ملے گا اس کے بیٹوں میں سے ہر ایک کو ایک الگ حصہ ملے گا۔فقراء کو ایک حصہ ملے گا اور ہسپتال کو ایک حصہ دیا جائے گا۔چنانچہ فقراء کو فرد واحد کے طور پر اعتبار کیا گیا ہے۔

یہ دو ائمہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی رائے ہے اور اسی کو قانون میں اختیار کیا گیا ہے۔ [1]

شافعیہ...... کہتے ہیں اگر کسی شخص نے زید اور فقراء کے حق میں وصیت کی تو زید ایک فرد کے بمنزلہ ہو گا اور وہ مجموعہ فقراء میں سے شمار کیا جائے گا۔ [2]

حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے زید اور فقراء کے حق میں وصیت کی تو مال زید اور فقراء کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، نصف زید کو ملے گا اور نصف فقراء کو۔

اوپر بیان کی گئی وضاحت قانون میں تب ہے جب خالد کی کوئی اور اولاد نہ ہو اور اگر اس کے بعد خالد کے ہاں پانچواں بیٹا پیدا

---

[1]......امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان سب کو دو حصے ملیں گے دیکھئے الدر المختار ۵/۴۷۷، البدائع ۷/۳۴۳۔ [2] مغنی المحتاج ۳/۶۲۔

ہو جائے تو موجود معدوم کے متعلق دفعہ ۲۳۱ نافذ العمل ہوا، یہ دفعہ مالکیہ کے مذہب سے مؤید ہے، چنانچہ وصیت کردہ مال کے آٹھ حصے کئے جائیں گے، ایک حصہ خالد کو، ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ، فقراء کو ایک حصہ اور ہسپتال کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

۵۔ غیر محدود جماعت کے حق میں وصیت...... میں یہاں ہر مذہب کی رائے علیحدہ علیحدہ بیان کروں گا۔

حنفیہ کی رائے...... ❶ شرط یہ ہے کہ موصی لہ متعین ہو گویا مجہول کے حق میں وصیت باطل ہے۔ چونکہ وصیت بوقت موت تملیک ہوتی ہے، لہٰذا بوقت موت موصی لہ کا متعین ہونا ضروری ہے تاکہ موت کے وقت اس کے حق میں ملکیت واقع ہو جائے اور موصی بہ کی سپردگی ممکن قرار پائے۔

بنا برہذا اگر کسی نے تہائی مال کی وصیت عام مسلمانوں کے حق میں کر دی تو یہ وصیت صحیح نہیں، چونکہ مسلمان بے شمار ہیں، ہاں البتہ اگر وصیت میں کوئی ایسا لفظ ہو جو موصی لہم کی ضرورت وحاجت ظاہر ہو تو پھر وصیت باطل نہیں ہوگی جیسے مثلاً موصی نے فقراء، مساکین اور مجاہدین کے حق میں وصیت کر دی ہو، چونکہ وصیت اس صورت میں صدقہ اور قربت ہے جب کہ اللہ ایک اور متعین ہے لہٰذا مال اللہ کی راہ میں ہوگا، پھر فقراء مالک ہوں گے اگرچہ وہ بے شمار ہوں۔

شمار میں آنے والے اور بے شمار کی حد فاصل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سو ہے چنانچہ سو سے اوپر بے شمار اور سو سے نیچے شمار میں آنے والے ہیں۔ اسی قول پر فتویٰ ہے اور قانون میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

اگر موصی لہم بے شمار (غیر محصورین) ہوں تو ان میں سے جو حاجت مند ہوں گے وہ وصیت کا مصرف قرار پائیں گے سب پر وصیت کا مال صرف نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی یکسانیت رکھی جائے گی بلکہ جو شخص وصیت کو عملی شکل دے رہا ہو (نفاذ کنندہ) اس کی صوابدید اور اجتہاد پر مال تقسیم کیا جائے گا۔

اور اگر وصیت کردہ چیز منافع ہو تو پیداوار بیان کردہ صفت کے مطابق تقسیم کی جائے گی یعنی اگر موصی لہم کی صفت فقراء ہو تو فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

مالکیہ...... کی رائے ہے ❷ کہ وصیت غیر متعین لوگوں کے حق میں صحیح ہے جیسے فقراء، چنانچہ فقراء کے ساتھ مساکین بھی وصیت میں داخل ہوں گے اسی طرح مساکین کے ساتھ فقراء بھی وصیت میں داخل ہوں گے۔ چونکہ عرف یہی ہے یعنی جب فقیر اور مسکین الگ الگ ہوں تو حکم میں جمع ہوں گے اور جب جمع ہوں تو حکم میں الگ الگ ہوں گے۔ گویا یہ دو الفاظ غیر مترادف ہیں۔ یہی مذہب دوسرے ائمہ کا بھی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب...... غیر متعین لوگوں کے حق میں وصیت درست ہے ❸ جیسے کسی نے عام مصرف کے حق میں وصیت کر دی مثلاً کہا فقراء کے حق میں میں نے وصیت کر دی، یا موصی لہم تو متعین کر دیئے لیکن وہ بے شمار ہوں جیسے ہاشمیین، مطلبیین، شافعیہ کے نزدیک موصی لہم کے تین افراد پر اکتفاء کر لینا جائز ہے ان میں برابری کرنا واجب نہیں حنابلہ کے نزدیک فرد واحد پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے۔

سبھی فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو وصیت غیر متعین موصی لہم کے لئے ہو تو وہ لازمی ہو جاتی ہے اس میں قبول کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

---

❶ ..... البدائع ۳۴۳/۷۔ ❷ الشرح الکبیر ۴۲۳/۴، الشرح الصغیر ۵۹۱/۴۔ ❸ مغنی المحتاج ۵۳/۳۔

خلاصہ...... حنفیہ نے غیر محصورین (بے شمار) لوگوں کے لئے وصیت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ لفظ وصیت میں ایسی صفت لائی گئی ہو جو موصی لہم کے محتاج ہونے کو ظاہر کرتی ہو، جب کہ جمہور نے مطلقاً اس وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔

جب کہ مصر کے قانون دفعہ ۳۰ اور سوریا کے قانون دفعہ ۳۳۳ / ۱ کے تحت حنفیہ کے مذہب سے عدول کیا ہے چنانچہ قانون کی رو سے بلا کسی قید کے غیر محصورین (بے شمار) کے حق میں وصیت جائز ہے چونکہ وصیت میں قربت کا معنی ہر حال میں موجود ہوتا ہے۔

موصی لہم کے بعض الفاظ کا مقصد...... فقہاء کی بعض عبارات جو وصیت کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور ان کا تعلق موصی لہم سے ہے، آیا کہ ان عبارات سے مراد کیا ہے؟ ❶

جیران...... جیران، جار کی جمع ہے بمعنیٰ پڑوسی، اگر کسی شخص نے اپنے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کی تو پڑوسی سے مراد کون لوگ ہوں گے؟ سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پڑوسی سے مراد ملاصق (جو ساتھ ملا ہو) ہے چونکہ جوار (پڑوس) قرب سے عبارت ہے اور اس کی حقیقت ملاصق ہے، ملاصق کے علاوہ بعید ہیں۔ صاحبین نے استحساناً کہا ہے مسجد میں جمع ہوتے ہوں، حنفیہ کے نزدیک امام صاحب کا قول صحیح ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں پڑوسیوں کی وصیت میں چار جہتوں کے ملاصقین شامل ہوں گے، اگر درمیان میں چھوٹی سڑک ہو تو بالمقابل کے پڑوسی بھی شامل ہوں گے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: پڑوسیوں سے مراد گھر کی ہر طرف کے چالیس گھر ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ پڑوسی چالیس گھروں تک ہوتے ہیں یوں اور یوں اور یوں اور یوں (آپ نے مختلف جہات کی طرف اشارہ کیا)۔ ❷

پڑوسیوں کے حق میں کی گئی وصیت مکانوں کی تعداد کے حساب سے تقسیم کی جائے گی نہ کہ رہائشیوں کی تعداد کے حساب سے، حنابلہ کے نزدیک وصیت میں وہی پڑوسی شامل ہوں گے جو بوقت وصیت موجود ہوں، اور اگر وصیت اور موت کے درمیانی عرصہ میں کوئی اور لوگ پڑوسی ہو چکے ہوں تو وہ وصیت میں داخل نہیں ہوں گے۔

مسجد کے پڑوسی...... حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق مسجد کے پڑوسی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہوں ❸ کیونکہ حدیث ہے۔ ''مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے۔'' ❹ اسی طرح ایک نابینا صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ انہیں گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دی جائے، اس پر آپ نے فرمایا: کیا تم آذان کی آواز سنتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: پھر جواب دو (یعنی مسجد میں آؤ)۔ ❺

شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مسجد کے پڑوسی وہی ہیں جو گھر کے پڑوسی ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے مسجد کے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کر دی تو مسجد کے وہی پڑوسی ہوں گے جو گھر کے پڑوسی ہوتے ہیں۔

سسرال و داماد...... جس شخص نے اپنے سسرال کے حق میں وصیت کی تو متقدمین کے عرف میں سسرال سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیوی کے ذی رحم محرم ہوں، جیسے بیوی کے آباؤ اجداد، چچی، ماموں اور بہنیں، البتہ ہمارے عرف میں سسرال کے حق میں کی گئی وصیت بیوی

---

❶......الکتاب مع اللباب ۴/۱۷۹، الشرح الصغیر ۴/۵۹۱، مغنی المحتاج ۳/۵۸، الکشاف القناع ۴/۴۹۸۔ ❷ رواہ احمد۔ ❸ اذان جو لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہو مراد ہے۔ ❹ حدیث ضعیف رواہ الدار قطنی عن جابر وابی هريرة۔ ❺ رواہ مسلم۔

کے والدین کے ساتھ مخصوص ہوگی، بعض فقہاء نے پہلی تعبیر کو ترجیح دی ہے، لیکن میرے نزدیک اس کا دارومدار عرف پر ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنے دامادوں کے حق میں وصیت کی تو داماد سے مراد ہر ذی رحم محرم (عورت) کا خاوند ہوگا جیسے بیٹیوں کے خاوند، بہنوں کے خاوند، پھوپھیوں اور خالاؤں کے خاوند۔

ہمارے ملک شام کے علاقوں میں مشہور یہ ہے کہ سسر سے مراد بیوی کا خاوند اور داماد سے مراد بیٹی کا خاوند ہے۔ عصر حاضر میں عرف میں یہی مراد لئے جاتے ہیں۔

اقارب وارحام...... اگر کسی شخص نے اپنے اقرباء یا ارحام کے حق میں وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ذوی الارحام میں سے اقرب فالاقرب مراد ہوگا، اس میں کافر اور مسلمان، چھوٹا بڑا سب یکساں ہیں۔ اس وصیت میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوگی، چونکہ والدین اور اولاد کو اقرباء نہیں کہا جاتا اور اگر والد اپنی اولاد میں سے کسی کو قریبی کہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس کی نافرمان اولاد ہے، چونکہ قریبی رشتہ دار کی وجہ سے غیر قریب ہو جاتا ہے جب کہ والد اور اولاد بذاتہ قریبی ہوتے ہیں قریبی ہونے میں وہ کسی وسیلہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ اقرباء کے حق میں لی گئی وصیت دو اور ان سے زائد کے لئے ہوگی چونکہ اقرباء یا اقارب کا لفظ جمع کا صیغہ ہے اور اقل جمع وصیت میں دو ہے جیسے میراث میں اقل جمع کا اطلاق دو پر ہوا ہے۔

خلاصہ...... اقرب (قرابتدار) سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس میں چار شرائط پائی جائیں۔ یہ کہ مستحقین دو یا دو سے زائد ہوں، یہ کہ قرابتدار موصی کے اس طرح قریب ہو کہ ان کے درمیان کوئی حاجب حائل نہ ہو۔ یہ کہ اقرب موصی کا ذی رحم محرم ہو اور یہ کہ موصی کا وارث نہ بنتا ہو۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: اہل خاندان اور ارحام کے حق میں کی گئی وصیت موصی کے ان اقارب کے ساتھ مخصوص ہوگی جو باپ کی طرف سے اس کے قرابتدار ہوں اور وارث نہ بنتے ہوں، بشرطیکہ ایسا کوئی قرابتدار ہو، چونکہ وصیت میراث کے مشابہ ہے چنانچہ عصبہ کو ذوی الارحام پر مقدم رکھا جاتا ہے، اگر موصی کے باپ کی طرف سے قرابتدار نہ ہوں تو وصیت میں ماں کی طرف سے رشتہ دار جیسے ماں کا باپ، ماں کی ماں، ماں کا بھائی وغیرہم داخل ہوں گے، ان میں سے جو زیادہ محتاج ہوا سے مقدم رکھا جائے گا پھر درجہ بدرجہ، اگر محتاج میں سبھی برابر ہوں تو وصیت میں یکساں ہوں گے۔

اگر کسی نے کہا: میں نے فلاں شخص کے اقارب کے حق میں وصیت کردی ہے تو اس شخص کے ورثاء اور غیر ورثاء وصیت میں شامل ہوں گے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے زید کے اقارب کے حق میں وصیت کی تو وصیت میں زید کا ہر قرابتدار داخل ہوگا اگرچہ دور تک چلے جائیں، چونکہ لفظ میں عموم ہے، خواہ قرابتدار مسلمان ہو یا کافر، مالدار ہو یا فقیر، البتہ زید کے والدین اور اولاد وصیت میں داخل نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں: چونکہ عرف میں والدین اور اولاد کو اقارب نہیں کہا جاتا، رہی بات دادا اور پوتے کی سو وہ داخل ہوں گے۔

عرب کی وصیت کی صورت میں اگر اقارب کے حق میں کی گئی ہو تو ماں کے قرابتدار داخل نہیں ہوں گے (یہ اصح قول ہے، یعنی جب موصی عربی ہو چونکہ عرب ماں کے اقرباء پر فخر نہیں کرتے اور نہ ہی ماں کے قرابتداروں کو حقیقی قرابتداری سمجھتے ہیں لیکن قابل اعتماد قول کے مطابق ماں کے قرابتدار بھی داخل ہوں گے جیسا کہ حنفیہ کا موقف ہے۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ بیٹا باپ پر مقدم ہوگا، بھائی دادا پر چونکہ بیٹے اور بھائی کی وراثت داری قوی تر ہے، مذکر مؤنث میں ترجیح کا پہلو

نہیں رکھا جائے گا بلکہ باپ، ماں اور بیٹا، بیٹی برابر ہوں گے چنانچہ نواسے کو پوتے کے بیٹے پر مقدم رکھا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنے اقرباء کے حق میں وصیت کی تو اصح قول کے مطابق اس کے ورثہ وصیت میں داخل نہیں ہوں گے، جیسا کہ مالکیہ نے ذکر کیا ہے، چونکہ وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاتی لہٰذا ورثہ کے علاوہ بقیہ اقرباء کے ساتھ وصیت مخصوص ہوگی۔

حنابلہ کا مذہب شافعیہ جیسا ہے البتہ حنابلہ کہتے ہیں: قرابتداروں کے حق میں کی گئی وصیت میں کفار داخل نہیں ہوں گے، یہ وصیت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہوگی، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ......النساء ۴/۱۱

اللہ تمہیں تمہارے اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ہر مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔

چنانچہ آیت میراث میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان میت کے ترکہ میں کافر کو داخل نہیں کیا، جب اللہ تعالیٰ کے عموم الفاظ میں کفار داخل نہیں تو مسلمان کی وصیت میں بھی کافر داخل نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بظاہر مسلمان اپنی وصیت میں کفار کا ارادہ نہیں کرتا، چونکہ کفار سے مسلمانوں کی دینی عداوت ہوتی ہے۔

اہل......اگر کسی شخص نے اپنے اہل کے لئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل کا لفظ بیوی کے ساتھ مخصوص ہے، چونکہ درحقیقت بیوی ہی کو اہل خانہ کہا جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

”وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ“ یعنی اپنی بیوی کو لے کر چلے۔ القصص ۲۸/۲۹

”فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا“۔ ”موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تم ٹھہرو“ طٰہٰ ۲۰/۱۰

صاحبین کہتے ہیں......اہل میں خادم کے علاوہ وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جن کا نفقہ موصی پر واجب ہو چونکہ لغوی اعتبار سے اہل کا لفظ مرد کے اقرباء اور خاندان کے لئے بولا جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ......النمل ۲۷/۵۷

سو ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے خاندان کو نجات دی البتہ ان کی بیوی۔

بہتر یہ ہے کہ اس کا دارومدار عرف پر رکھا جائے۔

آل بیت......اگر کسی شخص نے اپنے آل بیت کے حق میں وصیت کی تو اس میں موصی کا قبیلہ شامل ہوگا چونکہ آل سے مراد وہ قبیلہ ہوتا ہے جس کی طرف موصی کی نسبت کی جاتی ہو، اس وصیت میں موصی کے وہ آباء داخل ہوں گے جو اس کے وارث نہ بنتے ہوں حتیٰ کہ وہ دادا بھی داخل ہوگا جو اول وہلہ میں اسلام میں داخل ہوا ہو البتہ پہلا باپ جو اصل ہو وہ اہل بیت میں داخل نہیں، تاہم اہل بیت میں بیٹوں کی اولاد اور بہنوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ چونکہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف۔

اہل جنس......اگر کسی نے اپنے اہل جنس کے حق میں وصیت کی تو اس میں باپ کے اہل بیت شامل ہوں گے، چونکہ جنس سے مراد نسب ہوتا ہے اور نسب آباء سے تعلق رکھتا ہے۔

علوی......اگر کسی نے علویوں کے حق میں وصیت کی تو اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہوگی، تاہم اس طرح کی وصیت حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں، چونکہ علویوں کی تعداد کثیر ہے انہیں حساب وشمار میں لانا ناممکن ہے، اور پھر حاجت مند کی نشاندہی اور

زیادہ مشکل امر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: وصیت صحیح ہے اور نافذ العمل ہے اس میں تین یا اس سے زائد علوی شامل ہوں گی، یہ ایسی ہی ہے جیسے فقراء اور مساکین کے حق میں کی گئی وصیت۔

اسی طرح وصیت ان لوگوں کے حق میں بھی نافذ ہو جاتی ہے جو بے شمار ہوں۔ اور ان میں سے تین اشخاص کے درمیان مال تقسیم کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں: حتی الامکان تعمیم مستحب ہے یعنی کوشش یہ کی جائے گی کہ زیادہ سے زیادہ علویین وصیت میں شامل ہو جائیں۔

فی سبیل اللہ...... جو وصیت فی سبیل اللہ کی جائے مشہور مذہب کے مطابق فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدین اور بیت اللہ کے حجاج کرام ہوں گے۔

علماء...... اگر علماء کے حق میں وصیت کی جائے تو شافعیہ کے نزدیک علماء سے مراد علوم شریعت یعنی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرھا کے ماہرین مراد ہوں گے۔

علمائے شریعت میں...... قاری، مقری، ادیب، معبر (تعبیر دان) طبیب، انجینئر اور حساب دان داخل نہیں ہوں گے، اکثر فقہاء کے نزدیک علمائے کرام بھی داخل نہیں ہوں گے۔

چونکہ اہل عرف متکلمین کو علماء میں شمار نہیں کرتے، شافعیہ کے نزدیک ہر علم کے تین تین علماء میں بھی وصیت کا مال تقسیم کر دینا کافی ہوگا۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: جب اہل علم کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو وصیت میں وہ لوگ شامل ہوں گے جو صفت علم سے متصف ہوں، اہل قرآن یعنی حفاظ قرآن بھی وصیت میں شامل ہوں گے۔

انسان کے مختلف مراحل...... مراہق، وہ لڑکا ہوتا ہے جو قریب البلوغ ہو قاموس میں ہے۔ ”راھق الغلام“ یعنی لڑکا بلوغ کے قریب ہو گیا، اور طفل سے مراد انجان بچہ ہوتا ہے۔

صبی، غلام اور یافع (لڑکا) سے مراد نابالغ لڑکا ہوتا ہے، یتیم بھی نابالغ ہوتا ہے، سو اگر کسی شخص نے یتیموں کے حق میں وصیت کر دی تو وصیت میں وہ لڑکا داخل ہوگا جس کے بلوغ سے پہلے باپ مر گیا ہو برابر ہے کہ یتیم مالدار ہو یا فقیر، لڑکا ہو یا لڑکی، حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ جس قبیلہ کے یتیموں کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو یتیموں کو گنتی اور شمار میں لایا جا سکتا ہو۔

شاب اور فتی کا اطلاق بالغ ہونے سے لے کر تیس سال تک ہوتا ہے۔

کہل...... تیس سال سے لے کر پچاس سال تک کے لئے بولا جاتا ہے۔

شیخ...... کا اطلاق پچاس سال سے ستر سال تک کے لئے ہوتا ہے۔

ھرم...... ستر کے بعد آخر عمر تک کے لئے ھرم بولا جاتا ہے۔

پانچواں مقصد: موصی بہ کے احکام...... موصی بہ کی شرائط میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) مال ہو یا

مال کے متعلق ہو، چونکہ وصیت ایجاب ملک ہے یا ایسی چیز کا ایجاب ہے جو ملک کے متعلق ہو یعنی بیع، ہبہ اور صدقہ۔

یہاں بالخصوص بحث درج ذیل امور سے کی جائے گی متعین چیز کی وصیت کا حکم یا جز وشائع کی وصیت کا حکم، معدوم یا ایسی چیز جس کو سپرد کرنے سے موصی عاجز ہو کی وصیت کا حکم، مجہول چیز کی وصیت، منافع جات کی وصیت، متعین چیز میں تصرف کرنے کی وصیت، حقوق کی وصیت، ترکہ کی تقسیم کی وصیت، مرتبات کی وصیت اور وصیت کردہ چیز میں اضافہ کر دینا۔

ا۔ متعین چیز کی وصیت یا جز وشائع کی وصیت اور موصی بہ کے ہلاک ہونے کا حکم...... مشاع چیز کی وصیت اور متعین مقسوم (تقسیم کی گئی چیز) چیز کی وصیت جائز ہے، چونکہ اپنے مال کے کسی جزو کی تملیک وصیت ہے، لہٰذا مشاع اور مقسوم میں بھی وصیت جائز ہے جیسے بیع جائز ہے، جو چیز متعین ہو وہ یا تو بذاتہ متعین ہوگی یا مال کی ایک نوع ہوگی۔ ❶

مصر کے قانون دفعہ ۴۷۔۴۹ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۳۔۲۴۵ کے تحت معین یا مشاع چیز کی وصیت کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور یہ کہ موصی بہ کے ہلاک ہونے کی صورت میں یا استحقاق کی صورت میں کیا احکام مرتب ہوتے ہیں، قانون میں حنفیہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے۔ ❷

الف...... اگر وصیت ایسی چیز کے متعلق ہو جو متعین بذاتہ ہو جیسے مثلاً گھر کی وصیت کی جو فلاں شہر میں واقع ہو، وصیت اس متعین گھر کے ساتھ متعلق ہوگی، اگر موصی کی زندگی میں گھر ضائع ہو جائے یا اس میں کسی کا استحقاق نکل آئے یا موصی کی ملکیت سے نکل جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، چونکہ وصیت کا محل ہی فوت ہو چکا۔

اگر موصی مر جائے دراں حالیکہ گھر اس کی ملکیت میں ہو تو پورا گھر موصی لہ کا حق ہوگا۔

بشرطیکہ تہائی مال سے نکلتا ہو اور اگر تہائی مال سے نہ نکلتا ہو تو موصی لہ کو اس گھر کا اتنا حصہ ملے گا جتنا تہائی مال نکلتا ہو۔

اور اگر وصیت کردہ گھر سے مخصوص حق متعلق ہو جیسے مرتہن کا حق اور مرتہن نے اس سے اپنا دین چکا لیا ہو تو موصی لہ کو حق حاصل ہے کہ وہ بقیہ قیمت کا بدل ترکہ سے لے۔

ب...... اگر وصیت اموال کی کسی نوع کے متعلق ہو جیسے بکریوں یا گھوڑوں یا گھروں کی وصیت کر دی، تاہم موصی بہ ہلاک ہو گیا یا اس میں استحقاق نکل آیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

چونکہ وصیت مال کی متعین نوع کے متعلق ہوئی ہے اور اب اس کا محل فوت ہو چکا۔

ج...... اگر وصیت کسی متعین چیز کے جز وشائع کے متعلق ہو جیسے متعین گھر کے نصف حصہ کی وصیت کر دی تو وصیت اس متعین چیز کے جزو سے متعلق ہوگی، اگر پوری چیز (مثلاً گھر) ہلاک ہو جائے یا اس میں استحقاق نکل آئے تو وصیت باطل ہوگی۔

چونکہ محل فوت ہو چکا ہے، اگر وصیت کردہ چیز کا کچھ حصہ ہلاک ہو یا اس کے کچھ حصہ میں استحقاق نکلے تو جو باقی رہا سو وہ اگر تہائی مال سے نکلتا ہو تو موصی لہ کو دے دیا جائے گا ورنہ جتنی مقدار نکلتی ہو وہی لے۔

د...... اگر وصیت کسی متعین نوع کے مال کے جز وشائع کے متعلق ہو جیسے مثلاً چوتھائی بکریاں یا نصف گھر کی وصیت کی تو وصیت کے وقت جو مال موجود ہوگا وصیت اس کے ساتھ متعلق ہوگی۔

اگر وصیت (قانون کی رو سے) عدد شائع کے متعلق ہو جیسے گھوڑوں کا پانچواں حصہ، اگر کچھ گھوڑے ہلاک ہو گئے اور صرف خمس (پانچواں حصہ) ہی باقی بچا تو ابن ماجشون مالکی کے نزدیک بقیہ گھوڑوں کا خمس وصیت میں دیا جائے گا۔

---

❶...... المہذب ۱/۴۵۲۔ ❷ الوصیت لعیسوی ص ۸۸۔۱۰۱، الوصیۃ للسباعی ص ۱۲۳۔

جب کہ حنفیہ کے نزدیک پورا خمس موصی لہ کے سپرد کیا جائے گا بشرطیکہ تہائی مال سے یہ خمس نکلتا ہو۔

۲۔معدوم چیز یا ایسی چیز جسے سپرد کرنے سے انسان عاجز ہو کی وصیت...... ❶ حنفیہ کے نزدیک جمہور فقہاء کے نزدیک معدوم چیز کی وصیت صحیح ہے مثلاً باندی کا جو حمل ہو یا درخت کا جو پھل ہو کی وصیت کردی، چونکہ معدوم چیز کی ملکیت بذریعہ عقد سلم یا مساقات حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا وصیت کے ذریعہ معدوم چیز کا مالک بن سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت میں غرر کی بعض صورتوں کو لوگوں کی آسانی کی خاطر برداشت کرلیا جاتا ہے، لہٰذا جس طرح۔ مجہول چیز کی وصیت درست ہے اسی طرح معدوم چیز کی وصیت بھی درست ہے۔ ایسی چیز جسے سپرد کرنے سے انسان عاجز ہو جیسے بدکا ہوا جانور، ہوا میں اڑتے پرندے اور تھنوں میں پڑا دودھ۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: اگر موصی بہ (وصیت کردہ چیز) معدوم ہو تو کسی بھی عقد و معاملے کے ذریعہ اس کی تملیک ضروری ہے، چنانچہ بکریوں کے بچے جنہیں بکریاں جنم دیں گی کی وصیت استحساناً جائز نہیں، چونکہ موصی کی زندگی میں عقد مساقات کے ذریعہ بکریوں کے بچے قابل تملیک نہیں ہوتے، البتہ درخت جو اس سال پھل لائیں یا ہمیشہ جو پھل لائی کی وصیت صحیح ہے اگرچہ موصی بہ معدوم ہو، کیونکہ عقد مساقات کے ذریعہ درخت تملیک کے قابل ہوتے ہیں، چنانچہ معدوم چیز کی وصیت بالاتفاق جائز ہے اگرچہ بعض صورتوں میں اختلاف ہے۔

ایسی چیز جو مقدور التسلیم نہ ہو (جسے سپرد نہ کیا جاسکتا ہو) جیسے پرندے، بھاگا ہوا غلام کی وصیت بالاتفاق جائز ہے چونکہ اس چیز کو میت تہائی مال میں سے نہیں چھوڑتا، جیسے جب کہ موصی لہ کو تہائی مال میں اپنا نائب اور جانشین بناتا ہے، جب یہ جائز ہے کہ وارث میت کو ان اشیاء میں نائب چھوڑتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ میت موصی لہ کو نائب چھوڑے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں: ایسی چیز کی وصیت درست نہیں جو پیٹ میں یا تھنوں میں ہو، ان کی وصیت بھی درست نہیں چونکہ شرط یہ ہے کہ موصی کی موت کے وقت وصیت کردہ چیز کا موجود ہونا ضروری ہے۔

جب کہ موصی کی موت کے وقت وصیت کردہ چیز موجود نہ ہو تو وصیت باطل ہو جاتی ہے، پھلوں کی وصیت کی صورت میں پھلوں کا موجود ہونا شرط نہیں یہ استحسان ہے، چونکہ پھل کا اطلاق موجود پھلوں پر بھی ہوتا ہے اور جو مستقبل میں موجود ہوں ان پر بھی ہوتا ہے، جو پھل مستقبل میں پیدا ہو وہ مساقات اور وقف میں داخل ہوتے ہیں، رہی بات بطن میں پڑے بچے کی یا پیٹھ پر اُگی اون کی سو یہ معاملات میں نہیں آسکتی اور نہ ہی ان میں وراثت چلتی ہے۔

چونکہ وصیت ان چیزوں میں نافذ ہوتی ہے جن میں وراثت چلتی ہو اور موصی کی زندگی کے دوران وہ چیزیں کسی نہ کسی معاملہ کے تحت داخل ہو سکتی ہوں۔

جب کہ بطن میں پڑا بچہ اور اس کی دوسری مثالیں ایسی ہیں کہ ان میں وراثت نہیں چلتی۔ اور نہ ہی کسی عقد میں داخل ہوتی ہیں۔ لہٰذا وصیت میں بھی داخل نہیں۔

خلاصہ......ایسی چیز جس کا پیدا ہونا متوقع ہو کی وصیت حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۳۔مجہول چیز کی وصیت......فقہاء کا اتفاق ہے کہ موصی لہ کا متعین ہونا شرط ہے، یا تو شخص متعین ہو جیسے زید، عمرو، بکر، نوع

---

❶.....الدر المختار ورد المحتار ۴۵۹/۵، البدائع ۳۵۴/۷، الشرح الصغير ۵۸۱/۴، المهذب ۴۵۲/۱، المغنی ۵۹/۶، كشاف القناع ۴۰۷/۴، غاية المنتهى ۳۶۳/۲.

متعین ہو جیسے مساکین، اگر موصی نے کہا: میں نے تہائی مال فلاں شخص کے لئے وصیت کر دیا، فلاں یا فلاں کے حق میں وصیت کر دیا تو جہالت کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی۔

اس پر بھی اتفاق ہے کہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کا متعین ہونا بھی شرط نہیں۔

چنانچہ مجہول چیز کی وصیت بھی درست ہے۔ ❶ جیسے کوئی شخص اپنے مال کے کسی جز و یا حصہ کی وصیت کر دے۔

چونکہ وصیت محض تبرع ہے اس میں جہالت سے کوئی حرج نہیں ہوتا، شافعیہ اور حنابلہ نے مجہول کی وصیت کی یہ مثالیں دی ہیں جیسے بطن کے حمل کی وصیت تھنوں میں پڑے دودھ کی وصیت، یا اپنے غلاموں میں سے ایک غلام کی وصیت۔ ہمیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حنفیہ نے مجہول چیز کی وصیت جائز قرار نہیں دی۔

اگر موصی نے اپنی زندگی میں اپنی مراد بیان کر دی تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

اگر بیان و وضاحت سے پہلے ہی مر جائے تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے ورثہ وضاحت کریں۔ اور موصی لہ کو جو چاہیں دیں، چونکہ ورثہ موصی کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

اگر وصیت موصی کے مال کے کسی حصہ کی ہو تو موصی لہ کو وارثوں میں سے کم تر جس کا حصہ ہوگا وہ ملے گا البتہ فریضہ (مقررہ حصہ) سے زائد ہو تاہم چھٹے حصہ سے زائد نہ ہو، چنانچہ ادنیٰ (کم از کم) حد چھٹا حصہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں...... مجہول موصی لہ کو ترکہ کا ایک حصہ دیا جائے گا پھر جو باقی بچ رہے وہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا تاکہ اس کا اثر سب پر برابر پڑے۔

۴۔ منافع جات کی وصیت...... اس بحث میں چند امور وضاحت طلب ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ منافع کا مقصود، کیا منافع اموال ہیں؟ منافع کی وصیت کا حکم، منفعت کا اندازہ اور تخمینہ، منفعت سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ، مشترکہ منفعت لینے کی کیفیت اور طریقہ کار، منفعت کی وصیت کا اختتام، وہ متعین چیز جس کی وصیت کی گئی ہو کی ملکیت اور اس میں تصرف، جس چیز کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو اس کے اخراجات۔ ❷

ا: منافع کے مقاصد...... حنفیہ کے نزدیک منفعت کا اطلاق خدمت، گھر کی رہائش، کرائے کی آمدنی، زمین کی پیداوار، باغات کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ زمین کی پیداوار آمدنی اور کرائے کو فقہی اصطلاح میں ''غلہ'' کہتے ہیں۔ تاہم حنفیہ نے غلہ اور ثمر (پھل) کی وصیت میں فرق کیا ہے حنفیہ کہتے ہیں: غلہ کی تعبیر میں ہر وہ چیز داخل ہے جو موصی کی وفات کے وقت موجود ہو اور موصی لہ کے عرصہ حیات میں جس چیز کا پیدا ہونا متوقع ہو۔

ثمر...... کا اطلاق صرف اسی پیداوار پر ہوگا جو موصی کی وفات کے وقت موجود ہو، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں فرق کا دارومدار عرف پر ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء نے غلہ اور ثمر میں فرق نہیں کیا، دونوں کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو موصی کی وفات کے وقت موجود

---

❶...... الکتاب مع اللباب ۴/۱۷۶، تکملۃ الفتح ۸/۴۴۳، الدر المختار ۵/۴۷۴، البدائع ۷/۲۵۶، المہذب ۱/۴۵۲، کشاف القناع ۴/۴۰۷۔ ❷ البدائع ۷/۳۵۲، الدر المختار ۵/۴۸۹، تکملۃ الفتح ۸/۴۸۰، تبیین الحقائق ۵/۱۰۵، الشرح الکبیر ۴/۴۴۵، مغنی المحتاج ۳/۶۴، المہذب ۱/۴۵۲، المغنی ۶/۵۹۔

ہواور بعد میں جس کا پیدا ہونا متوقع ہو۔

مصر اور سوریا کے قانون میں جمہور کے مذہب کو اختیار کیا گیا ہے کہ غلہ اور ثمرہ سے مراد ایک ہی ہے۔

تاہم قانون میں منافع سے وہی معنی مراد لیا گیا ہے جو حنفیہ کے ہاں رائج ہے یہ کہ خواہ متعین چیز کے خالص منافع جات ہوں جیسے گھر کی رہائش، زمین کی کاشتکاری، زمین اور گھر کا کرایہ، باغات وغیرہ کی پیداوار اور پھل۔

وصیت مذکورہ بالا جملہ منافع جات کو شامل ہوگی اسی طرح قانونا عین میں تصرف، قرض دہندگی کی وصیت، حقوق کی وصیت، ترکہ کی تقسیم وغیرھا کو بھی شامل ہے۔

ب: کیا منافع قیمتی اموال ہیں؟......اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ کا مذہب......منافع جات بذاتہ مال متقوم نہیں ہوتے، البتہ منافع جات پر جب کوئی عقد (معاملہ) ہوجائے تو استحساناً مال متقوم بن جاتے ہیں مثلاً منافع جات پر اجارہ ہوا یا وصیت ہوئی، چونکہ حنفیہ کے نزدیک وہ چیز مال ہے جو بوقت ضرورت محفوظ اور ذخیرہ کی جاسکتی ہو، جب کہ منافع تو عرض (جو اپنے وجود میں دوسری چیز کے محتاج ہوں) ہیں جو وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے ہیں، جب حاصل ہوجاتے ہیں پھر ان کا وجود باقی نہیں رہتا، جب کہ منافع کا اصل چیز سے الگ کرنا ممکن نہیں، منافع جات عقد ومعاملہ سے متقوم ہوتے ہیں، جب منافع مال نہیں ہوئے تو وہ ملک ہوں گے چونکہ ملک میں بالخصوص تصرف کیا جاسکتا ہے۔

جمہور کا مذہب......منافع مال متقوم ہوتے ہیں جن کا ضمان بھرا جاتا ہے جیسے متعین اشیاء چونکہ تمام اشیاء سے غرض ان کی منفعت ہوتی ہے۔

قانون میں جمہور کی رائے اپنائی گئی ہے، متاخرین حنفیہ نے منافع کے اموال ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کہ منافع بھی مال متقوم ہیں۔

ج: جواز وعدم جواز کے اعتبار سے منافع جات کی وصیت کا حکم......مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ منافع جات کی وصیت جائز ہے چونکہ منافع جات اعیان (متعین اشیاء) کی مانند ہیں جیسے کوئی شخص اعیان کا مالک بن جاتا ہے اسی طرح منافع جات کا بھی مالک بن جاتا ہے اور یہ ملکیت کسی عقد کے طفیل حاصل ہوتی ہے جیسے اجارہ، وصیت، وراثت وغیرھا۔ لہٰذا اعیان کی طرح منافع کی وصیت بھی صحیح ہے، حتیٰ کہ حنفیہ جن کے ہاں منافع جات اموال نہیں وہ بھی منافع جات کی وصیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ عرصہ حیات میں جس طرح اجارہ یا اعارہ وغیرہ سے منافع کی تملیک صحیح ہے اسی طرح وصیت کے ذریعہ مرنے کے بعد بھی منافع جات کی تملیک صحیح ہے۔

چنانچہ وصیت کی صورت میں منافع تہائی مال سے نکالا جائے گا اگر تہائی مال سے نہ نکلے تو تہائی کے بعد اسے نکالا جائے گا۔

د: منفعت کا تخمینہ......قبل ازیں ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وصیت تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے، اگر وصیت متعین اشیاء کے متعلق ہو تو انہی متعینہ اشیاء کا اندازہ کیا جاتا ہے اگر وہ ثلث مال سے نکلتے ہوں۔ البتہ اگر منافع جات کی وصیت کی ہو تو منفعت کا تخمینہ کیسے لگایا جائے گا اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

اول۔ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے......اصل اشیاء جن کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو کہ نوعیت کو دیکھا جائے گا، سو اگر اشیاء بعینہ تہائی مال سے نکلتی ہوں تو وصیت جائز ہوگی اور نافذ العمل ہوگی، اور اگر تہائی مال سے نہ نکلتی ہوں تو تہائی کے بقدر وصیت نافذ ہوگی، اور

زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی، حنفیہ کے نزدیک جس چیز کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ مستقل منفعت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے گھر کی منفعت (رہائش یا کرائے) کی وصیت کی ہو جب کہ گھر تہائی ترکہ سے نہ نکلتا ہو بلکہ آدھا گھر تہائی ترکہ ہو تو موصی لہ کو صرف آدھے گھر کے منافع بطور وصیت ملیں گے۔

حنفیہ کی دلیل...... منافع جات کی وصیت کی صورت میں وہ متعین چیز جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو وہ وارث کی ملکیت میں نہیں جاتی اور اس سے مقصد کا حاصل کرنا فوت ہوتا ہے۔

یعنی وارث نفع نہیں اٹھا سکتا اور اعیان کا مقصد ان سے نفع اٹھانا ہے، لہٰذا واجب یہ ہے کہ وہ چیز جس کی منفعت ممنوع ہو وہ اصل عین (متعین اصل چیز) ہو جو ثلث مال سے نکل رہی ہو۔

دوم: شافعیہ اور حنابلہ کی رائے...... منفعت کی وصیت کا تخمینہ وصیت کردہ چیز کی منفعت کی قیمت سے لگایا جائے گا جو وصیت کی مدت میں ہو، چونکہ منفعت ہی کی وصیت کی جاتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں...... اگر وصیت متعین مدت کے ساتھ مقید ہو تو اس مدت میں منفعت کی جو قیمت ہوگی اسی کا تخمینہ لگایا جائے گا اور اگر وصیت زمانہ کے اعتبار سے کلی طور پر مطلق ہو پھر اس میں دو اقوال ہیں۔

ایک قول...... جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کا ہے کہ اصل چیز کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر تہائی ترکہ سے نکالی جائے گی۔

دوسرا قول...... یہ کہ اصل چیز کی قیمت تو ورثہ کے پاس رہے گی اور منفعت کی قیمت موصی لہ کو ملے گی، چنانچہ اگر کسی چیز کی قیمت سو روپے ہو اس میں سے اس کی اصل (یعنی رقبہ) کی قیمت دس روپے ہو تو ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ منفعت کی قیمت نوے روپے ہے۔

مصر کے قانون دفعہ ۶۲ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۵۳ کے تحت دونوں آراء کے مجموعہ کو اختیار کیا گیا ہے، یہ رائے حنابلہ کے مذہب کے قریب ہے، اس کا متن یوں ہے کہ منفعت اگر موبد (ہمیشہ کے لئے) ہو یا مطلق ہو یا موصی لہ کی زندگی تک ہو یا دس سال سے زائد عرصہ کے لئے ہو تو منفعت کا تخمینہ اس چیز کی قیمت کے اعتبار سے لگایا جائے گا جس کی کل منفعت یا کچھ منفعت کی وصیت کی گئی ہو، یہ رائے حنابلہ کے ہاں مطلق وصیت کے متعلق ہے جو پہلا قول ہے۔

اگر منافع جات کی وصیت ہو اور اتنی مدت کے لئے ہو جو دس سال سے زائد نہ ہو تو اس صورتمیں وصیت کا تخمینہ موصی بھا منفعت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔ یہ شافعیہ کی رائے کے موافق ہے، اور مقید وصیت میں حنابلہ کی رائے کے موافق ہے۔

اگر وصیت کسی حق کی ہو جیسے حق شرب، حق مرور اور بالائی منزل کا حق تو مصر کے قانون دفعہ ۶۳ کے تحت منفعت کا تخمینہ اصل چیز کی قیمت جو حق کے تحت احتمال رکھتی ہو اور اس حق کے بغیر اصل چیز کی قیمت کے فرق سے ہوگا۔ دونوں قیمتوں کے درمیان فرق وصیت ہے۔ قانون کی یہ شق حنابلہ کے دوسرے قول کے موافق ہے اور یہ شافعیہ کا مذہب ہے۔

ھ۔ منفعت سے نفع اٹھانے کا طریقہ...... نفع اٹھانے کے دو طریقے ہیں۔

اول: مشروع طریقہ سے پیداوار حاصل کرنا...... اس کا حاصل یہ ہے کہ مالک منفعت اصل چیز کسی دوسرے کو اجرت پر

دے دے اور موصی لہ مستاجر سے منفعت کی اجرت اپنے لئے لے سکتا ہے۔

دوم: شخصی استعمال...... یہ کہ موصی لہ خود منافع جات سے مستفید ہو اور موصی بھا منفعت سے مستفید ہونے کے طریقے وصیت کی صراحت کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔

اگر وصیت انتفاع کی کسی مخصوص نوعیت کے ساتھ مقید نہ ہو تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق موصی لہ اپنے اختیار کے مطابق منفعت سے نفع اٹھا سکتا ہے، یا تو شخصی استعمال سے نفع اٹھائے مثلاً موصی لہ خود مکان میں رہائش رکھے یا زمین کی منفعت کی وصیت ہو تو خود اس میں فصل کاشت کرے یا اصل منفعت کرائے پر لگا دے مثلاً گھر ہو یا زمین ہو تو کرائے پر دے دے۔

البتہ اگر موصی نے منفعت سے نفع اٹھانے کی کوئی خاص نوعیت موصی لہ کے لئے متعین کر دی ہو تو اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے...... موصی لہ ضابطے کا پابند ہوگا وہ وصیت کردہ چیز کو ذاتی استعمال میں لا سکتا ہے، چنانچہ جس شخص کے حق میں گھر کی رہائش کی وصیت کی گئی ہو تو وہ سرمایہ کاری نہیں کر سکتا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چونکہ موصی لہ بغیر عوض کے منفعت کا مالک بنا ہے اب وہ عوض کے ساتھ کسی دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا۔

اس کے برعکس اگر ہو یعنی کسی شخص کے حق میں سرمایہ کاری (آمدنی) کی وصیت کی گئی ہو تو راجح قول کے مطابق موصی لہ کو مثلاً گھر کی رہائش حاصل ہوگی چونکہ جو شخص دوسرے کو سکنیٰ کا مالک بنا سکتا ہے وہ بذات خود بطریقہ اولیٰ مالک بن سکتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ موصی لہ کو سکنیٰ حاصل نہیں ہوگا چونکہ موصی لہ کے بذات خود رہائش رکھنے سے میت کا ضرر ہے، پہلا قول حق ہے چونکہ دوسرے قول میں تکلیف اور بعید احتمال ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کی رائے ہے کہ موصی لہ کو کسی بھی طرح سے نفع اٹھانے کا اختیار حاصل ہوگا، خواہ ذاتی استعمال کے ذریعہ یا کرائے وغیرہ پر لگا کر، چونکہ موصی لہ عقد وصیت سے منفعت کا مالک بنا ہے اور جو شخص منفعت کا مالک ہوا سے من چاہے طریقے پر نفع اٹھانے کا حق حاصل ہوگا۔

یہ رائے راجح ہے اسی کو مصر اور سوریا کے قانون میں اختیار کیا گیا ہے۔

مشترکہ منفعت کے حصول کا طریقہ کار...... اگر منفعت موصی لہ اور موصی کے ورثہ کے درمیان مشترک ہو جیسے مثلاً موصی نے نصف گھر کی منفعت کی وصیت کر دی یا موصی لہم ایک سے زائد ہوں جیسے مثلاً تین یا چار آدمیوں کے حق میں گھر کی وصیت کر دی گئی چنانچہ شرکاء کے درمیان منفعت کی تقسیم کے تین طریقے ہیں۔ [1]

اول...... یہ کہ منفعت کی آمدنی شرکاء کے درمیان تقسیم کر دی جائے، مثلاً گھر یا زمین کرائے پر دے دی جائے اور حاصل شدہ کرایا شرکاء کے درمیان تقسیم کیا جائے۔

دوم...... یہ کہ اصل چیز ہی شرکاء کے درمیان تقسیم کر دی جائے پھر ہر شریک اپنے حصہ کی منفعت حاصل کرتا رہے، البتہ یہ شرط ملحوظ رہے کہ اصل چیز قابل تقسیم ہو اور تقسیم کے عمل سے ورثہ کا نقصان نہ ہوتا ہو۔

سوم...... اصل چیز کی زمانی یا مکانی تقسیم کر دی جائے۔

---

[1]......الوصیة لعیسوی ص ۱۳۰، الوصیة للسباعی ص ۱۲۶۔

زمانی تقسیم......شرکاء کے درمیان مدت کی تعیین کر دی جائے کہ اتنے اتنے عرصہ تک ہر شریک منفعت سے مستفید ہو سکتا ہے مثلاً ایک سال تک ایک شریک وصیت کردہ زمین سے نفع اٹھائے دوسرے سال دوسرا اور تیسرے سال تیسرا۔

مکانی تقسیم......اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شریک اصل چیز کا ایک حصہ لے اور وقت واحد میں اس سے نفع اٹھائے پھر متعین مدت کے بعد دوسرے شریک کے ساتھ تبادلہ کر لے یوں دونوں شریک ایک دوسرے کی جگہ پر آ جائیں۔

اگر وصیت ایسے حق کے متعلق ہو جس کی تقسیم ممکن نہ ہو اور اختلاف بھی ہو تو قاضی اپنے اجتہاد سے شرکاء کے درمیان قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ کرے۔

مصر کے قانون دفعہ ۵۷ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۵۰ کے تحت ان تین طریقوں کی صراحت کی ہے۔

منفعت کی وصیت کا اختتام پذیر ہونا......سوریا کے قانون دفعہ ۲۵۲ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ منفعت کی وصیت مندرجہ ذیل صورتوں میں باطل اور ساقط ہو جاتی ہے۔

الف......وصیت کردہ منفعت کے حصول سے قبل موصی لہ کا مر جانا، چونکہ منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے۔

ب......یہ کہ موصی لہ وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز کا مالک بن جائے۔

ج......یہ کہ موصی لہ وصیت کردہ چیز سے ورثہ کے حق میں دستبردار ہو جائے خواہ دستبرداری بالعوض ہو یا بغیر عوض کے۔

د......یہ کہ وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز میں کسی دوسرے کا استحقاق نکل آئے چونکہ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وصیت کردہ چیز موصی کی ملکیت نہیں۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۵۹ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ وصیت کردہ منفعت تمام ہونے سے قبل درج ذیل امور سے باطل ہو جاتی ہے۔

الف......موصی کی وفات سے پہلے ہی نفع اٹھانے کی مدت پوری ہو جائے۔ یا مدت سے پہلے ہی موصی لہ مر جائے۔

ب......موصی لہ منفعت میں موجود اپنے حق سے ورثاء کے حق میں دستبردار ہو جائے خواہ بالعوض یا بغیر عوض کے۔

ج......وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز میں کسی دوسرے کا استحقاق نکل آئے یا کوئی شخص موصی لہ سے خرید لے۔

موصی لہ وصیت کردہ منفعت کا کب مستحق ہوتا ہے......مصر کے قانون دفعہ ۵۰، اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۶ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ موصی لہ وصیت کردہ منفعت کا مدت کے اعتبار سے مستحق ہو جاتا ہے۔

اگر منفعت کی وصیت مدت کے ساتھ مقید کر دی گئی ہو اور ابتداء اور انتہاء کی وضاحت کی گئی ہو مثلاً دو سال، سال کے شروع سے آخر تک تو موصی لہ صرف اسی مدت میں مستحق ٹھہرے گا اگر موصی کی وفات سے پہلے یہ مدت پوری ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اگر کچھ مدت گزر چکی ہو تو موصی لہ بقیہ مدت میں وصیت کا مستحق ہو گا یہ شق حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

اگر منفعت کی وصیت متعین مدت کے ساتھ مقید ہو لیکن انتفاع کی ابتداء اور انتہاء کی تحدید نہ کی گئی ہو تو موصی کی وفات پر موصی لہ منفعت کا مستحق نہ ہو گا۔

یہ شافعیہ کے مذہب کے موافق ہے۔ جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مدت کی ابتداء تقسیم کے وقت سے ہو گی چونکہ یہ نفاذ وصیت کا وقت ہے اور اس وقت ملکیت جاگزیں ہو جاتی ہے۔

موصی لہ کو نفع اٹھانے سے منع کر دینا...... مصر کے قانون دفعہ ۵۱، سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۷ کے تحت ایسی تین صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔جن میں موصی لہ کو وصیت کردہ منفعت سے منع کا پہلو نمایاں ہوسکتا ہے، یہ صورت یا تو کسی وارث کی طرف سے پیش آسکتی ہے یا سبھی ورثہ کی طرف سے یا موصی کی طرف سے یا موصی لہ کو کوئی اور عذر پیش آسکتا ہے۔

پہلی صورت...... اگر منفعت سے نفع اٹھانے کی ممانعت (رکاوٹ) کسی وارث کی طرف سے ہوتو متعینہ مدت میں مذکور منفعت کے بدل کا وارث پرضمان آئے گا جو موصی لہ کو دے گا۔

دوسری صورت...... اگر سبھی ورثہ کی طرف سے ممانعت ہوتو موصی لہ کو خیار حاصل ہوگا، وہ چاہے تو کسی دوسری مدت میں وصیت کردہ چیز سے نفع اٹھانا چاہے تو اس منفعت کا بدل لے۔

تیسری صورت...... اگر ممانعت موصی کی طرف سے ہو مثلاً موصی نے وصیت کردہ گھر متعین مدت کے لئے اجرت پر دے دیا ہو ابھی اجارہ کی مدت ختم نہ ہو کہ موصی مرجائے یا ممانعت کسی عذر کی وجہ سے ہو جو کہ منفعت سے نفع اٹھانے اور موصی لہ کے درمیان حائل ہو مثلاً موصی لہ جیل میں ڈال دیا گیا ہو یا کہیں غائب ہو یا گھر غصب کا ہو تو موصی لہ کسی دوسری مدت میں نفع اٹھانے کا مستحق ہوگا۔

یہ احکام شافعیہ کے مذہب سے مستفاد ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں...... اگر ممانعت (رکاوٹ) کسی وارث کی طرف سے ہوتو وہ موصی لہ کو منفعت کا بدل دینے کا ضامن ہوگا۔ چونکہ وارث نے تعدی کی ہے لہٰذا اسی پر ضمان ہوگا۔

اور اگر ممانعت سبھی ورثہ کی جانب سے ہوتو وہ سبھی منفعت کے بدل کے ضامن ہوں گے، چونکہ ورثہ کی طرف سے تعدی ہے، موصی لہ متبادل مدت میں انتفاع کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔

اگر رکاوٹ کسی اور سبب کی وجہ سے ہو ورثہ کی طرف سے نہ ہو، اور انتفاع کی متعین مدت بھی فوت ہو جائے تو ورثہ پر ضمان نہیں ہوگا چونکہ ورثہ کی طرف سے تعدی نہیں ہوئی، کیونکہ وصیت کردہ چیز ورثہ کے پاس امانت ہوتی ہے۔

ح: وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز کی ملکیت اور اس میں تصرف کرنا...... اصل چیز کی ملکیت کا اعتبار مدت کے مطابق ہوگا، چنانچہ اگر وصیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو یا مطلق ہو جس میں مدت کا ذکر نہ ہو اور ایسی جہت اور مصرف کے لئے ہو جس کے منقطع ہونے کا گمان ہی نہ ہو تو اصل چیز وقف ہوگی اور اس کی آمدنی ہمیشہ ہمیشہ موصی لہ کو ملتی رہے گی۔

اگر وصیت منفعت کی متعین مدت ہو یا موصی لہ متعین ہو یا موصی لہم حساب وشمار میں آتے ہوں یا ایسی جہت کے لئے ہو جس کے منقطع ہونے کا گمان ہو تو اصل چیز موصی کے ورثہ کی ملکیت میں رہے گی اور آمدنی موصی لھم کو ملے گی تاوقتیکہ وہ مرکھپ جائیں۔ یا مدت پوری ہو جائے پھر منافع جات ورثہ کی ملکیت ہوں گے۔

رہی بات وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز میں حق تصرف کی، سو اس میں دو آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے...... اصل مالک کو وصیت کردہ چیز میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہوگا یعنی مالک اس چیز کو آگے فروخت نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی تصرف کر بھی دیا تو وہ موصی لہ کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر موصی لہ نے اجازت دے دی تو وہ اپنا حق ساقط کردے گا۔

جمہور کی رائے...... مالک کو اصل چیز میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے یعنی وصیت کردہ چیز کو آگے فروخت کرسکتا ہے لیکن موصی لہ کو اس چیز سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے، چونکہ اصل چیز مالک کے بعد وراثت میں منتقل ہو جاتی ہے اور وصیت باقی رہتی ہے۔

ملکیت کے انتقال سے موصی لہ کا کوئی نقصان نہیں، چونکہ منفعت سے متعلقہ حق مالکوں کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا، اصل چیز میں تصرف کے مباح قرار دینے میں چیز کے مالک کی رعایت ہے۔

مصر اور سوریا کے قانون میں جمہور کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

ط: وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز کا نفقہ...... اصل چیز کے نفقہ کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے...... اصل چیز کے اخراجات اور اس پر عائد ٹیکسز کی ادائیگی صاحب منفعت (جسے منفعت حاصل ہو) پر ہوگی اگرچہ اصل چیز کی پیداوار اور آمدنی کچھ بھی نہ ہو۔

چونکہ صاحب منفعت ہی تو اصل چیز سے مستفید ہوگا جیسے بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ لازم ہوتا ہے نیز فقہ کا اصول ہے الغرم بالغنم۔

اگر صاحب منفعت اصل چیز کی طرف توجہ نہ دے اس پر خرچہ نہ کرے اور نہ ہی عائد ٹیکسز ادا کرے تو اصل مالک ادا کرے گا اور خرچہ کے بقدر آمدنی سے وصول کرے۔

اور اگر چیز قابل انتفاع نہ ہو جیسے بنجر (تھور والی) زمین تو اس کی درستی کا خرچہ اور ٹیکسز اصل مالک پر ہوں گے۔ حنابلہ کے ہاں بھی یہی اصح ہے۔

شافعیہ کی اصح رائے یہ ہے کہ نفقہ اور ٹیکس مالک پر ہوں گے جیسے اجرت پر دی ہوئی چیز کے جملہ اخراجات مالک کے ذمہ واجب ہوتے ہیں۔

مصر کے قانون اور سوریا کے قانون میں پہلی رائے اختیار کی گئی ہے۔

۵۔ کسی چیز میں تصرف کی وصیت...... بسا اوقات کوئی شخص اپنے ترکہ میں تصرف کی وصیت کر دیتا ہے کہ فلاں چیز فروخت کر دی جائے یا مکان زمین وغیرہ اجارہ پر دے دی جائے۔ چنانچہ اگر متعین ثمن یا بدل اجارہ ثمن مثل یا اجرت مثل کے بقدر ہو یا مثل سے کسی قدر کم ہو تو تہائی ترکہ میں وصیت نافذ کی جائے گی، نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، چونکہ اس وصیت میں ورثہ کا نقصان نہیں، البتہ تہائی ترکہ میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، تاہم ورثہ کی اجازت کی چنداں ضرورت نہیں۔

البتہ اگر وصیت غبن فاحش کے ساتھ پوری کی جا رہی تو اس صورت میں وصیت کا نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا بشرطیکہ موصی لہ نے زائد از ثلث مقدار کے دینے کا عندیہ نہ دیا ہو سو اگر ورثہ نے اجازت دے دی یا تہائی سے زائد مقدار موصی لہ نے ورثہ کو واپس کر دی تو وصیت نافذ ہو جائیگی ورنہ باطل ہوگی۔

مصر کے قانون دفعہ ۵۶ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۰ میں فقہاء کے ان متفق علیہا احکام کو اختیار کیا گیا ہے۔

۶۔ قرضہ دینے کے متعلق وصیت...... بسا اوقات کوئی شخص کسی ضرورت مند کو متعین مقدار میں مال بطور قرض دینے کی وصیت کرتا ہے اور مدت بھی متعین کر دیتا ہے، اس پر سود کی شرط نہیں رکھتا، تاہم یہ وصیت بھی تہائی ترکہ سے نافذ کی جائے گی مصر کے قانون وصیت دفعہ ۱۲ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۱۸ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

اگر وصیت کردہ مقدار تہائی ترکہ سے نکلتی ہوتو وصیت نافذ ہو جائے گی، نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، اگر تہائی ترکہ سے زیادہ قرضہ دینے کی وصیت کی ہوتو تہائی کے بقدر وصیت نافذ ہو جائے گی اور تہائی سے زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

موصی نے جو مدت متعین کردی ہو اس سے قبل ورثہ مستقرض (مقروض) سے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتے، اگر چہ حنفیہ کے نزدیک قرض دہندہ مقروض سے کسی بھی وقت قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے مقررہ مدت کی رعایت لازم نہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک بھی چار صورتوں میں مدت قرض کی پابندی لازمی ہے۔

اول.....اگر کسی شخص نے قرض دہندگی کی وصیت کی ہو مال کی مقدار متعین کی ہو اور مدت قرض بھی متعین کردی ہو تو مدت سے پہلے واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

دوم.....یہ کہ قرضہ کا انکار کیا جارہا ہو اور صاحب حق نے مدت مقرر کردی ہو تو مدت کی پابندی لازمی ہوگی۔

سوم.....قاضی نے مدت کی پابندی لگادی ہو تو امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کے مطابق مدت کا لزوم کیا جائے گا۔

چہارم.....اس کا حاصل یہ ہے کہ مدیون کسی دوسرے شخص پر دین کا حوالہ کردے اور قرض دہندہ ادائیگی کی مدت مقرر کردے تو مدت سے پہلے مقرض قرضہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا، یہ حقیقت میں دین کی ادائیگی کی مہلت ہے قرض نہیں۔

۷: حقوق کی وصیت.....حقوق ارتفاق جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے حقوق ارتفاق جیسے، حق شرب، حق مسیل، حق حجری، حق تعلّی (بالائی منزل پر رہائش کا حق) کی وصیت بالاتفاق صحیح ہے، مسیل (پانی بہنے کی نالی) قانوناً بھی جائز ہوتی ہے جب وصیت کردہ زمین کے تابع ہو، یا مسیل مالک زمین کی ملکیت ہو اور اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔

مصر کے قانون دفعہ ۱۱ میں حق منفعت کی وصیت کو جائز قرار دیا گیا ہے، حق منفعت کی وصیت کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے عرصہ دس سال کے لئے زمین اجرت (کرائے) پر لی ہو، اجارہ کی کچھ مدت گزر جائے اور پھر مستاجر بقیہ مدت کی کسی کے حق میں وصیت کردے تو یہ وصیت حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے چونکہ جمہور کے نزدیک اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے فسخ نہیں ہوتا، جب کہ حنفیہ اس وصیت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی مدت سے باطل ہو جاتا ہے۔

مصر ہی کے قانون میں مالکیہ کے مذہب کے مطابق ”حق خلو“ کی وصیت کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے، حق خلو کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ موقوفہ زمین یا مکان جو آبادکاری یا تعمیر کا محتاج ہو، جب کہ اس موقوفہ جائداد کا مال نہ ہو جو آبادکاری یا تعمیر کے لئے خرچ کیا جائے، ایک شخص آبادکاری یا تعمیر و مرمت کے لئے تیار ہو جائے کہ اسے یہ جائداد اجرت پر لینے میں اولویت (ترجیح اور فوقیت) حاصل ہوگی، چنانچہ اسے حق خلو کہا جاتا ہے، جس شخص کو حق خلو حاصل ہو وہ اس حق کی وصیت کر سکتا ہے اور اس کی یہ وصیت صحیح ہوگی۔

۸۔ تقسیم ترکہ کی وصیت.....بسا اوقات انسان ایسی وصیت کر دیتا ہے جو ورثہ کے درمیان ترکہ کی تقسیم کو متضمن ہوتی ہے، یہ وصیت ترکہ میں ہر وارث کے حصہ کے بقدر ہوتی ہے، یہ وصیت اس لئے کی جاتی ہے تا کہ ورثہ کے درمیان نزاع اور جھگڑا نہ کھڑا ہو اور ہر وارث کا حصہ بغیر سرمایہ کاری یا محابات کے متحقق ہو جائے، کیا یہ وصیت لازمی قرار پائے گی؟

جمہور فقہاء.....کی رائے ہے کہ یہ تقسیم ورثہ کو لازم نہیں ہوئی، چنانچہ ورثہ کو اختیار ہے چاہے اس وصیت کو قبول کریں یا ترک کردیں، چونکہ اشیاء ترکہ کی مالی قیمت بسا اوقات مساوی ہوتی ہے لیکن ان میں مصلحت جدا جدا اور متفاوت ہوتی ہے، چنانچہ جیسے کسی

وارث کے حق کو اسی کے حق کے بقدر باطل کرنا جائز نہیں اسی طرح متعین چیز میں اس کے حق کو باطل کرنا بھی جائز نہیں۔

بعض شافعیہ اور حنابلہ کی رائے......اگر مذہبی اعتبار سے مذکورہ بالا رائے اصح قرار دی گئی ہے تاہم بعض شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ مورث کی یہ تقسیم جائز ہے اور یہ تقسیم ورثہ کو لازم ہو جاتی ہے، بشرط یہ کہ تقسیم عدل وانصاف کے ساتھ کی گئی ہو، چنانچہ ہر وارث کو اس کے حصہ کی قیمت کے مساوی حصہ ملے گا، یہ تقسیم ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی چونکہ ہر وارث کا حق قیمت میں ہوتا ہے نہ کہ ترکہ کی متعین اشیاء میں سے کسی ایک متعین چیز میں، اس کی دلیل یہ ہے کہ مورث اگر اپنی زندگی میں کل ترکہ بیچ دے اور ثمن مثل کے ساتھ بیچے تو اس کی بیع صحیح اور نافذ ہوگی۔

مصر کے قانون دفعہ ۱۱۳ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۱۹ کے تحت دوسری رائے اختیار کی گئی ہے، قانون نے تقسیم ترکہ کی اجازت دی ہے اور موصی نے جو تقسیم کی ہو وہ اس کی وفات پر ورثہ کو لازم ہوگی۔

قانون میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ تقسیم کی رو سے اگر کسی وارث کو اس کے استحقاق حصہ سے زائد مل رہا ہو تو زائد مقدار اس کے حق میں وصیت ہوتی اور اس پر وارث کے حق میں کی گئی وصیت کے احکام لاگو ہوں گے۔

۹۔ مرتبات کی وصیت......فقہائے مالکیہ اور شافعیہ نے ترکہ کے رأس المال (اصل سرمایہ) سے ماخوذ مرتب (وظیفہ) کی وصیت جائز قرار دی ہے، یہ اعیان کی وصیت کے قبیل سے ہے، چونکہ یہ وصیت حقیقت میں متعین مال کی وصیت ہوتی ہے جو سالانہ کی قسط ہو یا مہینہ وار ہو یا یومیہ ہو۔

ترکہ کی آمدنی سے بھی حاصل شدہ مرتب کی وصیت بھی جائز ہے دراصل یہ منافع کی وصیت کے قبیل سے ہے۔

اولاً وصیت کی مقدار دیکھی جائے گی سو اگر تہائی ترکہ سے نکل رہی ہو تو نافذ ہوگی اگر تہائی سے زائد ہو تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

اس وصیت کا نفاذ اس لحاظ سے مختلف ہے کہ آیا وصیت متعین مدت کے لئے ہے یا تاعمر۔

الف......اگر مرتب کی وصیت مدت متعینہ کے لئے ہو خواہ ترکہ کے اصل سرمایہ سے ہو یا ترکہ کی آمدنی سے تو جمہور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تہائی ترکہ روک لیا جائے گا تاکہ موصی کی متعین کردہ مقدار ہر مہینہ میں لے لی جائے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تہائی مال سے اتنی مقدار رکھ لی جاوے گی جو متعین مدت میں مرتب کی پیداوار اور آمدنی ہو، اس سے زائد مقدار نہیں روکی جائے گی، چونکہ مقصد تو نفاذ وصیت کا ضمان ہوتا ہے۔

مصر کے قانون دفعہ ۶۴ کے تحت امام ابو یوسف کے قریب قریب رائے اختیار کی گئی ہے۔

ب......اگر مرتب کی وصیت عرصہ حیات تک کے لئے ہو تو یہ وصیت بھی ایسی ہی ہے جیسے مدت متعینہ کی وصیت اس کی مقدار اور نفاذ اسی جیسا ہوگا۔

امام مالک اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت حیات کا اندازہ اہل زمانہ کی غالب عمر سے لگایا جائے گا، لہٰذا ثلث ترکہ سے اتنی مقدار روک لی جائے گی جو اس عرصہ کے نفقہ کے لئے کافی ہو۔

مصر کے قانون دفعہ ۶۶ میں مدت حیات کی تعیین ماہرین اطباء کے سپرد کی ہے۔

اگر اطباء نے موصی لہ کی عمر کا اندازہ کیا ہو پھر ان کی بیان کردہ مدت سے پہلے موصی لہ مر جائے تو وصیت اختتام پذیر ہو جائے گی، اور اگر بیان کردہ مدت کے بعد بھی موصی لہ زندہ رہے تو مرتب (وظیفہ) کے متعلق ورثہ سے رجوع کر سکتا ہے۔

ابن قاسم مالکی کہتے ہیں: زائد مدت میں موصی لہ ورثہ سے رجوع نہیں کر سکتا، قانون میں یہی رائے اختیار کی گئی ہے۔

ج.....مرتب (وظیفہ) کی وصیت دائمی نیکی کی راہ میں کی گئی ہو۔ تو وصیت کا تخمینہ اور نفاذ کا وہی طریقہ کار ہوگا جو متعین مدت میں کی گئی وصیت کا ہے۔

اگر وصیت مطلق یا مؤبد ہو تو یہ وصیت اعیان ترکہ میں سے ہوگی جو تہائی ترکہ کی حد میں ہو اور زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی۔

اس سب پر مصر کے قانون دفعہ ۶۸ میں صراحت کی گئی ہے۔

۱۰۔ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) میں اضافہ کردینے کا حکم.....اگر وصیت کے بعد موصی وصیت کردہ چیز میں اضافہ کردے تو مالکی مذہب کی رو سے یہ وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، مصر کے قانون دفعات ۷۱ تا ۷۵ میں احوال اضافہ کی صراحت اس حکم کے مطابق کی گئی ہے پھر سوریا کے قانون میں دفعات ۲۵۴ تا ۲۵۶ کے تحت اسی کو اپنایا گیا ہے میں یہاں ان احوال واحکام کو بیان کروں گا اور یہ کل چار ہیں۔

پہلی صورت......ایسا اضافہ جو بذاتہ مستقل نہ ہو اگر موصی وصیت کردہ چیز میں ایسا اضافہ کردے جو بذاتہ مستقل نہ ہو، جیسے مثلاً گھر کی مرمت کردی یا رنگ روغن کردیا تو یہ اضافہ وصیت کردہ چیز کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور پوری چیز پر وصیت کا اطلاق ہوگا۔

ورثہ کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا چونکہ اس اضافے کو اگر اصل چیز سے الگ کیا جائے تو اس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔

اس صورت کے ساتھ بسیط اضافہ بھی ملحق کیا گیا ہے جس کے متعلق عموماً چشم پوشی برتی جاتی ہے جیسے غسل خانہ یا چھوٹا سا کمرہ مکان میں بنادیا۔

دوسری صورت: اضافہ مستقل بذاتہ ہو......اگر موصی نے وصیت کردہ چیز میں ایسا اضافہ کردیا جو مستقل بذاتہ ہو جیسے مثلاً زمین میں درخت لگادیئے یا مکان بنالیا بایں طور کہ زمین وصیت کردہ ہو، یا ایسا اضافہ کردیا ہو جو غیر مستقل ہو اور عام طور پر اس کے متعلق چشم پوشی نہ برتی جاتی ہو تو ورثہ موصی لہ کے ساتھ وصیت کردہ چیز میں برابر کے شریک ہوں گے البتہ ورثہ کا حصہ اضافہ کی مقدار یعنی باغ اور مکان کی قیمت کے بقدر ہوگا، اور اصل زمین الگ رہے گی۔

تیسری صورت: عمارت منہدم کرکے جدید تعمیر کا اضافہ......اگر وصیت کردہ چیز مثلاً مکان ہو جسے موصی منہدم کردے اور پھر مختلف نقشہ پر نیا مکان تعمیر کرے تو یہ نیا مکان پرانے وصیت کردہ مکان کی جگہ لے لے گا اس میں ورثہ کا کچھ حق نہیں ہوگا۔

البتہ اگر مکان کی تعمیر کچھ اس طرح کی گئی ہو کہ عرف ورواج میں اسے تجدید سے تعبیر نہ کیا جاتا ہو جیسے مثلاً عمارت قبل ازیں ایک رخ پر ہو اور موصی ساتھ دوسرے رخ پر تعمیر کردے تو پوری عمارت موصی لہ اور ورثہ کے درمیان مشترک ہوگی، موصی لہ کا حصہ زمین کی قیمت کے بقدر ہوگا اور ورثہ کا حصہ عمارت کی قیمت کے بقدر ہوگا۔

اسی طرح اگر قدیم زمین کے ساتھ کوئی دوسری زمین ضم کردی جائے تو جدید عمارت مشترکہ ہوگی اور وصیت کا حصہ وصیت کردہ زمین کی قیمت ہوگا، چونکہ عمارت کے زائل ہونے سے وصیت صرف زمین میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے اور ورثہ کا حصہ قائم شدہ عمارت کی قیمت کے بقدر ہوگا اور زمین کی قیمت غیر موصی بہا ہے۔

چوتھی صورت......اگر موصی وصیت کردہ مکان کے ساتھ دوسری عمارت بناڈالے اور دونوں عمارتیں ایک مکان کی شکل دھارلیں

بایں طور کہ وصیت کردہ مکان کو دوسرے سے الگ کر کے سپرد کرنا ممکن نہ ہو جیسے مثلاً دو مکان ہوں ان میں سے ایک کی وصیت کی گئی ہو اور پھر موصی دونوں کو ایک بنا دے تو موصی لہ ورثہ کے ساتھ شریک ہوگا، اور اعتبار وصیت کردہ مکان کی قیمت کا ہوگا اور قیمت بھی تعمیر سے قبل کی لگائی جائے گی۔

پانچواں مقصد: وصیت کی مقدار..... قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وصیت تہائی ترکہ تک محدود ہے، کیونکہ حدیث نبوی ہے۔ ''تہائی (وصیت ہو) اور تہائی بھی زیادہ ہے۔'' گویا وصیت کی مقدار ترکہ کا تہائی ہے۔

ا..... اگر موصی کا وارث ہو جمہور فقہاء (ظاہریہ اور مالکیہ کے علاوہ) کی رائے ہے کہ تہائی سے زائد وصیت ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی، اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہو جائے گی ورنہ باطل ہوگی، چونکہ اللہ تعالیٰ نے موصی کو فقط تہائی حصہ میں تصرف کا حق دیا ہے تا کہ ورثہ کا حق محفوظ رہے، اگر ورثہ اپنا حق ساقط کر دیں تو مانع جاتا رہے گا اور وصیت نافذ ہو جائے گی، چونکہ حدیث۔ ''بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو۔''

اگر بعض ورثہ نفاذ وصیت کی اجازت دیں اور بعض اجازت نہ دیں تو اجازت دہندگان کے حصہ میں وصیت نافذ ہوگی نادہندگان کے حصہ میں باطل ہو جائے گی۔

اس صورت میں ترکہ اجازت اور عدم اجازت کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ اجازت دہندگان اپنے حصے پہلی تقسیم پر لے لیں اور نادہندگان دوسری تقسیم پر اپنے حصے لیں۔

مالکیہ اور ظاہریہ کی رائے ہے کہ وصیت تہائی سے زائد مقدار میں نافذ نہیں ہوگی اگر چہ ورثہ اس کی اجازت ہی کیوں نہ دیں، ان فقہاء کا استدلال مذکورہ بالا حدیث کے ظاہر سے ہے۔

ب..... اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک وصیت تہائی سے زائد مقدار میں نافذ ہو جائے گی اگر چہ کل مال کی وصیت کی ہو، چونکہ وصیت کی راہ میں ورثہ کا حق رکاوٹ بن رہا تھا، جب کہ یہاں کوئی وارث نہیں ہے لہٰذا تہائی سے زائد حصہ میں کسی کا حق متعلق نہیں ہوگا اس لئے وصیت نافذ ہوگی۔

جمہور کہتے ہیں وصیت ثلث سے زیادہ جائز نہیں چونکہ زائد حصہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور مسلمانوں کی طرف سے اجازت دینے کا کسی کو اختیار حاصل نہیں، لہٰذا ثلث سے زائد وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

تہائی سے زائد وصیت کے متعلق ورثہ کی اجازت..... تہائی سے زائد مقدار میں ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوتی، تاہم میں اجازت ورثہ کے متعلق چند امور کی وضاحت پیش کروں گا۔ ❶

اول: اجازت کا وقت..... مذاہب اربعہ کے ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ورثہ کی اجازت موصی کی موت کے بعد معتبر ہوگی اور اگر ورثہ نے موصی کے زندہ ہوتے ہوتے زائد مقدار کی اجازت دی یا زائد مقدار کی تردید کی تو اس اجازت اور تردید کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، چونکہ ترکہ میں ورثہ کی ملکیت مورث کے مرنے کے بعد ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ورثہ کی اجازت اور تردید ملکیت ثابت ہونے کے بعد معتبر ہوگی، البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر موصی مرض الموت میں مبتلا ہو اور اس مرض کے دوران ورثہ نے زائد مقدار کی اجازت دی تو یہ اجازت معتبر ہوگی۔

---

❶ الدر المختار ۵/۴۶۴، الشرح الصغیر ۴/۵۸۶، مغنی المحتاج ۳/۴۳، المغنی ۶/۵ القوانین الفقهية ص ۴۰۶، كشاف القناع ۴/۳۷۸۔

دوم: ردواجازت کا اختیار کس کو حاصل ہوگا...... اجازت دہندگان اور تردید کنندگان کے بارے میں دو شرطیں ہیں۔

اول...... یہ کہ اجازت دہندہ تبرع کی اہلیت رکھتا ہو یعنی وہ عاقل، بالغ، رشید (سمجھدار) ہو، چنانچہ بچے، مجنون، فاتر العقل اور مجور علیہ کی اجازت صحیح نہیں۔

چونکہ اجازت اسقاط حق ہے لہٰذا تبرع ہوا اور تبرع کا وہی شخص اختیار رکھتا ہے جو تبرع کی اہلیت رکھتا ہو۔

ولی وصیت کی اجازت کا اختیار نہیں رکھتا چونکہ ولی (سرپرست) کا تصرف مصلحت کے ساتھ مشروط ہے، جب کہ مال کا تبرع مصلحت کے دائرہ میں نہیں آتا۔

دوم...... یہ کہ اجازت دہندہ کو وصیت کردہ چیز کا علم ہو، اگر اسے وصیت کردہ چیز کا علم ہی نہ ہو تو اس کی اجازت درست نہیں ہوگی، اگر اسے وصیت کا علم ہو اور پھر اجازت دے تو وصیت نافذ ہو جائے گی۔

سوم...... اجازت کے بعد ملکیت کس کی طرف سے حاصل ہوگی؟...... اس مسئلہ کی وضاحت میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

جمہور...... (اور شافعیہ کا راجح قول) کہتے ہیں: موصی لہ تہائی سے زائد مقدار کا مالک موصی کی طرف سے ہوگا نہ کہ اجازت دہندہ کی طرف سے۔ گویا ورثہ کی اجازت سے زائد مقدار کے تصرف کو بحال رکھتا ہے یہ ابتداءً عطیہ نہیں چونکہ وصیت موصی کا اپنی ملک میں تصرف ہے، ہاں البتہ زائد مقدار کا نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتا ہے چونکہ اس مقدار کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوتا ہے اور یہ حق موصی کے تصرف میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

مالکیہ...... (شافعیہ کا ضعیف قول کے مطابق) کہتے ہیں: موصی لہ زائد مقدار کا اجازت دہندہ کی طرف سے مالک بنتا ہے اور یہ ملکیت ابتداً ہبہ کے طور پر ہے چونکہ اس زائد مقدار کے ساتھ اجازت دہندہ کا حق متعلق ہوتا ہے گویا اس کی اجازت ابتداً عطیہ ہے اور موصی لہ اجازت دہندہ کی طرف سے مالک بنتا ہے، اسی طرح وارث کے حق میں کی گئی وصیت ابتداءً عطیہ ہوتی ہے۔

ثمرۂ اختلاف...... وصیت کردہ چیز کے سپرد کرنے کے وجوب میں نکلتا ہے۔

چنانچہ پہلی رائے کے مطابق وارث کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ تہائی سے زائد مقدار موصی لہ کے سپرد کرے، جب کہ دوسری رائے کے مطابق وارث کو مجبور نہیں کیا جائے گا، چونکہ اجازت ہبہ ہے اور موہوب لہ ہبہ کردہ چیز کا مالک قبضہ سے بنتا ہے، جب کہ کسی انسان کو اپنی ملکیت سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔

تہائی مقدار کا وقت...... تہائی ترکہ کی مقدار کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے، آیا کہ اس کا وقت وفات ہے یا ترکہ کی تقسیم کا وقت؟ سو اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

جمہور کا مذہب...... (حنفیہ مالکیہ، حنابلہ) تہائی ترکہ کی مقدار کا وقت ترکہ کی تقسیم کا وقت ہے، چونکہ اس وقت ورثہ کی ملک پختہ ہو جاتی ہے، وصیت نافذ کر دی جاتی ہے اور ہر حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے، اس پر یہ اثر بھی مرتب ہوتا ہے کہ تقسیم سے پہلے ترکہ کا عصمت میں جو نقص اور کمی واقع ہو یا کوئی چیز ضائع ہو تو اس کا اثر سب کے حصوں پر پڑے۔

شافعیہ کا مذہب...... تہائی ترکہ کی مقدار کا وقت وفات کا وقت ہے، چونکہ اسی وقت موصی لہ کے لئے ملک کا ثبوت ہوتا ہے چنانچہ وفات کے بعد وصیت کردہ چیز میں جو اضافہ بھی ہو مثلاً موصی بہ جانور تھا اس نے بچہ جنم دیا یا درخت تھے ان پر پھل آ گیا یا مکان تھا

جس کا کرایہ مل گیا تو یہ اضافہ بھی موصی لہ کی خالص ملکیت ہوا، تہائی ترکہ سے اس کا حساب لگایا جائے گا چونکہ یہ موصی لہ کی ملکیت کی نما اور پیداوار ہے۔

مصر کے قانون دفعہ ۲۵ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قانون میں دوسری رائے اختیار کی گئی ہے۔

ساتواں مقصد: وارث کے حق میں وصیت......نفاذ وصیت کی شرائط کے ذیل میں اس موضوع پر میں نے بحث کر دی ہے۔

میں نے اکثر فقہاء کی رائے بیان کر دی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی مگر بقیہ ورثہ کی اجازت سے۔

ایک مصر کے قانون دفعہ ۳۷ میں شیعہ امامیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت بلا توقف نافذ ہو جاتی ہے۔

البتہ آیت کریمہ " كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ...... الخ(البقرہ۲/۱۸۰) کے ذیل میں بعض مفسرین سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک وارث کے حق میں تہائی ترکہ کی وصیت جائز ہے، ان مفسرین میں ابو مسلم اصفہانی بھی شامل ہیں۔

آٹھواں مقصد......وارث کے حصہ کے بمثل وصیت کرنا

یہ نوع مجہول چیز کی وصیت کی ایک نوع ہے، فقہاء کا اتفاق ہے کہ وارث کے حصہ کی بمثل وصیت کرنا صحیح ہے۔ ❶ یہ وصیت خواہ وارث کی تعیین سے ہو یا وارث غیر متعین ہو۔ جیسے کہے: بیٹے کے حصہ یا بیٹی کے حصہ یا بہن کے حصہ کی بمثل وصیت کی یا معدوم وارث کے حصہ کی بمثل وصیت کی۔

اگر ورثہ میراث میں برابر کے شریک ہوں جیسے بیٹے تو موصی لہ کو بیٹوں میں سے کسی ایک کے حصہ کے برابر وصیت ملے گی۔

اگر ورثہ کے حصے مختلف ہوں تو جمہور کے نزدیک موصی لہ کو ایسے وارث کے برابر حصہ ملے گا جسے سب سے کم حصہ مل رہا ہو چونکہ اقل حصہ یقینی ہوتا ہے اور زائد حصہ مشکوک ہوتا ہے۔

مالکیہ، ابن ابی لیلیٰ، زفر رحمۃ اللہ علیہم اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر ورثہ کے حصہ برابر ہوں تو موصی لہ کو ان میں سے کسی ایک کے حصہ کے برابر ترکہ دیا جائے گا اور جو باقی بچ رہے گا وہ ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا چونکہ وارث کا حصہ وصیت سے پہلے اصل مال میں ہوتا ہے، اگر موصی نے اپنے بیٹے کے حصہ کی بمثل وصیت کی جب کہ موصی کا صرف ایک ہی بیٹا ہو، اگر بیٹا اجازت دے تو کل مال وصیت میں دیا جائے گا ورنہ موصی لہ کو ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا، اگر موصی کے دو بیٹے ہوں تو وصیت نصف مال کی ہوگی، اور اگر تین بیٹے ہوں تو تہائی مال کی وصیت ہوگی۔

کسی متعین وارث کے حصہ کی وصیت کے بارے میں ائمہ مذاہب کا اختلاف ہے۔ مثلاً موصی اپنے ایک بیٹے کا نام لے کر کہے کہ زید کا حصہ فلاں کو دے دیا جائے اور یہ وصیت بوقت موت کرے۔

چنانچہ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ وصیت باطل ہے چونکہ یہ وصیت غیر کے مال سے کی جارہی ہے چونکہ بیٹے کا حصہ موصی کی موت کے بعد اسے ملتا ہے اور بیٹے کی ملکیت اپنی ملکیت نہیں ہوتی۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: یہ وصیت درست ہے اور یہ وصیت گویا وارث کے حصہ کے برابر کی جارہی ہے، چونکہ بیٹے کے حصہ کا تذکرہ دراصل اس کے حصہ کا بیان ہوتا ہے، یہ غرض نہیں ہوتی کہ بیٹے کا بعینہ حصہ موصی لہ کو دے دیا جائے اور بیٹا محروم رہے، لغوی اور عرفی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے، مصر کے قانون میں اسی کو اپنایا گیا ہے۔

---

❶......الكتاب مع اللباب ۴/۱۷۵، تكملة الفتح ۸/۴۴۳، الشرح الصغير ۴/۵۹۷، القوانين الفقهية ص ۴۰۶، المهذب ۱/۴۵۷، المغنی ۶/۳۲، غاية المنتهى ۲/۳۷۰۔

مذکورہ وصیتوں میں موصی لہ کے استحقاق کی مقدار:.....وصیت کردہ چیز کی مقدار معلوم کرنے کے مختلف طریقے ہیں چونکہ وصیت مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔

پہلی حالت.....یہ کہ وصیت متعین وارث کے حصہ کے بمثل ہو اور وارث موصی کی موت کے وقت موجود ہو۔
چنانچہ ترکہ ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا پھر اصل مسئلہ میں موصی لہ کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کے حصہ کے بقدر وصیت کی پھر موصی تین بیٹے چھوڑ کر مر گیا۔
چنانچہ اصل مسئلہ ۳ سے بنے گا پھر اصل فریضہ پر چوتھے حصے کا اضافہ کیا جائے گا وہ موصی لہ کا حصہ ہے یوں اب مسئلہ چار سے بنے گا، ورثہ کی اجازت کی ضرورت نہیں چونکہ موصی لہ کا حصہ تہائی ترکہ سے کم ہے۔
اگر ایک اور شخص نے اپنے بیٹے کے حصہ کے بقدر وصیت کی جب کہ وہ ورثہ میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرا، فریضہ تین حصوں پر مشتمل ہوگا بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا، پھر بیٹے کے حصہ کے بقدر موصی لہ کے حصہ کا اصل فریضہ میں اضافہ کیا جائے گا، یوں کل ملا کر پانچ حصے بنیں گے، موصی لہ کے دو حصے، بیٹے کے بھی دو حصے اور ایک حصہ بیٹی کا، یوں تہائی سے زائد حصہ کی وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

دوسری حالت.....یہ کہ وصیت غیر متعین وارث کے حصہ کی بمثل ہو۔
یا تو ورثہ کے حصے برابر برابر ہوں گے یا متفاوت ہوں گے، برابری کی صورت میں اصل فریضہ پر کسی ایک کے حصہ کی بمثل اضافہ کیا جائے گا۔ اور تفاوت کی صورت میں جمہور کے نزدیک سب سے کم مقدار والے وارث کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا۔

پہلی صورت کی مثال کچھ یوں ہے.....مثلاً موصی نے دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بہن چھوڑی ہو تو مسئلہ تین سے بنے گا، بہن کو ایک حصہ ملے گا اور ہر بیٹی کو ایک ایک حصہ مل جائے گا، یوں پھر ایک اور حصہ کا اضافہ کر دیا جائے گا کل ملا کر کے برابر برابر چار حصے بن جائیں گے۔

دوسری صورت کی مثال.....موصی نے مثلاً دو بیٹیاں، ایک حقیقی بہن اور بیوی چھوڑی ہو تو اصل مسئلہ ۲۴ سے بنے گا دو بیٹوں کو دو تہائی یعنی ۱۶ حصے، بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی ۳ حصے، بہن کو بقیہ ترکہ یعنی ۵ حصے ملیں گے، پھر اصل مسئلہ میں کم سے کم حصہ پانے والے کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا اور وہ بیوی کا حصہ ہے، یوں مسئلہ ۲۷ سے بنے گا۔

تیسری حالت.....یہ کہ وصیت معدوم کے حصہ کے بمثل ہو۔
مثلاً موصی نے کہا: اگر میرا بیٹا ہوا تو میں نے اس کے حصہ کے بقدر وصیت کر دی، چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں اور ماقبل مذکور صورت میں کوئی فرق نہیں۔
چنانچہ بالفعل موجود ورثہ کے درمیان ترکہ تقسیم کیا جائے گا، پھر اس پر معدوم بیٹے کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا اور اگر وصیت ثلث ترکہ کی حدود میں ہو تو موصی لہ کو حصہ مل جائے گا یا اگر زائد ہو تو ورثہ کی اجازت ضروری ہوگی جیسا کہ پہلی حالت میں گزر چکا ہے۔

چوتھی حالت.....یہ کہ وصیت کسی ایک وارث کے حصہ کی بمثل ہو اور دوسرے شخص کے حق میں متعین حصہ کے بقدر ہو لیکن وہ حصہ شائع ہو۔

جیسے مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کے حق میں اپنے بیٹے کے حصہ کی بمثل وصیت کی اور فلاں شخص کے حق میں چوتھائی ترکہ کی وصیت کی۔

دونوں وصیتوں کے حصے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکالنے کا طریقہ کچھ یوں ہے کہ وارث کے حصہ کی بمثل وصیت کا تخمینہ لگایا جائے گا جو ترکہ کے حصوں میں سے کسی حصہ کے برابر ہو گویا ایک ہی وصیت ہے پھر تہائی ترکہ دونوں وصیتوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے محتاج کے حق میں بیٹے کے حصہ کی بمثل وصیت کی اور ایک دوسرے شخص کے حق میں چوتھائی مال کی وصیت کی، جب کہ موصی نے دو بیٹے پیچھے چھوڑے تو اصل مسئلہ دو (۲) سے بنے گا اس پر بیٹے کا حصہ کی بمثل ایک اور حصہ کا اضافہ کیا جائے گا یوں موصی لہ کو تہائی مال ملے گا، جب کہ یہاں دو وصیتیں ہیں، ان میں سے ایک تہائی مال کی اور دوسری چوتھائی مال کی ہمیں ثلث اور ربع کے حساب کی ضرورت پڑے اس کا اقل حساب ۱۲ ہے، اس کا تہائی حصہ یعنی ۱۲ میں سے ۴ حصے مسئلے کے حصہ کی بمثل موصی لہ کو ملیں گے اور چوتھائی حصہ یعنی تین (۳) حصے دوسرے موصی لہ کو ملیں گے اور جو باقی بچ رہے وہ بیٹوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔

جب دونوں وصیتوں کا مجموعہ تہائی ترکہ سے زیادہ ہو! تو اس کا نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر ورثہ نے اجازت نہ دی تو تہائی حصہ دونوں موصی لھما کے درمیان سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا چار حصے تہائی والے موصی لہ کو ملیں گے اور تین حصے ربع والے کو ملیں گے۔

مصر کے قانون دفعات ۴۰ تا ۴۲ میں ان احکام کو لیا گیا ہے۔

نواں مقصد: اجزاء کے اعتبار سے وصیت...... مجہول چیز کی وصیت کی بحث میں میں نے ذکر کر دیا ہے کہ جس شخص نے مال کے کسی جز و یا حصہ یا قسط یا کسی چیز کی وصیت کی تو جمہور کے نزدیک موصی کے ورثہ کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ موصی لہ کو جو چاہیں دے دیں۔

مالکیہ کے نزدیک موصی لہ کو ترکہ کے حصوں میں سے کوئی ایک حصہ دے دیا جائے گا پھر باقی ترکہ ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

دسواں مقصد: نفاذ وصیت...... اگر سارا ترکہ موجود ہو اس میں سے کچھ بھی غائب یا دین نہ ہو تو کل مال سے وصیت نافذ ہوگی، برابر ہے کہ وصیت کردہ چیز نقود مرسلہ یعنی غیر متعین رقم جیسے مثلاً ایک ہزار دینار ہو یا کوئی متعین چیز ہو جیسے گھر، یا شائع (مشترکہ) حصہ ہو جیسے چوتھائی ترکہ، تہائی ترکہ، تاہم جمیع ترکہ سے وصیت نکالی جائے گی، اور کل مال سے موصی لہ اپنا حصہ لے گا۔

البتہ اگر ترکہ میں سے کچھ مال فی الحال موجود وحاضر نہ ہو اور کچھ مال لوگوں کے ذمہ دین (قرضہ) ہو تو وصیت کے نفاذ کی مختلف صورتیں ہوں گی، چنانچہ ترکہ میں سے کچھ مال یا تو کسی اجنبی پر قرضہ ہوگا یا کسی وارث پر قرضہ ہوگا۔

اول...... یہ کہ ترکہ میں سے کچھ مال کسی اجنبی (غیر وارث) پر قرضہ ہو۔ اس صورت کی مزید چار صورتیں ہیں۔

پہلی صورت...... یہ کہ وصیت کردہ چیز مال مرسل ہو، جیسے ایک ہزار دینار، چنانچہ اگر وصیت موجود ترکہ کے تہائی حصہ سے نکلتی ہو تو موصی لہ اس پر قبضہ کر لے، چونکہ اس کے لینے میں ورثہ کا کوئی نقصان نہیں۔ چونکہ ورثہ کے لئے موجودہ مال کے دو تہائی پھر بھی باقی رہتے ہیں۔

اگر موجود مال سے تہائی حصہ (وصیت کا) نہ نکلتا ہو تو موصی لہ موجود مال کا تہائی لے گا اور جو باقی بچ رہے وہ ورثہ کا ہوگا، پھر جوں جوں ترکہ آتا رہیگا موصی لہ وصول شدہ ترکا کا تہائی لیتا رہے گا اور جو باقی ہوگا وہ ورثہ کا حق ہوگا، موصی لہ تہائی تہائی لیتا رہے گا یہاں تک کہ

اپنا حق وصول کر لے۔

دوسری صورت...... یہ کہ وصیت کردہ چیز کوئی متعین چیز ہو جیسے متعین مکان یا متعین نقدی مال مثلاً یہ نقود یا نقدی امانت جو فلاں شخص کی نگرانی میں ہے:

اس صورت کا حکم مذکورہ بالا صورت جیسا ہے یہ مالکیہ کی رائے ہے، چونکہ متعین چیز کا باقی رہنا موقوف ہے، جس کی وجہ سے تقسیم ترکہ میں تاخیر ہوتی ہے، جب کہ تقسیم ترکہ میں تاخیر کرنے سے ورثہ کا نقصان ہوتا ہے، اور متعین چیز کے بقیہ حصہ کا ورثہ کو مالک بنانا نقصان سے خالی ہے، اس میں موصی لہ کا نقصان نہیں چونکہ وہ بقیہ چیز کی قیمت لے کر دستبر دار ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اگر مکان ہزار روپے کے برابر ہو جب کہ ترکہ جو موجود ہو وہ ایک ہزار پانچ سو ہو، اور غیر موجود ترکہ بھی ایک ہزار پانچ سو ہو تو موصی لہ نصف مکان کا حق دار ہوگا چونکہ نصف مکان موجودہ ترکہ کے تہائی حصہ کے برابر ہے، مکان کا بقیہ نصف حصہ ورثہ کا ہوگا، جب بھی غیر موجود ترکہ میں سے کوئی چیز وصول ہوگی موصی لہ اس کا تہائی حصہ لیتا رہے گا یہاں تک کہ موصی لہ ورثہ کو دیئے ہوئے نصف حصہ کی قیمت وصول کر لے۔

مصر کے قانون دفعہ ۴۳ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۱ میں انہی دو صورتوں کو اپنایا گیا ہے۔

اس دوسری صورت کے بارے میں حنفیہ کی رائے ہے کہ موصی لہ متعین چیز کے موجود مال سے تہائی حصہ لے گا اور اس چیز کا باقی حصہ موقوف رہے گا اور جب غیر موجود مال میں سے کوئی چیز وصول ہوگی موصی لہ باقی چیز (موقوف) سے اپنا حصہ لیتا رہے جو موجود مال کے تہائی حصہ کے برابر ہو یہاں تک کہ متعین چیز پوری کی پوری لے لے، اگر غیر موجود (غائب) مال ضائع ہو جائے تو باقی چیز ورثہ کی ملکیت ہوگی۔

چونکہ وصیت کا تعلق تو اسی متعین چیز (مثلاً مکان) سے ہے، لہٰذا وصیت اسی میں نافذ ہوگی جب تک نفاذ ممکن ہو، چونکہ موصی کے ارادہ کو نافذ کرنا ضروری ہے۔ اور بقیہ چیز (مکان) موقوف رہے گا تاوقت یہ کہ غائب مال کی صورت حال واضح ہو جائے، جب غائب مال وصول ہو جائے تو وصیت پوری متعین چیز (مکان) میں نافذ ہو جائے گی، اگر غائب مال وصول نہ ہوا تو باقی چیز ورثہ کی ملکیت ہوگی۔

تیسری صورت...... ترکہ میں سے کسی عام حصے کی وصیت ہو جیسے ربع یا ثلث کی، پس اس حالت میں موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) وہ ورثاء کے ساتھ سارے مال میں شریک ہے چاہے وہ مال موجود ہو یا غائب، دین ہو یا عین پس وہ اپنا حصہ موجود مال سے وصول کر لے گا اور جوں جوں غائب مال میں سے کوئی چیز آئے گی اس سے بھی اپنا حصہ وصول کرتا رہے گا اور یہ فقہی اعتبار سے متفقہ مسئلہ ہے اور اسی کو مصر اور شام کے قانون میں لیا گیا ہے۔

چوتھی صورت...... مال کی کسی قسم میں سے عام حصے کی وصیت ہو مثلاً فلاں طرف کی عمارتوں کا چوتھائی، یا تجارتی مال کا چوتھائی، یا تجارتی قرضوں کا چوتھائی وغیرہ۔

الف...... اگر وصیت کے لئے مال کا کچھ حصہ موجود ہو، تو اگر ثلث سے پورا ہو سکتا ہے تو موصی لہ اس سے اپنا حصہ وصول کرے، لیکن اگر پورا نہ ہو سکے تو اس میں سے تہائی کی مقدار لے لے اور باقی مال ورثاء کا ہوگا، اور جب بھی دین، یا اس غائب مال سے کچھ بھی آئے گا تو موصی لہ اس میں سے حصہ تہائی وصول کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اس کا حصہ مکمل طور پر وصول ہو جائے، اور اگر اس قسم کے مال کے باقی حصہ میں ورثاء نے کوئی تصرف کر دیا یا اس کی اصلاح ودرستگی کی اور اب اسی موصی لہ کو دینے میں ان کا نقصان ہے تو انہیں حق ہے کہ باقی حصہ کی وہ موصی لہ کو قیمت دے دیں۔

ب.....اور اگر وصیت کئے گئے مال کی وہ قسم موجود نہ ہو یا کچھ موجود ہو اور کچھ غائب ہو، تو حنابلہ اور زفر کے ہاں موصی لہ، اس حالت میں صرف اس موجود قسم سے ہی اپنا حصہ لے گا اور جب بھی وہ مال حاضر ہوگا اس میں سے وہ اپنا حصہ لیتا رہے گا، اور باقی ورثاء کا ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں موصی لہ غائب مال یا دین میں سے جو بھی آئے گا وہ سارا لیتا رہے یہاں تک کہ اس کا حق مکمل طور پر وصول ہو جائے اور ورثاء میں سے اس کے ساتھ اس کا حصہ مکمل ہونے تک کوئی بھی شریک نہ ہوگا۔ مصری قانون میں پہلی رائے کو لیا گیا ہے۔

دوسری بات: ترکہ میں وارث پر کوئی دین ہو.....اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی حالت.....دین کی کوئی مدت مقرر ہو (مؤجل ہو) اس کا حکم وہی ہے جو اس دین کا حکم ہے جو اجنبی پر ہو سابقہ تمام حالتوں میں لہٰذا موصی لہ صرف موجود مال میں سے اپنا حصہ لے گا یا ثلث کے اندر اندر اور جب دین کی مدت ختم ہوگئی تو اس کے لئے وصیت کی مقدار کامل ہوگی۔

دوسری حالت.....دین کی مدت، وفات کے وقت یا تقسیم کے وقت ختم ہو رہی ہو اور وہ وارث کے حصہ سے کم ہو یا اس کے مساوی ہو تو اس دین اور مدیون کے حصہ میں اگر وہ اس جنس سے ہو جو ترکہ میں سے حاضر ہے مقاصات ہوگا اور اس مقاصات کی وجہ سے دین کو مال حاضر شمار کیا جائے گا۔ اگر وصی (وصیت کرنے والا) نے ایک ہزار کی وصیت کی اور دو بیٹے چھوڑے جن میں سے ایک پر ایک ہزار قرض ہو اور وہ تین ہزار ترکہ میں چھوڑے تو ترکے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا بچوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا اور موصی لہ کو بھی ایک اور دین کو حاضر شمار کیا جائے گا لہٰذا موصی لہ ایک ہزار لے لے گا اور وہ بیٹا جس پر قرض نہیں وہ ایک ہزار لے لے گا، اور جس پر دین ہے وہ کچھ بھی نہ لے گا، جب اس کے ترکہ کے حصہ اور جو اس پر دین ہے اس میں مقاصہ ہوا ہو تو اس کا حصہ ترکہ میں سے ساقط ہو جائے گا۔

اگر دین ترکہ میں موجود مال کی جنس سے نہ ہو تو مقاصہ نہ ہوگا، قرض دار وارث کے ترکہ کا حصہ روک دیا جائے گا جیسے رہن کو روکا جاتا ہے دین کی وصولی تک، پس جب اس نے دین ادا کر دیا تو اس کا حصہ اسے سپرد کر دیا جائے گا لیکن اگر اس نے ادا نہ کیا تو قاضی اس کے حصہ کو فروخت کر دے گا اور اس دین کو ادا کر دے گا اس کے ثمن سے۔

تیسری حالت.....کہ دین کی ادائیگی کا وقت ہو تقسیم ترکہ کے وقت اور وارث کا حصہ اس کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو، پس اس حالت میں حصہ سے جو زائد ہے وہ اس طرح ہے جس طرح اجنبی پر قرضہ ہوتا ہے یعنی اسے مال غائب شمار کیا جائے گا۔ اور جو اس کے حصہ کے مقابل ہے اسے موجود مال شمار کیا جائے گا پس موصی لہ حاضر مال سے ثلث کی مقدار پوری لے لے گا پھر وہ ثلث بھی لے گا جو زائد دین ہے حتیٰ کہ اس کی وصیت پوری وصول ہو جائے۔

یہ تمام احکام حنفی مذہب سے لئے گئے ہیں اور انہی کو مصر کے قانون (مادہ ۴۶) اور شام کے قانون (م ۲۴۲ / ۲۔۳) میں قانون بنایا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے نقد وغیرہ کو ایک جنس قرار دیا ہے مقاصد کے لئے۔

چوتھی بحث: وصیت باطل کرنے والے اسباب.....وصیت چند اسباب سے باطل ہو جاتی ہے، یا تو موصی (وصیت کرنے والے) کی طرف سے جیسے اس کا وصیت سے رجوع کرنا، یا اس کی اہلیت کا زائل ہونا یا موصی کا مرتد ہونا یا تو موصی لہ کی طرف سے جیسے اس کا وصیت کو رد کرنا یا اس کا مر جانا، یا موصی کو قتل کر دیا یا موصی بہ (وہ مال وغیرہ جس کی وصیت کی ہے) کی طرف سے ہوگا اور وہ اس عین کا

ضائع وبرباد ہونا ہے جس کی وصیت کی گئی تھی اور یہ اسباب درج ذیل ہیں: [1]

۱۔ موصی کی اہلیت کا زائل ہونا جنون مطبق وغیرہ کے ذریعہ......حنفیہ کے ہاں وصیت باطل ہوجاتی ہے۔ جنون مطبق اور معتوہ وغیرہ ہونے سے، چاہے وہ موت تک پہنچے یا موت سے پہلے ہی ختم ہوجائے اس لئے کہ وکالت کی طرح وصیت غیر لازم عقد ہے، لہٰذا اس کے بقاء کے لئے ابتداء کا حکم ہے، پس جب جنون ابتداءً وصیت کے لئے نااہل بناتا ہے کیونکہ مجنون کی بات لازم نہیں ہوتی، لہٰذا جنون مطبق کا طاری ہونا اسے باطل کردیتا ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جنون مطبق وہ ہے جو ایک ماہ یا اس سے زیادہ تک رہے اسی کو قانون میں اختیار کیا گیا ہے، اور امام محمد کے ہاں: وہ ہے جو ایک سال تک رہے، اور معتوہ ہونا بھی جنون کی طرح ہے۔

اگر جنون مطبق نہ ہو تو وصیت باطل نہ ہوگی کیونکہ یہ حالت بے ہوشی کے مشابہ ہے، اور عقد کو باطل کردیتا ہے کیونکہ یہ عقل کو زائل نہیں کرتا، جیسے موصی پر بےوقوفی یا غفلت کی وجہ سے پابندی لگائی گئی ہو تو باطل نہیں ہوتی۔ مصر کے قانون (دفعہ ۱۴۔۱۶) اور شام کے قانون (دفعہ ۲۲۰/۱) میں ان احکام کو لیا گیا ہے لیکن جنون مطبق جو موت تک ہو اسے باطل قرار دیا ہے۔

جمہور کے ہاں......جنون سے وصیت باطل نہیں ہوتی، چاہے مطبق ہو یا نہ ہو، چاہے موت تک پہنچے یا نہ، جب وہ ابتداءِ عقد کے وقت اہل عاقل بالغ تھا، اور عقود وتصرفات میں صرف بوقت انشاء اہلیت کا ہونا معتمد ہے، اور اس کے بعد اس کا زائل ہونا صحت عقد وتصرف میں مؤثر نہیں، اس لئے کہ بیع، اجارہ اور وقف وغیرہ۔ جنون طاری سے باطل نہیں ہوتے یہی میرے ہاں راجح ہے، کیونکہ کل اہلیت انعقاد کے وقت مطلوب ہے، رہ گیا موصی کا وصیت سے رجوع اگر اسے جنون نہ ہوتا تو یہ ضعیف احتمال ہے۔

۲۔ موصی کا مرتد ہوجانا......حنفیہ اور شوافع کے ہاں اور مالکیہ کے ہاں موصی لہ کا مرتد ہونا بھی جب کہ وہ مرتد مرے اور اسلام میں نہ آئے۔ کیونکہ اس کی ملکیت موقوف ہے اصح قول کے مطابق اور قانون نے ارتداد سے تعرض نہیں کیا، کیونکہ اس کا وقوع کم ہوتا ہے اور حنابلہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ وہ مرتد کی وصیت کے صحت کے قائل ہیں:

۳۔ ایسی شرط پر وصیت کو معلق کرنا جو حاصل نہ ہو......مثلاً کہے: اگر میں اپنے اس مرض میں مرگیا یا اس سفر میں مرگیا تو فلاں کو فلاں چیز دی جائے۔ وہ مرا نہیں تو وصیت باطل ہے کیونکہ اس نے وصیت کو بیماری یا سفر میں مرنے کے ساتھ معلق کیا ہے اور یہ چیز حاصل نہیں ہوئی مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

۴۔ وصیت سے رجوع......اس سے بھی بالاتفاق وصیت باطل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ یہ غیر لازم عقد ہے لہٰذا موصی کے لئے جائز ہے کہ وہ جب چاہے اس سے رجوع کرلے، کیونکہ یہی ہے جس کی طرف سے صرف ایجاب پایا گیا، نیز یہ ایک ایسا عقد ہے کہ اس کا حکم صرف موصی کے مرنے کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس سے پہلے موصی لہ کا حق اس ایجاب پر مرتب نہ ہوگا، لہٰذا اسے جاری رکھنے اور رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ پھر رجوع یا تو صریح ہوگا یا دلالۃً ہوگا۔

صریح رجوع......ایسے الفاظ سے ہو جو رجوع کے لئے بطور تصریح استعمال ہوتا ہو، جیسے موصی کا کہنا: میں نے فلاں کی وصیت سے رجوع کرلیا، یا میں نے اسے ترک کردیا، یا میں نے اسے باطل کردیا، یا میں نے اسے توڑ دیا، یا جس چیز کی میں نے فلاں کو وصیت کی

---

[1]......البدائع: ۳۹۴/۷، الدر المختار: ۴۶۹/۵۔۴۷۱، الشرح الصغیر: ۵۸۴/۴۔۵۸۷، الشرح الکبیر: ۴۲۶/۴۔۴۲۸، مغنی المحتاج: ۳۹/۳۔۷۱، وما بعدھا، المھذب: ۴۶۱/۱، وما بعدھا، غایۃ المنتھی: ۳۵۳/۲، وما بعدھا، کشاف القناع: ۴۱۸/۴۔

وہ میرے ورثاء کے لئے ہے وغیرہ۔ یہ فقہی اور قانونی اعتبار سے متفقہ مسئلہ ہے، کیونکہ موصی کا وصیت سے عدول اس میں صریح طور پر پایا جاتا ہے، اور وہ عدول کا مالک ہے جب چاہے۔ لیکن درج ذیل کلمات رجوع شمار نہیں ہوں گے میں اپنی اس وصیت پر نادم ہوں جو میں نے فلاں کو کی۔ یا میں نے جلدی کردی، یا میں نے وصیت موخر کردی، کیونکہ مؤخر کرنا ساقط کرنے کو مستلزم نہیں جیسے مدیون سے دین کو مؤخر کرنا، اسی طرح ''ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کو کی تو وہ حرام ہے'' یہ بھی رجوع پر دلالت نہیں کررہا یا موصی لہ کو تبدیل کردیا زید تھا خالد بنادیا تو اس میں دونوں شریک ہوں گے اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں وصیت کا انکار، رجوع نہیں اسی کو قانون میں لیا گیا ہے، اور امام ابو یوسف اور مالکیہ کے ہاں اسے رجوع شمار کیا گیا ہے جیسا کہ میں نے وصیت کی صفت کی بحث میں بیان کردیا ہے۔

دلالۃ رجوع.....موصی لہ (وصیت کی گئی چیز) میں کسی قسم کا تصرف وفعل وصیت سے رجوع کا فائدہ دیتا ہے یہ درج ذیل صورتوں کو شامل ہے:

پہلی صورت...... ہر وہ قولی تصرف جو عین کو وصی (وصیت کرنے والا) کی ملکیت سے نکال دے جیسے وہ موصی بہ کو فروخت کردے یا ہبہ کردے یا اسے صدقہ کردے یا اسے مہر میں دے دے یا اسے وقف کردے اور یہ فقہی اور قانونی اعتبار سے متفق علیہ ہے۔ لیکن کیا اگر وہ چیز موصی کی ملکیت میں دوبارہ آجائے تو وصیت بھی لوٹے گی؟ اس بارے میں دو رائے ہیں جمہور کے ہاں اس میں موصی بہ، موصی کی ملکیت سے نکل گیا اور اس وجہ سے وصیت باطل ہوگئی تو اب دوبارہ ملکیت میں آنے سے وصیت نہیں لوٹے گی، کیونکہ تصرف کرنا قطعی قرینہ ہے اس سے رجوع کیا۔

مالکیہ کے ہاں جب موصی بہ، موصی کی ملکیت میں دوبارہ آگئی تو وصیت بھی لوٹ آئے گی مزید نئی وصیت کے بغیر، ظاہری طور پر راجح پہلی رائے ہے اسی کو قانون میں لیا گیا ہے، کیونکہ ملکیت کے زائل ہونے کی وجہ سے معقود علیہ کا محل فوت ہوگیا۔

دوسری صورت......موصی بہ عین میں کسی بھی قسم کا فعل وصیت سے رجوع پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ جو بالاتفاق رجوع پر دال ہے اور وہ معنوی اعتبار سے موصی بہ عین کو ضائع کردینا ہے جیسے وصیت کی گئی بکری کو ذبح کردینا، موصی لہ روئی کو بن لینا وغیرہ۔ ایسے افعال جو شئی کی حقیقت کو تبدیل کردیں اور وہ موصی بہ کے علاوہ دوسری چیز بن جائے، اور اسی کے ساتھ ملحق ہے وہ صورت کہ جب کوئی ایسی تبدیلی کردی جائے جو اس کے نام کو زائل کردے جیسے انگور کا کشمش بن جانا اور انڈے کا جواز بن جانا وغیرہ۔ اسی طرح اگر موصی کے فعل سے وہ چیز تبدیل ہوجائے اور اس کا نام ختم ہوجائے جیسے دھاگے کو بننا اور کان کو بھرنا، گندم کو پیسنا، اور دانوں کو نکال لینا یہ رجوع شمار ہوگا حتیٰ کہ مالکیہ کے ہاں بھی۔

اور ایک قسم وہ ہے جو بالاتفاق رجوع پر دلالت نہیں کرتی، اور وہ ہر وہ فعل ہے جو عین کے تابع ہے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کیا گیا، اس طور پر کہ عین کی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو اور نہ ہی اس کا نام تبدیل ہوا ہو، مثلاً: اون کترنا، دودھ دھونا، کھیتی اور درختوں کو سیراب کرنا، درختوں کی شاخ تراشی کرنا، گھر کو چونا وغیرہ اور اس کی مرمت کرنا، اس لئے کہ یہ افعال موصی بہ عین سے خارج ایک امر سے متعلق ہیں یہ رجوع پر دلالت نہیں کرتے۔

اور اس طرح کے افعال وتصرفات جو موصی بہ کو موصی کی ملکیت سے نہیں نکالتے جیسے اجارہ اور عاریت وغیرہ یہ رجوع شمار نہیں ہوتے۔ اور ایک قسم وہ ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے، وہ موصی بہ عین میں ایسی زیادتی واضافہ کرنا جس کے بغیر عین سپرد کرنا ممکن نہ ہو جیسے کپڑے کو رنگنا یا زمین پر تعمیر کرنا یا درخت لگانا اور ستو کو گھی میں ملا دینا۔ اور موصی بہ کو ایسی چیز سے خلط ملط کردینا کہ اسے بغیر مشقت کے جدا کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے آٹے میں چینی ملا دینا یا وصیت کی گئی گندم کو دوسری گندم یا جو سے ملا دینا۔ جمہور کے ہاں مذکورہ

چیزیں رجوع شمار ہوتی ہیں دلالت کے اعتبار سے اور مالکیہ کے ہاں مذکورہ چیزیں رجوع شمار نہیں ہوتیں الا یہ کہ کوئی اور قرینہ رجوع پر دلالت کرے۔

اور قانون میں مالکیہ کی رائے کو لیا گیا ہے کہ افعال میں سے جو رجوع معتبر ہے اور جن میں رجوع معتبر نہیں اسی طریقہ سے جس کو میں نے وصیت کی صفت میں بیان کیا ہے، اور میں نے مالکیہ کے مذہب کی تحقیق کی ہے کہ کسی چیز کا نام تبدیل ہونا ❶ جیسے دانوں کو نکالنا دھاگے کو بننا اور کان (معدن) کو بند کر دینا بفتہ کو الگ الگ کرنا اور روئی کو کوٹ بنالینا کہ اس کو رجوع شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن قانون میں اس فعل کو رجوع شمار نہیں کیا گیا جو موصی بہ کے نام کو تبدیل کر دے یا اس کی بڑی بڑی صفات کو تبدیل کر دے الا یہ کہ کوئی قرینہ دلالت کرنے والا یا عرف ہو کہ موصی نے اس سے رجوع کا ارادہ کیا تھا۔

۵۔ وصیت رد کرنا...... اگر موصی کی صفات کے بعد موصی لہ وصیت کو رد کر دے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔

۶۔ **متعین موصی لہ کا موصی سے پہلے مر جانا**...... اس سے بھی ائمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق وصیت باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ وصیت عطیہ ہے، اور معطیٰ تو مر گیا لہٰذا جس طرح میت کے لئے ہبہ جائز نہیں اس طرح یہ بھی درست نہیں نیز وصیت تو موصی کی وفات کے بعد لازم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں اگر موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ بھی قبول کرنے سے پہلے مر گیا تو وصیت باطل ہوگی، اور حنفیہ کے ہاں وصیت اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، اس لئے کہ ان کے ہاں قبول کا مطلب ہے رد نہ کرنا اور جمہور کے ہاں موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی) کے مر جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے چاہے موصی کو اس کی موت کا علم ہو یا نہ، اور مالکیہ کے ہاں تفصیل ہے جو پہلے ذکر کر دی گئی۔

۷۔ **موصی لہ کا موصی کو قتل کر دینا**...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قاتل کے لئے کی گئی وصیت باطل ہوتی ہے، چاہے قتل وصیت سے پہلے ہو یا بعد میں، حتیٰ کہ اگر ورثاء نے وصیت جائز قرار دی اور موصی نے بھی اس کی اجازت دے دی قتل کے بعد موت سے پہلے تب بھی باطل ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے تفصیل سے بات کی ہے اور موصی لہ کی شرائط کی بحث میں میں نے دوسرے فقہاء کی رائے کو بھی ذکر کیا ہے۔

۸۔ **متعین موصی بہ کا ہلاک ہونا یا استحقاق**...... اگر موصی بہ (وصیت کی گئی چیز) بذاتہ متعین ہو اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حکم وصیت کا محل فوت ہو گیا اور تصرف کے حکم کو ثابت کرنے اور اسے باقی رکھنا بغیر محل کے اور باقی رہنے کے محال ہے، جیسے اشارہ کر کے بکری کی طرف وصیت کرے اور وہ ہلاک ہو جائے تو وصیت باطل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وصیت ایک قائم اور موجود عین سے متعلق ہے وصیت کے وقت۔ اور اس کے بعد وہ عین ہلاک ہو گیا تو محل وصیت ختم۔

اسی طرح اگر ایک عام اور مشترک متعین بالذات جزو میں یا کسی خاص قسم کے مال میں وصیت ہو مثلاً اس گھر کا نصف، یا دس معلوم گھوڑوں میں سے ایک معلوم گھوڑے کی وصیت کی اور وہ ہلاک ہو گیا یا آدھے گھر کی اور وہ گر گیا منہدم ہو گیا تو اس میں وصیت باطل ہے۔ اور موصی لہ کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ محل وصیت فوت ہو گیا۔ اسی طرح وصیت باطل ہے اگر موصی بہ عین کا کوئی مستحق نکل آیا چاہے استحقاق موصی کی موت سے پہلے ہو یا بعد میں، اس لئے کہ استحقاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت غیر کی ملکیت میں کی گئی لہٰذا باطل ہے۔ مصر اور شام کے قانون میں ان احکام کو لیا گیا ہے اور موصی بہ کی ہلاکت اور استحقاق کی صورت میں وصیت کے بطلان کا حکم لگایا ہے۔

---

❶......فالمهم عند المالكية زوال الاسم وعدم زواله (حاشية الدسوقي: ۴۲۸/۴)۔

۹۔ وارث کو کی گئی وصیت باطل ہے...... مالکیہ کے ہاں اگر چہ ورثاء اجازت بھی دے دیں کیونکہ حدیث میں ہے ''وارث کے لئے وصیت نہیں''۔

پانچویں بحث...... وصیتوں کا مزاحم ہونا

وصیتیں متعدد ہو اور ثلث سے ادا نہ ہو سکتی ہوں اور وارث اجازت نہ دیں یا وہ اجازت تو دیں لیکن ترکہ میں تمام وصیتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو۔ وصیتوں کا متعدد ہونا تین امور میں سے کسی ایک سے خالی نہیں۔

۱...... یا تو ساری وصیتیں بندوں کے لئے ہوں مثلاً خالد، بکر اور عمرو کے لئے۔

۲...... یا ساری اللہ کے لئے ہوں جیسے روزوں کی فدیہ کی وصیت۔ نفلی صدقہ کی وصیت، مسجد وغیرہ کی عمارت۔

۳...... یا ان دونوں قسموں میں مشترک ہو بعض اللہ کے لئے اور بعض بندوں کے لئے، لوگوں میں کس طرح وصیتوں کو نافذ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی۔ (۱) کئی آراء ہیں۔ حنفیہ نے اس کی بہت تفصیل بیان کی ہے اور انہوں نے وصیتوں میں مزاحمت کے حل کے لئے قواعد وضع کئے ہیں۔

۱۔ بندوں کے درمیان وصیتوں میں تزاحم کا قاعدہ...... جب کوئی آدمی بہت سارے اشخاص کے لئے متعدد وصیتیں کردے اور وہ وصیتیں اس کے مجموعی ترکہ کے ثلث سے زیادہ ہوں اور ورثاء زائد کی اجازت نہ دیتے ہوں یا اجازت تو دیتے ہوں لیکن ترکہ میں وصیتیں پورا کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت...... یہ کہ تمام وصیتوں میں سے ہر وصیت ثلث سے متجاوز نہ ہوں جیسے ایک کے لئے سدس مال کی دوسرے کے لئے ربع کی، تیسرے کے لئے ثلث کی تو ثلث میں سے ہر ایک حصہ لے لے یعنی ہر ایک وصیت ثلث میں سے لے لے اور یہ ثلث ترکہ ۹ پر تقسیم کیا جائے، پہلے کو دو حصے دوسرے کو تین حصے اور تیسرے کو چار حصے دیئے جائیں اور یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے اور اسی کو قانون نے اختیار کیا ہے۔

دوسری حالت...... کہ وصیتوں میں سے کوئی ایک وصیت ثلث سے زائد ہو مثلاً ایک کے لئے ثلث کی وصیت ہو اور دوسرے کے لئے نصف کی، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ثلث دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔ اس لئے کہ جب ثلث سے زائد کی ورثاء اجازت نہ دیں تو زائد مقدار میں وصیت باطل ہے، تو یہاں دو وصیتیں ہوگئی اور دونوں ثلث سے ہیں اور ان میں تزاحم ہے۔

پس ثلث ترکہ دونوں موصی لھما کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول ہے۔ اور صاحبین اور باقی ائمہ کے ہاں اور اسی کو مصری قانون دفعہ (م ۸۰) اور شامی قانون (دفعہ ۲۵۸) میں لیا گیا ہے کہ ثلث کو ان کے درمیان ان کی وصیت کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ پہلی حالت کی طرح زائد مقدار لغو ہوگی جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس لئے کہ موصی کی رغبت کی رعایت بھی بقدر امکان لازم ہے کہ موصی لھم میں سے بعض کو بعض سے زیادہ دیا جائے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تین حالتوں کا استثناء کیا ہے۔ اور وہ محابات، دراہم مرسلہ اور سعایۃ ہے اس میں صاحبین کی تقسیم میں حصوں کے حساب سے موافقت ہے اور اس میں نصف نصف تقسیم نہ ہوئی۔ (۲) میں یہاں پہلی دو حالتوں کی وضاحت کروں گا رہ گئی تیسری صورت تو اس کے بیان کی ضرورت نہیں وہ فی الحال واقع نہیں۔

---

(۱)...... الدرالمختار ۴۶۸/۵، تکملہ فتح القدير: ۴۶۷/۸۔ ۴۶۹، الکتاب مع اللباب: ۱۸۸/۴، بدایۃ المجتہد: ۳۳۲/۲، المہذب: ۴۵۴/۱ حاشیۃ الباجوری: ۸۶/۲۔ ۸۸، المغنی: ۵/۶۔ (۲) الہدایۃ مع تکملۃ فتح القدير وحاشیۃ العنایۃ: ۴۴۲/۸۔

محابات...... یہ کہ بعض لوگوں کے مبیع کے ثمن میں کمی کرنا مثلاً ایک شخص یہ وصیت کرے کہ اس کی وہ گاڑی جس کی قیمت تین ہزار ہے وہ اسے ایک ہزار کی فروخت کی جائے اور جو گاڑی چھ ہزار کی ہے وہ دو ہزار میں فروخت کی جائے، اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا اس کے علاوہ کوئی مال نہیں اور وہ نرخوں کے حساب سے وصیت کرنا چاہتا ہو تو یہ ثلث مال یعنی تین ہزار ان دونوں کے درمیان اثلاثاً تقسیم ہوگا ایک ثلث پہلے کے لئے اور دو ثلث دوسرے کے لئے۔ رہ گئے دراھم مرسلہ۔ ❶ یہ کہ وہ ایک آدمی کے لئے چار سو دینار کی وصیت کرے، اور دوسرے کے لئے آٹھ سو کی اور اس کا کل ترکہ بارہ سو دینار ہوں اور ورثاء اجازت نہ دیں تو گویا اس نے ایک کے لئے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کے لے دو ثلث کی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق استثناء کی وجہ یہ ہے کہ موصی نے اپنی وصیت میں اس چیز یعنی ثلث سے زیادہ کی تصریح نہیں کی جو وصیت کو باطل کرتی ہے، اور بطلان یہاں مزاحمت اور ترکہ کے تنگ ہونے کے راستہ سے آیا ہے۔ اور دونوں وصیتیں ثلث میں پوری نہیں ہو رہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا کوئی اور مال ظاہر ہو جائے اس وصیت کو باطل نہ کرتا ہو، لہٰذا وصیت باطل نہ ہوگی۔

۲۔ حقوق اللہ میں تزاحم...... جب کچھ وصیتیں کریں جو ثلث سے زیادہ ہوں اور سب کی سب حقوق اللہ میں سے ہوں پھر وہ یا تو مرتبہ کے اعتبار سے متحد ہوں گی، یا ان کے مرتبہ میں تفاوت ہوگا یا وہ مخلوط ہوں گی۔

اگر وہ ایک ہی درجہ و مرتبہ کی ہوں مثلاً سب فرائض ہوں جیسے حج اور زکوٰۃ، یا سب واجبات ہوں یا سب مندوبات و مستحبات ہوں تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے ہاں اسے مقدم کیا جائے گا جس کو میت نے پہلے بتایا ہو جب اس نے حج اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہو تو پہلے حج ہوگا اور جب اس نے قسم کے کفارے اور ظہار کے کفارے کی وصیت کی تو پہلی وصیت مقدم ہوگی جب پہلی وصیت سے کچھ بچ گیا تو وہ دوسری کے لئے ہوگا، اور اگر درجہ کے اعتبار سے مختلف ہوں مثلاً بعض فرائض اور بعض واجبات مثلاً صدقۃ الفطر کے لئے وصیتیں ہوں اور بعض مندوبات کے لئے مثلاً نفلی حج تو فرض مقدم ہوگا پھر واجب پھر مندوب و مستحب۔

۳۔ حقوق اللہ اور بندوں کے حقوق میں وصیت کا تزاحم...... مثلاً وصیت کرے حج، زکوٰۃ اور کفارہ کی تو ثلث ان کے درمیان ارباعاً (چار حصوں میں) تقسیم ہوگا، ہر ایک کو ربع دیا جائے گا، حج کے لئے ربع ثلث، زکوٰۃ کے لئے ربع ثلث، کفارہ کے لئے ربع ثلث اور خالد کے لئے ربع ثلث۔ اور اگر قربات قوت میں برابر ہوں تو اس سے ابتداء ہوگی جس سے موصی نے ابتداء کی یا جو عبادت زیادہ قوی ہے، یا سب پر برابر برابر تقسیم ہوگی۔ مصری قانون (م ۸۰) اور شامی قانون (م ۲۵۸، ۲۵۹) میں سابقہ احکام کے تزاحم میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے عدول کیا گیا ہے اور صاحبین کی رائے کو لیا گیا ہے۔

اور باقی مذاہب والے صاحبین کی رائے سے متفق ہیں جب وصیتیں ایسی ہوں کہ ثلث ان سے تنگ ہو تو ثلث کو سب پر تقسیم کیا جائے گا ان کے حصہ کے حساب سے مثلاً اگر کسی نے دو آدمیوں کے لئے وصیت کی ایک کے لئے اپنے نصف مال کی اور دوسرے کے لئے ثلث مال کی ورثاء نے زائد کو رد کر دیا تو ان دونوں کے درمیان ثلث کو اخماساً (پانچ حصوں میں) تقسیم کیا جائے گا۔ اور جب ورثاء نے وصیت کو جائز اور نافذ قرار دیا مثلاً اس نے ایک آدمی کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کی تھی اور دوسرے کے لئے سارے مال کی تو ان کے درمیان مال کو اثلاثاً (تین حصوں میں) تقسیم کیا جائے گا، موصی لہ جس کو نصف کی وصیت تھی وہ اس کا ثلث لے لے گا اور باقی سارا دوسرا موصی لہ لے گا، اور جب بعض وصیتیں بعض سے اہم ہوں تو اہم کو نصف پر مقدم کیا جائے گا۔ اور پہلے معلوم ہو چکا کہ مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت باطل ہے، اگر چہ ورثاء اجازت بھی دے دیں، اور اجازت کے وقت ثلث سے زائد کو ورثاء کی طرف سے نیا عطیہ شمار کیا جائے گا۔ نہ کہ میت کی وصیت کی تنفیذ، لہٰذا اس میں شرط یہ ہے کہ اجازت دینے والا وارث تبرع کا اہل ہو اور اس

میں قبول کرنا بھی ضروری ہے، اور موصی لہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے اپنے قبضہ میں لے لے مجیز کی طرف سے مانع آنے سے پہلے۔

چھٹی بحث: قانونی طور پر واجب ہونے والی وصیت...... اس وصیت کا فقہی استثناء اور یہ کس پر واجب ہے اور اس کے واجب ہونے کی شرطیں، واجب وصیت کی مقدار اور اسے ترکہ سے نکالنے کا طریقہ۔ ❷

واجب وصیت کا فقہی ثبوت اور سبب جواز...... میں یہ بیان کر چکا ہوں کے جمہور ائمہ کے ہاں اور ائمہ اربعہ کے ہاں اقارب کے لئے وصیت مستحب ہے اور کسی شخص پر ان کے لئے وصیت کرنا واجب نہیں الا حقوق اللہ یا حقوق العبد میں، لیکن بعض فقہاء کے ہاں جیسے ابن حزم ظاہری، طبری، اور حنابلہ میں سے ابوبکر عبدالعزیز کے ہاں: کہ دیانۃ اور قضاء بھی والدین، اور ان اقارب کے لئے جو میراث سے محروم ہیں وصیت کرنا واجب ہے، یا ایسے لوگ کہ ان کے لئے وراثت سے کوئی مانع ہو جیسے اختلاف دین، پس جب میت اقارب کے لئے کچھ بھی وصیت نہ کرے تو اس کے ورثاء پر واجب ہے یا وصی پر واجب ہے کہ وہ میت کے مال سے ایک غیر محدود چیز نکالے اور والدین اور غیر وارث وارثین کو دے۔ مصر کے قانون (م ۷۶۔۷۹) اور شام کے قانون (م ۲۵۷) میں اس دوسری رائے کو لیا گیا ہے، اس قانون نے میراث سے محروم بعض لوگوں کے لئے وصیت کو واجب قرار دیا ہے، اور وہ پوتے ہیں کہ جن کا والدان کے دادا یا دادی کے مرنے سے پہلے مرجائے یا وہ سب اکٹھے مرجائیں چاہے حکماً ہی جیسے غرق ہونا یا جل جانا۔ اسلامی نظام وراثت کے مطابق یہ پوتے اپنے دادا دادی کی میراث سے کچھ بھی نہیں لے سکتے کیونکہ ان کے چچے یا پھوپھیاں بقید حیات ہیں۔ لیکن کبھی یہ پوتے فقر و فاقہ کی زندگی میں ہوتے ہیں اور ضرورت مند ہوتے ہیں اور ان کے چچا اور پھوپھیاں صاحب ثروت ہوتی ہیں۔ تو قانون نے واجب وصیت کا یہ قانون بنایا اس مشکل کے حل کے لئے اسلامی شریعت کی روح کے ساتھ چلتے ہوئے کہ مال و دولت کو عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے اس لئے کہ فوت ہونے والے بیٹے کا کوئی قصور نہیں کہ وہ اپنے والد کے حصہ سے محروم رہے جو کہ اپنے والد کے فوت ہونے سے پہلے فوت ہو گیا اور وہ اپنے باپ کے حصے کا برابر کا شریک ہوتا، لہٰذا ان پر حاجت و ضرورت اور والد کا نہ ہونا جمع ہو گیا، اور اس لئے بھی کہ پوتے والد کی موت کی حالت میں وارث نہیں ہوتے لہٰذا ولی الامر (حاکم) کے لئے غیر وارث کے لئے مصلحت کی بناء پر ان کی اصلاح کرنی ہے، نیز اپنے دادا کے مال کے وہ زیادہ مستحق ہیں۔

پس جب دادا یا دادی ان پوتوں کے لئے ان کے اصل حصص کے مطابق وصیت نہ کریں۔ تو ان پر واجب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کے لوگوں کے لئے وصیت کرنا، کہ وہ ثلث سے زیادہ نہ ہو کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ❶ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝١٨٠
البقرۃ: ۲/ ۱۸۰

اور اس لئے بھی کہ اس وصیت میں وصیت اختیاری کو قوی کرنے والی چیزیں نہیں ہیں کیونکہ موصی کی طرف سے ایجاب نہیں اور موصی لہ کی طرف سے قبول نہیں لہٰذا یہ میراث کے مشابہ ہے، لہٰذا اس میں میراث کے طریقہ پر چلا جائے گا اور مذکر کو مؤنث کا دوگنا دیا جائے گا اور اصل کی وجہ سے فرع محروم ہوگا اور ہر فرع صرف اپنے اصل کا حصہ لے گی۔

کس کے لئے یہ وصیت واجب ہے...... مصری قانون نے اس وصیت کو بیٹے کی اور نیچے تک کے لئے اور بیٹی کی اولاد میں صرف پہلے طبقہ تک کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح واجب قرار دیا ہے ان فروع کے لیے بھی جو اپنے باپ یا ماں کے ساتھ کسی

---

❶ ......المرسلہ: الما المطلقه غير المقيدة بثلث او ربع او نحوهما۔ ❷ الفقه المقارن الأستاذ حسن أحمد الخطيب: ص ۲۲۱۔ ۳۳۱، الوصية للأستاذ عيسوي: ص: ۶۳۔ ۱۷۴، الوصية للاستاذ مصطفى السباعي: ص ۱۳۱۔ ۱۲۷۔

ایک ہی حادثہ میں مرجائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے موت کس کو آئی، جیسے غرق ہونے والے، جلنے والے یا عمارت کے نیچے دب کر مرنے والے وغیرہ۔

اس لئے کہ فقہی اعتبار سے جن کی وفات کا وقت معلوم نہ ہو تو ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس حالت میں فرع اصل کے ساتھ وارث نہ ہوگی لہٰذا اس فرع کی ذریت اور اولاد کے لئے قانوناً وصیت واجب ہے۔ جیسے کہ ان پوتوں کے لئے واجب ہے جن کا باپ یا ماں حقیقتاً مرے ہوں اسی طرح ان کے لئے بھی واجب ہے جن کے والدین کی موت کا حکم لگایا گیا ہو۔

جیسے وہ مفقود جو چار سال یا زیادہ عرصہ غائب ہو جائے اور اس کے ہلاک ہونے کا گمان ہو جیسے لڑائی وغیرہ میں۔

اور شام کے قانون میں اس وصیت کو صرف پوتوں کے لئے خاص کیا گیا ہے، چاہے مذکر ہوں یا مونث، لیکن پوتیوں کے لئے نہیں اس لئے کہ یہ اس حالت میں میراث سے محروم نہیں کیونکہ ان کے خالو اور خالائیں موجود ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ ذوی الارحام میں سے ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتے ہیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ مصری قانون کو لیا جائے، کہ ایک جنس کے دو گروپوں میں ان کے ہاں برابری ہے چاہے ایک طبقہ کے ہوں یا زیادہ کے۔

اس وصیت کے واجب ہونے کی شرائط...... اس وصیت کے واجب ہونے کے لئے شامی اور مصری قانون نے دو شرطیں لگائی ہیں:

پہلی یہ کہ والد کا فرع اس مرنے والے کا وارث نہ ہو۔ اگر اس سے وارث ہے اگرچہ تھوڑی میراث ہی کیوں نہ ہو تو اس وصیت کا مستحق نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ کہ مرنے والے نے اسے اتنا نہ دیا ہو جو واجب وصیت کے برابر ہے بغیر عوض کے دوسرے طریقہ سے مثلاً ھبہ یا وصیت، اگر اس نے اسے عطیہ کیا۔ اتنا جتنا وہ اس وصیت کا مستحق تھا۔ تو اس پر واجب نہیں۔ لیکن اگر اس نے اس سے کم دیا تو اس پر واجب ہے کہ واجب وصیت کی مقدار کو مکمل کر دے، اور جب اس نے بعض مستحقین کو عطیہ کیا اور بعض کو نہ کیا، تو محروم کے لئے اپنے حصہ کی بقدر وصیت واجب ہے۔

واجب وصیت کی مقدار...... پوتے مستحق ہیں مصری قانون میں اپنے مردہ والد کے حصے کے کہ اگر ان کا اصل اس کی زندگی میں مرجاتا تو اس کا حصہ ثلث سے زائد نہ ہوتا، اگر زائد ہو گیا تو زائد ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، یہ ہے قانون میں واجب وصیت کی مقدار رہ گئے وہ فقہاء جو اس وصیت کے والدین اور اقارب غیر وارث کے وجوب کے قائل ہیں تو وہ اس وصیت کی مقدار کی حد مقرر نہیں کرتے، اور اس قانون میں مقرر حد کی بناء پر، اگر کوئی آدمی مرگیا اور اس کے پیچھے ایک بیٹا، دو بیٹیاں اور اپنے فوت شدہ بیٹے کی اولاد ہو جو اس کی زندگی میں مرگیا ہے، تو یہ پوتے اسی مقدار کے مستحق ہوں گے جس کا ان کا والد مستحق ہوتا اگر زندہ ہوتا، اور یہ ثلث ترکہ ہے۔ اور شام کے قانون میں یہ والد کے حصہ کے مستحق ہوں گے۔ اور اگر وہ مرجاتے اور اس کا ایک بیٹا ایک بیٹی اور بیٹی کی اولاد ہو جو اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوئی تو مصری قانون کے مطابق بیٹی کی اولاد بھی لے گی جب کہ شامی قانون میں نہیں لے سکتی، اور ان کی ماں کا یہاں ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے۔ اگر وہ مرے اور اس کا ایک بیٹا ایک بیٹی اور بیٹے کی اولاد ہو جو والد کی زندگی میں مرگیا اگر بیٹا جس کا مستحق ہوتا وہ ترکہ کا خمس ہوتا اور ثلث سے زیادہ ہے تو اس کی اولاد صرف ثلث لے گی۔

اس وصیت کو مقدم کرنا...... قانون میں تصریح ہے کہ واجب وصیت دوسری اختیاری وصیتوں پر مقدم ہے کہ ثلث ترکہ میں سے

پہلے اسے پورا کیا جائے گا، اور اختیاری وصیتیں وہ ہیں جو موصی نے اپنی موت سے پہلے اپنے اختیار سے کی ہوں اگر چہ دیانۃً وہ واجب ہی ہوں جیسے نماز اور روزے کی وصیت کیونکہ وہ اس سے مؤکد ہے، کیونکہ اس کے لئے بندوں کی جانب سے مطالبہ ہے اگر تمام واجب اور اختیاری وصیتیں ثلث کو گھیر لیں تو تمام نافذ ہوں گی اگر سارے کو نہ گھیریں تو پہلے واجب وصیتیں نافذ ہوں گی پھر دوسری وصیتیں تزاحم وصایا کے احکام کے اعتبار سے۔

شام اور مصر کے قانون میں مقدار واجب میں فرق......دفعہ نمبر ۲۵۷ میں تصریح ہے۔

فقرہ......شام کے شخصی حالات کے قانون میں کہ۔

الف...... یہ کہ ان پوتوں کے لئے واجب وصیت ان کے اس حصہ کے حساب سے ہوگی جس کا ان کا والد اپنے والد سے وارث ہوتا اس طور پر کہ اس کا والد پہلے فوت ہو جاتا کہ یہ ثلث ترکہ سے نہ بڑھے۔

اور اس میں واضح تصریح ہے کہ پوتے کا حصہ وہ ہے جو اگر اس کا والد زندہ ہوتا تو اپنے والد کے حصہ سے لیتا، اور مصر کے قانون دفعہ (۷۶) میں جو تصریح ہے وہ شام کے قانون دفعہ (۲۵۷) سے ماخوذ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ پوتے کو اپنے مردہ باپ کا پورا حصہ دیا جائے، ثلث ترکہ میں سے اور واجب وصیت کا حق پہلے ہے اختیاری وصیتوں سے اور یہ وہ نہیں جو وہ اپنے باپ کے حصہ سے لے۔ یہ فرق درج ذیل دو مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

شامی طریقہ کے مطابق مثال اول:

۲۴^۴	۵۵^۹۶	۲۴	۳۹^۶	۲۸۸	۲۸۸علی ۲	
۸/ابیوی (۴)	۳	۱۲	۳	۳۶،۱۲	۲۲	۶۹۱۲
۱/۶	۴	۱۶	۴	۱۶	۸۴	۸۸۰
۳/۲(بیٹی) (۲)	۱۶	۶۴	۱۷	۳۴	۱۰۲	۳۵۲۰
م بیٹے کی بیٹی (۳)		متوفی کے بیٹے کو (۳۴)		بیٹے کو(۱۰۲)	۶۸	۱۶۳۲

ملاحظہ فرمائیے کہ پوتا جو لے رہا ہے وہ (۱۶۳۲) حصہ ہے جو ثلث ترکہ سے کم ہے اس لئے کے بیٹوں کے لئے دو ثلث ہیں اور مسئلہ (۶۹۱۲) سے بنا ہے اور چھ تک بڑھا ہے۔

مصری طریقہ کے مطابق مثال ثانی:

۲۴	۸/۹۶	۲۴	۸/۹۶		۷۶۸	۱۱۵۲
۸/ابیویاں (۴)	۳	۱۲ یہ ثمن ہے	۳	۱۲	۹۶	۹۶
۶/اماں	۴	۱۶ یہ سدس ہے	۴	۱۶	۱۲۸	۱۲۸
۳/۲بیٹی (۲)	۱۶	۶۴	۹	۳۶	۵۱۲	۵۱۲
بیٹے کی بیٹی (۳)		ثلث کے حساب سے حصہ	۸		۳۲	۳۸۴
ماں شریک بہن						
حقیقی بہن	۱	۴		۳۲		۳۲

ملاحظہ کریں یہاں اس مسئلہ میں بیٹے کی بیٹوں کو اپنے والد کا کامل حصہ نہیں دیا کیونکہ وہ ثلث ترکہ سے بڑھ رہا تھا بلکہ صرف ثلث پر اختصار کیا ہے جو (۳۸۴) بنتا ہے۔ اصل مسئلہ ۱۱۵۲ یعنی (۲۳۰۴) (۶۹۱۲) سے اور یہ تصحیح شام کے طریقہ سے زیادہ آسان ہے لیکن شام کے قانون میں عمل یہاں مثال کے عمل پر ہے اور مصر کے قانون میں پوتوں کو صرف ثلث کے اندر اندر حصہ دیا ہے، والد سے وراثت کے حصہ کے اعتبار سے نہیں اور یہ ثلث یا کامل حصہ والد کا جب ثلث سے کم ہو تو پھر اولاد میں ''للذکر مثل حظ الا نثیین'' کی ترتیب پر تقسیم ہوگا۔

واجب وصیت نکالنے کا طریقہ...... قانون میں واجب وصیت نکالنے کے طریقہ کی تصریح نہیں لیکن وہ ضروری درج ذیل امور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۱...... نکالی گئی مقدار ثلث ترکہ سے زیادہ نہ ہو۔

۲...... کہ وہ دادا کی موجودگی میں مرنے والے والد کے حصہ کی مقدار کا ہو۔

۳...... اور اس کا نفاذ اس طرح ہو کہ جو نکالا گیا وہ وصیت ہو نہ کہ میراث اور میراث تو پورے ترکہ سے نکالی جاتی ہے نہ کہ ثلث سے۔

طریقہ...... یہ ہے کہ فوت شدہ شخص کو جو والد کی زندگی میں فوت ہوا زندہ تصور کیا جائے اسے اس کا حصہ دیا جائے، پھر یہ حصہ ترکہ میں سے لیا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ثلث سے زیادہ نہ ہو اور وہ پوتوں کو دے دیا جائے، اور پھر باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے اسے دیکھے بغیر جیسے زندہ فرض کیا گیا تھا۔ مثلاً ایک شخص مرجائے اور اس کے تین بیٹے ہوں اور ایک پوتی ہو (فوت شدہ بیٹے کی بیٹی) اور ایک ماں اور ایک باپ، اس میں سب سے پہلے اس بیٹے کا وجود فرض کیا جائے گا جو اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوا پس والد کو سدس ملے گا اور چاروں بیٹوں میں سے ہر ایک سدس پھر فوت شدہ بیٹے کا حصہ نکالا جائے گا تمام ترکہ سے، وہ اس کی بیٹی کو دے دیا جائے واجب وصیت کے طور پر، پھر باقی ترکہ موجود وارثوں پر بالفعل شرعی فریضہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا پس والد کے لئے سدس الباقی ہوگا اور ماں کے لئے بھی اسی طرح اور جو باقی بچے گا وہ تینوں بیٹوں پر اثلاثاً تقسیم ہوگا۔

ساتویں بحث: وصیت کا اثبات...... بالاتفاق وصیت کا لکھ لینا مستحب ہے، اور اس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اللہ تعالیٰ کی ثناء وحمد سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درود پڑھنے سے ہو پھر کلمہ شہادت لکھنا اور پڑھنا پھر وصیت پر گواہ بنانا اس کی صحت اور نفاذ کے لئے اور یہ بات میں پہلی بحث میں بیان کر چکا ہوں کہ وصیت عبارت سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور لکھنے سے بھی، اور اسی طرح مالکیہ کے ہاں سمجھ میں آنے والے اشارے سے بھی اور مصر کے قانون (م ۲/۱) اور شام کے قانون (۲۰۸) میں تصریح ہے وصیت کے طریقہ پر اور ذکر کیا ہے کہ وصیت عبارت اور کتابت سے منعقد ہو جاتی ہے جو کتابت پر قادر ہو۔ اور جو قادر نہ ہو تو وصیت اس اشارہ سے بھی منعقد ہو جاتی ہے جو سمجھ میں آنے والا اور اس پر دلالت کرنے والا ہو، اور قانون میں شوافع کا مذہب اختیار کیا گیا ہے، سوائے اس صورت کے کہ جب وہ کتابت اور عبارت سے عاجز ہو جیسے گونگا یا کسی مرض کی وجہ سے تو پھر اشارہ حجت ہے اس کی ضرورت کی وجہ اثبات حقوق اور وصیت ثابت ہوگی اثبات شرعی کے طریقے سے جیسے شہادت اور کتابت اور حنفیہ کے ہاں۔ [1] وہ کتابت اور لکھائی معتبر ہے جو کسی ورق وغیرہ پر واضح لکھی ہوئی ہو اور اس پر عنوان ہو، بایں طور کہ شروع میں لکھے فلاں کی طرف سے فلاں کے لئے اگر لکھائی پڑھی جانے والی واضح نہ ہو جیسے ہوا پر لکھنا اور پانی پر لکھنا تو اس کا اعتبار نہیں اور اگر وہ واضح تو ہو لیکن کتابت کی طرح لکھی ہوئی نہ ہو بلکہ دیواروں

---

[1]...... تکملہ الفتح والعنایۃ ۸/۴۱۰، الفتاوی الہندیۃ ۶/۳۰۴، رد المحتار ۵/۴۴۳۔

یا درختوں کے پتوں پر لکھی ہوئی ہو تو یہ کفایۃ ہے اس میں نیت ضروری ہے، اور ان کے ہاں خالی خط کافی نہیں سوائے چند مسائل کے اہل حرب کا امان طلب کرنے کا امیر کو خط، اور سمسار (دلال) سنار اور بائع کا خط رہ گئی گواہی وصیت کے خط پر، تو حنفیہ اور شوافع کے ہاں (1) یہ گواہوں کے سامنے پڑھنے کے بعد ہوگی، گواہ موصی کے مضمون کو سنیں یا موصی کے سامنے اس پر لکھا گیا پڑھیں، اس لئے کہ فیصلہ بالا جماع گواہ کے خط پر نہیں ہوگا لیکن شوافع کے ہاں کتابت سے بھی وصیت منعقد ہو جائے گی بایں طور کہ مکتوب سے وصیت کی نیت کرے اور نیت کو زبان سے ادا کرے، یا اس کے ورثاء اس کے مرنے کے بعد اسے برقرار رکھیں، البتہ صرف خط سے حنفیہ اور شوافع کے ہاں وصیت ثابت نہیں کیونکہ خط مشابہ ہوتا ہے لہٰذا جھوٹ کا امکان ہے۔

مالکیہ کا مذہب...... (2) وصیت ثابت ہو جائے گی اگر موصی کا خط ہو اور اس پر گواہ بنائے ہوں اگرچہ اسے گواہوں کے سامنے پڑھا نہ بھی ہو، اور وصیت کا خط نہ بھی کھولا ہو اور وصیت نافذ ہوگی جب کہ گواہ شہادت دیں کہ وہ کہے اس میں جو لکھا ہوا ہے اس کی شہادت دو اور اس میں کچھ مٹا ہوا نہ ہو، اگرچہ وہ خط موصی ہی کے پاس ہو اور اس نے اسے نکالا نہ ہو اور اسی حالت میں گو لیا تو بھی وصیت ثابت ہے۔ اور اگر قاضی کے پاس ثابت کرنا ہو تو پھر موصی کے خط کے ساتھ درجہ پر ہونا چاہئے۔ یا اس نے گواہوں کے سامنے پڑھا ہو لیکن موصی دو صورتوں میں وصیت پر گواہ نہ بنائے بایں طور نہ کہے کہ میری وصیت پر گواہ نہ ہو، یا نہ کہے اسے نافذ کرو تو اس کی موت کے بعد وصیت نافذ نہ ہوگی، کیونکہ اس سے رجوع کا بھی احتمال ہے، اگر موصی نے گواہوں سے کہا گواہی دو یا کہا اسے نافذ کرو تو وہ نافذ ہوگی۔

حنابلہ کا راجح مذہب...... (3) جس نے وصیت لکھی اور اس پر گواہ نہ بنایا تو اس کا فیصلہ دیا جائے گا جب تک اس سے اس کا رجوع معلوم نہ ہو اور وصیت ثابت ہوگی یا جو کچھ بھی اس میں لکھا ہوگا وہ ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ موصی کا خط ہے ورثاء کے اقرار سے یا گواہوں کے ذریعے جو اس کا خط پہچانتے ہوں اور گواہی دیں کہ اسی کا خط ہے۔ اگرچہ وقت بہت گذر چکا ہو اور موصی کی حالت تبدیل ہوگئی ہو، یا اس کا خط پہچانا جائے اور اس کا خط مشہور ہو اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”کسی مسلمان کے لئے یہ حق نہیں کہ وہ دو راتیں گذارے الا یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونا چاہئے“ آپ نے لکھنے پر اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا لہٰذا اسی پر اکتفاء کرنے پر دلالت ہے، نیز اس لئے بھی کہ آپ نے ایسے عمال وغیرہ کو لکھا ہے اس کتابت پر عمل کو لازم قرار دیا ہے، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی طرح کیا ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ کتابت بھی مقصود کی خبر دیتی ہے لہٰذا لفظ کی طرح ہے۔

اور اگر اس نے وصیت لکھی اور کہا جو کچھ اس ورقہ میں ہے اس پر گواہ رہو، یا کہا یہ میری وصیت ہے اس بارے میں میرے اوپر گواہی دو تو اس وقت تک ثابت نہیں جب تک اس میں لکھے ہوئے کو سن نہ لیں یا اس پر پڑھا جائے اور وہ اس کا اقرار کرے اور یہ حنفیہ اور شوافع کے قول کے مطابق ہے۔

خلاصہ...... یہ کہ جمہور کے ہاں اثبات وصیت کے لئے گواہوں کا اس کے مضمون کو سننا یا اس کا موصی کے سامنے پڑھنا اور وہ جو اس میں ہے اس کا اقرار کرے اور مالکیہ کے ہاں اس پر گواہ بنانا کافی ہے، اگرچہ گواہوں کے سامنے اسے نہ بھی پڑھا جائے یا وصیت کا خط نہ بھی کھولا جائے، اور حنابلہ کے ہاں وصیت صرف کتابت ہی سے ثابت ہو جاتی ہے جب کہ موصی کا خط مشہور ہو اور قانون نے اسی رائے کو لیا ہے۔

---

(1)...... مغنی المحتاج: ۵۳/۳، ۳۹۹/۴۔ (2) الشرح الصغیر: ۶۰۱/۴۔ (3) المغنی: ۶۹/۶، کشاف القناع: ۳۷۳/۴، غایۃ المنتہی: ۳۰۸/۲۔

مصری قانون (م ۲ / ۲) میں دعویٰ کی سماعت کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء کی مخالفت کی ہے اور موصی کی وفات کے بعد وصیت سے رجوع یا وصیت کے دعویٰ میں فقہاء کی رائے گواہوں والی کو معتبر نہیں ٹھہرایا، بلکہ سماعت دعویٰ کے لئے انکار کے وقت اثبات وصیت کے لئے اس میں یا عرفی کاغذ پر لکھا ہونا شرط ہے اور یہ سارا کچھ متوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو اور اس پر اس کے دستخط ہوں اور اس پر کسی کی تصدیق ہو، اور یہ قانون کی جانب سے احتیاط ہے فساد زمانہ کے پیش نظر، اور جھوٹی شہادت کے عام ہونے کی وجہ سے۔

مذکرہ تفسیر یہ میں ہے...... یہاں پر حکم ماخوذ ہے علی بن عبدالسلام التسولی المالکی کے ہاں کہ تبرعات کے عقود میں گواہ بنانا اس کی صحت کے لئے شرط ہے، اور شرعی قاعدہ ہے: کہ ولی الامر کو اختیار ہے کہ وہ مباح کا حکم دے جس میں کوئی عام مصلحت دیکھے اور جب وہ حکم دے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق اس کا امر شرعی حکم ہوتا ہے، تو عقد وصیت یہ تبرعات کے عقود میں سے ہے، لہٰذا کتابی گواہ بھی اس میں جائز ہیں اور صرف زبانی گواہ بھی جائز ہیں، اور جب ولی الامر دیکھے کہ گواہ کتابی ہیں واضح لکھے ہوئے تو تمام لوگوں پر واجب ہے کہ اس پر عمل کریں۔

دوسری فصل: مرض الموت والے مریض کے تبرعات...... کیا مرض الموت والے مریض کے تبرعات وصیت کے حکم میں ہیں؟ مریض موت شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❶ وہ ہے جس میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک وہ کہ جس کے ساتھ موت متصل ہو، اگر اس مرض سے صحت یاب ہو گیا جس میں تبرع کیا تھا پھر اس کے بعد مرگیا تو اس کے عطیہ کا حکم صحیح کے عطیہ کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ مرض الموت نہیں۔ دوسری یہ کہ وہ مرض خوفناک ہو، اور مرض مخوف وہ ہے جو آدمی کو صاحب فراش بنادے جیسے جذام، طاعون، نصف یا پورے جسم کا فالج ہو اس کی انتہاء میں اور اس کی موت لمبی نہ ہو اور ایک دو دن کا بخار، اور اسہال ایک یا دو دن کا، اس کے صاحب کا حکم صحیح کے حکم میں ہے۔ کیونکہ عادتاً اس سے خوف نہیں ہوتا ہے۔ اور میں نے مرض الموت والے مریض کی شرائط کو نظریات فقہی کی بحث میں دوسرے مذاہب بھی بیان کئے ہیں اور یہ واضح کیا کہ حنفیہ کے نے مرض الموت کی مدت کو متعین کیا ہے اس نسبت سے کہ اور زیادہ نہ ہو اگر زیادہ ہو تو وہ مرض الموت ہے اگرچہ کئی سال تک رہے۔

مریض الموت کے تبرعات...... یا تو منجز ہوں یا موت کے بعد کی طرف مضاف ہوں۔ ❷

ا۔ منجز تبرعات...... مثلاً محابات۔ ❸ اور قبضہ شدہ ہبہ، صدقہ، آزاد کرنا، وقف، دین سے بری کرنا مال واجب کرنے والی وصیت معاف کرنا، ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ علماء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر یہ صحت کی حالت میں ہوں تو اصل مال سے ہوں گی۔

لیکن اگر مخوف مرض الموت میں ہوں جس کے ساتھ موت متصل ہو۔ تو جمہور کے ہاں وہ ثلث مال سے ہے سابقہ حدیث کی وجہ سے "اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری موت کے وقت تمہارے ثلث مالوں کو تمہارے اوپر صدقہ کیا ہے، تمہارے اعمال میں اضافہ کے لئے نیز اس حال میں ظاہری طور پر موت ہے لہٰذا اس کا اپنے ورثاء کو عطیہ، وصیت کے زمرہ میں ہے لہٰذا ثلث سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور اہل ظاہر سے روایت ہے کہ قبضہ شدہ ہبہ راس المال سے ہوگا۔

---

❶......المہذب: ۱/۴۵۳، المغنی: ۶/۸۴۔ ❷الدر المختار: ۵/۴۶۷، ۴۶۹، ۴۸۱، البدائع: ۷/۳۷۰، الشرح الکبیر: ۴/۴۴۴ بدایۃ المجتهد: ۲/۳۲۲ المہذب: ۱/۴۵۳، المغنی: ۶/۷۱۔۹۵۔ ❸المغنی: ۶/۹۶

۲۔ وہ عطیات وتبرعات جو موت کے بعد کی طرف مضاف ہیں......اس کا حکم وصیت کا ہے اور اس کا نفاذ ثلث پر موقوف رہے گا اور اگر ورثاء اجازت دیں تو ثلث سے زیادہ بھی ہوگا یہ بالاتفاق ہے، امام احمد نے ابوزید انصاری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کئے اور اس کے پاس ان کے علاوہ کوئی مال نہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں قرعہ ڈالا اور دو کو آزاد کردیا اور چار کو غلام ہی رکھا۔ ❶ مصر کے قانون (م۹۱۶) اور شام کے قانون (م۸۷۷) میں مرض الموت کے مریض کے منجز تبرعات کو بھی وصیت کے حکم میں قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے اس کا ارادہ ظاہر ہوگیا اور دلائل اور قرائن بھی اس پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا یہ قانونی تصرفات کو موت کے بعد کی طرف مضاف کرنے کے لئے کافی ہے اور اس پر ہر طرح سے وصیت کے احکام جاری ہوں گے۔

تیسری فصل......وصیتیں (سرپرستی)

پہلی بحث: وصیوں کی اقسام......وصی کی تین قسمیں ہیں خلیفہ کا وصی، قاضی کا وصی اور خود مختار وصی: خلیفہ کا وصی وہ جسے خلیفہ بیعت کی وصیت کرے اور وہ شخص خلافت کے لئے موزوں بھی ہو اور شرعاً خلیفہ بنانا جائز ہے مہذب میں فرمایا۔ ❷ جس شخص کے لئے خلافت ثابت ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کی وصیت کردے اس کے موزوں شخص کے لئے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر کے لئے وصیت کی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شوریٰ کے لئے وصیت کی اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس پر راضی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ وصی کی بیعت کرنا امت کے لئے ضروری ہے۔ قاضی اور حاکم کا وصی وہ ہے جسے قاضی مالی معاملات کی نگرانی کے لئے معین کرے، اور خود مختار وصی وہ ہے جسے کوئی شخص اپنی زندگی میں موت سے پہلے منتخب کرے مالی معاملات کی نگرانی اور تصرف کے لئے۔ اور وصیت کا نام ہے، اور یہ بات یاد رہے۔ ذی استعداد کا وصیت قبول کرنا قربت اور ثواب کا کام ہے، کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ''ویسألونک عن الیتامٰی، قل اصلاح لهم خیر'' (البقرۃ:۲/۲۲۰) آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان کی اصلاح میں خیر ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں: اس کا چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے۔ یہاں پر خود مختار وصی کے احکام، شرائط وغیرہ بیان ہوں گی، کیونکہ موت کے بعد تصرف کرنے پر یہی مامور ہے اور کتب فقہ میں اس کے لئے ''موصی الیہ'' کا عنوان اختیار کیا جاتا ہے، اور حجر (پابندی) کے تحت میں اس کے اہم احکام بیان کردیئے ہیں۔

دوسری بحث: وصایا کے ارکان......حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں وصایہ کے چار ارکان ہیں: موصی (وصیت کرنے والا) وصی (جس کے ذمہ تصرف ہے) موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی) اور صیغہ، میں ان ارکان کو بالترتیب ذکر کروں گا۔ ❸

۱۔ موصی......بالاتفاق ہر عاقل بالغ خود مختار کی وصیت نافذ ہے۔ اور شوافع کے ہاں نشئی کی بھی صحیح ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ موصی سمجھدار ہو وہ والد جو مجبور ہے اس کی وصیت بچے کے لئے صحیح نہیں بچہ ہونے یا بے وقوف ہونے کی وجہ سے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں سمجھدار کی وصیت صحیح ہے، اور شوافع کے ہاں موصی کے لئے بچوں کے سلسلہ میں یہ شرط بھی ہے کہ اسے شرعاً بچوں پر حق حاصل ہو، اور وہ

---

❶......نیل الاوطار: ۶/۴۱۔۴۱ ❷ ۴۴۹/۹، وانظر ایضاً غایۃ المنتہٰی: ۲/۳۷۹۔ ❸ الدر المختار: ۵/۴۹۴۔۵۱۳، الشرح الصغیر ۶۰۴/۴۔۶۱۲ الشرح الکبیر: ۴/۴۵۲، مغنی المحتاج: ۳/۷۴۔۷۸، المہذب: ۱/۴۶۳۔۴۶۴، کشاف القناع: ۴/۴۳۶۔۴۴۵، غایۃ المنتہٰی: ۲/۲۷۸، الہدایۃ تکملہ فتح القدیر ۸/۴۹۔۵۰۳۔

صرف باپ دادا اور پردادا وغیرہ ہیں۔ لہٰذا بھائی، چچا، وصی اور نگران (قیم) کی وصیت ان پر صحیح نہیں اور اسی طرح والدہ کی بھی، اور والد کے لئے جائز نہیں کہ وہ بچوں پر وصی مقرر کرے، جب کہ دادا زندہ موجود ہو، اس لئے کہ دادا کی ولایت تو شرعاً ثابت ہے لہٰذا والد کے لئے اس کی ولایت اس سے منتقل کرنا جائز نہیں جیسے شادی ونکاح کی ولایت ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دادا کی موجودگی میں کسی غیر کو وصیت کرے ہاں اگر دادا اجازت دے دے تو پھر جائز ہے۔ اور مالکیہ نے والا کو چند شرائط کے ساتھ بچوں کے لئے وصیت کی اجازت دی ہے۔ ایک یہ کہ مال تھوڑا ہو مثلاً ساٹھ دینار ہوں اور وہ بچہ اسی سے مال کا وارث ہو، اور وہ عورت مرجائے اور یہ کہ اس کو کوئی اور وصیت کرنے والا والد، یا والد کا ولی یا قاضی کا وصی نہ ہو، اگر مال زیادہ ہو تو اسے اجازت نہیں وصیت کی۔ بلکہ معاملہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا اور اسی طرح اگر والد یا اس کا وصی ہو تو بھی اسے وصیت کی اجازت نہیں۔ لہٰذا بچے اور مجنون کو وصی بنانا درست نہیں کیونکہ وہ غیر کی ولایت میں ہیں لہٰذا غیر کے حکم کو وہ کیسے ولایۃً حاصل کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی غلام کو وصی بنایا جاسکتا ہے اگر چہ آقا کی اجازت ہی سے ہو حنفیہ اور شوافع کے ہاں کیونکہ غلام والد کے مال میں تصرف نہیں کرسکتا، لہٰذا غیر کے لئے وصی بننے کی اس میں کیسے صلاحیت ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں آقا کی اجازت سے غلام کو وصی بنانا جائز ہے، کیونکہ مال کی نگہبانی کا وہ اہل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خادم اور غلام آقا کے مال کا نگہبان ہے۔ اور اس سے اس بارے میں پوچھ ہوگی۔ ❶ اسی طرح فاسق اور خائن کو وصی بنانا بھی درست نہیں، کیونکہ وصیت امانت کی وصیت ہے، اور جب وصی عادل ہو پھر اس پر فسق طاری ہو تو اسے معزول کیا جائے گا اگر اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف مردود ہوگا۔ اور اسی طرح ناسمجھ کو بنانا بھی درست نہیں جو بے وقوفی یا مرض یا بڑھاپے یا تغافل کی وجہ سے اچھی طرح موصی بہ میں تصرف نہ کرسکتا ہو، کیونکہ اس طرح کے لوگوں کو وصی بنانے میں کوئی مصلحت نہیں۔ اور غیر امین کو ولی بنانا بھی درست نہیں اگر اس کی خیانت ثابت ہوگئی تو اسے معزول کرنا واجب ہے، اور نہ ہی مسلمان کا وصی کافر کو بنانا اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں نیز وہ متہم ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء: ۴/۱۴۱

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ ...... آل عمران ۳/۱۱۸

البتہ ذمی کو ذمی کا وصی بنانا جائز ہے یا مسلمان کا جب کہ کفار کی اولاد سے متعلق وصیت ہو، اس شرط کے ساتھ کہ ذمی اپنے دین میں عادل ہو جیسا کہ اس کا ان کا ولی بننا جائز ہے۔

اور اسی طرح مسلمان کا عادل ہونا بھی شرط ہے، اگر وہ عادل ضعیف ہے یا عاجز ہے تو اس کے ساتھ قوی امین کو ملانا ہوگا۔ اور حنابلہ کے ہاں وصی کے صحیح ہونے کے لئے کام پر قدرت شرط نہیں لہٰذا ضعیف کو بھی وصی بنانا صحیح ہے، اسی طرح ان کے ہاں منتظر کو وصی بنانا بھی جائز ہے: اور وہ وہ ہے کہ جس کی اہلیت کا انتظار ہو کہ بلوغت کے بعد وہ وصی بن سکے یا غائب تھا حاضر ہونے کے بعد بن سکے، جیسے جنون سے افاقہ ہونا، اور فسق کا زائل ہونا، بے وقوفی کا ختم ہونا اور اسلام قبول کرنا، مذکر ہونا اور بینائی والا ہونا شرط نہیں، عورت کا وصی ہونا درست ہے کیونکہ وہ شہادت کی اہل ہے۔ نیز عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصی بنایا۔ ❷ اور بچوں کی ماں باقی عورتوں سے زیادہ اولی ہے، جبکہ اس میں سابقہ شرائط پائی جاتی ہوں، کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے، اور اندھے کا ولی ہونا بھی صحیح ہے، کیونکہ وہ شہادت کا اہل ہے، لہٰذا اس کو وصی بنانا جائز ہے اس لئے کہ جو کام وہ خود نہیں کرسکتا ان میں کسی دوسرے کو وہ وکیل بنا سکتا ہے۔

---

❶ ...... رواہ ابوداؤد۔ ❷ الدر المختار: ۵/۴۹۶، ۴۹۹، الشرح الصغیر ۴/۶۰۸۔

کئی وصی ہونا.....کئی وصی ہونا جائز ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دو کے لئے وہ ایک لفظ سے وصیت کرے مثلاً میں تم دونوں کو وصی بناتا ہوں یا دو لفظ ہوں چاہے ایک ہی وقت میں یا دو وقتوں میں جیسا کہ روایت ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف میں نظر کی اور اگر کوئی واقع پیش آیا تو اپنے بیٹے کو ساتھ ملا لینا۔ ان میں سے کسی ایک کو اکیلے تصرف کا اختیار نہیں اور حنفیہ و مالکیہ کے ہاں چاہے ایک ہی عقد میں انہیں متعلق کیا ہو یا دو عقدوں میں ہاں اگر موصی انفرادی جواز کی تصریح کردے تو یہ الگ بات ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں اگر ایک دوسرے کو انفرادی تصرف کی اجازت دے دے تو بھی جائز ہے، اور یہ دونوں پر تصرفات میں تعاون لازم ہے۔

اور ان میں سے کوئی بھی بغیر توکیل کے اکیلا مستقل طور پر بیع وشراء اور نکاح وغیرہ نہیں کرواسکتا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک مرگیا یا کسی معاملہ مثلاً بیع شراء یا نکاح میں ان کا اختلاف ہوگیا تو مالکیہ کے ہاں حاکم جو چیز اصلح ہے ان کے لئے اس میں غور وفکر کرے گا کہ وصیت میں زندہ کو مستقل رکھے یا اس کے ساتھ کسی اور کو بھی رکھے، یا ان میں سے کسی ایک کے فیصلہ کو رد کردے اور دونوں وصیوں میں سے کسی کے لئے یہ اختیار نہیں کہ وہ وصی کی زندگی میں کسی دوسرے کو وصی بنائے اس کی موجودگی میں اگر اس نے اجازت دے دی تو جائز ہے اور ان دونوں کو جس مال کی وصیت کی ہے اس کی تقسیم کا اختیار بھی نہیں اور حنفیہ کے ہاں اگر موصی نے موت کی حالت میں یا جنون کی حالت میں وصیت کی یا وہ کام کیا جس سے دوسرے کو معزول کیا جاسکتا ہے یا کسی ایک وصی کو تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا لیکن اگر اس نے وصیت نہ کی تو قاضی کسی دوسرے کو اس کے ساتھ ملائے گا۔

شوافع اور حنابلہ نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے (1) کہ جب تک موصی کسی ایک کے انفرادی عمل کا تصرف نہ کردے اس وقت تک دو وصیوں میں سے کسی کو اختیار نہیں کہ وہ انفرادی تصرف کرے، کیونکہ موصی دونوں کے تصرف پر راضی ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انفرادی عمل اس کے مخالف ہے۔ اگر موصی نے ان میں سے کسی ایک کے انفرادی تصرف کی اجازت دی تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کی رضا پائی جارہی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک ضعیف ہوگیا یا فاسق ہوگیا یا مرگیا موصی کی رضامندی کے ساتھ تو دوسرے کو انفرادی تصرف کی اجازت ہے۔ اور اس کے قائم مقام دوسرے کو نہ رکھا جائے گا کیونکہ موصی ان میں سے ہر ایک کے انفرادی عمل سے راضی ہے۔ اور اگر اس نے دونوں کو وصیت کی ہو پھر ان میں سے ایک ضعیف ہوگیا تو اس کے ساتھ ایک اور ملایا جائے گا جو اس کی مدد کردے اور اگر کوئی ایک فاسق ہوگیا یا مرگیا تو حاکم اس کا قائم مقام مقرر کرے گا کیونکہ موصی ان میں سے ایک کی دیکھ بھال پر راضی نہیں اور حاکم کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ سارے تصرفات ایک کو تفویض کردے کیونکہ موصی اکیلے اس کے اجتہاد پر راضی نہیں یہ اس سلسلہ میں حنفیہ کے موافق نہیں۔

اور یہ تمام احکام ان وصیوں کے سلسلہ میں ہیں جو متعین نہیں لیکن متعین چیزوں کے لوٹانے میں مثلاً غصب شدہ چیز ہو ودیعتیں اور موصی بہ عین اور دین کی ادائیگی اس کے ترکہ کی جنس سے تو اس میں ہر ایک وصی مستقل ہے۔ اور حنفیہ نے بنیادی طور پر دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی تصرف کے اعلان سے دس صورتوں کو ضرورت کی بنا پر مستثنیٰ کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

موصی کا کفن خریدنا، اس کی تجہیز، اس کے حقوق میں جھگڑا، کیونکہ ان چیزوں میں عادۃً اجتماع محال ہے۔ اور اگر دونوں متفق بھی ہوں تو بات ایک ہی کرتا ہے۔ اسی طرح بچے کی ضرورت کی وہ چیزیں جو ضروری ہیں مثلاً کھانا، کپڑا، کیونکہ اس کی تاخیر سے نقصان ہوتا ہے، بچے کے لئے ہبہ قبول کرنا، کیونکہ اس کی تاخیر میں ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اور متعین غلام کا آزاد کرنا۔ اس میں چونکہ رائے کی ضرورت نہیں، برخلاف اس غلام کے آزاد کرنے کے جو متعین نہیں، ودیعت کا لوٹنا اور متعین وصیت کا نافذ کرنا، اس میں مشورہ کی ضرورت

(1)......المہذب: ۱/۴۶۳، کشاف القناع: ۴/۴۳۸، مغنی المحتاج: ۳/۷۷۔

نہیں، اور اس چیز کو فروخت کرنا جس کے ضائع ہونے کا خوف ہے، اور منتشر اموال کو جمع کرنا، اور بعض حنفیہ نے اور سات چیزوں کا بھی اضافہ کیا ہے کہ غصب شدہ چیز کا لوٹانا، شراء فاسد سے خریدی گئی چیز کا واپس کرنا، کیلی یا وزنی چیز کو تقسیم کرنا، دین طلب کرنا، جنس حق سے دین ادا کرنا، اور یتیم کے مال کی حفاظت کرنا، اور یتیم کو آزادی کے اعمال کی اجازت دینا وغیرہ۔

حنفیہ اور شوافع کا اتفاق ہے کہ جب دونوں وصی مال کی حفاظت میں اختلاف کریں تو وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اگر وہ قابل تقسیم ہو ورنہ مہایات ہوگا زمانہ کے اعتبار سے یا وہ دونوں کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھ لیں کیونکہ ان دونوں کو ودیعت کی ولایت حاصل ہے۔ حنابلہ کے ہاں مال ان دونوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ دونوں حفاظت میں شریک ہیں جو کہ تصرف میں لازم ہے، بلکہ مال کو کسی جگہ پر رکھا جائے گا جو ان کے قبضہ میں ہو، اگر ان دونوں کے لئے متعذر ہو تو وہ دونوں اس پر مہر لگائیں گے اور قاضی کے امین کے پاس اسے رکھ دیا جائے گا۔

۳۔ موصی فیہ...... وصیت صرف اس تصرف میں جائز ہے جو معلوم ہو اور موصی اس کا مالک بھی ہو، تاکہ وصی کو معلوم ہو جس چیز کی اسے وصیت کی گئی ہے۔

تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں تصرف کرے، جیسے دین کی ادائیگی کی وصیت، یا وصیت کی تقسیم یا ناسمجھ کے معاملات میں دیکھ بھال جیسے بچے، مجنون اور بے وقوف وغیرہ کی دیکھ بھال، اسی طرح ودیعتوں کا ان کے اہل کو واپس لوٹانا، یا جن کے پاس اس کی ودیعت ہے اسے واپس لانا، اور غصب شدہ کا لوٹانا، اور خلیفہ کا اپنے نائب کی وصیت، حد قذف قائم کرنے کی وصیت، اور یہ آخری حنابلہ اور شوافع کے ہاں ہے۔ ❶ اور وصی اسے موصی سے پورا پورا وصول کرے گا نہ کہ موصی الیہ سے اور حنابلہ کے ہاں ۹ سال سے کم کی شادی کی بھی وصیت کرسکتا ہے اور اگر وصی باپ کا ہے تو اگر باکرہ ہے تو اس پر جبر بھی کرسکتا ہے، یا نو سال سے کم ثیبہ ہے۔

جیسے والد کرسکتا ہے اس لئے کہ اس کا نائب اس کے وکیل کی طرح ہے۔ اور شوافع کے ہاں چھوٹے بچے اور بچی کی شادی کی وصیت دادے کی موجودگی میں نہیں کرسکتا کیونکہ چھوٹے بچے اور بچی کی شادی باپ اور دادا کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔ نیز حدیث میں ہے، ''سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں'' ❷ لیکن اگر بچہ بالغ ہوگیا، اور اس کی بے وقوفی کی وجہ سے وصی اس کی دیکھ بھال کررہا ہے تو اس کے نکاح میں اس کی اجازت کا اعتبار ہوگا۔ اور جب اس کی وصیت خاص ہو حفاظت وغیرہ کے لئے یا عام ہو تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا اگر بچوں کے معاملات میں مطلق وصیت ہو اور تصرف کا تذکرہ نہ کرے تو عرف پر اعتماد کرتے ہوئے وہ مال اور حفاظت میں تصرف کرسکتا ہے۔

۴۔ صیغہ...... بالاتفاق وصیت ایجاب وقبول سے منعقد ہوتی ہے مثلاً موصی کہے میں نے تجھے وصیت کی یا میں نے تجھے سپرد کیا وغیرہ جیسے میں نے تجھے اپنا قائم مقام بنادیا اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد کے بارے میں، یا میں نے تجھے وصی بنادیا، اور گونگے کا اشارہ اور کتابت کافی ہے۔ اور شوافع کے ہاں اسی کے مثل ہے، وہ بولنے والا جس کو بولنے میں رکاوٹ آتی ہو، بایں طور کہ وہ اپنے سر سے وصیت کا اشارہ کرے یا ہاں جواب دے جب اس کے پاس وصیت کا خط پڑھا جائے، کیونکہ یہ بھی گونگے کی طرح عاجز ہے، اور وصیت میں قبول شرط ہے کیونکہ یہ تصرف کا عقد ہے، لہٰذا وکالت کے مشابہ ہے اور شوافع کے ہاں۔ ❸ اصح یہ ہے کہ قبول میں تراخی ہوسکتی ہے، اور یہ حنفی مذاہب کے موافق ہیں۔ اور حنفیہ نے ذکر کیا ہے۔ ❹ اگر وصی، موصی کے علم میں وصیت کو رد کردے تو یہ رد کرنا صحیح ہے، اگر اسے معلوم نہیں تو اس کی عدم موجودگی میں رد کرنا صحیح نہیں کیونکہ اسے اس کی جانب سے دھوکا نہ ہو، اور اگر وصی خاموش رہا اور موصی مرگیا تو وصی کو قبول اور رد کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ اس میں دھوکا نہیں اگر موصی الیہ خاموش رہا پھر موصی کے مرنے کے بعد اس نے رد کردیا پھر قبول

---

❶...... کشاف القناع: ۴/۴۴۱، مغنی المحتاج: ۳/۷۵-۷۷۔ ❷نیل الاوطار: ۶/۱۱۸۔ ❸مغنی المحتاج: ۳/۷۷۔ ❹الدر المختار ۵/۴۹۵۔

کرلیا تو یہ درست ہے اور یہ کہ قاضی اس کے ردکونافذ کردے تو پھر اس کی بعد قبول کرنا صحیح نہیں اور ترکہ میں سے کسی چیز کے فروخت کرنے یا خریدنے سے عقد وصیت معلوم ہو جاتا ہے اگر چہ اسے معلوم نہ بھی ہو کہ وہ وصی ہے اگر وصی بننے کا علم ہو گیا تو بھی تصرف کے درست ہونے کے لئے یہ شرط نہیں اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وصی کا وصیت کو موصی کی زندگی میں قبول کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ تصرف کی اجازت ہے، لہٰذا وکالت کی طرح عقد کے بعد قبول کرنا صحیح ہے، برخلاف مال کی وصیت میں، کیونکہ یہ ایک وقت میں ٹھیک ہے لہٰذا اس سے پہلے اس کا قبول کرنا صحیح نہیں اور اسی طرح موصی کے مرنے کے بعد بھی قبول کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ وصیت کی ایک قسم ہے لہٰذا اس کا اس وقت قبول کرنا صحیح ہے مال کی وصیت کی طرح، جب بھی اس نے قبول کیا تو وہ وصی بن جائے گا، لہٰذا تصرف کا فعل لفظ کے قائم مقام ہوگا جیسے وکالت میں ہوتا ہے، بالاتفاق اور قبول لفظاً شرط نہیں۔ اور شوافع کے ہاں وصی کا وصیت کو موصی کی زندگی میں قبول یا رد کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ تصرف کا وقت داخل نہیں ہوا جیسے وصیت مال کی صورت میں، اگر اس نے اس کی زندگی میں اسے قبول کر لیا پھر اسے اس کی وفات کے بعد رد کر دیا تو عقد فوت ہو جائے گا لیکن اگر اس نے موصی کی زندگی میں اسے رد کیا پھر اس کی وفات کے بعد قبول کر لیا تو عقد صحیح ہے۔

اور وصی اور سرپرست بنانے میں توقیت (وقت مقرر کرنا) اور تعلیق دونوں درست ہیں ⓫ پہلے کی مثال میں تجھے (وصی) سرپرست بناتا ہوں ایک سال کے لئے یا اپنے بیٹے کے بالغ ہونے تک یا زید کے آنے تک اور دوسرے کی مثال جب میں مرگیا تو میں تجھے وصی اور سرپرست بناتا گیا اس لئے وصی اور سرپرست بنانے میں جہالت اور شرط وغیرہ کا تحمل ہے پس اسی طرح وقت متعین کرنا اور معلق کرنا بھی درست ہے نیز سرپرست بنانا، حاکم بنانے کی طرح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا ہے اور فرمایا اگر زید شہید ہو گئے تو جعفر امیر ہوں گے اگر وہ بھی شہید ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر ہوں گے۔ ⓬

تیسری بحث......وصی کے تصرفات کے احکام

ا۔خرید وفروخت......حنفیہ کے ہاں ⓭ وصی کا خرید وفروخت کرنا کسی اجنبی سے اتنے غبن کے ساتھ جس میں عام طور پر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں صحیح اور جائز ہے، اور یہ غبن یسیر ہے، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں لیکن جس میں عام طور پر لوگ دھوکا نہیں کھاتے جو کہ غبن فاحش ہے اس سے جائز نہیں۔ کیونکہ اس کی ولایت مصلحت سے مقید ہے اور وصی کو اجازت نہیں کہ وہ یتیم کے مال کو غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرے اور غبن یسیر کے ساتھ بیع درست ہے۔ اگر وصی نے یتیم کے مال میں سے کچھ فروخت کیا یا خریدا اپنے لیے اگر وہ قاضی کا وصی ہے تو یہ مطلقاً اس کے لیے جائز نہیں اور اگر والد کا ولی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر اس میں بچے کا خاصا نفع ہو تو جائز ہے اور صاحبین کے ہاں مطلقاً جائز نہیں اور والد کے لیے جائز ہے کہ بچے کے مال کو مثل قیمت کے ساتھ اپنے لیے خریدے اور جس میں عام طور پر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اس غبن کے ساتھ ورنہ جائز نہیں۔ اور یہ تمام احکام منقولی اشیاء کے متعلق ہیں۔

اور وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ بڑے کے لئے بھی بیع کرے جو کہ غائب ہو لیکن یہ غیر منقولی اشیاء کے علاوہ میں اور وصی کے لئے مطلقاً جائز ہے کہ وہ دین کی ادائیگی کے لئے عقار (زمین) کو فروخت کردے یا عقار کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو بھی فروخت کرسکتا ہے۔

اگر موصی علیہ بڑا ہو اور حاضر ہو تو وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ترکہ میں کسی بھی قسم کا تصرف کرے الا یہ کہ میت پر دین ہو یا وہ وصی کو اس کی وصیت کرے، اور ورثاء نے وہ قرض ادا نہ کئے ہوں اور نہ ہی انہوں نے وصیت نافذ کی ہو، تو اگر دین پورے ترکہ کو محیط ہو تو سارا ترکہ فروخت کیا جائے گا اور اگر سب کو محیط نہ ہو تو پھر دین کی بقدر فروخت کیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وصی دین سے زیادہ بھی فروخت کرسکتا ہے۔ برخلاف صاحبین کے۔ اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اور وصیت ثلث کی مقدار میں نافذ کی جائے گی

⓫...... مغنی المحتاج: ۳/۷۷۔ ⓬رواہ البخاری۔ ⓭الدر المختار: ۵/۵۰۰۔۵۰۳، ۵۱۲، ۵۱۳۔

اور اگر اس کی بقدر ترکہ میں سے کوئی چیز اسے نافذ کرنے کے لئے فروخت کی تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں یہ اس کے لئے جائز ہے۔اور وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ بچے کی زمین اور غیر منقولی اشیاء کسی اجنبی کو فروخت کردے، اپنے آپ کو فروخت نہیں کرسکتا ڈبل قیمت پر یا بچے کے نفقہ کے لئے، اور میت کا دین ادا کرنے کے لئے یا مرسل وصیت نافذ کرنے کے لئے ❶ کہ اس کا نفاذ صرف اسی سے ہوتا ہو، یا اس کا مہنگا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے خرچہ سے زیادہ نہ ہو یا اس کی ویران اور خراب ہونے کے خوف سے، یا اس کے نقصان کی وجہ سے یا وہ کسی ظالم کے قبضہ میں ہو کہ وصی اس سے وہ واپس لے، اور اس کے پاس گواہ ہی نہ ہوں اور یہ خوف ہو کہ وہ ظالم اس سے بعد میں لے لے گا، لہٰذا وصی کا اسے فروخت کرنا جائز ہے، اگرچہ بچے کو اس کی رقم کی ضرورت نہ بھی ہو، اور یہ اس وقت ہے کہ جب وصی نہ تو ماں کی طرف سے ہو نہ بھائی وغیرہ کی طرف سے جو کہ اقارب ہیں سوائے باپ دادا اور قاضی کے، کیونکہ ماں یا بھائی کی جانب سے مقرر شدہ وصی زمین تو مطلقاً فروخت کرنے کا مالک نہیں اور نہ ہی وہ کھانے کپڑے کے علاوہ کچھ خرید سکتا ہے، رہ گیا والد جو لوگوں کے درمیان پسندیدہ اور محمود ہے یا وہ مستور الحال ہے تو اس کے لئے چھوٹے بچے کی زمین کو فروخت کرنا مذکورہ اسباب کے علاوہ بھی جائز ہے کیونکہ اس میں بچے کے لئے کامل شفقت پائی جاتی ہے۔اور والد اور دادا چھوٹے بچے کے مال کو کسی اجنبی سے فروخت کرسکتے ہیں مثل قیمت پر جب کہ وہ فاسد الرائی نہ ہوں لیکن اگر ان کی رائے فاسد ہو تو زمین کا فروخت کرنا جائز نہیں اور بچہ بالغ ہونے کے بعد بیع ختم کرسکتا ہے، الا یہ کہ جب اس نے ڈبل قیمت پر فروخت کیا ہو تو نہیں۔اور اسی طرح مفتی بہ روایت کے مطابق اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ منقولی اشیاء کو ڈبل قیمت سے کم پر فروخت کرے۔اور والد اور دادا اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کا دوسرے کو مال فروخت کرنے کے مالک ہیں، اور یہ وصی کے لئے جائز نہیں اور وصی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یتیم کے مال میں اپنے لئے تجارت کرے اگر اس نے ایسا کیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں منافع کو صدقہ کرے البتہ یتیم کے مال میں یتیم کے لئے تجارت جائز ہے، اور یتیم کے مال کی بڑھوتری کے لئے اس پر جبر نہ ہوگا، اور حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ بچے کے مال میں تصرف کرے جس طرح چاہے۔البتہ بڑے کا وصی مالکیہ کے ہاں ❷ میت کے وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ بڑے کی ❸ موجودگی میں اس کے ترکہ کو فروخت کرے یا کچھ فروخت کرے دین کی ادائیگی یا وصیت کے نفاذ کے لئے الا یہ کہ بالغ حاضر ہو، اس لئے کہ بالغ کے مال میں وصی کا تصرف درست نہیں، اگر بالغ موجود نہیں یا فروخت سے انکاری ہے تو حاکم بیع کے سلسلہ میں دیکھے یا تو وصی کو حکم دے فروخت کرنے کا یا جسے فروخت کررہا ہے غائب کے ساتھ اس کو حکم دے یا جنہیں تقسیم کرنا ہے ان میں تقسیم کردے اگر معاملہ حاکم کے پاس نہ لے گئے اور وصی نے فروخت کیا تو اگر مبیع موجود ہے تو بیع کو رد کردیا جائے گا لیکن اگر مبیع مشتری کے ہاتھ سے نکل جائے ھبہ کے ذریعہ یا اس نے کپڑے کو رنگ دیا یا گندم کو پیسا یا کھانا کھالیا اور بیع درست تھی تو مستحسن یہ ہے کہ بیع کو نافذ ہی کہا جائے اور سفر کی حالت میں اگر کوئی شخص مرجائے تو اس کا وصی سامان کو فروخت کرسکتا ہے کیونکہ اس کا اٹھانا اس کے لئے بوجھل ہے۔اور حنابلہ کے ہاں۔ ❹ اگر ضرورت ہو بعض زمین کو فروخت کرنیکی، بچوں کی ضرورت کے لئے اور بعض فروخت کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہو۔

مثلاً بچوں کے لئے ثمن کم ہوں تو وصی ساری زمین کو بچوں کے لئے فروخت کردے اور بڑوں کی بھی اگر وہ انکار کریں یا غائب ہوں اس لئے کہ وصی والد کے قائم مقام ہے اور والد کل کو فروخت کرسکتا ہے، اور وصی بھی اسی طرح ہے کیونکہ وہ وصی ہے اور بعض کو فروخت کرنے کا مالک ہے تو کل کو فروخت کرنے کا بھی مالک ہے۔جیسا کہ سارے چھوٹے ہوں یا دین نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہو نیز دین تمام ترکہ کے ہر جزو سے متعلق ہوتا ہے۔

---

❶.....وصیت مرسلہ وہ ہے جس میں ثلث یا ربع کا ذکر نہ ہو۔ ❷ الشرح الکبیر: ۴/۴۵۳، الشرح الصغیر: ۴/۶۰۷۔ ❸ بڑے کا مطلب بالغ ہے۔ ❹ کشاف القناع: ۴/۴۴۴، غایة المنتهی: ۲/۳۸۱۔

۲۔ وکیل اور سرپرست بنانا دوسرے کو..... حنفیہ اور مالکیہ نے (۱) وصی کو اجازت دی ہے کہ وہ کسی دوسرے کو بھی وصی (سرپرست) بنا سکتا ہے اور وصی کا وصی چاہے وصی کے مال کا وصی ہو یا موصی کے مال کا وہ دونوں ترکوں میں وصی ہے۔ اور شوافع اور حنابلہ نے (۵) وصی کو اجازت نہیں دی کہ وہ کسی اور کو وصی بنائے الا یہ کہ موصی کی اجازت ہو۔ کیونکہ وصی اجازت سے تصرف کرتا ہے لہٰذا وصی مالک نہیں وکیل کی طرح ہے۔

اسی طرح اس فریق ثانی کے ہاں وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو وکیل بنائے سوائے ان چیزوں کے جن میں اکیلے معمول کے اعتبار سے کام نہ کیا جاتا ہو جیسے وکیل کی یہی کیفیت ہے، جیسے جس چیز کی اسے وصیت کی گئی اس کی کئی جانب ہوں اور کئی جہتیں ہوں اور ان کی ادائیگی کے لئے وصی تعاون کا محتاج ہو یا اسی طرح اگر کام ایسا سخت ہو کہ اس کی مثل اس طرح ہو نہیں سکتا اور وہ کسی قوی شخص کا محتاج ہے، جو اس کی ادائیگی کروائے، یا وہ کام ایسا ہے جو مہارت کا محتاج ہو جیسے ہندسہ، تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ان امور کی انجام دہی کے لئے کسی کو وکیل بنا لے۔ (۲)

۳۔ وصیت کے لئے مال میں مضاربت، دین کی ادائیگی..... نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا، ختنہ کروانا، صدقۃ الفطر نکالنا، اور قرض کا ضمان دینا۔ مالکیہ کے ہاں (۳) وصی اس مال کو کسی دوسرے کو مضاربت کے طور پر دے سکتا ہے۔ یا ابضاعاً بطور تجارت کسی کو درہم دینا کہ وہ اس سے سامان خریدے، اور وصی پر واجب نہیں کہ وہ یتیم کے مال میں بڑھوتری کرے جیسا کہ حنفیہ نے تجارت کے معاملہ میں وضاحت کی اور وصی پر واجب ہے کہ دین کی ادائیگی کرے، اور اگر تاخیر کرنے میں مصلحت ہو تو وصی دین میں تاخیر کرے، اور وصی کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنی سرپرستی میں موجود بچوں پر خرچ کرے عرف کے مطابق بچے کی حالت کے مطابق اور مال کی قلت وکثرت کے مطابق اور اسے اس کے ختنہ اور شادی پر خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ اور جس کے اوپر اسے نگران بنایا گیا ہے وہ اس کا نفقہ دے سکتا ہے، اگر چہ وہ کم ہو اور تلف ہونے کا خوف بھی نہ ہو جیسے جمعہ کو یا ہر ماہ، لیکن اگر تلف کا خوف ہو تو پھر وہ روزانہ اسے دے، اور یہ متفق علیہ ہے اور حنفیہ نے اضافہ کیا ہے کہ وہی بچے کی تعلیم قرآن اور ادب کی تعلیم پر خرچ کر سکتا ہے، ورنہ صرف واجب قرأت کی مقدار علم حاصل کرنے پر خرچ کر سکتا ہے۔ اور وصی یتیم اور اس کی فقیر والدہ کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر سکتا ہے، اور وہ جانوروں، کھیتی اور سامان تجارت سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں (۴) وصی اور والد یتیم بچے کے مال سے قرض دینے کے مجاز نہیں۔ اگر قرض دیا تو ضامن ہوں گے اور قاضی اس کا مالک ہے اگر وصی نے اپنے لئے اس کے مال کو قرض لیا تو یہ جائز نہیں اور وہ اس پر دین ہوگا۔

۴۔ موصی لہ کے لئے تقسیم..... حنفیہ کے ہاں (۵) اگر بالغ غائب ہو یا چھوٹے ہوں کو وصی نائب ہونے کی حیثیت سے موصی لہ کے ساتھ تقسیم کر سکتا ہے اور ورثاء موصی لہ پر رجوع نہیں کر سکتے اگر وصی کے ساتھ ان کی قسط ضائع ہو جائے کیونکہ تقسیم درست ہے۔

لیکن موصی لہ غائب ہو یا حاضر تو ہو لیکن اس کی اجازت کے بغیر ورثاء کے ساتھ تقسیم کر دی تو درست نہیں اور اس صورت میں اگر موصی لہ کی قسط ضائع ہوگئی تو ثلث میں سے جو باقی ہے اس میں رجوع کرے گا کیونکہ وہ وصی کے ساتھ شریک کی طرح ہے اور وصی ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے۔ اور قاضی کی تقسیم درست ہے۔ اور اگر موصی لہ غائب ہوا تو وہ اس کی قسط لے لے گا اور یہ کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے، کیونکہ ان میں تقسیم جدا کرنا ہے، البتہ ان کے علاوہ چیزوں میں تقسیم درست نہیں کیونکہ یہ مبادلہ ہے بیع کی طرح اور غیر کے مال

---

(۱)..... الدر المختار: ۴۹۹/۵۔ الشرح الصغیر: ۶۱۱/۴۔ (۲) کشاف القناع: ۴۴۰/۴، المہذب: ۴۶۴/۱، غایۃ المنتہیٰ ۳۷۹/۲۔

(۳) المہذب، ۴۶۴/۱، تکملۃ المجموع: ۱۵۲/۱۵۔ (۴) الشرح الصغیر: ۶۰۹/۴، ۶۱۰۔ (۵) الدر المختار ورد المحتار ۵۰۳/۵۔

کوفروخت کرنا جائزنہیں اسی طرح تقسیم بھی ہے۔ برخلاف وصی کے والد اپنے اور بچے کے درمیان مشترک مال کو تقسیم کرنے کا مالک ہے۔

مالکیہ کے ہاں ❶ حکم حنفیہ کی طرح ہے کہ وصی غائب ورثہ کی طرف سے تقسیم نہیں کرسکتا حاکم کی اجازت کے بغیر اگر حاکم کی اجازت کے بغیر تقسیم کیا تو تقسیم ٹوٹ جائے گی اور ترکہ خریدنے والے یا اس کے بعض حصہ کو وصی سے خریدنے والے حاکم کی اجات کے بغیر ان کا حکم غاصب کا حکم ہے ان کے لئے کوئی غلہ نہیں اور جو کچھ ضائع ہوگا وہ اس کے ضامن ہوں گے اگر چہ کسی آسمانی سبب سے ہی ہوا ہو۔ اور اسی طرح حنابلہ کے ہاں ❷ بھی یہی حکم ہے کہ وصی کی تقسیم موصی لہ کے لئے وہ ورثاء پر نافذ ہے کیونکہ وہ ان کی طرف سے نائب ہے اس کا فعل ان کے فعل کی طرح ہے اور وصی کی تقسیم ورثاء کے لئے موصی لہ پر نافذ نہ ہوگی کیونکہ وہ اس کا نائب نہیں جیسے فضولی کا تصرف۔

۵۔ وصی کا میت پر دین کا اقرار، نیز کیا وصی ولایت کا زیادہ حق دار ہے یا دادا؟......حنفیہ کے ہاں ❸ وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ میت پر دین کا اقرار کرے اور نہ ہی اس کے ترکہ میں سے کسی چیز کا اقرار کرنا کہ یہ فلاں کی ہے، کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے سوائے اس کے اقرار کرنے والا وارث ہو تو پھر اس کے حصہ میں اقرار درست ہے۔ اگر وصی نے نقد کا کسی دوسرے کے لئے اقرار کیا پھر دعویٰ کیا کہ یہ بچے کا ہے تو اس کا اقرار مسموع نہ ہوگا، اور والد کا وصی بچے کے مال کا زیادہ حق دار ہے دادا سے حنفیہ کے ہاں اگر والد کا وصی نہ ہو تو دادا، اور بچے کے مال پر ولایت درج ذیل ترتیب پر ہے: والد پھر اس کا وصی پھر وصی کا وصی اگر والد مر گیا اور اس نے وصی نہ بنایا ہو تو ولایت پہلے دادا کے لئے ہوئی پھر اس کے وصی کے لئے پھر وصی کے وصی کے لئے اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر قاضی اور اس کے مقرر کردہ لوگوں کے لئے، اور حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں اولیاء کی ترتیب بیان ہو چکی ہے۔

٦۔ مجور کو مال دینا اور اس کا سمجھدار ہونا......حنفیہ کے ہاں ❹ اگر وصی نے یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اور اس کی سمجھداری ظاہر ہونے سے پہلے یتیم کو مال دے دیا اور مال ضائع ہو گیا تو صاحبین کے ہاں وصی ضامن ہوگا کیونکہ اس نے اسے مال دیا جو اس کا اہل نہیں اور سمجھداری کا ظاہر ہونا گواہوں سے ہوگا لیکن اگر وہ بالغ ہونے سے پہلے سمجھدار ہو گیا اور اس نے اسے مال دے دیا تو ضامن نہ ہوگا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اگر پندرہ سال کے بعد اسے مال دیا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس وقت اسے دینے کی ولایت حاصل ہے۔ مالکیہ کے ہاں ❺ بھی صاحبین کی طرح حکم ہے کہ وصی کی بات گواہوں کے بغیر قبول نہ ہوگی اگر چہ سمجھدار ہونے کے بعد وقت زیادہ ہی کیوں نہ ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا۝ النساء: ٦/٤

جب تم انہیں ان کے مال دو تو اس پر گواہ بنالو اور اللہ تعالیٰ کافی ہیں حساب لینے کے لیے۔ اور حنفیہ کے ہاں اصل یہ ہے کہ ہر چیز پر وصی مسلط ہے اس میں اس کی تصدیق ہوگی اور جس پر وہ مسلط نہیں تو تصدیق نہ ہوگی، لہٰذا وصی کا قول قبول ہوگا جو کچھ اس نے خرچ کیا بغیر گواہوں کے سوائے چند اہم مسائل کے جو یہ ہیں: جب دعویٰ کرے میت کے دین کی ادائیگی کا میت کے مال سے ترکہ فرخت کرنے کے بعد اور ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے یا یہ کہ بچے نے کسی دوسرے کے مال کو بچپن میں ہلاک کیا اور اس نے اس کا ضمان دیا یا اس نے اسے تجارت کی اجازت دی ہے۔ ❻

اس میں اسے دیون لاحق ہوتے، یا اس نے اس کی زمین کے خراج کی ادائیگی کا دعویٰ کیا اور اس کے دعویٰ کے وقت زمین زراعت

---

❶......المرجع السابق ص ٤٩٩، ٥١٢۔ ❷الشرح الصغير: ٦٠٧/٤، الشرح الكبير: ٤٥٣/٤۔ ❸كشاف القناع: ٤٤١/٤۔
❹الدر المختار: ٥٠٥/٥۔ ❺المرجع السابق۔ ❻الشرح الصغير: ٦١٢/٤۔

کے قابل نہ تھی یا اس نے اس کے ایسے محرم پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا جو مر گیا، یا اس نے اپنے ذمہ میں سے یتیم پر خرچ کیا یا اپنے مال سے خرچ کیا اور رجوع کا ارادہ کیا یا اس نے یتیم کی شادی کروائی اور اس کے مال سے اس کا مہر دیا اور وہ مر گئی تھی، اور یتیم نکاح کا اقرار نہیں کر رہا لیکن اگر یتیم نے نکاح کا اقرار کیا تو وصی مہر کا رجوع کر سکتا ہے۔ چاہے عورت زندہ ہو یا مردہ یا وصی نے تجارت کی اور نفع حاصل کیا اور دعویٰ کیا کہ مضاربت پر ایسا کیا ہے، تو ان سب حالتوں میں یتیم کی بات معتبر ہوگی اور وصی ضامن ہوگا، الا یہ کہ وہ گواہ پیش کرے، اور حنابلہ کے ہاں ❶ وصی کی بات گواہوں کے بغیر معتبر نہ ہوگی جیسے دین کے دعویٰ کرنے والوں کی سوائے ضرورت کے حالات کے مثلاً تجہیز وتکفین سفر میں کی ہو اس کے نفقات کے۔

۷۔ سرپرستوں (وصیوں) کی گواہی...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں: ❷ وصیوں کی گواہی بچے کے مال میں مطلقاً باطل ہے، اور بالغ وارث کی میت کے مال میں اور ان کی گواہی میت کے مال کے علاوہ میں صحیح ہے کیونکہ ان کی ولایت اس میں نہیں۔ اس وقت تہمت بھی نہیں کیونکہ میت نے وصی کو اپنا قائم مقام بنایا ہے ترکہ میں نہ کہ غیر میں۔ رہ گیا چھوٹے بچے وارث کے لئے شہادت کا باطل ہونا کیونکہ وصی کو اس کے مال میں تصرف کی ولایت ہے، تو وصیوں کی شہادت ولایت تصرف میں اپنے لئے مظہر ہوئی اور بالغ وارث کے لئے شہادت کا باطل ہونا اس لئے کہ وصی کو اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی حفاظت کی اور منقول اشیاء کو فروخت کرنے کی ولایت حاصل ہے لہٰذا تہمت پائی گئی اور یہی حنفیہ کے ہاں راجح ہے۔

صاحبین کے ہاں...... اگر دو وصیوں نے بالغ وارث کے لئے شہادت دی تو دونوں صورتوں میں شہادت جائز ہے، یعنی مال میت میں ہو یا کسی اور کے مال میں، کیونکہ جب ورثاء بالغ ہوں تو وصیوں کے لئے ولایت تصرف ثابت نہیں لہٰذا شہادت تہمت سے خالی ہے۔

۸۔ وصی کا یتیم کے مال میں رجوع...... حنفیہ کے ہاں ❸ جب وصی نے بچے کے مال کو جو اسے ترکہ میں ملا تھا فروخت کیا پھر اس کے ثمن ضائع ہو گئے اور مبیع کا کوئی مستحق نکل آیا تو وصی رجوع کرے گا پھر بچہ ورثاء سے رجوع کرے گا اپنے حصہ کے لئے کیونکہ استحقاق کی وجہ سے تقسیم ختم۔

۹۔ وصی اور موصی علیہ کا نزاع...... جمہور فقہاء کے ہاں ❹ وصی امین ہے موصی علیہ کے مال کے ہلاک ہونے کا ضامن نہیں اور جب بچہ بالغ ہو گیا اس کا اور وصی کا نفقہ کی مقدار میں اختلاف ہو گیا تو وصی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اسی بناء پر شوافع نے کہا، اگر وصی نے کہا میں نے تجھ پر خرچ کر دیا اور بچہ کہہ رہا ہے تو نے خرچ نہیں کیا تو وصی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اور نفقہ پر گواہ پیش کرنے اس کے لئے متعذر ہیں، اور اگر ان کا اختلاف ہو جائے نفقہ کی مقدار میں وصی کہے میں نے ہر سال تجھ پر سو دینار خرچ کئے اور بچہ کہے بلکہ تو نے مجھ پر پچاس دینار خرچ کئے اگر جس کا وصی دعویٰ کر رہا ہے وہ معروف ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اور اگر معروف نفقہ سے زیادہ ہے تو اس پر ضمان ہوگا کیونکہ اس نے زیادہ خرچ کرنے میں تفریط کی ہے، اور اگر ان کا اختلاف مدت کے سلسلہ میں ہو جائے وصی کہے میں نے دس سال خرچ کیا اور بچہ کہے پانچ سال خرچ کیا تو اس میں دو صورتیں ہیں اکثر شوافع کے ہاں بچے کا قول معتبر ہے کیونکہ اختلاف مدت میں ہے اور اس میں اصل نہ ہونا ہے اور اصطخری نے کہا وصی کا قول معتبر ہے جیسے کہ مقدار نفقہ میں اختلاف

---

❶..... كشاف القناع: ۴/ ۴۴۱۔ ❷ الدر المختار: ۵/ ۵۰۵، الهداية مع تكمله فتح القدير: ۸/ ۵۰۳۔ ❸ الدر المختار: ۵/ ۵۰۰۔

❹ الدر المختار: ۵/ ۵۰۰ الشرح الصغير: ۴/ ۶۱۱، المهذب: ۱/ ۴۶۴، مغني المحتاج: ۳/ ۷۸۔

ہو، اگر دونوں میں اختلاف ہو بالغ ہونے اور سمجھدار ہونے کے بعد بچے کو مال دینے میں تو بچے کی قسم کے ساتھ تصدیق ہوگی کیونکہ آیت ''فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ'' کا مفہوم یہی ہے۔

۱۰۔وصی کی اجرت اور وصی کا موصی علیہ کے مال سے نفع اٹھانا......حنفیہ کے ہاں (۱۱) صحیح یہ ہے کہ میت کے وصی کے لئے اجرت نہیں البتہ استحساناً وہ اگر محتاج ہے تو یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے اور اگر وہ وصیت پورا کرنے سے رکے اور اجرت کا مطالبہ کرے تو اسے کام پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع کرنے والے پر زبردستی نہیں ہوتی، لیکن اگر قاضی اجرت مثل مقرر کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اور وصی اپنی ضرورت کے بقدر یتیم کے مال سے کھا بھی سکتا ہے اور جانور پر سواری بھی کرسکتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے ''وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا، فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ'' اور جو محتاج ہو تو وہ معروف طریقے سے کھائے، اور قاضی کا وصی اگر اسے اجرت مثل کے ساتھ مقرر کرے تو جائز ہے اور حنابلہ کے ہاں (۱۲) کہ یہ موصی اور حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ وصی کے لئے معلوم اجرت مقرر کریں وکیل کی طرح۔

۱۱۔وصی کا معزول کرنا......فقہاء کا اتفاق ہے کہ درج ذیل حالات میں وصی معزول کیا جاسکتا ہے۔ (۱۳)

پہلی حالت......موصی یا وصی یا قاضی معزول کرنا چاہے، موصی جب چاہے وصی کو معزول کرسکتا ہے اور وصی بھی اپنے آپ کو موصی کی زندگی میں یا موت کے بعد معزول کرسکتا ہے، وکالت کی طرح، کیونکہ عقد لازم نہیں اور موصی کے معزول کرنے سے وصی معزول ہوجائے گا اگرچہ اسے معزول ہونے کی خبر نہ بھی پہنچے برخلاف وکیل کے۔ اور قاضی کے معزول کرنے سے بھی معزول ہوجائے گا اگرچہ قاضی ظالم ہی ہو لیکن قاضی گناہ گار ہوگا اور وصی اس وقت اپنے آپ کو معزول کرسکتا ہے جب اس پر وصیت متعین نہ ہو اور اس کا ظن غالب نہ ہو مال کے ضائع ہونے کا، کسی ظالم یا قابض وغیرہ کے غلبہ سے تو اسے اپنے آپ کو اس وقت معزول کرنا درست نہیں۔

دوسری حالت......مکمل طور پر عاجز ہوجائے، یا خیانت کرے، اگر قاضی کے لئے وصی کا بالکل عاجز ہونا ظاہر ہوجائے تو اس کی جگہ پر دوسرے کو رکھے اور خیانت کی وجہ سے وصی کو معزول کرنا واجب ہے۔

تیسری حالت......مرجائے یا مجنون ہوجائے یا فاسق ہو کیونکہ موت کی وجہ سے تصرف محال ہے اور جنون اور فسق کی حالت میں مصلحت نہیں۔

چوتھی حالت......وصیت کی مدت کی انتہاء ہوجانا جس نے کسی متعین چیز کی وصیت کی اور دوسری چیز کی وصیت نہ کی تو اس کی غایت ختم ہونے سے وصیت ختم ہوجائے گی اور مقررمدت کے ختم ہونے سے، کیونکہ وصی اجازت سے تصرف کرتا ہے لہٰذا اس کا تصرف اجازت کے مطابق ہوگا۔

۱۲۔ضرورت کی بناء پر خرچ کرنا......حنابلہ کے ہاں (۱۴) اگر کوئی انسان مرجائے اور اس کا کوئی وصی نہ ہو اور جس شہر میں وہ مرا اس میں کوئی حاکم نہیں یا وہ صحراء وغیرہ میں مرگیا یا ایسے جزیرہ میں جس کی کوئی آبادی نہیں تو اس مسلمان کے لئے جائز ہے اس کے ترکہ

---

(۱۱)......الدر المختار: ۵/۵۰۳، ۵۱۲۔ (۱۲) کشاف القناع: ۴/۴۴۱۔ (۱۳) الدر المختار: ۵/۴۹۵، الشرح الصغیر: ۴/۶۰۶، ۶۰۹ الشرح الکبیر: ۴/۴۵۳، المہذب: ۱/۴۶۳، مغنی المحتاج: ۳/۷۵، کشاف القناع ۴/۴۴۰۔ (۱۴) کشاف القناع: ۴/۴۴۵۔

کو سنبھالنا جو حاضر ہے، اور وہی اس کی تجہیز کے معاملہ میں ولی ہے، اور ترکہ کے لئے جو مفید ہو وہ کرے فروخت یا حفاظت وغیرہ، کیونکہ یہ ضرورت کی جگہ ہے مسلمان کے مال کی حفاظت کی، اگر اس کا ترکہ ہو تو اس میں سے اس کی تجہیز و تکفین کرے، لیکن اگر اس کا ترکہ نہ ہو تو اپنے پاس سے اس کی تجہیز کرے اور پھر معروف طریقہ کے مطابق وہ اس کے ترکہ میں رجوع کرے جہاں کہیں بھی ترکہ ہو۔ یا اگر اس نے کچھ بھی نہ چھوڑا تو جس پر اس کا کفن لازم ہے۔

اس سے رجوع کرے کیونکہ اس نے اس کی طرف سے واجب پورا کیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب اس نے رجوع کی نیت کی ہو یا حاکم سے تجہیز کی اس نے اجازت لی ہو لیکن اگر اس نے تبرع کی نیت کی تو وہ رجوع نہیں کرسکتا جیسا کہ اگر اس نے نہ تبرع کی نیت کی ہو اور نہ رجوع کی تو بھی رجوع نہیں کرسکتا۔

پانچواں باب وقف

اس میں دس فصلیں ہیں۔

پہلی وقف کی تعریف، مشروعیت، صفت اور رکن۔

دوسری وقف کی اقسام اور محل۔

تیسری وقف کا حکم اور واقف کی ملکیت کب ختم ہوتی ہے؟

چوتھی وقف کی شرائط۔

پانچویں شرعاً اور قانوناً وقف کا اثبات۔

چھٹی وقف باطل کرنے والی چیزیں۔

ساتویں، وقف کے اخراجات۔

آٹھویں وقف کو تبدیل کرنے اور ویران ہونے کی صورت میں اسے فروخت کرنا۔

نویں مرض الموت میں وقف کرنا۔

دسویں وقف کا نگران اور متولی (اس کی تعیین، شرائط، وظیفہ اور معزول کرنا) میں اس کے بیان کی ابتداء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے مدد لیتے ہوئے۔

پہلی فصل......وقف کی تعریف، مشروعیت، صفت اور رکن

پہلی چیز: وقف کی تعریف......وقف، تحبیس اور تسبیل ایک ہی معنی میں ہیں لغوی اعتبار سے تصرف سے رکنا وقف ہے کہا جاتا ہے وقفت کذا یعنی میں نے روکا، اور اوقفتہ نہیں کہا جاتا، صرف بنوتمیم کی لغت میں ہے اور یہ ردی ہے اس پر عام لوگ ہیں اور احبس کہا جاتا ہے نہ کہ حبس پہلا فصیح ہے۔ اور دوسرا ردی اور اسی سے ہے موقف کیونکہ لوگ اس میں حساب کے لئے رکیں گے، پھر وقف کا لفظ موقوف پر استعمال ہونے لگا اور وقف سے روکنے کو تعبیر کیا جانے لگا اور مغرب میں کہتے ہیں وزیر الاحباس۔ مذاہب میں وقف کی شرعی طور پر تین تعریفیں ہیں۔

پہلی تعریف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں...... ❶ مال کو واقف کی ملکیت کے لئے خاص کرنے اور اس کی منفعت کو خیر کے کاموں میں صدقہ کرنا، اس بناء پر شئی وقف شدہ کا واقف کی ملکیت سے زائل ہونا ضروری نہیں اور وہ اس سے رجوع بھی کرسکتا ہے اور اس کی بیع بھی جائز ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اصح یہ ہے کہ وقف جائز ہے لازم نہیں عاریت کی طرح اور صرف تین صورتوں میں لازم ہے (لیکن اصح اور مفتی بہ قول صاحبین کا ہے)۔

۱...... یہ کہ اس کا فیصلہ حاکم کرے بایں طور کہ واقف اور ناظر میں جھگڑا ہو جائے کیونکہ واقف لازم نہ ہونے والی علت سے رجوع چاہتا ہے، اور حاکم لزوم کا فیصلہ دے دے تو وقف لازم ہوگی، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور حاکم کا فیصلہ اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔

۲...... یا واقف اسے اپنی موت کے ساتھ معلق کر دے کہ جب میں مر گیا تو میرا گھر وقف ہے فلاں پر تو موت کے بعد یہ لازم ہے ثلث سے وصیت کی طرح۔

۳...... یہ کہ مسجد کے لئے وقف کر دے اور اپنی ملکیت سے جدا کر دے اور اس میں نماز کی اجازت دے دے جب اس میں کسی ایک نے بھی نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور الگ کرنا تو اس لئے کہ صرف اسی کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہوتا ہے، اور نماز اس لئے کہ طرفین کے ہاں سپرد کرنا لازم ہے۔ اور ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور مسجد میں نماز کے ذریعہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی رائے پر دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کے فرائض میں حبس نہیں۔ ❷ اگر وقف سے موقوف شدہ مال واقف کی ملکیت سے نکل جائے تو یہ تو اللہ تعالیٰ کے فرائض سے روکنا ہے کیونکہ یہ ورثاء اور ان کے حصص مفروضہ میں رکاوٹ ہے۔ لیکن یہ حدیث اپنے ضعف کے باوجود امام صاحب کی مقصود پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس سے مراد جاہلیت کی عادت کو باطل کرنا ہے کہ وہ وراثت صرف مذکر اور بڑی بالغ اولاد کو دیتے تھے، چھوٹی اور مؤنث اولاد کو نہیں دیتے تھے۔

۲...... وہ روایت جو قاضی شریح سے ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبس کی بیع کے لئے تشریف لائے جب رسول اس لئے آئے تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ایک اور حبس ایجاد کریں، کیونکہ وقف عین کا روکنا ہے اور یہ غیر مشروع ہے۔ لیکن اس قول میں بھی امام کے مطلوب پر دلالت نہیں اس لئے کہ ممنوع رکھنا وہ ہے جو بتوں اور وثنیت کے لئے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیع اور اسے باطل کرنے کے لئے تشریف لائے اور وقف تو محض اسلامی نظام ہے امام شافعی نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اس مین اہل جاہلیت نے کچھ بھی نہیں روکا بلکہ اہل اسلام نے روکا ہے۔

دوسری تعریف...... جمہور کے ہاں اور وہ صاحبین ہیں اور انہی کی رائے پر حنفیہ کے ہاں فتویٰ ہے اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❸ ہے کہ مال کو اس طرح روکنا کہ اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو عین کو باقی رکھتے ہوئے واقف وغیرہ کے تصرف کو ختم کرتے ہوئے کسی مباح مصرف کے لئے یا زمین کے منافع کو بطور خیر اور نیکی کے صرف کرنا، اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اور اس بناء پر مال واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے اور واقف کو اس میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا اور زمین کے منافع کو بطور تبرع وقف لازم ہوگا۔ یہ بھی اپنی رائے پر دو دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں:

۱...... ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کی زمین میں سے زمین ملی تو عرض کی اے اللہ کے رسول!

---

❶ ......فتح القدير: ۳۷/۵، ۴۰، ۶۲، اللباب ۱۸۰/۲، الدر المختار: ۳۹۱/۳۔ ❷ رواه الدارقطنى عن ابن عباس وفيه ابن لهيعة أخوه عيسى ضعيفان۔ ❸ مراجع الحنفية السابقة، مغنى المحتاج ۳۷۶/۲ كشاف القناع: ۲۶۷/۴، غاية المنتهى: ۲۹۹/۲۔

مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اس سے زیادہ نفیس مال اور عمدہ مال مجھے کبھی بھی نہیں ملا، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا اگر آپ چاہتے ہو تو اس کی اصل کو روک لو اور اسے صدقہ کر دو تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔ اس طور پر کہ نہ اسے فروخت کیا جائے نہ ھبہ اور نہ اس میں وارث ہے فقراء ذوی القربیٰ، غلاموں مہمانوں اور مسافروں کے لئے، اور جو بھی اس میں سے کھائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور اس سے مال لیا جائے لیکن ملکیت کے طور پر نہیں۔ ❶ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث وقف کی مشروعیت میں اصل ہے۔ اور یہ دلالت کرتی ہے موقوف میں تصرف کرنے پر کیونکہ حبس کا معنی منع ہے یعنی عین کو ملک بنانے سے منع کرنا، اور تملیکی تصرف کا حامل بنانا لیکن یاد رہے یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ مال موقوف، واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے۔

۲..... پوری امت کا عمل ابتداء اسلام سے آج تک مالوں کو خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کے لئے جاری ہے اور واقف کو اس میں تصرف سے روکنے پر۔

تیسری تعریف..... مالکیہ کے ہاں ❷ مالک کا منفعت کو مملوک بنانا اگرچہ اُجرت پر مملوک بنائے، یا اس کے غلہ کو بنانا کسی مستحق کے لئے صیغہ کے ساتھ اتنی مدت جتنی روکنے والا مناسب سمجھے یعنی مالک عین کو روکے رکھے تملیکی تصرف سے اور اس کے منافع کو نیکی کی راہ میں صرف کرے اور یہ تبرع لازمی ہے عین کو باقی رکھتے ہوئے واقف کی ملک میں خاص زمانہ تک اس میں ہیشگی شرط نہیں اور اجرت کے ساتھ مملوک کی مثال یہ کہ ایک اپنے گھر یا زمین کو کسی کو اجرت پر دے دے معلوم مدت کے لئے پھر اس کے نفع کو کسی مستحق پر وقف کردے اور اسی سے ظاہر ہوئی مملوک کی مراد۔ کہ ایک ذاتی ملکیت ہے اور ایک نفع کی، مالکیہ کے ہاں وقف، موقوفہ چیز میں حق ملکیت کو ختم نہیں کرتا، بلکہ صرف تصرف کے حق کو ختم کرتا ہے، یہ حضرات بھی عین موقوفہ میں ملکیت کے باقی رہنے پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو روکے رکھو، اور اُسے صدقہ کردو، اس میں اس سے حاصل ہونے والے غلہ کے صدقہ کرنے کی طرف اشارہ ہے، شئی موقوف کی ملکیت واقف کے ذمہ میں باقی رکھتے ہوئے، اور اس میں غیر کے لئے تملیکی تصرف سے منع کیا گیا ہے، اس دلیل کے ساتھ جو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا کہ نہ تو اسے فروخت کیا جائے نہ ھبہ اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور یہ مشابہ ہے اس کی ملکیت کے جس پر فضول خرچی کی وجہ سے پابندی لگائی گئی ہو۔ کہ اس کی ملکیت اس کے مال میں ہے لیکن اسے اس کی بیع اور ھبہ سے روکا گیا ہے، یہ رائے دلیل کے اعتبار سے باریک ہے لیکن دوسری تعریف لوگوں میں مشہور ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ مساجد کے لئے وقف شدہ وقف میں کسی کی ملکیت نہیں اور یہ کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

دوسری چیز: وقف کی مشروعیت، حکمت یا سبب..... جمہور کے ہاں وقف سنت اور مندوب ہے اور یہ پسندیدہ تبرعات میں سے ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ ..... آل عمران ۳/ ۹۲

نیکی کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی پسندیدہ اشیاء خرچ نہ کرو، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ..... البقرۃ: ۲/ ۲۶۷

یہ اپنے عموم کے اعتبار سے نیکی اور اچھے کاموں میں خرچ کرنے کا فائدہ دیتی ہے اور وقف میں مال خرچ ہوتا ہے نیکی کی راہ میں۔

---

❶..... رواه الجماعة (نيل الأوطار: ۶/ ۲۰)۔ ❷ الشرح الكبير: ۴/ ۷۶، الشرح الصغير: ۴/ ۹۷، ۹۸، الفروق: ۲/ ۱۱۱۔

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث میں کہ اگر تم چاہو اس کی اصل کو روک لو اور اسے صدقہ کردو اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد جب ابن آدم مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جاتا ہو، یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔ ❶ اور صالح بیٹا وہ جو حقوق اللہ بھی پورے کرتا ہے اور حقوق العباد بھی۔ اہل علم میں سے اکثر سلف اور ان کے بعد کے فقہاء وقف صحیح ہونے کے قائل ہیں، اور اسلام میں سب سے پہلا وقف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے خیبر میں سو حصے آپ نے وقف کئے اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا صحابی نہیں جس نے وقف نہ کیا ہو۔ اور وقف اسلام کی خصوصیات میں سے ہے نووی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا میری معلومات کے مطابق اہل جاہلیت نے نہ کوئی زمین وقف کی نہ کوئی گھر۔ یہ بات یاد رہے کہ وقف کے کچھ تھوڑے مسائل نیت سے ثابت ہیں اور اس کے اکثر احکام فقہاء کے اجتہاد سے مشابہ ہیں بطور استحصان استصلاح اور عرف کے وقف کی حکمت یا اس کا سبب دنیا میں تو دوستوں کے ساتھ نیکی ہے اور آخر میں ثواب حاصل ہوتا ہے جب کہ اس کا اہل اسے نیت سے کرے ❷ اور حنفیہ کے ہاں وقف مباح ہے کیونکہ کافر بھی کرے تو صحیح ہے اور نذر سے واجب ہوجاتا ہے، عین موقوفہ یا اس کے ثمن کو صدقہ کرے اگر ایسے افراد پر وقف کیا جنہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں جیسے اپنے اصول وفروع کو تو شرعی حکم کے اعتبار سے جائز ہے لیکن اس سے نذر ساقط نہ ہوگی اس لئے کہ واجب صدقہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لے ہو، اور ایسے لوگوں کو دینا جن کی اس کے لئے شہادت جائز نہیں اس میں اس کا نفع ہے، لہٰذا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوا جیسا کہ ان کو کفارہ یا زکوٰۃ دے، کہ صدقہ ہوگا اور اس کے ذمہ میں یہ باقی رہیں گے۔ ❸

تیسری چیز: وقف کی صفت......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وقف جائز ہے لازم نہیں اس سے رجوع بھی جائز ہے یہ غیر لازم عطیہ ہے سوائے ان صورتوں کے جو پہلے مستثنیٰ کی گئیں یہ عاریت کے درجہ میں ہے، اسے اختیار ہے جب چاہے اس سے رجوع کرے اور اس کے مرنے سے باطل ہوجاتا ہے اور اس میں میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ رعایت کے حکم میں رائے ہے۔ ❹ اور وقف محمد بن الحسن، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❺ جب صحیح ہو تو لازم ہوجاتا ہے اقالہ وغیرہ سے فسخ نہیں کیا جاسکتا، اور واقف کا تصرف اس میں ختم ہوجاتا ہے، اور وہ اس میں رجوع کا مالک نہیں اور اس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے سابقہ حدیث کی وجہ سے اور یہ بمنزلہ صدقہ اور ہبہ کے ہے، اور لہٰذا اس پر شرعی آثار کا مرتب ہونا ضروری ہے کہ اسے اس جگہ خرچ کیا جائے، جیسے تمام عطیات میں ہوتا ہے، اور امام محمد کے ہاں مشاع کا وقف جائز نہیں جو تقسیم کے قابل ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں وقف سے ملکیت ساقط ہوجاتی ہے اور یہ طلاق اور اعتاق کی طرح ہے کیونکہ ان میں بھی بیوی اور غلام سے ملکیت ساقط ہوتی ہے، لہٰذا صرف تلفظ ہی سے یہ مکمل ہوجائے گا اور اس میں سپرد کرنا شرط نہیں اور مشاع چیز کا وقف بھی بغیر جدا کئے جائز ہے یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے کیونکہ اس میں احتیاط بھی ہے اور یہ آسان بھی ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں وقف ❻ اگر صحیح ہو تو لازم ہے اور حاکم کے حکم پر موقوف نہیں حتیٰ کہ اگر اس نے قبضہ نہ کیا اور اگر واقف نے کہا مجھے اختیار ہے اور اس سے رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو بھی وہ ایسا نہیں کرسکتا اگر اس نے قبضہ نہ دیا تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے قبضہ سے نکالے اور زندگی میں یہ لازم عاریت کے قبیل سے ہے اور وفات کے بعد یہ نفع والی وصیت میں سے ہے، اسی بناء پر واقف کے لئے اس میں رجوع جائز نہیں اور اگر اس نے رجوع کی شرط نہ لگائی ہو تو اسے قبضہ دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اسے اس کا اختیار ہے، اور مرض کی حالت میں وقف میں اسے رجوع کا حق ہے وصیت کی طرح۔

---

❶......قال الترمذی هذا حدیث حسن. ❷الدر المختار مع الرد: ۳/۳۹۲،۳۹۹، ۴۰۱. ❸المرجع والمکان السابق. ❹المرجع السابق: ص ۳۹۴. ❺فتح القدیر: ۵/۴۵ المهذب: ۱/۴۴۲، کشاف القناع: ۴/۲۷۸. ❻الشرح الکبیر: ۴/۷۵، الشرح الصغیر: ۴/۱۰۷.

چوتھی چیز: وقف کا رکن..... حنفیہ کے ہاں (۱) وقف کا رکن صیغہ ہے اور وہ الفاظ ہیں جو وقف پر دلالت کریں مثلاً میری یہ زمین غریبوں پر ہمیشہ کے لئے وقف ہے، اور اس طرح کے الفاظ اللہ کے لئے وقف ہے، یا بطور نیکی پر وقف ہے، وغیرہ کے الفاظ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، اور کبھی کبھار وقف ضرورت کے اعتبار سے بھی ثابت ہوتا ہے مثلاً یہ وصیت کرے کہ اس گھر کی آمدن ہمیشہ کے لئے مسکینوں کے لیے ہے یا فلاں کے لئے ہے اور اس کے بعد مساکین کے لئے ہمیشہ کے لئے لہٰذا گھر ضرورت کی بناء وقف ہوگا اس لئے کہ اس کا کلام ان الفاظ کے مشابہ ہے جب میں مرگیا تو یہ گھر وقف ہے۔

اور ان کے ہاں وقف کا رکن وہ واقف کی جانب سے ہونے والا ایجاب ہے جو انشاء وقف پر دلالت کرنے والا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ رکن کا معنی ہے وہ جزو کہ جس کے بغیر وہ چیز باقی نہ رہے۔ پس وقف اس بناء پر وصیت کی طرح ہے تصرف کے اعتبار سے اور ایک ہی ارادہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور وہ صرف وقف کا ارادہ کرنا ہے اور یہی ہے جسے واقف کے ایجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جمہور کے ہاں (۲) وقف کے چار ارکان ہیں: واقف، موقوف، موقوف علیہ، اور صیغہ اس اعتبار سے کہ رکن وہ چیز ہے جس کے بغیر چیز مکمل نہ ہو سکے چاہے اس کا جزو ہو یا نہ ہو، رہ گیا موقوف علیہ کی جانب سے قبول تو حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق وہ رکن نہیں۔ اور حنابلہ کے ہاں بھی جیسا کہ قاضی ابو یعلی نے ذکر فرمایا، اور نہ ہی وقف کی صحت کے لئے شرط ہے اور نہ ہی استحقاق کے لئے چاہے موقوف علیہ متعین ہو یا غیر متعین، اگر موقوف علیہ خاموش رہا تو بھی وہ وقف کے منافع کا مستحق ہے صرف بات اور قول ہی سے چیز وقف ہو جائے گی، کیونکہ یہ ملکیت کو زائل کرنا ہے جو بیع، ہبہ اور میراث سے روکتی ہے، اس میں قبول کی طلب نہیں جیسے عتق میں، لیکن اگر موقوف علیہ متعین ہو جیسے خالد اور محمد پر وقف اور یہ وقف کو رد کر دیں تو یہ وقف کے منافع میں سے کسی چیز کے بھی مستحق نہیں بلکہ یہ ان کی طرف منتقل ہو جائے گا جو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جن میں واقف نے متعین کیا ہے، لیکن اگر وہ نہ پائے جائیں تو شئی موقوف واقف یا اس کے ورثاء کی ملکیت میں لوٹ آئے گی، اگر ورثاء ہوں ورنہ حکومت کے خزانہ میں جمع ہوگی۔

لیکن ان کے رد کرنے سے وقف باطل نہیں ہوتا اور ان کا رد کرنا اور قبول کرنا اور قبول نہ کرنا سب برابر ہیں، اس لئے کہ وقف کا رکن واقف کی جانب سے ایجاب ہے جو پایا گیا مصری قانون مادہ ۹ نمبر ۴۸، سنہ ۱۹۴۶ء نے اسی رائے کو لیا ہے کہ قبول کو استحقاق کی شرط قرار نہیں دیا اور دفعہ ۷ امیں وقف کی اشیاء کا بیان ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں اگر اس نے کسی متعین شخص کے لئے وقف کیا ہو فقراء کے لئے تو اس کے حق میں قبول کرنا شرط ہے اگر اس نے قبول کرلیا تو منافع اس کا ہوگا لیکن اگر اس نے رد کر دیا تو پھر فقراء کا ہوگا جس نے ایک دفعہ قبول کرلیا اسے بعد میں رد کرنے کی اجازت نہیں اور جس نے اولاً رد کر دیا تو اسے بعد میں قبول کرنے کی گنجائش نہیں۔

مالکیہ، شوافع اور بعض حنابلہ کے ہاں قبول کو رکن شمار کیا گیا ہے جب کہ وقف کسی متعین پر ہو اور وہ قبول کرنے کا اہل بھی ہو، ورنہ اس کے ولی کا قبول شرط ہے جیسے ہبہ اور صدقہ میں، اور اس مصری قانون کے اس نویں دفعہ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ جب وقف اس طور پر ہو کہ اسے قانونی شکل دی جا سکتی ہے جیسے ازھر اور جامعہ ہو، ذرائع اور راستے روکنے کے لئے ہے اگر اس نے قبول نہ کیا تو پھر استحقاق اس کے ساتھ والے کی طرف ہوگا لیکن اگر بالکل پیانہ ہو تو پھر قانون سے ۹ نمبر میں وقف کے حکم کے ختم ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

دوسری فصل: وقف کی اقسام اور محل...... وقف اپنی ابتدائی شکل کے اعتبار سے دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک نیکی کی جہت اور ایک خاندانی اور اولاد کی جہت۔ (۳)

---

(۱)..... الدر المختار: ۳۹۳/۳، فتح القدیر: ۳۹/۵، ۴۔ (۲) ردالمحتار: ۳۹۵/۳، القوانین الفقهية: ص ۳۶۹، الشرح الصغير: ۱۰۱/۴، مغنی المحتاج ۳۷۶/۲، ۳۸۳، غاية المنتهى: ۲۹۹/۲، المغنى: ۵۴۷/۵، كشاف القناع: ۲۷۹/۴، الفروق ۱۱۱/۲۔ (۳) الوقف للشيخ عيسوى: ص ۲۱۔

وقف خیری...... وہ وقف ہے جسے شروع ہی سے نیکی کے کام کے لئے وقف کردے اگرچہ متعین مدت کے لئے ہو، اور پھر اس کے بعد کسی متعین شخص یا کسی اشخاص کے لئے وقف ہو جیسے اپنی زمین کو ہسپتال یا مدرسہ کے لئے وقف کرے پھر اس کے بعد اپنے اور اپنی اولاد پر وقف کرے۔

وقف اہل...... وہ ہے جسے سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے وقف کرے یا کئی اشخاص کے لئے وقف کرے پھر اگرچہ آخر میں اسے کسی چیز کی جہت پر صرف کرے مثلاً پہلے اپنے اور یا اپنی اولاد پر وقف کرے پھر ان کے بعد نیکی کے کام میں...... اور مصری قانون دفعہ (۱۸۰) سنہ ۱۹۵۲ء اور شامی قانون ۱۹۴۹ء میں اہلی وقف کی انتہاء اور لغو کرنے کی تصریح ہے اور نیکی والا وقف باقی رہے گا۔

محل وقف...... وہ قیمتی موجود مال ہے ❶ چاہے غیر منقولی ہو جیسے زمین اور مکان وغیرہ بالا جماع یا منقولی ہو جیسے کتابیں، کپڑے جانور، اسلحہ وغیرہ، اور امت کا اتفاق ہے کہ چٹائیاں اور لائٹ وغیرہ مساجد کے لئے وقف کرنا درست ہے بغیر نکیر کے، اور زیور کا وقف بھی درست ہے اور عاریت بھی، کیونکہ یہ عین ہے اس سے دائمی طور پر نفع اٹھایا جاسکتا ہے لہٰذا غیر منقول اشیاء کی طرح اس کا وقف بھی صحیح ہے۔ خلال نے اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ نے اپنا زیور بیس ہزار کا فروخت فرمایا اور اسے خطاب کی اولاد کے لئے وقف کردیا اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی جاتی تھی۔ حنفیہ نے منقولی وقف میں شرط رکھی ہے کہ وہ عقار کے تابع ہو یا اس میں عرفا مفاصل جاری ہو جیسے کتابوں کا وقف ہونا اور سامان جنازہ کا۔ اور مشاع کا وقف چاہے منقولی ہو یا غیر منقولی جائز اور درست ہے، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر کے سو حصے مشاع وقف فرمائے تھے۔ ❷ حنابلہ وغیرہ نے ایک ضابطہ بنایا ہے کہ کس چیز کا وقف جائز ہے اور کس چیز کا وقف جائز نہیں، ہر وہ چیز جس کی بیع جائز ہے اس کا وقف بھی جائز ہے اور اس سے عین باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھانا جائز ہے اور اصل باقی رہے، جیسے عقار، حیوان، اسلحہ، اثاثہ جات وغیرہ۔ اور اسی طرح وہ چیزیں جن سے تلف کئے بغیر نفع نہیں اٹھایا جاسکتا ہے جیسے دینار درہم اور جو چیزیں زیور نہیں جیسے کھانے پینے کی اشیاء موم بتی وغیرہ کا۔ اور بعض فقہاء کے ہاں ان کا وقف صحیح نہیں۔ کیونکہ وقف میں اصل کو روکنا ہوتا ہے۔ اور اس کے پھل اور ثمرہ کو وقف کہا جاتا ہے اور جس چیز سے بغیر تلف کیے فائدہ حاصل نہ ہوسکتا ہو اس کا وقف صحیح نہیں، کیونکہ اس سے دائمی طور پر نفع اٹھانا ممکن نہیں الا یہ کہ متقدمین حنفیہ دینار، درہم اور کیلی اور وزنی چیزوں کا وقت جائز قرار دیتے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ آج کل تعامل نہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہوتی۔ اور حمل کا وقف بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ فی الفور تملیک ہے لہٰذا اکیلے حمل میں درست نہیں جیسے اس کی بیع درست نہیں ابن جزی مالکی نے فرمایا: غیر منقولی اشیاء کا وقف درست اور جائز ہے جیسے زمینیں، گھر، دکانیں، باغات، مساجد، کنویں، ویل، مقبرے اور راستے وغیرہ۔ اور کھانے کا وقف جائز نہیں کیونکہ اس کی منفعت اسے ہلاک کرنے میں ہے، لیکن امام مالک اور ان کی اتباع میں شیخ خلیل نے طعام اور نقد کے وقف کی تصریح کی ہے کہ جائز ہے، اور یہی ان کا مذہب ہے اور اس کے بدل کو عین کے بقاء کی جگہ رکھا ہے۔

مال موقوف کی بعض اقسام میں فقہی آراء کا بیان۔

۱۔ غیر منقولہ جائیداد کا وقف...... جاگیر اور غیر منقول جائیداد کا وقت صحیح ہے چاہے زمین ہو یا گھر اور دکانیں، یا باغ وغیرہ بالاتفاق۔ ❸ اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے چیزوں کو وقف کیا ہے اور اسی کی مثل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

---

❶...... الدر المختار: ۳/۳۹۳، الشرح الصغير: ۴/۱۰۱، المهذب: ۱/۴۴۰، المغني: ۵/۵۸۲ (۲) رواه الشافعي۔

❷ الدر المختار: ۳/۴۰۸، فتح القدير: ۵/۴۸، اللباب: ۲/۱۸۲، الشرح الكبير: ۴/۷۶، القوانين الفقهية: ۳۶۹، مغني المحتاج: ۲/۳۷۷، المهذب: ۱/۴۴۰، المغني: ۵/۵۸۵۔

خیبر کی زمین کو وقف کرنا ہے نیز اس لئے بھی کہ عقار ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ لیکن حنفیہ نے بیان فرمایا ہے کہ وقف کی صحت کے لئے جائیداد کی تعیین وتحدید شرط نہیں اس لئے کہ شرط یہ ہے کہ وہ معلوم ہو، جب گھر معروف ومشہور سے اس کا وقف درست اور صحیح ہے، جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا اگر اس کی حد بندی نہ بھی کرے تو وہ تحدید سے مستغنی ہے شہرت کی وجہ سے۔ اور متاخرین حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے اوران کے قول سے استثناء کیا ہے کہ وقف کی جائیداد کے غصب کا ضمان یا اس کے منافع کو غصب کرنا یا اسے تلف کرنا، جیسے اس میں کوئی شخص بغیر اجازت کے رہائش اختیار کرے یا منتظم اسے رہائش دلائے بلا اجرت تو اس پر اجرت مثل ہوگی، اگر یہ وہ فائدہ اٹھانے کے لئے نہ تیار کی گئی ہو یہ وقف بچانے کے لئے جیسا کہ یتیم کے مال کے ضمان کا فتویٰ دیا ہے اور اصل جو فائدہ اور غلہ حاصل کرنے کے لئے رکھا گیا ہے، اور ہر وہ چیز جو وقف کے لئے نفع بخش ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

۲۔ منقولی اشیاء کا وقف...... جمہور کا اتفاق ہے (۱) سوائے حنفیہ کے منقول کے وقف کے جائز ہونے پر مطلقاً جیسے آلات مسجد مثلاً قندیلیں، لالٹیں، چٹائیاں اور اسلحہ، کپڑے اور سامان چاہے وہ وقف شدہ چیز بداھۃً مستقل ہو اور اس کے بارے میں نص موجود ہو یا اس کا عرف جاری ہو، یا وہ جائیداد وغیرہ کے تابع ہو کیونکہ ان کے ہاں ہمیشگی شرط نہیں وقف کے صحیح ہونے کے لئے چاہے مؤبد ہو یا مؤقت خیر کے کاموں کے لئے ہو یا اہل وعیال کے لئے درست اور صحیح ہے۔ مصری قانون میں اس رائے کو لیا گیا ہے اور انہوں نے غیر منقولہ جائیداد اور منقولہ سب کے وقف کی اجازت دی ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں (۲) غیر منقولہ جائیداد کے بغیر صرف منقولی اشیاء کے وقف کو جائز نہیں قرار دیا چاہے وہ عمارت ہو یا درخت الا یہ کہ غیر منقول جائیداد کے تابع ہو یا وہ جن کے بارے میں نص موجود ہو جیسے اسلحہ اور گھوڑے یا جس کے بارے میں عرف ہو جیسے کتابوں کا وقف، قرآن کریم کا وقف، کلہاڑی، کدال، پھاوڑہ، بسولہ، برتن اور جنازہ کے استعمال کی چیزیں اور کپڑے، دراہم ودینار (نقد رقم) کیلی اور وزنی چیزیں اور کشتی سامان سمیت کیونکہ ان سب میں لوگوں کا تعامل ہے اور تعامل یہ ہوتا کہ اکثر طور پر اس کا استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ''جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے''۔

نیز اس لئے بھی کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ نص سے ثابت کی طرح ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ عمارت کو وقف کرنا متعارف ہو چکا ہے برخلاف ان چیزوں کے جن میں تعامل نہیں جیسے کپڑے اور سامان، یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اسی پر فتویٰ ہے، کیلی اور وزنی چیزوں کو فروخت کیا جائے گا اور ان کی رقم مضاربت کے طور پر دی جائے گی جیسا کہ نقدی کے وقف میں کیا جاتا ہے، اور ان سے جو منافع حاصل ہوگا وہ وقف میں صرف ہوگا۔

لیکن ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا: (۳) دراہم کا وقف رومی شہروں میں متعارف ہے ہمارے شہروں میں نہیں اور کلہاڑی، پھاوڑہ اور بسولہ کا وقف متقدمین کے زمانہ میں متعارف تھا اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ظاہر یہی ہے کہ اب یہ درست نہیں اور اگر ہم تھوڑا بہت پائیں تو اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ تعامل یہ ہے کہ جس کا اکثر استعمال ہو۔ اور ان کے ہاں منقولی اشیاء کا وقف ناجائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہو اور منقول ہمیشہ نہیں رہتا۔

۳۔ مشترکہ چیز کا وقف...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں ایسی مشترک چیز کا وقف جائز ہے جس کی تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے گاڑی کا حصہ، کیونکہ وقف ہبہ کی طرح ہے، اور مشاع کا ہبہ جائز ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں مشاع ھبہ کا وقف جائز نہیں جس کی تقسیم نہ

(۱)...... المرجع السابق۔ (۲) الدر المختار: ۳/۴۰۹۔ (۳) ردالمحتار: ۳/۴۱۰۔

ہوسکتی ہو کیونکہ ان کے ہاں وقف صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، اور یہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے جو راجح ہے مذہب میں، رہ گیا وہ مشترک اور مشاع حصہ جو قابل تقسیم ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اور انہی کے قول پر فتویٰ بھی ہے کہ اس کا وقف جائز ہے کیونکہ تقسیم قبضہ کے اتمام کے لئے ہے۔

اور ان کے ہاں وقف کے مکمل ہونے کے لئے قبضہ شرط نہیں اسی طرح اس کے تتمہ کے لئے بھی، اور یہ موافق ہیں شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کے۔

امام محمد نے فرمایا اور اکثر مشائخ نے ان کی رائے کو لیا ہے کہ مشاع اور مشترک چیز کا وقف جائز نہیں اس لئے کہ قبضہ ان کے ہاں وقف کے تمام ہونے کے لئے شرط ہے اور مشاع چیز میں قبضہ صحیح نہیں۔ قاضی ابو عاصم نے فرمایا: ابو یوسف کا قول معنوی اعتبار سے اقوی ہے البتہ امام محمد کا قول آثار کی موافقت کے زیادہ قریب ہے۔ اور دونوں کی تصحیح کرنے والے بہت ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول میں لوگوں کے لئے ترغیب ہے اور متاخرین نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ حنفی قاضی اور مفتی کو اختیار ہے کہ وہ اس کے صحیح ہونے کا حکم لگائے یا باطل ہونے کا البتہ اکثر لوگ امام محمد کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور جس کے ساتھ بھی حکم دیا اس کا حکم صحیح اور نافذ ہے اور نہ اس کے لئے اجازت ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی قاضی کے لئے کہ وہ اس کے خلاف فیصلہ کریں اسی کی تصریح ہر ایک نے کی ہے اور بحر میں فرمایا اور مشاع کا وقت صحیح ہے جب اس کی صحت کا فیصلہ دیا جائے، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ میں قاضی کا فیصلہ ہے ❶ یہی معتمد ہے جس پر صاحب درمختار چلے ہیں اور وہ اس کے ساتھ ہیں کہ موقوف میں قبضہ کے بعد وقف مکمل ہوگا اس لئے کہ ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حالت کے اعتبار سے ہے۔

اور مسجد میں جدا کرنے سے، اور اس کے علاوہ چیزوں میں متولی اور منتظم مقرر کرنے اور اسے سپرد کرنے سے اور تقسیم ہونے والی مشاع چیز کا وقف جائز نہیں برخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے۔

اور حنفیہ کے علاوہ ❷ مالکیہ کے ہاں مشترک چیز کا وقف جائز ہے اگر اس کی تقسیم ہوسکتی ہو، اور جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی اس کا جائز نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مشاع کا وقف صحیح ہے اگرچہ تقسیم قبول نہ بھی کرے اور واقف کو اس پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ شریک کا ارادہ کرے اور واقف کو بیع پر مجبور کیا جائے گا اور اس کے ثمن وقف ہوں گے دلیل یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر کی زمین میں سے سو حصے وقف کئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اور یہ مشاع ہی تھے، کیونکہ اشارہ اصل کو روکنے کا تھا اور منفعت کو وقف کرنے کا اور اس میں مشاع، تقسیم شدہ کی طرح ہے۔

قانون کے دفعہ (۸) میں پہلی رائے کو لیا گیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ ایک عام اور مشترک حصہ کا وقف جائز نہیں جو تقسیم کے قابل نہ ہو (الا یہ کہ اس کا باقی حصہ بھی وقف ہو اور وقف کی جہت متحد ہو جائے، یا پھر حصص خاص ہوں وقف شدہ عین کی منفعت کے۔

۴۔ **حقوق ارتفاق کا وقف**...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❸ گھر کے اوپر والے حصہ اور منزل کو نیچے والے کے بغیر وقف کرنا اور نیچے والی منزل کو اوپر والی کے بغیر وقف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں عین ہیں ان کا وقف جائز ہے لہٰذا دونوں میں سے ایک کا وقف دوسرے کے بغیر بھی جائز ہے نیز اس لئے بھی کہ اوپر والی منزل یا نیچے والی کو فروخت کرنا جائز ہے نیز اس لئے بھی کہ یہ ایسا تصرف ہے جو ملک کو اس کے لئے زائل کر دیتا ہے جس کے لئے تصرف واستقرار کا حق ثابت ہے لہٰذا بیع کی طرح یہ جائز ہے، اور حنفیہ کے ہاں مالی حقوق کا وقف کرنا صحیح نہیں مثلاً حق تعلّی، اور باقی منافع حاصل کرنے کے حقوق، اس لئے کہ حق ان کے ہاں مال نہیں۔

---

❶ فتح القدير: ۴۵/۵، اللباب: ۱۸۱/۲، الدر المختار: ۳۹۹/۳، ۴۰۹۔ ❷ الشرح الكبير: ۷۶/۴ المهذب: ۴۴۱/۱، المغنى: ۵۷۶/۵ :مغنى المحتاج: ۳۷۷/۲، غاية المنتهىٰ: ۳۰۰/۲۔ ❸ المهذب: ۴۴۱/۱، المغنى: ۵۵۳/۵۔

۵۔ جاگیر کا وقف...... اقطاعات وہ زمین جو حکومت کی ملکیت میں ہیں، حکومت یہ بعض لوگوں کو الاٹ کرتی ہے تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں اور ان پر ٹیکس مقرر ہوتا ہے اور ان کی ملکیت حکومت کے پاس باقی رہتی ہے۔ جب کسی کو یہ زمین الاٹ کی گئی تو اس کا وقف صحیح نہیں کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں نہیں اور اسی طرح حکام، وزراء، امراء کے لئے بھی ان جاگیروں کو وقف کرنا جائز نہیں الاٹ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا اور وقف اپنی مملوکہ زمین کو کر رہا ہے۔ ❶ درمختار میں فرمایا کہ مصر کے حکمرانوں نے اکثر اوقاف وہ جاگیریں ہیں وہ انہیں سرکاری خزانہ کے وکیل سے صورۃ خریدتے ہیں۔ اور اگر سلطان اور بادشاہ بیت المال سے وقف کرے کسی عام مصلحت کی وجہ سے تو یہ جائز ہے اور اسے اجر ملے گا۔ اور بادشاہ کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ جو زمین جہاد میں قبضہ ہوگی اور مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوئی تو ان میں سے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کر دے، اس لئے کہ اگر تقسیم ہوگئی تو پھر وہ حقیقۃً ان کی ملک میں آ گئی اس لئے کہ فتح ہونے اور تقسیم کی وجہ سے وہ مجاہدین کی ملکیت بن گئیں، رہ گئی وہ زمین جو صلح کے ساتھ فتح ہوئی ہیں تو بادشاہ کا حکم ان کے وقف میں نافذ نہ ہوگا کیونکہ یہ اصلی مالکوں کی ملکیت میں باقی ہیں۔ ❷ شوافع کے ہاں بھی یہی حکم ہے ❸ کہ اگر حاکم بیت المال کی کسی چیز کو وقف کر دے تو یہ صحیح ہے۔

۶۔ قبضہ والی زمینوں کا وقف...... وہ زمینیں جو بعض لوگوں کی ملکیت ہیں لیکن وہ اس کو آباد کرنے سے قاصر ہیں تو حکومت انہیں اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے تا کہ اس کو آباد کرے اور اپنا ٹیکس وصول کرے، اس کا وقف صحیح نہیں کیونکہ ان کی ملکیت میں نہیں اور اس کے مالکوں کی ملکیت ان سے زائل نہیں ہوئی۔

۷۔ وقف ارصاد...... یہ کہ حکام میں سے کوئی حکومتی اراضی کو کسی عام مصلحت کے لئے وقف کر دے جیسے مدرسہ یا ہسپتال کے لئے اور یہ ولایت عامہ کی رو سے جائز ہے لیکن اس کو ارصاد کہتے ہیں حقیقتاً وقف نہیں کیا جاتا۔

۸۔ گروی رکھی گئی چیز کا وقف...... حنفیہ کے ہاں ❹ راہن کے لئے صحیح ہے کہ وہ شئی مرہون کو وقف کرے، کیونکہ وہ اس کا مالک ہے، لیکن مرتہن کا حق، مرہون کے ساتھ متعلق رہے گا اگر راہن نے دین ادا کر دیا تو شئی مرہون و گروی رکھی گئی چیز مرتہن کے حق سے پاک اور خاص ہو جائے گی ورنہ مرتہن کو حق حاصل ہوگا کہ وہ وقف کو باطل قرار دے اور مرہون کو فروخت کر دے اسی بناء پر قاضی راہن پر زبردستی کرے گا کہ وہ اگر مالدار ہے تو ادائیگی کرے لیکن اگر تنگ دست ہے تو وقف کو باطل کرے اور شئی مرہونہ کو فروخت کرے دین کو ادا کروائے، اسی طرح اگر مر گیا اگر اس کے پاس اتنا کچھ ہے کہ دین ادا ہو سکتا ہے تو وہ چیز وقف ہی رہے گی ورنہ اسے فروخت کیا جائے گا اور وقف باطل ہو جائے گا حنفیہ کے سواء جمہور کے ہاں ❺ مرہون کو وقف کرنا صحیح نہیں۔

۹۔ کرایہ پر دی گئی چیز کو وقف...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ❻ مستاجر مالک نہیں شے مستاجرہ کی منفعت کے وقف کرنے کا کیونکہ ان کے ہاں ہمیشہ کے لئے وقف شرط ہے اور اجاب وقتی ہوتا ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا، شوافع کا بھی یہی مذہب ہے۔ ❼ منفعت کا مالک نہ کہ ذات کا مالک جیسے مستاجر، اور وہ شخص جسے منفعت کی وصیت کی گئی ہے ان کا وقف صحیح نہیں، لیکن اگر مستاجر عمارت یا درختوں کو جو اس نے کرائے کی زمین پر لگائے ہیں وقف کرے تو اصح یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور وقف کے دائم ہونے کے لئے مدت

---

❶...... الدر المختار: ۳/ ۴۳۰۔ ❷ المرجع السابق۔ ❸ مغنی المحتاج: ۲/ ۳۷۷۔ ❹ الدر، المرجع السابق، ص ۴۳۲، ومابعدھا۔
❺ کشاف القناع: ۴/ ۲۷۱، الشرح الکبیر: ۴/ ۷۷۔ ❻ الدر المختار: ۳/ ۴۰۰، ۴۳۷، کشاف القناع: ۴/ ۲۷۱۔ ❼ المحلی علی المنھاج مع حاشیۃ قلیوبی وعمرہ: ۳/ ۹۹، مغنی المحتاج: ۲/ ۳۷۷۔

اجارہ میں ملکیت کا باقی رہنا کافی ہے مستعیر اور منفعت کا موصی لہ حکم میں مستاجر کی طرح ہیں اور ان کے ہاں مؤجر (کرایا پر دینے والے) کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی زمین کو وقف کرے، اور مالکیہ کے ہاں ❶ مستاجر کے لئے جائز ہے کہ وہ مدت اجارہ میں حاصل ہونے والی منفعت کو وقف کردے کیونکہ ان کے ہاں وقف میں ہمیشگی شرط نہیں بلکہ متعین مدت کے لئے بھی صحیح ہے اور مستاجر کے لئے کرایہ پر دی گئی چیز کا وقف صحیح نہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ نے موجر کے لئے عین موجر کو وقف کی اجازت دی ہے کیونکہ وہ جس کا مالک ہے اسے وقف کررہا ہے، اور مستاجر کے لئے نفع اٹھانے کا مدت اجارہ کے ختم تک حق باقی ہے یا وہ رضامند ہو جائیں مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے ہی فسخ اجارہ پر۔

خلاصہ یہ کہ...... جمہور کے ہاں موجر کے لئے شے مواجرہ کو وقف کرنا صحیح ہے اور مالکیہ کے ہاں صحیح نہیں اور مالکیہ کے ہاں مستاجر کے لے اس منفعت کو وقف کرنا صحیح ہے اور جمہور کے ہاں صحیح نہیں۔

تیسری فصل: وقف کا حکم اور واقف کی ملکیت کب ختم ہوگی؟...... وقف کا حکم یعنی واقف کی جانب سے ہونے والے وقف کا اثر، اور اس سے ہونے والے اثر میں فقہاء کا اختلاف ہے کئی رائے ہیں۔ ❷ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وقف کا اثر یہ ہے کہ منافع کا تبرع ہے جو لازم نہیں، اور شے موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہی ہوتی ہے اور اس سے اس میں تصرف کرنا جائز ہے جب چاہے جب اس نے تصرف کردیا تو یہ اس کا وقف سے رجوع معتبر ہوگا۔ اور جب واقف مرگیا تو اس کے ورثاء وارث ہوں گے، اور اس کے لئے جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنے وقف میں رجوع کرے جیسا کہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے مصارف اور شرائط میں جیسے چاہے تبدیلی کرے میں خصوصی طور پر مذاہب کے بیان کے بعد وقف مسجد سے رجوع وغیرہ کو اس رائے کے مطابق بیان کردوں گا۔

اور صاحبین کے ہاں انہیں کی رائے پر فتویٰ بھی ہے جب وقف صحیح ہوگیا تو وہ واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا۔ جب وقف صحیح ہوگیا تو اس کی بیع بھی جائز نہیں نہ اس کی تملیک اور نہ ہی تقسیم، الا یہ کہ وقف مشترک چیز کا ہو تو امام ابویوسف کے ہاں شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ تقسیم طلب کرے، اور اس کا مقاسمہ درست ہے اس لئے کہ تقسیم تمیز اور جدائی کے لئے ہوتی ہے اور کیلی اور وزنی چیزوں کے علاوہ میں وقف کا معنی افراز، جدائی میں غالب ہے اور کیلی وزنی چیزوں میں مبادلہ کا معنی، وقف کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے مفتی بہ یہی صاحبینؒ کا قول ہے کہ مشاع چیز کی تقسیم جائز ہے جب کہ وہ واقف اور اس کے شریک مالک کے درمیان ہو یا کسی دوسرے ناظر کے درمیان۔

مالکیہ کے ہاں...... وقف شدہ چیز واقف کی ملکیت میں ہوتی ہے اور منفعت البتہ موقوف علیہ کے لئے لازم ہوتی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرح ہیں۔ اور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اصل کو روک لو اور پھل کو وقف کردو۔ اور شوافع کے ہاں ظاہر یہ ہے کہ وقف شدہ چیز کی ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے یعنی آدمی کے اختصاص سے نکل جاتی ہے، نہ ہی واقف کی ملکیت میں رہتی ہے اور نہ موقوف علیہ کی ملکیت میں، اور اس کے منافع موقوف علیہ کی ملکیت میں ہوتے ہیں وہ انہیں خود بھی وصول کرسکتا ہے اور کسی دوسرے کو عاریت کے طور پر بھی دے سکتا ہے اور اجارہ پر بھی، اور وہ اجرت کا مالک ہوگا اور اس کے فوائد، وہ پھل، اور دودھ وغیرہ میں اور اسی طرح بچہ بھی یہ صاحبین کی طرح ہیں۔

---

❶......الشرح الصغیر: ۹۸/۴، الشرح الکبیر ۷۷/۔ ❷الدر المختار: ۳۹۹/۳، البدائع: ۲۲۰/۶ اللباب: ۱۸۰/۲، ۱۸۴، فتح القدیر: ۴۵/۵، ۵۲، الشرح الصغیر: ۹۷/۴، القوانین الفقھیۃ: ص ۱۲۰: الفروق: ۱۱۱/۲، المھذب ۴۴۳/۱ مغنی المحتاج: ۳۸۹/۲، المغنی: ۵۴۶/۵، غایۃ المنتھی: ۳۰۶/۲۔

حنابلہ کے ہاں...... صحیح مذہب یہ ہے کہ جب وقف صحیح ہو گیا تو واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اس کی منفعت اور قبضہ کے تصرف کو زائل کرنے والا سبب ہے، یہ آزادی کی طرح ملکیت کو زائل کرنے والا ہے رہ گئی حدیث ”حبس الأصل وسبل الثمرة“ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس طرح محبوس ہے کہ نہ فروخت ہوتی ہے نہ ھبہ اور نہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ اور ان کے ہاں ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اگر مسجد، مدرسہ، جہاد، پل، فقراء اور مجاہدین کے لئے وقف ہو اور اگر کسی متعین آدمی مثلاً زید، عمرو کے لئے ہو تو موقوف علیہ کی ملکیت میں آجاتی ہے یا سب کے لئے ہوتی ہے جیسے اولاد اور زید کی اولاد کے لئے کیونکہ وقف ایسا سبب ہے جو رقبہ میں تصرف کو زائل کرتا ہے لہٰذا اس کی ملکیت ھبہ کی طرح منتقل ہوتی ہے۔

واقف کی ملکیت کب زائل ہو گی؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں چار اسباب میں سے کسی ایک سبب سے وقف شدہ چیز سے ملکیت ختم ہوتی ہے۔

۱...... مسجد کے لئے علیحدہ کرنے سے۔

۲...... قاضی کے فیصلہ سے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ لہٰذا اس میں فیصلہ کرنا اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

۳...... اگر موت سے معلق کیا تو موت ہے مثلاً جب میں مرگیا تو میرا گھر فلاں پر وقف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت کی طرح لازم ہے ثلث سے موت کی وجہ سے نہ کہ اس سے پہلے۔

۴...... یا واقف کا یہ کہنا میں نے اسے اپنی زندگی میں بھی اور اپنی موت کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا یہ ائمہ حنفیہ ثلاثہ کے ہاں جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب تک وہ زندہ ہے تو اس کا غلہ صدقہ ہو گا نذر کی وجہ سے، اور اس پر اسے پورا کرنا لازم ہے۔ اور رجوع کرنا بھی جائز ہے۔ اگر اس نے رجوع نہ کیا اور مرگیا تو ثلث مال میں وقف اور نافذ ہو گا۔

پہلی دو صورتوں میں ملکیت زائل ہو جائے گی اور واقف کی زندگی ہی میں وقف لازم ہو گا اس کی موت پر موقوف نہیں۔ اور آخری دو صورتوں میں واقف کی موت سے وقف لازم ہو گا اور اس کی ملکیت زائل ہو گی لیکن زندگی میں واقف کو وقف سے رجوع کا اختیار حاصل ہے۔ چاہے امیر ہو یا غریب چاہئے قاضی کے فیصلہ سے ہو۔ اور امام محمد کے قول کے مطابق کہ وقف لازم ہے لہٰذا جب تک قبضہ نہ ہو اور علیحدہ نہ ہو تو وقف تمام اور مکمل نہ ہو گا۔

کیونکہ یہ صدقہ کی طرح ہے، نیز ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی شان کے مطابق ہے تو مساجد میں علیحدہ کرنے سے اور باقی چیزوں میں متولی اور منتظم مقرر کرنے سے، اور امام محمد کے ہاں ایسے مشاع اور مشترک کا وقف جائز نہیں جو تقسیم ہو سکتا ہو، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہے، کما تقدم، کیونکہ ان کے ہاں سپرد کرنا شرط نہیں کیونکہ ان کے ہاں وقف آزاد کرنے کی طرح ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ وقف کے صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، ھبہ کی طرح، اگر واقف مرگیا یا مرض الموت میں مبتلا ہو گیا یا قبضہ دینے سے پہلے ہی مفلس ہو گیا تو وقف باطل ہے۔

شوافع کے ہاں...... ❷ وقف ایسا عقد ہے جو فی الحال ملک کے منتقل ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ان کے ہاں اگر وقف کسی متعین پر ہو تو اس میں ایجاب کے ساتھ متصل قبول ہونا شرط ہے اگر وہ قبول کا اہل ہو ورنہ اس کے ولی کا قبول ہے ہبہ اور وصیت میں، رہ گیا عام جہت سے وقف جیسے فقراء پر یا مسجد وغیرہ پر تو اس میں یقینی طور پر قبول شرط نہیں کیونکہ متعذر رہے۔

---

❶......القوانين الفقهية: ص ٣٧٠۔ ❷مغنی المحتاج: ٢/٣٨٣، ٣٨٥۔

حنابلہ کے ہاں بھی...... ❶ شوافع کی طرح حکم ہے کہ صرف تلفظ ہی سے ملکیت زائل ہو جائے گی اور وقف لازم ہو جائے گا کیونکہ اس سے وقف حاصل ہو جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے، نیز اس لئے بھی کہ یہ تبرع ہے ھبہ، بیع اور میراث کی طرح لہٰذا صرف تلفظ ہی سے لازم ہوگا عتق کی طرح اور حنابلہ کے ہاں وقف کو دوسرے سے تقسیم کرنا صحیح ہے اس اعتبار سے کہ تقسیم افراز ہے اس تفصیل کے مطابق کہ تقسیم جائز ہے اگر اس میں رد نہ ہو اور اسی طرح اگر واقف کی جانب سے رد ہو تب بھی اس لئے کہ رد کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو خریدنا وقف کے علاوہ سے، لیکن اگر اس میں رد ہو واقفین کے علاوہ کی جانب سے تو جائز نہیں کیونکہ یہ بعض وقف کا خریدنا ہے اور اس کی بیع جائز نہیں اگر مشاع وقف ہو تو سابقہ تقسیم کی تطبیق دو طرح سے ہوگی اگر اس کے اہل تقسیم چاہتے ہوں تو جائز نہیں اگرچہ اس میں رد کسی بھی طرح کا ہو۔ اور جب وقف کی تقسیم جائز ہو اور شریکین میں سے کوئی ایک اسے طلب کرے یا ولی وقف تو دوسرے پر جبر کیا جائے گا اس لئے کہ ہر وہ تقسیم جو بغیر نقصان کے ہو تو وہ واجب ہے۔

قانون کا موقف...... ❷ مسجد اور مسجد کے علاوہ دوسرے وقف میں رجوع کے سلسلہ میں قانون کا مؤقف۔ مسجد کے وقف میں رجوع کے سلسلہ میں مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۴۶ء دفعہ ۱۱ میں یہ تصریح ہے کہ مسجد کے وقف میں نہ ہی تو رجوع جائز ہے اور نہ ہی تبدیلی اور نہ ہی جس پر وقف کیا گیا ہو۔ اور مسجد پر وقف سے مراد کہ ابتداءً جس پر وقف کیا گیا ہو نہ کہ جس پر انتہاءً وقف ہو کہ شروع میں ایک جہت پر وقف ہو پھر اس کے بعد مسجد پر ہو۔ اور قانون نے اس میں رجوع کے عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کا متفقہ حکم لیا ہے اور امام ابوحنیفہ بھی صاحبین کے ساتھ اس سلسلہ میں متفق ہیں کہ مسجد کے وقف میں رجوع جائز نہیں اور واقف کا تصرف لازم شمار ہوگا لہٰذا واقف اور اس کے ورثہ کے لئے اس میں رجوع اور تبدیلی جائز نہیں اس لئے کہ مسجد کا وقف جب مکمل ہوا تو وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گیا نیز مساجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہونا رجوع جائز نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ رہ گیا مسجد کے علاوہ وقف میں رجوع تو قانون میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو لیا گیا ہے واقف کی زندگی میں اور واقف کی وفات کے بعد صاحبین اور باقی ائمہ کے مذہب کو لیا گیا ہے۔

واقف کی زندگی میں...... مصری قانون دفعہ ۱۱ میں یہ تصریح ہے کہ واقف کو اجازت ہے کہ وہ اپنے سارے وقف میں یا کچھ وقف میں رجوع کر لے جیسا کہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے مصارف اور شرائط میں تبدیلی کرے اگر اس نے اپنے نفس کو اس کے لئے حرام کر لیا کہ اس کی تبدیلی نافذ نہ ہوگی الا یہ کہ اس قانون کی حدود میں، یہ دفعہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وقف میں تبدیلی اور اس سے رجوع جائز ہے اور یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور کسی کا نہیں۔

وفات کے بعد...... اس سے قانون خاموش ہے اور جس سے قانون ساکت ہو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے راجح مذہب کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں راجح صاحبین کا مذہب ہے وہ یہ کہ وقف لازم تبرع ہے اس میں رجوع جائز نہیں۔ اور اوقاف سے رجوع عمل کرنے سے پہلے اس قانون میں دفع ۱۱ میں تصریح ہے کہ اس قانون پر عمل کرنے سے پہلے وقف میں رجوع اور تبدیلی جائز نہیں اور اس کا استحقاق غیر کو دیا گیا ہے۔ جب کہ اس نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے اس استحقاق کو حرام قرار دیا ہو، اور اس کی نسبت سے دس شرطیں ہیں یا یہ ثابت ہو جائے کہ یہ استحقاق کسی مال کے عوض میں تھا، یا واقف کی طرف سے ثابت شدہ حقوق کا ضمان ہو۔

اور اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس استحقاق سے محروم رکھنے کی حالت میں اس میں واقف کے عمل کا اعتبار ہوگا قطعی قرینہ کے طور پر

---

❶ ..... المغنی: ۵/۵۴۶، ۵۸۷۔ ❷ راجع الوقف للأستاذ عیسوی: ص ۱۷ وما بعدھا۔

کہ اس کا یہ تصرف رجوع سے مانع ہے اور اس صورت میں تحقیق واثبات کی ضرورت نہیں۔اور مالی عوض کی صورت مین استحقاق کی حالت میں مثلاً مدیون دائن اور اس کی اولاد پر وقف کرے اور خود واقف اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس سے محروم رکھے تو یہ وقف عوض مقابلہ میں کہلائے گا، اور اگر استحقاق واقف کی جانب سے ثابت حقوق کے ضمان کا ہو مثلاً کسی شخص کا اپنے کسی قریبی کو زمین صورتاً فروخت کرنا پھر اس زمین کو اسی قریبی پر وقف کردے تو اس سے رجوع پر لوگوں کو نقصان ہوگا اور حقوق والوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور اثبات تمام قانونی دلائل سے ثابت ہے اور ان میں قرائن بھی داخل ہیں۔

دس شرطیں...... دفعہ نمبر ۱۲ مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۴۶ء میں وضاحت ہے کہ واقف کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے لئے اپنے وقف میں دس شرطیں لگالے اور ان کا قرار بھی شرط ہے اور انہیں صحیح شمار کیا جائے گا اور اس کی تصریح یہ ہے۔کہ واقف کے لئے شرط ہے کہ وہ اپنے لئے دس شرطیں لگائے یا ان میں سے جو چاہے،اور ان کا تکرار بھی کرسکتا ہے اس طور پر کہ وہ اس قانون کی حدود میں نافذ ہوگا اور واقف کا دوسرے کے لئے شرائط لگانا وہ باطل ہیں اس مادہ پر عمل کرتے ہوئے اور یہ دس شرطیں استعمالی اعتبار سے نئی ہیں اور کلام فقہاء میں نہیں پائی جاتیں لیکن اس معنی میں یہ استعمال ہیں ان لوگوں کے لئے جو کتابوں کے واقف ہیں اور بعض متاخرین کے فتاویٰ میں محکم نعتوں میں حتیٰ کہ اس کا مدلول محدود اور منضبط ہوگیا اور اصطلاحی چیز بن گیا۔اور اس اصطلاح کی یہ دس شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں: عطاء کرنا محروم کرنا، داخل کرنا، خارج کرنا، زیادہ کرنا کم کرنا، تبدیل کرنا، تغیر کرنا استبدال بدل وتبادل وغیرہ۔ (۱)

اعطاء...... کا معنی ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے وقف میں داخل کرلے جیسے استثنائی مصرف، اور اس سے لازم آئے گا اصل مصرف غلہ وغیرہ سے اس مدت میں محروم ہونا، جیسے اس نے وقف میں داخل کیا ہے اس کی وجہ سے۔

ادخال...... اس کا معنی یہ ہے کہ غیر موقوف علیہ کو داخل کرنا اور اسے وقف کا اہل بنانا تاکہ وہ داخل کرنے کے وقت سے یا اس کے بعد اس کا مستحق ہو یہ شرط استثنائی مصرف کے ساتھ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

اخراج...... موقوف علیہ کو غیر اہل کے لئے ہمیشہ کے لئے یا اس متعین مدت کے لئے کہ اس کے بعد وہ اس کا اہل ہو اور اس کا مفہوم محروم کرنے کے مفہوم سے علیحدہ ہے اور کبھی دونوں مفہوم جمع ہوجاتے ہیں ہمیشہ کے لئے نکالنا حرمان ہے اور ہمیشہ کے لئے حرمان اخراج ہے۔

زیادہ...... بعض موقوف علیہم کو بعض سے زیادہ دینا اور اس کے حصہ کو ہمیشہ کے لئے دوسروں سے زیادہ رکھنا۔

نقصان...... کہ تقسیم کے وقت بعض موقوف علیہم کو دوسرے بعض سے کم دینا کہ وہاں پر متعین حصص نہ ہوں۔

تغییر...... یہ شرط سابقہ شروط سے اہم ہے اور ان سب کو شامل ہے اور اس کا بعد میں ذکر اجمال کے بعد تفصیل کے مشابہ ہے، اگر انہیں نہ ہی ذکر کیا جائے تو یہ ایک کافی ہے اس شرط کی ملکیت کے لئے جس کے لئے کل شرطیں ہیں جو سابقہ چھ شرطیں اکٹھی فائدہ دیتی ہیں، اور جب تغییر کے بعد تبدیل لائے تو متاخرین نے اسے تاکید معنوی شمار کیا ہے، الا یہ کہ کسی دوسرے معنی کی طرف پھیرے جو مذکور نہیں جیسے استبدلال کہ اس کی طرف پھیرا جاسکتا ہے کیونکہ تاسیس، تاکید سے بہتر ہے۔

---

(۱)......قانون الوقف بلاستاذ الشيخ فرج السنهوري :ص ٢٠٨، ٢١٣، ٢١٧۔

استبدال..... فقہاء نے استبدال کا لفظ مطلق ذکر کیا ہے اور اس سے ان کی مراد شئی موقوف کو فروخت کرنا ہے چاہے وہ غیر منقولہ جائیداد ہو یا منقولہ ہو اور عین کو مال کے سبب میں خریدنا تاکہ شئی موقوفہ عین کی جگہ آجائے جسے فروخت کیا گیا، اگر ایک عین کا دوسرے عین سے منقولہ لیکن مولفین کے ہاں ایک اور عرف ہوگیا ہے بعد کے زمانہ سے انہوں نے استبدال کا اطلاق اس عین پر کیا ہے جو مال کے بدلے خریدی گئی ہوتا کہ وقف ہو سکے، اور بیع موقوف کو نقد کے بدلے فروخت کرنا، یا مقایظہ کے طور پر تبادلہ کرنا۔

چوتھی فصل: وقف کی شرائط..... وقف کے صحیح ہونے کے لئے واقف، موقوف، موقوف علیہ اور صیغہ وقف کے لئے شرائط ہیں۔

پہلی بحث: واقف کی شرائط..... وقف کے صحیح ہونے اور نافذ ہونے کے لئے واقف کے درج ذیل شرائط ہیں۔ (1) اور وہ تبرع کا اہل ہونا ہے جیسے باقی تبرعات، ھبہ صدقہ وغیرہ میں اس لئے کہ وقف تبرع ہے اور اس شرط کی تشریح و تحلیل چار شرائط میں ہو سکتی ہے۔

۱۔ **واقف آزاد اور مالک ہو**..... پس غلام کا وقف صحیح نہیں کیونکہ اس کی ملکیت، ہی نہیں، اور غیر کے مال کو وقف کرنا صحیح نہیں اور غاصب کا مغصوب کو وقف کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ وقف کے وقت واقف کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقوف کا مکمل طور پر مالک ہو۔
یا کسی فاسد سبب سے خریدی گئی چیز کا وقف، یا فاسد ھبہ کا وقف حنفیہ کے ہاں، نیز واقف پر تصرفات کے اعتبار سے پابندی نہ ہو اسی طرح وہ وقف جس کا کوئی مستحق نکل آیا ملکیت یا شفعہ کے اعتبار سے وہ ختم ہو جائے گا اگرچہ اسے اس نے مسجد بنایا ہو، اور مریض کا وقف کہ دین نے اس کے مال کا احاطہ کیا ہوا ہو، اسی طرح جس پر پابندی ہو بے وقوفی یا دین کی وجہ سے اس کا وقف، اگر فضولی کے وقف کو مالک نے جائز قرار دیا تو بھی جائز ہے۔

۲۔ **عاقل ہونا**..... مجنون کا وقف صحیح نہیں، کیونکہ وہ عقل سے کورا ہے۔ اور نہ ہی معتوہ کا وقف کیونکہ وہ ناقص العقل ہے، اور نہ ہی کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے مختل العقل کا وقف، کیونکہ اس کی عقل سلامت نہیں، اس لئے کہ ہر تصرف میں عقل اور تمیز کا ہونا مطلوب ہے۔

۳۔ **بالغ ہونا**..... بچے کا وقف صحیح نہیں چاہے سمجھدار ہو یا ناسمجھ، اس لئے کہ بالغ ہونا کمال عقل کے لئے ہے اور تبرع کے لئے۔ اور بلوغ کی پہچان جب کہ فقہی نظریات کی بحث میں گذرا، یا تو طبعی علامات کے ظاہر ہونے سے ہوگی جیسے احتلام اور ماہواری، یا پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنا اکثر کے ہاں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں سترہ سال کی عمر کو پہنچنا اور قانون میں تبرع کے صحیح ہونے کے لئے بلوغ کا سن رشد کو پہنچنا شرط ہے مصری قانون میں ۲۱ سال مکمل اور شامی قانون میں ۱۸ سال۔

۴۔ **سمجھدار ہونا**..... اس پر بے وقوفی، مفلسی، غفلت کی وجہ سے حجر اور پابندی نہ ہو جیسے مالی تصرفات میں لہٰذا بے وقوف، مفلس اور مغفل کا وقف صحیح نہیں جمہور کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں مفلس مقروض کا وقف اگر قرض خواہوں کی اجازت سے ہو تو صحیح ہے۔ اور پابندی کا نہ ہونا ان کے ہاں نفاذ کی شرط ہے نہ کہ صحت کی۔

مقروض کے وقف میں حنفیہ کی رائے..... حنفیہ نے مقروض کے وقف میں درج ذیل تفصیل فرمائی ہے۔

الف..... جب دین اس کے مال کا احاطہ کئے ہوئے نہ ہو اور دین سے جو زیادہ ہے اسے اس نے وقف کیا تو اس کا وقف صحیح اور نافذ ہے کیونکہ یہاں قرض خواہوں کے حق کے ساتھ تصادم نہیں۔

---

(1)..... البدائع: ۲۱۹/۶، الدر المختار: ۳/ ۳۹۴، القوانين الفقهية: ۳۶۹، مغني المحتاج: ۳/ ۳۷۶، كشاف القناع: ۴/ ۲۷۹ الشرح الكبير: ۴/ ۷۷، الشرح الصغير: ۴/ ۱۰۱، ۱۱۸، غاية المنتهى: ۲/ ۳۰۰.

ب...... جب دین نے اس کے مال کا احاطہ کیا ہوا ہو تو اس کے وقف کا نفاذ قرض خواہوں کی اجازت پر موقوف رہے گا چاہے اس پر پابندی ہو یا پابندی نہ ہو چاہے مرض الموت کی حالت میں ہو یا صحت کی حالت میں اور اس حالت اخیرہ میں متاخرین حنفیہ کی رائے کے مطابق قرض خواہوں کی مصلحت کی خاطر ہے اگر انہوں نے اجازت دے دی تو وقف نافذ ہوگا اگر اجازت نہ دی تو باطل ہوگا لیکن مرض الموت کی حالت میں اجازت موت کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، اس لئے کہ مرض کا مرض الموت ہونا موت کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ موافق ہے مصری شہری قانون کے (م ۲۳۸ / ۲) اور شامی قانون (م ۲۳۹ / ۲) کہ مقروض کا تصرف اگر تبرع ہو تو دائن کے حق میں وہ نافذ نہ ہوگا۔

مرض الموت والے مریض کا وقف...... ہمارے سامنے واضح ہو گیا مریض پر پابندی کی بحث میں کہ تمام مذاہب متفق ہیں کہ مریض پر پابندی لگائی جائے اس کے تبرعات میں ثلث سے زیادہ ترکہ میں جب کہ اس پر کوئی قرض نہ ہو لہٰذا اس کے تبرعات درست نہیں یعنی وقف، صدقہ، ھبہ، وصیت، وغیرہ جو ثلث سے زیادہ میں ہو ترکہ میں ورثاء کے حق کی رعایت رکھتے ہوئے البتہ ثلث اور اس سے کم میں اس کے تبرعات جائز ہیں اور انہیں میں وقف بھی ہے۔ اور اس کی مصلحت کی رعایت بھی ہے کہ اس کے لئے اجر و ثواب محقق ہوتا ہے۔

دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میری عیادت کی کہ مجھے سخت تکلیف تھی تو میں نے عرض کی کہ مجھے تکلیف ہے اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنا دو ثلث مال صدقہ کر دوں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

میں نے کہا آدھا صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر فرمایا ثلث صدقہ کرو۔ اور ثلث بھی بڑا یا زیادہ ہے اور آپ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جائیں یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر چھوڑ کر جائیں اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اس موضوع کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء تفصیلاً عنقریب بیان ہوں گی۔

مرتد کا وقف...... حنفیہ کے ہاں ❶ یہاں دو حالتیں ہیں۔

پہلی حالت...... اگر مرتد ارتداد کی حالت میں وقف کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اس کا وقف موقوف ہے اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کا وقف صحیح ہے ورنہ اگر وہ مر گیا یا وہ ارتداد کی حالت میں قتل کیا گیا یا اس کے دارالحرب میں جانے کا حکم دے دیا گیا تو اس کا وقف باطل ہے۔

دوسری حالت...... اگر پہلے وقف کیا پھر مرتد ہوا (العیاذ باللہ) تو اس کا وقف باطل ہے حتیٰ کہ اگر وہ دوبارہ اسلام میں لوٹ آیا تو جب تک وقف کی تجدید نہ کرے درست نہیں کیونکہ ارتداد کی وجہ سے اس کا عمل ضائع ہو گیا، اس تفصیل سے ان کی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مرتد کے اوقاف باطل ہیں۔

اور ان کے ہاں مرتدہ عورت کا وقف صحیح ہے کیونکہ اسے قتل نہیں کیا جاتا الا یہ کہ حج وعمرہ ہو تو پھر جائز نہیں۔

کافر کا وقف...... شوافع نے کافر کے وقف کی اجازت دی اگرچہ مسجد ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ اور اسے دنیا میں صدقات کا بدلہ

---

❶...... ردالمحتار علی الدر المختار: ۳/۳۹۴ وما بعدھا، ۴۳۴۔

دیا جائے گا لیکن آخرت کے ثواب میں اس کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ساتھ نیکیوں میں ظلم نہیں فرماتے، اسے دنیا میں بھی عطا کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اسے بدلہ عطا فرمائیں گے: رہ گیا کافر تو اسے اس کی نیکیوں کے بدلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں جائے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی ہے ہی نہیں جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔

مکرہ کا وقف......شوافع، مالکیہ اور حنابلہ نے واقف کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ مختار ہو۔ مکرہ کا وقف صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی عبارت درست نہیں۔

اندھے کا وقف......آنکھیں اور بینائی شرط نہیں لہٰذا اندھے کا وقف صحیح ہے۔

ان دیکھی چیز کا وقف......یہ شرط نہیں کہ واقف کو موقوف شدہ چیز معلوم ہو لہٰذا جس کو دیکھا نہیں اس کا وقف بھی صحیح ہے جیسا کہ شوافع نے وضاحت کی۔ ❶

واقف کی شرائط نص شارع کی طرح......فقہاء کا اس عبارت۔ ''واقف کی شرائط نص شارع کی طرح ہیں'' پر اتفاق ہے اس کے وارثوں میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ❷ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے ❸ یعنی سمجھنے، دلالت اور اس پر عمل کے واجب ہونے کے اعتبار سے اور کبھی اس کا مفہوم میں اعتبار ہوتا ہے یعنی اس کا مفہوم مختلف مراد نہیں ہوتا جیسا کہ نص شارع میں، اس پر عمل کرتے ہوئے جو ان کے ہاں ضابطہ ہے مفہوم مخالف جسے دلیل خطاب بھی کہا جاتا ہے، نصوص میں معتبر نہیں اور اس کی پانچ اقسام ہیں، مفہوم صفت مفہوم شرط، مفہوم غالب، مفہوم عدد، مفہوم لقب یعنی اسم جامد جیسے کپڑا، اور نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہ ہونے کا مطالبہ یہ کہ اس کا کہنا ''عالم آدمی کو دو، زید کو دو اگر وہ تم سے مانگے یا اسے راضی ہونے تک دو، یا اسے دس دو، یا اسے کپڑا دو، تو یہ باتیں منطوق کے خلاف حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتا بایں معنی کہ جاہل آدمی کو دینے اور عطاء کرنے سے منع نہیں، بلکہ اس کے بارے میں مسکوت عنہ ہے اور عدم اصلی پر باقی ہے حتیٰ کہ کوئی دلیل اسے دینے پر دلالت کرے یا منع کرنے پر اسی طرح باقی مفہوم ہیں۔ لیکن کتابوں کی روایات میں مفہوم مخالف معتبر ہے اسے یہ ان الفاظ سے ''تصنیف کا مفہوم حجت ہے'' تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ فقہاء حکم ذکر کر کے منطوق کی مفہوم مخالف کی نفی کا ارادہ کرتے ہیں عام طور پر، مثلاً ان کا یہ کہنا جمعہ ہر مذکر آزاد، بالغ عاقل اور مقیم پر فرض ہے ان صفات سے ان کا مقصد اس کے مخالف سے وجوب کی نفی ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ فقیہ عورت غلام، بچے وغیرہ سے نفی پر استدلال کرتا ہے۔

حنفیہ کے اصول والوں کی رائے کے مطابق وقف میں مفہوم مخالف معتبر نہیں، یعنی واقف کی شرط مخالف کی نفی پر دلالت نہیں کرتی، لیکن متاخرین حنفیہ کے ہاں نصوص شرعیہ کے علاوہ میں مفہوم مخالف معتبر ہے، لوگوں کے مفہوم اور عرف پر عمل کرتے ہوئے، لہٰذا وقف کے کلام میں ہی مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عرف پر بات کرتا ہے، اسی بناء پر جیسے مفہوم تصنیف حجت ہے، تو

---

❶......مغنی المحتاج: ۲/۲۷۶۔ ❷الدر مع الرد: ۳/۴۲۶۔ ❸صرح الحنفیة فی الفتاویٰ الخیریة بان الاعتبار فی الشروط لما هو الواقع، لا کما کتب فی مکتوب الوقف فلو اقیمت بینةٌ عالم یوجدفی کتب الوقف، عمل بها بلاریب، لان المکتوب خط حجر دولد عبرة به، محزوجه عن الحجج الشرعیة.

لوگوں کے عرف معاملات اور عقلیات میں مفہوم مخالف معتبر ہے اور تحقیق یہ ہے کہ واقف کے الفاظ، اور موصی کے الفاظ، حلف اٹھانے والے کے الفاظ، نذر ماننے والے کے الفاظ اور ہر عاقد کے الفاظ انہیں اس کے خطاب میں اس کی عادت پر محمول کیا جائے گا اور جس لغت میں وہ بات کر رہا ہے اس پر چاہے وہ لغت عربی اور لغت شرع کے موافق ہو یا نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے اصولیوں کے ہاں وقف میں مفہوم مخالف معتبر نہیں لیکن متاخرین حنفیہ کے ہاں واقف کے کلام کو زمانے کے عرف پر محمول کیا جائے گا اگر اس نے کہا میں نے اپنی مذکر اولاد پر وقف کیا تو منطوق کے حکم کے مطابق اس کی صرف مذکر اولاد ہی پر وہ صرف ہوگا اور مؤنث اولاد کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا کیونکہ انہیں دینے پر کوئی دلیل نہیں الا کہ اس کے کلام میں کوئی دلیل انہیں دینے پر دلالت کرے تو وہ انہیں ابتداء دینے کو ثابت کرنے والی ہوگی نہ کہ بحکم معارضہ، اور اسی سے ظاہر ہے کہ متاخرین کے ہاں نصوص شرعیہ کے علاوہ میں مفہوم مخالف معتبر ہوگا جو کہ لوگوں کے مفاہیم ہیں اور ان کے عرف اور معاملات وعقلیات میں ہیں۔ حنفیہ نے اس قاعدے پر قاعدہ مرتب کیا کہ ہر وہ چیز جو واقف کی شرط کے مخالف ہو وہ نص کے مخالف ہے اور ان کے مطابق فیصلہ، بلا دلیل فیصلہ ہے۔ چاہے واقف کا کلام نص ہو یا ظاہر، اس لئے کہ اس کی اتباع واجب ہے۔ مشائخ کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے۔

اور موقوف اجارہ میں واقف کی شرط کی رعایت رکھی جائے گی، جب واقف نے یہ شرط رکھی کہ موقوف کو ایک سال سے زیادہ اجرت پر نہ رکھا جائے، اور لوگوں کو اس کے اجارہ میں رغبت نہیں اور سال سے زیادہ اجارہ فقراء کے لئے نفع بخش ہے تو ناظر اور نگران کے لئے سال سے زیادہ اجارہ کرنا جائز نہیں بلکہ وہ معاملہ قاضی کے پاس لے جائے کہ وہ اسے اجرت پر دے اس لئے کہ اسے فقراء، غائب، اور میت کے سلسلے میں نظری ولایت حاصل ہے، اگر واقف نے کوئی مدت مقرر نہ کی یا جسے نگران اور منتظم صحیح سمجھے یا جو فقراء کے لئے نفع بخش ہو اس حوالے سے نگران کو ذمہ داری تفویض کر دے تو پھر قاضی کی اجازت کے بغیر بھی نگران کو یہ کام کرنے کی اجازت ہے۔

اگر واقف نے موقوف کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کی شرط رکھی یا وقف سے کسی دوسرے عاملہ کی طرف نکالنے کی یا اسے ہبہ کرنے اور اس کی قیمت صدقہ کرنے کی شرط رکھی یا یہ کہ وہ جس کو چاہئے ھبہ کرے یا جب وہ چاہے اسے رہن رکھے اور وقف سے نکال لے ہاں ان تمام صورتوں میں وقف باطل ہے، اور اگر واقف نے کوئی شرط فاسد رکھی تو وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل، اور شرط فاسد یہ ہے کہ جو عقد وقف کے منافی ہو یا وہ شرط شرعاً جائز نہ ہو، یا اس شرط میں کوئی فائدہ نہ ہو جیسے مسجد کے وقف میں یہ شرط رکھنا کہ جب چاہے گا اس میں رجوع کرے گا یا فساد پھیلانے والوں پر وقف کرنا یا فساد کے کاموں میں وقف کرنا، یا یہ شرط رکھنا کہ وقف کے منافع ان لوگوں پر خرچ کئے جائیں جو اس کی قبر کے پاس قرأت کریں گے یا اس کے گھر یا کسی مسجد میں۔ یا واقف کا شرط رکھنا کہ اس کے وقف کے منافع اس کی اولاد پر خرچ کئے جائیں خاص کر نان نفقہ، کپڑے اور روٹی پکانے اور اسے طالب علموں کے سامنے پیش کرنے میں۔

وہ سات مسائل جن میں واقف کی شرائط کی مخالفت جائز ہے...... حنفیہ نے سات مسائل ذکر کئے ہیں جن میں واقف کی شرط کی مخالفت جائز ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

پہلا مسئلہ...... اگر واقف نے موقوف کو کسی دوسری چیز سے تبدیل نہ کرنے کی شرط رکھی۔

دوسرا مسئلہ...... جب یہ شرط رکھے کہ قاضی اس منتظم اور نگران کو معزول نہیں کرے گا حالانکہ اسے نا اہل کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔

تیسرا مسئلہ..... یہ شرط رکھے کہ اس کے وقف کو ایک سال سے زیادہ اجرت پر نہ دیا جائے، اور لوگ ایک سال کے اجارہ پر راغب نہ ہوں یا زیادہ مدت میں فقراء کا نفع ہو تو اس میں قاضی کو مخالفت کا حق ہے ناظر و نگران کو نہیں۔

چوتھا مسئلہ..... اگر شرط رکھی کہ اس کی قبر پر تلاوت کی جائے، تو اس کی یہ تعیین باطل ہے کیونکہ قبر پر قرأت و تلاوت مکروہ ہے لہٰذا اس کا خلاف کرنا مختار اور پسندیدہ ہے۔

پانچواں مسئلہ..... یہ شرط رکھے کہ اضافی غلہ کو فلاں مسجد میں مانگنے والوں پر صدقہ کیا جائے، اور نگران اسے کسی دوسری مسجد والوں پر یا مسجد سے باہر یا جو نہ مانگے اسے بھی دے سکتا ہے۔

چھٹا مسئلہ..... اگر اس نے ہر دن مستحقین کے لئے روٹی اور گوشت کو شرط رکھا، تو نگران نقد رقم بھی دے سکتا ہے اور راجح یہ ہے کہ انہیں اختیار ہے۔

ساتواں مسئلہ..... قاضی معلوم عالم کو زیادہ وظیفہ بھی دے سکتا ہے جب کہ وہ مقرر وظیفہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور وہ عالم متقی اور پرہیزگار بھی ہو۔

مالکیہ کے ہاں..... ❶ واقف کی شرائط کا وجوبی طور پر اتباع کیا جائے گا اگر جائز ہوں اور اگر یہ مکروہ ہی ہوں اور شرعاً ممنوع نہ ہوں ہاں اگر شرائط جائز نہیں تو اتباع بھی جائز نہیں۔ اگر اس نے غلہ کو مذاہب اربعہ کے اہل کو دینے کی تخصیص کی یا کسی مدرسہ میں تدریس کرنے والوں کے لئے، یا مسجد کے امام کے لئے، یا نگران کو خاص کرے تو اس کی شرط کی اتباع لی جائے گی کیونکہ یہ شرط جائز ہے۔

شوافع..... ❷ نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے، کہ واقف کی شرط بھی باقی تمام شرائط کی طرح جو کسی مصلحت کو متضمن ہوں، اگر اس نے یہ شرط رکھی کہ موقوف کو بالکل کرایا پر نہ دیا جائے یا ایک سال سے زیادہ نہ دیا جائے تو یہ وقف صحیح ہے، اور ضرورت کی حالت مستثنیٰ ہے۔

جیسے وہ یہ شرط لگائے کہ گھر کو ایک سال سے زیادہ اجارہ پر نہ دیا جائے، پھر وہ گر جائے اور اس کی تعمیر دو سال کے اجارہ کے بغیر نہ ہو سکتی ہو تو اس کا اجارہ درست ہے نئے عقد کے ساتھ، اگر واقف نے شرط لگائی کہ نئے سرے سے عقد نہ ہو، کیونکہ اس کا اس سے روکنا اس کے معطل ہونے کی طرف سے جاتا ہے اور یہ وقف کی مصلحت کے مخالفت ہے۔

اور اگر مسجد کے وقف میں کسی خاص مذہب کے لئے شرط لگائے مثلاً شوافع کے لئے تو وہ خاص ہوگی جیسے مدرسہ کے لئے، جہاد کے لئے، جب کہ ان کے وقت میں کسی خاص گروہ کے لئے خاص کرے تو یقینی طور پر ان کے لئے اس کا اختصاص ہوگا، اسی طرح اگر قبرستان کو کسی خاص گروہ کے لئے وقف کرے تو اکثر کے ہاں وہ ان کے ساتھ خاص ہوگا۔

اور غلہ میں واقف کی شرط کے موافق تصرف کیا جائے گا مثلاً برابری، اضافہ، تقدیم، وتاخیر جمع وترتیب، اور جس کو چاہے داخل کرے، جس کو چاہے خارج کرے اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وقف کیا اور اس کی شرائط لکھیں، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ مانگنے والوں محروم مہمانوں قریبی، رشتہ داروں، مسافروں، جہادیوں وغیرہ کے لئے صدقہ ہے۔

اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تاکہ وہ مجھے جنت میں داخل کرے اور آگ کو میرے چہرہ سے دور رکھے اور مجھے آگ سے بچائے اللہ کے راستے میں، اور ذی رحم محرم، قریبی اور ہر ست لوگوں کے لئے ہے نہ اسے فروخت کیا جائے اور نہ اس میں میراث

---

❶ الشرح الصغیر ۴/۱۱۹، القوانین الفقہیۃ: ص ۳۷۱۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲/۳۸۵، المہذب: ۱/۴۴۳۔

جاری ہوگی، اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے غریبوں کے لئے لکھا۔

حنابلہ کے ہاں...... (1) بھی اسی طرح حکم ہے کہ وجوبی طور پر واقف کی شرط پر عمل ہوگا اگرچہ شرط مباح ہو اور مکروہ نہ ہو، اور وقف کو اجارہ پر نہ دینے میں شرط پر عمل کیا جائے گا۔

مدت کی مقدار میں جب اس نے یہ شرط رکھی کہ ایک سال سے زیادہ اجارہ پر نہ دیا جائے تو اس پر زیادتی جائز نہیں، البتہ ضرورت کے وقت اس کے حساب سے اضافہ ہوگا جیسے شوافع نے کہا، اور شئی موقوف کے منافع کی تقسیم میں واقف کی شرط کے مطابق حکم ہوگا، یعنی استحقاق کی تقدیر میں، مثلاً مونث کے لئے ایک حصہ اور مذکر کے لئے دو حصے یا اس کا عکس۔

اور اسی طرح اس کی شرط کی طرف رجوع ہوگا تقدیم وتاخیر میں جمع اور ترتیب میں برابری اور کمی زیادتی میں مثلاً میں نے زید، عمر اور بکر پر وقف کیا تو ابتداء کی جائے گی پہلے دینے میں زید سے۔ یا اس نے اپنی اولاد اور ان کی اولاد پر وقف کیا اور استحقاق ایک ہی حالت میں رکھا یا اس نے ان کی اولاد اور پھر ان کی اولاد پر وقف کیا اور استحقاق کو ایک دوسرے پر مرتب کیا یا اس نے مستحقین میں برابری کی مثلاً مذکر اور مؤنث برابر ہیں یا اس نے ان کے درمیان کمی زیادتی کی مثلاً مذکر کو مونث کا دوگنا وغیرہ۔

اگر واقف کی شرط معلوم نہ ہو، تو اس کے اسلوب پر عمل ہوگا کہ جن کی زیادہ امید ہے ان کو پہلے دیا جائے اگر یہ متعذر ہو مثلاً تعمیر یا اصلاح کے لئے وقف ہو تو بقدر ضرورت صرف ہوگا، اور اگر کسی قوم پر وقف ہو تو دائمی معمول کے مطابق خرچ ہوگا ورنہ عرف کے حساب سے مقرر مقدار کے حساب سے اس لئے کہ شرط اکثر عرف کے اعتبار سے واقع ہوتی ہے اگر عرف بھی نہ ہو تو پھر برابری سے صرف ہوگا۔

اور اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ وہ اہل وقف میں سے کسی خاص صفت والے کو نکالے گا مثلاً مالدار فاسق وغیرہ کو یا کسی خاص صفت والے افراد کو داخل کرے گا مثلاً فقیر کو یا اہل صلاحیت کو یا دونوں چیزیں اکٹھی کرے گا مثلاً داخل بھی اور خارج بھی تو اس شرط پر عمل کیا جائے گا گویا اس نے استحقاق کو صفت کے ساتھ معلق کیا ہے۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر واقف نے یہ شرط لگائی کے وہ جب چاہے گا موقوف کو فروخت کردے گا یا ہبہ کردے گا یا اس میں رجوع کرے گا تو نہ ہی یہ شرط صحیح ہے اور نہ ہی وقف کیونکہ؟ شرط وقف کے مقتضیٰ کے منافی ہے۔

اور اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ اہل وقف میں سے جس کو چاہے گا خارج کردے گا یا جس کو چاہے گا داخل کردے گا تو وقف صحیح نہیں، کیونکہ یہ شرط وقف کے مقتضیٰ کے منافی ہے لہٰذا اسے فاسد کردے گی جیسا کہ یہ شرط لگائی کہ موقوف علیہ وقف سے فائدہ حاصل نہ کرے۔

اگر اس نے قبرستان، رباط، مدرسہ، یا امامت وخطابت اہل شہر کے لئے خاص کی یا کسی خاص مذاہب والے مثلاً حنابلہ کے لئے یا کسی خاص قبیلہ والوں کے لئے تو یہ خاص ہوں گے شرط پر عمل کرتے ہوئے جیسا کہ شوافع نے کہا، ہاں اگر اہل بدعت (،) کے لیے خاص کیا تو پھر خاص نہ ہوگا یا یہ شرط رکھی کہ اس سے نفع نہ اٹھایا جائے یا نیکی کرنے والے اس کے مستحق نہیں تو بھی یہ درست نہیں۔ رہ گیا مالداروں اور بادشاہوں کا وقف تو اس میں ان کی شرائط کی اتباع نہ کی جائے گی سوائے اس کے کہ اس میں کوئی مصلحت ہو مسکینوں اساتذہ یا طلبہ کے لئے۔

خلاصہ یہ کہ تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ واقف کی شرط پر عمل واجب ہے جیسے نص شارع پر۔ اور بعض فقہاء کے ہاں واقف کی نصوص، شارع کی نصوص کی طرح ہیں فہم اور دلالت میں نہ کے عمل کے واجب ہونے میں، اور یہ ثابت شدہ بات کے منافی ہے کہ واقف، موصی، حالف، ناذر اور ہر عاقد کا قول معمول کے مطابق اس کے خطاب پر محمول ہوگا۔

---

(1)...... كشاف القناع: ۲۸۶/۴۔۲۹۰، غاية المنتهى: ۳۰۸/۲۔۳۱۰، المغني: ۵۵۲/۵۔

دوسری بحث: موقوف کی شرطیں......اس شرط پر فقہاء متفق ہیں کہ شے موقوف (وقف شدہ چیز) قیمتی مال ہو معلوم ہو اور اس میں واقف کی مکمل اور تمام ملکیت ہو اور اس میں کسی کو کوئی خیار نہ ہو۔

اور موقوف کی شرائط ہر مذہب کے مطابق علیحدہ بیان کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ مختلف قسم کی ہیں۔ حنفیہ کے ہاں ❶ موقوف میں چار شرطیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱: **شے موقوف قیمتی مال ہو اور عقد ہو**......اس چیز کا وقف صحیح نہیں جو مال نہ ہو جیسے منافع صرف عین کے علاوہ، اور حقوق مالیہ مجردہ جیسے حقوق ارتفاق، کیونکہ ان کے ہاں حق مال نہیں۔ اور اس طرح اس خیر کا وقف بھی صحیح نہیں جو شرعاً مال متقوم نہ ہو جیسے نشہ آور اشیاء گمراہیوں کی کتابیں، اور ملحدوں کی کتابیں، کیونکہ ان سے نفع اٹھانا مباح اور جائز نہیں، وقف کا مقصد حاصل نہیں ہوتا یعنی موقوف علیہ کا نفع خاص کرنا اور واقف کو ثواب ہونا۔

اور منقول کا وقف مقصودی اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ وقف کے جائز ہونے کے لئے ہمیشگی شرط ہے اور منقولی اشیاء کا وقف ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ البتہ منقولی اشیاء کا وقف کسی دوسرے کے تابع ہو کر درست ہے۔ جیسے زمین کے تابع کر کے حقوق ارتفاق مثلاً پانی، پانی گذارنے کے راستہ اور دوسرے راستوں کا وقف، اور اسی طرح جن چیزوں کے وقف میں معمول ہو ان کا وقف بھی استحساناً جائز ہے جیسے کتابوں کو وقف کرنا، جنازہ کے سامان کو، دیگچی وغیرہ کو پانی گرم کرنے کے لئے وقف کرنا، اور قبریں کھودنے کے لئے پھاوڑا کدال وغیرہ کا وقف کیونکہ لوگوں کا اس میں تعامل ہے، اور جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں گھوڑوں اور اسلحہ کا وقف جہاد کے لیے جائز نہیں کیونکہ یہ منقولی اشیاء ہیں، اور اس کی عادت بھی نہیں، جب کہ صاحبین کے ہاں ان چیزوں کا وقف جائز ہے اور ان کے ہاں اس چیز کی فروخت بھی جائز ہے اس میں سے جو پوری ہو جائے اور اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا۔

اسے فروخت کرے اس کے ثمن جمع کرائے جائیں گے سابقہ حدیث کی وجہ سے ”کہ خالد نے تو گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کئے۔“

۲......**شئی موقوف معلوم ہو**، یا تو اس کی مقدار متعین کرنے سے جیسے ایک ہزار مربع میٹر زمین کا وقف، یا سنت کے اعتبار سے متعین کرنے سے جیسے فلاں طرف سے نصف زمین، لہٰذا مجہول اور نامعلوم چیز کا وقف صحیح نہیں کیونکہ جہالت نزاع کی طرف لے جاتی ہے۔

ان کے ہاں عقار کی حد بندی شرط نہیں البتہ قانونی اعتبار سے مصر میں اس کی حد بندی شرط قرار دی گئی ہے کہ اس کا طول وعرض معلوم ہو۔

۳......**وقف کے وقت شئی موقوف واقف کی مکمل ملکیت میں ہو**، اور اس میں خیار نہ ہو۔ کیونکہ وقف ملکیت کو ساقط کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا واجب ہے کہ شئی موقوف مملوک ہو، پس جس نے کوئی چیز خریدی اور اس میں بائع کو تین دن کا اختیار ہو پھر مشتری اسے خیار کی مدت میں وقف کر دے تو وقف صحیح نہیں کیونکہ وہ ایسی چیز کو وقف کر رہا ہے جو مکمل طور پر اس کی ملکیت میں نہیں کیونکہ یہ بیع لازم نہیں۔

۴......**شے موقوف جدا کی گئی ہو**، وہ کسی اور کے ساتھ مشترک نہ ہو جب کہ وہ تقسیم کے قابل ہو اس لئے یہ شئی موقوف کا سپرد کرنا امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں وقف کے جائز ہونے کے لئے شرط ہے، اور مشترک ہونا قبضہ اور سپرد کرنے کے لئے مانع ہے۔

---

❶......البدائع: ٦/ ٢٢٠، الدر المختار وردالمحتار ٣/ ٣٩٢، ٣٩٥.

امام ابو یوسف، شوافع اور حنابلہ نے یہ شرط نہیں لگائی، انہوں نے مشاع ومشترک کے وقف کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ سپرد کرنا بالکل شرط ہی نہیں دلیل یہ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو حصے خیر میں وقف کئے۔

مصری قانون نمبر (۴۸ سن ۱۹۴۶ء) میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے کو لیا گیا ہے، کہ مشاع اور مشترک جو تقسیم کے قابل ہو اس کا وقف جائز ہے کسی نیکی کے کام کے لئے جیسے ہسپتال، مدرسہ، اس لئے کہ اگر اس مین جھگڑا ہوا تو اس کا فیصلہ ممکن ہے تقسیم کر کے۔

اور اس قانون میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی رائے کو لیا گیا ہے اس مسئلہ میں کہ ایک مشترک حصہ کا وقف بغیر جدا کئے مسجد، یا قبرستان کے لئے کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا مشترک ہونا اس کے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے سے روکتا ہے اور اسے نفع کی جہت سے تبدیلی کا نشانہ بناتا ہے۔ اور اسے دکانیں، بازاری زمین وغیرہ بنادیا جاتا ہے جب کہ یہ معلوم شرعات ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

اور اسی طرح دفعہ (۸) میں مالکیہ کی رائے ❶ کو لیا ہے کہ جو حصہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا اس مشترک سے وقف جائز نہیں، کیونکہ موقوف کا غیر کے ساتھ مشترک ہونا ان کے نفع وغلہ میں حائل ہوتا ہے اور کبھی جھگڑوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ البتہ قانون نے تین حالتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور ان میں نا قابل تقسیم حصہ کے وقف کو جائز قرار دیا ہے۔

پہلی حالت......اس کا باقی حصہ بھی وقف ہو، اور اس موقوف کی جہت متحد ہو جائے۔

دوسری حالت......یہ کہ مشاع حصہ جز وہو کسی شے کی منفعت کے حصول کے لئے موقوف کا جیسے راہٹ وقف کی زمینوں کے لئے۔

تیسری حالت......مشترک حصہ یا سہم مالی شرکت میں ہو اس شرط کے ساتھ کہ نفع اور غلہ حاصل کرنے کے طریقے شرعاً جائز ہوں مثلاً پیشے، زراعت، تجارت وغیرہ لیکن اگر شرعی طور پر حرام ہو، جیسے سودی کھاتے تو ان کا وقف صحیح نہیں حرام ہے ❷

اور مالکیہ نے ❸ موقوف میں یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اس طرح مملوک ہو کہ اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہ ہو اور اگر تقسیم کے قابل نہیں تو پھر جدا ہو، اور مملوک کسی چیز اور نفع پر مشتمل ہو جیسے حیوان شامل ہوتا ہے، پس درست ہے کہ کسی مستحق پر وقف کیا جائے تا کہ وہ اس سے اپنی خدمت کے، سواری کرے یا اس پر بوجھ لادے اور یہ طعام، دراہم اور دیناروں کو بھی شامل ہے اور ان کے بدل کو عین کے قائم مقام رکھا جائے گا، لیکن راجح یہی ہے کہ طعام اور نقدی کا وقف جائز ہے۔

شے مرہون کا وقف صحیح نہیں اور اجارہ والی چیز کا اس حال میں کہ اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو۔ مثلاً واقف مذکورہ چیزوں کو فی الحال وقف کرنے کا ارادہ کرے باوجود یہ کہ وہ رہن ہو، یا اجرت پر ہو، کیونکہ ان کے وقف میں مرتہن کے حق کو باطل کرنا ہے لیکن اگر مذکورہ اشیا کو اس طرح وقف کیا کہ رہن اور اجارہ سے چھوٹنے کے بعد کی نیت کی تو وقف صحیح ہے کیونکہ ان کے ہاں وقف میں تنجیز شرط نہیں۔

شوافع اور حنابلہ نے ❹ یہ شرط رکھی ہے کہ موقوف متعین اور معلوم ہو نہ کے ایسی چیز ہو جو ذمہ میں ہوتی ہے اور ایسی مملوک ہو کہ بیع وغیرہ کے لئے ذریعہ اس کا منتقل کرنا ممکن ہو، اور اس سے عرفاً نفع اٹھانا ممکن ہو جیسے اجارہ اگر چہ اس میں سے مشترک حصہ ہو اور اس کا نفع دائمی ہو مباح اور مقصود ہو۔

لہٰذا خالص منفعت کا وقف درست نہیں عین کے بغیر جیسے مستاجر اجرت پر دی گئی عین کی منفعت، یا موصی لہ چیز کی منفعت، اور ذمہ میں موجود چیز کا وقف۔ جیسے ذمہ میں موجود گھر کو وقف کیا یا کپڑے کو، اور نہ ہی دو گھروں میں سے ایک گھر کا وقف، اور نہ ہی جس کا مالک

---

❶......الشرح الصغير: ۱۰۷/۴، ۱۰۹، ۱۲۶. ❷الوقف عيسوى ص ۳۱. ❸الشرح الكبير: ۷۷/۴. ❹مغنى المحتاج: ۳۷۷/۲، المغنى: ۵۸۳/۵۔۵۸۷، كشاف القناع: ۲۶۹/۴۔۲۷۲، غاية المنتهى: ۳۰۰/۳.

نہیں اس کا وقف الا یہ کہ حاکم بیت المال کی زمین میں سے کوئی چیز وقف کرے تو وہ صحیح ہے۔اسی طرح اس چیز کا وقف جو منتقل ہونا قبول نہیں کرتی، یا بیع قبول نہیں کرتی جیسے ام ولد، اور حمل، لہٰذا کیلئے ان کا وقف صحیح نہیں اگر چہ ان کا عتق درست ہے۔اور آزاد کا وقف صحیح نہیں کیونکہ وہ ملکیت میں نہیں۔

اور اس چیز کا وقف صحیح نہیں جس میں کوئی فائدہ نہیں یا جس کی کوئی منفعت نہیں جیسے کتے کا وقف، خنزیر اور درندوں کا وقف، ان پرندوں کا وقف جو شکار نہیں کر سکتے اور فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ دودھ اور پھل وغیرہ۔البتہ مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

جیسا کہ شوافع نے ذکر کیا، کہ بھینسے (نر) کا وقف کرنا جفتی کے لئے جائز ہے لیکن اس کو اجرت پر دینا جائز نہیں۔

اسی طرح اس چیز کا وقف بھی جائز نہیں جس کا نفع دائمی نہ ہو، جیسے طعام، پانی کے علاوہ مشروبات، شمع، ریحان وغیرہ، کیونکہ کھانے اور طعام کی منفعت اسے ہلاک کرنے میں ہے۔

اور موم بتی نفع حاصل کرنے سے تلف ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ ماکولات اور مشروبات کی طرح ہے۔

نیز اس لئے بھی کہ موم بتیاں اور پھول وغیرہ بہت جلد تلف ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ کھانے کے مشابہ ہیں اور اس چیز کا وقف بھی صحیح نہیں جس کا وقف مباح نہیں جیسے لہو لعب اور گانا بجانے کے آلات، کیونکہ ان سے حاصل ہونے والی منفعت مباح نہیں، اور نہ ہی دراہم و دنانیر (نقدی) کا وقف تزئین و آرائش کے لئے کیونکہ منصوص کے مطابق ان کا وقف صحیح نہیں، کیونکہ انتفاع مقصود نہیں، رہ گیا پانی تو اس کا وقف صحیح ہے۔اور تیل کا وقف مسجد کے لئے صحیح ہے کہ اس کو جلایا جائے، کیونکہ مسجد کو روشن رکھنا مندوب ہے۔

موقوف کی منفعت کو وصول کرنا، یا تو منفعت حاصل کرے جیسے گھر میں رہائش اور سواری پر سوار ہونا، اور زمین کی کھیتی یا عین حاصل کرے جیسے درخت کا پھل اور جانور کی اون، بال، دودھ اور انڈے۔

اور موقوف کا غیر منقولی اشیاء ہونا بھی درست ہے جیسے زمین، درخت وغیرہ، یا منقول ہونا جیسے جانور مثلاً گھوڑے مجاہدین کے لئے وقف کرنا، یا سامان مثلاً مسجد میں بچھانے کے لئے چٹائیاں وغیرہ یا اسلحہ مثلاً تلوار، نیزہ، وغیرہ مجاہدین کے لئے وقف کرنا، یا قرآن کریم اور علمی دینی کتابیں وغیرہ۔❶

زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا وقف......تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے خیبر کی زمین سے ایک سو سہم وقف فرمائے تھے، اور جانور تو وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث کی وجہ سے کہ ”جس نے ایمان کی حالت میں اور ثواب حاصل کرنے کے لئے گھوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا تو اس کا کھانا، لید اور پیشاب قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے میں ہوگا۔اور رہ گیا سامان اور اسلحہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”خالد نے اپنی ذرعہ وقف کی اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ جہاد میں تیار کیا۔❷ اور اس کے علاوہ مذکورہ اشیاء اسی پر قیاس کی گئی ہیں، کیونکہ ان میں نفع ہے مباح اور مقصود لہٰذا ان کا وقف بھی اسلحہ کی طرح جائز ہے۔

اور میں محل وقف میں بیان کر چکا ہوں کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مشاع اور مشترک کا وقف مطلقاً درست اور صحیح ہے۔اور مالکیہ کے ہاں جو قابل تقسیم ہے اس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ انہوں نے خیبر سے سو حصے وقف کئے اور اگر مسجد کے لئے وقف کیا تو وقف کا تلفظ کرتے ہی فوراً اس کے لئے مسجد کا حکم ثابت ہو جائے گا اس سے جنبی نشیوں اور جس پر نجاست ہوا سے روکا جائے گا اور مشاع اور مشترک کے وقف میں تقسیم متعین ہو جائے گی مسجد کے لئے، کیونکہ اس سے نفع اٹھانے کا طریقہ متعین ہے اور زیور کا وقف

---

❶......رواہ البخاری۔❷متفق علیہ، ولفظ البخاری واعتدہ قال الخطابی، الاعتاد مایعدہ الرجل من مرکوب وسلاح وآلة الجهاد.

بھی پہننے کے لئے صحیح ہے اور عاریت پر دینا بھی، نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا زیور خطاب کی اولاد کے لئے وقف کیا۔

گھر وغیرہ کا وقف صحیح ہے اگر چہ اس کی حدود متعین نہ بھی کرے جب کہ وہ واقف کے مملوک ہو اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق شکاری معلم کتے کا وقف شکار کے لئے صحیح نہیں نا قابل تعلیم کا کیونکہ وہ اس کا مملوک نہیں۔

اور حنابلہ کے ہاں درندوں کا وقف صحیح ہے اور زخمی کرنے والے پرندوں کا بھی جو شکار کر سکتے ہوں کیونکہ ان سے نفع حاصل کرنا ضرورت کی صلح ہے۔

تیسری بحث: موقوف علیہ کی شرائط......موقوف علیہ یا تو متعین مثلاً فقراء علماء، قراء مجاہدین، مساجد، کعبہ، جہاد، مدارس، سرحدیں اور مردوں کی تکفین۔

متعین وقف کی شرائط......متعین پر وقف کی شرط ہے بالاتفاق کہ وہ مالک بننے کا اہل ہو اور فقہاء کا اختلاف ہے معدوم مجہول اور اپنے اوپر وقف کرنے میں۔

حنفیہ کے ہاں...... (1) معلوم اور معدوم، مسلمان اور ذمی اور مجوسی پر وقف صحیح ہے صحیح قول کے مطابق، کیونکہ مجوس بھی ذمی ہیں البتہ کسی مسلمان کا یا ذمی کا کنیسہ وغیرہ کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں یا کسی حربی کے لئے وقف کرنا مسلمان کے وقف کا بیعہ اور کنیسہ کے لئے صحیح نہ ہونا کیونکہ یہ وقف ثواب اور قربت حاصل کرنے کے لئے نہیں اور ذمی کے لئے اس لئے کہ ذمی کے ہاں بھی اور ہمارے ہاں بھی یہ قربت اور ثواب کا کام نہیں اور حربی کے لئے اس لئے کہ ہمیں حربیوں سے نیکی کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور مفتی بہ قول کے مطابق جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور دو دوسرے ائمہ حنفیہ کا قول ہے کہ اپنے نفس کے لئے واقف وقف کر سکتا ہے یا اس کی ولایت اور انتظام اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... (2) جو لوگ مالک بن سکتے ہیں ان پر وقف کرنا صحیح ہے چاہے موجود ہوں یا عنقریب زمانہ میں موجود ہوں جیسے وہ بچہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا عنقریب میں ہو جائے گا چاہے اس سے ثواب اور قربت کا اظہار ہو جیسے فقیر کے لئے وقف کرنا یا قربت اور ثواب کا اظہار نہ ہو، جیسے موقوف علیہ مالدار ہو، اور یا وقف مسلمان کا ذمی پر ہو اگر چہ وہ کتابی نہ بھی ہو اور حربی پر وقف درست نہیں یا جانور پر وقف درست نہیں، اس بناء پر ان کے ہاں معدوم اور مجہول مسلمان اور ذمی قربت اور بعید سب کے لئے وقف صحیح ہے سوائے اس کے کہ جس نے ابھی پیدا ہونا ہے اس پر وقف لازم نہیں، بلکہ اس کا لزوم موقوف رہے گا اور اس کا غلہ اس کے پائے جانے تک موقوف رہے گا پھر اسے دیا جائے گا، جب کہ وجود میں آنے سے کوئی مانع نہ ہو جیسے موت یا اس کے وجود سے ناامیدی تو غلہ مالک یا اس کے ورثاء کا ہوگا اگر وہ مرگیا، اور اسی بناء پر واقف کے لئے وقف کو فروخت کرنا موقوف علیہ کے پیدا ہونے سے پہلے جائز ہے۔

واقف کا اپنی ذات کے لئے وقف باطل ہے اگر چہ غیر وارث شریک کے ساتھ بعید جیسے اپنے لئے اور فلاں کے لئے وقف پر باطل ہوگا جو اس نے خاص کیا اور اسی طرح جو شریک کے لئے خاص کیا الا یہ کہ شریک مانع کے پائے جانے سے پہلے اس پر قبضہ کرلے اگر اس نے اپنے لئے اور اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے وقف کیا تو وہ اس کی موت کے بعد وقف ہوگا اس کی اولاد پر اگر انہوں کسی مانع سے پہلے

---

(1)......الدر المختار وردالمحتار: ۳/۳۹۵، ۴۲۱، فتح القدير ۵/۶۲، اللباب ۲/۱۷۵۔ (2) الشرح الصغير: ۴/۱۰۲، الشرح الكبير: ۴/۷۷۔۸۰ القوانين الفقهية: ۳۸۰۔

اس پر قبضہ کرلیا تو چاہے اپنے اوپر وقف کو مقدم رکھے یا مؤخر یا درمیان میں مثلاً کہے میں نے اپنے اوپر وقف کیا پھر اپنے بعد اولاد پر یا میں نے زید پر وقف کیا پھر اپنے اوپر یا میں نے زید پر وقف کیا پھر اپنے اوپر پھر عمر پر یہ بھی اس وقت ہے جب اپنی صحت کی حالت میں ایسا کرے اگر اپنے مرض میں وقف کیا تو ثلث سے صحیح۔

شوافع نے...... ❶ واضح کیا ہے کہ وقف اگر معین پر کیا، اور وقف کی حالت میں تملیک ممکن ہو یعنی خارج میں موجود ہو تو وقف درست ہے اور معدوم پر وقف صحیح نہیں یعنی پیٹ میں موجود بچے پر کیونکہ فی الحال اس کا مالک بننا صحیح نہیں چاہے وہ مقصود ہو یا تابع ہو اگر اس کی اولاد ہو اور اس کا جنین بھی ہو تو وہ اولاد میں داخل نہ ہوگا لہٰذا اولاد کی اولاد پر وقف درست نہیں جب کہ وہ موجود نہیں اور نہ ہی فقیر کی اولاد پر جب کہ ان میں کوئی فقیر نہ ہو اور مجہول پر بھی وقف صحیح نہیں۔

جیسے غیر متعین آدمی پر وقف یا جسے فلاں پسند کرے، کیونکہ وقف میں فی الفور تملیک ہوتی ہے لہٰذا مجہول میں صحیح نہیں جیسے بیع اور ہبہ، اور غلام کا اپنے اوپر وقف صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ملکیت کا اہل نہیں لیکن اگر اس نے غلام پر وقف کو مطلق رکھا تو وہ اس کے آقا کے لئے ہوگا جیسے ہبہ اور وصیت میں۔ اگر اس نے وقف کو جانور پر مطلق رکھا یا اس کے چارے کے ساتھ مقید کیا تو اس پر وقف لغو ہوگا کیونکہ جانور کسی بھی صورت میں مالک بننے کا اہل نہیں جیسے کہ اس کے لئے ہبہ اور وصیت درست نہیں اور اصح قول کے مطابق اپنے لئے وقف صحیح نہیں یا مرتد کے لئے یا حربی کے لئے، اس لئے کہ انسان کے لئے اپنی ملکیت کا پھر مالک ہونا متعذر ہے کیونکہ اسے پہلے سے ملکیت حاصل ہے اور حاصل شدہ کو حاصل کرنا محال ہے اور مرتد اور حربی تو قتل کے لئے موجود ہیں ان کے لئے دوام نہیں اور وقف صدقہ جاریہ ہے جیسے ایسی چیز کو وقف نہیں کیا جا سکتا جس کے لئے دوام نہیں تو اس پر بھی وقف نہیں کیا جا سکتا جس کے لئے دوام نہیں جیسے کفر، پس مرتد اور حربی کافروں کے لئے وقف درست اور صحیح نہیں کیونکہ وہ تو نافرمانی اور گناہ کا کام ہوگا البتہ واقف کے لئے جائز ہے کہ وہ نگرانی اپنی رکھنا شرط رکھے۔ مسلمان کا وقف یا ذمی کا وقف کسی متعین ذمی کے لئے درست ہے جیسے نفلی صدقہ، کہ یہ اس پر جائز ہے کیونکہ وہ بھی قربت اور ثواب حاصل کرنے کی جگہ ہے لیکن اس پر وقف صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں گناہ کا ارادہ ظاہر نہ ہو، اگر اس نے کہا: میں نے کنیسہ کے خادم پر وقف کیا تو صحیح نہیں جیسے وہ اپنے اوپر ہو اور یہ کہ اس کی تملیک ممکن ہو لہٰذا مصحف کا وقف اور شرعی کتب اس پر وقف کرنا صحیح نہیں اور ذمیوں کی ایک جماعت متعین ایک کی طرح ہے۔

معاہد اور مستامن اصح قول کے مطابق ذمی کی طرح ہیں اگر وہ ہمارے دار میں رہیں جب دار الحرب میں چلے گئے تو ان کے مابعد والوں پر اسے خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ ذمی اگر دار الحرب میں چلا جائے تو اس کے وقف کو دوسروں پر صرف کیا جاتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... ❷ اجمالی طور پر شوافع کی طرح ہی حکم ہے کہ یہ شرط ہے کہ اس پر وقف کرے جو مستقل طور پر وقف کا مالک بن سکتا ہے اور یہ کہ وہ معلوم بھی ہو اور موجود بھی لہٰذا جو مالک نہیں بن سکتا اس پر وقف صحیح نہیں جیسے غلام مطلقاً اور میت اور پیٹ میں موجود حمل، فرشتے، جن اور شیاطین پر۔ کیونکہ یہ مالک نہیں بن سکتے اور خالص غلام تو لازمی طور پر مالک نہیں بن سکتا، مکاتب غلام اگر چہ مالک بن سکتا ہے لیکن اس کی ملکیت ضعیف ہے اور مستقر نہیں اور حمل وصیت اور میراث کے علاوہ کا مالک نہیں بن سکتا۔ البتہ حمل کے لئے وقف غیر کے تابع کر کے کرنا صحیح ہے جیسے میں اپنی اولاد پر وقف کرتا ہوں اور فلاں کی اولاد پر ان میں حمل بھی ہو تو وقف اسے شامل ہوگا۔

---

❶......مغنی المحتاج: ۳/۳۷۹ وما بعدها، المهذب: ۱/۴۴۱. ❷ کشاف القناع: ۴/۲۴۷، ۲۷۷، المغنی: ۵/۵۵۰ وما بعدها ۵۷۰، ۵۸۵، ۵۸۹.

اور مرتد اور حربی پر وقف درست نہیں کیونکہ ان کے اموال اصل کے اعتبار ہی سے مباح ہیں اور ان سے لینا غلبہ حاصل کر کے اور قہراً جائز ہے اور جو ان کے لئے تجدیدی طور پر ہو وہ تو بطریق اولیٰ لینا جائز ہے اور یہ جائز نہیں کہ وقف اصل میں مباح ہو کیونکہ اس میں تو اصل کو روکا جاتا ہے۔

اور مجہول پر بھی وقف صحیح نہیں جیسے کہ آدمی، مسجد وغیرہ پر اور نہ ہی ان دو میں سے ایک مرد یا ایک مسجد کے لئے کیونکہ اس میں شک ہے اور جو چیز اصلی اعتبار سے معدوم ہو اس پر وقف صحیح نہیں مثلاً میں نے اس پر وقف کیا جو عنقریب پیدا ہو گی۔

یا فلاں کے لے یا جو میرے لئے پیدا ہو یا فلاں کے لئے۔ کیونکہ معدوم کی تملیک صحیح نہیں اور تابع کر کے معدوم پر وقف صحیح ہے جیسے میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور اس پر جو عنقریب پیدا ہو گا یا زید کی اولاد پر اور جو اس کے لئے عنقریب پیدا ہو گا یا اپنی اولاد اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد پر ہمیشہ کے لئے اور یہ شوافع کے برخلاف ہے۔

اور جانور کے لئے وقف صحیح نہیں کیونکہ وہ مالک بننے کا اہل نہیں۔ ذمی پر وقف صحیح ہے اور اہل ذمہ پر بھی کیونکہ وہ مالک ہوتے ہیں اور ان کی ملکیت کی حرمت ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ان پر صدقہ کر دیا جائے، لہٰذا ان پر وقف بھی جائز ہے جیسے مسلمانوں پر، اور مسلمان کا ذمی کے لئے وقف جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے کہ صفیہ بنت حیی زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک یہودی بھائی کے لئے وقف کیا، نیز اس لئے بھی کہ یہ جائز ہے ذمی مسلمان پر وقف کرے تو یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان بھی اس پر وقف کرے جس طرح مسلمان کا مسلمان پر جائز ہے، اور اسی طرح اگر ان لوگوں پر وقف کیا جو ان کے کنسیوں اور بیعوں میں ٹھہرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وقف ان پر ہے نہ کہ ان جگہوں کے لئے۔

اور اپنے نفس پر وقف باطل ہے، اس لئے کہ جس نے وقف صحیح کے ساتھ کوئی چیز وقف کی تو اس کے سارے منافع موقوف علیہ کے لئے ہیں اور واقف کی اس سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے منافع سے، اور اس کے لئے جائز نہیں ہوتا کہ وہ اس میں سے کسی چیز سے نفع اٹھائے اس لئے کہ وقف تو تملیک ہے یا تو عین کی یا اس کے منافع کی اور یہ دونوں یہاں صحیح نہیں اس لئے کہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے لئے اپنا مالک ہو جیسے اپنے مال کو اپنے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

اگر اس نے ایسا کیا کہ پہلے اپنے اوپر وقف کیا پھر اپنی اولاد پر تو وقف فی الحال اس کے مابعد والوں کی طرف منتقل ہو جائے گا لیکن واقف کو اجازت ہے کہ وہ کسی دوسرے پر اگر وقف کرے مثلاً کسی انسان یا مسجد وغیرہ پر تو وہ درج ذیل حالات میں شئی موقوف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۱......کہ تمام مسلمانوں کے لئے کوئی چیز وقف کرے تو وہ بھی ان میں داخل ہو گا مثلاً مسجد کے لئے وقف کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میں نماز پڑھے یا قبرستان کے لئے وقف کرے تو اسے بھی اس میں دفن ہونا جائز ہے، یا کنواں مسلمانوں کے لئے وقف کرے تو وہ بھی اس سے پانی بھر سکتا ہے یا کوئی ایسی چیز جو عام ہو تمام مسلمانوں کے لئے تو یہ بھی ان میں سے ایک طرح ہو گا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیر روحہ وقف کیا تو ان کا ڈول اس میں عام مسلمانوں کے ڈولوں کی طرح تھا۔

۲......واقف وقف میں یہ شرط لگائے کہ اس میں سے اپنے نفس پر بھی خرچ کرے گا، جیسا کہ امام احمد نے حجر المری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں یہ تھا کہ ان کے اہل اس میں سے معروف طریقے کے مطابق کھائیں، نیز اس لئے بھی کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقف کیا تو فرمایا تو اس کا ولی ہے اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس میں سے کھائے یا اپنے کسی دوست کو صدقہ کر دے لیکن اس سے وہ مالدار نہیں بن سکتا، اور وقف اس کے قبضہ میں ہونے تک نیز اس لئے بھی کہ

جب اس نے عام وقف کر دیا جیسے مساجد کے لئے یا پانی اور رباط اور قبرستان کے لئے تو ان سے اسے فائدہ حاصل کرنے کی گنجائش ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اپنے لئے زندگی کے دوران نفع اٹھانے کی شرط رکھے یا کسی متعین اور معلوم مدت تک اور چاہے جو اس میں سے کھائے گا اس کی مقدار معین کرے یا نہ، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولی کے لئے کھانے والی چیزوں اور طعام کی مقدار مقرر نہیں فرمائی سوائے اس کے کہ وہ معروف طریقے سے استعمال کرے۔

امام مالک، شافعی اور محمد رحمہم اللہ واقف کے لئے وقف سے فائدہ حاصل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے، لہٰذا اپنے لئے نفع رکھنے کی شرط جائز نہیں جیسے بیع اور ہبہ، جیسے کہ غلام کو اس شرط کے ساتھ آزاد کرے کہ وہ اس کی خدمت کرے گا۔

نیز اس لئے بھی کہ وہ جو اپنے نفس پر خرچ کرے گا وہ مجہول ہے لہٰذا اس کی شرط صحیح نہیں جیسے کوئی چیز فروخت کرے اور اس سے نفع حاصل کرنے کی شرط لگائے۔

۳......واقف یہ شرط رکھے کہ وقف سے وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے گا، یہ وقف اور شرط دونوں صحیح ہیں، اس لئے کہ نبی کریم نے اپنے صدقہ میں یہ شرط لگائی تھی، اور اگر اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کا منتظم بھی اس میں سے کھائے گا اور دوستوں کو بھی کھلائے گا تو یہ شرط جائز ہے اس لئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صدقہ میں یہ شرط لگائی تھی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا تھا۔ اگر واقف خود اس کا متولی بنا تو وہ اس میں سے خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور دوستوں کو بھی استعمال کروا سکتا ہے۔ کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولی بنے تھے صدقہ کے اور اگر اس کے خاندان وعیال میں سے کوئی ولی بنا تو اسے ولایت ہوگی، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے وقف کی متولی تھیں پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر اس کے متولی رہے ہیں۔

موقوف علیہ کی شرائط......موقف علیہ میں جو متعین نہ ہو درج ذیل شرائط ہیں۔ ❶

پہلی شرط...... یہ کہ وہ معلوم ہو اور نیکی کا کام ہو، اور اس پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی قربت سمجھا جاتا ہو اور مسلمان کے لئے تو یہ شرط متفق علیہ ہے۔ بایں طور کہ موقوف علیہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت ہو اور حکماً مالک بننے کی جہت ہو۔ اور یہ (نیکی) خیر کی تمام چیزوں کے لئے جامع نام ہے۔ اور اس کی اصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور مراد یہ ہے کہ موقوف علیہ پر خرچ کرنے میں قربت کا معنی شرط ہے، اس لئے کہ وقف قربت اور صدقہ ہے لہٰذا اس کا پایا جانا ضروری ہے جس کی وجہ سے وقف کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہی مقصود ہے جیسے فقراء، علماء قریبی رشتہ داروں پر وقف کرنا یا انسانوں کے علاوہ مساجد، مدارس ہسپتال، حج، جہاد، فقہ کی لکھائی، قرآن کی لکھائی کنویں، پل، راستہ کی اصلاح وغیرہ پر اسی طرح حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ اوڑھنے والی چادریں فقراء پر وقف کرنا کہ وہ سردیوں میں استعمال کریں اور اس کے بعد واپس کر دیں تو یہ وقف بھی درست ہے اور اگر مسجد میں تلاوت کرنے والے قاریوں کے لئے قرآن کریم وقف کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ جب کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اور اس میں امیر غریب سب برابر ہیں جب کہ اس نے مسجد پر وقف کیا ہو۔ لیکن یہ اس مسجد کے لئے بھی خاص نہ ہوں گے ان کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے جیسا کہ اوقاف کی کتابوں کو اپنی جگہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے وقف کرے اور طالب علموں پر وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ ان میں اکثر فقیر ہی ہوتے ہیں اور حنفیہ کے ہاں صرف امیر لوگوں کے لئے وقف

---

❶......الدر المختار ورد المحتار: ۳/۳۹۱، ۳۹۴، وما بعدها، ۴۱۱، الشرح الكبير: ۴/۷۷ وما بعدها، الشرح الصغير: ۴/۱۰۲، وما بعدها، ۱۱۶، مغنی المحتاج: ۲/۳۸۰، وما بعدها، المهذب: ۱/۴۴۱، كشاف القناع: ۴/۲۶۲ و مابعدها، المغنی: ۵/۵۷۰، ۵۸۷ وما بعدها۔

کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ قربت اور نیکی نہیں۔

امیروں پر وقف......شافعیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق اس طور پر وقف کرنا کہ اس میں قربت نہ ہوتو بھی صحیح ہے۔ جیسے امیروں کے لئے، ذمیوں کے لئے، فاسقوں کے لئے وقف کرنا اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ وقف تملیک ہے اور وقف کی ساری صورتیں قربت ہی ہیں اور ذمیوں کے لئے وقف بالاتفاق صحیح ہے نیز امیروں کے لئے صدقہ جائز ہے اور امیروں اور غریبوں کے درمیان حد بندی صرف زکوٰۃ کے حساب سے ہے جس کے لئے غریب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ صحیح ہے تو اس کے لئے فقر وفاقہ کی وجہ سے وقف بھی صحیح ہے اور جس کے لئے یہ نہیں اس کے لئے وقف بھی نہیں اور امیر وہ ہے جس پر زکوٰۃ حرام ہو مالک ہونے کی وجہ سے یا قدرت اور طاقت کی وجہ سے یا معاش وغیرہ کی وجہ سے۔

مالکیہ کے ہاں بھی امیروں کے لئے وقف کرنا صحیح ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے، اور حنابلہ کے ہاں کسی مباح چیز کے لئے وقف صحیح نہیں جیسے شعر مباح کی تعلیم کے لئے اور نہ ہی مکروہ کے لئے وقف جیسے منطق کی تعلیم کے لئے کیونکہ یہاں قربت نہیں پائی جارہی اور نہ ہی امیروں کے لئے اور بالاتفاق مسلمان کا کسی معصیت کے کام کے لئے وقف درست نہیں جیسے جوا قمار بازی اور لہوولعب کے لئے اور الحاد وضلالت کے اجتماعات کے لئے کیونکہ یہ چیزیں اسلام کی نظر میں قربت نہیں اور یہاں پر اور بھی مثالیں ہیں معصیت کی مذاہب کی کتابوں میں۔

حنفیہ کے ہاں......مسلمان کا بیعہ اور کنیسہ کے لئے وقف صحیح نہیں کیونکہ اصل کے اعتبار سے ان میں قربت نہیں۔

اور مالکیہ کے ہاں......بھی کنیسہ کے لئے وقف صحیح نہیں یا غلہ کو شراب اور افیون کے ثمن میں خرچ کرنا یا ایسے اسلحہ کے لئے خرچ کرنا جو جائز نہیں اور سگریٹ پینے کے لئے وقف باطل ہے اگرچہ سگریٹ پینا جائز ہے۔

شوافع کے ہاں......بھی کسی مسلمان یا ذمی کا کسی گناہ کے کام میں وقف کرنا صحیح نہیں یا ایسی چیز جس میں قربت اور نیکی نہیں جیسے کنیسوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے اور کفار کے عبادت خانوں کے لئے یا ان کے قلعوں ان کی لائٹوں یا خدمت گذاروں کے لئے یا تورات اور انجیل کے لئے یا ڈاکوؤں کے اسلحہ کے لئے یا مرتدوں کے لئے وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ پر تعاون ہے اور وقف کا مقصد قربت اور نیکی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اور یہ دونوں چیزیں متصادم ہیں اور رہ گیا کنیسوں کی تعمیر تا کہ اس میں مسافر ٹھہریں تو ان پر وقف صحیح ہے۔

حنابلہ کے ہاں......کسی مسلمان یا ذمی کا کنیسوں، آتش کدہ، بیعہ، صوامع اور دیروں کے لئے وقف جائز نہیں اور نہ ہی ان کے مصالح مثلاً قندیلوں، فرش، ایندھن وغیرہ کے لئے جائز ہیں، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے، اور حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اپنے قبضہ میں لے لے ان جہات میں کئے گئے وقفوں کو اور انہیں نیکی کے کاموں کے لئے صرف کرے۔ جب کہ وقف کرنے والے کے وارثوں کو خبر نہ ہو، ورنہ ورثہ اس پر قبضہ کر سکتے ہیں، اور کنیسوں میں ٹھہرنے والوں کے لئے یا اس میں مسافر بن کر آنے والوں کے لئے وقف درست ہے صرف ذمیوں کے لئے۔

اور ان کے ہاں وقف صحیح نہیں توراۃ اور انجیل کی لکھائی کے لئے اگرچہ ذمی ہی کیوں نہ کرے کیونکہ ان میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اور بہت ساری سندوں سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس توارۃ دیکھی تو آپ غصہ ہوئے اور اسی طرح بدعتوں کی کتابوں پر بھی درست نہیں۔ اور چادروں کا وقف کرنا بھی جائز نہیں جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں سوائے کعبہ شریف

کے غلاف کے کیونکہ قبروں اور مزارات پر چادریں چڑھانا ثواب نہیں۔

اور وصیت بھی وقف کی طرح ہے مذکورہ چیزوں میں وصیت بھی صحیح ہوں گی جن چیزوں میں وقف صحیح ہے اور وصیت بھی باطل ہوگی جن چیزوں میں وقف باطل ہے۔

اوران کے ہاں امیروں پر وقف صحیح نہیں اور نہ ہی ڈاکوؤں پر اور فاسق لوگوں اور گانا گانے والوں کے لئے اور نہ ہی قبروں کی روشنی کے لئے اور نہ ہی مجاوروں کے لئے، یا اس پر سفر کر کے آنے والوں کے لئے کیونکہ مذکورہ کام نیکی نہیں۔ اور قبر پر مسجد (قبہ) بنانے کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے اور اس پر قبے بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اور مسجد کی خوبصورتی اور قبروں کی تعمیر کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا اور اس کا تلف ہے بغیر فائدے کے۔

کافر کا وقف...... ہمارے فقہاء کا اتفاق ہے کہ کافروں کا کسی گناہ کے کام میں وقف کرنا باطل ہے خاص کر جو نہ ان کے دین میں نیکی اور قربت ہو اور نہ اسلام میں قربت ہو جیسے رقص و سرور کی محفلوں اور جوئے کے اڈوں کے لئے۔ اوران کا اختلاف ہے ان چیزوں کے بارے میں جن میں ادیان میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ذمی کے وقف کے لئے شرط ہے کہ موقوف علیہ قربت ہو ہمارے ہاں بھی اوران کے ہاں بھی یعنی اسلام میں بھی اور واقف کے عقیدہ کے اعتبار سے بھی جیسے فقراء پر وقف یا بیت المقدس کی مسجد پر کیونکہ یہ وقف کرنے والے کے اعتقاد میں بھی نیکی ہے اور اسلام میں بھی رہ گیا کسی کافر کا مسجد کے لئے وقف تو وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اگر یہ اسلام کی نظر میں تو قربت اور نیکی ہے لیکن وقف کرنے والے کی نظر میں نیکی نہیں اور اسی طرح ذمی کافر کا وقف کنیسہ اور بیعہ کے لئے صحیح نہیں اگرچہ یہ ان کی نظر میں قربت ہے لیکن اسلام میں یہ قربت اور نیکی نہیں ہے۔

ابن رشد رحمہ اللہ جو مالکیہ میں سے ہیں ان کے ہاں جب ذمی نے کنسیہ کے لئے وقف کیا اب اگر وہ اس کی مرمت کے لئے ہے یا اس میں موجود زخمیوں اور مریضوں کے لئے ہے تو یہ وقف درست اور معمول بہ ہے۔

اگر وہ ہمارے پاس لے کر آئیں تا کہ ہم ان کے اوقاف میں فیصلہ دیں تو حاکم ان میں فیصلہ دے گا اسلام کی احکام کے مطابق وقف کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں، اور اگر وقف کنسیوں کی عبادت کے لئے ہوا تو اس کے باطل ہونے کا حکم دیا جائے گا تو اعتبار وقف میں واقف کے اعتقاد کا ہے جائز کاموں میں صرف اور مالکیہ کے ہاں ابن رشد رحمہ اللہ کا ایک دوسرا قول معتمد ہے اور وہ یہ کہ ذمی کا کنیسہ کے لیے وقف کرنا مطلقاً باطل ہے اور اسی طرح کافر کا وقف مسجد، رباط، اور مدرسہ کے لئے باطل ہے جو کہ اسلامی نیکیوں میں سے ہیں، تو اس صورت میں وقف کا صحیح ہونا ہمارا اوران کے ہاں نیکی ہونا معتبر ہے جیسے حنفیہ نے فرمایا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... وقف میں اس کا اعتبار ہے کہ وہ اسلام کی نظر میں قربت اور نیکی ہو چاہے واقف کے اعتقاد میں نیکی ہو یا نہ ہو۔ پس کافر کا مسجد کے لئے وقف صحیح ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ نیکی ہے اور کنیسہ پر وقف صحیح نہیں کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ قربت نہیں۔

مصری قانون دفعہ (۷) میں حنفی مذہب کو لیا گیا ہے اور بعض مالکیہ کے قول کی اور تصریح کی ہے کہ کافر کا وہ وقف جو ایک شریعت اور اسلام کی نظر میں حرام نہ ہو وہ صحیح ہے۔

دوسری شرط: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں...... ❶ کہ اپنے اہل پر وقف اس طور پر ہو کہ ہمیشہ ختم نہ ہوا گر اس نے آخر تک اس کا تذکرہ نہ کیا تو ان کے ہاں وقف درست نہیں کیونکہ ہمیشگی شرط ہے وقف کے جائز ہونے کے لئے، پس کسی جہت کا متعین کرنا اس کی توقیت کو معناً ختم کرنے والی ہے لہٰذا یہ جواز سے مانع ہے کیونکہ اس وقف پر مجہول کا وقف بن جائے گا تو صحیح نہیں جیسے کہ وقف کی ابتداء میں مجہول پر وقف کرنا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں یہ شرط نہیں بلکہ وقف صحیح ہے اگر وہ انقطاع کی جہت متعین بھی کردے اور اس کے بعد وہ فقراء کے لئے ہوگا، اگرچہ ان کو متعین نہ بھی کرے کیونکہ یہ شرط صحابہ کرام سے ثابت شدہ نہیں، نیز واقف کا ارادہ آخر میں فقراء کے لئے ہونا ہے۔

اگرچہ وہ انہی کا تذکرہ نہ بھی کرے بس اس شرط کا ہونا دلالت کے اعتبار سے اور ضمنی طور پر ثابت ہے اور دلالت کے اعتبار سے ثابت شدہ چیز نص سے ثابت شدہ کی طرح ہے۔

جمہور کے ہاں...... ❷ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو لیا گیا ہے مالکیہ تو وقف میں ہمیشگی کو شرط قرار نہیں دیتے اور ان کے ہاں اگر وقف مؤبد منقطع ہو جائے کہ وہ جہت ہی ختم ہو جائے جس پر وقف ہوا ہے تو وقف اس واقف کے قریبی عصبہ میں سے فقراء کے لئے ہوگا مذکر، مونث اس میں برابر ہوں گے اگر واقف نے اپنے وقف میں یہ شرط رکھی کے مذکر کے لئے دو مؤنث کے حصہ کے برابر ہے تو اس میں پہلے اس کے بیٹوں کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے پوتوں کو پھر والد پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر دادا، پھر چچا، پھر چچازاد بھائی اگرچہ یہ نہ پائے گئے تو مشہور قول کے مطابق فقراء کے لئے ہوگا۔

شوافع کے دو قول ہیں اور صاحب مہذب نے تصحیح کی ہے کہ: اگر اس نے مطلق وقف کیا اور اس کے خرچ کا مصرف متعین نہ کیا تو درست ہے، کیونکہ یہ ملکیت کا خاتمہ بطور قربت لہٰذا مطلقاً درست ہے قربانی کی طرح اور شوافع کے ہاں اظہر یہ ہے کہ مصرف بیان کئے بغیر وقف صحیح نہیں جیسا کہ صیغہ کی شرائط میں آئے گا، لیکن اگر اس نے وقف کا مصرف متعین کیا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس طور پر ہو کہ وہ منقطع نہ ہو جیسے فقراء مجاہدین طالب علم وغیرہ۔

حنابلہ کے ہاں...... اگر وقف کی انتہاء معلوم نہ ہو مثلاً کسی قوم پر وقف کرے تو اسے معمول کے حکم کے مطابق ختم کرنا جائز ہے اور اس کے آخر کو مساکین کے لئے نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی نہ ختم ہونے والی جہت کی طرف، تو یہ وقف صحیح ہے کیونکہ یہ معلوم مصرف میں تصرف ہے تو صحیح ہے جیسا کہ کسی متصل معروف کی وہ تصریح کردے نیز اس لئے بھی کہ اگر مطلق کا کوئی عرف ہو تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا جیسے اپنے شہر کی نقدی اور مصرف کا عرف۔

شوافع اور حنابلہ...... مالکیہ کی سابقہ رائے سے متفق ہیں کہ موقوف کے جب موقوف علیہم ختم ہو جائیں تو اسے واقف کے قریب ترین لوگوں پر خرچ کیا جائے گا، اس لئے کہ وقف کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ہو، اور اسے اس کی شرط پر محمول کیا اگر اس نے مقرر کیا ہو اور اگر وہ مسکوت عنہ ہو تو اس کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا اور وہ ہمیشگی کا وقف ہوگا، کیونکہ یہ ثواب کی جہتوں میں سے عظیم جہت ہے، اور شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ معروف وجوبی طور پر ذوی الارحام قریبی فقراء کے لئے مختص ہوگا نہ کہ میراث کے اعتبار سے پس بیٹی کا بیٹا چچا کے بیٹے پر مقدم ہوگا۔

---

❶......البدائع: ۶/ ۲۲۰، الدر المختار: ۳/ ۳۹۹، ۴۰۰، الکتاب مع اللباب ۲/ ۱۸۲۔ ❷الشرح الکبیر ۴/ ۸۵، الشرح الصغیر: ۴/ ۹۸، ۱۲۱، المہذب: ۱/ ۴۴۱ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸۴ المغنی: ۵/ ۶۷۵۔ ۵۷۰، ۵۷۷، تکملۃ المجموع: ۱۵/ ۵۸۶۔ ۵۸۸۔

اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ صدقہ ہی نہیں جب کہ قریبی ذی رحم محتاج ہوں۔ ❶ اور سلمان بن عامر کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ”مسلمانوں پر صدقہ، صرف صدقہ ہی ہے اور ذی رحم اور قرابتداروں پر دو ہیں ایک صدقہ اور ایک صلہ رحمی ❷ اور حنابلہ کے ہاں راجح اور شوافع کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ وقف کو واقف کے قرابتداروں میں سے محتاجوں پر صرف کرنا مختص نہیں بلکہ اس میں امیر غریب سب شریک ہیں، کیونکہ وقف محتاجوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ امیر اور غریب اس میں برابر ہیں۔ اگر واقف کے قریبی نہ ہوں یا قریبی ہوں لیکن ختم ہو گئے ہوں تو عام فقراء اور مساکین پر اسے خرچ کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصد ہمیشہ کے لئے ثواب حاصل کرنا ہے۔

چوتھی بحث: وقف کے الفاظ اور وقف کے صیغے کی شرائط

وقف کا صیغہ...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جیسا کہ وقف کے رکن میں وضاحت ہوئی وقف صرف ایجاب سے منعقد ہوتا ہے اگرچہ کسی متعین کے لئے ہو اور غیر معین کے لئے بالاتفاق علماء کے ہاں وقف متعین ہو جاتا ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں اور بعض حنابلہ کے ہاں جب متعین پر وقف ہو تو ایجاب اور قبول دونوں سے وقف منعقد ہوتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں وقف کے خاص الفاظ...... ❸ یہ صدقہ ہمیشہ کے لئے مسکینوں پر وقف ہے یا اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہے یا نیکی اور خیر کے کاموں کے لئے وقف ہے۔ اور مفتی پر جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے عرف پر عمل کرتے ہوئے بتایا کہ صرف لفظ وقف کافی ہے اگر چہ اس میں ہیشگی کا تذکرہ یا ہمیشہ پر دلالت کرنے والی کوئی خبر ذکر نہ بھی کرے جیسے لفظ صدقہ، لفظ مسکین، یا مسجد وغیرہ، اور یہ اس وقت ہے کہ جب کسی متعین پر وقف نہ ہو مثلاً زید یا فلاں کی اولاد تو اس وقت صرف وقف کے لفظ سے صحیح نہ ہوگا کیونکہ متعین ہونا ہیشگی کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے فرق کیا گیا ہے موقوف اور زید پر وقف کے درمیان کہ پہلا جائز ہے دوسرا جائز نہیں، اس لئے کہ پہلی صورت فقراء کی طرف عرفاً منصرف ہوتی ہے اور جب اس نے اولاد کا تذکرہ کر دیا تو عرف باقی نہ رہا ہاں مسجد کی تعیین نقصان نہیں دیتی کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے اور حنفیہ کے ہاں بالاتفاق معنوی اعتبار سے ہیشگی شرط ہے۔

ضرورۃً وقف کا ثبوت...... کبھی کبھی وقف ضرورت کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے مثلاً یہ وصیت کرے کہ اس مکان کا کرایہ ہمیشہ کے لئے مساکین کے لئے ہے یا فلاں آدمی کے لئے ہے اور اس کے بعد مسکینوں کے لئے ہے تو یہ گھر ضرورت کے اعتبار سے وقف ہوگا گویا اس نے کہا جب میں مرگیا تو میرا گھر فلاں پر وقف ہے۔

لیکن جب اس نے وقف کو موت کے ساتھ معلق کیا جیسے جب میں مرگیا تو فلاں پر میرا گھر وقف ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت کی طرح مرنے کے بعد ثلث سے لازم ہوگا، نہ کہ اس سے پہلے، حتیٰ کہ اگر وہ ورثاء پر وقف ہو اور باقی ورثاء اس کو رد کر دیں، یا کوئی ایک وارث رد کر دے، لیکن جب انہوں نے رد کر دیا تو غلہ ثلث میں سے اس طرح تقسیم ہوگا جو وقف ہو چکا تھا بقیہ ترکہ کے ثلثان کی طرح۔

---

❶ هذا جزء من حديث طويل عن ابى هريرة، رواه الطبرانى فى الاوسط، وجاء فيه: يا أمة محمد والذى بعثنى بالحق لايقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الى صلته ويصرفها الى غيرهم، قال الهيثمى وفيه عبدالله بن عامر الا سلمى، وهو ضعيف. ❷ رواه احمد وابن ماجة والترمذى والنسائى وابن حبان والدار قطنى والحاكم وحسنه الترمذى. ❸ الدر المختار وردالمحتار: ٣/٣٩٣، ٣٩٧، ٤٠١۔

اور دوثلث کا مصرف ورثاء پر صرف ہوگا جب تک موقوف علیہ زندہ ہے، لیکن جب وہ مرگیا تو غلہ تقسیم ہوگا اس پر جس کے لئے وقف ہے، اور جب بعض موقوف علیہم فوت ہوگئے تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا۔ اور جب اس نے کہا میں نے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد کے لئے ہمیشہ اپنا گھر وقف کردیا تو جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب تک وہ زندہ ہے تو اس کے غلہ کا صدقہ کرنے کی یہ نذر رہے اسے پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے اور وہ اس سے رجوع بھی کرسکتا ہے۔

اور اگر اس نے رجوع نہ کیا اور مرگیا تو ثلث میں سے جائز ہے۔ اور جب اس نے وقف کو ایک ماہ کے ساتھ مؤقت کیا یا ایک سال کی قید لگائی تمام حنفیہ کے ہاں بالاتفاق وقف باطل ہے کیونکہ ہیشگی کی شرط نہیں پائی گئی، اور اگر اس نے کسی متعین شخص پر وقف کیا تو اس کے مرنے کے بعد اس کے واقف کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی۔

مالکیہ کا مذہب...... ❶ وقف یا تو صریح لفظ سے منعقد ہوگا مثلاً وَقَفْتُ کے، حَبَسْتُ، سَبَّلْتُ، یا غیر صریح سے مثلاً میں نے صدقہ کیا جب کہ اسے کسی قید سے مقید کرے، یا اس طور پر ہو کہ وہ منقطع نہ ہو، یا کسی مجہول پر وقف کرے اور ان کی تعداد متعین ہو قید سے مقید کی مثال جو مراد پر دلالت کرے، میں اسے اس پر صدقہ کرتا ہوں اس طرح کہ نہ تو اسے فروخت کرے اور نہ ہی ہبہ کرے، یا میں فلاں پر صدقہ کرتا ہوں ایک گروہ کے بعد ایک یا ان کے بعد ان کی نسل کے لئے۔ اگر اس نے کسی قید سے مقید نہ کیا تو پھر یہ اس کی ملکیت ہے جس پر اس نے صدقہ کیا۔ اور ختم نہ ہونے والی جہت کی مثال یا تو غیر متعین کے لئے ہو جیسے میں نے صدقہ کیا یا وقف کیا فقراء پر یا ایسے طور پر جیسے مساجد پر صدقہ اور مجہول منحصر پر صدقہ فلاں پر صدقہ اور ان کی اولاد اور نسل پر، کیونکہ ''عقبہ'' کے الفاظ ہیشگی پر دلالت کرتے ہیں۔

اور کبھی کبھی صرف فعل ہی وقف کے انعقاد کے لئے کافی ہوتا ہے جیسے لوگوں کو اس جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دینا جو مسجد کے لئے بنائی ہے۔

اور صیغہ کے قائم مقام ہے وقف اور موقوف علیہ کے درمیان تخلیہ جیسے مسجد بنانا، یا مدرسہ بنانا یا رباط بنانا یا کنواں بنانا یا مکتبہ بنانا اگرچہ وقف کا تلفظ نہ بھی کرے اور تخلیہ قبضہ شمار ہوگا۔

شوافع کا مذہب...... ❷ وقف صرف لفظ سے صحیح ہوتا ہے پھر یا تو صریح لفظ ہوگا جیسے میں نے فلاں چیز فلاں پر وقف کردی یا میری زمین فلاں پر وقف ہے کیونکہ لغوی اور عرفی اعتبار سے یہ لفظ مشہور ہے اور تسبیل اور تحبیس کے الفاظ بھی صریح ہیں کیونکہ شرعاً یہ مکرر ہیں اور عرفی اعتبار سے مشہور ہیں اور صحابہ کرام سے صرف انہی الفاظ سے وقف منقول ہے۔ اگر اس نے کہا میں نے اس کا صدقہ یا وقف کیا یا اسے فروخت نہ کیا جائے اور نہ ھبہ کیا جائے تو ''کتاب الام'' میں جو تصریح ہے اس کے مطابق یہ صریح ہے، کیونکہ صدقہ کا لفظ ان قرائن کی موجودگی میں وقف کے علاوہ کا احتمال نہیں رکھتا، ہاں یہ لفظ صریح لغیرہ ہے اور اس سے پہلے الفاظ صریح لعینہ ہیں۔

اگر اس نے کہا میں نے صدقہ کیا تو یہ لفظ وقف کے لئے صریح نہیں اور اس سے وقف حاصل نہیں ہوتا اگرچہ وقف کی نیت بھی کرے کیونکہ یہ لفظ فرض صدقہ، نفلی صدقہ، وقف شدہ صدقہ وغیرہ کے درمیان دائر ہے، لیکن اگر اس نے اسے کسی عام جہت کی طرف منسوب کیا جیسے فقراء کے لئے اور وقف کی نیت کی تو وقف حاصل ہوجائے گا اور لفظ صریح شمار ہوگا۔

یا وقف غیر صریح الفاظ کے ساتھ ہوگا مثلاً میں نے اسے فقراء کے لئے محترم کردیا ہے، یا میں نے ان کے لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے تو اصح اعتبار سے یہ کنایہ ہے کیونکہ یہ دونوں مستقل استعمال نہیں ہوتے بلکہ ان سے سابقہ الفاظ کی تاکید ہوتی ہے۔

اور اصح یہ ہے کہ واقف کا یہ قول ''میں نے اس جگہ کو مسجد بنادیا تو اس سے مسجد بن جائے گی اگرچہ یہ نہ بھی کہے ''اللہ تعالیٰ کے لئے''

---

❶......الشرح الکبیر: ۴/ ۸۱، ۸۴، الشرح الصغیر: ۴/ ۱۰۳ وما بعدھا، القوانین الفقھیة: ص ۳۷۰۔ ❷مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸۱ و ما بعدھا، المھذب: ۱/ ۴۴۲۔

کیونکہ مسجد ہوتی ہی وقف ہے لہٰذا مسجد کا لفظ وقف کے لفظ سے مستغنی کر دیتا ہے اگر اس نے غیر آباد جگہ مسجد بنوائی اور اسے مسجد بنانے کی نیت بھی کر لی تو وہ مسجد ہو گئی تو اس میں لفظ وقف کی ضرورت نہیں اور وقف میں لفظ کی شرط سے یہ مستثنیٰ ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... ❶ وقف یا تو صریح الفاظ سے ہوگا یا کنایہ الفاظ سے اور صریح الفاظ یہ ہیں میں نے وقف کیا اور اسی کی طرح ''حبست اور سلبت'' اور ان میں سے ایک بھی کافی ہے کیونکہ شرعاً اور عرفاً اس کا استعمال ہوتا ہے اور کنایہ یہ کہ میں نے صدقہ کیا، میں نے حرام کیا، میں نے ہمیشہ کے لئے کیا، کیونکہ یہ مشترک الفاظ ہیں کیونکہ صدقہ کا لفظ زکاۃ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور نفلی صدقہ کے لئے بھی اور تحریم کا لفظ ظہار کے لئے صریح ہے اور ہیشگی کا لفظ ان تمام چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن میں اس کی ضرورت ہے وقف ہو یا غیر وقف، اور کنایہ الفاظ سے وقف صحیح نہیں سوائے چار چیزوں اور صورتوں کے جو درج ذیل ہیں:

۱...... مالک کی نیت۔

۲...... یا کنائی الفاظ کا ان پانچ الفاظ میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر آنا ان میں سے تین وہی صریح الفاظ ہیں اور دو لفظ تحریم اور تائید کے تو وہ یوں کہے میں نے وقف شدہ صدقہ کیا یا ''حبست اور سلبت'' کے ساتھ ہی یہی معنی ہے یا میں نے ہمیشہ کے لئے صدقہ کیا یا میں نے محترم صدقہ کیا۔

۳...... یا کنایہ کو وصف کی صفات کے ساتھ موصوف کرے اور کہے میں نے اسے ایسے صدقہ کیا کہ نہ تو وہ فروخت کیا جائے نہ ھبہ کیا جائے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو۔

۴...... یا کنایہ وقف کے حکم کے ساتھ مقترن ہو، مثلاً کہے میں نے اپنی زمین فلاں پر صدقہ کی اور اس میں میری زندگی کے دن میری نگرانی ہے، یا فلاں اس کا نگران ہے پھر اس کے بعد فلاں۔

اور اسی طرح ایسے فعل کے ساتھ بھی وقف صحیح ہے جو عرفاً وقف پر دلالت کرتا ہو، مثلاً وہ اپنی زمین کو قبرستان بنا دے اور اس میں عمومی دفن کی اجازت دے دے یا مسجد کی شکل کی عمارت بنا دے یا اس میں لوگوں کو عمومی نماز پڑھنے کی اجازت دے دے، اس لئے کہ خاص اجازت کبھی کبھی غیر وقف شدہ کے لئے بھی ہوتی ہے۔

لہٰذا وقف کی دلالت کا فائدہ نہ دے گی یا جس جگہ کو مسجد بنایا ہے وہاں اذان دے اور اقامت کہے اس لئے کہ وہاں پر اذان واقامت اس طرح ہے جس طرح عام اجازت ہوتی ہے نماز کے لئے اگر اس نے اپنے گھر کے نچلے حصہ کو مسجد بنایا اور اوپر والے حصہ سے نفع اٹھاتا رہا یا اس کے برعکس کیا اگرچہ راستہ کا تذکرہ نہ بھی کرے تو وقف صحیح ہے اور اس میں معمول کے اعتبار سے وہ گذر سکتا ہے۔

یا اس نے قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء بنایا اور اس کا راستہ کی طرف دروازہ کھول دیا لوگوں کے لئے، یا اس نے مٹکا وغیرہ بھر کر راستہ پر یا مسجد وغیرہ میں رکھ دیا تو یہ بھی وقف پر دلالت کرتا ہے

وقف کے صیغہ کی شرائط......فقہاء کے ہاں درج ذیل شرائط وقف کی ذات یا وقف کے صیغہ کے لئے ہیں:

پہلی شرط......ہیشگی مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں کسی مدت کے ساتھ موقت کر کے وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ بطور قربت اور ثواب مال کو نکالنا ہے لہٰذا کسی خاص مدت کے لئے جائز نہیں بلکہ اس کا ہیشگی پر مشتمل ہونا ضروری ہے، اور اس کا تلفظ شرط نہیں جیسے ایسی

---

❶...... كشف القناع: ٢٢٦٧/٤، وما بعدها. ❷ الدر المختار: ٣٩٤/٣، ٣٩٨، الشرح الصغير: ٩٨/٤، ١٠٥، ١٠٦، الشرح الكبير: ٨٧/٤-٨٩، مغني المحتاج: ٣٨٣/٢-٣٨٥، كشاف القناع: ٣٦٩/٤، ٢٧٧، وما بعدها، المغني: ٥٥٢/٥، ٥٧٠-٥٧٢.

چیز پر وقف کرنا جو قیامت سے پہلے ختم نہ ہونے والی ہے جیسے فقراء و مساکین، یا اس پر جو ختم ہونے والی ہے پھر نہ ختم ہونے والی پر جیسے زید پر پھر فقراء پر۔ اگر صیغہ کے ساتھ ایسے الفاظ ملا دیئے جو وقف کی مدت پر دلالت کریں مثلاً میں نے اسے فلاں پر وقف کیا ایک سال یا ایک ماہ کے لئے تو یہ وقف باطل ہے۔

کیونکہ صیغہ فاسد ہے، اس لئے کہ وقف کی مشروعیت کا مقصد ہمیشہ کے لئے صدقہ کرنا ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہو۔ اسی بناء پر حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ شئی موقوف۔

غیر منقولہ جائیداد ہو، کیونکہ اسی سے ہی ہمیشہ کے لئے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کے ہاں منقول کا وقف، غیر منقولہ جائیداد کے بغیر اور اس کے تابع ہوئے بغیر جائز نہیں یا جس کے بارے میں نص وارد ہو یا جس کے وقف کا عرف ہو اور انہوں نے خاندان پر وقف کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا آخری مصرف ایسی نیکی ہو جو ختم ہونے والی نہیں تا کہ صدقہ ہمیشہ کے لئے اور دائمی ہو۔

البتہ مالکیہ وقف میں ہمیشگی کی شرط نہیں لگاتے اور وہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ کے وقف کی اجازت دیتے ہیں اگر مدت معلوم ہو پھر اس کے بعد وہ واقف وغیرہ کی ملک میں واپس آجائے گا۔ لوگوں پر وسعت کرتے ہوئے خیر کے کام میں۔

مصری قانون (دفعہ ۵) نمبر (۴۸ سن ۱۹۴۶ء) میں وقف کو ہمیشگی اور مدت مقررہ کے اعتبار سے تین اقسام پر تقسیم کیا ہے۔

۱......وہ وقف جو صرف ہمیشہ کے لئے درست ہے اس میں مدت مقرر کرنا باطل ہے اور وہ مسجد کے لئے وقف کرنا یا مسجد پر وقف کرنا ہے یہ جمہور کی رائے ہے سوائے مالکیہ کے۔

۲......وہ وقف جس کا ہمیشہ کے لئے ہونا یا مدت مقرر تک ہونا جائز ہے وہ مسجد کے علاوہ وقف ہے ہسپتال، مدارس، اور فقراء وغیرہ کے لئے یہ مالکیہ کی کتب سے لیا گیا ہے لوگوں پر خیر کے کام میں وسعت کرتے ہوئے۔

۳......وہ وقف جو صرف مدت مقررہ تک ہی صحیح ہے اور اس میں ہمیشگی کی شرط باطل ہے، اور یہ خاندان کے لئے وقف ہے اور اس نے اس میں دو سال مقرر کئے تو واجب ہے کہ دو سالوں سے اوپر نہ ہو واقف کی وفات کے بعد سے اور اگر اس نے کئی طبقوں کے لئے وقف کیا تو واجب ہے کہ دو طبقوں سے زیادہ کے لئے نہ ہو واقف کے بعد، اور اس وقت مقرر کرنے کے لئے سوائے مصلحت کے کوئی مسند نہیں۔ لیکن پھر شام میں (۱۹۴۹ء) میں اور مصر میں (۱۹۵۲) میں قانون نمبر (۱۸۰) کے تحت خاندان پر وقف کو لغو قرار دیا گیا ہے۔

دوسری شرط...... تنجیز یعنی وہ فی الحال ہو اور کسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو اور نہ ہی مستقبل میں کسی وقت کی طرف مضاف ہو کیونکہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو فی الحال ملکیت کے انتقال کا متقضی ہے لہٰذا اسے کسی شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں جیسے بیع اور ہبہ جمہور کے ہاں سوائے مالکیہ کے۔ اور منجز صیغہ وہ ہے جو فی الحال وقف کے انشاء اور اس کے آثار کے مرتب ہونے پر دلالت کرے۔ اور معلق صیغہ وہ ہے جو فی الحال وقف کے انشاء پر دلالت نہ کرے بلکہ مستقبل میں کس بات کے پائے جانے پر معلق ہو مثلاً جب زید آیا تو میں نے اس وقت وقف کیا، یا کل، یا مہینے کے شروع میں یا جب میں نے فلاں سے بات کی تو میری یہ زمین وقف اور صدقہ ہے، تو مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں یہ وقف باطل ہے اور تعلیق کے تین صیغے ہیں۔

الف...... جب تعلیق دائر ہو وجود اور عدم وجود کے درمیان تو اس سے وقف صحیح نہیں اور اگر میرا بیٹا اگر سفر سے آیا تو میں اپنا گھر فلاں پر وقف کروں گا کیونکہ وقف کو ملکیت کے منتقل ہونے اور تقاضا کرتا ہے، اور تملیک مستقبل میں کسی معاملہ میں تعلیق کو قبول نہیں کرتیں، اور شوافع نے وقف کی تعلیق کے صحیح نہ ہونے کی تعلیل یہ بیان کی ہے کہ یہ عقد لازم ہے جو جہالت سے باطل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا مستقبل کی شرط یہ اس کی تعلیق صحیح نہیں جیسے بیع۔

ب......اگر تعلیق واقف کی موت پر ہو تو بالاتفاق وقف صحیح ہے مثلاً میں نے اپنے مرنے کے بعد اپنا گھر فقیر پر وقف کر دیا، اس لئے کہ یہ نیکی ہے جو موت کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا صحیح ہے جیسا کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرا گھر فلاں پر وقف کر دینا۔ اس لئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ "یہ وصیت ہے عبداللہ بن عمر کے لئے امیر المومنین عمر کی طرف سے کہ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آیا تو صدقہ ہے۔ ❶ اور موت سے معلق وقف لازم ہے جب وہ کہے، کہ میرے مرنے کے بعد یہ وقف ہے، اور اسے ورثاء کی اجازت کے بغیر ہی نافذ کیا جائے گا اگر وہ ثلث ترکہ سے پورا ہو جائے۔

ج......اگر تعلیق ایسی کا ہو کہ متحقق ہے اس کا وقت تو بھی وقف صحیح ہے مثلاً اگر یہ زمین میری ملکیت ہے۔ اور بات کرتے وقت وہ اس کی ملکیت تھی۔ تو یہ فلاں پر وقف ہے، اس لئے کہ یہ صورت کے اعتبار سے تعلیق ہے اور اس میں حقیقت کے اعتبار سے صیغہ تنجیز کا ہے، یہ تعلیق ہونے والی یا فی الحال موجود چیز کی ہے لہٰذا اس کی عدم صحت موت سے معلق کے منافی نہیں اس لئے کہ ہونے والی شرط سے تعلیق تنجیز ہے۔

شوافع کے ہاں......واقف کا یہ قول: "جب رمضان آیا تو میں نے اسے مسجد بنا دیا" یہ وقف صحیح ہے۔ اور وہ صیغہ جو مستقبل کی طرف مضاف ہو اور وہ فی الحال وقف کے انشاء پر دلالت کرے لیکن اس کے حکم کی ترتیب مستقبل تک مؤخر ہو مثلاً میرا یہ مکان فلاں کے لئے وقف ہے آنے والے نئے سال کے شروع میں۔

اور ان صیغوں کا حکم حنفیہ کے ہاں درج ذیل تفصیل کے مطابق ہے۔ اگر مستقبل کا زمانہ جس کی طرف وقف مضاف ہے وہ موت کے بعد کا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وقف باطل ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت ہے جو موت کے بعد ثلث سے لازم ہوگی نہ کے اس سے پہلے۔

اور اگر مستقبل کا وقت موت کا وقت نہ ہو مثلاً ہجری سال کی ابتداء تو حنفیہ کے ہاں دو روایتوں کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ یہ وقف صحیح ہے، جیسے مستقبل کی طرف مضاف اجارہ صحیح ہے۔ اور وقف اجارہ کے مشابہ ہے، کیونکہ یہ بھی اسی کی طرح ہے منفعت کی تملیک میں لہٰذا وقف صحیح ہے جیسے میرا گھر کل صدقہ وقف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جمہور کے ہاں وقف کو زندگی کی شرط پر معلق کرنا جائز نہیں مثلاً جب مہینے کا شروع آیا تو میرا گھر وقف ہے۔

اور مالکیہ نے اس شرط کے بارے میں فرمایا: کہ وقف میں تنجیز شرط نہیں تعلیق کے ساتھ بھی جائز ہے، مثلاً کہے: وہ وقف ہے فلاں پر مہینے کے بعد یا سال کے بعد یا کہے اگر میں فلاں گھر کا مالک ہو گیا تو وہ وقف ہے۔

تیسری شرط......الزام، مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں وقف کو خیار شرط پر یا شرط خیار پر معلق کرنا درست نہیں چاہے وہ معلوم ہو یا مجہول بایں طور کہ کوئی چیز وقف کرے اور اس میں اپنے لئے یا کسی اور کے لئے رجوع کی شرط رکھے اور وقف ھبہ کی طرح باطل ہو جائے گا لیکن حنفیہ نے مسجد کے وقف کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اگر اس نے اس شرط پر مسجد بنائی کے اسے اختیار حاصل ہے تو یہ جائز ہے اور شرط باطل ہے۔

چوتھی شرط......کسی باطل شرط کے ساتھ ملا ہوا نہ ہونا۔ اور حنفیہ کے ہاں شرط کی تین قسمیں ہیں۔

الف...... "باطل شرط" وہ ہے جو وقف کے مقتضیٰ کے منافی ہو مثلاً موقوف کو اپنی ملکیت میں باقی رکھنے کی شرط اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے وقف باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وقف کی حقیقت کے یہ منافی ہے اسی طرح اگر وہ اپنے لئے جب چاہے رجوع کی شرط رکھے تو

❶......رواه احمد، وروى نحوه ابوداؤد، "وثمغ" مال بالمدينة لعمر وقفه.

اس سے بھی وقف باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وقف کا جو حکم ہے وہ اس کے منافی ہے اور اگر یہ شرط رکھی کہ وقف کو فروخت کرے گا اور اس کے ثمن اپنی ضرورت پر خرچ کرے گا تو وقف باطل ہے۔

ب.....''فاسد شرط'' وہ ہے جو موقوف سے نفع اٹھانے میں مخل ہو۔ یا موقوف علیہ کی مصلحت میں مخل ہو یا شریعت کے مخالف ہو پہلے کی مثال: یہ کہ منافع کو مستحقین میں خرچ کرنے کی شرط لگائے حالانکہ موقوف کو تعمیر کی ضرورت ہے۔ تو یہ فاسد ہے، کیونکہ وقف شدہ چیز سے نفع اٹھانے میں مخل ہے، دوسرے کی مثال یہ کہ وہ یہ شرط لگائے کہ متولی کو معزول نہ کرے گا اپنی اولاد میں سے اگرچہ وہ خیانت بھی کرے تو یہ فاسد ہے، کیونکہ یہ موقوف علیہ کی مصلحت میں مخل ہے۔ اور تیسرے کی مثال کہ کسی گناہ کے کرنے کے لئے منافع کا کوئی حصہ خاص کرے تو یہ شرط فاسدہ ہے، کیونکہ یہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ شرط باطل ہوگی وقف باطل نہ ہوگا بلکہ وقف صحیح ہوگا۔

ج: شرط صحیح...... ہر وہ شرط ہے جو وقف کے مقتضیٰ کے منافی نہ ہو اور نہ ہی منفعت میں مخل ہو اور شریعت سے متصادم ہو۔ مثلاً منافع سے ابتداء ٹیکس ادا کئے جائیں یا تعمیر شروع کر دی جائے اور مستحقین پر بعد میں خرچ کئے جائیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی اتباع واجب ہے اور اسے نافذ کرنا واجب ہے۔

رہ گیا مصر کا قانون تو (دفعہ ۶) نمبر (۴۸ سن ۱۹۴۶ء) میں اس طرح تصریح ہے کہ ''جب وقف میں کوئی غیر صحیح شرط لگائی جائے تو وقف درست ہے اور شرط باطل ہے'' اور غیر صحیح شرط فاسد اور باطل دونوں شرطوں کو شامل ہے اور یہی رائے ہے صاحبین کی شرط فاسد میں اور امام ابو یوسف کی رائے ہے شرط باطل ہیں۔

مالکیہ کے ہاں...... جب واقف مستحقین وقف پر اس کی اصلاح کی یا کسی ظالم حاکم کو ٹیکس دینے کی شرط لگائی تو وقف صحیح ہے اور شرط لغو ہے اور اصح قول کے مطابق اصلاح بھی صحیح ہے اور موقوف کے غلہ سے ٹیکس دینا بھی صحیح ہے اسی طرح اگر اس نے شئی موقوف کی اصلاح کے بغیر ابتداء کی شرط رکھی یا جو نفقہ کا محتاج ہے اس کے بغیر ابتداء کی شرط رکھی مثلاً حیوان کا نفقہ تو وقف صحیح ہے، اور شرط باطل ہوگی اور ان پر شئی موقوف کے غلہ اور منفعت سے خرچ کیا جائے گا۔

شوافع کے ہاں...... اگر واقف یہ شرط لگائے کہ وقف کو فروخت کیا جائے، یا یہ شرط لگائے کہ وہ جسے چاہے وقف میں داخل کرے گا اور جسے چاہے نکالے گا تو صحیح قول کے مطابق وقف باطل ہے۔ جیسا کہ خیار شرط میں۔

حنابلہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے کہ اگر واقف نے وقف میں کوئی شرط فاسد لگائی جیسے اس میں خیار رکھا یا یہ شرط لگائی کہ وہ وقف کو موقوف علیہم سے پھیر دے گا کسی دوسرے کی طرف بایں طور کہا میں نے اپنا گھر اس طور پر وقف کیا یا میں اسے اس جہت سے پھیروں گا یا وقف سے کہ میں جب چاہوں گا اس میں رجوع کر لوں گا یا میں جسے چاہوں گا اہل وقف میں سے نکال دوں گا اور ان کے علاوہ جسے چاہوں گا ان میں داخل کروں گا، تو وقف صحیح نہیں، اسی طرح اگر اس نے اس کے ھبہ کی شرط لگائی یا فروخت کرنے کی یا اسے جب چاہے گا باطل کر دے گا تو بھی وقف صحیح نہیں کیونکہ یہ ایسی شرائط ہیں جو مقتضیٰ عقد کے منافی ہیں اگر اس نے وقف کے ویران اور خراب ہونے کے وقت فروخت کی شرط لگائی اور ثمن کو اسی کے مثل میں صرف کرنے کی یا اسے متولی کے لئے شرط رکھا تو شرط فاسد ہوگی فقط، اور وقف صحیح ہوگا جیسا کہ بیع کی شرائط فاسدہ میں ہوتا ہے۔

پانچویں شرط: شوافع کے ہاں...... مصرف کو بیان کرنا، اگر واقف صرف اتنا کہے میں نے اتنا وقف کیا اور مصرف ذکر نہ کرے تو اظہر یہ ہے کہ یہ باطل ہے، کیونکہ اس نے مصرف ذکر نہیں کیا، اور یہ وصیت کے برخلاف ہے کیونکہ یہ صحیح ہے اور اسے مساکین کے لئے

صرف کیا جائے گا، کیونکہ وصیتوں میں غالب مساکین پر صرف ہے۔

لہٰذا مطلق کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ برخلاف وقف کے، اور صاحب مہذب نے دوسرے قول کی تصحیح کی ہے کہ اگرچہ مصرف ذکر نہ بھی ہو تو وقف صحیح ہے، کیونکہ یہ ملکیت کو بطور قربت وثواب زائل کرنا ہے۔

لہٰذا قربانی کی طرح مطلق صحیح ہے، اور شوافع کے علاوہ جمہور نے مصرف کا بیان شرط نہیں رکھا، مالکیہ نے کہا:

وقف میں مصرف کی تعیین شرط نہیں لہٰذا یہ کہنا جائز ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کیا، مصرف کی تعیین کے بغیر بھی، اور اسے ان کے عرف کے مطابق صرف کیا جائے گا، اگر غالب عرف نہ ہو تو پھر فقراء پر صرف کیا جائے گا یہ بھی وقف ہے جب کہ موقوف کو کسی متعین جماعت کے لئے خاص نہ کرے ورنہ ان پر صرف ہوگا جیسے علمی کتابیں۔

وقف کے الفاظ کا تقاضا.....کبھی واقف سے درج ذیل الفاظ ادا ہوتے ہیں وقف کے سلسلہ میں ولد، عقب، نسل، ذریۃ، قرابۃ، آل، اہل تو ان سے مذاہب میں کون مراد ہیں۔ [1]

الف: ولد اور اولاد.....اگر واقف نے کہا میں نے اپنی اولاد یا اپنے بیٹے کے لئے وقف کیا، تو بالاتفاق یہ صلبی اولاد کو شامل ہے چاہے مذکر ہوں یا مؤنث، لیکن اگر اس نے کہا میری اولاد اور میرے بیٹے کی اولاد یا میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد تو یہ مذکر ومؤنث سب اولاد کو شامل ہے اور مالکیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ اولاد کی اولاد میں یہ صرف مذکر اولاد کو شامل ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... جب واقف کسی آدمی کی اولاد پر وقف کرے یا اولاد کی اولاد پر تو اس میں مذکر ومؤنث سب برابر ہیں کیونکہ یہ ان میں اشتراک ہے، اور اشتراک کا مطلق ہونا تسویہ وبرابری کا تقاضا کرتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ واقف اپنی اولاد پر کئے گے وقف کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق۔

یعنی میراث کے طریقہ پر مذکر کو مؤنث کا دوگنا دے، اور قاضی ابویعلی رحمہ اللہ نے فرمایا مذکر ومؤنث میں برابری مستحب ہے۔ کیونکہ مقصد دائمی طور پر قربت وثواب حاصل کرنا ہے اور یہ سب قرابت میں برابر ہیں اور جب ان میں سے بعض کو فضلیت دی گئی تو یہ اس قول کے مطابق ہوگا کہ وقف کو الأقرب فالاقرب کے اصل کے تحت تقسیم کیا جائے۔

ب: ذریت، نسل اور عقب......اگر واقف نے کہا میری ذریت یا میری نسل یا میری عقب پر میرا وقف ہے تو بالاتفاق اس سے صرف مذکر اولاد مراد ہے نہ کہ مؤنث یعنی بیٹیوں کی اولاد مراد نہیں الا یہ کہ وہ تصریح کردے یا کوئی قرینہ ہو۔

ج: آل، جنس اور اہل بیت......ان میں عصبہ داخل ہیں یعنی مذکر اولاد اور بیٹیاں، بھائی اور بہنیں، پھوپھیاں اور چچے اور خالو اور خالہ کے داخل ہونے میں اختلاف ہے اور حنفیہ نے فرمایا: آل اور جنس اور اہل بیت: ہر وہ ہے جو اسلام میں سب سے آخری دادا کے مناسب ہو اور وہ وہ ہے جس نے اسلام پایا ہو چاہے اسلام قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور حنفیہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ یہ امیر غریب سب کو شامل ہے اور حنفیہ کے ہاں اصل یہ ہے کہ چھوٹا بچہ اپنے ماں باپ اور دادا دادی کے امیر ہونے کے اعتبار سے امیر شمار کیا جائے گا، اور مرد اور عورت اپنے فروع یعنی بیٹوں اور شوہر کے امیر ہونے کے اعتبار سے امیر تصور ہوں گے، اور خصاف نے فرمایا میرے ہاں درست یہ ہے

[1] الدر المختار ورد المحتار: ۴۸۲/۳، وما بعدها، فتح القدير: ۴۲.۴۰/۵، الشرح الكبير: ۹۲/۴ وما بعدها، الشرح الصغير: ۱۳۲.۱۲۸/۴، القوانين الفقهية: ص ۳۷۰، المهذب: ۴۴۴/۱، وما بعدها، كشاف القناع: ۳۱۴.۳۰۷/۴، غاية المنتهى: ۳۱۹/۲ وما بعدها، المغنى: ۵۶۶.۵۶۰/۵۔

کہ ان سب کو دیا جائے گا اگر چہ ان کا نفقہ کسی غیر پر ہی فرض کیوں نہ ہو۔

د: القرابۃ ...... سابقہ سے یہ اعم ہے اور اس میں واقف کے تمام ذی رحم محرم داخل ہیں چاہے مردوں کی طرف سے ہوں یا عورتوں کی طرف سے، اور چاہے محرم ہوں یا غیر محرم، مالکیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق۔

حنفیہ کے ہاں...... واقف کے قرابتدار، ذی رحم محرم اور نسبی: ہر وہ ہے جو اس کے جد امجد کے اعتبار سے اسلام میں اس کے مناسب ہے والدین کی طرف سے سوائے اس کے والدین اور صلبی بیٹے کے، اس لئے کہ انہیں بالاتفاق قرابتدار شمار نہیں کیا جاتا، اور اسی طرح ان میں سے جو اوپر کی طرف یا نیچے کی طرف ہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں دو سے کم نہیں اور صاحبین کے ہاں ایک پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔

شوافع کے ہاں...... جب اپنے عزیز واقارب پر وقف کرے تو ان میں سب سے قریب ترین تین پر خرچ ہوگا اور اگر اس نے ان میں سے فقیروں کی قید لگائی تو حنفیہ کے ہاں فقر کا اعتبار سے غلہ کی موجودگی کے وقت کا اعتبار ہوگا، اور وہ وہ ہے جس کے لئے زکاۃ لینا جائز ہے اگر غلہ کو خرچ کرنے میں کسی عارض کی وجہ سے دو سال تاخیر کردی اور امیر غریب ہوگیا اور فقیر امیر ہوگیا تو تقسیم کے وقت محتاج ان کے ساتھ شریک ہوگا، کیونکہ عطیات میں ملکیت قبضہ حقیقی کے ساتھ آتی ہے، اور غنی ہوجانا اور موت آنا اس کے استحقاق کو باطل نہیں کرتا۔

جب اس نے کہا الاقرب فالاقرب تو اس سے رحم کے اعتبار سے قریبی مراد ہوں گی نہ کہ میراث اور عصوبت کے اعتبار سے۔

اور جب کہا صلحاء اقارب تو صالح وہ ہوگا جیسا کہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا جو مستور الحال ہو نہ ہی تو اس میں کسی کو شک ہو اور وہ سیدھی راہ پر ہو اور درست کنارہ پر ہو اور تکلیف دینے سے مامون ہو، اور اس کا شر کم ہو اور نبیذ پینے والا نہ ہو۔

اور اس پر لوگوں کو ندامت نہ ہو، اور نہ ہی وہ محصنہ عورتوں کو تہمت لگانے والا ہو اور نہ ہی وہ جھوٹا مشہور ہو، یہی صلاح ہے اور اس کے مثل ہی لوگ اہل خیر وفضیلت اور صاحب عفت ہیں۔

اور جب واقف نے کہا قرابتداروں میں الاحوج والاحوج، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سو درہم سے کم کا مالک ہو اگر اس کے پاس سو درہم ہوں تو ان سب میں برابر سرابر تقسیم ہوگی۔

ہ: انسان کے مراحل...... جیسا کہ وصیت میں گذرا، طفل، بچہ اور صغیر وہ ہیں جو بالغ نہ ہوئے ہوں اگر بالغ ہوگئے تو ان کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔ شاب اور حدث، نوجوان وہ ہے جو بلوغت سے لے کر چالیس سال کی عمر تک ہو، اگر چالیس سال کے اوپر ہوگیا تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔

کہولت...... چالیس پورے سال سے ساٹھ پورے سال تک، شیخ: ساٹھ سال سے لے کر آخری عمر تک، اور شیخ کے اوپر کچھ بھی نہیں۔ اور یہ الفاظ مذکر ومونث سب کو شامل ہیں جیسا کہ اُرمل کا لفظ مذکر ومؤنث دونوں کو شامل ہے۔

و: فی سبیل اللہ...... حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ فی سبیل اللہ وقف کرے یا مسافروں اور مجاہدین کے لئے، تو ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں اس لئے کہ آدمیوں کا مطلق کلام شرعی معہود پر محمول ہوتا ہے۔ اور سبیل اللہ کا معنی غزوہ اور جہاد کرنا ہے۔

ہمیشہ کا وقف: اتصال وانقطاع کے اعتبار سے...... ہمیشہ کا وقف جب اس کا موقوف علیہ منقطع ہو جائے یا متصل ہو تو اس کی چار قسمیں ہیں: ❶

۱......اگر اس کی ابتداء معلوم ہو اور اس کی انتہاء منقطع نہ ہو، یعنی اس کی ابتداء وانتہاء متصل ہو، جیسے مسکینوں پر وقف کرنا یا ایسے گروہ کے لئے وقف کرنا کہ عادۃً ان کا ختم ہونا محال ہو، تو یہ بالاتفاق صحیح ہے، لیکن اگر وقف ابتداء وانتہاء کے اعتبار سے منقطع ہو جیسے اپنی اولاد پر وقف اور اس کی کوئی اولاد ہو ہی نہ، تو وقف باطل ہے، اس لئے کہ جو بچہ پیدا نہیں ہوا وہ مالک نہیں بن سکتا لہٰذا اس پر وقف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲......اگر ابتداء تو متصل ہو لیکن انتہاء معلوم نہ ہو مثلاً ایسے لوگوں پر وقف کرنا کہ معمول کے اعتبار سے ان کے ختم ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اور اس نے اس کا آخر مساکین کے لئے بھی نہ چھوڑا ہو، اور نہ ہی کسی غیر منقطع جہت کے لئے تو جمہور کے ہاں وقف صحیح ہے، کیونکہ اس تصرف کا مصرف عرفی اعتبار سے معلوم ہے، اور جب موقوف علیہم ختم ہو گئے تو وہ واقف کے قریبی پر خرچ ہوگا'' کما تقدم'' کیونکہ وقف کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے لہٰذا اسے اس کی شرط پر محمول کیا جائے گا، اور جس چیز کے بارے میں وہ خاموش رہا اس میں اس کے مقتضیٰ پر محمول ہوگا، اور یہ ایسا ہو جائے گا جیسے ہمیشہ کے لئے وقف۔

اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا اور حنفیہ کے ہاں اسی پر فتویٰ بھی ہے کہ یہ وقف صحیح نہیں اس لئے کہ قربت کی غیر منقطع جہت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وقف کا تقاضا ہمیشگی ہے جب وہ منقطع ہو گیا تو یہ مجہول پر وقف ہوا تو درست نہیں جیسا کہ ابتداء مجہول پر وقف کرے۔

۳......اگر وقف ابتداء کے اعتبار سے منقطع ہو اور انتہاء کے اعتبار سے متصل مثلاً کسی ایسے پر وقف کر دے جس کے لئے وقف جائز نہیں جیسے اپنے لئے یا اپنے غلام کے لئے، یا کسی کنیسا یا غیر متعین مجہول کے لئے تو اس میں شوافع اور حنابلہ کی دو رائے ہیں ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ ابتداء باطل ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ صحیح ہے اور جب یہ کہا جائے کہ صحیح ہے تو فی الحال اسے ان پر صرف کیا جائے گا جن پر وقف جائز ہے۔

۴......اگر وقف دونوں طرفوں سے صحیح ہو اور درمیان سے منقطع ہو مثلاً شروع میں اپنے بیٹے کے لئے وقف کرے پھر غیر متعین کے لئے پھر مسکینوں کے لئے تو اس میں دو رائے ہیں ایک تو منقطع الانتہاء کی طرح، اور ایک قول یہ ہے کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں درست ہے ایک قول ہے کہ باطل ہے۔

اگر اس کی دونوں طرفین منقطع ہوں اور درمیان صحیح ہو جیسے ایک شخص پہلے اپنے پر وقف کرے پھر اپنی اولاد پر پھر کنسیہ پر تو اس کی صحت میں دو رائے ہیں اور اس کا مصرف وقف منقطع کا مصرف ہے۔

پانچویں فصل......شرعی اور قانونی طور پر وقف کا اثبات

شرعی طور پر تو وقف کے اثبات کے لئے شہادت بھی ایک طریقہ ہے اور وقف کے دعویٰ میں شرط ہے کہ وقف کو بیان کیا جائے اگر چہ وہ قدیم ہی کیوں نہ ہو، اور اس کے اثبات کے لئے گواہی پر گواہی قبول ہے، اور مردوں کی گواہی عورتوں کے ساتھ اور شہرت اور تسامع کے ساتھ شہادت مثلاً گواہ کہے، میں تسامع کے ساتھ گواہی دیتا ہوں اور مصرف کے بیان کے لئے بھی تسامع کی گواہی قبول کی

❶......الدر المختار ورد المحتار: ۳/۴۰۰، ۴۸۰، الشرح الصغير: ۴/۱۲۱۔۱۲۴، المهذب: ۱/۴۴۱ وما بعدها، المغنی: ۵/۵۶۷۔۵۷۳.

جائے گی جیسے ان کا کہنا فلاں مسجد پر اور مستحقین کے بیان کے لئے، اور اس کی شرائط کے اثبات کے لئے قبول نہیں اور رہ گیا تحریری اسٹامپ تو وہ حجت نہیں بن سکتا کیونکہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ (نیز جھوٹے اسٹامپ تیار کئے جانا روز کا معمول ہے اور وقف شدہ زمین کی تحدید وحد بندے کے لئے شرط ہے وقف کی صحت کے لئے شرط نہیں۔ اس لئے کہ شرط معلوم ہے اور یہ شرط وقف کی قبولیت کے لئے شہادت ہے۔ ❶

اور مصر اور شام میں اسی پر عمل ہے شرعی فیصلوں اور عدالتوں میں پھر مصری وقف کے قانون میں دفعہ ایک (نمبر ۴۸ سن ۱۹۵۲ء) میں تصریح ہے کہ واقف باقاعدہ طور پر گواہ بنائے، کسی ایک شرعی عدالت کے روبرو جن کے دائرہ میں وقف آتا ہے۔

اس کے ذریعہ باطل دعوؤں کی تردید اور جھوٹ کے دروازے بند کرنے میں۔ کیونکہ جھوٹی گواہی کے ذریعہ لوگ باطل طور پر وقف وغیرہ کو ثابت کررہے ہیں۔ اور یہ قانونی طور پر زمین کے بندوبست کے کاغذوں کے ساتھ متفق ہے کہ جو بھی زمین کا تصرف ہو اور جس کی زمین ہو اس میں (پٹواری) کے ذریعہ کام ہوگا۔ اور وہ وقف جو منقطع ہو اس کے ثبوت کے لئے خصاف نے فرمایا وہ اوقاف جو قدیمی ہیں اور ان کے گواہ فوت ہوگئے ہوں اور حکم کے دیوان اور دفتر میں جو اسٹامپ وغیرہ میں اور وہ ان کے قبضہ میں ہے تو اسے ان کے کاغذات کے مطابق استحسانا رکھا جائے گا۔ جب کہ اس کے اہل میں جھگڑا ہو، اور جن کے کاغذات نہ ہوں تو جو بھی جھگڑے میں اپنے حق کو ثابت کرے اس کے لئے حکم کیا جائے گا۔

چھٹی فصل......وقف باطل کرنے والی چیزیں

سابقہ شرائط میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جائے تو وقف باطل ہوجائے گا اور مالکیہ نے وقف باطل کرنے والی چیزیں ذکر کی ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں۔ ❷

۱: نو پید مانع......مثلاً واقف فوت ہوجائے یا مفلس ہوجائے یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہوجائے جو اس کی موت سے متصل ہو قبضہ سے پہلے تو وقف باطل ہے، اور موت کی صورت میں وہ وارث کے لئے ہوگا اور مفلس ہونے کی صورت میں قرض خواہ کے لئے اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل۔

۲......اگر واقف خود گھر میں ٹھہرا رہا اور اس نے اس میں رہائش اختیار کرلی سال پورا ہونے اور اسے علیحدہ کرنے سے پہلے یا اس نے زمین کا غلہ اپنے لئے لے لیا تو وقف باطل ہے۔

۳......کسی گناہ کے لئے وقف جیسے کنسیہ کے یا موقوف کے غلہ کو شراب یا حرام لڑائی کے لئے اسلحہ خریدنے کے لئے صرف کیا تو بھی باطل ہے۔

۴......حربی کافر پر وقف باطل ہے اور ذمی کے لئے صحیح ہے اور یہ متفق علیہ شرط ہے۔

۵......اپنے لئے وقف کرنا اگرچہ غیر وارث شریک بھی ساتھ ہو مثلاً میں اپنے اوپر وقف کرتا ہوں فلاں کے ساتھ، کیونکہ یہ باطل ہے جو اس نے اپنے لئے خاص کیا اور شریک کے لئے۔

۶......اس طور پر وقف کرنا کہ اس میں نگرانی واقف کی ہوگی تو اس میں پابندی کی وجہ سے وقف باطل ہے۔

۷......قرض سے لاعلمی کی حالت میں کیا گیا وقف جب کہ وقف مجبور پر کیا گیا ہو، اگر اس کی نگرانی میں وقف ہوا جس پر پابندی ہے اور اس نے اسے سمیٹ لیا اور واقف پر قرض تھا، اور یہ معلوم نہیں کہ قرض وقف سے پہلے کا ہے یا بعد کا تو وقف باطل ہے، اور اسے قرض کی

---

❶......ردالمحتار: ۴۰۸/۳، ۴۴۱، ۴۴۴۔ ❷القوانین الفقھیۃ: ص ۳۷۰، الشرح الصغیر: ۱۰۷/۴، ۱۰۸۔

ادائیگی کے لئے فروخت کیا جائے گا واجب کو نیکی اور تبرع پر مقدم کرتے ہوئے، قبضہ ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

۸......تخلیہ نہ ہونا، یعنی واقف کا شے موقوف اور لوگوں کے درمیان تخلیہ مثلاً مسجد، رباط یا مدرسہ وغیرہ کے لئے مانع کے حصول سے پہلے تو یہ وقف کو باطل کر دیتا ہے۔ اور یہ میراث ہوگا۔

۹......کافر کا مسجد، مدرسہ، رباط اور دوسری اسلامی نیکیوں کے لئے وقف کرنا، یہی حنفیہ کی رائے بھی ہے۔

اور مکروہ تنزیہی ہے صرف بیٹوں کے لئے وقف کرنا بیٹیوں کے لئے نہ کرنا کیونکہ یہ جاہلیت کے عمل کے مشابہ ہے کہ وہ والد کی میراث سے انہیں محروم رکھتے تھے، لیکن اگر ایسا وقف ہو گیا تو وہ نافذ ہوگا فاسخ نہ ہوگا۔ اور بالاتفاق کسی آدمی کا اپنی بعض اولاد کو ھبہ کرنا سارا مال یا اکثر مال مکروہ ہے اور اسی طرح مکروہ ہے اپنا سارا مال ساری اولاد کو دینا تاکہ وہ مذکر و مونث اپنے درمیان برابر تقسیم کرلیں اگر انہوں نے آپس میں میراث کے حصص کے مطابق تقسیم کرلیا تو یہ جائز ہے اور اس کے برعکس بالاتفاق وقف جائز ہے یعنی صرف لڑکیوں کے لئے وقف کرنا لڑکوں کے لئے نہ کرنا۔

وقف کی انتہاء کے بارے میں قانون کا مؤقف......مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۵۲ء دفعہ ۱۶۔ ۱۸ میں وقف کی انتہاء مدت مقررہ کے ختم ہونے پر یا جن پر وقف کیا گیا ہے ان کے ختم ہونے پر تصریح ہے اور اسی طرح وقف ختم ہو جائے گا ہر اس کے حصہ میں کہ جب مدت مقررہ ختم ہونے سے پہلے اس کے اہل ختم ہو جائیں یا وہ طبقہ ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے کہ جن کے ختم ہونے پر وقف ختم ہونا تھا، اور یہ بھی اس وقت ہے کہ جب وقف کی تحریر باقی موقوف علیہم کے حصہ کی طرف لوٹنے پر دلالت نہ کرے اس لئے کہ اس حالت میں وقف ختم نہیں ہوتا الا یہ کہ یہ باقی بھی ختم ہو جائیں یا مدت ختم ہو جائے۔ اور یہ وقف اس طرح بھی ختم ہو جائے گا کہ وہ خراب اور ویران ہو جائے یا گم ہو جائے، اور اگر واقف زندہ ہے تو وقف اس کی ملکیت میں آ جائے گا ورنہ اختتام کے فیصلہ کے وقت اس کے مستحقین کو ملے گا۔

ساتویں فصل......وقف کے اخراجات

وقف کے اخراجات اس کے نفع سے ہوں گے بالاتفاق واقف وغیرہ کی شرط میں اختلاف کے ساتھ۔

حنفیہ کا مذہب...... ❶ واجب یہ ہے کہ ابتداء کی جائے وقف کے منافع اور غلہ سے اس کی تعمیر سے اتنی مقدار میں کہ وقف جس حالت پر ہوا اسی پر باقی رہے اگر وہ خراب اور ویران ہو جائے تو اپنی صفت پر بنایا جائے، چاہے واقف غلہ سے اخراجات کی شرط لگائے یا نہ لگائے، کیونکہ واقف کا مقصد غلہ کو ہمیشہ کے لئے صرف کرنا ہے اور وہ تعمیر کے بغیر ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہ سکتا ہے تو عمارت کی تعمیر اقتضاءً ثابت ہوگی، نیز ''الخراج بالضمان''۔

اگر اس نے گھر کو اپنے بیٹے کی رہائش کے لئے وقف کیا تو تعمیر اس کے ذمہ ہے جس نے رہائش اختیار کرنا ہے کیونکہ ''العزم بالغنم'' اگر وہ رک گیا جسے رہائش اختیار کرنا تھی تعمیر سے یا وہ عاجز آ گیا مثلاً وہ فقیر ہے تو حاکم جسے چاہے اسے اجرت پر دے دے اور اس کی اجرت سے عمارت وقف کی تعمیر کروائے، پھر تعمیر کے بعد اسے دے دے جس کو رہائش کی اجازت ہے، کیونکہ اس کی تعمیر میں دو حقوق کی رعایت ہے، ایک واقف کے حق کی اور دوسرے رہائش اختیار کرنے والے کے حق کی اور رکنے والے کی تعمیر پر مجبور نہ کیا جائے گا کیونکہ اس میں مال کا تلف ہے، اور جس کو رہائش کا اختیار ہے اسے اجارہ پر دینا درست نہیں بلکہ متولی یا قاضی کو ہے، اور اس کی طرف سے تعمیر

❶......فتح القدیر: ۳۵/۵، الکتاب مع للباب: ۱۸۴/۲، الدر المختار: ۴۱۲/۳۔ ۴۱۷۔

نہیں جسے بڑھوتری حاصل کرنی ہے، کیونکہ اس کی رہائش نہیں، بلکہ اس کی تعمیر اس کے ذمہ ہے جس پر رہائش اختیار کرنا ہے۔ اگر اس نے رہائش اختیار کرلی تو اس پر ظاہری اجرت نہیں کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں الا یہ کہ تعمیر کی ضرورت اور حاجت ہو تو متولی لے کر تعمیر کرے۔

وقف کی عمارت یا اس کی آلات میں سے جو کچھ منعدم ہو جائے، جیسے وہ آلات جن سے کام کیا جاتا ہے، ہل جوتنے کے آلات وقف کی زمین میں، اگر وقف ان کا محتاج ہے تو حاکم انہیں واپس کرے گا اور اگر ضرورت نہیں تو انہیں اپنے پاس روک کے رکھے گا جب تک کہ دوبارہ اس کی تعمیر کی ضرورت پیش آجائے، تاکہ ضرورت کے وقت اس پر صرف کرنا متعذر نہ ہو، اگر متعذر رہو تو اس کے عین کو واپس کرنا ضروری ہے۔ تو انہیں فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن اس کی مرمت واصلاح پر خرچ کئے جائیں گے۔

اور یہ جائز نہیں کہ منعدم شدہ کو یا اس کے بدل کو مستحقین کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ کیونکہ یہ شئی موقوف کا جزو ہے اور اس میں ان کا کوئی حق نہیں، بلکہ ان کا حق اس کی منفعت میں ہے۔

لہٰذا اسے ان کے حق کے علاوہ میں صرف نہ کیا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ حکم حنفیہ ہی کی طرح ہے، کہ متولی پر واجب ہے کہ وہ وقف کی اصلاح کرے جب کہ اس میں کوئی خلل واقع ہو اور اگرچہ واقف اس کے خلاف ہی شرط رکھے اس کی مرمت اور اصلاح میں اس کی اتباع نہ کی جائے گی کیونکہ وہ اسے تلف تک لے جائے گا اور وہ باقی نہ رہے گا اور یہ جائز نہیں۔ اور اگر موقوف گھر میں کوئی خرابی ہو تو متولی و منتظم اسے کرائے پر دے دے اور رہائشی کو اس سے نکال دے جب کہ اس سے اس کی مرمت کا مطالبہ کیا گیا ہو اور اس نے مرمت نہ کی ہو۔

اور جب وہ درست ہو جائے تو پھر اجارہ کی مدت کے بعد وہ موقوف کی طرف لوٹ آئے گی لیکن اگر اس نے اس کی اصلاح ومرمت کردی تو اسے نکالا نہ جائے گا۔

اگر شے موقوف کا غلہ نہ ہو تو اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اگر بیت المال میں بھی کچھ نہ ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ خراب ہو جائے اور واقف پر خرچہ کرنا لازم نہیں۔

جہاد کے گھوڑوں اور جانوروں وغیرہ پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اور واقف پر ان کے نفقہ میں سے کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور نہ ہی انہیں اجارہ پر دیا جائے کہ اس کے غلہ سے ان پر خرچ ہو اگر مسلمانوں کا بیت المال نہ ہو یا اس تک پہنچا ممکن نہ ہو تو حیوان کو فروخت کردیا جائے گا اور ان کے عوض ایسا اسلحہ خرید لیا جائے گا جس پر کوئی خرچ نہیں ہوتا۔

شوافع اور حنابلہ کا مذہب...... ❷ کہ شے موقوف کا خرچہ اور تجہیز اور تعمیر کا خرچہ اس شرط کے مطابق ہوگا واقف نے اپنے مال سے مشروط کیا ہے یا وقف کے مال سے، اس کے وقف کے سلسلہ میں اس کی شرط کی اتباع ہے، تو اس کے اخراجات کے سلسلہ میں بھی شرط کی اتباع واجب ہے، اگر ممکن نہ ہو تو موقوف کے منافع اور غلہ سے یہ کام ہوں گے جیسے زمین کا غلہ، کیونکہ وقف کی اصل کی حفاظت اس پر اس کے غلہ سے خرچ کئے بغیر ممکن نہیں لہٰذا خرچ کرنا اس کی ضروریات میں سے ہے۔

اگر اس کے منافع معطل ہوں تو خرچہ اور اس کی تیاری کے اخراجات شوافع کے ہاں نہ کے تعمیر کے بیت المال سے ہوں گے، اور حنابلہ کے ہاں اگر جانور کے منافع معطل ہوں تو اس کا نفقہ موقوف علیہ پر ہوگا، کیونکہ وہ اس کی ملک میں ہے، اور بیت المال پر واجب کرنا بھی محتمل ہے، اور اس کا فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

❶......الشرح الصغير: ١٢٤/٤ وما بعدها، القوانين الفقهية: ص ٣٧٢۔ ❷المهذب: ٤٤٥/١ مغنی المحتاج: ٣٩٥/٢، المغنی: ٥٩٠/٥، كشاف القناع: ٢٩٣/٤۔

شے موقوف (وقف شدہ) کی زکاۃ کے سلسلہ میں مالکیہ، حنابلہ اور شوافع نے فرمایا: ❶ اگر وقف کسی خاص قوم پر ہو اور بعض لوگ اس کا پھل یا زمین کے دانے وغیرہ حاصل کریں اور وہ نصاب تک پہنچ جائے یعنی پانچ وسق تو ان پر زکوٰۃ ہے کیونکہ وہ اس کے نتیجہ کے مالک ہیں اور جب وقف مسکینوں کے لئے ہو تو پھر اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اور امام مالک نے وقف شدہ چیز جب کسی غیر معین مثلاً فقراء' اور مساکین کے لئے ہو اور وہ پانچ وسق بھی ہو تو زکوٰۃ واقف پر واجب کی ہے اس بناء پر کہ واقف اس کا مالک ہے لہٰذا وہ اپنی ملکیت کی زکوٰۃ ادا کرے گا اور متعین لوگوں پر وقف کی صورت میں ہر ایک کے حصہ میں پانچ وسق ہونا شرط ہے۔

آٹھویں فصل: خراب اور ویران ہونے کی صورت میں وقف کو تبدیل یا فروخت کرنا...... وقف کا مقصد اس سے ہمیشہ نفع حاصل کرنا ہے، اور اس کے نفع سے ثواب اور اجر حاصل کرنا ہے، جب وہ خراب ہو جائے تو پھر اس کا کیا حل ہے؟ تو فقہاء نے ضرورت کی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس کی تبدیلی اور فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کی تفصیلات ان کے ہاں ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... ❷ مسجد کے لئے وقف مفتی بہ قول کے مطابق ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے اگر چہ اس کی ضرورت باقی نہ بھی رہے لیکن مسجد ہونے کی صفت اس سے ختم نہیں ہوتی، اگر مسجد ویران اور خراب ہو جائے اور اسے تعمیر نہ کیا جا سکے اور لوگ اس میں مستغنی ہو گئے ہوں دوسری مسجد بنا لینے کی وجہ سے تو بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی ہے۔ اور انہی کی رائے پر فتویٰ ہے، وہ جگہ بنانے والے اور اس کے ورثاء کی ملکیت میں نہیں آئے گی نہ ہی تو اسے منتقل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مال کو کسی دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے۔ چاہے اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، اور مسجد کی دیوار پر اپنے مکان کے شہتیر رکھنا جائز نہیں اگر چہ اجرت دے کر ہی کیوں نہ ہو، اور امام محمد نے فرمایا: جب وقف منعدم ہو جائے اور اس کا اتنا غلہ بھی نہ ہو کہ اس سے اس کی تعمیر ہو سکے تو وہ بانی اور اس کے ورثاء کے قبضہ میں لوٹ آئے گا۔

یہی مذکورہ اختلاف مسجد کی چٹائیوں، لائٹوں میں بھی جاری ہوگا جب کہ اس کی ضرورت نہ رہے امام ابو یوسفؒ کے ہاں ایک روایت میں انہیں دوسری مسجد میں منتقل کیا جائے گا اور امام محمد کے ہاں وہ مالک کی طرف لوٹے گا جب وہ کلی طور پر انتفاع سے نکل جائے۔ اسی اختلاف پر رباط، اور کنواں بھی ہے جب ان دونوں سے نفع نہ اٹھایا جائے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں مسجد، رباط، کنویں اور حوض کے وقف کو قریب ترین مسجد، رباط، کنویں اور حوض پر صرف کیا جائے گا لیکن مفتی بہ شیخین کا قول ہے مسجد کی ہمیشگی کے سلسلہ میں، کہ نہ تو اسے منتقل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مال کو کسی دوسری مسجد میں اور جب مسجد خراب ہو گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔ لیکن مسجد کے آلات یعنی لائٹ، چٹائی برخلاف اس کے انقاص کے، امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے یعنی وقف کرنے والے اور اس کے ورثہ کو واپس کر دینا، رہ گیا اس کا انقاص تو جیسے ذکر ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے کہ مسجد میراث نہیں بن سکتی، اور نہ ہی اسے منتقل کرنا نہ اس کی مثل کو منتقل کرنا جائز ہے یعنی اس کے مثل واقف یا اس کے ورثہ کی ملکیت میں نہیں آئے۔

جب واقف نے دو وقف کئے مسجد کے لئے ایک اس کی تعمیر کے لئے اور ایک اس کے امام اور مؤذن کے لئے تو حاکم کو اختیار ہے کہ مسجد کے مصالح اور تعمیر سے فاضل اور بچے ہوئے وقف کو امام اور مؤذن پر خرچ کرے جب کہ ان کے لئے خاص کیا گیا وقف کم ہو اہل محلہ میں سے درست لوگوں کی رائے کے ساتھ، جب کہ وقف متحد ہو کیونکہ مقصد اس کے وقف کو زندہ رکھنا ہے۔ اور وہ اسی نقل کے ساتھ حاصل ہوگا کیونکہ یہ دونوں اس وقت ایک شئی کی طرح ہیں واقف اور اس کی جہت کے اتحاد کی صورت میں نقل کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر

---

❶......المغنی: ۵/۵۸۲، تکملة المجموع: ۱۴/۵۹۷، الفروق: ۲/۱۱۱ وما بعدها۔ ❷الدر المختار وردالمحتار ۴۰۶۔۴۰۸، ۴۱۹، وما بعدها ۴۲۴۔۴۲۷، فتح القدیر: ۵/۸۸، وما بعدها، البدائع: ۶/۲۲۰۔

واقف یا اس کی جہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو مثلاً دو آدمی دو مسجدیں بنائے یا ایک آدمی مسجد اور مدرسہ بنائے اور ان دونوں پر وقف کرے تو حاکم کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک خاص کر دوسرے پر خرچ کرے۔

مسجد کے کھنڈرات کی فروخت...... جب وقف منہدم ہو جائے اور اسے تعمیر کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور اسے اجارہ پر دینا اور تعمیر کرنا ممکن نہ ہو اور صرف اس کے کھنڈرات، پتھر، لکڑ وغیرہ۔

باقی ہوں تو حاکم کے حکم سے انہیں فروخت کرنا جائز ہے۔ تو ان کے ثمن سے اور وقف کی چیزیں خریدی جائیں گی، جب خریدنا ممکن نہ ہو تو اگر واقف کے ورثاء موجود ہیں تو انہیں لوٹا دیا جائے گا، اور اگر وہ نہ پائے جائیں تو اسے فقراء پر خرچ کیا جائے گا اور قاضی کے حکم سے فروخت کرنا اور اس کے ثمن کو بعض مساجد کے لئے خرچ کرنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر مبنی ہے اور ان سے دوسری روایت ہے اور ورثاء یا غریب لوگوں کو دینا امام محمد کے قول پر مبنی ہے۔ اور یہ بہت ہی عمدہ تطبیق ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے ورنہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر۔

خلاصہ یہ کہ مشائخ حنفیہ کے ہاں مسجد کے کھنڈرات وغیرہ۔ کو فروخت کرنا اور انہیں دوسری مسجد یا رباط پر خرچ کرنے کا مقصد انتفاع حاصل کرنا ہے کیونکہ واقف کا مقصد شئی موقوف سے لوگوں کا فائدہ حاصل کرنا ہے تاکہ ظالم اس کو ظلماً نہ لے لیں۔

راستہ کا کچھ حصہ مسجد بنا دینا یا اس کے برعکس...... جب بانی مسجد، اہل محلّہ کے اعتراض کے بغیر راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کر دے مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے اور اس سے گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو تو یہ جائز ہے، کیونکہ دونوں چیزیں مسلمانوں کی ہیں اور اسی طرح اس کا عکس یعنی مسجد میں راستہ رکھنا بھی جائز ہے اس میں سے ہر ایک کے لئے گذرنا جائز ہے۔

حتیٰ کہ کافر بھی گذر سکتا ہے سوائے جنبی، حائضہ اور جانوروں کے۔ اور حاکم وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ راستہ کو مسجد بنائے لیکن اس کا عکس اس کے لئے جائز نہیں کیونکہ راستہ میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں۔

تبدیلی کی حالتیں......حنفیہ کے ہاں تبدیلی کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت...... واقف اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے یا اپنے اور دوسرے دونوں کے لئے شرط لگائے، کہ واقف وقف شدہ زمین کو کسی دوسری زمین سے تبدیل کرے گا یا اس کی فروخت کی شرط لگائے تو صحیح قول کے مطابق اس کی تبدیلی جائز ہے تو اسکے ثمن سے دوسری زمین خرید لی جائے گی جب وہ چاہے جب اس نے ایسا کیا تو دوسری زمین شرائط میں پہلی کی طرح ہو جائے گی۔

دوسری صورت...... کہ واقف شرط نہ لگائے، یا تو اس کے عدم کی شرط لگائے یا خاموش رہے لیکن موقوف اس طرح ہو جائے کہ اس سے کلی طور پر نفع نہ اٹھایا جا سکتا ہو کہ اس سے کچھ حاصل ہی نہیں ہو رہا، یا اس کے اخراجات ہی پورے نہیں ہو رہے تو یہ بھی اصح قول کے مطابق جائز ہے جب کہ قاضی کی اجازت سے ہو اور اس کی رائے میں مصلحت ہو۔

تیسری حالت...... واقف کوئی شرط نہ لگائے لیکن اس میں فی الجملہ نفع ہو اور اس سے بہتر کے ساتھ اسے تبدیل کیا جائے، تو اصح قول کے مطابق اسے تبدیل کرنا جائز نہیں۔

تبدیلی کی شرائط...... اگر وقف غیر منقولہ جائیداد ہو اور مسجد کے علاوہ ہو تو معتمد ہے کہ قاضی کے لئے اسے ضرورت کے موقع پر

چھ شرائط کے ساتھ اسے تبدیل کرنا جائز ہے اگر چہ واقف نے شرط نہ بھی لگائی ہو۔

١.....شئے موقوف سے کلی طور پر نفع حاصل نہ ہو یعنی اس کا نفع ختم ہو جائے۔

٢.....وقف کے لئے نفع نہ ہو جس سے اس کی تعمیر نہ ہو سکتی ہو۔

٣.....بیع غبن فاحش کے ذریعہ نہ ہو۔

٤.....تبدیل کرنے والا علماء کا سربراہ اور قاضی ہو، جو صاحب علم وعمل ہوتا کہ اس کے استبدال سے مسلمانوں کے وقف میں نہ ہو جیسا کہ اس آخری زمانہ میں غالب ہے۔

٥.....اس کے ذریعہ غیر منقولہ جائیداد تبدیل ہو نہ کہ دراہم ودنانیر، تاکہ متولی ان کو کھا نہ جائے، نیز بہت کم ہوتا ہے کہ متولی اس سے اس کے بدلہ میں کچھ خریدتا ہو۔ اور بعض نے نقدی سے تبدیل کرنے کی اجازت دی ہے۔ جب تک کہ تبدیل کرنے والا قاضی ہو۔

٦.....قاضی اسے فروخت نہ کرے جس کی شہادت اس کے ہاں معتبر نہیں اور نہ ہی اسے جس کا اس پر دین ہے۔ محابات اور تہمت کے خوف سے۔

جب یہ شرائط کامل طور پر نہ پائی جائیں تو وقف کی بیع باطل ہوگی نہ کہ فاسد، اور جب حاکم کی بیع صحیح ہوگئی تو حاکم نے جسے فروخت کیا اس کا وقف ہونا باطل ہو گیا اور باقی اپنی حالت پر باقی رہے گا۔ یہاں پر چار مسائل ہیں جن میں آباد زمین کو فروخت کرنا جائز ہے۔

پہلا مسئلہ.....اگر واقف نے شرط رکھی ہو۔

دوسرا مسئلہ.....جب اسے کوئی غصب کرے اور اس پر پانی آجائے کہ وہ سمندر بن جائے تو قیمت کا ضامن ہوگا اور اسی کا متولی اس کے بدلے زمین لے گا۔

تیسرا مسئلہ.....غاصب انکار کر رہا ہو اور اس کے پاس گواہ بھی نہ ہوں اور وہ قیمت دینا چاہتا ہو تو متولی قیمت لے کر اس کے بدلے اور خریدے۔

چوتھا مسئلہ.....کوئی شخص اس سے بہتر کی ترغیب دے رہا ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو اور جگہ بھی اچھی ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شئے موقوف کے فروخت کرنے کے سلسلہ میں مالکیہ کا مذہب مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ اوقاف فروخت ہونے کے اعتبار سے تین قسم پر ہیں۔ [1]

ایک مسجد.....ان کی بیع بالاجماع حلال نہیں، دوسری عقار (زمین، غیر منقولہ جائیداد) اگر چہ خراب ہو جائے لیکن فروخت نہیں کی جائے گی، اور اس کو اس کی جنس سے تبدیل کرنا بھی جائز نہیں جیسے اس کی مثل جو خراب نہیں اس سے تبدیل کرنا، اور اس کے کھنڈرات کی بیع بھی جائز نہیں لکڑ پتھر وغیرہ۔

ہاں اگر موقوف میں اس کا لوٹانا متعذر ہو تو اسے اس کے مثل میں منتقل کرنا جائز ہے۔ اور موقوفہ عقار کو ایک ہی حالت میں فروخت کرنا جائز ہے وہ یہ کہ اس سے مسجد یا راستہ کے لئے وسیع جگہ خریدنی ہو۔

---

[1].....القوانین الفقهیة: ٣٧١، الشرح الصغیر: ٩٩/٤، ١٠١، ١٢٥، ١٢٧، الشرح الکبیر: ٩٠/٤، وما بعدها الفواکه الدوانی علی رسالة ابن ابی زید القیروانی ص ٢٠٤.

تیسری صورت...... سامان اور جانور جب ان کا نفع ختم ہو جائے، مثلاً گھوڑا بوڑھا ہو جائے، اور کپڑا پرانا ہو جائے، کہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا تو ایسے موقوف کی بیع جائز ہے اور اس کے ثمن اس کے مثل میں خرچ ہوں گے اگر اس کی قیمت کسی چیز کے مکمل خریدنے تک نہ پہنچے تو اس کے مثل حصہ میں اسے رکھا جائے گا، جس نے جانوروں میں سے کوئی چیز وقف کی، تاکہ اس کے دودھ اور اون سے نفع اٹھایا جائے، تو اس کی نسل بھی وقف میں اصل کی طرح ہوگی اور اس کی مذکر جو نسل میں سے جفتی سے رہ گے اور جو مؤنث بڑی ہوگئی تو انہیں فروخت کیا جائے گا اور ان کے بدلے چھوٹی چھوٹی مؤنث خریدی جائیں گی، تاکہ تمام نفع حاصل ہو۔ اور یہ قول ابن قاسم کا ہے جب کہ ابن ماجشون کے ہاں بالکل فروخت نہ کی جائے گی۔

اوپر والی منزل...... مالکیہ کے قول کے مطابق کہ وقف کی یا اس کے کھنڈرات کی بیع ممنوع ہے تو اگر خراب ہو جائے اور غلہ اور اجرت حاصل کرنا اس سے متعذر ہو تو آیا متولی کے لیے جائز ہے کہ اسے کسی کو اجازت ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے یا اس میں رہنے لگا کہ عمارت اور مرمت بانی کے ہوں یا اوپر والی منزل ہو جو اسے فروخت کرے اور اس میں وراثت جاری ہو، کیونکہ عمارت تو بنانے والی کی ہے۔ اور اس کی موقوفہ زمین میں ہمیشہ کے لئے ایک کرایہ رکھ دیا جائے جو مستحقین کو یا مسجد کے خارج کو دیا جائے؟ تو ان میں سے بعض نے فتویٰ دیا ہے جن میں شیخ خوشی بھی ہیں کہ جائز ہے۔ اور حنفیہ نے بھی اجازت دی ہے۔ ❶ اسی کو خلو کہتے ہیں متن خلیل کے شارح دردیر نے فرمایا یہ فتویٰ قطعی باطل ہے اور خاص کر مالکیہ تو ایسا نہیں کہہ سکتے کیونکہ موقوف کی منفعت بھی وقف ہے اس عمل سے مالک نہیں بن سکتے۔

شے موقوف کی فروخت کے سلسلہ میں شوافع کا مذہب......شوافع کے ہاں۔ ❷

ا...... جب مسجد منہدم ہو جاتے، یا ویران ہو جائے اور اس میں نماز موقوف ہو جائے، اور اس کا اعادہ متعذر ہو، یا شہر کے ویران ہونے کی وجہ سے معطل ہو جائے، تو کسی کی بھی ملکیت میں نہیں آئے گی اور اس میں کسی بھی حالت میں کسی بھی قسم کا تصرف بیع وغیرہ جائز نہیں اس لئے کہ جس چیز کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے ختم ہو جائے، تو وہ مالک کی ملک میں واپس نہیں آسکتی، جیسے وہ غلام کو آزاد کرے پھر وہ مریض ہو جائے اپاہج ہو جائے تو اس کے آقا کی ملکیت اس میں واپس نہ آئے گی اور مسجد کے غلّہ کو قریب ترین مساجد میں صرف کیا جائے گا اگر اس کی دوبارہ تعمیر کا امکان نہ ہو ورنہ اس کی حفاظت کی جائے گی۔

اگر کسی مسجد کے گرنے کا خطرہ ہو تو اسے توڑ دیا جائے گا اور حاکم اس کے کھنڈرات سے دوسری مسجد تعمیر کرے گا، اگر اس کی یہ رائے ہو ورنہ اس کی حفاظت کرے گا، اور اس کے قریب ہی بنانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اور اس سے کنواں نہیں بنایا جائے گا، جیسا کہ اگر کنواں خراب ہو تو اسے مسجد پر خرچ نہیں کیا جاتا، بلکہ اس سے ایک اور کنواں بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ واقف کی غرض کی رعایت ممکنہ حد تک رکھنی ہے۔

اگر واقف نے پل کے لئے وقف کیا وہ وادی جل گئی اور ایک اور جگہ پر پل کی ضرورت پیش آئی تو اسے اس جگہ سے دوسری ضرورت کی جگہ پر منتقل کرنا جائز ہے۔

اور سرحدوں کے وقف کا غلہ جب کہ بارڈر پرامن ہو جائے متولی اس کو حفاظت سے رکھے گا کیونکہ دوبارہ اس پر خطرہ کا احتمال ہے۔ اور مسجد کے تعمیر سے زائد غلہ کو رکھا جائے گا اس کے منہدم ہونے کی بقدر اور باقی سے زمین خرید لی جائے گی اور وقف کر دی جائے تاکہ اس کی حفاظت ہو سکے اور موقوف کی تعمیر موقوف علیہم پر مقدم ہے کیونکہ اس سے وقف کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور موقوف کے منافع کو مطلق مسجد پر خرچ کیا جائے گا یا اس کی تعمیر پر: کہ مسجد کی تعمیر، چونا وغیرہ کرنا اور سایہ کرنا وغیرہ۔

---

❶......رد المحتار: ٤٢٨/٣۔ ❷المهذب: ٤٤٥/١ مغني المحتاج: ٣٩٢/٢، وما بعدها، تكملة المجموع: ٦١٢/١٤، وما بعدها.

اور جھاڑو وغیرہ اور صفائی کی مشین خریدنا تا کہ اس سے صفائی ہو سکے اور بیلچہ اور کدال وغیرہ۔

تا کہ مٹی نکالی جا سکے اور نگران کی اجرت، مؤذن امام اور چٹائی اور تیل کی اجرت پر نہیں، کیونکہ نگران عمارت کی حفاظت کرتا ہے، برخلاف باقی کے، اگر وقف مسجد کے مصالح کے لئے ہو تو مذکورہ چیزوں میں اس کے منافع کو خرچ کیا جائے گا، اس کی تزئین اور نقش نگاری نہیں کی جائے گی اگر کسی نے اس کے لئے وقف کیا تو وہ صحیح نہیں۔

۳...... اصح یہ ہے کہ مسجد کی۔ بوسیدہ چٹائیوں کو فروخت کیا جائے گا اور اس کے شہتیروں کو جب وہ ٹوٹ جائیں۔ اور سوائے جلانے کے کسی اور کام نہ آ سکتے ہوں تا کہ یہ ضائع نہ ہو جائیں اور بغیر فائدے کے جگہ کو نہ گھیر لیں۔ لہٰذا تھوڑا بہت نفع بھی اس سے حاصل ہونے وقف کے لئے بہتر ہے ان کے ضائع ہونے سے، اور اس کا نصفیہ وقف کی بیع کے تحت داخل نہیں کیونکہ یہ معدوم کے حکم میں ہے۔ اور اس کی رقم کو مسجد کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، لیکن اگر جلانے کے علاوہ کسی اور کام وہ آ سکتے ہیں مثلاً دروازے وغیرہ بنانے کے کام تو پھر انہیں بالکل فروخت نہیں کیا جائے گا۔

اور وقف شدہ کھجور کے درخت کو جب وہ خشک ہو جائے اور اس کے شہتیروں سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو اجارہ وغیرہ کے ذریعہ تو فروخت کرنا جائز ہے، اور اپاہج ہو جانے والے جانور تو اس لئے کہ جس سے نفع کی توقع نہ ہو اس کو چھوڑنے کی بجائے فروخت کرنا اولیٰ ہے برخلاف مسجد کے کیونکہ مسجد میں خراب ہونے کے باوجود نماز پڑھنا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی جگہ تعمیر کر کے اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور مبیع کی قیمت کا حکم جو وقف کی انتہاء پر ہو وہ واقف کے قریب ترین اشخاص پر خرچ کرنا ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو اسے فقراء اور مساکین پر یا مسلمانوں کے مصالح پر صرف کیا جائے گا۔

اگر وقف شدہ درخت کے شہتیروں سے نفع حاصل کرنا ممکن ہو اجارہ وغیرہ کے ذریعے تو صحیح مذہب کے مطابق وقف منقطع نہ ہوگا، کہ اس کے عین میں وقف دائمی رہے گا، نہ اسے فروخت کیا جائے گا نہ ہی ہبہ، سابقہ حدیث کی وجہ سے جو وقف کے شروع کی بحث میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حاصل یہ کہ شوافع بھی فی الجملہ اور مالکیہ وقف کی بیع کے عدم جواز میں سب سے سخت رائے والے ہیں۔

حنابلہ کا مذہب: [1] الف...... جب وقف خراب ہو جائے اور اس کے منافع معطل ہو جائیں جیسے گھر منہدم ہو جائے یا زمین غیر آباد اور موات بن جائے، اور اس کی تعمیر ممکن نہ ہو یا مسجد کی بستی والے اس سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور وہ ایسی جگہ رہ جائے کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یا وہ تنگ ہو جائے اور اس جگہ اس کی توسیع ممکن نہ ہو اور اس کی تعمیر اس میں سے بعض فروخت کئے بغیر ممکن نہ ہو تو اسے فروخت کرنا جائز ہے تا کہ باقی حصہ کی تعمیر ہو سکے، اگر اس سے کسی صورت بھی نفع حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ساری کو فروخت کر دیا جائے گا۔

ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تھا اس وقت کے جب انہیں یہ خبر پہنچی تھی کہ کوفہ میں جو بیت المال ہے اس میں نقب زنی کی گئی ہے اور تمارین کی مسجد میں اسے منتقل کر دیا گیا ہے اور بیت المال کو مسجد کے قبلہ کی طرف بنایا گیا ہے اور اس وقت سے ہمیشہ مسجد میں نمازی ہیں اور یہ کام صحابہ کی موجودگی میں ہوا کسی نے اختلاف نہیں فرمایا لہٰذا یہ اجماع ہے نیز مذکورہ چیزوں میں وقف کو معنوی طور پر بقاء حاصل ہو جاتی ہے جب کہ اسے صورت کے اعتبار سے باقی رکھنا متعذر ہے، لہٰذا بیع واجب ہے۔

ب...... جب وقف کی بیع کر دی گئی تو اس کے ثمن سے جونسی چیز خریدی جائے گی، اہل وقف پر رد کر دی جائے گی تو یہ جائز ہے

---

[1]...... المغني: ٥/٥٧٥۔٥٧٩، والشرح الكبير: ٦/٢٢٥۔

چاہے اس کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، کیونکہ مقصد منفعت ہے نہ کہ جنس لیکن یہ منفعت اس مصلحت کی طرف منصرف ہوگی جس میں تصرف اولیٰ ہے، کیونکہ مصرف میں تبدیلی جائز نہیں جب کہ اس کی حفاظت ممکن ہو جیسا کہ وقف کو فروخت کرے تبدیلی جائز نہیں جب اس سے انتفاع ممکن ہو۔

ج...... جب وقف شدہ گھوڑے کے ثمن دوسرا گھوڑا خریدنے کے لئے کافی نہ ہوں تو اس کے ذریعہ وقف شدہ گھوڑا خریدنے میں مدد کی جائے گی جو بعض ثمن سے بنتا ہے، اس لئے کہ مقصد وقف کی منفعت کو باقی رکھنا ہے جب تک اس کا باقی رکھنا ممکن ہو اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اور اس طریقہ کے علاوہ بچانا ممکن نہیں۔

د...... اور جب وقف کی مصلحت کلی طور پر معطل نہ ہو لیکن کم ہو جائے، اور اس کا غیر اس سے زیادہ نفع بخش ہو اور اہل وقف کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو تو اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ اصل بیع کا حرام ہونا ہے، صرف ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے وقف کے مقصود کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اس کے حاصل ہونے کے ممکن ہونے کی وجہ سے اور اس سے نفع ممکن ہونے کی وجہ سے اگرچہ کم ہی ہو الا یہ کہ نفع اتنا کم ہو کہ اسے نفع شمار ہی نہ کیا جاتا ہو تو اس کا وجود معدوم کی طرح ہوگا۔

ہ...... مسجد کو منتقل کرنا، اسے تبدیل کرنا اور اس کی جگہ کو فروخت کرنا یا اسے کنواں یا دکانیں بنانا جائز نہیں الا یہ کہ اس سے نفع اٹھانا متعذر ہو، اور مسجد کے مسجد بن جانے کے بعد اس میں کسی بھی قسم کا پھلدار درخت کچھ یا بے پھل درخت لگانا جائز نہیں اور امام احمد نے فرمایا میں اس سے کھانا پسند نہیں کرتا اگر امام اسے اکھیڑ دے تو جائز ہے، اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز، تلاوت وغیرہ کے لئے بنائی گئی ہے

نیز درخت مسجد کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور نمازیوں کو اپنی جگہ نماز پڑھنے سے مانع ہے، اور اس کے پتے اور پھل مسجد میں گریں گے اور اس پر چڑیاں اور پرندے بیٹھیں گے اور مسجد میں پیشاب کریں گے اور بسا اوقات بچے اس کے پھل کو پتھر ماریں گے۔ ہاں اگر کھجور کسی زمین میں ہوں پھر انہیں وہ شخص مسجد بنادے اور درخت زمین میں ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

و...... مسجد کی چٹائی یا تیل میں سے جو کچھ بچ جائے اور اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یا ان سے اس کے پڑوسی غریبوں پر صدقہ کر دیا جائے، اور یہی حکم ہے اگر اس کے بانسوں یا اینٹ پتھر لکڑ میں سے کچھ بچ جائے ان کا۔

قانون کا موقف تبدیلی کے حوالے سے...... مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۴۶ء دفعہ ۱۴ تبدیلی کے اموال کے سلسلہ میں تصریح ہے کہ محکمہ خریدے گا اس بناء پر کے ذی شان لوگ طلب کریں اپنے ودیعت رکھے گئے اموال یا منقول اموال تو اسے اجازت ہے کہ انہیں اجازت دے نئی جگہ پر خرچ کرنے کی۔

اور محکمہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اگر اس کے لئے آسان ہو تو وہ اس میں سرمایہ کاری کرے، جائز سرمایہ کاری کی وجوہات میں سے جس سے چاہے جیسا کہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ وقف کی تعمیر کے لئے اس پر خرچ کرنے کی اجازت دے اور اس کے غلہ میں رجوع نہ کرے، اگر یہ اموال معمولی ہوں اور سرمایہ کاری میں لگانا آسان نہ ہو اور عمارت میں بھی خرچ نہ ہو سکتے ہوں تو ان میں غلہ کا اعتبار ہوگا اور اس کے مصرف میں خرچ ہوں گے۔

شام کا قانون نمبر ۱۰۴ سن ۱۹/۳/۱۹۶۰ء، غیر منقولہ جائیداد کی تبدیلی کے جواز کو متضمن ہے، اور قانون نمبر ۱۶۳ سن ۷/۹/۱۹۵۸ء بھی وقف کی غیر منقولہ جائیداد کی تبدیلی کو متضمن ہے کہ ان میں طویل اجارہ کیا جا سکتا ہے جیسے رصد گاہ، اسٹاکسٹ، دکانیں، جاگیر، دو جارے، پن چکی کا حق، مشر مسکہ اور کردار اور قیمت کا حق۔ (۱)

(۱)...... ردالمحتار: ۳/۴۳۶، ۴۲۸، ۴۲۴، و ۴/۷، ۱۷، ۱۸۔

نویں فصل: مرض الموت میں وقف کرنا...... میں نے شرائط کی بحث میں وضاحت کی ہے کہ واقف کے شرط یہ ہے کہ وہ تبرع کا اہل ہو اور تصرف پر پابندی نہ ہو اور وقف کے وقت وہ مکمل طور پر مالک ہو اور حنفیہ کے ہاں اگر چہ کسی فاسد سبب ہی سے کیوں نہ ہو اسی بناء پر حنفیہ نے تصریح کی ہے ❶ کہ وہ وقف ختم ہو جائے گا جس کا کوئی اور مالک نکل آیا یا اس میں کسی نے شفعہ کر دیا اگر چہ اسے مسجد ہی کیوں نہ بنایا ہو اور اس مریض کا دین بھی ختم ہو جائے گا جس کے مال کا دین نے احاطہ کیا ہوا ہو برخلاف صحیح آدمی کے یعنی مریض قرض دار کا وقف باطل ہو جائے گا جب کہ دین نے اس کے مال کا احاطہ کیا ہوا ہو تو اسے فروخت کیا جائے گا اور اس کا وقف باطل ہو جائے گا، جیسے تنگ دست راہن کا وقف۔

لیکن اگر قرض، وقف کے مال کا احاطہ کئے ہوئے نہ ہو، تو صحیح ہے اور مرض الموت میں وقف، ہبہ کی طرح ہے اور ثلث سے وصیت کی طرح نافذ ہوگا اگر ثلث سے پورا ہو گیا اگر ورثاء نے اجازت دے دی تو کل نافذ ہوگا۔ ورنہ تہائی سے زیادہ میں باطل ہوگا، اگر بعض نے اجازت دی تو اس کی بقدر جائز ہے۔

حاصل یہ کہ مرض سے بچا ہوا ہونا وقف کی صحت کی شرائط میں سے نہیں اور یہ کہ واقف نے اگر مرض اور بیماری کی حالت میں وقف کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز ہے اور تہائی سے نکالا جائے گا، اور یہ مرنے کے بعد وصیت کی طرح ہے حتیٰ کہ مریض متہم نہ ہوگا ورثاء کو یا قرض خواہوں کو نقصان دینے کا، اور صاحبین کے ہاں صحت اور مرض دونوں حالتوں میں وقف برابر طور پر صحیح ہے۔

اور اسی اختلاف پر متفرع ہے کہ امام صاحب کی رائے کے مطابق وقف لازم نہیں اور واقف کی ملکیت اس چیز سے زائل نہ ہوگی الا یہ کہ وہ اسے موت کے بعد کی طرف منسوب کر دے یا حاکم اس کا فیصلہ دے دے اور صاحبین کے ہاں بغیر اضافت کے بھی زائل ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگر مرض الموت کا مریض بعض ورثاء پر وقف کرے اور باقی اسے جائز نہ قرار دیں تو اصل وقف باطل نہ ہوگا بلکہ جو غلہ اس نے بعض ورثاء کے لئے مقرر کیا اور بعض کے لئے نہیں تو وہ باطل ہوگا، اور ان پر واقف سے پائی جانے والی میراث کی بقدر صرف ہوگا جب کہ موقوف علیہ زندہ ہو پھر اس کی موت کے بعد واقف کی شرط کے مطابق تقسیم ہوگی کیونکہ یہ وصیت ہے جو فقراء کی طرف لوٹتی ہے اور یہ وارث کے حق میں وصیت کی طرح نہیں کہ اس کی اصل ہی باطل ہو جائے۔

جمہور کی رائے...... ❷ جو وقف کے لزوم کے قائل ہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے موافق ہیں کہ مرض الموت میں وقف بمنزلہ وصیت ہے کہ تہائی مال سے معتبر ہوگا کیونکہ تبرع ہے لہٰذا مرض الموت میں ثلث سے ہی ہوگا، جیسے آزاد کرنا اور ہبہ کرنا۔ جب تہائی سے پورا ہو گیا تو ورثاء کی رضامندی کے بغیر بھی نافذ ہوگا اور لازم ہوگا، اور جو ثلث سے زیادہ ہوا تو تہائی کی بقدر لازم ہوگا اور زائد ورثاء کی اجازت سے نافذ ہوگی کیونکہ ورثاء کا حق مال سے متعلق ہو گیا مرض کی موجودگی میں لہٰذا تہائی سے زیادہ میں تبرع کے لئے مانع ہے جیسے عطیات اور عتق۔

اور جمہور کے ہاں بھی مرض الموت میں بعض ورثاء کے لئے وقف جائز نہیں، اگر اس نے وقف کر دیا تو وقف تمام ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، کیونکہ یہ اپنے مرض میں بعض ورثاء کو خاص کرنا ہے لہٰذا اس سے اسے روکا جائے گا جیسے ہبہ وغیرہ سے، نیز اس لئے بھی کہ ہر وہ عین جس کی وصیت جائز نہیں اس کے لئے منفعت کی وصیت بھی جائز نہیں جیسے اجنبی کے لئے تہائی سے زائد حصہ میں۔

اور مالکیہ کی روایت اس سلسلہ میں یہ ہے: مرض الموت میں وارث پر وقف باطل ہے اگر چہ ثلث مال ہی سے کیوں نہ ہوں اس

---

❶......الدرالمختار و رد المحتار: ۳/۳۹۴، ۴۳۲، البدائع: ۶/۲۱۸۔ ❷المغنی: ۵/۵۷۱۔۵۷۴، الشرح الصغیر: ۴/۱۰۷، ۱۱۰، الشرح الکبیر: ۴/۷۸، کشاف القناع ۴/۲۷۸، مغنی المحتاج: ۲/۳۷۷۔

لئے کہ مرض میں وقف وصیت کی طرح ہے اور وارث کے لئے وصیت نہیں اگر مرض میں وقف وارث پر نہ ہو بلکہ کسی غیر کے لئے ہو تو تمام تبرعات کی طرح ثلث سے نافذ ہوگا اگر ثلث سے پورا ہوگیا تو صحیح ہے ورنہ صرف ثلث میں صحیح ہے باقی میں نہیں۔ اور مالکیہ نے اس میں سے عقب پر وقف کو مستثنیٰ کیا ہے چاہے غلہ ہو یا نہ ہو۔ اور وہ وقف ہے جو مریض یعنی اولاد اور نسل پر کرے۔

اگر ثلث سے پورا ہوگیا تو تصحیح اور تقسیم میں اس کا حکم وارث کے لئے میراث کی طرح ہے اور حقیقت کے اعتبار سے میراث نہیں کیونکہ نہ اسے فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہبہ، پس لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہوگا، اگرچہ واقف ان میں برابری کی شرط بھی رکھے، اور بیوی کے لئے ثمن ہوگا اور والدہ کے لئے سدس، خلاصہ یہ کہ مریض کا وقف لازم ہے اور جمہور کے ہاں اس میں اس کے لئے رجوع جائز نہیں اور مالکیہ کے ہاں باطل ہے کیونکہ یہ وارث کے لئے وصیت کے درجہ میں ہے۔ ❶

دسویں فصل: وقف کا نگران ومتولی...... پہلی بات۔

نگران کی تعیین...... بالاتفاق واقف کے لئے صحیح ہے ❷ کہ وہ خود متولی اور نگران بن جاتے یا موقوف علیہ کو بنائے یا ان کے علاوہ کسی کو یا تو متعین طور پر مثلاً فلاں یا کسی کے وصف کی تعیین کے ساتھ جیسے زیادہ سمجھدار، زیادہ عالم یا بڑا یا فلاں صفت کا۔ تو جس میں شرط پائی گئی تو اس میں نگران ثابت ہوگی شرط پر عمل کرتے ہوئے، اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف میں آپ نے نگرانی اپنے بیٹے حسن کے لئے رکھی پھر اپنے بیٹے حسین رضي اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے۔

اور واقف کی شرط کی نگران کی تعیین میں اتباع کی جائے گی اگر واقف نے نگرانی کسی کے لئے بھی نہ رکھی تو مالکیہ اور شوافع کے ہاں قاضی کو نگران مقرر کرنے کا اختیار ہے کیونکہ اس کو خود عمومی نگرانی ہے، لہٰذا اس کا وہ بدرجہ اولیٰ مستحق ہے اس لئے کہ جمہور کے ہاں وقف میں ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سوائے مالکیہ کے۔

حنابلہ کے ہاں...... اگر موقوف علیہ آدمیوں سے اور متعین ہے تو نگرانی اسی کی ہوگی اور ہر ایک اپنے حصہ میں ہوگی اگر وہ کئی ہوں اور شمار میں آسکتے ہوں جیسے اس کی اولاد یا زید کی اولاد عادل ہوں یا فاسق اس لئے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور غلہ ان کا ہے، اگر موقوف علیہم شمار میں نہ آسکتے ہو جیسے فقراء اور مساکین علماء اور مجاہدین، یا موقوف علیہ مسجد، مدرسہ رباط، پل، کنواں وغیرہ ہو تو پھر نگرانی حاکم یا اس کے نائب کی ہوگی کیونکہ اس وقف کا کوئی متعین مالک نہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... نگرانی واقف کی ہوگی چاہے اس نے اپنے لئے شرط رکھی ہو یا نہ ظاہر مذہب کے مطابق پھر اس کے وصی کی ورنہ حاکم کی۔ اور کئی نگران مقرر کرنا درست ہے اور مصری قانون دفعہ ۴۸ میں تصریح ہے کہ محکمہ ایک سے زیادہ نگران مقرر نہ کرے سوائے مصلحت کے۔ حنابلہ نے فرمایا اگر نگران اور متولی زیادہ ہوں تو ان سب کو اکٹھے نگرانی کرنا ہوگی کسی ایک کا تصرف دوسرے کے بغیر صحیح نہ ہوگا واقف کی شرط پر عمل کرتے ہوئے۔

دوسری بات: نگران کی شرائط...... نگران کے لئے درج ذیل شرائط ہیں۔ ❸

ا...... ظاہری عدالت اگرچہ وقف سمجھدار اور متعین لوگوں پر ہو کیونکہ نگرانی ولایت ہے جیسے وصی اور قیم کے لئے اور عدالت شرعی

---

❶...... قانون الوقف للشيخ السنهوري: ص ۱۸۹۔ ❷الدر المختار: ۳/[illegible]، القوانين الفقهية ص ۳۷۱، مغني المحتاج: ۳۹۳/۲، كشاف القناع: ۲۹۳/۷، ۲۹۷، ۲۹۸، الشرح الكبير: ۸۸/۴۔ ❸مغني المحتاج، كشاف القناع، المكان السابق، الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي ۸۹/۴۔

اوامر کی اتباع اور شرعی ممنوعات سے اجتناب کو کہتے ہیں اور یہ شرط جمہور کے ہاں ہے اور حنابلہ کے ہاں عدالت شرط نہیں اور فاسق کے ساتھ عادل کو ملایا جائے گا جیسے ضعیف نگران کے ساتھ قوی اور امین کو ملایا جاتا ہے۔

۲: کفایت...... وہ شخصی طاقت اور قوت جس کی وجہ سے وہ نگرانی کا اہل اور تصرف کرسکتا ہو، اور کفایت کی صفت کی وجہ سے صحیح تصرف کرنے کی صفت سے مستغنی ہو جاتے ہیں اور کفایت میں بلوغ اور عقل ضروری ہے۔ اور نگران کا مرد ہونا شرط نہیں، اس لئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصی اور نگران بنایا تھا۔ اگر کسی شخص میں عدالت اور کفایت کامل طور پر نہ پائی جاتی ہوں تو حاکم اسے وقف کی نگرانی سے معزول کردے حتیٰ کہ اگر واقف خود ہی ناظر ہو تو بھی۔ اگر مانع زائل ہو گیا تو شوافع کے ہاں دوبارہ اس کی نگرانی لوٹ آئے گی اگر وقف میں یہ مشروط ہو۔

۳: اسلام...... اگر موقوف علیہ مسلمان ہو تو یا جہت وقف مسجد، مدرسہ ہو کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۴/ ۱۴۱

اور ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے۔

اور اگر وقف کسی متعین کافر پر ہو تو اس میں کافر کو نگران بنانا جائز ہے یہ حنابلہ نے ذکر کیا ہے اور حنفیہ نے نگران کے لئے اسلام شرط نہیں رکھا۔

تیسری بات: نگران کا کام...... نگران کو جب عمومی طور پر تفویض ہو ❶ تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ وقف کی حفاظت کرے اس کی عمارت کی اس کے اجارہ کی کھیتی کرنے کی اس سلسلہ میں جھگڑا کرنے کی اور اجرت سے غلہ حاصل کرنا زراعت یا پھل سے لینے اور مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کی ذمہ داری اس پر ہے اور احتیاط کی ساتھ اصول اور منافع کی حفاظت۔ اور وہ اپنے اجتہاد سے موقوف کی بڑھوتری اور اس کی جہات میں اسے صرف کرے تعمیر مرمت، مستحقین کو دینا وغیرہ اور اسی کا قول معتبر ہوگا اور وہ تبرعاً یہ کام کر رہا ہے اگر تبرعاً نہیں کر رہا تو حنابلہ کے ہاں قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اگر نگران بعض چیزوں میں مقید ہو تو مقید ہوگا۔

جب نگران وقف کی تعمیر کے دوران کام کرے تو وہ لے لے گا جیسا کہ حنفیہ نے وضاحت کی، اپنی اجرت کے مقدار اور انہوں نے ہی ذکر کیا ہے کہ اس کے اجارہ وغیرہ میں واقف کی شرط کی رعایت رکھی جائے اس لئے کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے، اور قیم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مدت میں اضافہ کرے بلکہ اضافہ قاضی کے اختیار میں ہے اس لئے کہ اسے فقیر، غائب اور میت کے حق میں شفقت کی ولایت حاصل ہے اگر واقف اجارہ کی مدت کو مطلق چھوڑ دے تو کہا گیا ہے کہ حنفیہ کی ہاں نگران کے لئے زیادتی واضافہ مطلق ہے اور ایک قول ہے کہ ایک سال کے لئے۔

طویل اجارہ...... حنفیہ کے ہاں گھر کے اجارہ میں ایک سال کی مدت کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور زمین میں تین سال تک کے لئے ہاں اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے زمانہ اور جگہ کے اعتبار سے یہ ایسا معاملہ ہے جو جگہ اور زمانہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اور ان کے ہاں اوقاف میں اور یتیم کی زمین اور بیت المال کی زمین میں طویل اجارہ کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے اگرچہ یہ کئی مترادف عقود کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اور ہر عقد سال کا ہو کیونکہ محذور متحقق ہے وہ یہ کہ مدت کا طویل ہونا وقف کو باطل کر دیتا ہے لیکن یہ حکم حاجت اور ضرورت نہ ہونے کے وقت ہے، لیکن ضرورت پیش آجائے وقف کی تعمیر کی تو دو آنے والے سالوں کی اجرت معجّل لی جاسکتی ہے محذور کو ختم کرنے کے لئے۔ ضرر کے تحقق کے وقت۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے اگر اس کی حاجت ہو تو نگران مترادف عقود کرے گھر میں ہر عقد ایک سال کے لئے اتنے کا اور زمین میں ہر

---

❶...... الدر مع الرد: ۳/ ۴۱۴ و ما بعدها ۴۳۴۔

عقد تین سال کے لئے بایں طور کہے ''میں نے فلاں کو فلاں سن مثلاً ۴۹ ء میں اتنے کا اجرت پر دیا اور میں نے تجھے وہ پانچ سال کے لئے اتنے کا دیا اور میں نے تجھے سن ۵۱ ء میں اتنے کا دیا اور یہ اسی طرح آخر مدت تک ہے، تو پہلا عقد لازم ہوگا اور اس کے علاوہ جو ہیں وہ مستقبل کی طرف مضاف ہوں گے اور صحیح پر ہے کہ مضاف اجارہ بھی لازم ہے اور ایک روایت میں اسے لیا جائے گا اور اجرت کا مالک ہوگا کیونکہ مضاف اجارہ کی ضرورت ہے تعجیل کی شرط کے ساتھ اور شئی موقوف کو اجرت مثل پر اجارہ پر دیا جائے گا اور اتنے کم پر نہیں دیا جائے گا جو غبن فاحش پر مشتمل ہو اور غبن اور نقصان نہیں دیتا، (اور وہ وہ ہے جس میں لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے اور اسے غبن شمار نہیں کرتے) اگر نگران نے عقد کے بعد اجرت میں کمی کی تو عقد فسخ نہ ہوگا جب مستاجر فسخ طلب کرے۔ کیونکہ وقف کو ضرر لازم ہوگا اور اگر عقد کے بعد اجرت مثل سے زیادہ اجرت کردی تو زائد اجرت کے ساتھ عقد کی تجدید ہوگی ابن عابدین نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ مستاجر کا زیادتی کو قبول کرنا تجدید عقد کے لئے کافی ہے۔ اور مستاجر اول اولیٰ ہے کسی دوسرے سے جب کہ وہ زیادتی کو قبول کرے اور موقوف علیہ جس کے لئے غلہ اور سکنی ہے اگر وہ متعین آدمی ہے تو وہ اجارہ کا مالک نہیں اور اگر اس سے کوئی غصب کرے تو دعویٰ کرنے کا بھی مالک نہیں سوائے تولیہ کے یا دعویٰ سے اس کا فیصلہ ہو اور اجارہ کا اس لئے کہ اس کا حق غلہ میں ہے نہ کے عین وقف میں اور جب متولی اور نگران نے اجرت مثل سے زیادہ پر اجارہ پر دیا تو مستاجر پر تمام اجرت مثل دینا لازم ہے۔ اور غاصب، مغصوب کے منافع کا ضامن ہوگا جب اس نے مغصوب زمین کی منافع کو معطل چھوڑا ہو اور ان سے نفع اٹھایا ہو یا اس کے منافع کو تلف کردیا ہو، جیسے کوئی شخص بے اجازت کے رہائش اختیار کرے یا متولی اسے بغیر اجرت کے رہائش دے تو رہائش اختیار کرنے والے پر اجرت مثل ہوگی اگر چہ زمین نفع حاصل کرنے کے لئے تیار نہ بھی ہو وقف کی حفاظت کے لئے اور اس کی مثل حکم ہے یتیم کے مال کے بارے میں اور ہر وہ چیز جو وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہے اس کا فتویٰ دیا جائے گا جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور جب قیمت کا فیصلہ کیا گیا غصب شدہ غیر منقولہ جائیداد میں اور پھر اس پر پانی آ گیا اور وہ جگہ سمندر کا حصہ بن گئی اور اس میں زراعت کی صلاحیت نہ رہی تو ناظر اس کے بدلے اور زمین خریدے گا تو یہ پہلی جگہ کے بدلے میں وقف ہوگی۔

مالکیہ کا مذہب...... ❶ اگر وقف کسی متعین آدمی پر ہو تو نگران کے لئے جائز ہے کہ وہ وقف کی زمین کو ایک سال یا دو سال کے لئے کرایہ پر دے دے اور اگر متعین پر نہ ہو مثلاً فقراء علماء وغیرہ پر ہو تو صرف چار سال کے اجارہ اور کرائے پر دے سکتا ہے اور اس کے لئے دس سال کا کرایہ بھی جائز ہے جس کے لئے وقف کا لوٹنا ہو مثلاً زمین کو زید کے لئے وقف کرے پھر اس کے بعد عمرو کے لئے وہ ملکیت بن جائے یا وقف تو زید کے لئے جائز ہے کہ وہ عمرو کو دس سال کے لئے کرائے پر دے دے۔ اور ضرورت کی بناء پر خراب شدہ وقف کی اصلاح اور مرمت کے لئے چار یا پانچ سال کے لئے کرائے پر دینا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں اور کرایہ اجرت مثل کے برابر ہوگا اگر اجرت مثل سے کم پر اجارہ ہوا تو یہ عقد فسخ ہو جائے گا اور دوسرے عقود میں زیادتی واضافہ قبول ہوگا، اور نگران صرف گذشتہ زمانے کی وقف کی اجرت ہی مستحق پر تقسیم کرے گا اس کے علاوہ نہیں اگر اس نے آئندہ کی اجرت پہلے ہی وصول کرلی تو حاضرین پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہیں اس لئے کہ لینے والے کی موت کا بھی احتمال ہے لہٰذا یہ اس کو دینے والا ہوگا جو مستحق نہیں اور جو مستحق ہے وہ محروم ہو جائے گا۔

اور اگر وقف چند لوگوں پر ہو جو متعین ہیں مثلاً فلاں اور فلاں تو ان میں وہ برابر تقسیم ہوگا کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے گی، اور اگر وقف غیر متعین افراد پر ہو جیسے فقراء، مسافر، فی سبیل اللہ اہل علم یا کسی قوم پر اور ان کی اولاد پر یا ان کے بھائیوں اور چچاؤں پر تو نگران ان میں سے جس کے بارے میں مناسب سمجھے اسے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ اور رہائش پذیر کو وقف سے نکالا نہ جائے گا جب اس میں

❶......الشرح الصغیر: ۱۳۳/۴۔۱۳۷، الشرح الکبیر: ۸۸/۴ وما بعدھا۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳۹۵/۲۔

استحقاق کا وصف پایا جائے۔ اگر چہ وہ اس سے مستغنیٰ ہی ہوالا یہ کہ واقف شرط رکھے اور کہے جب تک یہ فقیر اور محتاج ہے یا وہاں کوئی عرف اور قرینہ ہو، اگر موقوف علیہ نے موقوف میں کوئی عمارت تعمیر کر لی یا اس میں درخت لگائے اگر وہ مرگیا اور اس نے وضاحت نہ کی کہ یہ وقف میں یا ملکیت میں تو انہیں وقف شمار کیا جائے گا اور اس میں ورثاء کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا لیکن اگر اس نے بیان کیا کہ یہ ملک میں ہے تو پھر وہ وارثوں کی ہوگی اور اسے توڑنے کا حکم دیا جائے گا یا وہ ٹوٹی ہوئی کی قیمت لے لیں ورنہ وہ وقف ہے۔ اور اس پر جو غلہ اس نے صرف کیا اسے لے لے جیسے نگران جب اسے بنائے یا اس کی اصلاح کروائے اگر اس کے لئے غلہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ وقف میں سے نگران کے لئے کچھ مقرر کر دے جب اس کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور نگران کو اجازت ہے کہ وہ بعض جگہوں کو کسی مصلحت کی بناء پر تبدیل کر دیں اور دوسری جگہ منتقل کر دے جیسے ایک مکان کا دروازہ دوسری جگہ لے جاتے۔

شوافع کا مذہب...... ❶ جب نگران شی موقوف کو کسی کو اجرت مثل سے کم میں اجارہ پر دے تو یہ قطعی طور پر صحیح نہیں اور جب نگران اجرت پر دے اور مدت میں اجرت میں اضافہ کر دے یا اس پر اضافہ طلب کرنے والا غلبہ کر لے تو اصح قول کے مطابق عقد فسخ نہ ہوگا کیونکہ عقد مصلحت کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ اس کے مشابہ ہو گیا جب ولی بچے کا مال فروخت کرے پھر بازاروں میں بڑھ جاتی یا زیادتی طلب کرنے والا غلبہ پالے، بہر حال میں ناظر موقوف عین کو جو اس کے لئے وقف کی گئی اجرت پر دے اور اجرت مثل سے کم پر دے تب بھی وہ قطعی طور پر صحیح ہے۔

حنابلہ سے...... ❷ ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا اگر نگران نے اجرت مثل سے کم پر موقوف کو اجارہ پر دیا تو عقد اجارہ صحیح ہے اور نگران اجرت مثل سے کم کا ضامن ہوگا جب کہ مستحق اس کے علاوہ کوئی ہو اور وہ اس سے زیادہ ہو جس میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں جیسے وکیل ثمن کے بغیر فروخت کر دے یا اجرت سے زیادہ ہی کیوں طلب نہ کرے اور اس میں ضرر نہ ہو کیونکہ طرفین سے یہ عقد لازم ہے۔

اگر موقوف علیہ نے اپنے لئے وقف شدہ جگہ میں درخت لگائے یا اپنے لئے تعمیر کی تو اسے یہ لگانے کی اجازت ہے کہ اسی نے اپنے حق میں ایسا کیا، لیکن اگر درخت لگانے والا یا عمارت بنانے والا شریک ہو بایں طور کہ وقف اس پر اور اس کے ساتھ کسی اور پر ہو یا اسے صرف نگرانی کی اجازت ہو استحقاق نہ ہو پھر وہ درخت لگائے یا تعمیر کرے تو اس کے درخت لگانا یا تعمیر کرنا محترم نہیں باقی شرکاء اور مستحقین اسے منہدم کر سکتے ہیں اور نگران معروف طریقے سے اس میں سے کھا سکتا ہے اگر چہ وہ محتاج نہ بھی ہو۔

چوتھی بات: نگران کو معزول کرنا..... فقہی نظریات نگران کو معزول کرنے کے سلسلہ میں قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... ❸ واقف نگران کو مطلقاً معزول کر سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے لیکن اگر واقف نے نگران مقرر نہیں کیا بلکہ اسے قاضی نے مقرر کیا ہے تو پھر واقف اسے معزول نہیں کر سکتا، اور قاضی پر واجب ہے کہ وہ نگران کو معزول کر دے جب کہ وہ حالت ہو چاہے وہ واقف خود ہو یا کوئی یا وہ عاجز ہو یا اس میں فسق ظاہر ہو جائے جیسے شراب پینا یا وہ مال کو غیر مفید کاموں میں لگائے جیسے کمہار بنانے کے لئے حتیٰ کہ اگر چہ واقف نے معزول نہ کرنے کی شرط ہی کیوں نہ لگائی ہو یا وہ شرط ہو کہ قاضی یا سلطان اسے معزول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ اس کی حکم شرعی کی مخالفت ہے جیسے وصی اس لئے کہ اسے معزول کیا جائے گا اگر چہ موصی اسے معزول نہ کرنے کی شرط بھی لگائے اور قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ بغیر خیانت کے نگران کو معزول کر دے اور متعین نگران کو قاضی کی جانب سے معزول کرنا صحیح ہے نہ کہ واقف کی جانب سے بغیر خیانت کے بھی، اور دوسرا قاضی اسے دوبارہ نہیں رکھ سکتا۔ جب کہ پہلے نے اسے بغیر کسی وجہ سے معزول کیا

❶ ......مغنی المحتاج: ٢/ ٣٩٥۔ ❷ کشاف القناع: ٤/ ٢٩٧ وما بعدھا۔ ❸ الدر المختار: ٣/ ٤٢١، ٤٢٣۔

ہو۔ اور نگران بذات خود قاضی کے سامنے معزول ہوسکتا ہے اور غیر کو متعین کرواسکتا ہے اور قاضی کے روبرو پہنچنے سے پہلے اپنے کو معزول نہیں کرسکتا۔

وظائف سے دستبردار ہونا...... نگران کا اپنے آپ کو معزول کرنا چند اور حالات میں بھی ہے خود دستبردار ہونا یا فارغ ہونا دوسرے کے لئے اب جس کے لئے اس نے دستبرداری اختیار کی اگر وہ اہل نہیں تو قاضی اسے مقرر نہ کرے گا اور اگر وہ اہل ہے تو اسے مقرر کرنا بھی واجب نہیں اور جب کوئی انسان اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو اس کا حق بھی ختم ہوجائے گا اگر چہ قاضی نے اسے مقرر نہ بھی کیا ہو۔

قاضی کے سامنے یا کسی اور کے سامنے دستبردار ہونا صحیح ہے اور اپنے کام سے فارغ ہونا مال لے کر یا مفت میں دونوں طرح صحیح ہے لیکن جس کے لئے فارغ ہوا اس کو دیئے گئے مال میں رجوع کا حق ہے اس لئے کہ یہ حقوق مجرد کا عوض ہے جو کہ جائز نہیں۔

حاصل یہ کہ نگران بذات خود بھی معزول ہوسکتا ہے اور واقف کے معزول کرنے سے بھی اور قاضی کے معزول کرنے سے بھی اور مصری قانون دفعہ ۵۲ میں تصریح ہے کہ محکمہ جب چاہے نگران کو ابتدائی تصرفات سے روک سکتا ہے اور اسے معزول کرسکتا ہے۔

مالکیہ نے...... ❶ حنفیہ کی موافقت کی ہے کہ نگران اپنے آپ کو معزول کرسکتا ہے اگر چہ واقف ہی نے اسے مقرر کیا ہو اور واقف بھی بغیر کسی وجہ کے اسے معزول کرسکتا ہے۔ اور قاضی صرف کسی وجہ سے ہی معزول کرسکتا ہے۔ اور جب نگران نے اپنے آپ کو معزول کرلیا تو حاکم اس کی جگہ پر جس کو چاہے مقرر کرسکتا ہے اور اس کی اجرت اس کے منافع میں سے ہوگی جب کہ مستحق غیر متعین ہوں جیسے فقراء اور اگر مستحق متعین ہو اور سمجھدار ہو اور وہ وقف کے معاملہ کا متولی بھی ہوگا لیکن اگر سمجھدار نہیں تو اس کا ولی اس کے وقف کا متولی ہوگا۔

یہی رائے شوافع کی...... ❷ کہ نگران خود معزول ہوسکتا ہے اور اگر واقف نے مقرر کیا ہے تو واقف بھی اسے معزول کرسکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کرسکتا ہے جیسے مؤکل اپنے وکیل کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کرسکتا ہے، الا یہ کہ واقف کسی شخص کی نگرانی کو مشروط کردے۔ ❸ یعنی وقف کی حالت میں اس کی نگرانی کو شرط رکھے تو نہ تو واقف کو اختیار ہے اور نہ کسی اور کو اسے معزول کرنے کا اگر چہ کسی مصلحت ہی کی وجہ سے ہو کیونکہ اس کی شرط میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی، اور اگر واقف خود نگران نہ ہو تو اس کے متبادل کو لانا معزول کرنا صرف حاکم کا کام ہے۔

اگر واقف، نگران کے لئے منافع میں سے کوئی چیز شرط رکھے تو یہ جائز ہے اگر چہ اجرت مثل سے زیادہ ہی ہو برخلاف اس صورت کے کہ جب نگرانی اسی کی ہو اور وہ اپنے لئے شرط رکھے تو پھر اجرت مثل سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔

حنابلہ نے بھی...... ❹ اسی کو برقرار رکھا ہے کہ واقف، نگران کو معزول کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کا نائب ہے لہٰذا یہ وکیل کے مشابہ ہے، اور موقوف علیہ معین اور حاکم بھی نگران کو معزول کرسکتا ہے کیونکہ ان دونوں کو اصل کے اعتبار سے ولایت حاصل ہے۔ اور نگران خود بھی معزول ہوسکتا ہے جیسا کہ وکالت میں ہے اور وہ نگران جس کی نگرانی شرط ہے وہ معزول نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو اپنی جگہ مقرر کرسکتا ہے۔

---

❶......الشرح الکبیر: ۸۸/۴۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳۹۵/۲۔ ❸ یہ معزولی کے جواز سے استثناء ہے۔ ❹ کشاف القناع: ۳۰۱/۴۔

الباب السادس...... چھٹا باب میراث

اس کی انیس ١٩ فصلیں ہیں:

پہلی فصل:.....علم میراث یا علم الفرائض کی تعریف، اس کے مبادی اور اصطلاحات۔

دوسری فصل......میراث کے ارکان۔

تیسری فصل......وراثت کے اسباب۔

چوتھی فصل......وراثت کی شرائط۔

پانچویں فصل......وراثت سے مانع امور۔

چھٹی فصل......ترکہ سے متعلق حقوق۔

ساتویں فصل......وارثوں کی قسمیں، تعداد ان کے مراتب اور مذاہب میں ان کی وراثت تقسیم کرنے کا طریقہ۔

آٹھویں فصل......اصحاب الفروض۔

نویں فصل......عصبات۔

دسویں فصل......شاذ مسائل۔

گیارہویں فصل......حجب۔

بارہویں فصل......عول

تیرہویں فصل......ذوی الفروض پر رد۔

چودہویں فصل......حساب: فروض کے مخارج، مسائل کے اصول اور ان کی تصحیح۔

پندرہویں فصل......ذوی الارحام کی تقسیم میراث۔

سولہویں فصل......باقی وارثوں کی میراث۔

سترہویں فصل......مختلف نوعیت کے احکام۔

اٹھارہویں فصل......مناسخہ۔

انیسویں فصل.....تخارج یا مخارجہ۔

پہلی فصل......علم میراث یا علم الفرائض کی تعریف، اس کے مبادی اور اصطلاحات:

لغت کے لحاظ سے وراثت...... کسی شخص کا دوسرے شخص کی موت کے بعد اس حیثیت سے زندہ رہنا کہ جو باقی مال میت چھوڑ گیا وہ اسے لے گا

اور فقہ کے لحاظ جو اموال وحقوق میت چھوڑ مرا ہے جن کا حقدار اس کی موت کی وجہ سے شرعی وارث ہوگا۔

علم میراث......وہ فقہی حسابی قواعد ہیں جن کے ذریعہ ترکہ کے ہر وارث کا حصہ معلوم کیا جاتا ہے۔صاحب الدر المختار نے اس کی تعریف یوں کی ہے: فقہ اور حساب کے ان اصول کا علم ہے جو حقوق اور ترکہ کے ورثاء میں سے ہر ایک کا حق بتاتے ہیں۔اور بعض نے یہ تعریف کی ہے: فقہ اور حساب کے اصولوں کا علم جن دونوں کے ذریعہ ترکہ میں سے ہر حق دار کے خاص حصہ تک پہنچا جاتا ہے یہ وارث سے عام ہے کیونکہ یہ وصیت اور قرض وغیرہ کو شامل ہے۔

اس کا نام علم الفرائض بھی ہے۔یعنی میراثوں کی تقسیم کے مسائل، اس لئے کہ فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض بمعنی تقدیر سے ماخوذ ہے اور فریضہ مفروضہ کے معنی میں ہے یعنی مقرر، اس میں مقرر حصے ہوتے ہیں۔

فرائض......مقرر حصے۔یوں یہ (نام) دوسروں پر غالب آ گئے۔اس نام کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم کے بعد اس کا نام لیا ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے ہوئے۔" (التوبۃ ۹/ ۶۰) اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "فرائض (کا علم) سیکھو" اس میں وارث سے متعلقہ قواعد وضوابط بھی داخل ہیں کہ وہ صاحب فرض ہے یا عصبہ یا ذوی الارحام میں سے ہے اور جو اس کے لئے حجب اور میراث سے ممانعت کی حالت پیدا ہوتی ہے۔یوں علم الفرائض تین عناصر پر مشتمل ہو گیا وارث کی پہچان، غیر وارث کی معرفت، ہر وارث کے حصہ کا علم اور اس حصہ تک پہنچنے کا حساب۔

اس کے مبادی......① دس ہیں۔

رہا اس کا موضوع......تو وہ حق داروں میں ترکہ کی تقسیم کی کیفیت ہے۔

اور رہی اس کی امدادی طلب......تو وہ کتاب وسنت اور اجماع سے ہے قیاس کو اس میں کوئی دخل نہ ہو البتہ جب اس پر اجماع ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ فقہاء کرام نے میراث کے بعض مسائل میں قیاس کو استعمال کیا ہے۔

رہی کتاب اللہ تو اس سلسلہ میں سورۃ نساء میں تین آیات ہیں:

پہلی (النساء) اولاد اور والدین کی میراث کے بارے میں "اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر، اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اسے نصف ملے گا۔

---

①......ہر فن کے مبادی دس ہیں۔ تعریف، موضوع اور ثمرہ، فضیلت، نسبت، واضع (موجد) نام، استمداد (کہاں سے ماخوذ ہے) شارع کا حکم، مسائل، ایک کا دوسرے پر اکتفاء، اور جس نے سب کو جان لیا اسے شرف ومنزلت مل گئی۔

"پھر والدین کی میراث بیان فرمائی" اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کی کچھ اولاد ہو اور اگر اس میت کی کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی، اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، وصیت نکالنے کے بعد میت اس کی وصیت کر جائے یا دین (قرض) کے بعد..... (النساء ۴/۱۱)

دوسری آیت (۱۲ النساء) جو میاں بیوی کی میراث کے بارے میں ہے "اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا۔ اگر وہ بے اولاد ہوں ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جب کہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ النساء ۴/۱۲

اس کے بعد کلالہ کی میراث بیان فرمائی (جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد) اور اس کے ماں شریک بھائی ہوں "اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے جب کہ وصیت جو کی گئی ہے پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے......)(النساء ۴/۱۲)

اور تیسری آیت ۱۷۶ النساء میں اس کلالہ کی میراث کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ایک یا دو بہنیں ہوں "اے نبی! لوگ آپ سے کلالہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔" اور سورۃ الانفال کی ۷۵ آیت میں رشتہ داروں کی میراث بیان کی ہے "مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔"

اور سنت نبویہ سے اس کا ثبوت تو اس بارے میں احادیث کا ایک مجموعہ وارد ہوا ہے جس میں سے میں نے مندرجہ ذیل کا انتخاب کیا ہے:

۱۔ حدیث ابن عباس..... "حصوں کو ان کے حق داروں تک پہنچاؤ جو بچ جائے تو وہ مرد رشتہ دار کے لئے ہے۔" ❶

۲۔ حدیث اسامۃ بن زید..... "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا۔" ❷

اور حدیث عبداللہ بن عمرو..... "مختلف مذہبوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔" ❸

۳۔ حدیث عبادۃ بن الصامت..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی نانی دونوں کے لئے میراث میں سے چھٹا حصہ ان دونوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ ❹

۴۔ حدیث ابن مسعود جو بیٹی، پوتی اور بہن کے بارے میں ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے سدس کا فیصلہ دو ثلثوں کو مکمل کرنے کے لئے کیا جو باقی رہ جائے وہ بہن کا ہے" ❺ جس سے معلوم ہوا کہ بہن، بیٹی کے ساتھ عصبہ ہے، اپنے

---

❶..... متفق علیہ (نیل الاوطار: ۶/۵۵) ❷ رواہ الجماعۃ الا النسائی (نیل الاوطار: ۶/۷۳۔) ❸ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ (سابقہ حوالہ اور مقام)۔ ❹ رواہ عبداللہ بن احمد فی المسند (نیل الاوطار: ۶/۵۹)۔ ❺ رواہ الجماعۃ الا مسلماً والنسائی (نیل الاوطار: ۶/۵۸)۔

حصے کے بعد باقی میراث وصول کرے گی۔

۵۔حدیث مقدام بن معدیکربؓ جو رشتہ داروں کے بارے میں ہے.....جس نے (میراث میں) کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، میں اس کی طرف سے تاوان ادا کرتا ہوں اور وارث بنتا ہوں۔ جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہوگا اس کا تاوان ادا کرے گا اور اس کا وارث ٹھہرے گا۔ (۱)

۶۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولاء کی وجہ سے میراث کے بارے میں حدیث.....''حق ولاء آزاد کرنے والے کو ہے۔'' (۲)

اجماع سے اس کا ثبوت.....صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اس پر اجماع ہے کہ جدۃ (دادی یا نانی) ایک ہو تو اس کا حصہ سدس (چھٹا) ہے اسی طرح دو یا تین جدات کا حصہ بھی یہی ہے۔
جیسا کہ بیہقی نے امام شافعی کے اصحاب میں سے محمد بن نصر سے روایت کی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ صرف دو جدات کو وارث قرار دیتے ہیں۔

اس علم کی فضیلت.....بہت زیادہ ہے، بقول بعض یہ نصف علم ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کی موت کے بعد والی حالت سے ہے جیسا کہ باقی معاملات اس کی زندگی میں اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میراث کا علم سیکھو اور سکھاؤ اس واسطے کہ یہ آدھا علم ہے اور یہ فراموش کر دیا جائے گا اور میری امت میں سے سب سے پہلے یہی علم ختم ہو جائے گا۔'' (۳)

اس کا واضع.....شارع ہے وہ جس نے شریعت مقرر کی اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔''

اس کی نسبت.....تو یہ علم فقہ کا جزء ہے اور اس سے مخصوص ہے حساب کا جزء ہے اور ان دونوں کے علاوہ کا مباین اور جدا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ علم فقہ کا موضوع مکلفین کا عمل ہے اور ترکہ کی تقسیم ان کے اعمال میں شامل ہے۔

اس کا ثمرہ اور فائدہ.....یہ ہے کہ اسے سیکھنے والے کو ایسا ملکہ اور مہارت ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ شرعی انداز میں مستحقین کے درمیان ترکہ کو تقسیم کرنے کی دسترس حاصل ہو جاتی ہے، ایسے ملکہ والے اور اس علم کے جاننے والے کو فرضی، فارض فراض اور اصطلاح میں فراضی کہا جاتا ہے۔

غرض وغایت.....ترکہ میں سے ہر حق دار تک اس کا حق پہنچانا۔

اس کے مسائل.....وہ قضیے اور اس کی وہ فروعات ہیں جو اس کے قواعد سے نکالی جاتی ہیں۔ جیسے نصف بیٹی کا حصہ ہے۔

---

(۱).....رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ (نیل الاوطار: ۶/۶۲)۔ (۲)رواہ البخاری ومسلم (نیل الاوطار: ۵/۱۸۰، ۶/۶۸)۔ (۳)رواہ ابن ماجہ والدارقطنی والحاکم وفیہ متروک (نیل الاوطار: ۶/۵۳) اس کی تائید حدیث ابن مسعود سے ہوتی ہے جسے امام احمد نسائی، ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔ ''قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اور میراث کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ اس لئے کہ میں ایسا انسان ہوں جس کی روح قبض ہونے والی ہے اور علم اٹھالیا جائے گا اور ہوسکتا ہے۔ لوگ حصے اور مسئلے میں اختلاف کریں گے اور ان دونوں کے بارے میں بتانے والا کوئی نہ ملے گا'' اس میں انقطاع ہے (سابقہ حوالہ) لیکن حاکم کا قول ہے: صحیح الاسناد ہے اور ان کی روایت میں ہے ''جو ان کا فیصلہ کرے۔''

حساب.....اس کی تقسیم ہے اس لئے کہ یہ فرائض (میراث) کے علم کا جز ہے جن پر یہ موقوف ہے۔حساب سے مراد مسائل کی اصل اور تصحیح وغیرہ ہے۔

اس کی اصطلاحات.....میراث کی اہم اصطلاحات درج ذیل ہیں:

ا۔فرض.....شرعی طور پر وارث کا مقرر حصہ یعنی ترکہ میں ایسا مقرر حصہ جس کی صراحت نص یا اجماع سے ہو، جیسے آٹھواں اور چوتھائی حصہ جس میں اضافہ رد کے ذریعے اور کمی عول کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

۲۔سہم.....اس سے وہ جزء مراد لیا جاتا ہے جو اصل مسئلہ میں سے ہر وارث کو دیا جاتا ہے جو ورثاء کے حصوں کا مخرج یا ان کی فردی تعداد کا مخرج ہوتا ہے۔جیسے چھ میں سے دو، کبھی حصہ پر کسی قرینہ کے ساتھ اطلاق ہوتا ہے۔

۳۔ترکہ.....جو اموال نقدیہ، عینیہ (اشیاء) اور حقوق میت چھوڑ کر مرے جو اس کی ملکیت میں تھے لہٰذا امانتیں وغیرہ جن پر اس کی ملکیت نہیں تھی ترکہ میں شامل نہیں ہوں گی۔

۴۔نسب.....باپ ہونا اور بیٹا ہونا اور ان میں سے کسی ایک سے نسبت باپ ہونے کو ماں ہونے پر غلبہ دینے کے طریق سے۔

۵۔جمع اور عدد.....اس سے مراد میراث میں ایک سے زائد ہے لہٰذا دو بیٹا اور دو سے زیادہ بیٹیاں جمع ہیں۔

۶۔فرع.....میراث میں جب فرع مطلق بولا جائے تو اس سے مراد میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی مراد ہوتی ہیں کہاں تک سلسلہ پہنچ جائے۔اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ (فرع وارث) ہے تو اس سے مراد بیٹا، بیٹی پوتا، پوتی انتہاء تک مراد ہوتے ہیں۔اور یہ ملحوظ رہے کہ پوتا بیٹے کے درجہ میں ہے رہا بھتیجا تو وہ بھائی کے درجہ میں نہیں۔

باپ کی فرع (شاخ).....اس سے مراد بھائی، بہنیں، سگے بھائی یا باپ شریک بھائی کے بیٹے ہوتے ہیں۔

دادا کی فرع.....اس سے مراد سگا چچا، والد کا چچا اور ان دونوں کے بیٹے ہیں۔

۷۔اصل.....جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد باپ دادا (باپ کی جہت سے) اور دادیاں (باپ کی جہت سے) چاہے جہاں تک پہنچیں مراد ہوتے ہیں۔چنانچہ جب کہا جائے ”مذکر اصل، تو مراد باپ اور دادا ہیں۔“

۸۔اولاد.....جسے انسان اپنی موت سے عملاً جنم دے۔خواہ نرینہ ہو یا مادہ۔

۹۔وارث.....جو ترکہ میں سے اپنے حصہ کا حقدار ہو اگر چہ وہ بالفعل وہ حصہ وصول نہ کرے جیسے محروم اور محجوب۔

۱۰۔بھائی اور چچا.....جب مطلق بھائی کہا جائے تو سگے، باپ شریک اور ماں شریک کو شامل ہوگا۔رہا چچا تو وہ ماں کے چچا کو شامل نہیں اس لئے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

۱۱۔عصبہ.....جس کا واضح مقرر حصہ نہ ہو، عصبہ بالنفس ہر وہ مرد ہے جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں کوئی

عورت (واسطہ) نہ ہو۔

۱۲۔ادلاء: میت سے تعلق واتصال......ذات سے عملی اتصال ہو جیسے میت کا باپ یا کسی واسطے سے جیسے پوتے کا تعلق بیٹے سے اور پوتی کا بیٹے سے۔

ادلاء بالعصبۃ: وہ عصبہ بنفسہ ہے......ہر ایسا مرد جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں کوئی اکیلی عورت نہ ہو خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت جیسے پوتا، پڑپوتا اور نواسہ۔

۱۳۔المیت......یاء کے سکون سے۔ ذوی العقول میں سے جس کے جسم سے روح نکل گئی ہو، اور میت یاء کی تشدید سے، زندہ انسانوں میں سے جس کی حالت مردوں کی طرح ہو۔

میتہ......باقی حیوانات میں سے جس کی روح شرعی ذبح کے بغیر نکل گئی ہو۔

دوسری فصل: میراث کے ارکان......میراث کے تین ارکان ہیں۔

عورت......وارث اور موروث۔

ا۔مورث......وہ میت جو مال یا کوئی حق چھوڑ مرا ہو۔

۲۔وارث......جو میراث کا حق دار اس کی آئندہ اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے ہو اگر چہ وہ بالفعل کسی مانع کی وجہ سے نہ لے، تو وہ حقیقی رشتہ داری یا حکمی قرابت داری کی وجہ سے دوسروں سے مستحق ہے۔

۳۔موروث......ترکہ، اسے میراث یا ارث بھی کہا جاتا ہے یہ وہ چیز ہوتی ہے جسے مورث چھوڑ مرے خواہ وہ مال ہو یا ایسے حقوق ہوں جن کا میت کی طرف سے وارث بننا ممکن ہو جیسے قصاص (جان کے بدلے جان) لینے کا حق۔ اور پورا ثمن (باہمی طے شدہ قیمت) وصول کرنے کے لئے مبیع (بیچی جانے والی چیز) کو روکے رکھنا۔ اور قرض وصول کرنے کے لئے مرہون کو روکے رکھنے کا حق۔

جب ان ارکان میں سے کوئی رکن مفقود ہو جائے تو میراث نہیں رہتی اس واسطے میراث کہتے ہیں: کسی شخص کا دوسرے کے مال کا حصے، عصبہ ہونے یا رشتہ دار ہونے کے ذریعے حق دار ہونا۔

پس جب ان میں سے ایک بھی مفقود ہوگا تو میراث نہیں ملے گی۔

چنانچہ جب کوئی شخص فوت ہوا اور ورثاء میں ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ گیا تو سارا مال بیٹا لے گا پوتے کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ بیٹے کی وجہ سے وہ محجوب ہے باوجود یہ کہ اس میں (میراث) لینے کی استعداد وقوت ہے اس واسطے کہ اگر بیٹا موجود نہ ہوتا تو پوتا ترکہ وصول کرتا۔ اسی طرح اگر ترکہ نہ ہو۔ جس کی صورت یہ ہے کوئی شخص رشتہ دار تو کئی چھوڑ مرا لیکن اس نے میراث میں کوئی چیز نہ چھوڑی تو یہ رشتہ دار اس کے وارث ہوئے اس واسطے کہ ان میں میراث وصول کرنے کی قوت ہے لیکن بے چارے کچھ لیں تو کہاں سے لیں اس لئے کہ ترکہ تو ہے نہیں۔

تیسری فصل.....میراث کے اسباب:

میراث تین امور پر موقوف ہوتی ہے.....اس کے اسباب وشرائط پائی جائیں اور ر کاوٹیں نہ ہوں۔ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک مستقل بحث ہے۔رہے میراث کے وہ اسباب جن پر اتفاق ہے تو وہ تین ہیں: قرابت رشتہ داری۔رشتہ زوجیت،اور ولاء۔❶

۱۔قرابت یا حقیقی نسب.....احناف کے ہاں اسے رحم (رشتہ داری) کہا جاتا ہے:

اس سے مراد حقیقی رشتہ داری ہے یہ ہر وہ تعلق ہے جس کا سبب ولادت ہو جو میت کے اصول وفروع اور اصول کے فرع کو شامل ہے خواہ میراث پانا فرض کے ذریعے ہو جیسے ماں، یا فرض کے ساتھ تعصیب بھی ہو جیسے باپ یا صرف عصبہ ہونے کے ذریعے ہو جیسے بھائی یا رحم ورشتہ داری کی وجہ سے جیسے رشتہ دار مثلاً ماں کا چچا، نسب کی وجہ سے میراث مندرجہ ذیل کو شامل ہوگی:

۱.....اولاد اور ان کے بیٹے مرد ہوں یا عورتیں۔

۲.....باپ دادا اور ان کے باپ دادا اور مائیں یعنی ماں، اس کی ماں اور باپ دادا کی مائیں۔

۳.....بھائی بہنیں۔

۴.....چچا اور صرف ان کے بیٹے۔

۲۔رہا رشتہ زوجیت یا صحیح نکاح کا تعلق.....تو اس سے مراد عقد صحیح ہے خواہ بیوی سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔جو خاوند بیوی کو شامل ہے، اس لئے جب خاوند بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے اگر چہ ہم بستری کئے بغیر مریں دوسرے کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ خاوند بیوی میں باہمی میراث پانے کی ❷ آیت عام ہے۔نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ انہیں میراث ملے گی۔ان کا خاوند ان سے ہمبستری سے پہلے فوت ہو گیا تھا اور ان کے لئے مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا۔عورت جب طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو اپنے خاوند کی میراث پائے گی اس واسطے کہ طلاق رجعی میں جب تک عدت قائم ہو زوجیت بحال رہتی ہے جس پر فقہ وقانون کا اتفاق ہے۔❸

لیکن جس عورت کو طلاق بائن ملی ہو تو وہ اگر چہ عدت گزار رہی ہو وارث نہیں ہوگی جب اس کے خاوند نے حالت صحت مندی میں اسے طلاق دی ہو اس واسطے کہ اس پر اس کی میراث سے فرار پانے کی تہمت نہیں۔اور اگر مرض وفات میں اس کی میراث سے جان چھڑانے کے لئے طلاق دی جسے ''طلاق فرار'' بھی کہا جاتا ہے تو احناف کے نزدیک وہ عورت وارث ہوگی جب اس کا خاوند اس وقت فوت ہوا کہ ابھی تک اس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو۔تا کہ اس کے مقصد کے خلاف اس سے معاملہ کیا جائے۔اور مالکیہ کے نزدیک خواہ عدت گزر بھی جائے وہ عورت وارث ٹھہرے گی اور دوسرے شخص سے شادی کر سکتی ہے اس کے بارے میں مطلق آثار واحادیث پر عمل کرتے ہوئے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر چہ عدت گزر جائے وارث ہوگی بشرط یہ کہ اس نے غیر مرد سے شادی نہ کی ہو جس کی دلیل حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: عبدالرحمٰن بن عوف نے بیماری کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی تو حضرت عثمان

---

❶.....الدر المختار: ۵/۵۳۸، الشرح الصغیر ۴/۶۱۹، بدایة المجتهد: ۲/۳۵۵ مغنی المحتاج ۳/۴ الرحبیة ص ۱۶، کشاف القناع ۴/۴۴۸ المغنی ۶/۳۰۴، ۳۲۶ القوانین الفقهیة ص ۳۸۳۔❷ یہ سورۃ نساء کی آیت ۱۲ ہے ''تمہیں اس کا نصف ملے گا جو تمہاری بیویاں چھوڑ دیں'' (النساء ۴/۱۲)❸مصر میں قانون وراثت کا آرٹیکل ۱۱، نمبر ۷۷، سال ۱۹۴۳، اور آرٹیکل ۲۶۸ قانون الاحوال الشخصیه السوری۔

بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خاتون کی عدت گزر جانے کے بعد بھی اسے وارث قرار دیا۔

خلاصہ یہ رہا...... کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور اس عورت کو وارث قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے خاوند نے نقصان کا ارادہ کیا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک جب اس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو تو اسے میراث نہیں ملے گی اگر چہ دوسرے مفہوم کے لحاظ سے عدت باقی ہو اس واسطے کہ بینونت رشتہ زوجیت کو ختم کر دیتی ہے جو میراث پانے کا سبب ہے۔ اور نہ اس نکاح فاسد میں باہمی میراث ملے گی جس کے فساد پر اتفاق ہو، جیسے بغیر گواہوں کے نکاح کرنا، اور نہ نکاح باطل میں جیسے متعہ کے نام پر نکاح، اس لئے کہ یہ شرعی نکاح نہیں اگر چہ اس کے بعد ہمبستری یا خلوت پائی گئی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا وجود گویا معدوم ہے، رہا وہ نکاح فاسد جس میں اختلاف ہو تو اس میں باہمی وارث بننے میں اختلاف ہے۔ جیسے بغیر ولی کے نکاح، بعض حضرات میاں بیوی میں وراثت کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ خلاف کا شبہ ہے اور بعض حضرات باہمی وارث ہونے سے منع کرتے ہیں اس لئے کہ فساد کا تقاضا یہی ہے۔

۳۔ رہی ولاء...... تو یہ حکمی قرابت ہے جیسے شارع نے عتق (آزادی) سے نکالا ہے۔ احناف نے دوسروں سے اختلاف کرتے ہوئے مذکورہ تین اسباب کے ساتھ ولاء الموالاۃ کو شامل کیا ہے (باہر سے آ کر کسی علاقہ میں بسنے والا شخص جب کسی سے معاہدہ کرتا کہ میرے ذمہ دار تم لوگ ہو اور وہ لوگ اس بات کو قبول کر لیتے تو اسے موالاۃ کہا جاتا اور اس تعلق کو ولاء الموالاۃ سے تعبیر کیا جاتا اگر وہ باہر سے آنے والا شخص مر جاتا اور کوئی اس کا وارث نہ ہوتا تو یہ لوگ اس کے وارث ہوتے یا اس کے برعکس، ردیف)۔

لہٰذا ولاء العتق، عصبہ سببیہ ہے یا یہ آقا اور اس کے غلام کے درمیان کا تعلق ہے جسے وہ آزاد کرتا ہے جو آقا یا اس کے عصبہ کے لئے جنہوں نے اسے آزاد کیا ہے میراث کے حق کو ثابت کرتا ہے جب اس غلام یا لونڈی کا انتقال اس حال میں ہوا کہ اس کا وارث کوئی رشتہ دار نہ ہو۔ اسے نسب حکمی ❶ کہا جاتا ہے حدیث شریف میں ہے "ولاء کی رشتہ داری نسب کی رشتہ داری جیسے ہے نہ اسے بیچا جاتا ہے اور نہ ہبہ کیا جاتا ہے" ❷ اس لئے آزاد کرنے والا آزاد کئے جانے والے کا وارث ہوگا جب کہ اس کے برعکس نہیں یعنی آزاد کردہ اپنے آزاد کنندہ (آقا) کا وارث نہیں ہوگا۔

ولاء الموالاۃ...... یہ دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی طرف سے تاوان دینے اور ایک دوسرے کے وارث ہونے کی شرط پر معاہدہ ہوتا ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ نے ایک چوتھے...... سبب کو بھی شامل کیا ہے اور وہ۔

۴۔ اسلام کی جہت...... ہے جو وارث ہے جیسے نسب، لہٰذا مسلمان کا ترکہ یا اس ترکہ کا باقی ماندہ عصبہ ہونے کی بناء پر مسلمانوں کی میراث قرار دیتے ہوئے بیت المال میں صرف کیا جائے گا نہ کہ کسی مصلحت میں، شرط یہ کہ پہلے تین اسباب کے ذریعہ کوئی وارث نہ ہو یا کوئی ایسا سبب ہو جس نے ترکہ کا احاطہ نہ کیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جس کا کوئی وارث نہیں اس کا میں وارث ہوں میں اس کا تاوان ادا کرتا اور اس کا وارث ہوتا ہوں۔" ❸ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے کسی چیز کے وارث نہیں ہوتے بلکہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں اسے صرف کرتے تھے۔

---

❶ نظام المواريث في الشريعة للاستاذ الشيخ عبدالعظيم فياض ص ۱۹، ط ثانية۔ ❷ رواہ الشافعی وصححہ ابن حبان والحاکم "اللحمۃ" وہ چیز جو دو کے درمیان رابطہ پیدا کرے۔ ❸ رواہ ابو داؤد وغیرہ۔

وارث ہونے کی دو جہتیں...... جب وارث کی وارث ہونے کی دو جہتیں ہوں تو ایک ساتھ دونوں کی وجہ سے وارث ہوگا۔ جس کی صورت یہ ہے ایک عورت، خاوند اور ماں چھوڑ مری اور خاوند اس کا چچازاد بھی تھا۔ تو اپنا حصہ جو ثلث ہے لے گی۔

جب کہ خاوند اپنا آدھا حصہ لینے کے بعد باقی ماندہ بھی وصول کرے گا۔ اس لئے کہ یہ عصبہ ہے البتہ دادیاں میراث میں مستثنیٰ نہیں انہیں ہر صورت چھٹا حصہ ملے گا خواہ جدہ ایک قرابت والی ہو یا دو قرابتوں والی، اسی طرح رشتہ دار مستثنیٰ ہوں گے۔

یہ لوگ ایک جہت سے وارث ہوں گے کئی جہات کا اعتبار نہیں ہوگا۔

قانون میں وراثت کے اسباب...... مصری قانون نے آرٹیکل (۷) میں اس بات کی صراحت کی ہے وراثت کے اسباب تین ہیں: زوجیت، رشتہ داری، عصوبت سببیۃ یعنی ولاء العتق، رہی ولاء الموالاۃ تو اسے میراث کے اسباب میں شامل نہیں کیا۔ اس لئے کہ عرصہ ہوگیا کہ اس کا وجود نہیں رہا۔

اور آرٹیکل (۱۱) نے اس بات کی صراحت کی ہے: کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اور خاوند کا انتقال دوران عدت ہوا ہو تو وہ وارث ہوگی۔ رہی وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی اگر وہ طلاق پر رضامند نہ تھی تو وہ بیوی کے حکم میں ہے اور طلاق دینے والے کا انتقال اسی بیماری کی حالت میں ہوا ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو۔ رہا احوال شخصیۃ کا شامی قانون تو اس نے آرٹیکل (۲۶۳) میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ میراث پانے کے اسباب، رشتہ زوجیت اور رشتہ داری ہے، قانون میں ولاء کو سبب شمار نہیں کیا اس واسطے کہ دنیا سے غلامی ختم ہوچکی ہے۔

اور آرٹیکل (۲۶۸) میں یہ صراحت کی ہے کہ بیوی کو جب طلاق رجعی دی گئی اور دوران عدت خاوند کا انتقال ہوگیا اور بیٹا، پوتا اور پڑپوتا نیچے تک کوئی نہیں تو چوتھائی حصہ مقرر ہے۔ اور آرٹیکل (۱۱۶) نے وضاحت کی ہے کہ مرض وفات میں دی گی طلاق بائن میراث کے لئے مانع نہیں جب کہ خاوند کا انتقال اسی بیماری میں ہوا ہو اور عورت عدت گزار رہی ہو اور اس طلاق کو ظلم شمار کیا ہے۔

چوتھی فصل: میراث پانے کی شرطیں...... میراث میں حق دار بننے کے لئے تین شرطیں ہیں: مورث کی موت، وارث کی حیات اور قرابت والی جہت کی پہچان۔ [1]

ا۔ مورث کی موت...... مورث کی موت کا یقینی ہونا ضروری ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً اسے مردوں کے ساتھ شامل کر کے فرض کر لیا جائے۔ تفصیل یہ ہے۔

رہی حقیقتاً موت...... تو زندگی کا خاتمہ ہے جس کا تعلق معائنہ سے ہو مثلاً جب کوئی میت دیکھی جائے، یا سماع (سننے) سے یا بذریعہ گواہی۔

حکمی...... موت یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے سے ہو یا زندگی کے احتمال یا اس کے یقینی ہونے کے ساتھ۔

پہلی کی مثال...... قاضی نے کسی انسان کے بارے یہ فیصلہ صادر کردیا کہ وہ مرگیا ہے۔ جو لاپتہ انسان کی موت کا فیصلہ ہے۔

دوسری کی مثال...... قاضی نے مرتد کے بارے یہ فیصل صادر کردیا کہ وہ مردوں کے حکم میں ہے کیونکہ وہ دارالحرب چلا گیا ہے دونوں حالتوں میں جب سے موت کا حکم صادر ہوا ہے ترکہ تقسیم کردیا جائے گا۔

---

[1]...... الرحبیۃ ص ۸۰، المواد ۱۔۳ من القانون المصری، کشاف القناع: ۴/۴۴۸۔

تقدیری موت...... کسی کو مردوں میں فرض کرنا، اور وہ ایسا بچہ ہے جو اپنی ماں سے اس پر جنایت کی وجہ سے جدا ہو گیا ہو، جس کی وجہ سے غرۃ (۵۰ دینار) واجب نہیں۔ جس کی صورت یہ بنتی ہے کہ کوئی شخص کسی حاملہ عورت کو چوٹ لگاتا ہے جس سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ ہو کر گر پڑتا ہے تو غرۃ (جو غلام یا لونڈی ہے) واجب ہے اور اس کا اندازہ کامل دیت کے نصف عشر نمبر ۲۰ سے لگایا ہے لیکن فقہاء کا اس جنین (پیٹ کے بچہ) کی میراث میں اختلاف ہے۔ ❶ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ جنین وارث ہوگا اور وارث بنائے گا۔ اس لئے کہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ جنایت کے وقت یہ زندہ تھا اور اس کی موت اسی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

جمہور کا قول ہے...... یہ جنین وارث نہیں ہوگا اس واسطے کہ اس کی حیات ثابت نہیں ہوئی اس لئے وارث کا وارث بننے کی اہلیت بھی ثابت نہیں ہوگی۔ سوائے غرۃ (غلام یا لونڈی) جو جنین کی دیت ہے کوئی چیز میراث میں نہیں ملے گی اس واسطے کہ یہ صرف اس کی نسبت سے زندہ شمار کیا جاتا ہے۔

مصری قانون (آرٹیکل ۳) نے لیث بن سعد اور ربیعۃ بن عبدالرحمٰن کا مذہب اختیار کیا ہے: وہ یہ ہے کہ یہ جنین نہ وارث ہوگا نہ مورث؛ اس واسطے کہ جنایت کی وجہ سے اس کی موت ثابت نہیں ہوئی اور اس وقت اس کی حیات ثابت تھی۔ بدلہ صرف ماں کو دیا جائے گا اس لئے کہ جرم صرف اس پر واقع ہوا ہے۔

۲۔ وارث کا زندہ ہونا...... مورث کی موت کے بعد وارث کی زندگی کا ثابت ہونا یا تو وہ مستقل حقیقی حیات ہو یا اسے زندوں میں شامل کر کے تقدیراً مان لیا جائے۔

حقیقی حیات...... وہ زندگی ہے جو مورث کی موت کے بعد مستقل طور پر انسان کی لئے ثابت ہو اور اس کا مشاہدہ بھی ہو۔

تقدیری حیات...... وہ زندگی ہے جو مورث کی موت کے وقت جنین کے لیے فرض مانی جاتی ہے۔ اگر وہ زندہ ہو مستقل زندگی پا کر اس وقت جدا ہو گیا جس میں مورث کی موت کے وقت اس کا وجود ظاہر ہونا تھا خواہ وہ اس وقت لوتھڑہ ہو جما ہوا خون، تو میراث میں اس کا حق ثابت ہو گا یوں اس کی زندگی کو اس کی زندہ ولادت کے ساتھ فرض مانا جائے گا۔

۳۔ میراث کی جہت کا علم...... میراث میں مانع کا ختم ہونا۔ (اور وہ میراث پانے میں آئندہ رکاوٹوں میں سے کسی رکاوٹ کا نہ ہونا۔) شرط نہیں شرط صرف پہلی دو ہیں۔ جیسا کہ مصری قانون میں صراحت ہے دوسرے آرٹیکل میں پہلی دو شرطوں کی صراحت کی ہے۔ اسی طرح قانون سوری نے آرٹیکل ۲۶ میں بھی ان دونوں شرطوں کی صراحت کی ہے اور آرٹیکل (۲۶۱) حمل کی وراثت کی شرط کی صراحت کی ہے لیکن اس جہت کا علم ضروری ہے۔

جو میراث کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی یہ معلوم ہو کہ وہ نسبی رشتہ داری کی وجہ سے وارث ہے یا رشتہ ازدواج کی جہت سے یا ان دونوں سے، یا ولاء کی جہت سے۔ اگرچہ اس میں حکم مختلف ہے۔

پانچویں فصل: میراث کے موانع...... لغت میں مانع مسائل اور رکاوٹ کو کہتے ہیں جب کہ اصطلاح میں، جس کی وجہ سے کسی شخص سے حکم منتفی اور ختم ہو جائے اس میں کسی معنی کی وجہ سے جب کہ اس کا سبب قائم ہو چکا ہو۔ (جس میں یہ مانع موجود ہو) اسے محروم کہا جاتا ہے اس سے وہ خارج ہو گیا، جو دوسرے میں کسی مضر کے پائے جانے کی وجہ سے ختم ہو جائے کیونکہ وہ محجوب ہوتا ہے یا سبب

---

❶...... المغنی ۶/۳۲۰۔

کا قیام معدوم ہو جیسے اجنبی، یہاں مانع سے مراد، وراثت سے روکنے والا ہے نہ کہ وارث بنانے سے۔

اگر چہ بعض موانع جیسے دین کا اختلاف، وراثت اور وارث بنانے سے دونوں سے مانع ہے۔ فقہاء کا موانع میراث تین پر اتفاق ہے غلامی، قتل کرنا، اور دین کا مختلف ہونا جب کہ ان کے علاوہ میں اختلاف ہے اختلاف سے مانع ہے۔ فقہاء کا (1) احناف نے چار مشہور موانع ذکر کئے ہیں۔ غلامی، قتل کرنا اختلاف دین اور اختلاف دارین، پہلے دو سبب جس میں پائے جائیں اسے دوسرے کا وارث ہونے سے روکتے ہیں جب کہ آخری دو جانبین سے باہمی وارث ہونے سے روکتے ہیں۔ قدوری کتاب میں فرماتے ہیں: چار افراد وارث نہیں ہو سکتے: مملوک، مقتول کا قاتل، مرتد اور دو مذہبوں والے۔ اسی طرح دار الاسلام اور دار الحرب والے، میں ان تمام موانع کی علیحدہ علیحدہ وضاحت کروں گا۔ انہوں نے دو اور موانع کا اضافہ کیا ہے یوں ان کے نزدیک چھ ۶ موانع بن جاتے ہیں اور وہ دو موانع یہ ہیں:

۱۔ **مرنے والوں کی تاریخ کی جہالت**...... جیسے ایک ہی وقت میں ڈوبنے، جلنے، دب/ مرنے اور قتل ہونے والے۔ اس لئے کہ میراث کی سابقہ شرطوں میں مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ موجود ہونا ہے جو یہاں نہیں اس واسطے کہ اس شرط کی موجودگی کا علم نہیں۔ اور شک کے ساتھ تو ارث نہیں ہے۔

۲۔ **وارث کی جہالت**...... جو پانچ یا زیادہ مسائل ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱...... ایک عورت نے اپنے بچے کی ساتھ کسی بچہ کو دودھ پلایا اور فوت ہو گئی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے اس کا بیٹا کون سا ہے تو ان میں سے ایک بھی اس کا وارث نہیں ہوگا۔

۲...... مسلمان اور کافر نے مل کر اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے ایک دایہ اجرت پر مقرر کی، وہ دونوں بچے اس کے پاس بڑے ہو گئے۔ مسلمان کے بچے کی کافر کے بچے سے پہچان نہ ہو سکی (کہ کون سا بچہ مسلمان ہے) دونوں بچے مسلمان ہیں اور اپنے باپوں کے وارث نہیں ہوں گے۔

ہاں البتہ جب دونوں آپس میں صلح کرلیں تو ان کے لئے جائز ہے کہ میراث کو آپس میں تقسیم کر کے لے لیں۔

وارث کی جہالت...... دوسرا مانع ہے جو حکماً اس کی موت کی طرح ہے جیسے لاپتہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ بعض احناف نے ساتواں مانع شامل کیا ہے جو نبوت ہے صحیحین کی حدیث میں ہے" ہم انبیاء کا گروہ کسی کو وارث نہیں بناتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے" ہر انسان وارث ہوتا اور وارث نہیں بناتا سوائے انبیاء کے وہ نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔ حق یہ ہے نبوت موانع میں سے نہیں۔ اس لئے کہ نبوت ایک ایسا وصف ومعنی ہے جو مورث میں قائم ہے اور مانع وہ ہے جو وارث میں قائم کسی معنی ووصف کی وجہ سے میراث سے روکتا ہے۔

مالکیہ...... (2) نے میراث کے دس موانع ذکر کئے ہیں:

۱۔ **اختلاف دین**...... لہٰذا بالاجماع کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور جمہور کے نزدیک کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ اور کوئی کافر کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا جب ان کے مذہب مختلف ہوں۔ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور شافعیہ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اور کافر جب اپنے مسلمان مورث کی موت کے بعد اسلام قبول کرلے تو اس کا وارث نہیں ہوگا۔

---

(1)...... شرح السراجیة ص ۱۸۔۲۴، الدر المختار ورد المحتار: ۵/ ۵۴۱۔۵۴۳، تبیین الحقائق ۲۳۹/۶، اللباب شرح الکتاب ۱۸۸/۴۔۱۹۷۔ (2) القوانین الفقهیة ع ص ۳۹۴، بدایة المجتهد: ۳۴۶/۲۔

میراث میں مرتد اصلی کافر کی طرح ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مسلمان، مرتد کا وارث ہوگا۔ رہا زندیق (کافرانہ روش اختیار کرنے والا) تو جب وہ اسلام کا اظہار کرتا ہو تو اس کے مسلمان ورثا، اس کے وارث ہوں گے۔

۲۔غلامی......لہٰذا غلام اور ہر وہ شخص جس میں رق (غلامی) کا حصہ ہو جیسے مکاتب (جو اپنے آقا سے رقم دینے کا معاہدہ کرکے آزادی حاصل کرے) مدبر (جسے اس کا آقا یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو) ام ولد (جس باندی سے آقا کی اولاد پیدا ہوئی ہو) آدھا آزاد، وہ آزاد جو کسی وقت کے آنے پر آزاد ہوگا یہ سب لوگ نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں ان کی میراث ان کے مالکوں کے لئے ہے۔

۳۔قتل عمد......جس نے اپنے مورث کو جان بوجھ کر قتل کرڈالا ہو تو قاتل اس کے مال اور اس کی دیت کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کسی وارث کو محجوب کریگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہو تو دیت کے بجائے صرف مال کا وارث ہوگا اور دوسرے کو محجوب کرے گا۔

۴۔لعان......جس کی نفی کی گئی وہ نفی کرنے والے کا اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا۔

۵۔زنا......زنا کی پیدائش اپنے باپ کی وارث نہیں اور نہ باپ اس کا وارث ہوگا۔
اس واسطے کہ وہ اس کے ساتھ نہیں ملایا جاتا، اور اگر والد ہونے کا اقرار (زانی) کرے تو اسے حد لگائی جائے گی اور اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ اور جس نے بیٹی کے بعد (اس کی) ماں سے یا ماں کے بعد بیٹی سے شادی کی تو ان میں سے کوئی بھی دوسری کی وارث نہیں ہوگی۔
اور جس نے بہن کے بعد (بیوی کی) بہن سے شادی کی تو پہلی اس کی عصمت میں ہے، وہی اس کی وارث ہوگی نہ کہ دوسری۔

۶۔مورث کی موت میں شک   جیسے قیدی اور لاپتہ شخص۔

۷۔حمل......ولادت تک مال موقوف رہے گا۔

۸۔نومولود کی زندگی میں شک......اگر پیدائش کے وقت زور سے چیخے تو وارث بھی ہوگا اور وارث بنائے گا ورنہ نہیں۔ حرکت اور چھینک مذہب میں چیخ کے قائم مقام نہیں ہاں البتہ جب زیادہ ہو یا وہ بچہ دودھ پینے لگ جائے۔

۹۔مورث یا وارث میں سے پہلے کس کی موت ہوئی اس میں شک.....جیسے دو شخص کسی دیوار یا ٹیلے تلے دب کر یا پانی میں غرق ہو کر مرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک باقی وارثوں کا وارث ہوگا۔ یہی احناف کے نزدیک مردوں کی تاریخ کی جہالت ہے۔

۱۰۔نر، مادہ ہونے میں شک.....جیسے ہیجڑا کہا جاتا ہے اس کا امتحان پیشاب کرنے داڑھی اور حیض سے لیا جاسکتا ہے اگر وہ مردوں میں شامل ہو تو مردوں کی میراث پائے گا اور اگر عورت میں شمار ہو تو ان کی میراث پائے گا اور اگر خنثی مشکل ہو تو آدھا حصہ عورت کا اور آدھا حصہ مرد کا دیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ [1] نے میراث کے تین موانع ذکر کئے ہیں......غلامی۔قتل۔اور دین ومذہب کا مختلف ہونا۔شافعیہ نے تین اور موانع بھی شامل کئے ہیں۔یوں ان کے نزدیک چھ ۶ موانع بن جاتے ہیں۔اور وہ تین موانع یہ ہیں:

۱۔اصلی کفر والوں کا ذمی اور حربی ہونے کی وجہ سے اختلاف......مشہور ہے کہ حربی اور ذمی کے درمیان باہمی وراثت نہیں ہے اس واسطے کہ ان دونوں کے درمیان موالات وتعلقات منقطع ہیں۔معاہد اور مستامن ذمی کی طرح ہیں۔

۲۔مرتد ہونا......مرتد مسلمان یا کافر کسی کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کسی صورت میں وارث بناتا ہے۔

جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا'' بلکہ اس کا مال بیت المال کے لئے غنیمت ہوگا خواہ اس نے اسے اسلام کی حالت میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں۔یہی مانع دین کے اختلاف میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ مالکیہ نے پہلے بیان کیا ہے۔

۳۔حکمی دور......وارث بنانے سے وارث نہ بنانا لازم آئے۔مثلاً ترکہ سمیٹنے والا بھائی،میت کے کسی بیٹے کا اقرار کرے،تو بھائی کے اقرار سے اس کا نسب تو ثابت ہوجائے گا لیکن دور کی وجہ سے یہ بیٹا وارث نہیں ہوگا۔کیونکہ اس بھائی کے بیٹے کے اقرار کرنے اور باپ سے اس کا نسب ثابت ہونے سے،اس کا وارث نہ ہونا ظاہر ہوگیا اس واسطے کہ وہ اس کی وجہ سے محجوب ہے۔لہٰذا اس پر لازم ہے کہ اس کا اقرار باطل ہو۔اس لئے کہ وہ اس وقت ترکہ لینے والا نہیں ہوگا۔اس بنا پر بیٹے کا نسب باطل ٹھہرا اور جب نسب باطل ہوا تو وہ وارث بھی نہیں ہوگا۔لیکن جب حقیقت میں سچا ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ترکہ اسے دینا واجب ہے۔میراث کے اثبات نے اس کی نفی تک پہنچایا اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کا اثبات اس کی نفی کا سبب بنے تو وہ بالکل ختم ہوجاتی ہے۔

غور کرنے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ فقہاء نے چار مشہور موانع کے علاوہ جو موانع ارث ذکر کئے ہیں وہ حقیقت میں موانع نہیں۔میراث تو وہاں نہیں ملتی جہاں میراث کی سابقہ شرائط میں سے کوئی شرط ثابت نہ ہو۔لہٰذا میں چار مشہور موانع کی شرح کی طرف واپس لوٹتا ہوں۔جو یہ ہیں۔

پہلا مانع: غلامی......لغت میں اس کا معنی عبودیت (غلام ہونا) ہے اور اصطلاح میں:ایسا حکمی عجز جو انسان کے ساتھ قائم ہو جس کا سبب اصلی میں کفر ہے جو مطلقاً میراث کا مانع ہے،خواہ تام ہو یا ناقص یہ احناف اور مالکیہ کی رائے ہے لہٰذا آزاد اور غلام میں توارث نہیں ہوگا یعنی غلام نہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کسی کو وارث بنائے گا۔

اس واسطے کہ غلام ہونا ملکیت پانے کی اہلیت کے منافی ہے اس لئے کہ رقیق وغلام ہونے کا تقاضا آقا کے لئے مال مملوک کا ہے۔ کہ وہ مال کا مالک نہیں۔اس اعتبار سے کہ مملوکیت عجز وکمزوری کا پتہ دیتی ہے اور مالک ہونے سے قدرت وکرامت کا پتہ چلتا ہے۔لہٰذا یہ ایک دوسرے کے منافی ہیں۔اس کے پاس جو مال بھی ہوگا وہ آقا کا ہوگا۔

اگر ہم اسے وارث قرار دیں تو ملکیت آقا کے لئے ثابت ہوگی۔جس سے اجنبی کو بلاوجہ وارث بنانا لازم آئے گا جو بالا جماع باطل ہے۔قانون سوری نے اس نسب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دنیا سے رق وغلامی ختم ہوچکی ہے۔

آدھا آزاد......شافعیہ نے جدید مذہب میں اور یہ زیادہ صحیح ہے [2] عبد مبعض کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ ایسا شخص ہے جس کا

---

[1] ......مغنی المحتاج: ۳/۲۴۔۲۹ الرحبیۃ: ص ۱۹ کشاف القناع: ۴/۴۴۸ ط مکہ، المغنی ۶/۲۶۶۔۲۷۰، ۲۹۱۔۲۹۸۔

[2] مغنی المحتاج: ۳/۲۵، الرحبیۃ ص ۱۹۔

کچھ حصہ آزاد ہوتو اس کا جب انتقال ہوگا تو وہ اپنے آزاد حصے کی وجہ سے اس مال کا وارث بنائے گا جو اس کی ملکیت میں ہو۔اس واسطے کہ وہ آزاد کی طرح کامل ملکیت رکھتا ہے تو اس کا قریبی آزاد شخص وارث ہوگا یا جس کا کچھ حصہ آزاد ہو، اسی طرح اس کی بیوی، اس کے آقا کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ غلامی میں جو کچھ اس نے کمایا ہے اس میں سے اس نے اپنا پورا حق وصول کیا ہے۔

حنابلہ...... ❶ فرماتے ہیں: جس کا کچھ حصہ آزاد ہو تو وہ اپنے آزاد جزء کی وجہ سے وارث بنے گا اور وارث بنائے گا۔اور جتنی مقدار اس میں اس آزادی کی ہے اس کی وجہ سے حاجب ہوگا اور باقی مقدار جو اس میں غلامی کی ہے اس کی وجہ سے نہ وارث ہوگا اور نہ وارث بنائے گا۔ ❷ جس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن احمد نے بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جس کا کچھ حصہ آزاد کر دیا جائے: ''جتنا وہ آزاد ہوا ہے اس کی مقدار وارث اور مورث ہوگا۔''

مکاتب......حنابلہ کے ہاں اگر مکاتب اپنے اوپر کتابت کی واجب اقساط کی مقدار کا مالک نہ ہو تو وہ غلام ہے نہ وارث ہے نہ مورث اور اتنی مقدار کا مالک ہو جسے بدل کتابت میں ادا کر سکے تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

اول...... جب تک اس پر ایک درہم کی ادائیگی بھی باقی ہے تو وہ غلام ہے نہ وارث ہوگا اور نہ وارث بنائے گا یہی دوسرے ائمہ میں سے جمہور کی رائے ہے۔جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

مکاتب پر ایک درہم کی ادائیگی بھی باقی ہو تو وہ غلام ہے۔ ❸

دوسری روایت یہ ہے...... جب وہ اتنی مالیت کا مالک ہو جس سے بدل کتابت ادا کر سکے تو وہ آزاد ہوگیا، وارث اور مورث ہوگا۔اگر اس کا کوئی ایسا شخص فوت ہوگیا جس کا یہ وارث تھا تو وارث ہوگا۔اور اگر یہ مرگیا تو باقی ماندہ مال کتابت اس کے

---

❶ ......المغنی: ۶/۲۶۷۔۲۶۹۔ ❷ ماضی میں رقیق کی یہ قسمیں تھیں: قِن، مکاتب، مدبر، ام الولد اور معبض۔قِن میں کامل غلامی ہے جب کہ باقی میں ناقص ہے۔

❸ ......مکاتب......وہ غلام ہے جس سے اس کا آقا مقرر رقم پر معاہدہ کر لے مثلاً یوں کہے: تم نے اگر مجھے بیس درہم یا بیس دینار عقد مکاتب کے عوض ادا کر دیئے تو تم آزاد ہو۔یا قسطوں میں ادائیگی کے لئے معین مدت مقرر کر دے جیسے ہر مہینے ڈیڑھ دینار۔

مدبر......وہ غلام ہے جسے اس کا آقا یہ کہہ دے کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو۔

ام ولد......وہ باندی ہے جس سے آقا کا بچہ پیدا ہوا ہو۔اور اس کا اس نے دعویٰ بھی کیا ہو کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے یوں اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی ام ولد بن جائے گی۔مدبر اور ام الولد کی فروختگی ناجائز ہے دونوں آقا کی موت کی وجہ سے آزاد ہو جائیں گے، یہ دونوں نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔

معبض......تو وہ ایسا غلام ہوتا ہے جس کا آدھا حصہ اس کے آقا کے آزاد کرنے سے آزاد اور باقی غلام رہتا ہے۔اس کی حیثیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس غلام کی سی ہے جس کی آزادی میں ایک درہم باقی رہ گیا ہو۔یہ نہ وارث ہوتا ہے اور نہ کسی کو اس کی میراث سے محجوب کرتا ہے۔جب کہ امام مالک شافعی اور احمد کے نزدیک: وہ آزاد ہے اگر معتق مالدار ہو تو شریک کے حصے کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور اس کے شریک کو دے کر سارا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر معتق تنگدست ہو تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں اور وہ غلام آدھا آزاد اور آدھا غلام ہی رہے گا۔اور صاحبین کے نزدیک وہ آزاد ہے میراث پائے گا اور محجوب کرے گا۔اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عتق میں اجزاء نہیں ہو سکتے جب کہ صاحبین کے نزدیک تجزی ہے۔لہٰذا ان کے ہاں اگر کوئی شخص غلام کا حصہ آزاد کرتا ہے تو سارا غلام آزاد ہو جائے گا پھر اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اپنے شریک کے حصے کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر فقیر ہو تو غلام اپنے اس آقا کو مال دینے کی تگ و دو کرے گا جس نے اس کا حصہ آزاد نہیں کیا۔

بدایۃ المجتہد: ۲/۳۶۰

آقا کو ملے گا۔ اور باقی اس کے وارثوں کا ہے، جس کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے، فرمایا: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی (خاتون) کا مکاتب ہو اور اس کے پاس اتنا مال ہو۔ جس سے بدل کتابت ادا کر سکے تو اس سے پردہ کیا کرو۔ ❶

دوسرا مانع: قتل...... اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ قتل میراث کا مانع ہے لہٰذا قاتل، مقتول کا وارث نہیں ہوگا جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' قاتل کے لئے (مقتول کی) کوئی میراث نہیں'' ❷ اس واسطے کہ اس نے حرام کام کے ذریعہ وقت سے پہلے میراث حاصل کرنے کی جلدی کی تو جو اس نے ارادہ کیا اس کے وجہ سے محرومی کی سزا ملی۔ تاکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے باز رہے۔ نیز قتل کے ساتھ وارث بنانا فساد کا سبب ہے'' اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے''، لیکن فقہاء کا اس قتل کی قسم کے بارے میں اختلاف ہے جو مانع میراث ہے۔

احناف کی رائے...... وہ قتل حرام ہے: جس سے قصاص واجب ہونے یا کفارہ واجب ہونے کا تعلق ہوتا ہے۔ جو قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور جار مجری خطا کو شامل ہے۔ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے وہ قتل عمد ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے: قاتل نے مقتول کو عمداً ضرب سے قتل کیا ہو۔ ہتھیار سے کیا ہو یا اس چیز سے کیا ہو جو (جسم کے) اجزاء کی تفریق میں بمنزلہ ہتھیار ہو مثلاً دھار دار لکڑی، پتھر، بانس کی کھپاچ اور پھانس وغیرہ۔ صاحبین اور دوسرے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: قصداً ایسی ضرب جس کے ذریعے عموماً انسان قتل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ دھار دار نہ ہو جیسے بڑا پتھر۔

اور جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے تو وہ یا شبہ عمد ہے: مثلاً کسی ایسی چیز سے مقتول کو مارا جس سے عموماً آدمی قتل نہیں ہوتا اور یا خطاء ہے: مثلاً شکار پر تیر چلایا تو وہ کسی انسان کو جا لگا یا نیند میں کسی پر لڑھک گرا اور اسے مار ڈالا یا چھت کے اوپر سے اس (مقتول) پر گرا یا اس کے ہاتھ سے پتھر گرا اور (جسے لگا) مر گیا۔ یا سوار نے اپنی سواری تلے کسی کو روند ڈالا۔

جب تک اس کے ساتھ وجوب قصاص یا کفارہ کا تعلق نہ ہو تو وہ میراث سے مانع نہیں۔ اور وہ کسی حق کی وجہ سے یا عذر یا سبب سے قتل ہونا ہے اور وہ قتل غیر مکلّف سے ہوا ہو۔

حق کی وجہ سے قتل کرنا...... مثلاً قصاص لینے کے لئے مورث کو قتل کرنا یا مرتد ہونے کی وجہ سے حد جاری کرنے کے لئے یا حالت احصان (شادی شدگی کی) میں زنا کی وجہ سے، اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کرنا اور عادل کا اپنے باغی مورث کو قتل کرنا جس پر احناف کا اتفاق ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک باغی کا اپنے عادل مورث کو امام وحاکم کے ساتھ قتل کرنا تو بالکل حرام نہیں۔

---

❶ ......رواه ابو داؤد باسناده عن ام سلمة. ❷ رواه مالك في المؤطا واحمد وابن ماجة والشافعي وعبدالرزاق والبيهقي عن عمر وهو منقطع ورواه ابو داؤد والنسائي عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده بلفظ: "لا يرث القاتل شيئاً" واعله النسائي والدار قطني وقواه ابن عبدالبر (نيل الاوطار: ٦/ ٧٤)

عذر کی وجہ سے قتل کرنا...... جیسے خاوند کا اپنی بیوی کو قتل کرنا یا زنا میں ملوث اس کے ساتھ زنا کرنیوالے کو قتل کرنا کیونکہ اس وقت اسکا شعور واختیار برقرار نہیں رہتا۔ یا جیسے وہ قتل جو شرعی دفاع کی حدود سے بڑھ جائے اس واسطے کہ اصل دفاع کا ضبط کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس میں تجاوز وزیادتی معاف ہے۔

قتل کا سبب بننا...... ایسا قتل جس میں قاتل شریک نہ ہو جیسے کنواں کھودنا، یا کسی کی ملکیت میں پتھر رکھنا۔

غیر مکلّف سے ہونے والا قتل...... وہ قتل ہے جو بچے یا مجنون سے ہو جائے، ان چاروں صورتوں میں قاتل میراث سے محروم نہیں ہوگا۔ اور جب باپ جان بوجھ کر اپنے بیٹے کو قتل کردے اگرچہ اس سے قصاص اور کفارہ ثابت نہیں ہوتا۔ (لیکن وہ) میراث سے محروم ہوگا۔ اس واسطے کہ اصل میں قتل قصاص کا سبب ہے، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے ساقط ہوگیا: ''بیٹے کے بدلہ میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔'' ① الحدیث۔

مالکیہ کی رائے...... میراث سے مانع قتل وہ قتل عمد ہے جو دست درازی کے طور پر ہو خواہ عملاً ہو یا سبب بن کر ہو۔ اس کا حکم دینے والے اور ابھارنے والے، سہولت دینے والے، شریک، کھانے پینے میں زہر ملانے والے، (دوران قتل جگہ کی نگرانی کرنے والا) جیسے ربیئۃ کہا جاتا ہے، جھوٹا گواہ جب اس کی گواہی پر حکم کا مدار ہو بچے گناہ کے قتل پر زبردستی مجبور کرنے والا، اپنے مورث کے لئے کنواں کھودنے والا اور اس کی راہ میں پتھر رکھنے والا۔ جس سے ٹکرا کر اس کی موت واقع ہو جائے، یہ سب لوگ شامل ہیں۔

رہا قتل خطاء...... تو یہ مال میراث کے لئے رکاوٹ نہیں البتہ دیت کی میراث سے مانع ہے۔

شافعیہ کی رائے...... ''قاتل اپنے مقتول کا مطلقاً وارث نہیں ہوتا خواہ عملاً قتل کیا ہو یا سبب بن کر، کسی مصلحت کے تحت ہو جیسے باپ، خاوند اور معلم واستاد کا مارنا، یا کسی مصلحت کے تحت نہ ہو۔ مجبور کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ حق کے عوض ہو یا نہ ہو۔ مکلّف سے واقع ہوا ہو یا غیر مکلّف سے'' یہ تمام آراء میں سے زیادہ وسیع رائے ہے۔ ان کی دلیل ترمذی وغیرہ کی حدیث کا عموم ہے: ''قاتل کے لئے کچھ نہیں'' یعنی میراث میں سے۔

حنابلہ کی رائے...... میراث سے مانع جو قتل ہے وہ ناحق قتل ہے اور جو قصاص یا دیت یا کفارہ کا ضامن ہو لہٰذا یہ عمد، شبہ عمد، خطاء اور جاری مجری خطا کو شامل ہے جیسے قتل کا سبب بننا۔ بچے، پاگل اور سوئے ہوئے کا قتل کرنا۔

خلاصہ...... یہ رہا کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل مانع میراث ہے البتہ اس قتل کی نوع وقسم میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عملاً دست درازی کے ساتھ عملاً یا خطا کا اعتبار کیا ہے امام مالک نے زیادتی والے عمد کا اعتبار کیا ہے۔ خطاء کا نہیں۔ امام شافعی نے ہر قتل کو مانع میراث شمار کیا ہے اگرچہ وہ کسی قاصر سے سرزد ہوا ہو جب کہ امام احمد نے اس قتل کا اعتبار کیا ہے جس سے قصاص دیت یا کفارہ لازم ہو خواہ وہ کسی قاصر سے سرزد ہوا ہو۔ پس جمہور کے نزدیک قتل عمد، شبہ عمد، خطا اور شبہ خطا میراث سے مانع ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عمداً کے مفہوم کی رعایت رکھتے ہوئے۔ اور احناف کے نزدیک قتل کا سبب بننے کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے۔ مالکیہ کے

---

①......رواه الترمذی وابن ماجه عن ابن عباس وهو ضعيف وروی ايضاً من حديث عمرو سراقة بن مالک وعمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بلفظ"لايقاد الوالد بالولد، وفی سنده طعن لارواية الحاكم عن عمر فهو صحيح الاسناد(نصب الراية: ۳۳۹/۴)

نزدیک صرف قتل عمد مانع میراث ہے خواہ قاتل اصلی ہو یا عملاً شریک ہو یا سبب بنا ہو۔

قانون مصری (م ۵) اور قانون سوری (م ۲۲۳، ۲۶۴) نے میراث اور وصیت سے مانع قتل کی حد بندی میں احناف کے مذہب کے خلاف دو مقامات پر قتل بالسبب اور قتل خطا میں مالکیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔

قتل خطا کی دیت کی میراث بیوی کو ملنا......احناف کی رائے یہ ہے کہ قتل خطا کی دیت باقی دیون وقرضوں کی طرح ہے جس کے خاوند بیوی میں سے ہر ایک اور ان کے علاوہ کے لوگ وارث ہوں گے۔ جس کی دلیل یہ حدیث ہے: جس نے کوئی مال یا حق چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے'' اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے خاوند کی دیت کا وارث بنانے کا حکم دیا تھا، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور مالکیہ کی رائے یہ ہے: کہ زوجین دیت کے وارث نہیں ہوتے، کیونکہ موت کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دیت واجب نہیں۔ ❶

تیسرا مانع: دین ومذہب کا مختلف ہونا......مورث اور وارث کے درمیان اسلام وغیرہ مذاہب کے ذریعے دین کا اختلاف مذاہب اربعہ کے اتفاق سے مانع ارث ہے۔ لہٰذا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا خواہ (وراثت کا حق) رشتہ داری یا زوجیت کی وجہ سے ہو دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا نیز آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''دو مختلف مذہبوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔'' ❷

یہی راجح ہے اس لئے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان ولایت وتعلق منقطع ہے۔ اور اسی کو قانون مصری (م ۶) اور قانون سوری (م ۲۶۴) نے اختیار کیا ہے: ''مسلم اور غیر مسلم میں باہمی میراث نہیں'' حضرت معاذ، معاویہ، حسن، ابن الحنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب یہ ہے'' کہ مسلمان کافر کا وارث تو ہوتا ہے لیکن کافر اس کا وارث نہیں ہوسکتا۔'' جس کی دلیل یہ حدیث ہے'' اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا'' ❸ انہیں یہ جواب دیا گیا ہے کہ غلبہ وبرتری سے مراد دلیل وحجت کی وجہ سے ہے یا قہر وغلبہ کی وجہ سے ہے۔ یعنی آخرت میں مدد مسلمانوں کی ہوگی۔ امام احمد فرماتے ہیں: مسلمان اپنے آزاد کردہ کافر غلام کا وارث ہوگا۔ اس لئے کہ سابقہ حدیث عام ہے'' ولاء آزاد کرنے والے کا حق ہے۔'' ❹

غیر مسلموں کی میراث......رہا کافروں کا آپس میں مذہب کا اختلاف جیسے یہود ونصاریٰ تو اسے مانع میراث بنانے میں اختلاف ہے۔

۱۔ **مالکیہ**......فرماتے ہیں کافر، کافر کا وارث نہیں جب ان کا مذہب مختلف ہو جیسے یہودیت اور نصرانیت، لہٰذا یہودی نصاریٰ کے اور نصاریٰ یہود کی وارث نہیں ہوں گے اس واسطے کہ یہ دونوں مختلف مذہب ہیں۔ اور نہ یہ دونوں کسی مشرک کے وارث ہوں اور نہ کوئی مشرک ان دونوں کا وارث ہوگا۔ اس لئے کہ سابقہ حدیث عام ہے'' مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں'' کیونکہ ان کے درمیان موالات نہیں، رہے وہ مذاہب اور فرقے جو یہودیت اور نصرانیت کے علاوہ ہیں تو ان سب کو ایک شمار کیا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ❺

---

❶ المغنی: ۶/ ۳۲۰، نظام المواریث للاستاذ عبدالعظیم فیاض: ص ۳۰۔ ❷ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجه عن عبدالله بن عمرو وللترمذی عن جابر (حوالہ ومقام سابقہ ہے)۔ ❸ رواہ الرویانی والدار قطنی والبیهقی والضیاء عن عائذ بن عمرو وهو حدیث حسن۔ ❹ المغنی: ۶/ ۳۴۸۔ ❺ امام مالک کی ایک اور روایت ہے۔ یہودی ایک مذہب ہے اور نصاریٰ ایک مذہب ہے اور دوسرے مذاہب جیسے سورج پرست، آتش پرست وغیرہ تو وہ ایک الگ مستقل مذہب ہے تو ایک مذہب کے پیروکار دوسروں سے الگ وارث ہوں گے۔

مسلمانوں کا دشمن (حربی) بن گیا تو اس کے مال کا حق حکم حربی کے مال کا سا ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مرتد ہو کر مرجائے۔ ورنہ اس کا مال وقف ہے۔ اور اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو وہ مال اسی کا ہے۔

خاوند، بیوی میں سے ایک کا مرتد ہونا..... حنابلہ فرماتے ہیں: ہمبستری سے پہلے خاوند بیوی میں سے اگر کوئی ایک مرتد ہو جائے تو فوراً نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں۔ اور اگر ارتداد ہمبستری کے بعد ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے: فرقت جلد از جلد ہو جائے۔

اور دوسری یہ ہے: عدت کے ختم ہونے تک موقوف رہی گی جو بھی ان میں سے مرگیا دوسرا اس کا وارث نہیں ہوگا۔

ا۔ زندیق..... تو وہ ایسا شخص ہوتا ہے جو اسلام کا اظہار اور کفر کو چھپاتا ہو۔ اور وہ منافق ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسے منافق کہا جاتا تھا اور آج کل زندیق کہا جاتا ہے، لیکن فساد کی کوشش کرنے، اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے پوشیدہ دعوت دینے میں منافق سے مختلف ہے

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس کا حکم سابقہ تفصیل اور اختلاف کے مطابق مرتد جیسا ہے۔ لہٰذا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زندیق کا مال بیت المال میں جمع ہوگا۔ اور مالکیہ کا کہنا ہے: باقی مرتدوں کے برخلاف وارث بنائے گا۔ چنانچہ اس کے مسلمان ورثاء اس کے وارث ہوں گے بشرطیکہ وہ اسلام کا اظہار کرتا ہو۔

خلاصہ..... ارتداد فی الجملہ میراث سے مانع ہے۔ بعض فقہاء نے اختلاف دین کے علاوہ اسے مخصوص مانع شمار کیا ہے اس واسطے کہ ارتداد کے خاص احکام ہیں۔ مرتد تو مطلقاً کسی کا وارث نہیں ہوتا اور نہ احناف کے علاوہ جمہور کے نزدیک وارث بنتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک مطلقاً وارث بنتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اس کا وہ مال ورثا کو میراث میں ملے گا جو اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا۔

چوتھا مانع: دارین کا مختلف ہونا:

دار سے مراد..... وہ وطن ہے جیسے خاص طاقت حاصل ہو اور اس کا مستقل بادشاہ ہو۔

اختلاف دارین..... سے مراد یہ ہے کہ وارث اور مورث میں سے ہر ایک جس حکومت کا تابع ہو وہ طاقت (قوت یا لشکر وفوج) اور ملک (اختیار واقتدار) میں دوسری حکومت کی مخالف ہو اور دونوں کے درمیان حفاظت وعصمت بھی منقطع ہو مثلاً ایک ہندوستان سے تعلق رکھتا ہو اور سیورج کا رہنے والا ہو۔

اس مانع کا ظہور دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان یا صرف دارالحرب کے اجزاء کے درمیان ہوتا ہے۔ رہا دارالاسلام یا مسلمانوں کے علاقے تو اسے مسلمانوں کا ایک وطن شمار کیا جاتا ہے اس بناء پر ایک مسلمان خواہ کسی بھی علاقہ میں ہو دوسرے مسلمان کا وارث ہوگا، اس لئے کہ اسلام نے مسلمانوں کے علاقوں کو ایک وطن بنا دیا اگرچہ دار دور دور ہوں اور نظام مختلف ہوں اور تعلقات منقطع ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں مرتا ہے تو دارالاسلام میں اس کے ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔ یہ مانع غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہے۔ اسلام کے علاقے تو ایک وطن ہے۔

۲۔ احناف، شافعیہ اور حنابلہ.....کا قول ہے: کفار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اس لئے کہ کفر میراث میں ایک ہی مذہب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' کافر لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' الانفال ۷۳/۸

یہ حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام کفار کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'' حق کے بعد تو گمراہی ہی ہے'' یونس ۳۲/۱۰

اس لئے کہ اسلام کی نظر میں۔ باطل ہونے کے لحاظ سے تمام مذاہب ایک مذہب کی طرح ہیں۔ اور غیر مسلم بھی مسلمانوں سے دشمنی کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے میں برابر ہیں۔ لہٰذا وہ ایک مذہب کا حکم رکھتے ہیں۔ قانون مصری نے اسی کو اپنایا چنانچہ آرٹیکل ۶ میں صراحت ہے'' غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔''

۳۔ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں...... یہود و نصاریٰ آپس میں وارث ہوں گے، یہ اور مجوسی آپس میں وارث نہیں۔

مرتد اور زندیق کی میراث ❶:

مرتد...... وہ ہوتا ہے جو دین اسلام چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لے یا بے دین ہو جائے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد مرد اور مرتدہ عورت کسی کے وارث نہیں ہوں گے نہ مسلمان کے اور نہ کافر کے۔ اس واسطے کہ اس میں اور دوسرے میں کوئی تعلق نہ رہا۔ اسلام اسے اپنے ارتداد پر برقرار نہیں رکھے گا بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن احناف کے ہاں مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی۔ اس واسطے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے بلکہ اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ انجام کار مسلمان ہو جائے یا مر جائے۔

اور حنابلہ...... نے اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ مرتد میراث تقسیم ہونے سے پہلے اسلام کی طرف رجوع کر لے تو پھر اسے بھی تقسیم میں حصہ ملے گا۔

مرتد کی میراث پانے میں اختلاف ہے:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے...... مرتد شخص نے حالت اسلام میں جو مال حاصل کیا اس کے وارث، مسلمان ورثا ہوں گے اگر جو مال اس نے حالت ارتداد میں کمایا تو وہ مسلمانوں کے بیت المال کے لئے فئی (غنیمت) ہے رہی مرتدہ عورت تو اس کا سارا ترکہ اس کے مسلمان ورثا، کے لئے ہے۔ جب کہ صاحبین نے مرتد مرد اور مرتدہ عورت کے درمیان فرق نہیں کیا فرماتے ہیں: اس کا حالت اسلام اور حالت ارتداد کا سارا ترکہ ان دونوں کے مسلمان ورثاء کے لئے ہے۔ اس لئے کہ مرتد کو اس کے اعتقاد پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ اسے اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا جائے گا۔ لہٰذا اس کے حق میں اسلام کا حکم معتبر ہوگا۔ اس مال میں نہیں جس سے وہ فائدہ اٹھائے۔ بلکہ جس سے اس کے وارث فائدہ حاصل کریں۔

۲۔ جمہور (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کا قول ہے...... اصل کافر کی طرح مرتد نہ وارث ہوتا ہے اور نہ وارث بناتا ہے بلکہ اس کا مال بیت المال کے لئے غنیمت ہے خواہ اس نے وہ مال حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں، کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ

---

❶ ......شرح السراجیة ص ۲۲۵، القوانین الفقهیة ص ۳۹۴ مغنی المحتاج: ۲۵/۳، المغنی: ۲۸۹/۶۔۳۰۲۔

رہا دارالحرب تو اس کی حکومتوں کے مختلف ہونے سے اس کے احکام مختلف ہیں۔

دار کا مختلف ہونا صرف احناف کے ہاں مانع ارث ہے جب کفار کے درمیان ہو نہ کہ مسلمانوں کے درمیان، اس لئے کہ باغیوں اور اہل حکومت کے درمیان توارث کا ثبوت ہے اگر چہ اقتدار وقوت مختلف ہو۔ لہٰذا یہ مانع غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہوگا۔

اختلاف دار کی تین قسمیں ہیں...... حقیقی وحکمی ایک ساتھ، صرف حکمی اور صرف حقیقی۔

الف: حقیقی اور حکمی اختلاف ایک ساتھ...... جو تابع ہونے اور اقامت کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً وارث دارالحرب میں رہنے والا حربی ہو اور مورث دارالاسلام میں رہنے والا ذمی ہو۔ یا وہ ذمی دارلاسلام میں مرا ہو اور اس کا باپ یا بیٹا دارالحرب میں رہتا ہو تو ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذمی کا تعلق دارالاسلام سے ہے اور حربی کا دارالحرب سے۔ تو اگر چہ ان دونوں کا مذہب ایک ہے لیکن حقیقت میں دار کے جدا ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ولایت واختیار ختم ہوگیا یوں وراثت نے رشتہ داری کو ختم کر دیا۔ اس لئے کہ وارث، مورث کے مال میں ملکیت، اختیار وتصرف کرنے کا نائب ہوتا ہے۔

ب: صرف حکمی اختلاف...... جو صرف تابع ہونے یا قومیت کے مختلف ہونے سے ثابت ہوتا ہے مثلاً وارث المانی ہو اور مورث المانی اور انگلینڈی ایک ساتھ ہو۔ یا ان میں ایک ذمی ہو اور دوسرا مستامن ہو اور دونوں دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ اس لئے کہ مستامن حکماً دارالحرب سے شمار ہوگا۔ یا دونوں دو مختلف حکومتوں سے تعلق رکھتے ہوئے مستامن ہوں اور اکٹھے دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ تو اس صورت میں یہ دونوں مختلف دیار سے تعلق رکھنے والے حربی ہوئے تو ان سب لوگوں کے درمیان باہمی وراثت نہیں کیونکہ یہ تابع ہونے کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

ج: صرف حقیقی اختلاف...... جو صرف اقامت کے مختلف ہونے سے ثابت ہوتا ہے ساتھ ساتھ رعیت ہونے یا تابع ہونے کا اتحاد ہو۔ جیسے دو المانی شخص ہوں جن میں سے ایک فرانس میں اور دوسرا امریکہ میں مقیم ہو اور دونوں کی قومیت محفوظ ہو، اور جیسے کوئی مستامن ہمارے دار میں دارالحرب میں کسی حربی کے ساتھ۔ جن کا تعلق کسی ایک حکومت سے ہو تو یہ دونوں ایک حکومت کے تابع ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ پہلی اور دوسری قسم مانع میراث ہے کیونکہ تابع ہونے میں اختلاف ہے اور میراث سے مانع ہونے کا مدار تابع ہونے پر ہے۔ اختلاف حکمی وہ اکیلا سبب ہے جو میراث کا مانع ہے۔ البتہ تیسری قسم مانع نہیں کیونکہ تابع ہونے میں اتحاد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے جب دو حربی اگر چہ قومیت کے اتحاد کے ساتھ دارالحرب کے دو داروں میں ہوں۔ تو دار میں اختلاف حقیقی مانع نہیں۔

اور اگر ہمارے دار میں ہو تو اختلاف حکمی ہوگا ور مانع میراث ہوگا۔ لہٰذا وہ دونوں دارالاسلام میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں ہاں جب دونوں ذمی ہو جائیں۔

شافعیہ کے نزدیک اختلاف دار میراث کے موانع میں سے نہیں۔ لیکن ان حضرات کا کہنا ہے حربی اور معاہد کے درمیان باہمی میراث نہیں۔ جو ذمی اور مستامن کو شامل ہے اس واسطے کہ ان دونون کے درمیان تعلق وموالات ختم ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ اس بنا پر یہ حضرات پہلی قسم میں احناف کے موافق ہیں اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اختلاف دار مطلقاً مانع میراث ہیں۔ حربی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں خواہ ان کے دیار متحد ہوں یا مختلف۔

جہاں تک قانون مصری کا تعلق ہے تو آرٹیکل (۶) میں اس کی صراحت ہے کہ اختلاف دار مسلمانوں کے درمیان مانع میراث نہیں

اور نہ غیر مسلموں کے لئے مانع ہے البتہ جب اجنبی دار کا قانون اپنے ہاں سے اجنبی کو میراث دینے سے روکے تو جدا بات ہے۔ یہ قانون اس قاعدے پر جاری ہے کہ اصل یہ ہے کہ دار کا مختلف ہونا غیر مسلموں کے درمیان مانع میراث نہیں جیسا کہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اجنبی دار کا قانون اپنے ہاں سے اجنبی کو میراث دینے سے نہ روکے۔ اور اگر اس دار کی قانون سازی اجنبی کو میراث دینے سے روکے تو بدلے کا معاملہ کرتے ہوئے ہمارے ہاں اختلاف دار مانع میراث ہوگا۔

رہا قانون سوری تو آرٹیکل (۲۶۴) میں اس کی صراحت ہے" اجنبی کو میراث کے حق کی اجازت نہیں البتہ اگر اس کے علاقے کے قوانین اس طرح کی اجازت اہل شام کے لئے دیتے ہوں" اور یہ بات ادلے بدلے کا معاملہ کرنے سے لی گئی ہے جو افسوس کے ساتھ مسلمانوں کی مختلف قومیتوں کو شامل ہے جس کا کوئی فقیہ بھی قائل نہیں۔

اہل شام ترکوں کو وارث قرار نہیں دیتے اور ترک اہل شام کو وارث نہیں بناتے جو مقابلہ اور ادلے کا بدلہ پر عمل ہے۔ جو شرعاً ناجائز ہے کیونکہ یہ نص قرآن کے مخالف ہے" مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں" (الحجرات: ۴۹/ ۱۰) لیکن جب لفظ اجنبی سے مقصود یہ مفہوم ہو کہ وہ غیر مسلم اور وہ غیر مسیحی ہے جو اسلامی علاقوں میں مقیم ہے تو پھر مخالفت نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان اسلامی علاقوں میں اجنبی تصور نہیں ہوتا۔ جیسا کہ وہ غیر مسلم جو اسلامی علاقوں میں مقیم ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ❶

چھٹی فصل.....ترکہ سے متعلقہ حقوق

ترکہ کی تعریف.....لغت میں ترکہ اسے کہتے ہیں جسے کوئی شخص چھوڑتا اور باقی رکھتا ہے اور احناف کے علاوہ جمہور کی اصطلاح میں ترکہ ہر وہ چیز ہے جسے میت چھوڑ مرے جس میں اموال اور مطلقاً حقوق ثابتہ ہیں۔ یوں یہ منقولات وجائیداد جیسی مادی اشیاء اور حقوق عینیہ جیسے فوائد اٹھانے کے حقوق جو پانی کے بہاؤ یا سیرابی پر مشتمل ہیں۔

جیسے اجرت یا مانگے پر دی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق اور شخصی حقوق جیسے حق شفعہ، اور خیار کا حق جیسے خیار شرط اسی طرح ان چیزوں کو شامل ہے جو ان چیزوں کا سبب بنے۔ اس کی وفات کے بعد شراب سے سرکہ بن جائے، اس نے کوئی جال لگایا جس میں اس کی موت کے بعد شکار پھنس گیا اسی طرح وہ دیت جو اس کے قتل میں لی جائے۔ شافعیہ کے نزدیک اصح قول کو بنیاد بناتے ہوئے کہ اس کی موت سے تھوڑی دیر پہلے اس کی ملکیت میں داخل تھی۔ ❷

احناف کے نزدیک ترکہ کی تعریف یہ ہے.....وہ اموال اور حقوق مالیہ جن کا میت مالک ہو۔ جو مادی اموال جیسے جائیداد، منقولات، دوسروں پر قرضوں اور ان عینی حقوق کو شامل ہے جو مال نہیں۔ لیکن وہ مال کے ساتھ قائم اور اس کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ جیسے سیرابی، پانی کے بہاؤ، گزرنے اور بلند ہونے کا حق، اور دین کیونکہ ورثاء اس قرض کے وارث ہوتے ہیں جو اپنے رہن کے ساتھ بندھا ہوا ہو۔

اعیان کے اختیارات.....جیسے خیار عیب، خیار تعیین، کسی چیز میں پسندیدہ خوبی کے نہ ہونے کا اختیار۔ ان کے نزدیک (ترکہ) شخصی اختیارات کو شامل نہیں جیسے خیار شرط، خیار رؤیت اور حق شفعہ اس واسطے کہ یہ ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق فوت ہونے والے شخص سے ہے نہ کہ اس کے مال کے ساتھ۔ اسی طرح منافع کو شامل نہیں جیسے اجرت پر دینا اور مانگے پر دینا، کیونکہ موت کی وجہ سے عقد ختم

❶.....الاحوال الشخصية، الجزء الثالث: المواريث للدكتور مصطفى السباعي: ص ۴۹. ❷رد المحتار: ۵/ ۵۳۸.

ہو گیا نیز متقدمین حنفیہ کے ہاں منافع مال نہیں۔ اور نہ وصیت قبول کرنے کو شامل ہے، لہٰذا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے اس کے مرنے کی وجہ سے وصیت لازم ہو گی یعنی اس کے قبول کرنے یا رد کرنے سے پہلے، تردید نہ کرنا قبول شمار کیا جائے گا۔

احناف ترکہ کا احاطہ صرف اس مال یا حق میں کرتے ہیں جس کا مال کے ساتھ تعلق ہو۔ جو چیز ان کے ہاں وراثت ملتی ہے وہ مالی چیزیں ہیں۔ رہے حقوق تو ان میں سے کچھ میراث میں ملتے ہیں جیسے مبیع اور رہن کو روکنے کا حق، اور بعض میراث میں نہیں ملتے جیسے حق شفعہ، خیار شرط، حد قذف اور شادی کرانے کا حق۔ اسی طرح قبول کرنے کا اختیار، اجارۃ کا اختیار اور فضولی کی بیع میں اجارۃ اور مدت میراث میں نہیں ملتے۔ ولایات، عاریت پر دی گئی چیزیں، امانتیں اور ہبہ سے رجوع کرنے کی میراث نہیں ملتی۔ رہا خیار عیب، خیار تعیین، قصاص، خیار رؤیت اور خیار وصف تو میراث میں ملتے ہیں۔

رہے وہ حقوق جو ترکہ سے تعلق رکھتے ہوں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ❶

پہلی قسم: زندگی میں ان سے غیر کا تعلق ہو...... اسے ترکہ نہیں کہا جاتا، تو اسے تجہیز سے مقدم رکھا جائے گا کیونکہ مال کے ترکہ بننے سے پہلے اس کا مال سے تعلق ہے جنہیں میت چھوڑ مرے۔ جیسے مبیع کو حوالہ کرنے میں بائع (بیچنے والے) کا حق، اور رہن رکھی ہوئی چیز میں جس کے پاس رہن رکھا ہے اس کا حق، احناف کے نزدیک یہ بھی اس کی طرح ہے:

مستاجر کا حق جس کو اجرت جلد دے دی کیونکہ جس چیز کی اجرت دی اس کا وہ اجرت کی مدت ختم ہونے تک زیادہ حق دار ہے یا اسے وہ اجرت واپس کر دی جائے جو اس نے جلد ادا کی ہے۔ کیونکہ اجرت پر لینے والا جب اجرت و کرایہ جلد دے دے اور پھر اجرت پر دینے والا مر جائے، تو وہ گھر اجرت پر ہو جائے گا۔

دوسری قسم: ان سے غیر کا حق متعلق نہ ہو...... جیسے ترکہ کہا جاتا ہے جس کے ساتھ مندرجہ ذیل چار حقوق کا تعلق ہوتا ہے۔

میت کی تجہیز و تکفین...... مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عرف کے مطابق میت کی تجہیز و تکفین سے ابتدا کرنا جو اس کی وسعت و تنگدستی کے مناسب ہو واجب ہے۔ یا احناف کے نزدیک بغیر فضول خرچی اور کوتاہی کے اس کا آغاز کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ یہ ان ضروری امور میں سے ہے جن سے میت کا حق متعلق ہے تاکہ اسے قبر میں رکھ کر اس کی انسانی عزت و حرمت کی حفاظت کی جاسکے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے" (الفرقان ۲۵/۶۷)

اور یہ تجہیز و تکفین سنت کے مطابق عدد کے اعتبار سے ہو گی (مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ) اور اتنی قیمت کی مقدار جتنی قیمت کا لباس وہ زندگی میں پہنتا تھا اس کے درمیانے کپڑوں سے ان سے نہیں جو وہ جمعوں اور عیدین میں پہنتا تھا۔

اسی طرح ورثاء خصوصاً کم سنوں کے حال کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

مطلوبہ تجہیز...... جس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی میت کو موت سے لے کر اس کی قبر میں دفن کرنے تک ضرورت ہوتی ہے جیسے اس کے غسل، کفن، چارپائی اٹھانے، دفن کرنے اور قبر کھودنے کے اخراجات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسے اس کے دونوں کپڑوں میں کفنا دو" ❷ جسے حج کے موقع پر اس کی اونٹنی نے گردن کے بل مار گرایا تھا۔ اور آپ نے یہ نہیں پوچھا: آیا اس پر قرض ہے یا

---

❶...... شرح السراجیة ص ۳۔۷ الدر المختار وردالمحتار: ۵/ ۵۳۵۔ ۵۳۷ الشرح الصغیر ۴/۶۱۶۔۶۱۸ القوانین الفقهیة: ص ۳۸۳، مغنی المحتاج: ۳/۳۔۴، کشاف القناع ۴/۴۴۷۔ ❷رواه البخاری ومسلم.

نہیں۔ کیونکہ اس وقت اسے اس کی ضرورت تھی۔

تجہیز کا بندوبست ترکہ سے کیا جائے گا اگر میت کا ترکہ نہ ہو تو کفنانا اس پر واجب ہے جس پر زندگی میں اس کا نان نفقہ واجب تھا۔ اسی طرح اس شخص کی تجہیز وتکفین مقدم کی جائے گی جو اس سے پہلے فوت ہوا ہو خواہ لمحہ بھر پہلے فوت ہوا ہو۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا خرچ اس پر لازم ہو جیسے والد، بیٹا، بیوی اور بیوی کی خادمہ۔ شافعیہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک (اور احناف کے نزدیک ان کا قول مفتی بہ ہے) طلاق بائن والی حاملہ اور طلاق رجعی والی عورت بیوی ہونے میں داخل ہے۔

اس لئے کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر لازم ہے اور اس کی تجہیز کا سامان کرنا اس کے خرچ میں شامل ہے۔ امام محمد بن الحسن، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے: خاوند پر بیوی کی تجہیز وتکفین مطلقاً لازم نہیں اگرچہ وہ تنگدست ہو اس لئے کہ موت کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو گیا، اور اس کی تجہیز کا بندوبست خود اسی کے مال یا اس کے رشتہ داروں کے مال سے کیا جائے گا۔ میرے نزدیک ادب عرف اور تعلقات زن وشوئی کے لحاظ سے ناقابل قبول ہے۔

ہمارے موجودہ دور میں لوگوں نے جو بدعات وخرافات نکال لی ہیں جن میں غمی کی محفلیں، میت کے ساتھ چلنے کے مجمعے، جمعرات، جمعوں، چالیسواں اور سال بنانے کے پروگرام اور تلاوت واذکار جو ختم پڑھنے والے کرتے ہیں انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے اسے تجہیز کے اخراجات میں نہیں شمار کیا جائے گا۔ یہ ساری بدعات ہیں۔ ترکہ میں سے ان پر خرچ کرنا ناجائز ہے۔ جو بھی ترکہ میں سے ان امور پر کچھ خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا اگر وہ وارثوں میں سے ہے تو اس کے خاص مال سے ہوگا اور اگر اجنبی ہے تو تبرع وخیرات ہوگا جب ترکہ قرض ہو تو قرض دینے والوں پر ان کی رضامندی کے بغیر نہیں خرچ کیا جائے گا۔ قرضوں پر تجہیز کے اخراجات کو مقدم کرنا حنابلہ کا مذہب ہے۔ احناف اور شافعیہ نے تجہیز کے اخراجات سے قرضوں کی ادائیگی کو مقدم رکھا ہے جب کہ مالکیہ نے تجہیز سے اس قرض کو مقدم رکھا ہے جس کی توثیق رہن کے ساتھ ہو۔ العذب الفائض: ۱/ ۱۳ میں ہے: امام احمد کے علاوہ جمہور نے ان حقوق کو تجہیز سے مقدم رکھا ہے جن کا تعلق عین ترکہ کے ساتھ ہو۔

میت کے قرضوں کی ادائیگی:

تجہیز کے بعد میت کے باقی ماندہ تمام مال...... سے اس کے قرضے (۱) ادا کیئے جائیں کفن اور اس کے لوازمات سے اس کے متاخر (بعد میں) ہونے کا سبب یہ ہے کہ کفن اس کی وفات کے بعد کا لباس ہے جیسے اس کی زندگی میں لباس ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ مقروض شخص کے کپڑے فروخت نہیں کیئے جاتے جب اسے کمائی کرنے کی دسترس ہو اور وصیت سے مقدم رکھا جائے گا۔ اگرچہ آیت میں وصیت کا ذکر اس سے مقدم ہے۔ ''جس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی سے آغاز کرتے تھے۔'' (۲) وصیت کو مقدم رکھنے کی حکمت یہ ہے: تاکہ اس کا اہتمام رہے اور اس میں تفریط اور کوتاہی نہ ہو۔ کیونکہ یہ بلاعوض لینے میں میراث کے مشابہ ہے اس بنا پر وارثوں کے لئے اسے نکالنا (نافذ کرنا) گراں ہوتا ہے۔ تو اس کی ادائیگی کی ترغیب دینے کے لئے قرض کے ساتھ اسے مقدم رکھا گیا اور اس بات کی تنبیہ کرنے کے لئے کہ وجوب ادا میں یہ قرض کی طرح ہے۔ رہا قرض تو قرض دہندگان کے دل کو اس کی ادائیگی کا اطمینان ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ قرآنی نظریے میں وصیت کو قرض سے مقدم رکھنے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

---

(۱)......دین وہ شے ہے جو ذمہ میں واجب ہو۔ (۲) رواہ الترمذی وروی عن علی انہ قال: ''الدین قبل الوصیة ولیس لوارث وصیة۔''

اول......وصیت کی لزومیت قرض سے کم ہے۔اس کے اہتمام کی وجہ سے اسے مقدم رکھا گیا اور قرض کو مؤخر کیا گیا کیونکہ وہ نادر ہوتا ہے کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس سے آغاز کیا گیا جو ضروری ہے اور جو کبھی کبھی ہوتا ہے اسے معطوف کیا گیا۔''او'' کے ذریعہ عطف کو مضبوط کیا گیا۔ اگر قرض مقرر ہوتا تو عطف واؤ کے ساتھ ہوتا تھا۔

دوم......وصیت کو اس لئے مقدم رکھا کیونکہ یہ کمزور مسکینوں کا حصہ ہے جب کہ قرض قرض خواہ کا حصہ ہے جس کا مطالبہ وہ قوت سے کرتا اور اسے اس میں بولنے کی اجازت بھی ہے۔

سوم......وصیت کمزور مسکینوں کا حصہ ہے جب کہ قرض کی ادائیگی ثابت شدہ ہے خواہ اس نے ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

چہارم......قرض کو وصیت سے مقدم رکھنا ظاہر ہے کیونکہ قرض کی ادائیگی مقروض پر فرض ہے جس کی ادائیگی پر زندگی میں اسے مجبور کیا جائے گا۔ وصیت ایک نفلی چیز ہے اور فرض کا درجہ زیادہ ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ......کے نزدیک جس قرض کی ادائیگی واجب ہے وہ یہ ہے......جس کا مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے ہو رہے اللہ تعالیٰ کے قرضے جیسے زکوٰۃ اور کفارے تو اس وقت تک ورثاء کے ذمہ واجب الاداء نہیں جب تک میت نے ان کی وصیت نہ کی ہو۔ بہرکیف قرضوں کی چار قسمیں ہیں:

۱......وہ قرضے جن کا تعلق اعیان کے ساتھ ہو جیسے وہ قرض جس کا تعلق رہن میں رکھی ہوئی چیز سے ہو۔ جب میت کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو۔ تو میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے تجہیز وتکفین سے مقدم رکھا جائے گا جب کہ قانون میں حنابلہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے تجہیز سے مؤخر رکھا جائے گا۔

۲: اللہ تعالیٰ کے قرضے......جیسے زکوٰۃ، کفارہ اور نذریں منتیں، تو احناف کے نزدیک موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ ورثاء پر میت کی طرف سے ان کی ادائیگی واجب نہیں البتہ جب میت نے ان کی وصیت کی ہو تو اس کا نائب بن کر اس کے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے تو اس کے مال میں سے صرف تہائی حصے سے ادا کئے جائیں گے۔

جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے: یہ قرضے واجب الاداء اور ترکہ سے متعلق ہیں اگرچہ میت نے ان کی وصیت نہ کی ہو، ادا کئے جائیں گے۔ یہ رائے ذمہ داری سے بری کرنے میں بہت صحیح ہے۔

۳......بندوں کے دیون قرضے یا میت کے وہ قرضے جو حالت صحت میں اس کے ذمہ لازم تھے۔ بیماری کے قرض سے مقدم ہوں گے۔ صحت کے قرضے ایک درجہ میں ہیں اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہوں جیسے قرض، مہر، اجرت وکرایہ وغیرہ جو کسی دوسری چیز کا بدل ہو کر ذمہ میں واجب ہو۔

صحت کا دین......جو دلیل یا صحت کے زمانہ میں اقرار کرنے یا بیماری کے وقت کے اقرار کرنے سے ثابت ہو اور اس کا ثابت ہونا معائنے کے ذریعے معلوم ہوا ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا سبب معلوم ہو جیسے دوا وغیرہ کی قیمت (فیس) یا کسی ایسی چیز کا بدل فراہم کرنا جسے اس نے ضائع کر دیا ہو۔

بیماری یعنی مرض الموت کا دین......جو مقروض کے مرض الموت میں اقرار کرنے سے ثابت ہو۔ اور یہ صحت کے دین سے کمزور ہے کیونکہ مریض کے اقرار کے کمزور ہونے کی وجہ سے۔

مالکیہ کے نزدیک حقوق العباد، حقوق اللہ سے مقدم رکھے جائیں گے اور شافعیہ کی ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ میں

وضاحت کروں گا۔ جب کہ احناف کے نزدیک حقوق اللہ ساقط ہوجاتے ہیں ادانہیں کئے جائیں گے۔

۴: بیماری کے وہ دیون جو میت پر اقرار کی وجہ سے لازم ہوں اور لوگوں کو ان کا علم نہ ہو:

انہیں صحت کے دیون سے مؤخر رکھا جائے گا اس واسطے کہ مرض الموت کا اقرار تبرع ومحاباۃ کا شبہ رکھتا ہے لہٰذا یہ وصیتوں کے حکم میں ہوں گے جو تہائی مال سے ادا اور نافذ کی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی دیون سے مؤخر ہوتی ہیں۔

جمہور نے صحت اور بیماری کے دیون میں کوئی فرق نہیں کیا، یہ ایک مرتبہ میں ہیں اس لئے کہ اگر ان کا سبب لوگوں کے ہاں مشہور ہو تو احناف کی رائے کے مطابق انہیں صحت کے دیون کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور اگر ان کا سبب معروف نہ ہو تو ان کو ثابت کرنے کے لئے اقرار کافی ہے۔ اس لئے کہ اقرار ایسی دلیل ہے جو لازم کرنے والی ہے، لغو نہیں ہوتی البتہ جب اسے باطل کرنے یا جھٹلانے والی کوئی بات ثابت ہوجائے۔ قانون مصری (م ۴) اور سوری (م ۲۳۸) نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے اور دیون میں فرق نہیں کیا اور بلا تفصیل مطلقاً انہیں مقدم رکھا ہے دیون میں دوسرے مذاہب کی آراء کا بیان کرنا بہتر ہے ہر رائے علیحدہ علیحدہ بیان کی جائے۔

مالکیہ...... ❶ فرماتے ہیں: میت کے ترکہ میں سے اس حق سے آغاز کیا جائے گا جس کا تعلق ذات سے ہو جیسے رہن میں رکھی ہوئی چیز پھر تجہیز کے اخراجات پھر قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی۔ رہی وصیتیں تو اصل مال میں سے قرضوں کی ادائیگی کو وصیتوں سے مقدم رکھا جائے گا۔ یعنی اس کا وہ دین جو کسی آدمی کا اس کے ذمہ ہو خواہ اس کا وقت ہوگیا ہو یا نہ ہوا ہو، کیونکہ مقروض کی موت ہونے سے قرض کا وقت ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد حج تمتع کی ہدی کو مقدم رکھا جائے گا خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو پھر وہ فطرانہ جس میں اس نے کوتاہی کی ہو اور ان کفاروں کو مقدم رکھا جائے گا جن کا اس نے اپنی صحت میں کسی کو گواہ کرلیا ہو کہ وہ اس کے ذمہ میں یا اس نے صرف وصیت کی ہو۔ نقد کی زکوٰۃ کو جس کا وقت ہوگیا ہو اور اس نے وصیت بھی کی ہو ان کفاروں کی طرح شمار کیا جائے گا جن پر اس نے گواہ کرلئے ہوں۔

حاصل...... یہ ہوا فطرانے کی زکوٰۃ جس میں اس نے کوتاہی کی اور وہ کفارہ جو اس پر لازم ہے وہ قسم، روزے، ظہار اور قتل کے کفارہ کی طرح ہے۔ بشرطیکہ اس نے اپنی صحت میں کسی کو گواہ کرلیا ہو کہ وہ اس کے ذمہ نہیں تو یہ دونوں اصل مال سے نکالے جائیں گے خواہ ان دونوں کی ادائیگی کی اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور ان دونوں کی طرح وہ زکوٰۃ ہے جس کی ادائیگی کا وقت ہوگیا ہو۔

شافعیہ ❷ **کا قول ہے**...... جو دیون میت کے ذمہ ہیں انہیں اصل مال سے ادا کیا جائے گا خواہ میت نے ان کی ادائیگی کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس پر لازم ہوں یا کسی آدمی کے لئے، اس واسطے کہ یہ حقوق اس پر واجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دین (قرض) مقدم رکھا جائے گا جیسے زکوٰۃ، کفارہ اور حج اور آدمیوں کا دین مؤخر ہوگا یہی زیادہ صحیح روایت ہے۔ جس دین کا تعلق عین ترکہ سے ہو اسے تجہیز وتکفین کے اخراجات سے مقدم رکھا جائے گا۔ جیسے مال کی زکوٰۃ جو اس میں واجب ہوئی۔ اس لئے کہ یہ رہن میں رکھی ہوئی چیز کی طرح ہے اور مرہون سے مرتہن کے حق کے تعلق کی وجہ سے اور مبیع ذمہ میں ثمن کی وجہ سے جب خریدار اس کے ثمن میں مفلسی کی حالت میں فوت ہوجائے۔ تو تعلق والے کے حق کو دوسرے کے حق سے مقدم رکھا جائے گا۔ جیسا کہ زندگی میں ہوتا ہے اور یہ قول احناف کی سابقہ رائے کے مطابق ہے۔

---

❶......الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی: ۴/۶۱۷ وما بعدھا۔ ❷مغنی المحتاج: ۳/۳۰۴۔

حنابلہ ❶ فرماتے ہیں.....دستور کے مطابق تجہیز و تکفین کے اخراجات سے جو مال بچ جائے اس سے میت کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ان میں سے ان قرضوں سے ادائیگی کا آغاز کیا جائے گا جن کا تعلق عین مال سے ہو جیسے رہن کی وجہ سے قرض یا جنایت (جرم) کرنے والے کی گردن پر جنایت کا تاوان ہو، پھر وہ قرضی جو ذمہ میں ہوں خواہ اللہ تعالیٰ کے ہوں جیسے زکوٰۃ، صدقۂ فطر، کفارات، واجب حج اور نذر خواہ آدمیوں کے ہوں جیسے وہ دیون جن کا تعلق قرض، ثمن، اجرت اور انعام جو ذمہ وغیرہ میں مقرر ہو گئے ہوں۔اور سال کے بعد دیت اور جنایات کا تاوان (جو ان کے عوض میں بنتا ہے) غصب شدہ چیزوں کی چٹی اور تلف کردہ چیزوں کی قیمتیں وغیرہ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کا فیصلہ فرمایا اور اگر مال کم پڑ جائے تو اس کے حصے بنالیں۔

۳: میت کی وصیتیں نافذ کی جائیں.....سابقہ حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی مال کے تہائی میں سے نہ کہ اصل مال کی تہائی سے وصیتیں پوری کی جائیں گی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" جب کہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہوادا کردیا جائے" (النساء: ۴/۱۱) اس لئے کہ پہلے امور ذکر ہوئے ان میں صرف کرنا اس کی ان ضروریات میں سے تھا جو نا گزیر ہیں۔باقی وہ میت کا مال ہے جس میں شریعت نے اسے تہائی تک میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے اس سے زائد میں اس کی وصیتیں نہیں پوری کی جائیں گی ہاں اگر ورثاء اجازت دیں، خواہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ اجنبی ہو یا خود کوئی وارث ہو، پھر اگر ورثاء اجازت دے دیں تو پوری کردی جائیں گی، اور اگر کچھ اجازت دیں اور کچھ نہ دیں تو اجازت دینے والے کے حصہ کی مقدار میں نافذ ہوں گی دوسروں کے مال میں سے نہیں۔جیسا کہ مطلقاً وارث کے لئے کی جانے والی وصیت نہیں پوری کی جاتی ہاں جب ورثاء اجازت دے دیں خواہ تہائی سے کم ہو یا زیادہ۔

وصیت میراث سے مقدم ہوگی خواہ مطلق ہو جیسے ترکہ کے مشترکہ حصے کے بارے میں ہو جیسے ثلث یا ربع یا مقرر ہو جیسے ترکہ میں سے کسی چیز کے بارے میں ہو جیسے کوئی معلوم گھر یا مقررہ مقدار کی نقدی ہو۔یہ صورت تو اختیاری وصیت کے متعلق تھی رہی وہ وصیت جو واجب ہوتی ہے جسے مصری قانون نے (م ۷۶) اپنایا ہے اور وہ والد کی زندگی میں فوت ہونے والے کی اولاد کے بارے میں ہے اور قانون سوری (م ۲۵۷) نے اپنائی ہے جو باپ کی زندگی میں فوت ہونے والے بیٹے کی اولاد کے لئے ہے نہ کہ بیٹی کی اولاد کے بارے میں اسے قرض کی ادائیگی کے بعد اختیار وصیت سے مقدم رکھا جائے گا۔

احناف کے نزدیک حقوق اللہ اور حقوق العباد میں وصیتوں کی ترتیب.....احناف کی رائے ہے کہ اگر وصیت اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کے متعلق ہو تو قرض اس سے مقدم رکھا جائے گا کیونکہ دین اس سے قوی تر ہے اور اگر وصیت اس زکوٰۃ کے متعلق ہو جو اس قرض کے برابر ہو جس کی ادائیگی کے لئے قید کر کے مجبور کیا جاسکتا ہو تو وہ دین زیادہ قوی ہے اس لئے کہ قاضی جونہی مقروض کا وہ مال پائے گا جو دین کی جنس میں سے ہو تو اسے مقروض کی رضامندی کے بغیر وصول کر کے قرض دینے والے کو دے دے گا۔ جب کہ زکوٰۃ میں اسے لینے کی اجازت نہیں اگر چہ اس کی جنس کی کوئی چیز مل جائے۔

اور اگر وصیت زکوٰۃ کے علاوہ کسی عمل کے بارے میں ہو جیسے اسلام کا حج، نذر اور کفارہ، تو بندوں کا قرض اس سے بھی مقدم ہے اگر فرض ہونے میں دونوں یکساں نہیں اس لئے کہ قید کے ذریعے اس کی ادائیگی پر اسے مجبور کیا جائے گا اور ان فرائض میں سے کسی کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔لہٰذا دین (قرض) زیادہ قوی ہوا۔

---

❶..... کشاف القناع: ۴/۷۴۴۔

اگر کسی چیز میں حق اللہ اور حق العباد اکٹھے ہو جائیں جیسے ترکہ، اور اس سے ان دونوں کو پورا کرنا مشکل ہو تو بندوں کا حق ان کی محتاجی کی وجہ سے مقدم ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی اور کریم ہے۔

اور اگر قرض اللہ تعالیٰ کا حق ہو...... اگر تو میت نے اس کی وصیت کی ہو تو اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو بندوں کا حق تھا۔ اسے باقی ماندہ تہائی مال سے نافذ کرنا واجب ہے۔ اور اگر وصیت نہ کی ہو تو واجب نہیں۔ جس کی کئی نمازیں رہ گئی ہوں اور اس نے وصیت کی ہو کہ اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے تو وارثوں پر لازم ہے کہ اس کے تہائی مال سے کھانا کھلائیں۔ ہر نماز کے لئے گندم کا نصف صاع (دو سیر سات چھٹانک دو تولے) اسی طرح وتر کے لئے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر واجب ہیں۔ اور اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ رہ گیا ہو اور باوجود قدرت قضاء کے، قضا کئے بغیر فوت ہو گیا اور کھانا کھلانے کی وصیت کر گیا تھا تو ورثاء پر لازم ہے کہ تہائی مال سے کھانا کھلائیں، ہر دن کے بدلے گندم کا نصف صاع۔ اور اگر حج کی وصیت کر گیا ہو تو تہائی میں سے ہی ادا کیا جائے گا۔

۴۔ ورثاء کا حق...... سابقہ حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال وارثوں میں ان کے مراتب کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا ورثاء وہ ہیں جن کا میت سے نسب یا تعلق ثابت ہو اور وہ میراث کے حق دار ہوں اور ان کا حصہ کتاب، سنت یا اجماع سے ثابت ہو۔

قانون میں ترکہ سے متعلقہ حقوق کی ترتیب...... قانون مصری نے (م ۴) اس کی وضاحت کی ہے کہ مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق حقوق کی ادائیگی ترکہ سے کی جائے گی۔

اول...... جو میت کی تجہیز و تکفین کے لئے کافی ہو اور جس کا موت سے دفن تک کا خرچ اس پر لازم ہے۔

دوم...... میت کے قرضے۔

سوم...... جس کی اس نے وصیت کی اس مد میں جس میں وصیت پوری کی جا سکے۔

چہارم...... باقی ماندہ ورثاء پر خرچ ہوگا، اگر ورثاء نہ ہوں تو ترکہ میں سے مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق صرف ہوگا۔

اول...... اس شخص کا دوسرے سے زیادہ استحقاق ہوگا جس کا میت نے نسبی رشتہ دار ہونے کا اقرار کیا ہو۔

دوم...... جو وصیت اس نے وصیت پوری ہونے کی مقدار سے زائد میں کی ہو۔

جب ان میں سے کوئی نہ پایا جائے تو ترکہ یا باقی ماندہ خزانہ عام کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

یہ ملحوظ رہے کہ قانون نے جمہور کے خلاف، حنابلہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے۔

میت کی تجہیز کو تمام حقوق سے مقدم رکھا ہے اس لئے کہ مقروض کی زندگی میں اس کی ضرورت سے زائد سامان سے اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے لہٰذا اس کا گھر اور کپڑے نہیں بیچے جاتے یہی حال اس کی وفات کے بعد کا ہے اس کے دیون کی ادائیگی تجہیز سے بچ جانے والے مال سے کی جائے گی۔

دونوں آراء میں اختلاف کا ثمرہ رہن میں رکھی ہوئی چیز میں ظاہر ہوگا جب اس کا مالک اسے چھوڑ مرے اور وہ اس کے دیون کی ادائیگی کے لئے ناکافی ہو، چنانچہ مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ دین (قرض) کی ادائیگی کو مقدم رکھتے ہیں اور تجہیز و تکفین کی ذمہ داری میت کے رشتہ داروں، یا موجود مسلمانوں یا بیت المال پر ڈالتے ہیں جب کہ حنابلہ تجہیز کو مقدم رکھتے ہیں اسی طرح مالکیہ ان عمومی قرضوں پر تجہیز کو مقدم رکھتے ہیں جو رہن کے عوض نہ ہوں۔

قانون سوری (م ۲۶۲) نے درج ذیل کی صراحت کی ہے:

ترکہ سے اس ترتیب کے مطابق ادائیگی ہوگی:

الف..... جو میت کی تجہیز کے لئے کافی ہو اور جس کا موت سے دفن تک کا خرچ شرعی مقدار میں اس پر لازم ہے۔

ب..... میت کے قرضے۔

ج..... واجب وصیت۔

د..... اس قانون میں میراثیں اپنی ترتیب کے مطابق۔

ساتویں فصل..... وارثوں کی قسمیں، تعداد اور ان کے مراتب و مذاہب میں انہیں میراث دینے کا طریقہ

اول: ورثاء کی قسمیں..... جس میراث پر اجماع ہے اس کی دو قسمیں ہیں: یا تو وہ فرض کے ذریعہ ہوگی یا عصبہ بنانے کی وجہ سے، حنفیہ اور حنابلہ نے رشتہ داری[1] کی وجہ کو بھی شامل کیا ہے۔

فرض کے ذریعہ میراث..... تو متعین حصہ کا مستحق ہونا ہے جو کتاب اللہ تعالیٰ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع سے مقرر کیا گیا ہو۔

عصبہ بنانے کی وجہ سے میراث..... تو وہ اس مال کا مستحق ہونا ہے جسے فرائض باقی چھوڑیں یا اصحاب فرائض کی عدم موجودگی میں سارے ترکہ کا مستحق ہونا۔ پہلے کو دوسرے سے مقدم رکھا جائے گا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے ”فرائض کو ان کے حق داروں کے ساتھ ملاؤ اور جو مال فرائض باقی چھوڑیں تو وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔“

آدمی کبھی صرف فرض کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور وہ لوگ چھ ہیں: (۱) ماں، (۲) دادی، (۳) خاوند، (۴) بیوی، (۵) ماں شریک بھائی، (۶) ماں شریک بہن۔ اور کبھی صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے میراث پاتا ہے اور وہ بیٹا، پوتا، سگا بھائی، باپ شریک بھائی چچا، بھتیجا، چچازاد، مولیٰ اور موالاۃ والے ہیں۔

اور کبھی فرض کے ذریعے اور کبھی عصبہ ہونے کے ذریعے میراث حاصل کرتا ہے (لیکن) یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور عورتوں میں سے ان کی چار قسمیں ہیں: (۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) سگی بہن، (۴) باپ شریک بہن۔ اور اگر ان کے ساتھ انہی کی صنف کا کوئی مرد ہو تو عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ وارث ہوں گی مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے جتنا حصہ ہے اور اگر ان کے ساتھ مرد نہ ہو تو فرض کی وجہ سے وارث ہوں گی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی۔

اور کبھی فرض کی وجہ سے اور کبھی عصبہ ہونے کی وجہ سے میراث پاتا ہے اور یہ دونوں یکجا ہوتے ہیں، اور ایسے فرد دو ہیں۔ باپ اور دادا، ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ کا وارث ہوگا اور اگر حصہ داروں کے بعد کوئی چیز بچ جائے تو عصبہ ہونے کی وجہ سے اسے وصول کرلے گا۔

رہی وہ میراث جو رشتہ داری کی وجہ سے ملتی ہے تو احناف و حنابلہ کے نزدیک تو وہ عصبات اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی کے وقت مستحق ہونا ہے۔ حنابلہ نے اصحاب الفروض میں سے میاں بیوی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: کہ خاوند بیوی کے علاوہ عصبات اور

---

[1]..... الکتاب مع شرح اللباب ۴/۱۸۶۔۱۸۷، القوانین الفقهية ص ۳۴۰ الرحبية ص ۲۱۔۲۳ المغنی: ۶/۲۱۳۔

اصحاب الفروض کی عدم موجودگی کے وقت رشتہ دار وارث ہوگا۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک مشہور اور شافعی مسلک کی اصل یہ ہے کہ نہ رشتہ دار وارث ہوں گے اور نہ اہل فرض پر رد ہوگا بلکہ بیت المال میں مال جمع ہو جائے گا۔

متاخرین شافعیہ نے زوجین کے علاوہ اہل فروض سے جو مال بچ جائے تناسب سے اہل فرض پر اس صورت میں رد کا فتویٰ دیا ہے جب بیت المال کا انتظام نہ ہو اور اگر اہل فرض نہ ہوں تو رشتہ داروں پر صرف کیا جائے گا۔ اسی طرح متاخرین مالکیہ کا قول ہے: ذوی الفروض پر رد ہوگا اگر وہ نہ ہو تو رشتہ داروں پہ۔

ثانی: ورثاء کی تعداد...... فقہاء نے مردوں عورتوں [1] میں سے ورثاء کا احاطہ کر کے فرمایا: مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے ان کی تعداد دس ہے مختصراً وہ یہ لوگ ہیں:

بیٹا، پھر پوتا نیچے تک۔ باپ، دادا اوپر تک، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد خاوند مولیٰ نعمت یعنی آزاد کرنے والا۔

اور تفصیل سے یہ لوگ پندرہ ہیں...... بیٹا، پوتا نیچے تک، باپ، دادا اوپر تک سگا بھائی، باپ شریک بھائی، ماں شریک بھائی، سگے بھائی کا بیٹا، باپ شریک بھائی کا بیٹا، سگا چچا، باپ کا چچا، سگے چچے کا بیٹا، باپ کے چچے کا بیٹا، خاوند آزاد کرنے والا، ان مردوں کے علاوہ رشتہ دار مرد ہوں گے۔

اور خواتین ورثاء، جن کی میراث پانے پر اجماع ہے سات ہیں مختصراً یہ: بیٹی، پوتی خواہ نیچے تک، ماں، (دادی) نانی خواہ اوپر تک، بہن، بیوی مولاۃ نعمت یعنی آزاد کرنے والی خاتون۔ اور تفصیل سے ان کی تعداد دس بنتی ہے:

بیٹی، پوتی، نانی، دادی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بیوی اور آزاد کرنے والی خاتون اور ان کے علاوہ رشتہ دار خواتین۔

ثالث: ورثاء کے مراتب...... تجہیز و تکفین، قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کو پورا کرنے کے بعد ترکہ میں سے باقی ماندہ کو ورثاء کے درمیان اس ترتیب سے تقسیم کیا جائے گا۔

الف: اصحاب الفروض...... یہ وہ لوگ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع سے مقرر ہیں۔ خواہ وہ نسبی رشتہ دار ہوں یا سببی ہوں اور ان کی تعداد بارہ ۱۲ بنتی ہے۔

نسبی تو یہ ہیں...... تین مرد اور سات عورتیں اور سببی دو ہیں، خاوند اور بیوی تین مرد یہ ہیں: باپ دادا اور ماں شریک بھائی۔

اور سات عورتیں یہ بنتی ہیں...... بیٹی، پوتی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، ماں اور جدہ (دادی، نانی)۔

ذوی الفرض وہ شخص ہوتا ہے جس کا حصہ شرعاً مقرر ہو جس میں ردّ کے ذریعہ اضافہ اور عول کے ذریعہ کمی ہوتی ہے۔

۲۔ نسبی عصبات...... وہ باپ کی طرف مرد رشتہ دار ہوتے ہیں جنہیں اصحاب الفروض کے بعد ترکہ میں سے باقی ماندہ ملتا ہے اور اگر صاحب فرض بالکل نہ ہو جیسے بیٹا، باپ، سگا بھائی، یا ماں شریک بھائی، سگا چچا یا باپ کا چچا تو سارا ترکہ لے لیتے ہیں۔ نسبی عصوبت سببی عصوبت سے زیادہ قوی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ نسبی اصحاب الفروض پر رد ہوتا ہے نہ کہ اصحاب فروض سببی پر یعنی خاوند بیوی۔

---

[1] ...... الدر المختار: ۵/۵۳۸۔۵۴۱، السراجیة ص ۷۔۱۱ الشرح الصغیر ۴/۶۱۹۔۶۳۰ مغنی المحتاج ۳/۵۔۸ الرحبیة ص ۲۳۔۳۸ المغنی ۶/۲۰۱، ۲۳۱، ۲۳۶۔

۳۔عصبہ سببی ......وہ آزاد کردہ شخص ہے(یا مولی العتاقہ) مرد ہو یا عورت اس لئے کہ جو غلام یا لونڈی کو آزاد کرتا ہے اس کے لئے ولاء ہوتی ہے اور اگر فوت ہونے والی کا عصبہ نسبیہ نہ ہو تو وہ اس کے ذریعہ اس کا وارث ہوگا اور اصحاب الفروض کے بعد باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گا، اور اگر فوت ہونے والے کا ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو آزاد کرنے والا سارا ترکہ لے لے گا۔اور مذکورہ تعلق کو ولاء العتاقہ اور نعمت کہا جاتا ہے۔

۴۔عصبہ مولی العتاقہ: (آزاد کرنے والے کا عصبہ)......جب غلام مرجائے اور اس کا آقا زندہ نہ ہو تو آزاد کرنے والے کا عصبہ وارث ہوگا۔

یہ وہ اصول ہے جسے احناف نے مرتب کیا ہے۔لیکن قانون مصری (م ۳۹) اس ترتیب کے مخالف ہے اس نے مولی العتاقہ اور اس کے عصبہ کو اصحاب الفروض پر رد کرنے اور ذوی الارحام سے مؤخر رکھا ہے۔

۵۔نسبی اصحاب الفروض پر رد......جب میت کے اصحاب الفروض میں سے رشتہ دار ہوں اور اس کا عصبہ نسبیہ اور عصبہ سببیہ نہ ہو اور ترکہ سے کوئی چیز باقی بچتی ہو تو باقی ماندہ صرف نسبی اصحاب الفروض پر رد ہوگا۔تو وہ اسے آپس میں اپنے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرلیں گے کیونکہ اپنے مقرر حصے وصول کرنے کے بعد ان کی قرابت باقی ہے۔خاوند بیوی جو اصحاب الفروض سببیہ میں سے ہیں ان پر رد نہیں ہوگا کیونکہ ان کی قرابت اپنا حصہ وصول کر چکنے کے بعد باقی نہیں رہتی۔

رد کے قائل احناف اور حنابلہ ہیں جبکہ مالکیہ اور متقدمین شافعیہ کے نزدیک رد نہیں ہوتا۔بلکہ باقی ماندہ بیت المال میں جمع کرادیا جائے گا۔اور متاخرین شافعیہ بیت المال کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے زوجین کے علاوہ پر رد کا فتویٰ دیا ہے اسی طرح متاخرین مالکیہ نے بھی رد کا فتویٰ دیا ہے۔قانون مصری (م ۳۰) نے اس ترتیب کی بھی خلاف ورزی کی ہے چنانچہ اس نے ذوی الارحام کی میراث سے رد کو مؤخر رکھا ہے۔

۶۔ذوی الارحام (رشتہ دار)......یہ میت کے وہ رشتہ دار ہوتے ہیں جو اصحاب الفروض اور عصبہ نہیں ہوتے، ان میں سے خواتین یہ ہیں: پھوپھی، خالہ، بھتیجی، اور مردوں میں سے وہ ہیں جن کے اور میت کے درمیان کوئی عورت واسطہ بنے جیسے نانا، بھانجے اور نواسے۔

یہ سب لوگ اس صورت میں وارث بنیں گے جب میت کا ان اصحاب فروض میں سے کوئی نہ ہو جن پر رد ہوتا ہے۔اور نہ عصبہ نسبیہ اور عصبہ سببیہ میں سے کوئی ہو یہ تو احناف اور حنابلہ کا مسلک ہے۔لیکن سابقہ بیان سے یہ ملحوظ رہے کہ: متاخرین مالکیہ نے ذوی الاسھام پر رد کرنے پر اعتماد کیا ہے اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام پر رد ہوگا۔اور متاخرین شافعیہ نے بیت المال کا انتظام نہ ہونے کے وقت رد کا فتویٰ دیا ہے اور اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو مال ذوی الارحام پر صرف ہوگا۔

۷۔مولی الموالاۃ......جب کوئی ایسا شخص جس کے نسب کا پتہ نہ ہو دوسرے شخص سے اس بات پر معاہدہ کرلے کہ اگر اس سے کوئی جرم ہوگیا تو وہ اس کی دیت ❶ دے گا اور اگر مرگیا تو وہ اس کا وارث ہوگا، قبول کرنے والے کو "مولی الموالاۃ" کہتے ہیں۔چنانچہ جب اصحاب الفروض نسبیہ، عصبات اور ذوی الارحام نہ ہوں تو یہ سارا ترکہ لے لے گا۔یا زوجین میں سے ایک کے حصہ کے بعد باقی

❶......یعنی مقتول کی دیت برداشت کرے گا، عربی میں دیت کو عقل اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دیت میں اونٹ دیئے جاتے ہیں جنہیں لوگ مقتول کے صحن میں باندھتے تھے یوں دیت کو عقل کہا جانے لگا پھر اس سے فعل مشتق کرلیا گیا۔

ماندہ ترکہ لے گا جب کہ حلیف شادی شدہ ہو۔

اور حلیف کی موت کے وقت اگر مولی الموالاۃ زندہ نہ ہوتو اس کا عصبہ اس حلیف کا وارث ہوگا۔ اور جب دوسرا شخص بھی مجہول النسب ہواور پہلے شخص سے اس کی بات کی طرح کہے: (تم میرے مولا ہو میرے مرنے پر میرے وارث ہو گے اور جنایت کرنے پر میری طرف سے دیت ادا کرو گے) اور وہ قبول کرلے تو ہر ایک دوسرے کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا۔ احناف نے ولاء الموالاۃ کا الگ قول اختیار کیا ہے اور مولی الموالاۃ کو ذوی الارحام سے ان کی رشتہ داری کی وجہ سے مؤخر رکھا ہے احناف کی رائے ہے:

یہ حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے۔

جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔ امام شعبی فرمایا کرتے تھے: ولاء العتاقہ کے علاوہ کوئی ولاء نہیں۔ مصر اور شام میں جمہور کی رائے پر عمل ہے۔

۸۔ جس کے لئے نسب کا اقرار کیا جائے وہ غیر پر محمول ہوتا ہے...... ❶ جب کوئی انسان فوت ہو جائے اور سابقہ مراتب میں سے کوئی وارث نہ چھوڑے تو ترکہ غیر پر نسب کا اقرار کئے جانے والے شخص کے لئے ہے پھر جس کے لئے ثلث (تہائی) سے زائد کی وصیت کی جائے پھر بیت المال کے لئے۔ جس کے لئے نسب کا اقرار کیا جائے وہ غیر پر محمول ہوتا ہے جو اقرار کرنے والے کا وارث ہوگا جب اقرار کرنے والا مر جائے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی ذو فرض، عصبہ، ذو رحم اور مولی الموالاۃ نہ ہو۔''

۹۔ جس کے لئے غیر پر نسب کا اقرار کیا جائے...... وہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی نامعلوم نسب کے لئے یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا بھائی یا چچا یا پوتا ہے اور اقرار کے علاوہ کسی اور دلیل سے اس کا نسب ثابت نہ ہوتا ہو تو اس میں پہلے میں نسب کو باپ پر محمول کیا ہے اور دوسرے میں نسب کو دادا پر محمول کیا ہے اور تیسرے رشتہ میں نسب کو بیٹے پر محمول کیا گیا ہے۔

اس کے ذریعہ جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کا نسب اقرار کرنے والے کی طرف سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ کسی انسان کی دسترس سے یہ بات خارج ہے کہ وہ محض دعویٰ کی بنا پر کسی شخص کا نسب دوسرے سے ملا لے۔ لہٰذا جس پر اقرار کیا گیا ہے اس کے ترکہ کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔ صرف اقرار کرنے والے کے ترکہ کا مستحق ہوگا جب وہ فوت ہو اور سابقہ مراتب والوں میں سے کوئی بھی اس کا نہ ہو جس کی تین شرطیں ہیں۔

اول...... کہ نسب کا اقرار غیر پر اس کے نسب کے اقرار کو شامل ہو اور اگر اس کا اقرار اپنے آپ سے اس کے نسب کو ثابت کرنے کو شامل ہو جیسے یوں اقرار کرے کہ وہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

دوم...... وہ اقرار اس انداز میں ہو کہ اس کا نسب غیر سے ثابت نہ ہو: جیسے اس نسب میں اس کا باپ اس کی تصدیق نہ کرے جو پہلی مثال میں ہے۔ پس اگر نسب کے اقرار میں اس کا باپ اس کی تصدیق کردے تو اقرار کرنے والے کی وجہ سے اس کا نسب اس کے باپ سے ثابت ہو جائے گا۔ اور جس کا نسب مجہول تھا وہ اقرار کرنے والے کا بھائی بن جائے گا۔ یہی صورت حال تب ہوگی جب وہ یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا چچا ہے اور اس کے اقرار کا اس کا دادا تصدیق کردے تو وہ اس کا چچا بن جائے گا۔

سوم...... اقرار کرنے والا اپنے اقرار پر قائم رہتے ہوئے فوت ہو جائے: اس لئے کہ اگر اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع

---

❶...... سابقہ مراتب کا استحقاق میراث کی وجہ سے ہے رہا وہ شخص جس کے لئے نسب کا اقرار کیا جائے اور جو آئندہ سطور میں آئیں گے تو وہ دوسری جہت سے ہیں جنہیں ہم واضح کریں گے۔

کرلیتا ہے تو اس کا بالکل اعتبار نہیں ہوگا اور اس سے میراث یقیناً ثابت نہیں ہوگی۔ جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کا مذکورہ طریقے سے میراث کا مستحق ہونا، میراث پانے کے طریقے سے نہیں بلکہ وصیت کے مفہوم میں ہے لہٰذا اقرار کرنے والے کے لئے اقرار سے رجوع کرنا صحیح ہے۔ رہا نسب تو اس کے ثبوت کے بعد اس سے رجوع کرنا ممکن نہیں۔ اوروں کے علاوہ احناف کے نزدیک اس اقرار سے میراث ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ غیر پر نسب کے حمل کا اقرار باطل ہے اور ایسا دعویٰ ہے جو نا قابل سماع ہے۔

احناف کے نزدیک جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کا نسب ان دو میں سے ایک طریقے سے ثابت ہو جاتا ہے:

پہلا......ایک شخص دوسرے کے نسب کا اپنے آپ کے لئے اقرار کرے مثلاً دوسرے کا اپنے لئے بیٹا ہونے کا اقرار کرے۔ اور اقرار کرنے والا عاقل و بالغ ہو اور جس کے لئے اقرار کیا جارہا ہو وہ اس کی تصدیق کرے اور اس جیسا شخص اقرار کرنے والے کے ہاں پیدا ہو سکتا ہو تو اس کے ذریعہ اقرار کرنے والے سے اقرار کئے جانے والے کا نسب ایسے طریقے سے ثابت ہو جائے گا جو رجوع کو قبول نہیں کرتا۔

دوسرا......آدمی نسب کا اقرار کرے اور غیر پر محمول کرے اور غیر اسے سچا کہہ دے۔ یا اقرار کرنے والے کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نسب کی گواہی دے دے تو اس کے ذریعہ اقرار کیے جانے والے کا نسب جس پر اقرار کیا گیا ہے سے ایسے طریقے سے ثابت ہو جائے گا جو رجوع کو قبول نہیں کرتا۔

جہاں تک قانون مصری (م ۴۱) اور سوری (م ۲۹۸) کا تعلق ہے تو دونوں نے جس کے لیے اقرار کیا گیا ہے کے استحقاق کو اقرار کرنے والے کے ترکہ سے مندرجہ ذیل شرائط سے ثابت کیا ہے۔

۱......مقر علیہ (جس پر اقرار کیا گیا ہے اس) سے مقر لہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے) کا نسب ثابت نہ ہو۔

۲......اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع نہ کرے۔

۳......میراث سے مانع کوئی سبب نہ ہو۔

۴......جس کے لئے اقرار کیا گیا وہ اقرار کرنے والے کی موت کے وقت زندہ ہو یا فیصلہ کے وقت اسے میت شمار کیا جائے۔

۹: جس کے لئے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو...... جس کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی گئی ہو وہ سابقہ لوگوں کی عدم موجودگی کے وقت ثلث سے زائد کا مستحق ہوگا یا ان لوگوں میں سے کوئی ایک موجود ہو اور وصیت کی اجازت دے دے سابقہ مرتبہ کی طرح یہاں استحقاق میراث کی طرح نہیں۔

بلکہ وصیت کے طور پر ہے لیکن یہ وصیت حقیقی ہے اور وہ وصیت کے حکم میں ہے یعنی وصیت حکمی ہے۔ پس اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے نصف یا سارے مال کی وصیت کر جاتا ہے اور اس کا سابقہ مراتب میں مذکور کوئی وارث نہ ہو تو احناف کے نزدیک وہ شخص وصیت کردہ سارے مال کا مستحق ہو جائے گا اس میں اوروں کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ثلث سے زائد وصیت اس لئے موقوف رہتی ہے تاکہ ثلث سے زائد مال میں ورثاء کے حق کی رعایت و حفاظت ہو۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا شخص فوت ہوتا جس کی وارث بیوی ہو اور اس نے موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی) کے لئے آدھے مال کی وصیت کر رکھی ہو تو پہلے موصی لہ ثلث لے گا پھر بیوی باقی نصف وصول کرے گی۔ اس کے بعد موصی لہ بقیہ مال لے لے گا جو ثلث ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زوجین پر رد نہیں ہوتا، لیکن قانون مصری (م ۳۰) اور سوری (م ۲۸۸) دونوں نے عصبہ نسبیہ اور رشتہ داروں کی عدم موجودگی کے وقت زوجین پر رد کو اختیار کیا ہے، رد کرنا مقر لہ بالنسب (جس کے لئے نسب کا اقرار کیا گیا) اور جس کے لئے ثلث (تہائی) سے زائد کی وصیت کی گئی اور بیت المال سے مقدم ہے۔

۱۰۔ بیت المال...... جب سابقہ تمام مراتب میں سے کوئی بھی نہ پایا جائے تو ترکہ بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔
اس بناء پر نہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کے نزدیک میراث ہے بلکہ اس بنا پر کہ یہ ضائع ہونے والے ان اموال میں سے ہے جن کے مالک کا پتہ نہیں، یا اس بناء پر کہ یہ فیئی (غنیمت) ہے لہٰذا اسے عوامی مصلحتوں میں صرف کیا جائے گا اور اس میں سے محتاجوں پر خرچ کیا جائے گا۔
پس اگر کوئی وارث نکل آئے اور اپنے وارث ہونے کی دلیل پیش کردے تو بیت المال سے ترکہ واپس لے سکتا ہے۔

ورثاء کے مراتب کے بارے میں قانون کا موقف...... مصری اور سوری قانون نے سابقہ ترتیب سے اعراض کیا ہے اور ہر ایک نے ان میں سے بعض کو وارث اور بعض کو مستحق قرار دیا ہے۔ اور دونوں قانون میں فقہاء کی طرز کے خلاف کئی جگہوں میں استحقاق کے درجات بیان ہوئے ہیں۔ ورثاء کے مراتب کے لئے قانون مصری کے ان آرٹیکلز (۴، ۸، ۱۶، ۳۰، ۳۹، ۴۱) اور قانون سوری کے ان آرٹیکلز (۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۴، ۲۸۷، ۲۸۹) سے مندرجہ ذیل ترتیب سمجھ آتی ہے۔

۱......اصحاب الفروض۔
۲......عصبات نسبیہ
۳......زوجین کے علاوہ ذوی الفروض پر رد۔
۴......ذوی الارحام۔
۵......ذوی الارحام کی عدم موجودگی کے وقت زوجین میں سے کسی ایک پر رد۔
۶......عصبہ سببیہ (مولی العتاقہ اور اس کا عصبہ) مصری قانون (م ۳۹) میں نہ کہ سوری میں۔
۷......جس کے لئے نسب کا اقرار کیا گیا اور وہ غیر پر محمول ہو۔
۸......جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی۔
۹......عام خزانہ (بیت المال)

آخری تین مراتب استحقاق کی وجہ سے ترکہ لیتے ہیں نہ کہ وارث ہونے کی وجہ سے، آئندہ سطور سے احناف کی رائے اور قانون کے موقف کے درمیان فرق کو ملاحظہ کیا جائے!

الف......دونوں قانونوں نے پہلا اور دوسرا مرتبہ اپنے مال پر رکھا ہے۔
ب......دونوں قانونوں نے مولیٰ الموالاۃ کے مرتبہ کو حذف کر دیا ہے اور اسے بالکل مستحقین میں شامل نہیں کیا ہے کیونکہ آج کل اس کا وجود نہیں۔
ج......قانون سوری درجات استحقاق میں سے، مولی العتاقہ اور اس کے عصبہ کے مرتبہ کو ختم کر دیا ہے کیونکہ غلامی کا وجود نہیں رہا۔ جو اباضیۃ کے مذہب سے ماخوذ ہے اور قانون مصری نے اس مرتبہ کو باقی رکھا ہے۔
د......دونوں قوانین نے ایک نیا مرتبہ ایجاد کیا ہے جو پہلے نہ تھا اور وہ ذوی الارحام کی عدم موجودگی کے وقت زوجین میں سے کسی ایک پر رد کرنا ہے۔
ھ......قانون مصری (م ۳۰) نے رد علی الزوجین اور ذوی الارحام کی میراث کو مولیٰ عتاقہ اور اس کے عصبہ (سببیہ) سے مقدم کیا ہے۔ یوں رد پانچویں مرتبہ کے بجائے تیسرے مرتبہ میں ہوگیا اور ذوی الارحام بجائے چھٹے مرتبہ کے چوتھے مرتبہ میں ہوگئے۔ تو جب

زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ذوی الارحام میں سے کوئی ہوگا تو وہ زوجین میں کسی ایک کے حصہ کے بعد باقی ماندہ لے لے گا۔

و......دونوں قانونوں نے ذوی الارحام کو وارث بنانے پر عمل کیا ہے جیسا کہ یہ احناف وحنابلہ اور متاخرین مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے۔

ز......مصری قانون نے عصبہ سببیہ کو مقرر کیا ہے اور ان کے عصبہ کو میراث کی وجہ سے استحقاق کے چھٹے مرتبے میں رکھا ہے۔

ح......دونوں قوانین نے مقولہ بالنسب، جس کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اور بیت المال کو مستحقین میں شمار کیا ہے اور ان پر وارثوں والی صفت کا اطلاق نہیں کیا۔

اور دونوں قوانین میں ان لوگوں کے لئے اور مصری قانون میں زوجین میں سے کسی ایک کی موجودگی کے ساتھ عصبہ سببی کے لئے کچھ نہیں ہے۔

رابع: مذاہب میں ورثاء کو (وارث بنانے) میراث دینے کا طریقہ......فقہاء کے ہاں میراث تقسیم کرنے کے دو طریقے ہیں جو صحابہ کرام سے منقول ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ حجازی اور دوسرا عراقی ہے۔ حجازی طریقہ یہ ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ماخوذ ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گواہی دی کہ وہ صحابہ میں سے میراث کے مسائل کے زیادہ عالم ہیں۔

چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ''زید تم میں سے میراث کے سب سے زیادہ عالم ہیں''❶ اور اس طریقہ کو جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے جو کویت، سوڈان مغرب کے عربی علاقوں اور افریقا کے مغربی علاقوں میں راجح اور مانا جاتا ہے اور عراقی طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے (جن کے فضائل بھی بہت زیادہ ہیں) جسے فقہاء احناف نے اختیار کیا ہے جس کا اتباع مصر، شام اور عراق میں کیا جاتا ہے۔ دونوں طریقوں کے درمیان مسائل کی جزئیات میں بہت سے اختلافات ہیں۔

آٹھویں فصل: اصحاب الفروض......اس میں دو بحثیں ہیں۔ پہلی بحث اصحاب الفروض کے بارے میں، اور دوسری بحث اصحاب الفروض کے حالات کے بارے میں ہے۔

بحث اول: اصحاب الفروض کا بیان......میراث کی دو قسمیں ہیں، فرض اور تعصیب (عصبہ)۔

اصحاب الفرض وہ ورثاء ہیں جن کے حصے شرعاً ترکہ میں مقرر ہوں۔ اور ذوی الفروض وارثین بارہ ۱۲ ہیں: چار مرد، خاوند، باپ، دادا اور ماں شریک بھائی۔ اور آٹھ ۸ عورتیں: (۱) بیوی، (۲) ماں، (۳) جدہ، (دادی) (کیونکہ نانی ذوی الارحام میں سے ہے ذوی الفروض میں سے نہیں) (۴) بیٹی، (۵) پوتی، (۶) سگی بہن، (۷) باپ شریک اور (۸) ماں شریک بہن۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان کے مقرر کردہ حصے چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن، ثلثان (دو تہائی) ثلث (ایک تہائی) سدس (چھٹا حصہ) اور ہر حصے کے افراد کی تفصیل درج ذیل ہے۔❷

---

❶......حاکم وابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور امام احمد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس سے اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر میری امت میں سے سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے دین میں سب سے زیادہ مضبوط عمر ہے اور عثمان حیا کا پیکر ہے حلال وحرام سے زیادہ واقف معاذ بن جبل ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے والا ابی ہے اور فرائض ومیراث کا زیادہ عالم زید بن ثابت ہے ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے'' یہ حدیث معلول ہے۔ (نیل الاوطار: ۶/ ۵۴ نصب الرایۃ ۴/ ۴۲۷)۔

❷السراجية ص ۲۶۔۵۱ تبيين الحقائق: ۶/ ۲۴۳ اللباب: ۴/ ۱۸۷۔۱۹۲، الشرح الصغير: ۴/ ۶۱۹۔۶۲۵۔ القوانين الفقهية ص ۳۸۴ الرحبية ص ۲۱۔۳۱، كشاف القناع: ۴/ ۴۴۹، المغني: ۶/ ۱۸۳، ۲۱۳، مغني المحتاج: ۳/ ۹۔

اول: نصف والے.....نصف حصہ پانے والے بالاجماع پانچ افراد ہیں:

ا۔خاوند.....فرعی وارث کی عدم موجودگی کے وقت یعنی جب بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی کے نہ ہونے کے وقت۔

۲۔بیٹی.....جب اپنے مساوی سے منفرد اور عصبہ بنانے والے سے خالی ہو جیسے بیٹا۔

۳۔پوتی.....جب اکیلی ہو اور عصبہ بنانے والے سے خالی ہو اور نہ بیٹی ہو اور نہ بیٹا اس لئے کہ وہ اسے نصف سے محجوب کردے گا۔

۴۔سگی بہن.....جب اکیلی اور عصبہ بنانے والے اور حاجب سے خالی ہو اور بیٹی اور پوتی نہ ہو۔

۵۔باپ شریک بہن.....جب اکیلی اور عصبہ بنانے والے اور حاجب سے خالی ہو ورنہ کوئی بیٹی، پوتی اور سگی بہن نہ ہو۔

تین مقامات پر نصف حصہ کی دلیل قرآن سے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بیٹی کے بارے میں ہے "اگر ایک ہو تو اسے نصف ملے گا" یعنی بیٹی۔ (النساء ۴/۱۱)

اور زوجہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے "تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں۔" (النساء ۴/۱۲)

اور بہن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لوگ آپ سے (کلالہ کے متعلق) پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے باری میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس ترکہ میں سے نصف پائے گی۔" (النساء ۴/۱۷۶)

جہاں تک پوتی کا مسئلہ ہے تو اس کی دلیل اجماع ہے۔

دوم: ربع (چوتھائی) والے.....ربع دو افراد کا حصہ ہے اور وہ دو یہ ہیں:

ا۔خاوند.....وارث فرع کے ساتھ۔

۲۔ایک یا زیادہ بیویاں.....وارث فرع کی عدم موجودگی کے وقت۔

اس بارے میں ربع کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "پھر اگر وہ اولاد والیاں ہوں تو تمہارے لئے ان کے ترکہ میں سے ربع (چوتھائی حصہ) ہے۔" النساء: ۴/۱۲

"اور ان کے لئے ربع ہے جو تم چھوڑ جاؤ اگر تم صاحب اولاد نہ ہو"۔ النساء: ۴/۱۲

سوم: ثمن (آٹھویں حصہ) والا فرد:

ثمن.....ایک فرد کا حصہ ہے اور وہ ایک یا زیادہ بیویاں ہیں جب کہ وارث فرع موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) ہے" النساء: ۴/۱۲

چہارم: ثلثین (دوتہائی) پانے والے.....ثلثین چار افراد کا حصہ ہے اور وہ یہ ہیں:

ا.....دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں جب انہیں عصبہ بنانے والا نہ ہو" اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے "اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دوتہائی دیا جائے"۔ النساء: ۴/۱۱

۲.....دو یا دو سے زیادہ پوتیاں جب میت کا بیٹا اور انہیں عصبہ بنانے والا اور دو بیٹیاں نہ ہوا جماع کی وجہ سے۔

۳.....دو یا دو سے زیادہ سگی بہنیں جب دو بیٹیاں، دو پوتیاں اور انہیں عصبہ بنانے والا اور حاجب نہ ہو۔

۴.....دو یا دو سے زیادہ باپ شریک بہنیں جب دو بیٹیاں، دو پوتیاں، دو سگی بہنیں اور انہیں عصبہ بنانے والا اور حاجب نہ ہو، بہنوں کی مطلقا میراث کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی''۔ النساء ۴/۱۷۶

پنجم: تہائی اور باقی میں سے تہائی والے.....تہائی دو افراد کا حصہ ہے:

۱.....ماں جب وارث فرع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) اور بھائیوں کی تعداد نہ ہو۔

۲.....ماں شریک بھائیوں اور بہنوں کی تعداد، وارث فرع اور اصل مذکر کی عدم موجودگی کے وقت، تہائی کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث ہوں تو ماں کو تہائی ملے گا'' النساء ۴/۱۱

''اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے'' النساء: ۴/ ۱۲

اور ثلث الباقی ماں کے لئے باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے اور اسے مسئلہ غراوین کہا جاتا ہے جو آگے آرہا ہے۔ (۱)

ششم: سدس (چھٹے حصے) والے.....سدس سات افراد کا حصہ ہے جو یہ ہیں:

۱.....باپ وارث فرع (ولد) کے وجود کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔'' النساء: ۴/۱۱

۲.....دادا اولاد کے ساتھ جب باپ نہ ہو، اجماع کی وجہ سے۔

۳.....ماں جب وارث فرع یا بھائی بہنوں کی تعداد موجود ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔'' النساء: ۴/۱۱

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔'' النساء: ۴/۱۱

۴.....جدہ صحیحہ یعنی ماں یا باپ کی یا اس سے زیادہ ہوں جب کہ ماں نہ ہو۔ جدات جب اکٹھی ہو جائیں تو سدس میں شریک ہوں گی ان میں سے قربیٰ (زیادہ قریب والی) بعدیٰ (زیادہ دور والی) کو مجوب کردے گی۔

دلیل.....وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو سعید الخدری، مغیرہ بن شعبہ اور قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس دیا'' اور رہا جدات کی شراکت تو وہ اس روایت کی وجہ سے کہ نانی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہنے لگی: ''کہ مجھے میری بیٹی کی اولاد کی میراث دیجئے'' آپ نے فرمایا: مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے تک صبر کرو کیونکہ مجھے کتاب اللہ میں تمہارا حصہ نہیں ملا۔ اور نہ میں نے تمہارے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد سنا ہے پھر آپ نے ان حضرات سے پوچھا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سدس (چھٹا حصہ) دیئے جانے کی گواہی دی، آپ نے حضرت مغیرہ سے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو محمد بن مسلمہ انصاری نے بھی یہی گواہی دی تو آپ نے اسے یہ حصہ عطا کیا۔

پھر آپ کے پاس دادی میراث طلب کرنے آئی، آپ نے فرمایا: میرے خیال میں یہ سدس تم دونوں کے درمیان مشترک ہے اور وہ تم میں سے (اگر) اکیلی ہو تو اس کے لئے ہے۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں کو اس میں شریک کیا۔ (۲)

---

(۱).....غرا کا مطلب واضح اور ظاہر، مشہور ہونے کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے اور عمریہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا فیصلہ کیا تھا۔ (۲) رواہ الخمسة الا النسائی وصححه الترمذی عن قبيصة بن ذويب (نيل الاوطار: ۶/ ۵۹) شرح السراجية ص ۳۹، الرحبية ص ۳۳) خمسۃ سے مراد امام احمد اور سنن اربعہ کے مصنفین ہیں۔

۵......ایک یا ایک سے زیادہ پوتیاں ایک بیٹی کے ساتھ جب عصبہ بنانے والا نہ ہو دو تہائی کو پورا کرنے کے لئے۔ اس روایت کی وجہ سے جسے مسلم اور نسائی کے علاوہ ایک جماعت نے ہزیل بن شرحبیل سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیٹی پوتی اور بہن کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا: بیٹی کو نصف (آدھا حصہ) بہن کو نصف، پھر وہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنایا، آپ نے فرمایا: تب تو میں گمراہ ہوا ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ ہوا، میں تو اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کروں گا، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس ملے گا تاکہ دو تہائی کو مکمل کر دیا جائے اور جو باقی بچ جائے وہ بہن کا ہے۔

امام احمد اور بخاری نے یہ اضافہ نقل کیا ہے ”ہم لوگ ابوموسیٰ کے پاس آئے اور انہیں ابن مسعود کے قول سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا: جب تک یہ عالم موجود ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو۔“ ❶

۶......باپ شریک بہن ایک یا ایک سے زیادہ جب سگی بہن کے ساتھ ہو اور عصبہ بنانے اور اصل مذکر اور فرع موجود نہ ہو، اس پر اجماع کی وجہ سے کہ دو تہائی مکمل کرنے کے لئے اسے دو بہنوں کا حصہ ملے گا۔

۷......ماں شریک بہن یا بھائی جب وارث فرع اور اصل مذکر نہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔“ النساء: ۴/۱۲

دوسری بحث: اصحاب الفروض کے حالات......معلوم ہوا ورثاء کی مجموعی تعداد بارہ ہے چار مرد: باپ دادا، ماں شریک بھائی اور خاوند اور آٹھ عورتیں: بیوی، بیٹی، پوتی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، ماں جدۃ نانی یا دادی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ورثاء کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ ایک قسم جو صرف فرض کی وارث ہوتی ہے......اور وہ سات افراد ہیں۔ خاوند بیوی ماں، نانی، دادی، ماں شریک بھائی، ماں شریک بہن، اور مختصراً انہیں یوں کہا جاسکتا ہے: ماں اور اس کی دونوں اولادیں دو جدہ (نانی دادی) اور زوجین۔

۲۔ ایک قسم جو صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتی ہے......ان کی تعداد بارہ ہے باپ دادا کے علاوہ عصبہ بنفسہ، آزاد کرنے والا مرد اور آزاد کرنے والی عورت۔

۳۔ ایک قسم جو کبھی فرض کی وجہ، کبھی عصبہ بننے کی وجہ سے وارث ہوتی ہو اور یہ دونوں یکجا بھی ہو جاتی ہیں

ا......اور وہ دو ہیں۔ باپ اور دادا، ان میں سے ہر ایک بیٹے یا پوتے کے ساتھ فرض کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور جب وارث فرع سے خالی ہو تو عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور فرض اور عصبہ اس وقت جمع ہو سکتے ہیں جب اس کے ساتھ فروع میں سے کوئی عورت ہو اور سدس سے زیادہ زائد مال جسے وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا۔

۴۔ ایک قسم جو کبھی فرض کی وجہ سے کبھی عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتی ہے اور دونوں یکجا نہیں ہوتے

اور وہ چار افراد ہیں۔ بیٹی، پوتی، سگی بہن اور باپ شریک بہن اگر ان میں سے کوئی عصبہ بنانے والے سے تنہا ہو فرض کی وارث

❶......شرح السراجیة ص ۲۸ تبیین الحقائق ۶/ ۲۳۰ القوانین الفقهیة ص ۳۸۹ مغنی المحتاج: ۳/ ۱۱، ۱۴۔۱۵ المغنی: ۶/ ۱۷۷۔

ہوگی، اور اگر اسے عصبہ بنانے کے ساتھ ہو تو عصبہ بننے کی وجہ سے وارث ہوگی۔ اور ان ورثاء میں سے بعض نسبی قرابت کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں اور انہیں اصحاب الفروض النسبیہ کہا جاتا ہے اور وہ زوجین کے علاوہ تمام ورثاء ہیں۔ اور بعض رشتہ زوجیت کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں اور انہیں اصحاب الفروض سببیہ کہا جاتا ہے اور وہ خاوند بیوی ہیں۔ اس بناء پر اصحاب الفروض کے حالات تفصیلاً متعارف کرائے جاتے ہیں۔

اول......مردوں کے احوال

ا۔ باپ کے حالات...... باپ میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتا جب کہ دوسرے کو مجوب کر دیتا ہے فرع وارث کی قسم کے لحاظ سے مذکر ہو یا مونث اس کی میراث مختلف ہوتی ہے کبھی صرف فرض کی وجہ سے وارث بنتا ہے اور کبھی صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے اور بسااوقات فرض اور تعصیب دونوں کی وجہ سے اس کے تین احوال ہیں۔

پہلا حال...... چھٹا حصہ فرض ہونے کی حیثیت سے، فرع وارث جو مذکر ہو، کی موجودگی میں، بیٹا، پوتا، نیچے تک، اس صورت میں باپ مطلق چھٹا حصہ فرض ہونے کی وجہ سے لے گا۔

دوسرا حال...... سارا مال یا باقی ماندہ صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے، کل ترکہ یا اصحاب الفروض سے باقی ماندہ ترکہ اس صورت میں وصول کرے گا جب مطلقاً فرع وارث نہ ہو۔ مذکر یا مؤنث۔ جس کا وارث صرف باپ ہو تو وہ عصبہ بنفسہ ہونے کی وجہ سے سارا ترکہ وصول کرے گا اور جس کا وارث باپ اور بیوی ہو تو بیوی چوتھائی حصہ فرض اور باقی ماندہ باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

تیسرا حال...... سدس فرض کی وجہ سے اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے جب مؤنث وارث موجود ہو، جو بیٹی پوتی ہے خواہ جہاں تک اس کا باپ پہنچ جائے (یعنی پڑپوتی، سکڑ پوتی وغیرہ)

مثلاً کسی نے ایک بیٹی اور باپ وارث چھوڑا تو باپ اپنا حصہ سدس لے گا اور بیٹی نصف اور باقی ماندہ بھی باپ کا ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین کو ترکے میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی والدہ کا تہائی حصہ ہے اور اگر اس کے بھائی (بھی) ہوں تو اس کی والدہ کا چھٹا حصہ ہے۔'' النساء: ۴/۱۱

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب میت کی اولاد ہو خواہ نرینہ یا مادینہ باپ کا حصہ صرف سدس ہے۔ پھر اگر اولاد مذکر ہو تو وہ عصبہ بنفسہ ہے باقی کا مستحق ہوگا اور باپ سے مقدم ہوگا کیونکہ بنوت (بیٹا ہونا) ابوت سے مقدم ہے اور اگر اولاد مونث ہو تو باپ فرض کی وجہ سے سدس (چھٹا حصہ) وصول کرے گا اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ قریبی مرد ہے۔ لہٰذا سابقہ حدیث کی وجہ سے باقی کا مستحق ہوگا۔ ''فرائض (حصوں) کو ان کے حقداروں تک پہنچاؤ جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔''

اور اگر میت کی اولاد نہ ہو تو باپ باقی ماندہ سارا مال پائے گا۔ کیونکہ آیت کا دوسرا حصہ ماں کے لئے تہائی حصہ فرض پانے پر دلالت کرتا ہے۔ اور باپ کے حصہ سے خاموش ہے۔ لہٰذا نص نے یہ بتایا کہ باپ، والدہ کا اپنا حصہ وصول کر چکنے کے بعد باقی ماندہ کو وصول کرے گا۔ اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ مال دونوں کے درمیان منقسم ہے۔

اور جب ایک حصہ بیان کر دیا گیا تو باقی ماندہ دوسرے کا ہوگا۔ مصری قانون (م ۹، ۲۱) اور سوری قانون (م ۲۶۶، ۲۸۰) نے باپ کی میراث کی حالتوں پر دلالت کی ہے۔

مثالیں :ا.....جب کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہو کہ پسماندگان میں بیوی، باپ اور بیٹا ہو، تو بیوی کے لئے ترکے کا ثمن (آٹھواں حصہ) ہے کیونکہ وارث فرع جو بیٹا ہے موجود ہے۔ اور باپ کے لئے صرف ترکے کا سدس (چھٹا حصہ) ہے جو فرض (مقرر) ہے۔ اور یہ پہلی حالت ہے باقی مال بیٹے کا ہے۔

۲.....اور جب میت کے ورثا میں بیوی اور باپ ہو تو بیوی کو میت کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ربع (چوتھائی حصہ) ملے گا اور باقی سارا عصبہ کے لئے ہے اور یہ دوسری حالت ہے۔

۳.....اور جب عورت کے ورثاء میں خاوند، باپ اور بیٹی ہو۔ تو خاوند کو بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے چوتھائی ملے گا اور بیٹی کو نصف ملے گا اور باپ کو سدس فرض ہونے کی وجہ سے اور باقی عصبہ ہونے کی بنا پر کیونکہ وہ زیادہ قریبی مرد ہے۔

۴.....اور جب میت کے ورثاء میں بیوی باپ اور بیٹی ہو تو وارث فرع یعنی بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے بیوی کو آٹھواں حصہ اور بیٹی کو نصف جب کہ باپ کو پہلے فرض ہونے کی وجہ سے سدس اور دوسری بار باقی ماندہ عصبہ ہونے کی وجہ سے اور یہ تیسری حالت ہے۔

دادا کے احوال..... اس سے مراد عصبی (نسبی) دادا یا باپ ہے اسے جد صحیح یا جد ثابت بھی کہا جاتا ہے اور وہ ایسا دادا ہے جس کے میت کے ساتھ رشتہ میں کسی عورت کا واسطہ نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں رشتہ کا دادا ہوتا ہے جسے جد فاسد یا غیر ثابت جد کہا جاتا ہے۔

جیسے نانا اور وہ ایسا جد ہوتا ہے جس کے میت کے ساتھ رشتہ میں کسی عورت کا واسطہ ہو، جو نہ صاحب فرض ہے اور نہ عصبہ، بلکہ وہ رشتہ داروں (ذوی الارحام) میں سے ہے (دیکھئے آرٹیکل ۲۶۵ از قانون سوری)[1] سابقہ تینوں حالتوں میں دادا باپ کی طرح ہے۔ لیکن باپ کی موجودگی میں کسی شئی کا وارث نہیں ہوگا۔ جس کی دلیل یہ عمومی قاعدہ ہے "جس کا میت کے رشتہ کسی واسطے سے ہو تو وہ اس واسطہ کی موجودگی کے وقت وارث نہیں ہوتا" لہٰذا باپ کی وجہ سے دادا ساقط ہو جاتا ہے۔

الف.....جب میت نے بیٹا یا پوتا چھوڑا تو دادا کو سدس ملے گا۔ اور جب میت کے ورثا میں بیوی، بیٹا اور دادا ہو تو بیوی کا حصہ ثمن (آٹھواں حصہ) فرض ہے کیونکہ فرع وارث موجود ہے اور دادا کو سدس ملے گا جو فرض ہے اور باقی بیٹے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور اگر میت کے ورثاء میں پوتا اور دادا ہو تو دادا سدس فرض ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا اور باقی پوتے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

ب.....اور جب میت کی فرع وارث نہ ہو تو دادا اکیلا عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا۔ لہٰذا دادا کل مال وصول کرے گا یا اصحاب الفروض کے (حصص مل چکنے کے) بعد باقی ماندہ مال لے گا۔ پس جب کسی میت کے ورثاء میں بیوی اور دادا ہو تو بیوی کو چوتھائی ملے گا کیونکہ وارث فرع نہیں۔ اور دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مال ملے گا۔ ور جب میت کا سوائے دادا کے کوئی وارث نہ ہو تو دادا سارا ترکہ لے لے گا۔

ج.....اور فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا: یہ اس صورت میں ہے جب میت کی بیٹی یا پوتی ہو تو دادا فرض سدس اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا۔ پس اگر کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا ہو کہ ورثاء میں بیوی پوتی اور دادا ہو: تو وارث فرع کی موجودگی کی بنا پر بیوی کو ثمن اور پوتی کو نصف اور دادا کو فرض کی وجہ سے سدس اور عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ملے گا۔ دادا کے میراث پانے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے سدس ہے" (النساء ۴/۱۱) چونکہ دادا کو باپ کے نہ ہوتے ہوئے معاشرے اور زبان کے لحاظ سے مجازاً باپ کہا جاتا ہے۔ اور وہ روایت اس کی دلیل ہے جسے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے "کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگا: میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے تو مجھے اس کے

[1].....شرح السراجیة ص ۲۹ القوانین الفقهیة ص ۳۹۰ مغنی المحتاج ۳/۱۵، المغنی: ۶/۲۱۶۔

میراث میں سے کیا ملے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے لئے سدس ❶ (چھٹا حصہ) ہے۔
اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا وارث ہوگا۔
اور قانون مصری (م ۲۱۹) اور سوری (م ۲۶۶، ۲۸۰) نے باپ کی طرح دادا کی میراث کی صراحت کی ہے۔

جن صورتوں میں دادا باپ سے مختلف ہے...... دادا سوائے چار مسائل کے باپ کی طرح ہے۔

۱۔ دادی یا باپ کی ماں...... باپ کی وجہ سے مجحوب ہوجاتی ہے جب کہ دادا کی وجہ سے مجحوب نہیں ہوتی، دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے لیکن باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتی۔

۲۔ مسئلۃ الغراوین...... جب میت کے ورثا میں والدین یا زوجین میں سے کوئی ایک ہو (یعنی بیوی مرے تو خاوند وارث یا خاوند فوت ہو تو بیوی وارث ہو) تو اس صورت میں، زوجین میں سے ایک حصے کے بعد ماں کو ثلث باقی (باقی ماندہ کا تہائی) ملے گا (اسی مسئلہ میں) اگر باپ کی جگہ دادا ہوتا تو جمہور کے نزدیک ماں کو پورے ترکے کا تہائی ملتا، امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔ لہٰذا دادا کے ساتھ غراویہ کی صورت میں ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک زوجین میں سے ایک کے حصے کے بعد دادا کو ثلث الباقی ملے گا۔

۳۔ اس پر ❷ اجماع ہے کہ باپ سگے بہن بھائیوں یا باپ شریک بہن بھائیوں کو مجحوب کر دیتا ہے اور جمہور (ائمہ ثلاثہ اور صاحبین) کے نزدیک دادا انہیں مجحوب نہیں کرتا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک ان لوگوں کو مجحوب کر دے گا۔

۴...... امام ابو یوسف کے نزدیک آزاد کرنے والے کا باپ اپنے بیٹے کے ساتھ ولاء کا چھٹا حصہ پائے گا۔ جب کہ دادا کو یہ حصہ نہیں ملتا بلکہ ساری ولاء بیٹے کے لئے ہے باقی ائمہ کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ وہ دونوں ولاء میں سے کچھ نہیں لیتے۔

بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث...... دادا جب (میت کے) بھائیوں سے الگ ہو تو اس کے حالات معلوم ہو چکے ہیں البتہ جب اس کے ساتھ سگے بہن بھائی یا باپ شریک بھائی بہن ہوں تو کیا حکم ہے؟
آیا دادا ان کے ساتھ وارث ہوگا؟ یا انہیں ساقط کر دے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ رہی وہ صورت جب دادا ماں شریک بہن بھائیوں کے ساتھ ہو تو اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ نسبی دادا انہیں ساقط کر دیتا ہے۔ جیسا کہ باپ کی وجہ سے وہ ساقط ہو جاتے ہیں۔
اس سلسلہ میں فقہاء کی یہ عبارت ہے؟ اخیافی بہن بھائی دادا کی وجہ سے بالاجماع ساقط ہو جاتے ہیں۔ کتاب وسنت کے نقلی دلائل میں سے دادا کے بھائیوں کے ساتھ والی صورت میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا بلکہ ان کا حکم صحابہ کے اجتہاد سے ثابت ہے اور صحابہ کرام کے اس مسئلہ میں دو ❸ مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا...... اور آپ کے پیروکار صحابہ کا جیسے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابی بن کعب، حذیفہ بن یمان، ابو سعید خدری، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری، ابن سیرین رحمہم اللہ۔

---

❶...... رواہ احمد وابو داؤد۔ ❷ سگے بہن بھائیوں کو بنی الاعیان کہتے ہیں کیونکہ وہ جنس کی اقسام میں سب سے کامل ہوتے ہیں۔ اور باپ شریک بہن بھائیوں کو بنی العلات کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ سوکنوں کی اولاد ہوتی ہیں۔ اور ماں شریک بہن بھائیوں کو بنی الاخیاف کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کی اصلیں مختلف ہوتی ہیں۔ ❸ علاتی، عینی، اخیافی بہن بھائیوں کی تعریف سابقہ صفحہ پر بیان ہو چکی ہے۔

داد کے ساتھ اخیافی اور علاتی بھائی بہن وارث نہیں جیسا کہ یہ لوگ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، بلکہ دادا، باپ کی طرح مال میں خود مختار ہوگا یعنی میراث میں دادا باپ کی طرح ہے مطلقاً (سگے بہن بھائیوں یا باپ یا ماں شریک بہن) بھایوں کو محجوب کردے گا۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے لہٰذا ان کی رائے (جو صحابہ کرام کے اجتہاد پر مبنی ہے) میں دادا اور بہن بھائیوں میں مقاسمہ (آپس میں تقسیم) نہیں۔

قرآن وسنت سے ان حضرات کی دلیل......قرآنی دلائل، جن میں بہت سی آیات ہیں جہاں دادا پر باپ کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''میں نے اپنے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے طریقہ کو اپنایا ہے'' (یوسف ۱۲/۳۸) لہٰذا ضروری ہے کہ دادا محجوب بھائیوں کی وجہ سے مطلقاً باپ کا حکم رکھے، اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جس کا میں باپ نہ ہوں؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: زید بن ثابت اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ وہ پوتے کو بیٹا قرار دیتے ہیں اور دادا کو باپ قرار نہیں دیتے۔

سنت سے دلائل......ایک تو وہ سابقہ حدیث ہے ''حصوں کو ان کے حصہ داروں تک پہنچاؤ اور جو باقی رہ جائے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور دادا بھائیوں سے زیادہ قریبی ہے اور عصبات میں قاعدہ یہ ہے کہ باپ ہونے کی جہت کو بھائی ہونے کی جہت سے مقدم رکھا جاتا ہے۔

دوسرا مذہب......حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک فریق کا ہے۔ کہ بھائی دادا کے ساتھ وارث قرار دیئے جائیں گے اس لئے دادا سگے بھائیوں اور باپ شریک بھائیوں کو محجوب نہیں کرتا بلکہ میراث میں ان کے ساتھ مقاسمہ کرے گا۔ یہی دادا کے مقاسمہ کی بنیاد ہے۔

اور یہ جمہور (مذاہب ثلاثہ اور صاحبین) کی رائے اسی کو مصر وسوریا کے قانون نے اختیار کیا ہے۔

ان حضرات کی دلیل درج ذیل ہے: اول......(یعنی اور علاتی) بھائیوں کی میراث قرآن سے ثابت ہے لہٰذا وہ نص یا اجماع سے ہی محجوب ہوں گے اور یہاں ان میں سے ایک بھی نہیں۔

دوم......استحقاق کے سبب میں دادا اور بھائی برابر ہیں کیونکہ دونوں کا تعلق میت سے ایک ہی درجہ کا ہے اور وہ باپ ہے۔

میراث دینے کا طریقہ......بھائیوں کے ساتھ دادا کو وارث قرار دینے والوں کا میراث دینے کے طریقہ میں اختلاف جس کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا......دادا کے بھائیوں کے ساتھ تین احوال ہیں:

۱......اس کے لئے سدس (چھٹا حصہ) فرض ہے۔ جب تک دادا کا حق سدس سے کم نہ ہو وہ بھائیوں سے مقاسمہ کرے گا۔ پس جب کم ہو جائے تو سدس دیا جائے گا۔ اور اگر اس کے ساتھ دو یا تین سگے بھائی ہوں یا چار ہوں تو دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہے۔ اور جب پانچ ہوں تو مقاسمہ اور سدس برابر ہیں، اور دادا، ماں، زوج، بیٹی اور دو بھائیوں کی صورت میں ماں کو سدس، خاوند کو ربع، بیٹی کو نصف ملے اور سدس سے کم باقی رہ جائے گا تو دادا کے لئے سدس فرض کیا جائے گا اور مسئلہ کا (۱۳) میں عول ہوگا اور دونوں بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

۲......عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا۔ اصحاب الفروض کے بعد باقی ماندہ وصول کرے گا اور اگر اس کے ساتھ بہنوں یا ایک

بہن میں سے کوئی عورت ہو تو کئی بہنوں کی صورت میں بہنوں کو دو تہائی ملے گا اور ایک ہونے کی صورت میں نصف دیا جائے گا اور باقی دادا عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا۔ اور اگر دادا کے ساتھ سگی بہن یا باپ شریک بہن ہو تو پہلی کو نصف اور دوسری کو سدس جب کہ دادا کو باقی ماندہ ملے گا۔

۳۔ مقاسمہ...... دادا چونکہ ورثاء میں سے ایک ہے اس لئے بھائیوں کے ساتھ باہمی تقسیم کرے گا۔ اس کے لئے عورت کا دوگنا حصہ ہے۔ اور جب دادا کے ساتھ سگا بھائی یا باپ شریک بھائی ہو تو مال اس میں اور سگے بھائی کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور باپ شریک بھائی یا بہن تقسیم میں سگے بھائیوں کے ساتھ نہیں شمار ہوتے، اور جب ورثاء میں دادا، دو سگی بہنیں، اور ایک سگا بھائی ہو تو دادا ان سے مقاسمہ کرے گا ترکہ کے ان لوگوں کے درمیان تین حصے ہوں گے۔

۴...... دادا بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا، لہٰذا بہن فرض (مقرر حصے) والی ہوگی اور اگر دادا کے ساتھ سگی بہن اور باپ شریک بہن ہو تو پہلی کو نصف اور دوسری کو سدس ملے گا جب کہ باقی ماندہ دادا کے لئے ہے۔

دوسرا مذہب: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا: ۱...... دادا بھائیوں سے مقاسمہ کرے گا جب تک تہائی سے اس کا حق کم نہ ہو، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے موافق۔

۲...... دادا کے مقاسمہ میں عینی (سگے) بھائیوں کے ساتھ علاتی (باپ شریک) بھائیوں کا اعتبار نہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو سابقہ تیسری شق میں گزرا ہے۔

لہٰذا سگی بہن کے ساتھ باپ شریک بہن دادا سے مقدم شمار نہیں ہوگی۔ فقہاء کی عبارت یہ ہے "تقسیم میں عینی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی دادا سے مقدم شمار نہیں ہوتے بخلاف حضرت زید کے طریقہ کے جو آرہا ہے: علاتی بھائی یعنی بھائیوں کے ساتھ دادا سے مقدم شمار ہوں گے۔

۳...... اکیلی بہنیں دادا کے ساتھ فرض والیاں ہیں۔ جس میں دوسری شق میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت کی ہے۔ ملحوظ رہے کہ اس طریقہ میں حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دونوں طریقے جمع ہیں۔

تیسرا مذہب: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا: ۱...... دادا کے لئے بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ اور سارے مال کے تہائی میں سے دونوں میں سے افضل کام یہ ہے جب ان کے ساتھ صاحب فرض نہ ہو۔ کہ دادا کو تقسیم میں بھائیوں کی طرح کا ایک شخص بنایا جائے گا۔ اور مال کو ان میں اور بہنوں میں تقسیم کیا جائے۔ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور جب تک دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہو تو اسے بھائیوں کے ساتھ کا ایک فرد بنا کر بھائیوں کے ساتھ اس کا حصہ دیا جائے گا۔

پھر اگر (اس کا حصہ) تہائی مال سے کم ہو جائے تو ہم اسے تہائی دیں گے۔ اور جب اس کے ساتھ ایک بھائی ہو تو آدھا مال لے گا۔ حاصل یہ ہوا۔ جب دادا کے ساتھ کوئی ذوفرض نہ ہو تو دادا کا زیادہ حصہ مقاسمہ سے ہے یا سارے مال کے تہائی سے۔

۲...... بنی العلات (باپ شریک بہن بھائی) تقسیم میں بنی الاعیان (سگے بہن بھائیوں) ساتھ دادا کو ضرر پہنچانے کے لئے شریک ہوتے ہیں۔ یعنی سگے بہن بھائیوں کے ساتھ انہیں دادا پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور جب دادا اپنا حصہ لے لے تو علاتی بہن بھائیوں کے لئے کچھ نہیں۔ دادا کے حصہ کے بعد باقی ماندہ عینی بہن بھائیوں کے لئے ہے جسے وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر کا حصہ ہے۔

یہی معادة ہے کیونکہ اس نے باپ شریک بھائی کے ذریعہ دادا سے دشمنی کی پھر جو کچھ اسے حاصل ہوا اس سے لے لیا۔لہٰذا جب ورثاء میں دادا، سگا بھائی اور باپ شریک بھائی ہو تو باپ شریک بھائی دادا سے مقدم شمار ہوگا تا کہ دادا مقاسمہ سے کم ہو کر تہائی مال تک آ جائے۔اور جب دادا تہائی مال وصول کرلے گا تو سگا بھائی باپ شریک کی طرف رخ کرے گا اور اس کے ہاتھ سے لے لے گا کیونکہ یہ اس کا حاجب ہے۔

۳..... جب ایک سگی بہن ہو تو وہ اپنا حصہ لے گی اور دادا اپنا حصہ وصول کرے گا پھر بھی کوئی چیز بچ جائے تو بنی علات (باپ شریک بہنوں) کے لئے ہے ورنہ ان کے لئے کچھ نہیں۔ جیسے اگر ورثاء میں دادا، ایک سگی بہن اور دو باپ شریک بہنیں ہوں، تو دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہے لہٰذا ورثاء کے رؤس یعنی پانچ سے مسئلہ بنایا جائے گا۔دادا کے اس میں سے دو حصے اور سگی بہن کے لئے کل کے نصف میں سے دو حصے ہیں اور باقی حصہ باپ شریک دو بہنوں کے لئے ہے اور بیس ۲۰ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

اور مذکورہ مثال میں اگر دو باپ شریک بہنوں کی جگہ ایک بہن ہوتی تو اس کے لئے کچھ نہ بچتا اس لئے کہ دادا مقاسمہ کے ذریعہ آدھا مال لے لیتا ہے جو اس کے لئے تہائی سے بہتر ہے اور باقی آدھا سگی بہن کے لئے رہ جائے گا اور باپ شریک بہن کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔

۴: اگر ان لوگوں کے ساتھ کوئی ذوفرض ہو تو...... یا تو دادا فرض کی وجہ سے چھٹا حصہ لے لے گا یا اس کے لئے تین امور میں سے سب سے زیادہ حصے والا امر ہوگا۔مقاسمہ، یا باقی مال کا تہائی یا سارے مال کا چھٹا حصہ، اور یہ اس صورت میں ہے جب فروض کے بعد سدس سے زیادہ بچ جائے۔اور سدس کی بقدر مال بچے تو: جیسے اگر ورثاء میں دو بیٹیاں ماں، دادا اور بھائی ہوں یا سدس سے کم بچے جیسے زوج، دو بیٹیاں دادا اور بھائی ورثاء میں ہوں یا کچھ نہ بچے جیسے دو بیٹیاں، زوج، ماں، دادا اور بھائی۔تو دادا کو سدس ملے گا اور اگر ضرورت پڑے تو مسئلہ کا عول ہوگا۔

سوائے اکدریہ بہن کے بھائی ساقط ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مذہب کو مکدر (گدلا) کردیا۔رہا دادا کے لئے سدس کا وجوب: تو چونکہ اولاد جب دادا کے ساتھ ہو تو دادا کا حصہ سدس سے کم نہیں کرتے۔تو زیادہ بہتر ہے کہ بھائی بھی اس کا یہ حصہ کم نہ کریں۔رہا مقاسمہ: تو وہ اس وجہ سے کہ اصل یہ ہے کہ بھائیوں کو دادا کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔اور جہاں تک ثلث الباقی ہے: تو چونکہ صاحب فرض اپنے فرض (مقرر حصہ) کا حق دار ہے تو باقی ماندہ گویا سارا مال ہوگیا۔اور اصول ومبدأ دادا کا حصہ تہائی سے کم نہیں کرتا تو یہاں ثلث باقی سے بھی کم نہیں کرے گا جس کا قیاس مسئلہ غراوین میں ام (ماں) پر کیا گیا ہے۔

الاکدریہ...... کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت اس حال میں فوت ہوئی ہو کہ ورثاء میں خاوند والدہ، دادا، سگی بہن یا باپ شریک بہن چھوڑی ہو تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی بنیاد پہ، دادا بہنوں میں جو خواتین ہیں انہیں عصبہ بنا دے گا وہ ان کے نزدیک فرض والی نہیں شمار ہوں گی۔جس میں حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہبوں کا اختلاف ہے۔بہن کے عصبہ ہونے کے مقتضی کی وجہ سے اس کے لئے کچھ نہیں جب اصحاب الفروض ترکہ کو ختم کردیں تو عصبہ کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔

لیکن چونکہ یہاں بہن کے ساقط ہونے کی گنجائش نہیں اس لئے کہ اسے محجوب کرنے والا کوئی حاجب نہیں۔

اور نہ دادا کی وجہ سے اسے عصبہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ تو فرض والا ہوگیا، وہ اگر اسے عصبہ قرار دیتا تو سدس سے اس کا حصہ کم ہو جاتا۔تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصول میں دادا کی بھائیوں کے ساتھ میراث میں اس مسئلہ کو مستثنیٰ کیا۔اور دادا کے

---

❶......یا اس وجہ سے کہ یہ بنی اکدر کی عورت کا واقعہ ہے اور اہل عراق کے ہاں اسے غراء کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اسی نام سے ان کے ہاں مشہور ہے۔

ساتھ بہن کو فرض کی وجہ سے وارث قرار دیا اور اس کے لئے نصف حصہ مقرر کیا اور مسئلہ کو چھ ۶ سے بنایا۔

لہٰذا خاوند کے لئے نصف (۳) ہے اور ماں کے لئے تہائی جو (۲) ہے اور دادا کے لئے سدس (چھٹا (۱) حصہ) ہے اور بہن کے لئے نصف (۳) ہے اور مسئلہ کا (۹) میں عول ہوگا

لیکن تقسیم کی وجہ سے بہن کا حصہ دادا کے حصہ سے بڑھ جاتا ہے۔ اور جب دادا کے لئے بہن کے ساتھ یکجا ہونے میں بہن کا دوگنا حصہ ہے تو ضروری ہے بہن اور دادا کا حصہ جمع کیا جائے پھر دونوں اسے آپس میں بانٹ لیں مرد کے لئے عورت کے حصہ کا دوگنا کے قانون ہے یوں مسئلہ (۲۷) سے ہوگا جس میں سے خاوند کے لئے (۹) ماں کے لئے (۶) دادا کے لئے (۸) اور بہن کے لئے (۴) جس کی تکمیل عدد رؤس (۳) (دادا اور بہن) کو اصل مسئلہ (۹) میں ضرب دینے سے ہوگی اس طرح (۲۷) سے، خاوند کے لئے (۹=۳x۳) تہائی مال اور ماں کے لئے (۶=۳x۲) جو ثلث باقی ہے جب کہ دادا اور بہن کے لئے (۱۲=۳x۴) بہن کے لئے (۴) باقی کے باقی کا تہائی ہے اور دادا کے لئے (۸) باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا...... کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب سگی بہن یا باپ شریک بہن کو دادا کے ساتھ فرض والی نہیں بناتا بلکہ دادا کے ساتھ سوائے اس مسئلہ کے اسے عصبہ قرار دیتا ہے اور اس مسئلہ میں اسے فرض والی بناتا ہے یہ دونوں آپس میں دونوں حصوں کے مجموعہ کو مرد کے لئے عورت کے دو حصوں کے اصول سے تقسیم کرلیں گے۔ اگر بہن کی جگہ ایک بھائی یا دو بہنیں ہوتیں تو پھر عول نہ ہوتا ورنہ اکدریہ والا مسئلہ ہوتا۔ اس لئے کہ تمام مال کا سدس دادا کے لئے بہتر ہے دوسرا سدس بھی اس کا ہوتا بھائی کے لئے کچھ نہ ہوتا اور مسئلہ اکدریہ اس طرح نہ ہوتا کہ بھائی عصبہ ہے البتہ جب ایک بہن کی جگہ دو بہنیں ہوتیں تو ماں کا حصہ مختلف ہوجاتا، وہ سدس لیتی اور خاوند کے حصہ کے بعد دو حصے رہ جاتے یعنی تہائی، مقاسمہ اور سدس برابر ہیں لہٰذا نہ عول ہوگا اور نہ اکدریہ۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے مطابق تقسیم...... یہ تقسیم بھائیوں کے ساتھ دادا کے حالات کو ان کے ساتھ اہل فرض کے وجود وعدم کے اعتبار سے بیان کرتی ہے۔

اول: یا تو ان کے ساتھ کوئی صاحب فرض نہ ہو:

دادا کے لئے دو میں سے بہترین امر...... سارے مال کا تہائی ہے جیسے جب ورثاء میں دادا، دو بھائی اور ایک بہن ہو یا مقاسمہ ہے جو اس کے لئے اس وقت بہتر ہے۔

جب بھائی بہنوں کی تعداد اس کی دوگنی تعداد سے کم ہو جس کا انحصار پانچ مسائل میں ہے۔ جیسے دادا اور ایک بھائی، دادا اور ایک بہن، دادا اور دو بہنیں، دادا اور تین بہنیں، دادا اور ایک بھائی اور ایک بہن۔

دوم: یا ان کے ساتھ کوئی فرض والا ہو...... زوجین میں ہے، ماں، جدتین، بیٹی، پوتی یعنی بہنوں کے علاوہ۔

ا...... پھر یا تو فرض سے زائد مال سدس سے زیادہ ہو تو دادا کے لئے تین امور افضل ہیں۔ مقاسمہ، ثلث الباقی، اور سارے مال کا سدس، دادا، دادی اور بھائی کی صورت میں مقاسمہ اس کے لئے بہتر ہے مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا، دادا اور بھائی، ہر ایک کے لئے پانچ حصے، دادی کے لئے دو حصے، اور زوج، دادا اور بھائی کی صورت میں، مسئلہ (۴) سے ہوگا۔ اور ماں، دادا اور دس بھائیوں کی صورت میں ثلث الباقی اس کے لئے زیادہ بہتر ہے، مسئلہ (۶) سے ہوگا اور تصحیح (۱۸) سے ہوگی۔ ماں کے لئے (۳) دادی کے لئے (۵) اور باقی

بھائیوں کے لئے۔اور جیسے دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن کی صورت میں، مسئلہ (۶) سے ہوگا اور تصحیح (۱۸) سے ہوگی اور تقسیم کی تکمیل تب ہوگی جب باقی کے لئے صحیح ثلث نہ ہو۔

تو ثلث کے مخرج کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے یعنی (۱۸=۶x۳) دادا کے لئے (۵) دو بھائیوں کے لئے۔اور جیسے دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن کی صورت میں مسئلہ (۶) سے ہوگا اور تصحیح تو ثلث مخرج کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے یعنی (۱۸=۶x۳) دادا کے لئے (۵) دو بھائیوں کے لئے (۸) اور بہن کے لئے (۲) ہے۔اور اس صورت میں جب ورثاء میں بیوی، دو بیٹیاں، دادا اور بھائی ہو تو دادا کے لئے سارے مال کا سدس بہتر ہے۔ بیوی کو (۲۴) میں سے (۳) دو بیٹیوں کو (۱۶) ملے گا اور (۵) باقی رہ جائے گا، سارے مال کا سدس دادا کے لئے مقاسمہ سے بہتر ہے۔

۲.....یا سدس زائد ہو جائے۔تو دادا کو بطور فرض دیا جائے اور بھائی ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جب ورثاء میں خاوند، ماں، دادا اور بھائی ہو، مسئلہ (۶) سے ہوگا خاوند کو نصف (۳) ماں کو تہائی (۲) اور دادا کو سدس (۱) ملے گا جب کہ بھائی کے لئے کچھ نہیں۔

۳: یا سدس سے کم مال زائد ہو جائے......تو عول کے ذریعہ دادا مکمل سدس پائے گا اور بھائی ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جب ورثاء میں خاوند، دو بیٹیاں، دادا اور ایک بھائی ہو تو مسئلہ (۱۲) سے ہو کر (۱۳) میں عول ہوگا۔ دو بیٹیوں کو (۸) خاوند کو (۳) اور ایک بچ جائے گا تو سدس کی تکمیل کے لئے ایک کے ذریعہ عول ہوگا اور بھائی ساقط ہو جائے گا۔

اور جیسے ورثاء میں خاوند، دادا، بیٹی ماں اور سگی بہن ہو مسئلہ کا عول (۱۳) میں ہوگا اور بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس نے بیٹی یا دادا کے ساتھ عصبہ ہونا تھا اور دادا کا اپنا مقرر حصہ سدس لے چکنے کے بعد اس کے لئے کچھ نہیں بچا۔

۴.....حصے سدس کو ختم کر دیں، بھائی ساقط ہوگا اور عول میں اضافہ کیا جائے گا جیسے خاوند، ماں، دادا اور ایک بھائی ورثاء میں ہیں مسئلہ کا عول (۱۳) میں ہوگا اور دادا کے سدس کا عول میں اضافہ کیا جائے گا۔ تو یوں مسئلہ پندرہ (۱۵) سے ہو جائے گا۔

دادا کا بھائی سے مقاسمہ کے بارے میں قانون کا موقف......مصری قانون (م ۲۲) اور شامی قانون (م ۲۷۹/ ۱-۴) نے بھائیوں کے ساتھ دادا کے مقاسمہ کے بارے میں تصریح کی ہے۔

ان میں سے مصری قانون نے دادا کی بھائیوں کے ساتھ دو حالتیں مقرر کی ہیں۔

پہلی......کہ دادا کے ساتھ جو بہن بھائی موجود ہیں وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوں اور صرف ذکر یا ذکر مونث یا مونث عصبہ مع الغیر ہوں جیسے سگا بھائی یا سگا بھائی سگی بہن کے ساتھ ہو یا باپ شریک بھائی باپ شریک بہن کے ساتھ ہو یا سگی بہن کے ساتھ ہو یا باپ شریک بہن بیٹی یا پوتی کے ساتھ ہو۔ تو دادا کو بھائی کی طرح قرار دیا جائے گا اور عصبہ ہونے میں ان کے ساتھ وارث ہوگا۔ اور جب تک سدس سے حصہ کم نہ ہو ان کے ساتھ مقاسمہ کرے گا اور اگر اس سے کم ہو جائے تو اس وقت فرض ہونے کی وجہ سے سدس دیا جائے گا۔ اور اگر دادا کے ساتھ پانچ سے کم ہوں تو مقاسمہ بہتر ہے اور اگر پانچ ہوں تو پھر مقاسمہ اور سدس برابر ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ چھ یا اس سے زیادہ ہوں تو مقاسمہ سے سدس بہتر ہے لہٰذا فرض ہونے کی وجہ سے سدس دیا جائے گا۔ سگے بھائیوں کے ساتھ باپ شریک بھائیوں کو دادا سے ترجیح نہیں دی جائے گی اس لئے کہ وہ سگے بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہیں لہٰذا دادا، سگا بھائی، اور باپ شریک بھائیوں کی صورت میں دادا اور سگے بھائی میں سے ہر ایک کو نصف ملے گا اور بھائی ساقط ہو جائیں گے۔ اور یہ حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر عمل ہے۔

دوسری...... دادا کے ساتھ موجود بہنیں فرض کی وجہ سے وارث ہوں: جیسے سگی بہن یا باپ شریک بہن ایک یا ایک سے زیادہ ہوں اور دادا کے ساتھ عصبہ بنانے والا بھی نہ ہو تو دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے میراث ملے گی اور فروض کے بعد، جو باقی بچ جائے گا وہ بھی لے گا جب تک سدس سے کم نہ ہو اور اگر سدس سے کم ہو تو سدس دیا جائے گا، جب ورثاء میں دادا اور ایک سگی یا باپ شریک بہن ہو تو بہن کو نصف فرض ہونے کی وجہ سے ملے گا اور باقی دادا کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے اور دادا، دو سگی بہنوں یا باپ شریک بہنوں کی صورت میں، دو بہنوں کو دو تہائی فرض اور باقی دادا کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے، اور ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بہن اور دادا کی صورت میں سگی بہن کو فرض کی وجہ سے نصف اور باپ شریک بہن کو فرض کی وجہ سے سدس تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے، اور یہ حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے کہ دادا صرف بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا۔

جہاں تک شامی قانون کا تعلق ہے...... تو وہ ہر حال میں دادا کو سدس دینے میں مصری قانون کے موافق ہے خواہ اس کے ساتھ ذو فرض ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ آرٹیکل (۲۷۹) کے (۱) فقرہ میں سابقہ پہلی حالت کی تصریح ہے اور یہ سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اکثر فقہاء کی رائے ہے اور حضرت ابن مسعود اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب کے موافق ہے کہ جب بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوں تو دادا بہنوں سے مقاسمہ کرے گا۔ اور مذکورہ آرٹیکل کے (۲) فقرہ میں سابقہ دوسری حالت کی تصریح ہے جو حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر عمل ہے کہ دادا اکیلی بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا، بلکہ فرض کی وجہ سے وہ اپنا حصہ لیں گی اور دادا عصبہ ہوگا۔ اور اسی آرٹیکل کے (۳) فقرہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ دادا چاہے مقاسمہ سے لے یا عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کا حصہ سدس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے ماخوذ ہے جس میں دادا کا فرض سدس قرار دیا جاتا ہے، اور آرٹیکل کے (۴) فقرہ میں سگے بہن بھائیوں کے ساتھ باپ شریک بہن بھائیوں کے اعتبار نہ کرنے کی صراحت ہے جو حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب سے ماخوذ ہے کہ باپ شریک بھائی جب سگے بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہوں تو مقاسمہ میں ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

۱...... میت کے ورثا میں دادا، سگا بھائی اور سگی بہن ہے، مسئلہ پانچ سے ہوگا دادا کے دو حصے ہیں بھائی کے بھی دو حصے اور بہن کا ایک حصہ ہے۔

۲...... میت کے ورثاء میں ایک بیوی، دو سگی بہنیں ہیں۔ بیوی کو چوتھائی اور دونوں بہنوں کو دو تہائی اور دادا کو سدس ملے گا مسئلہ کا عول (۱۳) میں ہوگا۔

۳...... میت کے ورثاء میں باپ، دادا اور ایک بیٹا ہے: باپ کو سدس اور بیٹے کو باقی جب کہ دادا کو کچھ نہیں ملے گا۔

خاوند کی حالتیں

خاوند کی حالتیں...... خاوند کی دو [1] حالتیں ہیں۔

پہلی...... بیٹے پوتے، پڑپوتے وغیرہ کی عدم موجودگی کے وقت نصف (آدھا مال) ملے گا۔ چنانچہ جس عورت کے ورثاء میں خاوند اور ایک سگا بھائی ہو تو خاوند کو نصف اور باقی بھائی کو ملے گا۔

دوسری...... بیٹے، پوتے پڑپوتے وغیرہ کے ہوتے ہوئے چوتھائی ملے گا خواہ وہ اس خاوند سے ہوں یا کسی اور سے، چنانچہ اگر عورت ورثاء میں خاوند بیٹا یا پوتا چھوڑ مرتی ہے تو خاوند کو چوتھائی، یا جائے گا جب کہ باقی بیٹے یا پوتے کا حصہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے

[1]......شرح السراجية: ص ۳۱ تبيين الحقائق: ۲۳۳/۶ القوانين الفقهية: ص ۳۸۸، الرحبية ص ۲۵ مغني المحتاج ۹/۳، ۱۷، المغني ۱۷۸/۶۔

اس ارشاد میں ہے ''اورتمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے نصف ہے اگر وہ بااولاد نہ ہوں اور اگر وہ بااولاد ہوں تو تمہیں ان کے ترکے سے چوتھائی ملے گا وصیت پوری کر چکنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو اور قرض ادا کر دیا جائے جو انہوں نے چھوڑا ہو۔'' (النساء ۴/۱۲) مصری قانون (م ۱۱) اور شامی قانون (م ۲۶۸) نے خاوند کی مذکورہ دونوں حالتوں کی تصریح کی ہے۔

۴: ماں شریک بہن بھائی کی حالتیں (یعنی اخیافی)

...... ماں کی اولاد جنہیں بنی الاخیاف کہا جاتا ہے کی تین حالتیں ہیں: ❶

پہلی: سدس...... ان میں سے ایک کے لئے مذکر ہو یا مونث، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (النساء: ۴/۱۲) اور اس سے بالا جماع مراد ماں کی اولاد ہے اور حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (قرأت (کا انداز) بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کا ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہن ہو' چنانچہ جس کے ورثا میں ایک سگا بھائی اور ایک ماں شریک بھائی یا بہن ہو تو ماں شریک بھائی یا بہن کو سدس (چھٹا حصہ) ملے گا جب کہ باقی ماندہ سگے بھائی کو ملے گا۔

دوسری تہائی...... جو دو یا دو سے زیادہ کے لئے ہے مذکر ہوں یا مونث، دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے'' اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے'' (النساء ۴/۱۲) ان کے مذکر مونث تقسیم واستحقاق میں برابر ہیں۔ تقسیم میں اس طرح کہ ان میں سے مونث مرد کی طرح حصہ لے گی اور استحقاق میں اس طرح کہ ان میں سے ایک خواہ مذکر ہو یا مونث، سدس کا مستحق ہے۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں ماں، ماں شریک بھائی اور بہنیں اور ایک چچا ہو تو ماں کو سدس اور ماں شریک بہن بھائیوں کو تہائی جب کہ باقی ماندہ چچا کو ملے گا۔

تیسری: ان کا محجوب ہونا...... فرع وارث۔ بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ۔ کے ہوتے ہوئے اور اصل مذکر وارث۔ باپ نہیں دادا کے ہوتے ہوئے بالاتفاق ساقط ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ کلالہ کی قبیل سے ہیں اور ان کی میراث میں بیٹے اور باپ کا نہ ہونا شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (النساء ۴/۱۲) اور اولاد نہ ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص ہلاک ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو (البتہ) اس کی ایک بہن ہو''۔ (النساء ۴/۱۷۶) اور روایت میں ہے'' کلالہ وہ کہلاتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد'' اور بیٹے کی اولاد بیٹے (ہونے) میں داخل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اے اولاد آدم''۔ (الاعراف ۷/۳۱) اور دادا باپ کے حکم میں داخل ہے'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جیسا کہ اس (ابلیس) نے تمہارے والدین کو جنت سے نکالا'' (الاعراف ۷/۲۷) لہٰذا ماں کی اولاد کے لئے ان لوگوں یعنی اولاد اور آباء اجداد کے ہوتے ہوئے میراث نہیں ہے۔

قانون مصری (م ۱۰، ۲۶) اور شامی (م ۲۶۲) نے ماں کی اولاد کے سابقہ احوال کی تصریح کی ہے جیسا کہ ان دونوں میں مشترکہ مسئلہ کی صراحت کی ہے۔

مثالیں: ۱...... ایک شخص ورثاء میں باپ، ایک بیٹا اور ایک ماں شریک بھائی چھوڑ مرا، تو باپ کو سدس ملے گا اور باقی بیٹے کا ہے جب کہ ماں شریک بھائی کے لئے کچھ نہیں۔

---

❶ ...... شرح السراجية ص ۳۰ تبيين الحقائق: ۶/۲۳۷ القوانين الفقهية ۳۸۸، مغني المحتاج: ۳/۱۱ المغني ۶/۱۸۳۔

۲.....ایک عورت کا انتقال ہوا ورثاء میں خاوند، ایک ماں شریک اور ایک سگا بھائی ہے تو خاوند کو نصف ملے گا ماں شریک بھائی کو سدس جب کہ باقی ماندہ سگے بھائی کے لئے ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

۳۔ بیوی کا انتقال ہوا ورثاء میں خاوند، دادا اور دو ماں شریک بھائی ہیں۔ تو خاوند کو نصف ملے گا باقی دادا کا ہے جب کہ ماں شریک بھائیوں کے لئے نہیں۔

ا۔ وہ صورتیں جن میں ماں کی اولاد دوسروں سے مختلف ہوتی ہے...... ماں کی اولاد اپنے علاوہ اصحاب الفروض سے مندرجہ ذیل امور میں مختلف ہوتی ہے۔

۱.....اس ماں کے ساتھ وارث ہوتے ہیں جس کے ساتھ ان کی نسبت ہے۔

۲.....ان میں سے مذکر مونث تقسیم اور استحقاق میں برابر ہیں۔

۳.....ان میں سے ایک کے لئے سدس اور زیادہ کے لئے تہائی ہے۔

۴.....کسی مورث کی وجہ سے اس ماں کو جس کے ساتھ ان کی نسبت ہوتی ہے حجب نقصان سے تہائی سے سدس (چھٹا حصہ) تک محجوب کرتے ہیں۔

۵.....ان میں سے مذکر، مونث کی وجہ سے نسبت حاصل کرتا ہے اور اس کے ساتھ فرض کی وجہ سے وارث ہوتا ہے۔

مسئلہ مشترکہ یا حجریہ......یعنی جس میں سگے بھائی اور ماں کی اولاد کو شریک کیا جائے۔

یہ مقرر ہے کہ عصبہ بننے والا اصحاب الفروض کا اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد ہی وارث ہوتا ہے جس کی دلیل وہ سابقہ حدیث ہے: ''مقررہ حصوں (فرائض) کو ان کے حق دار تک پہنچاؤ جو بچ جائے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔'' لیکن کبھی کبھار سگا بھائی ماں شریک بھائی کے ساتھ شریک ہوجاتا ہے چنانچہ جب کسی عورت کے ورثاء میں خاوند، ماں، دو ماں شریک بھائی، ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہو تو خاوند کا حصہ نصف ہے ماں کو سدس ملے گا، جب کہ ماں شریک بھائیوں، سگے بہن بھائی سب کے لئے تہائی ہے جو برابر سرابر ان میں تقسیم کردیا جائے گا مردوں عورتوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں رکھا جائے گا۔ اس کے مطابق حضرت عمر نے اپنے آخر عہد میں فیصلہ کیا تھا، حالانکہ پہلے انہوں نے سگے بھائیوں کی محرومی کا فیصلہ صادر کیا تھا اور پھر جب تمہارا ہی مسئلہ پیش ہوا، تو کسی نے آپ سے کہا: ''ہمارے باپ کو سمندر کا ایک پتھر سمجھئے، کیا ہماری ماں ایک نہیں؟ تو حضرت عمر نے یہ فیصلہ کیا کہ سب تہائی میں شریک ہوں، مذکر مؤنث برابر ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے آپ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اسی کو مالکیہ، شافعیہ نے اختیار کیا ہے مصر اور شام کے قانون میں یہی فیصلہ شامل ہے۔ اسے ''مشترکہ'' کہنے کی یہی وجہ ہے کہ تہائی میں سب کو شریک کیا گیا اسے ''مشترکہ'' کہ اس میں شرکت ہے اور ''حجریہ'' کہ ان میں سے کسی نے حضرت عمر سے کہا تھا ہمارے باپ کو سمندر کا حجر (پتھر) سمجھیں اور ''حماریہ'' کو ان میں سے کسی نے کہہ دیا تھا ہمارے باپ کو گدھا سمجھیں'' کہا جاتا ہے۔

احناف اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ سگے بھائی ساقط ہوجاتے ہیں؛ خاوند کو نصف دیا جائے گا ماں کا حصہ سدس ہے اور ماں شریک بھائی کو تہائی ملے گا۔ ان لوگوں کی دلیل سابقہ آیت کلالہ ہے'' اور اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہو تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔'' النساء/۱۲

اوراس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت سے مراد خصوصاً ماں کی اولاد ہے سو جس نے ان میں (کسی کو) شریک کیا اور ہر ایک کو سدس نہ دیا تو یہ تقسیم ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ ❶

دوم: عورتوں کے احوال.....عورتوں میں فروض (مقرر حصہ) والیاں آٹھ خواتین ہیں:

بیوی، بیٹی، پوتی (پڑپوتی وغیرہ) اور بہن خواہ جس جہت سے ہو (سگی ہو یا باپ شریک یا ماں شریک ہو) ماں، نانی، دادی۔

ا۔ بیوی کی حالتیں.....بیوی کی دو حالتیں ہیں۔ ❷

پہلی: ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے چوتھائی.....جب فرع وارث نہ ہو۔ بیٹا، پوتا، پوتے کا بیٹا وغیرہ۔ خواہ اس سے ہوں یا کسی اور عورت سے، دوسری آٹھواں حصہ جب فرع وارث ہو بیٹا، پوتا، پوتے کا بیٹا وغیرہ خواہ اس سے ہو یا کسی اور عورت سے، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا، بعد اس کے جو وصیت تم نے کی ہے وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ادا کر دیا جائے۔'' النساء ۱۲/۴

تو ایک بیوی کا حصہ اور ایک سے زائد کا برابر ایک ہی حصہ ہے خواہ ان کی تعداد چار ہو کیونکہ آیت عام ہے۔ ولد پوتے کو بھی نص یا اجماع کی وجہ سے شامل ہے۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں بیوی، بیٹی اور باپ ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ بیٹی کو نصف اور باپ کو سدس بطور فرض اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور جس کے ورثاء میں بیوی، بھائی اور نواسہ ہو تو بیوی کو چوتھائی، بھائی کو باقی ماندہ عصبہ ہونے کی وجہ سے اور نواسے کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ ذورحم (رشتہ دار) ہے۔

مصری قانون (م ۱۱) اور شامی قانون (م ۲۶۸) نے دونوں حالتوں میں عورت کے مقررہ حصے کی صراحت کی ہے خواہ اسے طلاق رجعی ملی ہو اور اسکا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ عدت گزار رہی ہو، اور اگر وہ عورت طلاق بائن والی ہو تو اس کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وفات کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو گیا۔ البتہ جب اس کی طلاق، طلاق فرار (وہ طلاق جو خاوند مرض الموت میں بیوی کی میراث سے جان چھڑانے کے لئے دیتا) ہو تو بخلاف شافعیہ، جمہور کے نزدیک ایسی عورت وارث ہوگی۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ زوجین کے دونوں حصوں میں اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ ان دونوں میں سے مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔

تاکہ مرد و عورت کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم میں عدل کے اصول کا التزام کیا جائے۔

مرد چونکہ مہر کی ادائیگی، عورت خواہ ماں ہو یا بیٹی یا بیوی پر خرچ کرنے کا پابند ہے جب کہ عورت معاشرتی ذمہ داریوں میں سے کسی چیز کی پابند نہیں، یوں اس کا حصہ کسی ناگہانی حالت کی تیاری کے لئے محفوظ رہے گا جس میں وہ آزادی اور خود مختاری سے تصرف کر سکتی ہے۔

اور یہ اصول (مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر والا) عام اصول ہے۔ کیونکہ میراث میں باہمی تفاضل کی بنیاد ضرورت ہے، بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصے سے دوگنا ہے۔

کیونکہ زندگی میں بیٹے کی ذمہ داریاں اس کی بہن کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہیں۔ وہ اپنی ذات، اپنی بیوی کے مہر اور بیوی کے اخراجات، اولاد کے نان نفقہ اور نادار ماں باپ کی کفالت کرنے کا پابند ہے۔ جب کہ بیٹی اپنی زندگی میں ان ذمہ داریوں میں سے کسی کی مکلف نہیں جن کا اس کا بھائی پابند ہے۔

---

❶.....المغنی ۱۸۰/۶ مغنی المحتاج ۱۷/۳۔ ❷شرح السراجیة: ص ۳۴، تبیین الحقائق ۲۳۳/۶، القوانین الفقهیة ص ۳۸۸ مغنی المحتاج ۱۳،۹/۳ کشاف القناع: ۴۵۰/۴۔

۲۔ بیٹی کی حالتیں......صلبی بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں:

پہلی: ایک کے لئے نصف ہے...... جب وہ اپنی برابر کی اور اسے عصبہ بنانے والے سے الگ اور اکیلی ہو جیسا کہ باپ اور بیٹی کے ورثا میں ہونے کی صورت میں بیٹی کا حصہ فرض، نصف ہے جب کہ باقی باپ کا فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

دوسری...... دو اور دو سے زیادہ کے لئے دوتہائی، بشرطیکہ ان کے ساتھ انہیں عصبہ بنانے والا کوئی نہ ہو جیسے باپ اور دو بیٹیاں جب وارث ہوں تو دونوں بیٹیوں کا حصہ دوتہائی فرض کے طور پر اور باقی باپ کا فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

تیسری: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا...... جیسے مذکر بیٹے کے ساتھ یوں وہ مرد مونث کا دوگنا حصہ لے گا خواہ کئی بیٹیاں یا کئی بیٹے ہوں مثلاً جب ورثاء میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو ان دونوں کا حق یہ ہے کہ ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیٹے کو بیٹی کا دوگنا ملے گا۔ دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے ”تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے اور اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں انہیں ترکے کا دوتہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے“ (النساء ۴/۱۱) جس میں ایک تین اور زیادہ کے حکم تصریح ہے رہی دو لڑکیاں (بیٹیاں) تو ان کا حکم سنت سے معلوم ہوا۔
سوائے نسائی، پانچوں نے بحوالہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی ہے فرمایا: حضرت سعد بن الربیع کی بیوی اپنی ان دو بیٹیوں کو لے کر جو حضرت سعد سے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن الربیع کی بیٹیاں ان کے والد آپ کی معیت میں احد کے مقام پر شہید ہوگئے اور ان کے چچا نے ان دونوں کا مال لے لیا ہے اور ان کے لئے کوئی مال نہ چھوڑا، مال کے بغیر ان کا نکاح نہیں ہوسکتا آپ نے فرمایا: تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ جس پر آیت میراث نازل ہوئی۔
چنانچہ آپ علیہ السلام نے ان دونوں بچیوں کے چچا کی طرف پیام بھیجا اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دوتہائی اور ان دونوں کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اس کے بعد جو بچ جائے وہ تمہارا ہے۔“ ❶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: یہ اسلام میں پہلا ترکہ تھا جس کی تقسیم عمل میں آئی“ قانون مصری (م ۱۲، ۱۹) اور شامی (م ۲۶۹، ۲۷۷) نے بیٹی کے مذکورہ حالات کی تصریح کی ہے اور آرٹیکل (۲۷۷) کے فقرہ ❷ نے اس کی صراحت کی ہے کہ عصبہ ہونے کی حالت میں بیٹے، بیٹیوں میں میراث مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ کے قاعدہ سے تقسیم ہوگی۔

۳۔ پوتیوں کے احوال...... پوتیوں کے چھ احوال ہیں پہلے تین بیٹیوں کے اور تین اور ہیں۔ ❸

پہلا حال...... اکیلی کو نصف ملے گا جب بیٹی یا بیٹا یا ان کا ہمسر نہ ہو جیسے اگر ورثا میں باپ، ماں اور پوتی ہو تو پوتی کا حصہ نصف، ماں کا چھٹا اور باقی باپ کا ہے فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

دوسرا...... بیٹی، بیٹے یا ان کے ہمسر کی عدم موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ کے لئے دوتہائی، چنانچہ جس کے ورثا میں باپ۔ اور دو پوتیاں ہوں تو دونوں پوتیوں کو دوتہائی جب کہ باقی باپ کو ملے گا۔

---

❶......السراجیة ص ۳۴، تبیین الحقائق حواله سابقه، القوانین الفقهیة ص ۳۸۸ مغنی المحتاج ۳/۱۴، المغنی ۶/۱۷۲۔ ❷اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے بھی نقل کی ہے (نیل الاوطار: ۶/۵۶) خمسہ سے مراد امام احمد اور سنن اربعہ کے مؤلفین ہیں۔ ❸السراجیة: ص ۳۵، تبیین الحقائق ۶/۲۳۴ القوانین الفقهیة: ص ۳۸۹ مغنی المحتاج ۳/۱۴۔

تیسرا: عصبہ...... پوتے کے ساتھ جو ان کے درجہ میں ہو، مرد کو عورت کا دوگنا، جیسے جب ورثاء میں پوتا اور پوتی ہوں تو دونوں کو کل ترکہ ملے گا۔

چوتھا...... ایک بیٹی کے ساتھ ایک یا زیادہ کے لئے چھٹا حصہ تا کہ دوتہائی کو پورا کیا جائے۔ جس میں حضرت ابن مسعود کے سابقہ فیصلے پر عمل ہے ''کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردہ فیصلے کی طرح فیصلہ کرتا ہوں بیٹی کے لئے نصف اور پوتی کے لئے چھٹا حصہ تا کہ دوتہائی کو پورا کیا جائے۔ اور جو بچ جائے وہ بہن کے لئے ہے اس لئے کہ شریعت نے دوتہائی بیٹیوں کا حق رکھا ہے لہٰذا جب ایک سگی بیٹی ہوتو وہ صرف نصف لے گی اب بیٹیوں کے حصہ میں سے چھٹا حصہ رہ گیا جو پوتی کو دیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے۔

جب انہیں عصبہ بنانے والا نہ ہو جو انہی کے درجہ کا پوتا ہے اگر وہ ہو تو یہ اس کی وجہ سے عصبہ بن جائیں گی۔ جو اس کے ساتھ باقی ماندہ حصہ بھی لے گی۔ مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ ہے۔ چنانچہ جب میت کے ورثاء میں بیٹی، پوتی اور پوتا ہو، تو بیٹی کو نصف اور پوتی کو پوتے کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ملے گا۔ اور اگر ترکہ میں سے کچھ نہ بچے تو اس کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ اس صورت میں کہ جو ورثاء میں باپ ماں، خاوند بیٹی، پوتی اور پوتا ہو تو ماں باپ دونوں کے لئے چھٹا حصہ، خاوند کو چوتھائی، بیٹی کو نصف ملے گا سارا ترکہ ختم ہو گیا پھر عول ہوگا لیکن پھر بھی پوتی اور پوتے کے لئے کچھ نہیں رہا۔ اگر پوتا نہ ہوتا تو پوتی سدس (چھٹا حصہ) فرض ہونے کی وجہ سے لے لیتی۔

پانچواں اور چھٹا حال: حجب...... پوتی، بیٹے کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جب ورثا میں بیٹا اور پوتی ہو تو سارا ترکہ بیٹے کا ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے جب کہ پوتی کے لئے کچھ نہیں۔ اسی طرح دو سگی (صلبی) بیٹیوں یا دو سے زیادہ کی وجہ سے محجوب اور ساقط ہو جاتی ہے البتہ جب اس کے ساتھ یا اس سے نیچے مذکر اولاد ہو تو وہ اسے عصبہ بنا دے گی، اس صورت میں باقی ان کے درمیان ہوگا مرد کے لئے عورت کا دوگنا، مثلاً میت کے ورثاء میں ماں باپ دو بیٹیاں اور ایک پوتی ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو سدس، دونوں بیٹیوں کو دوتہائی جب کہ پوتی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ دونوں بیٹیوں نے اس کا حصہ ختم کر دیا۔ اور اگر پوتی کے ساتھ پوتا یا پوتے کا بیٹا ہو تو ان میں سے ہر ایک اسے عصبہ بنا دے گا۔ کیونکہ اسے (پوتی کو) اس کی ضرورت ہے اگر چہ دوسرے کی ضرورت نہیں پھر اگر بیٹیوں کے حصے سے اس کے لئے کچھ بچ جائے تو پوتا اسے عصبہ نہیں بنائے گا بلکہ وہ اپنا فرض (مقرر) حصہ لے گی اور وہ (پوتا) عصبہ بنفسہ باقی رہے گا۔ جو فروض کے بعد باقی ماندہ میراث لے گا۔

دلیل: ا...... وہ نصوص جو بیٹی کی میراث کے احکام پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ نص میں ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔'' (النساء/۱۱) اولاد سے مراد تمہاری وہ فرع ہے جو حقیقتاً تمہاری ہو یا تمہارے بیٹوں کے واسطہ سے ہو۔

۲...... حضرت ابن مسعود کا سابقہ فیصلہ جسے سوائے نسائی صحاح ستہ کے مصنفین نے بحوالہ ہزیل بن شرجیل نقل کیا ہے کہ آپ نے دوتہائی کو پورا کرنے کے لئے پوتی کے لئے سدس کا فیصلہ فرمایا۔

قانون مصری (م ۱۲، ۱۹) اور شامی (م ۲۶۹، ۲۷) نے پوتیوں کے حالات خصوصاً ایک یا ایک سے زیادہ کے بیٹی یا درجہ میں اعلیٰ پوتی کے ساتھ چھٹے حصے کے استحقاق کی صراحت کی ہے۔

مثالیں: الف...... میت کے ورثا میں بیٹی، پوتی اور باپ ہے تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باپ کو سدس فرض اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

ب...... ورثاء میں پوتی اور پوتا ہے۔ سارا ترکہ دونوں کے درمیان ''مرد کو عورت کا دوگنا'' کے تحت تقسیم ہوگا۔

ج.....میت نے ورثاء میں بیٹی، پوتی اور پوتے کا بیٹا چھوڑا، تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس جب کہ باقی دوسرے (پوتے) کے لئے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

د.....ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پوتے کا بیٹا ہے، دونوں بیٹیوں کو دو تہائی پوتی کو پوتے کے ساتھ باقی ماندہ ملے گا کیونکہ اسے (پوتی کو) اس (لڑکے) کی ضرورت ہے، اسے مبارک لڑکا کہا جاتا ہے۔

ہ.....ورثاء میں خاوند، باپ، ماں، بیٹی پوتی اور پوتا ہیں۔ تو خاوند کو چوتھائی باپ، کو سدس، بیٹی کو نصف ملے گا جب کہ پوتی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہوگئی اور ان دونوں کے لئے کچھ نہ بچا۔ وہ اگر اکیلی ہوتی تو سدس لیتی، تو اس کے بھائی کا وجود اس کے لئے میراث سے محرومی کا سبب ہوا اس بنا پر اسے نامبارک لڑکا کہا جاتا ہے۔ لیکن قانون مصری اور شامی جانب وصیت پر عمل پیرا ہیں۔ وہ اس طرح کہ جو اولاد اپنی اصل کی زندگی میں فوت ہوگئی اسے زندہ تصور کیا جائے اور اس کا حصہ اس طرح مقرر کیا جائے گویا کہ وہ موجود ہے۔ پھر ترکہ میں سے وہ حصہ نکالا جاتا ہے اور وصیت والے کو اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ وہ تہائی سے زائد نہ ہو اس کے بعد شرعی فریضہ کے مطابق ورثاء میں باقی ترکہ کو کل ترکہ سمجھ کر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اگر کسی کے ورثاء میں تین بیٹے، ماں باپ اور اس کے بیٹے کی پوتی ہو جو اپنے والد کی حیات میں فوت ہو گیا تھا۔ تو فوت شدہ کے وجود کو زندہ سمجھا جائے گا اور اس کی بیٹی کو واجب وصیت دی جائے گی جو چھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور باقی ترکہ جو پانچ حصے ہیں ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ ماں باپ کو سدس، سدس پانچ میں سے دیا جائے گا نہ کہ چھ میں سے اور باقی تین بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ہر بیٹے کا پانچ میں سے ایک حصہ ہوگا۔ اور مسئلہ کی تصحیح (۱۰۸) سہام (حصوں) سے ہوگی باپ کے (۱۵) ماں کے (۱۵) اور تینوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کے (۲۰) اور فوت شدہ بیٹے کی بیٹی کے (۱۸) حصے ہوں، ذوی الفروض کے حصے سے جو باقی بچ جائے گا اس سے بیٹیوں کے حصوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل (۱۰۸) میں وصیت کے بعد (۹۰) حصے بچتے ہیں: اور تصحیح ۶ کو تین (۳) بیٹوں کی تعداد میں ضرب دینے سے ہوگی یوں (۱۸) ہو جائیں گے اور پھر وصیت کے بعد جدید مسئلہ میں (۱۸) کو (۵) سے ضرب دینے سے (۹۰) حصے بن جائیں گے، والدین میں سے ہر ایک کے لئے (۹۰) کا سدس (چھٹا) حصہ ہے۔

خلاصہ..... یہ رہا کہ جدید مسئلہ واجب وصیت کے نکالنے کے بعد ورثاء کے لئے کارگر ثابت ہوگا۔

و.....میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پوتا ہے۔ دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا جب کہ باقی ان دونوں (پوتی اور پوتے) کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر پوتا نہ ہوتا تو پوتی کسی چیز کی وارث نہ ہوتی، دونوں بیٹیوں کے دو تہائی مکمل کر لینے کی وجہ سے، لیکن پوتے کے وجود نے اسے عصبہ بنا دیا یوں اس کے ساتھ تہائی لے گی جو باقی ہے اور یہ لڑکا مبارک ہے۔

ز.....اور اگر میت کے ورثاء میں تین پوتیوں کے درجات ایک دوسرے سے بلند یا ایک دوسرے سے کم ہوں اسی طرح اس کے ورثاء میں پوتے کی تین پوتیاں ہوں جو ایک دوسرے سے کم درجہ ہوں۔ جیسا کہ آئندہ صورت میں ہے۔ ❶ کسی مرد کے تین بیٹے ہیں جن میں سے فریق اول کے ہاں ایک بیٹا اور بیٹی ہے اور اس بیٹے کی ایک بیٹی اور بیٹا ہے اور اس دوسرے بیٹے کے ہاں ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔ رہا فریق ثانی تو بیٹے کا ایک بیٹا ہے۔

اور اس کے بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے اور اس بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔

اور اس بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔ اور فریق ثالث تو بیٹے کا ایک بیٹا ہے۔

---

❶.....السراجیة: ص ۳۷ القوانین الفقهیة: ص ۳۸۹ ہمارے استاد مرحوم شیخ حسن الشطی القاضی الفرضی کی ڈائری۔

اوراس کے بیٹے کا ایک بیٹا ہے اوراس بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے اوراس آخری بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے اوراس کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔

فریق اول	فریق ثانی	فریق ثالث
ابن	ابن	ابن
ابن۔بنت۔❶ علیا	ابن	ابن
ابن۔بنت۔وسطیٰ	ابن۔بنت۔علیا	ابن
ابن۔بنت۔سفلیٰ	ابن۔بنت۔وسطیٰ	ابن۔بنت۔علیا
	ابن بنت سفلیٰ	ابن۔میت۔وسطیٰ
		ابن۔بنت۔سفلیٰ

ان میں علیا بیٹی کے قائم مقام ہے اوراس سے نیچے والیاں مذکورہ مقرر احوال میں پوتی کی جگہ ہیں۔لہٰذا علیا نصف لے گی اور درمیانی (وسطیٰ) سدس (چھٹا حصہ) لے گی تاکہ دوتہائی کی تکمیل ہوجائے۔اور سفلی (سب سے نیچے والی) ساقط ہوجائے گی۔

الا یہ کہ اس کے ساتھ اسی کے درجہ کا یا اس سے کم درجہ کا پوتا ہو جو اسے عصبہ بنادے گا۔اوراگر وسطیٰ کے ساتھ اس کے درجہ کا یا اس سے کم درجہ کا پوتا ہو جس کی وجہ سے یہ عصبہ بن گئی ہو تو اس سے کم درجہ کی مونث اور مذکر مجوب ہوجائیں گے۔

اوراگر علیا دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان دونوں کے لئے دوتہائی ہے اور وسطی اوراس سے کم درجہ ساقط ہوجائے گی۔البتہ اگر ان کے ساتھ انہی کے درجہ کا یا ان سے کم کوئی مذکر ہو۔اس بنا پر فریق اول کی علیا نصف لے گی کیونکہ وہ نسبی بیٹی کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس کے قائم مقام ہے۔اور فریق اول کی وسطی کے لئے اپنے برابر کے ساتھ۔اور وہ فریق ثانی کی علیا ہے۔سدس ہے تاکہ دوتہائی کی تکمیل ہو، اس لئے کہ جب فریق اول کی علیا بیٹی کے قائم مقام ہے تو اس سے کم درجہ واحدہ میں پوتی کے قائم مقام ہوگی۔

سفلیات کے لئے کچھ نہیں۔اور وہ نو میں سے باقی کی چھ بیٹیاں ہیں۔کیونکہ ان تینوں کے لئے دوتہائی مکمل ہوچکا۔لہٰذا باقی رہنے والیوں کے لئے فرض نہ رہا۔

اور نہ یقیناً ان کے لئے عصوبت ہے اس لئے وہ بالکل ترکہ کی وارث نہیں ہوگی۔ہاں اگر ان کے ساتھ کوئی لڑکا ہو تو وہ اپنے برابر والی کو اور اپنے سے اوپر والی کو عصبہ بنادے گا۔

۴۔(عینی) سگی بہنوں کے حالات......سگی بہن کے پانچ حالات ہیں ان میں سے تین تو وہی ہیں جو بیٹیوں کے ہیں اور باقی یہ ہیں۔❷

پہلا حال: نصف......اکیلی کے لئے جب وہ اپنے برابر کی اوراسے عصبہ بنانے والے سے الگ ہو یعنی جب اس کے ساتھ سگا بھائی نہ ہو جو اسے عصبہ بناتا، جیسے جب میت کے ورثا میں خاوند اور سگی بہن ہو تو ہر ایک کے لئے نصف فرض ہے۔

دوسرا: دوتہائی......دو یا دو سے زیادہ کے لئے جب عصبہ بنانے والا نہ ہو چنانچہ جب میت کے ورثاء میں ماں شریک بھائی اور دو سگی بہنیں ہوں تو ماں شریک بھائیوں کے لئے ایک تہائی اور دونوں سگی بہنوں کے لئے دوتہائی ہے اور جس کے ورثاء میں ماں اور دو سگی

---

❶......یہ عبارت بائیں سے دائیں پڑھی جائے بنت ابن۔❷السراجية ص ۴۰، تبيين الحقائق ۲۳۶/۶، القوانين الفقهية ص ۳۹۲ مغني المحتاج ۱۷/۳، المغني: ۱۷۴/۶۔

بہنیں ہیں تو ماں کو فرض سدس ملے گا اور دونوں بہنوں کو دوتہائی۔

اس کے بعد باقی ماندہ ماں اور دونوں بہنوں کی طرف ہر ایک کے حصے کی نسبت سے رد ہوگا۔

تیسرا: غیر کے ذریعہ عصبہ ہونا...... جب ایک یا ایک سے زائد سگی بہنوں کے ساتھ ایک یا ایک سے زائد سگے بھائی ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔ جیسے اگر ورثاء میں ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہو تو کل ترکہ ان دونوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن کا دوگنا ملے گا۔

چوتھا: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا...... جب ایک یا ایک سے زائد سگی بہنوں کے ساتھ بیٹی یا پوتی یا دونوں ایک ساتھ ہوں، ایک ہو یا ایک سے زائد اور بہن کے ساتھ سگا بھائی بھی نہ ہو جو اسے عصبہ بنا تا تو اس صورت میں ایک سگی بہن یا ایک سے زیادہ کے لئے اصحاب الفروض کے حصوں کے بعد باقی ماندہ ترکہ ہے جس کی وجہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی جس میں اسی شرعی قاعدہ پر عمل ہے (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ)۔ ❶

شیعہ امامیہ کا کہنا ہے...... بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ نہیں بنتی، اگر بیٹی اکیلی ہو تو باقی ماندہ اس پر رد ہوگا۔ چنانچہ جب ورثاء میں ایک بیٹی اور ایک سگی بہن ہو تو بیٹی کو فرض نصف ملے گا اور باقی ماندہ بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور بیٹی پوتی اور سگی بہن کی صورت میں، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تا کہ دوتہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی ماندہ سگی بہن کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

اور بیٹی، پوتی، خاوند، ماں اور دو سگی بہنیں جب ورثاء میں ہوں تو دونوں بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے کہ فروض کے بعد کوئی شے نہ بچی، بلکہ مسئلہ میں عول ہے، خاوند کو چوتھائی حصہ، ماں کو فرض سدس اور دونوں بیٹیوں (یعنی بیٹی اور پوتی) کو فرض دوتہائی ملے گا۔

اور جب دو بیٹیاں اور دو سگی بہنیں ہوں تو دونوں بیٹیوں کو دوتہائی تو فرض ملے گا جب کہ باقی ماندہ ترکہ دونوں بہنوں کو عصبہ ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ اور جب دو سگی بہنیں اور ایک پوتی ہو تو پوتی کو نصف فرض ملے گا اور باقی بہنوں کو عصبہ ہونے کی وجہ سے اور جب ورثاء میں ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہنیں سگے بھائیوں کے ساتھ ہوں تو اسے مسئلہ مشترکہ کہا جاتا ہے اور وہ خاوند، ماں، اور ماں شریک دو بھائی اور ایک سگا بھائی ہے لہٰذا یہ بھائی تہائی میں ماں شریک دونوں بھائیوں کے ساتھ شریک ہوگا اگر سگے بھائی کی جگہ باپ شریک بھائی ہوتا تو ساقط ہو جاتا۔

پانچواں: وارث مذکر فرع کی وجہ سے ساقط ہونا...... اور وہ بیٹیا، پوتا، پوتے کا پوتا وغیرہ ہیں۔ باپ کی وجہ سے بالاتفاق اور دادا کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، جس میں صاحبین اور دوسرے مسالک کا اختلاف ہے۔ مصر اور شام کے قانون نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی! لوگ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص ہلاک ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اسے ترکے کا نصف دیا جائے گا اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث

❶......اسی کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فیصلہ کیا (نیل الاوطار ۶/ ۵۸) اور حدیث ابن مسعود، ہزیل بن شرحبیل سے سوائے مسلم اور نسائی کے ایک جماعت نے نقل کی ہے اور حدیث معاذ، اسود سے ابوداؤد اور بخاری نے اس کے مفہوم میں (معناً) نقل کی ہے شوکانی فرماتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہے اگر اس کے ساتھ پوتی نہ ہو تو اپنا مقرر حصہ (فرض) لینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ لے گی جیسا کہ حدیث معاذ میں ہے اور اپنے اور پوتی کے فرض کے بعد باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گی جیسا کہ حدیث ہزیل میں ہے اور اس پر اجماع ہے۔

ہوگا اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ تر کے میں سے دوتہائی کی حق دار ہوں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکیلا اور مردوں کا دہرا حصہ ہوگا۔'' (النساء ۴/۱۷۶)

جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا کلالہ وہ شخص کہلاتا ہے جس کے ورثاء میں باپ بیٹا نہ ہو، مذکورہ آیت نے پہلی تین اور پانچویں حالت کی صراحت کی ہے اسی میں نصف اور دوتہائی، فرضوں، غیر کے ذریعہ عصبہ ہونے بیٹے۔ جس میں پوتا بھی داخل ہے۔ کی وجہ سے ساقط ہونے اور باپ کی وجہ سے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دادا بھی باپ کی طرح ہے۔ ساقط ہونے کی صراحت موجود ہے اور یہ بات اس ارشاد باری تعالیٰ سے ''وہ بے اولاد ہو اور اس کی ایک بہن ہو'' (النساء ۴/۱۷۶) اور لفظ کلالہ سے معلوم ہوتی ہے رہا چوتھا حال جو بہنوں کا بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہونے کا ہے تو وہ اس روایت سے معلوم ہوا جسے سوائے نسائی کے ایک جماعت نے ہزیل بن شرجیل سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی، پوتی اور بہن کے بارے یہ فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور بہن کو باقی ماندہ دیا اور مقررہ قاعدہ ہے ''(بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ) قانون مصری (م ۱۳،۱۹، ۲۰) اور شامی (م ۲۷۰، ۲۷۷، ۲۸۰) نے سگی بہنوں کے حالات کی تصریح کی ہے۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ بہنیں ذوی الفروض میں سے ہیں جب کہ بھائی عصبہ ہیں بہن بھائیوں پر ''حواشی'' کا اطلاق بھی ہوتا ہے جب یہ باپ شریک بھائیوں سے الگ ہوں تو نسبی اولاد کی طرح وارث ہوتے ہیں۔''

ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے سارا مال ہے اور مونث کے لئے نصف ہے جب کہ دو یا دو سے زائد کے لئے دوتہائی ہے اور جب دونوں صنف یکجا اور اکٹھی ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔

مثالیں: الف.....میت کے ورثاء میں ماں، سگی بہن اور بیوی ہے: تو ماں کا حصہ تہائی، جب کہ سگی بہن کا نصف اور بیوی کا چوتھائی ہے مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۳) میں عول ہوگا۔

ب.....میت کے پسماندگان میں ایک بیٹا، ایک سگی بہن اور باپ ہے تو باپ کا حصہ سدس اور باقی بیٹے کا ہے رہی سگی بہن تو اس کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ بیٹے اور باپ کی وجہ سے محجوب ہوگئی۔

ج.....میت کے ورثاء میں خاوند، ایک سگی بہن اور دادا دادی ہیں۔ خاوند کو نصف ملے گا اور سگی بہن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق محجوب ہو جائے گی۔

جب کہ جمہور کے نزدیک (جو حضرت زید کی رائے ہے) دادا، مقاسمہ، ثلث الباقی اور سدس میں سے افضل لے گا اور افضل اس کے لئے یہاں مقاسمہ ہے مسئلہ چھ ۶ سے ہوگا اور اٹھارہ (۱۸) سے تصحیح ہوگی خاوند کے (۹) دادی کے تین (۳) دادا کے (۴) سگی بہن کے (۲) حصے ہوں گے، مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ۔

د.....میت کے ورثاء میں بیٹی، سگی بہن اور ماں ہے۔ تو ماں کو سدس بیٹی کو نصف اور بہن کو بیٹی کے ساتھ عصبہ ہونے کی بنا پر باقی ترکہ ملے گا۔

ہ.....میت کے ورثاء میں بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سگا بھائی ہے، بیٹی کو نصف پوتی کو سدس تاکہ دوتہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی ترکہ بھائی اور بہن کے لئے مرد کے لئے عورت کے دوحصوں کے قانون کے مطابق ہے۔

باپ شریک بہنوں کے حالات (علاتی بہنیں)..... باپ شریک بہنوں کی چھ حالتیں ہیں جن میں سے پانچ تو وہی ہیں جو سگی بہنوں کی ہیں۔

پہلی: نصف......اکیلی کے لئے جب اپنی جیسی سے الگ ہواور نہ اس کے ساتھ باپ شریک یا سگی بہن ہو، سابقہ نفس آیت کو دلیل بناتے ہوئے جس میں سگی بہن کو وارث بنانے کا حکم ہے، جیسے جب ورثاء میں خاوند اور ایک باپ شریک بہن ہو تو ان دونوں کو نصف ملے گا۔

دوسری: دو تہائی......دو یا دو سے زیادہ کے لئے جب باپ شریک بھائی یا سگی بہنیں نہ ہوں جیسا کہ دو سگی بہنوں کی حالت ہے مثلاً ورثاء میں ماں شریک بھائی اور دو باپ شریک بہنیں ہیں تو ماں شریک بھائیوں کو ایک تہائی اور باپ شریک دو بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

تیسری: سدس......ایک کے لئے سگی بہن کے ساتھ، تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے جب باپ شریک بہن کے ساتھ باپ شریک بھائی نہ ہو جو اسے عصبہ بنانا۔
جیسا کہ اگر میت کے ورثاء میں بیوی، ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بہن ہو تو بیوی کو چوتھائی، سگی بہن کو نصف، فرض اور باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ فرض ملے گا جب کہ باقی ماندہ ترکے کا بہنوں پر رد ہوگا۔

چوتھی: غیر کی وجہ سے عصبہ ہونا......جب اس کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو۔ مثلاً جب میت کے ورثاء میں ایک باپ شریک بھائی اور ایک باپ شریک بہن ہو ذوی الفروض سے جو مال بچے وہ عصبہ لیتا ہے اور اگر فروض میں ہی سارا ترکہ تقسیم ہو جائے تو پھر باپ شریک بھائی اور بہن کے لئے کچھ نہیں۔

پانچویں: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا......اور یہ صورت بیٹی یا پوتی یا دونوں کے ساتھ ہے ایک یا ایک سے زیادہ۔ تو وہ ان لوگوں کے بعد باقی ماندہ ترکہ لے گی۔ جیسے بیٹی، پوتی اور باپ شریک بہن۔ اگر کسی شخص نے ورثا میں ایک بیٹی، ایک بیوی، ماں اور دو باپ شریک بہنیں چھوڑی ہیں تو بیٹی کو نصف بطور فرض ملے گا اور بیوی کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) فرض ہے کیونکہ فرع وارث موجود ہے اور اسی بنا پر ماں کے لئے سدس فرض ہے اور دوسری وجہ سے بہنوں کی موجودگی ہے اور دونوں بہنوں کے لئے باقی ماندہ ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے جو ان دونوں میں برابر سرابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

چھٹی حالت: میراث سے محجوب ہونا......جن وجوہات سے سگی بہن محجوب ہوتی ہے انہی سے باپ شریک بہن بھی محجوب ہو جاتی ہے یعنی وارث فرع (بیٹا، پوتا پوتے کا پوتا وغیرہ) اور باپ کے ہوتے ہوئے۔ اور باپ شریک بہن اپنے محجوب ہونے میں سگے بھائی کے ذریعہ بڑھ جاتی ہے۔ جیسے خاوند، سگا بھائی اور باپ شریک بہن۔ اور دو یا دو سے زیادہ سگی بہنوں کی وجہ سے، جیسے خاوند، دو سگی بہنوں اور ایک باپ شریک بہن ہو تو۔ البتہ جب باپ شریک بہن کے ساتھ اسے عصبہ بنانے والا اور وہ باپ شریک بھائی بنتا ہے، ہو چنانچہ وہ اگر ہو جسے مبارک بھائی کہا جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اصحاب الفروض سے باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گی مرد کو عورت کا دہرا حصہ ملے گا۔ اور سگی بہن کی وجہ سے جب وہ غیر کے ساتھ عصبہ ہو، جیسے بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بہن وارث ہوں۔
باپ شریک بہن، نسبی دادا کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی، امام ابو حنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اور باپ شریک بہنوں کو میراث دینے کی دلیل وہی دلیل ہے جو سگی بہنوں کو میراث دینے کی ہے کہ ان کو آپس کے مشترکہ حالات میں کس طرح میراث دی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لوگ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں'' آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے (جس کے نہ والدین ہوں) ''اور وہ بے اولاد ہو اور اس کی ایک بہن ہو'' (النساء ۴/۱۷۶) سے بالاتفاق سگی یا باپ شریک بہن

مراد ہے۔ رہا باپ شریک بہن کا سگے بھائی کی وجہ سے ساقط ہونا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے "ماں کی وہ اولاد جو عینی ہو وہ علاتی کے علاوہ وارث ہوتی ہے آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہوتا ہے نہ کہ باپ شریک بھائی کا" ❶ بنی اعیان جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے "سگے ہیں۔" اور بنی العلات باپ شریک بھائی اور بہن ہیں قانون مصری (م ۱۳، ۱۹، ۲۰) اور شامی۔ (م ۲۷۰، ۲۷۷، ۲۷۸) نے باپ شریک بہنوں کے چھ احوال کی تصریح کی ہے۔

مثالیں: الف...... کسی شخص کے ورثاء میں ماں، بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بہن ہے ماں کو چھٹا حصہ، بیٹی کو نصف، سگی بہن کو باقی ماندہ، جب کہ باپ شریک بہن کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ اس سگی بہن کی وجہ سے ساقط ہوگئی جو بیٹی کی وجہ سے عصبہ بنی تھی۔

ب...... میت کے ورثاء میں دو سگی بہنیں، دو باپ شریک بہنیں اور ایک باپ شریک بھائی ہے۔ سگی بہنوں کو دو تہائی، باپ شریک بہنوں اور بھائی کو باقی ماندہ کیونکہ وہ اس (بھائی) کی وجہ سے عصبہ ہو گئیں۔

ج...... میت کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک بیٹی اور ایک باپ شریک بہن ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ، بیٹی کو نصف اور باقی باپ شریک بہن کا ہے کیونکہ وہ بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔

د...... ایک عورت فوت ہوئی جس کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک سگا بھائی اور ایک باپ شریک بہن ہے، تو بیٹی کو نصف اور باقی سگے بھائی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور باپ شریک بہن کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ اس (سگے بھائی) کی وجہ سے محجوب ہوگئی۔

۶۔ ماں شریک بہن کے حالات...... اس کے حالات کا بیان ماں کی اولاد کے احوال میں پہلے ہو چکا ہے کیونکہ مذکر مؤنث برابر (یہاں استحقاق میں) برابر ہیں۔

۷۔ ماں شریک بہن کے حالات...... ماں کی تین حالتیں ہیں۔ ❷

پہلی: سدس (چھٹا حصہ)...... جب مطلقاً فرع وارث موجود ہو۔ جو بیٹا، پوتا اور پوتے کا بیٹا وغیرہ ہو یا بھائی بہنوں میں سے دو یا دو سے زیادہ خواہ کسی جہت سے ہوں موجود ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے والدین کو اس کے ترکے میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا۔" النساء ۴/۱۱

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اور اگر اس میت کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔" النساء ۴/۱۱

دوسری: سارے ترکے کا تہائی...... پہلی حالت میں مذکور فرع وارث اور بھائی کی تعداد نہ ہو اور نہ والدین کے ساتھ زوجین میں سے کوئی ایک ہو، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کو تہائی ملے گا اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔" النساء ۴/۱۱

اس آیت نے دونوں حالتوں میں ماں کے مقرر حصہ کی وضاحت کر دی اولاد ہو یا نہ ہو اور بھائیوں کی ایک تعداد موجود ہو اور یہ بہنوں کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ حقیقتاً "اخوۃ" کے لفظ کا اطلاق مذکر پر ہوتا ہے اور بطریق تغلیب مذکر مونث پر ہوتا ہے اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ میراث میں دو کا عدد جمع کے حکم میں ہے جیسا کہ ماں شریک دو بھائیوں کی میراث کے مسئلہ میں ہے، آپ صلی اللہ

❶...... رواہ احمد والترمذی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ. ❷السراجیة ص ۴۴۔۴۸ تبیین الحقائق ۶/ ۲۳۱، الشرح الصغیر: ۴/ ۶۲۲ مغنی المحتاج ۳/ ۱۵ الرحبیة ص ۳۰۔۳۱ المغنی ۶/ ۱۷۶ القوانین الفقهیة ص ۳۸۹۔

علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے" دو اور دو سے زیادہ جماعت نہیں" ❶ البتہ آیت میں باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئی ماں کے حکم کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے صحابہ میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آتی ہے۔

تیسری: باقی کا تہائی...... جب والدین کے ساتھ زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو، اور یہ مسئلہ عمریہ یا غراء ہے جیسے جب میت کے ورثاء میں خاوند اور ماں باپ ہوں۔ یا بیوی اور ماں باپ ہوں پہلی صورت میں خاوند کو نصف ملے گا چھ میں سے تین اور باپ کو عصبہ ہونے کی بناء پر باقی دیا جائے گا اور ماں کو خاوند کے حصہ کے بعد باقی کا تہائی ملے گا جو چھ میں سے ایک حصہ ہے اور دوسری صورت میں بیوی کے لئے بارہ (۱۲) میں سے چوتھائی ہے کیونکہ وارث فرع موجود نہیں۔ اور باپ کے لئے باقی جو چھ ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے، اور ماں کے لئے باقی کا تہائی ہے اور وہ تین حصے ہیں۔ اگر باپ کی جگہ دادا ہوتا تو ماں کا حصہ کل مال کا تہائی بنتا اور یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں دادا کی حالت باپ سے مختلف ہے۔ ان دونوں مسئلوں کو غراوین کہا جاتا ہے جو غراء کا تثنیہ ہے ان دونوں اغرّ کوکب (زیادہ روشن ستارے) کے ساتھ مشابہت دیتے ہوئے کیونکہ یہ دونوں مشہور ہیں اور عمریتین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کا فیصلہ فرمایا تھا۔

دلیل: ۱...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد" اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ٹھہریں تو اس کی ماں کا تہائی حصہ ہے"۔ (النساء: ۴/۱۱) یہ ضروری ہے کہ اس میں تہائی سے مراد وہی تہائی ہو جس کے والدین مستحق ہوتے ہیں نہ کہ کل مال کا تہائی، تا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اور اس کے والدین وارث ہوں" فائدے سے خالی نہ ہو۔ اور یہاں جس تہائی کے وہ مستحق ہو رہے ہیں وہ زوجین میں سے ایک کے حصہ کے بعد باقی ماندہ کا تہائی ہے۔

۲...... ہاں اگر ماں کل مال کا تہائی لے لیتی تو اس کا حصہ باپ سے دوگنا ہو جاتا بشرطیکہ خاوند ہوتا یا باپ کے حصہ کے قریب ہو جاتا اگر بیوی ہوتی۔ اور یہ اس نص کے مخالف ہے جس میں ہے کہ عورت کے لئے مرد کے حصے سے آدھا حصہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے: مسئلہ غراوین میں ماں کے لئے ترکے کا تہائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ظاہر ہے" اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تہائی حصہ ہے" (النساء ۴/۱۱) اس لئے کہ ضروری ہے اس میں تہائی سے مراد کل ترکے کا تہائی ہے اس واسطے کہ سدس کی نسبت کل کی طرف ہے اور مقرر حصہ نص سے ہی ہوتا ہے اور آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے" مقررہ حصوں کو ان کے مالکوں تک پہنچاؤ جو باقی بچ جائے اسے قریبی مرد رشتہ دار کو دے دو" اور ماں یہاں مقررہ حصے والی ہے اور باپ بذات خود عصبہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ماں اپنا مکمل حصہ لے پھر جو باقی، بچے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ باپ کا ہے۔

جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا مفہوم ہے خاص اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوئے ہوں۔ اور حدیث سے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ باپ میں عصبہ ہونا ہی محض نہیں۔ قانون مصری (م ۱۴) اور شامی (م ۲۷۱) نے ماں کے تینوں حالات کی تصریح کی ہے۔ اور غراوین کے دونوں مسئلوں میں جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

۸۔ دادی کے حالات: دادی...... وہ ہوتی ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں رشتہ دار جد (نانا) داخل نہ ہو اور یہ (جدہ) والدین میں سے کسی ایک کی ماں ہوتی ہے جیسے ماں کی ماں، باپ کی ماں، دادا کی ماں، باپ کی ماں کی ماں، اسے جدۂ صحیحہ یا ثابتہ کہا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں جدہ رحمیۃ یا جدہ فاسدۃ (نانی) ہوتی ہے جس کی میت کے ساتھ نسبت میں رشتہ دار جد (نانا) داخل ہو

❶......رواہ ابن ماجہ وابن عدی عن ابی موسیٰ ورواہ احمد والطبرانی وابن عدی عن ابی امامۃ ورواہ الدارقطنی عن ابن عمرو، بلفظ "اثنان"۔

جیسے ماں کے باپ کی ماں، باپ کی ماں کے باپ کی ماں، یہ ذوی الفروض میں سے نہیں بلکہ ذوی الارحام (یعنی رشتہ داروں میں سے ہے۔ جدہ ابویہ اور جدہ امویہ کی دو حالتیں ہیں۔ ❶

پہلی...... ماں کی عدم موجودگی میں ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے سدس ہے خواہ وہ جس جہت سے ہو۔ ابویہ ہو یا امویہ دونوں جہتوں سے ہوں (یعنی دوہری رشتہ داری والیاں) جب وہ تعداد میں کئی ہوں اور درجہ میں برابر ہوں جیسے نانی، دادی کے ساتھ، تو وہ دونوں سدس کو آپس میں برابر سرابر تقسیم کریں گی۔ اور اگر درجہ میں متفاوت ہوں تو ان میں سے زیادہ قریبی زیادہ بعید والی کو محجوب کر دیتی ہے۔

دوسری: محجوب یا ساقط ہونا...... جدۂ مطلقا (ابویہ ہو یا امویہ یا دونوں جہتوں سے دوہری قرابت والی ہوں) ماں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے اور جدہ ابویہ باپ کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے پس جب کبھی بھی ماں موجود ہوئی تو جدات میں سے کوئی بھی کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی اور جب باپ موجود ہوا تو ابویہ وارث نہیں ہوں گی اسی طرح ابویہ دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں جب اس کے ذریعہ نسبت رکھیں جیسے پردادی، اور اگر وہ اس کے ذریعہ نسبت نہ رکھے تو دادا انہیں محجوب نہیں کرتا اور اگر پشت اور آگے ہو جائے جیسے دادی کی ماں تو وہ اس کی جانب سے نہیں بلکہ اس کی بیوی یا بیوی کی ماں ہے۔ رہی جدہ امویہ تو وہ باپ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی مثلاً میت کے ورثاء میں باپ اور نانی ہے تو وہ باپ کے ساتھ سدس کی وارث ہوگی اس لئے کہ اسے اس کی وجہ سے نسبت نہیں حاصل۔

دوہری رشتہ داری والی جدہ...... کوئی عورت اپنے پوتے کی شادی اپنی نواسی کو دے اب ان سے پیدا ہونے والا جو بچہ ہوگا یہ عورت اس بچہ کے باپ کی جہت سے اس کی دادی ہے کیونکہ یہ اس کے باپ کے باپ کی ماں ہے اور اپنی ماں کی طرف سے اس کی نانی ہے اس لئے کہ وہ اس کے باپ کی ماں کی ماں ہے اور ایک رشتہ والی جدہ اس جدہ کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور وہ اولاد کے باپ کی ماں کی ماں ہے۔

جدہ کے مطلقاً ماں کی وجہ سے محجوب ہونے کا سبب، جب کہ باپ کی وجہ سے صرف ابویات ہی محجوب ہوتی ہے: یہ ہے کہ سبب اور نسبت میں سے ہر ایک کے متحد ہونے کا حجب پر اثر ہے، چنانچہ باپ کی ماں باپ کی وجہ سے صرف نسبت کی بنا پر محجوب ہوتی ہے اور ماں کی وجہ سے سبب کے ایک ہونے پر جو ماں ہونا ہے کی بنا پر محجوب ہو جاتی ہے رہی ماں کی ماں تو وہ باپ کے ساتھ بھی وارث ہوتی ہے اس لئے یہاں نسبت اور سبب کے متحد ہونے میں سے ہر ایک معدوم ہے اور ماں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ لہٰذا حجب میں دو میں سے ایک امر کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائے گا۔ نسبت اور سبب کا متحد ہونا۔

جدہ کی میراث کی دلیل...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس چھٹا حصہ دیا❷ اور یہ کہ آپ علیہ السلام نے دو جدہ (دادی، نانی) کے لئے میراث میں سے ❸ سدس کا فیصلہ فرمایا۔

اور یہ کہ آپ نے ❹ ماں کی عدم موجودگی میں جدہ کے لئے سدس مقرر کیا ہے، اور آپ نے تین جدات کو سدس دیا، جن میں سے دو باپ کی جانب سے تھیں اور ایک ❺ ماں کی طرف سے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نانی کے لئے سدس مقرر کیا۔

---

❶......السراجیة ص ۴۸۔ ۵۱ تبیین الحقائق ۲۳۱/۶ الشرح الصغیر ۶۲۵/۴ مغنی المحتاج ۱۶/۳، المغنی ۲۰۶/۶۔ ۲۱۲۔

❷رواه الخمسة الا النسائی عن قبیصة بن ذویب وصححه الترمذی۔ ❸رواه ابوداؤد عن عبادة بن الصامت۔ ❹رواه الدارقطنی مرسلاً عن عبدالرحمن بن یزید۔ ❺رواه مالک فی المؤطا عن القاسم بن محمد (راجع الکل فی نیل الاوطار: ۵۹/۶.)

وراثت پانے والی جدہ کی پہچان...... جب جدات تعداد میں کئی ہوں تو وارث ہونے والی جدہ کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس صورت میں ماں کی جانب سے وارث ہونے والی ہمیشہ ایک ہوگی۔ اس لئے کہ جب بھی ان میں کوئی اب خلل انداز ہوگا تو وہ فاسد ہوگا۔ تعدد تو ان جدات میں ہوتا ہے جو باپ کی جانب سے ہوں اور یہ تعدد درجہ کے تعدد سے ہوتا ہے۔

چنانچہ دوسرے درجہ کی جدات دو ابویہ میت کی وارث ہوں گی اس لئے کہ ہر ایک کے لئے باپ، باپ کی ماں اور ماں ہو جاتی ہے اور تیسرے درجہ میں یعنی جو میت سے تین درجات دور ہے تو میت کی تین ابویات وارث ہوں گی چوتھے درجہ میں چار اور پانچویں درجہ میں پانچ اسی طرح ہر درجہ میں، صرف ایک وارثہ زیادہ ہوگی جدۂ قربیٰ خواہ جس جہت سے ہو جدۂ بعدیٰ کو خواہ جس جہت سے ہو محجوب کردے گی چنانچہ باپ کی ماں (دادی) ماں کی ماں کی ماں (پڑنانی) باپ کے باپ کی ماں (پڑدادی) اور باپ کی ماں کی ماں (دادی کی ماں) کو محجوب کردے گی اس لئے کہ یہ درجہ میں ان سے زیادہ قریبی ہے لہٰذا میراث میں ان سے مقدم ہوگی۔ اور نانی، پڑدادی اور دادی کی ماں اور پڑنانی کو محجوب کردے گی کیونکہ یہ درجہ میں ان سے زیادہ قریبی ہے۔ وارث ہونے والی جدات کی تعدادیوں معلوم کی جاسکتی ہے کہ جس عدد کی مقدار آپ چاہتے ہیں اسے لفظ (ام) سے ذکر کریں پھر ہر مرتبہ میت کی طرف سے آخری ام کو اب سے تبدیل کردیں یہاں تک کہ ایک ام رہ جائے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان وارث ہونے والی چار جدات کے بارے میں پوچھے کہ ماں کی ماں کی ماں کی ماں (سکڑنانی) دادی کی نانی، دادا کی نانی، پڑدادا کی ماں میں سے کون سی وارث ہوگی؟ تو زیادہ قریب اموںیہ ہے باقی ابویات ہیں۔

قانون مصری (م ۱۴) اور شامی (م ۲۷۲) نے جدۂ کی حالتوں کی صراحت کی ہے۔

مثالیں: الف...... میت کے ورثاء میں، ماں، نانی، اور باپ ہے تو ماں کو تہائی ملے گا جب کہ نانی ماں کی وجہ سے محجوب ہے اسے کچھ نہیں ملے گا اور باپ کو باقی ملے گا۔

ب...... میت کے پسماندگان میں دادا، نانا اور پردادی ہے۔ تو سارا مال دادا کا ہے نانا کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ رشتہ دار جد ہے اور نہ پردادی کو کچھ ملے گا اس واسطے کہ وہ دادا کی وجہ سے محجوب ہے۔

ج...... کسی کے ورثاء میں چار جدات ہیں جن میں سے ماں کی نانی، باپ کی نانی باپ کی دادی، ماں کی دادی اور ایک چچا ہے تو پہلی تین جدات مشترکہ طور پر سدس کی وارث ہوں گی جب کہ چوتھی جدہ کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ رشتہ دار جدہ (جسے جدہ فاسدہ غیر صحیحہ کہا جاتا) ہے جس کا تعلق میت سے جد فاسد کے ذریعہ ہے۔ اور باقی ماندہ چچا کے لئے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

عام مثالیں مع حل و تعلیل: ۱...... ایک عورت فوت ہوگئی جس کے ورثاء میں خاوند، ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بھائی ہے تو خاوند کو نصف، بہن کو نصف ملے گا باپ شریک بھائی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اس کے لئے کچھ بچا نہیں۔

۲...... ایک شخص کے ورثاء میں ایک بیٹا، بیوی، ماں اور باپ ہیں بیوی کو آٹھواں حصہ باپ کو سدس، ماں کو سدس اور باقی ۲۴/۱۳ بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

۳...... ایک عورت کے بوقت انتقال یہ ورثا تھے خاوند، ماں باپ اور بیٹا تو یہاں بیٹے کی وجہ سے خاوند کو چوتھائی ملے گا باپ کو سدس ماں کو سدس اور باقی ۱۲/۵ بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ نسبی ہے۔

۴...... ایک عورت کے ورثاء میں دو بیٹے، خاوند باپ اور ماں کی ماں کی جدہ ہے تو خاوند کو چوتھائی ملے گا اور باپ اور جدہ ہر ایک کو سدس ملے گا اور باقی ۲۴/۱۰ دونوں بیٹوں کو ہر ایک ۵ ملے گا۔

۵...... میت کے ورثاء میں بیوی، بیٹی، پوتی بیٹے کا پوتا اور ماں ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تاکہ دو تہائی کی

تکمیل ہو جائے اور ماں کو سدس ملے گا اور باقی ۲۴/۱ بیٹے کے پوتے کو ملے گا۔

۶.....میت کے ورثاء میں بیوی، باپ دو بیٹیاں اور پوتے کا بیٹا ہے بیوی کو آٹھواں حصہ دو بیٹوں کی وجہ سے، باپ کو سدس، اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا جب کہ باقی ۲۴/۱ بیٹے کے پوتے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

۷.....کسی کا انتقال ہوا اور ورثاء میں بیوی، باپ، ماں اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیوی کو آٹھواں حصہ، دونوں بیٹیوں کو دو تہائی، ماں کو سدس باپ کو سدس بطور فرض، عصبہ ہونے کی وجہ سے لینے کے لئے کوئی چیز نہیں، مسئلہ کا عول ۲۴ سے ۲۷ تک ہوگا۔

۸.....ایک عورت کے ورثاء میں باپ، دو بیٹیاں اور خاوند ہے خاوند کو چوتھائی اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی، باپ کو سدس ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے لینے کی کوئی شے نہیں رہی۔

۹.....ایک شخص کے ورثاء میں بیوی، باپ، بیٹی، پوتی اور پوتا ہے، بیوی کو آٹھواں حصہ، باپ کو سدس، بیٹی کو نصف جب کہ باقی ۲۴/۵ پوتے اور پوتی کا ہے اس واسطے کہ وہ دونوں غیر کی وجہ سے عصبہ ہیں چنانچہ پوتی ۲۷/۵ اور پوتا ۲۷/۱۰ وصول کرے گا۔

۱۰.....ایک عورت کے ورثاء میں خاوند، اور پوتی ہے خاوند کو چوتھائی بطور فرض ملے گا اور پوتی کو نصف فرض اور باقی جو چوتھائی ہے ردکی وجہ سے ملے گا۔

۱۱.....ایک عورت کے ورثاء میں خاوند، پوتی، سگی بہن اور ماں ہے۔ خاوند کو فرض چوتھائی، ماں کا فرض سدس جب کہ باقی ۱۲/۱ سگی بہن کو پوتی کے ساتھ جو غیر کے ساتھ عصبہ ہے ملے گا۔

۱۲.....ایک عورت کے ورثاء میں خاوند، سگی بہن، باپ شریک بہن اور ماں شریک بہن، ہے خاوند کا فرض نصف ماں کا سدس، سگی بہن کو نصف، باپ شریک بہن کو سدس تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور مسئلہ کا عول (۶ سے ۸) تک ہوگا۔

۱۳.....ایک شخص کے ورثاء میں بیوی، ایک سگی بہن اور ماں ہے جو سب مقررہ حصوں والے ہیں (جنہیں اصحاب الفروض کہا جاتا ہے) چنانچہ بیوی کو چوتھائی، سگی بہن کو نصف، ماں کو تہائی، کیونکہ اس کے ساتھ میت کی وارث فرع (اولاد) نہیں اور نہ دو بہن بھائی ہیں مسئلہ کا عول (۱۲ سے ۱۳) تک ہوگا۔

نویں فصل: عصبات.....عصبہ کی تعریف، عصبات کی تقسیم اور قسمیں ہر نوع کی میراث کا حکم۔ ❶

عصبات، عصبہ کی جمع ہے، میت کے رشتہ داروں میں سے وہ مذکر رشتہ دار جس کی میت کے ساتھ نسبت میں عورت شامل نہ ہو مرد کے عصبہ: اس کا باپ اس کے بیٹے اور اس کے باپ کی قرابت والے لوگ ہیں۔ اس کو عصبہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قریبی انسان کا احاطہ اور اس کا دفاع کرتے ہیں۔ فقہاء نے عصبہ کا لفظ واحد کے لئے استعمال کیا ہے اس لئے کہ سارے مال کو سمیٹنے میں یہ جماعت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ لفظ عصبہ میں اصل یہ ہے کہ جمع ہے اہل لغت اس کے مصدر کے بارے میں فرماتے ہیں: عصوبہ، مذکر، مونث کو عصبہ بناتا ہے عصبہ کا اطلاق واحد جمع مذکر اور مونث پر ہوتا ہے اور اس کی جمع عصبات آتی ہے۔

علم میراث میں عصبہ..... ہر وہ شخص ہے جو خاص طور پر ترکہ سمیٹ لے یا جو اصحاب الفروض باقی چھوڑیں اسے جمع کر لے۔ اور جب ان سے کچھ نہ بچے تو وہ کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا، مرتبہ میں یہ اصحاب الفروض کے بعد ہوتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اہل میراث کی اصطلاح میں عصبہ وہ ہے جن کا حصہ مقرر نہ ہو۔

---

❶.....السراجیة: ص ۷۰۔ ۸۲ تبیین الحقائق ۶/۲۳۷ اللباب ۴/۱۹۳ الشرح الصغیر ۴/۶۲۵۔ ۶۳۱ مغنی المحتاج ۳/۱۷۔ ۲۰ الرحبیة ص ۳۸ المغنی ۶/۱۶۸، ۱۷۵، ۱۸۲، الدر المختار ۵/۵۴۶، ۵۵۰ کشاف القناع ۴/۴۷۰۔ ۴۷۶۔

اس کا حکم...... جوفروض باقی چھوڑیں اسے وصول کرے اور جب اکیلا ہو مستقل طور پر سارے مال کو لے لے۔

عصبہ کی تقسیم...... عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔عصبہ نسبیہ، عصبہ سببیہ۔

ا۔**عصبہ سببیہ**...... یہ معتق کا عصبہ ہوتا ہے جسے وہ آزاد کرے پھر اس کے عصبہ عصبہ بالنفس کی آئندہ ترتیب کے مطابق ہیں۔ مولی عتاقہ جسے آزاد کرے اگر اس (آزاد کردہ) کے اصحاب الفروض وارث اور عصبہ نسبیہ نہ ہوں تو یہ اس کا وارث ہوتا ہے یہ حکمی قرابت ورشتہ داری اس کا سبب عتق ہے کیونکہ آقا نے غلام پر احسان کیا ہے چونکہ غلامی کا وجود نہیں اس لئے اس نوع کی بحث کی ضرورت نہیں صرف تخصص کرنے والے کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔معتق کے عصبہ کی ترتیب یہ ہے معتق کا بیٹا عصبات میں سے زیادہ حق دار ہے پھر اس کا پوتا آخر تک پھر اس کا باپ دادا پر دادا وغیرہ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''ولاء نسبی رشتہ داری کی طرح ہے''[1] کیونکہ معتق (آزاد کرنے والا) معتق (آزاد کردہ) کو زندگی دینے کا سبب ہے جیسا کہ باپ اولاد کو وجود دینے کا سبب ہے اس حیثیت سے کہ آزادی انسان کی زندگی ہے جو اس کے لئے مالک ہونے کی صفت کو ثابت کرتی ہے۔

اور غلامی ضیاع اور ہلاکت ہے جیسے بیٹا باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے اسی طرح معتق معتق کی طرف ولاء کی وجہ سے منسوب ہو جاتا ہے۔میراث نسب سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح ولاء سے ثابت ہوتی ہے۔جو معتق اور اس کے عصبہ کی حدود تک رہتی ہے لہٰذا شریعت نے معتق کا تعلق اس کے آزاد کردہ کے ساتھ رشتہ دار کے تعلق کا اس کے قریبی کے ساتھ جڑنے والے حکم میں رکھا ہے چنانچہ جب وہ اکیلا ہو تو سارے مال کا اور جب اصحاب الفروض پائے جائیں تو باقی کا وارث ہوگا۔معتق کی مؤنث ورثاء کے لئے کچھ نہیں ہاں اگر ان کے آزاد کردہ کی ولاء ہو تو جدا بات ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:عورتوں کے لئے صرف ان کے آزاد کردہ یا جیسے ان کے آزاد کردہ آزاد کریں اس کی ولاء ہے۔''[2]

پہلے عتق کی وجہ سے میراث کی دلیل ذکر ہو چکی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے''ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے'' عصبۂ سببیہ کا مرتبہ عصبہ نسبیہ کے بعد ذوی الفروض پر رَد کرنے اور ذوی الارحام کی میراث سے پہلے ہے۔حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے مروی ہے کہ عصبہ سببیہ کی میراث ذوی الارحام کی میراث سے مؤخر ہے۔ قانون مصری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کا مذہب اختیار کیا ہے، تو عصبہ سببیہ اسی وقت وارث ٹھہرے گا جب میت کا قرابت دار یا رشتۂ زوجیت کا وارث نہ ہو۔

۲:عصبہ نسبیہ اس کی اقسام اور ہر نوع کا حکم

عصبہ نسبیہ کی تعریف...... میت کے وہ مرد (مذکر) رشتہ دار جن کے اور میت کے درمیان کوئی عورت واسطہ نہ ہو، جیسا بیٹا، باپ، بھائی، چچا، بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ اور بہن بیٹی کے ساتھ، یہ لوگ ذوی الفروض سے باقی ماندہ کے وارث ہوتے ہیں۔اور میت

---

[1]......رواہ الطبری عن عبداللہ بن ابی اوفی والحاکم والبیہقی عن ابن عمر وتتمتہ : ''لا یباع ولا یوھب، وھو صحیح۔ [2] أخرج ابن ابی شیبۃ وعبدالرزاق والدارمی والبیھقی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: میراث الولاء للاکبر من الذکور ولا ترث النساء من الولاء الا ولاء من اعتقن او اعتقہ من اعتق (نیل الا وطار: ۶۹/۶) وقال فی الدرالمختار (۵۵۰/۵) عن حدیث ''لیس للنساء......'' وھو وان کان فیہ شذوذ (انفراد راویہ) لکنہ تاید بکلام کبار الصحابۃ مضار بمنزلت الشھوت

کے ساتھ نسبت میں کوئی عورت حائل ہو تو وہ شخص ذوی الارحام میں سے ہوگا، جیسے نانا، نواسہ یا ذوی الفروض میں سے ہوگا جیسے ماں شریک بھائی۔

ان کے وارث ہونے کی دلیل...... اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں (میراث کا یہ) حکم دیتا ہے کہ مذکر کیلئے مونث کا دہرا حصہ ہے'' (النساء ۴/۱۱) پھر ماں باپ کا حصہ بیان فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد ماں باپ کے حصوں کے بعد باقی ... وصول کرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اگر وہ بھائی بہنیں ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دہرا حصہ ہے'' سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کی جہت عصبہ نسبیہ کی جہات میں سے ہے۔ اور انہی دونوں آیات سے'' بھی معلوم ہوا کہ مقرر حصے والی عورت اپنے بھائی کے ہمراہ عصبہ بن جاتی ہے تاکہ اس اصول کی حفاظت ہو کہ مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوتا ہے۔

اور سنت نے میت سے تعلق رکھنے والے مرد رشتہ دار کے لئے عصبہ ہونے کو ثابت کیا ہے جس کی صراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے'' فرائض کو ان کے حق داروں تک پہنچاؤ جو بچ جائے تو وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے'' مراد رشتہ داری کی نزدیکی ہے۔

اس کی اقسام...... عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ **عصبہ بنفسہ**...... میت کا ایسا مذکر رشتہ دار جس کی میت کے ساتھ نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو ایسے افراد کے چار جہات ہیں جو ایک دوسرے سے مقدم ہیں ان کا حصہ بارہ افراد میں ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مندرجہ ذیل ترتیب پر ہیں۔

الف: بیٹا ہونے کی جہت...... میت کا جزء جیسے بیٹا، پوتا، پوتے کا بیٹا وغیر۔

ب: باپ ہونے کی جہت...... یہ میت کے باپ کا جزء ہوتا ہے جیسے سگا بھائی یا باپ شریک بھائی، سگے بھائی اور باپ شریک بھائی کا بیٹا۔

د: چچا ہونے کی جہت...... اور یہ میت کے دادا کا جزء ہوتا ہے جیسے سگا چچا اور پھر دادا شریک چچا اور ان دونوں کے بعد سگے چچے کا بیٹا اور پھر دادا شریک چچے کا بیٹا جہاں تک درجہ بدرجہ پہنچنے پھر اس (میت) کے باپ کا سگا چچا یا باپ شریک چچا یا باپ کے سگے چچے یا باپ شریک'' چچے کا بیٹا۔ پھر دادا کا چچا پھر اس کا بیٹا، قریب بعید سے مقدم ہوگا۔

بیٹے ہونے کی جہت کو باپ ہونے کی جہت سے مقدم رکھا جائے گا اور باپ ہونے کی جہت کو بھائی ہونے کی جہت سے، اور یہ جہت چچا ہونے کی جہت سے مقدم ہوگی۔

ترجیح پہلے جہت کی وجہ سے ہوتی ہے پھر قریب درجہ کی وجہ سے پھر قوت قرابت کی وجہ سے، علامہ جعبری کا قول ہے:

فبالجهة التقديم ،ثم بقربه وبعدهما التقديم بالقوة اجعلا

یعنی پہلے سابقہ جہات میں سے جہت کی وجہ سے تقدیم ہوگی پھر میت سے قرب کی وجہ سے پھر قوت کی وجہ سے یعنی سگا، باپ شریک سے مقدم ہوگا۔

اول: جہت کی وجہ سے ترجیح...... سب سے پہلے جہت کو ترجیح ہوگی جب بعض عصبہ بیٹے ہونے کی جہت سے اور دوسرے باپ ہونے کی جہت سے یکجا ہو جائیں۔ تو پہلے گروہ کو دوسرے پر ترجیح ہوگی یعنی فرع کی جہت اصل کی جہت سے مقدم ہوگی اور یہ جہت بھائی ہونے کی جہت سے مقدم ہوگی اور یہ چچا ہونے کی جہت سے مقدم ہوگی۔ چنانچہ میت کا بیٹا، پوتا (پوتے کا بیٹا وغیرہ) میراث میں

عصوبت کی جہت سے میت کے اصول (آباء واجداد) سے مقدم ہوں گے اور اصول بھائیوں وغیرہ سے مقدم ہوں گے اور یہ چچاؤں وغیرہ سے مقدم ہوں گے۔ لہٰذا اگر میت نے ورثاء میں بیٹا اور باپ یا باپ اور بھائی یا بھائی اور چچا چھوڑا تو بیٹے کو مقدم کیا جائے گا اور وہ باقی ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرلے گا۔ اور باپ صرف اپنا فرض جو چھٹا حصہ ہے لے گا۔ اور دوسری مثال میں سارا مال باپ کو عصبہ ہونے کی بناپر ملے گا جب کہ بھائی کے لئے کچھ نہیں۔ اور تیسری مثال میں سارا مال بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا جب کہ چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔ بیٹیوں کو باپ سے مقدم رکھنے کا سبب: یہ ہے کہ انسان کی فرع (اولاد) کا تعلق اس کے اصول سے زیادہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکے میں سے چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو۔ (النساء ۴/۱۱) تو اللہ تعالیٰ نے باپ کو فرض (مقرر حصے) والا اور اولاد کو عصبہ قرار دیا ہے اور پوتوں کو خواہ جہاں تک ہوں باپ سے مقدم رکھا جائے گا اس واسطے کہ وہ بیٹے ہونے کی جہت سے ہیں اور یہ باپ ہونے کی جہت سے مقدم ہے۔

اصول، بھائیوں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں کیونکہ اصول بھائیوں سے تعلق کا واسطہ ہیں لہٰذا میراث میں ان سے مقدم ہوئے۔

دوم: **میت سے قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح**...... پھر قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح ہوگی جس کا درجہ زیادہ قریبی ہوگا اسے دوسرے سے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ بیٹا، پوتے سے باپ، دادا سے بھائی، بھتیجے سے چچا، چچازادسے اور میت کا، چچا باپ کے چچا سے مقدم ہوگا۔ اس وقت قوت قرابت کا اعتبار نہ ہوگا، باپ شریک بھائی سگے بھتیجے کو اور باپ کا چچا سگے، چچا کے بیٹے کو محجوب کردے گا۔

سوم: **قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح**...... جب درجہ ایک ہو تو میت سے قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح ہوگی لہٰذا جس کی دہری رشتہ داری ہوگی وہ اکہری (سنگل) رشتہ داری والے سے مقدم ہوگا جیسے سگا بھائی، باپ شریک سے اور سگا بھتیجا، باپ شریک بھائی کے بیٹے سے اور سگا، بھائی، باپ شریک سے اور سگا بھتیجا، باپ شریک بھائی کے بیٹے سے اور سگا، چچا دادا شریک چچا سے، اور سگے چچا کا بیٹا دادا شریک، چچا کے بیٹے سے مقدم ہوگا یہی ماں باپ کے چچا، اور دادا کے چچا کا ہے۔

پھر اگر عصبات، جہت، درجہ اور قوت قرابت میں برابر ہوں تو سب برابر کے شریک ہوں گے۔ چنانچہ اگر میت نے ورثاء میں ایک طرف ایک بھتیجا اور دوسری جانب دس بھتیجے چھوڑے تو مال ان کے درمیان رؤس کے اعتبار سے تقسیم ہوگا نہ کہ ان کے حالات کے لحاظ سے۔

جمہور کے نزدیک عصبات کی ترتیب...... سابقہ ترتیب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جب کہ جمہور (ائمہ ثلاثہ اور صاحبین) اور اسی کو مصروشام کے قانون نے اپنایا ہے، نے دادا کو بھائیوں کے ساتھ ایک درجہ عصوبت میں شمار کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سگے بھائیوں کو اصول میں باپ کے علاوہ کوئی محجوب نہیں کرتا۔

ان حضرات کے نزدیک عصبات کی ترتیب اس طرح ہے:

۱: **بیٹے ہونے یا میت کا جزء ہونے کی جہت**...... جو بیٹے، پوتے اور پوتے کے بیٹے وغیرہ ہیں۔

۲: **باپ ہونے یا اصل میت کی جہت**...... جو صرف باپ تک محدود ہے۔

۳...... دادا سگے بھائیوں یا باپ شریک بھائیوں کے ساتھ نہ کہ ان کے بیٹوں کے ساتھ۔

۴...... سگے یا باپ شریک بھائیوں کے بیٹے، پوتے پڑپوتے وغیرہ۔

۵: چچا ہونے کی جہت...... جومیت اور اس کے آباء واجداد کے چچاؤں اور ان کے بیٹوں کو شامل ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۲: دوسرے کی وجہ سے عصبہ...... یہ ہر وہ عورت ہے جس کا حصہ مقرر ہو، جس کے ساتھ اسی کے درجہ کا کوئی مذکر (وارث) پایا جائے۔ جس کی وجہ سے یہ عورت عصبہ بن جاتی ہے، یہ قسم صرف انہی کو شامل ہوگی جن کا مقرر حصہ اکیلے ہونے میں نصف اور زیادہ ہونے میں دوتہائی ہو اور ایسی چار ہی ہیں:

۱......ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیاں اپنے ہم درجہ بیٹے کے ساتھ۔ جب کہ پوتے کے ساتھ فرض والی ہوں گی۔

۲......ایک یا ایک سے زیادہ پوتیاں اپنے ہم درجہ پوتے کے ساتھ خواہ وہ ان کا بھائی ہو یا چچازاد، اسی طرح پوتے کے بیٹے کے ساتھ جو ان سے کم درجہ ہو جب ان کے لئے دوتہائی میں سے کچھ نہ ہو تو اس کی ضرورت کی وجہ سے اس (پڑپوتے) کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اگرچہ وہ درجہ میں ان سے کم ہے۔ یہاں تک کہ وہ میراث سے محروم نہ ہوں اور اسے (میراث کو) ان سے کم درجہ لے لیں (اور یہ محروم رہ جائیں) اور اگر اس (پڑپوتے) کی ضرورت نہ ہو جیسے بیٹی اور پوتی تو وہ انہیں عصبہ نہیں بنائے گا اور جب پوتا پوتے سے بلند درجہ ہو تو اسے محجوب کردے گا جیسے پڑپوتی پوتے کے ساتھ ہو۔

۳......سگی بہن اپنے سگے بھائی کے ساتھ، پھر اگر اس (بہن) کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو تو اسے نصف بطور فرض ملے گا اور زیادہ ہوں تو دوتہائی۔

۴......باپ شریک بہن باپ شریک کی وجہ سے......خواہ اس کا سگا ہو یا نہ رہی وہ عورت جس کا مقرر حصہ نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہے جیسے، پھوپھی چچا کے ساتھ اور چچازاد بہن، چچازاد بھائی کے ساتھ اور بھتیجی، بھتیجے کے ساتھ تو یہ اپنے بھائی کی وجہ سے عصبہ نہیں ہوگی کیونکہ یہ فرض (مقرر حصے) والی نہیں۔

۳: غیر کے ساتھ عصبہ...... یہ ہر وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے اس کی صرف دو حالتیں ہیں۔

۱......ایک سگی بہن یا ایک سے زیادہ۔ بیٹی یا کئی بیٹیوں، یا ایک پوتی یا کئی پوتیوں کے ساتھ۔

۲......ایک یا ایک سے زیادہ باپ شریک بہنیں، اسی طرح ایک بیٹی یا کئی بیٹیوں یا ایک پوتی یا کئی پوتیوں کے ساتھ، ایک بیٹی یا کئی بیٹیوں یا ایک پوتی یا کئی پوتیوں سے جو باقی بچے گا وہ ایک بہن یا کئی بہنوں کو ان کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ سابقہ قاعدہ کی وجہ سے (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی وجہ سے کہ آپ نے بہن کے لئے بیٹی اور پوتی کے ساتھ باقی ماندہ کا فیصلہ فرمایا۔

یوں وہ سگی بہن جو بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ بنتی ہے سگے بھائی کی طرح ہوگئی اور وہ مطلقاً باپ شریک بھائیوں کو محجوب کردے گی۔ اور باپ شریک بہن جو غیر کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹی یا پوتی کے ساتھ وہ باپ شریک بھائی کی طرح ہو کر سگے بھتیجے اور اس کے بعد والوں کو محجوب کردی گی۔ البتہ جب بہن کے ساتھ اس کا بھائی ہو تو عصبہ بالغیر ہو جاتی ہے نہ کہ عصبہ مع الغیر جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور باقی ماندہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان ''مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا'' کے تحت تقسیم ہوگا۔

پہلی حالت کی مثال...... بیٹی، پوتی، سگی بہن اور باپ شریک بھائی ہے: بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تا کہ دوتہائی کی تکمیل ہو جائے اور بہن کو باقی ماندہ ملے گا۔

جب کہ باپ شریک بھائی کو کچھ نہیں ملے گا وہ سگی بہن کی وجہ سے محجوب ہوگا۔ کیونکہ وہ بیٹی اور پوتی کے ساتھ عصبہ بن گئی۔

جہاں قانون مصری (م ۱۶۔ ۲۲) اور شامی (م ۲۷۴۔ ۲۸۰) کا تعلق ہے تو دونوں نے عصبہ بنفسہ کی اقسام، ترجیح کے طریقہ اور دادا کے بھائیوں کے ساتھ حالات کی سابقہ طرز کے مطابق جو شرعاً مقرر ہے صراحت کی ہے۔

مثالیں: ۱.....میت کے ورثاء میں باپ، ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک سگی بہن ہے، باپ کو صرف سدس ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے کچھ نہیں کیونکہ بیٹا موجود ہے اور بیٹا بیٹی کو "مرد کو عورت کا دوگنا" کے تحت ملے گا اور سگی بہن کو کچھ نہیں ملے گا اس واسطے کہ وہ بیٹے اور باپ کی وجہ سے ساقط ہوگئی۔

۲.....میت کے ورثاء میں دادا، ایک بیٹی اور ایک سگا بھائی ہے بیٹی کو نصف ملے گا جب کہ باقی بھائی اور دادا کے لئے ہے۔

۳.....میت کے ورثاء میں خاوند، ایک ماں شریک بھائی، ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہے۔ خاوند کو نصف، ماں شریک بھائی کو سدس، جب کہ باقی بہن بھائی کے درمیان "مرد کو عورت کا دہرا حصہ ملے گا" کے تحت تقسیم ہو جائے گا۔

۴.....میت کے ورثاء میں، ایک بیٹی ایک پوتی، ایک پوتا اور ایک پوتے کا بیٹا ہے۔ بیٹی کو نصف اور پوتی کو پوتے کے ساتھ باقی جب کہ پڑپوتے کے لئے کچھ نہیں۔

۵.....میت کے ورثاء میں ایک پوتی، ایک باپ شریک بہن اور ایک پھوپھی ہے۔ پوتی کو نصف، باپ شریک بہن کو پوتی کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا جب کہ پھوپھی کو کچھ نہیں ملے گا۔

۶.....میت کے ورثاء میں، خاوند، پوتی، سگی بہن اور دادی ہے خاوند کو چوتھائی پوتی کو نصف، دادی کو (۱۲) میں سے سدس اور سگی بہن کو باقی ملے گا کیونکہ وہ پوتی کے ساتھ عصبہ بن گئی۔

۷.....میت کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک باپ شریک بہن اور ایک باپ شریک بھائی اور بیوی ہے۔ بیٹی کو نصف، بیوی کو آٹھواں حصہ، باپ شریک بہن اور باپ شریک بھائی کو عصبہ بالغیر ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

۸.....میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں، دو پوتیاں (ایک بیٹے سے) اور ایک پوتی (دوسرے بیٹے سے) ایک پوتا، ایک پڑپوتی اور باپ ہے دونوں بیٹیوں کو دو تہائی، باپ کو سدس، دونوں پوتیوں کو پوتے کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔
جب کہ پڑپوتی کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ پوتے کی وجہ سے محجوب ہوگئی۔

۹.....میت کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک سگی بہن ہے بیٹی کو نصف پوتی کو سدس اور سگی بہن کو عصبہ مع الغیر ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

۱۰.....میت کے ورثا میں خاوند، سگی بہن، باپ شریک بہن اور باپ شریک بھائی ہے خاوند کو نصف سگی بہن کو (بھی) نصف ملے گا اور آخری دو وارث عصبہ نہیں جو دونوں کے لئے کچھ نہیں بچا اور اگر بھائی نہ ہوتا تو بہن سدس وصول کرتی۔

۱۱.....میت کے ورثاء میں بیٹی، پوتی، اور پڑپوتا ہے۔ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باقی دوسرے کے لئے ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ اس لئے کہ پوتی کو اس کی ضرورت نہیں۔

۱۲.....ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پڑپوتی اور ایک پوتے کا پوتا (سکڑ پوتا) ہے۔ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس، اور باقی آخری دو کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا کیونکہ پوتی کو اس کی ضرورت ہے۔

۱۳.....ورثاء میں خاوند، ماں، باپ شریک بھائی، ایک سگی بہن اور ایک سگا بھائی ہے، خاوند کو نصف، ماں کو سدس، باپ شریک بھائی کو (بھی) سدس اور باقی آخری دو کو عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

۱۴..... ورثاء میں خاوند ایک بیٹی، دادی اور ایک باپ شریک بہن ہے خاوند کو چوتھائی بیٹے کو نصف، دادی کو سدس اور باقی باپ شریک بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

دسویں فصل: شاذ و نادر پیش آنے والے مسائل..... کچھ مسائل ایسے ہیں جو میراث کے عمومی قواعد سے مستثنیٰ اور شاذ ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں: منبریہ، غراوان، خرقاء، اکدریہ، مالکیہ اور اسی جیسا۔ مشترکہ ❶ ان کی طرف رجوع میں آسانی کے لئے میں یہاں ان کی وضاحت کرتا ہوں اگر چہ دوسرے مقامات پر ان کی طرف اشارے ہوئے ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ مشترکہ کی حدیث بیہقی نے بحوالہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث حماریہ کو حاکم اور بیہقی نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح بیہقی نے حدیث خرقاء اور حدیث اکدریہ نقل کی ہے اور حدیث منبریہ بھی بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ❷ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

۱۔ **مسئلہ منبریہ**..... یہ عول کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس میں ثمن (آٹھویں حصے) اور سدس (چھٹے حصے) کے اجتماع کے وقت (۲۴ سے ۲۷ تک) عول ہوتا ہے جیسے جب ورثاء میں ایک بیوی، دو بیٹیاں اور ماں باپ ہوں: تو بیوی کو ۸/۱ دونوں بیٹیوں کو ۳/۲ ماں ۶/۱ باپ کو ۶/۱ ملے گا اور مسئلہ ۲۴ سے ہو کر ۲۷ میں عول ہوگا۔

اسے منبریہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر اس مسئلہ کے بارے میں فتویٰ دیا تھا۔

۲۔ **مسئلہ غراوان یا عمریتان**..... یہ ایسے دو مسئلے ہیں جن میں زوجین میں سے کوئی ایک والدین کے ساتھ ہوتا ہے جن میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ورثاء میں خاوند اور ماں باپ ہیں اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ورثا میں بیوی اور ماں باپ ہیں۔ ان دونوں میں حکم یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک اپنا مقرر حصہ لے لے گا اور باقی کی تین تہائیاں کر کے تقسیم کر دی جائیں گی۔ دو تہائیاں باپ کی اور ایک تہائی ماں کی۔ یوں ماں کا مقرر حصہ خاوند یا بیوی کے بعد باقی کا تہائی ہوگا۔ جو پہلے مسئلہ میں چوتھائی اور دوسرے میں سدس ہے اور باپ کے لئے ان دونوں کے بعد باقی ماندہ کا دو تہائی ہے اور یہ اس اصل کے خلاف ہے جسے ماں نے وصول کیا ہے اور وہ ماں کا اصل مال سے مقرر حصہ ہے۔ ان دونوں مسئلوں کو عمریتان اس لئے کہا جاتا ہے۔

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں مسئلوں کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عثمان، زید بن ثابت اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی فیصلہ کی پیروی کی۔ اور حضرت علی سے بھی یہی فیصلہ منقول ہے اور یہ جمہور کی رائے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ان دونوں صورتوں میں ماں اصل ترکے کا تہائی لے گی جو اس کا اصلی مقرر حصہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو دلیل بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ہوتے ہوئے اس کے لئے پہلے ترکے کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے" اور اس کے والدین میں سے ہر ایک لئے چھٹا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو" (النساء ۴/۱۱) پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے تہائی ہے" اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تہائی ملے گا" (النساء ۴/۱۱) اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔

کہ مراد اصل ترکے کا تہائی ہے۔ بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد" پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس ماں کو تہائی ملے گا" (النساء ۴/۱۱) کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جس کے وہ دونوں وارث ہوئے اس کا تہائی ہے

---

❶..... السراجية: ص ۴۶، ۱۵۳، القوانين الفقهية ص ۳۸۹، ۳۹۳، ۳۹۷ الشرح الصغير ۴/۶۲۳، ۶۳۸ الشرح الكبير ۴/۴۶۲ مغنی المحتاج ۳/۱۵، ۲۳، الرحبية ص ۳۳، ۴۷، ۵۲، ۵۹، ۶۰ المغنی: ۶/۱۷۹، ۱۸۰، ۲۲۳، ۲۲۶، كشاف القناع ۴/۴۷۵، غاية المنتهى ۲/۳۸۷۔ ❷ نصب الراية: ۴/۴۲۹۔

خواہ سارا مال ہو یا بعض ہو، اس لئے کہ اگر اصل کا تہائی مراد لیا جائے تو بیان کے لئے یہ کافی تھا ”اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس کی ماں کو تہائی ملے گا۔ اور اس سے یہ لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”اور اس کے والدین اس کے وارث ہوں“ بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ مسئلہ خرقاء...... یہ ماں، دادا اور بہن (کا مسئلہ) ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے: ماں کو تہائی ملے گا، اور جو باقی بچ جائے اسے دادا اور بہن آپس میں ”مرد کا عورت سے دوہرا حصہ“ کے تحت تقسیم کر لیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے...... ماں کو تہائی، بہن کو نصف اور دادا کو باقی ماندہ ملے گا جو سدس ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے: بہن کو کچھ نہیں ملے گا اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے اسے خرقاء اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں یا اس وجہ سے کہ اقوال کی کثرت نے اسے پھاڑ دیا ہے۔

۴۔ الاکدریہ یا الغراء...... یہ، خاوند، ماں، دادا، سگی بہن یا باپ شریک بہن (کا مسئلہ) ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ جمہور کا قول ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل ہے: کہ دادا کے ساتھ بہن کے لئے نصف مقرر نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ بقیہ کی وارث ہوگی صرف اکدریہ کے فریضہ میں، لہٰذا خاوند کو نصف: ماں کو ثلث، دادا کو سدس اور بہن کو نصف ملے گا ساقط نہیں ہوگی اور مسئلہ کا (۹) تک عول ہوگا اور (۲۷) سے تصحیح ہوگی خاوند کے (۹) ماں کے (۶) بہن کے (۴) دادا کے (۸) حصے ہوں گے۔ وہ اس طرح کہ وہ ایک جو دادا کو دیا گیا ہے ان تین کے ساتھ ملایا جائے گا جو بہن کو دیئے گئے۔ اور دونوں چاروں حصوں کو آپس میں مرد کا عورت سے دوگنا حصہ کے تحت تقسیم کر لیں گے یعنی دادا اور بہن کے درمیان مقاسمہ کے اصول کی بنا پر اس کا نام اکدریہ اس لئے ہے کہ اس نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو تین طرح سے گدلا کیا: دادا کے ذریعہ عول کیا اور بہن کے لئے حصہ مقرر کیا اور فرض کے سہام کو جمع کیا اور عصبہ ہونے کی بنا پر انہیں تقسیم کیا۔ حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب بہن کو نصف میراث دینے کا بھی ہے لیکن اس میں دادا کے ساتھ اس کا حصہ نہیں ملایا جائے گا۔
لہٰذا اس رائے میں اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذاہب میں اختلاف اس مقدار کی تعیین ہے جو بہن کی طرف راجع ہے اس پر اتفاق ہے کہ وہ ساقط نہیں ہوگی۔

امام ابوحنفیہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول لیا ہے اور وہ بہن کو ساقط کرنا ہے چنانچہ وہ کچھ نہیں لے گی۔

۵۔ مشرّکہ یا حجریہ یا حماریہ...... یہ خاوند، ماں (یا دادی) سگے بھائیوں یا ماں شریک بھائیوں کا (مسئلہ) ہے: اس میں اصل تو یہ ہے کہ سگے بھائیوں کی میراث نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں اور اصحاب الفروض سے باقی ماندہ وصول کریں گے اور یہاں فروض نے سارے ترکہ کو ختم کر دیا وہ اس طرح کہ خاوند نصف لے گا ماں کو سدس ملے گا اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی ملے گا اور مال ختم ہو جائے گا۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ نے حضرت عمر، عثمان اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر عمل کیا ہے ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ برابر کا شریک کیا جائے گا خواہ مؤنث ہوں خواہ مذکر اس لئے کہ سگے بھائیوں نے حضرت عمر سے کہا تھا: سمجھئے ہمارا باپ پتھر یا حمار (گدھا) تھا ہم تو اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوں گے جس کی بنا پر اسے حماریہ یا حجریہ کہا جاتا ہے۔
اسی طرح اس کا نام مشترکہ یا مشرّکہ ہے، کہ سگے بھائی ماں شریک بھائیوں کے ساتھ شریک ہیں۔ یوں سگا بھائی ایسا عصبہ ہوگا جو فروض کے پورے ترکہ کو ختم کرنے کے ساتھ وارث ہوگا جو اصل کے خلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام ابوحنیفہ امام احمد بن

حنبل اور داؤدرحمہم اللہ کا کہنا ہے: سگے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہیں اور فروض میں مال کی تقسیم مکمل ہوگئی۔ اور سابقہ طرز پر مال کے حصے کئے جائیں گے: خاوند کو نصف، ماں کو سدس، اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی ملے گا۔

آیت کے ظاہر پر عمل بھی ہو جائے گا" اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا" (النساء ۴/۱۷۶) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت سے خصوصی طور پر ماں شریک اولاد مراد ہے اور دوسری آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اور وہ یہ ہے" اگر بہن بھائی اکٹھے ہوں تو مرد کو عورت کا دوہرا حصے ملے گا" (النساء ۴/۱۷۶) اس آیت سے باقی بہن بھائی مراد ہیں۔ پہلے فریق کے مذکر و مؤنث میں مساوات ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" فرائض (مقررہ حصوں) کو ان کے حق داروں تک پہنچاؤ جو بچ جائے وہ قریبی مرد کے لئے ہے" سو جس نے شریک کیا تو فرائض حق داروں تک نہ پہنچے اور سگے بہن بھائی عصبہ ہیں ان کا حصہ مقرر نہیں۔ فروض میں مال پورا ہوگیا، لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ وہ ساقط ہو جائیں جیسے اگر ماں کی اولاد کی جگہ دو بیٹیاں ہوتیں۔

۶۔ ام الفروخ یا شریحیہ...... اس مسئلہ کو ام الفروخ کا نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ عول والا مسئلہ ہے۔ یوں زوائد اربعہ کو فروخ (چوزوں) سے مشابہت دی گئی ہے اور شریحیہ بھی اس کا نام ہے کہ کیونکہ یہ مسئلہ قاضی شریح کے زمانہ قضاء میں پیش آیا: جب سگے بہن بھائیوں یا باپ شریک بھائیوں کی جگہ سگی بہن یا باپ شریک ایک بہن یا زیادہ، خاوند ماں یا دادی اور ماں شریک بھائیوں کے ہوتے ہوئے ہوں تو مسئلہ کا عول دس ۱۰ تک ہوگا خاوند نصف (۳) ماں یا دادی کو سدس (۱) ماں شریک بھائیوں کو ایک تہائی (۲) سگی بہنوں یا باپ شریک بہنوں کو دو تہائی (۴) ملے گا۔

۷۔ فریضہ مالکیہ...... فوت ہونے والی عورت ورثا میں خاوند، ماں، دادا ایک باپ شریک بھائی اور چند ماں شریک بھائی چھوڑ جائے۔ یعنی سابقہ مسئلہ (حجریہ) میں سگے بھائیوں کی جگہ باپ شریک بھائی وارث ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ دادا سدس لے گا۔

اور باقی باپ شریک بھائیوں کو ملے گا اماں شریک بھائیوں کے لئے کچھ نہیں، مالکیہ نے اس مسئلہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے خلاف یوں کہا ہے: خاوند نصف لے گا ماں سدس اور باقی اکیلا دادا وصول کرے گا اور بھائی کچھ نہیں لیں گے خواہ باپ شریک ہوں یا ماں شریک۔ اس لئے کہ دادا ماں شریک بھائیوں کو محجوب کر دیتا ہے اور جب انہیں محجوب کر دے گا تو باقی کا زیادہ حق دار ہوگا۔

۸۔ مسئلہ مالکیہ کی طرح یا اس کے مشابہ...... سابقہ مسئلہ میں باپ شریک بھائی کی جگہ سگا بھائی ہو تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ دادا اصل مال سے سدس لے گا جو فرض ہے اور باقی عصبہ کو ملے گا کہ وہ سگے بھائی ہیں امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں حضرت زید کے مذہب کے خلاف اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: دادا ذوی السہام کے بعد باقی سارا وصول کرے گا نہ کہ بھائی، بھائیوں کے لئے کچھ نہیں، نہ سگوں اور نہ باپ شریکوں کے لئے۔

۹۔ یتیمتان...... یہ دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ فوت ہونے والی ورثا میں خاوند ایک سگی بہن چھوڑ جائے یا خاوند اور باپ شریک بہن چھوڑ مرے۔ تو مسئلہ (۲) سے ہوگا دونوں وارثوں کے لئے ایک ہوگا۔

۱۰۔ام للا رامل..... کہ میت تین بیویاں دوجدہ چار ماں شریک بہنیں اورآٹھ سگی بہنیں چھوڑ جائے تو بیویوں کے لئے چوتھائی ہے دونوں جدہ کوسدس ملے گا ماں شریک بہنوں کوتہائی اور سگی بہنوں کو دو تہائی۔

مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوکر (۱۷) تک عول ہوگا اس کا یہ نام سب وارثوں کے خواتین ہونے کی وجہ سے

۱۱۔مروانیہ.....فوت ہونے والی خاوند، دوسگی بہنیں، دوباپ شریک اور دو ماں شریک بہنیں چھوڑ جائے تو خاوند کونصف، دونوں سگی بہنوں کو دوتہائی ملے گا باپ شریک دونوں بہنیں مجحوب ہوں گی اور ماں شریک دو بہنوں کوتہائی ملے گا۔

مسئلہ (٦ سے ہوکر ۹ تک عول ہوگا) اسے مروانیہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ مروان بن الحکم کے دور میں پیش آیا۔

۱۲۔حمزیہ.....فوت ہونے والا برابر درجہ کی تین جدات، ایک دادا، ایک سگی بہن، ایک باپ شریک بہن اور ایک ماں شریک بہن چھوڑے۔تو جدات کوسدس، دادا، سگی بہن اور باپ شریک بہن عصبات میں ماں کوشریک بہن دادا کی وجہ سے مجحوب ہوگی مسئلہ (٦) سے ہوگا۔(۳) جوجدات کا عدد ہے دادا اور دو بہنوں کے عدد روٴس جو (۳) ہے سے ضرب دی جائے گی۔حاصل (۹) ہوا جسے اصل مسئلہ جو (٦) ہے سے ضرب دیا جائے گا یوں حاصل ہوگا (۵۴) اس کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ حمزہ زیات نے اس کا یہ جواب دیا تھا۔

۱۳۔دیناریہ.....وہ مسئلہ یہ ہے کہ میت نے ایک بیوی، ایک دادی دو بیٹیاں، بارہ باپ شریک بھائی اور ایک باپ شریک بہن چھوڑی، بیوی کوآٹھواں حصہ، دادی کوسدس دونوں بیٹیوں کو دوتہائی اور بقیہ ورثاء عصبہ ہوں گے۔مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اور (۶۰۰) سے تصحیح ہوگی (۲۴ کو ۲۵) سے ضرب دی جائے گی۔باپ شریک بھائیوں کا عدد روٴس ۲۴ اور باپ شریک ایک بہن کا عدد (۱۔۲۵) ہے۔ حاصل ہوا (۶۰۰) اسے دیناریہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مورث نے چھ سو ۶۰۰ دینار چھوڑے اور سترہ ۱۷ امرد عورت ورثاء چھوڑے جن میں سے ایک کو ایک دینار ملا باپ شریک اور وہ بہن تھی۔

۱۴۔امتحان..... یہ ہے کہ میت چار بیویاں، پانچ دادیاں، سات بیٹیاں اور نو باپ شریک بہنیں چھوڑے، بیویوں کوآٹھواں حصہ، دادیوں کوسدس، بیٹیوں کو دوتہائی ملے گا اور باپ شریک بہنیں عصبہ میں مسئلہ (۲۴) سے ہوگا چونکہ ہر فریق کے عدد اور سہام میں تباین ہے اس لئے ہم روٴس کو ایک دوسرے سے ضرب دیں گے۔(=9x140=7x02=5x4) ۱۲۶۰ حاصل ہوا جسے (۲۴) سے ضرب دیں گے حاصل ہوگا (۳۰۲۴۰)۔کیونکہ اس میں عامل کا امتحان ہوتا ہے اس لئے اسے ''امتحان'' کہا جاتا ہے کہا جاتا ہے فلاں نے ورثاء کی ایک تعداد کو ہزار کر دیا ہر صنف دس سے کم ہے مسئلہ صرف اسی سے صحیح ہوگا جو تیس ہزار سے زائد ہو۔

گیارہویں فصل: حجب.....اس کی تعریف، حجب وحرمان میں فرق، اس کی اقسام، ہر قسم کا حکم، حجب میں ورثاء کے حالات۔[1]

سب سے پہلے: حجب کی تعریف.....لغت میں حجب کا معنی ہے روکنا، اور شرعاً ساری یا بعض میراث سے روکنا، فقہاء کی عبارت ہے: دوسرے شخص کے موجود ہونے کی وجہ سے جو اسے اپنے حصہ میں شریک نہیں کرے گا متعین وارث کو ساری یا بعض میراث سے روکنا، جیسے دادا کا باپ کی وجہ سے اور خاوند کا اولاد کی وجہ سے نصف سے مجحوب ہوکر چوتھائی کا مستحق ہونا۔

---

[1]......السراجية ص ۸۴۔۸۹ الدر المختار ۵/ ۵۵۰۔۵۵۵۔ تبيين الحقائق ٦/ ۲۳۳، ۲۳۹، الكتاب مع اللباب: ۴/ ۱۹۵، القوانين الفقهية ص ۳۸٦، الرحبية ص ۴۳۔۴٦ مغنی المحتاج ۳/ ۱۱۔۱۳ كشاف القناع ۴/ ۴٦۹۔

ثانی: حجب وحرمان میں فرق...... حجب، حرمان سے الگ ہے حرمان کی تعریف ہے: کسی شخص کو میراث سے منع کرنا جب کہ میراث کے موانع میں سے کوئی سبب موجود ہو جیسے قتل کرنا لہٰذا قاتل اولا دوارث نہیں ہوگی، کیونکہ قتل بقاء کے ساتھ موجود ہے یا میراث کا سبب جو قرابت ہے قائم ہے۔ جس میں محرومیت پائی گئی ہو وہ دوسرے کو محجوب نہیں کرتا، بلکہ وہ کالعدم شمار ہوتا ہے چنانچہ میت کے ورثاء میں قاتل بیٹا، بیوی اور باپ تھا تو بیوی کو چوتھائی ملے گا یوں سمجھا جائے گا کہ میت کی اولاد ہی نہ تھی اور باپ عصبہ ہوگا۔ رہا حجب تو وہ میراث سے منع کرنا ہے اس کے کسی سبب کی وجہ سے نہیں بلکہ میت کا اس سے زیادہ قریبی کوئی شخص موجود ہوتا ہے، دوسرے شخص کی وجہ سے محجوب ہونے والا دوسرے کو محجوب کرتا ہے اور اسے موجود شمار کیا جاتا ہے چنانچہ اگر میت نے باپ، ماں اور دو سگے بھائی چھوڑے ہیں تو دونوں سگے بھائیوں کی وجہ سے ماں کو سدس ملے گا باوجودیکہ وہ دونوں باپ کی وجہ سے محجوب ہیں۔

اور کبھی دوسرے کو حجب نقصان یا حجب حرمان کی صورت میں محجوب کرتا ہے جیسے ماں باپ کے ساتھ بھائیوں کا ہونا اور جیسے باپ کی ماں اس کی وجہ سے محجوب ہوتی ہے اور ماں کی نانی کو محجوب کر دیتی ہے۔ اس بناء پر حجب میں مانع کوئی ایسا وصف نہیں جو ممنوع کی ذات میں قائم ہو۔ اس سے میراث کی اہلیت لازم نہیں آتی اور حرمان میں مانع ایسے وصف کی وجہ سے ہوتا جو ممنوع کی ذات میں قائم ہوتا ہے جیسے اس کا قاتل ہونا اس سے میراث کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے۔

حالت انفراد میں اصحاب الفروض کے ساتھ ان کے ہم جنسوں کے یکجا ہونے کی وجہ سے حصوں کی کمی حجب نہیں۔ جیسے بیویاں، بیوی اگر اکیلی ہو تو اس کا حصہ چوتھائی یا آٹھواں ہے اور جب کئی بیویاں ہوں تو ان کے صرف مقرر حصہ ہے۔ اسی طرح عول کے ذریعے حصوں کی کمی بھی حجب نہیں جب اصل مسئلہ سے حصے بڑھ جائیں۔

ثالث: حجب کی دو قسمیں...... حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب نقصان، حجب حرمان۔

ا...... حجب نقصان یہ ہے کہ دوسرے شخص کی موجودگی کی وجہ سے مقرر حصہ زیادہ سے کم ہو جائے جیسے خاوند اولاد کی وجہ سے نصف کے بجائے چوتھائی تک پہنچ جاتا ہے اور جیسے ماں، بیٹے کی وجہ سے تہائی کے بجائے سدس تک منتقل ہو جاتی ہے۔

نص اور اجماع کی وجہ سے پانچ ذوی الفروض میں ہر ایک کے لئے دو حصے بنتے ہیں۔

اعلیٰ اور ادنیٰ (یعنی زیادہ اور کم) ان میں سے دو خاوند بیوی، پوتی، باپ شریک بہن اور ماں ہے۔

خاوند...... زوجہ کی وارث فرع کی وجہ سے جو خواہ اس سے ہو یا کسی اور سے خاوند کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر چوتھائی تک پہنچ جاتا ہے۔

زوجہ...... خاوند کی وارث فرع کی وجہ سے خواہ اسی عورت سے ہو یا کسی اور سے۔ زوجہ کا حصہ چوتھائی سے آٹھویں تک منتقل ہو جاتا ہے۔ پوتی، سگی بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر سدس تک پہنچ جاتا ہے۔

باپ شریک بہن...... سگی بہن کی وجہ سے اس کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر سدس تک پہنچ جاتا ہے۔

ماں...... مطلقاً وارث فرع اور بھائیوں بہنوں کی وجہ سے خواہ جس جہت سے ہوں ماں کا حصہ تہائی سے سدس تک منتقل ہو جاتا ہے۔

۲۔ حجب حرمان...... یہ ہے کہ کوئی بالکلیہ میراث سے محروم ہو جائے، جیسے دادا باپ کی وجہ سے اور پوتا بیٹے کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے اور ماں شریک بھائی باپ کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

حجب حرمان کی نسبت سے ورثاء کی دو قسمیں ہیں:

اول.....جن میں حجب حرمان نہیں ہوتا اور وہ چھ ہیں تین مرد اور تین عورتیں باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، خاوند اور بیوی۔ ان چھ کا میت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے جب ان میں سے کوئی ایک پایا جائے تو وہ ضرور وارث ہوتا ہے، انہیں ہم یوں بھی شمار کر سکتے ہیں۔ ولدان (بچے) ابوان (والدین) زوجان (خاوند بیوی)

دوم.....جن میں حجب حرمان ہوتا ہے وہ سات ہیں۔

دادا، نانی، سگی بہنیں، باپ شریک بہنیں، ماں کی اولاد، پوتیاں اور پوتا۔ دادا تو باپ کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے نانی ماں کی وجہ۔ سگی بہنیں بیٹے یا پوتے کی وجہ سے، اور باپ کی وجہ سے اجماع ہے کہ محجوب ہو جاتی ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادا کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہیں۔

اور جن سے دو سگی بہنیں محجوب ہو جاتی ہیں ان سے باپ شریک بہنیں محجوب ہو جاتی ہیں۔

جیسے وہ سگے بھائی کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہیں اور دو سگی بہنوں کی وجہ سے جب ان کے ساتھ عصبہ بنانے والا نہ ہو۔ اور ماں شریک بھائی باپ، دادا اور وارث فرع کی وجہ سے محجوب ہو جاتے ہیں (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) اور جن سے بیٹیاں محجوب ہوتی ہیں ان سے پوتیاں محجوب ہو جاتی ہیں، پوتے، دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کی وجہ سے جب ان کے ساتھ عصبہ بنانے والا نہ ہو محجوب ہو جاتی ہیں۔ اور پوتا بیٹے کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

حجب حرمان دو قاعدوں پر مبنی ہے۔

پہلا قاعدہ.....جس کا تعلق میت کے ساتھ کسی واسطہ سے ہو تو وہ واسطہ اسے محجوب کر دیتا ہے، خواہ ماں کی اولاد ہو اس لئے کہ وہ ماں کی وجہ سے تعلق رکھتے اور اس کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ جیسے باپ کے ساتھ دادا اور ماں کے ساتھ نانی۔

دوسرا قاعدہ: زیادہ قریبی.....زیادہ دور والے کو محجوب کر دیتا ہے جیسا کہ عصبات میں مذکور ہے جیسے ماں کے ساتھ جدات، ماں ہر جدہ کو محجوب کر دیتی ہے، زیادہ قریبی زیادہ دور والی کو محجوب کر دیتی ہے پوتیاں، بیٹے یا بیٹی کے ساتھ، پوتا بیٹے کے ساتھ وہ بیٹا جو اس پوتے کا چچا نہ کہ اس کا والد، کیونکہ بیٹا اپنے بھتیجے کو محجوب کر دیتا ہے۔

اس لئے کہ اس کا درجہ قریب ہے اور بیٹا، پوتا اور باپ ہر ایک بالاجماع اور دادا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً بھائی بہنوں کو محجوب کر دیتے ہیں۔ فرع وارث اور اصل مذکر ان میں سے ہر ایک ماں کی اولاد کو محجوب کر دیتا ہے۔ عصبات میں حجب اس طرز پر ہے جو پہلے بیان ہو چکا، ان میں ترجیح سب سے پہلے جہت کے اعتبار سے ہوگی اس طرح کہ دادا اور بھائی ایک مرتبہ میں ہوں گے پس جب جہت میں برابر ہوں تو ترجیح میت سے قرب درجہ میں ہوگی اس لحاظ سے باپ دادا سے مقدم ہوگا اور بھائی، بھتیجے سے مقدم ہوگا، اور اسی طرح اگر جہت اور درجہ میں برابر ہوں تو قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح ہوگی لہٰذا سگا بھائی، باپ شریک بھائی پر مقدم ہوگا۔ ❶

حجب کی اقسام کا خلاصہ

اول: وصف کی وجہ سے حجب.....ممکن ہے کہ اس وصف سے سارے ورثا متصف ہوں۔ جب میراث کے مواضع میں سے کوئی وصف قائم ہو جو یہ ہیں قتل، غلامی، دین کا اختلاف اور احناف کے ہاں اختلاف دارین۔

❶.....مذکرات العلامہ الفرضی مرحوم للشیخ حسن الشبطی۔

دوم: شخص کی وجہ سے حجب...... جو یا حجب نقصان ہے یا حجب حرمان۔

حجب نقصان...... وہ ایک حصہ سے محجوب ہوکر کم تک پہنچنا ہے۔ اور اس کے افراد پانچ ہیں۔

ا...... ایک مقرر حصے سے منتقل ہوکر کم حصہ تک پہنچنا۔ جیسے اولاد کی وجہ سے خاوند کا حصہ نصف سے کم ہوکر چوتھائی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اولاد یا بھائیوں بہنوں کی تعداد کی وجہ سے ماں کا حصہ تہائی سے سدس تک پہنچ جاتا ہے اور ایک بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ نصف سے منتقل ہوکر سدس تک پہنچ جاتا ہے اور اولاد کی وجہ سے بیوی کا حصہ چوتھائی سے منتقل ہوکر ثمن (آٹھویں) تک پہنچ جاتا ہے اور ایک سگی بہن کی وجہ سے باپ شریک بہن کا حصہ نصف سے منتقل ہوکر سدس تک پہنچ جاتا ہے۔

۲...... ایک تعصیب سے کم تعصیب تک۔ جیسے سگی یا باپ شریک بہن بیٹی یا پوتی کے ساتھ جب اس کے ساتھ اس کا بھائی ہو تو بھائی کی وجہ سے اس کا حصہ اس تعصیب سے کم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

۳: فرض سے تعصیب کی طرف...... جیسے بیٹی، بیٹے کے ساتھ ہو تو اس کا حصہ فرض سے منتقل ہوکر کم تعصیب تک پہنچ جاتا ہے۔

۴: تعصیب سے فرض کی طرف...... جیسے باپ یا باپ کی عدم موجودگی میں دادا بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہو۔

۵: فروض میں مزاحمت...... جیسے عول کے مسائل، کیونکہ وہ حصوں میں زیادتی و اضافہ اور مقررہ حصوں میں کمی ہے۔

حجب حرمان...... یہ ہے کہ ایک شخص بالکل میراث سے محجوب ہوجائے پھر وہ محروم کی طرح ہوجاتا ہے یہ ان چھ میں شامل نہیں، سات میں شامل ہے۔ وہ چھ افراد جن میں یہ شامل نہیں یہ ہیں: بیٹا، بیٹی، والدین، خاوند، بیوی اور سات میں شامل ہے جو یہ ہیں:

ا...... باپ کے ساتھ دادا۔

۲...... ماں کے ساتھ جدات۔

۳...... بیٹے کے ساتھ پوتا۔

۴...... پوتیاں، دو بیٹیوں اور بیٹے کے ساتھ۔

۵...... باپ شریک بہنیں دو سگی بہنوں اور ایک سگے بھائی کے ساتھ۔

۶...... مطلقاً بہن بھائی بیٹے، پوتے، پوتی اور باپ کی وجہ سے بالاتفاق اور دادا کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔

۷...... ماں شریک بہن بھائی وارث فرع اور اصل مذکر کی وجہ سے۔

حجب کے بارے میں قانون کا موقف...... قانون مصری (م ۲۳۔۲۹) اور شامی (م ۲۸۱۔۲۸۷) نے حجب کی تعریف اس کا حکم اس کا اور حجب حرمان کا فرق، اور حجب حرمان سے محجوب ہونے والوں کے حالات کی صراحت کی ہے۔

اصحاب الفروض میں سے محجوب افراد...... اصحاب الفروض بارہ ۱۲ ہیں جن میں سے دو تو بالکل محجوب نہیں ہوتے اور وہ باپ اور بیٹی ہیں۔ جب کہ دوسرے کبھی حجب نقصان تو کبھی حجب حرمان کی وجہ سے محجوب ہوتے ہیں۔

ا۔ خاوند...... فرع وارث کی موجودگی کے وقت نصف سے چوتھائی تک صرف حجب نقصان سے محجوب ہوتا ہے۔

۲۔ بیوی...... فرع وارث کی موجودگی کی وجہ سے چوتھائی سے آٹھویں حصہ تک صرف حجب نقصان کے ساتھ محجوب ہوتی ہے۔

۳۔ ماں...... فرع وارث اور کسی بھی جہت سے بہن بھائیوں کی تعداد کی وجہ سے تہائی سے سدس تک صرف نقصان سے محجوب ہوتی ہے۔

۴۔ جدہ...... ماں کی وجہ سے حجب حرمان کی وجہ سے محجوب ہوتی ہے حجب نقصان سے محجوب نہیں ہوتی، زیادہ قریبی زیادہ دور والی کو محجوب کر دیتی ہے۔

۵۔ دادا...... باپ کی وجہ سے حجب حرمان کی وجہ سے محجوب ہوتا ہے اور اس جد کی وجہ سے جو میت کے اس سے زیادہ قریبی درجہ والا ہو۔

۶۔ پوتی...... مذکر فرع وارث کی وجہ سے خواہ اس کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو یا نہ ہو حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہے اسی طرح دو یا زیادہ بیٹیوں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے البتہ اگر اس کے ساتھ اسی کے درجہ کا یا اس سے کم درجہ کا کوئی عصبہ بنانے والا ہو۔ جب یہ میراث سے محروم ہو جائے تو مصری قانون میں اس کے لئے واجب وصیت ہے۔

۷۔ سگی بہن...... بیٹے، پوتے، پوتے کے بیٹے اور باپ کی وجہ سے حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہے خواہ اس کے ساتھ سگا بھائی ہو یا نہ ہو۔

۸۔ باپ شریک بہن...... جن کی وجہ سے سگی بہن محجوب ہوتی ہے ان سے یہ حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہے خواہ اس کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو یا نہ ہو۔

سگے بھائی بہن کی وجہ سے جب یہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائے۔ اور دو سگی بہنوں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے البتہ اگر اس کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو۔

۹، ۱۰۔ ماں شریک بھائی بہنیں...... مطلقاً وارث فرع اور اصل مذکر وارث (باپ دادا اتفاقاً) کی وجہ سے حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتے ہیں۔ حجب نقصان کے ساتھ محجوب نہیں ہوتے۔

مثالیں: ۱...... ورثا میں زوجہ، سگی بہن، باپ شریک بھائی اور ایک سگا بھتیجا ہے: بیوی کو چوتھائی، سگی بہن کو نصف، بھائی عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گا اور بھتیجا بھائی کی وجہ سے محجوب ہوگا اور مسئلہ (۴) سے ہوگا۔

۲...... ورثا میں خاوند، ماں، بیٹی، ماں شریک بھائی، ایک باپ شریک بہن اور ایک سگا، چچا ہے۔ خاوند کو چوتھائی، ماں کو سدس، بیٹی کو نصف ملے گا۔ ماں شریک بھائی بیٹی کی وجہ سے محجوب ہیں اور باپ شریک بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گی اور چچا باپ شریک بہن کی وجہ سے محجوب ہوگا مسئلہ (۱۲) سے ہے۔

۳...... ورثا میں دو سگی بہنیں، دو باپ شریک بہنیں، ماں، دادی اور سگا بھتیجا ہے۔

دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی ملے گا اور باپ شریک دونوں بہنیں سگی بہنوں کی وجہ سے محجوب ہوں گی۔ ماں کو سدس ملے گا اور دادی ماں کی وجہ سے محجوب ہوگی۔ اور سگا بھتیجا عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گا مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۴......ورثاء میں، ایک بیٹی، ایک پوتی، دو بیویاں، ایک جدہ، سگے بھائی اور ایک باپ شریک بھائی ہے: بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس، دونوں بیویوں کو آٹھواں حصہ، جدۃ کو سدس دونوں سگے بھائی عصبہ ہو کر باقی لیں گے باپ شریک بھائی سگے بھائیوں کی وجہ سے مجوب ہوگا۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا۔

۵......بیٹی، پوتی، ایک سگی بہن، ماں کی نانی، دادی، وارث ہیں۔ بیٹی کو نصف پوتی کو سدس، سگی بہن عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گی اور دادی کو سدس ملے گا اور پڑنانی، قریبی ام کی وجہ سے مجوب ہوگی مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۶......ورثاء میں ایک سگی بہن، دو ماں شریک بہنیں، دو ماں شریک بھائی، ایک چچا اور ایک باپ شریک بھائی ہے۔ سگی بہن کو نصف، ماں کی ساری اولاد کو ایک تہائی۔ باپ شریک بھائی عصبہ ہے، چچا مجوب ہوگا مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۷......ورثاء میں ایک بیٹی، دو پوتیاں، ایک پڑپوتا، ایک پڑپوتی اور باپ ہے۔ بیٹی کو نصف، دونوں پوتیوں کو سدس، باپ کو سدس ملے گا آخری دو عصبہ ہوں گے مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۸......ورثاء میں ایک بیٹی، ایک سگی بہن، ایک سگا بھائی، ایک باپ شریک بہن اور ایک ماں شریک بہن ہے، بیٹی کو نصف، سگا بھائی اور سگی بہن عصبہ ہیں۔ آخری دو مجوب ہیں مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۹......ورثاء میں ایک پوتی، ایک پڑپوتا، باپ اور ایک بیوی ہے پوتی کو نصف ملے گا پڑپوتا عصبہ ہے باپ کو سدس اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا مسئلہ کی اصل (۲۴) سے ہوگی۔

۱۰......ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک پوتی، ایک سگی بہن، ایک باپ شریک بہن اور ایک ماں شریک بہن ہے۔ دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا پوتی دونوں بیٹیوں کی وجہ سے مجوب ہوگی۔ اور سگی بہن غیر کے ساتھ عصبہ ہوگی اور آخری دو بیٹیوں کی وجہ سے مجوب ہوں گی۔ مسئلہ کی اصل (۳) سے ہوگی۔

۱۱......ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پوتا (جو اس پوتی کا بھائی ہے) اور پڑپوتی ہے۔

بیٹی کو نصف ملے گا، پڑپوتی، پوتے کی وجہ سے مجوب ہوگی۔ اور آخری دو غیر کی وجہ سے عصبہ ہوں گے۔ مسئلہ (۲) سے ہوگا۔

۱۲......ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پوتا (جو اس پوتی کا چچازاد ہے) اور ایک پڑپوتی ہے۔ بیٹی کو نصف ملے گا پڑپوتی، پوتے کی وجہ سے مجوب ہے اور آخری غیر کی وجہ سے عصبہ ہوں گے مسئلہ (۲) سے ہوگا۔

بارہویں فصل: عول......عول کا معنی اور اس کی شرعی حیثیت، اصول مسائل میں سے کس کا عول ہوتا ہے اور کس کا نہیں ہوتا۔ ❶

سب سے پہلے عول کا معنی......لغت میں عول کا معنی ظلم وستم اور حد سے تجاوز ہے، کہا جاتا ہے، عال الرجل: ظلم کیا۔ اور اصطلاح میں اصل مسئلہ کے سہام کے مجموعہ میں اضافہ کرنا اور حصوں میں واقعی کمی کا ہونا۔ اور اس پر حکم مرتب ہوتا ہے کہ جو اضافہ ہوگا وہ تمام ورثاء کے مقررہ حصوں میں ایک ہی نسبت سے تقسیم ہوگا چنانچہ جب مخرج (اصل مسئلہ) میں شامل حصوں کو پورا تقسیم ہونے سے قاصر ہو، جیسے (۶) تو ترکہ کو مخرج سے زیادہ بڑے عدد کی طرف بلند کیا جائے گا جیسے (۷) پھر تقسیم ہوگی یہاں تک کہ کمی تمام ورثاء کے حصوں میں ایک نسبت سے داخل ہو جائے وہ اس طرح کہ عول کے غیر کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے اور حاصل ضرب سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جائے۔ جس مسئلہ میں فریضہ کے سہام اصل مسئلہ سے زیادہ ہوں اسے (عائلۃ) کہا جاتا ہے جیسے جب ورثاء میں خاوند اور دو سگی بہنیں

---

❶......السراجية ۹۷-۱۰۳ تبيين الحقائق: ۲۴۴/۶ الدر المختار ۵۵۵/۵-۵۵۸، الشرح الصغير: ۶۴۵/۴ ۶۴۸، القوانين الفقهية ۳۹۵، مغنى المحتاج ۳۲/۳-۳۴ المغنى ۱۸۹/۶-۱۹۲، كشاف القناع ۴۷۶/۴، الرحبية ص ۵۸/۶۳۔

ہوں، تو اس صورت میں اصل مسئلہ (۶) ہے اور سہام کا مجموعہ ہے سات ۷، اس کا یہ نام عدل سے ماخوذ ہے جس میں اضافہ اور بلند ہونے کا معنی ہے کہا جاتا ہے: عال المیزان، جب ترازو بلند ہو، اس لئے کہ اس زیادتی کے ذریعہ سہام اصل مسئلہ سے زیادہ کی طرف بلند ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں فریضہ کے سہام اصل مسئلہ کے مساوی ہوں تو اسے (عادلہ) کہا جاتا ہے اس لئے کہ ہر حقدار اپنا حق بغیر کمی کے مکمل وصول کر لیتا ہے جیسے جب ورثاء میں، بیوی، ماں اور سگا بھائی ہو۔

بیوی کا مقرر حصہ چوتھائی، ماں کا فرض تہائی اور باقی بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں نہ عول ہے اور نہ رد۔ اور جس مسئلہ میں فریضہ کے سہام اصل مسئلہ سے کم ہوں اور ورثاء میں باقی وصول کرنے کے لئے کوئی عصبہ بھی نہ ہو تو اسے (قاصرہ) کہا جاتا ہے اس میں سوائے زوجین کے باقی اصحاب الفرائض پر باقی ماندہ ترکہ کا رد ہوگا جیسے جب ورثاء میں ایک سگی بہن اور ماں ہو تو بہن کا مقرر حصہ نصف ہے اور ماں کا مقرر حصہ تہائی ہے مسئلہ (۶) سے ہوگا باقی جو ایک ہے اس کا ان دونوں (وارثوں) پر رد ہوگا۔

دوم: عول کی شرعی حیثیت...... سب سے پہلے عول کا فیصلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صادر فرمایا۔ آپ کے دور میں یہ مسئلہ پیش آیا کہ حق داروں سے اصل مسئلہ کم پڑ رہا تھا جس کی صورت خاوند اور دو بہنیں ہیں یا خاوند، ماں اور بہن ہے آپ نے اس بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو حضرت عباس یا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عول کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا:

حصوں کو بڑھاؤ، چنانچہ حضرت عمر نے اسے برقرار رکھا اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا اور صحابہ کرام نے آپ کی پیروی کی، حضرت عمر کی وفات کے بعد صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا انکار کیا، تو کسی نے آپ سے پوچھا جب فریضہ میں عول ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: میں سب سے برے حال والے پر نقص و کمی داخل کروں گا اور وہ بیٹیاں اور بہنیں ہیں اس لئے کہ وہ مقررہ حصہ سے منتقل ہو کر غیر مقرر حصہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور آپ نے فرمایا: تم لوگ جمع کیوں نہیں ہوتے تاکہ ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں۔ جس ذات نے ریت کے ذرات ❶ کو گن رکھا ہے اس نے مال میں نصف اور تہائی کو نہیں رکھا۔

درست وہ ہے جو حضرت عمر اور صحابہ کرام نے کیا، کیونکہ کبھی ترکہ میں اصحاب الفروض سبب استحقاق میں برابر ہوتے ہیں لہٰذا وہ استحقاق میں برابر ہوں گے۔ اس لئے اگر محل میں اس کی گنجائش ہوئی تو ہر ایک اپنا سارا حق لے گا ورنہ سب کو ان میں سے ہر ایک کی سہام کی نسبت کے اعتبار سے نقصان ہوگا جیسے قرض دہندہ گان کو ان کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے مال ناکافی ہو تو وہ آپس میں حصوں میں تقسیم کر لیں اور وصیت والوں میں تہائی کی پوری تقسیم کم پڑ جائے۔ تو وہ اس کے حصے کر لیں گے۔

اسی بنا پر مصر و شام کے قانون نے حضرت عمر اور جمہور صحابہ اور مذاہب اربعہ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

سوم: اصولی مسائل میں سے جن کا عول ہوتا اور جن کا عول نہیں ہوتا...... اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مذکور فروض چھ ہیں۔ اور ان کے مخارج پانچ اعداد ہیں۔

دو، تین، چار، چھ، اور آٹھ اور یہ اس وجہ سے کہ تہائی اور دو تہائی مخرج میں متحد ہیں۔ اور ان مخارج کی دو قسموں کے درمیان اختلاط کا تقاضا ہے کہ دو اور مخرج وجود میں آئیں اور وہ دو (۱۲، ۲۴) ہیں یوں مجموعہ سات اعداد ہو گئے۔

جن اصول کا عول نہیں ہوتا...... ان سات میں سے چار کا بالکل عول نہیں ہوتا، دو، تین، چار اور آٹھ (۲، ۳، ۴، ۸) کیونکہ ان میں فروض اصل مسئلہ سے زائد نہیں ہوتے۔ لہٰذا دو میں عول نہیں۔

---

❶...... جنگل میں بہت زیادہ ریت والی جگہ۔

جیسے خاوند اور باپ شریک بہن، مسئلہ دو سے ہوگا۔ اور نہ تین میں عول ہے جیسے دو بیٹیاں اور ایک باپ شریک بھائی، مسئلہ تین سے ہوگا اور اس میں باقی بھائی کا ہے۔ اور نہ چار میں عول ہے جیسے خاوند اور بیٹا، کیونکہ مسئلہ چار سے ہوگا، خاوند چوتھائی لے گا اور باقی بیٹے کا ہے۔ اور نہ آٹھ میں عول ہے جیسے بیوی اور بیٹا اس میں مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔ بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور باقی بیٹے کا ہوگا۔

اصول میں سے جن کا عول ہوتا ہے..... باقی سابقہ اعداد کا کبھی عول ہوتا ہے اور وہ چھ، بارہ اور چوبیس ہیں (۶، ۱۲، ۲۴)۔

ا۔ چھ..... کا عول کبھی سات تک ہوتا ہے۔ جیسے ورثاء میں خاوند اور دو سگی بہنیں ہیں خاوند کو نصف (۳) اور دو سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) ملے گا مسئلہ (۶) سے ہو کر (۷) تک عول ہوگا۔ اور کبھی چھ کا عول آٹھ تک ہوتا ہے۔ جیسا کہ مباہلہ کے مسئلہ میں ہے، اور اس میں یہ وارث ہوتے ہیں خاوند، دو سگی بہنیں اور ماں، خاوند کو نصف (۳) دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) اور ماں کو سدس (۱) ملے گا مسئلہ (۶) سے ہو کر (۸) تک عول ہوگا اسلام میں یہ عول کا پہلا مسئلہ ہے۔

اور کبھی چھ کا عول (۹) تک ہوتا ہے جیسا مسئلہ مروانیہ میں ہے خاوند، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں، خاوند کو نصف (۳) دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) اور ماں شریک دونوں بہنوں کو ایک تہائی (۲) ملے گا مسئلہ (۶) سے ہوگا اور (۹) تک عول ہوگا۔ اور جیسے خاوند، ایک سگی بہن، ماں ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہن ہو تو خاوند کو نصف (۳) سگی بہن کو نصف (۳) اور ماں کو سدس (۱) باپ شریک بہن کو سدس (۱) اور ماں شریک بہن کو سدس (۱) ملے گا۔

اور کبھی چھ کا عول (۱۰) آتا ہے جیسا مسئلہ شریحیہ [1] میں ہے اور اسے ام الفروخ بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عول میں بہت افراد ہو گئے (جیسے چڑیوں کے بچے ہوتے ہیں) اور وہ خاوند، دو سگی بہنیں، دو ماں شریک بہنیں اور ماں ہے۔

خاوند کو نصف (۳) دو سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) ماں شریک دونوں بہنوں کو تہائی (۲) ماں کو سدس (۱) ملے گا مسئلہ (۶) سے اور اس کا عول ۱۰ تک ہوگا۔

جیسے، خاوند، ماں، دو ماں شریک بہنیں،، ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بہن اگر وارث ہوں تو خاوند کو نصف (۳)، ماں کو سدس (۱) ماں شریک دونوں بہنوں کو تہائی (۲) سگی بہن کو نصف (۳) باپ شریک بہن کو سدس (۱) مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا اور عول (۱۰) تک ہوگا۔

۲۔ بارہ..... کا عول کبھی ۱۳ تک ہوتا ہے جیسا کہ جب ورثاء میں بیوی، دو سگی بہنیں: اور ایک ماں شریک بہن ہو تو بیوی کو چوتھائی (۳) دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۸) ماں شریک بہن کو سدس (۲) ملے گا مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۳) تک عول ہوگا۔ اور جیسے، خاوند، دو بیٹیاں، اور ماں وارث ہوں تو خاوند کو چوتھائی (۳) دونوں بیٹیوں کو دو تہائی (۸) اور ماں کو سدس (۲) ملے گا مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۳) تک عول ہوگا۔

اور کبھی بارہ ۱۲ کا عول پندرہ ۱۵ آتا ہے جیسا کہ جب ورثاء میں خاوند، دو بیٹیاں اور باپ ہو تو خاوند چوتھائی (۳) لے گا دونوں بیٹیوں کو دو تہائی (۸) ملے گا اور ماں کو سدس (۲) باپ کو سدس (۲) ملے گا مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور پندرہ (۱۵) تک عول ہوگا۔ اور جیسے، بیوی، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں وارث ہوں تو بیوی کو چوتھائی (۳) دو سگی بہنوں کو دو تہائی (۸) اور دو ماں شریک بہنوں کو تہائی (۴) ملے گا۔ مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۵) تک عول ہوگا۔

---

[1] ..... قاضی شریح کے فیصلہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے خاوند کو ۱۰ میں سے ۳ حصے دیا تو وہ شہروں گھوم گھوم کر کے پوچھنے لگا کہ اگر کوئی عورت خاوند چھوڑ مرے اور اس کی اولاد بھی نہ ہو تو اسے کیا ملے گا؟ لوگ اسے بتاتے نصف، تو وہ کہنے لگا: شریح نے نہ مجھے نصف دیا ہے اور نہ تہائی، قاضی شریح نے اسے طلب کر کے ڈانٹ پلائی اور کہا: تم نے غلط کہا اور عول کو چھپایا مجھ سے پہلے پر ہیزگار منصف حاکم یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں۔

اور کبھی بارہ ۱۲ کا عول سترہ ۱۷ آتا ہے جیسے، بیوی، دوسگی بہنیں، دو ماں شریک بہنیں، اور ماں ہوں تو بیوی کو چوتھائی (۳) دوسگی بہنوں کو دوتہائی (۸) اور ماں شریک دو بہنوں کو تہائی (۲) ملے گا۔ مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۷) تک عول ہوگا۔

۳۔ چوبیس ۲۴.....ایک عول اٹا ہے یا ایک مرتبہ ستائیس ۲۷ تک عول آتا ہے جیسے مسئلہ منبریہ ہے، بیوی، دو بیٹیاں، باپ اور ماں ہوں تو بیوی کو آٹھواں حصہ (۳) دونوں بیٹیوں کو دوتہائی (۱۶) باپ کو سدس (۴) ماں کو سدس (۴) ملے گا مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اور (۲۷) عول آئے گا۔ اس کا نام منبریہ اس وجہ سے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر سوال کرنے والے کے سوال پر فی البدیہہ جواب دیا "عورت کا آٹھواں حصہ نو ہوگیا" قانون کا موقف، قانون مصری (م ۱۵) اور شامی (م ۲۳) نے عول کی صراحت کی ہے اور آرٹیکل کی یہ وضاحت ہے: جب فروض کے حصے ترکہ سے بڑھ جائیں تو میراث میں ان کے حصے آپس میں تقسیم ہوں گے۔

تیرہویں فصل: رد.....رد کی تعریف، اس میں علماء کے مذاہب، اور رد کا قاعدہ۔ (۱)

سب سے پہلے رد کی تعریف.....رد عول کی ضد ہے اس لئے کہ وہ حصوں میں اضافہ اور سہام میں نقص ہے لہٰذا ذوی الفروض نسبیہ کے حصے سے جو بچ جائے اسے ان کے سہام کے بقدر ان پر رد کیا جائے گا جب کہ زوجین پر رد نہیں ہوگا۔ اصحاب الفروض النسبیہ، زوجین کے علاوہ کے لوگ ہیں جن پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد ہوگا۔ تو میراث والوں کے نزدیک رد یہ ہوا: جو کچھ اصحاب الفروض نسبیہ کے حصوں میں بچ جائے وہ ان کے حقوق کے بقدر عصبہ کے نہ ہوتے ہوئے ان کی طرف رد کر دیا جائے، اور یہ عول کی ضد اور متضاد ہے کیونکہ عول کے ذریعہ اصل مسئلہ بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے اصحاب الفروض کے حصوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور رد کے ذریعے اصل مسئلہ میں نقص اور سہام میں اضافہ واقع ہو جاتا ہے۔

دوم: رد کے بارے میں علماء کے مذاہب.....بنیادی طور پر رد کے بارے میں علماء کے دو فریق ہیں:

۱.....ایک فریق عدم رد کی رائے رکھتا ہے جب کہ باقی ماندہ ترکہ اصحاب الفروض کا اپنے حصے لینے کے بعد اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بیت المال کو دیا جائے گا۔ یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے جسے امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے لیکن متاخرین مالکیہ کے نزدیک معتمد اور متاخرین شافعیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے: جب بیت المال کا انتظام نہ ہو تو باقی، زوجین کے علاوہ اہل فروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد ہوگا اور اگر وہ نہ ہوں تو ذوی الارحام (رشتہ داروں) پہ۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کی دلیل یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے نص کے ذریعے ہر وارث کا حصہ بیان کیا ہے جس پر بلا دلیل اضافہ جائز نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" جو آپ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا" اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے تو کوئی وارث اپنے حصے سے زیادہ کا حق دار نہیں ہوگا۔" (۲)

۲.....جمہور فقہاء صحابہ اور تابعین جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں کی رائے یہ ہے" کہ سوائے زوجین کے اصحاب الفروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد ہوگا، اسی کو احناف حنابلہ، متاخرین مالکیہ اور شافعیہ نے اختیار کیا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ اس لئے کہ بیت المال کا نظام بگڑ گیا ہے امام غزالی "المستصفی" میں فرماتے ہیں: آج کل مستحق کے نہ ہونے کی وجہ سے زوجین کے

---

(۱).....السراجیة ص ۱۲۸۔۱۳۹، الکتاب مع اللباب: ۱۹۷/۴، الشرح الصغیر: ۶۲۹/۴۔۶۳۰، مغنی المحتاج: ۶/۳۔۷، المغنی: ۲۰۱/۶۔۲۰۳، ۲۳۶، الدر المختار ورد المحتار: ۵۵۶/۵۔ (۲) مشہور حدیث یہ ہے" اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا کر دیا ہے سو کسی وارث کے لئے وصیت نہیں" ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجه عن ابی امامة (نصب الراية: ۴۰۳/۴)

علاوہ پر رَد کا فتویٰ ہے کیونکہ بیت المال نہیں رہا اس واسطے کہ ظالم اسے اپنے مصرف میں نہیں صرف کرتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اصحاب الفروض حتیٰ کہ زوجین پر رد کو جائز کہا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے ''تین افراد پر ردنہیں ہوتا، زوجین اور جدہ، کیونکہ سنت سے جدہ کی میراث ایک لقمہ ثابت ہوئی'' حدیث ہے ''دادیوں کو سدس کھلاؤ'' ❶ اس میں اضافہ اسی صورت میں ہوگا جب اس کے علاوہ کوئی نسبی وارث نہ ہو۔

جمہور کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ قریبی ہیں۔'' (الاحزاب ۳۳/۶) اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذوی الارحام (میت کے قریبی رشتہ دار) دوسرے سے زیادہ تر کے حقدار ہیں۔ لہٰذا وہ بیت المال سے بھی زیادہ حق دار ہوں گے اس لئے کہ وہ تو باقی مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور رشتہ دار نص کی وجہ سے اجنبیوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میت سے سب سے قریبی رشتہ داری والے اصحاب الفروض ہیں اور زوجین جب رشتہ داروں میں سے نہیں ہیں تو انہیں آیت شامل نہیں۔ اس لئے وہ رد کے ذریعہ کوئی چیز نہیں لیں گے۔ اس لئے کہ ان کی میراث قرابت و رشتہ داری کے علاوہ ایک اور سبب سے بنتی ہے جو زوجیت ہے۔

اور سنت میں ہے: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگی: اللہ کے رسول! میں نے اپنی والدہ کو ایک باندی صدقہ میں دی، بعد میں میری والدہ فوت ہوگئی اور وہ باندی رہ گئی۔ آپ نے فرمایا: تمہیں ثواب مل گیا اور باندی اور میراث میں تمہارے پاس واپس آ گئی'' تو آپ نے اس کا حق پوری باندی میں مقرر فرمایا، اگر رد نہ ہوتا تو اس کا حصہ صرف نصف بنتا تھا۔

قانون کا موقف..... قانون مصری (م ۳۰) اور شامی (م ۲۸۸) نے زوجین پر رد کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں زوجین کے علاوہ اصحاب الفروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح جب نسب میں سے کوئی عصبہ نہ ہو یا اصحاب الفروض نسبیہ میں سے یا ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو زوجین میں سے ایک پر رَد کو جائز قرار دیا ہے۔ قانون کی رو سے زوجین پر رد ذوی الارحام کی میراث سے مؤخر ہوگا۔ اس تفصیل کے فقہاء قائل نہیں۔ کبھی کبھار مصلحت پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عصبہ نسبیہ کی عدم موجودگی کی صورت میں زوجین کے علاوہ پر رد کی اجازت دی گئی ہے اور یہ جمہور کی رائے ہے البتہ جب ذوی الارحام نہ ہو اور زوجین میں سے کسی ایک پر رَد ہو تو اس صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے اتفاق کرتا ہے جنہوں نے تمام ذوی الفروض (بشمول زوجین) پر رد کی اجازت دی ہے۔ اور اس بات سے بھی اتفاق کرتے ہیں جس کی متاخرین حنفیہ نے اجازت دی ہے کہ زوجین پر رَد ''اس صورت میں جائز ہے جب ان کے علاوہ کوئی رشتہ دار نہ ہو، اس لئے کہ آج کل حکمران خراب اور حکام ظالم ہیں''۔ ❷

ذوی الارحام کو میراث دینے کے بعد زوجین میں سے کسی ایک پر رد کی وجہ یہ ہے کہ زندگی میں خاوند بیوی کا تعلق اس حالت میں یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کے مال میں دوسرے مستحقین کی جگہ حق ہو۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے: کہ قانون نے زوجین کے علاوہ پر رد میں جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے اور ایک حالت کو مستثنیٰ کیا ہے، جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر عمل کیا ہے اور وہ ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں زوجین میں سے کسی ایک پر رَد ہے۔

سوم: رد کا قاعدہ..... رد کے مسائل کی چار قسمیں ہیں۔ وہ اس طرح کہ مسئلہ میں ''من یرد علیه'' میں سے ایک صنف ہوگی

❶..... حدیث مغیرہ سے مشہور ہے جو امام مالک، امام احمد اور اصحاب السنن کی کتابوں میں ہے ''میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا آپ نے دادی کو سدس دیا'' (نصب الرایة: ۴/۴۲۸) ❷ حاشية ابن عابدين ۵/۵۵۶، ط الحلبي۔

یا زیادہ۔ پھر دونوں تقدیروں پر یا تو مسئلہ میں ''من لایرد علیہ'' میں سے کوئی ہوگا یا نہیں ہوگا یوں یہ چار قسمیں ہوگئیں۔

اول......مسئلہ میں من یرد علیہ کی ایک صنف ہو اور ان کے ساتھ من لایرد علیہ میں (یعنی خاوند بیوی میں) سے کوئی نہ ہو۔ اس مسئلہ کو عدد رؤس کی مقدار سے بنایا جائے گا کیونکہ سارا مال انہیں فرض اور رد کے ذریعے ایک ساتھ ملے گا۔ اور عدد رؤس کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، جیسے کوئی شخص دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو جدات چھوڑ مرا، تو اصل مسئلہ (۲) سے ہوگا ہر ایک کو ان دو میں سے فرض اور رد کی وجہ سے نصف دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں مستحق ہونے میں برابر ہیں۔ اور جس کے ورثا میں ایک بیٹی ہو تو سارا ترکہ اسے فرض اور رد کی وجہ سے ملے گا۔ اور جس کے ورثاء میں ۳ سگی بہنیں ہوں تو فرض اور رد کی وجہ سے سارا ترکہ ملے گا۔ ہر ایک کو تہائی ملے گا۔

دوم......مسئلہ میں من یرد علیہ میں سے ایک صنف سے زیادہ ہوں، اور ان کے ساتھ کوئی ''من لایرد علیہ'' میں سے کوئی نہ ہو۔ اصلی مسئلہ سہام الفروض کے مجموعہ کو بنایا جائے گا جو مسئلہ کے مخرج سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ جدہ اور ماں شریک بہن میں سے ہر ایک کو سدس دیا جائے گا اصل مسئلہ دو/ ۲ سے بنایا جائے گا، کیونکہ یہ ان دونوں کے سہام کا مجموعہ ہے اس لئے کہ مسئلہ کی اصل (٦) سے ہے جو دو سدس کا مخرج ہے۔ جدہ کو سدس دیا جائے گا جو اس کا سہم ہے اور ماں شریک بہن کو سدس ملے گا جو اس کا سہم ہے یوں ان دونوں کے سہام کا مجموعہ دو ہوا، اور اصل مسئلہ کو مہمل قرار دیا جائے گا اور مجموعہ سہام کو اصل قرار دیا جائے گا۔ تین ۳ بیٹیوں اور ماں کی صورت میں اصل مسئلہ پانچ سے بنے گا بیٹیاں ۵ / ۴ وصول کریں گی اور ماں ۵ / ۱۔ اور ماں اور دو ماں شریک بھائیوں کی صورت میں اصل مسئلہ (۳) سے بنے گا کیونکہ یہ مجموعہ سہام ہے جب کہ بنیادی اصل (٦) ہے ماں کے لئے سدس: جو ایک سہم ہے اور دونوں بھائیوں کے لئے تہائی دو سہم ہوئے۔

اصل کو چھوڑ کر مجموعہ سہام کو اصل بنایا جائے گا۔ اور سگی بہن اور باپ شریک بہن ہونے کی صورت میں اصل مسئلہ مجموعہ سہام سے بنایا جائے گا جو چار ہے اس لئے کہ پہلی اصل (٦) ہے سگی بہن کو نصف جو تین سہم ہیں اور باپ شریک بہن کا سدس جو ایک سہم ہے۔ اصل کو چھوڑ کر مجموعہ سہام کو اصل بنایا جائے گا، اسی طرح رد، وہ تمام مسائل جن میں زوجین سے کوئی ایک نہ ہو چھ/ ٦ سے ہوں گے اور اس سے کم پر ختم ہوں گے اور کبھی ان میں تصحیح کی ضرورت پڑتی ہے۔

جب ورثاء میں تقسیم پوری ہو جائے جیسا کہ سابقہ مثالوں میں ہے تو بہتر ورنہ جیسے جب ورثاء میں ایک بیٹی اور تین پوتیاں ہو تو مسئلہ چھ/ ٦ سے ہوگا اور چار کی طرف رد ہوگا بیٹی کو (۳) اور پوتیوں کو ایک ملے گا جو ان پر تقسیم نہیں ہوتا۔

لہٰذا ان کے عدد رؤس یعنی (۳) کو رد مسئلہ کی اصل جو (۴) ہے سے ضرب دی جائیگی حاصل (۱۲) ہوگا اور اسی سے تصحیح ہوگی۔

سوم......اصل مسئلہ میں من یرد علیہ کی صنف واحد کے ساتھ من لایرد علیہ یعنی زوجین میں سے کوئی ایک ہو: تو اصل مسئلہ ''من لایرد علیہ'' کے حصے سے بنایا جائے گا اور اس میں سے اسے اس کا مقرر حصہ (فرض) دیا جائے پھر باقی کو ''من یرد علیہ'' میں ان کے عدد رؤس کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے۔ پھر اگر باقی سہام کی تقسیم عدد رؤس پر صحیح عدد کے ذریعے بغیر کسر کے ممکن ہو تو کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر ممکن نہ ہو تو سہام کی تصحیح اصل مسئلہ کو ایسے کم عدد میں ضرب دے کر کی جائے جو من یرد علیہ کے جس میں تقسیم کو قبول کرتا ہو۔ خاوند اور تین بیٹیوں کی صورت میں اصل مسئلہ خاوند کے حصہ کے مخرج سے ہوگا جو چار (۴) ہے اس میں سے خاوند کا ایک سہم اور باقی کے تین سہام تین بیٹیوں کے لئے بطور فرض و رد ہوں گے۔ یہاں تصحیح اور ضرب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ سہام کی تعداد صحیح عدد کے ذریعے رؤس کے عدد میں تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ ایک بیوی، اور تین سگی بہنوں کی صورت میں اصل مسئلہ بیوی کے حصہ کے مخرج

سے ہوگا جو چار ہے، بیوی کا حصہ چوتھائی جو ایک سہم ہے اور باقی بہنوں کے لئے فرض اور رد کے اعتبار سے، جو تین سہم ہیں۔ اور یہاں بھی سہام کی تعداد صحیح عدد کے ساتھ عدد روٗس میں تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ بیوی اور چار بیٹیوں میں اصل مسئلہ (۸) سے ہوا بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا جو ایک سہم ہے اور بنات کو باقی ملے گا فرض اور رد کے اعتبار سے۔ اور وہ سات سہم ہیں۔ لیکن من یرد علیہ کے عدد روٗس میں بغیر کسر سہام کا مجموعہ تقسیم قبول نہیں کرتا، لہٰذا مسئلہ کی تصحیح اصل مسئلہ جو (۸) ہے کو ایسے کم عدد میں ضرب دینے سے ہوگی جو روٗس بنات میں تقسیم کو قبول کرے اور وہ چار (۴) ہے یوں (۳۲) سہام حاصل ہوں گے جن میں سے بیوی آٹھواں حصہ وصول کرے گی جو چار سہام ہیں باقی بیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا ہر ایک کے سات سہام ہوں گے۔

اور خاوند اور پانچ بیٹیوں کی صورت میں مسئلہ زد: یہ چار سے ہوگا خاوند کے اس میں سے چوتھائی ہوگا جو ایک سہم ہے باقی بیٹیوں میں تقسیم نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے سہام کی تعداد اور عدد روٗس میں تباین (تضاد) ہے لہٰذا عدد روٗس جو پانچ ہے کو رد کی مسئلہ کی اصل سے جو (۴) ہے ضرب دیں گے یوں (۲۰) حاصل ہوگا۔ اور اسی سے تصحیح ہوگی۔ خاوند اور چھ/ ۶ بیٹیوں کی صورت میں خاوند کو چوتھائی ملے گا جو ایک سہم ہے اور باقی تن چھ بیٹیوں کے لئے ہے اس میں اور بیٹیوں کے عدد روس میں تین کی وجہ سے موافقت ہے بنات کیعُد دکو (۲) کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس عدد کو اصل ردی مسئلہ سے ضرب دی جائے گی، مجموعہ (۸) ہوگا۔ خاوند کے (۲) اور بیٹیوں کے چھ (۶) حصے ہوں گے ہر ایک کا ایک سہم ہوگا۔

چہارم...... دونوں صنفوں کے ساتھ یا ان سے زیادہ من یرد علیہ اور من لایرد علیہ میں سے کوئی ایک ہو تو اصل مسئلہ من لایرد علیہ کے فرض کے مخرج سے بنایا جائے گا اور اس میں سے اسے اس کا حصہ دیا جائے گا۔ پھر باقی میں سے من یرد علیہ پر ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا اور اس میں سے جہاں تصحیح کی ضرورت ہوگی تصحیح کی جائے گی۔ بیوی، ماں اور دو ماں شریک بھائیوں کی صورت میں اصل مسئلہ چار سے ہوگا زوجہ کو چوتھائی ملے گا جو ایک سہم ہے اور باقی (۳) ماں اور ماں شریک بھائیوں میں سدس سے تہائی تک کے تناسب سے تقسیم ہو جائے گا۔ یعنی ایک سے دو تک، یہاں بغیر کسر کے سہام کی تقسیم ممکن ہے ماں کا ایک سہم ہوگا اور ماں شریک بھائیوں کے دو سہم، دونوں میں سے ہر ایک کا ایک سہم ہوگا۔

اور بیوی، دو بیٹیوں اور ماں کی صورت میں، بیوی کو دو تہائی اور ماں کو سدس ملے گا اصل مسئلہ (۸) سے ہوگا، بیوی کو اس میں سے ایک سہم ملے گا باقی (۷) دو بیٹیوں اور ماں میں دو تہائی سے سدس تک کی نسبت (یعنی ۴ سے ۱) تقسیم کر دیا جائے گا، مجموعہ پانچ ہوا، سات ان میں بغیر کسر کے تقسیم ہو نہیں سکتا، اصل مسئلہ میں تصحیح ہوگی جسے ایسے کم عدد سے ضرب دی جائے گی جو صحیح عدد کے ذریعہ پانچ میں تقسیم کو قبول کرے۔ یوں (۸x۵=۴۰) حاصل ہوگا، اسی سے تصحیح ہوگی، زوجہ کو آٹھواں حصہ ملے گا پانچ سہام اور باقی (۳۵) سہم بچیں گے جنہیں دو بیٹیوں اور ماں میں تقسیم کر دیا جائے گا (۴ تا ۱) کے تناسب سے یعنی دونوں بیٹیوں کے (۲۸) سہم، ہر ایک کے (۱۴) سہم اور ماں کے (۷) سہام ہوں گے۔

یہ پوری تقسیم ایک مثال پر منطبق (فٹ) ہوتی ہے وہ: چار/ ۴ بیویاں، نو/ ۹ بیٹیاں (۶) جدات والی مثال ہے، بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا جو اصل مسئلہ ہے اور بیٹیوں کو دو تہائی اور جدات کو سدس دیا جائے گا۔ جب ترکہ (۱۴۴۰) دینار ہوں (۴۰) پر تقسیم ہوں (۳۶) حاصل ہوگا۔ جسے بیویوں کے سہم سے ضرب دی جائے گی جو (۵) ہے تو حصہ (۱۸۰) بنے گا۔ اور (۲۸) سے بیٹیوں کے حصہ کو ضرب دی جائے گی تو ان کا حصہ (۱۰۰۸) بنے گا اور (۷) کو ماں یا جدات کے حصے سے ضرب دی جائے گی تو (۲۵۲) حصہ بنے گا۔

اور ایک بیوی (۳) جدات اور (۵) ماں شریک بہنوں کی صورت میں اصل مسئلہ (۴) سے بنے گا جو بیوی کے حصہ کا مخرج ہے وہ

(۱) وصول کرے گی اور باقی (۲ تا ۱) کی نسبت سے تقسیم ہو جائے گا یعنی تہائی کے تناسب سے جو بہنوں کا فرض ہے سدس تک جو جدات کا فرض ہے، تصحیح کی ضرورت پڑے گی کیونکہ (۱) اور جدات کے عدد (۳) میں اور (۲) اور بہنوں کے عدد کے درمیان تباین ہے لہٰذا ہم جدات کے عدد روس (۳) کو بہنوں کے عدد روس (۵) سے ضرب دیں گے۔ حاصل (۱۵) ہوگا جسے ہم اصل (۴) مسئلہ سے ضرب دیں گے تو حاصل (۶۰) ہوگا بیوی کو چوتھائی (۱۵) ملے گا اور باقی (۴) تین تہائیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جدات کو اس کا تہائی (۱۵) دیا جائے گا ہر ایک کے (۵) سہم ہوں گے اور ماں شریک بہنوں کو دو تہائی ملیں گے جو (۳۰) ہیں ہر بہن کو (۶) دیا جائے گا۔

چودہویں فصل: حساب

فروض کے مخارج، مسائل کے اصول اور ان کی تصحیح: حساب.....لغت کے لحاظ سے **حسب یحسب الشی** کسی چیز کو شمار کرنا ہوتا ہے اور اصطلاح میں ان اصول کا علم جن کے ذریعہ عددی مجہولات کو نکالنے تک پہنچا جاتا ہے۔ اور یہ علم فرائض وغیرہ کے حساب کو شامل ہے۔ یہاں اس سے مقصود کسی چیز کے حسابی مسائل کے نتائج پر کلام کرنا ہے اور وہ مسائل کے اصول بنانا اور ان کی تصحیح ہے۔ ❶

اس کی تمہید فروض کے مخارج بیان کرنے سے قائم کی جاتی ہے:

سب سے پہلے فروض کے مخارج.....اللہ تعالیٰ کی کتاب کی رو سے مقرر کردہ فروض چھ/۶ ہیں جن کی دو قسمیں ہیں ❷

۱.....نصف، ربع (چوتھائی) اور ثمن (آٹھواں)۔

۲.....ثلثان (دو تہائی) ثلث (تہائی) اور سدس (چھٹا حصہ)

تنصیف اور تضعیف کی نسبت ہے۔

ہر فرض کا مخرج باقی فروض سے منفرد ہے: اس کے ہم نام سے، سوائے نصف کے کہ وہ دو سے ہے اور دو کا کوئی ہم نام نہیں یعنی سارے اپنے عدد کے مادہ سے مشتق ہیں سوائے اول کے، ثلث کا مخرج تین ہے ربع کا چار اسی طرح باقی کا، سوائے نصف کے، کہ اس کا مخرج دو ہے۔

اور فروض کے مخارج کا مجموعہ سات اعداد ہیں ان میں سے پانچ اعداد کتاب اللہ میں مذکور فروض کے مخارج ہیں اور وہ یہ ہیں: دو ۲، تین ۳، چار ۴، چھ ۶، اور آٹھ ۸۔ یہ اس وجہ سے کہ ثلث اور ثلثین کا مخرج متحد ہے۔

ان کے ساتھ بارہ ۱۲ کو ملایا جاتا ہے۔ چھ کا دوگنا اور چوبیس، بارہ کا دوگنا، پہلے کی مثال: بیوی، ماں شریک بھائی اور ماں ہے بیوی کو چوتھائی ماں کو سدس اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی ملے گا۔ چوتھائی کا مخرج چار اور تہائی کا تین ہے اور دونوں مخرجوں میں تباین ہے لہٰذا ہم ایک کو دوسرے سے ضرب دیں گے۔ حاصل ہوا بارہ ۱۲۔ اور دوسرے کی مثال سدس اور ثمن کا یکجا ہونا ہے۔ جیسے بیوی ماں اور ولد بیوی کو ثمن، ماں کو سدس اور ولد کو باقی ملے گا۔ دونوں مخرجوں میں نصف کی وجہ سے توفیق ہے لہٰذا ہم دونوں میں سے ایک کے نصف سے دوسرے کامل عدد کو ضرب دیں گے تو نتیجہ چوبیس ۲۴ ہوگا۔

---

❶.....الرحبیة ص ۵۶۔ ❷السراجیة ص ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۱۹، تبیین الحقائق ۲۴۳/۶۔۲۵۰، القوانین الفقهیة ص ۳۸۵، الشرح الصغیر: ۶۴۱/۴، ۶۵۵، ۶۶۰، ۶۷۱، مغنی المحتاج: ۳۲/۳۔۳۷، المغنی: ۱۸۹/۶، ۲۰۴، الدرالمختار: ۵۷۰/۵، ۵۷۲، اللباب: ۲۰۳/۴ کشاف القناع: ۴۷۶/۴۔

دوم: سات مسائل کے اصول اوران کی تصحیح:

فرائض کے مسائل کی تصحیح...... وہ یہ کہ سہام کسی ایسے کم سے کم عدد سے لئے جائیں کہ ممکن حد تک کسی وارث کو کسر کا سامان نہ کرنا پڑے، اور ہر وارث کا حصہ اس عدد صحیح نکل آئے۔ اور یہ مضاعف کا مشہور قاعدہ ہے اور اس سے مراد وہ مضاعف ہے جو ان اعداد کے لئے بسیط ہے جن سے تقسیم کرنا مقصود ہو۔

اور مسائل کے اصول کا مطلب ہے جن سے ان کے فروض نکالے جاتے ہیں۔ اور سارے مسائل کے اصول سات اعداد ہیں جن کی وضاحت میں نے پہلے کردی ہے ان میں سے چار میں عول نہیں ہوتا اور وہ دو ۲، تین ۳، چار ۴، اور آٹھ ۸ ہے اور تین ان میں سے عول کو قبول کرتے ہیں اور وہ چھ ۶، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴ ہے جن کا مجموعہ (۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴) ہے۔ میں عول اور رد کی دونوں حالتوں میں ترکہ کی تقسیم کا طریقہ واضح کر چکا ہوں۔ عول میں ہر ذی فرض کا حصہ اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ پہلی اصل کو بے کار قرار دیا جاتا ہے اور عول کے بعد والی اصل کو اصل سمجھا جاتا ہے اور سہام کی نسبت بھی اسی کی طرف ہوتی ہے اور اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم ہوتی ہے تا کہ ہر وارث کو اپنے حصہ کے تناسب سے کمی کا سامنا ہو۔

اور رد میں اصل مسئلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے صرف زوجین میں سے کوئی ایک اپنا فرض وصول کرتا ہے۔ اور باقی ماندہ اصحاب الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کردیا جاتا ہے اور اسی کے تناسب سے ان پر رد ہو جاتا ہے یوں ہر ذی فرض کا حصہ وہی بنتا ہے جس کا وہ فرض اور رد کے اعتبار سے مستحق ہوتا ہے۔

البتہ عول اور رد کی دونوں حالتوں کے علاوہ، اصل مسئلہ کی پہچان مندرجہ ذیل طریقوں سے ہوتی ہے۔ [1]

۱۔ جب مسئلہ میں ایک صاحب فرض ہو...... تو اس کی اصل اسی فرض کا مخرج ہوگی جیسے باپ اور ماں، ماں کو تہائی اور باپ کو باقی ملے گا۔ مسئلہ کی اصل (۳) سے ہوگی ماں (۱) اور باپ باقی (۲) وصول کرے گا۔

۲۔ جب مسئلہ میں دو اصحاب الفروض جمع ہوں اور وہ دونوں سابقہ دو انواع میں سے کسی ایک نوع سے تعلق رکھتے ہوں

(اول: نصف ربع اور ثمن اور۔ دوم: ثلثان، ثلث اور سدس) تو مسئلہ کی اصل وہ مخرج ہوگا جو اس کے دوگنے اور دوگنے کے دوگنے کو شامل ہو، اس لئے پہلی قسم میں آٹھ (آٹھویں حصے) کا مخرج ہے اور اس کا دوگنا چار ہے اور دوگنے کا دوگنا نصف ہے۔ اور دوسری قسم میں چھ سدس کا مخرج ہے جو اس کے دوگنے اور دوگنے کے دوگنے کو بھی شامل ہے جو ثلث اور ثلثان ہے۔ اسی واسطے ثلث اور ثلثین کے دونوں مخرجوں میں سے ہر ایک سدس کے مخرج میں داخل ہے اگر میت کے ورثاء میں بیوی اور بیٹی ہو تو مسئلہ آٹھ سے ہوگا کیونکہ ثمن اور نصف موجود ہے بیوی کو ثمن اور بیٹی کو نصف (۴) ملے گا باقی (۳) بیٹی پر رد ہوگا۔

اور اگر ورثاء میں خاوند اور بیٹی ہو تو مسئلہ چار سے ہوگا اس لئے کہ چوتھائی اور نصف موجود ہے اور اگر میت کے وارثوں میں ماں اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ چھ سے بنے گا کیونکہ سدس اور ثلث موجود ہے اور اگر ورثا میں ماں، دو سگی بہنیں، اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ چھ سے بنے گا اس واسطے کہ سدس اور دو تہائی موجود ہے۔ اور اگر ورثاء میں دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ

---

[1] ..... السراجية ص ۱۱۰-۱۱۸، تبيين الحقائق ۶/۲۴۵، الدر المختار ۵/۵۷۰-۵۷۲، الكتاب مع اللباب: ۴/۲۰۳-۲۱۱، الشرح الصغير: ۴/۲۴۱-۲۴۴، ۶۵۵-۶۷۱، مغني المحتاج: ۴/۳۲-۳۷، الرحبية ص ۶، المغني: ۱۸۹-۱۹۶۔

تین سے ہوگا اس لئے کہ تہائی اور دو تہائی موجود ہے۔

۳۔ جب مسئلہ نوع اول کے بعض افراد، نوع ثانی کے بعض یا کل افراد کے ساتھ جمع ہوں.....تو اس میں تفصیل ہے۔

الف..... جب دو تہائی اور تہائی کے ساتھ نصف جمع ہو، جیسے خاوند، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں تو مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا۔

اور جب صرف نصف کا تہائی سے اختلاط (Mixing) ہو جیسے خاوند دو ماں شریک بہنیں یا صرف دو تہائی کے ساتھ جیسے خاوند، اور دو سگی بہنیں یا صرف سدس کے ساتھ جیسے بیٹی اور ماں تو مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا۔ اسی طرح جب نصف کا اختلاط ثلث اور سدس کے ساتھ اکٹھے ہو جیسے خاوند دو ماں شریک بہنیں اور ماں تو پھر بھی مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

ب..... جب چوتھائی نوع ثانی کے تمام افراد کے ساتھ جمع ہو جائے جیسے بیوی، ماں، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں تو مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا۔ اسی طرح جب چوتھائی کا صرف ثلثین کے ساتھ اختلاط ہو جیسے خاوند اور دو بیٹیاں یا صرف ثلث کے ساتھ جیسے بیوی اور ماں یا ثلثان اور سدس کے ساتھ جیسے بیوی، ماں اور دو سگی بہنیں یا چوتھائی ثلث اور سدس کے ساتھ مل جائے جیسے بیوی، ماں اور دو ماں شریک بہنیں تو ان تمام صورتوں میں مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا۔

ج.....اور جب ثمن، ثلثین اور سدس کے ساتھ یکجا ہو جائے جیسے بیوی دو بیٹیاں اور ماں یا صرف ثلثین کے ساتھ جیسے بیوی اور دو بیٹیاں یا صرف سدس کے ساتھ جیسے بیوی، ماں، اور بیٹا تو مسئلہ چوبیس (۲۴) سے ہوگا۔ نوع ثانی کے تمام افراد کے ساتھ ثمن کے جمع ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا۔

سوم: مسائل کی تصحیح کا طریقہ..... جب بعض ورثا کے سہام جو اصل مسئلہ سے حاصل ہوں مستحقین میں بغیر کسر کے تقسیم نہ ہوتے ہوں تو اسے سہام بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے جو بغیر کسر تمام ورثاء میں تقسیم ہونے کو قبول کریں یعنی صحیح تقسیم۔ اور اسی کا نام تصحیح ہے۔

مسئلہ کی تصحیح..... اصل مسئلہ یا اس کے عول کو ایسے کم عدد سے ضرب دی جائے جس کے ساتھ ہر وارث سہام کی مقدار میں صحیح عدد کے ساتھ منفرد ہو اور اس میں کسر نہ ہو، تصحیح کے بعد حاصل ضرب اصل مسئلہ ہوگی جس کی تکمیل آنے والے قواعد کی موافقت سے ہوگی جس میں دو عددوں کے درمیان تماثل، توافق، تداخل، یا ان کا اعداد رؤس کے ساتھ تباین ہوتا ہے یعنی ان کے رؤس جن کے سہام میں کسر واقع ہو جب یہ کسر ایک ہی طائفہ میں یا ایک سے زیادہ میں ہو۔

ان انواع اربعہ کی وجہ سے حصر ہے..... آپ جب ایک عدد کو دوسرے کی طرف منسوب کریں تو وہ اس کے مساوی ہوگا یا نہیں، پہلی قسم تماثل ہے دوسری قسم میں یا تو زیادہ کم پر صحیح تقسیم کے ساتھ تقسیم ہو جائے گا یا نہیں، پہلے کو تداخل اور دوسرے یا تو ان دونوں کو ایک کے علاوہ کوئی عدد ختم کردے گا یا نہیں پہلی قسم توافق اور دوسری تباین ہے۔

پہلی قسم: ایک سے زیادہ طائفہ میں انکسار کی حالت..... اس حالت میں عدد رؤس کے درمیان نسبت کو دیکھا جاتا ہے۔

۱۔ عددین کا تماثل..... یعنی جب ایک دوسرے کے مساوی ہو جیسے تین، تین جب دو عددوں میں تماثل ہو تو ان میں سے ایک کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جاتی ہے جیسے تین بیویاں تین بیٹیاں اور چچا، بیویوں کو ۸ / ۱ = ۳ اور بیٹیوں کو ۳ / ۲ = (۱۶) اور چچا کو باقی (۵) ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اور (۷۲) سے تصحیح ہوگی اس لئے کہ بیوی کا عدد (۳) ہے اور بیٹیوں کا بھی (۳) اور یہ دونوں متماثل ہیں اس لئے ہم نے ایک متماثل (۳) لیا اور اسے اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دی تو (۷۲) حاصل ہوا اور اسی سے تصحیح کی۔ سہام

میں جس کا حصہ ہوگا وہ اصل مسئلہ سے ضرب دیئے ہوئے میں ضرب دے کر وصول کرے گا اور اس مضروب کو جزء سہم" کہا جاتا ہے لہٰذا بیویاں (۹) بیٹیاں (۴۸) اور چچا (۱۵) وصول کرے گا یہ صرف تمثیل کے لئے۔

۲۔عددین میں توافق...... ان اعداد روس کے درمیان جن میں کسر واقع ہوتی ہے کسی جزء میں موافقت اس انداز میں کہ ان دونوں میں سے کم کو زیادہ شمار نہ کیا جائے۔ جیسے چار ۴ اور چھ ۶ کیونکہ یہ دونوں نصف کے ساتھ موافق ہیں یعنی دونوں دو پر تقسیم ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح آٹھ ۸ اور بیس ۲۰، کیونکہ یہ دونوں نصف اور چوتھائی میں موافق ہیں یعنی دونوں دو ۲ اور چار ۴ پر تقسیم ہوجاتے ہیں۔ جب دو اعداد میں توافق ہو تو وفق اعلیٰ کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جاتی ہے جب وہ مسئلہ عادلہ ہو نہ کہ عائلہ یا اس کے عول میں ضرب دی جائے گی اگر مسئلہ عائلہ ہو اور اسی سے تصحیح ہوگی جیسے ۴ بیویاں: ۸ / ۱، ۶ بیٹیاں: ۳ / ۲، چچا کے لئے باقی ہے۔ بیویوں کے (۳) بیٹیوں کے (۱۶) اور چچا کے (۵) حصے ہوں گے۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا بیویوں کے سہام اس مسئلہ میں ان پر تقسیم نہیں ہورہے۔ اور بیٹیوں کے سہام (۱۶) ان پر تقسیم نہیں ہورہے اور بیویوں اور بیٹیوں کے عدد کے درمیان موافقت بالنصف ہے لہٰذا ہم ان دو میں سے ایک کے وفق کو دوسرے کے کامل عدد میں ضرب دیں گے (2 x 6 = 12) حاصل بارہ ۱۲ ہوا اور یہی جزء سہم ہے۔ جسے ہم اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے جو (۲۴) ہے تو (۲۸۸) بن جائیں گے اور جس کا سہام میں کوئی حصہ ہوگا وہ سہم کے جزء میں جو (۱۲) ہے مضروب لے گا۔ لہٰذا بیویوں کے (۳۶) بیٹیوں کے (۱۹۲) اور چچا کے (۶۰) حصے ہوئے۔

۳۔تداخل عددین...... وہ یہ ہے کہ کم پر صحیح طرح تقسیم ہوجائے بایں طور کے زیادہ میں سے کچھ نہ بچے جیسے تین اور چھ (۶،۳) چنانچہ اگر چھ کو تین پر دو مرتبہ تقسیم کیا جائے تو کچھ نہ بچے گا۔ یا ہم کم میں اسی کی یا اس سے کئی زیادہ مقدار اضافہ کردیں کہ بالآخر زیادہ کے مساوی اور برابر ہوجائے، مذکورہ مثال میں اگر ہم تین میں اور تین شامل کرتے ہیں تو یہ بڑے عدد کے مساوی ہوجائے گا۔ پھر تداخل عددوں میں سے بڑے عدد کو لیا جائے گا جو چھ ہے اس واسطے کہ تین تو چھ میں داخل ہے اسی پر ہم اکتفا کریں گے اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے۔ جیسے (۳) بیویاں: ۸ / ۱ (۶) بیٹیاں ۳ / ۲ چچا باقی کا حق دار، تین بیویوں کو (۳) بیٹیوں کو (۱۶) اور چچا کو (۵) ملے گا۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا بیویوں اور بیٹیوں کا عدد آپس میں متداخل ہے تو اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے بڑا عدد لیا جائے اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دے دیں (24x 6 = 144) تصحیح (۱۴۴) سے ہوگی جس کا سہام میں کوئی حصہ بنتا ہے وہ چھ سے ضرب دیئے جانے کے بعد جو جز سہم ہے وصول کرلے گا۔ اس لحاظ سے بیویوں کے (۱۸) بیٹیوں کے ۹۶) اور چچا کے (۳۰) حصے ہوئے اور یہ محض مثال بیان کرنے کے لئے ہے۔

۴۔تباین...... وہ یہ ہے کہ تیسرا عدد دو مختلف عددوں کو ایک ساتھ شمار نہ کرے۔ جیسے نو ۹ اور دس ۱۰، جب دو عدد متباین ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسرے سے ضرب دی جائے گی۔ اور اگر مسئلہ عائلہ نہ ہو تو حاصل کو اصل مسئلہ سے اور اگر عائلہ ہو تو اس کے عول سے ضرب دی جائے گی۔ جیسے (۲) بیویاں ۸ / ۱، (۳) بیٹیاں ۳ / ۲ اور چچا کو باقی ملے گا۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا بیویوں اور بیٹیوں کے اعداد متباین ہیں اس لئے عدد روس زوجات (۲) کو ہم عدد روس بنات (۳) سے ضرب دیں گے مبلغ (۹۶) ہوگا جو جزء السہم ہے اسے اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی یوں (۱۴۴) ہوجائے گا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ اب دونوں بیویوں کو (۱۸=۶x۳) اور تینوں بیٹیوں کو (۱۶ x۶=۹۶) اور چچا کو (۵ x۶=۳۰) دیا جائے گا۔

اور جیسے (۲) بیویاں ۸ / ۱ (۳) بہنیں ۳ / ۲، ۲ چچا، اصل (۱۲) ہے دونوں بیویوں کو (۳) بہنوں کو (۸) بطور فرض دیا جائے گا اور دونوں چچاؤں کو (۱) عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ بیویوں اور بہنوں کے عدد کے مابین تباین ہے لہٰذا ان میں سے ایک کو دوسرے سے

ضرب دیں گے (۶۲=۳x۲) یہی جزءالسہم ہے پھر حاصل کو (۱۲) سے ضرب دی جائے گی (۷۲=۱۲x۶) اور اسی سے تصحیح ہوگی، پھر ورثاء کے سہام کو چھ (۶) سے ضرب دی جائے تو بیویوں کے (۱۸) بہنوں کے (۴۸) اور چچاؤں کے (۶) حصے ہوں گے۔

دوسری قسم: ورثاء کے ایک طائفہ میں کسر کی حالت...... اس حالت میں عدد رؤس اور کسر والے سہام میں تناسب کو دیکھا جائے گا۔

۱......اگر سہام بغیر کسر کے تقسیم ہو جائیں جیسے (۳) بیویاں، ماں اور دو ماں شریک بہنیں تو مسئلہ (۱۲) سے ہے تصحیح نہیں ہوگی، بیویوں کو (۱۲) میں سے چوتھائی (۳)، ماں کو سدس (۲)، اور ماں شریک دونوں بہنوں کو تہائی (۴) ملے گا۔ ہر بیوی کو (۱) اور ہر بہن کو (۲) دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر سب ورثاء کے سہام ان پر بلا کسر منقسم ہو جائیں تو ضرب کی ضرورت نہیں جیسے ماں باپ اور دو بیٹیاں، مسئلہ چھ سے بنے گا ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس جو ایک ہے ملے گا۔ اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی یعنی چار ہر ایک کو دو ملے گا۔

۲......اور اگر دونوں کے درمیان توافق یا تداخل ہو تو جزء سہم (اور وہ تداخل کی حالت میں ہے سہام پر عدد رؤس کی تقسیم سے حاصل ہوتا ہے اور توافق کی حالت میں ان کے عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ سے یا عول سے اگر مسئلہ عائلہ ہو ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے) اور نتیجہ سے مسئلہ کی تصحیح ہوتی ہے تداخل کی مثال! (۸) بیٹیاں ۳ / ۲، ماں ۶ / ۱، اصل مسئلہ (۶) سے ہوگی (۵) کی طرف رد ہوگا بیٹیوں کے سہام (۴) ماں کا ایک (۱)۔ بیٹیوں کے سہام (۴) اور ان کی تعداد (۸) میں تداخل ہے اور جزء سہم (8÷4=2) ہے پھر (۲x۵) اصل مسئلہ: (۱۰) اسی سے تصحیح ہوگی یوں بیٹیوں کے (۸=۲x۴) ماں کے (۲=۱x۲)۔

توافق کی مثال......(۶) بیٹیاں ۳ / ۲ ماں ۶ / ۱، مسئلہ کی اصل (۵) ہے، بیٹیوں کو (۴) ماں کو ایک (۱) جزء سہم یہاں (۶) ہے جسے (۵) سے ضرب دی جائے گی۔ مسئلہ کی تصحیح (۳۰) سے ہوگی بیٹیوں کے (۲۴=۶x۴) ہر بیٹی کا (۴) ماں کے (۶=۶x۱)۔

۳۔ اگر دونوں عددوں میں تباین ہو......تو جزء سہم ہی عدد روس کا کل ہے جیسے (۵) بیٹیاں ۳ / ۲ باپ ۶ / ۱ اور عصبہ، مسئلہ کی اصل (۶) سے بیٹیوں کو (۴) باپ کو (۲) اور جزء سہم (۳۰=۶x۵) ہے اور اسی سے تصحیح ہوگی لہٰذا بیٹیوں کو (۲۰=۵x۴) اور باپ کو (۱۰=۲x۵) دیا جائے گا۔

تصحیح کے طریقہ کا اجمالی بیان: خلاصہ......ایک سے زیادہ طائفہ سہام کی کسر کی حالت میں رؤس اور رؤس کے درمیان چار اصول ہیں۔ تماثل، توافق، تداخل اور تباین اور ایک ہی طائفہ پر سہام کی انکسار کی حالت میں تین اصول ہیں۔ وہ یہ کہ یا تو ورثا پر سہام کی تقسیم بلا کسر ہو جائے گی اور یہ کہ سہام اور رؤس کے درمیان توافق ہوگا یا تداخل یا سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہوگا۔

اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مسائل کی تصحیح کے لئے سات اصول کا جاننا ضروری ہے، تین سہام اور رؤس کے درمیان اور چار رؤس اور رؤس کے درمیان۔

نوع اول: سہام اور رؤس کے درمیان انکسار

۱......یا تو سہام ورثاء پر پورے ہوتے ہوں تصحیح کے بغیر اصل سے صحیح واقع ہوں جیسے ماں باپ اور دو بیٹے، یہ پہلی اصل ہے یا پورے نہ ہوتے ہوں اور اس حالت میں: کسر ایک ایک طائفہ پر واقع ہوگی یا دو یا دو سے زیادہ طائفہ پر واقع ہو۔ اگر کسر ایک ہی طائفہ پر واقع ہو۔

۲......تو پھر سہام اور رؤس کے درمیان یا تو موافقت ہوگی تو اس صورت میں ورثا کے عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں

گے اور اسی سے تصحیح ہوگی جیسے ماں باپ اور دس بیٹیاں: مسئلہ (۶) سے ہوگا ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا اور بیٹیوں کو دو تہائی دیا جائے گا۔ بیٹیوں کے سہام اور رؤس میں نصف کی وجہ سے موافقت ہے اس لئے ہم نے بنات کے عدد کے وفق (۵) کو اصل مسئلہ (۶) سے ضرب دے دی جس کا مبلغ (۳۰) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی اور یہ دوسری اصل ہے۔

۳.....اور یا سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہوا۔ تو عدد رؤس کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی اور اسی سے تصحیح ہوئی جیسے خاوند اور جدہ اور (۳) ماں شریک بھائی، مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا خاوند کو نصف (۳) جدہ کو سدس (۱) اور بھائیوں کو تہائی (۲) دیا جائے گا۔ بھائیوں کے عدد (۶x۳) کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی مبلغ (۱۸) اور یہ تیسرا اصول ہے۔

نوع ثانی: سہام کا دو یا زیادہ طائفہ پر کسر ہو.....تو صورت حال کئی امور میں سے ایک امر سے خالی نہیں ہوگی۔ یا تو ان کے روس کے درمیان مماثلت ہوگی یا مداخلت، یا موافقت اور یا مباینت۔

۴۔ پہلی حالت میں.....تماثل۔ متماثلین میں سے ایک کو لے کر اصلی مسئلہ سے ضرب دی جائے گی۔ جیسے چھ بیٹیاں، (۳) جدات اور (۳) چچا یہ چوتھا اصول ہے۔

مسئلہ (۶) سے ہوگا بیٹیوں کو (۳×۲=۴) جدات کو (۶/ ۱=۱) اور چچاؤں کو باقی۔ (۱) ملے گا۔ بیٹیوں کا حصہ ان میں تقسیم نہیں ہو رہا، ان کے سہام اور عدد رؤس میں نصف کی وجہ سے توافق ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کو وفق (۳) کی طرف لوٹا دیا۔ اور اس عدد اور جدات اور چچاؤں کے عدد کے درمیان غور کیا جن کے سہام میں کسر واقع ہوئی ہے اور تقسیم نہیں ہوئے تو ہمارے پاس گروہ جمع ہوگئے جن میں مماثلت ہے۔ بیٹیوں کا اگروہ جدات کا گروہ اور چچاؤں کا گروہ۔ ہم نے متماثلوں میں سے ایک (۳) پر اکتفاء کیا اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دی حاصل (۱۸) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ یوں بیٹیوں کو (=۳x۴ جزء سہم=۱۲) ہر بیٹی کا حصہ دو سہم ہوئے اور جدات کو (۱=۳x جزء سہم ۳=) ہر جدہ کو ایک سہم اور چچاؤں کو (۱x۳ جزء سہم=۳) ہر چچا کو ایک سہم دیا جائے گا۔

۵۔ دوسری حالت میں تداخل.....وہ یہ ہے کہ رؤس کے بعض اعداد دوسرے میں تداخل ہوں، تو ان میں سے اکثر عدد کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی جو حاصل ہوگا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ اور یہ پانچواں اصول ہے۔ جیسے چار بیویاں ۴/۱ (۳) جدات ۶/۱ (۱۲) چچے، جنہیں باقی ملے گا، مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا بیویوں کو (۳) جدات کو (۱۲) اور چچاؤں کو باقی ملے گا جو (۷) ہے بیویوں، جدات اور چچاؤں میں سے ہر ایک کے سہام ان پر تقسیم نہیں ہو رہے تو ہم نے اعداد میں غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ بیویوں کا عدد چچاؤں کے عدد میں داخل ہے اسی طرح جدات کا عدد چچاؤں کے عدد میں داخل ہے تو ہم نے بڑے پر جو بارہ (۱۲) ہے اکتفاء کیا اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دی۔ جو بارہ (۱۲) ہے۔ حاصل (۱۴۴) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ یوں بیویوں کے (۳۶=۳x۱۲) ہر بیوی کو (۹) اور جدات (۲۴=۲x۱۲) ہر جدہ کو (۸) اور چچاؤں (۸۴=۷x۱۲) ہر چچا کو (۷) ملے گا۔

۶۔ تیسری حالت: توافق.....بعض اعداد جن کے سہام میں کسر ہے بعض کے موافق ہوں ور یہ چھٹا اصول ہے۔ جیسے (۴) بیویاں ۸/۱ اور (۱۸) بیٹیاں ۳/۲ اور پندرہ (۱۵) جدات ۶/۱ اور (۶) چچا۔ باقی، اصل مسئلہ (۲۴) بیویوں کے سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہے اسی طرح چچاؤں اور دادیوں کے سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہے جب کہ بیٹیوں کے عدد اور سہام میں توافق بالنصف ہے اس لئے ہم نے بیٹیوں کے عدد کو وفق (۹) کی طرف لوٹایا تو ہمارے پاس (۴) عدد بیویوں کا (۹) عدد بیٹیوں (۱۵) عدد جدات کا اور (۶) عدد چچاؤں کا جمع ہوگیا۔

چار ۴ اور نو ۹ کے درمیان تباین ہے تو ہم نے ایک کو دوسرے کے کامل سے ضرب دے دی مجموعہ (۳۶) ہوا۔ اور ۱۶ اس میں داخل ہے ۳۶ اور ۱۵ جو جدات کا عدد ہے کے درمیان توافق بالثلث ہے یعنی ۱۲، ۳۶ کا تہائی ہے اور ۵، ۱۵ کا تہائی ہے ہم نے ایک کے وفق کو دوسرے کے کامل عدد سے ضرب دی یعنی (۳۶x۵) حاصل (۱۸۰) پھر اسے اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دی تو حاصل (x۴۳۲۰) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوگی لہٰذا جس کی سہام میں کوئی چیز ہوگی وہ جزء سہم (۱۸۰) میں ضرب ہونے کے بعد وصول کرے گا۔

بیویوں کو (۵۴۰x یعنی ۱۸۰x۳) ہر بیوی کا ۱۳۵، اور بیٹیوں کو (۲۸۸۰) ہر بیٹی کا (۱۶۰) جدات کو (۷۲۰ ہر جدہ کا (۴۸) اور چچاؤں کو (۱۸۰) ہر چچا کا (۳۰) ہے۔

۷۔ چوتھی حالت: تباین...... وہ یہ ہے کہ جن رؤس کے سہام میں کسر ہے ان کے اعداد دوسرے فریق کے مباین ومخالف ہوں، جن میں سے ایک کو دوسرے سے ضرب دی جاتی ہے اور پھر مجموعہ کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جاتی ہے اور یہ ساتواں اصول ہے۔

جیسے دو بیویاں ۸/۱ (۶) جدات ۶/۱ (۱۰) بیٹیاں ۳/۲ (۷) چچے، باقی۔ اصل مسئلہ (۲۴) سے دونوں بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا جو تین ہے اور ان دونوں پر تقسیم نہیں ہو رہا، ان کے رؤس اور سہام کے درمیان مباینہ ہے اس لئے ہم نے ان کے عدد رؤس (۲) کو لیا، اور چھ جدات کا سدس (۴) ہے جو ان پر پورا تقسیم نہیں پا رہا۔ ان کے عدد رؤس اور سہام میں موافقت بالنصف ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کا نصف لیا جو تین ہے۔ اور دس بیٹیوں کا حصہ دو تہائی تھا جو سولہ ۱۶ بنتا ہے اور ان پر تقسیم نہیں ہو رہا ان کے عدد رؤس اور سہام میں موافقت بالنصف ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کا نصف (۵) لے لیا سات چچاؤں کا حصہ باقی ترکہ ہے جو ایک ہے اور وہ ان پر تقسیم نہیں ہوتا اس میں اور ان کے عدد رؤس میں تباین ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس (۷) کو لیا یوں ہمارے پاس یہ اعداد ہو گئے: دو، تین، پانچ اور سات (۲، ۳، ۵، ۷) اور یہ سب اعداد آپس میں متباین ہیں۔ تو ہم نے ایک کو دوسرے سے ضرب دی حاصل (۲۱۰) ہوا پھر اسے اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دی تو حاصل (۵۰۴۰) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوتی ہے۔

دونوں بیویوں کو (۶۳۰) ہر بیوی کا (۳۱۵)
چھ جدات کو (۸۴۰) ہر جدہ کا (۱۴۰)
دس بیٹیوں کو (۳۳۶۰) ہر بیٹی کا (۳۳۶)
سات چچاؤں کو (۲۱۰) ہر چچا کا (۳۰)

چہارم: ورثاء اور غرماء (قرض خواہوں) میں ترکہ کی تقسیم...... ترکہ اور تصحیح المسائل میں سابقہ چار نسبتوں میں سے ایک نسبت ضرور ہوگی اگر مماثلت ہو تو ظاہر ہے اور اگر دونوں میں مماثلت نہ ہو تو پھر یا تو ایک دوسرے کا مباین ہوگا یا موافق۔ [1]

چنانچہ تباین کی حالت...... میں ہم تصحیح میں سے ہر وارث کے سہام یعنی اصل مسئلہ یا اس کے عول کو سارے ترکہ سے ضرب دیں گے پھر حاصل کو تصحیح پر تقسیم کریں گے جو نتیجہ ہوگا وہ اس وارث کا حصہ ہے۔ جیسے خاوند، ماں اور دو سگی بہنیں۔ مسئلہ (۶) سے ہوگا خاوند کو نصف ۳۰ ماں کو سدس (۱) اور دونوں بہنوں کو دو تہائی (۴)، (۸) تک عول ہوگا اور یہی تصحیح ہے۔

چنانچہ اگر ترکہ (۲۵) دینار ہو تو ہم خاوند کے حصے (۳) کو سارے ترکہ سے ضرب دیں = (۷۵) کے۔ پھر مبلغ کو تصحیح (۸) پر تقسیم کریں گے ۸/۳ (۹) دینار جواب آئے گا۔ اور جب ماں کے حصہ کو جو ایک ہے سارے ترکہ (۲۵) ۲۵= سے ضرب دیں گے اس کے بعد

[1]......السراجیة ص ۱۲۱۔۱۲۶۔

مبلغ کو تصحیح (۸) پر تقسیم کریں تو جواب ۸ / ۱ (۳) دینار آئے گا۔ اور جب بہنوں کے حصہ (۴) کو سارے ترکہ سے ضرب دیں گے (=۱۰۰۲۵) پھر مبلغ کو تصحیح (۸) پر تقسیم کریں گے تو ۸ / ۴ (۱۲) جواب آئے گا یعنی ۴ / ۱ (۶) دینار ترکہ میں سے ہر بہن کا حصہ ہے۔

اور توافق کی حالت...... میں تصحیح میں۔ سے ہر وارث کے سہام کو ترکہ کے وفق سے ضرب دیں گے پھر حاصل کو تصحیح کے وفق پر تقسیم کریں گے جو حاصل ہوگا وہ اس وارث کا حصہ ہے۔ سابقہ مثال میں اگر ترکہ ۵۰ دینار ہوتے تو ہم خاوند کے سہام (۳) کو ترکہ کے وقف (۲۵) سے ضرب دیں گے حاصل (۷۵) ہوگا پھر ہم تصحیح کے وفق (۴) پر تقسیم کریں گے تو خاوند کا حصہ نکل آئے گا۔ ۸ / ۶ (۱۸) اور ماں کا حصہ ۸ / ۲ (۶) اور بہنوں کا حصہ (۲۵) ہوگا۔

اور جب ترکہ میں کسر ہو تو قاعدۃ یہ ہے کہ ہم ترکہ کو پھیلائیں گے تا کہ ایک جنس سے بن جائے اس کے بعد ہم ترکہ میں سے صحیح (عدد) کو کسر کے مخرج سے ضرب دیں گے اور حاصل پر اس کسر کا اضافہ کر دیں گے اس کے بعد اس عدد کو ترکہ کی کسر کے مخرج سے ضرب دیں گے جس سے مسئلہ کے تصحیح ہوئی ہے پھر دونوں حاصلوں سے وہی عمل کریں گے جیسا پہلے گزر چکا ہے جو حاصل ہوگا وہ ایک وارث کا حصہ ہوگا۔ سابقہ مثال میں اگر بالفرض (۲۵) دینار اور تہائی ہوتی تو ہم (۲۵) کو تہائی کے مخرج (۳) سے ضرب دیں گے حاصل (۷۵) ہوگا اس پر ہم اسی کسر (۱) کا اضافہ کریں گے تو مجموعہ (۷۶) ہو جائے گا اور (۸) تصحیح کو بھی (۳) سے ضرب دیں گے۔ حاصل (۲۴) ہوگا جب ہم نے (۸) میں سے ہر وارث کے حصہ کو (۷۶) سے ضرب دیا اور حاصل کو (۲۴) پر تقسیم کیا۔ جو نتیجہ نکلا وہ اس وارث کا حصہ تھا۔ گویا ترکہ (۷۶) صحیح عدد تھا۔ اور اصل مسئلہ (۲۴) تھا۔

قرضوں کی ادائیگی...... جب قرض خواہ کئی ہوں اور ترکہ سے قرضوں کی ادائیگی نہ ہو پا رہی ہو تو ہر ایک کا قرض تصحیح کے مسئلہ میں سے ہر وارث کے سہام کی طرح بنالیا جائے گا اور قرضوں کے مجموعہ کو تصحیح کے مجموعہ جیسا بنالیا جائے گا۔

اگر کسی میت کے ترکہ میں (۹) دینار ہوں اور (۱۵) دینار اس پر قرض ہو تو قرض خواہ کو دس دینار اور دوسرے کو پانچ ملیں گے پندرہ تصحیح کے قائم مقام ہوں گے۔ اب ان میں اور نو میں موافقت بالثلث ہے جب ہم نے اس کے قرض کو جس کے (۱۰) دینار تھے۔ نو کے وفق (۳) سے ضرب دی تو حاصل (۳۰) ہوا اور جب اسے تصحیح کے وفق (۵) پر تقسیم کیا تو حاصل (۶) ہوا یہ اس کا حصہ ہے جس کے دس دینار ہیں اور جس کے (۵) دینار تھے اس کا (۳) ہوا۔

اور اگر بالفرض ترکہ (۱۳) دینار ہوتے تو ان میں اور تصحیح میں تباین تھا تو اس وقت ہم دس والے کے قرض کو کل ترکہ یعنی (۱۳) سے ضرب دیں گے حاصل ہوگا (۱۳۰) اور جب اسے تصحیح (۱۵) پر تقسیم کریں گے تو نتیجہ ۸ / ۲ (۸) ہوگا اسی طرح دوسرا۔

پنجم: ترکہ کی تقسیم کے طریقے...... ترکہ کی تقسیم کے تین طریقے ہیں...... ۱۔ ضرب ۲۔ تقسیم ۳۔ تناسب اور ایک چوتھا طریقہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ضرب کا طریقہ...... میت کے ورثا میں بیوی، ماں اور چچا ہے مسئلہ (۱۲) سے ہوگا بیوی کو ۴ / = ۱ (۳) ماں کو ۳ / ۱ (۴) اور چچا کو باقی ملے گا۔

اور ترکہ (۲۴) دینار تھا مسئلہ (۱۲) سہم سے ہوگا ہم ہر وارث کے سہام کو ترکہ سے ضرب دیں گے اور حاصل کو اصل مسئلہ پر تقسیم کریں گے حاصل ہونے والا اس وارث کا حصہ ہے۔ بیوی کا حصہ (6=12÷72=24X3) اسی طرح کا عمل ماں اور چچا کا حصہ نکالنے

---

❶ ......السراجیة ص ۷۱۔ ۷۲۔ المغنی: ۶/ ۲۰۰، کشاف القناع: ۴/ ۴۹۶۔

کے لئے کیا جائے گا۔

۲۔ تقسیم کا طریقہ......ترکہ کو مسئلہ پر تقسیم کیا جائے اور خارج (حاصل) کو ہر وارث کے سہام سے ضرب دی جائے یوں اس کا حصہ نکل آئے گا۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اگر ہم ترکہ کو مسئلہ پر تقسیم کرتے تو (۲) حاصل ہوتا، تو جس کا مسئلہ میں کوئی حصہ بنتا ہوتا وہ (۲) سے ضرب کھانے کے بعد وصول کرتا جو حاصل ہوتا وہ اس کا حصہ ہوتا تھا لہٰذا بیوی کا حصہ (۳x۲=۶) ہے اسی طرح باقی کا۔

۳۔ نسبت کا طریقہ......مسئلہ میں سے ہر وارث کے سہام کو آپ مسئلہ کی طرف منسوب کرلیں اور اسی نسبت سے ترکہ میں سے لے لیں۔ ماخوذ اس کا حصہ ہوگا بیوی کے سہام کی مسئلہ کی طرف نسبت چوتھائی کی ہے (یعنی بارہ ۱۲ میں سے ۳) لہٰذا اس کے لئے چوتھائی ترکہ جو چھ ہے (۲۴) میں سے لیا جائے گا۔ اسی طرح ماں کا تہائی (یعنی ۱۲ میں ۴) اس کے (۲۴) میں (۸) لئے جائیں گے۔ اور چچا کے سہام کی اس میں نسبت چوتھائی اور چھٹے حصے کی ہے اسے اسی تناسب سے دیا جائے گا۔ ترکہ میں چوتھائی (۶) اور سدس (۴) لیا جائے گا مجموعہ (۲۴) میں سے دس ۱۰ ہوگا۔

۴۔ وفق کی طرف رد کا طریقہ......جب سہام اور ترکہ کے درمیان موافقت ہو تو دونوں کو اس کے وفق کی طرف لوٹایا جائے گا۔ لہٰذا سہام کو ان کے وفق کی جانب رد کیا جائے گا۔ اس لئے سابقہ مثال میں ہم مسئلہ کے سہام۔ جو بارہ (۱۲) ہے اور ترکہ (۲۴) میں غور کریں گے تو ہمیں سدس کے نصف کی موافقت معلوم ہوئی اب سہام کو ان کے وفق سدس کے نصف یعنی (۱) کی جانب اور ترکہ کو اس کے سدس کے نصف (۲) کی جانب لوٹائیں گے اور ہر وارث کے سہام کو ترکہ کے وفق سے ضرب دیں گے جو حاصل ہوگا وہ اس کا حصہ ہے جب ہم نے بیوی کے سہام (۳) کو ترکہ کے وفق (۲) سے ضرب دی تو چھ حاصل ہوا۔ جو ترکہ میں سے اس کا حصہ ہے اسی طرح باقی وارثوں کا حصہ ہوگا۔ یہ تقسیم کے طریقہ جیسا ہے۔

مثالیں......۱۔ ۲۴ (اصل مسئلہ) ۱۴۴ (ترکہ) ۶ (اصل مسئلہ پر ترکہ کو

۸/ ۱ دو بیویاں ۳۔ ۱۸۔	۲/ ۱ بیٹی ۱۲۔ ۷۲۔
۶/ ۱ پوتیاں (۳) ۴۔ ۲۴۔	(م با) ماں شریک بھائی مجحوب۔
باقی ۶/ ۱ باپ ۴۔ ۱۔ ۳۰۔	۲۔ ۲۴/ ۶۰ ۱۴۴۰ (ترکہ)
۸/ ۱ ۴ بیویاں ۳۔ ۱۸۰۔	۳/ ۱۔ ۵ بیٹیاں ۱۶۔ ۹۶۰۔
۶/ ۱۔ ۳ جدات ۴۔ ۲۴۰۔	با سگا بھائی ۱۔ ۶۰۔
۳۔ ۱۲۔ ۱۰۸ (ترکہ)	۴/ ۱ خاوند ۳۔ ۲۷۔
با (بٹیا ۳ پوتیاں) ۵۔ ۳۰	۶/ ۱ ماں ۲۔ ۱۸۔
۶/ ۱ باپ ۲۔ ۱۸۔	۴۔ ۶/ ۳۰۔ ۱۸۰ (ترکہ)
۶/ ۱ جدتین ۲۔ ۱۔ ۳۰۔ ۹۔ ۸۴۹۔ ۷	۳/ ۱۔ ۳ ماں شریک بھائی۔ ۲۔ ۶۰۔
با ۵ چچا ۳۔ ۹۰۔	۵۔ ۶/ ۳۔ ۱۸ ترکہ۔
با پوتی ۱۔	۳/ ۲ دو بیٹیاں ۴۔ ۱۲
م جدة	۶/ ۱ ماں ۱۔ ۳۔

باپڑپوتا ۲

پندرہویں فصل: ذوی الارحام کی توریث......ان کی تعریف۔ انہیں وارث بنانے میں علماء کے مذاہب، ان کی اقسام ومراتب ان کی توریث کے قواعد۔ ❶

سب سے پہلے ذوی الارحام کی تعریف......ذوالرحم لغت میں مطلقا رشتہ دار کو کہا جاتا ہے خواہ صاحب فرض ہو یا عصبہ ہو یا کوئی اور ہو۔ اور علماء میراث کی اصطلاح میں وہ قریبی جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو۔ اکیلے ہوتے ہوئے سارا مال جمع کر لیتا ہے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھتیجیاں، نانا۔ نانی۔ ❷ ماموں، خالہ اور اس طرح کا وہ قریبی جو نہ عصبہ ہو اور نہ صاحب فرض۔

دوم: ذوی الارحام کی توریث میں علماء کے مذاہب......ذوی الارحام کی توریث میں فقہاء کا دو آراء پر اختلاف ہے۔

ا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ......کا مذہب ہے کہ یہ وارث ہوں گے۔ یہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں'' (الاحزاب ۶/۳۳) آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرض کیا اور جو فیصلہ فرمایا ہے اس کی رو سے یہ ایک دوسرے کے زیادہ قریبی اور حق دار ہیں۔ یہ حکم تمام رشتہ داروں کو شامل ہے۔

خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا عصبات یا نہ ہوں۔ آیت میراث نے ذوی الفروض اور عصبات کی میراث کو بیان کر دیا ہے تو باقی ماندہ رشتہ دار دوسروں سے زیادہ ترکہ یا باقی ماندہ کے حق دار ہوں گے۔ اس آیت نے بھائی چارے کی میراث کو منسوخ کر دیا جیسا کہ ہجرت مدینہ کے آغاز میں تھا۔ اور اس آیت کے بعد لوگ نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوئے جیسا کہ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لوگوں کا بھانجا انہی میں شمار ہے'' ❸ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے ''جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے اور میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہوں اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا اور اس کا ❹ وارث ہوں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی طرف سے دیت دے گا اور اس کا وارث ہوگا'' ❺ اور اس کی دلیل ذوی الارحام کی میراث کے وہ واقعات ہیں جو عہد نبوی، عہد صحابہ اور تابعین میں پیش آئے ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ثابت بن دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہوا، ثابت اجنبی تھے کوئی انہیں پہچانتا نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: کیا تم لوگوں کو ان کا نسب معلوم ہوا؟'' عرض کی: نہیں۔ اللہ کے رسول! تو آپ نے ان کے بھانجے ابولبابہ بن منذر کو بلا بھیجا اور انہیں ان کی میراث دی۔ ❻

اور ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی طرف لکھا سہل بن حنیف جب

---

❶......المبسوط: ۲۷۔۲/۳۰، السراجیة: ص ۱۶۳۔۲۰۴، تبیین الحقائق، ۲۴۱/۶۔۲۴۳ اللباب ۲۰۰/۴ الدر المختار: ۵۵۹/۵۔۵۶۳، الشرح الصغیر: ۶۳۰/۴ مغنی المحتاج ۷/۳۔۸، کشاف القناع: ۴۷۴/۴، المغنی ۲۲۹/۶۔۲۵۲۔ ❷ نانا کو جد فاسد اور نانی کو جدۂ فاسدہ کہا جاتا ہے۔ ❸ رواہ البخاری ومسلم۔ ❹ قتل خطا کے مقتول کی دیت دینا مراد ہے۔ ❺ رواہ احمد وابو داؤد والنسائی وابن ماجه والحاکم وابن حبان وصححه وحسنه ابو زرعة الرازی واعله البیهقی بالا ضطراب وذالک عن المقدام بن معدیکرب (نیل الاوطار: ۶۲/۶) ❻ رواہ سعید بن منصور وابو عبید فی الا موال الا انه قال: ''ولم یخلف الا ابن اخ له، فقضی النبی صلی اللہ علیه وسلم میراثه لا بن اخیه''۔

شہید ہوئے تھے وہ آپ سے ان کی میراث کے بارے میں پوچھ رہے تھے کیونکہ ان کے رشتہ داروں میں صرف ان کے ماموں تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جواباً لکھا: ”جس کا کوئی مولا نہیں اس کا اللہ اور اس کا رسول مولا ہے اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔“ [11]

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ماں کا چچا اور بھائی وارث چھوڑا تھا یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ چچا کو دوتہائی اور ماموں کو ایک تہائی دیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے بارے میں فیصلہ فرمایا جس کے رشتہ داروں میں ایک پھوپھی اور ایک خالہ تو آپ نے پھوپھی کو دوتہائی اور خالہ کو ایک تہائی دیا۔ ان سب سے ذوی الارحام کو میراث دینے کا پتہ چلتا ہے جس پر متاخرین مالکیہ نے ہجرت کے دوسو سال بعد اعتماد کیا ہے اور متاخرین شافعیہ نے بھی چوتھی صدی ہجری سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

کیونکہ بیت المال کا انتظام صحیح نہ تھا کیونکہ مستحقین اس سے اپنا حق وصول نہ کر پاتے تھے یوں اس کے اموال اپنے مصارف میں صرف نہ ہوتے تھے۔ اسی کو قانون مصری (م ۲۱۔۳۸) اور شامی (م ۲۸۹۔۲۹۷) نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ اور مروج قوانین میں ذوی الارحام کو میراث دینے کا قانون ثابت ہے۔

۲۔ **امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ**..... کا مذہب ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے چنانچہ اگر کسی میت کے ورثا میں کوئی ذی فرض اور عصبہ نہ ہو اور رشتہ دار ہو تو اس کا ترکہ بیت المال کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر کی رائے ہے اور اسی کو اوزاعی، ابوثور، داؤد اور ابن جریر الطبری نے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتوں میں اصحاب الفروض اور عصبات کے حصوں کا ذکر کیا ہے اور ذوی الارحام کے لئے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ان کا کوئی حق بنتا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بیان فرما دیتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بھولا کرے“ (مریم ۱۹/ ۶۴) اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے“ [12] اسی طرح آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا: آیا پھوپھی اور خالہ وارث ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”مجھے جبرائیل نے بتایا ان دونوں کے لئے میراث میں سے کچھ نہیں“ [13] یہ ملحوظ رہے کہ ان نفی کرنے والے حضرات نے جس حدیث کو دلیل بنایا ہے وہ مرسل [14] ہے جس سے استدلال نہیں ہوسکتا ہے اگر یہ صحیح روایت ہوتی تو اسے موصول بیان کرتے۔ اس میں اور اثبات کرنے والوں کی روایت میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ پھوپھی اور خالہ کی میراث کی نفی آیت انفال کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے ”اللہ کی کتاب میں رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ (الاحزاب ۳۳/ ۶) یعنی پھوپھی اور خالہ کا مقرر حصہ نہیں۔ یا یہ دونوں عصبہ اور ایسے ذی فرض کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں جس پر رد ہو، اس لئے کہ ذوی الفروض پر رد ذوی الارحام کی میراث سے مقدم ہے لیکن جن پر رد نہیں ہوتا ان کے ساتھ وارث ہوتی ہیں اور وہ خاوند بیوی ہیں۔

سوم: **ذوی الارحام کی قسمیں اور ان کے مراتب**...... ذوی الارحام کے لئے مشہور تصنیف اچھے طریقے والی ہے ان کا حصر چار اقسام میں ہے قانون مصری (م ۳۱) اور شامی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

---

[11] رواه احمد وابن ماجه والترمذی منه المرفوع وقال حديث حسن وهو من حديث ابی امامة بن سهل (نيل الاوطار: ۶/ ۶۲)
[12] رواه الترمذی وغيره۔ [13] رواه ابو داؤد فی المرسل۔ [14] المرسل: جس روایت کو تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بیان کرے خواہ آپ کا قول، فعل یا تقریر ہو، تابعی صغیر ہو یا کبیر یا جسے صحابی کے علاوہ کوئی مرفوعاً بیان کرے۔

صنف اول...... میت کی وہ فرع جس کا تعلق میت سے عورت کے واسطہ سے ہو ان کی دو قسمیں ہیں: بیٹیوں کی اولاد، پوتیوں کی اولاد خواہ جہاں تک، ہو مذکر اور مونث جیسے نواسی، بیٹی کی پوتی، پوتی کا بیٹا، پوتی کی بیٹی، اسی طرح آگے تک۔

صنف ثانی...... میت کے وہ اصول جن کا تعلق میت کے ساتھ عورت کے واسطہ سے ہو۔ خواہ مرد ہوں جن میں نانا شامل ہے، عورتوں کی ماں اور وہ نانی ہے جیسے میت کی ماں کا باپ، ماں کے باپ کا باپ، میت کی ماں کے باپ کی ماں، میت کی ماں کے باپ کی نانی، خواہ سب نانا، نانی کی طرف سے ہوں قریب یا دور کے ہوں خواہ جہاں تک پہنچ جائیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

صنف ثالث...... جن کا تعلق میت کے والدین کی فروع سے ہو جن میں بھائی اور بہنیں شامل ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں۔

الف...... مطلقاً بہنوں کی اولاد جہاں تک پہنچے یعنی خواہ سگی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک جیسے بھانجا، بھانجی، بھانجی کا بیٹا، بھانجی کی بیٹی اسی طرح آگے تک

ب...... مطلقاً بھتیجیاں جہاں تک پہنچیں یعنی خواہ سگے بھائیوں کی ہوں یا باپ شریک کی جیسے سگے بھائی کی بیٹی، باپ شریک بھائی کی بیٹی، سگی بھتیجی کا بیٹا یا باپ شریک بھائی کی بیٹی کا بیٹا، اسی طرح آگے تک۔ رہے بھائیوں کے بیٹے تو وہ عصبہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

ج...... ماں شریک بھائیوں کی اولاد جہاں تک پہنچے۔ جیسے ماں شریک بھائی کا بیٹا، ماں شریک بھائی کی بیٹی، باپ شریک بھائی کی پوتی اور باپ شریک بھائی کا پوتا، اسی طرح آگے تک۔

صنف رابع...... میت کے اجداد یا جدات میں سے کسی ایک کی فرع جو نہ اصحاب الفروض ہوں اور نہ عصبہ، خواہ قریبی ہوں یا دور کے، اور یہ لوگ استحقاق میں مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق چھ طائفہ بنتے ہیں۔

پہلا...... مطلقاً ماں کے چچا اور پھوپھیاں یعنی خواہ سگی ہوں خواہ باپ شریک یا ماں شریک، مطلقاً ماموں اور خالائیں یعنی خواہ سگے ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک، رہے ماں باپ کے چچا یا باپ شیرک چچا تو وہ عصبات ہیں۔ (یعنی عینی یا علاتی چچا)

دوسرا...... سابقہ طائفہ کی اولاد جہاں تک پہنچے۔ میت کے سگے چچاؤں کی بیٹیاں یا علاتی چچا کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں جہاں تک پہنچیں اور ان خواتین کی اولاد جن کا ذکر ہوا خواہ جہاں تک پہنچے۔

تیسرا...... میت کے باپ کے ماں شریک چچا اور پھوپھیاں، اس کے ماموں اور خالائیں سب۔ ان لوگوں کی قرابت باپ کی جہت سے ہے میت کی ماں کے چچا اور پھوپھیاں، اس کے ماموں اور خالائیں اور ان لوگوں کی قرابت ماں کی جہت سے ہے۔

چوتھا...... سابقہ طائفہ میں مذکور لوگوں کی اولاد جہاں تک پہنچے۔ میت کے باپ کے سگے چچاؤں یا باپ شریک چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں جہاں تک پہنچیں۔ اور ان سب کی اولاد جہاں تک پہنچے۔

پانچواں...... میت کے دادا کے ماں شریک چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں۔ اور میت کی دادی کے چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ان لوگوں کی قرابت باپ کی جہت سے ہے میت کے نانا کے چچا، پھوپھیاں ماموں اور خالائیں، میت کی نانی کے چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ان لوگوں کی قرابت و رشتہ داری ماں کی جہت سے ہے۔

چھٹا...... سابقہ طائفہ میں مذکور لوگوں کی اولاد خواہ جہاں تک پہنچے میت کے دادا کے سگے چچاؤں اور باپ شریک، چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں جہاں تک پہنچیں اور مذکورہ خواتین کی اولاد جہاں تک پہنچے۔

ذوی الارحام کی اقسام کی ترتیب......ذوی الارحام کی اقسام میراث میں ان کی سابقہ ترتیب کے مطابق ہے جیسے عصبات محضہ یا عصبات بالنفس کی ترتیب ہے۔

صنف اول کو ثانی پر ثانی کو ثالث پر ثالث کو رابع اور اس سے ملحق سے مقدم رکھا جائے گا۔ میت کے چچاؤں اور ماموؤں کو اس کے باپ دادا کے چچاؤں اور ماموؤں سے مقدم رکھا جائے گا۔

یہ بالکل وہی ترتیب ہے جو عصبات بالنفس میں ہے جیسے وہاں کوئی باپ کے عصبہ اور بعد والوں کی وجہ سے اس وقت تک وارث نہیں ہوسکتا جب تک بیٹے ہونے کی جہت سے کوئی ہو اسی طرح یہاں ہے۔ اسے ان کے نزدیک ''تقدیم بالجھۃ'' کا نام دیا جاتا ہے یعنی فرع کی جہت، اصل کی جہت سے مقدم ہے اور یہ اخوۃ کی جہت سے اور یہ چچا اور ماموں ہونے کی جہت سے مقدم ہے۔ جب کسی جہت کا کوئی شخص پایا جائے گا وہ زوجین میں سے ایک کے فرض کے بعد سارے مال کا مستحق ہوگا۔ اور دو یا دو سے زیادہ شخص پائے جائیں تو اس وقت ہر صنف کی علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہوگی۔

اصناف کی ترتیب پر مثالیں:

ا۔ **نواسی اور نانا**......مال نواسی کو ملے گا کیونکہ وہ میت کی فرع ہے اور پہلی صنف ہے اور یہ صنف نانا سے مقدم ہے اس لئے کہ وہ صنف ثانی سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۔ **نانا اور بھانجی**......مال نانا کو ملے گا اس لئے کہ اس کا تعلق صنف ثانی سے ہے اس لئے اسے بھانجی سے مقدم رکھا گیا کیونکہ وہ صنف ثالث سے ہے۔

۳۔ **بھانجی اور اخیافی چچا**......مال بھانجی کو ملے گا کیونکہ وہ صنف ثالث سے تعلق رکھتی ہے اسے حقیقی چچا سے مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق صنف رابع سے ہے اسی طرح باقی اصناف۔

چہارم: ذوی الارحام کی توریث کے قواعد......ذوی الارحام کی توریث کے تین طریقے یا تین مذاہب ہیں۔

مذہب اول: اہل رحم کا طریقہ......اسے مذہب التسویہ بھی کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں ذوی الارحام میں برابری رکھی جائے۔

دینے میں قریب بعید، مذکر اور مونث کا فرق نہ ہو، اور نہ یہ فرق ہوتا ہے کہ کون صنف اول سے یا صنف رابع ہے اور نہ مذکر اور مونث ہونے میں فرق کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سب رشتہ دار ہونے کے ناتے سے میراث کے مستحق ہوتے ہیں اور یہ صفت سب میں ہے۔ چنانچہ اگر میت کے ورثا میں نواسہ، بھتیجی اور چچازاد ہو تو مال ان میں تین تہائیوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔ اور جس کے ورثاء میں نواسی، پھوپھی زاد کا نواسہ ہو تو ترکہ دونوں کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا اگرچہ نواسی میت کے پھوپھی زاد کے نواسے سے زیادہ قریبی ہے۔ فقہاء کے ہاں یہ طریقہ متروک ہوچکا ہے کیونکہ یہ معقول سے بعید ہے اور میراث کے بنیادی شرعی اصولوں کے مخالف ہے اس کے قائل صرف دو شخص ہیں: حسن بن میسر اور نوح بن ذراح۔ [1]

---

[1]......المبسوط السرخسی: ۳۰/۴۔

مذہب ثانی: اہل تنزیل کا طریقہ...... یہ انہیں ان کے اصول کی جگہ اتار کر وارث قرار دیتے ہیں وہ اصول جو اصحاب فروض اورعصبات ہوں۔یوں ترکہ میں سے ان کا حصہ جمع کرلیں گے۔جیسے اگر وہ اصول زندہ ہوتے تو وہی وارث ہوتے۔پھر ہم ان میں سے ہرایک کا حصہ ذوی الارحام میں سے اس کی فروع کو دیں گے''المذکر مثل حظ الانثیین'' کے اصول کے تحت چنانچہ نواسہ کو بیٹی کی طرح، بھتیجے کو بھائی کی طرح اور چچازاد کو چچا کی طرح قرار دیا جاتا ہے لہٰذا جس کے ورثا میں نواسی، بھتیجی اور ایک چچازاد بہن ہوتو یہ فرض کیا جائے گا گویا میت کے ورثا میں بیٹی بھائی اور چچا ہے۔مال کو صرف بیٹی اور بھائی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔رہا چچا تو بھائی کے ہوتے ہوئے اسے کچھ نہیں ملے گا۔یوں نواسی کو اس کی ماں کا حصہ نصف بطور فرض دیا جائے گا اور بھتیجی کو اس کے باپ کا حصہ نصف بطور عصبہ دیا جائے گا۔اس قاعدہ سے ماموں اور خالاؤں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس لئے کہ انہیں ماں کے درجہ میں رکھا جاتا ہے اسی طرح حقیقی، چچا اور پھوپھیاں باپ کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

جس کے پسماندگان میں خالہ اور پھوپھی ہوتو خالہ کو ماں کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے تہائی ملے گا اور پھوپھی کو باپ جو باقی وصول کرتا ہے کی جگہ ہونے کی بنا پر دوتہائی ملے گا، اس طریقہ کے قائلین، علقمۃ، مسروق اور شعبی تابعین میں سے اور احناف کے علاوہ حضرات میں وہی قول معتمد ہے۔البتہ حنابلہ ذوی الارحام مردوں اور عورتوں کو برابر قرار دیتے ہیں اور تعلق والے صاحب فرض یا عصبہ کا حصہ ذوی الارحام وارث کو دیتے ہیں۔مرد عورت اس میں برابر ہیں اگر ایک جہت سے ہوں جیسے پھوپھی زاد بھائی اور پھوپھی زاد بہن، ان میں تقسیم برابری سے ہوگی مذکر کو مؤنث پر کوئی فضیلت نہیں۔

اہل تنزیل کی دلیل...... یہ ہے میراث میں استحقاق کی نسبت کو رائے سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔اور ہمارے پاس ترکہ میں ان کے حصہ کے بارے میں کوئی نص یا اجماع نہیں۔لہٰذا ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم مدلی (نسبت والے یعنی فرع) کو مدلی بہ (جس کے ساتھ نسبت ہو یعنی اصل) کی جگہ پر رکھیں اور اس کا حصہ دیں۔ان کی رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جس کے ورثاء میں نواسی اور بھانجی ہو کہ مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوجائے گا۔اس واسطے کہ اگر بیٹی اور بہن بقید حیات ہوتیں تو وہ اسی طرح مال کو آپس میں بانٹ لیتیں۔لہٰذا ان دونوں میں سے ہرایک کی بیٹی کو اس کا حصہ دے دیا گیا۔

مثال ایک شخص کا انتقال ہوا ورثاء میں، نواسہ، پوتی، کی بیٹی، سگی بھانجی اور باپ شریک بہن (علاتی) کی بیٹی ہے مسئلہ (۶) سے ہوگا کیونکہ ہم نے یہ فرض کرنا ہے کہ اس شخص کے ورثاء میں بیٹی، پوتی، سگی بہن اور علاتی بہن ہے۔

بیٹی کو نصف...... (۳) پوتی کو سدس (۱) اور سگی بہن کو باقی ملے گا دو سہم اور علاتی بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہرایک کا حصہ اس کی اولاد کو دیا جائے گا۔جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔گویا وہ انہیں چھوڑ مری ہیں۔

مذہب ثالث: اہل قرابت کا طریقہ...... یہ احناف کا مذہب ہے اسی کو قانون مصری (م ۳۲۔۳۸) اور شامی (م ۲۹۱۔۲۹۷) نے اختیار کیا ہے: یہ حضرات عصبات کی طرح ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔یعنی میت کی قریب، اور قریب تر کی ترتیب سے۔ان کا یہ نام اس وجہ سے ہے کہ یہ میراث میں زیادہ قریبی کو مقدم رکھتے ہیں جو قرابت میں اس کے قریب ہو عصبات پر قیاس کرتے ہوئے یعنی جیسے عصبات میں ہوتا ہے قرب درجہ کی وجہ سے میراث دی جائے گی۔

علماء فرماتے ہیں: اہل تنزیل کا مذہب، اہل قرابت کے مذہب سے زیادہ قرین قیاس ہے اور مذہب اہل قرابت زیادہ قوی ہے اسی

بنا پر احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔ مذکورہ قانون نے تقسیم کے لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے کو اختیار کیا ہے کیونکہ مذہب میں اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ یہ واضح قول ہے۔

نیز یہ آسان ہے اگر چہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول زیادہ صحیح ہے۔

لہٰذا سابقہ مثال میں اہل تنزیل کے طریقہ کے مطابق......اہل قرابت کے طریقہ کے مطابق سارا مال نواسے کو ملے گا۔ عصبات میں تقدیم کا طریقہ ذوی الارحام میں منطبق ہوتا ہے لہٰذا پہلے جہت کی وجہ سے پھر درجہ کی وجہ سے پھر قوت کی وجہ سے تقدیم ہوگی۔ البتہ جب اصول مذکر مونث ہونے میں مختلف ہوں تو اس صورت میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی رائے مختلف ہے۔

ان حضرات کی دلیل......میت کی طرف نسبت کی وجہ سے ذوی الارحام عصبات ہیں۔

فرق صرف یہ ہے کہ اگر یہ مذکر ہوتے تو حقیقی عصبہ ہوتے اور اب چونکہ ان میں اور میت کے درمیان عورت واسطہ ہے اس لئے یہ حکماً عصبات ہیں۔ اور عصبات کی ترتیب میں ہم نے قوت قرابت کی حقیقت کا اعتبار کیا ہے۔ اس لئے بنوت (بیٹا یعنی اولاد ہونے) کو ابوت (باپ ہونے) سے مقدم رکھا ہے پھر اسے اخوت سے مقدم رکھا ہے اسی طرح عصبات حکمی کی ترتیب ہونی چاہئے۔ ان حضرات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے بارے فیصلہ فرمایا، جس نے ورثاء میں، نواسی اور بھانجی چھوڑی کہ سارا مال نواسی کا ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ آپ ذوی الارحام میں قوت قرابت کی ترجیح کی قائل تھے۔

اگر آپ کی رائے اہل تنزیل جیسی ہوتی تو آپ یہ فیصلہ فرماتے کہ مال دونوں میں نصف نصف تقسیم کیا جائے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

توریث میں اہل قرابت کے قاعدہ کا بیان......ذوی الارحام کی توریث کی تکمیل مندرجہ ذیل اصولوں کے مطابق ہوتی ہے۔ ❶

۱......اگر میت نے ذوی الارحام میں سے صرف ایک شخص چھوڑا ہو تو وہ سارا مال سمیٹ لے گا خواہ وہ جس صنف سے ہو، مرد ہو یا عورت، چنانچہ جب کے پسماندگان میں خاوند اور ایک چچازاد بہن ہو تو خاوند کو نصف ملے گا۔

اور باقی ماندہ، چچازاد کو دیا جائے گا جو نصف بنتا ہے، خاوند پر کچھ رد نہیں ہوگا۔

یہاں تک کہ قانون میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ ذی رحم موجود ہے اور جس سے ورثا میں بیوی اور ایک بھتیجی ہو تو بیوی کو چوتھائی ملے گا اور ایک ذی رحم کی وجہ سے بیوی پر رد نہیں ہوگا اور اس بھتیجی کو باقی ماندہ ترکہ ۴/۳ ملے گا۔

۲......ذوی الارحام وارث ہوں گے اس طرح کہ مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا اگر وہ ماں شریک بھائی (حقیقی) کی اولاد ہوں۔

۳......جب ذوی الارحام کی کئی اصناف موجود ہوں تو صنف اول کو ثانی پر ثانی کو ثالث پر اور ثالث کو رابع پر ترجیح دی جائے گی بالکل وہی ترتیب جو عصبات میں ہے اور یہی جہت کی وجہ سے تقدیم ہے۔ اور جس کے ورثا میں نواسی اور نانا ہو تو سارا مال نواسی کو ملے گا اس واسطے کہ وہ میت کی فروع میں سے ہے اور میت کی فروع، اصل سے مقدم ہوتی ہے۔

اور جس کے ورثا میں نانا اور سگی بھتیجی ہو تو سارا مال نانا کو ملے گا کیونکہ وہ صنف ثانی (میت کے اصول) سے تعلق رکھتا ہے جسے اس کے والدین کی فروع سے مقدم رکھا جائے گا۔ اور جس کے ورثاء میں بھتیجی اور حقیقی چچا اور سگی پھوپھی ہو تو سارا مال بھتیجی کو ملے گا کیونکہ اس کا تعلق صنف ثالث (میت کے والدین کی فرع) سے ہے جسے صنف رابع سے مقدم رکھا جائے گا۔

---

❶......احکام المواریث للدکتور مصطفی السباعی: ص ۱۴۲-۱۶۳، نظام المواریث للاستاذ عبدالعظیم فیاض: ص ۱۹۴ پر احکام المواریث للاستاذ عیسوی: ص ۱۳۳۔

اور جس کا ورثا میں پوتی کا بیٹا اور جد (ماں کا دادا) ہوتو سارا مال پہلے وارث کو ملے گا کیونکہ وہ صنف اول سے ہے۔

۴.....اگر سارے ذوی الارحام وارث صنف واحد سے تعلق رکھتے ہوں تو ان کی توریث مندرجہ ذیل قواعد کی بنا پر ہوگی!

صنف اول کی توریث کے قواعد:

ا۔درجہ کی وجہ سے تقدیم......میراث میں اس شخص کو مقدم رکھا جاتا ہے جو درجہ کے اعتبار سے میت کے زیادہ قریب ہو، چنانچہ اگر میت کے ورثاء میں نواسہ اور پوتی کا بیٹا ہوتو سارا مال پہلے وارث کو ملے گا کیونکہ وہ درجہ میں دوسرے سے زیادہ قریب ہے۔

۲۔صاحب فرض یا عصبہ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے تقسیم (تقدیم بالوارث)......اگر ورثاء درجہ میں برابر ہوں تو اسے مقدم رکھا جائے گا جو صاحب فرض یا عصبہ کے ساتھ نسبت رکھتا ہے۔چنانچہ اگر میت کے ورثاء میں پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا ہوتو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ وہ سدس پانے والی کی بیٹی ہے اس لیے مقدم ہوگی۔

۳۔مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا......اگر درجہ میں سب برابر ہوں۔اور صاحب فرض سے نسبت میں بھی برابر ہوں یا سارے ذی رحم سے نسبت رکھتے ہوں تو مال ان کے درمیان ''للذکر مثل حظ الانثیٰ'' کے تحت تقسیم ہوگا۔یہ امام ابو یوسف کے رائے ہے اور احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے اور قانون نے بھی اسے اختیار کیا ہے جس کے ورثاء میں نواسی کا بیٹا اور نواسی کی بیٹی ہوتو میراث ان دونوں کے درمیان تین تہائیوں میں تقسیم ہوگی دو تہائی پہلے کے لئے اور ایک تہائی دوسری کے لئے اس لئے کہ دونوں درجہ اور ذی فرض سے نسبت میں برابر ہیں۔اور جس کے ورثاء میں نواسے کی بیٹی اور نواسی کی بیٹی (کنواسی) ہوتو مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا اس لئے کہ دونوں وارث درجہ اور ذی رحم سے نسبت میں برابر ہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ...... کے نزدیک مال تقسیم سب سے پہلے اس درجہ میں ہوگی جس میں ذکورت وانوثت (مذکر مونث) کا اختلاف واقع ہوا ہے جو مال ہر اصل کو ملے گا وہ اس کی فرع کو دیا جائے گا اس لئے کہ اس کے بعد اختلاف نہیں ہوتا۔

جیسا کہ مذکورہ مثال میں ہے۔لہٰذا اول یعنی نواسی کے بیٹے کو اس کی ماں کا حصہ ایک سہم دیا جائے گا اور دوسری کو یعنی نواسے کی بیٹی کو اس کے باپ کا حصہ دو سہم دیئے جائیں گے۔اور اگر ان کی اولاد میں اختلاف ہوتو مال کی تقسیم مذکورہ طریقہ سے ہوگی۔پھر مردوں کا ایک طائفہ اور عورتوں کا ایک طائفہ بنالیا جائے گا۔اور وہ اصل سے صفت اور فرع سے عدل لے گا۔

جب تعداد میں کئی ہوں: مثال......نواسی کے دو نواسے، نواسی کی پوتی، اور نواسے کی دو نواسیاں۔تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مال کو فروع میں سات حصوں میں تقسیم کرلیا جائے گا جس میں ذکورت وانوثت کا اعتبار ہے۔

اس لئے کہ دو بیٹے چار بیٹیوں کی طرح ہیں اور ان کے ساتھ تین اور بیٹیاں ہیں مجموعہ گویا سات بیٹیاں ہوگیا۔ہر بیٹی کا ایک سہم اور ہر بیٹے کے دو سہم۔اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے درجہ میں اختلاف واقع ہونے کی بنا پر مال تقسیم کیا جائے گا۔جو مذکورہ مثال میں بطن ثانی ہے تو فروع کی تعداد کے لحاظ سے مال ان دونوں میں سات حصوں میں تقسیم ہوگا درجہ ثانیہ میں پہلی بیٹی دو بیٹیوں کی طرح ہے کیونکہ ان کی فرع متعدد ہے جب کہ درجہ ثانیہ میں دوسری بیٹی اپنی حالت پر رہے گی کیونکہ اس کی فرع متعدد نہیں، اور درجہ ثانیہ میں بیٹا دو بیٹوں کی طرح ہے کیونکہ اس کی فرع متعدد ہے وہ چار بیٹیوں کی طرح ہے اس کے لئے ۴ ہے اور پہلی اور دوسری بیٹی کے لئے تین ہے۔پھر مردوں کو ایک طائفہ بنالیا جائے گا۔اور عورتوں کو الگ طائفہ بنالیا جائے گا لہٰذا نواسے کے سات میں سے چار حصے اس کی دونوں نواسیوں کو

---

❶......احکام المواریث للدکتور مصطفیٰ السباعی: ص ۱۴۲-۱۶۳، نظام المواریث للاستاذ عبدالعظیم فیاض: ص ۱۹۴ احکام المواریث للاستاذ عیسوی: ص ۱۳۳۔

دیئے جائیں گے، کیونکہ اختلاف نہیں۔ اور درجہ ثانیہ میں دو بیٹیوں کے سات میں سے تین حصے درجہ ثالث میں ان کے دونوں بیٹوں کو نصف نصف دیئے جائیں گے۔ کیونکہ بیٹی دو بیٹیوں کی طرح ہے اس لئے کہ اس کی فرع متعدد ہے یوں وہ بیٹے کے برابر ہوگئی۔

پھر ہر ایک کا حصہ اس کی فرع کو دیا جائے گا۔ اور تصحیح (۲۸) سے ہوگی کیونکہ مسئلہ کی اصل (۷) ہے۔ بیٹے کو بطن ثالث میں ساڑھے سات حصے ملے اور بیٹی کو جو بطن ثالث میں دو بیٹیوں کی طرح تھی کیونکہ اس کی فرع متعدد ہے ساڑھے سات حصے ملے۔ تو ہم نے کسر کے مخرج (۲) کو اصل مسئلہ سے ضرب دی مبلغ (۱۴) ہوا، ہم نے ہر ایک کا حصہ اس کی فرع کو دے دیا۔ اس طرح نواسی کی پوتی نے سات میں سے تین حصے وصول کئے اور ہم نے نواسی کی بیٹی کا حصہ اس کے دونوں بیٹوں کو دیدیا جو تقسیم نہیں ہو رہا تو ان دونوں کے عدد رؤس کو (۱۴) سے ضرب دی مبلغ (۲۸) ہوا اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ نواسے کی دونوں نواسیوں کو تہائی (۱۶) اور نواسی کی پوتی کو (۶) اور نواسی کے دونوں نواسوں کو (۶) ہر ایک کو تین۔

۴۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے اور قانون میں دو جہتوں کی نسبت کا شمار نہیں...... اس لئے کہ قرابت کی جہت جو بنوت (بیٹا ہونا) ہے ایک ہے اور وہ ایک جہت ہے وارث میں رہا ہے ذوی الارحام میں کئی جہات کا اعتبار نہیں۔ رہا غیر ذوی الارحام میں تو وارث دونوں جہتوں سے وارث ہوتا ہے جیسے کسی خاتون کے ورثا میں ماں اور اس کا وہ خاوند جو چچازاد بھی ہو۔ تو ماں تہائی لے گی اور خاوند نصف فرض اور سدس عصبہ ہونے کی وجہ سے لے گا کیونکہ وہ چچازاد ہے۔

رہا وہ شخص جس کے ورثاء میں نواسہ، نواسے کا بیٹا ہو وہ بھی نواسی کا بیٹا ہو تو ترکہ ان دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔ ابن ثانی کی متعدد جہات کا اعتبار نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ متعدد جہات کا اعتبار کر کے ان کے ذریعہ وارث قرار دیتے ہیں۔ اور یہ اعتبار اس اعلیٰ جہت میں ہے جس میں ذکورت وانوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ اصل کو صفت کے ساتھ موصوف اور فرع کے تعدد کے ساتھ متعدد بنایا جاتا ہے۔ اور مال اس درجہ ثانیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے جس میں اختلاف واقع ہوا ہے اور اس میں دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک دو بیٹوں کی طرح ہے ایک باپ کی جانب سے اور ایک ماں کی طرف سے اور بیٹی دو بیٹیوں کی طرح، ایک باپ کی جہت سے اور ایک ماں کی جانب سے۔ تو ان میں مال ۴ سے تقسیم ہوگا۔ پہلے بیٹے کو ایک سہم اور دوسرے بیٹے کے دو سہم کیونکہ وہ دو بیٹوں کی طرح ہے اور بیٹی کا ایک سہم ہے کیونکہ وہ دو بیٹیوں کی طرح ہے اور مردوں کو ایک طائفہ بنایا جائے گا اور عورتوں کو ایک طائفہ۔ یوں بیٹے کا حصہ (۲) اس کے بیٹے کی طرف اور بیٹی کا حصہ (۱) وہ بھی اس کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس طرح اس کے پاس تین چوتھائی مکمل ہو جائیں گے ایک چوتھائی ماں کی جانب سے نصف باپ کی جانب سے۔ اور نواسے کے بیٹے کو اس کے باپ کا حصہ چوتھائی ملے گا۔ بہر کیف امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ مردوں کو ایک طائفہ اور عورتوں کو ایک طائفہ بنا کر ہر طائفہ کی صفات کے مطابق ان کا حصہ ان کی فروع کو دیا جائے گا۔

صنف ثانی کی توریث کے قواعد...... یہ بالکل صنف اول کی توریث کے قواعد ہیں۔ جہت کے متعدد ہونے اور جانب کے مختلف ہونے کی وجہ سے توریث کے ساتھ۔

۱۔ تقدیم بالدرجہ...... جب اس صنف کے لوگ زیادہ ہوں تو جس کا درجہ میت کے زیادہ قریب ہو اسے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جب ورثاء میں نانا اور باپ کا نانا ہو تو سارا مال پہلے کو ملے گا اس لئے کہ وہ درجہ کے اعتبار سے میت کے زیادہ قریبی ہے۔

۲۔ صاحب فرض یا عصبہ سے نسبت کی وجہ سے تقدیم (بالوارث)...... جب درجہ میں برابر ہوں تو جس کا تعلق میت

سے صاحب فرض یا عصبہ کی وجہ سے ہو اسے ذی رحم سے نسبت رکھنے والے سے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں نانی کا نانا اور نانے کا نانا، ہو تو سارا مال پہلے کو ملے گا اس لئے کہ اس کا تعلق صاحب فرض جدہ پڑنانی کی وجہ سے ہے جب کہ دوسرے کا تعلق ذی رحم کی وجہ سے ہے جو ماں کی دادی ہے۔

۳۔مرد کو عورت کا دوہرا حصہ...... جب یہ لوگ درجہ اور صاحب فرض سے نسبت یا ذی رحم سے تعلق میں برابر ہوں تو دیکھا جائے۔

الف......اگر سب باپ کی جانب سے یا ماں کی جانب سے ہیں تو میراث میں شریک ہوں گے مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں دادے کا نانا اور دادی کا نانا ہو تو مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا کیونکہ یہ دونوں قریب درجہ میں اور فرض والی دادی کی وجہ سے نسبت میں برابر ہیں۔ پہلے میں دادا کی ماں اور دوسرے میں باپ کی نانی اور دونوں ایک جانب باپ سے ہیں۔

ب......اور اگر درجہ اور نسبت میں برابر اور جانب میں مختلف ہوں۔ بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے تو باپ کی قرابت کے لئے دو تہائی اور ماں کی قرابت کے لئے ایک تہائی ہوگا۔ جس کے ورثاء میں جدۃ دادی کی دادی اور دوسری جدہ نانا کی دادی ہو تو مال دو جدات میں تہائیوں میں تقسیم ہوگا۔ دو تہائی پہلی کے لئے کیونکہ وہ میت کی جدہ اس کے باپ کی جانب سے ہے اور ایک تہائی دوسری کے لئے کیونکہ وہ اس کی ماں کی جانب سے اس کی جدہ ہے۔ دونوں رشتہ دار جدہ میں درجہ اور ذی رحم سے نسبت میں برابر ہیں۔

۴۔کئی جہات کا ہونا...... تینوں ائمہ احناف کی رائے میں قرابت کی جہت کے تعدد کا اعتبار ہے اور قانون میں جانب قرابت کے تعدد کے وقت صنف اول میں مذکور قاعدہ کے خلاف کیونکہ اس میں تعدد جانب نہیں رہا اس صنف میں تو اگر قرابت کا تعدد باپ اور ماں کی جانب سے ایک ہی وقت میں پیدا ہو تو یہاں ذی رحم باپ کی قرابت کی جہت کی وجہ سے وارث ہوگا اور ساتھ ہی ماں کی قرابت کی جہت سے وارث ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ دو مثالوں میں ہے۔

الف......میت کے ورثا میں علاتی ماموں ہے اور اسی وقت وہ ماں خیفی چچا بھی ہے اور ایک اور خیفی، چچا اور ایک اور علاتی ماموں ہے۔ تو پہلے ماموں دو مختلف جانبوں سے قرابت کی دو جہتیں ہیں۔ ماں کی جانب سے وہ میت کا قریبی ہے کیونکہ علاتی ماموں ہے اور باپ کی جہت سے بھی اس کا قریبی ہے کیونکہ اس کا خیفی چچا ہے اب بھلا ہم اسے دوسرے چچا اور دوسرے ماموں کے ساتھ دو جہتوں یا ایک جہت کی وجہ سے وارث قرار دیں؟

قانون مصری (م ۳۷) اور شامی (م ۲۹۷ / ۳) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ دو جہتوں کی وجہ سے وارث ہوگا کیونکہ قرابت کی جانب مختلف ہے اور ترکہ کو یوں تقسیم کیا جائے گا۔ گویا مسئلہ میں دو خیفی چچا اور دو علاتی ماموں ہیں چچاؤں کے لئے دو تہائی اور ماموؤں کے لئے ایک تہائی۔ پہلا ماموں دوسرے ماموں کو تہائی میں شریک کرے گا۔ اس کے لئے اس کا نصف یعنی سدس ۶ / ۱ اور وہ اسی طرح دوسرے چچا کا دو تہائی میں شریک ہوگا اس کے لئے ان دونوں کا نصف ہے یعنی دو سدس ۶ / ۲۔ اس طرح اس کے لئے آدھا ترکہ ہو جائے گا سدس تو ماموں ہونے کے ناتے اور تہائی چچا ہونے کی بنا پر دوسرے ماموں کے لئے صرف سدس ہے اور دوسرے چچا کے لئے صرف تہائی ہے۔

ب......میت کے ورثاء میں پھوپھی زاد بھائی ہے جو دوسرے رشتے سے اس کا سگا ماموں زاد بھی ہے اور ایک سگی ماموں زاد بہن ہے ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ پھوپھی زاد کی میت سے قرابت کی دو جہتیں ہیں اور دو مختلف جانبوں سے ایک باپ کی جانب سے اور دوسری ماں کی طرف سے اب یہ دو جہتوں کی وجہ سے وارث ہوگا یا ایک جہت سے؟

سابقہ دونوں قانون اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک دونوں جہتوں کی وجہ سے وارث ہوگا اور اس کا مسئلہ میں ترکہ کی تقسیم اس

طرح ہوگی گویا میت کے ورثا میں ایک پھوپھی زاد بھائی اور ایک سگا ماموں زاد اور ایک سگی ماموں زاد بہن ہے اب پھوپھی زاد بھائی باپ کی طرف سے قرابت کی بنا پر دوتہائی وصول کرے گا۔ اور ماموؤں کی تہائی میں سے دوتہائی وصول کرے گا کیونکہ وہ ماں کے قرابت دار ہیں اور دوسرے تہائی کا تہائی سگی ماموں زاد کو دیا جائے گا۔ یوں پھوپھی کا حصہ ۹/۶ چچاؤں کا حصہ ۹/۲۔ ماموؤں کا حصہ ۹/۸ اور سگی ماموں زاد کا حصہ ۹/۱ ہے اس اعتبار سے کہ مرد کا حصہ عورت کا حصہ ہے۔

اس صورت میں دونوں مذکورہ قوانین نے تعدد جہات کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ صنف اول کی مثالوں میں ہے جب جانب مختلف نہ ہو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی یہ پہلی روایت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور جہاں جانب مختلف ہو وہاں تعدد جہات کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس صنف کی مثالوں میں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی دوسری روایت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور یہ باقی آئمہ احناف کی رائے ہے۔ ❶

صنف ثالث کی توریث کے قواعد...... یہ صنف ماں شریک بھائیوں کی اولاد اور مطلقا بہنوں کی اولاد اور سگے اور باپ شریک بھائیوں کی بیٹیوں کو شامل ہے اور ان کی توریث کے قواعد فی الجملۃ سابقہ دو صنفوں کے قواعد جیسے ہیں۔

۱۔ **درجہ کی وجہ سے تقدیم**...... جب درجہ قرابت میں مختلف ہوں تو وہ میراث کا زیادہ حق دار ہے جو درجہ میں میت کے زیادہ قریب ہو چنانچہ جس کے ورثاء میں بھانجی اور بھائی کا نواسہ ہو تو ساری میراث بھانجی کو ملے گی کیونکہ وہ دوسرے سے زیادہ قریبی درجہ والی ہے۔

۲...... **وارث کی وجہ سے تقدیم**...... اور اگر درجہ میں برابر ہوں اور بعض کی نسبت عصبہ کی وجہ سے اور بعض کی ذی رحم کی وجہ سے ہو تو عاصب کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد سے مقدم کیا جائے گا جیسے سگے بھائی کی پوتی یا باپ شریک بھائی کی پوتی اور سگے یا باپ شریک بھائی کا نواسہ ہو تو میراث بھائی کی پوتی کو ملے گی۔ کیونکہ اس کی نسبت عاصب کی وجہ سے ہے جب کہ دوسرا ایسا نہیں۔ اس لئے کہ اس کی نسبت ذی رحم کی وجہ سے ہے۔

۳۔ **قوت قرابت کی وجہ سے تقدیم**...... اگر درجہ اور نسبت میں برابر ہوں، اس طرح کہ سب عصبات کی اولاد ہوں جیسے سگے بھائی کی بیٹی اور باپ شریک بھائی کی بیٹی، یا اصحاب الفروض کی اولاد ہوں جیسے باپ شریک بہن کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کا بیٹا، یا ذوی الارحام کی اولاد ہوں جیسے سگے بھائی کی نواسی اور باپ شریک بھائی کی نواسی، یا کوئی عصبہ کی اولاد ہو اور کوئی صاحب فرض کی، جیسے سگے بھائی کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کی بیٹی۔

تو اس صورت میں قوی قرابت والے کو مقدم کیا جائے گا یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے لہٰذا جس کی اصل عینی ہو اسے اس سے مقدم رکھا جائے گا جس کی اصل علاتی ہو اور علاتی اصل والے کو خیفی اصل والے سے مقدم رکھا جائے گا۔

چنانچہ جس کے ورثاء میں سگے بھائی کی بیٹی اور باپ شریک (علاتی) بھائی کی بیٹی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ اس کی قرابت زیادہ قوی ہے باوجود یہ کہ دونوں درجہ، قرب اور عصبہ کے ساتھ نسبت میں برابر ہیں۔ اور جس کے ورثا میں باپ شریک بھائی کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کی بیٹی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ اس کی قرابت زیادہ قوی ہے۔

۴۔ **مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ**...... اگر قرابت میں برابر ہوں تو مال ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' کے تحت تقسیم

---

❶...... السراجیۃ: ص ۱۸۱۔

ہوگا اگر چہ ماں کی اولاد کی فروع سے ہوں۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں ماں شریک بھائی کی دو بیٹیاں اور ماں شریک بھائی کا بیٹا ہو تو مال ان میں نصف نصف مشترک ہوگا۔ دونوں بیٹیاں نصف لیں گی اور بیٹا نص وصول کرے گا کیونکہ یہ صنف درجہ اور قوۃ قرابت میں برابر ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ ماں کی اولاد فریضہ کی میراث میں نص قرآنی کی وجہ سے مساوی ہیں۔لیکن ذوی الارحام کی توریث میں ان پر عام قاعدہ منطبق ہوگا۔ اور مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ ہے یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے ہے اور اسی کو قانون مصری اور شامی نے اختیار کیا ہے اس لئے کہ ان کی برابری کے بارے میں کوئی نص نہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اخیافی بہن بھائیوں پر وہی اصول منطبق ہوگا جو ان کے والدین پر تھا اور وہ مذکر مونث کے درمیان برابری ہے لہٰذا سابقہ مثال میں مال کی تقسیم تہائیوں میں ہوگی ہر بیٹی کو تہائی ملے گا اور بیٹے کو تہائی دیا جائے گا۔

صنف رابع کی توریث کے قواعد...... یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت میت کے دونوں جدوں (دادا نانا) اور دونوں جدات (دادی نانی) کی طرف ہو خواہ یہ قریبی ہوں یا بعیدی۔ لہٰذا یہ دادا، نانا، دادی اور نانی اور مطلقاً پھوپھیوں کو شامل ہے خیفی چچا اور مطلقاً ماموؤں اور خالاؤں کو شامل ہے۔

ان کی توریث کے قواعد مندرجہ ذیل ہیں۔ (1)

ا۔ درجہ کی وجہ سے تقدیم یا مافوق المرتبہ کا حجب...... اس صنف کے مراتب میں سے ہر مرتبہ اپنے تمام طبقات کے ساتھ مافوق کے تمام مراتب کو جمیع طبقات کے ساتھ محجوب کر دیتا ہے چنانچہ میت کے چچا پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں میت کے باپ کے حقیقی، چچاؤں اور باپ کی پھوپھیوں باپ کے ماموؤں اور خالاؤں اسی طرح اوپر کے رشتہ داروں کو محجوب کر دیں گے۔

اور میت کے خیفی، چچا کی اولاد اور اس کی پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد اس کے باپ کے خیفی چچاؤں کی اولاد باپ کی پھوپھی کی اولاد باپ کے ماموں کی اولاد اور باپ کی خالہ کی اولاد کو اسی طرح محجوب کر دے گی۔

چنانچہ جس کے ورثاء میں پھوپھی اور باپ کی پھوپھی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا اس لئے کہ وہ درجہ کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہے۔ اور جس کے ورثاء میں پھوپھی زاد اور باپ کی چچا زاد ہو تو مال پہلی کا ہوگا۔

۲۔ جہت میں قوت قرابت کی وجہ سے تقدیم...... جب مرتبہ میں برابر ہوں اور متعدد اور ہوں بھی سارے صرف باپ کی جانب سے جیسے پھوپھیاں یا صرف ماں کی جانب سے جیسے خالائیں، تو خواہ مرد ہو یا عورت جس کی قرابت مضبوط ہوگی اسے مقدم رکھا جائے گا۔

چنانچہ جس کے ورثاء میں عینی پھوپھی اور علاتی پھوپھی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ اس کی قرابت زیادہ قوی ہے۔ اور جس کے ورثا میں علاتی پھوپھی اور حقیقی پھوپھی ہو تو سارا مال پہلی کو دیا جائے گا کیونکہ اس کی قرابت مضبوط ہے اور احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔

۳۔ للذکر ضعف الانثٰی...... جب قوت قرابت میں برابر ہوں تو للذکر مثل حظ الانثیین پر عمل ہوگا۔

اگر ورثا میں دو خالہ علاتی اور حقیقی ہو تو مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا کیونکہ دونوں کی قوت قرابت برابر ہے اور جس کے ورثاء میں علاتی پھوپھی اور خیفی پھوپھی ہو یا دو علاتی اور دو خیفی پھوپھیاں ہوں۔

تو مال ان دونوں میں نصفاً نصف ہوگا کیونکہ دونوں کی قوت قرابت برابر ہے اور جس کے ورثا میں خیفی چچا، اور خیفی پھوپھی ہو تو مال

---

(1) ......احکام المواریث المسباعی: ص ۱۵۱-۱۷۴۔

تہائیوں میں تقسیم ہوگا۔ چچا کو دو تہائی اور پھوپھی کو ایک تہائی دیا جائے گا۔

۴۔ باپ کی جہت کی وجہ سے ماں کی جہت کا دوگنا...... اگر ایک طبقہ کے افراد مختلف ہوں بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے ہوں تو باپ کی جہت سے دو تہائی اور ماں والی کو تہائی دیا جائے گا پھر ہر فریق کا حصہ اس کے افراد کے درمیان قوت قرابت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اگر قرابت میں برابر ہوں تو ''لـلـذکـر ضعف الانثی'' کے تحت مال ان میں تقسیم ہوگا۔ چنانچہ جس کے ورثا میں یعنی پھوپھی اور حقیقی پھوپھی اور عینی ماموں اور علاتی ماموں ہو تو عینی پھوپھی کو دو تہائی باپ کی قرابت کا اعتبار کرتے ہوئے اور حقیقی پھوپھی کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ پہلی دوسری سے قرابت میں قوی ہے۔ اور عینی ماموں کو تہائی ملے گا کیونکہ وہ ماں کی قرابت سے ہے اور علاتی ماموں کو کچھ نہیں دیا جائے گا کیونکہ پہلے کی قرابت دوسرے سے زیادہ قوی ہے۔

اور جس کے ورثاء میں خیفی چچا، خیفی پھوپھی، یعنی ماموں اور عینی خالہ ہو تو چچا اور پھوپھی کو دو تہائی مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا کیونکہ دونوں ایک درجہ اور ایک جانب سے ہیں اور باپ کی جانب ہے ماموں اور خالہ کو تہائی ملے گا مرد کو عورت کا دوہرا حصہ، کیونکہ دونوں ایک درجہ اور ایک جانب سے ہیں اور وہ ماں کی جانب ہے۔

۵۔ طبقہ نازلہ میں قرب درجہ کی وجہ سے تقدیم...... اس صنف کے مراتب میں سے ہر مرتبہ کے تمام طبقات نازلہ میں اقرب کو ابعد سے مقدم رکھا جائے گا۔ طبقہ نازلہ خیفی چچا اور پھوپھیوں کی اولاد ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد پھر نیچے تک ان کی اولاد کی اولاد ہے۔ اسی طرح حقیقی چچا اور باپ کے پھوپھیوں کی اولاد، باپ کے ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد اور پھر نیچے تک ان کی اولاد کی اولاد۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں پھوپھی زاد اور خیفی پھوپھی کی بیٹی ہو تو سارا مال پھوپھی کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ میت سے اس کا درجہ زیادہ قریبی ہے۔

۶۔ وارث کی وجہ سے تقدیم...... اگر درجہ میں برابر ہوں اور ہوں بھی ایک جانب سے یعنی باپ کی قرابت یا ماں کی قرابت سے تو عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد سے مقدم ہوگی۔ لہٰذا جس میت کے ورثا میں سگے یا علاتی چچا کی بیٹی اور خیفی چچا کا بیٹا ہو تو سارا مال چچا زاد کو ملے گا کیونکہ اس کا واسطہ عصبہ کی وجہ سے ہے اور خیفی چچا کے بیٹے کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ ذی رحم کا بیٹا ہے

۷۔ اولاد میں سے قوت قرابت کی وجہ سے تقدیم...... جب سب درجہ میں برابر ہوں اور ہوں بھی عصبات یا ذی رحم کی اولاد تو اقوی قرابت والے کو مقدم رکھا جائے گا۔ لہٰذا جس کے ورثا میں یعنی پھوپھی کی بیٹی اور علاتی پھوپھی کی بیٹی ہو تو سارا مال پہلی کو ملیگا کیونکہ وہ زیادہ قوی قرابت والی ہے۔

اس لئے سارے مال کے ساتھ مخصوص ہوگی اگر چہ صنف، قرب درجہ اور ذی رحم سے نسبت میں دوسری کے برابر ہے۔ یہی حال علاتی پھوپھی کے بیٹے اور خیفی پھوپھی کے بیٹے ہے سارا مال اول کو ملے گا۔

۸۔ اولاد میں باپ کی جہت ماں کی جہت سے دوگنی ہے...... جب یہ لوگ درجہ میں برابر اور جانب قرابت میں مختلف ہوں بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے، تو ترکے کا دو تہائی باپ کی جہت کے لئے اور ایک تہائی ماں کی جہت کے لئے۔ پھر اس پر فریق کا حصہ اس کے افراد میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس میں ترتیب یہ ہوگی کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم سے مقدم رکھا جائے گا اس کے بعد قوی قرابت والے کو ضعیف قرابت والے سے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جس کے ورثا میں ایک پھوپھی زاد اور ایک ماموں زاد ہو تو مال کا دو تہائی پھوپھی زاد کا کیونکہ وہ باپ کی قرابت سے تعلق رکھتا ہے اور مال کا تہائی خالہ زاد کو ملے گا کیونکہ وہ ماں کا رشتہ دار

ہے۔اور جس کے ورثاء میں عینی پھوپھی کی بیٹی، اور علاتی پھوپھی کے دو بیٹے ہوں اور عینی ماموں کی بیٹی اور علاتی ماموں کے دو بیٹے ہوں، تو عینی پھوپھی کی اولاد کو دو تہائی دیا جائے گا اور علاتی پھوپھی کی اولاد کے لئے کچھ نہیں کیونکہ یہ رشتہ داری میں اس سے کمزور ہے اور عینی ماموؤں کی اولاد کو ایک تہائی ملے گا اور علاتی ماموؤں کے دونوں بیٹوں کے لئے کچھ نہیں کیونکہ یہ رشتہ داری میں ان سے کمزور ہیں۔

خلاصہ...... یہ ہوا کہ:

۱...... صنف رابع کا پہلا طائفہ (جس میں مطلقاً پھوپھیاں، خیفی چچا، اور مطلقاً ماموں اور خالائیں ہیں) کی اگر جانب قرابت متحد ہو تو قوت قرابت کی وجہ سے وارث قرار دیئے جاتے ہیں۔اس طرح کہ سب باپ کی جانب سے یا ماں کی جانب سے ہوں اور اگر قوت قرابت میں برابر ہوں تو مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا۔البتہ جب قرابت کی جانب مختلف ہو تو باپ کی قرابت کے لئے دو تہائی اور ماں کی قرابت کے لئے ایک تہائی۔اور ہر فریق کا حصہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا۔

۲...... اس صنف کا دوسرا طائفہ (جس میں طائفہ اولیٰ کی اولاد، میت کے چچاؤں کی بیٹیاں، اور ان کی پوتیاں اور نیچے تک ان کی اولاد ہے) قرب درجہ کی وجہ سے وارث قرار دی جاتی ہے ان میں سے میراث کا زیادہ حق دار وہ ہوگا جس کا درجہ میت کے زیادہ قریب ہو خواہ قرابت کی جانب متحد ہو یا مختلف ہو۔ پھر اگر قرب کا درجہ متحد ہو: تو دیکھا جائے گا اگر قرابت کی جانب متحد ہو تو اسے غیر سے مقدم رکھا جائے گا جس کی نسبت عاصب کے ذریعہ ہو اور اگر جانب قرابت مختلف ہو تو باپ کی قرابت کے فریق کو دو تہائی اور ماں کی قرابت کے فریق کے لئے ایک تہائی ہوا۔

۳...... تیسرا اور پانچواں طائفہ (تیسرا طائفہ جس میں میت کے باپ خیفی چچا پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ہوتی ہیں جن کی قرابت باپ کی جہت سے ہوتی ہے۔اور میت کی ماں کے چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں جن کی قرابت ماں کی طرف سے ہوتی ہے اور پانچواں طائفہ جس میں میت کے دادا کے چچا، پھوپھیاں ناموں اور خالائیں اور میت کی دادی کے چچا، پھوپھیاں ماموں اور خالائیں ان کی رشتہ داری باپ کی جانب سے ہے اور میت کے نانا کے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالائیں۔اور میت کی نانی کے چچا پھوپھیاں ماموں اور خالائیں جن کی قرابت ماموں کی طرف سے ہوتی ہے۔ان دونوں طائفوں کی توریث اسی طرح ہوتی ہے جیسا کہ طائفہ اولیٰ کی توریث پہلے بیان ہو چکی ہے۔

۴...... طائفہ رابعہ (جس میں طائفہ ثالثہ میں مذکور لوگوں کی اولاد اور آگے ان کی اولاد نیچے تک ہوتی ہے اور میت کے باپ کے چچا کی بیٹیاں، اور ان کی پوتیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد نیچے تک۔)

۵۔ چھٹا طائفہ...... (جن میں طائفہ خامسہ میں مذکور لوگوں کی اولاد وغیرہ اور میت کے دادا کی چچازادیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں نیچے تک اور ان کی اولاد وغیرہ ہوتی ہے) یہ دونوں طائفے اسی طرح وارث ہوں گے جیسا طائفہ ثانیہ کے بارے میں ذکر ہوا ہے قانون مصری اور شامی نے ان احکام پر عمل کیا ہے۔

سولہویں فصل: باقی وارثوں کی میراث...... ذوی الفروض، عصبات نسبیہ اور سببیہ اور ذوالارحام کے بعد باقی وارث مولی الموالات اور جس کا غیر سے نسب کا اقرار کیا گیا ہو، اور جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو اور بیت المال ہے۔ جب کسی میت کا انتقال اس حال میں ہو کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق ترکہ ان میں سے کسی ایک کے لئے ہوگا۔ ❶

❶......السراجیة ص ۹۔۱۱، الدر المختار :۵/۵۴۰/۵۴۱، المغنی ۱۲/۶، ۲۷۸، احکام المواریث فیاض: ص ۱۹۲۔۲۰۰۔

سب سے پہلے مولی الموالاۃ...... یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا وارث آپس میں قائم معاہدے کی بنا پر ہو خواہ دونوں مجہول النسب ہوں یا ایک مجہول النسب اور دوسرے کا نسب معلوم ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو مجہول النسب آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ان میں سے ہر ایک دوسری کی ایسی جنایت (قتل خطا کی) دیت کا ذمہ دار ہوگا۔ جو مال کو واجب کرنیوالی ہو اور ان میں سے جو پہلے مر جائے دوسرا اس کا وارث ہوگا۔ یا دو آدمی جن میں سے ایک مجہول النسب اور دوسرا معلوم النسب ہو یہ معاہدہ کریں کہ پہلا جب کوئی جنایت (جرم) کر بیٹھے گا تو دوسرا اس کی دیت و تاوان دے گا اور جب وہ مر جائے تو اس کا وارث ہوگا۔

پہلی صورت میں...... ہر ایک دوسرے کا مولی الموالاۃ ہے اس سے میراث ثابت ہوگی اور دوسری حالت میں ولاء قبول کرنے والا مجہول النسب کا مولی اعلیٰ ہے ادنیٰ سے اس کی میراث ثابت ہو جائے گی جو موالات کا طلب گار ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ یہ معاہدہ اپنی صورت میں ہمیشہ لازم نہیں ہوتا بلکہ اس سے رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس میں ایک کی طرف سے دوسرے کی دیت کی ادائیگی نہ ہوئی اگر ہوگئی ہو تو پھر جائز نہیں۔

اس بارے میں علماء کی آراء...... حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر عمل کرتے ہیں احناف کا مذہب یہ ہے کہ یہ معاہدہ مندرجہ ذیل اصولوں کی بنا پر میراث کا سبب ہے:

۱...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے ”وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کا حصہ انہیں دو۔“ (النساء ۴/۳۳) یعنی تمہارے وہ حلیف جن سے تم نے نصرت و میراث کا معاہدہ کیا ہے تو اس عہد و پیمان کے بموجب میراث میں سے انہیں ان کا حصہ دو۔

۲...... حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا اور اس سے معاہدہ کرتا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ زندگی موت میں ان کا زیادہ حق دار ہے“ ❶ زندگی میں اس کی زیادہ حق داری یہ ہے کہ جب وہ کوئی جرم و جنایت کر بیٹھے اس کی دیت ادا کرے اور موت میں اس کی زیادہ حق داری یہ ہے کہ جب وہ مر جائے اس کا وارث بنے۔ بشرط یہ کہ کوئی ذوفرض اور عصبہ وارث نہ ہو۔ جمہور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ ولاء میراث کا سبب نہیں جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے ”جو آزاد کرے ولاء اس کا حق ہے“ ❷ جس میں ولاء کو ولاء عتق میں منحصر کر دیا ہے لہٰذا اس کے علاوہ ہر قسم کی ولاء باطل ہے۔

مصر اور شام کے قانون نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ عرصہ دراز سے اس صنف کا وجود نہیں اور اس کی کامل شرطیں ناپید ہیں۔

ولاء الموالاۃ کی میراث کی شرطیں...... احناف نے ولاء الموالاۃ کی وجہ سے میراث کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں لگائی ہیں۔

۱...... عقد و معاہدہ کرنے والا آزاد ہو، غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی سے موالات قائم نہیں کر سکتا۔

۲...... عہد کرنے والا عربی نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ عربی ہوا تو اس کا نسب مشہور ہوگا۔ لہٰذا اس کی ولاء اس کے نسب میں ہوگی۔

۳...... وہ آزاد کردہ نہ ہو۔ اگر ہوا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے یا اس کے عصبہ کے لئے ہوگی۔

۴ اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو جیسے بیٹا یا بھائی۔ اگر ہوا تو اس کی نسب والے کے لئے ہوگی۔

۵...... دوسرے نے اس کی طرف سے دیت ادا نہ کی ہو اگر کسی اور مولا نے اس کی طرف سے یا بیت المال نے دیت ادا کر دی تو وہی اس کا مولا ہے۔

۶...... وہ مجہول النسب ہو۔

---

❶...... رواہ البخاری و ابوداؤد والترمذی۔ ❷ نیل الاوطار : ۶/۶۸

دوم: دوسرے سے جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہو:

دوسرے کے نسب کا اقرار......وہ اقرار ہے جو حقیقی بیٹے کے علاوہ اور اقرار کرنے والے کے حقیقی والدین کے علاوہ کے متعلق ہو جیسے بھائیوں، چچاؤں اجداد اور اولاد کی اولاد کا اقرار۔ جمہور کے نزدیک یہ اقرار بالکل میراث کا سبب نہیں۔ اگر مقرلہ (جس کے لئے نسب کا اقرار کیا گیا) کا نسب تین شرعی طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ثابت ہو جائے تو وہ قرابت نسبیہ کی وجہ سے وارث ہوگا۔

اور احناف کی رائے یہ ہے کہ جس کے لئے غیر سے نسب کا اقرار کیا گیا ہو وہ مندرجہ ذیل شرائط کی وجہ سے وارث ہوگا۔

۱......وہ مجہول النسب ہو، اس لئے کہ اگر وہ معروف النسب ہوا تو یہ اقرار باطل ہے۔

۲......غیر پر محمول ہو۔ لہٰذا اس غیر کے متعلق اقرار صحیح نہیں جب کہ اقرار کرنے والے کے حق صحیح ہے۔

۳......اس غیر سے مقرلہ کا نسب ثابت نہ ہو اس طرح کہ جس کے متعلق اقرار کیا گیا ہے وہ اس کی تصدیق نہ کرے یا اس کے ورثا تصدیق نہ کریں۔

۴......اقرار کرنے والے کی اپنے اقرار پر قائم رہتے ہوئے موت ہوئی ہو، لہٰذا وہ اگر اس سے رجوع کرلے یا انکار کردے اور پھر مرجائے تو ''مقرلہ'' اس کا وارث نہیں ہوگا۔

قانون کا موقف......قانون مصری (م ۴۱) اور شامی (م ۲۹۸) نے احناف کی رائے کو اختیار کیا ہے اور اس کا مرتبہ زوجین میں سے کسی ایک پر رد کرنے سے مؤخر رکھا ہے اور اسے ترکے کا مستحق قرار دیا ہے۔ میراث کے طور پر نہیں، حقیقت اور واقع کو ترجیح دیتے ہوئے اس لئے کہ اس اقرار سے نسب نہیں ثابت ہوتا۔ جب کہ میراث نسب ثابت ہونے کی فرع ہے۔

اور دونوں قوانین نے اس کی میراث کے لئے یہی فقہی شرائط مقرر کی ہیں:

۱......مقرلہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کا مقر علیہ (جس کے متعلق اقرار کیا گیا) سے نسب نہیں ثابت ہوگا۔

۲......اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع نہ کرے۔

۳......اس میں کوئی مانع میراث نہ ہو۔

۴......اقرار کرنے والے کی موت کے وقت مقرلہ زندہ ہو یا حکم کے وقت اسے میت شمار کیا جائے۔ لیکن ان شرائط کے ساتھ یہ شامل کرنا مناسب ہے کہ مقرلہ مجہول النسب ہو۔

سوم: جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو......جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اس رقم کو بیت المال میں جمع کرادیا جائے جس کے لئے وصیت کی گئی وہ اس کا مستحق نہ ہوگا۔ البتہ موجودہ وارثوں کی اجازت سے اسے دیا جاسکتا ہے۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو جب میت کا کوئی وارث اور جس کا غیر سے نسب کا اقرار کیا گیا ہو نہ ہو تو یہ ترکہ کا مستحق ہوگا۔ اس لئے کہ اسے تہائی سے زیادہ سے باز رکھنا ورثا کی مصلحت کی خاطر تھا اور اس حالت میں کوئی وارث تو ہے نہیں۔ لہٰذا جس کی اس کے لئے وصیت کی گئی ہے اس کا مستحق ٹھہرے گا۔ جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اگر اس کے ساتھ زوجین میں سے کوئی ایک ہو تو خاوند موصی لہ کی تہائی کے بعد نصف (یعنی دو تہائی کا نصف) وصول کرے گا اور بیوی چوتھائی حصہ پائے گی۔

پھر موصی لہ بشرطیکہ اس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہو تو باقی یا جس کی وصیت کی گئی ہے اس کی مقدار وصول کرے گا۔ اور اگر

زوجین کے علاوہ قرابت یا ولاء کی وجہ سے کوئی وارث ہو تو اجازت کے بغیر تہائی سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ قانون مصری (م ۳۷) اور شامی (م ۳۳۸ / ۴) نے احناف کی رائے کو اختیار کیا ہے اس کا تعلق میراث سے نہیں بلکہ میت کے ارادہ کو نافذ کرنے اور اس کی رغبت کو ثابت کرنے سے ہے:

چہارم: بیت المال...... مذاہب اربعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو مال میت چھوڑ مرے اور اس کا کوئی میراث یا وصیت کی وجہ سے مستحق نہ ہو تو اس مال کو بیت المال میں رکھا جائے گا۔ البتہ احناف ❶ کے اور حنابلہ کے ہاں یہ بطور میراث نہیں بلکہ اس کا تعلق مصلحت کی رعایت سے ہے۔ اس سے تمام مسلمانوں کے عمومی مصالح کی جہاں جہاں ضرورتیں ہوں وہاں صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا مستحق تو ہے نہیں۔ جیسا کہ بیت المال میں اس ذمی کا مال رکھا جاتا ہے جس کا وارث نہ ہو اور اس دلیل کی وجہ سے کہ اس مال کے دینے میں مرد عورت میں کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔ باوجود یہ کہ میراث میں دونوں کے درمیان برابری نہیں۔ مصر اور شام کے قانون نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ ❷ کی رائے یہ ہے کہ یہ مال بیت المال کی میراث ہے اور یہ رائے شافعیہ اور متقدمین مالکیہ کی ہے خواہ بیت المال کا انتظام منصف حاکم کے ذریعے قائم ہو کہ وہ اسے اپنے مصرف میں صرف کرتا ہو یا انتظام نہ ہو، کیونکہ میراث مسلمانوں کی ہے اور حاکم اس کا نگران ہے اور انہیں مکمل طور پر ادا کرنے والا ہے۔ اور مسلمان معدوم نہیں ہوئے۔ لہٰذا بیت المال سارا مال لے گا یا جو فروض سے بچ جائے اسے وصول کرے گا متاخرین مالکیۃ کی رائے یہ ہے: کہ بیت المال اس شرط کے ساتھ وارث ہوگا کہ وہ منتظم ہو اور دونوں فریقین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے ''بیت المال اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔''

سترہویں فصل: مختلف نوعیت کے احکام...... میں یہاں مختلف تکمیلی احکام میں سے چند ایک بیان کروں گا جن میں غیر مسلموں کی میراث، حمل (پیٹ کے بچہ) کی میراث، لاپتہ شخص، قیدی، ہیجڑا کی میراث، اکٹھے ڈوب کر مرنے والوں، عمارت وغیرہ تلے دب کر مرنے والوں اور جل کر مرنے والوں کی میراث اور اس شخص کی میراث جس کا شرعی والد نہ ہو ولد الزنا ہو، لعان کے بچے کی میراث شامل ہے یوں یہ سات موضوعات ہوئے۔ جن میں سوائے اول کے باقیوں میں فرض و احتیاط کی وجہ سے میراث ثابت ہوتی ہے۔

پہلی بحث: غیر مسلموں کی میراث...... موانع میراث میں، میں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور میں نے یہ بیان کیا تھا کہ دین کا اسلام اور کفر کے اعتبار سے اختلاف (جمہور کے نزدیک) مانع میراث ہے (بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے جیسے معاذ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) لہٰذا کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا احادیث سے اس کی صراحت ہوتی ہے۔ مشہور تو یہ ہے کہ مرتد دوسرے کا بالکل وارث نہیں ہوسکتا، اور نہ جمہور کے نزدیک کوئی اس کا وارث ہوسکتا ہے۔ اس کے مال کو غنیمت کی طرح بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: حالت اسلام میں جو مال اس نے کمایا ہے وہ میراث ہے کیونکہ اس میں مسلمان مسلمان کا وارث بن رہا ہے اور جو مال حالت ارتداد (نعوذ باللہ منہ) کے بعد کمایا وہ بیت المال کی غنیمت ہے اس لئے کہ اگر اس مال کو اس کے ورثا لیتے ہوں تو یہ مسلمان کو غیر مسلم کا وارث قرار دینا ہوگا جو نا جائز ہے۔

رہی مرتد عورت تو اس کا مال مطلقاً اس کے وارثوں کا ہے اس لئے کہ اسے مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں قتل کیا جاتا بلکہ اس کی توبہ قبول کی جاتی اور تعزیر دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں اسلام کی طرف لوٹ آئے یا مر جائے۔

---

❶...... السراجیة: ص ١١، غایة المنتهیٰ: ٢/ ٤١٢۔ ❷ الشرح الصغیر: ٤/ ٦٢٩، مغنی المحتاج: ٣/ ٦۔

لہٰذا اس کا ارتداد بطور موت شمار نہیں ہوتا اور اسلام اس کے حق میں معتبر ہے۔

مرتد مرد کی حالت اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ تین دن توبہ کی مہلت دیئے جانے کے بعد جب توبہ نہ کرے قتل کر دیا جاتا ہے یوں اس کا مرتد ہونا اس کے بارے میں بطور موت شمار ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے حق میں اسلام کا اعتبار کرنا ممکن نہیں۔ اس بناء پر وہ ملک کا اہل نہیں ہوگا۔ اس لئے حالت ارتداد میں جو مال اس نے حاصل کیا اس میں ورثا کا حق ثابت نہیں ہوگا۔ اس طرح اس کی حیثیت ان تمام اموال کی طرح ہو جائے گی جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور وہ بیت المال کا حق ہوتے ہیں۔ ❶

میں نے یہ بھی وضاحت کی تھی کہ غیر مسلم ایک مذہب وملت ہیں اگر چہ ان کے عقائد مختلف ہوں لہٰذا مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ پس یہودی عیسائی آپس میں وارث ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' کافر لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں'' (الانفال ۸/۷۳) بغیر تفریق۔

مذکورہ دلائل سے ظاہر ہوا کہ غیر مسلم آپس میں انہی اسباب کی بنا پر وارث ہوتے ہیں جن کے ذریعے مسلمان ہوتے ہیں جیسے رشتہ داری اور رشتہ زوجیت لیکن بیاہ، رشتہ داری کے بعض ایسے حالات میں بھی وارث ہوتے ہیں جن میں مسلمان وارث نہیں ہوتے۔

شادی کی صورت میں...... اگر اس قسم سے ہو جس پر وہ اسلام کے بعد برقرار نہیں رکھے جاتے تو باہمی توارث ثابت نہیں ہوگا۔ جیسے نسبی اور رضاعی محرمات سے شادی کرنا مثلاً ماں، بیٹی اور بہن اور جیسے طلاق دینے والے کا اس عورت سے شادی کرنا جیسے اس نے تین طلاقیں دی ہوں اور اس نے دوسری جگہ شادی نہ کی ہو۔ یا کسی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس سے شادی کرنا۔ البتہ اگر ان کی شادی اس قسم سے ہو جس پر وہ اسلام لانے کے بعد برقرار رکھے جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے باہمی توارث ثابت ہوگا جیسے بغیر گواہوں کے شادی کرنا، غیر مسلم کی بیوی سے اس کی عدت کے دوران شادی کرنا، جیسا کہ فقہ حنفیہ میں راجح ہے۔

نسب میں...... غیر مسلموں کے ہاں چاہے باطل طریقہ شادی سے ہو نسب ثابت ہو جاتا ہے چنانچہ مجوسی جب اپنی بہن یا بیٹی سے شادی کر لے تو شادی کی وجہ سے اس کی نسل کا نسب ثابت ہو جائے گا اور دونوں میں باہمی '' میراث '' بھی ثابت ہوگی۔

دوسری بحث: حمل کی میراث...... اسے وارث قرار دینے کی شرطیں، حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت، حمل کی کم از کم مدت، کیا حمل کی موجودگی کے وقت ترکہ تقسیم ہوگا؟ تعداد میں کتنے حمل ہو سکتے ہیں؟ حمل کے لئے موقوف کی جانے والی مقدار یا ترکہ میں حمل کا حصہ، حمل کو وارث قرار دینے کی کیفیت، حمل کے مسائل کی تصحیح۔ ❷

حمل کو وارث قرار دینے کی شرائط...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک حمل اس طرح وارث ہوتا ہے کہ اس کے لئے متعین حصہ موقوف کیا جاتا ہے جس کی دو شرطیں ہیں:

۱...... اس کے مورث کی موت کے وقت اس کے زندہ ہونے کا وجود ثابت ہو۔

۲...... وہ زندہ پیدا ہوا اگر چہ کچھ منٹوں بعد مر جائے۔ تا کہ اس کے مالک ہونے کی اہلیت ثابت ہو جائے۔

رہا حمل کا زندہ ہونے کا وجود...... تو اس کا اندازہ مورث کی وفات کے وقت اس مدت سے یقین یا ظن غالب کے ذریعہ لگایا

---

❶...... السراجية ص ۲۲۵، اللباب: ۴/۱۹۷، المغنی: ۶/۱۹۸-۳۰۳، کشاف القناع ۴/۵۲۸۔ ❷ السراجية ص ۲۱۲-۲۲۱، اللباب: ۴/۱۹۹، تبيين الحقائق: ۶/۲۴۱، الدر المختار ۵/۵۶۵، الرحبية: ص ۷۸-۷۹، المغنی: ۶/۳۱۳-۳۲۰، القوانين الفقهية ص ۳۹۵۔

جاسکتا ہے جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں موجود ہو۔ یہی مدت، مدت حمل ہے جس کی زیادتی یا کمی کو میں بیان کروں گا۔

اور رہا اس کا زندہ پیدا ہونا.....تو احناف کے ہاں اس کی زندگی اس کے زیادہ حصے کے زندہ برآمد ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک اس کی زندگی اس طرح ثابت ہوگی کہ وہ زندہ پیدا ہو اس واسطے کہ مالک بننے کی اہلیت پورے وجود سے ثابت ہوتی ہے اور اسی کو مصر (م ۴۳) اور شام (م ۳۰۰) کے قانون نے اپنایا ہے اور اس کی زندگی کا پتہ زندگی کی علامات میں سے کسی علامت کے ظاہر ہونے سے لگایا جاسکتا ہے جیسے بچے کا چیخنا، چھینکنا وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچہ آواز سے روئے تو وارث ہوگا۔" ❶ اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو یا ان میں سے کسی علامت میں دیکھنے والوں کا اختلاف ہو جائے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ تجربہ کار طبیبوں ڈاکٹروں یا ان لوگوں سے مدد لے جو خواتین ولادت کے وقت موجود تھیں اور انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت.....حمل کی زیادہ مدت کے بارے میں فقہاء کی کئی آراء ہیں جن کی بنیاد اندازے اور حاملہ عورتوں سے پوچھنے پر ہے کیونکہ اس بارے میں کتاب وسنت کی کوئی نص نہیں۔ بہر کیف اگر حمل کی ولادت حمل کی زیادہ مدت پوری ہونے کے بعد ہو تو وارث بھی ہوتا ہے اور مورث بھی۔

مالکیہ کا مشہور قول ہے.....زیادہ مدت پانچ سال ہے۔

شافعیہ کا قول ہے.....اور حنابلہ کا زیادہ صحیح قول ہے۔ زیادہ مدت چار سال ہے۔

احناف کا کہنا ہے.....دو سال کی مدت زیادہ سے زیادہ ہے۔

ظاہریہ کا قول ہے.....نو ماہ۔

محمد بن عبدالحکم جو امام مالک کے تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں: اس کی زیادہ مدت قمری سال کے لحاظ سے (۳۵۴) دن ہیں۔ جہاں تک قانون مصری (م ۴۳) اور شامی (م ۱۲۸) کا تعلق ہے تو انہوں نے اطباء کی رائے کو اختیار کیا ہے جو شمسی سال کے لحاظ سے (۳۶۵ دن جو ابن عبدالحکم) کی رائے کے قریب اگرچہ دونوں سالوں میں تسامح ہے۔

حمل کی کم از کم مدت: جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے.....حمل کی کم از کم مدت یہ ہے کہ وہ چھ ماہ کی مدت میں زندہ پیدا ہو، دونوں آیتوں کو جمع کرنے کی وجہ سے "اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے" (الاحقاف ۴۶/۱۵) "اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (لقمان ۳۱/۱۴) پس جب دودھ چھڑانے میں دو سال لگ گئے تو حمل کے لئے چھ مہینے ہی بچے یہی بات حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سمجھی ہے۔ مصری قانون (م ۴۳ / ۲) نے بخلاف شامی قانون (م ۱۲۸) ابن تیمیہ اور حنابلہ کے قول کو اختیار کیا ہے جو یہ ہے کہ حمل کی کم از کم مدت نو ۹ ماہ ہے عمومی اور غالب واقعات کی پیروی کرتے ہوئے اس لئے کہ اکثر عورتوں کی وضع حمل نو ماہ میں ہوتی ہے اسی کو بنیاد بناتے ہوئے قانون میں آئندہ تفصیل کے ذریعے حمل کی حیات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے:

الف.....اگر حمل میت کی اولاد ہو جس کی صورت یہ ہے کہ اس نے حاملہ یا عدت گزارنے والی بیوی چھوڑی ہو تو اگر اس عورت

❶.....رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ وفی اسنادہ محمد بن اسحاق، وفیہ مقال معروف

نے اس حمل کو مدت حمل کی زیادہ سے زیادہ (جو ۳۶۵ دن ہیں) مدت میں یا کم میں جنا تو میت سے اس حمل کا نسب ثابت ہوگا اور اس کا وارث بھی ہوگا۔ اور اگر سال سے زیادہ مدت میں جنا تو اس کا وارث نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ استقرار حمل وفات کے بعد ہوا لہٰذا نہ نسب ہوگا اور نہ میراث۔

ب: اور اگر وہ حمل میت کے علاوہ کسی اور سے ہو...... جس کی صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے والد یا دادا وغیرہ اپنے ورثاء میں سے کسی کی بیوی کو حاملہ چھوڑا ہو (یعنی وہ بھی اس کے ورثا میں شامل ہو) تو اگر اس نے حمل کی ماں اسے مورث کی وفات کے بعد حمل کی کم از کم مدت میں (جو نو ۹ ماہ ۲۷۰ دن) ہے جنا تو اس کا وارث ہوگا۔

دونوں حالتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے...... پہلی صورت میں ہم اس (میت) سے اس کے حمل کا اثبات کرتے ہیں اور پھر اس سے حمل کی میراث کو ثابت کرتے ہیں یوں ہم نے حمل کی انتہائی مدت کو اختیار کیا، جب کہ دوسری حالت میں (حاملہ میت کے علاوہ کسی سے حمل والی ہو) اس کی ماں سے ہم سے حمل کے نسب کو ثابت نہیں کرنا چاہتے۔ جس کے لئے عمومی قواعد ہیں البتہ ہم اس کے مورث کی وفات کے وقت اس کے وجود کا یقینی ہونا چاہتے ہیں جو مورث کی وفات سے نو ماہ کے دورانیہ میں یقینی ہے جو مدت اس سے متزاد ہوگی اس میں شک ہے اور شک کی وجہ سے میراث ثابت نہیں ہوتی۔

کیا حمل کے وجود کے وقت ترکہ تقسیم کیا جائے گا؟: ا...... مالکیہ کی رائے یہ ہے: کہ حمل کی موجودگی کے وقت ترکہ تقسیم نہیں کیا جائے گا اور حمل کو وضع تک ایسا سبب سمجھا جائے گا جس کی وجہ سے مال موقوف ہوگا۔ لہٰذا ولادت تک ترکہ کی تقسیم موقوف رہے گی۔ یا جب تک ولادت سے مایوسی ہو جائے۔ کیونکہ تقسیم میں ورثا پر مال لینے اور اس میں تصرف کرنے کی زبردستی ہے اور حمل کا اپنا حق واپس لینے میں خطرہ ہے۔

۲: جمہور کی رائے یہ ہے...... کہ ولادت کا انتظار کئے بغیر ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ تاکہ ورثاء کو نقصان پہنچانے سے روکا جاسکے اور مالک کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے سے روکا جائے۔ ورثا کی طرف سے ایک کفیل لیا جائے گا تاکہ حمل کے حق کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکے۔

حمل کی کتنی تعداد ہوسکتی ہے؟...... حمل کبھی ایک اور ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں آیا اس کی کتنی تعداد فرض کی جاسکتی ہے؟
احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے جسے مصر وشام کے قانون نے اپنایا ہے کہ ایک ہی ہوسکتا ہے کیونکہ عموماً حمل کے بارے میں یہی عادت چلی آرہی ہے ایک سے جو زائد ہوگا وہ نادر ہے اس کے باوجود ہم حمل کی تعداد کے لئے احتیاط کریں گے لہٰذا قاضی ان ورثاء سے ایک کفیل لے گا جن کا حصہ کئی حمل ہونے کی وجہ سے متاثر ہو رہا تاکہ وہ مال جو انہوں نے لیا ہے اسے واپس لیا جائے بشرط یہ کہ حمل ایک ہو۔
اور حنابلہ کے ہاں دو کا اندازہ لگایا جاتا ہے کیونکہ ایسا بسا اوقات ہوتا ہے اور بقیہ ورثا زیادہ نقصان دہ کا معاملہ کریں گے ان دونوں کو مذکر فرض کرتے ہوئے یا ان میں سے ایک کو یا دونوں کو مونث سمجھتے ہوئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: چار کا اندازہ لگایا جائے گا کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور بقیہ ورثا سے زیادہ نقصان کا معاملہ کیا جائے گا ان حملوں کو مذکر یا مونث قرار دیتے ہوئے۔
شافعیہ کے نزدیک زیادہ اصح روایت یہ ہے: کہ حمل کی تعداد منضبط کرنے کے لئے کوئی قاعدہ نہیں اس لئے کہ کبھی ایک عورت کے ہاں چار، پانچ،، چھ یا سات بچوں کی پیدائش ہو جاتی ہے۔

ترکہ میں حمل کا حصہ......حمل کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی یہ وارث ہوتا ہے اور کبھی وارث نہیں ہوتا ہے کبھی مذکر ہوتا ہے او کبھی مونث اور کبھی اس کی ولادت زندہ اور کبھی مردہ ہوتی ہے تو اس کے لئے کتنا حصہ موقوف کیا جائے؟

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر ورثا حمل کی ولادت تک ترکہ کی تقسیم موقوف رکھنے پر راضی ہو جائیں تو ترکہ کی تقسیم موقوف رہے گی۔

الف......اور اگر وہ تقسیم پر ہی مصر ہوں تو پھر اگر حمل میراث سے محجوب ہو تو ترکہ میں سے کوئی چیز اس کے لئے موقوف نہیں رکھی جائے گی۔ جیسے کسی نے انتقال پر ایک سگا بھائی، باپ، ماں جو باپ کے علاوہ کسی اور سے حاملہ ہو ورثا میں ہوں تو ترکہ کو فوراً ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا جو ماں اور باپ ہیں باقی سگے بھائی کا ہے اور باپ کی وجہ سے حمل محجوب ہے کیونکہ وہ ماں شریک بھائی ہے۔

ب......اگر حمل اکیلا ہی وارث ہو یا اس کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو اس کی وجہ سے محجوب ہوتا ہو جیسے میت کے ورثا میں اس کی حاملہ بہو یا ماں شریک بھائی کی بیوی ہو تو سارا ترکہ ولادت تک موقوف رکھا جائے گا اگر وہ حمل زندہ پیدا ہوتا ہے تو اسے لے لے گا اور اگر مردہ پیدا ہوتا ہے تو دوسرے کو دیا جائے گا۔

ج......اگر حمل میراث سے محجوب نہ ہو اور اس کے ساتھ ایسے ورثا ہوں جو اس کی وجہ سے محجوب نہیں ہونے والے تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کتنا ترکہ اس کے لئے موقوف رکھا جائے؟

امام شافعی کی رائے جس کے وہ قائل ہیں: حمل کی تعداد کا قاعدہ نہیں ان اصحاب الفروض کو دیا جائے گا جن کے حصے حمل کی تعداد سے تبدیل نہیں ہوتے اور باقی ترکہ ولادت تک موقوف رہے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور رائے یہ ہے......اس کے لئے چار بیٹوں کا یا چار بیٹیوں کا حصہ موقوف رکھا جائے گا۔ اور باقی ورثاء کو کم حصے دیئے جائیں گے۔

امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے......تین بیٹوں یا تین بیٹیوں کا حصہ موقوف کیا جائے گا۔ جو ان دونوں میں سے زیادہ ہو۔ جب کہ احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے اور اسی کو قانون مصری (م ۴۲) اور شامی (م ۲۹۹) نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہ اس کے لئے ایک بیٹے یا بیٹی کا حصہ موقوف کیا جائے گا جو ان میں سے زیادہ ہو۔ اور قانون شامی نے صراحت کی ہے: حمل خواہ مذکر ہو یا مونث اسے مذکر تصور کر کے اس کے لئے دو حصوں میں سے بڑا حصہ رکھا جائے گا'' اور قاضی پر لازم ہے کہ وہ حمل کے ساتھ وارث ہونے والوں اور جن کے حصے کئی حملوں کی وجہ سے تبدیل ہوتے ہیں میں سے ایک کفیل لے۔ یہ حمل کے لئے احتیاط ہے تاکہ اس کا حصہ ضائع نہ ہو اس لئے کہ وارث سے واپس لینا مشکل ہے۔

حمل کو میراث دینے کی کیفیت......ایک مرتبہ حمل کو مذکر تصور کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا پھر اسے مونث سمجھ کر تقسیم کیا جائے گا۔ اگر حمل دو فرضوں میں سے ایک کا وارث بن رہا ہو دوسرے کا نہ بن رہا ہو تو اسے وقتی وارث شمار کیا جائے گا اور اس کا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا اور اگر دونوں تقدیروں کی وجہ سے وارث ہو لیکن مذکر و مونث کی وجہ سے اس کا حصہ مختلف ہو تو اس کے لئے بڑا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ اور دونوں تقدیروں کی بنا پر اس کا حصہ مختلف نہ ہو تو اس کے لئے یہی حصہ محفوظ کیا جائے گا۔

رہے باقی وارث......تو ان میں سے جو دو میں سے کسی ایک تقدیر کی بنا پر وارث ہو تو اسے وقتی وارث نہیں سمجھا جائے گا اور کوئی چیز نہیں دی جائے گی۔

اور جو دونوں تقدیروں کی بنا پر وارث ہو لیکن اس کا حصہ مختلف ہو تو اسے کم حصہ دیا جائے گا۔ اور جو دونوں تقدیروں کی بنا پر وارث ہو اور اس کا حصہ مختلف نہ ہو تو اسے یہی حصہ دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہوا...... حمل کے ساتھ دو میں سے اچھی حالت کا معاملہ کیا جائے گا اور اس کے ساتھ دوسرے وارث کے ساتھ دو میں سے زیادہ بری حالت کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور جو فریق رہ جائیں ولادت تک ان کا حصہ محفوظ رکھا جائے۔ اور اگر حمل کا وہم تھا یا بغیر جنایت مردہ پیدا ہو جائے تو موقوف مال ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ زندہ پیدا ہوا اور ہو بھی ایک تو اسے وہ موقوف حصہ دیا جائے گا جس کا وہ مستحق ہے اور باقی ماندہ مستحقین کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کئی ہوں تو ورثا اور کفیل سے ان کے حق سے زائد کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

حمل کے مسائل کی تصحیح...... حمل کے مسائل میں تصحیح کی اصل یہ ہے: کہ دونوں صورتوں میں مسئلہ کی تصحیح کی جائے یعنی اس تقدیر پر کہ حمل مذکر ہے اور اس تقدیر پر کہ حمل مونث ہے پھر دونوں مسئلوں کی تصحیحوں میں غور کیا جائے:

الف...... کسی جزء میں دونوں متفق ہوں تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل سے ضرب دیں۔ اور اگر دونوں میں تباین ہو تو ایک کو دوسرے کے کل سے ضرب دے دیں۔ حاصل مسئلہ کی تصحیح ہے پھر تباین کی حالت میں جس کی اس کے مذکر ہونے کے مسئلہ میں سے کوئی چیز ہو اس کے حصہ کو اس کے مونث ہونے کی حالت کے مسئلہ سے ضرب دیں اور توافق کی حالت میں ایک کے وفق کو دوسرے سے ضرب دیں اسی طرح تباین کی حالت میں جس کے مؤنث ہونے کے مسئلہ سے کوئی چیز ہو اس کے مذکر ہونے کے مسئلہ سے ضرب دی جائے یا اس کے وفق سے ضرب دی جائے جیسا کہ ہیجڑے کی میراث کے بارے میں مقرر ہے۔ پھر ہر وارث کے لیے حاصل ضرب میں غور کریں تو سب سے کم حصہ وہ اس وارث کو دیا جائے کیونکہ اس کا کم حصہ یقینی ہے اور دونوں حاصلوں میں فرق وارث کے حصہ پر موقوف ہے یہاں تک کہ اشتباہ ختم ہو جائے۔

چنانچہ ایک بیٹی، والدین اور حاملہ عورت (بیوی) کی صورت میں مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اس تقدیر پر کہ حمل نرینہ ہے اس لئے کہ اس وقت اس مسئلہ میں دو سدس، ایک ثمن اور باقی جمع ہو گیا۔ لہٰذا بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) (۳) اور والدین میں سے ہر ایک کو سدس (۴) اور بیٹی کو مذکر حمل کے ساتھ باقی (۱۳) ملے گا۔

اور اس تقدیر پر کہ حمل مونث ہے مسئلہ (۲۷) سے ہوگا کیونکہ اس صورت میں ثمن، دو سدس اور دو تہائی جمع ہیں اور یہ مسئلہ منبریہ ہے (۲۴) سے (۲۷) تک عول ہوگا والدین کو (۸) بیوی کو (۳) اور بیٹی کو مونث حمل کے ساتھ (۱۶) ملے گا۔ دونوں مسئلوں کی دونوں تصحیحوں یعنی (۲۴ اور ۲۷) میں توافق بالثلث ہے۔ کیونکہ اس کا مخرج تین ہے جو دونوں کو ختم کر دیتا ہے اس لئے جب ایک کے وفق یعنی تہائی کو جو پہلے عدد کا (۸) اور دوسرے کا (۹) بنتا ہے دوسرے کے کل سے ضرب دی جائے گی تو حاصل (۲۱۶) سہم آئیں گے اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ بیوی، حمل کے مذکر ہونے کی بنا پر (۳x۹) مسئلہ کے مونث ہونے کی بنا پر اس کے وفق سے =(۲۷) والدین میں سے ہر ایک کو (۴x۹=۳۶) ملے گا۔ اسی طرح حمل کے مونث کے حال میں بیوی کو (۳x۸=۲۴) اور والدین میں سے ہر ایک کو (۳x۸=۳۲) ملے گا والدین اور بیوی کو کم حصہ دیا جائے گا۔

مثالیں: الف...... ایک شخص کے ورثا میں ایک سگا بھائی باپ اور ماں کسی اور سے حاملہ ہے۔ یہاں حمل وارث نہیں۔ اس واسطے کہ ماں شریک بھائی بہن باپ کی وجہ سے میراث سے محجوب ہو جاتے ہیں۔

۲...... ایک شخص کے ورثا میں صرف ایک کی حاملہ بہو یا باپ کی حاملہ اہلیہ ہے یہاں حمل اکیلا وارث ہے کیونکہ یہ پہلی حالت میں یا تو پوتا ہوتا یا پوتی ہوتی پہلا عصبہ ہوگا جو سارا ترکہ سمیٹ لے گا اور دوسری فرض اور رد کے لحاظ سے ترکہ جمع کر لیتی اور دوسری حالت میں یا باپ شریک بھائی ہوتا جو عصبہ ہوتا ہے اور سارا ترکہ جمع کر لیتا ہے یا باپ شریک بہن ہوتی جو سارا ترکہ فرض اور رد کے لحاظ سے سمیٹ لیتی۔ دونوں حالتوں میں سارا ترکہ تاوقت ولادت موقوف رکھا جائے گا۔

۳...... میت کے ورثاء میں بیوی، ماں باپ اور حاملہ بہو ہے، ترکہ کو حمل کو مذکر تصوڑ کرتے ہوئے تقسیم کر دیا جائے یعنی حمل پوتا ہوا لہٰذا بیوی کو ثمن ۲۴/۳ اور ماں باپ میں سے ہر ایک سدس (۴) سہام دونوں کے لئے۔ اور باقی (۱۳) سہم پوتے کے لئے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ پھر مونث ہونے کی تقدیر پر ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل کو پوتی شمار کرتے ہوئے۔ لہٰذا بیوی کو ثمن ۲۴/۳ ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس (۴) سہام دونوں کے لئے۔ اور باقی (۱۳) سہم پوتے کے لئے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ پھر مؤنث ہونے کی تقدیر پر ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل کو پوتی شمار کرتے ہوئے۔ لہٰذا بیوی کو ثمن ۲۴/۳ ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس (۴) سہام دونوں میں سے ہر ایک کے لئے۔ اور پوتی کو نصف ۲۴/۱۲ ملے گا باقی سہم (۱) باپ کو دیا جائے گا یوں اس کے پانچ (۵) سہام ہو جائیں گے۔

حمل کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مذکر تصور کیا جائے گا اور اس کے لئے (۲۴) میں سے (۱۳) سہام موقوف کئے جائیں۔

۴...... میت کے ورثا میں بیوی اور اپنے والد سے حاملہ ماں ہے پہلے ترکہ کو مذکر ہونے کی تقدیر پر تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل سگا بھائی ہے لہٰذا بیوی کو چوتھائی ۱۲/۳، ماں کو تہائی ۱۲/۴ اور سگے بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ۱۲/۵ ملے گا پھر بر تقدیر مونث ترکہ کو تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل سگی بہن ہے۔ لہٰذا اسے نصف ۱۲/۶ ملے گا اور مسئلہ کا عول ۱۳ تک ہوگا۔ مسئلہ کی تصحیح [1] سے ہمیں معلوم ہوا کہ (۱۵۶) میں سے سگے بھائی کے (۶۵) سہام ہیں اور سگی بہن کے (۷۲) سہام ہیں اس بنا پر حمل کو مؤنث سمجھا جائے گا کیونکہ یہ اس کے لئے افضل ہے اور ۱۵۶/۷۲ اس کے لئے موقوف رکھے جائیں گے۔

۵۔ ایک عورت فوت ہوئی اس کے ورثاء میں، خاوند ایک سگی بہن اور باپ کی حاملہ بیوی چھوڑی، اگر حمل کو مذکر سمجھا جائے تو خاوند کو نصف، سگی بہن کو نصف ملے گا اور باپ شریک بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے جو اصحاب الفروض کے بعد باقی ماندہ لے گا۔ اور اگر حمل کو مونث سمجھا جائے تو پھر بھی خاوند اور سگی بہن کا حصہ نصف، نصف ہے اور دو تہائی کو مکمل کرنے کے لئے باپ شریک بہن کو سدس ملے گا پھر مسئلہ کا عول (۷) تک ہوگا۔

اس وقت افضل یہ ہے کہ حمل کو مونث سمجھا جائے اور سات میں سے ایک سہم اس کے لئے موقوف کیا جائے گا۔

۶...... ایک شخص کے ورثا میں باپ، ماں، حاملہ بیوی اور ایک بیٹی ہے، پہلے حمل کو مذکر شمار کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ لہٰذا باپ کو سدس ۲۴/۴ اور ماں کو سدس ۲۴/۴، بیوی کو ثمن ۲۴/۳ اور باقی (۱۳) سہم بیٹے اور بیٹی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملیں گے یوں بیٹے کا حصہ تصحیح کے بعد (۷۲) میں سے (۲۶) سہم ہوں گے۔ اس کے بعد حمل کو مونث تصور کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ تو باپ کو سدس، بیوی کو ثمن اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا ہر بیٹی کو ایک تہائی ملے گا۔ مسئلہ کی اصل (۲۴) سے ہوگی اور (۲۷) تک عول ہوگا لہٰذا حمل کا حصہ (۲۷) میں سے (۸) ہوگا۔ اور تصحیح کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حمل کو مذکر تصور کرتے ہوئے اس کا حصہ (۱۲۶) میں سے (۷۸) بنتا ہے اور اسے مؤنث قرار دیتے ہوئے اس کا حصہ (۲۱۶) میں سے (۶۴) بنتا ہے حمل کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مذکر سمجھا جائے اور صرف بیٹی کے لئے ایک کفیل لیا جائے گا کیونکہ متعدد ہونے سے اس کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔

۷...... ایک عورت کا انتقال ہوا اور ورثا میں خاوند، باپ کی حاملہ بیوی، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بھائی ہیں۔

---

[1] ...... السراجية ص ۲۲۱-۲۲۵، الرحبية ص ۷۶، المغني: ۶/۳۳۱، ۳۲۵، مغني المحتاج: ۳/۲۶، القوانين الفقهية: ص ۲۱۶.

پہلے حمل کو مذکر سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی اسے سگا بھائی سمجھا جائے گا لہٰذا خاوند کو نصف ۶ / ۳ ماں کو سدس جو ایک سہم بنتا ہے ملے گا باقی ایک تہائی میں دونوں ماں شریک بہنیں اور دونوں سگی بہنیں اور ایک سگا بھائی شریک ہوگا۔ مسئلہ کی تصحیح (۳۰) سے ہوگی، سگے بھائی ۳۰ / ۳ ملے گا۔

دوبارہ ترکے کی تقسیم حمل کو مؤنث قرار دے کر کی جائے گی یعنی اسے سگی بہن سمجھا جائے گا۔ لہٰذا خاوند کو نصف ۶ / ۳ ماں کو سدس ایک سہم اور تینوں سگی بہنوں کو دو تہائی ۶ / ۴ اور ماں شریک بھائی کو تہائی ۶ / ۲ ملے گا (۳۰) تک مسئلہ کا عول ہوگا اور (۳۰) سے تصحیح ہوگی یوں سگی بہن کو ۳۰ / ۴ ملے گا۔

حمل کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مؤنث قرار دیا جائے اور اس کے لئے ۳۰ / ۴ محفوظ کیا جائے رہا حصوں کا فرق جو (۶) سہم ہیں تو انہیں چار محفوظ سہام کے ساتھ حمل کے لئے ولادت کے وقت تک محفوظ رکھا جائے گا۔

تیسری بحث: لاپتہ کی میراث...... اس کی تعریف، اس کی بیوی کی نسبت سے اس کی موت کی حد بندی کے بعد اس کے احکام، اس کے مال اور میراث کے حوالہ سے احکام لاپتہ کی توریث کی کیفیت، کیا اس کی مدت وفات کا اندازہ لگایا جائے گا اور کب اسے لاپتہ شمار کیا جائے گا۔

لاپتہ کی تعریف: مفقود...... وہ شخص ہوتا ہے جو غائب ہو اور اس کا کوئی اتا پتہ معلوم نہ ہو اس کی زندگی موت کی کوئی اطلاع نہیں ہوتی جب اس کی موت وحیات کا علم نہیں تو جگہ کی پہچان یا لاعلمی کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر جگہ کا پتہ ہو لیکن زندہ ہے یا مردہ اس کا پتہ نہ ہو تو وہ مفقود اور لاپتہ ہے۔

لاپتہ کے احکام...... لاپتہ کے تین احکام ہیں جن کا تعلق اس مدت کی حد بندی سے ہوتا ہے جس کے گزر جانے کے بعد اس کے مرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جو اس کی بیوی، مال اور اس کی میراث وغیرہ کی نسبت سے ہوتے ہیں۔

اس کی بیوی کی نسبت سے...... احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ یہ معاملہ حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ غور وخوض کرے اور وہ اپنے گمان غالب کے مطابق جو مصلحت ہو وہی کرے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مطلق ہے" لاپتہ کی بیوی ایسی عورت ہے جو ایک آزمائش سے گزر رہی ہے اسے چاہئے کہ وہ صبر کرے جب تک لاپتہ کی موت کی یقینی خبر نہ آجائے نکاح نہ کرے"۔

اور حنابلہ نے یہ تفصیل بیان کی ہے اور انہوں نے سابقہ رائے کو اختیار کیا ہے جس کے ساتھ اس کے زندہ رہنے کا گمان ہو جس کی صورت یہ ہے کہ وہ سیر وسیاحت، تجارت، طلب علم یا حالت امن میں حج کی ادائیگی کے لئے نکلا ہو تو قاضی اس وقت اس کی موت کا فیصلہ کرے گا جب اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ مر چکا ہے اور مدت کا اندازہ لگانا قاضی کی صواب دید پر مبنی ہے۔ اور اگر لاپتہ شخص اتنا عرصہ غائب رہا ہو جس میں اس کے ہلاک ہونے کا گمان ہو جیسے دوران جنگ، یا حملے یا میدان کارزار میں لاپتہ ہونا یا کوئی قریبی مصلحت کو پورا کرنے کے لئے گیا ہو اور واپس نہ آیا ہو تو قاضی اس کی گم شدگی کی تاریخ سے لے کر چار سال کے بعد اس کی موت کا فیصلہ سنادے گا۔ [1]

---

[1]...... قانون مصری نمبر ۱۵، ۱۹۲۹ء نے اس گم شدگی میں جس میں ہلاک ہونے کا گمان غالب ہو امام احمد کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور جس میں ہلاک ہونے کا غالب گمان نہ ہو احناف کے نزدیک صحیح قول کو لیا ہے چنانچہ آرٹیکل ۲۱ میں دونوں حالتوں کی صراحت ہے۔ لاپتہ کی تاریخ گم شدگی سے لے کر چار سال بعد اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا جب اس کا ہلاک ہونا غالب گمان میں آتا ہو رہی دوسری حالتیں ان میں قاضی کی صوابدید کے مطابق اس کی موت کا فیصلہ ہوگا جس کے لئے وہ تمام طریقے بروئے کار لائے گا جن سے اس کا زندہ یا مردہ ہونا معلوم ہو جائے

مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ چار سال کے بعد جس دن سے اس کی بیوی نے قاضی سے فیصلہ طلب کرنے کے لئے اپنا مقدمہ دائر کروایا ہو اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جب وہ مدت گزر جائے تو عورت وفات کی عدت گزارے گی پھر اگر چاہے تو شادی کرلے۔ اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے: ایک سال یا زیادہ عرصہ غائب رہنے کی وجہ سے قاضی خاوند بیوی کے درمیان تفریق کردے' اور شافعیہ کا قول ہے:

جو شخص لاپتہ یا قید ہوگیا ہو اور اس کا کچھ اتا پتا نہ ہو تو جب تک اس کی یقینی اطلاع نہ آجائے اس کی موت کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ یا اتنی مدت گزر جائے جس سے معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ وہ اس سے زیادہ نہیں جی سکتا جیسا کہ اس کے ہم عمروں کا حال ہوتا ہے۔

رہا اس کے اموال کے لحاظ سے...... ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ لاپتہ شخص کو اس کے اپنے ان اموال کے بارے میں زندہ شمار کیا جائے گا جن کی ملکیت اس کے لئے ثابت ہے اور اس کے دوسرے حقوق میں یہاں تک کہ اس کے فوت ہونے کی کوئی دلیل مل جائے۔

یا قاضی اس کے فوت ہونے کا فیصلہ سنا دے تو یہ لاپتہ شخص کی سلبی جانب ہے اور اس پر مندرجہ ذیل امور مرتب ہوتے ہیں۔

اس کے ورثا میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا اور قاضی اس کے مال میں سے اس کی بیوی اور اس کے اصول (ماں باپ دادا و دادی) وفروع (اولاد وغیرہ) پر خرچ کرے گا اس لئے کہ ان کا خرچ تو اس پر خواہ وہ حاضر ہو یا غائب واجب ہے۔ اور اس کے کئے ہوئے عقود و معاملات فسخ نہیں ہوں گے جیسے وہ اجارہ جو احناف کے نزدیک عقد کرنے والوں میں سے ایک کے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے اور قاضی اس کے قرضے وصول کرنے اور اس کے مال کو محفوظ کرنے کے لئے ایک وکیل مقرر کرے گا۔ جب تک اس کا اتا پتا معلوم نہیں ہو جاتا اس کے اموال محفوظ رکھے جائیں گے پھر اگر وہ زندہ مل جائے تو اپنے اموال لے لے گا اور اگر شرعی دلیل سے اس کی موت ثابت ہو جائے تو اسے اس وقت سے مردہ گنا جائے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس میں مرا تھا اور اس کے ورثاء اسی وقت سے اس کے وارث ہوں اور اگر قاضی نے اس کی موت کا فیصلہ صادر کیا ہے تو فیصلے کے وقت سے مردہ شمار ہوگا اور اس کے ورثا صرف فیصلے کی تاریخ سے وارث ہوں گے۔ اس کے مال کے لحاظ سے اسے زندہ سمجھنے کی وجہ اس کی زندگی کا استصحاب الحال ہے جس پر وہ لاپتہ ہونے سے پہلے تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ وہ جس حالت میں بھی ہو وہ باقی ہو یہاں تک کہ اس کے خلاف بات دلیل سے ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا کوئی اس کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ میراث کے مستحق ہونے کی شرط مورث کی موت کا ثابت ہونا ہے اور اس کی موت ثابت نہیں۔

غیر سے اس کی وارث ہونے کے لحاظ سے...... استصحاب کے حجت ہونے مین اختلاف کی وجہ سے فقہاء کی دو آراء ہیں:

جمہور حنفیہ ❶ کی رائے ہے...... کہ لاپتہ کے غیر سے ایجابی حقوق ثابت نہیں ہوتے جیسے میراث پانا اور دوسروں کی طرف سے وصیت، نہ یہ غیر کا وارث ہوتا ہے اور نہ غیر کی وصیت اس کے لئے ثابت ہوتی ہے کیونکہ استصحاب ان کے نزدیک دینے کی دلیل ہے ثابت کرنے کی نہیں یعنی وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ حال کی تبدیلی کا دعویٰ کرنے والے کو دیا جائے نہ کہ جس پر تھا اس پر برقرار رہے۔ اس کی حیات کا استصحاب صرف اسے یہ فائدہ دیتا ہے کہ اس کی وفات کی وجہ سے اس کے مال کی تقسیم اور بیوی کی جدائی کے جو احکام مرتب ہوتے ہیں انہیں دے۔ یہ سلبی حق ہے غیر کی ملکیت اس کی طرف منتقل ہونے میں فائدہ مند نہیں۔ یہ ایجابی حق ہے مختصراً یہ کہ غیر کو اس کے اموال کی ملکیت دینے کی استصحاب صلاحیت رکھتا ہے لیکن غیر سے اس کی ملکیت کو ثابت نہیں کرتا۔ اسی بنا پر نہ وہ وارث

❶......اصول السرخسی ۲/۲۲۵، مراۃ الاصول: ۲/۳۶۷، کشف الاسرار: ص ۱۰۹۸۔

ہوتا ہے اور نہ اس کے لئے وصیت ہوتی ہے اس لئے کہ میراث اور وصیت کے استحقاق کے لئے مورث اور موصی (وصیت کرنے والی) کی موت کے وقت وارث اور موصی لہ ٠ جس کے لئے وصیت کی جائے) کی زندگی کا ثبوت شرط ہے۔ جب کہ لاپتہ شخص کی حیات ثابت نہیں۔ بلکہ یہاں یہ احتمال ہے کہ وہ مردہ ہو اس لئے نہ یہ وارث ہوگا اور نہ کسی کو وارث کرے گا۔

جمہور مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور شیعہ امامیہ کی رائے یہ ہے: کہ: لاپتہ شخص اگرچہ کسی کو وارث نہیں کرتا لیکن دوسرے کا وارث ہوتا ہے، ❶ اس واسطے کہ استصحاب دینے اور ثابت کرنے کے لئے مطلقاً دلیل ہے جب تک استمرار سے مانع کوئی دلیل قائم نہ ہو مفقود و لاپتہ شخص کی زندگی اصل ثابت شدہ ہے لہٰذا وہ غیر کا وارث ہوگا اور اس کا مال کسی کی میراث نہیں ہوگا یعنی استصحاب دونوں حق ایجابی اور سلبی ثابت کرتا ہے۔ البتہ حنابلہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب اس کی گم شدگی پر چار سال کا عرصہ بیت جائے تو نہ وہ وارث ہوگا اور نہ کسی کو وارث کرے گا۔

قانون مصری (م ۴۵) اور شامی (م ۳۰۲) نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے اور آرٹیکل نے یہ صراحت کی ہے: لاپتہ شخص کا حصہ اس کے مورث کے ترکہ سے موقوف کیا جائے گا پھر اگر وہ زندہ مل جائے تو وصول کر لے گا اور اگر اس کی موت کا فیصلہ صادر ہو جائے تو اس کا حصہ اس کے مورث کی وفات کے وقت مستحقین کو لوٹا دیا جائے گا اور اگر موت کے فیصلے کے بعد وہ زندہ مل گیا تو ورثاء کے پاس اس کے حصہ میں سے جو باقی رہ چکا ہوگا وہ وصول کر لے گا۔

مفقود کی توریث کی کیفیت: الف..... اگر مفقود و لاپتہ شخص اکیلا ہی وارث ہو تو سارا ترکہ اس کے لئے موقوف ہوگا۔

ب..... اور اگر اس کے ساتھ وارث ہونے والے ورثا ہوں تو ترکہ کو دو فرض صورتوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک اس صورت میں کہ وہ زندہ ہے اور ایک اس صورت میں کہ وہ مردہ ہے۔ پھر دونوں حالتوں میں اصل مسئلہ کی ایجاد کی جائے گی اس کے لئے افضل حصہ رکھا جائے گا اور ہر وارث کو بڑا حصہ دیا جائے گا۔

اور جو مال مفقود کے لئے موقوف کیا گیا ہے اس کے ساتھ فروض کے حصوں میں سے جو کچھ ہوگا وہ محفوظ رکھا جائے گا۔ اور اگر مفقود زندہ مل جائے تو موقوف شدہ مال لے لے گا۔ اگر اس کی موت اس کے مورث کی موت کے بعد گواہی سے ثابت ہو جائے تو اس کا روکا ہوا حصہ اس کے شرعی ورثا کو دے دیا جائے گا۔

اور اگر اس کی موت اس کے مورث کی موت سے پہلے ثابت ہو جائے یا اس کی موت صرف قاضی کے حکم سے ثابت ہو تو موقوف مال اس کے مورث کے ورثا کا حق ہوگا۔

مثالیں: ۱..... ایک شخص فوت ہوا جس کا صرف ایک لاپتہ بیٹا یا لاپتہ بیٹا اور دو ماں شریک بھائی ہیں تو یہاں لاپتہ شخص اکیلا وارث ہے کیونکہ دونوں ماں شریک بھائی اس کی وجہ سے محجوب ہیں۔ اور اگر لاپتہ شخص زندہ مل جائے تو سارا ترکہ لے لے گا ورنہ پہلی حالت میں بیت المال اسے وصول کرے گا۔ یا دوسری حالت میں دونوں ماں شریک بھائی لیں گے۔

۲..... میت کے ورثا میں، بیوی،، ماں باپ، بیٹی اور ایک لاپتہ بیٹا ہے۔

پہلے لاپتہ شخص کو زندہ تصور کر کے ورثا کی ترتیب یوں ہوگی:

---

❶..... مختصر ابن الحاجب: ص ۲۱۷، مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول للتلمسانی المالکی: ص ۱۸۹، الابهاج للسبکی: ۱۱۱/۳، شرح المحلی علی جمع الجوامع: ۲۸۵/۲ المدخل الی مذهب احمد: ص ۱۳۳ شرح روضة الناظر: ۳۸۹/۱، الاحکام لابن حزم: ۵۹۰/۵، محمد تقی الحکیم: ص ۴۵۴۔

بیوی ۸/ ۱باپ ۶/ ۱ماں ۶/ ۱بیٹا بیٹی دونوں عصبہ ہوں گے مسئلہ کی اصل ۲۴ سے ہوگی اور سہام ۳ ۴ ۴ (۱۳) ہوں گے مسئلہ کی تصحیح ۳ عدد رؤس عصبہ کو اصل مسئلہ ۲۴ سے ضرب دینے سے ہوگی۔

یوں تصحیح کے بعد سہام ۳۹۱۲۱۲۹ ہوں گے بیٹے (۲۶)

دوسری صورت میں لاپتہ کو مردہ تصور کر کے ورثا کی ترتیب یوں رکھی جائے گی۔ بیوی ۸/ ۱باپ ۶/ ۱ماں ۶/ ۱بیٹی ۲/ ۱اصل مسئلہ ۲۴ سے سہام ۳، ۱+۴ ۴ ۱۲ باپ کو ایک زائد ملا وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے۔ اور لاپتہ کو زندہ تصور کر کے اس کا حصہ (۲۷ میں سے ۲۶) محفوظ کیا جائے گا اور بیوی اور ماں دونوں کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔

کیونکہ دونوں حالتوں میں اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اور باپ اور بیٹی دونوں کو ان کا گھٹیا حصہ دیا جائے گا اور باقی کو موقوف رکھا جائے گا۔ پھر اگر لاپتہ شخص زندہ مل جائے تو وہ موقوف مال وصول کرلے گا اور اگر اس کی موت کا فیصلہ ہو گیا تو باپ اور بیٹی کا حصہ مکمل ہو جائے گا۔

۳......ایک عورت کا انتقال ہوا ورثاء میں خاوند، دو سگی بہنیں اور ایک لاپتہ سگا بھائی ہے پہلے اس بھائی کو زندہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا خاوند کو ۲/ ۱یعنی (۱) اور سگا بھائی دونوں بہنوں کے ساتھ عصبہ ہے جو باقی (۱) لے گا مسئلہ کی اصل (۲) سے ہوگی اور مسئلہ کی تصحیح (۸) سے (۴) کو عدد رؤس سے ضرب دینے سے ہوگی پھر لاپتہ شخص کو مردہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا تو خاوند کو ۲/ ۱(۳) اور دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) مسئلہ کا (۷) تک عول ہوگا۔

پھر دونوں مسئلوں میں اصل کو دونوں مسئلوں کی اصلوں سے ضرب دینے کے ذریعے ایک بنایا جائے گا (۸×۷=۵۶) چنانچہ سگے بھائی (۲×۷=۱۴) کے لئے موقوف کیا جائے گا۔ وہ اس طرح کہ جس کی پہلی حالت میں کوئی چیز ہو اسے (۷) سے ضرب دیں اور جس کے لئے دوسری حالت میں کوئی شے ہو اسے ۸) سے ضرب دے کر۔ اور دونوں سگی بہنوں کو زندہ ہونے کی صورت میں (۲×۷=۱۴) اور مردہ ہونے کی صورت میں (۴×۸=۳۲) یوں انہیں دو حصوں میں سے زیادہ برابر حصہ دیا جائے گا۔ اور خاوند کو زندہ ہونے کی صورت میں (۴×۷=۲۸) اور مردہ ہونے کی حالت میں (۳×۸=۲۴) یوں دو میں سے زیادہ بڑا حصہ دیا جائے گا۔ حصوں کے فرقوں کو موقوف رکھا جائے گا اور مفقود کے حصے کے ساتھ محفوظ رکھے جائیں گے۔ پھر اگر وہ زندہ مل جائے تو اس کے لئے ۱۴ اور خاوند کے لئے ۴ ہے اور اگر وہ مردہ ملے تو دونوں بہنیں۔ حصے کے فرق کو وصول کریں گی۔

۴......میت کے ورثا میں بیوی، ماں باپ اور ایک لاپتہ بیٹا ہے پہلے اسے زندہ سمجھتے ہوئے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ بیوی کو ثمن جو (۲۴ میں ۳ ہے) باپ کو سدس (۴) ماں کو سدس (۴) اور باقی (۱۳) بیٹے کو ملے گا۔

پھر ترکہ کو اس بنا پر تقسیم کیا جائے گا کہ وہ مردہ ہے لہٰذا بیوی کو ربع (۲۴) میں سے (۶) ماں کو باقی کا تہائی (۶) باپ کو باقی (۱۲) سہام اور بیٹے کے لیے (۱۳) سہام روک کر رکھے جائیں گے۔ دونوں مسئلوں میں بیوی اور ماں باپ کے حصہ میں فرق پائے جائیں گے۔ اور ورثاء کو سب سے بڑے حصے دیئے جائیں گے۔ چنانچہ بیوی کو (۳) سہام اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ۴ سہام۔

کیا لاپتہ شخص کی وفات کی مدت کا اندازہ لگایا جائے گا؟......ایک قول ہے: اندازہ لگایا جائے گا، اور ایک قول کے مطابق اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ قاضی اپنے اجتہاد سے کام لے گا۔

جہاں تک مالکیہ اور حنابلہ کا تعلق ہے تو ان کا کہنا ہے: مدت کا اندازہ لگایا جائے مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ستر ۷۰ سال گزر جائیں۔ اور حنابلہ کے ہاں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نوے ۹۰ سال گزر جائیں شامی قانون (م ۲۰۵) نے لاپتہ کے اسی ۸۰ سال کے

ہو جانے کی حد بندی کی ہے۔

احناف کی ظاہر روایت اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے: اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ احناف کے ہاں اس کی موت کا فیصلہ اس وقت کیا جائے گا۔

جب اس کے شہر میں اس کے ہم عمر فوت ہو جائیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک قاضی اپنے اندازے کے مطابق اجتہاد کرے گا بایں طور کہ اتنی مدت گزر جائے جس سے معلوم یا ظن غالب یہ ہو کہ وہ اس سے زیادہ نہیں زندہ رہ سکتا۔

کب سے اسے لاپتہ شمار کیا جائے گا؟...... جب غائب شخص کی وفات دلیل سے ثابت ہو جائے پھر اگر قاضی وفات کا فیصلہ کر دے تو اس تاریخ کو بنیاد بنایا جائے گا جس کی حد بندی دلیل نے کی ہے۔

اور اگر فیصلے کی بنیاد اجتہاد اور غالب گمان ہو تو دو اقوال ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا قول ہے...... اس کی موت کا فیصلہ اس کے لاپتہ ہونے کی تاریخ کی طرف لوٹایا جائے گا لہٰذا لاپتہ ہونے کی تاریخ سے اسے مردہ سمجھا جائے گا تو جو لوگ فیصلے سے پہلے فوت ہو گئے وہ وارث نہیں ہوں گے اور جو اس کے لاپتہ ہونے کی تاریخ کے وقت موجود ہوں وہ مفقود کے مال کے وارث ہوں گے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے: جس تاریخ سے اس کی وفات کا فیصلہ ہوا ہے اس سے اسے مردہ شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا جو لوگ اس کی موت کے فیصلہ سے پہلے فوت ہو گئے مفقود ان کا وارث ہوگا اور اس کی موت کے فیصلہ کے وقت جو ورثا موجود ہوں گے وہ اس کے مال کے وارث ہوں گے۔

چوتھی بحث: قیدی کی میراث...... قیدی یا زندہ ہوگا یا اس کی زندگی کا علم نہیں ہوگا۔ ⓫

الف...... اگر قیدی کی زندگی کا علم ہو تو وہ دوسرے کا وارث ہوگا اس کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوگا اس واسطے کہ وہ زندہ ہے لہٰذا اس کے ساتھ زندوں جیسا معاملہ کیا جائے گا دارالاسلام کا مسلمان جہاں بھی ہو قید کچھ اثر انداز نہیں ہوتی (مسلمان) قیدی کا حکم میراث میں باقی مسلمانوں کی طرح ہے جب تک وہ اپنا دین نہ چھوڑے۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے تو اس کا حکم مرتد جیسا ہے اس لئے کہ دارالاسلام اور دارالحرب میں مرتد ہونے والے میں فرق ہے۔

ب...... اور اگر وہ مجہول الحال ہو نہ اس کی زندگی کا پتہ ہو اور نہ موت کا اور نہ مرتد ہونے کا تو اس کا حکم مذکور لاپتہ شخص کا ہے نہ اس کا مال تقسیم ہوگا اور نہ اس کی بیوی دوسری جگہ نکاح کرے گی یہاں تک کہ اس کی خبر مل جائے۔

پانچویں بحث: ہیجڑے کی میراث...... ہیجڑا اس کو کہتے ہیں جس میں دونوں نسلی اعضا مردانہ عضو اور زنانہ عضو اکٹھے ہوں یا جس میں ان میں سے بالکل کوئی عضو نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں مشکل اور غیر مشکل۔ ⓬

رہا خنثی غیر مشکل یا واضح...... تو وہ ایسا ہیجڑا ہے جس میں مرد ہونے یا عورت ہونے کی علامت راجح ہو مثلاً اس نے شادی کی تو اولاد ہوئی یہ تو مرد ہوا یا شادی ہونے سے وہ حاملہ ہوگئی تو یہ عورت ہے جن دونوں پر اپنا اپنا حکم منطبق ہوگا اور اگر وہ ہیجڑا مردوں کے آلہ سے پیشاب کرے تو وہ مرد ہے دوسرا عضو بدن میں اضافہ ہے اور اگر زنانہ عضو سے پیشاب کرے تو وہ عورت ہے دوسرا آلہ بدن میں

⓫...... السراجیة: ص ۲۲۸، مغنی المحتاج: ۳/۲۶، المغنی: ۶/۳۲۶۔ ⓬ السراجیة: ص ۲۰۵۔۲۱۲، القوانین الفقهیة: ۳۹۵، الرحبیة: ص ۷۳۔۷۵ المغنی: ۶/۲۵۳۔۲۵۸۔

اضافہ ہے جوظاہر ہوگیا۔ اس کا امتحان پیشاب کرنے، داڑھی کے ظاہر ہونے اور حیض آنے سے لیا جائے گا۔ اگر وہ مردوں میں شامل ہو تو مردوں کی میراث پائے گا۔ اور اگر عورتوں میں شامل ہو تو عورتوں کی میراث پائے گی۔

رہا **خنثیٰ مشکل**...... تو وہ ایسا ہیجڑا ہوتا ہے جس کا حکم واضح نہ ہو اس کے مرد عورت ہونے کا پتہ نہ چلے وہ زنانہ و مردانہ دونوں آلات سے پیشاب کرے، اور داڑھی کے ساتھ ساتھ اس کے پستان بھی ابھر آئے ہوں موجودہ ڈاکٹری طب کی ترقی کے ساتھ آپریشن کے ذریعے اس کی پیچیدگی کو ختم کر کے اس کی حقیقت واضح کی جاسکتی ہے۔

خنثیٰ مشکل کی میراث کا حکم...... خنثیٰ مشکل کو خاوند یا بیوی تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جب تک وہ خنثیٰ مشکل رہے گا اس کی شادی صحیح نہیں۔ اور نہ اسے ماں باپ اور دادا دادی تصور کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ پھر وہ مشکل نہیں رہے گا۔

یہ ممکن ہے کہ وہ بیٹا ہونے یا بھائی ہونے یا چچا ہونے کی فرع ہو پھر اس کی میراث میں اختلاف ہوگا آیا وہ مرد ہے یا عورت؟ لیکن اگر مرد یا عورت ہونے کی وجہ سے اس کا حصہ مختلف نہ ہو تو بلا اشکال ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اگر مرد یا عورت تصور کرنے کی بنا پر وارث ہو کسی اور عورت صورت میں وارث نہ بنتا ہو تو احناف کے نزدیک اسے ترکہ میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ اور شافعیہ کے نزدیک ورثا کو سب سے کم حصہ دیا جائے گا اور اس کا حصہ اس کا معاملہ واضح ہونے تک محفوظ رکھا جائے گا مالکیہ اور حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر اس کے حصہ میں مرد و عورت ہونے کی وجہ سے فرق پڑ رہا ہو تو اس میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ **احناف کا مفتی بہ مسلک**...... مرد یا عورت ہونے کی صورت میں اسے سب سے بری حالت کا یا دونوں میں سے کم کا حصہ دیا جائے گا۔ اور ورثا کو بہترین حصہ دیا جائے گا۔ یعنی بالکل حمل کی برعکس صورت۔ اسی کو قانون مصری (م ۴۶) نے اختیار کیا ہے چونکہ یہ صورت نادر ہے اس لئے قانون شامی نے اس کی صراحت نہیں کی ہے اور اگر پائی جائے تو آرٹیکل (۳۰۵) ➊ کی وجہ سے اس رائے کو منطبق کیا جائے گا۔ چنانچہ جس کے ورثا میں بیوی، ماں، باپ اور ہیجڑا بیٹا ہو تو مسئلہ (۲۴) سے ہوگا پہلے اسے مرد سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا لہٰذا بیوی کو ۸/۱=(۳) باپ کو ۶/۱=(۴) ماں کو ۶/۱=(۴) اور ہیجڑے سے بیٹے کو باقی (۱۳) ملے گا۔ اس کے بعد اسے عورت سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا بیوی کو ۸/۱=(۳) باپ کو ۶/۱۔ باقی=(۵) ماں کو ۶/۱=(۴) اور ہیجڑا بیٹی کو ۲/۱=(۱۲) ملے گا۔ یوں ہیجڑے کو (۱۲) دیا گیا کیونکہ یہ دونوں حصوں میں سے کم حصہ ہے۔

اور جس کا حصہ متاثر ہوا وہ باپ ہے۔ اسے دونوں حالتوں میں سے بہترین مال کا حصہ (۵) دیا گیا۔

۲۔ **مالکیہ کا مذہب**...... خنثیٰ مشکل کو عورت کے حصے کا نصف دیا جائے اور نصف مرد کے حصے کا۔ اگر وہ ایک فرض کی وجہ سے وارث ہو اور دوسرے فرض کی بنا پر وارث نہ بنتا ہو تو اسے اس کی میراث کے فرض کی بنا پر اس کے حصے کا نصف دیا جائے گا۔

۳۔ **شافعیہ کا مذہب**...... ہیجڑے اور دوسرے ورثا کو دو میں سے کم حصہ دیا جائے گا اور باقی ترکہ کو معاملہ واضح ہونے تک موقوف رکھا جائے گا یا ورثا اس کے ساتھ صلح کر لیں لہٰذا سابقہ مثال میں ہیجڑے کو (۱۲) باپ کو صرف (۴) ملا اور باقی (۱) کو اس کی حقیقت واضح ہونے تک یا باپ کی اس کے ساتھ صلح کرنے تک موقوف رکھا جائے گا۔ اگر کسی کے ورثا میں بیٹا اور خنثیٰ مشکل ہو تو ہیجڑے کو مرد تصور کرتے ہوئے مال اس میں اور بیٹے میں آدھوں آدھ ہوگا ہر ایک کو مال کا نصف ملے گا مسئلہ (۲) سے ہوگا۔ اور اسے مؤنث قرار دیتے ہوئے ہیجڑے کا حصہ ۳/۱ اور بیٹے کا ۳/۲ اور مسئلہ (۳) سے ہوگا ہیجڑے کو صرف تہائی ملے گا اور بیٹا نصف لے گا۔ کیونکہ اس کی حالت یقینی ہے اور باقی چھٹا

➊...... اس کی صراحت ہے "جس مسئلہ کی اس قانون میں صراحت نہیں اس کے بارے میں مذہب حنفی کے راجح قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔"

حصہ دونوں کے درمیان اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک اشکال کی حالت واضح نہیں ہو جاتی یا وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔

تصحیح کی کیفیت.....دونوں مسئلوں میں غور کیا جائے۔صرف اسے مرد قرار دیتے ہوئے کا مسئلہ اور صرف اسے مونث قرار دینے کا مسئلہ۔اور یہ سابقہ چار نسبتوں (تماثل، توافق اور تداخل اور تباین) کی وجہ سے ہے۔اور ایسا کم عدد حاصل ہوگا جو دونوں تقدیروں میں ہر مسئلہ پر تقسیم ہوگا۔جو جواب ہوگا وہ دونوں مسئلوں کو جمع کرنے والا ہوگا۔اب دیکھیں! سابقہ مسئلہ میں تین اور دو کے درمیان تباین ہے اس لئے ایک اصل کو دوسری سے ضرب دی جائے گی چھ حاصل ہوگا۔

پس اگر حاصل کو مرد ہونے کے مسئلہ پر تقسیم کیا جائے تو ہیجڑے کا حصہ تین بنتا ہے اور اگر عورت ہونے کا مسئلہ پر تقسیم کیا جائے تو ہیجڑے کا حصہ دو ہوگا اور مذکر کے لئے چار ہوگا ہیجڑے کے لئے زیادہ نقصان دہ اس کا مؤنث ہونا ہے لہٰذا اسے دو سہم دیئے جاتے ہیں اور بیٹے کے حق میں ہیجڑے کا مذکر ہونا زیادہ نقصان دہ ہے لہٰذا اسے تین دیا جائے گا۔چھٹا حصہ جو ایک ہے باقی رہ جاتا ہے جو موقوف رہے گا۔اگر مذکر ہونا واضح ہو جائے تو اسے وصول کر لے گا۔اور اگر مؤنث ہونا واضح ہو جائے تو بیٹا اسے وصول کرے گا۔اور اگر وضاحت نہ ہو سکے تو باہمی صلح کرنے تک وہ مال موقوف رہے گا۔

۴: حنابلہ کا مذہب: الف.....اگر مستقبل میں ہیجڑے کے حال کی وضاحت ہونے کی امید ہو تو ان حضرات کا مسلک شافعیہ کی طرح ہے بقیہ ورثا کے ساتھ دو میں سے کم حصے کا معاملہ کیا جائے گا۔

ب.....اگر اس کے حال کی وضاحت ہونے کی امید نہ ہو تو ان کا مسلک مالکیہ کی طرح ہے اسے مرد سمجھتے ہوئے مذکر کی میراث کا نصف اور مؤنث سمجھتے ہوئے مؤنث کی میراث کا نصف دیا جائے گا۔بشرطیکہ وہ دونوں حالتوں میں وارث ہو۔اور اگر ایک فرض کی بنا پر وارث ہو اور ایک فرض کی وجہ سے وارث نہ ہو تو میراث کی حالت میں اس کے حصے کا نصف دیا جائے گا۔

چھٹی بحث: ڈوبنے، دبنے اور جلنے والے اور اسی طرح ان لوگوں کی میراث جن کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو

جب مورث کی وفات کا علم نہ ہو اس طرح کہ چند ایسے لوگ مر جائیں جن کی آپس میں رشتہ داری ہو اور یہ معلوم نہ ہو پا رہا ہو کہ پہلے کون مرا ہے جیسے اکٹھے کشتی میں بیٹھے ڈوب جائیں یا اچانک آگ میں گر پڑیں یا ان پر دیوار یا مکان کی چھت گر پڑے یا سب کسی معرکہ میں مر جائیں اور کسی کی موت کے پہلے یا بعد میں ہونے کا پتہ نہ چلے یا تاریخ وفات کا علم نہ ہو اگرچہ ایک حادثہ میں شریک نہ ہوں۔

تو ان لوگوں کی آپس میں میراث پانے کا کیا حکم ہے؟ (1)

ا۔حنابلہ کے علاوہ جمہور کا قول ہے.....ان کی آپس میں میراث نہیں۔ہر ایک کا مال اس کے باقی زندہ ورثا کے لئے ہے۔ کیونکہ میراث کی شرط ہے کہ مورث کی وفات وارث کی وفات سے پہلے ثابت ہو اور وارث کی حیات وارث کی وفات کے وقت ثابت ہو۔اور یہاں واقعہ اور علم کے مطابق مورث کی موت کے بعد وارث کی زندگی کا یقین منفی ہے اور بلا مرجح ترجیح ممنوع ہے۔(یعنی کسی وجہ کے بغیر ترجیح اور فوقیت دینا ممنوع ہے)۔

ان حضرات کا استدلال اس روایت سے ہے جو حضرت خارجہ بن زید بن ثابت نے اپنے والد سے نقل کی ہے کہ مجھے ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل یمامہ کی میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے زندوں کو مردوں کا وارث قرار دیا اور مردوں کو ایک دوسرے کا

---

(1).....السراجیة: ص ۲۲۹۔۲۳۱، الدر المختار: ۵/۵۴۳، ۵۶۳، المبسوط: ۳۰/۲۷۔۲۸، بدایة المجتهد ۲/۳۴۸، القوانین الفقهیة: ص ۳۹۵، مغنی المحتاج: ۳/۲۶، الرحبیة ص ۸۹، المغنی ۶/۳۰۸۔

وارث قرار نہیں دیا۔ اور حضرت عمر نے مجھے طاعون عمواس سے ہلاک ہونے والوں میں میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا حال یہ تھا کہ پورے کا پورا قبیلہ فوت ہو جاتا۔ تو میں نے زندوں کو مردوں کا وارث بنایا اور مردوں کو آپس میں ایک دوسرے کا وارث قرار نہیں دیا۔ اسی طرح کا فیصلہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے مقتولین کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

۲۔ حنابلہ کا قول ہے...... جب آپس میں باہمی میراث پانے والے دو شخص مرجائیں اور ان میں سے پہلے مرنے والے کا علم نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ان میں سے ایک کو پہلے مرنے والا قرار دیا جائے گا لیکن ان دونوں میں سے کوئی دوسرے کے اس مال کا وارث نہیں ہوگا جس کا وہ (دوسرا) وارث ہوا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ہر ایک اپنے مال کا وارث ہوا ہے۔

ان حضرات نے ایک اور روایت سے استدلال کیا ہے جو حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم، شریح، ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہم اللہ سے مروی ہے ان حضرات کا قول ہے: وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ یعنی اس کے مال کے، نہ کہ اس مال کے جس کا اس کے ساتھ والا وارث ہوا ہے۔

اسی بنا پر اگر ایک ہی وقت میں دو سگے بھائی مرجائیں اور ہر ایک کے ورثا میں ماں، بیٹی اور چچا ہو اور ہر ایک کا ترکہ (۹۰) درہم ہو۔ تو جمہور کے نزدیک ہر ایک کا ترکہ تقسیم ہوگا لہٰذا ماں کو دونوں کا سدس (۱۵) ملے گا اور بیٹی کو نصف (۴۵) اور باقی (۳۰) چچا کا ہوگا۔

''اور حنابلہ کے نزدیک، ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت کو پہلے فرض کرکے اس کے ورثا میں ترکہ تقسیم کیا جائے گا اور انہی میں اس کا بھائی ہوگا پھر اسی طرح دوسرے کی موت کا اندازہ لگایا جائے گا۔ جس مال کے دونوں بھائی آپس میں وارث ہوئے اسے صرف ان میں سے زندہ ورثا میں تقسیم کیا جائے گا۔ قانون مصری (م ۳) اور شامی (م ۲۶۱) نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے اور آرٹیکل نے صراحت کی ہے کہ جب دو شخص اکٹھے مرجائیں پہلے مرنے والے کا علم نہ ہو تو کوئی بھی دوسرے کے ترکے کا مستحق نہیں ہوگا۔ خواہ دونوں کی موت کسی ایک حادثہ میں ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔''

ساتویں بحث: حرامی، ولد لعان اور راہ پڑے بچے اور جن کا شرعی باپ نہ ہو کی میراث

......کبھی بچہ کا نسب اس کے شرعی والد سے معلوم نہیں ہوتا جیسے یہ لوگ ہیں تو کیسے وارث ہوں گے؟[1]

حرامی...... وہ بچہ ہوتا ہے جسے اس کی ماں نے غیر شرعی طریقے سے جنم دیا ہو یا وہ حرام تعلق کا نتیجہ ہو۔

ولد لعان...... ایسا بچہ جس کی پیدائش صحیح رشتہ زوجیت سے ہوئی ہو اور قاضی نے خاوند بیوی کے درمیان لعان کی وجہ سے خاوند سے اس بچہ کے نسب کی نفی کا فیصلہ کردیا ہو، احناف کے نزدیک قاضی کا فیصلہ صرف لعان کی وجہ سے ہے اور جمہور بچہ کی نفی کے لئے خاوند کے مطالبہ کو شرط قرار دیتے ہیں۔

حرامی اور ولد لعان میں سے ہر ایک کی باپ اور باپ کے رشتہ داروں کے درمیان بالا جماع باہمی میراث نہیں۔ (یعنی نہ یہ ان کا اور نہ وہ اس کے وارث ہوں گے) بلکہ وہ صرف ماں کی طرف سے وارث ہوگا۔ کیونکہ باپ کی طرف سے اس کا نسب کٹ چکا ہے لہٰذا اس کی وجہ سے وارث نہیں ہوگا۔ اور ماں کی طرف سے ثابت ہے۔ ماں کی طرف سے اس کا نسب یقینی ہے اس لئے کہ شریعت نے نسب کو ثابت کرنے کے لئے زنا کو شرعی طریقہ شمار نہیں کیا۔ اور ولد لعان کا نسب اس کے باپ سے ثابت نہیں۔

لہٰذا ائمہ اربعہ کے نزدیک ہر ایک اپنی ماں اور اس کے رشتہ داروں کا وارث ہوگا۔ اور وہ ماں شریک بھائی ہیں۔ اور وارث بھی

[1] ......الدر المختار: ۵/۵۶۵، اللباب: ۴/۱۹۸، تبیین الحقائق: ۶/۲۵۹۔۲۶۶، القوانین الفقهية: ص ۳۹۴۔

صرف فرض کی وجہ سے ہوگا۔ اوراس کی ماں اس کی اوراس کے بھائیوں کی صرف فرض کی وجہ سے وارث ہوگی۔ کیونکہ ماں کے ساتھ اس کے تعلق میں کوئی شک نہیں وہ مضبوط ہے اور یہ تصور نہیں ہوتا کہ وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث یا مورث بنے۔ ہاں ولاء اور اولاد کی وجہ سے وارث ہوگا چنانچہ جس نے اسے یا اس کی ماں یا اس کی اولاد کو آزاد کیا ہو عصبہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کا وارث ہوگا۔ اسی طرح یہ اپنے آزاد کردہ غلام یا غلام کے آزاد کردہ غلام یا اس کی اولاد کا عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا۔

شیعہ امامیہ کی رائے ہے کہ حرامی اوراس کی ماں کے درمیان اوراس کی قرابت میں باہمی میراث نہیں۔ جیسا کہ اس کے زانی باپ اوراس کی قرابت کا حال ہے کیونکہ میراث ایک نعمت جو اللہ تعالیٰ نے وارث کو عطا کی ہے۔ لہٰذا جائز نہیں کہ اس کا سبب جرم یعنی زنا ہو۔

اور ولد لعان ان کے نزدیک اپنی ماں کا وارث ہوگا کیونکہ لعان کرنے والوں میں سے ایک اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔ لہٰذا یہاں نفی نسب کا سبب جرم نہ ہوا۔

لیکن ولد زنا کے بارے میں پہلی رائے بچے کے بارے میں نرم ہے کیونکہ جرم ماں کا ہے ماں کے جرم کی سزا بچے کو نہیں دی جائے گی۔ جہاں تک باپ کا تعلق ہے تو اس سے نسب غیر یقینی ہے اسی وجہ سے قانون مصری (م ۴۷) اور شامی (م ۳۰۳) نے اس رائے کو اختیار کیا ہے ان دونوں کے بارے میں آرٹیکل کی صراحت ہے'' ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اوراس کی قرابت کے وارث ہوں گے اور ماں ان کے اوران کی قرابت کی وارث ہوگی۔''

اور سنت میں ہے'' جس شخص نے آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کیا تو پیدا ہونے والا بچہ ولد زنا ہے جو نہ وارث ہوتا ہے اور نہ مورث'' ❶ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:'' کہ آپ نے ولد لعان کی میراث اس کی ماں اوراس کے بعد اس کے ورثا کے لئے قرار دی'' ❷ اور متلاعنین کی اس حدیث میں ہے جسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے فرمایا:'' وہ عورت حاملہ تھی اس کا بیٹا اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا تو یہ طریقہ پڑ گیا کہ وہ بیٹا اس کا وارث ہوگا اور یہ اس کی وارث ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لئے مقرر کیا ہے۔'' ❸

اسی بنیاد پر کسی شخص کے ورثا میں اگر ماں اور غیر شرعی بیٹا ہو تو سارا ترکہ فرض اور رد کے لحاظ سے ماں کو ملے گا۔ بیٹے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر کسی میت کے ورثا میں ماں ماں شریک بھائی اور غیر شرعی باپ شریک بھائی ہو تو ماں کو فرض اور رد کے اعتبار سے دو تہائی دیا جائے گا ماں شریک بھائی کو فرض اور رد کے لحاظ سے ایک تہائی ملے گا جب کہ باپ شریک بھائی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ غیر شرعی ہے اور جب ولد زنا یا ولد لعان مرجائے اور ورثا میں اس کی ماں، نانا اور ماموں ہو تو سارا ترکہ اس کی ماں کو ملے گا فرض کی وجہ سے تہائی اور رد کی وجہ سے باقی نانا اور ماموں کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ ذوی الارحام ہیں۔ اور جب ان دو بچوں میں سے کسی کا انتقال ہوجائے اور پسماندہ میں ماں اور ماں شریک بھائی ہو تو ماں کو فرض اور رد کی بنا پر دو تہائی اور ماں شریک بھائی کو فرض اور رد کی وجہ سے ایک تہائی دیا جائے گا۔

رہا راہ پڑا بچہ...... وہ ایسا بچہ ہے جسے عموماً اس خوف سے راہ میں پھینک دیا جاتا ہے کہ اس کی نگہداشت و پرورش کرنی پڑے گی یا زنا کی تہمت لگے گی۔ راہ پڑا بچہ جب بغیر وارث کے مرجائے تو جمہور کے نزدیک سوائے امام احمد کی ایک روایت کے اس کا مال بیت المال کے لئے ہے۔ جس کی بنیاد اس قاعدہ پر ہے (الغرم بالغنم) (نفع کے ساتھ نقصان بھی ہے)

---

❶......رواہ الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وفی اسنادہ ابومحمد عیسیٰ بن موسیٰ قرشی دمشقی وھو لیس بمشھور (نیل الاوطار: ۶/۶۶). ❷رواہ ابو داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وفیہ ابن لھیعۃ وفیہ مقال معروف (حوالہ سابقہ). ❸اخرجہ البخاری ومسلم (حوالہ سابقہ).

کیونکہ بیت المال ہی اس پر خرچ کرنے اس کی تربیت کرنے اور تعلیم دینے کا ذمہ دار ہے لہٰذا اس کا ترکہ بھی اسی کے لئے ہوگا جیسے ضائع ہونے والے وہ اموال جن کے مالکوں کا پتہ نہ ہو۔ اور امام احمد سے مروی ہے جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اس کی میراث اسے اٹھانے والے کے لئے ہے۔

اٹھارہویں فصل: مناسخہ.....مناسخہ کی تعریف، مسائل کی تصحیح اور مناسخات کے مسائل کا اختصار۔ [1]

سب سے پہلے مناسخہ کی تعریف: مناسخہ.....نسخ سے مفاعلہ کے وزن پر ہے جس کا معنی نقل اور منتقل کرنا ہے اور یہاں اس سے مراد ورثا میں سے کسی کی موت کی وجہ سے تقسیم سے پہلے اس کے وارث کی طرف حصہ منتقل کرنا ہے۔
لہٰذا مناسخہ یہ ہے کہ میت اول کے ورثا میں ایک یا زیادہ افراد ترکہ کی تقسیم سے پہلے مرجائیں۔ کبھی میت اول کے ورثا میں سے صرف ایک کا انتقال ہوتا ہے اور کبھی زیادہ افراد فوت ہوجاتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں کبھی عمل سے پہلے اختصار ممکن ہوتا ہے اور کبھی ممکن نہیں ہوتا لہٰذا یہ چار احوال ہوئے۔

دوم: مسائل کی تصحیح.....جب کسی انسان کا انتقال ہوجائے اور اس نے ترکہ اور ورثا چھوڑے ہوں اور ابھی ترکہ تقسیم نہیں ہوا کہ کسی وارث کا انتقال ہوا اور اس نے ورثاء چھوڑے ہوں وارث کی وضع اور ورثا کے حصے مختلف ہوگئے تو اس صورت میں عمل کا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ قواعد کے ذریعے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے اور اس میں سے میت ثانی کے سہام کو محفوظ رکھا جائے اور اس کے لئے دوسرا مسئلہ بنایا جائے پھر انہی قواعد کے ذریعے میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے۔ اس کے بعد تصحیح اول میں سے میت ثانی کے سہام اور تصحیح ثانی میں غور کیا جائے، تو تین حالتوں سے خالی نہیں ہوگا یا مماثلت ہوگی یا موافقت یا تباین ہوگا۔

مماثلت..... یہ ہے کہ میت ثانی کے سہام اس کے مسئلہ پر تقسیم ہوجائیں اور دونوں مسئلوں کی تصحیح اس سے ہوگی جس سے پہلے مسئلہ کی تصحیح ہوئی جیسے:
ایک شخص کے ورثا میں بیوی، ماں اور چچا ہے مسئلہ (۶) سے ہوگا، بیوی کو نصف (۳) ماں کو تہائی (۲) اور باقی (۱) چچا کو دیا جائے گا۔ پھر بیوی کا انتقال ہوا تو اس کے تین بیٹے تھے ہم نے غور کیا تو اس کے سہام (۳) ملے جو اس کے ورثا پر تقسیم ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا دونوں مسئلوں کی تصحیح (۶) سے ہوگی ماں کو (۲) چچا کو ایک (۱) اور تین بیٹے (۳) پائیں گے۔

تباین..... یہ ہے کہ میت ثانی کے سہام اس کے مسئلہ پر تقسیم نہ ہوں جیسے پہلی مثال میں زوج (۵) بیٹوں کو چھوڑ مرا تو اس کے تین سہام ان پر تقسیم نہیں ہورہے اور اس کے مسئلہ کے متباین ہیں تو آپ اس کے پورے مسئلہ (۵) کو پہلے مسئلہ (۶) سے ضرب دیں حاصل (۳۰) ہوا اسی سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوگی ماں کے (۵×۲=۱۰) چچا کا (۵×۱=۵) اور پانچوں بیٹوں کا (۱۵) حصہ بنتا ہے یعنی جس کے حصے میں پہلے مسئلہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے مسئلہ ثانی میں ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا اور جس کی مسئلہ ثانیہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے اپنے مورث کے سہام سے ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا۔

موافقت..... یہ ہے کہ میت ثانی کے سہام کسی جزء میں اس کے مسئلہ کے موافق ہوں جیسے نصف اور تہائی مثلاً پہلی مثال میں

---

[1] .....السراجیة ع ص ۱۵۷-۱۶۳، الدر المختار: ۵/۵۶۶، اللباب: ۴/۲۱۰-۲۱۲، القوانین الفقهية ص ۴۰۰، الرحبية ص ۶۹، مغني المحتاج: ۳/۳۶، المغني: ۶/۱۹۷۔

زوج کے ورثا میں چھ بیٹے ہیں تو اس کے تین سہام اس کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو رہے لیکن اس کے مسئلہ میں نصف کی وجہ سے موافقت ہے لہٰذا اس کے مسئلہ کے وفق (۲) کو میت اول کے مسئلہ (۶) سے ضرب دی گئی جس سے (۱۲) حاصل ہوا اور اسی سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوئی تو جس کے حصہ میں پہلے مسئلہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے پہلے مسئلہ کے وفق سے ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا۔ اور جس کی دوسرے مسئلہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے پہلے مسئلہ کے وفق سے ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا۔

تیسرے شخص کی موت...... جب تیسرا شخص مرجائے تو اس کے وہ سہام لے لیں جو میت اول اور ثانی کے دونوں مسئلوں کو جامع ہیں۔ اگر اس کے مسئلہ پر تقسیم ہو جائیں تو تیسرے مسئلے کی تصحیح اسی سے ہوگی جس سے پہلے دو مسئلوں کی ہوئی۔ اور اگر سہام مسئلہ کے مباین ہوں تو ان کے وفق کو بھی اس سے ضرب دیں جس سے تصحیح ہوئی ہے۔

جو مبلغ ہوگا اس سے تینوں مسائل کی تصحیح ہوگی پھر اسے ایک پہلا مسئلہ شمار کریں۔

اور چوتھے میت کا مسئلہ دوسرے کی طرح ہے چنانچہ اگر ہم مباینت کی مثال کو اسی کے حال میں فرض کریں اور ماں کا انتقال چار باپ شریک بھایوں کو وارث چھوڑ کر ہوا ہو اور پھر چچا کا انتقال دس بیٹوں کو چھوڑ کر ہوا ہو اب اس حالت میں کہ جب ماں چار بھائیوں کو چھوڑتی ہے: مسئلہ (۳۰) کے حاصل اور چار بھائیوں کے عدد میں موافقت ہے پس ہر ایک کو (۲) پر تقسیم کر کے (۳۰×۲=۶۰) ضرب دی جائے گی اور اسی سے تصحیح ہوگی۔ لہٰذا بھائیوں کو (۲×۱۰=۲۰) اور پانچ بیٹوں کو (۲×۱۰=۳۰) اور چچا کو (۲×۵=۱۰) دیا جائے گا۔ اور چچا کا دس ۱۰ بیٹوں کو چھوڑ کر مرنے کی حالت میں اس کے حصے (۲۰) کو بیٹوں پر بغیر کسر کے تقسیم کرنا ممکن ہے لہٰذا ہر بیٹے کو (۲) دیا جائے گا۔

سوم: مناسخات کے مسائل کا اختصار...... مناسخات کے مسائل کے اختصار کی دو قسمیں ہیں: مسائل کا اختصار اور سہام کا اختصار۔

ا۔ مسائل کا اختصار...... یہ ہے کہ مسئلہ ثانیہ میں سہام اسی طرح ہوں جیسے پہلے مسئلے کے سہام رہ گئے اور ورثا بھی وہی ہوں بایں طور کہ وہ عصبہ ہوں۔

۲۔ سہام کا اختصار...... مسائل کی تصحیح اور تقسیم کے بعد ہوتا ہے وہ اس طرح کہ ورثا کے سہام کا اعتبار کیا جائے کبھی تو وہ کسی جزء میں موافق ہوتے ہیں تو انہیں اس جزء کی طرف رد کر دیا جاتا ہے اور مسئلے کا رد بھی اسی کی طرف کیا جاتا ہے اور اندازے واستقرار میں آپ یوں آغاز کریں گے نصف میں غور کریں اگر اسے نہ پائیں تو آپ اس عدد کو نہیں تلاش کریں گے جس سے عدد بنتا ہے جیسے چوتھائی اور آٹھواں حصہ اور (۱۶) اور اس کے مشابہ کا جزء، اور اگر آپ کو وہ مل جائے تو اس سے بننے والے عدد کو تلاش کرنا ہوگا۔ پھر آپ تہائی کو تلاش کریں اگر نہ ملے تو اس سے بننے والے اعداد بھی تلاش نہیں کریں گے جیسے سدس، نواں حصہ اور (۱۲) اور (۱۸) کا جزء۔ پھر آپ پانچویں حصے میں غور کریں اگر یہ نہ ملے تو آپ دسویں کو نہیں تلاش کریں گے اور نہ (۱۵) وغیرہ کے جزء کو ڈھونڈیں گے۔

اس کے بعد آپ ساتویں حصے اور پھر (۱۱) اور (۱۳) وغیرہ کے اجزاء کو تلاش کریں گے۔ تو جب آپ کو سہام کے دو مخرج مل جائیں تو ان دونوں سے بننے والے عدد آپ لے لیں گے۔ جیسے آپ کو نصف اور تہائی ملتا ہے تو آپ چھٹا حصہ لیں گے یا نصف اور پانچواں حصہ ملتا ہے تو آپ دسواں حصہ لیں گے۔ یا ساتواں حصہ اور تہائی ملتا ہے تو آپ (۲۱) کا جزء لے لیں گے پس اسی پر قیاس کر لیں۔

اگر ورثا کے سہام میں فرد کا واحد عدد ہو تو آپ نہ نصف تلاش کریں اور نہ اس سے بننے والے اعداد بلکہ تہائی، ساتواں اور نواں حصہ تلاش کریں اور اگر پانچ ہو پانچواں حصہ اور اس سے بننے والے اعداد تلاش کریں جن کا تعلق فرد کے مخرج سے ہو۔ اگر آپ چاہیں تو ہر مسئلہ سے فراغت کے بعد موافقت کو تلاش کریں اور اگر چاہیں تو آخر تک اسے چھوڑ دیں۔

موافقت کے طریقے میں ایک اور طریقہ بھی ہے: وہ یہ کہ آپ کم حصوں اور ان کے قریب والوں میں موافقت پیدا کریں اگر موافقت نہ ہو سکے تو آپ جان لیں کہ مسئلہ میں اختصار نہیں اور اگر دونوں موافق ہو جائیں تو اب اس جزء کے مخرج اور باقی ماندہ کے سہام میں موافقت تلاش کریں۔

مسائل کے اختصار کی مثالیں: ۱...... بیوی، ماں، دس بھائی اور دس باپ شریک بہنیں ہیں ان بھائیوں میں سے آٹھ بھائی اور سات بہنیں مرگئیں تو بیوی کو ۴ / ۱ ماں کو ۶ / ۱ اور باقی ترکہ باقی رہ جانے والوں میں سات پر تقسیم ہوگا اور (۱۲) سے تصحیح ہوگی۔

۲...... بیوی، ماں، باپ، پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں ان میں سے ایک بیٹا پھر ایک بیٹی پھر بیوی، پھر ایک بیٹا پھر باپ، پھر ایک بیٹا، پھر ماں اور پھر ایک بیٹی فوت ہوگئی۔ تو میراث باقی رہنے والوں کے لئے اور وہ دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے پانچ پر ان کے درمیان مال تقسیم ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب یہی بیوی، بیٹے، بیٹیوں کی ماں ہو اور ان کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو۔

۳...... بیوی، دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹا فوت ہو تو پہلا مسئلہ (۸) سے ہوگا جب آپ اس میں سے بیٹے کو دو سہم ختم کر دیں گے تو باقی (۶) رہ جائیں گے وہ دو سہم بھی ان میں (۶) پر تقسیم ہوں گے اس واسطے کہ جو بیٹا مرا اس نے ورثا میں ماں بھائی اور تین بہنیں چھوڑیں۔ اب پہلے مسئلہ کے باقی ماندہ سہام اور دوسرے کے سہام برابر ہو گئے تو اب مال کو ان کے درمیان (۶) پر تقسیم کر دیں۔

۴...... میت کے ورثا میں پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ پھر ان میں سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں فوت ہو گئیں۔ تو تصحیح نہیں ہوگی بلکہ مال کی تقسیم باقی ماندہ لوگوں کے درمیان (۹) پر ہوگی اگر آپ مناسخات کے عمل سے اس مسئلہ کی تصحیح کریں گے تو ان کے سہام کو موافقت سے (۹) کی طرف لوٹتا ہوا پائیں گے۔

۵...... تین بہنیں اور ایک چچا زاد جوان مین سے ایک کا خاوند ہے مسئلہ کی تصحیح (۷) سے ہوگی کیونکہ اس کی اصل (۳) سے ہے بہنوں کو دو تہائی (۲) اور چچا زاد کو (۱) ملے گا تو عدد روس (۳) بہنوں کو اصل مسئلہ (۳×۳=۹) سے ضرب دیں گے۔ پھر وہ بہنیں دو سہم چھوڑ کر فوت ہو گئی جو چچا زاد سے منسوب تھی جس کا وارث اس کا خاوند اور دو بہنیں ہوئیں۔ (۶) سے (۷) تک مسئلہ کا عول ہوگا۔ پہلے مسئلہ میں ان کے پہلے سہام (۷) اسی کو بنیاد بنا کر مال تقسیم ہوا اور اگر مناسخہ کا عمل کریں تو (۶۳) سے تصحیح ہوگی دونوں مسئلوں کے اصول کو ضرب دے کر (۹x۷) لہٰذا پہلی بہن (۲×۹=۱۸) لے گی اسی طرح دوسری وصول کرے اور خاوند (۲۷) لے گا۔

۶...... عورت کے ورثا میں خاوند، والدین پانچ بیٹے، پانچ بیٹیاں، تین بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ بعد میں خاوند پھر ماں پھر باپ پھر ایک بیٹی اور ایک بیٹا فوت ہوا۔ خاوند کے مرنے سے اس کی اولاد اس کی وارث ہوئی اور ماں کے مرنے سے اس کا خاوند جو باپ ہے وارث ہوگا اور اس ماں کی اولاد جو بھائی اور بہنیں ہیں وارث ہوئیں جب باپ فوت ہوا تو اس کا مال ان کی طرف لوٹ آیا یوں ان کے لئے تہائی ہے اور اولاد کے لئے دو تہائی ہے بیٹے اور پھر بیٹی کے فوت ہونے سے ان دونوں کا حصہ ان کے بھائیوں اور بہنوں کی طرف لوٹ آئے گا تو اب دو تہائی (۱۲) پر ان میں سے باقی رہ جانے والوں میں تقسیم کریں جو چار مرد اور چار خواتین ہیں اور تہائی کو (۹) پر اور دو سہم کو (۱۲) پر (۶) تک توافق بالنصف ہے اور چھ تہائی کے ذریعے نو کے موافق ہے اب دو میں سے ایک کے تہائی کو دوسرے سے ضرب دیں تو (۱۸) ہوگا پھر اس کے تہائی سے تو (۵۴) ہوگا اور اسی سے تصحیح ہوگی۔

سہام کے اختصار کی مثالیں: ۱...... بیوی، بیٹا اور بیٹی وارث ہیں پھر بیٹی فوت ہوگئی دونوں مسئلوں کی تصحیح (۸) سے ہوگی کیونکہ پہلے مسئلے کی اصل (۴) ہے اور دوسرے مسئلے کی اصل (۳) ہے تو انہیں آپس میں ضرب دی جائے گی لہٰذا ماں کو (۳. +۱) اور بیٹے کو (۶ +۲) ملے گا اور بیوی جو مرحومہ بیٹی کی ماں ہے (۴) ملے گا اور بیٹا اس بیٹی کا بھائی ہے اسے عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

۲...... بیوی، ماں باپ، پوتا، پوتی وارث ہیں۔ پھر بیوی اور والدین کا انتقال ہو گیا۔ مسئلہ کی تصحیح (۲۴۳) سے اور نو سے موافقت ہوگی کیونکہ (۲۴۳ ÷ ۹ = ۲۷) تقسیم سے (۲۷) کی طرف لوٹتا ہے دو بیٹیوں کو (۲۴) پوتے کو دو سہام اور پوتی کو ایک سہام ملے گا۔

۳...... بیوی، دو بیٹے، ایک بیٹی ہے پہلے بیٹے کا اور پھر بیٹی کا انتقال ہو گیا، مسئلہ کی تصحیح (۱۰۸۰) سے ہوگی بیوی کو (۲۶) بیٹے کو (۷۸۴) دونوں اعداد میں ثمن (آٹھویں حصے) کی وجہ سے توافق ہے تو وہ (۱۳۵) کی طرف لوٹے گا بیوی کو اس میں سے (۳۷) اور بیٹے کو (۹۸) ملے گا۔

۴...... بیوی، ماں، باپ، پوتا اور پوتی ہیں بیوی کا انتقال ہوا پھر ماں فوت ہوئی اس کے بعد باپ کی وفات ہوگئی مسئلہ کی تصحیح (۱۴۴) اور بارہ (۱۲) تک اختصار ہوگا۔ بیٹی کو (۹) پوتے کو دو سہام اور پوتی کو ایک سہم ملے گا۔

۵...... بیوی، ماں، تین بیٹے اور ایک بیٹی وارث ہے پہلے بیوی کا انتقال ہوا پھر ماں فوت ہوگئی۔ جس کے ورثا میں ایک بیٹی اور خاوند ہے لہٰذا بیوی کو ۸ / ۱ (۳) ماں کو ۶ / ۱ (۴) اور باقی (۱۷) بیٹی اور بیٹوں میں تقسیم ہوگا۔

ایک قول ہے کہ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا۔ (۱۶۸) سے تصحیح ہوگی۔ وہ اس طرح کہ (۷ × ۲۴) سے ضرب دی جائے گی بیوی کے سہام اس کی اولاد کی طرف لوٹ آئیں گے یوں ان کے (۲۰) ہوگئے پھر ماں چار سہام چھوڑ کر فوت ہوئی ان میں سے ان کے حصے میں ایک سہم آیا اس طرح ان سے (۲۱) ہوگئے۔

جو ان پر تقسیم ہو رہے ہیں اس کے خاوند کا ایک سہم ہے اور اس کی بیٹی کے دو سہام ہیں۔ (۱۶۸) سے اس کی تصحیح ہوگی ساتوں حصوں میں سہام کی موافقت ہے کیونکہ (۱۶۸ ÷ ۷ = ۲۴) لہٰذا یہ (۲۴) کی طرف لوٹے گا۔

ایسی مثالیں جن سے میت اور ورثا کی صفت کی وضاحت ہوتی ہے...... کچھ مسائل ایسے ہیں جن سے میت کی صفت سمجھی جاتی ہے کہ آیا وہ مرد ہے یا عورت اور ورثا کی صفت واضح ہوتی ہے کہ وہ ایک ماں کی اولاد ہیں یا مختلف ماؤں کی۔

کیونکہ مذکورہ صورتوں میں حکم مختلف ہوتا ہے اور نسب تبدیل ہو جاتا ہے اور میراث گھٹتی بڑھتی ہے۔

۱...... دو باپ شریک بھائی، اور دو سگی بہنیں ہیں۔ اب بھائیوں میں سے ایک فوت ہو گیا اب پوچھنا یہ ہے کہ: آیا وہ دونوں ایک ماں کی اولاد ہیں یا دو ماؤں کی، کیونکہ اگر دونوں ایک ماں کی اولاد ہوئے تو دوسرا اس کا سگا بھائی ہوگا تو اس صورت میں ساری میراث اس کی ہے اور اگر مائیں دو ہیں تو سب وارث ہوں گے۔

۲...... دو ماں شریک بہنیں اور دو سگی بہنیں ہیں۔ پھر ماں شریک بہنوں میں سے ایک فوت ہوگئی اب سوال یہ ہے کہ: آیا دونوں کا باپ ایک تھا یا نہیں۔ اگر باپ ایک تھا تو زندہ بہن سگی ہوگی اور دوسری دو بہنیں ایک ماں سے ہیں اگر دونوں کا باپ الگ الگ ہے تو یہ سب ماں شریک بہنیں ہیں۔

۳...... پانچ بہنیں اور ایک چچا ہے سوال یہ ہے کہ میت مرد ہے یا عورت، آیا میت کی ماں شریک بہنیں ہیں یا باپ شریک یا سگی ہیں یا بعض شریک ہیں۔ کیونکہ اس سے حکم بدل جاتا ہے۔

۴...... چار بیٹیاں اور ایک چچا ہے پھر ان بیٹیوں میں سے ایک فوت ہوگئی ان کے بارے میں دریافت کیا جائے گا کہ: ان کی ماں ایک ہے یا مختلف ہیں۔

۵...... ایک شخص کا انتقال ہوا اور ورثا میں والدین اور دو بیٹیاں ہیں پھر ایک بیٹی فوت ہوگئی جس کا وارث خاوند ہے پوچھنا یہ ہے کہ: میت مرد ہے یا عورت اگر میت عورت ہے تو اس کی دونوں بیٹیاں ایک خاوند سے ہیں یا دو خاوندوں سے، اور یہ مسئلہ مامونہ ہے جس کا امتحان یحییٰ بن اکثم سے لیا گیا تھا۔

۶.....خاوند، چار بیٹیاں اور ایک چچا وارث ہے پھر ایک بیٹی فوت ہوگئی خاوند کے بارے پوچھا جائے گا آیا وہ مرحومہ کا باپ ہے یا نہیں اور زندہ رہنے والیاں ایک خاوند سے ہیں یا کئی خاوندوں سے۔

۷.....میت نے دو بھائی اور دو جدہ وارث چھوڑیں پھر ایک بھائی کا انتقال ہوگیا بھائیوں کے متعلق دریافت کیا جائے گا وہ سگے تھے یا نہیں اگر دونوں باپ شریک تھے تو صرف دادی اس کی وارث ہوگی اور اگر ماں شریک تھے تو نانی اکیلی وارث ہوگی اور اگر سگے تھے تو دونوں جدہ (دادی اور نانی) وارث ہوں گی۔

۸.....دس بیٹے اور ایک چچا وارث ہے پھر ان میں سے ایک بیٹا فوت ہوگیا۔ان کی ماں کے بارے میں پوچھا جائے گا ایک تھی یا کئی؟

۹.....ماں باپ اور تین بھائی وارث ہیں پھر ماں کا انتقال ہوگیا۔پوچھا جائے گا کہ باپ اس کا خاوند تھا یا اس نے اسے طلاق دی ہوئی تھی۔

انیسویں فصل: تخارج یا مخارجہ.....اس کی تعریف اور تخارج ➊ کے وقت ترکہ کی تقسیم کی کیفیت۔

سب سے پہلے تخارج کی تعریف.....تخارج یہ ہے کہ ورثا میں سے کوئی شخص ترکہ وغیرہ میں سے کوئی چیز چھوڑ کر کسی معلوم چیز کے مقابلہ میں صلح کرلے۔یہ عقد معاوضہ ہے اس کا ایک بدل ترکہ میں وارث کا حصہ ہے اور دوسرا بدل وہ مال معلوم ہے جو نکلنے والے وارث کو دیا جاتا ہے۔یہ عقد باہمی رضامندی سے جائز ہے۔

جب عقد مکمل ہوجائے تو وارث اس معلوم عوض کا مالک ہوجائے گا جو اسے دیا گیا اور ترکہ میں سے اس کے حصے کی ملکیت ختم ہو کر ان بقیہ ورثا کی طرف منتقل ہوجائے گی جن سے اس نے صلح کی ہے اس کی صورت خلفاء راشدین کے دور میں اس وقت پیش آئی جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی تماضر بنت الاصبغ کلبیۃ کو اپنی مرض الوفات میں طلاق دے دی تھی آپ کے انتقال کے وقت وہ عدت میں تھیں۔تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دوسری تین عورتوں کے ساتھ انہیں وارث قرار دیا تو ورثا نے ان سے آٹھویں حصے کے چوتھائی کے بدلے تیراسی ہزار (بقول بعض دنانیر اور بقول بعض دراہم) پر صلح کرلی تھی۔

تخارج کے وقت تقسیم ترکہ کی کیفیت.....تخارج کے وقت تقسیم ترکہ کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہیں۔

۱.....ورثا سے کوئی ایک اپنا حصہ دوسرے کو دے دے اور مقابلہ میں خاص وارث کے مال سے کوئی چیز لے لے۔تو اب دوسرے شخص کو ترکہ میں پہلے کے حصے کی جگہ مل جائے گی اس کے سہام اس کے سہام کے ساتھ مل جائیں گے۔جیسے اگر ورثا میں خاوند اور دو سگے بھائی ہوں تو ایک بھائی نے اپنا مخصوص مال دے کر خاوند کو اس کے حصے سے دستبردار کردیا۔

یوں خاوند کا حصہ جو چار میں سے دو سہام ہیں اس کے حصے جو ایک سہم بنتا ہے کے ساتھ مل جائیں گے اس طرح اس کے تین سہام اور دوسرے سگے بھائی کا ایک سہم ہوگا۔

۲.....ورثا میں سے ایک شخص اپنا حصہ بقیہ وارثوں کے لئے اس مال کے مقابلہ جو وہ اسے ترکہ کے علاوہ اپنے حصوں کے تناسب سے دیں چھوڑ دے۔یوں سارا ترکہ بقیہ وارثوں کے لئے ان کے حصوں کے تناسب سے ہوگا اور اپنا حصہ چھوڑنے والے کو غیر وارث قرار دیا جائے گا۔جیسے ایک عورت کے ورثا میں خاوند، بیٹا اور بیٹی ہے پھر خاوند بیٹے اور بیٹی کے مخصوص کے متعین مبلغ

➊..... السراجیة: ص ۱۲۷، احکام المواریث الاستاذ عیسوی: ص ۱۶۹۔۱۷۲۔

کے عوض جو ان کے حصوں کے تناسب سے بنتا ہے اپنا حصہ چھوڑ دیتا ہے تو ترکہ بیٹے اور بیٹی کے درمیان تقسیم ہوگا اول کو دو تہائی اور دوسری کو ایک تہائی ملے گا۔

۳......ورثا میں سے ایک شخص اپنا حصہ بقیہ وارثوں کے لئے اس مال کے عوض جو وہ اسے ترکہ کے علاوہ مال سے برابری کے ساتھ دیتے ہیں چھوڑ دیتا ہے تو جس حصہ پر صلح ہوئی ہے اسے بقیہ وارثون کے درمیان برابری کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔لہٰذا سابقہ مثال میں جب بیٹا اور بیٹی آدھوآدھ مبلغ دیں گے تو دونوں خاوند کے حصے کے مستحق ہیں جو نصفا نصف چوتھائی ہے۔

۴......ایک وارث بقیہ وارثوں کے لئے اپنا وہ حصہ چھوڑ دیتا ہے جس کے عوض اسے ترکہ میں سے کوئی مال دیں گے تو وہ حصہ باقی وارثوں کے درمیان ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔

جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے تخارج کو معدوم سمجھتے ہوئے ترکہ تقسیم کیا جائے پھر اصل مسئلہ سے خارج کے سہم کو کم کیا جائے یا اس کے عول میں سے جو ترکہ میں سے تخارج کے بدل کو کم کرنے کی نظیر ہے۔قانون مصری (م ۴۸) اور شامی (م ۳۰۴/۳۱۰) نے سابقہ وجوہات سے تخارج کی تعریف اور تقسیم ترکہ کی کیفیت کی صراحت کی ہے۔

مثالیں:ا......اگر کسی عورت کا انتقال ہوتا ہے اور ورثا میں خاوند، دو بیٹیاں ایک پوتی اور ایک پوتا ہے پھر ورثا خاوند سے ترکہ چھوڑنے پر صلح کر لیتے ہیں خاوند کے لئے چوتھائی (جو ۱۲ میں سے ۳) تھا اور دونوں بیٹیوں کا دو تہائی (۸) اور باقی پوتی اور پوتے کے لئے ”مرد کا عورت سے دوگنا حصہ کے تحت“ ہے پھر مسئلہ کی تصحیح عصبہ کے عدد روس کو ضرب دینے (۳×۱۲=۳۶) اور باقی عصبہ کا ہے اس کے بعد خاوند کے (۹) سہام (۳۶) میں سے کم کئے جائیں گے تو باقی (۲۷) ہوگا ترکہ میں سے چھوڑے ہوئے حصے کو کم کرنے کے بعد باقی ان پر تقسیم کیا جائے گا۔

۲......بیوی کا انتقال ہوا خاوند، ماں اور سگا چچا وارث ہیں پھر خاوند سے اس کے ذمہ جو مہر باقی تھا اس پر صلح لی گئی مسئلہ (۶) سے ہوگا خاوند کو ۱/۳ (۳) ماں کو ۱/۲ (۲) اور چچا کو باقی (۱) ملے گا۔اس کے بعد خاوند کے سہام (۳)، (۶) میں سے کم کئے جائیں گے یوں باقی (۳) ہوئے جو اصل مسئلہ ہے اس پر باقی ترکہ تقسیم ہوگا باقی جو مہر کے علاوہ ہے لہٰذا ماں کے دو سہام اور چچا کا ایک سہم ہوا۔

۳......ایک عورت کے ورثا میں ایک سگی بہن ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہن اور خاوند ہے پھر سگی بہن نے زمین کے رقبہ کے عوض ترکہ میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔مسئلہ (۶) سے ہوکر (۸) تک عول ہوگا سگی بہن کا حصہ نصف (۳) بنتا ہے اور باپ شریک بہن کا سدس (۱) اور ماں شریک بہن کا سدس (۱) خاوند کا نصف (۳) پھر سگی بہن کا حصہ (۳) اصل مسئلہ (۸) سے کم کیا جائے گا اس کے بعد زمین کے رقبہ کی قیمت کے علاوہ ترکہ میں سے جو باقی ہے اسے اصل مسئلہ کے باقی (۵) پر تقسیم کیا جائے گا۔یوں خاوند کے (۵) میں سے (۳) اور باپ شریک بہن کا (۱) اور ماں شریک بہن کا (۱) ہوگا۔

۴......ایک شخص کے ورثا میں بیوی، دو سگی بہنیں اور ایک ماں شریک بہن ہے پھر وارثوں نے بیوی سے ترکہ چھوڑنے پر صلح کر لی۔مسئلہ (۱۲) سے ہوکر (۱۳) تک عول ہوگا بیوی کے (۳) سہام دونوں سگی بہنوں کے ۸) سہام ماں شریک بہن کے دو سہام پھر بیوی کا حضہ (۳) اصل مسئلہ (۱۳) سے کم کیا جائے گا۔باقی (۱۰) بچے گا قیمت کو کم کر کے باقی ترکہ کو اس پر تقسیم کیا جائے گا۔اس طرح سگی بہن کے (۸) سہام اور ماں شریک بہن کے دو سہام ہوئے۔

ملحق، زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کی سفارشات اور فتاویٰ جات سفارشات:

۱.....کانفرنس اس ضرورت کی توثیق کرتی ہے کہ تمام مسلمان خواہ وہ حکام ہوں یا رعایا خالص اسلامی عقیدہ کو مضبوط اور اپنے علاقوں میں روشن اسلامی شریعت کے احکام کو عملی شکل دینے کے لئے کام کریں۔

۲.....کانفرنس ان اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے حکمرانوں سے اپیل کرتی ہے جن میں زکوٰۃ کے ادارے قائم نہیں ہوئے کہ وہ زکوٰۃ کے مستقل اداروں کے قیام کی حوصلہ افزائی کریں اور ان اداروں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے معاشروں اور افراد پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔

۳.....زکوٰۃ کی تمام صورتوں کو منظم کرنے کے لئے زکوٰۃ کے اداروں کے لئے اتحاد یا عمومی امانت کو اجاگر کرنا مخصوص کانفرنس کرنا اور کسی ایک علاقہ کو ان کے لئے اختیار کرنا۔

۴.....زکوٰۃ سے متعلق جدید مسائل کے حل کے لئے فقہاء اور متخصص فی الفقہ کی کمیٹی تشکیل دینا اور مطلوبہ جہات کے لے اس کی سفارشات کو پہنچانا اور اسے نافذ کرنے کے لئے کویتی بیت الزکوٰۃ عالم اسلام میں مخصوص جہات کا جائزہ لینے کا ذمہ دار ہوگا اس شرط پر کہ اس کمیٹی کو ایسے شرعی خاکہ کی تیاری کے برتری حاصل ہوگی جو زکوٰۃ کے احکام کو متحد و مربوط کردے مال زکوٰۃ کو جمع کرنے، اسے صرف کرنے اور اس کے متعلقہ تمام مسائل کو عمل میں لائے۔

۵.....فنڈ سازی یا زکوٰۃ کے فنڈ کے نام سے ایسا انتظام جس میں اسلامی حکومتیں شریک ہوں اور وہ اسلامی کانفرنس کے زیر انتظام ہو۔ تا کہ اسلامی حکومتوں میں زکوٰۃ کے اداروں کے درمیان ترتیب قائم کی جائے اور ان کی مشکلات کو لازمی تعلیمات، مذاکروں اور پورے عالم اسلامی میں زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے انتظام کے ذریعے حل کیا جائے۔ اور یہ کہ کویت میں بیت الزکوٰۃ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے ساتھ اور اس بارے میں لازمی تعلیمات کی تیاری کے ساتھ اس سفارش کو نافذ کرنے کا جائزہ لے۔

۶.....کانفرنس اس کی اپیل کرتی ہے کہ کسی ایک اسلامی علاقے میں سالانہ زکوٰۃ کانفرنس ہوتا کہ مخصوص مسائل کے حل کے لئے ان اجلاسوں کی اہمیت ثابت ہو بشرطیکہ کویت میں بیت الزکوٰۃ اس اپیل کو نافذ کرنے کا جائزہ لے۔

۷.....وزارت تربیت و تعلیم اور اسلامی حکومتوں کی یونیورسٹیوں کا زکوٰۃ کے مخصوص نصاب اور اس کی مختلف جانبوں کی تدریس کا اہتمام کرنے کی دعوت دینا جو اس کے طریقوں کے ضمن میں ہو اور اس کے مختلف اطراف میں علمی بحث کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۸.....کانفرنس اس بات کی اپیل کرتی ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کی توضیح و تفصیل کے لئے تمام ذرائع ابلاغ کام میں لائے جائیں اور اسلامی معاشروں میں اس کی ضرورت کی حد کو واضح کرنے والے پروگرام تیار کئے جائیں جو ان اجتماعات کو قائم کرنے کے اثرات کی وضاحت کریں۔

۹.....کانفرنس ایسے باصلاحیت و کفایت ملازمین کے چناؤ کی اہمیت کی اپیل کرتی ہے جو زکوٰۃ کے اداروں کا انتظام چلانے کے لئے اسلام کے عمومی عمل کا اہتمام کریں اور ان کی طاقت کی مرحلہ وار تبدیلی کے لئے مخصوص حلقوں اور مشقوں کو عمل میں لانے کا انتظام کرنا۔

۱۰.....کانفرنس اس کی اپیل کرتی ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کو عملی شکل دینے کے لئے سابقہ اور موجودہ عملی تشکیلات کی تعلیم دی جائے اور اس کے تجربوں اور مختلف سرگرمیوں سے استفادہ کیا جائے۔ جیسے مملکہ عربیۃ سعودیہ اور اسلامی جمہوریہ پاکستان اور دوسری اسلامی حکومتیں۔

۱۱.....کانفرنس زکوٰۃ گھروں اور فنڈز کی اپیل کرتی ہے مجاہدین کا اہتمام کرنے اور انہیں ہر طرح کی مدد فراہم کرنے کی پیش کش کرتی ہے۔

۱۲.....عالم اسلام میں زکوٰۃ کے اداروں کی آپس میں جاری ترتیب کی ضرورت اور زکوٰۃ کے مختلف مسائل اور رائے اور تجربوں کے تبادلہ پر عمل کرنے کا کانفرنس اپیل کرتی ہے۔

فتاویٰ جات (سب سے پہلے) کمپنیوں کے اموال اور حصص کی زکوٰۃ، کمپنیوں کے اموال کی زکوٰۃ:

مشترکہ حصوں پر بھی زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے کیونکہ اسے شخص شمار کیا جاتا ہے جو آئندہ حالات میں ہے۔

۱.....لازمی قانونی صراحت کا صادر ہونا کہ ان کے اموال کی زکوٰۃ دی جائے۔

۲.....اساسی نظام اس کا ضامن ہو۔

۳.....شرکت کی عمومی جمعیت کا اس کے بارے میں قرار پانا۔

۴.....حصہ داروں (شیئر ہولڈرز) کی ذاتی رضامندی۔

اس بارے میں دلیل وسند (خلطة) کے اصول پر عمل ہے جو سنت نبوی میں وارد ہے جو جانوروں کی زکوٰۃ کے بارے میں ہے اور جسے بعض معتبر فقہی مذاہب نے اس کے علاوہ عمومی سمجھا ہے، افضل راستہ اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے: کہ کمپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کرے اگر نہ کرے تو کمیٹی کمپنیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ روک لے اور اس کے سالانہ میزانیہ کے ساتھ زکوٰۃ کے ایک حصے سے بیان کے طور پر ملایا جائے۔

حصص کی زکوٰۃ: ۱.....جب کمپنی اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کردے تو حصہ دار پر دوسری زکوٰۃ دینی واجب نہیں، تاکہ دوہری ادائیگی سے روکا جائے۔

۲.....لیکن جب کمپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو شیئر ہولڈر پر اپنے حصص کی زکوٰۃ واجب ہے جس کی وضاحت گزشتہ پیرے میں کی گئی ہے۔

کمپنیوں اور حصص کی زکوٰۃ کا اندازہ کیسے لگایا جائے: ۳.....کمپنی جب اپنی زکوٰۃ ادا کرتی ہو تو اسے فطری شخص کا درجہ دیا جائے گا اور اس کی زکوٰۃ اس کے اموال کی اصل اور نوعیت کے لحاظ سے شرعی مقداروں کے ذریعے نکالی جائے گی۔ البتہ جب کمپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو حصہ دار پر دو میں سے ایک حالت کی پیروی کرتے ہوئے اپنے حصص کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

۴: **پہلی حالت**.....اس نے اپنے حصہ کو خرید وفروخت کے طور پر تجارت کرنے کے لئے لیا ہو تو اس صورت میں اس کی واجب زکوٰۃ دسویں حصے کا چوتھائی (۲،۵٪) جو زکوٰۃ کے وجوب کے دن سے بازاری قیمت سے وصول کیا جائے گا۔

۵: **دوسری حالت**.....اس نے اپنے حصص سے سالانہ نفع حاصل کرنے کیلئے حصص لیے ہوں تو ان کی زکوٰۃ کی تفصیل اس طرح ہے۔

(ا) اگر اسے کمپنی کی موجودہ مالیت کی زکوٰۃ میں مخصوص حصے کی زکوٰۃ کی مقدار کا حال کمپنی وغیرہ کے ذریعے معلوم ہو جائے تو وہ دسویں حصے کی چوتھائی کے تناسب سے زکوٰۃ دے گا (۲،۵٪) جو زکوٰۃ کے وجوب کے دن سے بازاری قیمت سے وصول کیا جائے گا۔

(ب).....اور یہ مقدار معلوم نہ ہو سکے تو اس بارے میں آراء مختلف ہیں۔

اکثریت کی رائے یہ ہے کہ شیئر ہولڈر اپنے نفع کو اپنے باقی اموال کے ساتھ سال اور نصاب کے لحاظ سے ملا لے گا۔ اور اس میں سے (۲،۵ ÷) زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اسی طرح سے اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔

اور دوسری کی رائے یہ ہے کہ نفع میں سے ۱۰ فیصد دسواں حصہ ادا کرے گا۔

جونہی اس کا قبضہ ہوگا۔ زرعی زمین کی پیداوار پر قیاس کرتے ہوئے۔

دوم: مستغلات منافع حاصل کرنے والی چیزوں کی زکوٰۃ: ۶.....مستغلات سے مقصود مال تیار کرنے والی ملز، جائیدادیں،

گاڑیاں اوراس طرح آلات ہیں جواجرت وکرائے پر دینے کے لئے تیار ہوں۔
اور اپنی صورت میں تجارت کے لئے نہ ہوں۔نفع حاصل کرنے کی یہ اشیاء جو ہیں ان کے بارے میں کمیٹی کا اتفاق ہے کہ خود ان پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان سے حاصل ہونے والے نفع پر ہے ہر اس نفع کی زکوٰۃ کے بارے میں کہ کیسے دی جائے کئی آراء ہیں۔
اکثریت کی رائے یہ ہے کہ نفع (نصاب اور سال میں) ان اشیاء کے مالکوں کے پاس جونقدی اور سامان تجارت ہے اس کے ساتھ ملایا جائے اور (۲،۵ ÷) کے تناسب سے زکوٰۃ دی جائے اس سے وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔
اور بعض کی رائے یہ ہے مالکوں کی اصلی حاجات سے زائد نفع کے صافی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی استہلاک کی نسبت کے مقابلہ میں اور تکالیف کم کرنے کے بعد ادا کی جائے گی اور فوری قبضہ کے بعد (۱۰ فیصد) کے تناسب سے فصلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے واجب ہوگی۔

سوم: اجرت، تنخواہ، آزاد پیشوں کا منافع اور باقی کاموں کی زکوٰۃ:۷......اموال کی یہ قسم بشری قوی کے لئے نفع شمار کی جاتی ہے انسان کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ کسی نفع بخش میں اسے بطور ملازمت دے۔جیسے مزدوروں کی مزدوری، ملازمین کی تنخواہیں، ڈاکٹر کی فیس اور انجینئر وغیرہ کی فیس۔اور اسی طرح بدلے وغیرہ کے باقی کمائی کے کام، بہر حال یہ وہ چیز ہے جو کسی متعین نفع سے پیدا نہ ہو۔کمائی کی اس قسم کے بارے میں زیادہ تر اراکین کی رائے یہ ہے کہ اس میں قبضہ کے وقت زکوٰۃ نہیں لیکن اسے کمائی کرنے والے اپنے باقی زکوٰۃ کے اموال کے ساتھ نصاب اور سال کی شرط کے ساتھ ملائے گا اور نصاب اور سال کے مکمل ہونے کے وقت سب کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔اسی طرح کی جو کمائی سال کے درمیان میں حاصل ہو اس کی زکوٰۃ سال کے آخر میں دے دے اگر چہ اس کے ہر جزء پر مکمل سال نہ گزرا ہو۔
اور جو کمائی اس وقت حاصل ہو کہ کمائی کرنے والے کے پاس اس سے پہلے کوئی ایسا نصاب نہ ہو جس سے سال کا آغاز ہو۔اس وقت سے لے کر سال کے مکمل ہونے کے وقت اس پر زکوٰۃ لازم ہے اور اس میں زکوٰۃ کی نسبت (۲،۵٪) ہر سال کے لئے ہے۔
اور بعض اراکین کی رائے ہے کہ حاصل ہونے والے ان اموال میں سے ہر ایک کی قبضہ کے وقت (۲،۵٪) کی مقدار سے زکوٰۃ ادا کرے جب مقبوض نصاب کی حد تک پہنچ جائے اور اس کی اصل حاجات سے زائد اور قرض سے سالم ہو۔جب وہ یہ مقدار نکال دے تو اس پر سال مکمل ہونے کے وقت باقی اموال کی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔اور زکوٰۃ دینے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر زکوٰۃ کا حساب لگائے اور اپنے دوسرے سالانہ اموال کے ساتھ اس کی زکوٰۃ ادا کردے۔

چہارم: سودی رسیدیں اور امانتیں اور حرام مال وغیرہ:۸......ایسی دستاویز جو سودی فوائد والی ہوں اور اسی طرح سودی امانتیں ان میں اصل مال کی زکوٰۃ، نقدی کی (۲،۵٪) ہے رہے وہ منافع جو اصل پر مرتب ہوں تو ان کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں دی جاتی وہ تو مال خبیث ہے مسلمان پر لازم ہے کہ اس سے فائدہ حاصل نہ کرے۔اس کا ایک ہی راستہ ہے مساجد کی تعمیر اور قرآن مجید کی طباعت کے علاوہ مصلحت عامہ اور بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے۔رہے وہ اموال جو ظلماً غصب یا چرائے گئے ہیں تو ان کا غاصب ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ انہیں ان کے مالکوں کے پاس واپس پہنچادے۔

پنجم: قمری (چاند کے حساب سے) سال......سال گزرنے کے بارے میں قمری سال کی رعایت کرنا اصل ہے اور یہ رعایت ہر اس زکوٰۃ والے مال کے لئے ہے جس کے لئے سال شرط ہے کمیٹی افراد، کمپنیوں او مالی اداروں سے قمری سال میزانیہ کے

حساب کے لئے بنیاد بنانے کی اپیل کرتی ہے یا کم ازکم زکوٰۃ کے خاص اعداد وشمار قمری سال کے موافق ہوں۔ اگر اس میں کوئی مشقت ہو تو کمیٹی لوگوں کی آسانی کے لئے جائز سمجھتی ہے۔ جب مالی حساب کتاب شمسی سال کی بنیاد پر ہوجائے۔ کہ (۲،۵۷۵ %) تقریباً کے تناسب سے شمسی سال کے دنوں کے اضافہ کو قمری سال سے کم کرلیا جائے۔

ششم: سرمایہ کاری کا قرضہ اور زکوٰۃ: ۱۰...... قرض دار جب قرض کو تجارت میں استعمال کرے تو اس کے مقابلہ میں موجودہ زکاتی اشیاء ساقط ہوجاتی ہیں البتہ جب نفع حاصل کئے جانے والی چیزوں جیسے جائیداد اور آلات والی اشیاء وغیرہ کی ملکیت میں لگایا جائے تو معمول بہ (جس پر عمل) رائے کو دیکھتے ہوئے کہ قرض اپنی مقدار میں موجود زکاتی اشیاء کی زکوٰۃ سے روک دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے افراد، کمپنیوں اور اداروں کے اموال سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے باوجود یہ کہ انہیں بھاری تعداد میں منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر کمیٹی اس موضوع کی تعلیم کے لازمی ہونے اور اس پر بحث کو مرکوز کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ اس بارے میں خصوصاً ان فقہاء کے مذہب پر عمل کیا جائے جن کا قول ہے: دین جب مؤجل ہو تو زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں پھر بھی زیادہ بحث، توجہ اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔

معاملہ کی اس صورت حال تک تو کمیٹی پہنچی ہے لیکن یہ موضوعات موجودہ واقعات کی روشنی میں مزید بحث وتمحیص کے محتاج ہیں۔ اسی طرح کمیٹی آئندہ کی کانفرنسوں کو ان دوسرے جدید مسائل کی مکمل تعلیم دہی کی سفارش کرتی ہے جن کی اس کانفرنس میں گنجائش نہ تھی۔

آخر میں کمیٹی زکوٰۃ کی حفاظت کے اہتمام کرنے اور اس کے احکام کا مطالعہ کرنے اور ہر میدان میں اس کی حالت کی رعایت کرنے کی دعوت دیتی ہے جس کا اقتصادی اور معاشرتی وغیرہ عملی تشکیلات میں تقاضا کرتا ہے۔

پہلی مجلس: فتاویٰ اور سفارشات

۱۔ سامان تجارت میں زکوٰۃ کی واجب مقدار...... پیسوں اور سامان تجارت کی زکوٰۃ جو واجب ہوتی ہے اس کی مقدار اور نصاب مختلف نہیں ہوتا، اس پر معتبر فقہاء کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ جو گمان کیا جاتا ہے، کہ اس برابری میں ذخیرہ اندوز کے لئے آسانی اور سرمایہ کار کے لئے سختی ہے جس کا سبب نفس نسبت کا لینا ہے جس نے اپنے مال سے سرمایہ کاری کی اس طرح کہ داؤ لگانے والا سرمایہ کاری سے پوشیدہ رہتا ہے، صحیح نہیں۔ اس لئے سرمایہ کاری کا ہدف اصل مال کا اضافہ ہے اس سے نفع میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی اور اصول کی حفاظت ممکن ہے۔ رہا وہ شخص جو سرمایہ کاری کے لئے فرصت نہیں پاتا تو وہ اپنی زکوٰۃ ہمیشہ اصل مال سے ادا کرے گا۔ اسی بنا پر سنت نے یتیم کے سرپرست کو یتیم کے مال میں تجارت کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ اسے زکوٰۃ ختم نہ کردے۔ یہ تو ایک جہت ہے دوسری جہت سے ہر نقدی مال جس پر سال گزرے ذخیرہ شمار نہیں ہوتا، جیسے سرمایہ کار پر اس مال کی زکوٰۃ نہ فرض ہونے کی وجہ سے تخفیف کی جاتی ہے جو (مال) اصول ثابتہ کی طرف منتقل ہوجائے۔ نقود زیادہ تر حالات میں سرمایہ کاری پروگراموں یا ان کے توابع کے حصول کے لئے اصل اموال ہیں۔

۲۔ صنعتی منصوبہ جات...... اس موضوع کے متعلق جو تفصیل زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کے فتاویٰ (فقرہ ۶) میں آئی ہے اس سے مطلع ہونے کے بعد واضح ہوا کہ صنعتی منصوبہ جات کو زرعی اراضی پر قیاس کرنا ممکن ہے اس اعتبار سے کہ ان میں سے ہر ایک ثابت اصل ہے اس میں کام کرنے اور اس پر خرچ کرنے کا داخل ہے اسی بناء پر تیار کردہ مال پر ۵% کی نسبت سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جیسا کہ صنعتی پروگراموں میں سے اصل کارگر مال (رائج اصول) کے ساتھ سامان تجارت جیسا معاملہ کرنا ممکن ہے اسی بنا پر اصل اور تیار کردہ مال پر

۵، ۲% کی نسبت سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے باوجود یہ کہ اس میں ثابت اصول کو زکوٰۃ کے تابع نہیں ہونا پڑتا۔

۳۔ ساری زکوٰۃ کو علاقے سے باہر منتقل کرنا...... بحوث اسلامیہ کی جمعیت کی دوسری کانفرنس کی قرارداد (۵ھ) میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے زکوٰۃ تمام اسلامی علاقوں میں معاشرتی ذمہ داری کے لئے بنیاد شمار ہوتی ہے اس لئے کہ سنت اور خلفاء کے عمل سے جو چیز ثابت ہوئی ہے اس میں اصل تو یہ ہے زکوٰۃ کی تقسیم اسی علاقے کے مستحقین سے شروع کی جائے جہاں سے وہ جمع کی گئی ہے پھر جو بچ جائے اسے دوسرے شہر منتقل کیا جائے لیکن اس میں قحط، حوادث اور سخت ضرورت کے حالات مستثنیٰ ہیں۔ جو لوگ زیادہ محتاج ہوں ان کی طرف منتقل کی جائے۔ جس کا مدار انفرادی اور اجتماعی بساط پر ہے جیسا کہ انفرادی دائرہ میں زکوٰۃ دہندہ کا اپنے علاقے کے علاوہ مستحق رشتہ داروں کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے۔

زکوٰۃ کے مستحق کو قرض سے بری ذمہ کرنا...... تنگدست مقروض کو جو قرض کی پوری ادائیگی سے عاجز ہو قرض دینے والے کا بری کرنا زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا اگرچہ مقروض زکوٰۃ کا مستحق ہو یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے۔ اس موضوع سے ملتی چند صورتیں یہ ہیں:

الف...... قرض دینے والے زکوٰۃ گزار نے اگر مقروض کو زکوٰۃ دی اور پھر اس مقروض نے بغیر کسی شرط و باہمی اتفاق کے وہ رقم اپنا قرض چکانے کے لئے واپس کر دی تو صحیح ہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

ب...... اگر قرض دہندہ نے مقروض کو اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے بشرط واپسی زکوٰۃ دی یا دونوں نے واپسی پر اتفاق کیا تو نہ زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور نہ زکوٰۃ ساقط ہوگی۔ فقہاء کی اکثریت یہی رائے رکھتی ہے۔

ج...... اگر مقروض نے زکوٰۃ گزار قرض دہندہ سے کہا: مجھے زکوٰۃ دو تاکہ میں تمہارا قرض چکا دوں تو اس نے زکوٰۃ دے دی، تو دی گئی رقم زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے۔ قبضہ کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا لیکن مقروض پر اس مال کو قرض دہندہ کو اس کے قرض کے بدلے دینا لازم نہیں۔

د...... اگر مال والے نے مقروض سے کہا: ارے فلاں میرا جو قرض تمہارے ذمہ ہے اسے اس شرط پر ادا کرو کہ میں تمہیں اپنی زکوٰۃ دے دوں تو اس نے زکوٰۃ لے کر قرض ادا کر دیا تو یہ ادائیگی صحیح ہے قرض دہندہ پر اس مال کو مقروض کو دینا بالاتفاق لازم نہیں۔

۵۔ اس کا شمار جسے وجوب کے گمان کی وجہ سے جلدی زکوٰۃ میں ادا کر دیا...... جب تعجیل کی شرائط جیسے زکوٰۃ گزار کا نصاب کا مالک ہونا، جسے دی گئی وہ مستحق ہونے کی صفت میں باقی ہو اور زکوٰۃ گزار پر زکوٰۃ واجب ہونا پایا جا رہا ہو تو دی گئی رقم کو واجب ہونے کے گمان پر جلدی زکوٰۃ شمار کرنا جائز ہے۔

یہ مذہب مالکیۃ کے علاوہ دیگر فقہاء کا ہے۔ اور جب ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو دیا گیا مال نفلی صدقہ ہوگا جب زکوٰۃ گزار کی طرف سے مستحق اس پر قبضہ کر لے تو اسے واپس لینا جائز نہیں البتہ جب قبضہ حکمران یا زکوٰۃ کے کسی ادارے کی طرف سے ہو تو جب یہ ثابت ہو جائے کہ دی گئی رقم واجب مقدار سے زیادہ تھی تو واپس لینے میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں، بشرطیکہ مستحقین میں تقسیم نہ ہوئی ہو۔

۶۔ صاحب حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کو لازم کرنا اور اس کی عملی شکل: الف...... اسلامی علاقوں میں زندگی کے تمام میدانوں میں شریعت اسلامی کو عملی شکل دینے کے لئے حکومتوں کو سنجیدہ عمل کی دعوت دینا، انہی مہمات میں زکوٰۃ کو جمع کرنے اور اس کے شرعی مصارف میں اسے خرچ کرنے کے لئے خصوصی ادارے قائم کرنا، اور ان اداروں کی آمدن اور خرچ کا حکومت کے عام گوشوارہ سے الگ گوشوارہ ہوگا۔ رہا غیر اسلامی علاقوں میں تو اس کا بدل وہ ٹرسٹ ہیں جو زکوٰۃ کے کاموں کی تگ و دو کرتے ہیں۔

ب......اسلامی حکومتوں کو ایسے قوانین صادر کرنے کی دعوت دینا جو زکوۃ کے اداروں کو قائم کرنے کی کفیل و ذمہ دار ہوں جن کی نگرانی دین دار، امانت دار صاحب علم اور قناعت والے کر رہے ہوں۔

ج......حکومتوں کو اپنے ٹیکسز قوانین کے ساتھ ایسی صراحتوں کو شامل کرنے کی دعوت دینا جو زکوۃ کی مقدار کو ختم کرنے کا تقاضا کریں جب بھی مقررہ ٹیکسز قانون کی حد تک پہنچ جائیں۔

د......ان اسلامی حکومتوں جو فریضہ زکوۃ کو عملی شکل دینا چاہتی ہیں کو موجودہ فقہاء میں سے ان کی رائے پر عمل کرنے کی دعوت دینا جو غیر مسلم ہم وطنوں سے زکوۃ کی مقدار معاشرتی ذمہ داری کے ٹیکس کو فرض قرار دینے کے قائل ہیں۔اور یہ ٹیکسز زکوۃ کی آمدنی کے برابر ہوں تاکہ اس باہمی معاشرتی ذمہ داری کو ثابت کیا جائے جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے تمام ہم وطنوں کو شامل ہے۔

۷۔ **مصرف (فی سبیل اللہ)**......مصرف (فی سبیل اللہ) سے جہاد کو اس کے وسیع معنی کے ساتھ مراد لیا جاتا ہے جسے فقہاء نے اس چیز کے ساتھ مقرر کیا ہے جس سے دین کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فائدہ ہو اور قتال و جنگ کے ساتھ اسلام کی دعوت دینے اور اس کی شریعت کے مطابق عمل کرنے اور ان شبہات کو ختم کرنے جنہیں اس کے دشمن پیدا کرتے ہیں اور دشمنی کے غبار کو روکنے کو شامل ہے اس کے ذریعے جہاد صرف فوجی تیاری پر موقوف نہیں۔اسی شامل معنی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل امور جہاد کے تحت داخل ہیں۔

الف......ان جہادی تحریکات کو مالی امداد دینا جو اسلام کا جھنڈا بلند کریں اور مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں ان سے ظلم زیادتی کو روکیں۔جیسے تحریک جہاد فلسطین تحریک جہاد افغانستان اور تحریک جہاد فلپائن۔

ب......مسلمانوں کے علاقوں میں اللہ تعالیٰ کی شریعت قائم کرنے، اسلام کے حکم کو دہرانے اور اسلام دشمن ان عناصر کا مقابلہ کرنے کے جو اس کے عقیدہ کو ہٹاتے اور حکم سے اس کی شریعت کو رد کرتے ہیں انفرادی اور جماعتی سطح پر کوششوں کی بنیاد رکھنا۔

ج......اسلام کی دعوت دینے والے ان مراکز کی مالی مدد کرنا جس کے ذمہ دار غیر اسلامی علاقوں میں سچے لوگ ہوں جن کا ہدف عصر حاضر سے ہم آہنگ طریقوں کے ذریعے اسلام کو پھیلانا ہے اس کا انطباق ہر اس مسجد پر ہوتا ہے جو کسی غیر مسلم علاقہ میں قائم کی جائے اور وہ اسلامی دعوت کا ٹھکانہ ہو۔

د......ان کوششوں کی مالی امداد جو ان علاقوں میں مسلم اقلیتوں کو اسلام پر ثابت قدم رکھتی ہیں جن میں غیر مسلموں نے مسلمانوں کو اپنا زیر نگیں کر رکھا ہے اور جو ان علاقوں میں باقی ماندہ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔

۸۔ **زکوۃ اور خاص بنیادی ضروریات کی رعایت**:الف......وہ بنیادی ضروریات جن کی زکوۃ رعایت کرتی ہے ان کا مفہوم شریعت اسلامی کے تمام مقاصد وعناصر سے جڑا ہوا ہے جیسے وہ ضروریات وحاجات جو زمانے اور جگہ کے لحاظ سے درمیانے درجہ کی قابل کفایت چیزوں کو ثابت کر سکیں اور مسلمانوں میں معاشرتی ذمہ داری بھرپور ہو۔

ب......بنیادی ضروریات کا معیار جنہیں زکوۃ مسلمان فقیر کے لئے جمع کرتی ہے یہ ہے کہ وہ اس کے کھانے، پہننے، رہنے اور باقی ضروری حاجات کے لئے کافی ہو جو بغیر کمی زیادتی کے اس کے حال کے مناسب ہو۔خود فقیر کے لئے اور جو فقیر کے خرچ کا بندوبست کرتا ہے۔

ج......جو افراد اور ادارے زکوۃ کو صرف کرتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ ان کے بارے میں جن پر زکوۃ صرف ہوتی ہے ایسے وسائل کے ذریعے آگاہی حاصل کریں جن سے ان کی عزت وشعور کو نقصان نہ پہنچے وہ اس طرح کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ مستحق ہیں اس سے زیادہ انہیں گواہی اور قسم کی تکلیف نہ دی جائے ہاں البتہ جب حالات مشتبہ ہوں اور دعویٰ استحقاق کی کثرت ہو اور قرائن سے معلوم ہو

کہ یہ لوگ مستحق نہیں۔

۹۔ رہائشی اور سرمایہ کاری کے لمبے قرضوں کی زکوٰۃ...... زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کے بند (۱۰) میں جو کچھ سرمایہ کاری کے قرضہ اور زکوٰۃ کے بارے میں لکھا ہے اور اس کانفرنس میں جو کمیٹی کی رائے ہے وہ آغاز میں اس بارے میں خصوصاً ان فقہاء کے مذہب پر عمل ہے جن کا کہنا ہے: (جب قرض لمبی مدت کے لئے ہو تو وہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مانع نہیں، باوجود یہ کہ مزید بحث وتمحیص اور توجہ کی ضرورت ہے) اس مجلس میں مندرجہ بات پر رائے قائم ہوئی ہے:

رہائشی قرضے اور ان جیسے دوسرے قرضے جو اصل ثابت کے طور پر مال بن گئے ہیں زکوٰۃ کے تحت نہیں آتے۔ اور لمبی مدت کی قسطوں کو روک دیا جائے گا اور صرف سالانہ جس قسط کا دینا مطلوب ہے اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ سے ساقط ہو جائے گی۔ جب اس کے پاس دوسرے اموال نہ ہو جن سے اسے روکے۔ رہے وہ قرضے جو رائج اصل (عامل) مال کی حیثیت اختیار کر چکے ہوں تو وہ سارے زکوٰۃ کے مد سے ختم کر دیئے جائیں گے۔ اس موضوع کے بارے میں تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ابھی تک باقی ہے۔

۱۔ کمپنیوں کی اقسام کے ساتھ زکوٰۃ کا حساب: الف...... ذیلی کمیٹی بنانے کی اپیل جو کویت میں زکوٰۃ کی عالمی شرعی مجلس کی معرفت سے ہوا اور یہ کام کمپنیوں کی اقسام کے ساتھ زکوٰۃ کے موضوع پر بحث کرنے کے لئے ہے جس کے ارکان یہ ہوں گے:

ایسے کلرک جنہیں پیشے کے طور پر حساب کتاب میں مہارت ہو اور اکادمیوں میں سے جو کسی علم اور فن حساب میں متخصص (اسپیشلسٹ) ہوں۔

اور فقہاء اور بحث کرنے والوں میں سے جو زکوٰۃ کے معاملات اور اسلامی معیشت میں مختص ہوں۔ اور کمیٹی کا اہم کام ان عملی امور کا مطالعہ ہے جو زکاتی فنڈ کے حساب کے ساتھ خاص ہیں۔ اور ان اصول وقواعد اور حسابی اصطلاحات کا مطالعہ کرنا جو کمپنیوں کی مختلف اقسام اور کاموں کے مالی بیانات کی تیاری میں معتبر ہیں۔ اور مستقبل میں منعقد ہونے والی مجالس کی طرف سے ان کے مطالعہ کے لئے مناسب تحقیق کو پیش کرنا۔

ب...... مجلس نے سال کے متعلق یقین دہانی کی ہے کہ زکوٰۃ کے لئے قمری سال ہے شمسی نہیں۔ اسی بناء پر ان کمپنیوں پر زکوٰۃ کا حساب وشمار کرنے کے لئے اسی مسئلہ پر عمل کیا جائے جو شمسی سال کی بنیاد پر اپنے مالی بیانات گنتی ہیں۔ تاکہ اس بات کی موافقت ہو جس تک زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس (فقرہ۹) پہنچی ہے۔

۱۱۔ سامان تجارت کے سامان سے زکوٰۃ دینا...... سامان تجارت میں اصل تو نقدی ہے جو قیمت لگانے اور اس کی واجب مقدار کا حساب لگانے کے بعد بنتی ہے۔ اس میں فقیر کو زیادہ فائدہ ہے کیونکہ پیسوں کے ذریعے وہ اپنی مختلف ضروریات پوری کر سکتا ہے اس کے باوجود سامان تجارت کی زکوٰۃ سامان سے دینا جائز ہے جب اس کی وجہ سے مندے کی حالت اور تاجر کے ہاں روانی کی کمزوری کی حالت میں زکوٰۃ دہندہ سے حرج ومشقت دور ہو اور سامان کی صورت میں فقیر کے لئے زکوٰۃ لینے میں مصلحت ثابت ہو۔ اس طرح کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس بات کو مجلس نے فقہی اجتہادات اور حالات کی روشنی میں اختیار کیا ہے۔ سامان تجارت کی تقویم (قیمت لگائی) زکوٰۃ کے وجوب کے دن سے بازاری قیمت کے حساب سے مکمل ہوگی تھوک یا پرچون بیچے ہوئے سامان کی قیمت تھوک کے نرخ سے لگے گی۔

۱۲۔ عام سفارشات...... ان مسائل کا حل جو مال حرام کی زکوٰۃ سے تعلق رکھتے ہیں تحقیق کے دوران جس میں زکوٰۃ کے مقاصد

اور ذرائع کی روک تھام کی رعایت کی جائے۔

۱۳.....زکوٰۃ کا کام کرنے والوں پر خرچ حکومت کے گوشوارہ سے ہو نہ کہ زکوٰۃ سے جہاں تک اس کی گنجائش ہو خصوصاً مالدار حکومتوں کی نسبت سے۔

۱۴.....جن تحقیقات میں مذاہب کی فقہی میراث ہو تحقیق کرنے والوں کا بحث میں بنیادی کردار کو قائم رکھنا جو ترجیح اور دلائل کے ذریعے چناؤ اور مختلف فقہی توجہات کو مقاصد شریعت کے ساتھ جوڑنے اور معتبر مصالح کو شرعاً ثابت کرنے کے ذریعے ہو، اسی طرح مذاہب کے درمیان اصطلاحات کے اختلاف کی رعایت رکھی جائے۔

۱۵.....ان مسائل میں ایک مذہب کا التزام نہ ہو جو تمام مسلمانوں کے لئے اہم ہیں جیسے زکوٰۃ کا قضیہ جو اپنی اسلامی فریضہ کی صفت کے ساتھ ہے۔ جو تمام اسلامی علاقوں کے لئے معاشرتی باہمی ذمہ داری کا نمونہ پیش کرتی ہے جیسے مالک بنانے کا مسئلہ اور قضیہ ہے۔

دوسری مجلس: فتاویٰ اور سفارشات: ۱.....زکوٰۃ کے مال سے دیتوں کی ادائیگی (قرض خواہوں کا مصرف)

سب سے پہلے...... جب یہ ثابت ہو جائے کہ قتل خطأ کی دیت دینے سے قاتل کا خاندان اور بیت المال لاچار ہو تو مقروض کی اس دیت سے مدد کی جاسکتی ہے اور اس کی امداد کو زکوٰۃ کے اموال میں سے عملاً مقتول کے ورثا کو دینا جائز ہے رہی قتل عمد کی دیت تو اسے زکوٰۃ کے مال سے دینا ناجائز ہے۔

دوم......اس سلسلہ میں مجلس مندرجہ ذیل امور کی اپیل کرتی ہے۔(ضروریات) کے قاعدہ کی رعایت کی جائے زکوٰۃ کے اموال سے دیتیں دینے میں سستی نہ کی جائے خصوصاً جب حوادث کی کثرت ہے اور دوسرے مصارف کی نسبت سخت ضرورت موجود ہے۔

اسلامی علاقوں میں زکاتی اداروں کی معرفت سے تعاونی فنڈز کا قیام ممبر شپ، چندوں اور فیسوں (اضافی) کی طرف سے گاڑیوں اور ڈرائیونگ کی سہولیات دینے کی مالی امداد تاکہ جن لوگوں کو ٹریفک حادثات کی وجہ سے جرمانے عائد ہوئے ہیں ان کی مشقتوں میں معاشرتی ضمانت کے طور پر تخفیف کا ذریعہ ثابت ہو۔

اسلامی فقہ میں مشہور (عاقلہ) کے نظام سے استفادہ کرنے کے پیشوں خاندانوں کے تعاونی فنڈز قائم کرنے کی حوصلہ افزائی اور رشتہ داروں اور اہل حرفت کے درمیان باہمی تعاون و امداد کی نگرانی کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرنا جو زمانے کے تقاضوں کے مناسب ہو۔

۲۔ مال حرام کی زکوٰۃ......اس موضوع میں پیش کردہ تحقیقات کے لئے اور ان کے بارے میں بحث کرنے کے لئے مجلس کی عرض داد کے مجلس کی رائے یہ ہے کہ ایسے بہت سے بیانات اور تفصیلات ہیں جو اس موضوع کو اس کا حق دینے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر اس نے اس بارے میں فتویٰ صادر کرنے کی امید دہانی کی ہے جو بحث و مطالعہ کے تکمیلی مراحل تک ہے۔

۳۔ رہائشی اور سرمایہ کاری کے قرضوں کی زکوٰۃ......زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کی دسویں اپیل کو نافذ کرنے اور پہلی مجلس کی نویں سفارش کو نافذ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کے لئے ہے جو اصل رائج مال کو سرمایہ فراہم کرنے والے قرضوں کو ختم کرنے کی ضامن ہے۔ اور رہائشی قرضوں یا ثابت اصول کے سرمایہ کاری کے قرضوں کو ختم نہ کرنے کی ضامن ہے صرف وہ سالانہ قسط مستثنیٰ ہے جس کا دینا مطلوب ہے اور جو مجلس اس موضوع کی تفصیلی اطراف کے مطالعہ کی ضرورت کے بیان کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی پھر مجلس مندرجہ ذیل پر ختم ہوئی:

سب سے پہلے...... جب مقروض کے پاس اپنی بنیادی ضروریات سے زائد کمایا ہوا سامان نہ (اصول ثابتہ) ہو تو زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء میں وہ تمام قرضے ختم ہو جائیں گے جنہوں نے مال تجارت کی شکل اختیار کر لی ہے۔

دوم...... زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء میں سے سرمایہ کاری کے وہ قرضے ختم ہوں جنہوں نے صنعتی منصوبہ جات بن کر مالی حیثیت اختیار کر لی ہو (نفع حاصل کرنے کی اشیاء) بشرط یہ کہ مقروض کے پاس کمایا ہوا سامان (اصول ثابتہ) اس کی اپنی بنیادی ضروریات سے زائد نہ ہو، اس طور پر کہ اسے ان قرضوں کا مد مقابل بنایا جاسکے۔ اور جب یہ قرضے طویل المیعاد ہوں تو زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء میں سالانہ قسط ختم ہو جائے گی جس کا فی الحال دینا ضروری ہے۔

چنانچہ اگر یہ سامان پایا جائے تو اسے قرض کے مقابلہ رکھ دیا جائے گا جب اس سے اس کی ادائیگی ہو سکے۔ اس صورت میں زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء سے قرضوں کو نہیں ختم کیا جائے گا۔ اور اگر یہ قرضے دین کے ذریعے ختم نہ ہوں تو ان میں سے باقی ماندہ زکوٰۃ کی اشیاء ختم کر دی جائیں گی۔

سوم...... طویل المیعاد رہائشی قرضے اور وہ قرضے جو عموماً لمبی قسطوں پر رد کر دیئے جاتے ہیں۔ مقروض اپنے پاس موجود اموال کی اسے سالانہ قسط کو ختم کرنے کے بعد جس کا اس سے مطالبہ کیا جا رہا ہے زکوٰۃ ادا کرے گا بشرط یہ کہ باقی ماندہ نصاب کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو۔

۴۔ **(غلام آزاد کرنے کا) مصرف......** اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ (غلام آزاد کرنے کا) مصرف موجودہ دور میں نہیں ہے تو ان کے حصے زکوٰۃ کے بقیہ مصارف کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

۵۔ **زکوٰۃ کو اس کی جگہ کے علاوہ کہیں منتقل کرنا اور اس کے ضوابط......** زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کی پہلی مجلس کی تیسری اپیل سے مطلع ہونے کے بعد اصل تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اسی علاقہ میں وہاں کے مستحقین میں صرف کیا جائے جہاں سے وہ جمع کی گئی ہے پھر جو ضرورت و کفایت سے زائد ہوا سے دوسرے شہر منتقل کر دیا جائے۔ منتقلی کے جواز کے ساتھ۔ زیادہ محتاج اور رشتہ دار مستثنیٰ ہیں۔ زکوٰۃ کی منتقلی کے بارے میں شرعی اصول کی تفصیل پر مجلس مندرجہ ذیل امور پر ختم ہوئی۔

سب سے پہلے...... زکوٰۃ صرف کرنے میں اصل یہ ہے زکوٰۃ کے اموال کی جگہ میں تقسیم کی جائے۔ نہ کہ زکوٰۃ دینے والے کی جگہ۔ البتہ کسی راجح شرعی مصلحت کی بنا پر زکوٰۃ کو اس کی جگہ سے منتقل کرنا جائز ہے مصلحت کے لئے منتقل کرنے کی یہ صورتیں ہیں:

الف...... زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے مقامات کی طرف منتقل کرنا۔

ب...... زکوٰۃ کو دعوتی یا تعلیمی اداروں یا ان صحیح مقامات کی طرف منتقل کرنا جو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہوں اور زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

ج...... قحط سالی یا حادثات کی جگہوں کی طرف منتقل کرنا جو عالم میں مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے ہوں۔

د...... زکوٰۃ دینے والے کے مستحق رشتہ داروں کی طرف منتقل کرنا۔

دوم...... سابقہ حالات کے علاوہ زکوٰۃ کو اس کی جگہ کے علاوہ منتقل کرنا جن سے زکوٰۃ کا لیا جانا ممنوع تو نہیں لیکن کراہت کے ساتھ اس شرط پر کہ اسے آٹھ مصارف میں سے زکوٰۃ کے کسی مستحق تک پہنچایا جائے۔

سوم...... زکوٰۃ کا مقام شہر اور اس کے قریبی گاؤں اور وہ علاقے ہیں جو قصر نماز کی مسافت سے کم (۸۲ کلومیٹر تقریباً) ہو کیونکہ یہ

ایک شہر کے حکم میں ہے۔
چہارم.....زکوۃ الفطر کی نسبت سے زکوۃ کی جگہ اس شخص کا مقام ہے جو اسے ادا کرے کیونکہ یہ ابدان کی زکوۃ ہے۔
پنجم..... منتقلی کے حالات میں جن تصرفات کی گنجائش ہے:
الف..... جب وجوب زکوۃ کی مکمل شرطیں پائی جائیں۔ سال کے اختتام کے وقت زکوۃ دینے میں جلدی کرنا جس میں سال ختم ہونے کے وقت اتنی مدت ہو کہ زکوۃ مستحقین تک پہنچ جائے، صدقۂ فطر کو رمضان کے آغاز سے پہلے نہیں دیا جاسکتا۔
ب.....جس مدت کا تقاضا منتقلی کرتی ہے اس کے لئے زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا۔

تیسری مجلس: فتاویٰ اور اپیلیں:

زکوۃ کے اموال کی سرمایہ کاری.....سابقہ تحقیقات کے مجلس کے شرکاء نے اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری کے بارے میں تحقیق کی ہے اور وہ مندرجہ ذیل قراردادوں تک پہنچے ہیں۔
مجلس، مجمع الفقہ الاسلامی (۳) د ۳/ ۷/ ۸۶ کی قرارداد کی نفع بخش منصوبوں میں زکوۃ کے اموال کی تقسیم کے بارے میں تاکید کرتی ہے کہ یہ اصولی طور پر ان ضوابط کے ساتھ جائز ہے جن میں سے بعض کی طرف قرارداد نے اشارہ کیا ہے۔
اس موضوع کے بارے میں اصول وضوابط کے متعلق سابقہ تحقیقات بحث ومباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل امور تک پہنچی ہیں:
۱.....جلد صرف کرنے کی وہ صورتیں بھرپور نہ پائی جائیں جن کا تقاضا ہے کہ فوراً زکوۃ کے اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔
۲.....شرعی طریقوں سے۔ دیگر معاملات کی طرح۔ زکوۃ کے اموال کی سرمایہ کاری مکمل ہو جائے۔
۳.....سرمایہ کاری کے اصول کی بقا کے ساتھ ضمانتی کرایہ داریاں اختیار کرنا جو زکوۃ کے اصل حکم پر ہوں اسی طرح ان اصول کے منافع۔
۴.....جب زکوۃ کے مستحقین پر زکوۃ صرف کرنے کی ضرورت ہو تو سرمایہ کاری کے اصول کو بہانے میں جلدی کرنا۔
۵.....اس بات کی کوشش کرنا کہ جن سرمایہ کاریوں میں زکوۃ کے اموال لگائے جائیں گے وہ عمدہ، محفوظ اور بوقت ضرورت نکاسی کے قابل ہوں۔
۶.....ذمہ دار شخص جن سے زکوۃ کی جمع وتقسیم کا عہد لے ان سے زکوۃ کے اموال کی سرمایہ کاری کی قرارداد لے تاکہ شرعی نیابت کے اصول کی رعایت ہو اور سرمایہ کاری کی نگرانی باکفایت، تجربہ کار اور امانت دار افراد کے سپرد کی جائے۔
تملیک، اس کی مصلحت اور اس کے نتائج.....مجلس میں شریک افراد نے تملیک، اس کی مصلحت اور اس کے نتائج پر سابقہ تحقیقات میں بحث کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کا فیصلہ کیا ہے۔
۱.....مصارف زکوۃ کی آیت میں "زکوۃ کے اموال تو فقراء، مساکین، عاملینِ زکوۃ اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کی تالیف قلبی مطلوب ہے"۔
پہلی چار قسموں میں تملیک (مالک بنانا) زکوۃ گزاری کے لئے شرط ہے تملیک یعنی نقدی مال کی ایک مقدار یا پیداوار کے وسیلہ کی خریداری دینا جیسے حرفت وصنعت کے آلات واوزار، اور کام کرنے والے مستحق کو ان کا مالک بنانا۔
۲.....زکوۃ کے مستحقین کو زکوۃ کے اموال سے لگائے گئے پیداواری منصوبوں کے حصص کا مالک بنانا جائز ہے اس طور پر کہ وہ خود یا ان کے نائب اس منصوبے کو ملکیت بنا کرادل بدل لیتے ہوں۔ اور نفعوں کو آپس میں بانٹ لیں۔

۳......زکوٰۃ کے مال سے خدمتی منصوبہ لگانا جیسے مدارس، ہسپتال دارالامان اور لائبریاں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔
أ......ان منصوبوں سے صرف مستحقین زکوٰۃ فائدہ اٹھائیں دوسرے فائدہ حاصل کرنا چاہیں تو ان خدمات کے مقابلہ میں فیس دیں جس کا نفع مستحقین کو پہنچے۔
ب......اصل، زکوٰۃ کے مستحقین کی ملک میں باقی رہے اور ذمہ دار اس کا انتظام سنبھالیں یا جو پارٹی اس کی نائب ہو۔
ج......جب منصوبہ بک جائے یا کمپنی اسے ختم کردے تو تصفیہ سے حاصل ہونے والا مال زکوٰۃ کا مال ہے۔

تالیف قلبی والوں کا مصرف......سابقہ تحقیقات میں مجلس کے حاضرین نے تالیف قلبی والوں کے موضوع پر بحث کی جو مندرجہ ذیل امور پر پہنچے۔

سب سے پہلے......تالیف قلبی والوں کا مصرف جو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک ہے یہ وہ مضبوط شرعی قانون ہے۔ جس میں جمہور کی رائے کے مطابق نسخ وارد نہیں ہوا۔
دوم......اس حصے میں سے جن اہم گوشوں میں یہ مال صرف ہوتا ہے وہ یہ ہیں:
الف......جن کے اسلام لانے کی امید ہو ان کی تالیف قلبی خصوصاً وہ اہل رائے اور اقتدار والے جن کے بارے میں گمان ہو کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں ان کا بڑا کردار ہوگا۔
ب......مسلم اقلیت اور پناہ گزینوں کے حالات کی بہتری اور ان کے مسائل دور کرنے کے لئے اصحاب اقتدار، حکام اور رؤسا سے مالی مطالبہ کرنا تاکہ ان لوگوں کے لئے فنڈ جمع ہو۔
ج......اسلامی اور فکری قوتیں رکھنے والوں کی تالیف قلبی کیونکہ وہ مسلمانوں کے مسائل کے لئے ان کی مدد و نصرت کرتے ہیں۔
د......جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو اس کی مدد و رعایت کی خاطر، اور اسلام کے بارے میں اس کے دل کو ثابت قدم رکھنے کے لئے معاشرتی اور علمی اداروں کا قیام، یا ہر اس چیز کو وجود دینا جو اس کی نئی زندگی کے مادی و معنوی ماحول کے مناسب ہو۔
سوم......اس مد میں صرف کے دوران مندرجہ ضوابط کا لحاظ رکھنا چاہئے:
الف......مقاصد اور سیاسی شرعی وجوہات کی رعایت رکھی جائے تاکہ شرعاً مطلوبہ مقصد حاصل ہو۔
ب......خرچ کی مقدار ایسی ہو کہ دوسرے مصارف کا نقصان نہ ہو، حسب ضرورت اس میں گنجائش رکھی جائے۔
ج......زکوٰۃ صرف کرنے کی صورتوں میں انتہائی دقت و احتیاط برتی جائے تاکہ شرعاً ناپسندیدہ اثرات سے دامن چھڑایا جائے۔ یا اس کا تالیف قلبی والوں کے دلوں میں کوئی برا ردعمل پیدا ہو سکتا ہو یا مسلمانوں اور اسلام کو اس کا الٹا نقصان پہنچ سکتا ہو۔
چہارم......اس مصرف سے شرعی مقاصد حاصل کرنے کے لئے سابقہ جدید اسباب و وسائل اور زیادہ بہتر اثر کرنے والے منصوبے استعمال کرنے چاہیں اور جو زیادہ نفع بخش اور زیادہ قریبی ہوں ان کا چناؤ کرنا چاہیے۔

اپیل......مجلس اسلامی حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ شریعت اسلامی کو معاشرتی اور سیاسی تمام اطراف میں عملی شکل دی جائے۔ اور ذمہ دار اسلامی معاشرے تک پہنچنے کے لئے تمام شرعی وسائل اختیار کئے جائیں۔
مجلس اسلامی حکومتوں اور ان کی عوام کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی ترغیب دیتی ہے جیسے ہمارے مجبور بھائی بوسنیا اور ہر ملک و دنیا میں ہیں ان کی مدد کی جائے اور ان کے ڈھانچوں اور ان کے اسلامی تشخص کو محفوظ کرنے کے لئے ان کی مادی اور معنوی پشت پناہی کی

جائے۔اسی طرح ہمارے وہ محتاج ولاچار مسلمان بھائی جو دنیا کے مختلف حصوں میں ہیں ان کی مدد کی جائے۔
مجلس اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ کویتی قیدیوں کو اور ان کے علاوہ ظالم دشمن کے ہاتھوں میں محبوس لوگوں کی رہائی کی مزید کوشش کریں۔

چوتھی مجلس: فتاویٰ اور سفارشات......عاملین زکوٰۃ کا مصرف

ا۔عاملین زکوٰۃ......اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو اسلامی حکومتوں میں عہدہ داران کی مدد کرتے ہیں۔یا انہیں چھوٹ دیتے یا ان کا انتخاب وہ انجمنیں کرتی ہیں جنہیں حکومت کی طرف سے تسلیم کیا جاتا ہے یا ان اسلامی اداروں کی طرف سے ان کا چناؤ ہوتا ہے جو زکوٰۃ کی جمع اور تقسیم کا کام کرتے ہیں اور اس کے متعلقہ جو امور ہیں جیسے احکام زکوٰۃ کی شعور آفرینی (ذہن سازی) مالداروں کی تعریف، مستحقین سے آگاہی، منتقلی، زکوٰۃ کا فنڈ بنانا، حفاظت، بڑھوتری اور ان ضوابط وقیودات کے ضمن میں سرمایہ کاری کرنا جس کی قرارداد زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کی تیسری مجلس کی پہلی اپیل میں پاس ہوئی ہے اسی طرح اسلامی نظاموں میں محکمہ زکوٰۃ وصدقات کی طرف موجودہ صورت میں عصر حاضر میں جو کمیٹیاں اور ادارے قائم ہیں انہیں شمار کیا جائے گا۔اسی بنا پر ضروری ہے کہ ان میں ان شرائط کی رعایت رکھی جائے جو عاملین میں ہونی چاہیں۔

۲......زکوٰۃ کے عاملین کے ساتھ جن اہم امور کا تعلق ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس میں ولایت تفویض کی صفت ہو (کیونکہ اس کا اساسی اور قائدانہ امور سے تعلق ہے) اور جو لوگ اس مہم میں مشغول ہوں ان کے لئے فقہاء کے نزدیک مشہور شرطیں ہیں جن میں سے مسلمان ہونا، مرد ہونا امانت داری اور عمل کے میدان میں زکوٰۃ کے احکام کا علم ہونا ہے۔
بطور امداد اور مہمات بھی ہیں ممکن ہے اس کا حکم اسے دیا جائے جس میں ان میں سے کوئی شرط مکمل طور پر نہ پائی جائے۔

۳۔الف......عاملین زکوٰۃ اپنے کام کی وجہ سے عاملین کے حصے کے مستحق ہوں گے جو اس جہت سے ان کے لئے مقرر ہے کہ اس شرط پر ان کی امداد کی جائے گی اجر مثلی سے زائد نہ ہو اگر چہ وہ فقیر نہ ہوں۔اس حرص کے باوجود کہ زکوٰۃ کے آٹھویں حصے سے جو مال تمام عاملین تیاری والے اداروں اور انتظامی مصارف کو دیا جاتا ہے اس کا مجموعہ زائد نہ ہو۔
ب......عاملین زکوٰۃ کے لے رشوت، ہدیہ تحفہ یا کوئی عینی یا نقدی ہبہ قبول کرنا جائز نہیں۔

۴......زکوٰۃ کے اداروں کے مقامات اور ان کے انتظام کو جو اسباب وآلات اور تیاری کی چیزیں درکار ہوں فراہم کرنا۔جب یہ اشیاء دوسری آمدن سے پوری نہ ہوں۔جیسے حکومت کا خزانہ ہے اور عطیات، تو پھر عاملین زکوٰۃ کے حصے سے بقدر ضرورت اس شرط کے ساتھ ان اشیاء کی فراہمی جائز ہے کہ تیاری کی یہ چیزیں زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کے ساتھ عملاً تعلق رکھنے والی ہوں یا ان کی وجہ سے زکوٰۃ کے ذریعہ آمدنی میں اضافے کا اثر ہو۔

۵......جن جہات سے زکوٰۃ کی کمیٹیوں نے ان کی تعیین یا رخصت دی ہو ان کی حفاظت اور پیروی ضروری ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی اقتداء جو آپ نے عاملین زکوٰۃ سے حساب کتاب لینے (محاسبہ) میں اختیار کرتے تھے۔جو اموال عامل زکوٰۃ کے پاس ہیں وہ ان کا امین ہے زیادتی، کوتاہی، غفلت اور تقصیر کے حالات میں ان کے ضائع ہونے کی وجہ سے ضمان (چٹی) دینے کا ذمہ دار ہوگا۔

۶......عاملین زکوٰۃ کو چاہئے کہ وہ عمومی اسلامی آداب سے آراستہ ہوں جیسے زکوٰۃ گزاروں کے ساتھ نرمی برتنا مستحقین کے ساتھ

رحم دلی والا معاملہ کرنا، زکوٰۃ کے احکام میں بصیرت سے کام لینا اور اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت کا خیال کرنا تا کہ باہمی معاشرتی ذمہ داری ثابت کی جائے زکوٰۃ کی تقسیم میں عجلت سے کام لینا جب مستحقین موجود ہوں اور انہیں بلانے میں سرعت سے کام لینا۔

مال حرام کی زکوٰۃ:

ا۔ مال حرام...... ہر وہ مال ہے جسے حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے صاحب شریعت نے منع کر دیا ہو خواہ اس کی حرمت ذاتی ہو جس کا سبب اس میں پائے جانے والا ضرر و نقصان یا کوئی خبث و گندگی ہو جیسے مردار اور شراب، خواہ اس کی حرمت کسی اور وجہ سے ہو (یعنی حرمت لغیرہ ہو) جس کا سبب اس کی کمائی کے طریقہ میں کوئی خلل واقع ہونے کی بنا پر ہو کیونکہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اسے لیا ہو جیسے غصب یا مالک سے لیا تو ہو مگر اس انداز سے جسے شرع نے نہیں مقرر کیا خواہ رضا مندی سے لیا ہو جیسے سود اور رشوت۔

۲ (الف)......حرام مال کو جمع کرنے والا جس کی کمائی کے طریقہ میں کوئی خلل ہو چاہے جتنا لمبا عرصہ گزر جائے اس کا مالک نہیں ہوتا، اس پر لازم ہے کہ اس مال کو اس کے مالک یا مالک کے وارث کو پہنچائے اگر وہ اسے جانتا ہے البتہ اگر اس کی واقفیت سے ناامید ہو چکا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس مال کو بھلائی کے کاموں میں صرف کرے۔

تا کہ اس سے چھٹکارا پائے اور مالک کی طرف سے صدقہ دینے کا ارادہ کرے۔

ب......جب اس مال کو حرام کام کی اجرت و مزدوری میں حاصل کرے تو حاصل کرنے والا اسے بھلائی کے کاموں میں صرف کر دے، جس سے لیا ہے اسے واپس نہ کرے۔

ج......جس سے حرام مال لیا ہے اگر وہ اس غیر شرعی طریقے پر معاملہ کرنے کا عادی ہو جس سے مال حرام ہو جاتا ہے تو وہ اسے نہیں لوٹایا جائے گا۔ جیسے سودی فوائد، بلکہ یہ بھی خیر کے کاموں میں صرف کر دیا جائے گا۔

د......جب اصل مال حرام کو لوٹانا مشکل ہو تو جس کے پاس یہ حرام مال ہے اسے اس جیسا مال واپس کرنا ضروری ہے یا اس کی قیمت مالک کو دیدے اگر اسے پہچانتا ہے ورنہ اس کا مثل یا قیمت خیر کے کاموں میں مالک کی طرف سے بنیت صدقہ صرف کر دے۔

۳......ذاتی طور پر حرام مال زکوٰۃ کا محل نہیں۔ اس واسطے کہ شریعت کی نظر میں وہ ایسا مال نہیں جس کی قیمت لگائی جائے اس مال کے متعلق جو شرعی ضابطہ مقرر ہے اس کے ذریعے اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

۴......وہ مال حرام جس کی حرمت لغیرہ ہو جس کی کمائی میں کوئی شرعی خلل واقع ہوا ہو اسے اپنے پاس رکھنے والے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے جو ملکیت کی شرط ہے وہ اس میں مفقود و ناپید ہے جب مالک کے پاس پہنچ جائے گا تو اس پر واجب ہے کہ وہ ایک سال کی زکوٰۃ دے دے اگر چہ اس مال پر کئی سال گزر چکے ہوں یہی مختار رائے ہے۔

۵......حرام مال کو رکھنے والا جب یہ مال مالک کو واپس نہ کرے اور اس میں سے زکوٰۃ کی مقدار نکال دے تو جو مال اس کے پاس ہے اس کی وجہ سے گناہ باقی رہے گا۔ اور یہ اس پر شرعاً واجب جزء میں سے نکالنا ہوگا اور جو مقدار اس نے نکالی ہے وہ زکوٰۃ شمار نہیں ہوگی۔

جب تک وہ سارا مال اس کے مالک کو اگر اسے پہچانتا ہے واپس یا ناواقف ہونے کی بنا پر اس کی طرف سے صدقہ نہیں کر دیتا بری الذمہ نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ اور ٹیکس: ا......مجلس اسلامی حکومتوں سے اس کی اپیل کرتی ہے کہ وہ ایسے قوانین نافذ کریں جو زکوٰۃ کے نظام کو ٹیکس کی

وصول یابی اور تقسیم کے لحاظ سے عملی شکل دینے کے متقاضی ہوں۔ جو التزام کی بنیاد پر اور اس کے لئے مخصوص انجمنیں قائم کرنے کی اساس پر ہوں۔ جن کی آمدنیاں اور اخراجات مخصوص حساب میں ہوں۔ اسی طرح مجلس تمام مالی نظاموں وغیرہ پر نظر ثانی کرنے کی اپیل کرتی ہے تاکہ انہیں اسلامی رخ دیا جائے۔

۲ (الف)......اصل تو یہ ہے کہ حکومت کے بجٹ کو شرعی مالی آمدنیوں میں عمومی املاک وغیرہ کے ذریعہ آمدنی سے مال فراہم کیا جائے۔ لیکن جب یہ ذریعہ آمدنی ناکافی ہو تو حکمران کے لئے جائز ہے کہ وہ ان حکومتی اخراجات کے مقابلہ میں جن پر زکوٰۃ میں سے خرچ کرنا جائز نہیں عادلانہ انداز میں ٹیکس مقرر کرے۔ یا اس وقت جب زکوٰۃ کی آمدنی سے اس کے مستحقین کی کفایت نہ ہو رہی ہو۔

ب......اس وجہ سے کہ ٹیکس مقرر کرنے کی سند وہ مصلحتوں کا قاعدہ ہے لہٰذا اسلامی مالی نظام کی روشنی میں اور عمومی شرعی قواعد اور مقاصد شریعت سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے ٹیکس مقرر کرتے وقت معتبر مصلحت کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

ج......ٹیکس لگانے کے لئے شرط ہے کہ حقیقتاً ان کے مقرر کرنے کی ضرورت ہو۔

د......ضروری ہے کہ ان کے شرعی معیار کے ساتھ ان کی مشقت تقسیم کرنے میں عدل کی رعایت اور ان کے محاصل استعمال کرنے میں انصاف کا خیال رکھا جائے اور ان کا مقرر کرنا اور صرف کرنا مخصوص معتبر اور محتاط جہت میں ہو۔

۳ (الف)......جو ٹیکس حکومت کی طرف سے مقرر ہے اس کی ادائیگی زکوٰۃ دینے کے بدلے کافی نہیں۔ کیونکہ مکلّف بنانے اور اس سے مقصود حاصل ہونے کے لحاظ سے دونوں میں فرق و اختلاف ہے۔ چہ جائیکہ زکوٰۃ کی مد واجب مقدار اور مصارف ٹیکس کے مبلغ واجب زکوٰۃ کی مقدار سے ختم نہیں کئے جائیں گے۔

ب......حکومت کی طرف سے مقرر ٹیکسوں میں دوران سال ایک بار جن کا حق بنتا ہے اور سال گزرنے سے پہلے ادا نہیں کیا گیا تو اسے زکوٰۃ کی مد سے ختم کر دیا جائے گا اسے واجب الاداء حق شمار کرتے ہوئے۔

۴......مجلس اسلامی حکومتوں سے ٹیکسوں کے قوانین میں ایسی عدل پسندی کی اپیل کرتی ہے جس سے ٹیکسوں کے مبلغ سے زکوٰۃ ختم کرنے کی گنجائش بنتی ہو تاکہ جو لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کے لئے آسانی ہو۔

پانچویں مجلس: فتاویٰ اور سفارشات......سب سے پہلے نوکری ختم ہونے کے وظیفہ اور پنشن کی زکوٰۃ

۱۔ نوکری ختم ہونے کی پنشن...... یہ ایسا یقینی مالی مبلغ ہوتا ہے جس کا کام کرنے والا کام والے کے ہاں اپنی نوکری کے اختتام پر ان قوانین اور نظاموں کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے۔ جب ان کی مقررہ شرطیں پورے طور پر پائی جائیں۔

۲......پنشن وظیفہ...... یہ ایسا یقینی مالی مبلغ ہوتا ہے جو حکومت یا مخصوص ادارے ملازم یا کام کرنے والے کو ادا کرتے ہیں۔ جو معاشرتی بیمہ کے قانون کو شامل ہوتا ہے جب پنشن کے استحقاق کی مطلوبہ تمام شرطیں نہ پائی جا رہی ہوں۔

۳......تنخواہ ایسا مالی مبلغ ہے جس کا مستحق ملازم یا کام کرنے والا حکومت یا مخصوص اداروں کی طرف سے ہر ماہ اپنی (خدمت) نوکری مکمل ہونے کے بعد ان قوانین اور نظاموں کے مطابق ہوتا ہے۔ جب ان کی مقررہ شرائط پائی جائیں۔

۴......ان استحقاقات میں نوکری کی مدت کے دوران ملازم یا کام کرنے والے پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ملکیت ناتمام ہے جو وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط ہے۔

۵.....ملازم یا کام کرنے والے کے لئے جب ان استحقاقات کی حد بندی اور سپردداری ایک دفعہ پاس ہو جائے یا کئی مراحل میں طے پائے تو ان کے لئے اس کی ملکیت مکمل ہو جاتی ہے اب جو اسکے قبضہ میں ہے اس سے حاصل ہونے والے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اور زکوٰۃ کی پہلی کانفرس میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حاصل ہونے والے کو زکوٰۃ گزار اپنے پاس موجود اموال کے ساتھ نصاب اور سال کے لحاظ سے ملالے گا۔

۶.....رہا کمپنیوں کے گوشواروں میں اموال کے صرف کی قرارداد صادر ہونے سے پہلے پنشن اور تنخواہ کے اموال کی شرعی کیفیت تو آیا یہ کمپنی کے ذمہ قرضے ہیں یا نہیں۔ اور کمپنی کے اموال کی زکوٰۃ میں اس کا کیا اثر ہے تو اس سلسلہ میں محاسبہ کمیٹی اور مصارف کی آڈٹ کمپنی اور اسلامی مالی اداروں کے تعاون سے اس کی شرعی کمیٹی کی جانب سے مزید بحث کی امید دلائی گئی ہے۔

(غارمین، ذمہ داروں کا) مصرف:

ا۔ ذمہ داروں کی دو قسمیں ہیں......اول۔ وہ مسلمان مقروض جو فقراء ہیں مباح کام کے لئے اپنی ذاتی مصلحت کی خاطر۔ اسی طرح ان حوادث اور مصائب کی وجہ سے جو انہیں پہنچے۔

دوم......مسلمان مقروض، آپس کی اصلاح اور مسلمانوں میں اٹھنے والے فتنوں کو دبانے کے لئے۔ یا ان مصائب وآلام میں خرچ کرنے کے لئے جو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اس قسم میں فقر شرط نہیں۔

۲......کسی تنگدست کی جانب سے مال کا ضامن شخص جب تنگدست ہو جائے تو جتنے مال کی اس نے ضمانت لی ہے اسے ادائیگی کرنا جائز ہے۔

۳......زکوٰۃ میں سے اس ذمہ دار کو دینا ناجائز ہے جو اس کی ذاتی مصلحت کے لئے جب اس کا قرض گناہ کے بارے میں ہو جیسے شراب، جوا اور سود ہاں جب اس کی سچی توبہ ثابت ہو جائے۔

۴......زکوٰۃ کے مال سے میت کا قرض ادا کرنا جائز ہے جب اس کی میراث میں اس کی ادائیگی کی رقم نہ ہو۔ اور نہ اس کے وارثوں نے اس کا قرض واپس کیا ہو۔ زکوٰۃ سے اس کا قرض واپس کرنے میں اس کے ذمہ کو بری کرنا اور قرض دہندگان کے اموال کی حفاظت ہے۔

۵......اپنی ذاتی مصلحت کا ذمہ دار جب طاقتور اور کمائی کرنے والا ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے کچھ لے۔ جب وہ اپنا قرض اپنی کمائی سے چکا سکتا ہو یا مال والا مالداری تک اسے مہلت دے دے اسی طرح جس کے پاس مال ہو خواہ نقدی ہو یا جائیداد وغیرہ ہو تو اس کے ذریعے قرض کی ادائیگی ممکن ہے۔

۶......ذمہ دار شخص جب ذمہ داری کی صفت میں ہوتے ہوئے زکوٰۃ سے وصول کرلے تو اس کے لئے اپنا قرض چکانے میں اس مال کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

البتہ جب فقیر ہونے کی صفت میں اس نے یہ مال لیا ہو تو اس کے لئے اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۷......ایسا ذمہ دار جو فقیر یا مسکین ہو وہ اس فقیر اور مسکین سے زیادہ زکوٰۃ کا مستحق ہے جو ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ پہلوں میں دو وصف (غرم) ذمہ داری فقر یا مسکینی جمع ہو گئے اور دوسروں میں صرف ایک وصف ہے۔

۸......ذمہ دار کو اتنی مقدار زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے جتنی مقدار اس پر قرضے ہیں خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ جب زکوٰۃ کے اموال

میں ان قرضوں کی ادائیگی موجود ہو۔ ذمہ دار شخص جب اپنے ذمہ قرضوں کی ادائیگی سے پہلے مستغنی ہوجائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ اموال حکمران کو واپس کردے یا جس سے اس نے وصول کئے ہیں اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زکوٰۃ کے مصارف میں جمع کرادے۔

۹..... قرض کے ذمہ دار کو زکوٰۃ کے مال میں سے اس سال کے لئے دینا جائز ہے جس میں اس نے قرض ادا کرنا ہے خواہ واپسی کے وعدہ میں کئی ماہ رہ گئے ہوں۔

البتہ دوسرے سال کے قرضے چکانے کے لئے نہیں دیا جائے گا۔ ہاں جب مقروض قرض دہندہ کے ساتھ قرض میں سے فی الحال کمی کے ساتھ ادائیگی پر صلح کرلے تو الگ بات ہے۔

۱۰..... جس کے پاس قابل کفایت خرچ ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے ادائیگی پر اعتماد کرکے کارخانہ لگانے کھیتی باڑی کرنے یا گھر بنانے کے لئے قرض لے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ کا مال فقراء کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دیا جاتا ہے یا انہیں اتنا خرچ مل جائے۔ جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرسکیں اور جس کے پاس قابل کفایت ہو اسے مزید مالدار بننے کے لئے نہیں دیا جائے گا۔

۱۱..... اس مصرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقروض رشتہ داروں کو دیا جائے گا جب ان کے مقرر شرعی حقوق ختم ہوگئے ہوں۔

سوم: موجودہ دور میں امور کے ظاہری اور باطنی مشمولات: ۱..... زکوٰۃ والے اموال کی ظاہری اور باطنی تقسیم علماء کے درمیان اتفاقی محل ہے جس پر مختلف فقہی احکام کی بنیاد ہے۔

۲: ظاہری اموال..... حکمران کے لئے جائز ہے کہ ان کی زکوٰۃ زبردستی وصول کرے۔ اور ان کے مالک کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ اس نے خود مستحقین کو ان کی زکوٰۃ ادا کردی ہے یہ اس صورت میں ہے جب حکمران مالداروں سے برحق زکوٰۃ وصول کرکے اس کے شرعی مصارف میں صرف کرے۔

۳: باطنی اموال..... ان کی زکوٰۃ ان کے مالکوں کے سپرد امانت ہے وہ ان کے مستحقین کو از خود یا اپنی مرضی سے اس مخصوص جہت سے لاسکتے ہیں جسے اس کے شرعی مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے حکمران کے لئے اس کی اجازت نہیں کہ وہ ان اموال کے بارے میں افرد سے تفتیش وتلاش کرے۔

۴..... چوپائے، فصلیں اور پھل بالاتفاق اموال ظاہری ہیں۔

۵..... نقدی، سونا، چاندی، قرضہ جات، افراد کے ساتھ خاص بینک بیلنس اور قرضوں کے معاہدے اموال باطنی شمار ہوتے ہیں۔

۶..... کمپنیوں کے حصص والے اموال، ظاہری اموال شمار ہوتے ہیں۔

۷..... مجلس کے شرکاء نے اموال کی اور قسمیں بھی بیان کی ہیں جن کے بارے میں آئندہ کی مجلسوں تک تاخیر یقیناً ہے جو یہ ہیں:

الف..... تجارتی سامان۔

ب..... خصوصی اور حکومتی قرضہ جات۔

ج..... کمپنیوں کے دوسرے اموال جو حصص کی کمپنیوں کے علاوہ ہیں۔

د..... کیا حکمران کو اس کی گنجائش ہے کہ وہ اموال ظاہرہ کی نسبت مالداروں کے لئے چھوڑ دے تاکہ وہ اپنی شناخت سے انہیں ان کے مستحقین میں صرف کریں؟

چہارم......اصول ثابتہ کی زکوۃ

ا۔اصول ثابتہ...... سے مراد وہ اقتصادی منصوبہ جات کی مادی اور معنوی موجودات ہیں، جنہیں ان منصوبہ جات کی سرگرمیوں میں فائدہ اٹھانے کی غرض سے رکھا جاتا ہے ان سے مقصودہ فروختگی نہیں ہوتی اوران میں سے ان مادی موجودات پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو نفع بڑھانے کے لئے ہوتے ہیں۔

۲......اصول ثابتہ ان امور کو شامل ہیں:

الف......وہ موجودات جو پیداواری منصوبوں میں فائدہ حاصل کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔جیسے نقل وحمل کے اسباب، کمپیوٹر کا سامان، اس قسم میں زکوۃ نہیں ہے۔

ب......وہ مادی موجودات جو منصوبہ کے نفع کو بڑھاتے ہیں، جیسے صنعت کے آلات، کرائے کے کمرے، اس قسم میں اس کی اصل میں زکوۃ نہیں ہے صرف اس کے اضافی نفع پر ۲،۵٪ کی نسبت سے واجب ہے وہ بھی پیداوار کی ابتداء سے سال گزرنے کے بعد اور اسے زکوۃ گزار کے باقی اموال کے ساتھ ملایا جائے گا۔

ج......وہ حقوق معنوی جو منصوبہ کی ملکیت ہیں جب اس کی پیداوار بارآور ہو تو اس کے ساتھ وجوب زکوۃ کے بارے میں قسم ثانی کا معاملہ کیا جائے گا۔اس کا مجمع ہائے فقہی کی قراردادوں کے ساتھ اتفاق ہے جنہوں نے اس موضوع پر بحث کی ہے جیسے مصر میں مجمع بحوث اسلامیۃ نے اپنی دوسری کانفرنس میں ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء میں، اور مجمع فقہ اسلامی جو اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے تابع ہے جدہ میں ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۵ء نے اپنے دوسرے دورے میں۔اور کویت میں اس کی زکوۃ کی پہلی کانفرنس نے ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء ارا کین کی غالب اکثریت کے ساتھ۔

د......زکوتی موجودات سے اصول ثابتہ کو ضائع ہونے کے لئے مخصوص کرنے والے اسباب کو ختم نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اصول زکوتی موجودات میں داخل ہیں۔

پنجم: وہ موضوعات جن میں چیک ہوں...... چار موضوعات کے متعلق عمل کے کاغذات پیش کرنے کے بعد:

۱......زیورات کی زکوۃ۔

۲......وہ جہات اور طرفین جنہیں زکوۃ گزار کا زکوۃ دینا جائز نہیں۔

۳......قیمتی ذخائر کی زکوۃ۔

۴......صدقۂ فطر متوقع مبلغوں کے ساتھ قبضہ سے پہلے صرف کرنا۔

اس بارے میں دوبارہ ابحاث کی سفارش کی جاتی ہے جو ابحاث فنی تصورات اور فقہی توجہات پر مشتمل ہوں گی اور یہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئندہ کی مجالس میں اس کی بحث کی جائے گی۔

ششم: عام سفارشات: ۱......سابقہ اپیل کی تاکید کہ اسلامی حکومتیں زکوۃ جمع کرنے اور اس کے شرعی مصارف میں تقسیم کرنے کا اہتمام کریں گی۔

۲......سابقہ اپیل کی تاکید زکوۃ کے لئے انتظامی قوانین صادر کئے جائیں جن میں موجودہ حالات اور نئی چیزوں کی رعایت ہو۔

۳......زکوۃ کے اداروں اور دوسرے تعلق والے ادارون میں تعاون وربط پیدا کرنا۔

۴.....حکومتوں کا زکوٰۃ کے ادارں کے گوشواروں کی بنیاد ڈالنا۔

۵.....اسلامی حکومتوں کو عمل کی قانون سازی کی انصاف پسندی کی دعوت دینا تا کہ وہ شریعت اسلامیہ کے احکام کے موافق ہو۔

۶.....عالمی اسلامی تنظیموں کو کام کرنے اور معاشرتی بیمہ اور عمل کے لئے اسلامی تنظیم قائم کرنے کی دعوت دینا جن کی بنیاد شریعت اسلامیہ پر ہو۔

۷.....''زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کی پانچویں مجلس'' میں شرکاء نے مسلم معاشرے اور اسلامی حکومتوں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی علاقوں میں نکالنے کی کوشش میں سخاوت سے کام لیں جنہیں جنگوں نے کہیں کا نہ چھوڑا، یا ظالموں کے ساتھ بقا کی جنگ کا ہجوم غوطہ زن ہوگا۔

وصلی اللہ علی سیدنا ونبینا محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم

چھٹی مجلس: فتاویٰ اور سفارشات.....فتاویٰ اور سفارشات موضوع (زکوٰۃ دینے کے التزام پر عملی تطبیقات)

۱.....پہلی مجلس کی اپیل پیرا ۶ میں جو پہلے بیان ہوئی ہے مجلس اس کی تاکید کرتی ہے کہ اسلامی حکومتوں کو اسلامی علاقوں میں درست عمل کی دعوت دینا تا کہ زندگی کے تمام میدانوں میں اسلامی شریعت کو عملی شکل دی جائے اس مہم میں سے زکوٰۃ کی جمع اور اس کے شرعی مصارف میں خرچ کرنا ہے۔

۲.....زکوٰۃ کی پہلی مجلس کے فتاویٰ میں (۶۔د) جو بات آئی ہے مجلس اس کی تاکید کرتی ہے اور جس کا تعلق غیر مسلموں پر معاشرتی ذمہ داری کا ٹیکس مقرر کرنے کے ساتھ ہے جس سے ان کی مسلمانوں کے ساتھ برابری ہوجائے گی کہ مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے کا پابند کیا جاتا ہے۔

۳.....کمپنیوں سے پابندی کے طور پر زکوٰۃ جمع کرنے کے وقت یہ پابندی کمپنی کے تمام زکاتی اموال کو شامل ہوگی غیر مسلموں سے جو وصول کیا جاتا ہے اسے زکوٰۃ شمار نہیں کیا جائے گا۔

۴.....زکوٰۃ جمع کرنے کے التزام کے وقت مال حرام پر زکوٰۃ کی مقدار مقرر کی جائے گی جسے مصارف زکوٰۃ اور عمومی بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا مساجد اور قرآن مجید کو مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ اس کی خاص حساب میں وضاحت کی جائے گی اور اموال زکوٰۃ سے نہیں ملایا جائے گا۔

۵.....زکوٰۃ دینے کو لازم کرنے کی حالت میں حکمران کے لئے جائز ہے یا جو اس کا نائب ہو اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ ظاہری اموال کے مالکوں کو اپنے اموال کی زکوٰۃ کو اپنی شناخت کے ذریعے زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنے کی ذمہ داری سونپے رہے اموال باطنہ تو ان کا تصرف ان کے مالکوں کے حوالے ہے صرف اس کی رعایت رکھی جائے جو موجودہ دور میں پانچویں مجلس میں اموال کے ظاہری اور باطنی مشمولات کے بارے میں خصوصی سفارشات میں تحریر ہوا ہے۔

۶.....ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے مال کے لئے مخصوص فنڈ بنائے جائیں جو زکوٰۃ کے بیت المال کے درجہ میں ہوں جن میں زکوٰۃ کے اموال کو اس کے شرعی مصارف میں خرچ کرنے کے لئے رکھا جائے انہیں حکومتی عام خزانہ میں شامل نہ کیا جائے۔

اور چوتھی مجلس میں جو باتیں خاص سفارشات میں زکوٰۃ کے عاملین کے بارے میں آئی ہیں ان کی رعایت رکھی جائے۔

دوسرے موضوع کی سفارشات ''سامان تجارت کی زکوٰۃ''.....مجلس (سامان تجارت کی زکوٰۃ) کے موضوع کے

بارے میں خاص فتاویٰ اور سفارشات صادر کرانے کی امید دلاتی ہے یہاں تک کہ موضوع بحث میں مزید جدید اضافے شامل ہو جائیں اور جسے آئندہ مجلس میں پیش کیا جائے۔

تیسرے موضوع ''صدقہ فطر'' کی سفارشات اور فتاویٰ: ۱.....صدقۂ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جس کے پاس اپنی اور جن کا نان نفقہ اس پر لازم ہے کی خوراک ہو اور یہ صدقہ عید کے دن اور اس کی رات واجب ہوتا ہے اور اس کی یہ ملکیت اس کی ضروری حوائج سے زائد ہو۔ اس پر اپنی بیوی اور ان کم سن بچوں کا صدقۂ فطر بھی لازم ہے جن کے پاس مال نہیں۔ اس کی وہ اولاد جن کا خرچ اس پر لازم نہیں ان کا صدقۂ فطر بھی اس پر واجب نہیں۔ یا اس کے وہ خدام اور جن لوگوں کا بوجھ بطور مدد اس نے اپنے ذمہ لیا جیسے یتیم، طالب علم یا فقیر وغیرہ۔

۲: صدقۂ فطر میں واجب..... کھجور کا ایک صاع (خاص پیمانہ) یا جو اور کشمش یا گندم کا ایک صاع ہے صاع ایک ناپ ہے جس میں موجودہ دور کے اوزان سے وزن کی جانے والی چیزوں کی دو کلو اور چوتھائی تقریباً گندم کی گنجائش ہوتی ہے۔

۳.....صدقہ فطر میں اصل تو وہ اجناس دی جائیں جن کی صراحت حدیث میں ہے اسی طرح علاقے والوں کی عمومی خوراک دینا بھی جائز ہے جیسے چاول، گوشت اور دودھ۔ غیر منصوص اجناس میں منصوص علیہ کا اعتبار کرتے ہوئے ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا گوشت میں مثلاً اس کی اتنی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا جو ایک صاع گندم کے مساوی ہو، اسی طرح باقی منصوص علیہ اجناس کا حکم ہے۔ واجب کی قیمت کو نقداً صدقۂ فطر میں دینا جائز ہے مطلوبہ جہات کے لئے سالانہ اس قیمت کا اندازہ کرنا ممکن ہے۔

۴.....اصل تو یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، عید کے دن سے اس کی تاخیر کرنا حرام ہے اس کی قضاء واجب ہے اسی طرح بوقت ضرورت آغاز رمضان میں اس کا دینا جائز ہے۔

۵.....صدقۂ فطر میں وکیل بنانا جائز ہے۔

۶.....زکوٰتی اداروں کے لئے صدقۂ فطر کی اشیاء کو نقدی میں منتقل کرنا یا اس کا برعکس کرنا حسب حاجت اور مصلحت جائز ہے۔

۷.....جس شہر میں صدقۂ فطر واجب ہوا وہاں سے صدقہ فطر دینے والے کا اپنے ان ان عزیز واقارب کی طرف شہر سے باہر منتقل کرنا جائز ہے جو زیادہ قریبی اور محتاج ہوں۔ اسی طرح جس شہر میں صدقۂ فطر واجب ہوا جب وہاں کوئی محتاج نہ ہو تو اسے منتقل کرنا جائز ہے۔

۸.....صدقۂ فطر دینے کے لئے نیت ضروری ہے نیت کے قائم مقام ثابت اجازت بھی ہے خواہ عادتاً اور عرفاً ہو۔

۹.....زکوٰتی اداروں کے لئے مصلحت یا حاجت کے تحت اپنے پاس جمع شدہ فطرانوں کو عید کے بعد تک صرف کرنے کے لئے مؤخر کرنا جائز ہے۔

۱۰.....فطرانوں کو فقراء اور مساکین پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے اور زکوٰۃ کے عام مصارف میں بھی ان کا صرف جائز ہے۔

چوتھا موضوع (زیورات کی زکوٰۃ کی سفارشات): ۱.....مجلس نے عورتوں کے استعمال کے زیورات کے بارے میں زکوٰۃ کے حکم کے موضوع کو پیش کیا ہے، اس موضوع کے مختلف پہلوؤں سے مطالعہ اور سابقہ ابحاث کے اردگرد ہونے والی بحث سننے کے بعد واضح ہوا کہ اسلامی فقہ میں دو جہتیں ہیں: ایک جہت سے عورتوں کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ دوسری جہت سے زکوٰۃ واجب نہیں۔

مجلس کے شرکاء کی رائے ہے کہ دونوں جہتوں میں سے ہر ایک دلیل وحجت ہے یوں اہل کے لئے دو میں سے ایک رائے کو اختیار کرنے جو ان کے نزدیک راجح ہو گنجائش ہے۔

۲..... عورتوں کے زیورات میں عدم زکوٰۃ کی رائے اختیار کرنے کے وقت مندرجہ ذیل ضوابط کی رعایت کی جائے گی۔

الف..... کہ استعمال مباح ہو، لہٰذا حرام استعمال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جیسے آرائش کے زیورات کے مجسمے۔

ب..... زیورات سے آرائش مقصود ہو اور جب ان سے مقصود ذخیرہ اندوزی یا تجارت ہو تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔

ج..... برتنوں کی ضرورت کا استعمال مستقبل بعید کے لئے نہ ہو جیسے کوئی اسے اپنی بیوی کو زیور میں دینے کے لئے بطور ذخیرہ رکھے۔

د..... زیورات آرائش کے لئے باقی رہیں اسی بنا پر وہ ٹوٹے ہوئے زیورات جن کا استعمال بناوٹ اور کانٹ چھانٹ کے بعد ہوتا ہے ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور ان کے ٹوٹنے کے وقت سے سال کا شمار کیا جائے۔

ہ..... استعمالی زیوروں کی مقدار معاشرے کے اعتدال اور ارادے کی حدود میں ہو البتہ جب فضول خرچی اور اسراف کی حد تک پہنچ جائیں تو حد اعتدال سے زائد میں زکوٰۃ واجب ہے۔

۴..... سونے کا نصاب بیس ۲۰ دینار (۸۵ گرام تقریباً) خالص سونے کے اور چاندی کا نصاب خالص چاندی کے ۲۰۰ درہم (۵۹۵ گرام تقریباً) جس زیور میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس میں وزن کے نصاب کا اندازہ لگایا جائے گا نہ کہ وزن اور بناوٹ سے حاصل ہونے والی قیمت کا۔

۵..... جو زیورات سونے، چاندی کے علاوہ ہیں جیسے یاقوت اور جواہرات موتی، جب تک یہ تجارت کے لئے نہ ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں جیسا کہ مجلس کے شرکاء نے مندرجہ ذیل اپیل پیش کرنے میں رائے ظاہر کی ہے: زکوٰتی اداروں کے لئے بوقت ضرورت اپنی آمدنیوں سے قرض لینے کی اجازت ہے، تاکہ زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کیا جائے جب تک کوئی شرعی مانع یا دینے والی کی شرط نہ ہو۔

ساتویں مجلس..... حکومت کویت میں زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کے لئے ۲۲۔۲۴ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۹/۴۔۱/۵/۱۹۷۹ء سفارشات اور فتاویٰ

عام سفارشات..... مجلس اسلامی ملکوں کی حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ زندگی کے مختلف حصوں ثقافتی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی میں اسلامی شریعت کو عملی شکل دیں خصوصاً زکوٰۃ کے فریضے پر جمع اور صرف کے لحاظ سے توجہ کرنا ان تمام وسائل کے ذریعے جن سے اس کی حفاظت ہو اور مقررہ طریقوں کی رہنمائی ہو اور اس کے لئے خصوصی ادارے قائم کر کے اور تحقیق کے وہ مراکز لگا کر جو اس کے آثار کی نگرانی پر کام کرتے اور معاشرتی واقتصادی زندگی میں اس کے اہداف کو ثابت کرنے کے لئے سب سے کامیاب طریقے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

۲..... عربی اور اسلامی جامعات (یونیورسٹیوں) میں زکوٰۃ کا حساب اور فقہ پڑھانے کی گنجائش تاکہ ایسے افراد کی تیاری ممکن ہو جن کے پاس زکوٰۃ سے متعلق حسابی اور فقہی سوجھ بوجھ ہو۔

۳..... عربی اور اسلامی حکومتوں میں اکاونٹ آفس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کے حساب کتاب کا اہتمام کرے تاکہ زکوٰۃ کو عملی شکل دینے میں یہ موجودہ اہتمام کئی اسلامی، عربی علاقوں، کمپنیوں اور اداروں کے موافق ہو۔

۴..... زکوٰۃ کی عالمی شرعی کمیٹی متعلقہ افراد کے لئے زکوٰۃ کے متعلق ہونے والی ابحاث، حلقوں اور دوروں کا انتظام کرے۔ کیونکہ

فریضہ زکوٰۃ کو عملی شکل دینے میں اس کے اچھے ثمرات ہیں۔

۵.....زکوٰۃ کے میدان میں موجودہ تحقیقات میں اکاونٹ آفیسرز، ماہرین اقتصادیات ومعاشیات اور مفتیان حضرات کے درمیان تعاون میں کوشش وگنجائش ہونا اور مضمون کی حفاظت کے ساتھ فقہی اصطلاحات کے لئے آسانی پیدا کرنا۔

پہلا موضوع: معنوی حقوق کی زکوٰۃ: ۱.....معنوی حقوق (جیسے تجارتی نام، تجارتی الاؤنس تالیف اور ایجاد کرنا) کی عرف میں ایک مالی قیمت ہوتی ہے جو شرعاً معتبر ہے جن میں شرعی ضوابط کے مطابق تصرف کرنا جائز ہے اور یہ حقوق محفوظ ہوتے ہیں ان پر تعدی اور ظلم جائز نہیں۔ اور یہ مجمع فقہ اسلامی کی اس قرارداد کے موافق ہے جو اسلامی کانفرنس کی طرف سے کویت میں ۱۴۰۹ھ اس کے پانچویں اجلاس میں صادر ہوئی۔

۲.....تالیف اور ایجاد کے حقوق میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ اس میں زکوٰۃ کی ساری شرطیں معدوم ہیں لیکن جب اس کا نفع ہوتو اس کے نفع اور پیداوار پر مال مستفاد (حاصل ہونے والے مال) کا حکم لاگو ہوگا۔

۳.....تجارتی نام، تجارتی الاؤنس اور تجارتی علامت کو جب تجارت کی نیت سے خرید لیا جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ متصل ہو یا جدا ہو جب سامان تجارت کی باقی تمام شرطیں موجود ہوں۔

۴.....ایجادی پروگراموں میں آغاز کار سے ہی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے (جیسے کمپیوٹر کے پروگرام) اور جو ان کے حکم میں ہیں جو افراد اور کمپنیاں دوسروں کی کوششوں سے تیار کرتی ہیں ان کا مالک ہوتی ہیں تجارت کی نیت ہوتی ہے۔ ❶

دوسرا موضوع.....تجارتی سامان کی قیمت لگانے کے لئے حسابی اصول:

سب سے پہلے: تجارتی سامان کی قیمت لگانے سے مقصود.....اس کا نقدی قیمت کے ساتھ اندازہ لگانا جو نصاب کی پہچان پر موقوف ہے اور زکوٰتی مد کی حد پر اس مقدار کی پہچان کے لئے جس کا نکالنا واجب ہے مبنی ہے۔

دوم: لگانے کی جگہ.....جس میں تجارت کی خصوصی شرطیں مکمل طور پر پائی جائیں اصول ثابتہ کی پیشی کے بغیر اور وہ شرطیں یہ ہیں:

۱.....سامان کی ملکیت کے وقت تجارت کی نیت مکمل ہو۔

۲.....سال مکمل ہونے سے پہلے مہارت کے قصد کے بغیر مالک کی نیت تجارت سے حصول میں تبدیل نہ ہو۔

سوم.....مجلس اول کے فتویٰ (۱۱) میں جو بات آئی ہے اسے مکمل کرنے اور اس کی وضاحت کرنے کے لئے: ہر تاجر کی تقویم اس کے حساب سے ہوگی خواہ وہ تھوک کا تاجر ہو یا پرچون کا۔ اس نرخ سے جس کے ذریعے سال کے وقت (تبادلہ کی قیمت) اس کے لئے عموماً خریداری ممکن ہو اور وہ بیچنے کے نرخ (بازاری قیمت) تاریخی تکلف اور دفتری مشقت سے مختلف ہوتا ہے۔

چہارم.....جب زکوٰۃ واجب ہونے کے دن اور ادائیگی کے دن کے نرخوں میں تبدیلی ہو جائے تو وجوب کا نرخ معتبر ہے خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ۔

پنجم.....منتقل ہونے والے سامان کی زکوٰۃ قبضہ سے اس کے مالک پر ہے متعین سامان کی ملکیت صرف عقد کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور خریدے ہوئے سامان میں بیان کرنے سے قبضہ کے ذریعے، حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا وہ سامان جس کا وصف راستے پر ہوا

❶.....یعنی پیداوار کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

اگر بکنگ کی جگہ میں حوالے کرنے کی بنیاد پر خریدا گیا ہو (F-O-B) تو لوڈر کے حوالہ کرنے سے ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو وصولی کی جگہ (C-I-F) میں حوالے کرنے کی بنیاد پر خریدا گیا ہو وصولی اڈا پر پہنچنے کے وقت ملکیت میں داخل ہوگا۔ تجارت کے سامان کی تقویم نرخ کی بنیاد پر اس کی موجودگی کی جگہ میں ملکیت کے حصول کے بعد ہوگی۔

ششم..... جب تجارت کے اموال مختلف سکوں پر مشتمل ہوں یا سونا چاندی ہو تو جس مقدار واجب کا دینا واجب ہے اس کی معرفت کے لئے اس سکہ سے تقویم (قیمت لگائی جائے) گی جسے تاجر نے اپنے سامان تجارت کی تقویم کے لئے اختیار کیا ہے اور یہ وجوب کے دن رائج نرخ کے ذریعے ہوگا۔

ہفتم..... وہ قرضے جو تاجر کے لئے ہیں (قرضہ جاتی ذمہ داریاں، اور ور قبضہ کے تجارتی چیک) پورے مبلغ سے ان کی قیمت لگائی جائے گی جب ان سے قرض چکانے کی امید ہو اگر امید نہ ہو تو اس سے یہ مقدار ختم کردی جائے گی تو جس کی فی الحال امید ہو اس کی اور جس کا قبضہ بعد میں ہوگا اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

ہشتم: الف..... زکوٰۃ کے حساب کے لئے آسان موازنہ، جن میں سے تجارتی سامان ہے میمون ابن مہران کے مقولہ کے مطابق جو یہ ہے (جب تم پر زکوٰۃ واجب ہو تو دیکھو تمہارے پاس نقدی یا بیچنے کے لئے جو سامان ہے اس کی نقدی قیمت لگالو اور جو قرض کی زیادہ مقدار ہو اس کا حساب کرلو پھر اس میں سے جو قرض کی مقدار ہو اسے کم کرلو اور باقی ماندہ کی زکوٰۃ دو) معادلہ (موازنہ) یہ ہے:

زکوٰۃ واجبۃ ...... (سامان تجارت + نقدی + غیر پر جن قرضوں کی امید ہے۔ وہ قرضے جو تاجر پر ہیں) x قمری سال کے لحاظ سے زکوٰۃ کا تناسب ۵، ۲٪ یا شمسی سال کے لحاظ سے ۷۷ ۵، ۲٪

ب..... تجارت کی زکوٰۃ کے حساب کے لئے زکوٰتی موجودات کو ان کے اسٹاک زکوٰۃ کے وجوب کے دن کی تقویم کے ساتھ دیکھا جائے گا اور یہ کام مالی مرکز کے گوشوارہ کی مدد سے منافع، اور خساروں کے حساب میں، نفع اور نقصان کے وجود سے قطع نظر کرکے کیا جائے گا۔

ج..... زکوٰۃ کے وجوب اور ادائیگی کے عمومی شرائط کی رعایت کرنا ضروری ہے جس کے ساتھ سامان تجارت کی خصوصی شرطیں شامل ہیں۔

نہم: الف..... سامان تجارت کی تقویم نصاب تک پہنچنے کی پہچان کے لئے سونے کے نصاب جو خالص سونے کے ۸۵ گرام کے مساوی ہے کی بنیاد پر کی جائے گی۔

ب..... جو مواد لفافہ سازی اور تھیلوں کے لیے تیار ہو اس کی علیحدہ قیمت نہیں لگے گی۔ جب انہیں الگ بیچنے کی غرض سے نہ خریدا ہو اور جب تجارتی سامان بیچنے کے لئے ان سے کام لیا جاتا ہو تو اس وقت ان کی قیمت لگائی جائے گی جب اس سامان کی قیمت میں اضافہ کریں جیسے خاص قسم کے بیگ اور اگر قیمت میں اضافہ نہ کریں جیسے لفافہ بنانے کے کاغذ تو وہ تقویم میں داخل نہیں ہوں گے۔

تیسرا موضوع: موجودہ دور کے تجارتی سامان کی صورتوں کی زکوٰۃ کے احکام سب سے پہلے

قرضے کے چیکوں کی زکوٰۃ...... قرضے کے چیکوں کے وہ اموال جن کی شرعی ضوابط پورے ہوں ان میں زکوٰۃ کی مکمل شرطیں پائے جانے کے ساتھ سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

دوم: زمینوں کی زکوٰۃ......زمین اگر زرعی ہے تو اس کی پیداوار کی زکوٰۃ دے گا فصلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ یا وہ زمین تجارت کے لئے ہوگی تو سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

اور اگر اجرت وٹھیکہ پر دینے کے لئے ہو تو زکوٰۃ کی مکمل شرطیں پائے جانے کے ساتھ اس کے ذرائع آمدنی پر سال گزرنے کے عرصہ میں زکوٰۃ ہوگی اور اگر ذاتی نفع کے لئے ہو جیسے اس میں گھر تعمیر کرنے کے لئے اسے خریدا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

سوم: خام مال (جو صنعت کاری میں شامل ہو) اور امدادی سامان کی زکوٰۃ

ا......خام مواد جو صنعتی مادہ کی ترکیب میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو جیسے گاڑیاں بنانے میں لوہے کا استعمال اور صابن سازی میں تیل کا استعمال تو اس میں زکوٰۃ اس کی اس قیمت کے مطابق ہوگی جس سے سال کے اختتام پر اسے خریدنا ممکن ہو اس کا انطباق ان حیوانات پر ہوتا ہے جو کھیل تماشے کے لئے تیار ہوں اور ان نباتات (پودوں) پر بھی ہوتا جو شجر کاری کے لئے تیار کیے گئے ہوں۔

۲......امدادی مواد جو صنعتی مادہ کو ترکیب دینے میں شامل نہیں ہوتا جیسے ملوں کارخانوں میں ایندھن تو اصول ثابتہ کی طرح اس میں زکوٰۃ نہیں۔

چہارم: تیار اور نا تمام سامان کی زکوٰۃ......تیار اور نا تمام سامان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی جو سال کے آخر میں اس کی اس قیمت کے مطابق ہوگی جب اسے رکھا گیا۔

پنجم: سامان تجارت کے ساتھ زکوٰۃ کے دوسرے سبب کا جمع ہونا......جب سامان تجارت کے ساتھ زکوٰۃ کا دوسرا سبب جمع ہو جائے جیسے چوپائے یا فصلیں تو سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

ششم: بکی ہوئی چیز کی پسندیدگی کی مدت میں زکوٰۃ......پسندیدگی کی مدت میں بکی ہوئی چیز کی زکوٰۃ اس کے مالک کے ذمہ ہے۔

ہفتم: سلم کی زکوٰۃ......سلم کے ثمن میں زکوٰۃ بیچنے والے (مسلم الیہ) کے ذمہ ہے جس تاریخ سے اس نے ثمن پر قبضہ کیا ہے اس سے سال کو شمار کیا جائے گا رہی بکی ہوئی چیز (مسلم فیہ) تو اس کی زکوٰۃ قبضہ سے پہلے قرضوں کی زکوٰۃ کی طرح ہے اور قبضہ کے بعد اگر وہ تجارت کے لئے ہو تو سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

ہشتم: آرڈر کی زکوٰۃ......آرڈر کی زکوٰۃ میں سلم کی زکوٰۃ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

خاتمہ......اگرچہ میں نے جو کچھ لکھا ہے تحقیق اور دقت نظر سے لکھا ہے پھر بھی میں اسلامی فقہ کی عظمت، بار آوری اور شمولیت کے سامنے ششدر و حیران رہ جاتا ہوں پھر فقہاء کی گہری نظر، ان کی فصاحت کی وسعت و احاطہ اور مسائل کی تلاش اور فروعات و جزئیات کا استقصاء و اندازہ کرنے میں ان کی حرص و دلچسپی وہ بھی ان کے صحیح نہج میں، اور وہ یہ ہے کہ فقہ فروعی شے ہے کسی متعین نظریہ کے بیان پر تفریع میں اعتماد نہیں کیا جاتا، پھر اس کے متعلقہ امور سے بحث کی جاتی ہے۔ میں اس بات کی صراحت کرتا ہوں کہ میں نے ان تمام باتوں کا احاطہ نہیں کیا جو فقہاء کرام نے اپنے اپنے مذاہب میں تفریعات اور جزئیات کی صورت میں بیان کی ہیں۔ اور نہ یہ مرا مقصد تھا کہ فقہی مذاہب سے فقہی فروعات کو جمع کروں میرا مقصد تو صرف عمومی نظریہ کی وضع کے لئے تمہید پیش کرنے والے فقہی موضوع کے اصول اور بحث کے ڈھانچہ کی بنیاد کے تصور کو وضع کرنا ہے ساتھ ساتھ کتاب میں بہت سے نظریات شامل کئے جائیں گے۔

پھر میں نے ہر بحث کے لئے بنیادی ڈھانچہ مقرر کرنے کے علاوہ پورا زور تحقیق مسائل کو منظم کرنے، موازنہ، اصل بنانے پر لگا دیا یعنی مذاہب کی تحقیق راجح رائے کی پہچان جو معتمد رائے ہو، بحث کو منظم کرنا، پیش کش اور بیان کرنا اس انداز سے ہو جو ہر موضوع کی مختلف چیزوں کو جمع کرے اور اس کے کئی اطراف کی معرفت ہو۔ وجہ تقابل یا ان میں اتحاد یا اختلاف وافتراق کی وجوہات پہچاننے کی خاطر مذہبی آراء میں موازنہ کرنا، جس میں کسی رائے کو ترجیح ہوگی یا نہیں ہوگی موجودہ فقہی ثروت پر باقی رکھتے ہوئے یہ کام کیا گیا ہے تاکہ سب لوگوں کے لئے وقت اور جگہ کے اختلاف کے ساتھ ان سے استفادہ کرنا ممکن ہو۔ رہا اصل بنانا تو وہ ہر مذہبی حکم کو اس کے معتبر مراجع کی طرف حسب استطاعت لوٹانا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے اس کی کوشش کی ہے کہ ہر مذہب کی دلیل بیان ہو کر رہے کیونکہ فقہی اختلاف ضرورت نہیں جن میں فقہاء معذور نہیں اس لئے کہ نص کے سمجھنے یا حدیث نبوی کے ثابت ہونے اور فقہیہ تک مقبول معتبر طریقے سے حدیث پہنچنے میں یا نہ پہنچنے میں یا مصالح اور عرف کی رعایت وغیرہ میں جو گنجائش واعتبارات ہیں ان میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

اسلوب...... کے بارے میں بتا تا چلوں کہ میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ یہ کتاب واضح آسان اور تفصیلاً ہو۔ فقہاء کی جو عبارتیں دقیق اور مختصر ہونے کے ساتھ واضح تھیں اور ان میں کوئی اشکال بھی نہیں تھا تو میں نے ان سے اعراض نہیں کیا اور اگر ان میں کوئی پیچیدگی تھی تو میں نے دوسری عبارت کے ذریعے مراد کو واضح کر دیا جس میں کوئی الجھن اور سمجھنے کی دشواری نہ ہو میں نے مذاہب کی آراء کے درمیان جہاں تک ممکن ہوا ان شرائط کو لکھنے کے ذریعے جن پر اتفاق ہے آراء کی وحدت ظاہر کرنے کا ارادہ کیا ہے پھر شرط کے اضافہ کے ساتھ کسی بھی مذہب کی مخصوص رائے پر تنبیہ کردی یا کوئی انفرادی قید لگا دی یا کسی بھی شرط کے سمجھنے ممانعت کے ذریعے ایسا کیا گیا ہے۔

جو مذاہب کی آراء میں نے جمع کی ہیں ان سے ایک مسلمان کو اطمینان ہوسکتا ہے ان میں سے وہ جس کی چاہے تقلید کرے بشرطیکہ اس کا فعل مکلف بننے کی شرعی حد سے چھٹکارا پانے یا کسی ممنوع یا گناہ میں پڑنے یا تقلید میں ہنسی مزاح یا فضول میں جس کی نہ ضرورت وحاجت ہو اور نہ معذوری رخصتوں کو تلاش کرنے کا سبب نہ بنے۔

اکثر وبیشتر میں نے مذاہب میں ترجیح دینے میں دخل نہیں دیا ہے تاکہ پڑھنے والا جس کے صحیح ہونے پر مطمئن ہو اسے بغیر مخصوص مذہبی تعصب کے اختیار کرلے۔ اور بسا اوقات میں نے ترجیح بھی دی ہے۔ عموماً جمہور کی رائے کو راجح قرار دینا ممکن ہے جب تک کوئی ایسی مصلحت ظاہر نہ ہو جس کا تقاضا اس کے مقابل رائے کو اختیار کرنے کا ہو اور ان شاذ آراء کی طرف تو میں نے بالکل توجہ نہیں دی جنہیں مجتہدین عظام نے مہمل قرار دیا ہے اور بعض جدت پسند مصنفین نے اس گمان سے انہیں زندہ وجاندار کر دیا کہ وہ سنت نبوی کا فقہ ہے۔ جس سے عوام التباس وشک میں پڑ جاتے ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک راجح اور مستند رائے اور اس شاذ رائے کے منسوخ ہونے کی طرف یہ لوگ التفات نہیں کرتے۔ شاذ ونادر ہی میں نے کسی مذہبی حکم کو دوسرے مذہب کی کتاب سے نقل کیا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مجھے آسانی سے اس مخصوص مذہب کی کتاب نہیں ملی۔

بسا اوقات کسی شخص کو حاشیہ میں کوئی راجح مذہبی رائے مل جاتی ہے یا کسی ایسی کتاب سے مطلع ہوجاتا ہے جس کا مطالعہ کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ کیونکہ مجھے کتابوں کے تمام حواشی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر اصل کتابوں سے مراجعت کی ہے لہٰذا اگر میں پڑھنے والے یا تحقیق کرنے والے کے لئے گوہر مقصود پیش کرنے میں کامیاب رہا تو یہی مراد ہے اور اگر کوتاہی ہوئی یا میں اصل حقیقت یا مطلب تک نہیں پہنچا تو یہ غیر مقصودی غلطی ہے۔ پڑھنے والا اگر مجھے غلطی کے مقام سے متنبہ کردے تو اسے ثواب ملے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے ''ہر انسان کی بات چھوڑی اور لی جاسکتی ہے سوائے اس ستون والی ذات کے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اور مشہور مصنف عماد اصفہانی فرماتے ہیں: میری رائے یہ ہے آج جو انسان کوئی کتاب لکھتا ہے وہ کل یا پرسوں ضرور یہ کہے گا۔ اگر اس عبارت کو بدل دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگی۔ اگر یہ اضافہ کر دیا تو بہتر ہے۔ اور اگر اسے مقدم کر دیا جائے تو زیادہ اچھا

ہے اور اگر اس عبارت کو ترک کر دیا جائے تو زیادہ بھلی لگے گی۔اور یہ سب سے بڑی عبرت ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزوری تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔''

اس سب کے باوجود یہاں کتاب کے نکلنے اور عالم اسلام میں اس کی تقسیم اور دوسری زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکنے اور نو سالوں میں اس کے بارہ ایڈیشن نکل جانے کے بعد دو باتیں ملحوظ رہیں کیونکہ یہ کتاب اپنے ساتھ کی کتاب (التفسیر المنیر) کی طرح حکومتی اور غیر حکومتی کتابوں میں زیادہ رواج پانے والی ہے۔

۱.....بعض لوگوں نے گمان کیا کہ میں مذہب حنفی کو دوسرے مذاہب سے اس لئے مقدم رکھتا ہوں کہ میں خود حنفی المسلک ہوں لیکن میں شافعی المسلک ہوں جب کہ میں نے تو مذہب حنفی کو اس لئے مقدم رکھا پھر مذہب مالکی پھر شافعی اور پھر حنبلی کو رکھا تاکہ سبقت زمانے کی ترتیب اور ان کے ائمہ کے پہلے ہونے کی رعایت رکھی جائے۔

نیز مذہب حنفی جسے میں بحث کا قاعدہ بناتا ہوں یہ تمام مذاہب میں سے زیادہ بار آور اور تفریعات پر مشتمل ہے اگرچہ مذہب شافعی دنیا میں زیادہ پھیلا ہے۔جیسا کہ انڈونیشیا، ملائیشیا اور ایشیاء کا مشرقی جنوبی حصہ جو دوسو لاکھ کو شامل ہے۔اکراد، مصر، شام اور عمان وغیرہ کے علاقوں، جیسے کیرلا کے چوراہے۔جنوبی ہند میں کالی کٹ کا علاقہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔

۲.....ترجیح یا دقیق مفہوم میں اختیار جسے میں کبھی کبھار اپناتا ہوں وہ کسی خواہش یا کسی مذہبی تعصب کا نتیجہ نہیں۔اور نہ دوسرے مذاہب پر فوقیت کی وجہ سے وہ تو دلیل کے کمزور ہونے یا فقیہ کی دوسری جدید رائے جسے وہ معتمد سمجھتا ہے یا میرے اندازے میں موجودہ مصلحت کے لئے راجح ثابت ہونے کی وجہ سے ہے اس سے وہ کسی مذہب کی رائے ہونے سے خارج نہیں ہوتی۔لہٰذا اس کے بعد اچھنبے یا تنقید کی کوئی وجہ یا علمی حقیقت سے بے نیازی برتی جائے اور یہ بھی معلوم ہے کہ میں یونیورسٹیوں میں پینتیس ۳۵ سال سے زائد عرصہ سے فقہ پڑھا رہا ہوں جو بھی ہو میں اس کام پر فخر محسوس کرتا ہوں جس نے فقہ کو طالب علم، فقیہ بننے والے اور محقق کے لئے آسان کر دیا ہے۔اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمت سے صالح اعمال کی تکمیل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی استاد و پرنسپل شعبہ الفقہ الاسلامی واصولہ جامعہ دمشق کلیۃ الشریعۃ۔

اہم مراجع: فقہ حنفی......الخراج لابی یوسف۔ مطبعہ سلفیہ مصر (۱۳۵۲ھ)

المبسوط للسرخسی۔ طبعہ اولی۔ مطبعہ السعادۃ۔

الاموال لابی عبید۔ طبع قاہرہ۔ (۱۳۵۳ھ)

مختصر الطحاوی۔ مطبعہ دار الکتب۔العربی مصر۔

تحفۃ الفقہاء۔ للسمرقندی۔ دار الفکر دمشق۔

البدائع للکاسانی۔ طبع اول۔

فتح القدیر شرح الهدایۃ۔ ابن ہمام محمد بن عبدالواحد طبع مصطفی محمد قاہرہ۔

تبیین الحقائق۔للزیلعی۔ المطبعۃالامیریۃ۔

الفتاویٰ الھندیۃ۔ لجماعۃ من علماء الھند۔ المطبعۃ الامیریۃ۔

حاشیۃ رد المحتار۔ لابن عابدین۔ علی الدر المختار للحصکفی، مطبعۃ البابی الحلبی مصر۔

اللباب شرح الکتاب للشیخ عبدالغنی المیدانی، مطبعۃ صبیح قاہرہ۔

مراقی الفلاح شرح نور الا یضاح للشیخ حسن بن عمار الشر نبلالی مطبعه علمیة مصر /۱۳۱۵ھ.
درالحکام فی شرح غرر الا حکام لملا خسرو، المطبعة الشرفیة (۱۳۰۴ھ)
الاشباہ و النظائر لابن نجیم مصری، دارالطباعة العامرة مصر /(۱۲۹۰ھ)
البحر الرائق لا بن نجیم،مطبعة البابی الحلبی مصر (۱۳۳۴ھ)
حجة اللہ البالغة للدھلوی، الطبعة الاولی مصر (۱۳۲۲ھ)

فقہ مالکی......المدونةالکبری۔ للامام مالک، روایة سحنون، مطبعةالسعادة (۱۳۲۳ھ)
المنتقی شرح المؤطا للباجی الا ندلسی، الطبعة الاولی۔
المقدمات المهدات لابن رشد القرطبی، مطبعة السعادة۔
بدایة المجتهد لابن رشد الحفید، مطبعة الاستقامة مصر۔
القوانین الفقهیة، لا بن جزی، مطبعة النهضة فاس۔
مواهب الجلیل للخطاب، وهامشه التاج والا کلیل للمواق، الطبعة الاولی۔
الشرح الکبیر للدردیر، بحاشیة الدسوقی، مطبعة البابی الحلبی مصر۔
الفروق للقرافی، مطبعة البابی الحلبی۔
الشرح الصغیر للدردیر بحاشیة الصاوی، دارالمعارف مصر۔
فتح الجلیل علی مختصر العلامة خلیل للخروشی، طبعه اولی، ثانیة بولاق (۱۳۱۷ھ)
شرح فتح الجلیل علی مختصر خلیل للشیخ محمد علیس، مطبعة کبری ۱۳۹۴ھ۔
فتح العلی المالک فی الفتویٰ علی مذهب الا مام مالک، للشیخ علیس مطبعة التقدیم مصر۔

فقہ شافعی......الام۔ للامام الشافعی، المطبعة الامیریه مصر۔
المهذب۔ لا بی اسحاق شیرازی، مطبعة البابی الحلبی۔
المجموع۔ للامام النووی وتکملة، للعلامه علی بن عبدالکافی السبکی والشیخ۔
محمد نجیب۔ المطیعی، مطعبة الا مام مصر۔
مغنی المحتاج۔ شرح المنهاج۔ للشربینی الخطیب، مطبعة البابی الحلبی، مصر۔
نهایةالمحتاج، الرملی، المطبعة البهیة المصریة۔
شرح الجلال المحلی للمنهاج، بحاشیة القلیوبی وعمیرة، مطبعة صبیح قاهره۔
حاشیة۔ البجیرمی علی شرح الا قناع فی حل الفاظ ابی شجاع، للشربینی الخطیب۔
مطبعة البابی الحلبی، مصر (۱۳۷۰ھ)۔
تحفة الطلاب بحاشیة الشرقاوی، مطبعة البابی الحلبی مصر۔
الا شباہ والنظائر للسیوطی، مطبعة مصطفیٰ محمد
الاحکام السلطانیةللماوردی، للطبعةالمحمودیة النجارة مصر۔

الميزان الكبرى للشعرانى وبهامشه رحمة الامة فى اختلاف الائمة لابى عبدالله دمشقى
ازعلماء صدى، هشتم، مطبعة البابى الحلبى۔
كفاية الاخيار لابى بكر الحصنى، طبع قطر، طبع چهارم۔

فقہ حنبلی......المغنى لا بن قدامه الحنبلى،طبع سوم، دار المنارة قاهره۔
كشاف القناع عن متن الا ناع للبهوتى مطبعة السنة المحمدية (فى بحث الجهاد)
ومطبعة الحكومة بمكة (فى البحوث الا خرى)
غاية المنتهى للشيخ مرعى بن يوسف، طبعه اولٰى،دمشق اور اس كى شرح، مطالب اولىٰ النهى، طبع المكتب الاسلامية دمشق۔
الا حكام السلطانية لابى يعلى، مطبعة البابى الحلبى۔
المحرر فى الفقه على مذهب الا مام احمد بن حنبل لا بى البركات، مطبعة السندية المحمدية
فتاوىٰ ابن تيمية، مطبعة كردستان العلمية۔
السياسة الشرعية۔ لابن تيمية، طبع سوم۔
الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية لا بن قيم الجوزية، مطبعة الادآب، مصر۔
اعلام الموقعين عن رب العالمين، طبع قاهره، تحقيق محى الدين عبدالحميد۔
القواعد لابن رجب الحنبلى، طبع اول۔
الافصاح عن معانى الصحاح لابن هبيرةالحنبلى، مكتبه حلبية۔

فقہ ظاہریہ......المحلى لا بن حزم، مطبعة الامام مصر۔

فقہ شیعہ امامیہ......الكافى، للكلينى، طبع سنگى۔
المختصرا لنافع فى فقه الامامية، دارالكتاب العربى مصر۔
الروضة البهية شرح اللمعة الدمشقية، دارالكتاب العربى، مصر۔
مفتاح الكرامة للحسينى العاملى، مطبعه الشورى۔

فقہ شیعہ زیدیہ......مجموع الفقه للامام زيد، طبع ميلانو۔
البحر الزخار، لابن المرتضىٰ، طبع اول۔
الروضالنضير شرح مجموع الفقه الكبير للحسين الصنعانى، طبع اول۔
فقہ اباضیۃ......شرح النيل وشفاء العليل للشيخ محمد اطفيش، مطبعه سلفيه۔

تخریج وتحقیق حدیث شریف......جامع الاصول لابن الا ثير الجزرى، مطبعة السنة المحمدية مصر۔
المنتقىٰ على المؤطا، مطبعة السعادة مصر۔
تنوير الحوالك شرح مؤطامالك، مطبعةالحلبى قاهره۔

نصب الراية في تخريج احاديث الهداية، للحافظ الزيلعي، تبیین الحقائق کے مصنف کے علاوہ والے۔طبع اول۔
التلخيص الحبير، لا بن حجر، طبع مصر۔
مجمع الزوائد للهيثمي، مكتبة القدسي مصر۔
المقاصدالحسنة للسخاوي، مكتبة الخانجي مصر۔
الجامع الصغير والفتح الكبير للسيوطي، طبع البابي مصر۔
كشف الحقاد مزيل االالتباس للعجلوني، مكتبة القدسي۔
اسنى المطالب لحوت البيروتي۔
المعجم المفهرس لا لفاظ الحديث النبوي، للفيف، مستشرق، مطبعه بريل لندن۔
سبل السلام للصنعاني طبع دوم۔
نيل الاوطار للشوكاني، مطبعه عثمانيه مصريه۔
الا لمام في احاديث الا حكام لا بن دقيق العيد، دارالفكر دمشق۔

قصیدۂ تقریظ......اس کتاب اور تفسیر منیر کے بارے میں تقریظ وتعریف کے کئی قصائد خواتین وحضرات کی طرف سے مجھے موصول ہوئے۔جن میں سے ایک قصیدہ یہ ہے۔

جس کا عنوان (علم کا سرچشمہ) اور یہ بات بھی علم میں رہے کہ جن مصنفین اور شعراء نے مجھ سے خط وکتابت کی ہے میں انہیں نہیں جانتا۔انہی میں سے معزز شاعر فرید الحسینی ہیں جنہوں نے میری طرف اپنا یہ قصیدہ بھیجا۔

آپ کے پاس چشمہ ہے جسے میں پی نہیں سکتا، کیا میں پانی سے پیاسا اور مسلوب محروم کردیا جاؤں گا میں علم کا بڑا شوقین ہوں لیکن آپ کی روشن کتاب کی طرف اس کی سواری ہے۔میں شریعت کے طریقہ اور معرفت کے لحاظ سے خواہش رکھتا ہوں اور فقہ اس کی بلندترین مطلوب ومقصود چیز ہے۔آپ نے انوکھا پسندیدہ مجموعہ تیار کردیا جس میں آپ کو برکت دی گئی اس کے لئے خوشخبری ہو جو اس خزانے کو سمیٹنے والا ہے جو آپ دینے والے ہیں۔اس کے ضمن میں روشن مسائل ہیں جو عقل کو تھامے ہوئے ہیں اور اسی میں ہر عجیب اور نفیس رائے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منہ بولتے دلائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے براہین ہیں، اسلام میں وہ بات سب سے زیادہ دانش مندانہ ہے جو آیت یا صحیح حدیث سے لی گئی ہو اگر لوگ مجھے تکلیف میں سے سب سے بہتر کا انتخاب کرنے کا اختیار دیں تو آپ کی فقہ کی جامع کتاب ہے جس سے پسندیدہ باتیں ملتی ہیں۔تفسیر منیر کے ذریعے آپ نے کتنی عقلوں کو روشن کردیا، کیونکہ آپ وہ روشنی دینے والے ہیں۔

جس کا ستارہ ہویدا اور چمکدار ہے۔زحیلی اپنی تالیف میں چمک کے اعتبار سے چھا گئے۔جیسا کہ زحل ستارہ بلند ہے جس کا جلوس اترا رہا ہے۔آپ نے ایسا راستہ اختیار کیا ہے جس پر آپ ہی اولین جانے والے ہیں۔شریعت کے لئے آپ کو سلام آپ وہ ہیں جس کا راستہ الگ ہے آپ نے فقہ کے ہر مشکل مسئلہ کی شرح کرکے وضاحت کردی ہے اللہ دے آپ کی خوبی ہے آپ علم دوست انسان ہیں۔ آپ کے مکرم ہاتھوں کے جام کے گھونٹ سے وہ شخص کامیاب ہوگیا جس کی روشن ضمیر کے پاس حاجت وضرورت ہو۔

سیرۃ اور سوانح پر دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

سیرۃ حلبیہ اردو اعلیٰ ۶۔ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبیؐ پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برھان الدین حلبیؒ
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۷ حصص در ۲ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے ہمراہ	علامہ شبلی نعمانیؒ / سید سلیمان ندویؒ
رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۳ حصے یکجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتاب	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق ″	خطبہ حجۃ الوداع سے استشہاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضورؐ کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدسؐ کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین	اس عہد کی برگزیدہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعۃ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین ″ ″ ″ ″ ″	
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	اُن خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	″ ″ ″ ″ ″ ″
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعۃ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرامؓ کی ازواج کے حالات و کارنامے۔	عبدالعزیز الشناوی
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ آسان زبان میں۔	ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ
اسوۂ صحابہ ۲ جلد کامل یکجا	حضور اکرمؐ سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ۔	شاہ معین الدین ندوی
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب۔	″ ″ ″
حیاۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات، مطالعہ کے لئے راہ نما کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر مبنی کتاب	امام ابن قیمؒ
الفاروق	حضرت عمر فاروقؓ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذوالنورین	حضرت عثمانؓ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″	معراج الحق عثمانی

اسلامی تاریخ پر چند جدید کتب

طبقات ابن سعد	اسلامی تاریخ کا مستند اور بنیادی ماخذ	علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری
تاریخ ابن خلدون	مع مقدمہ	علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون
تاریخ ابن کثیر	اردو ترجمہ النہایۃ البدایۃ	حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل ابن کثیر
تاریخ اسلام		مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
تاریخ ملت	تاریخ قبل از اسلام سے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ	زیر نگرانی مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی
تاریخ طبری	اردو ترجمہ تاریخ الامم والملوک	علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری
سیر الصحابہؓ	انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات	الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم